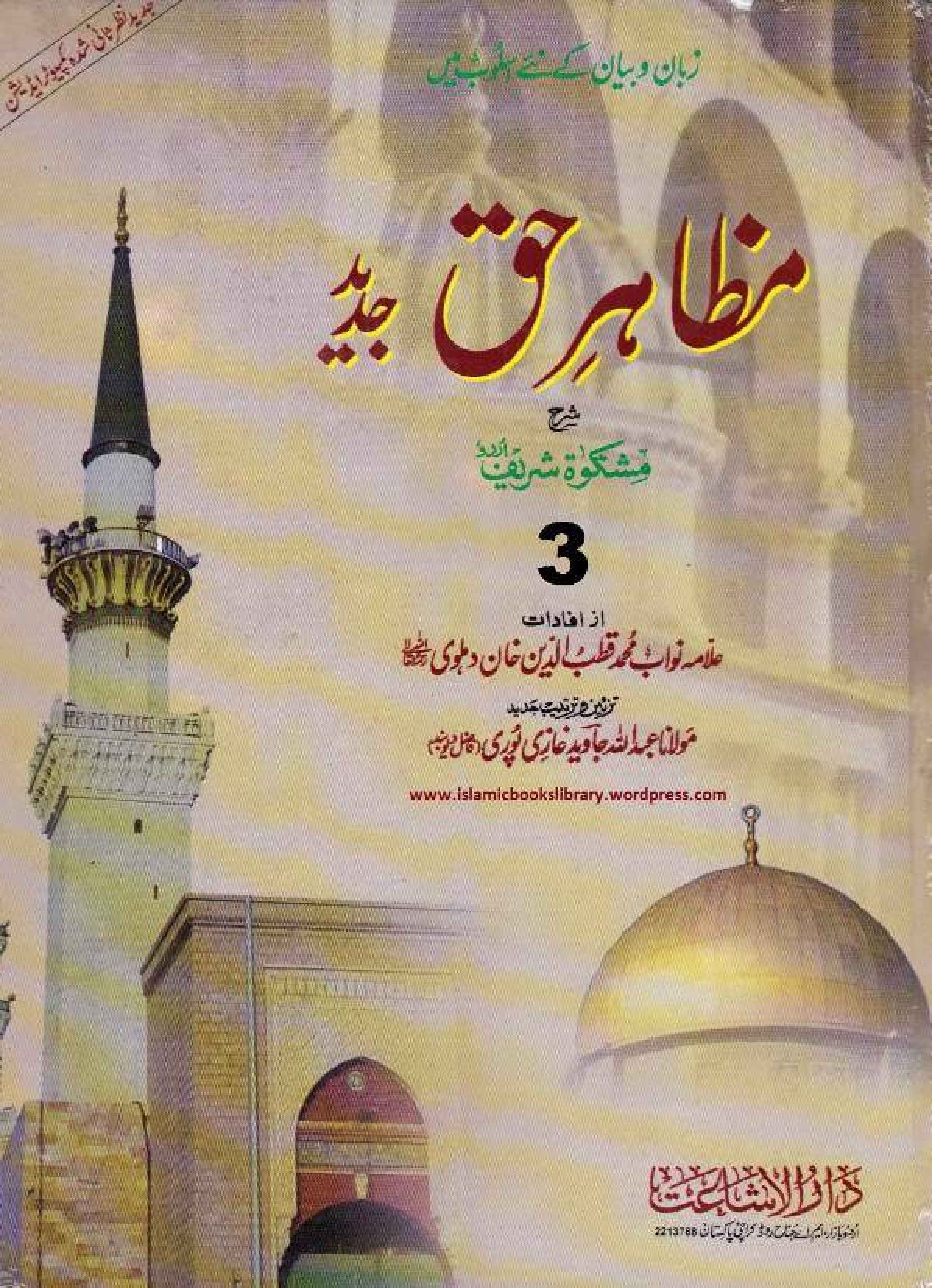


جدید نظر ثانی شدہ کمپیوٹر ایڈیشن

زبان و بیان کے نئے اسلوب میں

مظاہرِ حق جدید

شرح

مِشکوٰۃ شریف اردو

3

از افادات

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی رحمہ اللہ

ترمیم و ترتیب جدید

مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری (فاضل دیوبند)

دار الاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

جدید نظر ثانی شدہ کمپیوٹر ایڈیشن

زبان و بیان کے نئے اسلوب میں

مظاہر حق جدید

اردو

شرح

مشکوۃ شریف اردو

جلد سوم

از افادات

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی رحمہ اللہ

ترجمہ و ترتیب جدید

مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری (فاضل دیوبند)

دار الاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 221376R

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : مارچ ۲۰۰۹ء شکیل پریس کراچی۔
ضخامت : صفحات ۸۵۲

مصححین : مولانا محمد شفیق صاحب فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن
مولانا محمد اصغر مغل صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
مولانا دلشاد صاحب مدرس دارالعلوم حسینیہ شہداد پور

﴿.........ملنے کے پتے.........﴾

ادارۃ المعارف کورنگی کراچی نمبر ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور
ادارۃ القرآن D/437 گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
کشمیر بک ڈپو، چنیوٹ بازار فیصل آباد
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار راولپنڈی
الفیصل تاجران کتب اردو بازار لاہور
ادارہ اسلامیات اردو بازار کراچی

فہرست — مظاہر حق جدید (جلد سوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب البیوع

خرید وفروخت کا بیان

اسلامی نقطۂ نظر سے کائنات انسانی کی عملی زندگی کے دو محور ہیں۔ اوّل "حقوق اللہ" کہ جسے عبادات کہتے ہیں اور دوم "حقوق العباد" کہ جسے معاملات کہا جاتا ہے، یہی دو اصطلاحیں ہیں جو انسانی نظام حیات کے تمام اصول و قواعد اور قوانین کی بنیاد ہیں۔

ان دونوں میں چونکہ حقوق اللہ کی عمومیت حاصل ہے کہ اس کا تعلق کائنات انسانی کے ہر فرد سے ہے اس لئے مصنف کتاب نے پہلے ان کو بیان کیا۔ اب اس کے بعد حقوق العباد یعنی معاملات کا بیان شروع کیا ہے جس کا سب سے اہم جزو "بیع" ہے۔

بیع کے معنی: "بیع" کے معنی ہیں "بیچنا یعنی فروخت کرنا" لیکن کبھی اس کے معنی "خریدنا" بھی مراد ہوتے ہیں، اس لئے بیع کا ترجمہ اصطلاحی طور پر "خرید وفروخت" کیا جاتا ہے۔

فخر الاسلام کا بیان ہے کہ اصطلاح شریعت میں "آپس کی رضامندی سے مال کے ساتھ مال بدلنا" بیع کہلاتا ہے۔

بیع کی شرعیت: بیع یعنی خرید وفروخت کا شرعی ہونا، قرآن کریم کی اس آیت واحل اللّٰہ البیع وحرم الربوا (اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے) اور رسول کریم ﷺ کی احادیث (جو آگے آئیں گی) سے ثابت ہے۔

بیع کی قسمیں: بیع یعنی خرید وفروخت میں بنیادی طور پر تین چیزیں ہوتی ہیں۔ اوّل تو عقد بیع یعنی نفس معاملہ کہ ایک شخص کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور دوسرا اسے خریدتا ہے، دوم مبیع یعنی وہ چیز جس کو فروخت کیا جاتا ہے اور سوم ثمن یعنی قیمت۔ ان تینوں کے اعتبار سے فقہی طور پر بیع کی کچھ قسمیں ہیں، چنانچہ نفس معاملہ اور اس کے حکم، کہ بیع صحیح ہوئی یا نہیں، کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں۔ ① نافذ ② موقوف ③ فاسد ④ باطل۔ بیع نافذ اس بیع کو کہتے ہیں کہ طرفین میں مال ہو (یعنی بیچنے والے کے پاس مبیع ہو اور خریدار کے پاس ثمن ہو) اور عاقدین یعنی بیچنے والا اور خریدار دونوں عاقل ہوں، نیز وہ دونوں بیع یا تو اصالۃً کریں یا وکالۃً اور ولالۃً جس بیع میں یہ تینوں چیزیں پائی جائیں گی وہ بیع بالکل صحیح اور نافذ ہوگی۔ بیع موقوف اس بیع کو کہتے ہیں جس میں کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز کو اس کی اجازت یا ولایت کے بغیر فروخت کرے۔ اس بیع کا حکم یہ ہے کہ جب تک کہ اصل مالک کی اجازت ورضامندی حاصل نہ ہو جائے یہ بیع صحیح نہیں ہوتی۔ اجازت کے بعد صحیح ہو جاتی ہے۔ بیع فاسد وہ بیع ہے جو باصلہ یعنی معاملہ کے اعتبار سے تو درست ہو مگر بوصفہ یعنی کسی خاص وجہ کی بناء پر درست نہ ہو۔ بیع باطل اس بیع کو کہتے ہیں جو نہ تو باصلہ درست ہو اور نہ بوصفہ۔ بیع فاسد اور بیع باطل کی تفصیل اور ان کی مثالیں انشاء اللہ "باب المنهي عنها من البيوع" میں ذکر کی جائیں گی۔

مبیع یعنی فروخت کی جانے والی چیز کے اعتبار سے بھی بیع کی چار قسمیں ہیں۔ ① مقائضہ ② صرف ③ سلم ④ بیع مطلق۔ بیع مقائضہ

یہ ہے کہ مبیع بھی مال اور ثمن بھی مال ہو مثلاً ایک شخص کپڑا دے اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں اس کو غلہ دے۔ گویا بیع کی یہ وہ صورت ہے جسے عرف عام میں "تبادلہ مال" کہا جاتا ہے۔ بیع صرف یہ ہے کہ نقد کا تبادلہ نقد سے کیا جائے مثلاً ایک شخص ایک روپیہ کا نوٹ دے اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں ایک روپیہ کے پیسے دے یا ایک شخص اشرفی دے اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں اسے روپے دے گویا روپیہ بھنانا یا روپیہ کی ریزگاری لینا دینا بیع صرف کی ایک قسم ہے۔ بیع سلم یہ ہے کہ بیچنے والا خریدار سے کسی چیز کی قیمت پیشگی لے لے اور یہ طے ہو جائے کہ خریدار یہ چیز اتنی مدت مثلاً ایک دو مہینے کے بعد لے لے گا۔ بیع مطلق یہ ہے کہ کسی چیز کی بیع نقد کے عوض کی جائے مثلاً بیچنے والا ایک من گیہوں دے اور خریدار اس کی قیمت کے طور پر تیس روپے ادا کرے۔

ثمن یعنی قیمت کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں یہ ہیں۔ ① مرابحہ ② تولیت ③ ودیعت ④ مساومت۔ مرابحہ کی یہ صورت ہے کہ بیچنے والا مبیع کو اپنے خریدار سے نفع لے کر فروخت کرے۔ تولیت کی یہ صورت ہے کہ بیچنے والا مبیع کو بلا نفع کے اس قیمت پر فروخت کرے جس قیمت میں اس نے خود خریدی ہو۔ ودیعت کی صورت یہ ہے کہ بیچنے والا مبیع کو اس قیمت سے بھی کم میں فروخت کرے جتنی قیمت میں اس نے خود خریدی ہو اور مساومت کی صورت یہ ہے کہ بیچنے والا اور خریدار آپس کی رضامندی سے کسی چیز کی خرید و فروخت چاہے جس قیمت پر کریں اور اس میں بیچنے والے کی قیمت خرید کا کوئی لحاظ نہ ہو۔

بَابُ الْكَسْبِ وَطَلَبِ الْحَلَالِ
کسب اور طلب حلال کا بیان

"کسب اور طلب حلال" کا مطلب ہے "اپنی معاشی ضروریات مثلاً روٹی، کپڑے وغیرہ کے حصول کے لئے کمانا اور پاک روزی و حلال پیشہ کو بہر صورت اختیار کرنا" چنانچہ اس باب میں کسب معاش کی فضیلت ذکر کی گئی ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ کون سا کسب اور کون سا پیشہ اچھا ہے اور کون سا برا ہے؟

فقہ کی کتابوں میں اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ سب سے بہتر کسب و پیشہ جہاد ہے، اس کے بعد تجارت، پھر زراعت اور پھر دستکاری (یعنی کتابت وغیرہ)۔

کسب یعنی کمانا فرض بھی ہے اور مستحب بھی، اسی طرح مباح بھی ہے اور حرام بھی۔ چنانچہ اتنا کمانا فرض ہے جو کمانے والے اور اس کے اہل و عیال کی معاشی ضروریات کے لئے اور اگر اس کے ذمہ قرض ہو تو اس کی ادائیگی کے لئے کافی ہو جائے۔ اس سے زیادہ کمانا مستحب ہے بشرطیکہ اس نیت کے ساتھ زیادہ کمائے کہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات سے جو کچھ بچے گا وہ فقراء و مساکین اور اپنے دوسرے مستحق اقرباء پر خرچ کروں گا۔ اسی طرح ضروریات زندگی سے زیادہ کمانا اس صورت میں مباح ہے جب کہ نیت اپنی شان و شوکت اور اپنے وقار و تمکنت کی حفاظت ہو، البتہ محض مال و دولت جمع کر کے فخر و تکبر کے اظہار کے لئے زیادہ حرام ہے۔ اگرچہ حلال ذرائع ہی سے کیوں نہ کمایا جائے۔

کمانے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی کمائی کو اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر اس طرح خرچ کرے کہ نہ تو اسراف میں مبتلا ہو اور نہ بخل و تنگی کرے۔

جو شخص کمانے اور اپنی روزی خود فراہم کرنے پر قادر ہو اس پر لازم ہے کہ وہ کمائے اور جس طرح بھی ہو سکے حلال ذرائع سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی آبرومندانہ زندگی کے تحفظ کے لئے معاشی ضروریات خود فراہم کر کے دوسروں پر بار نہ بنے، ہاں جو شخص کسی بھی مجبوری اور عذر کی وجہ سے کسب و کمائی پر قادر نہ ہو تو پھر اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ دوسروں سے سوال کر کے اپنی زندگی

حفاظت کرے اگر اس صورت میں کوئی شخص محض اس وجہ سے کہ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا اس کی غیرت کو گوارا نہیں، اس نے کسی سے سوال نہیں کیا یہاں تک کہ بھوک وافلاس نے اس کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیا تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی موت کا خود ذمہ دار ہوگا بلکہ ایک گنہگار کی موت مرے گا۔ نیز جو شخص خود کما کر اپنا پیٹ بھرنے سے عاجز ہو تو اس کا حال جاننے والے پر یہ فرض ہے کہ وہ اس معذور شخص کی خبر گیری کرے بایں طور کہ اس کا پیٹ بھرے یا وہ خود اس انسانی فریضہ کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو کسی ایسے شخص سے اس کی مدد کی سفارش کرے جو اس کی مدد کرنے پر قادر ہو۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اس آیت کریمہ:

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ۔

"اے مؤمنو! تم صرف وہی پاک وحلال رزق کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے۔"

کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ سب سے بہتر کسب جہاد ہے بشرطیکہ جہاد کے ارادے کے وقت مال غنیمت کے حصول کا خیال دل میں قطعا نہ ہو بلکہ نیت میں اخلاص ہو، اس کے بعد تجارت کا درجہ ہے خاص طور پر وہ تجارت جو ایک ملک سے دوسرے ملک میں یا ایک شہر سے دوسرے شہر میں مسلمانوں کی ضروریات خاص کی چیزوں کو لانے لے جانے کا ذریعہ ہو، اس قسم کی تجارت کرنے والا شخص اگر حصول منفعت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی خدمت اور ان کی حاجت روائی کی نیت بھی رکھے تو اس کی تجارت، عبادت کی بھی ایک صورت بن جائے گی۔ تجارت کے بعد زراعت کا درجہ ہے، زراعت کا پیشہ بھی دنیاوی منفعت کے علاوہ اجر و ثواب کا ایک بڑا ذریعہ بن جاتا ہے جب کہ اس میں مخلوق خدا یعنی انسانوں اور جانوروں کی غذائی ضروریات کی فراہمی کی نیت خیر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی بارش و ہوا وغیرہ پر توکل واعتماد ہو، ان تینوں پیشوں کے علاوہ اور پیشے آپس میں کوئی فضیلت نہیں رکھتے، البتہ کتابت کا پیشہ بہتر درجہ ضرور رکھتا ہے کیونکہ اس پیشے میں نہ صرف یہ کہ علم کی خدمت ہوتی ہے بلکہ دینی علوم، شرعی احکام انبیاء اور بزرگوں کے احوال بھی یاد ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا پیشوں کے بعد ان پیشوں کا درجہ آتا ہے جو بقاء عالم اور معاشرت و تمدن کی اصل ضروریات کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں مثلاً معماری، بیلداری، خشت سازی، چونا بنانا، گھی اور تیل نکالنا، روئی بیچنا، سوت کاتنا، کپڑے سینا اور آٹا پیسنا وغیرہ۔ یہ تمام کسب اور پیشے ان پیشوں سے بہتر ہیں جو محض تکلف و تزئین اور اظہار امارت و دولت کے کام آتے ہیں، جیسے زردوزی و نقاشی، مٹھائی بنانا، عطر بنانا بیچنا اور رنگریزی وغیرہ۔ تاہم یہ پیشے بھی اگر حسب موقع ہوں بایں طور کہ ان کی وجہ سے خلاف شرع امور کا ارتکاب نہ ہوتا ہو تو ان میں بھی کچھ کراہیت نہیں ہے۔ بخلاف ان پیشوں کے جن میں آلودگی، نجاست، مخلوق خدا بدخواہی، گناہوں کے ارتکاب میں اعانت، دین فروشی، کذب و جعل سازی اور فریب و دغا کا دخل رہتا ہو جیسے شاخ کشی، جاروب کشی، دباغی، احتکار غلہ، حمالی، مردہ شوئی، کفن فروشی، کٹنائی، ناچنا گانا، نقالی، جرہ بازی (پہلے زمانے میں ایک مستقل پیشہ تھا کہ کچھ چہل باز شارع عام پر ایک شخص کو کھڑا کر دیتے جو راہ چلتے آدمی کی کوکھ میں اس طرح ٹھوکا مار دیتا کہ اسے یہ پتہ نہ چلتا کہ یہ کس کی حرکت ہے چنانچہ جب وہ اس پر حیران و پریشان ہوتا تو سب چہل باز اس پر قہقہے لگاتے اس کو جرہ بازی کہتے تھے) نقالی، دلالی اور وکالت (جس میں جھوٹ فریب سے کام لیا جاتا ہو) امامت، اذان اور خدمت مسجد کی اجرت اور قرآن کی تلاوت و تعلیم کا معاوضہ لینا وغیرہ یہ سب پیشے مکروہ ہیں۔ (شاہ عبدالعزیزؒ)

مغنی الطالب میں لکھا ہے کہ کسب اور کسب کرنے والے کی فضیلت احادیث میں بہت منقول ہے، اسی طرح جو شخص کسب پر قادر ہونے کے باوجود از راہ کسل و سستی کسب نہ کرے بلکہ اپنی گذر اوقات کے لئے دوسروں سے مانگتا پھرے اس کے حق میں بڑی وعیدیں کی گئی ہیں۔ لیکن جو شخص خدا کی رزاقی پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہوئے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے اور نہ ہی اپنی دینی مصروفیات اور عبادت واذکار میں خلل پڑنے کی وجہ سے کسب وغیرہ کرے تو اس وعید میں داخل نہیں بشرطیکہ اپنی امداد کے لئے دوسرے لوگوں کی طرف نہ تو اس کا دل متوجہ ہو اور نہ وہ کسی سے اپنی امداد و فروخت کی توقع رکھتا ہو کیونکہ اسے سوال دلی کہتے ہیں جو سوال زبانی سے کہیں بدتر چیز ہے۔

جو شخص اتنا مال وزر رکھتا ہو جو اس کی معاشی ضروریات کے لئے کافی ہو یا اوقات وغیرہ سے اسے بقدر ضروریات روپیہ پیسہ مل جاتا ہو (مطلب یہ کہ گھر بیٹھے اسے کسی بھی جائز وسیلے سے بقدر ضروریات آمدنی ہو جاتی ہو) تو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ عبادت وغیرہ میں مشغول رہے، اپنے اوقاف کو کسی کسب وغیرہ میں صرف نہ کرے، اسی طرح دینی علوم کی تعلیم دینے والے مفتی، قاضی اور اسی زمرہ کے دوسرے لوگوں کے لئے بھی یہی حکم ہے اگر یہ لوگ بقدر کفایت ضروریات آمدنی رکھتے ہوں تو ان کو اپنے امور ہی میں مصروف رہنا چاہئے کسب وغیرہ میں مصروف نہ ہوں۔

جو شخص کسی کسب مثلاً تجارت وغیرہ کا پیشہ اختیار کرے تو اس پر فرض ہے کہ وہ صرف حلال اور جائز مال کمائے، حرام سے کلیۃً اجتناب کرے اور اپنے پیشے و ہنر میں احکام شرعی کی رعایت بہر صورت ملحوظ رکھے، نیز اپنے پیشہ میں تمام تر محنت وجدوجہد کے باوجود اللہ کی ذات پر توکل واعتماد رکھے کہ رزاق مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کسب، محض ایک ظاہری وسیلہ کے درجہ کی چیز ہے، اپنے پیشے وکسب کو رزاق ہرگز نہ سمجھے کیونکہ یہ شرک خفی ہے۔ حرام کسب کے ذریعے حاصل ہونے والے مال وزر سے مکمل پرہیز کرے کیونکہ اس کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ کی یہ وعید منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص حرام مال سے صدقہ وخیرات کرتا ہے تو اس کا صدقہ قبول نہیں ہوتا" اور مال حرام اپنے پیچھے یعنی مالک کی موت کے بعد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں رہتا کہ وہ (اپنے مالک کے لئے ایسا برا) زاد راہ بن جاتا ہے جو اسے (یعنی مالک کو) دوزخ کی آگ میں پہنچا دیتا ہے۔

بعض لوگ حرام مال کی بڑی تعداد سے تو پرہیز کرتے ہیں لیکن قلیل مقدار میں احتیاط نہیں کرتے، حالانکہ حرام مال کی قلیل ترین مقدار سے بھی اسی طرح اجتناب کرنا چاہئے جس طرح بڑی سے بڑی مقدار سے اجتناب ضروری ہے اس بارے میں یہ احساس ہونا چاہئے کہ حرام مال کی وہ قلیل ترین مقدار بقیہ تمام حلال مال میں مل کر سارے مال کو مشتبہ بنا دے گی اور مشتبہ مال و مشتبہ پیشے کے بارے میں بھی یہ مسئلہ ہے کہ اس سے اجتناب ہی اولیٰ ہے۔

اگر کوئی شخص کسی کو بطور ہدیہ وغیرہ کوئی ایسی چیز یا ایسا مال دے جس کی حرمت وحلت کے بارے میں شبہ ہو تو چاہئے کہ اس چیز یا اس مال کو اچھے انداز میں اور نرمی کے ساتھ دینے والے کو واپس کر دے ہاں اگر واپس کرنے سے دینے والا آزردہ خاطر ہو تو پھر واپس نہ کرنا چاہئے۔ یہی حکم اس مشتبہ مال کی تحقیق کرنے کا بھی ہے کہ اگر وہ مشتبہ مال دینے والا آزردہ خاطر نہ ہو تو تب اس مال کی تحقیق کی جائے اور اگر وہ تحقیق کرنے سے آزردہ خاطر ہو تو پھر تحقیق بھی نہ کی جائے کیونکہ کسی مسلمان کو آزردہ خاطر کرنا حرام ہے جب کہ مشتبہ مال کی تحقیق کرنا ورع (تقویٰ) ہے اور اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ ورع کے لئے حرام کا ارتکاب نہ کرنا چاہئے ہاں جس مال کے بارے میں بالکل تحقیق ہو کہ یہ حرام محض ہے تو پھر اس کو واپس کر دینا بہر صورت ضروری ہے اگرچہ دینے والا آزردہ خاطر ہی کیوں نہ ہو البتہ اگر اس مال کو واپس کرنے میں کسی فتنہ انگیزی کا خوف ہو تو پھر اسے بھی واپس نہ کرے بلکہ اسے لے کر کسی مضطر کو دے دے اور اگر خود مضطر ہو تو اسے اپنے استعمال میں لے آئے۔

جس بازار میں حرام مال کی تجارت ہوتی ہو اس بازار سے بھی اجتناب کرنا چاہئے کہ اس میں خرید وفروخت نہ کرے۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں مال حرام ہے، مشتبہ ہے اس کی تحقیق وتفتیش ضروری نہیں ہے کیونکہ حرمت وشبہ کے معلوم نہ ہونے کی صورت میں ہر جگہ اور ہر چیز کی تحقیق وتجسس محض وسوسہ ہے۔

غیر مشروع کسب کی اجرت بھی حرام ہے مثلاً مردوں کے لئے ریشمی کپڑے سینا یا مردوں کے لئے سونے کے زیور بنانا اسی طرح غیر مشروع خرید وفروخت سے حاصل ہونے والا نفع ومال بھی حرام ہے جیسے محتکرہ غلہ بیچنا۔ تمام تجارتوں میں سب سے بہتر تجارت بزازی ہے اسی طرح تمام پیشوں میں سب سے بہتر پیشہ مشک بنانا وسینا ہے۔ خرید وفروخت میں کھوٹے سکوں کو پھیلانا قطعاً ناجائز ہے اگر کھوٹے ہاتھ لگیں تو انہیں کنویں وغیرہ میں ڈال کر ضائع کر دینا چاہئے۔

اسی طرح ہر تاجر اور دوکاندار کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاملات میں مکر وفریب سے کام نہ لے، بات بات پر قسم نہ کھائے کسی چیز میں اگر کوئی عیب ہو تو اسے خریدار سے پوشیدہ نہ رکھے، اپنی اشیاء کی تعریف و توصیف حقیقت سے زیادہ نہ کرے، کوئی چیز کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت نہ کرے جو اسے حرام کام میں استعمال کرے مثلاً انگور کسی شراب ساز کو نہ بیچے، یا ہتھیار وغیرہ کسی ڈاکو و قزاق وغیرہ کے ہاتھ فروخت نہ کرے، دستکار و صنعت گر اپنی بنائی ہوئی چیز میں کھوٹ ملاوٹ اور غلط چیزوں کی آمیزش نہ کرے کیونکہ ایسی چیز سے حاصل ہونے والی اجرت و قیمت حرام ہوتی ہے، ناپ تول میں کمی نہ کرے، غبن ودھوکہ دہی میں اپنا دامن ملوث نہ کرے، ہمہ وقت یہ تصور رکھے کہ ناجائز طریقوں اور حرام ذرائع سے حاصل ہونے والا ایک پیسہ بھی جنت میں داخل ہونے سے روک دے گا، تھوڑے منافع پر اکتفا کرے کہ یہ مستحب ہے اور جس تجارت وحرفت میں مشغول ہو اور اس سے اس کی ضروریات پوری ہو جاتی ہوں تو اسی پر قناعت کرے، اس کی موجودگی میں دوسری تجارتوں اور دوسرے کاروبار کے ذریعے زیادہ کمانے کی حرص نہ رکھے بلکہ اپنے بقیہ اوقات کو آخرت کی بھلائیوں کو حاصل کرنے میں صرف کرے کیونکہ صرف اس دنیا کی فانی زندگی کی راحت و تعیش کے حصول میں ہمہ وقت لگے رہنا اور آخرت کی ابدی زندگی کی سعادتوں سے بے پرواہ ہو جانا عقل و دانش سے بعید تر بات ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

اپنے ہاتھ کی محنت کی روزی سب سے بہتر ہے

(۱) عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِی كَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ اَنْ يَاْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ وَاِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت مقدامؓ بن معدی کرب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کبھی کسی نے اپنے ہاتھ کی محنت کی روزی سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمائی ہوئی روزی کھاتے تھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے ایک جلیل القدر نبی تھے اور ساتھ ہی خدا نے انہیں دنیا کی سلطنت وحکومت بھی عطا کی تھی۔ ان کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنی حکومت میں لوگوں سے اپنے بارے میں تجسس کرتے رہتے تھے، چنانچہ جو شخص ان کو نہیں پہچانتا تھا اس سے وہ دریافت کرتے کہ بتاؤ داؤد کیسا ہے؟ لوگوں میں اس کی سیرت و عادت کس درجے کی ہے، اور اس کے بارے میں تمہارا تاثر کیا ہے؟ ایک دن ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو آدمی کی صورت میں ان کے پاس بھیجا انہوں نے اس سے بھی اس قسم کے سوال کئے۔ اس نے کہا کہ داؤد علیہ السلام ہیں تو اچھے آدمی، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ وہ بیت المال سے روزی کھاتے ہیں۔ بس یہ سننا تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے دل ودماغ میں ایک بجلی سی کوند گئی، فوراً اپنے پروردگار سے دعا کی کہ "رب العالمین! مجھے بیت المال سے مستغنی بنادے اور مجھے کوئی ایسا ہنر عطا کردے کہ جس سے میں اپنی روزی کما سکوں" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں زرہ بنانے کا ہنر عطا فرمایا، منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو ایسی خاصیت عنایت کی کہ لوہا ان کے ہاتھوں میں پہنچتے ہی موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا جس سے وہ زرہ بناتے اور جو چار چار ہزار درہم میں فروخت ہوتی بلکہ بعض علماء نے تو یہ لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ہر روز ایک زرہ بناتے اور اس کو چھ ہزار درہم میں فروخت کرتے، پھر اس چھ ہزار کو اس طرح صرف کرتے کہ دو ہزار تو اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے اور چار ہزار درہم بنی اسرائیل کے فقراء و مساکین میں بطور صدقہ وخیرات تقسیم کر دیتے۔

بہر کیف آنحضرت ﷺ نے مذکورہ بالا ارشاد گرامی کے ذریعے جہاں یہ ارشاد فرمایا کہ کسب یعنی اپنی روزی خود پیدا کرنا انبیاء کی سنت ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عمل سے معلوم ہوا اس لئے تم بھی ان کے طریقے کو اختیار کرو، وہیں گویا آپ نے اپنی روزی خود اپنی صنعت وحرفت کے ذریعے پیدا کرنے پر لوگوں کو ترغیب دلائی ہے کیونکہ اس میں بڑے بڑے فائدے ہیں مثلاً جو شخص اپنی صنعت

وحرفت سے کماتا ہے نہ صرف یہ کہ خود اسے منافع حاصل ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی صنعت وحرفت سے فائدہ پہنچتا ہے پھر یہ کہ ایسا شخص اپنے پیشے میں مصروف رہنے کی وجہ سے بری باتوں اور لہو ولعب سے محفوظ رہتا ہے، نیز چونکہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی وجہ سے کسر نفسی بھی پیدا ہوتی ہے اس لئے وہ اپنے نفس کی سرکشی سے بچتا ہے اور پھر سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایسا شخص کسی کا محتاج نہیں رہتا، کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتا، کسی کے آگے جھکتا نہیں اور اسے ایک آبرومندانہ زندگی حاصل رہتی ہے۔

صرف حلال مال کھانے کی فضیلت اور حرام مال سے نہ بچنے کا اثر

(۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ يَاۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا وَقَالَ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَاءِ يَارَبِّ يَارَبِّ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ (تمام کمی اور عیوب سے) پاک ہے، اس پاک ذات کی بارگاہ میں صرف وہی (صدقات واعمال) مقبول ہوتے ہیں جو (شرعی عیوب اور نیت کے فساد سے پاک ہوں یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے جس چیز (یعنی حلال مال کھانے اور اچھے اعمال) کا حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے اسی چیز کا حکم تمام مومنوں کو بھی دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا ایہا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا (یعنی اے رسولو! حلال روزی کھاؤ اور اچھے اعمال کرو) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یاایہا الذین امنوا کلوا من طیبات مارزقنکم (یعنی اے مؤمنو! تم صرف وہی پاک وحلال رزق کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے) پھر آپ ﷺ نے (بطور مثال) ایک شخص کا حال ذکر کیا کہ وہ طول طویل سفر اختیار کرتا ہے پراگندہ بال اور غبار آلودہ ہے وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے، اے میرے رب! اے میرے رب (یعنی وہ اپنے مقاصد کے لئے دعاء مانگتا ہے) حالانکہ کھانا اس کا حرام، لباس اس کا حرام (شروع سے اب تک) پرورش اس کی حرام ہی (غذاؤں سے) ہوئی پھر کیونکر اس کی دعا قبول کی جائے۔"
(مسلمؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی میں پہلے تو حلال مال کمانے کی فضیلت اور اس کا حکم بیان کرتے ہوئے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کہ خود پاک ہے اور حلال رزق کو اس کی جناب پاک میں اس وجہ سے ایک نسبت حاصل ہے کہ حلال رزق بھی حرمت کی نجاستوں سے پاک ہوتا ہے تو تقاضاء عبودیت یہی ہے کہ بندہ حلال ہی رزق کھائے تاکہ اس پاک وحلال رزق کی وجہ سے اس بندہ کو بارگاہ خداوندی میں تقرب کی دولت حاصل ہو۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ بتایا ہے کہ حرام مال سے اجتناب نہ کرنے کا اثر دعا کا قبول نہ ہونا ہے، چنانچہ اس بات کو آپ ﷺ نے اس مثال کے ذریعے ظاہر فرمایا ہے کہ ایک شخص حج یا اور عبادات کے لئے طول طویل سفر اختیار کرتا ہے وہ ان مقامات مقدسہ تک پہنچنے میں پوری مشقت وجدوجہد کرتا ہے جہاں مانگی جانے والی دعا باب قبولیت تک پہنچتی ہے یہاں تک کہ وہ ان مقامات تک پہنچ جاتا ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ اس حال میں دست سوال اٹھاتا ہے کہ سفر کی مشقت وطوالت کی وجہ سے اس کے بال پراگندہ ہیں، پورا جسم گرد وغبار سے آلودہ ہے اور تضرع والحاح کی پوری کیفیت اس پر طاری ہے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس کی دعاء بظاہر قبول ہونی چاہئے کیونکہ اول تو ایک عبادت گذار بندہ ہے پھر وہ مسافر بھی ہے اور مسافر کے بارے میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی دعاء باب قبولیت تک پہنچ کر رہتی ہے دوسرے یہ کہ اس جگہ دعا مانگ رہا ہے جہاں مانگی جانے والی ہر دعا کی لاج رکھی جاتی ہے، غرضیکہ قبولیت دعا کے تمام آثار موجود ہیں مگر اس شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی، کیوں؟ اس لئے کہ جاننے والا جانتا ہے کہ وہ حرام مال سے پرہیز نہیں

کرتا، گویا اس کی ساری محنت و مشقت اور اس کی ساری عبادت و حالت اس کی دعا کو صرف اس لئے مؤثر نہیں بنا سکی کہ وہ حرام مال کھاتا ہے، حرام لباس پہنتا ہے اور کمائی کے حرام ذرائع سے اجتناب نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کی قبولیت حلال رزق پر موقوف ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ دعا کے دو بازو ہیں (جن کے سہارے وہ دعا باب قبولیت تک پہنچتی ہے) ایک تو اکل حلال دوسرا صدق مقال یعنی حلال کھانا اور سچ بولنا۔

آنے والے زمانہ کے بارے میں ایک پیش گوئی

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِىْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِى الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ اَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو جو مال ملے گا اس کے بارے میں وہ اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ یہ حلال ہے یا حرام۔" (بخاریؒ)

تشریح: قیامت کے قریبی زمانہ میں جہاں عام گمراہی کی وجہ سے افکار و اعمال کی اور بہت سی خرابیاں پیدا ہوں گی وہیں ایک بڑی خرابی یہ بھی پیدا ہوگی کہ لوگ حلال و حرام مال کے درمیان تمیز کرنا چھوڑ دیں گے جس کو جو بھی مال ملے گا اور جس ذریعہ سے بھی ملے گا اسے یہ دیکھے بغیر کہ یہ حلال ہے یا حرام ہضم کر جائے گا۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ پیش گوئی آج کے زمانہ پر پوری طرح منطبق ہے۔ آج ایسے کتنے لوگ ہیں جو حلال و حرام مال کے درمیان تمیز کرتے ہیں؟ ہر شخص مال و زر بٹورنے کی ہوس میں مبتلا ہے مال حلال ہے یا حرام ہے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ بس ہاتھ لگنا چاہئے کسی نے سچ کہا ہے ؎

ہر چہ آمد بدہان شاں خورند وآنچہ آمد بزبان شان گفتند

یہ اس دور کی عام وبا ہے جس سے کوئی طبقہ اور کوئی جماعت محفوظ نہیں ہے۔

مشتبہ چیزوں سے بھی اجتناب کرنا چاہئے

(۴) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَاَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِى الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِى الْحَرَامِ كَالرَّاعِىْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا وَاِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَاِنَّ فِى الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِىَ الْقَلْبُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت نعمانؓ ابن بشیر راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا حلال ظاہر ہے، حرام ظاہر ہے، اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے، لہٰذا جس شخص نے مشتبہ چیزوں سے پرہیز کیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو پاک و محفوظ کر لیا۔ (یعنی مشتبہ چیزوں سے بچنے والے کے نہ تو دین میں کسی خرابی کا خوف رہیگا، اور نہ کوئی اس پر طعن تشنیع کریگا) اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہوا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا، اور اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو ممنوعہ چراگاہ کی مینڈ پر چراتا ہے اور ہر وقت اس کا امکان رہتا ہے کہ اس کے جانور اس ممنوعہ چراگاہ میں گھس کر چرنے لگیں۔ جان لو! ہر بادشاہ کی ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے، اور یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی ممنوعہ چراگاہ حرام چیزیں ہیں۔ اور اس بات کو بھی ملحوظ رکھو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست حالت میں رہتا ہے یعنی جب وہ ایمان و عرفان اور یقین کے نور سے منور رہتا ہے تو (اعمال خیر اور حسن اخلاق و احوال کی وجہ سے) پورا جسم درست حالت میں رہتا ہے اور جب اس ٹکڑے میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے یاد رکھو! گوشت کا وہ ٹکڑا دل ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "حلال ظاہر ہے" کا مطلب یہ ہے کہ کچھ چیزیں تو وہ ہیں، جن کا حلال ہونا سب کو معلوم ہے۔ نیک کلام، اچھی باتیں وہ مباح چیزیں ہیں جن کو کرنا یا جن کی طرف دیکھنا درست ہے، شادی بیاہ کرنا اور چلنا پھرنا وغیرہ وغیرہ! اسی طرح حرام ظاہر ہے" کا مطلب یہ ہے کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا حرام ہونا نص کے ذریعہ بالکل واضح طور پر معلوم ہو گیا ہے۔ جیسے شراب، خنزیر، مردار جانور، جاری خون، زنا، سود، جھوٹ، غیبت، چغل خوری، امرد اور اجنبی عورت کی طرف بہ نظر بد دیکھنا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کی حرمت یا حلت کے بارہ میں دلائل کے تعارض کی بناء پر کوئی واضح حکم معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ یہ حرام ہیں یا حلال ایسی کتنی ہی چیزیں ہیں جن کے حلال ہونے کی دلیلیں بھی ہیں اور حرام ہونے کی بھی، اس صورت میں کوئی واضح فیصلہ کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہوتی، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی چیزوں کی حقیقت بہت سے لوگ نہیں جان پاتے البتہ وہ علماء جو مرتبہ اجتہاد پر فائز ہوتے ہیں یا جن کا علم بہت وسیع و گہرا ہوتا ہے ایسی چیزوں کے بارہ میں دونوں طرف کی دلیلوں میں سے کسی ایک طرف کی دلیل کو اپنی قوت اجتہاد اور بصیرت فکر و نظر کے ذریعہ راجح قرار دیکر کوئی واضح فیصلہ کر لیتے ہیں۔ بہر کیف مشتبہ چیز کے بارہ میں علماء کے تین قول ہیں۔

① ایسی چیز کو نہ حلال سمجھا جائے نہ حرام اور نہ مباح یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہئے جس کا مطلب یہ ہے ایسی چیز سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔

② ایسی چیز کو حرام سمجھا جائے۔

③ ایسی چیز کو مباح سمجھا جائے۔

اب ان تینوں اقوال کو ذہن میں رکھ کو مشتبہ کو بطور مثال اس طرح سمجھئے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا۔ ایک دوسری عورت نے آکر کہا کہ میں نے ان دونوں کو اپنا دودھ پلایا ہے، اس صورت میں وہ منکوحہ عورت اس شخص کے حق میں مشتبہ ہو گئی کیونکہ ایک طرف تو عورت کا بیان ہے کہ میں نے چونکہ ان دونوں کو دودھ پلایا ہے اس لئے یہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہوئے اور ظاہر ہے کہ رضاعی بھائی بہن کے درمیان نکاح درست نہیں ہوتا لہٰذا اس دلیل کا تو یہ تقاضا ہے کہ اس نکاح کو قطعاً نا جائز کہا جائے مگر دوسری طرف نکاح کے جائز رہنے کی یہ دلیل ہے کہ صرف یہ ایک عورت کی بات ہے جس پر کوئی شرعی گواہی نہیں ہے اس پر کیسے یقین کر لیا جائے کہ یہ عورت صحیح ہی کہہ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محض بدنیتی کی وجہ سے یہ بات کہہ کر ان دونوں کے درمیان افتراق کرانا چاہتی ہے، اس صورت میں کہا جائے گا نکاح جائز اور درست ہے دلائل کے اس تعارض کی وجہ سے لامحالہ یہی حکم ہو گا کہ یہ ایک مشتبہ مسئلہ ہو گیا ہے اس لئے اس شخص کے حق میں بہتر یہی ہو گا کہ وہ اس عورت کو اپنے نکاح میں نہ رکھے کیونکہ مشتبہ چیز سے اجتناب ہی اولی ہے مشتبہ چیز کی دوسری مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس کچھ روپے ہیں جن میں سے کچھ تو جائز آمدنی کے ہیں اور کچھ ناجائز آمدنی کے اس صورت میں وہ سب روپے اس شخص کے حق میں مشتبہ ہیں لہٰذا اس کو ان روپیوں سے اجتناب و پرہیز کرنا چاہئے۔

ارشاد گرامی میں حرام چیزوں کو ممنوعہ چراگاہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کوئی حاکم کسی خاص چراگاہ کو دوسروں کے لئے ممنوع قرار دے دیتا ہے جس کے نتیجہ میں لوگوں کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو اس ممنوعہ چراگاہ سے دور رکھیں۔

اسی طرح جو چیزیں شریعت نے حرام قرار دی ہیں وہ لوگوں کے لئے ممنوع ہیں کہ ان کے ارتکاب سے اجتناب و پرہیز واجب و ضروری ہے اور مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہونے کو ممنوعہ چراگاہ کی مینڈ (منڈیر) پر عام جانور چرانے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح چرواہے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو ممنوعہ چراگاہ سے دور رکھ کر چرائے تاکہ اس کے جانور اس ممنوعہ چراگاہ میں نہ گھس جائیں اور اگر وہ اپنے جانوروں کو ممنوعہ چراگاہ کی مینڈ پر چرائے گا۔ تو پھر اس بات کا ہر وقت احتمال رہیگا کہ اس کے جانور ممنوعہ چراگاہ میں گھس جائیں جس کے نتیجہ میں اسے مجرم قرار دے دیا جائیگا اسی طرح انسان کو چاہئے کہ وہ مشتبہ چیزوں سے دور رہے تاکہ محرمات (حرام چیزوں) میں مبتلا نہ ہو جائے اس کے بعد آپ نے مذکورہ بالا تشبیہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جان لو کہ ہر بادشاہ کا ایک

ایسا ممنوعہ علاقہ ہوتا ہے جس میں جانور چرانا جرم سمجھا جاتا ہے (یہ گویا زمانہ جاہلیت کے بادشاہوں اور حکام کے بارہ میں خبر دی ہے یا یہ کہ مسلمانوں میں سے ان بادشاہوں اور حکام کے بارہ میں خبر دی ہے جو غیر عادل ہیں کیونکہ کسی علاقہ کی گھاس کو جانوروں کے چرنے سے روک کو ممنوعہ چراگاہ قرار دینا درست نہیں ہے) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ممنوعہ علاقہ حرام چیزیں ہیں کہ جن میں مبتلا ہونا لوگوں کے لئے ممنوع قرار دے دیا گیا ہے لہٰذا جو کوئی اس ممنوعہ علاقہ میں داخل ہوگا یعنی حرام چیزوں کا ارتکاب کریگا اسے مستوجب عذاب قرار دیا جائے گا اور پھر ان حرام چیزوں میں بھی بعض چیزیں تو ایسی ہیں جن کے مرتکب کی بخشش ہی نہیں ہوگی جیسے شرک اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہیں کہ چاہے ان کے مرتکب کو بخشے چاہے نہ بخشے البتہ سچے دل کے ساتھ توبہ استغفار سے ہر چیز بخشی جائیگی۔

حضرت شیخ علی متقیؒ نے اس موقع پر یہ ترتیب ضروری، مباح، مکروہ، حرام، کفر، قائم کر کے لکھا ہے کہ جب بندہ اپنی معاشی تمدنی اور سماجی زندگی کے تمام گوشوں میں اس قدر ضرورت پر اکتفا کر لیتا ہے جس سے اس کا وجود اور اس کی عزت باقی رہے تو وہ اپنے دین میں ہر خطرہ سے سلامت رہتا ہے مگر جب حد ضرورت سے گذرنے کی کوشش کرتا ہے تو حد مکروہات میں داخل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ حرص و ہوس حد مکروہات سے نکال کر محرمات کی مد میں داخل کر دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا اگلا قدم کفر میں پہنچ جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

حدیث کے آخر میں انسانی جسم میں گوشت کے اس ٹکڑے کی اہمیت بیان کی گئی ہے جسے دل کہا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جب وہ ٹکڑا بگڑ جاتا ہے یعنی انکار، شک اور کفر کی وجہ سے اس پر ظلمت طاری ہو جاتی ہے تو اس کے نتیجہ میں ارتکاب گناہ و معصیت کی وجہ سے پورا جسم بگڑ جاتا ہے، لہٰذا ہر عاقل و بالغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل کی طرف متوجہ رہے اور اس کو خواہشات نفسانی میں منہمک ہونے سے روکے تاکہ وہ آگے بڑھ کر مشتبہ چیزوں کی حد میں داخل نہ ہو جائے کیونکہ جب دل خواہشات نفسانی کی طرف چل پڑتا ہے تو پھر خدا کی پناہ، وہ تمام حدوں کو پھلانگتا ہوا ظلمت کی آخری حدوں تک پہنچ جاتا ہے۔

آخر میں یہ سمجھ لیجئے کہ یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ بدن کی بھلائی و بہتری حلال غذا پر موقوف ہے کیونکہ حلال غذا سے دل کو صفائی حاصل ہوتی ہے اور دل کی صفائی ہی سے تمام بدن اچھی حالت میں رہتا ہے بایں طور کہ اس کے ایک ایک عضو سے اچھے اعمال ہی صادر ہوتے ہیں اور تمام اعضاء کا برائی کی طرف میلان ختم ہو جاتا ہے۔

اور اب ایک بات یہ جان لیجئے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث علم و مسائل کے بڑے وسیع خزانے کی حامل ہے نیز جن حدیثوں پر اسلامی شرائع و احکام کا مدار ہے وہ تین ہیں ایک تو اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ دوسری مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَا یَعْنِیْهِ اور تیسری یہی ہے اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ الخ۔

زانیہ کی اجرت مال حرام ہے

⑤ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَمَنُ الْکَلْبِ خَبِیْثٌ وَ مَهْرُ الْبَغِیِّ خَبِیْثٌ وَکَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِیْثٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت رافعؓ ابن خدیج کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کتے کی قیمت ناپاک مال ہے، زنا کار عورت کی اجرت، حرام مال ہے۔ سینگی کھینچے والے کی کمائی ناپسندیدہ مال ہے"۔ (مسلم)

تشریح: پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ لفظ "خبیث" کے لغوی معنی "ناپاک اور برا" کے ہیں لیکن فقہی طور پر اس کے کوئی معنی نہیں ہیں ائمہ مجتہدین اور فقہاء حسب موقع و محل اس کے معنی کبھی حرام، کبھی ناپاک اور کبھی مکروہ وغیرہ مراد لیتے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام شافعیؒ نے "ثمن الکلب خبیث" میں "خبیث" کے معنی حرام مراد لیتے ہوئے کہا ہے کہ حدیث سے چونکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتے کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال حرام ہے اس لئے کتے کی خرید و فروخت بھی ناجائز ہے۔ کتا خواہ معلّم (یعنی سدھایا ہوا) ہو خواہ غیر معلّم (یعنی سدھایا ہوا نہ) ہو۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ حضرت امام محمدؒ اور بعض دوسرے ائمہ کا قول یہ ہے کہ ان کتوں، چیتوں اور درندوں کی خرید و فرخت جائز ہے، جن سے فائدے حاصل ہوتے ہیں خواہ وہ معلّم ہوں یا غیر معلّم۔ ان حضرات نے "ثمن الکلب خبیث" کے بارہ میں یہ کہا ہے کہ لفظ "خبیث" محض حرمت ہی پر دلالت نہیں کرتا جس کی واضح مثال اس حدیث کے الفاظ "و کسب الحجام خبیث" ہیں۔ اگر لفظ "خبیث" سے حرام ہی مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ سینگی کھینچنے والے کو جو اجرت حاصل ہوتی ہے وہ بھی حرام ہے حالانکہ متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک وہ حرام نہیں ہے لہٰذا "ثمن الکلب خبیث" میں لفظ خبیث کے معنی "ناپاک" مراد لیتے ہوئے اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ کتے کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال ناپاک یعنی مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔

"کسب الحجام خبیث" میں لفظ خبیث کے معنی "ناپسندیدہ" مراد لئے گئے ہیں کیونکہ خود آنحضرت ﷺ کے بارہ میں ثابت ہے کہ آپ نے سینگی کھنچوانے کی اجرت ادا کی ہے اگر یہ اجرت حرام ہوتی تو آپ خود کیوں دیتے؟ لہٰذا اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ سینگی کھینچنے والے کو اپنی اجرت کے طور پر جو مال ملتا ہے وہ ناپسندیدہ یعنی مکروہ تنزیہی ہے۔

کتے کی قیمت کا مسئلہ

(۶) وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ ثَمَنِ الْکَلْبِ وَ مَھْرِ الْبَغِیِّ وَ حُلْوَانِ الْکَاھِنِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابومسعودؓ انصاری کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے کتے کی قیمت، بدکار عورت کی اجرت اور کاہن کے حلوان یعنی اس کی اجرت (کے طور پر حاصل ہونے والے مال کو استعمال کرنے) سے منع فرمایا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: کتے کی خرید و فروخت اور اس کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والے مال کے سلسلہ میں تفصیلی بحث اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں کی جا چکی ہے چنانچہ اس حدیث میں کتے کی قیمت کے ممنوع ہونے کا جو حکم بیان کیا گیا اس کے بارہ میں حنفی علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت تھا جب کہ آنحضرت ﷺ نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ نیز آپ نے کتوں سے فائدہ حاصل کرنیکی بھی ممانعت کر دی تھی مگر پھر بعد میں آپ نے یہ اجازت دے دی تھی کہ کتوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے یہاں تک کہ یہ بھی منقول ہے کہ ایک شخص نے ایک شکاری کتے کو مار ڈالا تھا تو آپ نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ کتے کے مالک کو چالیس درہم ادا کرے۔ اسی طرح ایک شخص نے ایک ریوڑ کے نگہبان کتے کو مار ڈالا تو آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ مالک کو اس کتے کے بدلہ میں ایک دنبہ دے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ نہ تو کتے کی خرید و فرخت جائز ہے اور نہ کسی کتے کو مار ڈالنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس کتے کی قیمت اس کے مالک کو ادا کرے کتا خواہ معلّم ہو یا غیر معلّم ہو، اسی طرح خواہ اس کتے کا پالنا جائز ہو یا ناجائز ہو لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس کتے کی خرید و فروخت جائز قرار دی ہے جس سے فائدہ اٹھانا مقصود ہو مثلاً گھربار کی نگرانی یا ریوڑ گلوں کی نگہبانی وغیرہ نیز حضرت امام اعظمؒ نے ایسے کتے کو مار ڈالنے والے کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اس کتے کی قیمت اس کے مالک کو ادا کرے۔

بدکار عورت کے اس مال کا حکم جو اس نے اپنی بدکاری کی اجرت کے طور پر حاصل کیا ہو، گذشتہ حدیث کی تشریح میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

"کاہن" اس شخص کو کہتے ہیں جو آنے والے زمانہ کی خبریں بتایا کرتا ہے، اسی طرح "حلوان" کے لغوی معنی اگرچہ "شیرینی اور مٹھائی" لیکن اصطلاحی طور پر عربی میں "حلوان" اس اجرت کو کہتے ہیں جو کاہن آیندہ کی خبریں معلوم کرنے والے سے وصول کرتا ہے، خواہ وہ مٹھائی اور کھانے وغیرہ کی صورت میں ہو یا کپڑے، زیور اور نقدی وغیرہ کی شکل ہیں، کاہن کی اجرت کو حلوان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح شیرینی اور مٹھائی کھانے سے طبیعت کو فرحت محسوس ہوتی ہے اسی طرح کاہن کو اپنی یہ اجرت لے کر بہت ہی فرحت محسوس ہوتی ہے کیونکہ بغیر کسی محنت و مشقت کے وہ اچھا خاصا مال بٹور لیتا ہے۔

یہ بات تو معلوم ہی ہوگی کہ جس طرح کاہن کے پاس جانا اور ان سے آئیندہ کی خبریں معلوم کرنا حرام ہے اسی طرح پوشیدہ باتوں کو معلوم کرنے کے لئے نجومی اور پامسٹ وغیرہ کے پاس جانا اور ان کی بتائی ہوئی باتوں پر یقین کرنا حرام ہے اس بارہ میں کسی عالم کا کوئی اختلاف نہیں ہے اس کی تفصیلی بحث انشاء اللہ "باب السحر و الکھانہ" میں آئے گی۔"

خون بیچنا حرام ہے

⑦ وَعَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ ثَمَنِ الدَّمِ وَثَمَنِ الْکَلْبِ وَکَسْبِ الْبَغِیِّ وَلَعَنَ اٰکِلَ الرِّبَا وَمُؤْکِلَهٗ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَالْمُصَوِّرَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوجحیفہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خون کی قیمت، کتے کی قیمت اور بدکار عورت کی اجرت (کے طور پر حاصل ہونے والے مال کے استعمال سے منع فرمایا ہے نیز آپ نے سود لینے والے اور سود دینے والے گودنے والے! اور گودوانے والے اور مصور پر لعنت فرمائی ہے)۔" (بخاری)

تشریح: خون کی قیمت سے منع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے خون کی خرید و فرخت سے منع فرمایا ہے کیونکہ خون نجس ہوتا ہے اور اس کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ جس چیز کی خرید و فروخت ناجائز ہوتی ہے اس کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال بھی ناجائز ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے "ثمن الدم" (خون کی قیمت) کو سینگی کھینچنے والے کی اجرت پر محمول کیا ہے اس صورت میں ممانعت کا تعلق مکروہ تنزیہی سے ہوگا۔ کتے کی قیمت اور بدکار عورت کی اجرت کے بارہ میں گزشتہ احادیث بیان کی جا چکی ہیں۔

"گودنے" کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جسم کے کسی حصہ پر یا پورے جسم پر سوئی سے گود کر سرمہ یا تیل بھر دیتے ہیں جس سے سرمئی یا نیلے داغ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے گودنے والے پر بھی اور گودوانے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ کیونکہ یہ فاسقوں اور غیر مسلموں کا کام ہے، نیز اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا شدہ جسم کی اصل خلقت میں تغیر و بدنمائی ہوتی ہے۔ اگر کسی مسلمان کے جسم پر گودنے کے داغ ہوں تو اس کے بارہ میں تعلیق القرار میں لکھا ہے کہ اسے کسی بھی تدبیر سے مٹا دیا جائے اور اگر زخم و خراش پیدا کئے بغیر کسی بھی تدبیر سے اس کو مٹانا ممکن نہ ہو تو پھر چھوڑ دیا جائے ان کو مٹانے کے لئے زخم و خراش کی تکلیف برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہے تاہم بہر صورت اس قبیح فعل پر ندامت کے ساتھ توبہ کی جائے، توبہ کے بعد گناہ گار نہیں رہے گا۔

آپ نے مصور پر بھی لعنت فرمائی ہے، لیکن مصور سے مراد یہ ہے کہ وہ جانور کا فوٹو کھینچے یا جاندار کی تصویر بنائے یا تصویر کاڑھے، غیر جاندار چیزوں مثلاً مکانات، درخت اور پہاڑ وغیرہ کی تصویریں کھینچنا، بنانا اور کاڑھنا درست ہے۔

خطابیؒ نے لکھا ہے کہ تصویر کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ جس چیز پر تصویر بنائی جاتی ہے وہ چیز تصویر کی ایک ضمنی شے ہوتی ہے اور تصویر مقصود بالذات ہوتی ہے مثلاً جب فوٹو کھینچا جاتا ہے یا کاغذ پر تصویر بنائی جاتی ہے تو اس فوٹو یا تصویر کے کاغذ کی حیثیت محض ضمنی ہوتی ہے اصل مقصد کا تعلق تصویر سے ہوتا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ جس چیز پر تصویر بنی ہوئی ہوتی ہے وہ چیز مقصود بالذات ہوتی ہے اور تصویر اس چیز کا ایک ضمنی وصف ہوتا ہے مثلاً برتن، دیواروں، چھتوں، قالینوں اور پردوں وغیرہ پر بنی ہوئی تصویریں۔ لہٰذا دوسری

قسم کی خرید و فروخت جائز ہے جب کہ بنانا دونوں ہی کا ناجائز ہے۔

حرام چیزوں کی خرید و فروخت بھی حرام ہے

⑧ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ شُحُوْمَ الْمَيْتَةِ فَاِنَّهٗ تُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ فَقَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ عِنْدَ ذٰلِكَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ شُحُوْمَهَا اَجْمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَاَكَلُوْا ثَمَنَهٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال مکہ میں رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے جب آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ہمیں مردار کی چربی کا حکم بھی بتائیے جو کشتیوں پر ملی جاتی ہے نیز اس سے چمڑوں کو چکنا کیا جاتا ہے اور لوگ (گھروں میں) اس سے چراغ جلاتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ مردار کی چربی بھی حرام ہے اس لئے اس سے یہ فائدے اٹھانے جائز نہیں۔ پھر آپ نے اسی وقت یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت فرمائے جب اللہ تعالیٰ نے مردار کی چربی کو حرام قرار دیا تو یہود (نے یہ حیلہ اختیار کیا کہ وہ) چربی کو پگھلاتے اور بیچ ڈالتے اور پھر اس کی قیمت کھا جاتے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: عطاء نے لکھا ہے کہ شراب وغیرہ کے مذکورہ بالا حکم میں باجا بھی داخل ہے کہ اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہے نیز اگر کوئی شخص کسی باجے کو تلف کر دے تو اس پر ضمان یعنی مالک کو اس کی قیمت ادا کرنا واجب نہیں ہوتا۔

حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ مردار کی چربی کی خرید و فروخت تو جائز نہیں ہے لیکن اس چربی سے فائدہ اٹھانا یعنی اس کو کھانے اور آدمی کے جسم پر ملنے کے علاوہ اور کام میں استعمال کرنا جائز ہے خواہ کشتی پر ملے، خواہ چراغ میں جلائے اور خواہ کسی اور کام میں لائے اسی طرح ان کے مسلک کے مطابق جو گھی یا زیت یا اور کوئی تیل نجاست پڑ جانے کی وجہ سے نجس ہو گیا ہو تو اس کو چراغ میں جلانے یا اس کا صابون بنانا جائز ہے جب کہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح مردار کی خرید و فروخت ناجائز ہے اسی طرح اس سے کسی بھی طرح کا فائدہ اٹھانا یعنی اس کی کسی بھی چیز کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے کیونکہ مردار کی حرمت بطریق عموم ثابت ہے البتہ دباغت کیا ہوا چمڑا اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کا جواز خصوصی طور پر ثابت ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین علماء نے نجس زیت کو بیچنے کی اجازت دی ہے البتہ ان کے نزدیک نجس تیل کو چراغ میں جلانا بالخصوص مسجد میں جلانا مکروہ ہے۔

حدیث کے آخر میں یہودیوں کی ایک خاص عیاری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان کے لئے مردار کی چربی کو حرام قرار دیا تو انہوں نے یہ حیلہ اختیار کیا کہ وہ چربی کو پگھلا کر اس کو بیچ دیتے تھے اور پھر اس کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والے مال کو اپنے استعمال میں لے آتے اور یہ کہتے تھے کہ اللہ نے تو چربی کھانے سے منع کیا ہے اور ہم چربی نہیں کھاتے بلکہ اس کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال کھاتے ہیں گویا وہ جاہل چربی کو پگھلا کر یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے چربی کی حقیقت کو بدل دیا ہے کہ پگھلنے کے بعد وہ چربی نہیں رہ گئی ہے اس لئے اس صورت میں حکم الٰہی کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی اس عیارانہ چال کی وجہ سے ان کو اللہ کی لعنت کا مستحق قرار دیا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایسا حیلہ اختیار کرنا کہ جس کے سبب سے حرام کا ارتکاب ہوتا ہو بالکل غلط ہے، نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ کسی چیز کی قیمت حکم کے اعتبار سے اسی چیز کے تابع ہے کہ اگر وہ چیز حرام ہو گی تو اس کی قیمت بھی حرام ہو گی اور جو چیز حلال ہو گی اس کی قیمت بھی حلال ہو گی۔

یہودیوں کی ایک عیاری

(۹) وَعَنْ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ فَجَمَلُوْهَا فَبَاعُوْهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے ان پر (مردار کی) چربیاں حرام کی گئیں تو انہوں نے اس کو پگھلایا (تاکہ چربی کا نام باقی نہ رہے) اور پھر اس کی خرید و فروخت شروع کردی (اس کی وضاحت حدیث بالا میں کی جاچکی ہے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

بلی کی خرید و فروخت کا مسئلہ

(۱۰) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کتے اور بلی کی قیمت (کو استعمال میں لانے) سے منع فرمایا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ بلی کی قیمت کو استعمال میں لانے کی یہ ممانعت نہی تنزیہی کے طور پر ہے۔ چنانچہ تقریباً تمام علماء نے بلی کی خرید و فروخت، ہبہ کرنے اور عاریۃً دینے کو جائز کہا ہے۔ البتہ حضرت ابوہریرہؓ اور تابعینؒ میں سے کچھ حضرات اس حدیث کے ظاہری معنی کے پیش نظر اس کے جواز کے قائل نہیں تھے۔

پچھنے لگانے کا پیشہ حلال ہے

(۱۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ حَجَمَ اَبُوْطَيْبَةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ لَهٗ بِصَاعٍ مِنْ تَمْرٍ وَ اَمَرَ اَهْلَهٗ اَنْ يُخَفِّفُوْا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابوطیبہ نے رسول کریم ﷺ کے پچھنے لگائے تو آپ نے اس کے مالکوں کو حکم دیا کہ وہ ابوطیبہ کی کمائی میں سے کم لیا کریں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو مختلف پیشوں میں لگادیتے تھے اور ان سے یہ طے کردیتے تھے اجرت کے طور پر حاصل ہونے والے مال میں سے اتنا حصہ ہمارا ہوگا اور باقی کے تم حقدار ہوگے، چنانچہ ابوطیبہ نے جو بنی بیاضہ کے غلام تھے، آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری کی تو آپ ان سے بہت خوش ہوئے اور ان کے مالکوں سے کہا کہ تم لوگ ابوطیبہ کی کمائی میں جو کچھ روزانہ لیا کرتے ہو اس میں کمی کردو۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ پچھنے لگانے کا پیشہ ایک حلال پیشہ ہے اور اس کی اجرت دینا جائز ہے نیز اس حدیث سے چند اور مسائل ثابت ہوتے ہیں اول یہ کہ علاج کرنا اور علاج کرانے کی اجرت دینا مباح ہے، دوم یہ کہ مالک کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے غلام کو کمائی پر لگادے اور اس کے کمائے ہوئے مال میں سے اپنا کوئی حصہ مقرر کرے، سوم یہ کہ صاحب حق اور صاحب مطالبہ سے سفارش کرنا جائز ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

اولاد کی کمائی کھانا جائز ہے

(۱۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَطْيَبَ مَا اَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَاِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِي رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوُدَ وَالدَّارِمِيِّ اِنَّ اَطْيَبَ مَا اَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهٖ وَاِنَّ وَلَدَهٗ مِنْ كَسْبِهٖ۔

"حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو کچھ تم کھاتے ہو اس میں سب سے بہتر وہ چیز ہے جو تمہیں کمائی سے حاصل ہوئی ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے۔" (ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

ابوداؤدؒ اور دارمی کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "انسان جو کچھ کھاتا ہے اس میں سب سے بہتر وہ چیز ہے جو اسے اس کی کمائی سے حاصل ہوتی ہے اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی ہے")

تشریح: اولاد کو کمائی اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ ماں باپ کے آپس کے نکاح کے نتیجہ ہی میں پیدا ہوتی ہے گویا اس ارشاد کے ذریعہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ماں باپ اگر خود کمانے کے قابل نہ ہوں تو ان کے لئے اپنی اولاد کی کمائی کھانا جائز ہے ہاں اگر ماں باپ اپنے دست و بازو کی محنت سے اپنے رزق کی راہیں خود بنا سکتے ہوں تو پھر ان کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنی اولاد پر بار بنیں، البتہ اولاد کی خوشنودی و مرضی اگر یہی ہو کہ ماں باپ اس کی کمائی کھائیں تو پھر بہر صورت اولاد کی کمائی کھانا جائز ہوگا چنانچہ حنفی علماء کا یہی قول ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ اگر والدین محتاج ہوں تو ان کی ضرورت زندگی کی کفالت لڑکے پر واجب ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں اس وجوب کی شرط یہ ہے کہ وہ کمانے سے معذور بھی ہوں، جب کہ دوسرے علماء کے ہاں یہ شرط نہیں ہے۔

مال حرام کا حکم

⑬ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالَ حَرَامٍ فَيَتَصَدَّقُ مِنْهُ فَيُقْبَلُ مِنْهُ وَلَا يُنْفِقُ مِنْهُ فَيُبَارَكُ لَهٗ فِيْهِ وَلَا يَتْرُكُهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ اِلَّا كَانَ زَادَهٗ اِلَى النَّارِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ وَلٰكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ اِنَّ الْخَبِيْثَ لَا يَمْحُو الْخَبِيْثَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

"اور حضرت عبداللہ بن مسعود رسول ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ حرام مال کما کر اس میں سے صدقہ و خیرات کرتا ہو اور اس کا وہ صدقہ قبول کر لیا جاتا ہو (یعنی اگر کوئی شخص حرام ذرائع سے کمایا ہوا مال صدقہ و خیرات کرے تو اس کا صدقہ قطعاً قبول نہیں ہوتا اور نہ اسے کوئی ثواب ملتا ہے) اور نہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص اس حرام کو (اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال پر) خرچ کرتا ہو اور اس میں اسے برکت حاصل ہوتی ہو (یعنی حرام مال میں سے جو بھی خرچ کیا جاتا ہے اس میں بالکل برکت نہیں ہوتی) اور جو شخص اپنے (مرنے کے بعد) حرام مال چھوڑ جاتا ہے اس کی حیثیت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں رہتی کہ وہ مال اس شخص کے لئے ایک ایسا توشہ بن جاتا ہے جو اسے دوزخ کی آگ تک پہنچا دیتا ہے اور (یہ بات یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعہ دور نہیں کرتا بلکہ برائی کو بھلائی کے ذریعہ دور کرتا ہے، اسی طرح ناپاک مال ناپاک کو دور نہیں کرتا (یعنی حرام مال برائی کو دور نہیں کرتا بلکہ حلال مال برائی کو دور کرتا ہے)۔" (احمدؒ، شرح السنۃ)

تشریح: خدا کی پناہ: مال و زر کی ہوس انسان کو کتنا اندھا بنا دیتی ہے کہ وہ اس چند روزہ دنیا کی جائز و ناجائز آسائشوں کی خاطر عاقبت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی کو تباہ و برباد کر لیتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ جس مال و زر کی خاطر وہ اپنی زندگی کو عزت و آبرو کی بڑی سے بڑی نیلام گاہ میں لا کھڑا کرتا ہے جس کے نتیجہ میں کبھی جھوٹ بولتا ہے، کبھی مکر و فریب سے کام لیتا ہے، کبھی دوسروں کا حق غصب کرتا ہے کبھی غریبوں کا خون چوستا ہے یہاں تک کہ اپنے دین و ایمان کا سودا کرتا ہے۔ اپنے ضمیر کو گروی رکھتا ہے، اپنی عزت کو داؤ پر لگاتا ہے اور انسانی شرف و عظمت کی ساری حدوں کو پار کر جاتا ہے آخر کار ان تمام ذرائع اور حرام طریقوں سے کمایا ہوا وہی مال و زر اپنے کمانے والے کے لئے بعد

مرگ ایک ایسا توشہ اور ذریعہ بن جاتا ہے جو اسے جہنم کی آگ تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ اول تو حرام ذرائع سے کمانے اور پھر اس کمائی سے فائدہ اٹھانے کا گناہ اس پر ہوتا ہے اس کے علاوہ مرنے کے بعد وہ جو کچھ حرام مال و زر چھوڑ جاتا ہے وہ یکے بعد دیگرے اس کے وارثوں کی ملکیت میں جاتا ہے جس سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے وہ سب گناہ و معصیت میں مبتلا ہوتے ہیں اور انجام کار اس حرام مال کے ذریعہ قیامت تک صادر ہونے والے گناہوں کی سیاہی اس کے نامہ اعمال کو داغدار کرتی رہتی ہے۔

ان اللہ لایمحوالسیئ یہ جملہ مستانفہ یعنی ایک علیحدہ جملہ ہے جو بمنزلہ تعلیل عدم قبول یعنی مال حرام کے صدقہ کے قبول نہ ہونے کی علت کو بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حرام مال میں سے صدقہ دینا ثواب کا ذریعہ تو کیا ہوتا یہ خود ایک برائی اور گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ برے اعمال کو برائیوں کے ذریعہ دور نہیں کرتا یعنی اگر کوئی یہ چاہے کہ اپنے حرام مال میں سے کچھ خدا کے نام پر صدقہ دے کر اپنے گناہوں میں تخفیف کا سامان کرے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ حرام مال میں سے صدقہ دینا خود گناہ ہے بلکہ بعض علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی حرام مال میں سے صدقہ و خیرات کرے اور پھر اس پر ثواب کی امید رکھے تو وہ کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے نیز اگر کسی فقیر و محتاج کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسے صدقہ دینے والا بطور صدقہ جو مال دے رہا ہے وہ حرام ذرائع سے حاصل کیا گیا ہے اور اس کے باوجود وہ صدقہ دینے والے کے لئے دعا کرے تو وہ بھی کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔

"وَلٰكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ" کا تعلق ماقبل کے جملہ سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں میں تخفیف یا گناہوں کی بخشش تو نیک اعمال اور اچھے کاموں کے ذریعہ ہوتی ہے مثلاً حلال میں سے صدقہ کرنا ایک نیک عمل ہے۔ جو شخص اپنے حلال مال میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرے گا۔ اسے اس کا ثواب بھی ملے گا اور اس کے گناہ بھی دور کئے جائیں گے۔ گویا اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔

اور یہ سب جملے اصل حدیث کی آخری عبارت "ان الخبیث" کی تمہید و مقدمہ کے طور پر ہیں۔

حرام مال کھانے پر وعید

(۱۴) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ اَوْلٰى بِهٖ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "وہ گوشت جس نے حرام مال سے پرورش پائی ہے جنت میں داخل نہیں ہوگا" اور جو گوشت یعنی جو جسم حرام مال سے نشو و نما پائے وہ دوزخ کی آگ ہی کے لائق ہے۔" (احمدؒ، دارمیؒ، بیہقیؒ)

تشریح: حرام مال سے نشو و نما پانے والے جسم کے دوزخ میں داخل ہونے سے مراد یا تو یہ ہے کہ ایسا شخص شروع میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ اس نے جتنا حرام مال کھایا ہوگا اس کے بقدر جب سزا بھگت لے گا تو اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا یا یہ کہ ایسا شخص جنت کے اعلیٰ درجات میں داخل نہیں ہو سکے گا یا یہ مراد ہے کہ وہ لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے جو حرام مال کو حرام مال سمجھ کر نہیں بلکہ حلال مال یقین کر کے کھاتے ہیں۔ یا پھر یہ کہ اس ارشاد گرامی کا اصل مقصد حرام مال کھانے کی برائی بیان کرنا ہے اور اس سے مراد زجر و توبیخ، تہدید اور سخت وعید ہے۔

جو شخص حرام مال کھانے کمانے کے بعد اپنے اس قبیح فعل پر ندامت و شرمندگی کے ساتھ سچے دل سے توبہ کرے، یا اللہ تعالیٰ اس کو بغیر توبہ کے محض اپنے فضل و کرم سے بخش دے اور اس نے جن لوگوں کا مال حرام طریقوں سے کمایا ہوگا ان کو راضی کر دے اور یا اسے کسی کی شفاعت حاصل ہو جائے تو وہ شخص اس وعید سے مستثنیٰ ہوگا۔

شبہات میں پڑنے سے بچو

⑮ وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَالَا يُرِيْبُكَ فَاِنَّ الصِّدْقَ طُمَاْنِيْنَةٌ وَاِنَّ الْكَذِبَ رِيْبَةٌ۔ رواہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ الْفَصْلَ الْاَوَّلَ۔

"اور حضرت حسنؓ ابن علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو (خود سنا ہے اور اسے) یاد رکھا ہے کہ "جو چیز تم کو شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دو اور اس چیز کی طرف میلان رکھو جو تم کو شک میں نہ ڈالے کیونکہ حق دل کے اطمینان کا باعث ہے اور باطل شک وتردد کا موجب (احمدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ اور دارمیؒ نے حدیث کا صرف پہلا حصہ (یعنی دع مایریبک الی مالا یریبک) نقل کیا ہے۔"

تشریح: ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ شبہات میں پڑنے سے بچو اور جو چیزیں شبہات میں مبتلا کرنے والی ہوں۔ ان سے اجتناب کرو بعض علماء کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ از قسم اقوال و اعمال جس چیز کی حلت و حرمت کے بارہ میں تمہارا ضمیر شک میں مبتلا ہو جائے تو اس چیز کو چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کرلو جس کے بارہ میں تمہارا ضمیر کسی شک میں مبتلا نہ ہو کیونکہ انسان کا ضمیر چونکہ غلط راہنمائی نہیں کرتا اس لئے کسی چیز کے بارہ میں ضمیر کا شک میں مبتلا ہونا اس چیز کے غلط اور باطل ہونے کی علامت ہے اور کسی چیز کے بارہ میں ضمیر کا مطمئن ہو جانا اس چیز کے صحیح اور حق ہونے کی علامت ہے گویا کسی چیز کے صحیح یا غلط ہونے اور اس کے حلال یا حرام ہونے کی پہچان کے لئے یہ ایک قاعدہ اور کسوٹی ہے تاہم یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ یہ بات ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ وصف خاص ان صالح انسانوں کو نصیب ہوتا ہے، جن کے ذہن و فکر اور جن کے دل و دماغ تقویٰ و ایمان داری اور راستبازی وحق پسندی کے جوہر سے معمور ہوتے ہیں۔

اچھائی اور برائی کی پہچان

⑯ وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا وَابِصَةُ جِئْتَ تَسْاَلُ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَجَمَعَ اَصَابِعَهُ فَضَرَبَ بِهَا صَدْرَهُ وَ قَالَ اسْتَفْتِ نَفْسَكَ اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ ثَلَاثًا اَلْبِرُّ مَا اطْمَاَنَّتْ اِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَاَنَّ اِلَيْهِ الْقَلْبُ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَاِنْ اَفْتَاكَ النَّاسُ۔ (رواہ احمد و الدارمی)

"اور حضرت وابصہؓ ابن معبد کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا "وابصہ! تم یہی پوچھنے آئے ہو نا! کہ نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں" ان کا بیان ہے کہ (یہ سن کر آپ نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کیا اور میرے سینے پر مار کر فرمایا کہ) اپنے آپ سے دریافت کرو۔ اپنے دل سے دریافت کرو آپ ﷺ نے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے اور پھر فرمایا کہ "نیکی وہ ہے جس سے انسان خود مطمئن ہو جائے اور جس سے اس کے دل کو سکون حاصل ہو جائے، اور گناہ وہ ہے جس سے انسان کا وجود خلش محسوس کرے اور جس سے اس کے دل وسینہ میں شک وتردد پیدا ہو جائے اگرچہ لوگ اسے صحیح کہیں"۔" (احمدؒ، دارمیؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی میں نیکی وبدی اور اچھائی و برائی کو پہچاننے کی ایک ایسی واضح علامت بتائی گئی ہے جسے ہر صالح انسان اپنے ہر قول و فعل کی کسوٹی بنا سکتا ہے، جس قول اور جس عمل پر اپنا جی مطمئن ہو جائے اور دل سکون محسوس کرے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ قول یا عمل، نیک اور اچھا ہے اور جس قول یا عمل پر طبیعت میں خلش و چبھن اور دل میں شک وتردد کی کسک پیدا ہو جائے، سمجھ لینا چاہئے کہ وہ قول یا فعل غلط اور برا ہے۔ چنانچہ حدیث کا حاصل یہی ہے کہ ہر قول و فعل کے بارہ میں خود اپنے ضمیر کی راہنمائی حاصل کرو۔ جس چیز سے خاطر جمعی حاصل ہو اور دل میں یہ خلجان نہ ہو کہ یہ بری ہے سمجھو کہ وہی نیکی ہے اور جس چیز سے خاطر جمعی حاصل نہ ہو اور دل میں تردد و خلجان پیدا ہو جائے سمجھو کہ وہی گناہ ہے اگرچہ لوگ اس چیز کے بارہ میں یہی کیوں نہ کہیں کہ یہ صحیح اور اچھی ہے اور کوئی مفتی اس کے صحیح ہونے کا

فتویٰ ہی کیوں نہ دے دے لہٰذا ان کے کہنے پر عمل نہ کرو۔ مثلاً اگر کسی شخص کے بارہ میں تمہیں یہ معلوم ہو کہ اس کے پاس حلال مال بھی ہے اور حرام مال بھی، اور وہ شخص تمہیں اپنے مال میں سے کچھ دینا چاہتا ہے تو اگر تمہارا دل اس پر مطمئن ہو کہ وہ تمہیں جو مال دے رہا ہے وہ وہی مال ہے جو اس نے صرف حلال ذرائع سے کمایا ہے تو تم لے لو اور اگر تمہارا دل مطمئن نہ ہو اور تمہیں یہ خوف ہو کہ کہیں یہ وہ مال نہ ہو جو اس نے حرام ذرائع سے کمایا ہے تو تم اس سے ہرگز کچھ نہ لو اگرچہ وہ خود یہ کہے کہ میں تمہیں اپنے حلال میں سے دے رہا ہوں اور کوئی مفتی یہ فتوے بھی دے رہا ہو کہ تمہارے لئے یہ مال لینا جائز ہے کیونکہ فتویٰ اور چیز ہے اور تقویٰ اور چیز ہے، تقویٰ پر عمل کرنا فتویٰ پر عمل کرنے سے کہیں بہتر ہے۔

گزشتہ حدیث کی تشریح میں بھی یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ضمیر کی صحیح راہنمائی کا جوہر ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتا اور اب اس موقع پر بھی جان لیجئے کہ حدیث میں اپنے دل سے دریافت کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق ان صالح لوگوں سے ہے جن کے دل خواہشات نفسانی کی کدورت سے صاف اور تقویٰ و خدا ترسی کے جوہر سے معمور ہوتے ہیں کیونکہ ان کے طبائع اور ان کے قلوب صرف خیر و بھلائی کی طرف مائل اور برائی سے بیزار رہتے ہیں جبکہ برے لوگ نفسانی خواہشات میں گرفتار رہتے ہیں اور نیکی و بھلائی سے بے اعتنائی اختیار کئے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں انہیں ضمیر کی صحیح راہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی نیز یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ اپنے دل سے دریافت کرنے کا یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ کسی چیز کے بارہ میں کوئی واضح شرعی فیصلہ سامنے نہ ہو، چنانچہ جب کسی چیز کے حکم کے بارہ میں قرآن کی آیتوں میں تعارض نظر آئے تو واجب ہے کہ حدیث کی طرف رجوع کیا جائے حدیث جس آیت کے مطابق فیصلہ کرے اسی آیت پر عمل کیا جائے۔ اگر حدیثوں میں بھی تعارض ہو تو پھر علماء کے اقوال کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور اگر علماء کے اقوال میں بھی تعارض ہو تو پھر اس کے بعد اپنے دل کی راہنمائی حاصل کرے اور ان اقوال میں سے اس قول کے مطابق عمل کرے جس کو اپنا دل صحیح و راجح تسلیم کرے اور اس پر مطمئن ہو جائے۔

آخر میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جب حضرت وابصہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنی حاضری کا مقصد خود بیان نہیں کیا تھا بلکہ یہ اعجاز نبوت تھا کہ آنحضرت ﷺ نے از خود ازراہ مکاشفہ ان کے دل کی بات بیان فرما دی نیز آنحضرت ﷺ نے اپنی انگلیاں اٹھا کر ان کے سینہ پر اس لئے ماریں تاکہ آپ کے مبارک ہاتھوں کی برکت کی وجہ سے ان کو آپ کے کلام کی پوری سمجھ حاصل ہو جائے، دوسرے ان کے دل کی طرف اشارہ کرنا بھی مقصود تھا کہ دل یہاں ہے اس سے دریافت کرو۔

کامل پرہیزگاری کا درجہ

(۱۷) وَعَنْ عَطِيَّةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ يَكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَالَا بَاسَ بِهٖ حَذَرًا لِمَا بِهٖ بَاسٌ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت عطیہ سعدیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بندہ اس وقت تک (کامل) پرہیزگاروں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں کوئی قباحت نہیں ہے تاکہ اس طرح وہ ان چیزوں سے بچ سکے جن میں قباحت ہے۔"

(ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: شرعی نقطہ نظر سے متقی یعنی پرہیزگار وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو ان چیزوں سے دور رکھے جنہیں اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب کا سبب ہو۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ تقویٰ یعنی پرہیزگاری کے تین درجے ہیں اول شرک سے اجتناب۔ چنانچہ جو بندہ شرک سے بچتا ہے وہ دائمی عذاب سے نجات پاتا ہے، اس آیت کریمہ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى (اور اللہ نے ان (مومنوں) کو پرہیزگاری کی بات (یعنی توحید) پر قائم کیا) میں یہی درجہ مراد ہے۔ دوم ہر گناہ یہاں تک کہ صغیرہ گناہوں سے بھی اجتناب۔ چنانچہ بعض علماء کے

نزدیک تقویٰ کی جو مشہور شرعی اصطلاح ہے اس کا اطلاق اسی درجہ پر ہوتا ہے اور اس آیت کریمہ۔ وَلَوْاَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا (اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے) میں بھی یہی درجہ مراد ہے۔ سوم ہر چیز میں پوری احتیاط ملحوظ رکھنا یہاں تک کہ بعض مباح چیزوں کو بھی احتیاط اور مصلحت کے پیش نظر ترک کر دینا، اپنا دل غیر اللہ میں نہ لگانا، اور غیر اللہ سے اپنا دھیان ہٹا کر صرف اسی کی طرف متوجہ رکھنا۔ چنانچہ اس آیت کریمہ۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ (اے مؤمنو) اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے میں تقویٰ کے یہی معنی مراد ہیں اور مذکورہ بالا حدیث میں بھی تقویٰ یعنی پرہیزگاری کا یہی کامل درجہ مراد ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک پورا متقی و پرہیزگار نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اس خوف کی وجہ سے مباح چیزیں بھی نہیں چھوڑ دیتا کہ مبادا یہ مباح چیز کسی حرام یا مکروہ یا مشتبہ چیز تک پہنچنے کا ذریعہ بن جائے مثلاً اگر وہ شادی شدہ نہ ہو تو شہوت کا غلبہ بھی زیادہ ہوتا ہے اسی طرح خوشبو وغیرہ نہ لگائے اور نہ کوئی ایسی مباح چیز استعمال کرے جس سے جذبات میں ہیجان پیدا ہوتا ہو۔ بہرکیف حرام، مکروہ اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب کے بعد احتیاط کے پیش نظر بعض مباح چیزوں سے بھی بچنا تقویٰ و پرہیزگاری کا کامل ترین درجہ ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ حرام میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے دس حلال حصوں میں سے نو حصے چھوڑ دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے بارے میں منقول ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ حرام میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے از قسم مباح ستر حصے ترک کر دیتے تھے۔

متعلقین شراب پر لعنت

⑱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمْرِ عَشَرَةً عَاصِرَهَا وَ مُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَ حَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ اِلَيْهِ وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَاٰكِلَ ثَمَنِهَا وَالْمُشْتَرِيْ لَهَا وَالْمُشْتَرٰى لَهٗ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے شراب کے معاملہ میں ان دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے ① شراب کشید کرنے والا ② شراب کشید کرانے والا ③ شراب پینے والا ④ شراب اٹھانے والا یعنی وہ شخص جو کسی کو شراب اٹھا کر دے ⑤ شراب اٹھوانے والا یعنی وہ شخص جو کسی کو شراب اٹھا لانے کا حکم دے ⑥ شراب پلانے والا ⑦ شراب بیچنے والا ⑧ شراب کی قیمت کھانے والا ⑨ خریدوانے والا یعنی وہ شخص جو کسی دوسرے کے پینے کے لئے یا اس کی تجارت کے لئے بطریق وکالت یا بطریق ولایت شراب خریدے ⑩ خریدوانے والا یعنی وہ شخص جو کسی دوسرے سے اپنے پینے یا اپنی تجارت کے لئے شراب خرید منگوائے۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "کشید کرنے والے" سے مراد وہ شخص ہے جو شراب بنانے کے لئے انگور کا شیرہ کشید کرے خواہ اپنے لئے کشید کرے خواہ دوسرے کے لئے اسی طرح کشید کرانے والا خواہ اپنے لئے کشید کرائے خواہ دوسرے کے لئے بہرصورت وہ لعنت کا مستحق ہے۔ "بیچنے والے" سے مراد وہ شخص بھی ہے جو خود اپنی تجارت کے طور پر شراب بیچتا ہو اور وہ شخص بھی مراد ہے جو کسی دوسرے کی طرف سے بطور دلال یا بطور وکیل بیچتا ہو۔ نیز جو شخص شراب کشید کرنے والے کے ہاتھ انگور بیچتا ہے اور اس انگور کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال کھاتا ہے وہ بھی اس لعنت کا مستحق ہے۔

⑲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَ شَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَ بَائِعَهَا وَ مُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَ مُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ اِلَيْهِ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر، شراب پینے والے پر شراب بیچنے والے پر، شراب خریدنے والے پر شراب کشید کرنے والے پر، شراب کشید کرانے والے پر، شراب اٹھانے والے پر، شراب اٹھوانے والے پر"۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: شراب پر اللہ تعالیٰ نے لعنت اس لئے فرمائی ہے کہ شراب ام الخبائث یعنی تمام برائیوں کی جڑ ہے تاہم یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں "شراب" سے مراد وہ شخص ہو جو شراب کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال کھاتا ہے۔

پچھنے لگانے والے کی کمائی کا حکم

(۲۰) وَعَنْ مُحَيِّصَةَ اَنَّهُ اسْتَاذَنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اُجْرَةِ الْحَجَّامِ فَنَهَاهُ فَلَمْ يَزَلْ يَسْتَاذِنُهُ حَتّٰى قَالَ اَعْلِفْهُ نَاضِحَكَ وَاَطْعِمْهُ رَقِيْقَكَ۔ (رواہ مالک والترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت محیصہؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے رسول ﷺ سے پچھنے لگانے والے کی کمائی کھانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے انہیں منع کر دیا چنانچہ جب وہ آپ ﷺ سے بار بار اجازت مانگتے رہے تو آپ نے انہیں یہ حکم دیا کہ اس کمائی کا مال اپنے اونٹ کو کھلا دو، یا اپنے بردہ (غلام، لونڈی) کو کھلاؤ۔" (مالک، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اکثر صحابہؓ کی ملکیت میں غلاموں کی ایک بڑی تعداد رہتی تھی۔ جن میں سے کچھ غلاموں کو وہ پچھنے لگانے کے کام پر مامور کر دیتے تھے، اور پھر ان کی اجرت کے طور پر حاصل ہونے والے مال کو اپنے استعمال میں لاتے تھے۔ چنانچہ ایک صحابی حضرت محیصہؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ جاننا چاہا کہ پچھنے لگانے والے کی کمائی آیا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ اجازت مانگی کہ میرا غلام پچھنے لگانے کی جو اجرت حاصل کرتا ہے چونکہ اس میں سے کچھ حصہ میری ملکیت میں آتا ہے اس لئے میں اپنے اس حصہ کو اپنے استعمال میں لاؤں یا نہیں؟ آنحضرت ﷺ نے انہیں اس کی اجازت نہیں دی، چونکہ صحابہؓ اپنے بعض غلاموں سے پچھنے لگانے کی حاصل ہونے والی اجرت میں سے اپنا حصہ لیکر اسے اپنی ضروریات میں صرف کرتے تھے اور اسے وہ پسند بھی کرتے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ کے اس کی اجازت نہ دینے سے محیصہ کو اس بارہ میں دشواری محسوس ہوئی اور اس امید کی بناء پر کہ آپ اجازت دے دیں وہ بار بار اجازت طلب کرتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے انہیں اتنی اجازت دے دی کہ وہ اس اجرت کو اپنے اونٹوں کے گھاس اور چارے میں اور اپنے غلاموں، لونڈیوں پر صرف کرلیں، اور اس طرح آپ ﷺ نے ایک طرف تو اشارہ فرمایا کہ پچھنے لگانے سے جو اجرت حاصل ہوتی ہے وہ اگرچہ جائز مال ہے مگر چونکہ وہ خون نکالنے کی کمائی ہے اس لئے اس کو شرفاء کے لئے استعمال کرنا مکروہ اور انکی شان کے خلاف ہے اور لونڈی، غلام چونکہ آزاد لوگوں کے برخلاف ایسا شرف نہیں رکھتے جو اس پیشہ کی دنائت کے منافی ہو اس لئے پچھنے لگانے کی کمائی کھانا ان کی شان سے فروتر نہیں ہے۔ دوسری طرف آپ ﷺ نے اس کے ذریعہ گویا اولوالعزمی اور عالی ہمتی کی ترغیب بھی دی ہے کہ شرفاء کو باوقار پیشہ اور اپنے دست وبازو کی محنت کی ہی کمائی کھانی چاہئے۔

بہرکیف آنحضرت ﷺ نے حضرت محیصہؓ کو جو اجازت نہیں دی وہ محض نہی تنزیہی کے طور پر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پچھنے لگانے کی اجرت، مال حرام ہے کیونکہ اگر یہ مال حرام ہوتا تو آپ ﷺ ان کو اسے اپنے جانور اور اپنے غلام لونڈی پر خرچ کی اجازت نہیں دیتے اس لئے کہ آقا کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے جانوروں یا اپنے غلام لونڈی کو حرام مال کھلائے لہٰذا حدیث کا حاصل یہ ہے کہ پچھنے لگانے والے کی کمائی کھانا مکروہ تنزیہی ہے۔

مغنیہ کی کمائی کھانے کی ممانعت

(۲۱) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الزَّمَّارَةِ۔ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے "کتے کی قیمت اور گانے والیوں کی کمائی کھانے سے منع فرمایا ہے۔" (شرح السنۃ)

تشریح : بعض علماء کا قول یہ ہے کہ "زمارۃ" سے مراد (مغنیہ یعنی گانے والی عورت کی بجائے) وہ خوب صورت عورت ہے جو بدکاری کراتی ہے۔ اسی طرح بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ لفظ "زمارۃ" مشتق ہے "زمر" سے جس کے معنی ہیں "چشم و ابرو کے ذریعہ اشارہ کرنا" اور بدکار عورتیں چونکہ مردوں کو اپنے چشم و ابرو کے اشاروں سے فریفتہ کر کے انہیں اپنے چنگل میں پھنسا تی ہیں اس لئے ارشاد گرامی میں "بدکار عورت" کو "زمارۃ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

گانے والی لونڈیوں کی خرید و فروخت کا حکم

(۲۲) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَبِيْعُوا الْقَيْنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوْهُنَّ وَلَا تُعَلِّمُوْهُنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ وَفِیْ مِثْلِ هٰذَا اُنْزِلَتْ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعَلِیُّ بْنُ يَزِيْدَ الرَّاوِیُّ يُضَعَّفُ فِی الْحَدِيْثِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرٍ نَهٰى عَنْ اَكْلِ الْهِرِّ فِیْ بَابِ مَايَحِلُّ اَكْلُهٗ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

"اور حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "گانے والی لونڈیوں کو نہ بیچو، نہ ان کو خریدو اور نہ لونڈیوں کو گانا سکھاؤ اور ان (گانے والی لونڈیوں) کی حاصل ہونے والی قیمت مال حرام ہے" اور اسی سلسلہ میں (یعنی گانے والیوں کو خریدنے کی مذمت میں) یہ آیت نازل کی گئی ہے۔ "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ" یعنی اور انسانوں میں بعض ایسے (نادان و غلط کار) لوگ بھی ہیں جو کھیل کی بات خریدتے ہیں (احمدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی علی ابن یزید روایت حدیث کے سلسلہ میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔"

تشریح : بعض علماء نے حدیث کے ظاہری الفاظ وَثَمَنُهُنَّ حرام (یعنی ان کی حاصل ہونے والی قیمت مال حرام ہے) کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ گانے والی لونڈیوں کو بیچنا جائز نہیں ہے جبکہ بقیہ تمام علماء یہ کہتے ہیں کہ ان کو بیچنا جائز ہے۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے جس کی بناء پر اس کو کسی مسلک کی دلیل قرار دینا مناسب نہیں ہے لیکن اس کے باوجود (ثَمَنُهُنَّ حرام) کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ اس حدیث کا مطلب صرف ان کے گانے کی اجرت کی حرمت کو بیان کرنا ہے یعنی ان کے گانے سے حاصل ہونے والی اجرت مال حرام ہے۔ جیسا کہ کسی شراب فروش یا شراب بنانے والے کے ہاتھ جو انگور فروخت کئے جاتے ہیں کہ اس کی حاصل ہونے والی قیمت مال حرام کے حکم میں ہوتی ہے نہ کہ فی نفسہ انگور کی قیمت حرام ہوتی ہے اسی طرح گانے والی لونڈیوں کی وہ اجرت جو ان کے گانے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اس لئے مال حرام ہے کہ وہ ایک حرام ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ اس لئے حرام ہے کہ ان لونڈیوں کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

آیت کریمہ میں "کھیل کی بات" سے مراد ہیں وہ گانے، گیت اور حرام آوازیں جو ذکر اللہ سے باز رکھیں اور گناہ و معصیت کا سبب بنیں۔ چنانچہ کہانیاں، جھوٹی باتیں، خرافات بکنا، ٹھٹھے کی باتیں، موسیقی سیکھنا اور اسی قسم کی اور تمام فضول و لغو چیزیں بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونے کا پس منظر یہ ہے کہ ایک شخص نضر ابن حارث تھا جو گانے والی لونڈیاں اس مقصد سے خریدتا تھا کہ ان کے ذریعہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کرے، چنانچہ اس کی مذمت میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نضر ابن حارث نے عجمیوں کی لکھی ہوئی چند کتابیں خریدی تھیں جن کی جھوٹی سچی کہانیاں پڑھ کر قریش کو سنایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ محمد ﷺ تو تمہارے سامنے قوم عاد و ثمود کے قصص بیان کرتے ہیں اور میں تمہارے سامنے رستم و اسفندیار اور بادشاہوں کی کہانیاں سناتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت بالا کے ذریعہ اس کی مذمت بیان فرمائی۔

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرٍ نَهٰى عَنْ اَكْلِ الْهِرِّ فِیْ بَابِ مَايَحِلُّ اَكْلُهٗ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

اور حضرت جابرؓ کی روایت نَهٰى عَنْ اَكْلِ الْهِرِّ الخ انشاء اللہ ہم باب مایحل اکلہ میں ذکر کریں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حلال روزی کمانا ایک فرض ہے

(۲۳) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَلَبُ کَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

"حضرت عبداللہؓ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "حلال روزی کمانا فرض کے بعد ایک فرض ہے۔" (بیہقیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی معاشی ضروریات کی کفالت کے لئے اپنے دست و بازو کی محنت سے کمانا فرض ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو فرائض مقرر کئے ہیں جیسے نماز، روزہ وغیرہ پہلے ان کا درجہ ہے کہ ان فرائض کی تکمیل کے بعد حلال روزی کمانا فرض ہے۔

اس بارے میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ کمانا اس شخص پر فرض ہے جو اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال (کہ جن کی کفالت اس کے ذمہ ضروری ہے) کی ضروریات زندگی کی کفالت کے لئے کمائی کا محتاج ہو۔

حدیث میں مذکور "کسب حلال" یعنی حلال کمائی سے مراد وہ روزی ہے جس کا حرام نہ ہونا یقینی ہو، گویا یہاں حلال روزی کا اطلاق اس مال پر بھی ہو سکتا ہے جو مشتبہ ہو، کیونکہ احادیث میں مشتبہ سے پرہیز کرنے کا حکم محض احتیاط کے طور پر ہے۔ فرض ہونے کے طور پر نہیں ہے۔ نیز ایک بات یہ بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ اس حدیث میں حلال روزی کمانے کو جو فرض کہا گیا ہے اس کا مخاطب ہر شخص بذاتہ نہیں ہے کیونکہ ایسے بہت سے لوگ ہیں جن کی ضروریات زندگی کی کفالت دوسروں پر واجب ہوتی ہے جس کی وجہ سے خود انہیں کمانا ضروری نہیں ہوتا۔

کتابت قرآن کی اجرت جائز ہے

(۲۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ سُئِلَ عَنْ اُجْرَۃِ کِتَابَۃِ الْمُصْحَفِ فَقَالَ لَا بَاْسَ اِنَّمَا ھُمْ مُصَوِّرُوْنَ وَاِنَّھُمْ اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ مِنْ عَمَلِ اَیْدِیْھِمْ۔ (رواہ رزین)

"اور حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے کتابت قرآن کی اجرت کا حکم دریافت کیا گیا (کہ کتابت قرآن کی اجرت کھانا جائز ہے یا نہیں؟) تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ کاتب لوگ تو صرف نقش کھینچنے والے ہیں جو اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے ہیں۔" (رزین)

تشریح: سائل نے گویا کتابت قرآن کی اجرت لینے اور اس کے کھانے کو ایک بعید سی بات جانی اس لئے اس نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا حکم دریافت کیا، چنانچہ ابن عباسؓ نے اسے جواب دیا کہ کاتب تو کاغذ پر الفاظ کا نقش بناتے ہیں۔ یعنی ان کا کام صرف کتابت کرنا اور لکھنا ہے جس کی وہ اجرت حاصل کرتے ہیں خواہ وہ قرآن کی کتابت کریں یا کسی اور کتاب کی اور یہی ان کا ہنر و پیشہ ہوتا ہے جو ان کی حلال روزی کا ذریعہ ہے۔

کون سا کسب افضل ہے؟

(۲۵) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْکَسْبِ اَطْیَبُ قَالَ عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِہٖ وَکُلُّ بَیْعٍ مَبْرُوْرٍ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت رافع بن خدیج راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے یہ پوچھا گیا کہ کونسا کسب پاکیزہ (یعنی افضل ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہروہ تجارت جو مقبول (یعنی شرعی اصول و قواعد کے مطابق) ہو۔" (احمدؒ)

تشریح: آپ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ سب سے بہتر تو وہ کسب و پیشہ ہے جس میں انسان کو اپنے ہاتھوں سے محنت کرنی پڑتی ہو جیسے زراعت اور کتابت وغیرہ اور اگر کوئی شخص ہاتھوں کی محنت والا کسب اختیار نہ کر سکے تو پھر ایسی تجارت کے ذریعے اپنی حلال روزی پیدا کرے جس میں دیانت و امانت کی روح بہر صورت کارفرما ہے کیونکہ ایسی تجارت بھی ایک پاک و حلال کسب ہے۔

دودھ کی قیمت کا حکم

(۲۶) وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ اَبِیْ مَرْیَمَ قَالَ کَانَتْ لِمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْ کَرِبَ جَارِیَۃٌ تَبِیْعُ اللَّبَنَ وَیَقْبِضُ الْمِقْدَامُ ثَمَنَہٗ فَقِیْلَ لَہٗ سُبْحَانَ اللّٰہِ اَتَبِیْعُ اللَّبَنَ وَتَقْبِضُ الثَّمَنَ فَقَالَ نَعَمْ وَمَا بَاْسٌ بِذٰلِکَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَیَاْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَنْفَعُ فِیْہِ اِلَّا الدِّیْنَارُ وَالدِّرْھَمُ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوبکرؒ ابن مریم (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت مقدامؓ ابن معدی کرب (صحابی) کی ایک باندی (ان کے گھر کے جانوروں کا) دودھ بیچا کرتی تھی اور مقدامؓ اس سے دودھ کی حاصل ہونے والی قیمت لے لیا کرتے تھے چنانچہ ایک روز مقدامؓ سے کسی نے کہا کہ سبحان اللہ! (کتنی عجیب بات ہے کہ) باندی دودھ بیچتی ہے اور تم اس کی قیمت لے لیتے ہو؟ مقدامؓ نے کہا کہ ٹھیک تو ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں درہم و دینار کے علاوہ کوئی چیز فائدہ نہیں دے گی۔" (احمدؒ)

تشریح: گویا لوگوں نے حضرت مقدامؓ کو طعنہ دیا کہ آپ کی باندی آپ کے جانوروں کا دودھ بیچتی ہے اور آپ اس دودھ کی قیمت لے کر کھاتے ہیں حالانکہ دودھ کے بارے میں تو بہتر یہی ہے کہ اسے فقراء و مساکین میں صدقہ و خیرات کے طور پر تقسیم کر دیا جائے یا اسے اپنے دوستوں اور متعلقین پر صرف کیا جائے، دودھ کو بیچنا اور ان کی قیمت وصول کرنا آپ جیسوں کی شان کے لائق نہیں ہے، اس کا جواب حضرت مقدامؓ نے یہ دیا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جس میں کوئی شرعی نقصان ہو۔ دودھ بیچنا اور اس کی قیمت وصول کرنا نہ ہی حرام ہے اور نہ مکروہ ہے، اور پھر میرا یہ فعل کسی لالچ کی بناء پر یا مال و زر کی ہوس میں نہیں ہے بلکہ دراصل میں اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے اس کا محتاج ہوں، اس کے بعد حضرت مقدامؓ نے آنے والے زمانے میں مال و زر کی طرف لوگوں کے شدید میلان کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی یہ پیش گوئی بیان کی کہ ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جس میں لوگوں کی تمام تر توجہ اور کوششوں کا مرکز صرف مال و زر بن جائے گا۔ چونکہ لوگ اپنی ضروریات کا دائرہ وسیع کریں گے اور اسباب معیشت کی قلت و گرانی ہمہ قسم کی پریشانیوں اور نقصانات میں مبتلا کر دے گی۔ اس لئے نہ علم و ہنر کی طرف توجہ ہوگی اور نہ اہل علم و کمال کی قدر و منزلت، بلکہ صرف مال و زر کی طرف توجہ ہوگی اور مالداروں کی قدر و منزلت۔

منقول ہے کہ صحابہؓ آپس میں فرمایا کرتے تھے کہ تجارت و محنت کے ذریعے اتنا مال و زر ضرور کما لیا کرو جس سے آبرومندانہ زندگی کا تحفظ ہو سکے، اور یاد رکھو کہ ایک ایسا بھی دور آنے والا ہے کہ جب تم میں سے کوئی محتاج و تنگدست ہوگا تو سب سے پہلے اپنے دین و ایمان ہی کو کھا جائے گا۔

مقررہ ذریعہ معاش کو بلا سبب ترک نہ کرو

(۲۷) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ کُنْتُ اُجَھِّزُ اِلَی الشَّامِ وَاِلٰی مِصْرَ فَجَھَّزْتُ اِلَی الْعِرَاقِ فَاَتَیْتُ اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ عَائِشَۃَ فَقُلْتُ لَھَا یَا

أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ كُنْتُ أُجَهِّزُ إِلَى الشَّامِ فَجَهَّزْتُ إِلَى الْعِرَاقِ فَقَالَتْ لَا تَفْعَلْ مَالَكَ وَلِمَتْجَرِكَ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا سَبَّبَ اللّٰهُ لِأَحَدِكُمْ رِزْقًا مِنْ وَجْهٍ فَلَا يَدَعْهُ حَتّٰى يَتَغَيَّرَ لَهُ أَوْ يَتَنَكَّرَ لَهُ۔

(رواہ احمد وابن ماجۃ)

"اور حضرت نافع کہتے ہیں کہ میں (اپنی تجارت کا) مال واسباب تیار کر کے (اپنے ملازموں اور وکیلوں کی سپردگی میں) شام اور مصر بھیجا کرتا تھا، پھر بعد میں (ایک مرتبہ) میں نے اپنا تجارتی سامان عراق کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا اور اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ اُمّ المومنین میں (پہلے تو) اپنا تجارتی سامان شام بھیجا کرتا تھا مگر اب میرا ارادہ ہے کہ اپنا تجارتی سامان لے کر عراق کی طرف جاؤں۔ (یہ سن کر) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، تمہیں اور تمہاری تجارت کو کیا ہوا ہے؟ کہ تم شام کے سلسلۂ تجارت کو منقطع کرتے ہو میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کے رزق کا کوئی سبب کسی صورت میں پیدا کردے تو اس کو چھوڑنا نہیں چاہئے حتیٰ کہ اس میں کوئی تبدیلی پیدا ہو جائے یا نقصان پہنچنے لگے۔" (احمدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے رزق کا جو بھی جائز ذریعہ ہو مثلاً وہ سامان تجارت کہیں باہر بھیجتا ہو جس کے نفع سے اسے رزق حاصل ہوتا ہو تو وہ اس کو بلا سبب چھوڑے نہیں، ہاں اگر کوئی ایسا امر پیش آجائے جس کی بنا پر اس ذریعے کو ختم کرنا ہی ضروری ہو مثلاً نفع ہونا بند ہو جائے یا اصل مال میں نقصان واقع ہونے لگے تو ایسی صورت میں اسے چھوڑ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص از قسم مباح کسی اچھی چیز کو حاصل کرلے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کو اللہ کی ایک نعمت سمجھ کر اس پر قائم و برقرار رہے اور بغیر کسی قوی عذر کے اسے چھوڑ کر اس کے غیر کی طرف مائل نہ ہو۔

حضرت ابوبکرؓ کا وصف احتیاط و تقویٰ

(۲۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ لِأَبِيْ بَكْرٍ غُلَامٌ يُخْرِجُ لَهُ الْخَرَاجَ فَكَانَ أَبُوْبَكْرٍ يَأْكُلُ مِنْ خَرَاجِهِ فَجَاءَ يَوْمًا بِشَيْءٍ فَأَكَلَ مِنْهُ أَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ لَهُ الْغُلَامُ تَدْرِيْ مَا هٰذَا فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ وَمَا هُوَ قَالَ كُنْتُ تَكَهَّنْتُ لِإِنْسَانٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا أُحْسِنُ الْكِهَانَةَ إِلَّا أَنِّيْ خَدَعْتُهُ فَلَقِيَنِيْ فَأَعْطَانِيْ بِذٰلِكَ فَهٰذَا الَّذِيْ أَكَلْتَ مِنْهُ قَالَتْ فَأَدْخَلَ أَبُوْبَكْرٍ يَدَهُ فَقَاءَ كُلَّ شَيْءٍ فِيْ بَطْنِهِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس ایک غلام تھا جو اپنی کمائی میں سے ایک مقررہ حصہ حضرت ابوبکرؓ کو دیا کرتا تھا، (جیسا کہ اہل عرب کا معمول تھا کہ وہ اپنے غلاموں کو کمائی پر لگا دیتے تھے اور ان کو حاصل ہونے والی اجرت میں سے کوئی حصہ اپنے لئے مقرر کر لیتے تھے) چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اس غلام کی لائی ہوئی چیز کو کھالیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ غلام کوئی چیز لایا جس میں سے حضرت ابوبکرؓ نے بھی کھایا، ان کے کھانے کے بعد غلام نے کہا کہ آپ جانتے بھی ہیں یہ کیسی چیز ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ مجھے کیا معلوم، تم ہی بتاؤ یہ کیسی چیز ہے؟ غلام نے کہا کہ میں ایام جاہلیت میں (یعنی اپنی حالت کفر میں) ایک شخص کو غیب کی باتیں بتایا کرتا تھا حالانکہ میں کہانت کا فن (یعنی پوشیدہ باتیں بتانے کا فن) اچھی طرح نہیں جانتا تھا بلکہ میں اس کو (غلط سلط باتیں بنا کر) فریب دیا کرتا تھا (اتفاقاً آج) اس شخص سے میری ملاقات ہوگئی تو اس نے مجھے یہ چیز دی، یہ وہی چیز ہے جو آپ نے کھائی ہے حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (یہ سنتے ہی) حضرت ابوبکرؓ نے اپنے منہ (یعنی حلق) میں ہاتھ ڈال کر قے کردی اور جو کچھ پیٹ میں تھا (از راہ احتیاط) سب باہر نکال دیا۔" (بخاریؒ)

تشریح: یہ حدیث حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دینی احتیاط اور ان کے کمال تقویٰ کی واضح مثال ہے کہ انہیں جیسے ہی معلوم ہوا کہ ان کے پیٹ میں ایک چیز ایسی چلی گئی ہے جو ایک حرام سلسلے میں حاصل ہوئی تھی، انہوں نے فوراً قے کر کے اسے باہر نکال دیا، بلکہ وہ چیز چونکہ کہانت

اور اس کے ساتھ ہی فریب کی آمیزش کی وجہ سے بڑی شدید حرمت کی حامل تھی اس لئے انہوں نے قے کر کے صرف اسی چیز کو نکال دینے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ہر اس چیز کو نکالنا ضروری سمجھا جو پیٹ کے اندر اس کے علاوہ تھی کیونکہ انہیں خوف تھا کہ اس چیز کے کسی بھی جزء نے پیٹ میں دوسری چیزوں کو بھی ملوث کر دیا ہوگا۔

حضرت ابوبکرؓ کے اس فعل سے حضرت امام شافعیؒ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی حرام چیز کھالی ہو اور وہ اس نے اس کی حرمت کے علم کے باوجود کھائی ہو یا لاعلمی میں کھائی ہو اور بعد میں اسے معلوم ہوا کہ وہ حرام چیز تھی تو اس پر لازم ہے کہ فوراً قے کر کے اس چیز کو پیٹ سے نکال دے۔

حضرت امام غزالیؒ نے منہاج العابدین میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا یہ فعل، ورع یعنی تقوی و پرہیزگاری کی قسم سے ہے، نیز انہوں نے لکھا ہے کہ ورع کا حکم یہ ہے کہ تم کسی سے کوئی چیز اس وقت تک نہ لو جب تک کہ اس کے بارے میں پوری تحقیق نہ کرلو، پھر تحقیق کے بعد یہ یقین بھی حاصل کرلو کہ اس چیز میں کسی بھی درجے کا کوئی اشتباہ نہیں ہے۔ اگر اس چیز کے بارے میں پوری تحقیق اور یہ یقین حاصل نہ ہو سکے تو اس چیز کو نہ لو اور اگر لے لی ہو تو اسے واپس کردو۔

حرام مال کھانے پر وعید

(۲۹) عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ جَسَدٌ غُذِیَ بِالْحَرَامِ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

"اور حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جس بدن نے حرام مال سے پرورش پائی ہوگی وہ (شروع ہی میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ اور جزا بھگتے بغیر) جنت میں داخل نہیں ہوگا۔" (بیہقیؒ)

حضرت عمرؓ کے تقویٰ اور احتیاط کی ایک مثال

(۳۰) وَعَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ اَنَّہٗ قَالَ شَرِبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَبَنًا وَاَعْجَبَہٗ وَقَالَ لِلَّذِیْ سَقَاہُ مِنْ اَیْنَ لَکَ ھٰذَا اللَّبَنُ فَاَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ وَرَدَ عَلٰی مَاءٍ قَدْ سَمَّاہُ فَاِذَا نَعَمٌ مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَۃِ وَھُمْ یَسْقُوْنَ فَحَلَبُوْا لِیْ مِنْ اَلْبَانِھَا فَجَعَلْتُہٗ فِیْ سِقَائِیْ وَھُوَ ھٰذَا فَاَدْخَلَ عُمَرُ یَدَہٗ فَاسْتَقَاءَہٗ۔ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

"اور حضرت زید ابن سلم (جو حضرت عمر فاروقؓ کے آزاد کردہ غلام تھے) کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت عمر ابن خطاب نے دودھ پیا جو ان کو عجیب معلوم ہوا، انہوں نے اس شخص سے کہ جس نے دودھ لا کر پلایا تھا، پوچھا کہ یہ دودھ تمہیں کہاں سے ملا؟ تو اس نے ان کو بتایا کہ وہ (یعنی میں) پانی کے ایک چشمے یا کنویں پر گیا تھا، اس نے چشمے یا کنویں کا نام بھی بتایا، وہاں میں نے دیکھا کہ زکوۃ کے کچھ جانور (یعنی اونٹ و بکری وغیرہ پانی پینے کے لئے آئے ہوئے) ہیں اور ان جانوروں کے نگران ان کا دودھ نکال کر لوگوں کو پلا رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے میرے لئے بھی دودھ دوہا۔ جسے میں نے لے کر اپنی مشک میں ڈال لیا یہ وہی دودھ تھا (یہ سن کر) حضرت عمرؓ نے (اپنے حلق میں) ہاتھ ڈال کر قے کردی (اور اس دودھ کو پیٹ سے باہر نکال دیا کیونکہ وہ زکوۃ کا مال تھا جو ان کے لئے جائز نہیں تھا) ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: حضرت سید جمال الدینؒ محدث نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مشکوۃ کے اکثر نسخوں میں اس موقع پر مذکور نہیں ہے چنانچہ ہم نے مشکوۃ کے جس نسخے میں اپنے استاد سے حدیثیں سماعت کی ہیں اس میں بھی یہاں یہ حدیث نہیں ہے البتہ اس کے حاشیے میں لکھی ہوئی ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ یہ حدیث اس باب سے محذوف رکھی جائے (ویسے بھی یہ حدیث چونکہ مشکوۃ کی کتاب الزکوۃ میں چند الفاظ کی

کمی بیشی کے ساتھ نقل کی جاچکی ہے اس لئے یہاں دوبارہ نقل کرنا مشکوٰۃ کی ترتیب کے مطابق موزوں نہیں ہے)۔
لہٰذا جن نسخوں میں اس موقع پر یہ حدیث نقل نہیں کی گئی ہے ان میں پہلی حدیث یعنی حضرت ابوبکرؓ کی روایت کے بعد یہ عبارت "رواهما البيهقي" لکھا ہوا ہے۔

حرام مال کا قلیل ترین جز بھی عبادت کے نتیجے پر اثر انداز ہوجاتا ہے

(۳۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنِ اشْتَرٰى ثَوْبًا بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ وَفِيْهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ صَلَاةً مَادَامَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ وَقَالَ صُمَّتَا اِنْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُهٗ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مثلاً ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور ان میں ایک درہم بھی حرام مال کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس شخص کی نماز نہیں قبول کرے گا جب تک کہ آدمی کے جسم پر وہ کپڑا ہوگا۔ اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ نے اپنی (شہادت کی) دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالیں اور کہا کہ یہ دونوں کان بہرے ہوجائیں اگر میں نے یہ رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے نہ سنا ہو۔ (احمدؒ، بیہقیؒ) اور بیہقیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے۔"

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر حرام مال کا قلیل ترین جزء بھی جسم پر موجود ہو تو اس سے عبادت کا نتیجہ اثر پذیر ہوجاتا ہے، چنانچہ اس بات کو بطور مثال بیان کیا گیا کہ اگر کوئی شخص ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور ان دس درہم میں ایک درہم ہو جو اسے کسی بھی حرام ذریعے سے حاصل ہوا تو وہ کپڑا جب تک کہ اس کے جسم پر رہے گا اس کی نماز قبول نہیں ہوگی اگرچہ اس شخص کے ذمہ سے فرضیت ساقط ہوجائے گی، مگر اس کی نماز اس لائق نہیں ہوگی کہ اسے ثواب سے نوازا جائے جس طرح کہ اگر کوئی شخص کسی غصب کردہ زمین پر نماز پڑھتا ہے تو اگرچہ اس کے ذمہ سے فرضیت ساقط ہوجاتی ہے مگر اسے نماز کا پورا ثواب نہیں ملتا۔

روایت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جو بات میں نے کہی ہے وہ کوئی میری اپنی بات نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کا وہ ارشاد گرامی ہے جسے خود میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے، اگر میں نے یہ حدیث اپنے کانوں سے نہ سنی ہو اور میں یہ غلط کہہ رہا ہوں تو خدا کرے میرے دونوں کان بہرے ہوجائیں۔

بَابُ الْمُسَاهَلَةِ فِي الْمُعَامَلَةِ

معاملات میں نرمی کرنے کا بیان

باہمی لین دین اور خرید و فروخت کے معاملات میں نرمی اور مسامحت اختیار کرنا معاشرتی تعلقات کے استحکام اور آپس کے تعاون و ہمدردی کے نقطہ نظر سے انتہائی ضروری ہے، چنانچہ اس باب میں اسی موضوع سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

معاملات میں نرمی کرنے والے کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعاء رحمت

(۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰى وَاِذَا اقْتَضٰى۔
(رواہ البخاری)

"حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو بیچنے میں خریدنے میں اور تقاضہ کرنے میں نرمی کرتا ہے۔" (بخاریؒ)

تم دوسروں کے معاملہ میں نرمی کرو اللہ تعالیٰ تمہارے معاملہ میں نرمی کرے گا

(۲) وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَجُلاً كَانَ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اَتَاهُ الْمَلَكُ لِيَقْبِضَ رُوْحَهُ فَقِيْلَ لَهُ هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ قَالَ مَا اَعْلَمُ قِيْلَ لَهُ اُنْظُرْ قَالَ مَا اَعْلَمُ شَيْئًا غَيْرَ اَنِّيْ كُنْتُ اُبَايِعُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا وَاُجَازِيْهِمْ فَاُنْظِرُ الْمُوْسِرَ وَاَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَاَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ نَحْوَهُ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَاَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ فَقَالَ اللّٰهُ اَنَا اَحَقُّ بِذَا مِنْكَ تَجَاوَزُوْا عَنْ عَبْدِيْ۔

"اور حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ تم سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں (یعنی گذشتہ امتوں میں) سے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ جب اس کے پاس موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تو نے کوئی نیک کام کیا ہے؟ اس نے کہا مجھے یاد نہیں ہے (کہ میں نے کوئی نیک کام کیا ہو) اس سے پھر کہا گیا کہ اچھی طرح سوچ لے اس نے کہا کہ مجھے قطعا یاد نہیں آرہا ہے ہاں (اتنا ضرور جانتا ہوں کہ) میں دنیا میں جب لوگوں سے (خرید و فروخت کے) معاملات کیا کرتا تھا تو تقاضہ کے وقت (یعنی مطالبات کی وصولی میں) ان پر احسان کیا کرتا تھا باس طور کہ مستطیع لوگوں کو تو مہلت دے دیتا تھا اور جو نادار ہوتے ان کو معاف کر دیتا تھا (یعنی اپنے مطالبات کا کوئی حصہ یا پورا مطالبہ ان کے لئے معاف کر دیتا تھا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اس کے اسی عمل سے خوش ہو کر) اس کو جنت میں داخل کر دیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

اور مسلمؒ کی ایک اور روایت میں جو عقبہؓ ابن عامر اور ابومسعود انصاریؓ نے اسی کے مثل (یعنی کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ) نقل کی ہے، یہ الفاظ ہیں کہ (جب اس شخص نے اپنا یہ عمل بیان کیا) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کا (یعنی معاف کرنے کا) حق تجھ سے زیادہ رکھتا ہوں، (اور پھر فرشتوں سے کہا کہ) میرے اس بندہ سے در گذر کرو۔

تشریح: "اتاہ الملک" سے مراد یا تو یہ ہے کہ خود حضرت عزرائیل علیہ السلام ہی اس کی روح قبض کرنے آئے تھے یا پھر یہ کہ ان فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ آیا ہوگا جو حضرت عزرائیل علیہ السلام کے مددگار و ماتحت ہیں، لیکن اغلب یہ ہے کہ خود حضرت عزرائیل علیہ السلام ہی آئے ہوں گے کیونکہ قبض روح کے سلسلے میں زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ ارواح قبض کرنے کا کام حضرت عزرائیل علیہ السلام ہی انجام دیتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ۔

"کہہ دیجئے کہ تمہیں وہ ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) مارتا ہے جو تم پر (اس کام کے لئے) متعین ہے۔"

چنانچہ حضرت عزرائیل علیہ السلام جب روح قبض کر لیتے ہیں تو جو اچھی یعنی پاکباز روح ہوتی ہے اسے رحمت کے فرشتے لے لیتے ہیں اور جو بری روح ہوتی ہے وہ عذاب کے فرشتوں کی نگرانی (CUSTODY) میں چلی جاتی ہے لیکن اتنی بات ملحوظ رہے کہ ملک الموت (خواہ وہ عزرائیل ہوں یا کوئی اور فرشتہ) روح قبض کرنے کا صرف ایک ظاہری ذریعہ بنتا ہے ورنہ حقیقت میں تو روح قبض کرنے والا اور موت طاری کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ خود اسی کا ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا۔

"ہر نفس کو اس کی موت کے وقت اللہ تعالیٰ ہی مارتا ہے۔"

فَقِيلَ لَهُ (تو اس سے پوچھا گیا) اس کے بارے میں بھی دونوں احتمال ہیں، یا تو اس سے یہ سوال اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا یا فرشتوں نے یہ بات پوچھی، نیز وقت سوال کے سلسلے میں زیادہ واضح بات تو یہ ہے کہ اس شخص سے یہ سوال روح قبض کرنے سے پہلے کیا گیا تھا جیسا کہ حدیث کے ابتدائی الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ یہ سوال روح قبض ہونے کے بعد قبر میں کیا گیا ہو گا جیسا کہ شیخ مظہرؒ کا قول ہے اور علامہ طیبیؒ نے ایک یہ احتمال بھی بیان کیا ہے کہ دراصل یہ سوال قیامت میں کیا جائے گا۔

بہر کیف، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مطالبات کی وصولی میں مستطیع کو مہلت دینا اور نادار شخص کو معاف کر دینا بڑے ثواب کی چیز ہے۔

خرید و فروخت میں زیادہ قسم نہ کھاؤ

(۳) وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلْفِ فِي الْبَيْعِ فَاِنَّهٗ يُنَفِّقُ ثُمَّ يَمْحَقُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو قتادہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "اپنی تجارتی زندگی میں زیادہ قسمیں کھانے سے پرہیز کرو، کیونکہ تجارتی معاملات میں زیادہ قسمیں کھانا (پہلے تو) کاروبار کو رواج دیتا ہے مگر پھر برکت کو کھو دیتا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگرچہ تجارتی معاملات میں زیادہ قسمیں کھانے کی وجہ سے وقتی طور پر کاروبار میں وسعت ہوتی ہے بایں طور کہ لوگ قسم پر اعتبار کر کے زیادہ خریداری کی طرف مائل ہوتے ہیں لیکن انجام کار زیادہ قسمیں کاروبار میں خیر و برکت کو ختم کر دیتی ہیں کیونکہ جس شخص کو زیادہ قسمیں کھانے کی عادت ہو گی اس سے جھوٹی قسموں کا بھی صدور ہونے لگے گا جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ایک تو باطنی طور پر اس کی تجارت سے خیر و برکت کی روح نکل جائے گی دوسرے اس کا اعتبار آہستہ آہستہ اٹھنے لگے گا اور لوگ اس سے لین دین کرنے میں تامل کرنے لگیں گے۔

(۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحَلِفُ مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مُمْحِقَةٌ لِلْبَرَكَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول کریم ﷺ یہ فرماتے تھے کہ "قسم (شروع میں تو) مال و اسباب میں منفعت کا سبب بنتی ہے لیکن (انجام کار) برکت کے خاتمے کا سبب بن جاتی ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: قسم سے مراد قسم کی کثرت و زیادتی بھی ہو سکتی ہے اور جھوٹی قسم بھی مراد لی جا سکتی ہے، حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زیادہ قسمیں کھاتا ہے اگرچہ وہ قسمیں سچی ہوتی ہوں یا جھوٹی قسم کھاتا ہے تو اس کی وجہ سے شروع میں اور وقتی طور پر اس کے مال و اسباب میں وسعت و زیادتی ہو جاتی ہے کہ لوگ اس کی قسم پر اعتبار کر کے اس سے لین دین کثرت سے کرتے ہیں لیکن آخر کار یہی چیز اس کے مال و اسباب میں برکت ختم ہو جانے کا سبب بن جاتی ہے بایں طور کہ یا تو اس کا مال و اسباب تلف ہو جاتا ہے یا وہ ایسی جگہ خرچ ہو جاتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہ تو اسے دنیا میں حاصل ہوتا ہے اور نہ اخروی طور پر اسے کچھ اجر و ثواب ملتا ہے۔

جھوٹی قسمیں کھا کر تجارت بڑھانے والے کے لئے وعید

(۵) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ قَالَ اَبُوْذَرٍّ خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوذرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تین شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو ان سے

(مہربانی وعنایت کا) کلام کرے گا نہ (بنظر رحمت وعنایت) ان کی طرف دیکھے گا۔ اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان تینوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ابوذرؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! خیرو بھلائی سے محروم اور اس ٹوٹے میں رہنے والے وہ کون شخص ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ایک تو پائنچے لٹکانے والا، دوسرا کسی کو کوئی چیز دے کر احسان جتانے والا اور تیسرا جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی تجارت بڑھانے والا۔" (مسلم)

تشریح: "پائنچے لٹکانے والے" سے مراد وہ شخص ہے جو ازراہ تکبر ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہنتا ہے، چنانچہ اس میں وہ شخص بھی داخل ہے جو ٹخنوں سے نیچا کرتہ پہنے۔

"احسان جتانے" کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کر کے مثلاً کسی کو کوئی چیز دے کر یا کسی کے ساتھ ہمدردی کا کوئی معاملہ کر کے اسے زبان پر لایا جائے، چنانچہ جو شخص کسی کے ساتھ ہمدردی و اعانت کا کوئی معاملہ کر کے پھر اس پر احسان جتاتا ہے تو وہ ثواب سے محروم رہتا ہے۔

"جھوٹی قسمیں کھا کر تجارت بڑھانے والے" سے مراد وہ تاجر ہے جو زیادہ نفع حاصل کرنے کے لئے یا اپنا مال تجارت بڑھانے کے لئے جھوٹی قسمیں کھائے مثلاً اس نے کوئی چیز نوے روپے میں خریدی ہو مگر اپنے خریدار سے اس کی زیادہ قیمت وصول کرنے کے لئے یا اس کی مالیت بڑھانے کے لئے جھوٹی قسم کھا کر کہے کہ خدا کی قسم میں نے یہ چیز سو روپے میں خریدی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

امانت دار کاروباری شخص کی فضیلت

(۶) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ التَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَالدَّارُ قُطْنِیُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ (قول و فعل میں) نہایت سچائی اور نہایت دیانتداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا شخص نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذیؒ، دارمیؒ، دار قطنیؒ) اور ابن ماجہؒ نے یہ روایت حضرت ابن عمرؓ سے نقل کی ہے، نیز ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "کاروباری" سے مراد وہ شخص ہے جو تجارتی کاروبار اور اجارہ داری کرتا ہو اور یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ سب سے بہتر کاروبار کپڑے کی تجارت ہے اس کے بعد عطاری ہے۔

ارشاد گرامی ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ جو کاروباری شخص سچائی، دیانت داری اور امانت کے اوصاف سے متصف ہوگا۔ گویا اس کی زندگی تمام صفات کمالیہ سے مزین ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ یا تو میدان حشر میں نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا، کہ جس طرح وہاں کی ہولناکیوں کے وقت یہ تینوں طبقے رحمت الٰہی کے سایہ میں ہوں گے اسی طرح وہ شخص بھی رحمت خداوندی کی خاص پناہ میں ہوگا یا یہ کہ اسے جنت میں ان کی رفاقت کا شرف حاصل ہوگا، چنانچہ اسے انبیاء کی رفاقت تو ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی وجہ سے حاصل ہوگی۔ صدیقوں کا ساتھ ان کی صفت خاص یعنی صدق کی موافقت کی وجہ سے ہوگا۔ اور شہیدوں کی رفاقت کی سعادت اسے اس لئے نصیب ہوگی کہ شہداء اس شخص کے وصف صدق و امانت کی شہادت دیں گے۔

تجارت کے ساتھ صدقہ وخیرات کا حکم

(۷) وَعَنْ قَیْسِ بْنِ اَبِیْ غَرَزَةَ قَالَ کُنَّا نُسَمّٰی فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ السَّمَاسِرَةَ فَمَرَّبِنَا رَسُوْلُ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَمَّانَا بِاسْمٍ ھُوَ اَحْسَنُ مِنْہُ فَقَالَ یَامَعْشَرَ التُّجَّارِ اِنَّ الْبَیْعَ یَحْضُرُہُ اللَّغْوُ وَالْحَلْفُ فَشُوْبُوْہُ بِالصَّدَقَۃِ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

"اور قیس بن غرزہ (جو سوداگری کرتے تھے) کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم لوگوں کو (یعنی سوداگروں کو) "سماسرہ" کہا جاتا تھا، چنانچہ (ایک دن کا ذکر ہے کہ) نبی کریم ﷺ کا گذر ہماری طرف ہوا تو آپ ﷺ نے ہمارے طبقے کو ایک ایسا نام عطا کیا جو ہمارے پہلے نام سے کہیں بہتر ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے طبقہ تجار! تجارت میں اکثر بے فائدہ باتیں اور (بہت زیادہ) قسم (یا کبھی کبھی جھوٹی قسم) کھانے کی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں اس لئے تم تجارت کو صدقہ و خیرات کے ساتھ ملائے رکھو" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "سماسرہ" دراصل لفظ "سمسار" کے جمع کا صیغہ ہے، جس کے معنی ہیں "دلال، یا کسی چیز کا مالک و منتظم"، چنانچہ پہلے زمانے میں تجارتی کاروبار کرنے والے کو "سمسار" ہی کہتے تھے، پھر آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو اس سے بہتر نام یعنی تجار جو لفظ تاجر کے جمع کا صیغہ ہے، عطا کیا۔ اس نام کے بہتر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خرید و فروخت کے کاروبار کو مدحیہ طور پر لفظ "تجارت" کے ساتھ ذکر کیا ہے جیسے ایک آیت کی عبارت کا یہ ٹکڑا ہے ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے) یا ایک اور آیت میں ہے تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ (سوداگری آپس کی رضامندی سے) یا ایک آیت کے یہ الفاظ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ (تجارت کرو، ہلاکت میں نہ پڑو)۔

"فَشُوْبُوْہُ بِالصَّدَقَۃِ" (تجارت کو صدقہ و خیرات کے ساتھ ملائے رکھو) کا مطلب یہ ہے کہ تجارتی زندگی میں عام طور پر بے فائدہ باتیں اور جھوٹی سچی قسموں کا صدور ہوتا رہتا ہے اور یہ دونوں ہی چیزیں پروردگار کے غضب و غصہ کا باعث ہیں، اس لئے تم ان دونوں چیزوں کے کفارہ کے طور پر اپنا کچھ مال صدقہ و خیرات کرتے رہا کرو، کیونکہ صدقہ و خیرات اللہ تعالیٰ کے غضب و غصہ کو دور کرتا ہے۔

تاجروں کے لئے وعید

(۸) وَعَنْ عُبَیْدِ بْنِ رِفَاعَۃَ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ التُّجَّارُ یُحْشَرُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰی وَبَرَّ وَصَدَقَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ وَرَوَی الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنِ الْبَرَاءِ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

"اور حضرت عبیدؒ ابن رفاعہ (تابعی) اپنے والد محترم (حضرت رفاعہؓ ابن رافع انصاری صحابی) سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے دن تاجر لوگوں کا حشر، فاجروں (یعنی دروغ گو اور نافرمان لوگوں) کے ساتھ ہوگا، ہاں (وہ تاجر اس سے مستثنیٰ ہوں گے) جنہوں نے پرہیزگاری اختیار کی (یعنی خیانت اور فریب دہی وغیرہ میں مبتلا نہ ہوئے) اور نیکی کی (یعنی اپنے تجارتی معاملات میں لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا یا یہ کہ عبادت خداوندی کرتے رہے) اور سچ پر قائم رہے۔ (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ) اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں اس روایت کو حضرت براءؓ سے نقل کیا ہے، نیز امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

بَابُ الْخِیَارِ

خیار کا بیان

"خیار" لفظ "اختیار" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں "دو چیزوں میں سے کسی ایک اچھی چیز کا انتخاب کرنا" چنانچہ کسی تجارتی معاملے کو فسخ کر دینے یا اس کو باقی رکھنے کا وہ اختیار جو خریدار اور تاجر کو حاصل ہوتا ہے، اصطلاح فقہ میں "خیار کہلاتا ہے" تجارتی معاملات میں اس اختیار کی کئی قسمیں ہیں جن کے تفصیلی احکام اور فقہی اختلاف فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں، تاہم اس موقع پر ان قسموں کے نام اور

تعریفات ذکر کر دینا ضروری ہے۔

خیار شرط: جو تجارتی معاملے طے ہو جانے کے بعد، تاجر یا خریدار یا دونوں کو اس معاملے کے ختم کر دینے یا باقی رکھنے کا حق دیا جانا "خیار شرط" کہلاتا ہے، مثلاً تاجر نے ایک چیز فروخت کی جسے خریدار نے خرید لی مگر اس خرید و فروخت کے بعد تاجر نے یا خریدار نے یہ کہا کہ باوجود بیع ہو جانے کے مجھ کو ایک روز، یا دو روز یا تین روز تک یہ اختیار حاصل ہو گا کہ خواہ اس بیع کو باقی رکھا جائے خواہ ختم کر دیا جائے۔ خرید و فروخت میں یہ صورت جائز ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مدت اختیار میں بیع کو فسخ کیا جائے تو وہ فسخ ہو جائے گی۔ اور اگر اس مدت کے ختم ہونے تک بیع کو برقرار رکھا یا سکوت کیا تو بعد ختم مدت، بیع پختہ ہو جائے گی، یہ بات ذہن میں رہے کہ "خیار شرط" کی مدت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ تین دن تک ہے۔

خیار عیب: بیع ہو جانے کے بعد خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب معلوم ہونے کے بعد اس چیز کو رکھ لینے یا واپس کر دینے کا جو اختیار خریدار کو حاصل ہوتا ہے، اسے "خیار عیب" کہتے ہیں، مثلاً تاجر نے ایک چیز بیچی جسے خریدار نے خرید لی اب اس بیع کے بعد اگر خریدار کو پتہ چلے کہ میں نے جو چیز خریدی ہے اس میں یہ فلاں عیب ہے تو اسے اختیار ہو گا کہ چاہے تو وہ اس چیز کو رکھ لے اور چاہے بیچنے والے کو واپس کر کے اپنی دی ہوئی قیمت لوٹا لے البتہ اگر بیچنے والے نے اس چیز کو بیچنے کے وقت خریدار سے یہ کہہ دیا تھا کہ اس چیز میں جو کچھ عیب ہو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں خواہ تم اس وقت اسے خریدو یا نہ خریدو اور اس کے باوجود بھی خریدار رضامند ہو گیا تھا تو خواہ کچھ ہی عیب اس میں نکلے خریدار کو واپسی کا اختیار حاصل نہیں ہو گا۔

خیار رؤیت: بے دیکھی ہوئی چیز کو خریدنے کے بعد اس چیز کو رکھ لینے یا واپس کر دینے کا جو اختیار خریدار کو حاصل ہوتا ہے اسے "خیار رؤیت" کہتے ہیں، مثلاً کسی خریدار نے بغیر دیکھے کوئی چیز خریدی تو یہ بیع جائز ہو جائے گی لیکن خریدار کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ اس چیز کو جس وقت دیکھے چاہے تو اسے رکھ لے اور چاہے بیچنے والے کو واپس کر دے۔

خیار تعیین: چند چیزوں میں بعض کو رکھ لینے اور بعض کو واپس کر دینے کا جو اختیار خریدار کو حاصل ہوتا ہے اسے "خیار تعیین" کہتے ہیں۔ مثلاً خریدار کسی تاجر سے کپڑے کے چند تھان لایا ان میں سے ایک کو لے لینے کی بات طے کر لی، اب اسے اختیار ہو گا کہ وہ ان میں سے جس تھان کو پسند کرے اسے لے لے اور بقیہ کو واپس کر دے۔

ان اقسام کے علاوہ اس باب میں خیار کی ایک اور قسم ذکر ہو گی جسے "خیار مجلس" کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی ایک مجلس میں تاجر و خریدار کے درمیان خرید و فروخت کا کوئی معاملہ طے ہو جانے کے بعد اس مجلس کے ختم ہونے تک تاجر اور خریدار دونوں کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اس معاملہ کو ختم کر سکتا ہے، مجلس ختم ہونے کے بعد یہ اختیار کسی کو بھی حاصل نہیں رہتا۔ لیکن خیار کی اس قسم میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور بعض دوسرے علماء اس خیار کے قائل ہیں جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور دوسرے علماء اس کے قائل نہیں ہیں، یہ حضرات کہتے ہیں کہ جب بیع کا ایجاب و قبول ہو گیا یعنی معاملہ تکمیل پا گیا تو اب کسی کو بھی اس معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہے گا اور یہ کہ معاملہ کے وقت خیار کی شرط طے پا گئی ہو جسے "خیار شرط" کہتے ہیں اور جس کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن تک ہے۔ تین دن کے بعد خیار شرط کی صورت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

خیار مجلس کا مسئلہ

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَبَایِعَانِ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِیَارِ عَلٰی صَاحِبِهٖ مَالَمْ

يَتَفَرَّقَا اِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ اِذَا تَبَايَعَ الْمُتَبَايِعَانِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ مِنْ بَيْعِهِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اَوْ يَكُوْنَ بَيْعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَاِذَا كَانَ بَيْعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَقَدْ وَجَبَ وَفِي رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اَوْ يَخْتَارَا وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ اَوْ يَقُوْلُ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ اخْتَرْ بَدَلَ اَوْ يَخْتَارَا۔

"حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں میں سے ہر ایک اپنے دوسرے صاحب معاملہ پر (اس بات کا) اختیار رکھتا ہے کہ چاہے تو وہ خرید و فروخت کے معاملے کو باقی رکھے اور چاہے تو ختم کر دے۔ جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں (یعنی جس مجلس میں وہ معاملہ طے پایا ہو گا جب وہ ختم ہو جائے گی بایں طور کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں رہے گا)۔ ہاں بیع خیار اس سے مستثنیٰ ہے (یعنی بیع میں خریدار نے اس اختیار کی شرط طے کر لی ہو گی کہ اگر میں چاہوں تو اس خریدی ہوئی چیز کو رکھوں گا اور اگر نہ چاہوں گا تو واپس کر دوں گا، اس بیع میں ایک دوسرے سے جدا ہونے کے بعد بھی اختیار باقی رہتا ہے۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

اور مسلمؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "جب بیچنے والا اور خریدنے والا خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کریں تو ان میں سے ہر ایک کو (معاملے کو باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا) اختیار حاصل ہو گا جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں یا یہ کہ ان کی خرید و فروخت کا معاملہ بشرط خیار ہو، چنانچہ اگر وہ خیار شرط کے ساتھ کوئی تجارتی معاملہ کریں گے تو اس صورت میں (جدائی کے بعد بھی) اختیار کا حق حاصل رہے گا۔

ترمذیؒ کی روایت میں یوں ہے کہ بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں انہیں اختیار حاصل ہے الا یہ کہ وہ (اپنے تجارتی معاملے میں) خیار کی شرط طے کریں (یعنی اگر وہ اپنا تجارتی معاملہ مذکورہ بالا خیار شرط کے ساتھ طے کریں گے تو انہیں جدائی کے بعد بھی اختیار حاصل رہے گا)۔ لیکن بخاریؒ و مسلمؒ کی ایک روایت میں (ترمذیؒ کی اس روایت کے آخری الفاظ) او یختار (الا یہ کہ وہ خیار کی شرط طے کریں) کی بجائے یہ الفاظ ہیں کہ الا یہ کہ ان دونوں میں سے ایک اپنے دوسرے صاحب معاملہ سے یہ کہہ دے کہ اختیار کی شرط طے کر لو (اور وہ دوسرا کہہ دے کہ مجھے یہ منظور ہے)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر "خیار مجلس" کا جواز ثابت ہوتا ہے، لیکن جو حضرات "خیار مجلس" کے قائل نہیں ہیں (جیسے امام ابوحنیفہؒ) وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں "ایک دوسرے سے جدا ہونے" کا مطلب مجلس کا ختم ہو جانا نہیں ہے، بلکہ "جدا ہونے" سے مراد دونوں کی اس تجارتی معاملے کی گفتگو کا پایۂ تکمیل کو پہنچ کر منقطع ہو جانا ہے، یعنی جب تک کہ وہ دونوں اس معاملے سے متعلق گفتگو کر رہے ہوں اور ایجاب و قبول پورا نہیں ہوا ہو اس وقت تک ان میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ چاہے تو زیر گفتگو معاملہ کو فسخ کر دے چاہے اسے باقی رکھے لیکن جب ایجاب و قبول پورا ہو جائے گا یعنی بیچنے والا یہ کہہ دے کہ میں نے یہ چیز تمہیں فروخت کر دی اور خریدنے والا یہ کہہ دے کہ میں نے یہ چیز خرید لی تو اب اس کے بعد ان میں سے کسی کو بھی اس معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہے گا۔ ان حضرات نے "جدا ہونے" کے یہ معنی مراد لینے کے سلسلے میں اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ۔

"اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان میں سے ہر ایک کو بے پروا کر دے گا"

چنانچہ اس آیت میں "جدا ہونے" کا مطلب مجلس سے جدا ہونا نہیں ہے بلکہ "خاوند و بیوی کے درمیان طلاق کے ذریعے جدائی مراد ہے۔

(۲) وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا فَاِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا

بُوْرِكَ لَهُمَا فِيْ بَيْعِهِمَا وَاِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت حکیمؓ ابن حزام کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں کو (اپنے تجارتی معاملہ کو باقی رکھنے یا فسخ کردینے کا) اختیار حاصل رہتا ہے۔ (لیکن یہ اختیار اس وقت تک حاصل رہتا ہے) جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں اور (یاد رکھو) جب بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں (فروخت کی جانے والی چیز اور اس کی تعریف میں) سچ بولتے ہیں اور (اس چیز و قیمت میں جو عیب و نقصان ہوتا ہے اس کو) ظاہر کردیتے ہیں (تاکہ کسی دھوکہ اور فریب کا دخل نہ رہے) تو ان کے تجارتی معاملے میں برکت عطا کی جاتی ہے اور جب وہ عیب چھپاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں تو ان کی خرید و فروخت میں برکت ختم کردی جاتی ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

خرید و فروخت میں فریب نہ کرو

③ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اُخْدَعُ فِي الْبُيُوْعِ فَقَالَ اِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَاخِلَابَةَ فَكَانَ الرَّجُلُ يَقُوْلُهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ "میں خرید و فروخت کے معاملے میں فریب کھا جاتا ہوں" آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ "تم (جب) خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کرو تو اس وقت یہ کہہ دیا کرو کہ (دین میں) فریب (کے لئے کوئی گنجائش) نہیں ہے" چنانچہ وہ شخص اسی طرح کہہ دیا کرتا تھا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ارشاد گرامی فقل لاخلابۃ (تم یہ کہہ دیا کرو کہ فریب نہیں ہے) کے بیان مطلب میں علماء کے مختلف اقوال ہیں کسی نے اس کا مطلب کچھ بیان کیا ہے اور کسی نے کچھ۔ ان اقوال کی تفصیل دیگر شروح میں مذکور ہے یہاں اختصار کے پیش نظر صرف وہ مطلب بیان کیا جاتا ہے جو تورپشتیؒ کے قول پر مبنی ہے اور جسے علامہ طیبیؒ نے بھی پسند کیا ہے۔ چنانچہ تورپشتیؒ کے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو یہ حکم دیا تھا کہ جب تم کسی شخص سے خرید و فروخت کا معاملہ کرو تو پہلے اس کو آگاہ کردیا کرو کہ دیکھو بھائی، مجھے خرید و فروخت کے معاملات سے زیادہ واقفیت نہیں ہے، تم کوئی ایسی چیز اختیار نہ کرنا جس سے میں دھوکہ کھا جاؤں اور مجھے کوئی نقصان پہنچ جائے اور چونکہ ہمارے دین میں اس بات کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ کسی بھی شخص کو دھوکہ و فریب میں مبتلا کیا جائے اس لئے مہربانی کرکے تم میرے ساتھ کوئی دھوکہ فریب نہ کرنا۔

چنانچہ یہ اس پُر خیر دور کی بات ہے جبکہ عام طور پر لوگ دیانتداری، امانت اور پرہیزگاری کے حامل تھے۔ مخلوق خدا کی ہمدردی و بھلائی کا جذبہ فراواں تھا۔ ہر مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لئے وہی بات پسند کرتا تھا جو اپنی ذات کے لئے پسندیدہ ہوتی، خصوصاً اگر کوئی کسی کو آگاہ کردیتا کہ میرے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرنا جس سے مجھے نقصان و تکلیف پہنچے تو وہ اس کا بطور خاص خیال و کوشش رکھتا کہ میں کبھی نادانستگی میں بھی اس کو نقصان پہنچنے کا ذریعہ نہ بن جاؤں، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اسے اس بات کی تعلیم فرمائی کہ اگر وہ اپنے بارے میں اس طرح آگاہ کردیا کرے گا تو لوگ اس کی خیر خواہی بہر صورت ملحوظ رکھیں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

تجارتی معاملات میں فریقین کی رضامندی و طمانیت ضروری ہے

④ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ صَفْقَةَ خِيَارٍ وَلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يُفَارِقَ صَاحِبَهٗ خَشْيَةَ اَنْ يَسْتَقِيْلَهٗ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

"حضرت عمرو ابن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "بیچنے والا اور خریدنے والا

دونوں (اسی وقت تک بیع کو باقی رکھنے یا اس کو فسخ کردینے کا) اختیار رکھتے ہیں جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں الا یہ کہ ان کی بیع بشرط خیار ہو (تو اس میں جدائی کے بعد بھی اختیار باقی رہتا ہے) اور ان دونوں میں سے کسی کے لئے (از روئے تقویٰ) یہ جائز نہیں ہے کہ وہ معاملہ کرتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو اس خوف سے کہ مبادا دوسرا فریق معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار مانگ لے (یعنی جب تک کسی معاملے میں دونوں فریق پوری طرح مطمئن نہ ہو جائیں ایجاب و قبول میں ان میں سے کوئی شخص اس لئے جلد بازی نہ کرے کہ مبادا فریق ثانی معاملے کو فسخ کردے یا معاملہ طے کرتے ہی ان میں سے کوئی شخص اس وجہ سے نہ بھاگ کھڑا ہو کہ کہیں دوسرا فریق بیع کو فسخ کرنے کے اختیار کی شرط نہ چاہنے لگے۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

⑤ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَتَفَرَّقَنَّ اثْنَانِ اِلَّا عَنْ تَرَاضٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا "بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں آپس کی رضامندی کے بغیر جدا نہ ہوں۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دونوں صاحب معاملہ کوئی تجارتی معاملہ طے کرنے کے بعد اس وقت تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں جب تک کہ قیمت کی ادائیگی اور خرید کردہ چیز کی حوالگی، دونوں میں برضا و رغبت طے نہ پا جائے یا عمل میں نہ آجائے کیونکہ اس کے بغیر ایک دوسرے کو نقصان و تکلیف پہنچنے کا احتمال رہے گا، جو شریعت میں ممنوع ہے یا پھر اس سے مراد یہ ہے کہ جب معاملہ طے ہو جائے اور دونوں صاحب معاملہ میں سے کوئی ایک وہاں سے اٹھ کھڑے ہونے کا ارادہ کرے تو وہ دوسرے فریق سے پہلے یہ پوچھ لے کہ اب تمہیں کوئی اشکال و اعتراض تو نہیں ہے؟ اور کیا اس معاملے پر تم راضی ہو گئے ہو؟ اس کے بعد اگر وہ دوسرا فریق معاملے کو فسخ کرنا چاہے تو وہ بھی معاملے کو فسخ کردے اور اگر وہ معاملے کی برقراری پر رضامند ہو تو پھر تکمیل کے بعد اس سے الگ ہو۔ اس صورت میں یہ حدیث معنی کے اعتبار سے پہلی حدیث کے موافق ہوگی۔ نیز یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ ممانعت نہی تنزیہی کے طور پر ہے کیونکہ اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر جدا ہونا حلال ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عقد بیع کے بعد فسخ کا اختیار

⑥ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیَّرَ اَعْرَابِیًّا بَعْدَ الْبَیْعِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک اعرابی کو خرید و فروخت کا معاملہ ہو جانے کے بعد دوسرے فریق کی رضامندی سے اس معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار دے دیا تھا۔ ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

بَابُ الرِّبٰوا

سود کا بیان

"سود" ایک معاشرتی لعنت و عفریت ہے جس کی اقتصادی تباہ کاریوں نے ہمیشہ ہی غربت کے لہو سے سرمایہ داری کی آبیاری کی ہے اور غریب کے سسکتے وجود سے سرمایہ دار کی ہوس کو غذا بخشی ہے، چنانچہ اس لعنت میں مبتلا ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ نے یوں تنبیہ کی ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (البقرہ: ۲:۲۷۹)

"پھر اگر تم اس (سود خوری چھوڑنے کے حکم) پر عمل نہ کرو تو پس اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔"

اسلام نے تجارت اور قرض دونوں میں سود کو حرام قرار دیا ہے اور اس کا ارتکاب گناہ کبیرہ بتایا ہے۔ جو مسلمان سود کے حرام ہونے کا قائل نہ ہو اسلامی قانون کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے۔

یہ لعنت بہت پرانی ہے، اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں بھی اس کا طریقہ رائج تھا۔ چنانچہ قریش مکہ اور یہود مدینہ میں اس کا عام رواج تھا اور ان میں صرف شخصی ضرورتوں مثلاً قرض وغیرہ ہی کے لئے نہیں بلکہ تجارتی مقاصد کے لئے بھی سود کا لین دین جاری تھا۔ اسی طرح سود کی تباہ کاریاں بھی ہمیشہ ہی تسلیم شدہ رہی ہیں اور اس کو اختیار کرنے والے بھی کبھی اس کے مضر اثرات کے منکر نہیں رہے ہیں، البتہ ایک نئی بات یہ ضرور ہوئی ہے کہ جب سے یورپ کے دلال دنیا کی مسند اقتدار و تجارت پر چھائے ہیں انہوں نے مہاجنوں اور یہودیوں کے اس خاص کاروبار کو نئی نئی شکلیں اور نئے نئے نام دے کر اس کا دائرہ اتنا عام اور وسیع کر دیا ہے کہ وہی سود جو پہلے انسان کی معاشرتی زندگی کا ایک گھن سمجھا جاتا تھا آج معاشیات، اقتصادیات اور تجارت کے لئے ریڑھ کی ہڈی سمجھا جانے لگا ہے اور سطحی ذہن و فکر رکھنے والوں کو یقین ہو گیا ہے کہ آج کوئی تجارت یا صنعت یا اور کوئی معاشی نظام سود کے بغیر چل ہی نہیں سکتا، اگرچہ آج بھی اہل یورپ ہی میں سے وہ لوگ جو تقلید محض اور عصبیت سے بلند ہو کر وسیع نظر سے معاملات کا جائزہ لیتے ہیں اور جو معاشیات (ECONOMICS) کا وسیع علم ہی نہیں رکھتے بلکہ اس کے عملی پہلوؤں پر گہری نظر بھی رکھتے ہیں خود ان کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ سود، معاشیات اور اقتصادی زندگی کے لئے ریڑھ کی ہڈی نہیں بلکہ ایک ایسا کیڑا ہے جو ریڑھ کی ہڈی میں لگ گیا ہے اور جب تک اس کیڑے کو نہ نکالا جائے گا دنیا کی معیشت میں جو اضطراب و ہیجان ہے وہ ختم نہیں ہو گا۔

اس میں شبہ نہیں کہ آج دنیا میں سود کا لین دین جتنا وسیع ہو گیا ہے اور دنیا کے اس کونہ سے لے کر اس کونہ تک تمام ہی تجارتوں میں اس کا جال جس طرح بچھا دیا گیا ہے، افراد و اشخاص کی کیا حیثیت، اگر کوئی پورا طبقہ و جماعت بلکہ کوئی پورا ملک بھی اس سے نکلنا چاہے تو اس کو اس کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہو گا کہ یا تو اپنی تجارت ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے یا نقصان برداشت کرتا رہے یہی وجہ ہے کہ اب تو عام مسلمان تاجر الگ رہے وہ دیندار و پرہیزگار مسلمان تاجر جن کی اعتقادی و عملی زندگی بڑی پاکیزہ اور مثالی ہے اب انہوں نے بھی یہ سوچنا چھوڑ دیا ہے کہ سود جو حرام ترین چیز اور بدترین سرمایہ ہے اس سے کس طرح نجات حاصل کریں جس کا نتیجہ یہ ہے ان دیندار اور پابند شریعت مسلمانوں اور ایک خالص دیندار مہاجن میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

لہٰذا سود کی ہمہ گیری کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان اس عام مجبوری کا سہارا لے کر اتنی بڑی لعنت سے بالکل بے پرواہ ہو کر بیٹھ جائیں اور ان کے دل میں ذرہ برابر کھٹک بھی پیدا نہ ہو کہ وہ کتنی بڑی حرام چیز میں مبتلا ہیں، آج سود کے بارے میں جو تاویلیں کی جاتی ہیں یا اس کو جو نئی نئی شکلیں دی جاتی ہیں یاد رکھئے وہ سب اسی درجے میں حرام ہیں جس درجے میں خود سود کی حرمت ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے تجارتی معاملات کو اس انداز میں استوار کریں جس سے حتی الامکان اس لعنت سے نجات مل سکے، اگر موجودہ معاشی نظام میں اس حد تک تبدیلی ان کے بس میں نہیں ہے کہ جس میں سود کا دخل نہ ہو تو کم سے کم اپنی زندگی اور نجی معاملات ہی کو درست کریں تاکہ سود کی لعنت سے اگر بالکل نجات نہ ملے تو کم از کم اس میں کمی ہی ہو جائے اور مسلمان ہونے کا یہ ادنیٰ تقاضہ تو پورا ہو کہ وہ حتی الامکان حرام سے بچنے کی فکر میں رہے۔

بہرکیف اس باب میں اسی موضوع سے متعلق احادیث ذکر ہوں گی جن کے ضمن میں حسب موقع سود کے احکام و مسائل بیان کئے جائیں گے لیکن یہ ضروری ہے کہ پہلے اس موضوع سے متعلق چند بنیادی باتیں بتا دی جائیں۔

ربا کی تعریف: لغت کے اعتبار سے ربا کے معنی "زیادتی، بڑھوتری بلندی" کے آتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ایسی زیادتی کو ربا کہتے ہیں جو کسی مالی معاوضہ کے بغیر حاصل ہو۔

ربا اور سود میں فرق: قرآن کریم میں جس چیز کو لفظ "ربا" کے ساتھ حرام قرار دیا گیا ہے اس کا ترجمہ اردو میں عام طور پر "سود" کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے عموماً لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ربا اور مروجہ سود، دونوں عربی اور اردو میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یعنی جس چیز کو عربی میں ربا کہتے ہیں اسی کو اردو میں سود کہا جاتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ "ربا" ایک عام اور وسیع مفہوم کا حامل ہے، جبکہ مروجہ سود ربا کی ایک قسم یا اس کی ایک شاخ ہے۔ کیونکہ مروجہ سود کے معنی ہیں "روپیہ کی ایک متعین مقدار، ایک متعین میعاد کے لئے قرض دے کر متعین شرح کے ساتھ نفع یا زیادتی لینا"۔ بلاشبہ یہ بھی ربا کی تعریف میں داخل ہے مگر صرف اسی ایک صورت یعنی قرض وادھار پر نفع وزیادتی لینے کا نام ربا نہیں ہے بلکہ ربا کا مفہوم اس سے بھی وسیع ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے وحی الٰہی کی روشنی میں ربا کے مفہوم کو وسعت دے کر لین دین اور خرید و فروخت کے معاملات کی بعض ایسی صورتیں بھی بیان فرمائی ہیں جن میں چیزوں کے باہم لین دین یا ان کی باہمی خرید و فروخت میں کمی بیشی کرنا بھی ربا ہے اور ان میں ادھار لین دین کرنا بھی ربا ہے اگرچہ اس ادھار میں اصل مقدار پر کوئی زیادتی نہ ہو بلکہ برابر سرابر لیا دیا جائے۔

ربا کی قسمیں اور ان کے احکام: ربا کے مذکورہ بالا وسیع مفہوم کے مطابق فقہاء نے ربا کی جو قسمیں مرتب کی ہیں ان میں سے عام طور پر یہ پانچ قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ ① رباء قرض ② رباء رہن ③ رباء شراکت ④ رباء نسیہ ⑤ رباء فضل۔

رباء قرض: کا مطلب ہے "قرض خواہ کا قرض دار سے بحسب شرط، متعینہ میعاد کے بعد اپنے اصل مال پر کچھ زائد مقدار لینا"۔ اس کی مثال مروجہ سود کی صورت ہے یعنی ایک شخص کسی کو اپنے روپیہ کی ایک متعین مقدار ایک متعین میعاد کے لئے اس شرط پر قرض دیتا ہے کہ اتنا روپیہ اس کا ماہوار سود کے حساب سے دینا ہوگا اور اصل روپیہ بدستور باقی رہے گا۔ ربا کی یہ صورت کلیۃ حرام ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

رباء رہن: کا مطلب ہے "بلا کسی مالی معاوضہ کے وہ نفع جو مرتہن کو راہن سے یا شے مرہونہ سے حاصل ہو"۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص (یعنی راہن) اپنی کوئی ملکیت مثلاً زیور یا مکان کسی دوسرے شخص (یعنی مرتہن) کے پاس بطور ضمانت رکھ کر اس سے کچھ روپیہ قرض لے اور وہ مرتہن اس رہن کی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھائے مثلاً اس مکان میں رہے یا اسے کرایہ پر چلائے اور یا یہ کہ اس رہن رکھی ہوئی چیز سے فائدہ نہ اٹھائے بلکہ راہن سے نفع حاصل کرے بایں طور کہ قرض دی ہوئی رقم پر سود حاصل کرے۔ رہن کی یہ دونوں ہی صورتیں حرام ہیں۔

رباء شراکت: کا مطلب ہے "کسی مشترک کاروبار میں ایک شریک اپنے دوسرے شریک کا نفع متعین کر دے" اور جملہ نقصانوں اور فائدوں کا خود مستحق بن جائے۔ یہ بھی حرام ہے۔

رباء نسیہ: کا مطلب ہے "دو چیزوں کے باہم لین دین یا دو چیزوں کے باہم خرید و فروخت" میں ادھار کرنا خواہ اس ادھار میں اصل مال پر زیادتی لی جائے۔ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے کو ایک من گیہوں دے اور دوسرا شخص اس کے بدلہ میں اسے ایک ہی من گیہوں دے مگر ایک دو دن یا ایک دو ماہ بعد دے۔ یہ اس صورت کی مثال ہے کہ دو چیزوں میں باہم تبادلہ ہوا مگر یہ تبادلہ دست بدست نہیں ہوا بلکہ ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار معاملہ ہوا نیز اس ادھار میں اصل مال پر کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ کمی بیشی کے ساتھ ادھار لین دین کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے کو ایک من گیہوں دے گا۔ رباء نسیہ کی یہی وہ صورت ہے جو زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھی اور اب بھی مروجہ سود کی شکل میں موجود ہے اور ایک اعتبار سے یہ "رباء قرض" کی قسم میں بھی داخل ہے۔

ربائے فضل: کا مطلب ہے دو چیزوں میں باہم کمی بیشی کے ساتھ دست بدست لین دین ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی کو ایک من گیہوں دے اور اس سے اسی وقت اپنے ایک من گیہوں کے بدلہ میں سوا من گیہوں لے۔ رباء کی یہ دونوں قسمیں یعنی نسیہ اور فضل چونکہ باہم لین دین کی دو بنیادی صورتیں ہیں نیز لاعلمی کی بناء پر عام طور پر لوگ ان میں سود کے پیدا ہونے والے حکم سے نابلد ہیں اس لئے مناسب ہے کہ ان کے احکام بیان کرنے سے پہلے چند باتیں بطور تمہید و قاعدہ بیان کر دی جائیں تاکہ ان احکام کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

❶ لین دین اور تجارت کا معاملہ جن چیزوں سے متعلق ہوتا ہے وہ تین قسم کی ہیں ① یا تو ان کا لین دین وزن سے ہوتا ہے ② یا کسی برتن سے ناپی جاتی ہے ③ یا نہ تو وزن کی جاتی ہیں اور نہ کسی برتن سے ناپی جاتی ہیں۔ پہلی اور دوسری قسم کی مثال غلہ ہے کہ کہیں تو غلہ کو تول کر بیچنے کا دستور ہے اور کہیں برتن میں بھر کر ناپنے کا۔ لین دین اور خرید و فروخت میں جو چیزیں تولی جاتی ہیں ان کو "موزون" کہتے ہیں اور جو چیزیں ناپی جاتی ہیں ان کو "مکیل" کہتے ہیں۔ کسی چیز کے موزون یا مکیل ہونے کی صفت کو اصطلاح فقہ میں "قدر" کہتے ہیں اس مختصر سے لفظ "قدر" کو ذہن میں رکھئے۔

❷ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے، مثلاً گیہوں کا گیہوں ہونا، چاندی کا چاندی ہونا اور کپڑے کا کپڑا ہونا، اسی حقیقت کو "جنس" کہتے ہیں۔ اور اس لفظ "جنس" کو بھی یاد رکھنا چاہئے۔

❸ جن چیزوں کا باہم لین دین ہوتا ہے وہ کبھی تو "قدر" میں متحد اور مشترک ہوتی ہیں اور "جنس" میں مختلف ہوتی ہیں مثلاً گیہوں اور چنا، یہ دونوں چیزیں قدر میں مشترک یعنی یکساں ہیں کیونکہ دونوں موزون ہیں یا مکیل ہیں۔ مگر جنس میں مختلف یعنی یکساں نہیں ہیں کیونکہ ایک کی حقیقت گیہوں ہے اور دوسرے کی حقیقت چنا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن دو چیزوں میں باہم لین دین ہوتا ہے ان کی جنس تو متحد و یکساں ہوتی ہے مگر قدر میں یکسانیت نہیں ہوتی مثلاً ململ کا ململ سے تبادلہ کہ دونوں کی جنس تو ایک ہے مگر چونکہ دونوں موزوں اور مکیل نہیں (کیونکہ ململ کی خرید و فروخت نہ تو تول کر ہوتی ہے اور نہ کسی برتن سے ناپ کر) اس لئے جب یہ دونوں قدر ہی نہیں تو قدر میں ایک کیسے ہوں گی، یا بکری کا بکری سے تبادلہ کہ دونوں کی جنس تو ایک ہے مگر چونکہ موزوں اور مکیل نہیں اس لئے نہ قدر ہے اور نہ اتحاد قدر اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن دو چیزوں میں باہم لین دین ہوتا ہے ان کی جنس بھی ایک ہوتی ہے اور قدر میں بھی یکسانیت ہوتی ہے جیسے گیہوں کا گیہوں سے تبادلہ کہ ان دونوں کی جنس بھی ایک ہے اور قدر بھی ایک ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن دو چیزوں میں باہم لین دین ہوتا ہے ان میں نہ تو جنس کی یکسانیت ہوتی ہے اور نہ قدر کی جیسے روپیہ اور کپڑا یا روپیہ اور غلہ (گویا آج کل لین دین اور تجارت کی جو عام شکل ہے) کہ نہ تو ان کی جنس ایک ہے اور نہ قدر ایک ہے۔ لہٰذا باہم لین دین اور تجارت کی جانے والی چیزیں چار قسم کی ہوئیں۔ ① متحد القدر والجنس (یعنی دونوں کی جنس بھی ایک اور قدر بھی ایک) ② متحد القدر غیر متحد الجنس (یعنی دونوں کی قدر تو ایک مگر جنس الگ الگ) ③ متحد الجنس غیر متحد القدر (یعنی دونوں کی جنس تو ایک مگر قدر الگ الگ) ④ غیر متحد الجنس والقدر (یعنی دونوں کی نہ تو جنس ایک اور نہ قدر ایک)۔

اس تمہید کو جان لینے کے بعد چیزوں کے باہم لین دین اور تجارت کے سلسلے میں وہ قاعدہ کلیہ سمجھ لیجئے جو اگر ذہن میں رہے تو نہ صرف اس باب کے احکام و مسائل سمجھنے میں آسانی ہوگی بلکہ اپنی عملی زندگی میں بھی ربا اور سود جیسے گناہ سے بچنا آسان ہوگا۔ وہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو دو چیزیں متحد القدر والجنس ہوں ان کے باہم تبادلہ و تجارت میں شرعی طور پر دو چیزیں ضروری ہیں ایک تو یہ کہ وہ دونوں چیزیں وزن یا پیمانے میں برابر ہوں دوسرے یہ کہ دونوں دست بدست ہوں مثلاً اگر ہم دو شخص آپس میں گیہوں کو گیہوں سے بدلنا چاہیں تو اس میں کمی بیشی درست نہیں ہے یعنی یہ درست نہیں کہ ہم میں سے ایک تو سیر بھر گیہوں دے اور دوسرا سوا سیر دے بلکہ دونوں ہی کو سیر سیر بھر یا سوا سوا سیر ہی دینا ضروری ہے اور نہ یہ درست ہے کہ ایک تو سر دست لے لے اور دوسرا کل یا پرسوں یا تھوڑی دیر کے بعد، بلکہ ایک ہی مجلس

میں اور ایک ہی وقت میں دونوں کو اپنا اپنا حق لینا واجب ہے اور جو چیزیں متحد القدر غیر متحد الجنس ہوں یا متحد الجنس غیر متحد القدر ہوں ان دونوں کا حکم ایک ہے وہ یہ کہ ان کے باہم لین دین میں کمی بیشی تو جائز ہے مگر ادھار جائز نہیں مثلاً گیہوں کو چنے سے بدلنا چاہیں کہ ان دونوں کی جنس تو الگ الگ ہے مگر قدر ایک ہے اس لئے ان دونوں کے تبادلہ میں کمی بیشی تو جائز ہوگی کہ ایک شخص ایک سیر گیہوں دے اور دوسرا اس کے بدلے میں سوا سیر چنا دے مگر ان کے تبادلہ میں ادھار جائز نہیں ہوگا۔ یا اسی طرح ایک بکری کو دوسری بکری سے بدلنا چاہیں کہ ان دونوں کی جنس تو ایک ہے مگر قدر ایک نہیں کیونکہ قدر تو موزون یا مکیل ہونے کو کہتے ہیں اور بکری نہ مکیل ہے اور نہ موزون، لہٰذا ان میں بھی کمی بیشی جائز ہے کہ ایک شخص تو ایک بکری دے اور دوسرا اس کے بدلے میں دو بکریاں دے مگر ان کے تبادلے میں بھی ادھار جائز نہیں ہوگا۔ اور جو چیزیں نہ متحد الجنس ہوں اور نہ متحد القدر ہوں ان میں کمی بیشی بھی جائز ہے اور نقد و ادھار کا فرق بھی جائز ہے مثلاً روپیہ اور غلہ کی باہم تجارت (جیسا کہ آج کل رائج ہے کہ اشیاء کا لین دین روپیہ کے ذریعہ ہوتا ہے) کہ ان دونوں کی نہ تو جنس ایک ہے اور نہ ان کی قدر ایک ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص روپیہ دے کر غلہ خریدنا چاہے تو اس صورت میں کمی بیشی بھی جائز ہے کہ چاہے تو ایک روپیہ کے بدلے میں ایک سیر غلہ لیا دیا جائے اور چاہے ایک روپیہ کے بدلے میں دو سیر غلہ لیا دیا جائے اس طرح اس صورت میں ادھار لین دین بھی جائز ہے کہ چاہے تو دست بدست لین دین ہو چاہے ادھار کی صورت میں اب اس قاعدہ کلیہ کا حاصل چار قاعدے ہوئے۔

① اشیاء متحد القدر و متحد الجنس کے لین دین میں برابری اور دست بدست ہونا واجب ہے۔
② اشیاء متحد القدر و غیر متحد الجنس کے لین دین میں نہ برابری واجب ہے اور نہ دست بدست ہونا واجب ہے۔
③ اشیاء متحد الجنس غیر متحد القدر کے لین دین میں دست بدست ہونا ضروری ہے مگر برابری ضروری نہیں۔
④ اشیاء متحد القدر غیر متحد الجنس کے لین دین میں دست بدست ہونا ضروری ہے مگر برابری ضروری نہیں۔

ان تمام بنیادی اور تمہیدی باتوں کو ذہن میں رکھ کر اب ربا کی ان دونوں اقسام یعنی نسیہ اور فضل کے احکام کی جانب آیئے جن کا تذکرہ شروع میں کیا گیا تھا چنانچہ اگر لین دین ایسی دو چیزوں کے درمیان ہو جن میں اتحاد جنس بھی پایا جائے اور اتحاد قدر بھی یعنی وہ دونوں متحد الجنس بھی ہوں اور متحد القدر بھی (جیسے گیہوں) تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس لین دین میں ربا نسیہ بھی حرام ہے اور ربا فضل بھی۔ اور یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ "جنس" سے مراد ہے اس چیز کی حقیقت اور قدر سے مراد ہے اس چیز کا مکیل یا موزون ہونا، کیونکہ لین دین اور تجارت کے معاملات میں شرعی معیار ہی کیل ہے یا وزن۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ شارع نے جس چیز کو مکیل (یعنی پیمانہ سے ناپی جانے والی) کہا ہے وہ موزون (یعنی تولی جانے والی) نہیں ہوگی اگرچہ عرف عام اور رواج کے اعتبار سے وہ موزون ہی ہوں، اسی طرح جس چیز کو موزون کہا ہے وہ مکیل نہیں ہوگی اگرچہ عرف عام اور رواج کے اعتبار سے وہ مکیل ہو، مثلاً گیہوں کو شارع نے ان چیزوں میں شمار کیا ہے جن کا لین دین پیمانہ سے ناپ کر ہوتا ہے اگرچہ آج کل عام طور پر گیہوں کا لین دین وزن کے ذریعے ہوتا ہے (گو بعض علاقوں میں اب بھی اس کا لین دین ناپ کر ہی ہوتا ہے) اس لئے گیہوں کا گیہوں کے ساتھ لین دین کرنا وزن کے ذریعے جائز نہیں ہوگا، اسی طرح چاندی اور سونے کو شارع نے چونکہ موزون کہا ہے اس لئے چاندی کا چاندی کے ساتھ، یا سونے کا سونے کے ساتھ لین دین کیل کے ذریعے جائز نہیں ہوگا، اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ کسی معاملے میں شارع کا واضح حکم، عرف عام اور رواج سے کہیں قوی اور برتر ہوتا ہے۔ ہاں جن چیزوں کو شارع نے نہ مکیل کہا ہے اور نہ موزون، ان کے لین دین میں عرف عام اور رواج ہی کا اعتبار ہوگا۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ حنفیہ میں سے حضرت امام ابویوسفؒ نے مطلق طور پر عرف عام اور رواج ہی کا اعتبار کیا ہے ان کے نزدیک ان چیزوں کا لین دین وزن کے ذریعے جائز ہے جن کو شریعت نے مکیل کہا ہے۔ بشرطیکہ عرف عام اور رواج، وزن کے ذریعے ہی اس کے لین دین کا ہو۔ چنانچہ کمالؒ نے حضرت امام ابویوسفؒ ہی کے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی بناء پر انہوں نے

نقود مسکوکہ (یعنی سونے اور چاندی کے سکہ مثلاً اشرفی وغیرہ کا گنتی کے ذریعے بطور قرض لین دین یا آٹے کی وزن کے ذریعے خرید وفروخت کو جائز قرار دیا ہے، نیز مستند ترین کتاب کافی میں بھی یہی ہے کہ حنفیہ کے ہاں اس بارے میں حضرت امام ابو یوسفؒ ہی کے قول پر فتویٰ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ شارع نے گیہوں (یا دوسرے غلوں) کو مکیل کہا ہے لیکن ان کا لین دین وزن کے ذریعے بلاشبہ جائز ہے کیونکہ آج کل عام طور پر ان کا لین دین وزن ہی کے ذریعے ہوتا ہے۔

بہرکیف اتحاد جنس اور اتحاد قدر والی چیزوں کے لین دین کے بارے میں تو معلوم ہو گیا کہ ان میں رباء نسیہ بھی حرام ہے اور رباء فضل بھی۔ اسی طرح اگر لین دین ایسی دو چیزوں کے درمیان ہو جن میں جنس و قدر میں سے کسی ایک کا اتحاد پایا جائے مثلاً وہ متحد الجنس تو ہوں مگر متحد القدر نہ ہوں۔ تو ان کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ایسی چیزوں کے لین دین میں رباء نسیہ تو حرام ہے مگر رباء فضل حرام نہیں ہے۔ لہٰذا اگر گیہوں کا گیہوں کے ساتھ، یا چنے کا چنے کے ساتھ، یا چونے کا چونے کے ساتھ یا سونے کا سونے کے ساتھ، یا لوہے کا لوہے کے ساتھ لین دین کیا جائے تو اس صورت میں فضل (یعنی کمی بیشی کے ساتھ دست بدست لینا دینا) بھی حرام ہو گا اور نسیہ (یعنی ادھار لینا دینا) بھی حرام ہے۔ اور نسیہ (یعنی ادھار لینا دینا) بھی حرام ہو گا کیونکہ یہاں اتحاد قدر بھی پایا جاتا ہے اور اتحاد جنس بھی اور اگر گیہوں کا چنے کے ساتھ یا سونے کا چاندی کے ساتھ اور لوہے کا تانبے کے ساتھ لین دین کیا جائے تو اس صورت میں فضل (یعنی کمی بیشی کے ساتھ دست بدست لینا دینا) تو حلال ہو گا لیکن نسیہ (یعنی ادھار لینا دینا) حرام ہو گا کیونکہ یہاں صرف اتحاد قدر موجود ہے بایں طور کہ گیہوں اور چنے کا لین دین بھی کیل یا وزن کے ساتھ ہوتا ہے، لوہے اور تانبے کا لین دین بھی وزن کے ساتھ ہوتا ہے اور چاندی کا لین دین بھی وزن کے ساتھ ہوتا ہے لیکن یہاں اتحاد جنس موجود نہیں ہے اور اگر کسی کپڑے کے ایک ٹکڑے کا اس کپڑے کے دوسرے ٹکڑے کے ساتھ یا گھوڑے کا گھوڑے کے ساتھ لین دین کیا جائے تو اس صورت میں بھی فضل حلال ہو گا اور نسیہ حرام ہو گا۔ کیونکہ یہاں اتحاد جنس موجود ہے مگر اتحاد قدر نہیں ہے بایں طور کہ نہ تو کپڑا ہی مکیل یا موزون ہے اور نہ گھوڑا ہی مکیل یا موزون ہے۔ جبکہ معیار شرعی، مکیل یا موزون ہوتا ہے اور گز وغیرہ معیار شرعی نہیں ہے۔

اور اگر لین دین ایسی دو چیزوں کے درمیان ہو جن میں نہ تو اتحاد قدر ہو اور نہ اتحاد جنس تو ان کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ایسی چیزوں کے لین دین میں فضل بھی حلال ہو گا اور نسیہ بھی، مثلاً اگر گیہوں کا چاندی یا لوہے کے ساتھ لین دین کیا جائے تو اس صورت میں فضل اور نسیہ دونوں جائز ہیں اس لئے کہ یہاں نہ اتحاد جنس ہے اور نہ اتحاد قدر بایں طور کہ گیہوں تو مکیل ہے اور چاندی یا لوہا موزون ہے، اسی طرح لوہے کا سونے کے ساتھ، یا سونے کا لوہے کے ساتھ لین دین کرنے کی صورت میں بھی فضل و نسیہ دونوں جائز ہیں کیونکہ یہاں بھی نہ اتحاد جنس ہے اور نہ اتحاد قدر بایں طور کہ سونا تولنے کے باٹ ترازو کی قسم الگ ہوتی ہے اور لوہا جن باٹ ترازو سے تولا جاتا ہے ان کی علیحدہ قسم ہوتی ہے۔ گیہوں کا چونے کے ساتھ لین دین کرنے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ ان میں بھی یہی صورت ہے کہ گیہوں کے لین دین کا پیمانہ الگ قسم کا ہوتا ہے اور چونے کے لین دین کا پیمانہ الگ قسم کا ہوتا ہے (لیکن یہ ان علاقوں کی صورت ہے جہاں گیہوں اور چونے کا لین دین وزن کے ساتھ نہیں بلکہ پیمانے کے ذریعے ہوتا ہے)۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

سود لینے دینے والے پر لعنت

① عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے سود لینے والے پر، سود دینے والے پر، سودی لین دین کا کاغذ لکھنے والے پر اور اس کے

گواہوں پر سب ہی پر لعنیت فرمائی ہے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سب (اصل گناہ میں) برابر ہیں (اگرچہ مقدار کے اعتبار سے مختلف ہوں۔" (مسلمؒ)

تشریح: سودی لین دین کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت اس لئے فرمائی کہ ایک غیر مشروع اور حرام کام میں یہ معاون ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بات صراحت کے ساتھ معلوم ہوئی کہ سود و بیاج کا تمسک لکھنا اور اس کا گواہ بننا حرام ہے۔

ہم جنس اشیاء کے باہمی تبادلہ و تجارت میں ربا کی صورت

(۲) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ فَاِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْاَصْنَافُ فَبِيْعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ اِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبادۃؓ ابن صامت کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سونا، سونے کے بدلے اور چاندی، چاندی کے بدلے اور گیہوںؒ، گیہوں کے بدلے اور جو، جو کے بدلے اور نمک، نمک کے بدلے اگر لیا دیا جائے تو ان کا لین دین (مقدار) میں مثل بمثل یعنی برابر سرابر و دست بدست ہونا چاہئے، اگر یہ قسمیں مختلف ہوں (مثلاً گیہوں کا تبادلہ جو کے ساتھ یا جو کا تبادلہ کھجور کے ساتھ ہو) تو پھر اجازت ہے کہ جس طرح چاہو خرید و فروخت کرو (یعنی برابر سرابر ہونا ضروری نہیں ہے) البتہ لین دین کا دست بدست ہونا (اس صورت میں بھی) ضروری ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: یہی وہ حدیث ہے جس نے ربا کے مفہوم کو وسعت دے کر خرید و فروخت اور لین دین کے بعض معاملات کو ربا اور سود قرار دیا ہے چنانچہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہاں جن چھ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے اگر ان کا باہمی تبادلہ یا ان کی باہمی خرید و فروخت کی جائے تو یہ ضروری ہے کہ لین دین برابر سرابر بھی ہو اور دست بدست بھی ہو، برابر سرابر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا گیہوں بطور تبادلہ بیع دے تو اس سے اتنا ہی گیہوں لے جتنا خود دے۔ دست بدست کا مطلب یہ ہے کہ جس مجلس میں معاملہ طے ہو اس مجلس میں دونوں فریق اپنا اپنا حق ایک دوسرے سے الگ ہونے سے پہلے ہی اپنے قبضے میں لے لیں یہ نہ ہونا چاہئے کہ ایک فریق تو نقد دے اور دوسرا یہ وعدہ کرے کہ میں بعد میں دے دوں گا۔ اگر اس حکم کے بر خلاف ہو گا کہ یا لین دین برابر سرابر نہ ہو یا دست بدست نہ ہو تو اس صورت میں وہ معاملہ ربا یعنی سود کے حکم میں داخل ہو جائے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں جن چھ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے آیا ربا کا حکم انہی چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ چیزیں بطور مثال کے بیان فرمائی گئی ہیں۔ اور دوسری کچھ اشیاء بھی اس حکم میں داخل ہیں اور اگر دوسری اجناس بھی داخل ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے؟

چنانچہ ائمہ مجتہدین کا یہ فیصلہ ہے کہ حدیث میں جن چھ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ محض مثال کے طور پر ہیں اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے کچھ اور چیزوں مثلاً لوہے، چونے اور دیگر اجناس کو ان چھ چیزوں پر قیاس کیا ہے اور اس سلسلے میں ایک ضابطہ بنانے کے لئے ہر ایک نے اپنے اپنے اجتہاد سے ان چھ چیزوں میں ربا کی علت الگ الگ متعین کی ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ان چھ چیزوں میں سے سونے اور چاندی میں ربا کی علت تو ثمنیت (یعنی کسی چیز کی قیمت ہونے کی صلاحیت) ہے اور باقی چار چیزوں میں ربا کی علت، قوت مذخر (یعنی محفوظ رہنے والی غذا) ہونا ہے۔ اس اعتبار سے ان چھ چیزوں کے علاوہ بھی جن چیزوں میں ثمنیت پائی جائے گی یا جو چیزیں "قوت مذخر" ہوں گی ان سب میں ربا حرام ہو گا۔ لہٰذا حضرت امام مالکؒ کے مسلک میں ترکاریاں، پھل اور کھانے کی ایسی اشیاء جو (کافی عرصے تک) محفوظ نہ رہ سکتی ہوں وہ چیزیں ہیں جن کے باہمی تبادلہ اور خرید و فروخت میں ربا یعنی کمی بیشی کے ساتھ لینا دینا جائز ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بھی سونے اور چاندی میں تو ربا کی علت ثمنیت ہے، لیکن باقی چار چیزوں میں ربا کی علت محض قوت (یعنی صرف غذائیت) ہے۔ لہٰذا ان کے مسلک میں ترکاریوں، پھلوں اور ادویات کی چیزوں میں ربا کا حکم جاری ہوگا کہ ان چیزوں کے باہمی تبادلہ میں برابر سرابر لینا دینا تو جائز ہوگا مگر کمی بیشی کے ساتھ لین دین کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح حضرت امام شافعیؒ کے ہاں لوہا، تانبا، پیتل، دھات، چونا اور اسی قسم کی دوسری اشیاء وہ چیزیں ہیں جن کے باہم تبادلہ میں ربا کا حکم جاری نہیں ہوگا مثلاً ایک پیمانہ چونے کے بدلے میں دو پیمانے چونے کا لینا دینا درست ہے۔ اسی طرح ایک سیر لوہے یا ایک سیر تانبے کے بدلے میں دو سیر لوہا یا دو سیر تانبا لینا دینا جائز ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں اصولی طور پر ربا کی علت "قدر مع الجنس" ہے اس اعتبار سے حنفی مسلک میں سونے اور چاندی میں ربا کی علت چونکہ "وزن" ہے اس لئے ہر اس چیز کے باہمی لین دین میں ربا کا حکم جاری ہوگا جو موزون (یعنی وزن کے ذریعے لی دی جانے والی) ہو جیسے لوہا، تانبا وغیرہ۔ اور باقی چار چیزوں میں ربا کی علت چونکہ "مکیل" ہے اس لئے ہر اس چیز کے باہمی لین دین میں ربا کا حکم جاری ہوگا جو کیل (یعنی پیمانے کے ذریعے لی دی جانے والی) ہو جیسے چونا وغیرہ۔ اور یہ بات پہلے بھی بتائی جا چکی ہے کہ شریعت نے جس چیز کے مکیل یا موزون ہونے کا حکم صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اس میں تبدیلی روا نہیں ہے مثلاً سونے اور چاندی کو شریعت نے ان چیزوں میں شمار کیا ہے جو وزن کے ذریعے لی دی جاتی ہیں اس لئے یہ دونوں "موزون" کے حکم میں ہیں اگرچہ عام رواج اس کے برخلاف ہو، اسی طرح گیہوں، جو، کھجور اور نمک کو شریعت نے ان چیزوں میں شمار کیا ہے جو کیل یعنی پیمانے کے ذریعے لی دی جاتی ہیں اس لئے یہ چیزیں "مکیل" کے حکم میں ہیں اگرچہ عام رواج اس کے برخلاف ہو۔ لہٰذا سونے یا چاندی کے باہم لین دین کے جائز ہونے میں وزن اور کیل ہی کا اعتبار ہوگا کہ اگر سونے کو سونے کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے بدلے لیا دیا جائے تو وزن کا برابر سرابر ہونا ضروری ہے وزن میں کمی بیشی قطعاً جائز نہیں ہوگی۔ اسی طرح باقی چار چیزوں کے باہم لین دین کے جائز ہونے میں کیل کا اعتبار ہوگا کیونکہ اگرچہ عام رواج کے مطابق ان چیزوں کا لین دین وزن کے ذریعے ہوتا ہے لیکن شرعی طور پر یہ چیزیں مکیل ہی کے حکم میں ہوں گی۔ اس لئے اگر کوئی شخص کسی کو ایک من گیہوں کے بدلے میں ایک ہی من گیہوں دے تو یہ لین دین جائز نہ ہوگا تاوقتیکہ دونوں طرف کے گیہوں پیمانے کے اعتبار سے برابر سرابر نہ ہوں (لیکن یہ بات بھی پہلے صاف کی جا چکی ہے کہ حنفیہ میں حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک مطلقاً ہر چیز کے مکیل یا موزون ہونے میں عام رواج کا اعتبار ہے اور حنفیہ کے ہاں اس پر عمل ہے) جو، کھجور اور نمک کا بھی یہی حکم ہے۔ ہاں جس چیز کا موزون یا مکیل ہونا شریعت نے صراحت کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے اس کے بارے میں عام رواج ہی کا اعتبار ہوگا کہ اگر وہ چیز عام رواج کے مطابق وزن کے ذریعے لی دی جاتی ہوگی تو وہ شرعی طور پر بھی موزون ہی کے حکم میں ہوگی کہ اس کے باہم لین دین میں وزن کا برابر سرابر ہونا ضروری ہوگا۔ اس لئے لوہا اور تانبا چونکہ عام رواج کے مطابق وزن کے ذریعے لیا دیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کے باہم لین دین میں وزن کا برابر سرابر ہونا ضروری ہے اگر وزن میں کمی بیشی ہوگی تو یہ ربا کے حکم میں داخل ہوگا۔

③ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰى۔ اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِيْ فِيْهِ سَوَاءٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سونا، سونے کے بدلے اور چاندی، چاندی کے بدلے، اور گیہوں، گیہوں کے بدلے اور جو، جو کے بدلے اور کھجور، کھجور کے بدلے اور نمک، نمک کے بدلے میں اگر دیا جائے تو ان کا لین دین برابر سرابر دست بدست ہونا چاہئے۔ لہٰذا جس نے (ایسا نہیں کیا بلکہ) زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا اور لیا تو گویا اس نے سود لیا اور سود دیا اور لینے دینے والا دونوں اس میں برابر ہیں۔" (مسلمؒ)

سونے یا چاندی کے باہم لین دین کا حکم

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ وَلَا تَبِيْعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ وَلَا تَبِيْعُوْا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ اِلَّا وَزْنًا بِوَزْنٍ۔

"اور حضرت ابوسعیدؓ خدری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سونے کو سونے کے بدلے میں فروخت نہ کرو الایہ کہ دونوں وزن میں برابر سرابر ہوں لہٰذا دونوں میں کمی بیشی نہ کرو، اسی طرح چاندی کو چاندی کے بدلے میں فروخت نہ کرو الایہ کہ دونوں برابر سرابر ہوں، لہٰذا دونوں میں کمی بیشی نہ کرو نیز ان (سونے اور چاندی) میں سے کسی کا باہم لین دین اس طرح نہ کرو کہ ایک تو نقد دے اور دوسرا ادھار۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص سونے کے زیور کا سونے کے ساتھ، یا چاندی کے زیور کا چاندی کے ساتھ تبادلہ کرے تو اس صورت میں بھی دونوں کا وزن میں برابر سرابر ہونا ضروری ہے۔ زیور کی بنوائی لینی جائز نہیں ہے کیونکہ پھر اس طرح کمی بیشی لازم آئے گی جو سود کے حکم میں ہو جائے گی۔

ہم جنس چیزوں کا تبادلہ برابر سرابر کرو

⑤ وَعَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الطَّعَامُ بِالطَّعَامِ مِثْلًا بِمِثْلٍ۔

(رواہ مسلم)

"اور حضرت معمرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کرتا تھا کہ غذا کے بدلے میں (یعنی غلہ کو ہم جنس غلہ کے بدلے میں) اگر لیا دیا جائے تو یہ لین دین برابر سرابر ہونا چاہئے۔" (مسلمؒ)

متحد القدر چیزوں کے باہمی تبادلہ میں ادھار ناجائز ہے

⑥ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالْوَرِقُ بِالْوَرِقِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سونے کا سونے کے ساتھ (برابر سرابر بھی) تبادلہ سود ہے الایہ کہ لین دین دست بدست ہو (یعنی اگر دونوں طرف سے برابر سرابر اور دست بدست لین دین ہو تو پھر سود نہیں ہے)۔ اسی طرح چاندی کا چاندی کے ساتھ تبادلہ سود ہے الایہ کہ لین دین دست بدست ہو، گیہوں کا گیہوں کے ساتھ تبادلہ سود ہے، الایہ کہ لین دین دست بدست ہو، جو کا جو کے ساتھ تبادلہ سود ہے، الایہ کہ لین دین دست بدست ہو، کھجور کا کھجور کے ساتھ تبادلہ سود ہے، الایہ کہ لین دین دست بدست ہو۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ہم جنس چیزوں میں ایک دوسرے کے ساتھ باہمی تبادلے کے معاملے میں تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ① یا تو دونوں طرف موزون ہوں یا مکیل ہوں ② دونوں طرف اشیاء نقد ہوں یا دونوں طرف ادھار ہوں ③ ایک طرف نقد ہو اور دوسری طرف کچھ دنوں کے لئے یا زیادہ دنوں کے لئے ادھار ہو، ان تینوں صورتوں میں سے پہلی صورت کے مطابق تو لین دین جائز ہوگا بشرطیکہ دونوں طرف مقدار برابر سرابر ہو کہ اگر وہ دونوں چیزیں موزون ہیں تو وزن میں برابر ہوں اور اگر مکیل ہوں تو پیمانہ میں برابر ہوں اور یہ کہ دونوں طرف کی اشیاء نقد ہوں اور بعد کی دونوں صورتوں کے مطابق یعنی دونوں طرف ادھار یا ایک طرف ادھار ہونے کی صورت میں لین دین

کا معاملہ جائز نہیں ہوگا۔ اگرچہ مقدار کے اعتبار سے دونوں ہم جنس چیزیں برابر سرابر ہوں۔

اچھی اور خراب ہم جنس چیزوں کے تبادلہ میں بھی کمی بیشی کے ساتھ لین دین جائز نہیں

⑦ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلٰی خَیْبَرَ فَجَاءَهٗ بِتَمْرٍ جَنِیْبٍ فَقَالَ اَکُلُّ تَمْرِ خَیْبَرَ هٰکَذَا قَالَ لَا وَاللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَنَاْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَیْنِ وَالصَّاعَیْنِ بِالثَّلَاثِ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِیْبًا وَقَالَ فِی الْمِیْزَانِ مِثْلُ ذٰلِكَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

"حضرت ابوسعیدؓ اور ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنا کر بھیجا چنانچہ جب وہ شخص وہاں سے واپس آیا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بہت عمدہ قسم کی کھجوریں لے کر حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے وہ کھجوریں دیکھ کر اس سے پوچھا کہ کیا خیبر کی سب کھجوریں ایسی ہی اچھی ہوتی ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں! خدا کی قسم سب کھجوریں ایسی نہیں ہوتیں، بلکہ ہم ایسا کرتے ہیں کہ دو صاع (خراب) کھجوروں کے بدلے میں ایک صاع اچھی کھجوریں اور تین صاع (خراب) کھجوروں کے بدلے دو صاع اچھی کھجوریں لے لیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ایسا نہ کرو، بلکہ پہلے تمام کھجوروں کو ملا کر درہموں کے عوض فروخت کرو اور پھر ان درہموں کے عوض اچھی کھجوریں خریدو۔" اور پھر فرمایا جو چیزیں ترازو (یعنی وزن) کے ذریعے لی دی جاتی ہیں، ان کا بھی یہی حکم ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کھجور اور ان چیزوں کے بارے میں کہ جو کیل یعنی پیمانے کے ذریعے لی دی جاتی ہیں یہ حکم بیان کیا گیا ہے اسی طرح ان چیزوں کے بارے میں بھی کہ جو وزن کے ذریعے لی دی جاتی ہیں جیسے سونا اور چاندی وغیرہ۔ یہی حکم ہے کہ اگر ان میں سے ایسی دو ہم جنس چیزوں کا باہمی تبادلہ کیا جائے جن میں سے ایک اچھی ہو اور دوسری خراب، تو اس صورت میں بھی یہ جائز نہیں ہے کہ اچھی چیز کم وزن میں دی جائے اور اس کے بدلے میں خراب چیز زیادہ وزن میں لی جائے، بلکہ اس صورت میں یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ پہلے تو خراب چیز کو درہم یا روپیہ کے عوض فروخت کر دیا جائے اور پھر اس درہم یا روپیہ سے اچھی چیز خرید لی جائے۔

⑧ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ جَاءَ بِلَالٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ بَرْنِیٍّ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَیْنَ هٰذَا قَالَ عِنْدَنَا تَمْرٌ رَدِیٌّ فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَیْنِ بِصَاعٍ فَقَالَ اَوَّهْ عَیْنُ الرِّبَا لَا تَفْعَلْ وَلٰکِنْ اِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَشْتَرِیَ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَیْعٍ اٰخَرَ ثُمَّ اشْتَرِ بِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت بلالؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اچھی قسم کی کھجور لے کر آئے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ "یہ کہاں سے لائے ہو؟" انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ خراب کھجوریں تھیں، اس میں سے میں نے دو صاع کھجوریں دے کر اس کے بدلے میں ایک صاع یہ (اچھی) کھجوریں لے لی ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "اوہ! یہ تو بالکل سود ہے، ایسا نہ کرو، البتہ جب تم (اچھی کھجوریں) بدلنا چاہو تو (یہ طریقہ اختیار کرو کہ پہلے) اپنی (خراب) کھجوریں (درہم یا روپے کے عوض) فروخت کر دو پھر ان درہموں یا روپیوں کے ذریعے اچھی کھجوریں خرید لو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

ایک غلام کے بدلے میں دو غلام

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ عَبْدٌ فَبَایَعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْهِجْرَةِ وَلَمْ یَشْعُرْ اَنَّهٗ عَبْدٌ فَجَاءَ سَیِّدُهٗ یُرِیْدُهٗ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِعْنِیْهِ فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَیْنِ اَسْوَدَیْنِ وَلَمْ یُبَایِعْ اَحَدًا بَعْدَهٗ حَتّٰی یَسْاَلَهٗ اَعَبْدٌ هُوَ اَوْ حُرٌّ۔ (رواہ مسلم)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک غلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے ہجرت پر بیعت کی (یعنی اس نے آپ ﷺ سے عہد کیا کہ میں اپنے وطن کو چھوڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر باش رہوں گا)۔ اور آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ غلام ہے (کچھ دنوں کے بعد) جب اس کا مالک اس کو تلاش کرتا ہوا آیا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ "اس غلام کو میرے ہاتھ بیچ دو" چنانچہ آپ ﷺ نے اس غلام کو دو سیاہ رنگ کے غلاموں کے بدلے میں خرید لیا اور پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے کسی شخص سے بیعت نہ لی جب تک کہ یہ معلوم نہ کر لیا کہ وہ غلام ہے یا آزاد۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے میں لینا دینا جائز ہے، نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو چیزیں "مال ربا" میں داخل نہیں ان کا لین دین اس طرح کرنا کہ ایک طرف کم ہو اور دوسری طرف زیادہ ہو جائز ہے، چنانچہ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ علماء نے اسی بنیاد پر یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ کہ ایک جانور کو دو جانوروں کے بدلے میں دست بدست لینا دینا جائز ہے خواہ دونوں طرف سے ایک ہی جنس کے جانور ہوں یا دو جنس کے۔ البتہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار لین دین جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ صحابہؓ میں سے ایک جماعت اس کے عدم جواز کی قائل تھی نیز حضرت عطاء ابن ابی رباح بھی اسی کے قائل تھے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار لین دین کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن بعض صحابہؓ اس کے جواز کے قائل تھے اور حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں بھی یہ جائز ہے۔

ہم جنس چیزوں کا تفاوت کے ساتھ لین دین جائز نہیں

(۱۰) وَعَنْهُ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الصُّبْرَةِ مِنَ التَّمْرِ لَا يُعْلَمُ مَكِيْلَتُهَا بِالْكَيْلِ الْمُسَمّٰى مِنَ التَّمْرِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے کسی ایسے ڈھیر کو کہ جس کی مقدار معلوم نہ ہو، ایک معین پیمانے کی کھجوروں کے بدلے میں لینے دینے سے منع فرمایا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: آپ ﷺ نے لین دین کی اس صورت سے منع فرمایا ہے کہ ایک طرف تو کھجوروں کی غیر معین مقدار کا ڈھیر ہو اور دوسری طرف کھجوروں کی ایک معین مقدار مثلاً دس یا بیس پیمانے (یا دس یا بیس من) ہو کیونکہ ایسی صورت میں اس ڈھیر کی کھجوروں کی مقدار غیر معلوم ہوتی ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ ڈھیر دوسری طرف کی معین مقدار سے کم رہ جائے یا اس سے زیادہ ہو جائے اس کی وجہ سے ان دونوں ہی صورتوں میں سود کی شکل ہو جائے گی۔ تاہم یہ ملحوظ رہے کہ لین دین کی یہ صورت باہم تبادلہ کی جانے والی ایسی دو چیزوں کے درمیان ممنوع ہے جو ایک ہی جنس سے ہوں جیسا کہ اوپر کھجور کی مثال دی گئی ہے، ہاں مختلف الجنس چیزوں کے لین دین میں یہ صورت ممنوع نہیں ہے۔ کیونکہ مختلف الجنس چیزوں کا باہمی لین دین کمی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے۔

سونے کی خرید و فروخت کا مسئلہ

(۱۱) وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ اَبِیْ عُبَيْدٍ قَالَ اشْتَرَيْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ قِلَادَةً بِاثْنَیْ عَشَرَ دِيْنَارًا فِيْهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ فَفَصَّلْتُهَا فَوَجَدْتُ فِيْهَا اَكْثَرَ مِنِ اثْنَیْ عَشَرَ دِيْنَارًا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تُبَاعُ حَتّٰى تُفَصَّلَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت فضالہ ابن عبید کہتے ہیں کہ میں نے خیبر کے سال ایک ہار بارہ دینار میں خریدا جو سونے کا تھا اور اس میں نگینے جڑے ہوئے تھے، پھر جب میں نے انہیں الگ الگ کیا (یعنی نگینوں کو سونے سے نکال ڈالا) تو وہ سونا بارہ دینار سے زائد قیمت کا نکلا، میں نے اس کا ذکر

رسول کریم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (ایسا ہار) اس وقت تک فروخت نہ کیا جائے تاوقتیکہ سونا اور نگینہ الگ الگ نہ کرلئے جائیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر مال ربا میں سے دو ایسی ہم جنس چیزوں کا ایک دوسرے کے عوض لین دین کیا جائے کہ ان میں سے ایک طرف کی چیز میں کوئی اور غیر جنس کی چیز بھی شامل ہو تو یہ جائز نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص مثلاً سونے کا جڑاؤ زیور، سونے کے عوض میں خرید و فروخت کرے، خواہ وہ اشرفیوں کی صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں تو لازم ہے کہ پہلے اس زیور میں سے نگینے وغیرہ الگ کر دیئے جائیں اور پھر اس زیور کا خالص سونا دوسری طرف کے سونے کے برابر سرابر وزن کے ساتھ لیا دیا جائے۔ یہی حکم چاندی کے بارے میں بھی ہے کہ اگر چاندی کا کوئی ایسا زیور وغیرہ کہ جس میں کوئی اور غیر جنس چیز مخلوط ہو، چاندی ہی کے بدلے میں خواہ وہ روپے کی صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں خرید و فروخت کیا جائے تو ضروری ہے کہ اس زیور وغیرہ کی چاندی کو الگ کر کے دوسری طرف کی چاندی کے برابر سرابر وزن کے ساتھ خریدا جائے یا فروخت کیا جائے اور یہ حکم اس لئے ہے تاکہ ہم جنس چیزوں کا کمی بیشی کے ساتھ باہمی لین دین ہونے کی وجہ سے سود کی صورت پیدا نہ ہو جائے، ہاں اگر سونے کا جڑاؤ زیور وغیرہ چاندی کے بدلے میں خرید و فروخت کیا جائے خواہ وہ چاندی روپے کی صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں، یا اس کا برعکس ہو کہ چاندی کا جڑاؤ زیور، سونے کے بدلے میں خرید و فروخت کیا جائے۔ خواہ وہ سونا اشرفی وغیرہ کی صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں، تو اس صورت میں اس جڑاؤ زیور سے نگینے وغیرہ اکھاڑ کر الگ کر دینا ضروری نہیں ہے کیونکہ مختلف الجنس چیزوں کا باہمی لین دین کمی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے، اس میں کمی زیادتی سے سود کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

سود کے بارے میں آپ ﷺ کی ایک پیش گوئی

⑫ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَاْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى اَحَدٌ اِلَّا اَكَلَ الرِّبَا فَاِنْ لَّمْ يَاْكُلْهُ اَصَابَهٗ مِنْ بُخَارِهٖ وَيُرْوٰى مِنْ غُبَارِهٖ۔ (رواه احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب سود کھانے والوں کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہے گا اور اگر کوئی شخص ایسا باقی بھی رہے گا۔ تو وہ سود کے بخار میں مبتلا ہوگا۔ نیز (بعض کتابوں میں لفظ من بخارہ کی بجائے) من غبارہ (یعنی وہ سود کے غبار میں مبتلا ہوگا) نقل کیا گیا ہے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "بخار" یا "غبار" سے مراد سود کا اثر ہے، مطلب یہ ہے کہ سود کے عام ابتلاء کے زمانے میں اگر کوئی شخص براہ راست سود کے لین دین سے بچ بھی جائے گا تو وہ کسی نہ کسی صورت میں سود کے زیر اثر ضرور ہوگا۔ مثلاً وہ کسی سود خور کا ملازم و وکیل ہوگا، یا تمسک لکھنے والا ہوگا۔ یا کسی سودی معاملے کا گواہ ہوگا یا سودی کاروبار کے درمیان رابطہ پیدا کرنے والا ہوگا، یا اس کے اپنے دوسرے ذاتی و تجارتی معاملات سود خواروں کے ساتھ استوار ہوں گے اس طرح ایسا شخص بھی بالواسطہ طور پر سود کے مال سے اپنے مال کو ملوث کرے گا یا یہ کہ جب سود کا دائرہ وسیع ہو کر تجارت و معیشت کے ہر گوشہ پر حاوی ہوگا (جیسا کہ آج کل ہے) تو پھر سود کا مال ہر شخص تک کسی نہ کسی حیثیت میں ضرور پہنچے گا۔ مثال کے طور پر اپنے ہی زمانے کو لے لیجئے، آپ ایک متقی شخص کو دیکھتے ہیں جو اتنا دیندار اور اتنا پرہیزگار ہے کہ اس کی اعتقادی و عملی زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جہاں ذرا سا بھی جھول نظر آئے اور واقعتہً اس شخص کی پاکبازی و پرہیزگاری ایک مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ مگر جب وہی شخص اپنے بچوں کے لئے ایک آنے کی مونگ پھلی خرید کر لاتا ہے تو کیا وہ شخص بھی اس کا تصور کرتا ہے کہ میں جو یہ ایک کمتر سی چیز اپنے بچوں کو کھلا رہا ہوں یا خود کھا رہا ہوں نہ معلوم یہ کتنے سودی ذرائع اور کتنے سودی لین دین کے مراحل سے گذر کر

میرے ہاتھوں تک پہنچی ہے؟ حدیث کا یہی مفہوم ہے کہ آنے والے زمانہ میں سود کی لعنت اتنی ہمہ گیر اور وسیع ہوئی کہ ہر شخص شعوری و غیر شعوری طور پر اس میں مبتلا ہو گا کوئی بلاواسطہ سود کھائے گا کوئی بالواسطہ اس کا مرتکب ہو گا اور کوئی بالکل ہی غیر شعوری طور پر اس کے زیر اثر ہو گا۔

مختلف الجنس چیزوں کے دست بدست باہمی لین دین میں کمی بیشی جائز ہے

(۱۳) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ وَلَا الْبُرَّ بِالْبُرِّ وَلَا الشَّعِيْرَ بِالشَّعِيْرِ وَلَا التَّمْرَ بِالتَّمْرِ وَلَا الْمِلْحَ بِالْمِلْحِ اِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ عَيْنًا بِعَيْنٍ يَدًا بِيَدٍ وَلٰكِنْ بِيْعُوا الذَّهَبَ بِالْوَرِقِ وَالْوَرِقَ بِالذَّهَبِ وَالْبُرَّ بِالشَّعِيْرِ وَالشَّعِيْرَ بِالْبُرِّ وَالتَّمْرَ بِالْمِلْحِ وَالْمِلْحَ بِالتَّمْرِ يَدًا بِيَدٍ كَيْفَ شِئْتُمْ۔ (رواہ الشافعی)

"اور حضرت عبادہؓ ابن صامت کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "نہ تو سونا، سونے کے بدلے میں بیچو، نہ چاندی، چاندی کے بدلے میں، نہ گیہوں، گیہوں کے بدلے میں، نہ جو، جو کے بدلے میں، نہ کھجور، کھجور کے بدلے میں اور نہ نمک، نمک کے بدلے میں، ہاں برابر سرابر، نقد بہ نقد یعنی دست بدست لین دین جائز ہے چنانچہ سونا، چاندی کے بدلے میں اور چاندی، سونے کے بدلے میں گیہوں، جو کے بدلے میں، اور جو گیہوں کے بدلے میں، اور کھجور، نمک کے بدلے میں اور نمک، کھجور کے بدلے میں دست بدست جس طرح چاہو خرید و فروخت کرو۔" (نسائیؒ)

تشریح: حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایسی دو چیزوں کا آپس میں لین دین کرو جو ہم جنس ہوں (جیسے گیہوں، گیہوں کے بدلے میں تو اس صورت میں برابر سرابر اور دست بدست ہونا ضروری ہے اور اگر ایسی دو چیزوں کا آپس میں لین دین کیا جائے جو ہم جنس نہ ہوں بلکہ الگ الگ جنس کی ہوں (جیسے گیہوں، جو کے بدلے میں) تو اس صورت میں صرف دست بدست ہونا ضروری ہے برابر سرابر ہونا ضروری نہیں ہے۔

خشک اور تازہ پھلوں کے باہمی لین دین کا مسئلہ

(۱۴) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ شِرَاءِ التَّمْرِ بِالرُّطَبِ فَقَالَ اَيَنْقُصُ الرُّطَبُ اِذَا يَبِسَ فَقَالَ نَعَمْ فَنَهَاهُ عَنْ ذٰلِكَ۔ (رواہ مالک والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول کریم ﷺ سے جب تازی کھجور کے بدلے میں (خشک) کھجور خریدنے کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "کیا تازہ کھجور خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ "جی ہاں! چنانچہ آپ ﷺ نے اس طرح لین دین سے منع فرمایا۔" (مالکؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: آپ ﷺ نے خشک اور تازہ کھجوروں کے باہم لین دین سے اس لئے منع فرمایا کہ اس صورت میں برابر سرابر ہونے کی شرط فوت ہو جائے گی جس کی وجہ سے وہ سودی معاملہ ہو جائے گا، چنانچہ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ اور دیگر اکثر علماء کے علاوہ حنفیہ میں سے حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے بھی اس حدیث پر عمل کیا ہے، جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے ہم جنس خشک اور تازہ پھلوں کے باہمی لین دین کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ دونوں طرف کے پھل مقدار یا وزن میں برابر سرابر ہوں، انہوں نے اس حدیث کو نسیہ کی صورت پر محمول کیا ہے یعنی امام اعظمؒ کے نزدیک حدیث میں مذکورہ ممانعت کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ ایک فریق تو نقد دے اور دوسرا فریق بعد میں دینے کا وعدہ کرے چنانچہ مذکورہ بالا حدیث سے امام اعظمؒ نے جو مراد اختیار کی ہے اس کی تائید

ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو یہ ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے تازہ کھجور کے بدلے میں خشک کھجور کا لین دین ادھار کی صورت میں ممنوع قرار دیا ہے، نیز اس مسئلہ میں جو حکم خشک و تازہ کھجوروں کا ہے وہی حکم دیگر پھلوں مثلاً انگور وغیرہ کا بھی ہے، نیز خشک و تازہ گوشت کا معاملہ بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

گوشت اور جانور کے باہمی تبادلہ کا مسئلہ

⑮ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ مُرْسَلاً اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ اللَّحْمِ بِالْحَيَوَانِ قَالَ سَعِيْدٌ كَانَ مِنْ مَيْسِرِ اَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ۔ (رواه فی شرح السنۃ)

"اور حضرت سعیدؒ ابن مسیب بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جانور کے بدلے میں گوشت کا لین دین کرنے سے منع فرمایا ہے۔ نیز حضرت سعدؒ کا بیان ہے کہ جانور کے بدلے میں گوشت کا لین دین زمانہ جاہلیت کے جوئے کی قسم سے تھا۔" (شرح السنۃ)

تشریح : "زمانہ جاہلیت کے جوئے کی قسم" سے مراد یہ ہے کہ جس طرح جوئے کی صورت میں غلط ذرائع سے لوگوں کا مال کھایا جاتا ہے اسی طرح اس میں بھی ایسی ہی صورت پیدا ہو جاتی ہے اگرچہ طریقہ کے اعتبار سے دونوں صورتیں مختلف ہیں کیونکہ اس میں جوا کھیلا جاتا ہے اور اس میں لین دین کا ایک معاملہ کیا جاتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جانور کے عوض گوشت کے لین دین کا معاملہ حرام ہے۔ خواہ گوشت اس جانور کی جنس کا ہو یا کسی دوسری جنس کے جانور کا ہو نیز چاہے وہ جانور کھایا جاتا ہو چاہے نہ کھایا جاتا ہو جبکہ حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہ کے ہاں یہ معاملہ جائز ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس معاملے میں ایک موزون چیز (یعنی گوشت کہ اس کا لین دین وزن کے ذریعے ہوتا ہے) کا تبادلہ ایک غیر موزون چیز (یعنی جانور کا اس کا لین دین وزن کے ذریعے نہیں ہوتا) کے ساتھ کیا جاتا ہے جس میں دونوں طرف کی چیزوں کا برابر سرابر ہونا ضروری نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ لین دین اور خرید و فروخت کی یہ صورت جائز ہے ہاں اس صورت میں چونکہ لین دین کا دست بدست ہونا ضروری ہے اس لئے حدیث میں مذکورہ بالا ممانعت کا تعلق دراصل گوشت اور جانور کے باہم لین دین کی اس صورت سے ہے جبکہ لین دین دست بدست نہ ہو بلکہ ایک طرف تو نقد ہو اور دوسری طرف وعدہ یعنی ادھار ہو۔

دو جانوروں کا باہمی تبادلہ ادھار کی صورت میں ناجائز ہے

⑯ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيْئَةً۔

(رواه الترمذی والبوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت سمرةؓ ابن جندب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار لین دین کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

(ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

غیر مثلی چیز کے قرض لینے کا مسئلہ

⑰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَهُ اَنْ يُّجَهِّزَ جَيْشًا فَنَفِدَتِ الْاِبِلُ فَاَمَرَهُ اَنْ يَّاْخُذَ عَلٰى قَلَائِصِ الصَّدَقَةِ فَكَانَ يَاْخُذُ الْبَعِيْرَ بِالْبَعِيْرَيْنِ اِلٰى اِبِلِ الصَّدَقَةِ۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص کے بارے میں مروی ہے کہ (ایک غزوہ کے موقع پر) نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ لشکر کا سامان درست کر لو۔ (یعنی لشکر میں شامل ہونے کے لئے سواری اور ہتھیار وغیرہ تیار رکھو) چنانچہ جب اونٹوں کی کمی ہوئی (یعنی جتنے اونٹ تھے وہ اکثر لوگوں میں تقسیم ہو گئے اور کچھ لوگ کہ جن میں حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص بھی شامل تھے اونٹ حاصل نہ کر سکے) تو

آنحضرت ﷺ نے عبداللہ کو حکم دیا کہ "وہ زکوٰۃ کے اونٹ کے بدلے میں اونٹ (قرض) لے لیں" چنانچہ حضرت عبداللہ زکوٰۃ کے اونٹ آنے تک (کے وعدے پر) دو اونٹ کے عوض ایک اونٹ لے لیا کرتے تھے۔" (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کا مطلب سمجھنے سے پہلے قرض کے سلسلے میں یہ ایک بنیادی بات جان لیجئے کہ صرف اسی چیز کا قرض لینا درست ہے جو اپنی مثل رکھتی ہو بایں معنی کہ اسی طرح کی چیز قرض خواہ کو واپس کی جا سکتی ہو جیسے اناج، انڈا، گوشت اور روپیہ وغیرہ، ایسی چیز کو "مثلی" کہا جاتا ہے اور جو چیز ایسی ہو کہ اسی طرح کی چیز قرض خواہ کو واپس کرنا مشکل ہو تو اس کا قرض درست نہیں ہے جیسے پھل اور جانور وغیرہ، ایسی چیز کو "غیر مثلی" کہتے ہیں۔

اب حدیث کی طرف آیئے، حضرت عبداللہؓ کو آنحضرت ﷺ کے اس حکم کہ "وہ زکوٰۃ کے اونٹ کے بدلے میں اونٹ لے لیں" کا مطلب یہ تھا کہ وہ کسی شخص سے اس شرط پر بطور قرض اونٹ لے لیں کہ جب زکوٰۃ میں حاصل ہونے والے اونٹ آجائیں گے تو وہ اس کا قرض ادا کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ "غیر مثلی چیز کا قرض لینا جائز نہیں ہے اور اونٹ بھی "غیر مثلی" ہے اس لئے اس حدیث کے بارے میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہؓ کو یہ حکم اس وقت دیا تھا جبکہ غیر مثلی چیز کا قرض لینا بھی جائز تھا مگر بعد میں غیر مثلی چیز کے قرض لینے کا جواز چونکہ ختم کر دیا گیا تھا اس لئے یہ حدیث گویا منسوخ ہے۔

لیکن شیخ عبدالحقؒ نے اس حدیث کے حکم کو بیع پر محمول کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار لین دین جائز ہے جبکہ ہمارے (یعنی حنفی) علماء نے حضرت سمرہؓ کی حدیث (جو اس سے پہلے گذری ہے) کے مطابق اس کو ممنوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ تورپشتیؒ نے کہا ہے کہ حضرت عبداللہؓ ابن عمرو کی یہ روایت ضعیف ہے جبکہ حضرت سمرہؓ کی روایت اس سے کہیں زیادہ قوی ہے اس لئے حنفیہ نے حضرت سمرہؓ کی حدیث پر عمل کیا ہے، یا پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم اس وقت دیا تھا جبکہ دو ہم جنس چیزوں کا باہمی ادھار لین دین ربا کی قسم میں داخل نہیں تھا، لیکن جب لین دین کی یہ صورت "ربا" قرار پائی تو اس حدیث کا یہ حکم بھی منسوخ قرار پا گیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

ادھار لین دین میں سود کا مسئلہ

(۱۸) عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرِّبَا فِي النَّسِيْئَةِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ لَا رِبَا فِيْمَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ۔ (متفق علیہ)

"حضرت اسامہؓ ابن زید کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ادھار لین دین میں سود ہو جاتا ہے" ایک اور روایت میں یوں ہے کہ "اس لین دین میں سود نہیں ہوتا جو دست بدست ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ادھار لین دین میں سود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سود کی صورت ایسے معاملے میں پیدا ہوتی ہے جس میں دو ہم قدر چیزوں کا باہمی تبادلہ ادھار کی شکل میں ہو کہ ایک فریق تو نقد دے اور دوسرا بعد میں دینے کا وعدہ کرے اگرچہ دونوں چیزوں کی جنسیں مختلف ہوں اور برابر سرابر ہوں مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو جو دے کر اس سے گیہوں لے تو اس لین دین میں کمی بھی جائز ہے بشرطیکہ دست بدست لین دین ہو۔ اگر کسی ایک طرف سے بھی ادھار ہوگا تو پھر یہ معاملہ جائز نہ ہوگا اور سود کی صورت ہو جائے گی اسی طرح "اس لین دین میں سود نہیں ہوتا جو دست بدست ہو" کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسی دو چیزوں کا باہمی تبادلہ کیا جائے جو ایک جنس کی ہوں اور برابر سرابر ہوں، نیز دونوں فریق اپنی اپنی چیز اسی مجلس میں اپنے اپنے قبضے میں کر لیں تو یہ جائز ہوگا اور سود کی صورت نہیں ہوگی اور اگر دونوں چیزیں ایک جنس کی ہوں

تو پھر کمی بیشی کے ساتھ لین دین میں بھی یہ معاملہ جائز ہوگا۔ اور سود کی صورت نہیں ہوگی بشرطیکہ لین دین دست بدست ہو۔

سود کھانے پر وعید

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ حَنْظَلَةَ غَسِيْلِ الْمَلَائِكَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْهَمُ رِبًا يَاكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَيَعْلَمُ اَشَدُّمِنْ سِتَّةٍ وَثَلَاثِيْنَ زِنْيَةً رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارقُطْنِيُّ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَزَادَ وَقَالَ مَنْ نَبَتَ لَحْمُهُ مِنَ السُّحْتِ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن حنظلہ غسیل ملائکہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سود کا ایک درہم، یہ جاننے کے باوجود کھانا کہ یہ سود ہے، چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے" (احمدؒ، دار قطنیؒ) اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے، نیز بیہقیؒ نے اس روایت میں حضرت ابن عباسؓ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کا گوشت حرام مال سے پیدا ہوا ہو (یعنی جس شخص کی جسمانی نشو و نما حرام مال مثلاً سود و رشوت وغیرہ سے ہوئی ہو) وہ شخص دوزخ ہی کے لائق ہے۔"

تشریح: جس طرح مذکورہ بالا وعید اس شخص کے بارے میں فرمائی گئی ہے جو سود کا مال یہ جاننے کے باوجود کھائے کہ یہ مال سودی ذریعے سے حاصل شدہ ہے اسی طرح اس وعید کا تعلق اس شخص سے بھی ہے جس نے لاعلمی میں سود کا مال کھایا بشرطیکہ اس لاعلمی میں خود اس کی اپنی کوتاہی یا لاپرواہی کا دخل ہو۔

علماء کہتے ہیں کہ سود کھانے کے گناہ کو زنا کے گناہ سے بھی زیادہ سخت اور بڑا گناہ اس لئے کہا گیا ہے کہ سود کھانے والے کے حق میں اللہ تعالیٰ نے جتنی سخت اور غضب ناک تنبیہ فرمائی ہے اتنی سخت اور غضب ناک تنبیہ، زنا کیا کسی بھی گناہ کے بارے میں نہیں فرمائی ہے چنانچہ سود کھانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے یوں متنبہ کیا ہے۔

فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (البقرہ۲:۲۷۹)

"اعلان جنگ سن لو، اللہ اور اس کے رسول کا۔"

یہ بات ہر ذی شعور شخص جانتا ہے کہ کسی کے خلاف "اعلان جنگ" کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کا رسول جس شخص کے خلاف اعلان جنگ کرے یا جو شخص اللہ اور اسکے رسول سے بر سر جنگ ہو، اس کی محرومی، شقاوت، بدبختی اور دنیا و آخرت کی مکمل تباہی و بربادی کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

علماء یہ بھی لکھتے ہیں کہ سود کھانے والے کے حق میں اتنی سخت وعید اور اتنی شدید و غضب ناک تنبیہ کا سبب یہ ہے کہ سود کے بارے میں عملی طور پر ہی گمراہی کا صدور نہیں ہوتا بلکہ سود کی پہچان مشکل ہونے کی وجہ سے عموماً اعتقادی گمراہی میں بھی لوگ مبتلا ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر لوگ سود کو حرام بھی نہیں سمجھتے بلکہ ان کے ذہن و فکر اور قلب و دماغ پر گمراہی و کجروی کی اتنی ظلمت چھائی ہوئی ہے کہ وہ سود کو حلال سمجھتے ہیں اور یہ معلوم ہی ہے کہ سود کی حرمت کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس کا مرتکب ہونا عملی گمراہی یعنی گناہ کبیرہ ہے جس پر معافی بھی ممکن ہے مگر سود کی حرمت کا اعتقاد نہ رکھنا بلکہ اس کو حلال سمجھنا اعتقادی گمراہی و کجروی ہے جس کا آخری نتیجہ کفر ہے، اور اس کی معافی و بخشش ناممکن ہے۔ جبکہ زنا ایک فعل ہے جس کی حرمت و برائی سے کوئی بھی انکار نہیں کرتا، جو شخص اس فعل میں مبتلا ہوتا ہے وہ بھی اس کی برائی کا بہر صورت اعتقاد رکھتا ہے یہاں تک کہ اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر مذہب و فرقے میں "زنا" ایک برائی ہی تصور کی جاتی ہے کوئی بھی اسے جائز اور حلال نہیں سمجھتا۔

اب رہی یہ بات کہ چھتیس کا عدد بطور خاص کیوں ذکر کیا گیا ہے، تو ہو سکتا ہے کہ اس کا مقصد محض سود کی حرمت کی اہمیت جتانا ہے، یا

اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

(۲۰) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ جُزْءً ا اَیْسَرُھَا اَنْ یَّنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّہٗ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں، اور ان میں جو سب سے ادنی درجہ ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنی ماں سے صحبت کرے۔"

(۲۱) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّبَا وَاِنْ کَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَہٗ تَصِیْرُ اِلٰی قُلٍّ رَوَاھُمَا ابْنُ مَاجَۃَ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَرَوٰی اَحْمَدُ الْاٰخِیْرَ۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سود (سے حاصل شدہ مال) خواہ کتنا ہی زیادہ ہو مگر آخر کار اس میں کمی (یعنی بے برکتی) آجاتی ہے" ان دونوں روایتوں کو ابن ماجہؒ نے اور شعب الایمان میں بیہقیؒ نے نقل کیا ہے نیز دوسری روایت کو امام احمدؒ نے بھی نقل کیا ہے۔"

تشریح: سودی ذرائع سے حاصل ہونے والا مال بظاہر تو بہت زیادہ محسوس ہوتا ہے مگر چونکہ سودی مال میں خیر و برکت کا کوئی جز نہیں ہوتا اس لئے انجام کار وہ مال اس طرح تباہ و برباد اور ختم ہو جاتا ہے کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا، یہ محض ایک وعیدی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو روزانہ نظروں کے سامنے آتی رہتی ہے، چنانچہ اسی حقیقت کو قرآن کریم نے بھی ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ۔ (البقرہ ۲:۲۷۶)

"اللہ تعالیٰ سود کو مٹا دیتا ہے اور صدقات کو بڑھا دیتا ہے۔"

اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ انسان جو مال سود کے ذریعے حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نیست و نابود کر دیتا ہے۔ مگر انسان اپنی جائز محنت و حلال ذریعہ سے جو مال کما کر اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے۔ گویا اس آیت میں سود اور صدقہ کو ایک ساتھ ذکر کر کے جہاں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ان دونوں کی حقیقت میں تضاد ہے وہیں ان دونوں کے متضاد نتائج کی نشاندہی بھی کی گئی ہے، چنانچہ ان دونوں کی حقیقت میں تضاد تو یہ ہے کہ صدقہ میں بغیر کسی معاوضے اور بغیر کسی لالچ کے انسان اپنا مال محض خدا کی خوشنودی کے لئے دوسروں کو دیتا ہے جبکہ سود میں بغیر کسی معاوضہ کے انسان محض مال و زر کی ہوس اور دولت کی فراوانی کے جذبے کے تحت دوسرے سے مال حاصل کرتا ہے، اس طرح دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض بالکل جدا جدا ہوتی ہے کہ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کے لئے اپنے مال کو ختم کرنے یا کم کرنے کا فیصلہ کر کے ایک زبردست ایثار کرتا ہے اور سود لینے والا محض دنیاوی حرص و طمع کی بناء پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غصہ و ناراضگی سے بالکل بے پرواہ ہو کر اپنے موجودہ مال میں ناجائز زیادتی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ یہ تو سود اور صدقہ کی حقیقت کا تضاد تھا۔ دونوں کے نتائج کا تضاد یہ ہے کہ جو مال اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر ناجائز طریقے یعنی سود سے حاصل کیا جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے یا اس میں سے برکت اٹھا لیتا ہے اس کے برخلاف جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی کی خاطر اپنا مال دوسروں کو دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مال کو بڑھا دیتا ہے بایں طور کہ اس کے موجودہ مال میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے۔

اس آیت کے ضمن میں دونوں کے نتائج میں تضاد کا مطلب مفسرین نے اس انداز میں بیان کیا ہے کہ "سود کو مٹانے اور صدقہ کو بڑھانے کا تعلق آخرت سے ہے، یعنی سود خوار کو اس کا مال آخرت میں کچھ بھی نفع نہیں پہنچائے گا بلکہ عذاب ہی کا موجب بنے گا۔ جبکہ صدقہ کرنے والے کا مال آخرت میں اس کے لئے ابدی سعادتوں اور راحتوں کا ذریعہ بنے گا"۔ پھر سود کا مٹایا جانا اور صدقہ کا بڑھایا جانا

آخرت سے تو تعلق رکھتا ہی ہے۔ مگر اس کے کچھ آثار دنیا ہی میں مشاہدہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ سود، جس مال میں شامل ہو جاتا ہے بعض اوقات وہ مال اس طرح تباہ و برباد ہو جاتا ہے کہ اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، جیسا کہ سود اور سٹہ کے بازاروں میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کہ بڑے بڑے کروڑپتی اور سرمایہ دار دیکھتے دیکھتے دیوالیہ ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ بے سود کی تجارتوں میں بھی نفع و نقصانات کے احتمال ضرور ہیں اور اسی وجہ سے بعض مرتبہ بے سود کی تجارت کرنے والوں کو بھی کسی تجارت میں نقصان ہو جاتا ہے، لیکن ایسا تاجر جو کل کروڑپتی تھا اور آج ایک ایک پیسہ کی بھیک کا محتاج ہے۔ یہ صرف سود اور سٹہ کے بازاروں ہی میں نظر آتا ہے۔

بہرکیف، جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے سودی مال کا وقتی طور پر بڑھنا اور آخر میں تباہ و برباد ہو جانا، محض ایک شرعی وعید کے درجے کی بات نہیں ہے بلکہ اہل تجربہ کے بیانات بھی اس پر شاہد ہیں کہ سود کا مال فوری اور وقتی طور پر کتنا ہی بڑھ جائے لیکن وہ عموماً ایسا دیرپا نہیں ہوتا کہ اس کا فائدہ نسلوں تک پہنچے، اکثر ایسی کوئی نہ کوئی صورت پیش آجاتی ہے جو سودی مال کو ختم یا کم کر دیتی ہے۔

سود خوروں کی ظاہری خوشحالی سے دھوکہ نہ کھائیے: آج کل سود کا کاروبار عام ہے، چپہ چپہ پر سود خوروں کا لین دین جاری ہے۔ ان کے یہاں ظاہری طور پر مال و دولت کی ریل پیل نظر آتی ہے، اسباب عیش و عشرت کی فراوانی ہر طرف رقصاں دیکھی جاتی ہے۔ اسی لئے عام سطح میں لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ آج کل تو سود خواروں کو بڑی سے بڑی راحت حاصل ہے۔ وہ کوٹھیوں، بنگلوں اور عالیشان عمارتوں کے مالک ہیں، نوکر چاکر اور شان و شوکت کے تمام سامان موجود ہیں، اس لئے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سود خواروں کو دنیا میں بھی راحت حاصل نہیں ہوتی اور ان کا مال و زر ان کا ساتھ نہیں دیتا۔ حالانکہ غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح نظر آئے گی کہ سامان راحت اور راحت میں بڑا فرق ہے۔ سامان راحت تو آپ کارخانوں اور فیکٹریوں اور بازاروں سے حاصل کر سکتے ہیں وہ سونے چاندی اور سکوں کے عوض مل سکتا ہے لیکن جس چیز کا نام راحت ہے وہ نہ کسی فیکٹری میں بنتی ہے اور نہ کسی بازار سے دستیاب ہوتی ہے بلکہ وہ ایک ایسے روحانی اطمینان اور قلب و دماغ کے ایک ایسے سکون کا نام ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی صورت میں براہ راست انسان کو عطا ہوتا ہے جو بعض اوقات بالکل بے سرو سامان انسان اور جانوروں تک کو میسر آجاتا ہے۔ اور بعض اوقات ہزاروں اسباب عیش و عشرت اور سامان راحت رکھنے کے باوجود حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک نیند کو لے لیجئے، یہ نیند کیا ہے؟ ایک راحت و سکون کا نام ہے، اس کو حاصل کرنے کے لئے آپ یہ تو کر سکتے ہیں کہ ایک اعلیٰ قسم کی خواب گاہ بنوالیں جس میں ہوا، روشنی کا پورا انتظام ہو، عمدہ قسم کے اور آرام دہ پلنگ ہوں، دلفریب و دل کش گدیلے بستر اور ملائم تکیے ہوں لیکن آپ خود بتائیے کیا ان سامانوں کے مہیا ہو جانے پر نیند کا آجانا لازمی ہے؟ اگر آپ کو خود اس کا تجربہ نہیں ہے تو وہ ہزاروں آدمی اس کا جواب نفی میں دیں گے جنہیں کسی عارضے کی وجہ سے نیند نہیں آتی ان کے لئے یہ سامان دھرے رہ جاتے ہیں یہاں تک کہ خواب آور دوائیاں بھی جواب دے دیتی ہیں، چنانچہ نیند کے سامان تو بازار سے آگئے لیکن نیند کسی بازار سے کسی بھی قیمت پر نہیں لائی جا سکتی۔ اسی طرح دوسری لذتوں اور راحتوں کا حال ہے۔ ان کے اسباب تو روپیہ پیسہ کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں مگر ان راحتوں اور لذتوں کا حاصل ہونا ان اسباب کے باوجود بھی ضروری نہیں ہے، یہ بات سمجھ لینے کے بعد سود خواروں کے حالات کا جائزہ لیجئے، تو ان کے پاس آپ کو سب کچھ ملے گا مگر راحت اور اطمینان کا نام نہ پائیں گے۔ وہ اپنی حرص و ہوس میں اپنی تجوریوں کو بھرنے اور اپنے ایک کروڑ کو ڈیڑھ کروڑ دو کروڑ بنانے میں ایسے مست نظر آتے ہیں کہ نہ ان کو اپنے کھانے پینے کا ہوش رہتا ہے نہ اپنی بیوی بچوں کا خیال، ایمانداری سے بتائیے کیا اطمینان و راحت اسی طرح حاصل ہوتا ہے، صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک مال و دولت کو بڑھانے کی ادھیڑ بن میں اپنے آپ کو فنا کر دینے کا نام راحت ہے؟ کتنے بے وقوف ہیں وہ لوگ جنہوں نے اسباب راحت کا نام راحت رکھ لیا ہے اور جو حقیقی راحت ہے اس سے کوسوں دور ہیں۔

سود خوروں کو حقیقی عزت حاصل نہیں ہوتی: ایک دنیادار انسان مال و دولت کے انبار اسی لئے جمع کرتا ہے کہ اسے دنیا کا اطمینان و سکون اور راحت حاصل ہو اور وہ سماج و معاشرہ میں عزت و وقار کی زندگی بسر کر سکے لیکن سود خوروں کی راحت کا حال تو معلوم ہوا کہ ان

کے ہاں ظاہری طور پر مال و دولت کی فراوانی، اور عیش و عشرت اور راحت و آرام کے تمام تر اسباب کی موجودگی کے باوجود ان بد نصیبوں کو حقیقی راحت و اطمینان کی دولت نصیب نہیں ہوتی۔ اور سکون قلب و دماغ جیسی اعلیٰ نعمت میں مسلسل مبتلا رہنے کی وجہ سے طبعی طور پر بھی بے رحم اور سنگ دل بن جاتا ہے اور اس کا پیشہ ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ مصیبت زدہ اور افلاس کے مارے، لوگوں کی مصیبت و مفلسی سے اور کم مایہ انسانوں کی کم مائیگی سے فائدہ اٹھائے اور ان کا خون چوس کر اپنے بدن کو سیم و زر سے پالے، اس مقصد کے لئے وہ بھوک سے بلکتے معصوم بچوں کے ہاتھ سے سوکھی روٹی کا ٹکڑا چھیننے اور افلاس زدہ کی ستائی ہوئی باحیا عورت کے جسم پر لپٹے ہوئے کپڑے کا آخری چیتھڑا اتار لینے سے بھی دریغ نہیں کرتا، اس شقاوت اور سنگ دلی کی موجودگی میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں سود خوار کی عزت و وقار کے لئے کوئی گوشہ ہو۔ آپ اپنی آبادی کے کسی بھی بڑے سے بڑے سود خوار پر نظر ڈالئے۔ اس کی تجوریاں سونے چاندی اور روپیوں کے کتنے ہی بڑے ذخیروں سے بھری پڑی ہوں۔ اس کے گھر میں مال و دولت کے کتنے ہی خزانے محفوظ ہوں۔ لیکن کیا لوگوں کی نظروں میں اس کی ادنیٰ بھی وقعت ہوتی ہے بے کس و مجبور لوگ بھلے ہی اپنی ضرورت و احتیاج کی بناء پر اس کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں مگر ان کے دلوں میں بھی اس کے لئے عزت و احترام کا کوئی ادنیٰ سا جذبہ نہیں ہوتا۔ معاشرہ میں اس کی حیثیت اس درندے کے برابر نہیں ہوتی جو اپنے پنجوں سے انسانوں کے جسم سے گوشت کے ٹکڑے نوچ کر انہیں ہڈیوں کے ڈھانچے میں تبدیل کر دیتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کے ہر طبقہ میں اس انسانی شرف و احترام سے بھی محروم رہتا ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے سامنے عزت و وقار کا پیکر بنا کر پیش کرتا ہے۔

آج کی بین الاقوامی بے چینی اور اقتصادی بدحالی سود خوروں ہی کی مسلط کی ہوئی ہے: بات جب چل نکلی ہے تو پھر سود خواری کے ایک اور پہلو پر بھی نظر ڈال لیجئے، بڑی مصیبت یہ ہے کہ سائنسی ارتقاء اور مادی عروج نے انسان کو "جی لینے کا سلیقہ" کیا بخشا کہ سوچنے سمجھنے کے ڈھنگ تک بدل گئے، آج کا انسانی ذہن علم و دانش کی فراوانی اور فہم و فراست کی پختگی کے دعوے کے باوجود غور و فکر کے ایک مخصوص نہج سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے، آج کی دنیا نے انسان کے گرد خالص مادی سانچے میں ڈھلے ذہن جدید کے مصنوعی نظریات کا جو حصار کھینچ دیا ہے اس نے سوجھ بوجھ کی تمام صلاحیتوں کو سیم و زر کے ایک خالص ماحول میں مقید کر دیا ہے اور احساسات فکر و نظر کو حقیقی اچھائی اور برائی کی قوت امتیاز سے محروم کر کے صرف دنیا کے وقتی اور ظاہری فائدوں اور تن آسانیوں کا اسیر بنا دیا ہے۔ اسی لئے آج ہمیشہ کی تسلیم شدہ صداقتیں قابل انکار ہو گئی ہیں اور ہزاروں سال پرانے اٹل اور حقیقی نظریات قابل شکست و ریخت سمجھے جانے لگے ہیں۔

اسلام کی یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ سود حرام ہے ہر فرد کے لئے ہر طبقہ کے لئے ہر زمانہ کے لئے اور ہر حالت میں لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اگرچہ بظاہر پڑھے لکھے ہیں لیکن عہد حاضر کے مصنوعی افکار و نظریات نے انہیں دین و شریعت کے حقیقی راستے سے دور کر رکھا ہے اور ان کے ذہن و فکر پر موجودہ دور کی مخصوص چھاپ نے انہیں "جہالت" کی وادیوں میں بھٹکا رکھا ہے ان کے نزدیک نہ صرف حرمت سود جیسی مسلمہ حقیقت آج کے زمانہ میں ایک ناقابل عمل چیز ہے بلکہ مادی خوشحالی اور تجارتی کامیابیوں کی راہ میں ایک رکاوٹ بھی ہے ان کے نقطہ نظر سے آج کا معاشی نظام جو سود کی جکڑ بندیوں میں محصور ہے صرف ایک فرد ایک قوم ملک ہی کے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے اقتصادی استحکام اور بنی نوع انسان کی معاشی خوشحالی کا ضامن ہے وہ بڑے بڑے سرمایہ دار ملک جنہوں نے سود کی شکل میں غریب قوموں اور ترقی پذیر ملکوں کی اقتصادیات و معاشیات کی روح کھینچ کر ان کو دنیا کا دریوزہ گر بنا دیا ہے ان دیوانوں کی نظر میں بنی نوع انسان کی معاشی فلاح و بہبود اور ان کے اقتصادی اطمینان کے واحد سہارے ہیں یہ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ سرمایہ دار طاقتوں نے غریب ملکوں اور اقتصادی بدحالی کی شکار قوموں کے لئے اپنے خزانوں کے جو منہ کھول رکھے ہیں وہ درحقیقت عالمی بھائی چارگی اور بین الاقوامی اقتصادی خوشحالی کے تئیں ان کے حقیقی جذبات ایثار و ہمدردی کا مظہر ہیں۔ حالانکہ اگر ذرا بھی غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو کر سامنے آجائے گی کہ یہ سب کچھ اسی ہوس و عیاری کا ترقی یافتہ راستہ ہے جس پر چل کر پہلے تو ایک

انسان نے دوسرے انسان کا خون چوسا ہے اور اب اسی راستہ پر گامزن ایک قوم اور ایک ملک دوسری قوموں اور دوسرے ملکوں کا خون چوس رہے ہیں بس فرق اتنا ہی ہے کہ پہلے ایک طبقہ سود کی اقتصادی تباہ کاری کا شکار ہوا کرتا تھا اور وہ اسے محسوس بھی کرتا تھا لیکن آج پورے پورے ملک اور پوری پوری قومیں سود کی اقتصادی تباہ کاری کا غیر محسوس طور پر شکار ہو کر اپنے باوقار وجود کو سود خواروں کے پاس رہن رکھ چکی ہیں۔ جن دانشوروں کی نظر دنیا کے ان اقتصادی منصوبوں پر ہے جن کے تحت سرمایہ دار ممالک پسماندہ قوموں اور ترقی پذیر ملکوں کو ہر سال اربوں ڈالر کے امدادی قرض دیتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ ممالک کس طرح سود کی شکل میں ان غریب ملکوں کی اقتصادی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ کر اپنے ملک کے خزانے بھر رہے ہیں۔ اس حقیقت سے کون باخبر اور باہوش انسان انکار کر سکتا ہے کہ ان سود خور ملکوں کی سود خوری نے دنیا کے ان تمام غریب ملکوں کے اقتصادی نظام میں جو شوئی قسمت سے اپنے وسائل اور اپنے دست وبازو کی قوت محنت پر بھروسہ نہ کر کے سرمایہ دار ملکوں کے جال فریب میں پھنس گئے ہیں، غربت و افلاس اور مالی بدحالی کا ایسا زہر گھول دیا ہے کہ ان کا تمام تر معاشی ڈھانچہ اپنی جگہ چھوڑ چکا ہے اور اقتصادی موت کے دروازے پر پہنچ گیا ہے۔ اس صورت حال نے دنیا کے امن وسکون کو بھی متزلزل کر کے رکھ دیا ہے آج آپ کو کتنے ہی ایسے ملک نظر آئیں گے جو ان کی سیاسی اور ملکی پالیسیوں کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں کہ ان کی اقتصادی زندگی کا تمام دارومدار انھیں سود خوروں کے امدادی اور سودی قرضوں پر ہے ان مسائل کا حل چونکہ ان کی سیاسی اور اقتصادی پالیسی کے خلاف ہے اس لئے وہ ان کو دنیا پر اس طرح معلق کئے ہوئے ہیں کہ آج ان کی وجہ سے قوموں کی قومیں اور ملک کے ملک اپنی داخلی بے چینیوں بے اطمینانیوں اور مایوسیوں کا شکار ہو کر موت وحیات کی کش مکش میں مبتلا ہیں۔ اس لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آج پوری دنیا پر سیاسی بے اطمینانی اور اقتصادی بے چینی کا جو مہیب بادل چھایا ہوا ہے وہ دراصل سود خوروں کا مسلط کیا ہوا ہے جس سے کوندنے والی برق کسی بھی لمحہ بنی نوع انسان کے پورے وجود کو بھسم کر سکتی ہے۔

سود کے بارے میں ایک شبہ اور اس کا جواب: بعض پڑھے لکھے لوگ اس شبہ میں بھی مبتلا ہیں کہ قرآن کریم نے جس ربا کو حرام قرار دیا ہے وہ ایک خاص قسم کا ربا تھا جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا کہ کوئی غریب مصیبت زدہ شخص اپنی مصیبت دور کرنے کے لئے کسی سے قرض لے لیتا تھا اور قرض خواہ اس پر ایک متعین نفع (سود) لیا کرتا تھا یہ بے شک ایک سنگدلی کی بات تھی کہ کوئی شخص کسی کی مصیبت میں اس کی مدد کرنے کی بجائے الٹا اس کی مصیبت سے فائدہ اٹھائے قرآن نے سود کی اس صورت کو حرام قرار دیا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس حرمت کا اطلاق آج کے زمانہ میں بھی سود کی اس صورت پر ہوسکتا ہے جو مہاجنوں اور دوسرے سود خوروں کے ہاں شخصی اور انفرادی طور پر رائج ہے۔ کہ کوئی ضرورت مند وغریب اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے (خواہ کوئی چیز رہن و گروی رکھ کر یا اور کسی اعتماد پر) ان سے قرض لیتا ہے اور اس پر حسب شرط وتعیین سود ادا کرتا ہے لیکن آج کل تجارتوں، بینکوں، کمپنیوں اور اجتماعی اداروں کے ذریعہ جو سودی کاروبار ہوتا ہے اس کی صورت بالکل مختلف ہے جس کی وجہ سے اب سود دینے والے مصیبت زدہ لوگ نہیں رہے بلکہ متمول اور سرمایہ دار تجار ہیں جو غریبوں سے سود لینے کی بجائے خود ان کو دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں غریبوں کا ہی فائدہ ہے کہ بہت سے قلیل سرمایہ والے لوگ مذکورہ بالا ذرائع سے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔ لہٰذا موجودہ دور کے تجارتی سود پر حرمت کا اطلاق نہیں ہونا چاہئے۔

اس کے جواب کے سلسلہ میں پہلے تو ایک بنیادی بات یہ جان لینی چاہئے کہ شریعت کے کسی بھی حکم کا تعلق اصول اور کلیہ سے ہوتا ہے، جزئیات اور اقسام کے اختلاف سے اس حکم کے نفاذ پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ شریعت نے جس چیز کو اصولی طور پر حرام قرار دیا ہے وہ چیز اپنے تمام اجزاء اور اپنی تمام اقسام کے ساتھ حرام ہوگی۔ یہ حق کسی کو حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں اس چیز کے کسی جز یا کسی قسم کو محض اپنے خیال سے مستثنیٰ کر دے یا اس حکم کے اطلاق کو بلا کسی شرعی دلیل کے مقید ومحدود کر سکے اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ اس حرمت کا تعلق اس شراب سے ہے جو پہلے زمانہ میں خراب قسم کے برتنوں میں سڑا کر بنائی جاتی تھی۔ اب تو چونکہ صفائی ستھرائی کا بڑا

اہتمام ہے مشینوں کے ذریعہ سب کام ہوتا ہے اعلیٰ درجہ کی شرابیں بنتی ہیں لہٰذا موجودہ دور کی شراب پر حرمت کا اطلاق نہیں ہونا چاہئے تو ظاہر ہے کہ یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو اسلامی شریعت کا ذرا سا بھی علم نہ رکھتا ہو یا اسلامی شریعت کے مزاج سے قطعاناواقف ہو۔ اس کے علاوہ اس پر بھی غور کیجئے کہ اس طرح احکام قرآن کو اپنے خیالات کے تابع کرنے کا دروازہ کھل جائے تو پھر کس چیز کی حرمت باقی رہ جائے گی قمار جوا چوری ڈاکہ زنا فواحش ان میں سے کون سی برائی ایسی ہے جس کی موجودہ صورت پہلے زمانہ کی صورت سے مختلف نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ان سبھی برائیوں کو جائز کہنا پڑے گا۔ لہٰذا جب محض چولہ بدلنے سے کسی شخص کی حقیقت نہیں بدلا کرتی تو کوئی بھی برائی خواہ وہ کتنی صورت اختیار کرے اس کا حکم بھی کسی حال میں نہیں بدلے گا۔

اس بات کو سمجھ لینے کے بعد اب ربا کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا۔ قرآن کریم میں ربا کی مخالفت کا ذکر ایک جگہ نہیں، مختلف سورتوں کی کئی آیتوں میں آیا ہے اور چالیس سے زائد احادیث میں مختلف عنوان سے اس کی حرمت بیان کی گئی ہے ان میں سے کسی ایک جگہ کسی ایک لفظ میں بھی یہ اشارہ نہیں ہے کہ حرمت کا یہ حکم کسی خاص صورت یا کسی خاص مصلحت کے پیش نظر ہے۔ حرمت ربا کی کسی بھی آیت یا کسی بھی حدیث سے یہ اشارہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ یہ حرمت صرف اس ربا کی ہے جو شخصی اغراض کے لئے لیا دیا جاتا تھا تجارتی سود اس سے مستثنیٰ ہے بلکہ اگر اس مسئلہ پر تاریخی نقطہ نظر سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سرے سے یہ خیال ہی غلط ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں سود کی صرف یہی صورت رائج تھی کہ کوئی مصیبت زدہ شخص یا غریب آدمی اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے سود پر قرض کا معاملہ کرتا تھا، اور تجارتی معاملات کے لئے سود پر روپیہ لینے دینے کا رواج نہیں تھا بلکہ آیات ربا کا شان نزول دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت ربا کا جب نزول ہوا ہے تو اس وقت شخصی اغراض کے لئے سودی لین دین کے علاوہ تجارتی معاملات کے لئے بھی سود کا لین دین رائج تھا کیونکہ عرب اور بالخصوص قریش تجارت پیشہ لوگ تھے جو تجارتی اغراض ہی کے لئے سود کا لین دین کرتے تھے چنانچہ حضرت عباسؓ اور حضرت خالدؓ ابن ولید کے بارہ میں امام بغویؒ نے لکھا ہے کہ یہ دونوں شرکت میں کاروبار کرتے تھے اور ان کا لین دین طائف کے بنو ثقیف کے ساتھ تھا حضرت عباسؓ کی ایک بڑی رقم سود کے طور پر بنو ثقیف کے ذمہ واجب الادا تھی انہوں نے بنو ثقیف سے اپنی سابقہ رقم کا مطالبہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے قرآن کے اس حکم کے تحت کہ ربا حرام قرار دے دیا گیا ہے، اپنے چچا حضرت عباسؓ کو سود کی اپنی اتنی بڑی رقم چھوڑ دینے کا حکم دے دیا جس کا اعلان آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی یوں فرمایا کہ۔

وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ مِنْ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ۔

"زمانہ جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا ہے اور سب سے پہلا سود جسے میں اپنے سودوں میں سے چھوڑتا ہوں عباسؓ ابن عبد المطلب کا سود ہے"

اس کے علاوہ اور بہت سے ایسے واقعات منقول ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک قبیلہ کا دوسرے قبیلہ کے ساتھ اور ایک خاندان کے ساتھ سودی لین دین تھا پھر اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ جن قبائل یا خاندان کے باہمی سودی لین دین کا ذکر منقول ہے وہ کسی فوری ضرورت یا مصیبت کے تحت قرض لینے کی حیثیت سے نہیں تھا بلکہ اس اندازے سے تھا کہ ان کے درمیان یہ لین دین کاروباری اور تجارتی حیثیت سے مسلسل جاری تھا جیسے ایک تاجر دوسرے تاجر سے یا ایک کمپنی دوسری کمپنی سے معاملہ کیا کرتی ہے، بلکہ سودی کاروبار کرنے والے لوگ "ربا" کو بھی ایک قسم کی تجارت ہی سمجھا کرتے تھے جس کی تردید قرآن کو کرنی پڑی اور خرید وفروخت کے معاملات کو سود ہی کی ایک قسم سمجھنے والوں کے لئے سخت تہدید و وعید نازل ہوئی۔

اب رہی یہ بات کہ بینکوں کے سودی کاروبار سے غریب عوام کا نفع ہے کہ انہیں اپنی رقموں پر کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔ تو یاد رکھئے کہ یہی وہ حسین فریب ہے جس کی بنیاد پر یورپین اقوام نے سود جیسی بدبختی اور ہمیشہ کی مسلم لعنت کو کاروبار کا ایک خوب صورت جامہ پہنایا اور عوام نے اس فریب میں مبتلا ہو کر سود کے چند ٹکوں کے لالچ میں اپنی پونجی کو بینکوں کے حوالہ کر دیا اس طرح پوری قوم کا سرمایہ سمٹ کر بینکوں میں آگیا، اور ادھر اس سرمایہ کو بڑے بڑے تاجروں اور بیوپاریوں نے بینکوں سے بطور قرض لیکر اپنے اپنے کاروبار کو وسعت دی

اور اس سے جو عظیم الشان نفع حاصل ہوا اس میں سے چند ٹکے بینکوں کو دے کر باقی سب اپنی تجوریوں میں بھر لیا بینک والوں نے ان ٹکوں میں سے کچھ حصہ پوری قوم کے ان لوگوں کو بانٹ دیا جنہوں نے اپنی پونجی بینک کے حوالہ کی تھی اس طرح سرمایہ دار نے تو اپنے دس ہزار روپیہ سے ایک لاکھ روپیہ کمالیا اور بے چارے غریبوں کے حصہ میں کیا آیا؟ صرف چند ٹکے اب بتائیے کہ ان بینکوں سے بھی اصل فائدہ کسے حاصل ہوا سرمایہ دار کو یا غریب کو؟ فریب خوردہ غریب تو اس متوقع فائدہ سے بھی محروم رہا جو وہ اپنی پونجی کو بینک کے حوالے کر دینے کی بجائے کسی چھوٹی موٹی تجارت میں لگا دینے سے حاصل کرتا اسے تو اتنی بھی سہولت نہ ملی کہ وہ بینک سے کوئی بڑی رقم قرض لے کر کاروبار کر سکتا کیونکہ بینک تو کسی غریب کو پیسہ دینے سے رہا، وہ تو بڑے بڑے سرمایہ داروں اور ساکھ والوں کو قرض دیتا ہے لیکن اس کے برخلاف سرمایہ دار نے بینک سے کیا فائدہ حاصل کیا؟ اس نے بینک سے بڑی بڑی رقمیں قرض کے نام پر لیں ان رقموں سے تجارت وصنعت کی بڑی بڑی منڈیوں پر اپنا اجارہ، جمایا اور ہر قسم کے کاروبار پر قابض ہو گیا۔ کسی کم سرمایہ والے کو مقابلہ و مسابقت (competition) کے ذریعہ تجارت کے کسی میدان میں جمنے نہیں دیا۔ اور انجام کار تجارت کا کاروبار جو پوری قوم کے لئے فائدہ مند اور ترقی کا ذریعہ تھا چند مخصوص لوگوں میں محدود ہو کر رہ گیا۔ اور پھر آخر میں جا کر اس سودی کاروبار کی تان غریبوں ہی پر اس طرح ٹوٹی کہ جب تجارت کے اڈوں پر مخصوص سرمایہ دار ناگ بن کر بیٹھ گئے تو اشیاء کے نرخ بھی ان کے رحم و کرم پر رہ گئے، جس کا نتیجہ وہ ہے جو آج ہر جگہ سامنے آرہا ہے کہ سامان معیشت میں روز بروز گرانی بڑھتی ہی جارہی ہے اور اشیاء کی قیمتیں اس طرح چڑھ رہی ہیں کہ حکومتوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود قابو میں نہیں آرہی ہیں۔ اور انجام کار فریب خوردہ عوام کو سود کے نام پر جو چند ٹکے ملے تھے ان کے نتیجہ میں سامان معیشت دوگنی تگنی قیمتوں تک پہنچا تو ان غریبوں کی جیب سے سود کے وہ چند ٹکے کچھ اور سود لے کر نکل گئے اور پھر لوٹ پھر کر انہیں سرمایہ داروں کی جیب میں پہنچ گئے لہٰذا بینکوں اور تجارتی اداروں کے سودی کاروبار کے اس فریب کا پردہ اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہو گا کہ سودی کاروبار کا عام نتیجہ کسی بھی طرح غریبوں کے حق میں مفید نہیں ہوتا بلکہ یہ درحقیقت پوری قوم کی غربت و افلاس اور چند سرمایہ داروں کے سرمایہ میں بے پناہ اضافہ کا ذریعہ ہے اور یہی وہ معاشی بے اعتدالی اور اقتصادی تباہ کاری ہے۔ جو پوری قوم اور پورے ملک کی تباہی کا سبب بنتی ہے اس لئے اسلام نے سود کے ہر طریقہ اور ہر ذریعہ پر قدغن لگائی ہے خواہ وہ انفرادی و شخصی اغراض کے لئے قرض لینے کی صورت میں ہو یا اجتماعی تجارت اور بینکوں کے کاروبار کی شکل میں کیونکہ دونوں ہی صورتوں میں غریب کا خون سود خواروں کی غذا بنتا ہے۔

(۲۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ عَلٰى قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ كَالْبُيُوْتِ فِيْهَا الْحَيَّاتُ تُرٰى مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ قَالَ هٰؤُلَاءِ اَكَلَةُ الرِّبَا۔ (رواہ احمد وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا معراج کی رات میرا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پیٹ گھروں مکانوں کی مانند (بڑے بڑے) تھے اور ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو پیٹوں کے باہر سے بھی نظر آرہے تھے، میں نے انہیں دیکھ کر بڑی حیرت کے ساتھ جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ جبرئیل (علیہ السلام)! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ سود خور ہیں۔" (احمدؒ، ابن ماجہؒ)

سود خور پر آپ ﷺ کی لعنت

(۲۳) وَعَنْ عَلِیٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اٰكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَمَانِعَ الصَّدَقَةِ وَكَانَ يَنْهٰى

عَنِ النَّوْحِ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے سنا رسول کریم ﷺ سود لینے والے سود دینے والے سود کا تمسک لکھنے والے، سود کا حساب کتاب لکھنے والے، اور صدقہ سے منع کرنے والے پر لعنت فرماتے تھے، نیز آپ ﷺ نوحہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔" (نسائی)

تشریح: صدقہ سے منع کرنے والے سے مراد یا تو وہ شخص ہے جو کسی دوسرے کو صدقہ و خیرات کرنے سے منع کرے اور روکے چنانچہ آپ ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے یا پھر اس سے وہ شخص مراد ہے جو واجب صدقہ یعنی زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ کرتا ہو۔

کسی مردہ شخص کے اوصاف بیان کر کے اور چلا چلا کر رونا "نوحہ" کہلاتا ہے چونکہ یہ ایک انتہائی نازیبا اور خلاف وقار و دانش فعل ہے اس لئے شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔

ربا کی تشریح کے متعلق حضرت عمرؓ کا ارشاد

(۴۴) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اِنَّ اٰخِرَ مَانَزَلَتْ اٰيَةُ الرِّبَا وَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَلَمْ يُفَسِّرْهَا لَنَا فَدَعُوا الرِّبَا وَالرِّيْبَةَ۔ (رواہ ابن ماجہ والداری)

"اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جو چیز نازل ہوئی ہے یعنی قرآن کریم اس کا معاملات سے متعلق جو حصہ سب سے آخر میں نازل ہوا ہے وہ ربا کی آیت ہے چنانچہ رسول کریم ﷺ اس دنیا سے اس حالت میں تشریف لے گئے کہ آپ ﷺ نے اس کی تفصیل بیان نہیں فرمائی لہٰذا سود کو بھی چھوڑ دو اور جس چیز میں سود کا شک وشبہ ہو اسے بھی چھوڑ دو۔" (ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: یہ بات ابتداء میں بتائی جاچکی ہے کہ سود کی مروجہ شکل یعنی قرض و ادھار پر متعین نفع لینا اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھی اور لوگوں میں اس طرح کے سود کا بہت زیادہ رواج تھا چنانچہ قرآن کریم نے جب ربا کی حرمت بیان کی اور آیت ربا نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حرمت کے اس حکم کو نہ صرف اس وقت کے رائج و متعارف سود پر نافذ کیا بلکہ ربا کے مفہوم کو وسعت دیکر اشیاء کے باہمی لین دین اور خرید و فروخت کی بعض صورتوں کو بھی ربا کے حکم میں داخل فرمایا جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں ذکر کی جاچکی ہے لیکن صورت یہ ہوئی کہ آیت ربا نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ اس دنیا میں بہت کم عرصہ تشریف فرمار ہے اس تھوڑی مدت میں دیگر دینی و ضروری مصروفیات میں اتنا انہماک رہا کہ آپ ﷺ نے لین دین کی ان صورتوں کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان نہیں فرمایا یہاں تک کہ آپ واصل بحق ہوگئے چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ کے اس ارشاد میں تفصیل سے مراد انہیں صورتوں کی تشریح و تفصیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جن چھ چیزوں (سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور، نمک) کے باہمی لین دین کی بعض صورتوں کو ربا کے حکم میں داخل فرمایا تھا۔ آیا یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ چیزیں بطور مثال کے بیان فرمائیں اور بقیہ چیزوں کو قیاس و اجتہاد پر موقوف رکھا؟ یہی وجہ ہے کہ بعد میں آنے والے ائمہ مجتہدین امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمدؒ ابن حنبل نے اپنے اپنے اجتہاد سے ان چیزوں کا ایک ضابطہ بنایا اور دوسری چیزوں کو بھی اس ضابطہ کے ماتحت اس حکم میں داخل قرار دیا، اس کی تفصیل بھی گذشتہ صفحات میں ذکر کی جاچکی ہے۔

حاصل یہ کہ نزول قرآن سے سود کا ایک مخصوص معاملہ یعنی قرض دے کر اس پر نفع لینا عربی زبان میں لفظ "ربا" کے ساتھ متعارف چلا آرہا تھا اور پورے عرب میں اس کا رواج تھا چنانچہ اہل عرب صرف اسی خاص معاملہ کو "ربا" کہتے اور سمجھتے تھے اسی "ربا" کو قرآن کریم نے حرام فرمایا۔ لہٰذا "ربا" کی اس صورت میں نہ کوئی ابہام تھا نہ اجمال اور اسی لئے جب قرآن کریم نے "ربا" کی حرمت کا ذکر کیا تو نہ کسی کو اس کے سمجھنے میں دقت ہوئی اور نہ کسی کو اس پر عمل کرنے میں ایک منٹ کا بھی تامل و تردد ہوا۔ البتہ جب رسول ﷺ نے

بشارات وحی الٰہی "ربا" کے مفہوم میں اور چند معاملات کا اضافہ فرمایا تو چونکہ وہ معاملات اہل عرب کے متعارف مفہوم سے الگ اور ان کے مروجہ سود سے ایک زائد چیز تھی اور پھر اتفاق کی بات کہ آنحضرت ﷺ ربا کے اس وسیع مفہوم کی تفصیلات پوری تشریح کے ساتھ بیان فرمانے سے پہلے اس دنیا سے تشریف لے گئے، اسی لئے اس کی تشریحات میں حضرت فاروق اعظمؓ کو کچھ اشکالات پیش آئے بالآخر انہوں نے اپنے اجتہاد سے احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ ربا کی جو صورتیں بالکل واضح اور متعین ہیں جیسے مروجہ سود یا اشیاء کے باہمی لین دین کی وہ صورتیں جو آنحضرت ﷺ نے بیان فرمادی ہیں ان کو بھی ترک کردو اور ان سے مکمل اجتناب کرو اور جس چیز میں سود کا شبہ اور شائبہ بھی محسوس ہو جائے از راہ ورع و احتیاط اسے بھی چھوڑ دو اور اس سے پرہیز کرو۔

ایک شبہ اور غلط فہمی: سود کے بارے میں بعض لوگوں نے حضرت فاروق اعظمؓ کے اس ارشاد کو آڑ بنالیا جو سود کی اس خاص قسم کے بارہ میں تھا جس کا مروجہ سود کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں یعنی چھ چیزوں کا باہمی بیع و شراء اور لین دین ان لوگوں نے اس ارشاد کا یہ نتیجہ نکالا کہ "ربا" کی حقیقت ہی مبہم رہ گئی تھی۔ اس کے متعلق علماء اور فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف ان کا اپنے اجتہاد تھا۔ لیکن جیسا کہ ابھی اوپر بتایا گیا حضرت فاروق اعظمؓ کو ربا کی صرف اس قسم کے بارہ میں تردد پیش آیا جو قرآن کے الفاظ سے ثابت نہیں تھا بلکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے ارشاد کے ذریعہ اس کی حرمت کو بیان فرمایا تھا اور وہ چھ چیزوں کی آپس میں خرید و فروخت کا معاملہ تھا جو سود آج کل رائج ہے اور جو ایام جاہلیت میں بھی عام تھا۔ اس سے حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کو دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ اور ہو بھی کیسے سکتا ہے، جب کہ زمانہ جاہلیت ہی سے اس کے معاملات رائج اور جاری تھے۔ پھر اس ارشاد کہ ان چھ چیزوں کے سود کے بارہ میں حضرت عمرؓ کو جو اشکال پیش آیا وہ بھی اس بات میں نہیں تھا کہ انہیں ان چھ چیزوں کے لین دین میں سود کو حرام سمجھنے میں تردد تھا بلکہ اشکال صرف یہ تھا کہ یہ حکم شاید ان چھ چیزوں (یعنی سونا، چاندی اور گیہوں وغیرہ) تک ہی محدود نہ ہو۔ بلکہ اس کے حکم کا دائرہ ان چھ چیزوں کے علاوہ دیگر اشیاء تک بھی وسیع ہو۔ اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ لوگ یہ خیال کر کے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف چھ چیزوں کے بارے میں یہ حکم فرمایا ہے دیگر اشیاء کے لین دین میں وہی صورتیں اختیار کر کے سود میں مبتلا ہو جائیں جنہیں آپ ﷺ نے چھ چیزوں کے لئے واضح طور پر ربا کہا ہے اس تردد کے پیش نظر آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ سود کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کو بھی قطعا چھوڑ دو جن میں سود کا شائبہ تک نہ پایا جائے لہٰذا یہ ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اشکال کا نتیجہ تو یہ ظاہر فرمایا کہ منصوص چیزوں میں بھی ایسے معاملات سے پرہیز کیا جائے جن میں سود کا شبہ بھی پایا جائے اور ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کا تعلق اس سود کی اس مخصوص قسم سے منقطع کر کے عام سود و ربا کے معاملات سے جوڑ دیا اور پھر اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ مزید ستم یہ کیا کہ محض اپنی نافہمی کی وجہ سے حضرت عمرؓ کے ارشاد کی روشنی میں سرے سے سود کی حرمت ہی کو ایک مشتبہ مسئلہ قرار دے دیا۔

قرض خواہ، قرض دار کا کوئی تحفہ بھی قبول نہ کرے

(۲۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْرَضَ اَحَدُكُمْ قَرْضًا فَاَهْدٰى اِلَيْهِ اَوْحَمَلَهٗ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبْهُ وَلَا يَقْبَلْهَا اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ جَرٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ قَبْلَ ذَالِكَ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو قرض دے اور پھر قرض لینے والا اس قرض دینے والے کے پاس کوئی تحفہ بھیجے یا سواری کے لئے کوئی جانور دے تو وہ قرض دینے والا نہ اس جانور پر سوار ہو اور نہ اس کا تحفہ قبول کرے ہاں اگر قرض دینے والے اور قرض لینے والے دونوں کے درمیان پہلے سے تحفہ یا سواری کے جانور کا لینا دینا جاری ہو تو پھر اس کو قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔" (ابن ماجہؒ، بیہقیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قرض خواہ اپنے قرض دار سے تحفہ و ہدیہ کے طور پر کوئی بھی چیز قبول نہ کرے۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس

صورت میں سود کا اشتباہ ہو سکتا ہے کیونکہ قرض خواہ کو قرض کے ذریعہ جو بھی منفعت حاصل ہوتی ہے وہ سود کے حکم میں ہے۔ ہاں اگر قرض کے لین دین سے پہلے ہی سے دونوں کے تعلقات کی نوعیت یہ ہو کہ ان کا آپس میں تحفہ تحائف لینے دینے کے رسوم جاری ہوں تو پھر اس صورت میں قرض لینے کے بعد بھی قرض دار کوئی چیز قرض خواہ کے پاس بھیجے تو قرض خواہ اسے قبول کر سکتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں قرضدار اگر کوئی چیز بطور تحفہ وہدیہ قرض خواہ کو دے گا تو اس کا وہ دینا قرض کے دباؤ کی وجہ سے نہیں ہو گا بلکہ اپنے سابقہ تعلقات اور پہلے سے جاری رسوم کی بنیاد پر ہو گا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو کچھ قرض دے رکھا تھا چنانچہ ایک دن جب وہ اپنے قرض دار کے ہاں تقاضہ کے لئے گئے تو اس وقت بڑی سخت دھوپ اور گرمی کی شدید تپش تھی انہوں نے چاہا کہ جب تک قرض دار گھر میں سے نکل کر آئے میں اس کے مکان کی دیوار کے سایہ میں کھڑا ہو جاؤں مگر معاً انہوں نے سوچا کہ اگرچہ شرعی طور پر اس کی ممانعت نہیں ہے مگر تقویٰ اور احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ میں اس کی دیوار کے سایہ سے بھی فائدہ حاصل نہ کروں چنانچہ وہ قرض دار بہت دیر کے بعد گھر میں سے نکلا اور حضرت امام صاحبؒ اس وقت تک دھوپ ہی میں کھڑے رہے یہ گویا ان کی احتیاط کا درجہ کمال تھا کہ انہوں نے اپنے قرض دار کی دیوار کے سایہ سے بھی اجتناب کیا۔

مالابد منہ میں لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو قرض قرض خواہ کو نفع پہنچانے کا سبب بنے وہ "ربا" ہے لہٰذا قرض خواہ اپنے قرض دار کی دعوت بھی قبول نہ کرے ہاں اگر قرض سے پہلے سے دونوں کے درمیان ایک دوسرے کی دعوت میں آنے جانے کا معمول چلا آرہا ہو تو پھر اس صورت میں دعوت قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے قرض خواہ کے لئے اپنے قرضدار کی دیوار کے سایہ میں بیٹھنا بھی مکروہ ہے۔

(۲۶) وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَقْرَضَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلَا يَاْخُذْ هَدِيَّةً۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَارِيْخِهٖ هٰكَذَا فِي الْمُنْتَقٰى۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کو قرض دے تو وہ اپنے قرضدار سے بطور تحفہ بھی کوئی چیز قبول نہ کرے امام بخاریؒ نے اس روایت کو اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے نیز المُنتَقٰی میں بھی اسی طرح کی روایت منقول ہے۔"

(۲۷) وَعَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ ابْنِ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَلَقِيْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ سَلَامٍ فَقَالَ اِنَّكَ بِاَرْضٍ فِيْهَا الرِّبَا فَاشٍ فَاِذَا كَانَ لَكَ عَلٰى رَجُلٍ حَقٌّ فَاَهْدٰى اِلَيْكَ حِمْلَ تِبْنٍ اَوْ حِمْلَ شَعِيْرٍ اَوْ حَبْلَ قَتٍّ فَلَا تَاْخُذْهُ فَاِنَّهٗ رِبًا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوبردہؒ ابن ابی موسیٰ (تابعی) کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ میں آیا اور حضرت عبداللہؓ ابن سلام (صحابی) سے ملا تو انہوں نے فرمایا کہ تم ایک ایسی سرزمین پر ہو جہاں سود کا بہت رواج ہے لہٰذا اگر کسی پر تمہارا حق ہو یعنی کوئی تمہارا قرضدار ہو اور وہ تمہیں بھوسے کا ایک گھڑا یا جو کی ایک گٹھری، یا گھاس کا ایک گٹھا بھی تحفہ کے طور پر دے تو تم اسے قبول نہ کرنا کیونکہ وہ سود کا حکم رکھتا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبٰوا (یعنی ہر قرض جس میں نفع لیا جائے سود ہے) کے اصول کے تحت ہر وہ قرض جس میں کوئی نفع مشروط ہو "ربا" ہے اسی طرح قرض دینے والے کو قرض لینے والے سے قرض کے دباؤ یا قرض کی رعایت سے جو بھی نفع حاصل ہو گا وہ سود ہو گا۔

مسئلہ: اگر قرض خواہ اپنے قرض دار سے قرض کی ادائیگی سے پہلے کوئی نفع حاصل کرے تو دیکھا جائے گا کہ وہ نفع موعود و مشروط ہے یا نہیں؟ اگر وہ نفع موعود و مشروط ہو گا تو اس صورت میں اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں یعنی وہ نفع سود کے حکم میں ہو گا اور اگر وہ نفع موعود و مشروط نہیں ہو گا تو پھر اس کے بارہ میں بھی علماء کے اختلافی اقوال ہیں حضرت امام محمدؒ تو جواز کے قائل ہیں مگر ایک جماعت

ممانعت کی طرف مائل ہے مگر بات یہی ہے کہ اگر وہ نفع قرض کے دباؤ یا قرض کی رعایت کی وجہ سے ہو گا یا مہلت و تسامح کی بناء پر حاصل ہو گا تو بہر حال ناجائز ہے ہاں اگر مروت و احسان یا سابقہ تعلقات و مراسم کے تحت ہو گا تو پھر اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

قرض میں لزوم مدت سے منع فرمایا گیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ تعیین مدت سے کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی اس لئے مسئلہ یہ ہے کہ اگر قرض ایک متعین مدت کی شرط کے ساتھ لیا دیا جائے گا تو وہ مدت بحیثیت شرط تو لازم ہو گی مگر بحیثیت قرض لازم نہیں ہو گی۔ اگر قرض خواہ اس مدت سے پہلے اپنا قرض طلب کرے تو اسے یہ حق ہے اور قرضدار کو چاہئے کہ وہ حتی الامکان ادا کرنے کی کوشش کرے۔

اگر کوئی شخص کسی کو قرض دیتے وقت یہ شرط عائد کر دے کہ میرا یہ قرض فلاں شہر میں ادا کرنا تو یہ شرط بطریق لزوم ناجائز ہو گی۔

بعض لوگ سودی بنکوں میں اپنا روپیہ بطور امانت جمع کر دیتے ہیں اور اس کا نفع و سود نہیں لیتے چونکہ جو روپیہ بنک میں جمع کیا جاتا ہے وہ یقینی طور پر بعینہ محفوظ نہیں رہتا بلکہ کاروبار میں لگا رہتا ہے اس لئے وہ امانت نہیں رہتا بلکہ قرض ہو جاتا ہے گو اس شخص نے سود نہیں لیا مگر اس نے ایک طرح سے قرض کے ذریعہ سود لینے والوں کی اعانت کی اور سود لینے دینے والوں کی اعانت بھی گناہ ہے اس لئے اپنے روپیہ کو بینک میں داخل کرنا بھی درست نہیں ہے۔

بَابُ الْمَنْهِيِّ عَنْهَا مِنَ الْبُيُوْعِ

جن بیعوں سے منع کیا گیا ہے ان کا بیان

شریعت اسلامی نے خرید و فروخت کے بعض معاملات اور لین دین کی کچھ صورتوں سے منع کیا ہے اسی طرح کچھ چیزیں اور اشیاء ایسی ہیں جن کی خرید و فروخت شرعی نقطہ، نظر سے ممنوع ہے پھر بعض معاملات اور بعض چیزوں کی ممانعت و نہی بطریق حرمت (یعنی ان معاملات اور ان چیزوں کے حرام ہونے کی وجہ سے) ہے جیسے بیع باطل اور بیع فاسد کی ممانعت اور بعض ممانعت کا تعلق محض کراہت سے ہے جیسے جمعہ کی اذان کے وقت خرید و فروخت کا معاملہ کرنے کی ممانعت۔

چنانچہ خرید و فروخت کے جن معاملات یا جن چیزوں کی خرید و فروخت کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ وہ معاملات یا وہ چیزیں شریعت کی نظر میں حرام ہیں ان کی حنفی مسلک کے مطابق دو قسمیں ہیں ① بیع فاسد ② بیع باطل۔

بیع فاسد! خرید و فروخت اور لین دین کے اس معاملہ کو کہتے ہیں جو اصول بیع کے پائے جانے کی وجہ سے تو یہ صحیح ہو جاتا ہے مگر بیع کے صحیح ہونے کی جو شرائط ہیں ان میں سے بعض شرطوں کے فوت ہو جانے کی وجہ سے وہ معاملہ جائز نہیں رہتا اس لئے ایسے معاملہ کو ختم کر دینا ہی ضروری ہوتا ہے اسی کو فقہاء کی اصطلاح میں مشروع بنفسہ اور ممنوع بوصفہ کہا جاتا ہے یعنی ایسی بیع باعتبار اصول مشروع و صحیح ہے اور باعتبار مشروط و اوصاف ممنوع ہے۔

بیع باطل! خرید و فروخت اور لین دین کے اس معاملہ کو کہتے ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ وہ معاملہ نہ تو اصول بیع کے اعتبار سے صحیح ہوتا ہے اور نہ باعتبار شروط و اوصاف جائز ہوتا ہے۔

مناسب ہے کہ اس ضمن میں کچھ مسائل ذکر کر دیئے جائیں جن سے نہ صرف مذکورہ بالا اقسام کی تعریفات سمجھنے میں آسانی ہو گی بلکہ باب کے موضوع کے اعتبار سے ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔

اگر مبیع (یعنی بیچی اور خریدی جانے والی چیز) شرعی اعتبار سے "مال" نہ ہو جیسے خون، مردار، آزاد شخص، ام الولد، مکاتب، پیشاب اور بالکل نکمی چیز تو ایسی کسی بھی چیز کی بیع "باطل" ہے اسی طرح مبیع مال تو ہو مگر متقوم نہ ہو جیسے شراب اور سور (خنزیر) تو اس کی بیع اس صورت میں تو باطل ہو گی جبکہ اسے روپے کے عوض فروخت کیا جائے اور اگر اس کی بیع اسباب کے عوض کی جائیگی تو اس صورت میں

اسباب کی بیع تو فاسد ہوگی اور اس مال غیر متقوم کی بیع باطل ہوگی۔

"بیع باطل" اور "بیع فاسد" میں فرق یہ ہے کہ بیع باطل میں تو بیع (بیچی جانے والی چیز) شرعی نقطہ نظر سے مشتری یعنی خریدار کی ملکیت میں سرے سے آتی ہی نہیں جبکہ بیع فاسد میں بیع قبل قبضہ تو کوئی حکم نہیں رکھتی مگر بعد قبضہ بطور حرام مشتری کی ملکیت میں آجاتی ہے اور نقود سے اس کی قیمت کی ادائیگی اس کے ذمہ ضروری ہوتی ہے لیکن قبضہ کے بعد بھی اس بیع کو فسخ کر دینا واجب ہوتا ہے بشرطیکہ مبیع بعینہ خریدار کے پاس موجود ہو۔

جانور کے تھن میں دودھ کی بیع باطل ہے کیونکہ وہ مشکوک الوجود ہوتا ہے ہوسکتا ہے کہ جانور کے تھن کی ظاہری حالت دیکھ کر اس میں دودھ کی موجودگی کا یقین کرایا جائے اور اس دودھ کی بیع کر دی جائے مگر بعد میں پتہ چلے کہ تھن میں سرے سے دودھ تھا ہی نہیں بلکہ ہوا وغیرہ کی وجہ سے تھن پھولا ہوا تھا ایسی صورت میں یہ فریب اور دھوکہ دہی کا معاملہ ہو جائے گا۔

ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے بھی بیچنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ جانور ایسا نہ ہو، جو لوٹ پھر کر آجاتا ہو جیسے کبوتر تو اس کو ہوا میں اڑتے ہوئے بھی بیچنا درست ہے اسی طرح اس مچھلی کی بیع بھی ناجائز ہے جو ابھی پکڑی نہ گئی ہو بلکہ پانی مثلاً دریا وغیرہ ہی میں ہو یا پکڑی جا چکی ہو مگر پھر اسے کسی ایسے حوض وغیرہ میں ڈال دیا گیا ہو جس میں سے اسے بغیر جال وغیرہ کے پکڑنا ممکن نہ ہو ایسے ہی لونڈی یا جانور کا حمل، وہ موتی جو سیپ میں ہو اور جانور کے ذبح ہونے اور کٹنے سے پہلے اس کے گوشت کی بیع کرنا جائز نہیں ہے سور (خنزیر) کے بالوں کی بیع کرنا بھی جائز نہیں ہے البتہ ان بالوں سے فائدہ اٹھانا مثلاً گون یعنی غلہ وغیرہ بھر کر جانور کی پیٹھ پر لادے جانے والے تھیلے اور بورے کو سینے کے مصرف میں لانا جائز ہے۔ لیکن آدمی کے بالوں کی بیع بھی ناجائز ہے اور ان سے فائدہ اٹھانا بھی ناجائز ہے۔

جو بیع آپس کے نزاع کا باعث بنتی ہو وہ فاسد ہے جیسے بکری وغیرہ کی پیٹھ پر اس کی پشم کی بیع، یا چھت میں لگی ہوئی کڑی کی بیع، یا ایک بڑے کپڑے میں سے ایک گز کپڑے کی بیع، یا ایسی بیع کرنا جس میں ادائیگی قیمت کی مدت کو مجہول رکھا جائے مثلاً یوں کہے کہ جس روز بارش برسے گی یا جس روز تیز ہوا چلے اس روز اس کی قیمت ادا کروں گا۔ لیکن اگر ان تمام صورتوں میں خریدار نے بیع کو فسخ نہ کیا اور بیچنے والے نے خریدار کو دینے کے لئے چھت میں سے کڑی کو جدا کر دیا یا بڑے کپڑے میں سے گز بھر کپڑا جدا کر دیا خریدار نے ادائیگی قیمت کی مدت مجہول کو موقوف کر دیا تو بیع صحیح ہو جائے گی۔

شرط فاسد کے ساتھ کی جانے والی بیع فاسد ہوتی ہے اور شرط فاسد اسے کہتے ہیں جو اقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں یا بیچنے والے کا فائدہ ہو جیسے بیچنے والا یہ شرط عائد کرے کہ میں نے یہ مکان بیچا مگر ایک ماہ تک میں اسی مکان میں رہوں گا یا خریدار کا فائدہ ہو جیسے خریدار یہ شرط عائد کرے کہ میں نے یہ کپڑا خرید لیا لیکن یہ کپڑا مجھے سی کر دے مبیع (بیچی جانے والی چیز) کا فائدہ ہو جب کہ انسان یعنی غلام و لونڈی ہو اور وہ نفع کا مستحق ہو جیسے بیچنے والا خریدار سے کہے کہ اس غلام کو آزاد کر دینا یا اس غلام کا نکاح کر دینا، اس قسم کی شرطیں فاسد ہیں ان کی وجہ سے بیع بھی فاسد ہو جاتی ہے۔

خریدار کی ملکیت کی شرط کرنا چونکہ اقتضائے عقد کے خلاف نہیں ہے اس لئے فاسد نہیں اسی طرح اگر کوئی تاجر مثلاً کوئی کپڑا بیچتے ہوئے خریدار پر یہ شرط عائد کرے کہ اس کپڑے کو فروخت نہ کرنا تو یہ شرط اگرچہ اقتضائے عقد کے خلاف ہے لیکن چونکہ اس شرط میں کسی کی بھی منفعت نہیں ہے اس لئے یہ شرط فاسد نہیں ہوگی، نیز گھوڑا بیچنے والا اگر خریدار پر یہ شرط عائد کرے کہ اس گھوڑے کو فربہ کرنا اگرچہ اس شرط میں مبیع کی منفعت ہے لیکن مبیع چونکہ انسان نہیں کہ وہ نفع کا مستحق ہو اس لئے یہ شرط بھی فاسد نہیں یہ شرط لغو و ساقط ہوگی اور بیع صحیح ہو جائے گی۔

بیع فاسد و باطل کی مزید تفصیل فقہ کی کتابوں میں درج ہے ان کو جاننا چاہئے تاکہ خرید و فروخت کے ان معاملات سے جو شریعت کی نظر

میں ناقابل اعتبار ہیں اور جن کا آج کل بہت رواج ہے اجتناب کیا جا سکے۔ اس موقع پر چند دیگر مسائل کی وضاحت بھی ضروری ہے مثلاً:

بیچنے والے کی طرف سے بیع کے ناپ تول میں کمی یا خریدار کی طرف سے قیمت میں کٹوتی حرام ہے جس طرح بیچنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیع کو پورا پورا ناپ تول کر دے اسی طرح خریدار کے لئے بھی ضروری ہے کہ جو قیمت طے ہو چکی ہے اس میں ادائیگی کے وقت کمی نہ کرے جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں ان کے بارہ میں قرآن کریم نے یوں تنبیہ فرمائی ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی الخ۔

مبیع کی قیمت دیون معجلہ اور مزدوروں کی ادائیگی میں بلاعذر تاخیر کرنا حرام ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ "غنی (صاحب استطاعت) کی طرف سے (ادائیگی مطالبہ میں) تاخیر ظلم ہے لہٰذا مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو"۔

منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کسی کا دین (مطالبہ) ادا کرتے تو مقدار واجب سے زیادہ ادا فرماتے مقدار واجب اگر آدھا وسق ہوتی تو اس کی بجائے ایک وسق دیتے اور اگر ایک وسق واجب ہوتا تو اس کی بجائے دو وسق عطا کرتے اور یہ فرماتے کہ یہ تو تمہارا حق ہے اور اس قدر مزید میری طرف سے (عطاء) ہے، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اس طرح مقدار واجب سے زیادہ دینا سود کے حکم میں داخل نہیں ہے کیونکہ سود تو اس وقت ہوتا ہے جب اس زیادتی کو پہلے سے مشروط کر دیا گیا ہو، بغیر شرط زیادہ دینا جائز بلکہ مستحب ہے۔

معاملات میں عہد شکنی مکرو فریب اور جھوٹ کی آمیزش کسب حلال کو بھی حرام کو دیتی ہے لہٰذا ان سے اجتناب ضروری ہے۔

آنحضرت ﷺ کے بارہ میں منقول ہے کہ ایک دن آپ ﷺ نے بازار میں ایک دوکان پر رکھے ہوئے گیہوں کے ایک ڈھیر کو دیکھا اور جب آپ ﷺ نے اس ڈھیر میں اپنا دست مبارک ڈالا تو اندر سے گیہوں تر معلوم ہوئے، آپ ﷺ نے دکاندار سے پوچھا! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ان گیہوں تک بارش کا پانی پہنچ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ اندر کی جانب سے گیلے ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو پھر تم نے ان گیلے گیہوں کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رکھا (تاکہ کوئی لاعلم شخص ان کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو جائے) یاد رکھو جو شخص مسلمانوں کو فریب دیتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بیع مرابحت (قیمت خرید پر نفع لے کر بیچنے کی صورت) اور بیع تولیت (قیمت خرید پر بلا نفع بیچنے کی صورت) میں خریدار کے سامنے پہلی قیمت، (یعنی جس قیمت پر خود بیچنے والے نے خریدا ہو) کو بلا کم و بیش ظاہر کر دینا واجب ہے۔ اگر بیچنے والے نے بیع پر قیمت کے علاوہ کچھ اور مثلاً مزدوری، ڈھلائی اور چنگی وغیرہ کا خرچ برداشت کیا ہو تو اس کو بھی قیمت کے ساتھ ملالے اور خریدار سے یوں کہے کہ اس چیز پر میرے اتنے روپے خرچ ہوئے ہیں یہ نہ کہے کہ میں نے یہ چیز اتنے روپے میں خریدی ہے تاکہ جھوٹا نہ بنے۔

اگر کسی شخص نے ایک کپڑا مثلاً دس روپے میں بیچا اور ہنوز خریدار نے بیچنے والے کو وہ دس روپے ادا نہیں کئے تھے کہ بیچنے والے نے پھر وہی کپڑا خریدار سے پانچ روپے میں خرید لیا یا اس کپڑے کو ایک اور کپڑے کے ساتھ دس درہم میں خریدا تو یہ بیع صحیح نہیں ہوگی۔

کیونکہ یہ سود کے حکم میں آجائے گی۔ بیع پر قبضے سے پہلے تصرف جبکہ مبیع منقول ہو حرام ہے، چنانچہ منقول چیز کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے۔

کسی شخص نے ایک کیلی چیز (جو پیمانہ میں ناپ کر لی دی جاتی ہو) بشرطیکہ کیل خریدی اور بیچنے والے سے وہ چیز پیمانہ میں نپوا کر لے لی، اور پھر اسی چیز کو اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ بشرط کیل بیچی تو اب اس دوسرے خریدار کے لئے ضروری ہے کہ جب تک وہ خود بھی اس پہلے خریدار سے اس چیز کو پیمانہ میں نپوا نہ لے، نہ تو اس چیز کو اپنے تصرف میں لائے اور نہ کسی اور کے ہاتھ بیچے کیونکہ پہلا ناپ کافی نہیں ہے۔ احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کو پھر ناپ لیا جائے کہ مبادا وہ چیز پیمانہ میں کچھ زائد نکلے اور وہ بائع کا مال نہ ہو۔

اگر ایک مسلمان کسی چیز کی خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کرتے ہوئے ایک نرخ متعین کرتا ہے یا ایک مسلمان نے کسی عورت سے نکاح کا پیغام دیا ہے تو تاوقتیکہ اس کا معاملہ طے یا موقوف نہ ہو جائے کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کا معاملہ کرے یا اپنا

پیغام بھیجے۔ بوقت اذان جمعہ خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے سعی واجب (یعنی نماز جمعہ کی ضروری تیاریوں) میں خلل آتا ہے اگر متعدد مسجدوں میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو تو جس مسجد میں نماز پڑھنے کا ارادہ ہو اس کی اذان سے بیع ترک کرے۔

اگر دو بڑے چھوٹے غلام آپس میں محرمیت کی قرابت رکھتے ہوں تو ان کی علیحدہ علیحدہ بیع کرنا مکروہ و ممنوع ہے اسی طرح اگر ایک ان میں سے چھوٹا ہو اور دوسرا بڑا تب بھی مکروہ و ممنوع ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک تو یہ بیع ہی جائز نہیں ہوگی۔

مردار کی چربی بیچنا جائز نہیں ہے نجس کا تیل بیچنا حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں تو جائز ہے لیکن دوسرے ائمہ کے ہاں جائز نہیں ہے، انسان کی غلاظت کی بیع جب کہ اس میں کچھ ملا نہ ہو حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک مکروہ ہے اور اگر راکھ وغیرہ ملی ہوئی ہو تو جائز ہے حضرت امام اعظمؒ کے ہاں گوبر کا بیچنا بھی جائز نہیں اس سے فائدہ اٹھانا بھی جائز نہیں ہے۔

بادشاہ و حاکم کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ اشیاء کے نرخ متعین کردیں۔ ہاں اگر تاجر غلہ و دیگر اشیاء کی گرانی میں حد سے تجاوز کرنے لگیں اور عوام پریشانی میں مبتلا ہو جائیں تو پھر حاکم کے لئے جائز ہے کہ وہ تجربہ کار اور ماہرین کے مشورہ سے نرخ متعین کردے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

وہ بیوع جن سے منع کیا گیا ہے

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ اَنْ يَّبِيْعَ ثَمَرَ حَائِطِهٖ اِنْ كَانَ نَخْلًا بِتَمْرٍ كَيْلًا وَاِنْ كَانَ كَرْمًا اَنْ يَّبِيْعَهٗ بِزَبِيْبٍ كَيْلًا اَوْكَانَ۔ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ وَاِنْ كَانَ زَرْعًا اَنْ يَّبِيْعَهٗ بِكَيْلِ طَعَامٍ، نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ قَالَ وَالْمُزَابَنَةُ اَنْ يُّبَاعَ مَافِيْ رُؤُوْسِ النَّخْلِ بِتَمْرٍ بِكَيْلٍ مُسَمًّى اِنْ زَادَ فَلِيْ وَاِنْ نَقَصَ فَعَلَيَّ۔ (بخاری ومسلم)

"حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور مزابنہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باغ کا میوہ (تازہ پھل) اگر وہ کھجور ہو تو خشک کھجوروں کے بدلے پیمانہ کے ذریعہ (مثلاً دس پیمانے کے بقدر) بیچے۔ یعنی ایک شخص کے باغ میں تازہ کھجوریں لگی ہوئی ہوں اور ایک دوسرے شخص کے پاس خشک کھجوریں رکھی ہوئی ہوں تو باغ والا شخص اس دوسرے شخص سے دس پیمانے بھر کر خشک کھجوریں لے لے اور اس کے عوض اپنے درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوریں اسی پیمانے کے مطابق اندازہ کر کے بیچ دے اور اگر میوہ انگور ہو تو اس کو خشک انگور کے بدلے پیمانہ کے ذریعہ بیچے (حاصل یہ کہ بیع مزابنہ کا مطلب ہے درخت پر لگے ہوئے تازہ میوہ کو خواہ وہ کھجور ہو یا کوئی اور پھل، رکھے ہوئے خشک میوہ کے عوض بیچنا) اور مسلم میں یہ بھی ہے کہ اگر کھیتی ہو تو اس میں بیع مزابنہ کی شکل یہ ہے کہ اس کو غلہ کے عوض پیمانہ کے ذریعہ بیچے (یعنی کھیت میں کھڑی ہے اور ایک دوسرے شخص کے پاس گیہوں رکھا ہوا ہے تو پہلا شخص اپنے کھیت میں کھڑے ہوئے گیہوں کا اندازہ کر کے اس کو دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ دے اور اس کے عوض اس شخص سے وہ رکھا ہوا گیہوں اپنے اندازے کے مطابق پیمانہ بھر کے لے لے) آنحضرت ﷺ نے بیع کی ان تمام قسموں سے منع فرمایا ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

اور بخاری و مسلم ہی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیع مزابنہ سے منع فرمایا ہے نیز فرمایا کہ بیع مزابنہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوروں کو کسی شخص کو ہاتھ اس کے پاس رکھی ہوئی خشک کھجوروں کے عوض پیمانہ معین کر کے بیچے اور خریدار سے کہہ دے کہ اگر درخت کی کھجوریں (معین پیمانہ سے) زائد ہوں گی تو میری ہیں (یعنی میں اسے لے لوں گا) اور اگر کم نکلیں تو اس کا میں ذمہ دار ہوں (کہ اس کمی کو میں پورا کردوں گا)

تشریح: "مزابنہ" لفظ "زبن" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "دفع کرنا" دور کرنا بیع مزابنہ سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ اس بیع کی بنیاد قیاس اور اندازے پر ہوتی ہے اس میں فریقین کے لئے زیادتی اور نقصان دونوں کا احتمال رہتا ہے اس کی وجہ سے دونوں (یعنی بیچنے

والے اور خریدار) کے درمیان نزاع و فساد بھی پیدا ہو سکتا ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے (دفعیہ اور دوری کی نوبت بھی آسکتی ہے۔
یہاں دو روایتیں نقل کی گئی ہیں ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں مزابنہ کی تعریف لفظ ثمر کے ذکر سے کی گئی ہے جو عمومیت لئے ہوئے ہے۔ دوسری روایت میں مزابنہ کی تعریف لفظ تمر کے ذکر سے کی گئی ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیع مزابنہ کا تعلق صرف کھجور سے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ دوسری روایت میں بھی عمومیت ہی مراد ہے خاص طور پر کھجور کا ذکر محض تمثیل ہے۔

(۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُخَابَرَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةُ اَنْ يَّبِيْعَ الرَّجُلُ الزَّرْعَ بِمِائَةِ فَرَقٍ حِنْطَةٍ وَالْمُزَابَنَةُ اَنْ يَّبِيْعَ التَّمْرَ فِيْ رُؤُوْسِ النَّخْلِ بِمِائَةِ فَرَقٍ وَالْمُخَابَرَةُ كِرَاءُ الْاَرْضِ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مخابرۃ، محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور محاقلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی کھیتی کو سو فرق گیہوں کے بدلے میں بیچ دے اور مزابنہ یہ ہے کہ کوئی شخص درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کو سو فرق رکھی ہوئی کھجوروں کے بدلے میں بیچ دے اور مخابرۃ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین کو ایک معین حصہ جیسے تہائی یا چوتھائی پر کاشت کے لئے دے دے۔" (مسلم)

تشریح: "فرق" راء کے زبر کے ساتھ ایک پیمانہ کا نام تھا جس میں سولہ رطل یعنی تقریباً سات سیر غلہ آتا تھا اور "فرق" راء کے جزم کے ساتھ اس پیمانے کو کہتے تھے جس میں ایک سو بیس رطل غلہ آتا تھا، حدیث میں سو ۱۰۰ فرق کا ذکر محض تمثیل کے طور پر ہے۔ مقصود تو صرف یہ بتانا ہے کہ کٹنے سے پہلے کھیت میں کھڑے ہوئے گیہوں کو رکھے ہوئے گیہوں کے عوض بیچنا، محاقلہ، کہلاتا ہے۔
یہی مفہوم گذشتہ حدیث میں "مزابنہ" کے ضمن میں بھی ذکر کیا جا چکا ہے لیکن "مزابنہ" وسیع و عام کا حامل ہے کہ اس کا اطلاق میووں اور پھلوں پر بھی آتا ہے اور کھیتی اور غلوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے جبکہ "محاقلہ" کا استعمال صرف کھیتی اور غلوں ہی کے لئے کیا جاتا ہے اگرچہ بعض مواقع پر "مزابنہ" بھی صرف میووں اور پھلوں ہی کے بارہ میں استعمال ہوتا ہے۔
"مخابرۃ" کا مطلب ہے کہ "اپنی زمین کو بٹائی پر کاشت کے لئے کسی دوسرے کو دیدینا" مثلاً کوئی شخص اپنی زمین کسی دوسرے کو اس شرط کے ساتھ دے دے کہ اس زمین کو جوتنا بونا اور جو کچھ اس میں پیدا ہو اس میں سے تہائی یا چوتھائی مجھے دیدینا۔
حدیث بالا میں اس کی بھی ممانعت فرمائی گئی ہے کیونکہ اوّل تو یہ اجرت کی ایک شکل ہوتی ہے اور اس میں اجرت مجہول رہتی ہے۔ دوسرے حاصل ہونے والی چیز معدوم ہوتی ہے اور جو چیز معدوم ہوتی ہے اس کا کوئی معاملہ مقرر نہیں ہوتا۔ "مخابرت" کو "مزارعت" بھی کہتے ہیں لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ "مخابرت" کی صورت میں تو تخم و بیج کاشت کرنے والے کا ہوتا ہے اور "مزارعت" میں زمین کے مالک کا، مزارعت (اور مخابرت بھی) حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں حکم ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک درست ہے، حنفی مسلک میں فتویٰ صاحبین ہی کے قول پر ہے کیونکہ یہ کثیر الوقوع اور بہت زیادہ احتیاج کی چیز ہے اس کو جائز نہ رکھنے کی صورت میں لوگوں کو بہت زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

(۳) وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ وَعَنِ الثُّنْيَا وَرَخَّصَ فِى الْعَرَايَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے محاقلت، مزابنت، مخابرت، معاومت اور ثنیا سے منع فرمایا ہے لیکن آپ ﷺ نے عرایا کی اجازت دی ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: محاقلت، مزابنت اور مخابرت کے معنی تو بیان کئے جا چکے ہیں "معاومت" کے معنی یہ ہیں کہ درختوں کے پھلوں کو نمودار ہونے سے پہلے ایک سال، دو سال، تین سال یا زیادہ مدت کے لئے فروخت کر دیا جائے اور "ثنیا" کا مطلب یہ ہے کہ درختوں پر موجود (پھلوں

کو بیچا جائے لیکن ان میں سے ایک غیر معین مقدار مستثنٰی کر لی جائے یعنی اسے نہ بیچا جائے)۔

"عرایا" جمع ہے "عریت" کی اور "عریت" کھجور کے اس درخت کو کہتے ہیں جسے اس کا مالک کسی محتاج و فقیر کو پھل کھانے کے لئے عاریتاً دیدے۔ "عرایا کی اجازت دی ہے" کی وضاحت یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے باغ میں سے ایک درخت یا دو درخت کسی محتاج کو پھل کھانے کے لئے دیدیا کرتے تھے پھر جیسا کہ معمول تھا وہ (باغ کا مالک) اپنے اہل و عیال کے ساتھ جب باغ میں آتا اور ان سب لوگوں کی موجودگی میں وہ محتاج آجاتا تو اپنے باغ میں ایک شخص کے آجانے کی وجہ سے ان کو کچھ کبیدگی ہوتی اس لئے اس محتاج کو وہ اس درخت کی بجائے اپنے پاس سے کچھ پھل دے کر رخصت کر دیتے اور اس درخت کا پھل خود رکھ لیتے چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو روا رکھا لیکن یہ پانچ وسق سے کم میں تو جائز ہے اس سے زیادہ میں درست نہیں جیسا کہ آگے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آجائے گا۔

④ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ التَّمْرِ بِالتَّمْرِ اِلَّا اَنَّهٗ رَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ اَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا تَمْرًا يَاكُلُهَا اَهْلُهَا رُطَبًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سہل ابن ابی حثمہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا ہے لیکن آپ ﷺ نے عریہ (کسی محتاج کو دیئے گئے درخت) کے متعلق یہ اجازت دی کہ اس درخت پر لگے ہوئے پھل کو اس کے خشک ہونے (کے بعد کی مقدار) کا اندازہ کر کے بیچا جائے (یعنی یہ اندازہ کر لیا جائے کہ اس درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوریں خشک ہونے کے بعد کتنی رہیں گی اور پھر اتنی ہی مقدار میں خشک کھجوریں اس محتاج کو دے کر اس درخت پر لگی ہوئی کھجوریں لے لی جائیں) اس طرح اس کے مالک اس درخت کا تازہ پھل کھائیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

بیع عرایا کا مسئلہ

⑤ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْخَصَ فِيْ بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ اَوْفِيْ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ شَكَّ دَاوُدُ بْنُ الْحُصَيْنِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عاریتاً (محتاجوں کو عاریتاً دیئے گئے درختوں کے پھلوں) کو خشک کھجوروں کے ساتھ اندازہ کر کے بیچنے کی اجازت دے دی ہے۔ یعنی اگر عرایا پر لگی ہوئی کھجوروں کو خشک کھجوروں سے بدلنا ہو تو پہلے یہ انداہ کر لیا جائے کہ یہ تازہ کھجوریں خشک ہونے کے بعد کتنی رہیں گی پھر اتنی ہی مقدار میں خشک کھجوریں لیکر وہ تازہ کھجوریں دیدی جائیں مگر اس اجازت کا تعلق اس صورت سے ہے) جبکہ وہ پانچ وسق سے کم ہوں۔ یہ حدیث کے ایک راوی داؤد ابن حصینؒ کا شک ہے (کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد میں پانچ وسق سے کم کا تذکرہ تھا یا پانچ وسق کا تذکرہ تھا)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "پانچ وسق سے کم" کی قید اس لئے ہے کہ اس اجازت کا تعلق احتیاج اور ضرورت سے ہے اور احتیاج و ضرورت پانچ وسق سے کم ہی ہوتی ہے، چنانچہ عرایا کے پھلوں کی مذکورہ بالا بیع و تبادلہ پانچ وسق سے کم میں سب ہی علماء کے نزدیک جائز ہے پانچ وسق سے زیادہ میں جائز نہیں ہے البتہ پورے پانچ وسق کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں زیادہ صحیح قول عدم جواز ہی کا ہے۔ کیونکہ بیان مقدار میں راوی نے شک کا اظہار کیا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں احتیاط کا تقاضہ یہی ہونا چاہئے کہ پانچ وسق سے کم مقدار پر عمل کیا جائے جو بہر حال متعین ہے۔ اس بات میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اس اجازت کا تعلق صرف محتاجوں ہی سے ہے یا اغنیاء بھی اس اجازت کے دائرہ میں آتے ہیں، چنانچہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ یہ اجازت دونوں کے لئے ہے۔

"وسق" ایک پیمانہ کا نام ہے ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع کے پیمانہ میں تقریباً ساڑھے تین سیر غلہ آتا ہے (انگریزی سیر کے اعتبار سے پانچ وسق تقریباً چھبیس من کا ہوتا ہے۔)

بیع ثمر خام کی ممانعت

(٦) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ الثِّمَارِ حَتّٰی یَبْدُوَ صَلَاحُهَا، نَهَی الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِیَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ نَهٰی عَنْ بَیْعِ النَّخْلِ حَتّٰی تَزْهُوَ وَعَنِ السُّنْبُلِ حَتّٰی یَبْیَضَّ وَیَاْمَنَ الْعَاهَةَ۔ (بخاری ومسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے پھلوں کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ ان کی پختگی ظاہر نہ ہو جائے یہ ممانعت بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کے لئے ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

مسلمؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "آپ ﷺ نے کھجور کے پھل اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ سرخ و زرد نہ ہو جائیں، نیز آپ ﷺ نے کھیتی کے خوشوں کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ پختہ نہ ہو جائیں اور کسی آفت سے محفوظ نہ ہوں۔"

تشریح: بیچنے والے کے لئے ممانعت اس لئے ہے تاکہ وہ خریدار کا مال بغیر کسی چیز کے عوض کے حاصل نہ کرے اور خریدار کے لئے ممانعت اس لئے ہے تاکہ وہ اپنے مال کے نقصان و تباہی میں مبتلا نہ ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ غیر پختہ و غیر تیار پھل خرید لے اور اس کی قیمت ادا کر دے مگر پھل تیار و پختہ ہونے سے پہلے ہی کسی آفت مثلاً آندھی اور بارش وغیرہ کی وجہ سے ضائع ہو جائیں۔

(٧) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ الثِّمَارِ حَتّٰی تُزْهِیَ قِیْلَ وَمَا تُزْهِیَ قَالَ حَتّٰی تَحْمَرَّ وَقَالَ اَرَاَیْتَ اِذَا مَنَعَ اللّٰہُ الثَّمَرَةَ بِمَ یَاْخُذُ اَحَدُکُمْ مَالَ اَخِیْهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے پھلوں کو درختوں پر اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ خوش رنگ نہ ہو جائیں۔ عرض کیا گیا کہ خوش رنگ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جب تک وہ سرخ نہ ہو جائیں یعنی پک نہ جائیں" اور پھر فرمایا تم ہی بتاؤ جب اللہ تعالیٰ پھلوں کو (پکنے سے) روک دے تو تم میں سے کوئی کیونکر اپنے بھائی کا مال لے گا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ پختہ و تیار ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع میں اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ شاید کوئی آفت مثلاً آندھی وغیرہ آجائے اور پھل درختوں سے جھڑ کر ضائع ہو جائیں۔ اس صورت میں بیچنے والا خریدار سے پھلوں کی قیمت کے طور پر جو کچھ لے گا وہ اسے بلا عوض اور مفت مل جائے گا لہٰذا یہ ضروری ہے کہ پھلوں کے پختہ و تیار ہونے تک صبر و انتظار کیا جائے۔ جب وہ پک کر تیار ہو جائیں تو اس وقت خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا جائے۔

پھلدار درختوں کو کئی سالوں کے لئے پیشگی بیچ ڈالنے کی ممانعت

(٨) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ السِّنِیْنَ وَاَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے چند سالوں کا پھل بیچنے سے منع فرمایا ہے (یعنی ایک سال یا دو سال یا تین سال اور یا اس سے زائد سالوں کے لئے درختوں کا پھل پیشگی نہیں بیچنا چاہئے) نیز آپ ﷺ نے آفت زدہ کے ساتھ رعایت کرنے کا حکم دیا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جز کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے درخت پر لگے ہوئے پھل پختہ و تیار ہونے کے بعد خرید لئے مگر سوء اتفاق سے قبل اس کے کہ خریدار پھلوں کو اپنے تصرف میں لاتا کسی بھی وجہ سے وہ پھل جھڑ گئے اور ضائع ہو گئے اس صورت میں بیچنے والے کو چاہئے کہ اگر اس نے ابھی تک قیمت وصول نہیں کی ہے تو اس میں کچھ کمی کر دے اور اگر قیمت وصول کر لی ہے تو اس میں سے کچھ خریدار کو واپس کر دے اگرچہ بیع ہو چکی ہے اور قاعدہ کے اعتبار سے وہ اس کے لئے مجبور نہیں ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کا اس بارہ

میں مذکورہ بالا حکم صرف استحباب کے لئے ہے اور اس کا مقصد آفت زدہ خریدار کے ساتھ ممکنہ رعایت کے لئے بیچنے والے کو ایک اخلاقی توجہ دلانا ہے، ورنہ تو جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے یہ بات بالکل صاف ہے کہ خریدار کے قبضہ و ملکیت میں آجانے کے بعد مبیع (خریدی ہوئی چیز) کے ہر نفع و نقصان کا ذمہ دار خریدار ہی ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قبضہ میں آجانے کے بعد اگر مبیع کسی آفت کی وجہ سے ہلاک و ضائع ہو جاتی ہے تو وہ خریدار ہی کا نقصان ہوتا ہے بیچنے والے پر اس کا کوئی بدلہ وغیرہ واجب نہیں ہوتا۔

ضائع ہو جانے والی مبیع کا ذمہ دار کون ہے؟

(۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ بِعْتَ مِنْ اَخِيْكَ ثَمَرًا فَاَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ فَلَا يَحِلُّ لَكَ اَنْ تَاْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا بِمَ تَاْخُذُ مَالَ اَخِيْكَ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر تم نے اپنے مسلمان بھائی کے ہاتھ پھل بیچا اور کوئی ایسی آفت آئی کہ وہ پھل ضائع ہو گیا تو تمہارے لئے اس سے کچھ لینا حلال نہیں ہے (تم خود سوچو کہ ایسی صورت میں) ایک بھائی کا مال ناحق کیسے لوگے۔" (مسلمؒ)

تشریح : فَلَا يَحِلُّ لَكَ "اس سے کچھ بھی لینا حلال نہیں ہے" یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ مبیع بالکلیہ اور مطلقاً ضائع ہو جائے اور اگر کوئی ایسی آفت آئے کہ جس سے مبیع کا کچھ حصہ نقصان ہو تو اس صورت میں قیمت میں کچھ کمی کر دینی چاہئے۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث کی تشریح میں بتایا گیا، اس حدیث کے بارے میں بھی وہی تشریح سامنے رہنی چاہئے جو گذشتہ حدیث کے سلسلے میں گذری ہے۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت ابن مالکؒ نے بھی یہ وضاحت کی ہے کہ اگر مبیع خریدار کی سپردگی میں جانے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا نقصان بیچنے والے کو برداشت کرنا ہوگا۔ اس صورت میں حدیث کی کوئی تاویل کرنے ہی کی ضرورت نہیں ہوگی اور اگر مبیع خریدار کی سپردگی و قبضے میں جانے کے بعد ضائع ہو تو پھر کہا جائے گا کہ حدیث گرامی کے الفاظ "اس سے کچھ بھی لینا حلال نہیں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ ازروئے تقویٰ و ورع اور ازراہ اخلاق و احسان خریدار سے کچھ بھی لینا حلال (مناسب) نہیں ہے۔

اشیاء منقولہ میں قبل قبضہ دوسری بیع جائز نہیں ہے

(۱۰) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانُوْا يَبْتَاعُوْنَ الطَّعَامَ فِيْ اَعْلَى السُّوْقِ فَيَبِيْعُوْنَهُ فِيْ مَكَانِهِ فَنَهَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِهِ فِيْ مَكَانِهِ حَتّٰى يَنْقُلُوْهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَلَمْ اَجِدْهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ بازار کے اس حصے میں جو جانب بلندی واقع تھا لوگ غلہ خریدتے اور پھر اس کی اسی جگہ قبضہ میں لینے سے پہلے بیچ ڈالتے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اس بات سے منع فرمایا کہ جب تک غلہ کو (خریدنے کے بعد) وہاں سے منتقل نہ کیا جائے اس کو اسی جگہ فروخت نہ کیا جائے۔" "اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا اور مجھے یہ روایت بخاری و مسلمؒ میں نہیں ملی ہے)

تشریح : "وہاں سے منتقل نہ کیا جائے" کا مطلب یہ ہے کہ "جب تک اسے اپنے قبضہ میں نہ لے لیا جائے" اور اشیاء منقولہ کا قبضہ میں لینا یہ ہے کہ اس کو خریدنے کے بعد اس کی جگہ سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ رکھ دیا جائے چاہے وہ دوسری جگہ کتنی ہی قریب کیوں نہ ہو۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اگر اس چیز کو پیمانے یا وزن کے ذریعے لیا ہے تو پیمانے میں نپوا کر یا وزن کرانے کے بعد ہی اسے اٹھائے اور اگر بلا پیمانہ و وزن لیا ہے تو پھر اس کے بغیر ہی اٹھا کر رکھ دے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اشیاء منقولہ میں سے کوئی چیز خریدے اور پھر اسے کسی دوسرے کو فروخت کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اس چیز کو اپنے قبضے میں لے۔ اس کے بعد اسے فروخت کرے کیونکہ بیع اشیاء منقولہ میں قبل قبضہ دوسری بیع جائز نہیں ہے۔

صاحب مشکوٰۃ نے "مجھے یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ملی ہے" کے ذریعے دراصل صاحب مصابیح پر اعتراض کیا ہے کہ اس روایت کو پہلی فصل میں ذکر کیا گیا ہے جب کہ یہ روایت نہ تو بخاری میں ہے اور نہ مسلم میں بلکہ ابوداؤد میں ہے اس لئے یہ روایت قاعدہ کے اعتبار سے دوسری فصل میں نقل کی جانی چاہئے تھی۔

(۱۱) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَتّٰى يَكْتَالَهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص غلہ خریدے تو اس کو اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک کہ اسے پوری طرح نہ لے لے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تک اس کو ناپ نہ لے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "جب تک کہ اسے پوری طرح نہ لے لے" کا مطلب یہ ہے کہ "جب تک کہ اسے اپنے قبضہ میں نہ لے لے"۔ اس کی وضاحت گذشتہ حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ اس موقع پر اس بارے میں یہ فقہی اختلاف بھی جان لیجئے کہ حضرت امام شافعیؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ کے نزدیک کسی چیز کو خرید کر پھر اسے کسی دوسرے کے ہاتھ قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے وہ چیز خواہ اشیاء منقولہ میں سے ہو جیسے غلہ وغیرہ یا عقار یعنی زمین ہو۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک قبل قبضہ صرف غلے کا بیچنا تو جائز نہیں ہے اور سب چیزوں کا بیچنا جائز ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ کے ہاں قبل قبضہ عقار یعنی زمین کا بیچنا تو جائز ہے لیکن اشیاء منقولہ میں سے کسی بھی چیز کا بیچنا جائز نہیں ہے۔ حضرت امام احمدؒ کا مسلک بھی بظاہر یہی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ "جب تک کہ اس کو ناپ نہ لے" سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر بیچنے والا خریدار کے سامنے غلہ کو ناپ کر یا وزن کر کے دے تو یہ کافی نہیں ہے بلکہ خریدار کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کو اپنے قبضے میں لے لینے کے بعد پھر دوبارہ خود بھی ناپے یا وزن کرے، لیکن اس بارے میں زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ خریدار کے سامنے بیچنے والے کا ناپنا یا وزن کرنا کافی ہے کیونکہ خریدار کے سامنے بیچنے والے کا ناپنا یا وزن کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ خود خریدار ناپے یا وزن کرے۔

(۱۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَمَّا الَّذِیْ نَهٰى عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ الطَّعَامُ اَنْ يُّبَاعَ حَتّٰى يُقْبَضَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَا اَحْسِبُ كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا مِثْلَهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جس چیز کو منع کیا ہے وہ غلہ ہے کہ اس کو قبضے میں لانے سے پہلے فروخت کرنا ممنوع ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے کہ میرا گمان ہے کہ اس بارے میں ہر چیز غلہ کی مانند ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلہ کو قبل قبضہ بیچنا جائز نہیں ہے اسی طرح کسی بھی چیز کو اس وقت تک بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ قبضہ میں نہ آجائے۔ یہ گویا حضرت ابن عباسؓ کا اپنا گمان و خیال ہے کہ انہوں نے اس مسئلے میں غلے پر غیر غلے کو قیاس کیا ہے۔

(۱۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ لِبَيْعٍ وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تُصَرُّوا الْاِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ اَنْ يَحْلُبَهَا اِنْ رَضِيَهَا اَمْسَكَهَا وَاِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ مَنِ اشْتَرٰى شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ رَدَّهَا رَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَا سَمْرَاءَ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم آگے جا کر غلہ وغیرہ لانے والے قافلے سے خرید و فروخت کے لئے نہ ملو

اور تم میں سے کوئی شخص کسی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نجش نہ کرو اور شہر کا آدمی کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے اور اونٹ و بکری کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو، اور اگر کوئی شخص ایسا جانور خریدے جس کے تھنوں میں دودھ جمع کیا گیا ہو تو دودھ دوہنے کے بعد اسے اس جانور کو رکھ لینے یا پھیر لینے کا اختیار ہوگا کہ اگر اس کی مرضی ہو تو اس جانور کو رکھ لے اور اگر مرضی ہو تو اس کو پھیر دے اور اس کے ساتھ ہی صاع (ساڑھے تین سیر) کھجوریں دے دے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

مسلمؒ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جو شخص ایسی بکری خریدے جس کے تھنوں میں دودھ جمع کیا گیا ہو تو اس بکری کو رکھ لینے یا پھیر دینے کا تین دن تک اختیار رہتا ہے چنانچہ اگر وہ (ان تین دنوں میں) اس بکری کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں دے دے مگر گیہوں نہ دے۔"

تشریح: پہلی ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً تمہیں معلوم ہو کہ بیوپاریوں کا کوئی گروہ غلہ وغیرہ لے کر شہر آرہا ہے تو قبل اس کے کہ وہ بیوپاری شہر میں پہنچیں اور وہاں بازار کا بھاؤ وغیرہ معلوم کریں تم راستے میں جاکر ان سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ نہ کرلو! یہ حکم آپ نے اس لئے دیا ہے تاکہ ان بیوپاریوں اور تاجروں کو فریب دینے یا ان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع پیدا نہ ہو جائے۔

"تم میں سے کوئی شخص کسی کی بیع پر بیع نہ کرے" یعنی دو شخصوں میں خرید و فروخت کا کوئی معاملہ ہو رہا ہو تو تم اس میں دخل نہ دو بایں طور کہ نہ تو چیز کے دام بڑھا کر یا کسی اور ذریعے سے اس کو خریدنے کا اظہار کہ اس میں خریدار کا نقصان ہوگا اور نہ اپنا مال دکھا کر کم قیمت پر اسے بیچو کہ اس میں بیچنے والے کو نقصان ہوگا، یا مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے کوئی چیز بشرط خیار خریدے تو تم اس خریدار کے پاس جاکر یوں کہو کہ تم اس معاملے کو فسخ کر کے اسے واپس کر دو میں ایسی ہی چیز تمہیں اس سے سستے داموں دے دوں گا۔ اس طرح اپنے فائدے کے لئے کسی کا معاملہ بگاڑنا برا ہے اگر مقصد خود خریدنا یا خود بیچنا نہ ہو بلکہ محض معاملہ بگاڑنا ہی منظور ہو تو یہ بہت ہی برا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس مخالفت کا تعلق اس چیز سے ہے کہ جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو، اور اگر کسی چیز میں کوئی شرعی قباحت ہو جیسے کوئی شخص کسی کو غبن یا چوری کا مال بیچتا ہو تو اس صورت میں معاملہ کو فسخ کرا دینا جائز ہے۔

"نجش" کے معنی ہیں "رغبت دلانا اور فریب دینا" اس کی صورت یہ ہے کہ دو شخصوں کے درمیان معاملہ ہو رہا ہو تو تیسرا شخص آکر اس چیز کی تعریف کرنے لگے جس کا معاملہ ہو رہا ہے یا اس چیز کی قیمت زیادہ لگادے اور اس سے اس کا مقصد خریداری نہ ہو بلکہ منظور یہ ہو کہ خریدار میری دیکھا دیکھی اس چیز کی خریداری کی طرف زیادہ راغب ہو جائے یا اس چیز کی قیمت اور زیادہ لگا دے، آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ اصل خریدار کو فریب میں مبتلا کرنے کی ایک بدترین صورت ہے۔

"شہری آدمی کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے" مثلاً کوئی دیہاتی اپنا مال جیسے غلہ وغیرہ بازار کے بھاؤ فروخت کرنے کے لئے شہر لائے اور کوئی شہری اس سے آکر یہ کہے کہ تم اپنا یہ مال میرے پاس چھوڑ جاؤ میں اس کو بڑی آسانی کے ساتھ گراں نرخ پر بیچ دوں گا! اس سے آپ ﷺ نے اس لئے منع فرمایا ہے کہ اس میں مخلوق خدا کو نفع سے باز رکھنا ہے، چنانچہ یہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک حرام ہے اور حنفی مسلک کے مطابق مکروہ ہے۔

"اونٹ و بکری کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو" مثلاً ایک شخص کے پاس دودھ والا کوئی جانور جیسے بکری و بھینس وغیرہ ہے۔ وہ اس کو بیچنا چاہتا ہے اس جانور کی زیادہ قیمت وصول کرنے کے لئے وہ یہ کرتا ہے کہ بیچنے سے دو تین دن یا دو تین وقت پہلے اس جانور کا دودھ دوہتا نہیں بلکہ اس کے تھن میں چھوڑے رکھتا ہے تاکہ تھن میں زیادہ دودھ جمع ہو جائے اور خریدار یہ سمجھ کر کہ یہ جانور بہت زیادہ دودھ دینے والا ہے اس کی زیادہ قیمت دے دے! اس سے آپ ﷺ نے اس لئے منع فرمایا کہ یہ فریب دہی کا معاملہ ہے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ نے جو مسئلہ بیان فرمایا اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر اور کوئی شخص ایسا جانور خرید لائے جس کا کئی دن یا کئی وقت کا دودھ اس کے تھن میں جمع رکھا گیا اور پھر اس کا دودھ دوہنے کے بعد معلوم ہو کہ یہ جانور کم دودھ دیتا ہے تو اسے اختیار حاصل ہوگا کہ چاہے تو اس

جانور کو واپس کر دے اور چاہے رکھ لے، مگر جب جانور کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں اس دودھ کے عوض میں دے جو اس نے دوہا ہے۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دودھ کے عوض میں ایک صاع کھجوروں کا تعین کیوں کیا گیا ہے جب کہ اس دودھ ہی کو واپس کر دینے یا اس دودھ کی قیمت دے دینے کا حکم بھی دیا جاسکتا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خریدار نے اس جانور کا جو دودھ دوہا ہے اس میں کچھ حصّہ تو وہ ہوگا جو خریدار کی ملکیت میں آنے کے بعد جانور کے تھن میں پیدا ہوا ہے اور کچھ حصّہ وہ ہے جو جانور کی خریداری کے وقت اس کے تھن میں تھا اور جانور کے ساتھ اس دودھ کی بھی بیع ہوئی تھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں دودھ کے ان دونوں حصوں کا تعین و امتیاز ناممکن ہونے کی وجہ سے نہ تو دودھ واپس کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی قیمت ہی متعین کر کے دی جاسکتی ہے لہٰذا شارع نے اس کا حل یہ نکالا کہ طرفین میں فتنہ و فساد کے دفعیہ کے لئے ایسے دودھ کا عوض ایک صاع کھجوریں متعین کر دیں اور اس سلسلے میں دودھ کی کمی بیشی کو بنیاد نہیں بنایا، چنانچہ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ شارع نے خون ناحق کی دیت یعنی قتل کا مالی معاوضہ ایک سو اونٹ مقرر کیا ہے۔ حالانکہ مراتب و حیثیت کے اعتبار سے ہر جان اور ہر خون یکساں نہیں ہوتا، لیکن اس بارے میں شریعت نے اس تفاوت کو بنیاد نہیں بنایا۔

اس حدیث پر امام شافعیؒ نے عمل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس طرح کے جانور کی بیع میں خیار (یعنی بیع کو فسخ کر دینے یا باقی رکھنے کا اختیار) حاصل ہوتا ہے، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ اس میں خیار نہیں ہے۔ ان کے نزدیک حدیث میں مذکورہ بالا حکم متروک ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم ربا کے حرام ہونے سے پہلے تھا جب کہ معاملات میں اس قسم کی چیزیں جائز تھیں اب یہ منسوخ ہو گیا ہے۔

حدیث کے آخری جملے "ایک صاع غلہ دے دے مگر گیہوں نہ دے" کے بارے میں علامہ ابن حجر شافعی کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جانور واپس کرتے ہوئے اس کے دودھ کے عوض میں کھجوروں کے علاوہ اور کچھ دینا جائز نہیں ہے، اگرچہ بیچنے والا کوئی بھی چیز لینے پر راضی ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کی غذا کا زیادہ تر تعلق کھجور اور دودھ ہی سے تھا اس لئے دودھ کی بجائے کھجور دینا مقرر کیا گیا۔ لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر بیچنے والا راضی ہو تو کھجور کے علاوہ اور کوئی چیز بھی دی جاسکتی ہے۔

⑭ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرٰى مِنْهُ فَإِذَا اَتٰى سَيِّدُهُ السُّوْقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم آگے جا کر غلہ وغیرہ لانے والے قافلے سے نہ ملو، اگر کوئی شخص جا کر ملا اور کچھ سامان خرید لیا اور پھر سامان کا مالک بازار میں آیا تو اس کو اختیار ہوگا (کہ چاہے بیع کو قائم رکھے چاہے فسخ کر دے)۔" (مسلم)

تشریح: لفظ جلب اور لفظ رکبان جو گذشتہ حدیث میں منقول تھا دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اور ان کی وضاحت گذشتہ حدیث کی تشریح میں کی جاچکی ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ اس ممانعت کا تعلق اس صورت میں ہے جب کہ آنے والے بیوپاریوں سے راستے ہی میں خریداری کرنے کی وجہ سے اہل شہر کو نقصان و ضرر پہنچے اور خریدار شہر و بازار کے نرخ کو پوشیدہ رکھ کر بیوپاریوں کو فریب دے، اور اگر اہل شہر کو نقصان و ضرر نہ پہنچے، نیز نہ تو خریدار بیوپاریوں سے شہر کا نرخ چھپائے اور نہ ان کو فریب میں مبتلا کرے تو اس صورت میں یہ ممانعت نہیں ہوگی۔

حدیث میں جس "اختیار" کو ذکر کیا گیا ہے اس کے بارے میں شافعیہ تو یہ کہتے ہیں کہ جب مالک (یعنی باہر سے مال لانے والا بیوپاری) شہر میں آئے اور اسے یہ معلوم ہو کہ خریدار نے اس شہر کی بہ نسبت سستا لیا ہے تو اس صورت میں اسے اختیار ہوگا کہ چاہے تو بیع کو فسخ کر کے اپنا مال واپس لے لے اور چاہے بیع کو باقی رکھے۔ اور اگر اسے یہ معلوم ہو کہ خریدار نے شہر کے بھاؤ سے گراں لیا ہے یا شہر کے بھاؤ کے مطابق لیا ہے تو پھر اس صورت میں بیوپاری کو اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

اس مسئلے میں فقہ حنفی کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوپاری کو یہ اختیار اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ اسے شہر میں آنے کے بعد معلوم ہو کہ خریدار نے اس سے کھلا ہوا فریب کیا ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

⑮ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَقَّوُا السِّلَعَ حَتّٰى يُهْبَطَ بِهَا اِلَى السُّوْقِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سامان (لانے والوں سے) ان کے شہر پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں جاکر نہ ملو اور اس وقت تک ان سے کوئی معاملہ نہ کرو جب تک کہ ان کا سامان بازار میں آکر نہ اتر جائے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

کسی کے معاملہ میں اپنی ٹانگ نہ اڑاؤ

⑯ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيْعُ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ اَخِيْهِ وَلَا يَخْطُبُ عَلٰى اَخِيْهِ اِلَّا اَنْ يَّاْذَنَ لَهٗ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کے نکاح کے پیغام پر اپنے نکاح کا پیغام بھیجے الایہ کہ اس کو اس کی اجازت دے دی جائے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے" کی وضاحت حضرت ابوہریرہؓ کی روایت نمبر (۱۳) کے ضمن میں کی جاچکی ہے۔

حدیث کے دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے کسی عورت کے پاس اس سے اپنے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ تو اب کسی دوسرے مرد کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ بھی اس عورت کے پاس اپنا پیغام بھیج دے، مگر یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ طرفین مہر کی ایک معین مقدار پر راضی ہوگئے ہوں، تمام معاملات طے ہوچکے ہوں اور صرف نکاح ہونا باقی رہ گیا ہو۔

حدیث کے آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے معاملات خرید و فروخت یا پیغام نکاح میں مداخلت نہ کرنے کا حکم اسی وقت تک کے لئے ہے جب تک کہ فریقین معاملے کو ترک نہ کردیں مثلاً اگر صاحب معاملہ یہ کہہ دے کہ میں یہ چیز نہیں خرید رہا ہوں نیز تم خرید لو، یا اس عورت سے میں نکاح نہیں کروں گا تم اپنا پیغام بھیج دو تو اس صورت میں اس چیز کو خریدنا یا نکاح کا پیغام بھیجنا جائز ہوگا۔

⑰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَسُمِ الرَّجُلُ عَلٰى سَوْمِ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے (یعنی کسی سے خرید و فروخت کا معاملہ ہو رہا ہو تو اس میں مداخلت نہ کرے اور چیز کے زیادہ دام نہ لگائے۔" (مسلمؒ)

تشریح: یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ بیچنے والا اور خریدار دونوں کسی ایک قیمت پر راضی ہوگئے ہوں، لہٰذا اب کسی اور کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو لینے کا ارادہ کرے اور زیادہ دام لگا کر ان کا معاملہ خراب کرے، ایسا کرنا مکروہ ہے اگرچہ بیع صحیح ہوجائے گی۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں "مسلمان" کے حکم میں ذمی (غیر مسلم جو اسلامی سلطنت میں رہے اور جزیہ ادا کرے) معاہد (جس سے کسی مسلمان کا معاہدہ ہو) اور مستامن (جو کسی مسلمان کے زیر پناہ ہو) بھی داخل ہیں۔

شہری آدمی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے

⑱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقُ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "شہری آدمی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ

اللہ تعالیٰ کسی کے ذریعہ کسی کو رزق پہنچاتا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ دیہاتیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ باہر سے غلہ لاکر شہر میں سستے داموں فروخت کریں اور اس طرح وہ اہل شہر کے رزق میں وسعت و فراخی کا باعث بنیں۔ بقیہ حدیث کی وضاحت حضرت ابوہریرہؓ کی روایت (نمبر ۱۳) کی تشریح میں کی جا چکی ہے۔

بیع بلا صورت و منابذت کی ممانعت

(۱۹) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لِبْسَتَیْنِ وَعَنْ بَیْعَتَیْنِ نَهٰی عَنِ الْمُلاَمَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ فِی الْبَیْعِ وَالْمُلاَمَسَةُ لَمْسُ الرَّجُلِ ثَوْبَ الْآخَرِ بِیَدِهٖ بِاللَّیْلِ اَوْ بِالنَّهَارِ وَلاَ یَقْلِبُهٗ اِلاَّ بِذٰلِكَ وَالْمُنَابَذَةُ اَنْ یَنْبِذَ الرَّجُلُ اِلَی الرَّجُلِ بِثَوْبِهٖ وَیَنْبِذَ الْآخَرُ ثَوْبَهٗ وَیَكُوْنُ ذٰلِكَ بَیْعَهُمَا عَنْ غَیْرِ نَظْرٍ وَلاَ تَرَاضٍ وَاللِّبْسَتَیْنِ اشْتِمَالُ الصَّمَّاءِ وَالصَّمَّاءُ اَنْ یَجْعَلَ ثَوْبَهٗ عَلٰی اَحَدِ عَاتِقَیْهِ فَیَبْدُوَ اَحَدُ شِقَّیْهِ لَیْسَ عَلَیْهِ ثَوْبٌ وَاللِّبْسَةُ الْاُخْرٰی اِحْتِبَاءُهٗ بِثَوْبِهٖ وَهُوَ جَالِسٌ لَیْسَ عَلٰی فَرْجِهٖ مِنْهُ شَیْءٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے دو طرح کے پہناوے سے اور دو طرح کی بیع سے منع کیا ہے وہ ملامست اور منابذت ہیں۔ ملامست یہ ہے کہ ایک شخص (یعنی خریدار) دوسرے شخص (یعنی تاجر) کے کپڑے کو (جسے وہ لینا چاہتا ہے) دن میں یا رات میں صرف ہاتھ سے چھولے اسے کھول، الٹ کر دیکھے نہیں اور اس کا یہ چھونا بیع کے لئے ہو۔ اور منابذت یہ ہے کہ معاملہ کرنے والوں میں سے ہر ایک اپنے کپڑے کو دوسرے کی طرف پھینک دے اور اس طرح بغیر دیکھے بھالے اور بغیر اظہار رضامندی کے بیع ہو جائے۔ اور جن دو طرح کے پہناوے سے منع فرمایا ہے ان میں سے ایک کپڑے کو صَمَّاء کے طور پر پہننا ہے اور صَمَّاء کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ایک مونڈھے پر اس طرح کپڑا ڈال لے کہ اس کی دوسری سمت کہ جس پر کپڑا نہ ہو ظاہر و برہنہ رہے اور دوسرا پہناوا (جس سے منع کیا گیا ہے) یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے گرد اس طرح کپڑا لپیٹ لے کہ جب وہ بیٹھے تو اس کی شرم گاہ اس کپڑے سے بالکل عاری ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "ملامست" کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص کوئی چیز مثلاً کپڑا خریدنے جاتا تو کپڑے کو ہاتھ لگا دیتا، کپڑے کو ہاتھ لگاتے ہی بیع ہو جاتی تھی نہ تو آپس میں قولی ایجاب و قبول ہوتا تھا کہ دوکاندار تو یہ کہتا کہ میں نے تمہارے ہاتھ یہ چیز بیچ دی اور خریدار یہ کہتا کہ میں نے تم سے یہ چیز خرید لی اور نہ فعلی لین دین (جسے اصطلاح فقہ میں تعاطی کہتے ہیں) ہوتا تھا کہ دوکاندار برضاء و رغبت خاموشی کے ساتھ وہ چیز دیتا اور خریدار اس کی قیمت ادا کر دیتا بلکہ خریدار کا اس چیز کو ہاتھ سے چھو دینا ہی کافی سمجھا جاتا تھا۔

علامہ طیبیؒ نے حدیث کے الفاظ لا یقلبہ الا بذالک (اسے کھول الٹ کر دیکھے نہیں الخ) کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ "کپڑے کو علاوہ چھونے کے نہ الٹے نہ کھولے"۔ یعنی چاہئے تو یہ کہ کپڑے کو کھولا جائے اور اچھی طرح دیکھا بھالا جائے مگر بیع ملامست کرنے والا نہ کھولتا تھا نہ اسے دیکھتا بھالتا تھا، البتہ صرف اسے چھو لیتا تھا، ظاہر ہے کہ کسی چیز کو محض چھو لینا اس کو الٹ کھول کر دیکھنے بھالنے کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا۔

بہرکیف "ملامست" ایام جاہلیت میں خرید و فروخت کا ایک خاص طریقہ تھا کہ جہاں ایک نے دوسرے کے کپڑے کو ہاتھ لگایا، بس بیع ہو گئی نہ وہ اس کو دیکھتے بھالتے تھے اور نہ شرط خیار کرتے تھے کہ اس کو دیکھنے کے بعد اگر چاہیں گے تو رکھ لیں گے نہیں تو واپس کر دیں گے۔ چونکہ یہ ایک بالکل غلط طریقہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

منابذت کی صورت یہ ہوتی تھی کہ دونوں صاحب معاملہ نے جہاں آپس میں ایک دوسرے کی طرف کپڑا ڈالا بس بیع ہو گئی۔ مبیع کو دیکھنے بھالنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی ایام جاہلیت میں رائج بیع کا ایک طریقہ تھا لہٰذا اس کی ممانعت بھی فرمائی گئی۔

صَمَّاء کے ایک معنی تو وہی ہیں جو ترجمے میں ظاہر کئے گئے لیکن اس کا زیادہ واضح اور مشہور مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص ایک کپڑا لے کر اسے سر سے پاؤں تک اپنے بدن پر اس طرح لپیٹ لے کہ دونوں ہاتھ بھی اس کے اندر لپٹے رہیں اور جسم کہیں سے کھلا نہ رہے، ظاہر ہے کہ اس طرح آدمی بالکل مفلوج و ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

دوسرا پہناوا جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا یہ ہے کہ کوئی شخص کولہوں پر بیٹھ جائے اور دونوں زانوں کو کھڑا کرے اور پھر اپنے زانوں اور کمر کے گرد کوئی کپڑا اس طرح لپیٹ لے کہ ستر کھلا رہے۔ آپ ﷺ نے اس سے اس لئے منع فرمایا کہ اس میں ستر کی پردہ پوشی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر کوئی شخص مذکورہ بالا صورت میں اس طرح کپڑا لپیٹے کہ اس کا ستر چھپا رہے تو پھر یہ ممانعت نہیں رہے گی۔

بطور نکتہ ایک بات ذہن میں رہے کہ زانوں کے گرد ہاتھوں کا حلقہ بنا کر بیٹھنا مسنون ہے۔

بیع حصاۃ اور بیع غرر کی ممانعت

(۲۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ الْحَصَاةِ وَعَنْ بَیْعِ الْغَرَرِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع حصاۃ اور بیع غرر سے منع فرمایا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "بیع حصاۃ" کی صورت یہ ہے کہ خریدار دوکاندار سے کہے کہ جب میں تیری اس چیز (یعنی مبیع) پر کنکری ماردوں تو سمجھ لینا کہ بیع واجب ہوگئی، یا دوکاندار خریدار سے کہے کہ میں نے اپنی چیزوں میں سے وہ چیز تمہیں بیچی جس پر تمہاری پھینکی ہوئی کنکری آکر گرے، یا میں نے یہ زمین وہاں تک تمہارے ہاتھ فروخت کی جہاں تک تمہاری پھینکی ہوئی کنکری جاکر گرے! بیع کا یہ طریقہ ایام جاہلیت میں رائج تھا آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

"بیع غرر" اس بیع کو کہتے ہیں جس میں مبیع (یعنی بیچی جانے والی چیز) مجہول یا بیچنے والے کے قبضہ وقدرت سے باہر ہو جیسے اس مچھلی کو بیچنا جو دریا میں ہو، یا ہوا میں اڑتے ہوئے جانور اور مفرور غلام کو بیچنا۔

بیع حبل الحبلہ کی ممانعت

(۲۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ وَکَانَ بَیْعًا یَتَبَایَعُهُ اَهْلُ الْجَاهِلِیَّةِ کَانَ الرَّجُلُ یَبْتَاعُ الْجَزُوْرَ اِلٰی اَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تُنْتَجُ الَّتِیْ فِیْ بَطْنِهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع حبل الحبلہ (یعنی جانور کا حمل) بیچنے سے منع فرمایا ہے (حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ بیع حبل الحبلہ ایام جاہلیت میں رائج ایک بیع تھی جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کوئی شخص اس وقت تک کے وعدے پر اونٹنی خریدتا تھا جب تک کہ اس کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو اور پھر اس بچے کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو (یعنی وہ اس وعدے پر اونٹنی خریدتا تھا کہ جب اس اونٹنی کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچے کے پیٹ سے بچے پیدا ہوگا تب اس کی قیمت ادا کروں گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: جانور کے حمل کے حمل کی بیع کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک اونٹنی کے پیٹ میں بچہ ہے۔ اب اس کا مالک اس طرح خریدار سے معاملہ کرے کہ اس اونٹنی کے پیٹ سے جو اونٹنی پیدا ہوگی اور وہ اونٹنی جو بچہ دے گی اس کی بیع کرتا ہوں! اس سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ ایک معدوم چیز یعنی اس بچہ کی بیع ہے جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا ہے ظاہر ہے کہ جب کسی جانور کے حمل ہی کو بیچنا جائز نہیں ہے تو اس بچہ کی بیع کیسے جائز ہو سکتی ہے جو اس حمل کے حمل سے پیدا ہو گا۔

بعض حضرات کے نزدیک "بیع حبل الحبلہ" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی حاملہ اونٹنی کو اس وعدے پر بیچے کہ اس کی قیمت اس وقت ادا ہوگی جب وہ بچہ جنے گی۔ حضرت ابن عمرؓ نے یہی مطلب مراد لیا ہے جیسا کہ روایت کے آخر میں و کان مبیعا الخ سے انہوں

نے خود اس کی وضاحت کی ہے۔

نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت لینے کی ممانعت

(۲۲) وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت وصول کرنے سے منع فرمایا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: نر جانور خواہ اونٹ ہو خواہ گھوڑا اور خواہ کوئی اور جانور اس کو مادہ پر چھوڑنے کے لئے کسی کو دینا اور اس کی اجرت وصول کرنا منع ہے کیونکہ اس میں ایک ایسے کام کی اجرت وصول کرنا لازم آتا ہے جس کا وقوع پذیر ہونا متیقن نہیں ہوتا۔ بایں طور کہ نر جانور کبھی تو جست کر جاتا ہے اور کبھی جست نہیں کرتا اسی طرح مادہ کبھی تو بار آور ہوتی ہے اور کبھی نہیں، اسی لئے اکثر صحابہؓ اور فقہاء نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ ہاں نر جانور کو مادہ پر جست کرنے کے لئے عاریۃً دینا مستحب ہے۔ البتہ عاریۃً دینے کے بعد اگر مادہ کا مالک اپنی طرف سے اسے کچھ بطریق انعام دے تو اس کو قبول کر لینا درست ہے۔

پانی بیچنے کی ممانعت

(۲۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ ضِرَابِ الْجَمَلِ وَعَنْ بَيْعِ الْمَاءِ وَالْاَرْضِ لِتُحْرَثَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اونٹ کو جفتی کے لئے کرایہ پر دینے اور پانی و زمین کو کاشت کے لئے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "زمین و پانی کو کاشت کے لئے بیچنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین اور وہ پانی جو اس زمین سے متعلق ہو کسی شخص کو اس شرط کے ساتھ دے کہ یہ زمین پانی تو میرا ہے اور تخم اور محنت تمہاری ہے زمین کو جوتو بوؤ اس میں سے جو کچھ پیدا ہوگا اس کا اتنا حصہ مثلاً تہائی یا چوتھائی میں لے لوں گا اس کو "مخابرت" کہتے ہیں۔ مخابرت کے بارے میں تفصیلی حکم حضرت جابرؓ کی گذشتہ روایت (نمبر ۲) کی تشریح میں بیان کی جا چکا ہے۔

ضرورت سے زائد پانی کو بیچنے کی ممانعت

(۲۴) وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی ضرورت سے زائد پانی کو بیچنے سے منع فرمایا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: یعنی اگر کسی شخص کی ملکیت میں اتنا پانی ہو جو اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد بچ جائے اور دوسرے لوگ اس کے حاجت مند ہوں تو اس بچے ہوئے پانی کو روکنا اور ضرورت مند لوگوں کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ وہ پانی انہیں مفت ہی دے دینا چاہئے لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ ان لوگوں کی ضرورت کا تعلق اس پانی کو خود پینے یا جانوروں کو پلانے سے ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے کھیتوں یا درختوں کو سیراب کرنے کے لئے وہ پانی چاہے تو پھر مالک کے لئے جائز ہے کہ وہ اس پانی کو بغیر معاوضے کے نہ دے۔

(۲۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَاعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُبَاعَ بِهِ الْكَلَاءُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اپنی ضرورت سے زائد پانی کو نہ بیچو کہ اس کی وجہ سے گھاس کا بکنا لازم آئے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: پانی کے بیچنے سے گھاس کا بکنا اس طرح لازم آتا ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے شخص کے پانی کے گرد اپنے جانوروں کو

چرائے اور ظاہر ہے کہ وہ جانور چرنے کے بعد پانی ضرور پئیں گے لیکن چونکہ پانی کا مالک کسی دوسرے کے جانوروں کو بلا قیمت پانی پینے نہیں دیتا اس لئے لامحالہ وہ شخص اس بات کے لئے مجبور ہوگا کہ پانی خریدے اور اپنے جانوروں کو پلائے اس طرح پانی کا بیچنا دراصل گھاس کا بیچنا ہوگا اور یہ معلوم ہی ہے کہ گھاس بیچنی جائز نہیں ہے۔

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ ممانعت آیا تحریمی ہے یا تنزیہی؟ بعض تو تحریمی کے قائل ہیں اور بعض تنزیہی کے، لیکن زیادہ صحیح یہی ہے کہ یہ ممانعت تنزیہی ہے۔

فریب دہی سے بچو

(۲۶) وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّعَلٰى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَاَدْخَلَ يَدَهُ فِيْهَا فَنَالَتْ اَصَابِعُهُ بَلَلًا فَقَالَ مَا هٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ قَالَ اَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰى يَرَاهُ النَّاسُ۔ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ ایک ڈھیر کے پاس سے گذرے اور اپنا ہاتھ اس ڈھیر میں داخل کیا تو آپ ﷺ کی انگلیوں کو کچھ تری محسوس ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا اے غلے کے مالک! یہ تری کیسی ہے یعنی ڈھیر کے اندر یہ تری کہاں سے پہنچی اور تم نے غلہ کو تر کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس تک بارش کا پانی پہنچ گیا تھا (جس کی وجہ سے غلہ کا کچھ حصہ تر ہوگیا ہے میں نے قصداً تر نہیں کیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا "تو پھر تم نے غلہ کو اوپر کی جانب کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ اس کو دیکھ لیتے (اور کسی فریب میں مبتلا نہ ہوتے) یاد رکھو! جو شخص فریب دے وہ مجھ سے نہیں ہے (یعنی میرے طریقہ پر نہیں ہے)۔" (مسلمؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

بیع ثنیا کی ممانعت

(۲۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الثُّنْيَا اِلَّا اَنْ يُّعْلَمَ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع ثنیا یعنی استثناء کرنے سے منع فرمایا ہے الا یہ کہ مقدار متعین کردی جائے۔"

(ترمذیؒ)

تشریح: کوئی شخص اپنی کوئی چیز کسی کو بیچتے وقت یہ کہے کہ میں نے یہ چیز تمہارے ہاتھ بیچی مگر اس میں سے کچھ حصہ میں نے نہیں بیچا۔ پس مبیع میں سے کچھ حصہ کا استثناء کرنا ثنیا کہلاتا ہے، شارع نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں مقدار معین نہیں ہوتی۔ ہاں اگر مبیع کی کوئی مقدار معین کر کے مستثنیٰ کی جائے مثلاً بیچنے والا اس طرح کہے کہ میں نے تمہیں یہ چیز فروخت کی مگر اس کی اتنی مقدار جیسے چوتھائی یا تہائی اور یا اتنے سیر اتنے من میں نے اپنے لئے مستثنیٰ کر لیا ہے جو فروخت نہیں کر رہا ہوں تو یہ جائز ہے۔

پھل اور کھیتی پکنے کے بعد ہی فروخت کی جائے

(۲۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْعِنَبِ حَتّٰى يَسْوَدَّ وَعَنْ بَيْعِ الْحَبِّ حَتّٰى يَشْتَدَّ هٰكَذَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ

عَنْ اَنَسٍ وَالزِّيَادَةُ الَّتِيْ فِي الْمَصَابِيْحِ وَهِيَ قَوْلُهُ نَهٰى عَنْ بَيْعِ التَّمْرِ حَتّٰى تَزْهُوَ اِنَّمَا ثَبَتَتْ فِيْ رِوَايَتِهِمَا عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى تَزْهُوَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ

حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے انگور کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ سیاہ نہ ہو جائے (یعنی پک نہ جائے) اسی طرح آپ ﷺ نے غلہ کو بھی اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ سخت نہ ہو جائے (یعنی قابل انتفاع نہ ہو جائے) اس روایت کو ترمذیؒ اور ابوداؤد نے حضرت انسؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور صاحب مصابیح نے اس روایت میں یہ الفاظ "آپ ﷺ نے کھجور کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ خوش رنگ نہ ہو جائے۔" جو مزید نقل کئے ہیں وہ ترمذیؒ وابوداؤد میں (حضرت انسؓ سے منقول نہیں ہیں بلکہ) حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہیں اور وہ بھی اس طرح ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ "آنحضرت ﷺ نے کھجور کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ خوش رنگ نہ ہو جائے" امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: روایت کے آخر میں مشکوٰۃ کے مؤلف نے مصابیح کے مؤلف حضرت امام بغویؒ پر دو اعتراض وارد کئے ہیں اول تو یہ کہ روایت میں مذکورہ بالا مزید الفاظ کا ناقل انہوں نے حضرت انسؓ کو بتایا ہے جب کہ یہ الفاظ حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہیں۔ دوم یہ کہ انہوں نے ان مزید الفاظ میں بیع التمر نقل کیا ہے جب کہ اصل روایت میں بیع النخل ہے۔

ادھار کو ادھار کے ساتھ بیچنے کی ممانعت

(۲۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْكَالِيءِ بِالْكَالِيءِ۔ (رواہ الدارقطنی)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ادھار کو ادھار کے ساتھ بیچنے سے منع فرمایا ہے۔" (دار قطنیؒ)

تشریح: لفظ "كالي ء" ہمزہ کے ساتھ بھی لکھا پڑھا جاتا ہے اور بغیر ہمزہ یعنی "كالي" بھی استعمال ہوتا ہے دونوں "کلاء" سے مشتق ہیں جس کے معنی ہیں "تاخیر یا ادھار"۔

"ادھار کو ادھار کے ساتھ بیچنے" کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی سے کوئی چیز ایک متعین مدت کے وعدے پر خریدے اور یہ طے ہو جائے کہ خریدار اس چیز کی قیمت جب اگلے ماہ کی فلاں تاریخ کو ادا کرے گا تو بیچنے والا وہ چیز اسے دے دے گا مگر جب وہ متعین تاریخ آ جائے اور اس وقت بھی خریدار قیمت ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو بیچنے والے سے یہ کہے کہ اب اس چیز کو ایک اور مدت کے لئے کچھ زیادہ قیمت پر فروخت کر دو مثلاً اس نے وہ چیز دس روپے میں خریدی تھی اب یہ کہے کہ اسی چیز کو گیارہ روپے میں بیچ دو میں اگلے ماہ کی فلاں تاریخ کو گیارہ روپے ادا کر دوں گا۔ بیچنے والا کہے کہ میں نے بیچ دی، اس طرح یہ معاملہ آپس کے قبضہ کے بغیر طے ہو جائے کہ نہ تو بیچنے والا مبیع دے اور نہ خریدار اس کی قیمت ادا کرے بلکہ مبیع بیچنے والے کے پاس رہے اور قیمت خریدار کے پاس اور خرید و فروخت کا معاملہ طے ہو جائے۔ اس طرح کی بیع کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا کیونکہ یہ ایک ایسی بیع ہے جس میں قبضہ حاصل نہیں ہوتا۔

بعض حضرات نے اس کی ایک دوسری صورت یہ بیان کی ہے کہ مثلاً عمرو کے پاس زید کا ایک کپڑا ہے اور عمرو ہی کے ذمہ بکر کے دس روپے ہیں اب زید بکر سے یہ کہے کہ عمرو کے پاس میرا جو کپڑا ہے اسے میں تمہارے ہاتھ ان دس روپوں کے عوض کہ جو تمہارے عمرو کے ذمہ ہیں بیچتا ہوں میں عمرو سے دس روپے لے لوں گا تم اس سے کپڑا لے لینا اور بکر کہے کہ مجھے یہ منظور ہے۔ یہ بیع بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں بھی قبضہ حاصل نہیں ہوتا۔

بیعانہ یا سائی کا مسئلہ

(۳۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْعُرْبَانِ۔

(رواہ مالک وابوداؤد وابن ماجہ)

"اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے۔"
(مالکؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "بیع عربان" کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی سے کوئی چیز خریدے اور بیچنے والے کو کچھ رقم پیشگی دے دے اور یہ طے کر دے کہ اگر یہ معاملہ مکمل ہو گیا تو یہ رقم قیمت میں مجرا ہو جائے گی اور اگر معاملہ نہ ہوا باایں طور کہ میں پوری قیمت ادا کر کے اس چیز کو اپنے قبضے میں نہ لے سکا تو پھر یہ رقم تمہارے ہی پاس رہے گی میں اسے واپس نہ لوں گا۔ اسے ہماری زبان میں بیعانہ یا سائی کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ شرعی طور پر یہ بیع باطل ہے لیکن حضرت ابن عمرؓ اور امام احمدؒ اس کے جواز کے قائل ہیں، حنفیہ کے ہاں یہ اس صورت میں جائز ہے جب کہ یہ طے ہو کہ اگر معاملہ مکمل ہو جائے تو وہ رقم بیچنے والے کا حق ہو باایں طور کہ وہ قیمت میں مجرا ہو جائے اور اگر معاملہ مکمل نہ ہوا تو پھر وہ خریدار ہی کا حق رہے کہ وہ رقم اسے واپس مل جائے۔

بیع مضطر کی ممانعت

(۳۱) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ اَنْ تُدْرِكَ۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع مضطر سے، بیع غرر سے اور پختہ ہونے سے پہلے پھلوں کی "بیع" سے منع فرمایا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "بیع مضطر" میں "بیع" سے مراد خریدنا ہے یعنی آپ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کسی سے زبردستی کچھ خریدا جائے، کسی سے زبردستی خریدنا بیع فاسد کے حکم میں ہے جو منعقد و نافذ نہیں ہوتی۔

یا پھر "مضطر" سے مراد "محتاج" ہے جو کسی مصیبت کی وجہ سے اپنا سامان بیچنے پر مجبور ہو، مثلاً زید کسی کا قرض دار ہے اور قرض کی ادائیگی کے لئے اسے روپے چاہئیں یا اس پر کوئی مصیبت آپڑی ہے جس کی وجہ سے اسے روپوں کی شدید ضرورت ہے اور وہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے اپنے مال و اسباب میں سے کوئی چیز سستے داموں فروخت کر رہا ہو تو کسی کے لئے مناسب نہیں ہے۔ کہ وہ اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھائے اور اس کا سامان سستے داموں خریدے بلکہ مروت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس مجبور و مضطر کی مجبوری کا خیال کیا جائے۔ اس کا مال سستے داموں نہ خریدا جائے اور ایسے موقع پر اس کی اس طرح مدد کی جائے کہ یا تو اسے کچھ رقم بطور قرض دے دی جائے یا اس کا مال اصل قیمت کے عوض خریدا جائے۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ اس صورت میں بیع فاسد نہیں ہوگی بلکہ صحیح ہوگی لیکن کراہت کے ساتھ صحیح ہوگی، بیع غرر کی وضاحت اسی باب کے گذشتہ صفحات میں کی جا چکی ہے۔ اسی طرح پختہ ہونے سے قبل پھلوں کی بیع کا مسئلہ بھی بیان کیا جا چکا ہے۔

نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت لینا ممنوع ہے

(۳۲) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا مِنْ كِلَابٍ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ فَنَهَاهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نُطْرِقُ الْفَحْلَ فَنُكْرَمُ فَرَخَّصَ لَهٗ فِي الْكَرَامَةِ۔ (رواه الترمذی)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ قبیلہ کلاب میں سے ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے مادہ پر چھوڑنے کے لئے نر کو اجرت پر دینے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے اس کو منع فرمایا (کہ اجرت نہ لو) پھر اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! ہم نر کو عاریۃً دیتے ہیں اور ہمیں اس سلسلے میں بطور انعام کچھ دیا جاتا ہے (یعنی ہم کوئی اجرت مقرر کر کے اپنا نر جانور نہیں دیتے بلکہ عاریۃً دیتے ہیں مگر جانور لے

جانے والا بلا طلب ہمیں بطور انعام کچھ دیتا ہے تو کیا ہم پھر بھی نہ لیں) آنحضرت ﷺ نے اسے انعام لے لینے کی اجازت عطا فرمائی۔"

(ترمذی)

جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع نہ کرو

(۳۳) وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَبِيْعَ مَالَيْسَ عِنْدِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ وَلِاَبِيْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ يَاْتِيْنِي الرَّجُلُ فَيُرِيْدُ مِنِّي الْبَيْعَ وَلَيْسَ عِنْدِيْ فَاَبْتَاعُ لَهُ مِنَ السُّوْقِ قَالَ لَاتَبِعْ مَالَيْسَ عِنْدَكَ۔

"اور حضرت حکیم ابن حزامؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے اس سے منع کیا کہ میں اس چیز کو نہ بیچوں جو میرے پاس نہیں۔"

(ترمذی)

"ترمذی، ابوداؤدؒ اور نسائیؒ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت حکیمؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے ایک ایسی چیز خریدنے کا ارادہ کرتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی تو میں اس چیز کو بازار سے خرید لاتا ہوں (یعنی میں اس چیز کا معاملہ اس سے کر لیتا ہوں پھر وہ چیز بازار سے خرید لاتا ہوں اور اس شخص کے حوالے کر دیتا ہوں) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "تم کسی ایسی چیز کو نہ بیچو جو تمہارے پاس نہیں ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو چیز خرید و فروخت کا معاملہ کرتے وقت اپنی ملکیت میں نہ ہو اسے نہیں بیچنا چاہئے، اب اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اول تو یہ کہ وہ چیز نہ تو اپنی ملکیت میں ہو اور نہ اپنے پاس موجود ہی ہو) اس صورت میں تو اس چیز کی بیع صحیح ہی نہیں ہوگی دوم یہ کہ وہ اپنی ملکیت میں نہیں ہے ایک دوسرا شخص اس کا مالک ہے لیکن ہے اپنے ہی پاس، اس صورت میں بھی مالک کی اجازت کے بغیر اس کی بیع نہیں کرنی چاہئے۔ اور اگر مالک کی اجازت لینے سے پہلے ہی اس کی بیع کر دی جائے گی تو حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے مسلک کے مطابق وہ بیع مالک کی منظوری پر موقوف رہے گی، اگر منظوری دے دے گا تو صحیح ہو جائے گی، نہیں تو کالعدم ہو جائے گی، لیکن حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ بیع سرے سے صحیح ہی نہیں ہوگی مالک خواہ منظوری دے یا نہ دے۔

پہلی صورت کے حکم میں اس چیز کی بیع داخل ہے جس پر قبضہ حاصل نہ ہوا ہو یا وہ چیز گم ہو گئی ہو، یا مفرور ہو جیسے غلام وغیرہ اور یا اس کو خریدار کے حوالے کرنے پر قادر نہ ہو، جیسے ہوا میں اڑتا ہوا جانور اور وہ مچھلی جو ابھی پانی (یعنی دریا وغیرہ سے نہ نکالی گئی ہو) لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ ممانعت "بیع السلم" کے علاوہ صورت میں ہے کیونکہ بیع السلم متعینہ و معروف شرائط کے ساتھ بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک جائز ہے، بیع السلم اور اس کی شرائط کا تفصیلی ذکر انشاء اللہ باب السلم میں کیا جائے گا۔

ایک بیع میں دو بیع نہ کرو

(۳۴) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ۔ (رواہ مالک والترمذی وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔" (مالکؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: "ایک بیع میں دو بیع" کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ کوئی شخص کسی سے یوں کہے کہ مثلاً میں اپنی جنس ایک ہزار روپیہ کے عوض تمہارے ہاتھ بیچتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ تم اپنا گھوڑا پانچ سو روپے کے عوض میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ اس طرح کی بیع درست نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی سے کہے کہ میں اپنا گھوڑا تمہارے ہاتھ پانچ سو روپے نقد میں اور سات سو روپے ادھار

میں بیچتا ہوں۔ یہ بھی ناجائز ہے بشرطیکہ کوئی ایک امر طے نہ ہو اور خریدار کو اختیار حاصل رہے کہ چاہے تو اسی وقت پانچ سو روپے دے کر گھوڑا لے لے اور چاہے بعد میں سات سو روپے دے۔ اور اگر ایک امر طے ہو جائے اور معاملہ مجمل نہ رہے یعنی یہ اسی وقت طے ہو جائے کہ نقد لیا یا ادھار لیا تو پھر یہ معاملہ درست ہو گا۔

(۳۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِىْ صَفْقَةٍ وَاحِدَةٍ۔ (رواه فی شرح السنۃ)

"اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد (شعیبؒ) سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک معاملے میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔" (شرح السنۃ)

تشریح: یہ حدیث اور اوپر کی حدیث ہم معنی ہیں جو تشریح اوپر کی حدیث میں کی گئی ہے وہی اس حدیث کی بھی ہے۔

بیع کو قرض کے ساتھ نہ ملاؤ

(۳۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ وَلَا شَرْطَانِ فِىْ بَيْعٍ وَلَا رِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ وَلَا بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِىُّ وَقَالَ التِّرْمِذِىُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ ناقل ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قرض اور بیع (ایک دوسرے سے متعلق کر کے) حلال نہیں، بیع میں دو شرطیں کرنی درست نہیں، اس چیز سے نفع اٹھانا درست نہیں جو ابھی اپنے ضمان (قبضہ) میں نہیں آئی، اور اس چیز کو بیچنا جائز نہیں جو تمہارے پاس (یعنی تمہاری ملکیت میں) نہیں ہے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے)

تشریح: "قرض اور بیع حلال نہیں" کا مطلب یہ ہے کہ قرض اور بیع کے دو الگ الگ معاملوں کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک نہ کرنا چاہئے مثلاً کوئی شخص کسی کے ہاتھ اس شرط کے ساتھ کوئی چیز بیچے کہ تم مجھے اتنے روپے قرض دینا۔ یہ جائز نہیں ہے یا یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ مثلاً کوئی شخص کسی کو کچھ روپے بطور قرض دے اور اسی کے ساتھ اپنی کوئی چیز اس قرض دار کے ہاتھ اصل قیمت سے زائد پر بیچے۔ یہ حرام ہے، کیونکہ اس صورت میں ظاہر ہے کہ خریدار اس چیز کی زائد قیمت محض اس لئے ادا کرے گا کہ اس نے بیچنے والے سے قرض لیا ہے اور یہ بالکل صاف مسئلہ ہے کہ جو بھی قرض کوئی نفع حاصل کرے وہ حرام ہے، چونکہ یہ سود خواروں کا نکالا ہوا ایک حیلہ ہے اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

"بیع میں دو شرطیں کرنی درست نہیں" کا مطلب یہ ہے کہ ایک بیع میں دو بیع نہ کرے جس کی وضاحت اوپر کی حدیث میں کی جا چکی ہے۔ لیکن بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیچنے والا اپنی کوئی چیز دو شرطوں کے ساتھ نہ بیچے مثلاً وہ خریدار سے یوں کہے کہ میں نے یہ کپڑا تمہارے ہاتھ دس روپے میں بیچا بایں شرط کہ میں اس کپڑے کو دھلوا بھی دوں گا۔ یہ ناجائز ہے اس صورت میں کہا جائے گا کہ حدیث میں دو شرطوں کی قید محض اتفاقی ہے ویسے بیع میں ایک شرط بھی جائز نہیں ہے۔

"اس چیز سے نفع اٹھانا جو ابھی اپنے ضمان میں نہیں آئی" کا مفہوم یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی سے کوئی چیز خریدی مگر وہ چیز ابھی خریدار کے قبضے میں نہیں آئی ہے اس عرصے میں بیچنے والے نے اس چیز کا کرایہ وصول کیا، اب اگر خریدار چاہے کہ یہ چیز چونکہ میں نے خریدی ہے، اس لئے میری خریداری کے بعد اس چیز کو جو کرایہ بیچنے والے کی ذمہ داری میں ہے فرض کیجئے اگر وہ چیز ضائع ہو جاتی ہے تو اس کا نقصان بیچنے والے ہی کو برداشت کرنا ہو گا۔ خریدار کا کچھ بھی نہ جائے گا۔ اسی طرح اگر اس چیز سے کوئی نفع حاصل ہوا ہے تو وہ بھی بیچنے والے ہی کا حق ہے خریدار کا اس پر کوئی حق نہیں ہے۔

ادائیگی قیمت میں سکہ کی تبدیلی جائز ہے

(۳۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ اَبِيْعُ الْاِبِلَ بِالنَّقِيْعِ بِالدَّنَانِيْرِ فَاٰخُذُ مَكَانَهَا الدَّرَاهِمَ وَاَبِيْعُ بِالدَّرَاهِمِ فَاٰخُذُ مَكَانَهَا الدَّنَانِيْرَ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ لَابَأْسَ اَنْ تَاْخُذَهَا بِسِعْرِ يَوْمِهَا مَالَمْ تَفْتَرِقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْئٌ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نقیع میں (جو مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے) اونٹوں کو دیناروں کے عوض بیچا کرتا تھا اور دیناروں کے بدلے درہم لے لیا کرتا تھا اسی طرح جب اونٹوں کو درہم کے عوض بیچا تو درہم کے بدلے دینار لے لیا کرتا تھا۔ پھر (جب) میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (کہ تم دینار کے بدلے درہم اور درہم کے بدلے دینار لے لو) جب کہ نرخ اس دن کے مطابق ہو اور تم دونوں ایک دوسرے سے اس حال میں جدا ہو کہ تمہارے درمیان کوئی چیز نہ ہو۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: "درہم اور دینار" دو سکوں کے نام ہیں۔ درہم چاندی کا ہوتا ہے اور دینار سونے کا۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی سے کوئی چیز روپے کے عوض خریدے اور روپے کے بدلے اشرفیاں دے دے یا کوئی چیز اشرفیوں کے عوض خریدے اور اشرفیوں کے بدلے روپے دے دے تو جائز ہے۔

"اس دن کے نرخ" کی قید استحبابی ہے یعنی مستحب و مناسب یہ ہے کہ اس دن کے نرخ کا لحاظ رکھا جائے ورنہ تو جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے یہ جائز ہے کہ جس نرخ سے چاہے لے۔

"تمہارے درمیان کوئی چیز نہ ہو" میں "کوئی چیز" سے مراد "مبیع یا قیمت اور یا دونوں پر قبضہ نہ ہونا ہے مطلب یہ ہے کہ درہم و دینار کو آپس میں بدلنا بایں شرط جائز ہے جس مجلس میں خرید و فروخت کا معاملہ ہو اسی مجلس میں فریقین اپنی اپنی چیز پر قابض ہو جائیں تاکہ اس کے برخلاف ہونے کی صورت میں نقد کی بیع ادھار کے ساتھ لازم نہ آئے جو ربوٰی کی ایک شکل ہونے کی وجہ سے حرام ہے، چنانچہ حضرت شیخ علی متقیؒ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جب مکہ معظمہ میں اپنے خادم کو بازار بھیجتے تو اسی حدیث کے پیش نظر اسے بطور خاص یہ نصیحت کرتے کہ خبردار! باہمی قبضہ کرنے میں معاملہ دست بدست کرنا، درمیان میں فرق واقع نہ ہو۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ درہم (سکہ خلقی ہونے کی وجہ سے) چونکہ غیر متعین ہے اس لئے اگر کوئی شخص دوکاندار کو ایک درہم دکھا کر کہے کہ اس کے عوض فلاں چیز میرے ہاتھ بیچ دو اور پھر جب دوکاندار وہ چیز اسے بیچ دے تو اس درہم کی بجائے دوسرا درہم دے دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ دونوں درہم مالیت میں یکساں ہوں۔

آپ ﷺ سے متعلق ایک بیعانہ کا ذکر

(۳۸) وَعَنِ الْعَدَّاءِ بْنِ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ اَخْرَجَ كِتَابًا هٰذَا مَا اشْتَرَى الْعَدَّاءُ بْنُ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرٰى مِنْهُ عَبْدًا اَوْاَمَةً لَادَاءَ وَلَا غَائِلَةَ وَلَا خِبْثَةَ بَيْعُ الْمُسْلِمِ الْمُسْلِمَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت عداء ابن خالد ابن ہوذہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک تحریر نکال کر دکھائی جس میں یہ لکھا تھا کہ "یہ بیع نامہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ اور عداء بن خالد بن ہوذہ کی خریداری سے متعلق ہے۔ عداء نے محمد ﷺ سے ایک غلام یا لونڈی خریدی، جس میں کوئی بیماری نہیں ہے کوئی بدی نہیں ہے اور کوئی برائی نہیں ہے، عداء نے اس کو اس طرح خریدا ہے جس طرح ایک مسلمان ایک مسلمان سے خریدتا ہے۔" (امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: "ایک غلام یا لونڈی خریدی" میں لفظ "یا" راوی کے شک کو ظاہر کر رہا ہے، یعنی حدیث کے کسی راوی کو شک ہوا ہے کہ اس بیع نامہ میں غلام لکھا ہوا تھا یا لونڈی؟

"جس میں کوئی بیماری نہیں ہے" میں بیماری سے مراد جنون، جذام اور کوڑھ جیسے موذی امراض ہیں۔ اسی طرح "کوئی بدی نہیں ہے" میں بدی سے مراد وہ عیب ہے جو خریدار کے مال کے نقصان وہلاکت کا باعث بنے جیسے غلام کا چور ہونا یا بھگوڑا ہونا۔

"اور کوئی برائی نہیں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اس کی خلقت وجبلت میں ایسی کوئی برائی نہیں ہے جس سے بڑے اور غلط اخلاق وافعال پیدا ہوں جیسے اس کا ولد الزنا ہونا یا فاسق یا جھوٹا اور یا جواری ہونا۔

آخری جملے "ایک مسلمان ایک مسلمان سے خریدتا ہے" سے رعایت وخیر خواہی اور حقوق اسلام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی تعلیم کا یہ تقاضہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ہاتھ ہر معاملہ وعقد میں رعایت وخیر خواہی، مروت وہمدردی اور ان حقوق کا جو ایک مسلمان کے تئیں دوسرے مسلمان پر عائد ہوتے ہیں پورا پورا لحاظ رکھے، بہرکیف مذکورہ بالا تحریر کا حاصل یہ ہوا کہ یہ غلام اچھا ہے اس میں کوئی عیب نہیں ہے، اور خرید وفروخت کے اس معاملہ میں فریقین نے ایک دوسرے کے ساتھ کوئی دغا اور فریب نہیں کیا ہے۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے کیونکہ یہ حدیث عباد ابن لیث کی سند کے علاوہ کسی سند سے ثابت نہیں ہے، نیز محدثین کے نزدیک عباد، روایت حدیث میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد کوئی بیع نہیں کی ہے اور اگر آپ ﷺ نے کوئی بیع کی ہے تو وہ شاذ ونادر کے درجے کی چیز ہے ہاں ہجرت سے پہلے آپ ﷺ بیع وشراء دونوں کرتے تھے۔

بخاری میں یہ حدیث یوں ہے۔ هٰذَا مَا اشْتَرٰى مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَدَّاءِ بْنِ خَالِدٍ (یعنی یہ بیع نامہ ہے جو عداء ابن خالد سے محمد رسول ﷺ کی خریداری سے متعلق ہے) گویا بخاری کی روایت سے یہ معلوم ہوا کہ خریدار تو آنحضرت ﷺ تھے اور بیچنے والے عداء ابن خالدؓ جب کہ یہاں جو روایت نقل کی گئی ہے وہ اس کے برعکس ہے کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عداء ابن خالدؓ خریدار تھے اور آنحضرت ﷺ بیچنے والے۔

بطریق نیلام بیع جائز ہے

(۳۹) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاعَ حِلْسًا وَقَدَحًا فَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِيْ هٰذَا الْحِلْسَ وَالْقَدَحَ فَقَالَ رَجُلٌ اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ فَاَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ۔ (رواہ الترمذی والبوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ بیچنے لگے تو فرمایا کہ اس ٹاٹ اور پیالہ کا خریدار کون ہے؟ (جو خریدنا چاہتا ہو وہ اس کی قیمت لگائے) ایک شخص نے عرض کیا کہ "میں ان دونوں چیزوں کو ایک درہم کے عوض لے سکتا ہوں"۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ "ایک درہم سے زیادہ قیمت دینے والا کوئی ہے؟ چنانچہ ایک دوسرے شخص نے آپ ﷺ کو دو درہم پیش کئے اور آپ ﷺ نے وہ دونوں چیزیں اس شخص کے ہاتھ دو درہم کے عوض فروخت کر دیں۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: اس بیع کا اصل واقعہ یوں ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کے سامنے دست سوال دراز کیا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ ﷺ اسے کچھ عنایت فرما دیں تاکہ وہ اپنا پیٹ بھر سکے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ سامان بھی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ "جی نہیں میرے پاس کوئی سامان نہیں ہے ہاں ٹاٹ کا ایک ٹکڑا اور ایک پیالہ ضرور پڑا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

پھر ان دونوں چیزوں کو بیچ دو اور اس کی قیمت کے طور پر جو کچھ وصول ہو اس سے اپنا پیٹ بھرو اس کے بعد جب تمہارے پاس کچھ بھی نہ رہ جائے تب صدقہ وخیرات مانگو، چنانچہ وہ شخص دونوں چیزیں لے آیا اور آپ ﷺ نے مذکورہ بالا طریقے پر (گویا بصورت نیلام) ان چیزوں کو فروخت فرمایا۔ بیع کی صورت کو عربی میں "بیع من یزید" اور "حراج" کہتے ہیں شرعی طور پر یہ بیع درست ہے۔

اب رہی یہ بات کہ شارع نے چونکہ اس سے منع کیا ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی چیز کے دام نہ لگائے جس کے دام کسی دوسرے شخص کی جانب سے لگ رہے ہوں، تو بیع کی یہ صورت کیسے جائز ہوگی؟ تو اس بارے میں سمجھ لینا چاہئے کہ دام پر دام لگانے کی ممانعت کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ بیچنے والا اور خریدار دونوں ہی کسی ایک دام پر راضی ہوگئے ہوں اور معاملہ طے پا گیا ہو، ایسی صورت میں اب کسی دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس بیع میں مداخلت کرے اور اپنی طرف سے بھی دام لگانے لگے، لیکن یہاں بیع کی جو صورت ذکر کی گئی اس کی نوعیت بالکل دوسری ہے، اس بیع میں تو بیچنے والے کا ارادہ ہی یہ ہوتا ہے کہ جو سب سے زیادہ دام لگائے گا اسی کو چیز دی جائے گی چنانچہ نیلام میں یہی ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر دام لگاتے رہتے ہیں، جس شخص کی آخری بولی ہوتی ہے اسی کے ہاتھ چیز بیچ دی جاتی ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ معاملات یعنی بیچنے والے کا چیز دینا اور خریدار کا قیمت دے دینا کافی ہے اگرچہ وہ دونوں منہ سے کچھ نہ کہیں یعنی زبانی ایجاب و قبول نہ ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عیب دار چیز دھوکہ سے بیچنے والے کے لئے وعید

(٤٠) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُنَبِّهْهُ لَمْ يَزَلْ فِیْ مَقْتِ اللّٰهِ اَوْلَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَلْعَنُهُ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"حضرت واثلہ ابن اسقعؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول کریم ﷺ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی عیب دار چیز کو اس طرح بیچے کہ "اس کے عیب سے خریدار کو مطلع نہ کرے تو وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں رہتا ہے۔ یا یہ فرمایا کہ اس پر فرشتے ہمیشہ لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔"

(ابن ماجہؒ)

باب

گذشتہ باب کے متعلقات کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پھلدار درخت کی بیع کا مسئلہ

(١) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ نَخْلًا بَعْدَ اَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَمَنِ ابْتَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُهُ لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَى الْبُخَارِیُّ الْمَعْنَى الْاَوَّلَ وَحْدَهُ۔

"حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر کسی شخص نے تابیر کئے ہوئے کھجور کا درخت خریدا تو اس کا پھل بیچنے والے کا ہے الا یہ کہ خریدنے والا پھل مشروط کر دے، اسی طرح اگر کسی شخص نے کوئی ایسا غلام خریدا جس کے پاس مال ہو تو اس کا وہ مال بیچنے والے

کا ہے۔ (مسلمؒ) بخاری نے اس حدیث کا صرف پہلا جزو یعنی من ابتاع نخلا نقل کیا ہے۔"

تشریح: "تابیر" کی صورت یہ ہے کہ کھجور کے نر درخت کا پھول، کھجور کے مادہ درخت میں رکھدیتے ہیں، عربوں کا اعتقاد تھا کہ اس وجہ سے زیادہ پھل پیدا کرتا ہے۔

حدیث بالا میں ایسے ہی درخت کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص تابیر کیا ہوا درخت خریدے اور خریداری کے وقت اس درخت پر پھل لگے ہوئے ہوں تو وہ بیچنے والے کے ہوتے ہیں ہاں اگر خریدار خریداری کے وقت یہ طے کرے کہ میں اس درخت کو اس کے پھل سمیت خریدتا ہوں تو پھر وہ پھل خریدار کے ہوں گے۔ حنفیہ کے نزدیک بغیر تابیر کئے ہوئے درخت کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ بغیر تابیر کئے ہوئے درخت کا پھل بیع میں شامل نہیں ہے بلکہ یہ میرے ہوں گے تو پھر اس صورت میں وہ بیچنے والے کے ہوتے ہیں۔

غلام چونکہ کسی مال کا مالک نہیں ہوتا اس لئے حدیث میں اس کی طرف مال کی ملکیت کی نسبت ظاہر کے اعتبار سے ہے کہ اگر بیع کے وقت اس کے ہاتھ میں کوئی مال ہو تو وہ مال بیچنے والے کا ہے۔ ہاں اگر خریدار اس مشروط طریقہ پر اسے خریدے کہ غلام کی خریداری میں یہ مال بھی شامل ہے جو اس کے ہاتھ میں ہے تو اس صورت میں وہ مال خریدار کا ہوگا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ غلام کی بیع کے وقت وہ کپڑے جو اس کے جسم پر ہوں بیع میں داخل نہیں ہوتے الا یہ کہ خریدار ان کپڑوں سے بیع کو مشروط کر دے، حنفیہ کے بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ کپڑے بیع میں داخل ہوتے ہیں، بعض علماء کا یہ قول ہے کہ صرف اسی قدر بیع میں داخل ہوتے ہیں جو ستر پوشی کے لئے کافی ہوں۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ حدیث کے ظاہر مفہوم کے مطابق اس کا کوئی بھی سامان اور سامان (یعنی کپڑے وغیرہ) کا کوئی بھی حصہ بیع میں داخل نہیں ہوتا۔

مشروط بیع کا مسئلہ

(۲) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ كَانَ يَسِيْرُ عَلٰى جَمَلٍ لَهٗ قَدْ اَعْيٰى فَمَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٖ فَضَرَبَهٗ فَسَارَ سَيْرًا لَيْسَ يَسِيْرُ مِثْلَهٗ ثُمَّ قَالَ بِعْنِيْهِ بِوُقِيَّةٍ قَالَ فَبِعْتُهٗ فَاسْتَثْنَيْتُ حُمْلَانَهٗ اِلٰى اَهْلِيْ فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ اَتَيْتُهٗ بِالْجَمَلِ وَ نَقَدَنِيْ ثَمَنَهٗ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَعْطَانِيْ ثَمَنَهٗ وَرَدَّهٗ عَلَيَّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ اَنَّهٗ قَالَ لِبِلَالٍ اِقْضِهٖ وَزِدْهُ فَاَعْطَاهُ وَزَادَهٗ قِيْرَاطًا۔

"اور حضرت جابرؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ (ایک سفر کے دوران جب کہ وہ مدینہ آرہے تھے) اپنے اونٹ پر سوار چل رہے تھے اور وہ (اتنا) تھک گیا تھا (کہ چلنے سے معذور ہو رہا تھا) چنانچہ رسول کریم ﷺ جب جابرؓ کے قریب سے گذرے تو آپ ﷺ نے ان کے اونٹ کو لکڑی سے یا اس چابک سے جو آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھا) مارا پھر تو وہ (آپ ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے) اتنی تیز رفتاری سے چلا کہ پہلے کبھی اتنی تیز رفتاری سے نہ چلا تھا، پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ تم اس اونٹ کو میرے ہاتھ ایک وقیہ کے عوض بیچ دو! حضرت جابرؓ نے کہا کہ میں نے یہ اونٹ آپ ﷺ کے ہاتھ بیچ دیا لیکن میں اپنے گھر تک اس پر سواری کو مستثنیٰ کرتا ہوں یعنی میں اس شرط کے ساتھ اس کو فروخت کرتا ہوں۔ کہ اپنے گھر تک اسی اونٹ پر سوار ہو کر جاؤں گا۔ چنانچہ (حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) جب میں مدینہ آیا تو وہ اونٹ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ نے مجھے اس کی قیمت عطا فرمادی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے قیمت عطا فرمائی اور اونٹ واپس کر دیا یعنی اس کی قیمت بھی دی اور اونٹ بھی عطا فرمادیا (بخاری و مسلمؒ)۔ بخاریؒ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "جب حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ کو اونٹ دیا تو" آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ جابرؓ کو اونٹ کی قیمت دے دو کچھ زیادہ بھی دے دو، چنانچہ حضرت بلالؓ نے انہیں اونٹ کی قیمت بھی دی، اور

ایک قیراط (جو درہم کا چھٹا حصہ ہوتا تھا) زیادہ بھی دیا۔"

تشریح: وقیہ کہ جسے اوقیہ بھی کہا جاتا ہے چالیس ۴۰ درہم یعنی ساڑھے دس تولہ (۱۲۲ء۴۷ گرام) چاندی کے بقدر ہوتا ہے۔ فاستثنیت حملانہ الی اھلی سے حضرت جابرؓ کا مطلب یہ تھا کہ میں اس اونٹ کو آپ ﷺ کے ہاتھ اس شرط کے ساتھ بیچتا ہوں کہ مدینہ تک اسی اونٹ پر سوار چلوں گا یا اپنا سامان لاد کرلے چلوں گا۔

لہٰذا اس کے ظاہر مفہوم سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی جانور کو اس شرط کے ساتھ بیچے کہ یہ جانور فلاں مدت تک میرے زیر سواری رہے گا تو جائز ہے، چنانچہ حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے، حضرت امام مالکؒ کے ہاں اتنی قید ہے۔ کہ اگر مسافت نزدیک ہو تو اس شرط کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے چنانچہ یہاں یہی صورت پیش آئی کہ حضرت جابرؓ کو صرف مدینہ تک جانا تھا اس لئے اس کم مسافت کی وجہ سے انہوں نے سواری کی شرط رکھی اور ان کی یہ شرط منظور کی گئی۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے ہاں ایسی کسی بھی شرط کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے جس میں بیچنے والے کا یا خریدنے والے کا نفع ہو خواہ مسافت قریب ہو یا بعید: ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے مشروط بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث کا جواب ان کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ یا تو یہ ایک وقتی رعایت تھی کہ حضرت جابرؓ کو اس مشروط بیع کی بطور خاص اجازت دے دی گئی تھی کسی دوسرے کے لئے یہ جائز نہیں ہے، یا پھر یہ کہ حضرت جابرؓ نے مدینہ تک اپنی سواری کو بیع کرنے کے بعد مشروط کیا ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے اونٹ کی بیع کردی اور آنحضرت ﷺ نے اسے خرید لیا تو اس کے بعد حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ سے یہ رعایت چاہی کہ مجھے مدینہ تک اس پر سوار چلنے یا اپنا سامان لادنے کی اجازت دیدی جائے جسے آنحضرت ﷺ نے منظور کرلیا۔

حق ولاء آزاد کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے

(۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ بَرِيْرَةُ فَقَالَتْ اِنِّيْ كَاتَبْتُ عَلٰى تِسْعِ اَوَاقٍ فِيْ كُلِّ عَامٍ وَقِيَّةٌ فَاَعِيْنِيْنِيْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ اِنْ اَحَبَّ اَهْلُكِ اَنْ اَعُدَّهَا لَهُمْ عُدَّةً وَاحِدَةً وَاُعْتِقَكِ فَعَلْتُ وَيَكُوْنُ وَلَاءُكِ لِيْ فَذَهَبَتْ اِلٰى اَهْلِهَا فَاَبَوْا اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْوَلَاءُ لَهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذِيْهَا وَاَعْتِقِيْهَا ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَاِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ فَقَضَاءُ اللّٰهِ اَحَقُّ وَشَرْطُ اللّٰهِ اَوْثَقُ وَاِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ۔
(متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) بریرہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں نے نو اوقیہ پر اس شرط کے ساتھ مکاتبت کی ہے کہ ہر سال ایک اوقیہ ادا کیا کروں گی، لہٰذا آپ میری مدد کیجئے! حضرت عائشہؓ (کہتی ہیں کہ یہ سن کر میں) نے کہا کہ "اگر تمہارے مالکوں کو یہ پسند ہو کہ میں سب کے سب اوقیے ایک ہی مرتبہ میں انہیں دیدوں اور پھر تجھے آزاد کردوں تو ایسا کرسکتی ہوں لیکن اس صورت میں حق ولاء مجھے حاصل ہوگا۔ بریرہ (یہ سنکر) اپنے مالکوں کے پاس گئی (اور ان کے سامنے یہ صورت رکھی) مگر انہوں نے اسے نامنظور کردیا اور کہا کہ ہم صرف اس شرط کے ساتھ (تجھے) بیچ سکتے ہیں کہ حق ولاء ہمیں حاصل ہو، آنحضرت ﷺ (کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ) نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ تم اسے لیکر آزاد کردو اس کا حق ولاء تمہیں ہی حاصل ہوگا" پھر آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں (یعنی مشروع نہیں ہیں) جو شرط کتاب

اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے اگرچہ وہ سو شرطیں ہوں (یعنی جو شرط ناجائز و نامشروع ہے اسے چاہے کوئی سو ۱۰۰ بار ہی کیوں نہ عائد کرے وہ باطل ہی رہے گی اور اس کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی) اور خدا ہی کا حکم سب سے زیادہ اس لائق ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ہی کی شرط سب سے زیادہ مضبوط ہے (یعنی بیع و شراء کے معاملات میں خدا نے جو احکام دیئے ہیں بہر صورت ان ہی کی تعمیل ضروری ہے اور خدا نے جو شرائط مقرر کی ہیں صرف انہی کا لحاظ ضروری ہے اپنی طرف سے عائد کردہ کوئی شرط بھی قابل عمل نہیں ہوگی، جان لو، حق ولاء اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو آزاد کرے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "مکاتبت" غلام اور اس کے مالک کے درمیان ایک خاص نوعیت کے معاہدہ کا اصطلاحی نام ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ غلام کا مالک اسے اس شرط پر آزاد کرتا ہے کہ روپیہ کی اتنی مقدار اتنی مدت میں دینی ہوگی غلام اسے قبول و منظور کر لیتا ہے چنانچہ غلام اگر روپیہ کی وہ مقدار اس متعینہ مدت میں ادا کر لیتا ہے تو اپنے مالک کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے اور اگر وہ مقدار ادا نہیں کر پاتا تو پھر جوں کا توں اس کی غلامی میں رہتا ہے! اس معاملہ کو مکاتبت یا کتابت اور اس غلام کو مکاتب کہتے ہیں۔

"ولاء آزاد کرنے کے اس حق کو کہتے ہیں جو غلام کے مالک کو حاصل ہوتا ہے" یعنی اگر کوئی شخص اپنے کسی غلام کو آزاد کر دے اور وہ آزادی ہی کی حالت میں مر جائے اور اپنے پیچھے کچھ مال و اسباب چھوڑ جائے تو اس کے عصبہ کے نہ ہونے کی صورت میں اس کے تمام مال و اسباب کا حق دار وہی آزاد کرنے والا شخص ہوتا ہے! یہی حق ولاء کہلاتا ہے۔

بریرہ، حضرت عائشہؓ کی لونڈی کا نام ہے، یہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آنے سے پہلے ایک یہودی کی ملکیت میں تھیں جب انہوں نے اپنے مالکوں سے کتابت کی، تو وہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے کہا کہ میں نے اپنے مالکوں سے نو اوقیہ پر اس شرط کے ساتھ کتابت کی ہے کہ ہر سال ایک اوقیہ (جو چالیس درہم کا ہوتا ہے) دیا کروں گی، اب میں آپ کے پاس اس لئے آئی ہوں کہ آپ میری مدد کریں اور مجھے اتنا دے دیں جو میں بدل کتابت کے طور پر اپنے مالکوں کو دیدوں، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اگر تمہارے مالکوں کو پسند ہو تو میں یہ کر سکتی ہوں کہ انہیں یہ نو اوقیہ یک مشت (تمہاری قیمت کے طور پر) انہیں دے دوں اور تمہیں خرید کر آزاد کر دوں (اگر مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو تو اسے بیچنا خریدنا جائز ہے) ظاہر ہے کہ اس صورت میں تمہاری طرف سے حق ولاء مجھے ہی حاصل ہوگا۔ لیکن جب یہ بات بریرہ کے مالکوں کو پہنچی تو انہوں نے اس سے انکار کر دیا کیوں کہ وہ بریرہ کو حضرت عائشہؓ کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرنا چاہتے تھے کہ بریرہ کا حق ولاء ان کو حاصل ہو، چونکہ ان کی یہ شرط کہ بریرہ کو خرید کو آزاد تو کریں عائشہؓ اور حق ولاء پہنچے ان کو بالکل نادانی کی بات تھی اور شرعی طور پر مطلقاً ناجائز، اس لئے جب حضرت عائشہ نے اس کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ ناراض ہوئے اور حدیث میں مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے۔

حق ولاء کو بیچنا یا اس کو ہبہ کرنا ناجائز ہے

④ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ولاء کو بیچنے یا اس کو ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یعنی مثلاً ایک شخص نے اپنے غلام کو آزاد کیا جس کی وجہ سے حق ولاء اس کے لئے ثابت ہو گیا، اب اگر وہ یہ چاہے کہ اس حق ولاء کو کسی کے ہاتھ بیچ دے یا کسی کو ہبہ کر دے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ ولاء کوئی مال نہیں ہے کہ اس کو بیچا یا ہبہ کیا جا سکے، اس بارہ میں تمام علماء کا متفقہ طور پر یہی مسلک ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

جو نقصان کا ذمہ دار ہے وہی نفع کا بھی حق دار ہے

⑤ عَنْ مَخْلَدِ بْنِ خُفَافٍ قَالَ اِبْتَعْتُ غُلَامًا فَاسْتَغْلَلْتُهُ ثُمَّ ظَهَرْتُ مِنْهُ عَلٰی عَیْبٍ فَخَاصَمْتُ فِیْهِ اِلٰی عُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِیْزِ فَقَضٰی لِیْ بِرَدِّهٖ وَقَضٰی عَلَیَّ بِرَدِّ غَلَّتِهٖ فَاَتَیْتُ عُرْوَةَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَرُوْحُ اِلَیْهِ الْعَشِیَّةَ فَاُخْبِرُهٗ اَنَّ عَآئِشَةَ اَخْبَرَتْنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَضٰی فِیْ مِثْلِ هٰذَا اَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ فَرَاحَ اِلَیْهِ عُرْوَةُ فَقَضٰی لِیْ اَنْ اٰخُذَ الْخَرَاجَ مِنَ الَّذِیْ قَضٰی بِهٖ عَلَیَّ لَهٗ رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

"حضرت مخلد ابن خفاف کہتے ہیں کہ میں نے ایک غلام خریدا جس کی کمائی میں وصول کرتا رہا پھر مجھے اس کے ایک ایسے عیب کا علم ہوا جو اس میں خریداری سے پہلے تھا اور بیچنے والے نے مجھے اس سے مطلع نہیں کیا تھا چنانچہ اس غلام کے معاملہ کو میں نے حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ (خلیفہ وقت) کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے مجھے یہ فیصلہ سنایا کہ غلام کو واپس کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی اس کی کمائی بھی واپس کر دی جائے۔ پھر میں حضرت عروہ ابن زبیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا (جو ایک جلیل القدر تابعی اور فقہاء میں سے تھے) اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فیصلہ سے انہیں آگاہ کیا حضرت عروہؒ نے فرمایا کہ میں شام کے وقت حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں جاؤں گا اور ان کو بتاؤں گا کہ حضرت عائشہ نے مجھ سے یہ نقل کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اسی قسم کے ایک معاملہ میں یہ فیصلہ دیا تھا کہ "منفعت" ضمان (یعنی تاوان) کے ساتھ ہے چنانچہ حضرت عروہؒ، حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کے پاس تشریف لے گئے (اور ان کو آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے مطلع کیا، حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے (یہ ارشاد گرامی سننے کے بعد) پھر مجھے یہ حکم دیا کہ میں غلام کی کمائی اس شخص سے لے لوں جسے دینے کے لئے مجھے پہلے حکم دیا گیا تھا۔" (شرح السنۃ)

تشریح: "منفعت" ضمان (یعنی تاوان) کے ساتھ ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اگر وہ غلام، خریدنے والے کے پاس مرجاتا یا اس میں کوئی نقص پیدا ہو جاتا تو ظاہر ہے کہ اس خریدار کا نقصان ہوتا بیچنے والے کا کچھ نہ جاتا اسی طرح غلام سے کوئی منفعت حاصل ہوگی تو اس کا حقدار خریدار ہی ہوگا بیچنے والے کا اس پر کوئی حق نہیں ہوگا"۔

بائع و مشتری کے نزاع کی صورت میں کس کا قول معتبر ہوگا

⑥ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اخْتَلَفَ الْبَیِّعَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِیَارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ۔ وَفِیْ رِوَایَةِ ابْنِ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیِّ قَالَ الْبَیِّعَانِ اِذَا اخْتَلَفَا وَالْمَبِیْعُ قَائِمٌ بِعَیْنِهٖ وَلَیْسَ بَیْنَهُمَا بَیِّنَةٌ فَالْقَوْلُ مَا قَالَ الْبَائِعُ اَوْ یَتَرَادَّانِ الْبَیْعَ۔ (ترمذیؒ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب خریدار اور بیچنے والے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا اور خریدار کو بیع فسخ کر دینے یا باقی رکھنے کا اختیار حاصل ہوگا" (ترمذیؒ) ابن ماجہؒ اور دارمیؒ کی روایت میں یوں ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جب خریدار بیچنے والے کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے اور مبیع (یعنی خریدی جانے والی چیز) جوں کی توں باقی ہو اور ان دونوں کے درمیان کوئی گواہ نہ ہو تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا۔ یا پھر وہ دونوں بیع کو فسخ کر دیں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: خریدار بیچنے والے کے درمیان بسا اوقات اختلاف و نزاع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے کبھی تو یہ اختلاف و نزاع قیمت کے تعین کے سلسلہ میں پیدا ہوتا ہے کہ خریدار کہتا ہے میں نے تم سے اس چیز کا معاملہ دس روپے میں طے کیا ہے اور بیچنے والا کہتا ہے کہ نہیں میں

نے یہ چیز بارہ روپے میں فروخت کی ہے، شرط خیار یا تعین مدت میں اختلاف ہو جاتا ہے اور کبھی ان کے علاوہ دیگر شروط میں نزاع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے ایسے ہی مواقع کے لئے حدیث نے واضح ہدایات کی ہے کہ ان صورتوں میں بیچنے والے کا قول معتبر ہو گا بشرطیکہ اس کا قول قسم کے ساتھ ہو یعنی اس سے کہا جائے گا کہ تم قسم کھاؤ کہ تم نے یہ چیز اس قیمت پر نہیں بیچی ہے جو خریدار بتارہا ہے۔ پھر خریدار کو اختیار ہو گا کہ چاہے تو بیچنے والے کی اس بات پر راضی ہو جائے جو اس نے قسم کھا کر کہی ہے اور بیع کو برقرار رکھے اور چاہے وہ بھی قسم کھائے اور کہے کہ میں نے یہ چیز اس قیمت پر نہیں خریدی ہے جو بیچنے والا بتارہا ہے اور جب دونوں اپنی اپنی بات پر قسم کھائیں گے تو ان کا معاملہ اسی صورت میں باقی رہے گا جب کہ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی بات کو تسلیم کرلے گا، اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے دوسرے فریق کی بات کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہو گا تو پھر آخری درجہ پر قاضی وحاکم کو اختیار ہو گا کہ وہ اس بیع و معاملہ کو فسخ کرادے خواہ بیع (فروخت شدہ چیز) بعینہ باقی ہو یا بعینہ باقی نہ ہو جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ یہ کہتے ہیں کہ اگر مبیع باقی نہ ہو تو پھر دونوں فریق قسم نہ کھائیں بلکہ اس صورت میں خریدار کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا۔

حدیث کے الفاظ اَلْمَبِيْعُ قَائِمٌ ان دونوں کے قول کی تائید کرتے ہیں چنانچہ دوسری روایت (جسے ابن ماجہؒ اور دارمیؒ نے نقل کیا ہے کے الفاظ فالقول ما قال البائع (تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہو گا) کا مطلب بھی حنفی مسلک کے مطابق یہ ہی ہے کہ اگر مبیع بعینہ باقی ہو تو بیچنے والے سے قسم کھلائی جائے اگر وہ قسم کھالے تو خریدار کو اختیار ہو گا کہ چاہے تو بیچنے والے کی بات کو تسلیم کردے اور چاہے خود بھی قسم کھائے یا پھر دونوں فریق بیع کو فسخ کردیں اور اگر اختلاف ونزاع کے وقت مبیع بعینہ باقی نہ ہو تو پھر اس صورت میں قسم کے ساتھ خریدار ہی کا قول معتبر ہو گا بیچنے والے سے قسم نہ کھلائی جائے۔

یہ مسئلہ یہاں اجمالی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ہدایہ میں اسے بہت وضاحت وتفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اہل علم ہدایہ میں یہ تفصیل دیکھ سکتے ہیں۔

اقالہ بیع کا مسئلہ

⑦ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَقَالَ مُسْلِمًا اَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ شُرَيْحٍ الشَّامِیِّ مُرْسَلًا۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص مسلمان کی بیع کو واپس کریگا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ بخش دے گا" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ) اور شرح السنۃ میں یہ روایت ان الفاظ میں ذکر کی گئی ہے جو مصابیح میں شریح شامی سے بطریق ارسال منقول ہیں۔"

تشریح: "اقالہ کا مطلب ہے" بیع کو واپس کردینا یعنی فسخ کردینا۔ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ بیع اور سلم میں قبل قبضہ بھی اور بعد قبضہ بھی اقالہ جائز ہے۔

اس روایت کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے متصل نقل کیا ہے اسی طرح حاکم نے بھی اس روایت کو حضرت ابوہریرہؓ سے متصل ہی نقل کیا ہے لیکن مصابیح میں یہ روایت بطریق ارسال ان الفاظ میں منقول ہے مَنْ اَقَالَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ صَفْقَةً كَرِهَهَا اَقَالَ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (جو شخص مسلمان کی کسی ناپسندیدہ بیع کو واپس کردیگا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ بخش دیگا) چنانچہ مؤلف مشکوۃ نے روایت کے آخری الفاظ کے ذریعہ گویا مصابیح کے مصنف علامہ بغویؒ پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب مصابیح میں اولیٰ کو ترک کیا ہے باین طور کہ ابوداؤد وابن ماجہ کی نقل کردہ یہ متصل روایت تو نقل نہیں کی بلکہ حدیث مرسل نقل کی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

ایک سبق آموز واقعہ

⑧ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرٰی رَجُلٌ مِمَّنْ کَانَ قَبْلَکُمْ عَقَارًا مِنْ رَجُلٍ فَوَجَدَ الَّذِی اشْتَرَی الْعَقَارَ فِیْ عَقَارِهٖ جَرَّةً فِیْهَا ذَهَبٌ فَقَالَ لَهُ الَّذِی اشْتَرَی الْعَقَارَ خُذْ ذَهَبَكَ عَنِّیْ اِنَّمَا اشْتَرَیْتُ الْعَقَارَ وَلَمْ اَبْتَعْ مِنْكَ الذَّهَبَ فَقَالَ بَائِعُ الْاَرْضِ اِنَّمَا بِعْتُكَ الْاَرْضَ وَمَا فِیْهَا فَتَحَاکَمَا اِلٰی رَجُلٍ فَقَالَ الَّذِیْ تَحَاکَمَا اِلَیْهِ اَلَکُمَا وَلَدٌ فَقَالَ اَحَدُهُمَا لِیْ غُلَامٌ وَقَالَ الْاٰخَرُ لِیْ جَارِیَةٌ فَقَالَ اَنْکِحُوا الْغُلَامَ الْجَارِیَةَ وَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِمَا مِنْهُ وَتَصَدَّقُوْا۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ تم سے پہلے (زمانہ کے) لوگوں میں سے ایک شخص نے ایک دوسرے شخص سے زمین کا ایک قطعہ خریدا اور اس کو اپنے تصرف میں لایا اتفاق کی بات کہ جس شخص نے زمین خریدی تھی اس نے اپنی اس خرید کردہ زمین میں ایک ایسا گھڑا پایا جس میں سونا بھرا ہوا تھا، اس نے زمین بیچنے والے سے کہا کہ تم اپنا یہ سونا لے لو کیونکہ میں نے تو صرف زمین خریدی تھی یہ سونا میں نے نہیں خریدا تھا بیچنے والے نے کہا کہ میں نے تمہارے ہاتھ صرف زمین ہی نہیں بیچی تھی بلکہ ہر وہ چیز بیچ دی تھی جو اس زمین میں ہے "اس لئے یہ سونا بھی تمہارا ہے اسے تم ہی رکھو مگر خریدار اس پر تیار نہیں ہوا) یہاں تک کہ دونوں اپنا معاملہ ایک شخص حَکَم و ثالث کے پاس لے گئے اس حَکَم نے (واقعہ کی تفصیل سن کر) ان دونوں سے پوچھا کہ تم دونوں کے ہاں اولاد کیا ہے؟ ان میں سے ایک نے تو کہا کہ میرے ہاں لڑکا ہے اور دوسرے نے کہا کہ میرے ہاں لڑکی ہے۔ حَکَم نے یہ (سن کر) کہا کہ اس لڑکے کا نکاح لڑکی سے کردو اور اس سونے کو اس دونوں پر خرچ کرو اور پھر جو کچھ بچے اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کردو۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کا ہے جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ ان دونوں نے جس شخص کو اپنا حَکَم و ثالث بنایا تھا وہ حضرت داؤد علیہ السلام تھے، چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے صدور فیصلہ میں کمال ذہانت وذکاوت کا ثبوت دیا اور ایسا معتدل و معقول فیصلہ دیا کہ جو نبوت ہی کا خاصہ ہو سکتا ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بیچنے والے اور خریدنے والے کے درمیان صلح صفائی کرانے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ نیز علماء لکھتے ہیں کہ..... مخالف اشخاص میں صلح کرانا قاضی و حاکم کے لئے اسی طرح مستحب ہے جس طرح غیر قاضی کے لئے مستحب ہے۔

بَابُ السَّلَمِ وَالرَّهْنِ

بیع سلم اور رہن کا بیان

"سلم" ایک بیع کا نام ہے جس میں مبیع موجل اور ثمن معجل ہوتا ہے، یعنی خریدی جانے والی چیز بعد میں لی جاتی ہے اور اس کی قیمت پہلے ہی دی جاتی ہے۔

اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ زید نے بکر سے مثلاً ایک سو ۱۰۰ روپے کے عوض دو من گیہوں کی خریداری کا معاملہ کیا، بایں طور کہ زید نے بکر کو ایک سو ۱۰۰ روپے دیدئے اور اس سے طے کر دیا کہ میں اتنی مدت کے بعد اس کے عوض فلاں قسم کے دو من گیہوں تم سے لے لوں گا، اس بیع و معاملہ کو عربی میں "سلم" کہتے ہیں، بعض مواقع پر "سلف" بھی کہا جاتا ہے، اپنی زبان میں اسے "بدھنی" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس بیع کے مشتری یعنی خریدار کو عربی میں "رب سلم" ثمن یعنی قیمت کو "راس المال" بائع یعنی بیچنے والے کو "مسلم الیہ"

اور مبیع یعنی خریدی جانے والی چیز کو "مسلم فیہ" کہتے ہیں۔

یہ بیع شرعی طور پر جائز و درست ہے بشرطیکہ اس کی تمام شرائط پائی جائیں اور تمام شرائط کی تعداد سولہ ۱۶ ہے اس طرح کہ چھ شرطوں کا تعلق تو راس المال یعنی قیمت سے ہے اور دس شرطوں کا تعلق مسلم فیہ یعنی مبیع سے ہے۔

راس المال سے متعلق چھ شرطیں یہ ہیں:

❶ جنس کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ یہ درہم ہیں یا دینار ہیں یا اشرفیاں ہیں۔ اور یا روپے ہیں۔

❷ نوع کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ یہ روپے چاندی کے ہیں یا گلٹ کے ہیں یا نوٹ ہیں۔

❸ صفت کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ روپے کھرے ہیں یا کھوٹے ہیں۔

❹ مقدار کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ یہ روپے سو ۱۰۰ ہیں یا دو سو ۲۰۰ ہیں۔

❺ روپے نقد دینا وعدہ پر نہ رکھنا۔

❻ اور جس مجلس میں معاملہ طے ہوا اس مجلس میں بیچنے والے کا راس المال پر قبضہ کر لینا۔

مسلم فیہ سے متعلق دس شرطیں یہ ہیں:

❶ جنس کو بیان کرنا مثلاً یہ واضح کر دینا کہ مسلم فیہ گیہوں ہے یا جو ہے اور یا چنا ہے۔

❷ نوع کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ گیہوں فلاں قسم یا فلاں جگہ کے ہیں۔

❸ صفت کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ مثلاً گیہوں اچھے ہیں یا خراب ہیں۔

❹ مسلم فیہ کی مقدار کو واضح کرنا کہ مثلاً ایک من ہیں یا دو من ہیں۔

❺ مسلم فیہ کا وزنی یا کیلی یا ذرعی یا عددی ہونا تاکہ اس کا تعین و اندازہ کیا جا سکے۔

❻ مدت کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ یہ چیز اتنی مدت کے بعد مثلاً ایک مہینہ یا دو مہینہ میں یا چار مہینے میں لیں گے لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ کم سے کم مدت ایک مہینہ ہونی چاہئے۔

❼ مسلم فیہ کا موقوف و معدوم نہ ہونا یعنی یہ ضروری ہے کہ مسلم فیہ عقد کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک بازار میں برابر مل سکے تاکہ معدوم کی بیع لازم نہ آئے۔

❽ بیع سلم کا معاملہ بغیر شرط خیار کے طے ہونا، یعنی اس بیع میں خیار بیع کو برقرار رکھنے یا فسخ کر دینے کے اختیار کی شرط نہیں ہونی چاہئے۔

❾ اگر مسلم فیہ ایسی وزن دار چیز ہے جس کی بار برداری دینا پڑے تو اس کے دینے کی جگہ کو متعین کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ میں یہ چیز فلاں جگہ یا فلاں مقام پر دوں گا۔

❿ مسلم فیہ کا ایسی چیز ہونا جو جنس، نوع اور صفت بیان کرنے سے متعین و معلوم ہو جاتی ہو، جو چیز ایسی ہو کہ جنس، نوع اور صفت بیان کرنے سے معلوم و متعین نہ ہوتی ہو جیسے حیوان یا بعض قسم کے کپڑے تو اس میں بیع سلم جائز نہیں۔

بیع سلم کی شرائط صحت

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُسْلِفُوْنَ فِي الثِّمَارِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ وَالثَّلٰثَ فَقَالَ مَنْ اَسْلَفَ فِيْ شَيْءٍ فَلْيُسْلِفْ فِيْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ اِلٰى اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (جب مکہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ پھلوں میں ایک سال دو سال، تین سال کی بیع سلم کیا کرتے تھے (یعنی پیشگی قیمت دیکر کہہ دیا کرتے تھے کہ ایک سال یا دو سال یا تین سال کے بعد پھل پہنچا دینا)

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا "کہ جو شخص کسی چیز کی بیع سلم کرے اسے چاہئے کہ معین پیمانہ معین وزن اور معین مدت کے ساتھ سلم کرے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی بیع سلم کی جارہی ہو اگر وہ پیمانہ سے ناپ کرلی دی جاتی ہے تو اس کا پیمانہ متعین کرنا ضروری ہے کہ یہ چیز دس پیمانے ہوگی یا پندرہ پیمانے اور اگر وہ چیز وزن کے ذریعہ لی دی جاتی ہے تو اس کا وزن متعین کرنا ضروری ہے کہ یہ چیز دس سیر ہوگی یا پندرہ سیر، اسی طرح سلم میں خریدی جانے والی چیز کی ادائیگی کی مدت کا تعین بھی ضروری ہے کہ یہ چیز مثلاً ایک ماہ بعد دی جائے گی یا ایک سال بعد۔

اس حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بیع سلم میں مدت کا تعین بیع کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تعین مدت ضروری اور شرط نہیں ہے۔

ادھار خریدنا اور گروی رکھنا جائز ہے

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِشْتَرٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا مِنْ يَهُوْدِيٍّ اِلٰى اَجَلٍ وَرَهَنَهٗ دِرْعًا لَهٗ مِنْ حَدِيْدٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول ﷺ نے ایک یہودی سے کچھ غلہ ایک متعین مدت کے ادھار پر خریدا اور اپنے لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے اول یہ کہ کوئی چیز ادھار قیمت پر خریدنا اور اس ادھار قیمت کے بدلے اپنی کوئی چیز رہن رکھنا جائز ہے۔ دوم یہ کہ سفر کے علاوہ حضر (یعنی اپنے شہر و مسکن) میں بھی رہن رکھنا جائز ہے اگرچہ قرآن کریم نے جس آیت میں رہن رکھنے کی اجازت دی ہے اس میں سفر کی قید ہے اور وہ آیت یہ ہے وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ۔ (البقرہ ۲:۲۸۳) (یعنی اگر تم کہیں سفر میں ہو اور وہاں دستاویز لکھنے کے لئے) کوئی کاتب نہ پاؤ تو (اطمینان کا ذریعہ) رہن رکھنے کی چیزیں (ہیں) جو (صاحب حق کے) قبضہ میں دے دی جائیں۔

چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ اس آیت میں سفر کی قید محض اتفاقی ہے، رہن رکھنا جس طرح سفر میں جائز ہے اسی طرح حضر میں بھی جائز ہے اور سوم یہ کہ (اہل ذمہ) اسلامی سلطنت میں جزیہ دے کر رہنے والے، اہل کتاب جیسے یہود و نصاریٰ کے ساتھ معاملات کرنے جائز ہیں چنانچہ تمام علماء کا بالاتفاق یہ مسلک ہے کہ اہل ذمہ اور کفار سے خرید و فروخت کا معاملہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان کے پاس جو مال ہے اس کا حرام نہ ہونا ثابت و معلوم ہو، لیکن اہل حرب کے ساتھ مسلمانوں کا ہتھیار یا سامان جنگ بیچنا جائز نہیں ہے اسی طرح مطلقاً کسی بھی کافر کے ہاتھ ایسی کوئی چیز بیچنی جائز نہیں ہے جو اس کے دین و مذہب کی تقویت کا باعث ہو، نیز کفار کے ہاتھ مسلمانوں کا مصحف شریف (قرآن کریم) اور غلام بیچنا بھی جائز نہیں ہے۔

علامہ نوویؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث بڑی وضاحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ دنیا کا مال و اسباب نہیں رکھتے تھے اور یہ تنگ دستی و قلت مال آپ کی شان استغناء توکل علی اللہ اور مال و زر سے آپ کی کلیۃً بے رغبتی کی ایک واضح مثال ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اہل ذمہ کے پاس مسلمانوں کا سامان جنگ گروی رکھنا جائز ہے نیز آپ ﷺ کے اس عمل یعنی گروی رکھنے کا یہ معاملہ آپ ﷺ نے ایک یہودی سے کیا صحابہؓ سے نہیں کیا۔ کے بارہ میں بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ یہ شاید بیان جواز کی خاطر تھا یعنی اپنے اس عمل کے ذریعہ آپ ﷺ نے یہ واضح کیا کہ اہل ذمہ کے ساتھ بھی اپنے معاملے کرنا جائز ہے، اور بعض علماء

یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہودی کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے کیا کہ اس وقت اپنی حاجت و ضرورت سے زائد غلہ یہودیوں کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں تھا۔

③ وَعَنْهَا قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهُ مَرْهُوْنَةٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ بِثَلَاثِيْنَ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ۔ (رواه البخاری)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا اس حال میں وصال ہوا ہے کہ آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس ۳۰ صاع جو کے بدلے گروی رکھی ہوئی تھی۔" (بخاریؒ)

انتفاع رہن کا مسئلہ

④ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهٖ اِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهٖ اِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَعَلَى الَّذِيْ يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ۔ (رواه البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر سواری کی جائے تو اس پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس کے بدلے میں اس پر سواری کی جا سکتی ہے اور اگر دودھ والا جانور گروی ہو تو اس پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس کے بدلے اس کا دودھ پیا جائے اور جو شخص سواری کرے اور دودھ پئے وہی اس کے مصارف کا ذمہ دار ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کی وضاحت کے ضمن میں ملا علی قاری نے جو مسئلہ لکھا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا کوئی جانور کسی کے پاس رہن رکھے تو اس جانور کے مصارف مثلاً دانہ و چارہ وغیرہ کا بار چونکہ راہن پر ہوتا ہے۔ اسے بار برداری کے کام میں لائے چنانچہ حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

لیکن حضرت شیخ عبدالحقؒ نے حدیث کے آخری جملہ وعلی الذی یرکب ویشرب النفقة (اور جو شخص سواری کرے اور دودھ پئے وہی مصارف کا ذمہ دار ہے) کے تحت یہ لکھا ہے کہ جو شخص گروی رکھے ہوئے جانور پر سوار ہو گا یا اس کا دودھ پئے گا وہی اس کے مصارف کا بھی ذمہ دار ہو گا خواہ وہ راہن ہو یا مرتہن، گویا مطلب یہ ہوا کہ اگر مرتہن اپنے پاس گروی رکھے ہوئے جانور کا گھاس دانہ کرتا ہے اور اس کے مصارف برداشت کرتا ہے تو وہ اس جانور کو اپنے مصرف میں لا سکتا ہے اور اس کا دودھ پی سکتا ہے اور اگر راہن اس جانور کا (کہ جسے اس نے مرتہن کے پاس گروی رکھا ہے) گھاس دانہ کرتا ہے اور اس کے مصارف برداشت کرتا ہے تو پھر اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس جانور کو اپنے استعمال میں لائے اور اس کا دودھ پئے۔

حضرت شیخؒ کی اس وضاحت کی روشنی میں حدیث کا یہ مطلب ہو گا کہ مرتہن کو گروی رکھے ہوئے جانور سے نفع اٹھانا اور اس کے مصارف برداشت کرنا جائز ہے حالانکہ اکثر علماء اس کے برخلاف ہیں۔ چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ مرتہن کے لئے یہ قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے پاس گروی رکھی ہوئی چیز سے نفع حاصل کرے اور یہ کہ گروی رکھی ہوئی چیز کا نفقہ (جیسے جانور کا گھاس دانہ) راہن کے ذمہ ہے، مرتہن کے لئے رہن سے نفع حاصل کرنا اس لئے ناجائز ہے کہ یہ بالکل کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ جو قرض نفع لائے وہ حرام ہے اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث آگے آنے والی حدیث کے ذریعہ منسوخ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

شے مرہون، راہن کی ملکیت سے باہر نہیں ہوتی

⑤ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَغْلَقُ الرَّهْنُ الرَّهْنَ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِيْ رَهَنَهُ لَهُ

غُنْمُهٗ وَعَلَيْهِ غُرْمُهٗ۔ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ مُرْسَلاً وَرُوِيَ مِثْلُهٗ اَوْمِثْلُ مَعْنَاهُ لَا يُخَالِفُهٗ عَنْهُ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مُتَّصِلاً۔

"حضرت سعید ابن مسیب (تابعی) کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کسی چیز کو گروی رکھنا مالک کو کہ جس نے وہ چیز گروی رکھی ہے (ملکیت سے) نہیں روکتا (یعنی کسی چیز کو گروی رکھ دینے سے راہن کی ملکیت ختم نہیں ہوتی) اس لئے اس گروی رکھی ہوئی چیز کے ہر نفع و بڑھوتری کا حقدار راہن ہے اور وہی اس کے نقصان کا ذمہ دار ہے۔ اس روایت کو امام شافعیؒ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔ اور اس قسم کی ایک اور حدیث (یعنی ہم معنی بھی اور ہم لفظ بھی) حضرت سعید ابن مسیبؒ سے روایت کی گئی ہے جسے سعید ابن مسیبؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے بطریق اتصال نقل کیا ہے یا وہ روایت ہم معنی ہے اور اس کے الفاظ مختلف ہیں مگر الفاظ کا یہ اختلاف ایسا نہیں ہے جو اس کے ہم معنی ہونے کے منافی ہو۔"

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کوئی چیز کسی کے پاس رہن رکھ دے تو اس کا یہ رہن رکھنا اس چیز کی ملکیت کو ختم نہیں کرتا بلکہ وہ چیز جوں کی توں راہن کی ملکیت میں رہتی ہے اس لئے حدیث نے اس کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ اس رہن رکھی ہوئی چیز سے اگر کوئی نفع حاصل ہوتا ہے یا اس میں کوئی بڑھوتری ہوتی ہے تو وہ راہن ہی کا حق ہے بایں طور کہ اگر اس چیز کا کرایہ آتا ہے تو راہن وہ کرایہ وصول کر سکتا ہے اگر وہ کوئی جانور ہے تو اس پر سوار ہو سکتا ہے یا اسے اپنی باربرداری میں استعمال کر سکتا ہے ایسے ہی اگر اس جانور کے بچے پیدا ہوں تو وہ بچے بھی راہن ہی کا حق ہوتے ہیں، پھر جس طرح راہن رہن رکھی ہوئی چیز کے منافع کا حقدار ہوتا ہے اسی طرح اس کے نقصان کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے بایں طور کہ اگر وہ چیز مرتہن کے ہاں ہلاک و ضائع ہو جاتی ہے تو اس کا نقصان راہن ہی برداشت کرتا ہے اس کی وجہ سے مرتہن کے حق (یعنی جو قرض وغیرہ اس نے راہن کو دیا ہے) میں سے کچھ بھی ساقط نہیں ہوتا بلکہ راہن کو پورا پورا قرض واپس کرنا ہوتا ہے۔

لفظ رُوِیَ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں صیغہ معروف کے ساتھ یعنی رَوٰی منقول ہے اس صورت میں اس کے فاعل امام شافعیؒ ہوں گے اور لفظ مثلہ اور مثل منصوب ہی رہیں گے۔

حقوق شرعیہ میں پیمانہ اور وزن کا اعتبار

⑥ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمِكْيَالُ مِكْيَالُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَالْمِيْزَانُ مِيْزَانُ اَهْلِ مَكَّةَ۔ (رواه ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (پیمانہ اہل مدینہ کا معتبر ہے اور وزن اہل مکہ کا معتبر ہے)۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ حقوق شرعیہ مثلاً زکوٰۃ وغیرہ میں لین دین کے لئے پیمانہ میں اہل مدینہ کے پیمانہ کا اعتبار ہے اور وزن میں اہل مکہ کے وزن کا اعتبار ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مکہ اور مدینہ کے پیمانوں اور اوزان میں کچھ فرق و اختلاف تھا۔ مدینہ کے پیمانہ اور وزن کی مقدار کچھ اور تھی اور مکہ کے پیمانہ اور وزن کی کچھ اور اس کی وجہ سے حقوق شرعیہ یعنی زکوٰۃ و صدقہ فطر وغیرہ میں لینا دینا خلجان کا باعث بنتا ہو گا۔ اس لئے آپ ﷺ نے مذکورہ بالا ہدایت جاری فرمائی، گویا اس کا حاصل یہ تھا کہ مثلاً درہموں میں زکوٰۃ اسی وقت واجب ہو گی جب کہ وہ مکہ کے وزن کے مطابق دو سو ہوں گے اور صدقہ فطر و دیگر صدقات واجبہ میں اہل مدینہ کا صاع معتبر ہو گا۔

مدینہ کے وزن کے مقابلہ میں مکہ کے وزن کو اور مکہ کے پیمانہ کے مقابلہ میں مدینہ کے پیمانہ کو ترجیح دینے کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں وہاں غلہ کا لین دین پیمانہ ہی کے ذریعہ ہوا کرتا تھا اور اہل مدینہ چونکہ زراعت پیشہ تھے اس لئے انہیں پیمانوں کے بارہ میں زیادہ واقفیت رہا کرتی تھی اور اوزان کا استعمال چونکہ تجارت میں زیادہ ہوتا ہے اور اہل مکہ تجارت پیشہ تھے اس لئے وہ اوزان کی واقفیت زیادہ

رکھتے تھے۔

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے وعید

⑦ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِ الْکَیْلِ وَالْمِیْزَانِ اِنَّکُمْ قَدْ وُلِّیْتُمْ اَمْرَیْنِ ھَلَکَتْ فِیْھِمَا الْاُمَمُ السَّابِقَۃُ قَبْلَکُمْ۔ (الترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ناپ تول کرنے والوں سے فرمایا کہ تمہارے ذمہ ایسے دو کام ہیں (یعنی ناپنا اور تولنا) جن کے سبب تم سے پہلی امتیں ہلاک کی جاچکی ہیں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: امت محمدیہ سے قبل کچھ ایسی قومیں گذری ہیں جن کے افراد اس بدترین خصلت میں مبتلا تھے کہ جب وہ کوئی چیز لوگوں سے لیتے تھے تو اسے پورا پورا ناپتے تولتے تھے مگر جب کسی کو کوئی چیز دیتے تھے تو اس کی ناپ تول میں کمی کر دیتے تھے۔ ان کی اس عام برائی کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور وہ تہس نہس کر دیئے گئے ایسی قوموں میں سرفہرست حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا نام آتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمت کے افراد کو متنبہ کیا کہ تم ناپنے تولنے میں کمی کرنے سے پوری طرح اجتناب کرو تاکہ اس لعنت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کہیں تم بھی خدا کے قہر و غضب کا شکار نہ ہو جاؤ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

بیع سلم کی مبیع کو قبل قبضہ فروخت کرنے کی ممانعت

⑧ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَسْلَفَ فِیْ شَیْءٍ فَلَا یَصْرِفْہُ اِلٰی غَیْرِہٖ قَبْلَ اَنْ یَقْبِضَہٗ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

"حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی چیز کے لئے بیع سلم کا معاملہ کرے تو اس چیز کو قبضہ میں کرنے سے پہلے کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ کرے۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ کرے" کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ چیز اپنے قبضہ میں نہ آجائے اسے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہ کرے اور نہ ہبہ کرے، یا یہ مطلب ہے کہ اس چیز کو کسی دوسری چیز سے نہ بدلے یعنی جس چیز کی بیع سلم ہوئی ہے معاملہ کے مطابق اسی کو لے، قبل قبضہ اس کے بدلے میں کوئی دوسری چیز نہ لے۔

بَابُ الْاِحْتِکَارِ

احتکار کا بیان

احتکار کے معنی: لغوی طور پر "احتکار" کے معنی ہیں گراں فروشی کی نیت سے غلہ کی ذخیرہ اندوزی۔ اور شریعت کی اصطلاح میں احتکار کا مفہوم ہے ہر ایسی چیز کو مہنگا بیچنے کے لئے روک رکھنا جو انسان یا حیوان کی غذائی ضرورت میں کام آتی ہو۔ مثلاً گراں بازاری کے زمانہ میں جب کہ مخلوق خدا کو غلہ وغیرہ کی زیادہ ضرورت ہو کوئی شخص غلہ خرید کر اس نیت سے اپنے پاس روک رکھے کہ جب اور زیادہ گرانی ہوگی تو اسے بیچوں گا یہ احتکار کہلاتا ہے۔

احتکار کا حکم: شرعی نقطہ نظر سے احتکار حرام ہے اس قابل نفریں فعل میں مبتلا ہونے والا شخص شریعت کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنی زمین سے پیداشدہ غلہ کی ذخیرہ اندوزی کرے یا ارزانی کے زمانہ میں غلہ خرید کر رکھ چھوڑے اور پھر اسے گرانی کے وقت بیچے تو یہ حرام نہیں ہے اسی طرح ان اشیاء کو روک رکھنا جو غذائی ضروریات میں استعمال نہ ہوتی ہوں حرام نہیں ہے۔

ہدایہ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ انسانوں اور جانوروں کی غذائی چیزوں کا احتکار مکروہ ہے بشرطیکہ یہ احتکار ایسے شہر میں ہو جہاں اس کی وجہ سے شہر والوں کو تکلیف و نقصان پہنچے، یعنی اگر کوئی چھوٹا شہر ہو تو وہاں احتکار کی وجہ سے چونکہ غلہ کی قلت پیدا ہو جائے گی جس کی بناء پر غلہ کی گرانی بڑھ جائے گی اور لوگوں کو نقصان پہنچے گا اس لئے ایسے شہر میں احتکار ممنوع ہوگا، ہاں اگر بڑا شہر ہو اور وہاں کسی کے احتکار کی وجہ سے اہل شہر کو نقصان نہ پہنچ سکتا ہو تو پھر ایسے شہر میں احتکار ممنوع نہیں ہوگا۔ اسی طرح ہدایہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زمین کے غلہ کا احتکار کرے یا کسی اور شہر سے غلہ خرید کر لائے اور اس کو احتکار کرے تو ایسے شخص کو شرعی طور پر احتکار کرنے والا نہیں کہیں گے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

احتکار کرنے والا گنہگار ہے

① عَنْ مَعْمَرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت معمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص احتکار کرے وہ گنہگار ہے۔" (مسلم)

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ عُمَرَ كَانَتْ اَمْوَالُ بَنِي النَّضِيْرِ فِيْ بَابِ الْفَيْءِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى اور حضرت عمرؓ کی روایت "کانت اموال بنی النضیر" کو ہم انشاء اللہ باب الفئ میں نقل کریں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

احتکار کرنے والے کے لئے وعید

② عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ۔

"حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تاجر کو رزق دیا جاتا ہے اور احتکار کرنے والا ملعون ہے۔" (ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص کہیں باہر سے شہر میں غلہ وغیرہ لاتا ہے کہ اسے موجودہ اور رائج نرخ پر فروخت کرے اور گراں فروشی کی نیت سے اس کی ذخیرہ اندوزی نہ کرے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق دیا جاتا ہے یعنی اسے بغیر گناہ کے فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اسکے رزق میں برکت عطا کی جاتی ہے اس کے خلاف مخلوق خدا کی پریشانیوں اور غذائی قلت سے فائدہ اٹھا کر غلہ وغیرہ کی ناجائز ذخیرہ اندوزی کرنے والا گنہ گار ہوتا ہے اور خیر و بھلائی سے دور رہتا ہے جب تک کہ وہ اس لعنت میں مبتلا رہتا ہے اس کو برکت حاصل نہیں ہوتی۔

حاکم اپنی طرف سے نرخ مقرر نہ کرے

③ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ غَلَا السِّعْرُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَلْقٰى رَبِّيْ وَلَيْسَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ يَطْلُبُنِيْ بِمَظْلِمَةٍ بِدَمٍ وَّلَا مَالٍ۔ (رواہ الترمذی، وابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں غلہ کا نرخ مہنگا ہو گیا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے لئے نرخ مقرر فرما دیجئے یعنی تاجروں کو حکم دیدیجئے کہ وہ اس نرخ سے غلہ فروخت کیا کریں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا" اللہ ہی تنگی پیدا کرنے والا ہے اللہ ہی فراخی دینے والا ہے اور اللہ ہی رزق دینے والا ہے میں اس بات کا امیدوار اور خواہشمند ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ مجھ پر تم میں سے کسی کے خون اور مال کا کوئی مطالبہ نہ ہو۔"

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح : اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا ہے کا مطلب یہ ہے کہ گرانی اور ارزانی اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ میں ہے۔ نرخ جس کا ظاہری سبب بنتا ہے، چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کبھی تو نرخوں میں کمی اور ارزانی کے ذریعہ لوگوں کے رزق میں وسعت و فراخی پیدا کر دیتا ہے اسی کو بعض لوگ "نرخ آسمانی" سے تعبیر کرتے ہیں لہٰذا جب گراں بازاری کا دور ہو اور نرخوں میں اضافے ہو جائیں تو اللہ کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی سے مدد مانگی جائے، اپنے عقائد و اعمال میں درستی اور اصلاح کر کے خدا کی رضاء و خوشنودی کا سامان کیا جائے تاکہ وہ اپنے بندوں سے خوش ہو اور ان پر ارزانی و وسعت رزق کی رحمت نازل فرمائے،

حدیث کے آخری جز میں اس بات کا امیدوار اور خواہشمند ہوں سے دراصل اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ سرکار و حکومت کی طرف سے نرخ مقرر کیا جانا ممنوع ہے کیونکہ اس طرح لوگوں کے معاملات میں بیجا دخل اندازی ہوتی ہے۔ اور ان کے مال میں ان کی اجازت و مرضی کے بغیر تصرف کرنا لازم آتا ہے جو ظلم کی ایک صورت ہے، پھر نرخ مقرر کرنے کا ایک برا نتیجہ یہ بھی برآمد ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے بسا اوقات لوگ کاروبار بند کر دیتے ہیں اور تجارتی زندگی میں اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے قحط و قت تک کی نوبت آجاتی ہے، انجام کار جو چیز مخلوق خدا کی بھلائی کے لئے اختیار کی جاتی ہے وہی ان کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

لہٰذا آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ نرخ مقرر کر کے لوگوں کو تکلیف و پریشانی میں مبتلا نہ کیا جائے اور تاجروں پر کوئی نرخ لازم نہ کیا جائے بلکہ اس کی بجائے تاجروں کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی و انصاف اور خیر خواہی کا معاملہ کریں اور ان کے ضمیر و احساس کو اس طرح بیدار کیا جائے کہ دراز جو نرخوں میں کمی کر کے لوگوں کی پریشانی و مصیبت دور کریں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

غلہ کی ناجائز ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کے لئے موعظت و عبرت

④ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ احْتَكَرَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ طَعَامَهُمْ ضَرَبَهُ اللّٰهُ بِالْجُذَامِ وَالْاِفْلَاسِ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ۔

(ابن ماجہ، بیہقی، رزین)

"حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ یہ فرماتے تھے کہ جو شخص غلہ روک کر گراں نرخ پر مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جذام و افلاس میں مبتلا کر دیتا ہے۔" (ابن ماجہ، بیہقی، رزین)

تشریح : اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مخلوق خدا اور خاص طور پر مسلمانوں کو تکلیف و نقصان میں ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جسمانی و مالی بلاؤں میں مبتلا کرتا ہے اور جو شخص انہیں نفع و فائدہ پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے جسم و مال میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے۔

⑤ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا يُرِيْدُ بِهِ الْغَلَاءَ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللّٰهِ وَبَرِئَ اللّٰهُ مِنْهُ۔ (رواہ رزینؒ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے چالیس دن تک گرانی کے خیال سے غلہ کو روک رکھا گویا وہ خدا سے بیزار ہوا اور خدا اس سے بیزار ہوا" (رزینؒ)

تشریح: "وہ خدا سے بیزار ہوا" کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا وہ عہد توڑ ڈالا جو اس نے احکام شریعت کی بجاآوری اور مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی و شفقت کے سلسلہ میں باندھا ہے۔

اسی طرح اور خدا اس سے بیزار ہوا کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے اس بدترین عمل کے ذریعہ مخلوق خدا کی پریشانی و تکلیف کا سامان کیا تو خدا نے اس پر سے اپنی حفاظت اٹھالی اور اس کو اپنی نظر کرم و عنایت سے دور کر دیا۔

⑥ وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ اِنْ اَرْخَصَ اللّٰهُ الْاَسْعَارَ حَزِنَ وَاِنْ اَغْلَاهَا فَرِحَ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ۔

"اور حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "غلہ وغیرہ کی ناجائز ذخیرہ اندوزی کرنے والا بندہ برا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نرخوں میں ارزانی کرتا ہے تو وہ سنجیدہ ہوتا ہے اور اگر نرخوں کو گراں کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔" (بیہقی، رزین)

⑦ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهٖ لَمْ يَكُنْ لَهٗ كَفَّارَةً۔ (رواہ رزینؒ)

"اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جس شخص نے گراں فروشی کی نیت سے غلہ کو چالیس روز تک روکے رکھا اور پھر اسے خدا کی راہ میں خیرات کر دیا تو وہ اس کے لئے کفارہ نہیں ہوگا۔" (رزینؒ)

تشریح: یہ گویا اس شخص کے لئے وعید و سزا ہے جو چالیس دن تک گراں فروشی کی نیت سے غلہ کو روکے رکھے کہ نہ تو اسے بازار میں لاکر بیچے اور نہ اس کے ذریعہ مخلوق خدا کی غذائی ضروریات کو پورا کرے، اور جو شخص اس سے کم مدت کے لئے احتکار کرے اس کے لئے بھی سزا ہے مگر اس سے کم درجہ کی۔

بَابُ الْاِفْلَاسِ وَالْاِنْظَارِ

افلاس اور مہلت دینے کا بیان

انسانی زندگی میں کسی ایک حالت کو قرار و دوام نہیں ہے آج کچھ ہے کل کچھ، یہ روزانہ کے مشاہدہ کی بات ہے، انسان کی اقتصادی و مالی زندگی ہی کو دیکھ لیجئے جس طرح ایک مفلس اور قلاش شخص راتوں رات رحمت خداوندی کے نتیجہ میں مال وزر کے خزانوں کا مالک بن جاتا ہے اسی طرح بڑے بڑے کاروباری دیکھتے ہی دیکھتے دیوالیہ ہو جاتے ہیں جو لوگ ہر وقت لاکھوں میں کھیلتے رہتے ہیں۔ مال وزر ہی جن کا اوڑھنا، بچھونا ہوتا ہے چشم زدن میں وہ پائی پائی کے محتاج نظر آتے ہیں۔ یہی کائنات کا نظام ہے اور یہی تقدیر کا کھیل ہے۔ حالات کو کسی ایک راستے پر برقرار رکھنا نہ کبھی کسی کے بس میں رہا ہے اور نہ کبھی کسی کے بس میں رہے گا۔ یہ سارے کھیل قدرت خداوندی کے پابند رہے ہیں اور ہمیشہ اسی طرح پابند رہیں گے۔ لیکن بدلے ہوئے حالات کو متوازن بنانا اور متوازن بنانے میں مدد دینا انسان کے بس میں ہے جسے وہ اختیار کر کے ایک دوسرے کے دکھ درد کو بانٹ بھی سکتا ہے اور بدلے ہوئے حالات کو سنوارنے میں مدد بھی دے سکتا ہے چنانچہ یہاں جو باب قائم کیا گیا ہے اس کے تحت نقل کی جانے والی احادیث کا یہی حاصل ہے کہ اگر کوئی شخص حالات کی تبدیلی کا شکار ہو جائے بایں طور کہ افلاس و تنگدستی اسے اپنی لپیٹ میں لے لے تو دوسرے انسانوں کا نہ صرف یہ فریضہ ہے کہ اس کے ساتھ اظہار ہمدردی کریں بلکہ اگر اس شخص پر کسی کا کوئی حق و مطالبہ ہو اور وہ مفلس ہو جانے کی وجہ سے اس کی ادائیگی سے وقتی طور پر عاجز ہو تو

صاحب حق اسے اتنی مہلت دیدے کہ جب بھی اس کے حالات سدھریں وہ اس کا حق ادا کر دے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

مفلس ہو جانے والے کے بارے میں ایک مسئلہ

(۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا رَجُلٍ اَفْلَسَ فَاَدْرَکَ رَجُلٌ مَالَہُ بِعَیْنِہٖ فَھُوَ اَحَقُّ بِہٖ مِنْ غَیْرِہٖ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص مفلس ہو جائے اور وہ شخص (کہ جس نے اس کے ہاتھ اپنے مال بیچا تھا اس کے پاس) اپنا مال بعینہ پائے تو وہ کسی دوسرے کے مقابلے میں اس مال کا زیادہ حق دار ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: اس ارشاد گرامی کو مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ زید نے بکر سے کوئی مال خریدا، مگر اس کی قیمت ابھی ادا نہیں کر پایا تھا کہ مفلس ہو گیا اور حاکم وقاضی نے بھی اس کے مفلس ودیوالیہ ہو جانے کا فیصلہ کر دیا، اب بکر (یعنی بیچنے والے) نے دیکھا کہ زید کے پاس اس کا بیچا ہوا مال جوں کا توں موجود ہے یعنی نہ تو وہ ظاہری طور پر ضائع وہلاک ہوا ہے اور نہ تصرفات شرعیہ مثلاً ہبہ ووقف کے ذریعہ معنوی طور پر ختم ہوا ہے تو اس صورت میں بکر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی کی ہوئی بیع کو فسخ کر دے اور زید سے اپنا مال واپس لے لے کیونکہ دوسرے قرض خواہوں کی بہ نسبت وہ مقدم ہے لہٰذا بجائے اس کے کہ وہ مال دوسرے قرض خواہ زید سے لیں بکر اس کے لینے کا زیادہ حقدار ہے۔ اور اگر زید نے مال کی خریداری کے وقت قیمت کا کچھ حصہ ادا کر دیا ہو اور بقیہ حصہ ادا کرنے سے پہلے مفلس ودیوالیہ ہو گیا ہو تو اس صورت میں بکر اس مال کی اتنی ہی مقدار لے جو قیمت کے بقیہ حصہ کے بقدر رہو۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا یہی مسلک ہے ان حضرات کی طرف سے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا جاتا ہے۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک چونکہ اس صورت میں بیچنے والے کو نہ تو بیع فسخ کر دینے کا اختیار ہے اور نہ وہ مال واپس لے لینے کا حق اسے پہنچتا ہے اس لئے حنفیہ اس حدیث کو عقد بالخیار پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک اس حدیث کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ بیع اس شرط کے ساتھ ہوئی ہو کہ بیچنے والے کو فلاں مدت تک اس بیع کو فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہوگا، چنانچہ بیع کے بعد اگر خریدار مفلس ودیوالیہ ہو جائے اور مدت خیار کے اندر بائع کو معلوم ہو گیا کہ خریدار مفلس ودیوالیہ ہو گیا ہے تو اب اس کے لئے زیادہ بہتر یہی ہے کہ بیع کو فسخ کر دے اور اپنا مال واپس لے لے۔

مفلس ہو جانے والے کی امداد کرنے کا حکم

(۲) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ اُصِیْبَ رَجُلٌ فِیْ عَھْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ ثِمَارٍ ابْتَاعَھَا فَکَثُرَ دَیْنُہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا عَلَیْہِ فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَیْہِ فَلَمْ یَبْلُغْ ذٰلِکَ وَفَاءَ دَیْنِہٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِہٖ خُذُوْا مَا وَجَدْتُّمْ وَلَیْسَ لَکُمْ اِلَّا ذٰلِکَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص پھلوں کے سخت نقصان میں مبتلا ہو گیا جو اس نے خریدے تھے اور اس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ قرضدار ہو گیا" اس کی حالت دیکھ کر) رسول کریم ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ صدقہ کے ذریعہ اس کی مدد کرو (تاکہ یہ قرض کے بوجھ سے ہلکا ہو) لوگوں نے صدقہ کے ذریعہ اس کی مدد کی، مگر لوگوں کی مدد بھی اس کے قرض کی پوری ادائیگی کے لئے کافی نہ ہو سکی اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا کہ تمہیں اس سے جو کچھ بھی حاصل ہو بس وہ لے لو، اس سے اس کے علاوہ اور کچھ تمہیں نہیں ملیگا۔" (مسلم)

تشریح: اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے ایک پھل دار درخت خریدا، درخت پر لگے ہوئے پھل ابھی اس کے تصرف میں نہیں آئے تھے سوء اتفاق سے ان پر آفت نازل ہوئی اور وہ سب جھڑ گئے ادھر اس نے اس کی قیمت بھی ادا نہیں کی تھی، چنانچہ جب بیچنے والے نے قیمت کا مطالبہ کیا تو اس نے لوگوں سے قرض لے کر وہ قیمت ادا کی، اس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ قرض دار ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے جب اس کی پریشان حالی دیکھی تو لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا کہ وہ صدقہ و خیرات کے ذریعہ ہی اس کی مدد کر دیں تاکہ وہ قرض کے بار سے ہلکا ہو جائے۔ لوگوں نے اس کی مدد کی مگر ان کی مدد بھی اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہو سکی، لوگوں کی مدد سے جتنا قرض وہ ادا کر سکتا تھا اتنا ادا کر دیا بقیہ قرض کی ادائیگی سے جب وہ بالکل ہی عاجز ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے قرض خواہوں سے وہ الفاظ ارشاد فرمائے جو حدیث کے آخر میں نقل کئے گئے ہیں۔

چنانچہ قرض خواہوں سے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ جب اس شخص کا افلاس بالکل ظاہر ہو گیا ہے اور اس کی خستہ حالی عیاں ہو چکی ہے تو اب تمہارے لئے یہ قطعاً مناسب نہیں ہے کہ تم اسے پریشان کرو، اسے ڈراؤ دھمکاؤ یا اسے قید و بند کی مصیبت میں مبتلا کرو، بلکہ اس صورت میں تم لوگوں پر واجب ہے کہ اسے مہلت دے دو، جب دیکھو کہ اس کے پاس ادائیگی قرض کا کچھ سامان فراہم ہو گیا ہے اس وقت اپنا مطالبہ کرنا اور اس سے اپنا قرض واپس لے لینا، آپ ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب قطعاً نہیں تھا کہ قرضدار کے ذمہ سے قرض خواہوں کا حق ہی سرے سے ساقط ہو گیا ہے بلکہ جیسا کہ ابھی بتایا گیا اس سے آپ ﷺ کا مقصد صرف یہ تھا کہ قرض دار کو مہلت مل جائے۔

وصولیٔ قرض میں درگذر کرنے کا اجر

(۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ یُدَایِنُ النَّاسَ فَكَانَ یَقُوْلُ لِفَتَاهُ اِذَا اَتَیْتَ مُعْسِرًا تَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یَتَجَاوَزَ عَنَّا قَالَ فَلَقِیَ اللّٰهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ایک شخص تھا جو لوگوں سے قرض لین دین کا معاملہ کرتا تھا (یعنی لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا) اور اس نے اپنے کارندے سے یہ کہہ رکھا تھا کہ جب کسی تنگدست کے پاس (قرض وصول کرنے جاؤ) تو اس سے درگذر کرو شاید اللہ تعالیٰ ہم سے درگذر فرمائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جب اس نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی (یعنی اس کا انتقال ہوا) تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگذر کیا (اور اس کے گناہوں پر مواخذہ نہیں کیا)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

(۴) وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّنْجِیَهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ فَلْیُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ اَوْ یَضَعْ عَنْهُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی سختیوں سے محفوظ رکھے تو اسے چاہئے کہ وہ مفلس و تنگدست سے اپنا قرض وصول کرنے میں تاخیر کرے یا اس کو معاف کر دے (یعنی اپنا پورا قرض یا جس قدر ممکن ہو معاف کر دے۔" (مسلمؒ)

تشریح: یوں تو فرض اعمال، نفل اعمال سے ستر درجے زیادہ فضیلت کے حامل ہیں لیکن بعض مسائل و معاملات میں نفل اعمال فرض اعمال سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں، انہیں میں سے ایک تو تنگدست و مفلس کو اپنا حق (مثلاً قرض وغیرہ) معاف کر دینا ہے کہ یہ اگرچہ مستحب ہے لیکن مفلس و تنگدست کو قرض وغیرہ ادا کرنے میں مہلت دینے سے افضل ہے جو واجب ہے دوسرے سلام کرنے میں پہل کرنا سنت ہے لیکن یہ افضل ہے سلام کا جواب دینے سے جو فرض ہے، تیسرے وقت سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے لیکن یہ افضل ہے وقت شروع ہو جانے کے بعد وضو کرنے سے جو فرض ہے۔

⑤ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَنْجَاهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرماتے تھے "جو شخص (اپنا مطالبہ وصول کرنے میں) مفلس کو مہلت دے یا اس کو (اپنا پورا مطالبہ یا اس کا کچھ حصہ) معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی سختیوں سے نجات دے گا۔" (مسلم)

⑥ وَعَنْ اَبِی الْيَسَرِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِی ظِلِّهِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوالیسرؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا، رسول کریم ﷺ فرماتے تھے "جو شخص تنگدست کو مہلت دے یا اس کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا (یعنی قیامت کے دن اسے گرمی کی تپش اور اس دن کی سختیوں سے محفوظ رکھے گا۔" (مسلم)

تشریح: امام احمدؒ، ابن ماجہؒ اور حاکمؒ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ جو شخص مفلس و تنگدست کو مہلت دے تو ادائیگی کا دن آنے تک اس کو ہر دن کے بدلے اس کے قرض کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور پھر جب ادائیگی کا دن آئے اور وہ پھر اسے مہلت دے دے اور اس کی ادائیگی کا دن آنے تک ہر دن کے بدلے اس کے قرض کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور پھر جب ادائیگی کا دن آئے اور وہ پھر اس مہلت دے دے تو اس کو ہر دن کے بدلے اس کے قرض کی دگنی مقدار کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔

اس روایت کو تمثیلی طور پر یوں سمجھئے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی کو دو مہینے کے وعدے پر ایک سو روپے قرض دیئے اور دو مہینے کے بعد اس کی مفلسی و تنگدستی کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک مہینے کی مہلت دے دی تو اسے پورے مہینے اس طرح ثواب ملتا رہے گا کہ گویا وہ ہر دن ایک سو روپیہ صدقہ و خیرات کرتا ہے، اسی طرح ایک مہینے کی مدت گذر جانے کے بعد دوبارہ مہلت دینے میں ایسا ہی ثواب ملتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب تیسری مرتبہ مہلت دے گا تو اسے ہر دن ایسا ثواب ملے گا جیسے کہ وہ ہر دن دو سو روپے صدقہ و خیرات کرتا ہے۔

خوبی کے ساتھ قرض ادا کرنے والا بہترین شخص ہے

⑦ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ اسْتَسْلَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرًا فَجَاءَتْهُ اِبِلٌ مِّنَ الصَّدَقَةِ قَالَ اَبُوْ رَافِعٍ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اَقْضِیَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ فَقُلْتُ لَا اَجِدُ اِلَّا جَمَلًا خِيَارًا رَبَاعِيًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطِهِ اِيَّاهُ فَاِنَّ خَيْرَ النَّاسِ اَحْسَنُهُمْ قَضَاءً۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے ایک جوان اونٹ قرض لیا اور پھر جب آپ ﷺ کے پاس زکوٰۃ کے اونٹ آئے تو ابورافعؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس شخص کو کہ جس سے آپ ﷺ نے اونٹ قرض لیا تھا ایسا ہی ایک اونٹ دے دوں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے ایسا ہی اونٹ کوئی نظر نہیں آرہا ہے البتہ ایک اونٹ ہے جو اس کے اونٹ سے اچھا ہے اور ساتویں برس میں لگا ہے (لہٰذا میں اس کے اونٹ سے اچھا اونٹ کیسے دے دوں) آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اسے اچھا ہی اونٹ دے دو کیونکہ لوگوں میں بہترین شخص وہی ہے جو ادائیگی قرض میں سب سے اچھا ہو۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانور کا قرض لینا جائز ہے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور اکثر علماء کا مسلک ہے۔ لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے واضح ہوا کہ جو چیز قرض لی ہے اس کی واپسی میں اس کی بہ نسبت اچھی چیز دینا مستحب بھی ہے اور عالی ہمتی بھی بشرطیکہ قرض لیتے وقت اس کی شرط نہ کی گئی ہو۔

قرض خواہ تقاضہ کر سکتا ہے

⑧ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَجُلاً تَقَاضٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَغْلَظَ لَہٗ فَھَمَّ اَصْحَابُہٗ فَقَالَ دَعُوْہُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالاً فَاشْتَرُوْا لَہٗ بَعِیْرًا فَاَعْطُوْہُ اِیَّاہُ قَالُوْا لَانَجِدُ اِلاَّ اَفْضَلَ مِنْ سِنِّہٖ قَالَ اشْتَرُوْہُ فَاَعْطُوْہُ اِیَّاہُ فَاِنَّ خَیْرَکُمْ اَحْسَنُکُمْ قَضَاءً۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے "اس اونٹ کا تقاضہ کیا (جو آپ ﷺ نے اس سے بطور قرض لیا تھا) اور تقاضہ بھی بڑی سخت کلامی کے ساتھ کیا، آپ ﷺ کے صحابہؓ نے جب ان کو "اس سخت کلامی اور آداب نبوت کے خلاف اس کی حرکت پر) سزا دینی چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اسے کچھ نہ کہو، کیونکہ جس کا حق ہے اسے کہنے کا اختیار ہے البتہ ایسا کرو کہ ایک اونٹ خرید کر اسے دے دو (تاکہ اس کا مطالبہ ادا ہو جائے اور اسے پھر کچھ کہنے کا حق نہ رہے) صحابہؓ نے عرض کیا کہ "اس نے آپ (ﷺ) کو بطور قرض جو اونٹ دیا تھا) اس کی عمر کا کوئی اونٹ نہیں مل رہا ہے بلکہ اس سے زیادہ عمر کا مل رہا ہے (یعنی اس کا اونٹ چھوٹا اور کمتر تھا اور ہمیں جو اونٹ مل رہا ہے وہ اس کے اونٹ سے بڑا اور اچھا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا (جو اونٹ تمہیں مل رہا ہے) اسی کو خرید لو (اگرچہ وہ اس کے اونٹ کی بہ نسبت بڑا اور اچھا ہے) اور اسے دے دو، یاد رکھو، تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرض ادا کرنے میں اچھا ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: آپ ﷺ سے اپنے قرض کا تقاضہ کرنے والا اور پھر تقاضہ میں سخت کلامی کرنے والا کوئی کافر رہا ہو گا خواہ وہ یہودی ہو یا کوئی اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ شاید کوئی اجڈ گنوار دیہاتی ہو گا جو مجلس نبوت اور مقام نبوت کے آداب سے مطلقاً بے بہرہ تھا، جسے یہ سلیقہ بھی نہیں تھا کہ کس سے کس طرح بات کی جاتی ہے۔ اس کے برعکس سرکار دو عالم ﷺ نے اس کی باتوں کو جس عالی ظرفی اور خوش اخلاقی کے ساتھ برداشت کیا وہ صرف نبوت ہی کا خاصہ ہو سکتا ہے۔

"جس کا حق ہے اسے کہنے کا اختیار ہے" کے بارے میں ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ یہاں "حق" سے مراد قرض ہے، یعنی اگر کسی شخص کا کسی پر قرض ہو اور وہ قرض دار ادائیگی قرض میں تاخیر کرے تو قرض خواہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اس سے سختی کے ساتھ تقاضہ کرے، اس پر اظہار ناراضگی کرے اور اگر وہ پھر بھی قرض ادا نہ کرے تو حاکم و عدالت کی طرف رجوع کرے۔

ادائیگی قرض پر قادر ہونے کے باوجود قرض ادا نہ کرنا ظلم ہے

⑨ وَعَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ فَاِذَا اُتْبِعَ اَحَدُکُمْ عَلٰی مَلِیٍّ فَلْیَتْبَعْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "صاحب استطاعت کا (ادائیگی قرض میں) تاخیر کرنا ظلم ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کو صاحب استطاعت کے حوالہ کیا جائے تو اسے اس حوالہ کو قبول کر لینا چاہئے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کوئی چیز خریدے اور اس کی قیمت ادا کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود قیمت ادا نہ کرے یا کسی کا قرض دار ہو اور ادائیگی قرض پر قادر ہونے کے باوجود (قرض ادا کرنے میں تاخیر کرے تو یہ ظلم ہے)۔ بلکہ بعض علماء نے تو یہ لکھا ہے کہ یہ فسق ہے اور اس کی وجہ سے ایسے شخص کی گواہی رد ہوتی ہے، اگرچہ یہ نادہندگی ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ظاہر ہوئی ہو، لیکن بعض دوسرے علماء کا قول یہ ہے کہ اس شخص کی گواہی قابل رد ہے جو صاحب استطاعت ہونے کے باوجود بار بار نادہندگی میں مبتلا ہو اور ادائیگی میں تاخیر کرنا اس کی عادت بن چکی ہو۔

حدیث کے دوسرے جزء "اور جب تم سے کسی کو صاحب استطاعت کے حوالہ کیا جائے الخ" کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص کا کسی پر قرض ہو اور وہ قرض دار ادائیگی قرض پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے کسی مالدار شخص سے یہ کہے کہ تم میرا قرض ادا کر دینا تو قرض خواہ کو چاہئے

کہ وہ قرضدار کی اس بات کو فورًا قبول کرلے تاکہ اس کا مال ضائع نہ ہو، یہ حکم استحباب کے طور پر ہے، لیکن بعض علماء کا قول ہے کہ یہ حکم بطریق وجوب ہے جب کہ کچھ علماء اس حکم کو بطریق اباحت کہتے ہیں۔

قرض خواہ و قرض دار کا تنازعہ ختم کرانا جائز ہے

(۱۰) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ تَقَاضٰى ابْنَ اَبِیْ حَدْرَدٍ دَيْنًا لَهٗ عَلَيْهِ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِیْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ اِلَيْهِمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهٖ وَنَادٰى كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَشَارَ بِيَدِهٖ اَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ قَالَ كَعْبٌ قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت کعب ابن مالکؓ کے بارے میں منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں (ایک دن) انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کی واپسی کا تقاضہ کیا یہاں تک کہ جب دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں اور رسول کریم ﷺ نے جو اس وقت اپنے حجرہ مبارک میں تشریف فرما تھے۔ ان دونوں کی آوازیں سنیں تو حجرہ سے باہر آنے کا ارادہ فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے حجرہ کا پردہ ہٹایا اور کعب ابن مالکؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "کعب! کعب ابن مالکؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حاضر ہوں" آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ذریعے ان کی طرف اشارہ کیا کہ اپنے قرض کا نصف حصہ معاف کردو۔ کعبؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میں نے معاف کیا" اس کے بعد آپ ﷺ نے ابن ابی حدرد سے فرمایا کہ "اب اٹھ جاؤ اور باقی قرض ادا کردو۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں کسی سے اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنا جائز ہے، نیز حقدار سے سفارش کرنا جھگڑنے والوں میں صلح صفائی کرانا اور کسی کی سفارش قبول کرنا بشرطیکہ اس سفارش کا تعلق کسی معصیت و برائی سے نہ ہو، جائز ہے۔

ادائیگی قرض میں تاخیر کرنے والوں کے لئے ایک عبرتناک واقعہ

(۱۱) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اُتِیَ بِجَنَازَةٍ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا لَا فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ اُتِیَ بِجَنَازَةٍ اُخْرٰى فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قِيْلَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا ثَلَاثَةَ دَنَانِيْرَ فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ اُتِیَ بِالثَّالِثَةِ فَقَالَ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا ثَلَاثَةُ دَنَانِيْرَ قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا لَا قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ قَالَ اَبُوْ قَتَادَةَ صَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَیَّ دَيْنُهٗ فَصَلّٰى عَلَيْهِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا، صحابہؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ جنازہ کی نماز پڑھ لیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر قرض تو نہیں ہے؟ صحابہؓ نے کہا کہ نہیں! چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ایک اور جنازہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس پر قرض تو نہیں ہے" عرض کیا گیا کہ "ہاں" ہے! آپ ﷺ نے فرمایا "یہ کچھ چھوڑ کر بھی مرا ہے یا نہیں؟" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "تین دینار اس نے چھوڑے ہیں" (یہ سن کر) آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی! پھر ایک تیسرا جنازہ لایا گیا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ "اس پر قرض تو نہیں ہے" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "ہاں تین دینار اس پر قرض ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ کچھ چھوڑ کر بھی مرا ہے یا نہیں" عرض کیا گیا کہ "کچھ نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "تو پھر تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو" ابوقتادہؓ نے (جب یہ سنا تو) کہا کہ "یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) اس کی نماز جنازہ پڑھ لیجئے اس کا قرض میں ادا کردوں گا" تب آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔" (بخاریؒ)

تشریح: ہوسکتا ہے کہ تینوں جنازے ایک ہی دن اور ایک ہی مجلس میں لائے گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ الگ الگ دن اور الگ الگ

مجلس میں یہ جنازے لائے گئے ہوں۔

دوسرے شخص پر جو قرض تھا اس کی مقدار انہیں تین دینار کے برابر رہی ہوگی جو وہ چھوڑ کر مرا تھا اس لئے جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوگیا کہ اس شخص پر جتنا قرض ہے اس کی ادائیگی کے بقدر اثاثہ چھوڑ کر مرا ہے تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھ لی۔

تیسرا چونکہ اپنے قرض کی ادائیگی کے بقدر مال چھوڑ کر نہیں مرا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا، اس انکار کی وجہ یا تو یہ تھی کہ اس سے لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور وہ قرض سے پرہیز کریں اور اگر بدرجہ مجبوری قرض لیں تو اس کی ادائیگی میں تاخیر و تقصیر سے باز رہیں۔ یا پھر آنحضرت ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنا اس لئے مناسب نہیں سمجھا کہ میں اس کے لئے دعا کروں اور دعا قبول نہ ہو کیونکہ اس پر لوگوں کا حق تھا جس سے بری الذمہ ہوئے بغیر وہ مر گیا تھا۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ میت کی طرف سے ضامن ہونا جائز ہے خواہ میت نے ادائیگی قرض کے لئے مال چھوڑا ہو یا نہ چھوڑا ہو۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔ بخلاف حضرت امام ابوحنیفہؒ کے کہ ان کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

بعض حنفی علماء لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ اور حنفیہؒ میں سے حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے اس حدیث سے اس بات کا استدلال کیا ہے کہ اس میت کی طرف سے کفالت جائز ہے جس نے کچھ بھی مال نہ چھوڑا ہو اور اس پر قرض ہو۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر میت کی طرف سے کفالت جائز نہ ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس تیسرے جنازہ کی نماز نہ پڑھتے۔

لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مفلس میت کی طرف سے کفالت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مفلس میت کی طرف سے کفالت دراصل دین ساقط کی کفالت ہے اور یہ بالکل صاف مسئلہ ہے کہ دین ساقط کی کفالت باطل ہے۔

اب رہی یہ بات کہ حضرت ابوقتادہؓ نے میت کی طرف سے اس کے قرض کی کفالت کی اور آنحضرت ﷺ نے ابوقتادہؓ کی کفالت کو تسلیم کر کے اس کی نماز جنازہ پڑھ لی، تو اس کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ سے صرف یہی ثابت نہیں ہوتا کہ ابوقتادہؓ نے اس شخص کی زندگی ہی میں اس کی طرف سے کفالت کر لی ہوگی، اس موقع پر تو انہوں نے صرف آپ ﷺ کے سامنے اس بات کا اقرار و اظہار کیا کہ میں اس کی کفالت پہلے ہی کر چکا ہوں اب میں اس کے قرض کا ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کے اس اقرار و اظہار پر نماز جنازہ پڑھی۔

اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ابوقتادہؓ نے اس وقت میت کی طرف سے کفالت کی نہیں تھی بلکہ از راہ احسان و تبرع یہ وعدہ کیا تھا کہ میں اس کا قرض ادا کردوں گا۔

قرض کو ادا کرنے کی نیت رکھنے والے کی اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے

(۱۲) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ اَدَاءَهَا اَدَّى اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ اَخَذَ يُرِيْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص لوگوں کا مال لے اور اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو (یعنی کسی ضرورت و احتیاج ہی کی بناء پر قرض لے اور قرض کی ادائیگی کا ارادہ بھی رکھتا ہو اور اس کو ادا کرنے کی کوشش بھی کرتا ہو) تو اللہ تعالیٰ اس سے وہ مال ادا کرا دیتا ہے (یعنی قرض کو ادا کرنے کی نیت رکھنے والے کی اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے بایں طور کہ یا تو دنیا میں قرض ادا کرنے کی استطاعت دے دیتا ہے یا آخرت میں حقدار کو راضی کر دیتا ہے) اور جو شخص لوگوں کا مال لے اور ضائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہو (یعنی

احتیاج و ضرورت کے بغیر کسی سے قرض لے اور پھر اس قرض کی ادائیگی کی نیت بھی نہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو ضائع کر دیتا ہے (یعنی جو شخص کسی سے قرض لے اور اس قرض کو نہ ادا کرے اور نہ ادا کرنے کی نیت رکھے تو اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ ادائیگی قرض پر اس کی مدد نہیں کرتا اور اس کے رزق میں وسعت و فراخی عطا نہیں کرتا بلکہ اس کا مال تلف و ضائع بھی کر دیتا ہے کیونکہ وہ ایک مسلمان کا مال ضائع کرنے کی نیت رکھتا ہے)۔" (بخاریؒ)

اللہ تعالیٰ حقوق العباد معاف نہیں کرتا

⑬ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا مُقْبِلاً غَیْرَ مُدْبِرٍ یُکَفِّرُ اللّٰہُ عَنِّیْ خَطَایَایَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَلَمَّا اَدْبَرَ نَادَاہُ فَقَالَ نَعَمْ اِلاَّ الدَّیْنَ کَذٰلِکَ قَالَ جِبْرِیْلُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بتائیے اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں اس حال میں کہ میں صبر کرنے والا اور ثواب کا خواہش مند ہوں (یعنی میں دکھانے سنانے کی غرض سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی کی خاطر اور ثواب کی طلب میں جہاد کروں) اور اس طرح جہاد کروں کہ میدان جنگ میں دشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤں بلکہ ان کے سامنے سینہ سپر رہوں (یہاں تک کہ میں لڑتے لڑتے مارا جاؤں) تو کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف کر دے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ "ہاں! پھر جب وہ شخص (اپنے سوال کا جواب پا کر) واپس ہوا تو آپ ﷺ نے اسے آواز دی اور فرمایا کہ "ہاں! اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ یقیناً معاف کر دے گا مگر قرض کو معاف نہیں کرے گا، مجھ سے جبرئیل نے یہی کہا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حقوق العباد کا معاملہ بڑا سخت اور کٹھن ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حقوق یعنی عبادات و طاعات میں کوتاہی اور گناہ و معصیت کو معاف کر دیتا ہے مگر بندوں کے حقوق یعنی قرض وغیرہ کو معاف نہیں کرتا۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ تک اللہ تعالیٰ کا صرف وہی پیغام نہیں پہنچاتے تھے جو قرآن کریم کی شکل میں ہمارے سامنے ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی دیگر ہدایات و احکام پہنچاتے رہتے تھے۔

⑭ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یُغْفَرُ لِلشَّہِیْدِ کُلُّ ذَنْبٍ اِلاَّ الدَّیْنَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "شہید کے تمام (صغیرہ اور کبیرہ) گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ مگر دین (یعنی حقوق) کی معافی نہیں ہوتی۔" (مسلمؒ)

تشریح: "دین" سے مراد حقوق العباد ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص پر بندہ کا کوئی حق ہو یعنی خواہ اس کے ذمہ کسی کا مال ہو، یا اس نے کسی کا ناحق خون کیا ہو، یا کسی کی آبرو ریزی کی ہو، یا کسی کو برا کہا ہو، یا کسی کی غیبت کی ہو تو اگر وہ شخص شہید بھی ہو جائے تب بھی یہ چیزیں معاف نہیں کی جائیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے حقوق کسی حال میں معاف نہیں کرتا۔

لیکن ابن مالکؒ کہتے ہیں کہ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ اس حدیث کا تعلق "شہداء بر" یعنی بری جنگ میں شہید ہونے والوں سے ہے، بحری جنگ میں شہید ہونے والے اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ابن ماجہؒ نے ابوامامہؓ کی یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بحری جنگ میں شہید ہونے والوں کے تمام گناہ حتیٰ کہ دین (یعنی حقوق العباد) بھی بخشے جاتے ہیں۔

قرض دار کی نماز جنازہ پڑھنے سے آنحضرت ﷺ کا اجتناب

⑮ وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُؤْتٰی بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفّٰی عَلَیْہِ الدَّیْنُ فَیَسْأَلُ ہَلْ تَرَکَ لِدَیْنِہٖ قَضَاءً فَاِنْ

حُدِّثَ اَنَّہٗ تَرَكَ وَفَاءً صَلّٰی وَاِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِیْنَ صَلُّوْا عَلٰی صَاحِبِکُمْ فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْفُتُوْحَ قَامَ قَالَ اَنَا اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ فَمَنْ تُوُفِّیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَتَرَكَ دَیْنًا فَعَلَیَّ قَضَاؤُہٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَھُوَ لِوَرَثَتِہٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کے سامنے کسی ایسے شخص کا جنازہ لایا جاتا جس پر قرض ہوتا تو آپ ﷺ پہلے پوچھتے کہ کیا یہ شخص اپنا قرض ادا کرنے کے لئے کچھ مال چھوڑ کر مرا ہے؟ اگر یہ بتایا جاتا کہ یہ شخص اتنا مال چھوڑ کر مرا ہے جس سے اس کا قرض ادا ہو سکتا ہے تو آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھ لیتے، اور اگر (یہ معلوم ہوتا کہ) کچھ بھی چھوڑ کر نہیں مرا ہے تو پھر (آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ خود نہ پڑھتے بلکہ) مسلمانوں سے فرماتے کہ تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے دروازے کھول دیئے (اور مشرکین وکفار سے جنگ کے بعد غنیمت کی صورت میں مال وزر میں وسعت وکشادگی نصیب ہوئی) تو آپ ﷺ (ایک دن) خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور (مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ) میں (دین ودنیا کے تمام امور میں) مسلمانوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتا ہوں لہٰذا جو مسلمان اس حالت میں مرے کہ اس پر قرض ہو (اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہو سکے) تو اس کے قرض کو ادا کرنے کا میں ذمہ دار ہوں اور جو مسلمان مال چھوڑ کر مرے (تو اس مال سے اس کا قرض ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچے) وہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "میں (دین ودنیا کے تمام امور میں) مسلمانوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتا ہوں" سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ومحبوب رکھیں، آپ ﷺ کے حکم اور آپ ﷺ کی خواہش کو اپنے نفس کے حکم اور اپنے نفس کی خواہش پر مقدم رکھیں، آپ ﷺ کے حق کو اپنی جانوں کے حق سے مقدم جانیں اور ان کے قلوب اپنی جانوں کی شفقت ومحبت سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی شفقت ومحبت سے لبریز ہوں، اسی طرح آنحضرت ﷺ کی شان رحمت بھی یہی ہے کہ ایک مسلمان اپنی ذات پر جتنا شفیق ومہربان ہو سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ اس کے حق میں اس سے کہیں زیادہ شفیق ومہربان ہیں، ایک مسلمان کی جان، اس کی عزت وآبرو اور اس کا دین آنحضرت ﷺ کو جتنا زیادہ عزیز ومحبوب ہے اتنا خود اس کو نہیں ہے، چنانچہ مسلمانوں پر یہ آپ ﷺ کی بے پناہ شفقت ہی کا پرتو ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات جنگ میں حاصل ہونے والی غنیمت کے ذریعے آپ ﷺ پر مال وزر کے دروازے کھول دیئے تو آپ ﷺ کو یہ ہرگز گوارا نہیں ہوا کہ اس مال وزر کو صرف اپنی ہی ذات تک محدود رکھیں بلکہ آپ ﷺ نے خود تو سختی وتنگدستی کی سابقہ حالت پر ہی قناعت کی اور سارا مال وزر مسلمانوں ہی کے لئے وقف رکھا۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ اب جب کہ خدا نے مال وزر کے خزانے میرے تصرف میں دے دیئے ہیں تو میں اس بات کا زیادہ حقدار ہوں کہ مسلمانوں کی مال عزت وآبرو کا تحفظ کروں لہٰذا مسلمانوں کے قرض کی ادائیگی کا میں خود ذمہ دار ہوں کہ اگر کوئی مسلمان اس حال میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے کہ اس پر قرض ہے اور وہ قرض کی ادائیگی کے بقدر مال نہیں چھوڑ گیا ہے تو اس کا قرض میں ادا کروں گا۔

بعض حضرات تو یہ فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ مردوں کے قرض کی ادائیگی بیت المال سے فرمایا کرتے تھے اور یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے لیکن بعض علماء کا قول یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کا قرض اپنے مال میں سے ادا کرتے تھے۔

اسی طرح بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مردوں کی طرف سے قرض کی ادائیگی آنحضرت ﷺ پر واجب تھی اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ ان کا قرض ادا کرنا آپ ﷺ پر واجب نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ تبرعاً یعنی از راہ احسان وشفقت ان کے قرض کی ادائیگی کرتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دیوالیہ کا حکم

(۱۶) عَنْ اَبِیْ خَلْدَۃَ الزُّرَقِیِّ قَالَ جِئْنَا اَبَاھُرَیْرَۃَ فِیْ صَاحِبٍ لَنَا قَدْ اَفْلَسَ فَقَالَ ھٰذَا الَّذِیْ قَضٰی فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّٰی

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ مَاتَ اَوْ اَفْلَسَ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ اَحَقُّ بِمَتَاعِهٖ اِذَا وَجَدَهٗ بِعَيْنِهٖ۔ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ابی خلدہ زرقی کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابوہریرہؓ کے پاس اپنے ایک ساتھی کا معاملہ لے کر آئے جو مفلس ہوگیا تھا (مگر اس کے پاس لوگوں کا وہ سامان موجود تھا جس کی قیمت اس نے ادا نہیں کی تھی) ہم نے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ اس شخص کا معاملہ بالکل اس شخص جیسا ہے جس کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا کہ جو شخص مرجائے یا مفلس ہوجائے (اور اس کے ذمے لوگوں کے مطالبات ہوں) تو جس شخص کا مال اس کے پاس ہے وہی شخص اس مال کا زیادہ حقدار ہے بشرطیکہ وہ مال جوں کا توں موجود ہو۔" اس کی وضاحت کے لئے اسی باب کی پہلی فصل میں حدیث نمبر ادیکھئے۔"
(شافعیؒ، ابن ماجہؒ)

قرض دار کی روح قرض کی ادائیگی تک معلق رہتی ہے

⑰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهٖ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ۔
(رواہ الشافعی واحمد والترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "مؤمن کی روح اپنے قرض کی وجہ سے اس وقت تک معلق رہتی ہے جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ ہوجائے (یعنی جب کوئی شخص قرضدار مرتا ہے تو اس کی روح اس وقت تک بندگان صالح کی جماعت میں داخل نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ ہوجائے۔" (شافعیؒ، احمدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ جو قرض اپنی ادائیگی کے وقت تک مؤمن کی روح کو جنت اور بندگان صالح کی جماعت میں داخل ہونے سے روکتا ہے وہ قرض وہ ہے جو بلا ضرورت واقعی مال وزر کی صورت میں کسی سے لیا گیا ہو اور وہ مال وزر واہیات اور فضول کاموں میں خرچ کیا گیا ہو اور اسے اسراف کے طور پر لٹایا گیا ہو۔ ہاں جس شخص نے اپنی واقعی ضرورت کے لئے مثلاً حقوق واجبہ کی تکمیل یا کسی کے مالی مطالبہ کی ادائیگی کے بقدر ضرورت روپیہ یا مال قرض لیا ہو اور پھر قرضدار اس کو ادا کرنے سے پہلے مرگیا ہو تو ایسا قرض اس کو جنت اور بندگان صالح کی جماعت میں داخل ہونے سے انشاء اللہ نہیں روکے گا، مگر ایسے قرض کے بارے میں سلطان وقت یعنی حاکم (یا قرض دار کے متعلقین میں سے مستطیع لوگوں) کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ اس کا قرض ادا کردیں اور اگر کوئی بھی اس کا قرض ادا نہیں کرے گا تو پھر امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں قرض خواہوں کو راضی کردے گا تاکہ وہ اس قرض دار سے آخرت میں کوئی مطالبہ نہ کریں۔

⑱ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاحِبُ الدَّيْنِ مَاْسُوْرٌ بِدَيْنِهٖ يَشْكُوْ اِلٰى رَبِّهِ الْوَحْدَةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرُوِيَ اَنَّ مُعَاذًا كَانَ يَدَّانُ فَاَتٰى غُرَمَاؤُهٗ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَهٗ كُلَّهٗ فِيْ دَيْنِهٖ حَتّٰى قَامَ مُعَاذٌ بِغَيْرِ شَيْءٍ مُرْسَلٌ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَلَمْ اَجِدْهُ فِي الْاُصُوْلِ اِلَّا فِي الْمُنْتَقٰى، وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ شَابًّا سَخِيًّا وَكَانَ لَا يُمْسِكُ شَيْئًا فَلَمْ يَزَلْ يَدَّانُ حَتّٰى اَغْرَقَ مَالَهٗ كُلَّهٗ فِي الدَّيْنِ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهٗ لِيُكَلِّمَ غُرَمَاءَهٗ فَلَوْ تَرَكُوْا لِاَحَدٍ لَتَرَكُوْا لِمُعَاذٍ لِاَجْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمْ مَالَهٗ حَتّٰى قَامَ مُعَاذٌ بِغَيْرِ شَيْءٍ۔ رَوَاهُ سَعِيْدٌ فِيْ سُنَنِهٖ مُرْسَلًا۔

"اور حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قرض دار اپنے قرض کی وجہ سے محبوس کردیا جائے گا (یعنی جنت میں داخل ہونے اور بندگان صالح کی صحبت میں پہنچنے سے روک دیا جائے گا) چنانچہ وہ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے اپنی تنہائی کی شکایت کرے گا۔" (شرح السنۃ)

"منقول ہے کہ حضرت معاذ ابن جبلؓ قرض لیا کرتے تھے (ایک مرتبہ) ان کے قرض خواہ (اپنے قرض کی وصولی کے سلسلے میں) آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے معاذؓ کا سارا مال واسباب ان کے قرض کی ادائیگی کے لئے بیچ ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاذؓ مفلس ہوگئے۔ یہ حدیث مرسل ہے اور یہ الفاظ مصابیح کے نقل کردہ ہیں۔ (مشکوۃ کے مؤلف کہتے ہیں کہ) مجھے یہ روایت اصول یعنی صحاح ستہ وغیرہ میں نہیں ملی ہے، البتہ یہ روایت منتقیٰ میں ملی ہے اور وہ بھی اس طرح ہے کہ "حضرت عبدالرحمٰن ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبلؓ ایک سخی جوان تھے اور (اپنی سخاوت کی وجہ سے) کوئی مال واسباب اپنے پاس نہیں رکھتے تھے (کیونکہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہوتا تھا وہ سب دوسروں کو دے دیا کرتے تھے) اسی وجہ سے وہ ہمیشہ قرض لیتے رہتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے اپنا مال واسباب قرض کی نذر کر دیا۔ پھر وہ (ایک دن) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور اس بات کی خواہش کی) کہ آپ ﷺ ان کے قرض خواہوں سے سفارش کر دیں (کہ وہ سارا قرض یا قرض کا کچھ حصہ معاف کر دیں) چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے قرض خواہوں سے اس سلسلے میں گفتگو کی مگر انہوں نے کچھ بھی معاف نہیں کیا، اور اگر وہ کسی کا قرض معاف کر سکتے تو آنحضرت ﷺ کی وجہ سے معاذؓ کا قرض ضرور معاف کر دیتے (لہٰذا جب انہوں نے معاف کرنے سے صاف انکار کر دیا تو) آنحضرت ﷺ نے ان قرض خواہوں کے مطالبات پورے کرنے کے لئے معاذؓ کا سارا مال واسباب بیچ دیا یہاں تک کہ "اس کی وجہ سے) معاذؓ مفلس ہوگئے! سعیدؒ نے اس روایت کو اپنی سنن میں بطریق ارسال نقل کیا ہے۔" (شرح السنۃ)

تشریح: "اپنے پروردگار سے اپنی تنہائی کی شکایت کرے گا" کا مطلب یہ ہے کہ جب اس شخص کو نہ تو جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی اور نہ نیک بخت لوگوں کی صحبت میں اسے جانے دیا جائے گا اور اس طرح جب وہ یہ دیکھے گا کہ تمام ہی نیک بخت لوگ تو جنت میں جا رہے ہیں اور میں ایسا بد بخت ہوں کہ ان کی رفاقت و صحبت کی سعادت سے بھی محروم ہوں، نیز اسے کوئی ایسا سفارشی بھی نظر نہیں آئے گا جو اسے اس قید تنہائی سے نجات دلائے تو وہ اپنی تنہائی اور اس قید کی وحشت سے مضطرب ہو کر بارگاہ خداوندی میں شکوہ کرے گا۔ چنانچہ جب تک وہ قرض کی وجہ سے چھٹکارا نہ پا جائے گا۔ بایں طور کہ یا تو وہ اس قرض کے عوض میں اپنی نیکیاں قرض خواہوں کو دے دے، یا قرض خواہوں کے گناہوں کو ان کے قرض کے عوض اپنے اوپر لادلے، یا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے قرض خواہوں کو راضی کر دے اور وہ اپنا حق معاف کر دیں، اس وقت تک وہ اسی تنہائی میں رہے گا، گویا یہ تنہائی بھی اس کے لئے ایک عذاب کے درجے کی چیز ہوگی جس سے وہ سخت رنج واذیت محسوس کرے گا۔

ایک روایت میں یوں منقول ہے کہ قرض دار اپنے قرض کی وجہ سے اپنی قبر میں قید کیا جائے گا اور پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی قید تنہائی کا شکوہ کرے گا۔

"اصول" ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں حدیثیں سند کے ساتھ نقل کی گئی ہیں۔ "منتقیٰ" ابن تیمیؒ کی ایک کتاب کا نام ہے۔ لہٰذا مشکوۃ کے مؤلف روایت کے الفاظ لم اجد الخ کے ذریعے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مصابیح کے مصنف نے یہ روایت وروی ان معاذا کان الخ جن الفاظ میں نقل کی ہے ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت مجھے اصول کی کتابوں میں نہیں ملی ہے بلکہ یہ روایت منتقیٰ میں منقول ہے اور وہ بھی ان الفاظ میں وعن عبدالرحمٰن الخ۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ منتقیٰ کے ہیں اور ان کو یہاں مؤلف مشکوۃ نے اس لئے نقل کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حدیث اگرچہ اصول کی ان کتابوں میں نہیں ہے جنہیں مؤلفؒ نے دیکھا ہے لیکن منتقیٰ میں موجود ہے لہٰذا یہ روایت اگر اصول کی کتابوں میں نہ ہوتی تو صاحب منتقیٰ اس کو اپنی کتاب میں نقل نہ کرتے۔

بلا عذر قرض ادا نہ کرنے والا مستطیع شخص قابل ملامت ہے

(۱۹) وَعَنِ الشَّرِيْدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوْبَتَهُ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ

يُحِلُّ عِرْضَهٗ يُغَلَّظُ لَهٗ وَ عُقُوْبَتَهٗ يُحْبَسُ لَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت شرید کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مستطیع شخص کا (ادائیگی قرض میں) تاخیر کرنا، اس کی بے آبروئی اور اسے سزا دینے کو حلال کرنا ہے" ابن مبارک فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی بے آبروئی کا حلال ہونا یہ ہے کہ اسے ملامت کی جائے اور اسے سزا دینا یہ ہے کہ اس کو قید کرا دیا جائے۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص صاحب استطاعت اور مالدار ہونے کے باوجود بلاعذر اپنے قرض خواہ کا قرض ادا نہ کرے تو اس کی آبروریزی بھی مباح ہے اور اس کو سزا دینا بھی درست ہے کیونکہ اس کی طرف سے بلاعذر ادائیگی قرض میں ٹال مٹول اور تاخیر ایک طرح کا ظلم ہے۔ آبروریزی کا مطلب تو یہ ہے کہ اسے سرزنش کی جائے اور اسے برا بھلا کہا جائے۔ اور اس کو سزا دینے کا مطلب یہ ہے کہ حاکم و عدالت سے چارہ جوئی کر کے اسے قید خانہ میں ڈلوا دیا جائے۔

قرض دار مرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنے سے آنحضرت ﷺ کا انکار

(۲۰) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ اُتِیَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَنَازَةٍ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلٰى صَاحِبِكُمْ دَيْنٌ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ هَلْ تَرَكَ لَهٗ مِنْ وَفَاءٍ قَالُوْا لَا قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ قَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَيَّ دَيْنُهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ مَعْنَاهُ وَقَالَ فَكَّ اللّٰهُ رِهَانَكَ مِنَ النَّارِ كَمَا فَكَكْتَ رِهَانَ اَخِيْكَ الْمُسْلِمِ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَقْضِیْ عَنْ اَخِيْهِ دَيْنَهٗ اِلَّا فَكَّ اللّٰهُ رِهَانَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپ ﷺ اس کی نماز پڑھیں، آپ ﷺ نے (جنازہ لانے والوں سے) دریافت فرمایا کہ "کیا تمہارے اس ساتھی پر قرض بھی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ "ہاں!" آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ "کیا یہ شخص اپنے قرض کی ادائیگی کے بقدر (مال) چھوڑ گیا ہے؟ جواب دیا گیا کہ "نہیں!" آپ ﷺ نے فرمایا "تو پھر تم لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھ لو (میں نہیں پڑھوں گا) حضرت علی نے (یہ سن کر) کہا کہ "یارسول اللہ! اس کے قرض کی ادائیگی میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ آگے بڑھے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ ایک اور روایت میں جو اسی مضمون کی منقول ہے (مگر اس کے الفاظ اس سے مختلف ہیں) یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں کہ "آنحضرت ﷺ نے (حضرت علی سے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری جان کو دوزخ کی آگ سے اسی طرح نجات دے جس طرح تم نے اپنے ایک مسلمان بھائی کی جان کو (قرض کے بوجھ سے) نجات دی، (یاد رکھو) جو بھی مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کا قرض ادا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جان کو نجات دے گا" (شرح السنۃ)

قرض کے بوجھ سے ہلکا ہو کر مرنے والے کے لئے بشارت

(۲۱) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ بَرِيْءٌ مِنَ الْكِبْرِ وَالْغُلُوْلِ وَالدَّيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ تکبر، خیانت اور قرض سے پاک ہو تو وہ (مقبول بندوں کے ساتھ) جنت میں داخل ہوگا۔" (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

بالکل مفلسی کی حالت میں قرض دار مرنا ایک بڑا گناہ ہے

(۲۲) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الذُّنُوْبِ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ يَلْقَاهُ بِهَا عَبْدٌ بَعْدَ الْكَبَائِرِ الَّتِیْ نَهَى اللّٰهُ عَنْهَا اَنْ يَمُوْتَ رَجُلٌ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ لَا يَدَعُ لَهٗ قَضَاءً۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

"اور حضرت ابو موسیٰؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "کبیرہ گناہ کہ جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے اللہ کے نزدیک ان کے بعد عظیم ترین گناہ کہ جس کا مرتکب ہو کر بندہ خدا سے ملے یہ ہے کہ کوئی شخص اس حالت میں مرے کہ اس پر قرض کا بوجھ ہو اور اس نے اپنے پیچھے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: بالکل مفلسی کی حالت میں قرض کا بوجھ لے کر مرنے کے گناہ کو "گناہ کبیرہ" کے بعد کا درجہ اس لئے دیا گیا ہے کہ "گناہ کبیرہ" تو بذات خود ممنوع ہے لیکن قرض لینا بذات خود ممنوع نہیں ہے کہ وہ گناہ کبیرہ ہو بلکہ بعض احادیث میں تو (اپنی واقعی ضروریات کی تکمیل کے لئے) قرض لینے کو مستحب کہا گیا ہے، چنانچہ بعض مواقع پر قرض کی جو ممانعت منقول ہے وہ اس عارض کی بناء پر ہے کہ بسا اوقات قرض لینے میں لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں یعنی قرض لینے والا جب قرض کی ادائیگی نہیں کرتا تو قرض خواہ کا مال بلاوجہ ضائع ہو جاتا ہے اس صورت میں قرض لینا گناہ بن جاتا ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں منقول "گناہ کبیرہ" کی اگر یہ وضاحت کر دی جائے کہ ایسے گناہ کبیرہ جو مشہور ہیں۔ جیسے شرک اور زنا وغیرہما تو مطلب یہ ہوگا کہ بالکل مفلسی کی حالت میں قرض دار مرنے کے گناہ کا درجہ مشہور کبیرہ گناہ جیسے شرک وغیرہ کے بعد ہے، اس صورت میں یہ بھی (مشہور کبیرہ گناہوں کے علاوہ) دوسرے کبیرہ گناہوں کے زمرہ میں آجائے گا۔

حرام چیزوں میں صلح ناجائز ہے

(۲۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا وَالْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى شُرُوْطِهِمْ اِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهٗ عِنْدَ قَوْلِهٖ عَلٰى شُرُوْطِهِمْ۔

"اور حضرت عمرو ابن عوف مزنیؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے ہاں وہ صلح جائز نہیں ہے جو حلال چیز کو حرام یا حرام چیز کو حلال کر دے اور مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں (یعنی مسلمان صلح و جنگ یا ان کے علاوہ دوسرے معاملات میں آپس میں جو شرطیں یعنی عہد و پیمان کرتے ہیں ان کی پاسداری و پابندی ضروری ہے) ہاں اس شرط کی پابندی جائز نہیں ہے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دے۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، ابوداؤدؒ) ابوداؤد نے اس روایت کو لفظ علی شروطہم تک نقل کیا ہے

تشریح: ناجائز صلح کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص اس بات پر صلح کرے کہ میں بیوی کی سوکن سے جماع نہیں کروں گا یہ صلح درست نہیں ہے کیونکہ اس میں ایک ایسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینا لازم آتا ہے جو بالکل جائز اور حلال ہے اسی طرح وہ صلح بھی جائز نہیں ہے جو حرام چیز کو حلال کر دے مثلاً کوئی اس بات پر صلح کرے کہ میں شراب پیوں گا یا سور کھاؤں گا اس میں ایک چیز کو اپنے لئے حلال سمجھ لینا ہے جو قطعاً حرام ہے۔

جس طرح کی پاسداری و پابندی جائز نہیں ہے اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ شرط و عہد کر لے کہ میں اپنی لونڈی سے جماع نہیں کروں گا، اس میں ایک ایسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی شرط ہے جو حلال ہے، یا مثلاً کوئی اس بات کی شرط کرے کہ میں اپنی بیوی کی موجودگی میں اس کی بہن سے شادی کر لوں گا، اس شرط و عہد کی پاسداری بھی درست نہیں کیونکہ اس میں ایک ایسی چیز کو اپنے لئے حلال قرار دے لینا لازم آتا ہے جو قطعاً حرام ہے۔

بظاہر یہ حدیث اس باب سے کوئی تعلق نہیں رکھتی لیکن چونکہ مؤلف کتاب نے اس حدیث کو یہاں نقل کیا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ خرید و فروخت کے معاملات میں مفلس و دیوالیہ ہو جانے کے وقت اکثر صلح و شرائط کی نوبت آتی ہے اس لئے اس مناسبت سے اس

حدیث کو یہاں نقل کیا گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت ﷺ کا پائجامہ خریدنا

(۲۴) عَنْ سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ جَلَبْتُ اَنَا وَمُخْرَفَةُ الْعَبْدِيُّ بَزًّا مِنْ هَجَرٍ فَاَتَيْنَا بِهٖ مَكَّةَ فَجَاءَ نَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِيْ فَسَاوَمَنَا بِسَرَاوِيْلَ فَبِعْنَاهُ وَثَمَّ رَجُلٌ يَزِنُ بِالْاَجْرِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زِنْ وَاَرْجِحْ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"حضرت سوید ابن قیسؓ کہتے ہیں کہ میں اور مخرفہ عبدی نے مقام ہجر سے (جو مدینہ کے قریب واقع ہے) بیچنے کے لئے کپڑا لیا اور اسے لے کر مکہ میں آئے، رسول اللہ ﷺ (کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم بیچنے کے لئے کپڑا لے کر مکہ آئے ہیں تو آپ ﷺ) بہ نفس نفیس چل کر (بغیر سواری کے) ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم سے ایک پائجامہ خریدا، چنانچہ جب ہم نے وہ پائجامہ آپ ﷺ کو بیچا تو آپ ﷺ نے اس شخص سے کہ جو اس جگہ اجرت پر لوگوں کے اسباب تولا کرتا تھا فرمایا کہ تم (میرے چاندی کے یہ ٹکڑے) تول دو (تاکہ میں یہ ٹکڑے اس پائجامہ کی قیمت کے طور پر دے دوں) اور (جتنے ٹکڑوں کی بات طے ہوئی ہے اس سے) کچھ زیادہ ہی تول دینا۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ) اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ابو یعلی نے اپنی سند میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وہ پائجامہ چار درہم کے عوض خرید فرمایا تھا۔ احادیث سے صرف آپ ﷺ کا پائجامہ خریدنا ثابت ہوتا ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے وہ پائجامہ پہنا بھی تھا۔

اس حدیث میں جہاں آنحضرت ﷺ کی تواضع وانکساری کا بیان ہے کہ آپ ﷺ پائجامہ خریدنے کے لئے خود بہ نفس نفیس چل کر تشریف لائے وہیں اس حدیث سے آپ ﷺ کے کمال اخلاق وکرم فرمائی کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے پائجامہ بیچنے والے کو طے شدہ قیمت سے زائد مال عنایت فرمایا۔

یہ حدیث بھی بظاہر اس باب کے موضوع سے متعلق نہیں ہے الآیہ کہ یہ کہا جائے کہ بعض وقت بیچنے والے کے افلاس اور اس کی خستہ حالت کی وجہ سے اس کو ازراہ احسان وبھلائی متعینہ قیمت سے کچھ زائد بھی دے دیا جاتا ہے اس مناسبت سے یہ حدیث یہاں نقل کی گئی ہے۔

قرض کی واپسی میں غیر مشروط زیادتی جائز ہے

(۲۵) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ لِيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ فَقَضَانِيْ وَزَادَنِيْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ پر میرا کچھ قرض تھا، چنانچہ جب آپ ﷺ نے وہ قرض واپس کیا تو مجھے کچھ زیادہ دیا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی کا کوئی مطالبہ (مثلاً قرض وغیرہ) ادا کرے اور اپنی طرف سے کچھ زیادہ بھی دے دے بشرطیکہ وہ زیادتی سرے سے مشروط نہ ہو تو یہ درست ہے۔ اس زیادتی کو سود نہیں کہیں گے۔ کیونکہ سود تو اس زیادتی کو کہتے ہیں جو قرض خواہ قرض دیتے وقت مشروط کردے مثلاً ایک سو روپیہ ایک متعین مدت کے وعدے سے بطور قرض کسی کو دے اور یہ شرط عائد کردے کہ اس قرض کی واپسی کے وقت دس روپیہ مزید لوں گا یہ قطعاً حرام ہے۔

ادائیگی قرض کا جلد انتظام کرو

(۲۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ رَبِیْعَةَ قَالَ اسْتَقْرَضَ مِنِّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعِیْنَ اَلْفًا فَجَاءَهُ مَالٌ فَدَفَعَهُ اِلَیَّ وَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ اِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْاَدَاءُ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت عبداللہ ابن ابی ربیعہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے ایک موقع پر چالیس ہزار (درہم) قرض لئے تھے، پھر جب آپ ﷺ کے پاس ایک بڑی مقدار میں مال آیا تو آپ ﷺ نے مجھے (وہ سب مال یا اس مال میں سے میرے قرض کے بقدر) دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اہل وعیال اور تمہارے اموال میں برکت عطا فرمائے قرض کا بدلہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ (جب قرض مل جائے تو) شکر و ثنا کی جائے اور (جلد سے جلد) اس کی ادائیگی کا انتظام کیا جائے۔" (نسائیؒ)

مہلت دینے والے کو ثواب ملتا ہے

(۲۷) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ عَلٰی رَجُلٍ حَقٌّ فَمَنْ اَخَّرَهٗ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ یَوْمٍ صَدَقَةٌ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جس شخص کا کسی پر کوئی حق (یعنی قرضہ وغیرہ) ہو اور وہ اس (کو وصول کرنے) میں تاخیر کرے (یعنی قرض دار کو مہلت دے) تو اسے (دی ہوئی مہلت کے) ہر دن کے بدلے صدقہ کا ثواب ملے گا۔" (احمدؒ)

دین میراث پر مقدم ہے

(۲۸) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ الْاَطْوَلِ قَالَ مَاتَ اَخِیْ وَتَرَكَ ثَلَاثَمِائَةِ دِیْنَارٍ وَتَرَكَ وَلَدًا صِغَارًا فَاَرَدْتُ اَنْ اُنْفِقَ عَلَیْهِمْ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخَاكَ مَحْبُوْسٌ بِدَیْنِهٖ فَاقْضِ عَنْهُ قَالَ فَذَهَبْتُ فَقَضَیْتُ عَنْهُ ثُمَّ جِئْتُ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ قَضَیْتُ عَنْهُ وَلَمْ تَبْقَ اِلَّا امْرَاَةٌ تَدَّعِیْ دِیْنَارَیْنِ وَلَیْسَتْ لَهَا بَیِّنَةٌ قَالَ اَعْطِهَا فَاِنَّهَا صَادِقَةٌ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت سعد ابن اطولؓ کہتے ہیں کہ جب میرا بھائی مرا تو اس نے تین سو دینار اور چھوٹے چھوٹے لڑکے چھوڑے تھے، چنانچہ میں نے چاہا کہ ان تین سو دیناروں کو اس کے چھوٹے بچوں پر خرچ کردوں (اور اس کا قرض ادا نہ کروں) لیکن رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارا بھائی اپنے قرض کی وجہ سے (عالم برزخ میں) محبوس کردیا گیا ہے (جس کے سبب وہ وہاں کی نعمتوں اور صلحاء کی صحبت سے محروم ہے) لہٰذا تم اس کا قرض ادا کردو۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ (یہ سنتے ہی) میں گھر آیا اور اپنے بھائی کا قرض ادا کیا۔ پھر میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے اپنے بھائی کا قرض ادا کردیا ہے، اب کسی کا کوئی مطالبہ باقی نہیں ہے ہاں ایک عورت باقی رہ گئی ہے جو دو دینار کا دعویٰ کررہی ہے لیکن اس کا کوئی گواہ نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا "اس کو بھی دو دینار دے دو وہ سچی ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: یا تو آپ ﷺ کو سعدؓ کے بھائی کے قرض کا حال بغیر وحی کے کسی اور ذریعے سے معلوم ہوا ہوگا اس لئے آپ ﷺ نے سعدؓ کو اس کا قرض ادا کرنے کا حکم دیا کیونکہ حاکم کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی معلومات پر اعتماد کرتے ہوئے حکم جاری کردے یا پھر آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے اس کے قرض کا حال معلوم ہوا ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین، میراث پر مقدم ہے، یعنی مرنے والے کے مال وزر میں سے پہلے لوگوں کے وہ مطالبات ادا کئے جائیں جو اپنے ذمہ چھوڑ گیا ہو اس کے بعد جو کچھ بچے وہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے

بار بار کی شہادت بھی قرض کا کفارہ نہیں ہو سکتی

(۲۹) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا بِفِنَاءِ الْمَسْجِدِ حَيْثُ يُوْضَعُ الْجَنَائِزُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنَا فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهُ قِبَلَ السَّمَاءِ فَنَظَرَ ثُمَّ طَأْطَأَ بَصَرَهُ وَوَضَعَ يَدَهُ عَلٰى جَبْهَتِهِ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا نَزَلَ مِنَ التَّشْدِيْدِ قَالَ فَسَكَتْنَا يَوْمَنَا وَلَيْلَتَنَا فَلَمْ نَرَ اِلَّا خَيْرًا حَتّٰى اَصْبَحْنَا قَالَ مُحَمَّدٌ فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا التَّشْدِيْدُ الَّذِيْ نَزَلَ قَالَ فِي الدَّيْنِ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ اَنَّ رَجُلًا قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ مَا دَخَلَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يُقْضٰى دَيْنُهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ نَحْوُهُ۔

"اور حضرت محمد بن عبداللہ ابن جحشؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم لوگ مسجد نبوی ﷺ کے قریب اس صحن میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں جنازے لاکر رکھے جاتے تھے، ہمارے درمیان رسول کریم ﷺ بھی تشریف فرما تھے، اچانک آپ ﷺ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور ادھر دیکھا پھر اپنی نظر جھکالی اور اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ کر (انتہائی تعجب کے عالم میں) فرمایا کہ " سبحان اللہ! سبحان اللہ! کس قدر سختی نازل ہوئی ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ "ہم خاموش رہے (یعنی ہم نے آپ ﷺ سے کوئی سوال نہیں کیا) یہاں تک کہ وہ پورا دن گذرا، پوری رات گذری اور ہمیں اچھائی کے علاوہ کوئی سخت بات نظر نہیں آئی (یعنی صحابہؓ آپ ﷺ کے اس ارشاد سے یہ سمجھے کہ شاید اسی وقت کوئی عذاب نازل ہونے والا ہے یا کوئی سخت مصیبت آنے والی ہے مگروہ پورا دن گذر گیا، پوری رات گذر گئی نہ کوئی عذاب نازل ہوا اور نہ کوئی مصیبت پیش آئی) تا آنکہ صبح ہوگئی۔ حدیث کے راوی محمد ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ "اس کے بعد میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ وہ کیا سختی ہے جو نازل ہوئی ہے" (اور جس کا اظہار آپ ﷺ نے اتنے تعجب کے ساتھ کل فرمایا تھا) آپ ﷺ نے فرمایا (دین (یعنی قرض وغیرہ) کے بارے میں وہ سختی نازل ہوئی ہے، قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کرتے ہوئے) مارا جائے اور پھر زندہ ہو، پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے اور پھر زندہ ہو، پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے اور پھر زندہ ہو اور اس پر قرض ہو تو وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کردیا جائے (یعنی اگر کوئی قرض دار بار بار بھی اللہ کی راہ میں مارا جائے تو یہ بار بار کی شہادت بھی اس کے قرض کا کفارہ نہیں ہو سکتی) اس روایت کو امام احمدؒ نے نقل کیا ہے۔ نیز شرح السنۃ میں بھی اسی طرح کی حدیث منقول ہے۔" (جس کا مضمون تو یہی ہے مگر الفاظ دوسرے ہیں)

تشریح: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ جنازہ کی نماز مسجد میں نہیں پڑھتے تھے بلکہ مسجد سے باہر دوسری جگہ پڑھتے تھے۔

بَابُ الشِّرْكَةِ وَالْوَكَالَةِ

شرکت اور وکالت کا بیان

لغت میں "شرکت" کے معنی ہیں "ملانا" لیکن اصطلاح شریعت میں "شرکت کہتے ہیں" دو آدمیوں کے درمیان ایک ایسا (مثلاً تجارتی) عقد و معاملہ ہونا جس میں وہ اصل اور نفع دونوں میں شریک ہوں

"شرکت" کی دو قسمیں ہیں، "شرکت ملک" اور "شرکت عقد" شرکت ملک اسے کہتے ہیں کہ دو آدمی یا کئی آدمی بذریعہ خرید یا ہبہ یا میراث کسی ایک چیز کے مالک ہوں، یا دو شخص مشترک طور پر کسی مباح چیز کو حاصل کریں، مثلاً دو آدمی مل کر شکار کریں اور وہ شکار دونوں کی مشترک ملکیت ہو۔ یا دو آدمیوں کا ایک ہی جنس کا الگ الگ مال ایک دوسرے میں اس طرح مل جائے کہ ان دونوں کے مال کا امتیاز نہ

ہو سکے۔ مثلاً زید کا دودھ بکر کے دودھ میں مل جائے یا وہ دونوں اپنے اپنے مال کو قصداً ایک دوسرے کے مال میں ملادیں۔ یہ سب شریک ملک کی صورتیں ہیں۔ اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ ہر شریک اپنے دوسرے شریک کے حصے میں اجنبی آدمی کی طرح ہے، اور ہر شریک اپنا حصہ اپنے دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر اس شریک کو یا کسی (دوسرے شخص (یعنی غیر شریک کو) فروخت کر سکتا ہے البتہ آخری دونوں صورتوں میں (یعنی ایک دوسرے کے مال کے آپس میں مل جانے یا اپنے اپنے مال کو ایک دوسرے کے مال میں قصداً ملادینے کی صورت میں) کوئی بھی شریک اپنا حصہ کسی دوسرے شخص (یعنی غیر شریک) کو اپنے دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر نہیں بیچ سکتا۔

"شرکت عقد" کا مطلب ہے "شرکاء کا ایجاب وقبول کے ذریعے اپنے اپنے حقوق واموال کو متحد کر دینا" اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک دوسرے سے یہ کہے کہ میں نے اپنے فلاں حقوق اور فلاں معاملات یعنی تجارت وغیرہ میں تمہیں شریک کیا اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا۔ اس طرح "شرکت عقد" کا رکن (یعنی اس کی بنیاد) تو ایجاب وقبول ہے اور اس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ معاہدہ شرکت میں ایسی کوئی دفعہ مطلقاً شامل نہ ہو جو شرکت کے بنیادی اصولوں کو فوت کر دے جیسے شرکاء میں سے کسی ایک کا فائدے میں سے کچھ حصے کو اپنے لئے متعین ومخصوص کر لینا مثلاً کسی تجارت میں دو آدمی شریک ہوں اور ان میں سے کوئی ایک شریک یہ شرط عائد کر دے کہ اس تجارت سے حاصل ہونے والے فائدے میں سے پانچ سو روپے ماہوار لیا کروں گا۔ یہ شرط مشترک ومتحد معاملات کے بالکل منافی ہے۔ جو شرکت کے بنیادی اصول ومقاصد ہی کو فوت کر دیتی ہے، اس لئے معاہدہ شرکت میں ایسی کسی دفعہ کا شامل نہ ہونا شرکت کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔

پھر شرکت عقد کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) شرکت مفاوضہ (۲) شرکت عنان (۳) شرکت صنائع والتقبل (۴) اور شرکت وجوہ۔

"شرکت مفاوضہ" تو یہ ہے کہ دو شخص یہ شرط کریں یعنی آپس میں ٹھہرائیں کہ مال میں تصرف میں مفاوضہ میں دونوں شریک رہیں گے لیکن اس شرکت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ دونوں دین ومذہب میں بھی یکساں اور برابر ہوں۔ یہ شرکت ایک دوسرے کی وکالت اور کفالت کو لازم کر دیتی ہے، یعنی شرکت مفاوضہ میں شرکاء ایک دوسرے کے وکیل اور کفیل ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ شرکت مسلمان اور ذمی کے درمیان جائز نہیں ہوتی کیونکہ دین ومذہب کے اعتبار سے دونوں مساوی اور یکساں نہیں ہیں، اسی طرح غلام اور آزاد کے درمیان اور بالغ ونابالغ کے درمیان بھی یہ شرکت جائز نہیں کیونکہ یہ تصرف میں مساوی ویکساں نہیں ہیں۔

اس شرکت کے معاہدہ وشرائط میں لفظ "مفاوضت" یا اس کے تمام مقتضیات کو بیان وواضح کر دینا ضروری ہے۔ اس شرکت میں عقد ومعاہدہ کے وقت شرکاء کا اپنا اپنا مال دینا یا اپنے اپنے مال کو ملانا شرط نہیں ہے۔ اس شرکت میں شرکاء چونکہ ایک دوسرے کے کفیل ووکیل ہوتے ہیں اس لئے اگر اس میں سے کوئی بھی اپنے بال بچوں کے کھانے اور کپڑے کے علاوہ جو کچھ خریدے گا وہ تمام شرکاء کی ملکیت ہوگا۔

حضرت امام محمدؒ کے نزدیک شرکت مفاوضت اور عنان صرف ایسے سرمایہ اور مال میں صحیح ہو سکتی ہے جو روپے، اشرفی اور رائج الوقت سکوں کی شکل میں ہو۔ ہاں سونے اور چاندی کے ڈلوں اور ٹکڑوں میں بھی جائز ہے بشرطیکہ ان کے ذریعے لین دین ہوتا ہو اور اگر شرکاء میں سے کوئی ایک وارث یا کسی اور ذریعے سے کسی ایسے مال کا مالک ہوا جس میں مفاوضت درست ہو سکتی ہے جیسے روپے اور اشرفی وغیرہ تو شرکت مفاوضت باطل ہو کر شرکت عنان ہو جائے گی اور اگر شرکاء میں سے کوئی ایک کسی ایسے مال کا وارث ہو گیا جس میں شرکت مفاوضت نہیں ہو سکتی جیسے اسباب، مکان اور زمین وغیرہ تو شرکت مفاوضت باقی رہے گی۔

"شرکت عنان" یہ ہے کہ دو آدمی ایک خاص طور کے معاملہ مثلاً تجارت میں شریک ہوں اور وہ دونوں مذکورہ بالا چیزوں یعنی تصرف اور دین ومذہب وغیرہ میں یکساں وبرابر ہوں یا یکساں وبرابر نہ ہوں۔ یہ شرکت ایک دوسرے کی وکالت کو تو لازم کرتی ہے مگر کفالت کو لازم نہیں کرتی۔ ہاں شرکاء ایک دوسرے کے وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ کفیل وامین بھی ہوتے ہیں مگر اسی کام میں جس میں وہ شریک

ہوں۔

"شرکت صنائع والتقبل" یہ ہے کہ دو پیشہ ور مثلاً دو درزی یا دو رنگریز اس شرط پر شرکت میں کام کریں کہ دونوں شریک کام لیں گے اور دونوں اس کام کو مل جل کر کریں گے اور پھر جو اجرت حاصل ہوگی اسے دونوں تقسیم کریں گے۔ اگر ان کے معاہدہ شرکت میں یہ شرط ہو کہ کام تو دونوں آدھوں آدھ کریں گے مگر نفع میں سے ایک تو دو تہائی لے گا اور دوسرا ایک تہائی تو یہ شرط جائز ہے۔ دونوں شرکاء میں سے جو بھی کسی کا کام لے گا اس کو کرنا دونوں کے لئے ضروری ہوگا یہ نہیں کہ جس شریک نے کام لیا ہو وہی اسے کرے بھی، اسی طرح ان کے یہاں کام کرانے والا دونوں شرکاء میں سے کسی سے بھی اپنا کام طلب کر سکتا ہے ایسے ہی دونوں شرکاء میں سے ہر ایک کو مساوی طور پر یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی بھی کام کی اجرت حاصل کر لے اور ان میں سے کسی ایک کو اجرت دینے والا بری الذمہ ہو جائے گا۔ کام کے منافع اور کمائی میں دونوں شریک حصہ دار ہوں گے خواہ کام دونوں کریں یا صرف ایک کرے۔

"شرکت وجوہ" یہ ہے کہ ایسے دو آدمی جن کے پاس اپنا کوئی سرمایہ اور مال نہ ہو اس شرط پر مشترک کاروبار کریں کہ دونوں اپنی اپنی حیثیت اور اپنے اپنے اعتبار پر قرض سامان لاکر فروخت کریں گے اور اس کا نفع آپس میں تقسیم کریں گے۔ اگر ان دونوں کی شرکت میں مفاوضت کی شرط ہوگی تو وہ صحیح ہو جائے گی اور اگر وہ شرکت کو بلا شرط مفاوضت یعنی مطلق رکھیں گے تو ان کی یہ شرکت بطور عنان ہوگی، یہ شرکت تجارت کے لئے خریدے گئے مال میں وکالت کو لازم کرتی ہے، یعنی وہ اپنے یہاں فروخت کرنے کے لئے جو مال خرید کرائیں گے اس میں وہ ایک دوسرے کے وکیل ہوں گے، لہٰذا اگر دونوں میں یہ شرط طے پائی ہو کہ تجارت کے لئے جو مال خریدا جائے گا وہ دونوں کا آدھوں آدھ رہے گا تو اس کے نفع میں بھی دونوں آدھوں آدھ کے حقدار ہوں گے اور اگر یہ شرط طے پائے کہ جو مال خرید کرلایا جائے گا اس میں سے ایک کا تو ایک تہائی ہوگا اور دوسرے کا دو تہائی یا ایک کا دو تہائی ہوگا اور دوسرے کا ایک تہائی تو اس کا نفع بھی اسی اعتبار سے تقسیم ہوگا نفع میں کمی بیشی کی شرط باطل ہوگی یعنی یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ مال کو تو آدھوں آدھ رکھیں اور نفع میں کمی بیشی کریں بایں طور کہ ایک تو نفع میں دو حصے لے لے اور دوسرا ایک حصہ لے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نفع کا استحقاق ضمان یعنی ذمہ داری کی وجہ سے ہوتا ہے اور ضمان اس خریدی ہوئی چیز کی ملک کے تابع ہے مثلاً اگر ان میں سے کوئی مال کے نصف حصہ کا مالک بنا ہے تو اسے نصف قیمت ادا کرنی ہوگی اور جو دو حصوں کا مالک بنا ہے اسے دو حصوں کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ اس لئے نفع بھی ملکیت کے مطابق ہی قرار پائے گا جو جتنے حصہ کا مالک بنے گا اسے اتنا ہی نفع ملے گا۔ اور اس چیز میں شرکت جائز نہیں ہے جس میں وکالت صحیح نہ ہوتی ہو جیسے لکڑی کاٹنا، گھاس کھودنا، شکار کرنا اور پانی لانا۔ دونوں میں سے جو شخص پانی لائے گا وہی اس کا مالک ہوگا، اگر دوسرا اس میں اس کی مدد کرے گا تو وہ رائج اجرتوں کے مطابق اپنی اجرت پانے کا مستحق ہوگا۔

"وکالت" کے معنی ہیں اپنے حقوق و مال کے تصرف (یعنی لینے دینے) میں کسی دوسرے کو اپنا قائم مقام بنانا"۔ وکالت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ موکل (یعنی کسی دوسرے کو اپنا وکیل بنانے والا) تصرف (یعنی لین دین) کا مالک ہو اور جس شخص کو وکیل بنایا جارہا ہو وہ اس معاملہ کو جانتا ہو جس میں وہ وکیل بنایا گیا ہے۔

اور جو معاملہ آدمی کو خود کرنا جائز ہے اس میں دوسرے کو وکیل کرنا بھی جائز ہے اور جو معاملہ آدمی کو خود کرنا جائز نہیں ہے اس میں وکیل کرنا بھی جائز نہیں ہے مثلاً کوئی شخص شراب یا سور وغیرہ حرام چیزوں کی خرید و فروخت کے لئے کسی کو وکیل کر دے تو یہ درست نہیں ہوگا۔ تمام حقوق کو ادا کرنے اور ان کے حاصل کرنے میں وکیل کرنا جائز ہے اسی طرح حقوق پر قبضہ کرنے کے لئے بھی وکیل کرنا جائز ہے مگر حدود اور قصاص میں جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی انجام دہی پر باوجود موکل کے اس جگہ موجود نہ ہونے کے وکالت درست نہیں ہوتی۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ" فرماتے ہیں کہ حقوق کی جواب دہی کے لئے وکیل کرنا فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں ہے ہاں اگر

کل بیمار ہو یا تین منزل کی مسافت یا اس سے زائد کی دوری پر ہو تو جائز ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کہتے ہیں کہ فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر بھی حقوق کی جواب دہی کے لئے وکیل کرنا جائز ہے۔

شرکت اور وکالت کے بارے میں یہ چند اصول و مسائل فقہ کی کتابوں سے تلخیص کر کے لکھ دیئے ہیں مزید تفصیل کے لئے اہل علم فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عقود میں شرکت جائز ہے

(۱) عَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ اَنَّهٗ كَانَ يَخْرُجُ بِهٖ جَدُّهٗ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ هِشَامٍ اِلَى السُّوْقِ فَيَشْتَرِى الطَّعَامَ فَيَلْقَاهُ ابْنُ عُمَرَ وَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ اَشْرِكْنَا فَاِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ دَعَا لَكَ بِالْبَرَكَةِ فَيُشْرِكُهُمْ فَرُبَّمَا اَصَابَ الرَّاحِلَةَ كَمَا هِيَ فَيَبْعَثُ بِهَا اِلَى الْمَنْزِلِ وَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ هِشَامٍ ذَهَبَتْ بِهٖ اُمُّهٗ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ رَأْسَهٗ وَدَعَا لَهٗ بِالْبَرَكَةِ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت زہرہ ابن معبدؒ (تابعی) کے بارہ میں منقول ہے کہ ان کو ان کے دادا حضرت عبداللہ ابن ہشامؓ بازار لے جایا کرتے تھے جہاں وہ غلہ خریدا کرتے تھے چنانچہ (جب وہ غلہ خرید لیتے تو) وہاں انکو حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ ملتے اور وہ دونوں ان سے کہتے کہ ہم کو اپنا شریک بنالو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تمہارے لئے برکت کی دعا کی ہے (حضرت زہرہؒ کہتے ہیں کہ میرے دادا انکو شریک کر لیا کرتے تھے اور) آنحضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے انکو بلا کسی نقصان و خسارہ کے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلہ کا فائدہ ہوتا تھا جسے وہ اپنے گھر بھیجدیا کرتے تھے۔ اور انکے حق میں آنحضرت ﷺ کے دعا کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن ہشامؓ کی والدہ انہیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئیں تو آپ ﷺ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور ان کے لئے برکت کی دعا کی۔" (بخاریؒ)

انصار کے مال میں مہاجرین کی شرکت

(۲) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَتِ الْاَنْصَارُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْسِمْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ اِخْوَانِنَا النَّخِيْلَ قَالَ لَا تَكْفُوْنَنَا الْمُؤْنَةَ وَنُشْرِكُكُمْ فِي الثَّمَرَةِ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (جب مکہ سے مہاجرین مدینہ آئے تو) انصار (یعنی مدینہ کے لوگوں) نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے کھجوروں کے درختوں کو ہمارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں درختوں کو تقسیم نہیں کرونگا تم ہی لوگ ہماری (یعنی مہاجرین کی) طرف سے بھی محنت کر لیا کرو ہم پیداوار میں تمہارے شریک رہیں گے۔ انصار نے کہا کہ ہم آپ ﷺ کی اس بات کو بسر و چشم قبول کرتے ہیں۔" (بخاری)

تشریح: جب مکہ کے مسلمانوں پر ان کے وطن کی زمین تنگ کر دی گئی اور خدا اور خدا کے رسول کے حکم پر وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آگئے تو چونکہ انہوں نے اپنا سارا سامان و اسباب اور مال و متاع مکہ ہی میں چھوڑ دیا تھا اس لئے یہاں مدینہ میں ان کی معاشی زندگی کا تکفل مدینہ کے مسلمانوں نے کہ جنہیں "انصار" کہا جاتا ہے اپنے ذمہ لیا اس کی شکل یہ کی گئی کہ نبی کریم ﷺ نے انصار مدینہ اور مہاجرین مکہ کے درمیان "بھائی چارہ" کرایا چنانچہ انصار مدینہ نے اپنے تمام مال و اسباب میں مہاجرین کو برابر شریک بنالیا۔ اسی موقع پر انصار نے آپ سے درخواست کی کہ ہمارے کھجوروں کے درختوں کو بھی ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم فرما دیجئے گو ہم اپنے اپنے حصہ کے درختوں میں محنت مشقت کریں اور ان سے پھل پیدا کریں، آپ نے ان سے فرمایا کہ میں درختوں کی تقسیم

نہیں کروں گا، بلکہ تمہیں لوگ ان درختوں کی دیکھ بھال کرو اور ان میں پانی وغیرہ دینے کی محنت و مشقت خود گوارہ کرلو کیونکہ تمہارے ان بیچارے مہاجرین بھائیوں سے یہ محنت و مشقت برداشت نہیں ہوگی۔ پھر جب پھل تیار ہو جائے گا تو میں تمہارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کردوں گا۔ آپ کے اس فیصلہ کو انصار نے برضاء و رغبت اور بسرو چشم قبول کر لیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرنا، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کی طرف سے محنت و مشقت کرنا مستحب ہے نیز یہ حدیث بھی شرکت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

معاملات میں وکیل بنانا جائز ہے

(۳) وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ الْبَارِقِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْطَاہُ دِیْنَارًا لِیَشْتَرِیَ لَہٗ شَاۃً فَاشْتَرٰی لَہٗ شَاتَیْنِ فَبَاعَ اِحْدَاھُمَا بِدِیْنَارٍ وَاَتَاہُ بِشَاۃٍ وَّدِیْنَارٍ فَدَعَالَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْعِہٖ بِالْبَرَکَۃِ فَکَانَ لَوِاشْتَرٰی تُرَابًا لَرَبِحَ فِیْہِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عروہ ابن الجعد بارقیؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے انہیں ایک دینار دیا تاکہ وہ آپ ﷺ کے لئے ایک بکری خرید لائیں، چنانچہ انہوں نے ایک دینار میں دو بکریاں خرید لیں اور پھر ان میں سے ایک بکری کو ایک دینار کے عوض (کسی کے ہاتھ) بیچ دیا، اس طرح انہوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک بکری دی اور ایک دینار بھی دیا۔ رسول کریم ﷺ نے ان کی اس ذہانت سے خوش ہو کر ان کے خرید و فروخت کے معاملات میں برکت کی دعا فرمائی، جس کا اثر یہ ہوا کہ اگر وہ مٹی خرید لیتے تو اسمیں بھی انہیں فائدہ ہوتا۔"

(بخاریؒ)

تشریح: ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تجارتی معاملات میں وکالت جائز ہے اسی طرح ان تمام چیزوں میں بھی کسی کو اپنا وکیل بنانا درست ہے جن میں نیابت اور قائم مقامی چلتی ہو۔

اگر کوئی شخص کسی کا مال اس کی اجازت کے بغیر بیچے تو بیع منعقد ہو جاتی ہے لیکن اس کا صحیح ہونا مال کے مالک کی اجازت پر موقوف رہتا ہے اگر مال کا مالک اجازت دے دے گا تو بیع صحیح ہو جائے گی۔ یہ حنفیہ کا مسلک ہے، لیکن حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مالک کی اجازت کے بغیر اس کا مال بیچنا سرے سے جائز ہی نہیں ہے اگرچہ بعد میں مالک کی اجازت بھی حاصل کیوں نہ ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

امانت دار شرکاء کا اللہ تعالیٰ محافظ رہتا ہے

(۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَفَعَہٗ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ اَنَا ثَالِثُ الشَّرِیْکَیْنِ مَالَمْ یَخُنْ اَحَدُھُمَا صَاحِبَہٗ فَاِذَا خَانَہٗ خَرَجْتُ مِنْ بَیْنِھِمَا۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَزَادَ رَزِیْنٌ وَجَاءَ الشَّیْطَانُ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں دو شریکوں کے درمیان ایک تیسرا (نگہبان) ہوں جب تک کہ ان میں سے کوئی اپنے دوسرے شریک کے ساتھ خیانت نہیں کرتا" اور جب وہ خیانت و بددیانتی پر اتر آتے ہیں تو میں ان کے درمیان سے ہٹ جاتا ہوں (ابوداؤدؒ) اور رزینؒ نے اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "اور پھر ان کے درمیان شیطان آجاتا ہے۔"

تشریح: "میں دو شریکوں کے درمیان ایک تیسرا ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ شرکاء جب تک دیانت، امانت اور ایمانداری کے ساتھ باہم شریک رہتے ہیں میری محافظت و برکت کا سایہ ان پر رہتا ہے بایں طور کہ میں انہیں ہر نقصان و تباہی سے محفوظ رکھتا ہوں، ان کے مال پر

کوئی آفت نازل نہیں کرتا، ان کے رزق میں وسعت بخشتا ہوں، ان کے معاملات میں خیرو بھلائی برقرار رکھتا ہوں، ان کے مال پر کوئی آفت نازل نہیں کرتا، ان کے رزق میں وسعت بخشتا ہوں، ان کے معاملات میں خیرو بھلائی برقرار رکھتا ہوں اور ہر موقع پر ان کی مدد نصرت کرتا ہوں۔

ان کے درمیان سے ہٹ آتا ہوں کا مطلب یہ ہے کہ جب شرکاء میں بددیانتی کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ خیانت کرنے لگتے ہیں تو میری محافظت و برکت کا سایہ ان پر سے ہٹ جاتا ہے اور اس کے بجائے شیطان اپنا تسلط جمالیتا ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ شرکاء مکمل نقصان و تباہی کے کنارے پہنچ جاتے ہیں اور ان کے مال و رزق سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معاملات بطور خاص تجارت وغیرہ میں شرکت مستحب ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے کاروبار اور مال و سرمایہ میں اللہ تعالیٰ کی وہ برکت نازل ہوتی ہے جو تنہا کاروبار کرنے والے کو حاصل نہیں ہوتی، اس لئے کہ جب کسی کاروبار میں دو آدمی شریک ہوتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک اپنے دوسرے شریک کے مال کی حفاظت و نگرانی میں کوشاں رہتا ہے، اور یہ معلوم ہی ہے کہ کوئی بندہ جب تک اپنے مسلمان بھائی کی مدد اور خیر خواہی میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال رہتی ہے۔

خائن سے انتقام کا جذبہ تمہیں خیانت پر نہ اکسادے

⑤ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَدِّ الْاَمَانَةَ اِلٰى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ۔

(رواہ الترمذی، وابوداؤد، والدارمی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے تمہیں امین بنایا ہے اس کی امانت اس تک پہنچاؤ و جو شخص تمہارے ساتھ خیانت کرے تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، دارمیؒ)

تشریح: قاضیؒ کہتے ہیں کہ حدیث کی آخری ہدایت سے مراد یہ ہے کہ خائن نے تمہارے ساتھ جو معاملہ کیا ہے وہی معاملہ تم اس کے ساتھ نہ کرو یعنی اگر کسی شخص نے تمہارے ساتھ خیانت کی ہے تو تم بھی اس کے ساتھ خیانت نہ کرو کیونکہ اگر تم بھی خیانت کروگے تو پھر جس طرح وہ خائن ہے اسی طرح تم بھی خائن قرار دیئے جاؤ گے۔ ہاں اس سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جو ظالم (کسی کا مال لیکر مکر جانے والے) سے اپنے حق کے بقدر اس کا مال لے لے، کیونکہ وہ تو اپنا حق اس سے لیتا ہو جو کوئی عدوان یعنی ظلم و زیادتی نہیں ہے جب کہ خیانت ایک صریح عدوان (ظلم) ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا کوئی حق مثلاً مال کسی کے ذمہ واجب ہو اور اس کا مال اس صاحب حق کی دسترس میں ہو تو وہ اپنے مال کے بقدر اس کے مال میں سے لے لے بشرطیکہ جو مال کی دسترس میں ہے وہ اس مال کی جنس سے ہو جو مال والے کے ذمہ ہے مثلاً زید کے دس ۱۰ روپے بکر کے ذمہ واجب ہیں اور..... بکر کے کچھ روپے زید کی دسترس میں ہیں تو اب زید کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان روپوں میں سے اپنے دس ۱۰ روپے لے لے۔

آنحضرت ﷺ کا وکیل

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَرَدْتُّ الْخُرُوْجَ اِلٰى خَيْبَرَ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَقُلْتُ اِنِّيْ اَرَدْتُّ الْخُرُوْجَ اِلٰى خَيْبَرَ فَقَالَ اِذَا اَتَيْتَ وَكِيْلِيْ فَخُذْ مِنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَسْقًا فَاِنِ ابْتَغٰى مِنْكَ اٰيَةً فَضَعْ يَدَكَ عَلٰى تَرْقُوَتِهٖ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے خیبر جانے کا ارادہ کیا تو (رخصت ہونے کے ارادہ سے) نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوا میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ میں نے خیبر جانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم خیبر میں میرے وکیل کے پاس جاؤ تو اس سے پندرہ وسق (کھجوریں) لے لینا اگر وہ تم سے کوئی نشانی مانگے تو اپنا ہاتھ اس کے حلق پر رکھ دینا۔" (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے جس شخص کو خیبر میں اپنا وکیل مقرر کر رکھا تھا اسے یہ ہدایت دے رکھی ہوگی کہ اگر کوئی شخص میری طرف سے کچھ مانگنے آئے اور تم اس سے میرا فرستادہ ہونے کی کوئی نشانی و علامت طلب کرو اور وہ اپنا ہاتھ تمہارے حلق پر رکھ دے تو سمجھ لینا کہ اس شخص کو میں نے بھیجا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت جابرؓ کو یہی نشانی سکھا کر بھیجا تا کہ وکیل اس نشانی کے ذریعہ ان کو پندرہ ۱۵ وسق کھجوریں دیدے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

شرکت مضاربت میں خیر و بھلائی ہے

⑦ عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ فِيْهِنَّ الْبَرَكَةُ الْبَيْعُ اِلٰى اَجَلٍ وَالْمُقَارَضَةُ وَاِخْلَاطُ الْبُرِّ بِالشَّعِيْرِ لِلْبَيْتِ لَا لِلْبَيْعِ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"حضرت صہیبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تین چیزیں ایسی ہیں جن میں برکت (یعنی بہت زیادہ خیر و بھلائی) حاصل ہوتی ہے"۔ ① وعدہ پر بیچنا یعنی خریدار کو ادائیگی قیمت میں مہلت دینا ② مضاربت ③ (گیہوں میں جو ملانا گھر کے خرچ کے لئے بیچنے کے لئے نہیں۔" (ابن ماجۃ)

تشریح: مضاربت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اپنا مال تجارت کے لئے دے اور وہ اپنی محنت سے کاروبار کرے پھر اس کاروبار سے جو نفع حاصل ہو وہ دونوں آپس میں تقسیم کر لیں۔

گھر کے خرچ کے لئے گیہوں میں جو ملانا ایک فائدہ مند چیز ہے کیونکہ اس طرح گھر کی غذائی ضرورت کی تکمیل کفایت کے ساتھ ہو جاتی ہے، البتہ بیچے جانے والے گیہوں میں جو ملا دینا مطلقاً ممنوع ہے کیونکہ یہ گناہ و فریب ہے۔

ایک واقعہ

⑧ وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَهُ بِدِيْنَارٍ لِيَشْتَرِيَ لَهُ بِهِ اُضْحِيَّةً فَاشْتَرٰى كَبْشًا بِدِيْنَارٍ وَبَاعَهُ بِدِيْنَارَيْنِ فَرَجَعَ فَاشْتَرٰى اُضْحِيَّةً بِدِيْنَارٍ فَجَاءَ بِهَا وَبِالدِّيْنَارِ الَّذِي اسْتَفْضَلَ مِنَ الْاُخْرٰى فَتَصَدَّقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالدِّيْنَارِ فَدَعَا لَهُ اَنْ يُبَارِكَ لَهُ فِيْ تِجَارَتِهِ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

"اور حضرت حکیم ابن حزامؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے انہیں ایک دینار دیکر بھیجا تا کہ وہ اس دینار سے آپ ﷺ کے لئے قربانی کا جانور خرید لیں، چنانچہ انہوں نے اس دینار کے عوض ایک مینڈھا یا دنبہ خریدا اور پھر اسے دو دینار میں بیچ دیا، اس سے فارغ ہو کر انہوں نے قربانی کا جانور ایک دینار میں خریدا اور اس جانور کے ساتھ وہ دینار بھی لاکر آنحضرت ﷺ کو دیدیا جو پہلے خریدے گئے جانور کی وصول شدہ قیمت میں سے بچ گیا تھا، آنحضرت ﷺ نے اس دینار کو تو صدقہ کر دیا اور حضرت حکیم ابن حزامؓ کے حق میں یہ دعا فرمائی کہ خدا! ان کی تجارت میں برکت عطا فرمائے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

شرکت و وکالت کے کچھ مسائل: شرکت و وکالت کے بارہ میں کچھ اصولی باتیں باب کی ابتداء میں اور پھر کچھ مسائل احادیث کی تشریحات میں بیان ہو چکے ہیں، چونکہ باب ختم ہو رہا ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس موضوع سے متعلق کچھ اور ضروری مسائل یکجا طور پر

ذکر کر دیئے جائیں۔

شراکتی جماعت: کسی تجارتی کاروبار یا معاملہ میں جو لوگ شریک و حصہ دار ہوتے ہیں ان کی دو شکلیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ اس کاروبار یا معاملہ کا ہر شریک مالک و متصرف یا صرف متصرف ہوتا ہے اس طرح اس کاروبار یا معاملہ میں جملہ شرکاء کے باہمی مشورے پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ اسی شکل کی وہ چار قسمیں، شرکت مفاوضہ، شرکت عنان، شرکت صنائع و التقبل اور شرکت وجوہ ہیں جن کا بیان باب کی ابتداء میں ہو چکا ہے۔

شرکاء کی دوسری شکل یہ ہوتی ہے کہ چند افراد کی ایک جماعت کسی تجارتی معاملہ میں شریک و حصہ دار ہو اور وہ تمام افراد کسی قانونی نظام اور مقررہ قواعد و ضوابط کے پابند و ماتحت ہوں اور ان میں سے ہر ایک شریک اپنے آپ کو مالکانہ حیثیت سے علیحدہ تصور کرے۔ اس شکل کو موجودہ دور کے مشترک تجارتی اداروں اور کمپنیوں پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

اس بارہ میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ:

① ایسے کسی بھی مشترک تجارتی ادارے یا کمپنی کا نظم و نسق چلانے، قانون پر عملدرآمد کرنے اور اجرائے کار کے لئے شرکاء ہی میں سے یا ان کے علاوہ لوگوں میں سے ایک شخص یا کئی آدمیوں کو جملہ شرکاء کے مشورہ سے منتخب کیا جائے۔

② کوئی بھی شریک بانصرام اور تصرف کا حق نہیں رکھتا البتہ حق ملک ہر شریک کو حاصل ہوتا ہے۔

③ جملہ شرکاء کی جماعت بہیئت مجموعی مالک و متصرف ہوگی اور یہ ہیئت مجموعی خواہ باتفاق کل حاصل ہو یا بکثرت آراء۔

④ کوئی بھی شریک اپنے مشترک تجارتی ادارہ کا اجیر و ملازم بن سکتا ہے۔

⑤ کوئی بھی شریک علیحدگی اختیار نہیں کر سکتا البتہ اپنا حصہ بذریعہ ہبہ یا بذریعہ بیع منتقل کر سکتا ہے۔

⑥ جب تعداد شرکاء محدود و مکمل ہو جائے اور کوئی شریک اپنا حصہ بیچے تو دوسرے شرکاء مقدم سمجھے جائیں گے۔

⑦ اگر کوئی حصہ میراث یا بیع وغیرہ کے ذریعہ تقسیم ہو جائے تو کارکنان کمپنی اس بات پر مجبور ہوں گے کہ اس حصہ کے جملہ ورثاء یا حقداروں سے لین دین کرنے میں جو کچھ زحمت ہو اسے برداشت کریں اس حصہ کے جملہ ورثاء یا شرکاء خواہ مل کر دادو ستد (لین دین) کریں یا کسی ایک کو وکیل بنادیں، ایسے حصہ کے جملہ شرکاء کا مجموعہ ایک ذات کے برابر سمجھا جائے گا۔

⑧ شرکاء کمپنی کاروبار چلانے کے لئے جو قانون مرتب و نافذ کریں گے ان کی پابندی تمام شرکاء پر ضروری ہوگی البتہ خلاف شرع قانون بنانا معصیت و گناہ اور اس کی پابندی ناجائز ہے۔

⑨ ایسے جملہ قانون جو کسی نظم و نسق کی حالت کے لئے وضع کئے جائیں صرف مباحات سے متعلق رہیں گے، منصوصات شرعیہ میں اثر انداز نہیں ہوں گے۔

⑩ یہ شرط کہ شرکاء ذاتی طور پر کسی دین اور نقصان کے ذمہ دار نہیں صرف اس صورت میں معتبر ہے جب کہ اس کا اعلان کیا جا چکا ہو۔

فسخ شراکت: جو تجارتی کاروبار یا کوئی معاملہ دو فریق کے زیر شرکت ہو اس کو فسخ کر دینے یعنی شرکت کو ختم کر دینے کی دو صورتیں ہیں۔

اول یہ کہ شرکت کو ختم کر دینے پر دونوں فریق راضی ہیں۔

دوم یہ کہ ایک فریق علیحدگی چاہے جیسے وہ مر گیا یا مجنوں ہو گیا یا کسی مطالبے میں مال دینا پڑا جس سے سرمایہ قائم نہیں رہ سکتا یا علیحدگی کی کوئی اور وجہ ہو۔ ان تمام صورتوں میں شرکت ختم ہو کر تقسیم عمل میں آجائے گی اگرچہ میت کے ورثاء اور مجنوں کے اولیاء شراکت کو باقی رکھنا چاہیں۔

فسخ شراکت میں فقہی ہدایت یہ ہے کہ:

① پہلے تمام مطالبات ادا کئے جائیں۔

❷ ان معاہدوں کی تکمیل کا انتظام بھی ہو جائے جو شراکت کے ذمہ تھے۔
❸ وہ تمام حقوق جو "اصل و ہم" میں معتبر سمجھے گئے ہیں مثل اموال قیمتی کے تقسیم ہوں گے۔
❹ جو مطالبات دوسروں پر واجب ہیں اور جن کا وصول ہونا باقی ہے وہ بوقت وصول بقدر حصہ ملا کریں گے اور ہر شریک دوسرے کا وکیل سمجھا جائے گا تاکہ تقاضہ اور وصول کرتا رہے۔
❺ فسخ شراکت کی دوسری صورت میں ان دو چیزوں کا لحاظ ضروری ہے اول یہ کہ شراکت سے علیحدگی اختیار کرنے والا فریق یا اس کے قائم مقام ذمہ داریوں کے بارے میں سبکدوش نہیں ہو سکیں گے۔ دوم یہ کہ جملہ حقوق معتبرہ مثل دوکان و نام وغیرہ میں فریق خارج کو کوئی حق نہیں دیا جائے گا۔
❻ شراکتی جماعتوں یعنی مشترک تجارتی اداروں اور کمپنیوں پر اس ادارہ یا کمپنی کے مقررہ قانون کے حکم یا حاکم کے حکم کے بغیر ایسے انفساخ کا اثر نہیں پڑ سکتا کیونکہ کسی شریک کی موت و جنون کا افلاس وغیرہ سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

فسخ شرکت کی صورت میں تقسیم کی ترتیب: جب شراکت ختم ہو جائے اور فریقین کے درمیان سرمایہ و اموال کی تقسیم ہونے لگے تو ان امور کی ترتیب اور ان کا لحاظ ضروری ہے۔
❶ جو مطالبات شراکت کے ذمہ ہوں ان کی ادائیگی یا جو معاہدات کئے گئے ہوں ان کی تکمیل کا انتظام پیش نظر رہے۔
❷ جملہ حقوق معتبرہ اور اموال قیمتی کی قیمت متعین کر دی جائے اور در صورت اختلاف و نزاع قرعہ سے فیصلہ کرنا شرعاً جائز ہے۔
❸ فریق خارج کو کوئی حق آئندہ نہ دلایا جائے گو ذمہ داری کے بارے وہ سبک دوش نہیں ہے۔
❹ شراکت کے جو مطالبات دوسروں کے ذمہ ہوں ان میں حسب دستور وکالت رہے گی، وصول ہونے پر بقدر حصہ تقسیم کرنا چاہئے۔

وکالت کے احکام:
❶ وکالت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وکیل اور موکل، مجنون، نابالغ، غلام اور مجور نہ ہوں۔
❷ کسی ایسی شے میں وکیل بنانا جائز نہیں جو کسی کی مملوک نہ ہو جیسے جنگل کی گھاس یا لکڑیاں جمع کرنا، دریا سے پانی لانا، غوطہ لگا کر موتی نکالنا، یا صدقہ لینے کے لئے وکیل بنانا۔
❸ جائز ہے کہ وکیل چاہے تو مفت خدمات انجام دے، چاہے اپنی اجرت وصول کر لے اور چاہے نفع میں شریک ہو۔
❹ ہر ایسے تصرف میں جس کی نسبت اپنی اور موکل دونوں کی طرف کر سکتا ہے، وکیل مثل اصل کے مدعی اور مدعا علیہ بن سکتا ہے جیسے خرید و فروخت، اور ہر ایسے امر میں جس کی نسبت اپنی طرف نہیں کر سکتا وکیل کو حقوق عقد سے کوئی واسطہ نہیں جیسے نکاح، طلاق۔
❺ وکیل کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنی ذات کے لئے مالکانہ تصرف کرے کیونکہ وہ صرف امین ہے۔
❻ موکل اپنے وکیل کو تصرف سے پہلے معزول کر سکتا ہے، تصرف کے بعد اسے وکیل کے انجام دیئے ہوئے کام کو قبول و تسلیم کر لینے کے علاوہ اور کوئی حق حاصل نہیں۔
❼ وکیل کو حق ہے کہ وہ موکل کے لئے جو مال لایا ہے اس کے دام وصول کئے بغیر اس کے حوالے نہ کرے مگر دے کر واپس نہیں کر سکتا۔
❽ جب تک وکیل دام وصول کرنے کے لئے مال نہ روکے امین ہے اور روکنے کے بعد ضامن ہو جائے گا۔
❾ وکیل کو جائز نہیں کہ جس چیز کے لئے وکیل بنایا گیا ہے اس کا معاملہ اپنی ذات کے لئے کرے۔

مسئلہ: ❶ زید نے اپنے نوکر سے کسی دوکان سے کوئی چیز منگوائی اور نوکر وہ چیز دوکاندار سے ادھار لے آیا تو وہ دوکاندار زید سے قیمت کا

تقاضہ نہیں کر سکتا بلکہ اسی نوکر سے تقاضہ کرے اور وہ نوکر زید سے تقاضا کرے۔ بشرطیکہ زید نے قیمت اسے نہ دی ہو۔ اسی طرح اگر زید نے اپنی کوئی چیز اپنے نوکر سے بکوائی تو زید کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ خریدار سے تقاضہ کرے یا اس سے قیمت وصول کرے، کیونکہ خریدار نے جس شخص سے وہ چیز حاصل کی ہے اسی کو قیمت ادا کرے گا، ہاں اگر خریدار زید کو از خود قیمت دیدے تو یہ جائز ہے مطلب یہ ہے کہ اگر خریدار زید کو قیمت نہ دے تو زید زبردستی نہیں کر سکتا۔

② زید نے اپنے نوکر سے ایک من گیہوں منگوایا تھا مگر وہ ڈیڑھ من اٹھالایا تو زید کو پورا ڈیڑھ من لینا واجب نہیں ہے بلکہ اگر وہ نہ لے تو آدھ من نوکر کو لینا پڑے گا۔

③ زید نے کسی سے کہ فلاں بکری جو فلاں کے یہاں ہے تم جاکر اس کو پندرہ روپے میں لے آؤ تو اب وہ شخص وہی بکری خود اپنے لئے نہیں خرید سکتا، مطلب یہ ہے کہ جو چیز خاص کر کے وکیل کو بتادی جائے اس وقت وکیل کو خود اپنے لئے اس کو خریدنا جائز نہیں ہے، البتہ موکل نے جو دام بتائے ہیں اس سے زیادہ میں اگر وکیل اپنے لئے خریدے تو جائز ہے اور اگر موکل نے کچھ دام نہ بتائے ہوں صرف خریدنے کے لئے کہا ہو تو پھر کسی صورت میں بھی وہ چیز وکیل اپنے لئے نہیں خرید سکتا۔

④ زید کے وکیل نے زید کے لئے ایک بکری خریدی پھر ابھی وکیل زید کو دینے نہ پایا تھا کہ بکری مرگئی یا چوری ہوگئی تو اس بکری کے دام زید ہی کو دینا پڑیں گے، اگر زید وکیل سے یہ کہے کہ تم نے وہ بکری میرے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے خریدی تھی تو زید کی اس بات کا اعتبار نہیں ہوگا بشرطیکہ زید نے اس بکری کے دام وکیل کو پہلے ہی دے دیئے ہوں، ہاں اگر اس نے دام پہلے نہیں دیئے تھے تو اس صورت میں اگر زید قسم کھاکر وکیل سے یہ کہے کہ تم نے وہ بکری اپنے لئے خریدی تھی تب اس کی بات کا اعتبار ہوگا اور اس بکری کا نقصان وکیل کو برداشت کرنا ہوگا، اور اگر زید قسم نہ کھاسکے تو پھر وکیل ہی کی بات کا اعتبار کرنا ہوگا۔

⑤ زید کا نوکر اگر کوئی چیز گراں خرید لائے تو اگر تھوڑا ہی فرق ہو تب تو وہ چیز زید کو لینی پڑے گی اور اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی اور اگر بہت زیادہ گراں خرید لاتا ہے کہ وہ چیز اتنی قیمت میں کوئی نہیں خرید سکتا تو اسکا لینا واجب نہیں ہے۔ اگر زید وہ چیز نہ لے تو خود نوکر اس چیز کا ذمہ دار ہوگا۔

⑥ زید نے اپنی کوئی چیز بکر کو دی کہ وہ اسے فروخت کردے تو بکر کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس چیز کو خود لے لیوے اور اس کے دام زید کو دیدے، اسی طرح اگر زید نے بکر سے کہا کہ فلاں کی چیز مجھے خرید لاؤ تو بکر کو یہ اجازت نہیں ہوگی۔ کہ وہ اپنی چیز زید کو لا کر دیدے اور اس سے اس کی قیمت وصول کرلے، اگر بکر اپنی چیز دینا یا خود لینا چاہے تو زید سے صاف صاف کہہ دے کہ یہ چیز میں لیتا ہوں مجھ کو دے دو یا یوں کہہ دے کہ یہ میری چیز لے لو اور اتنی قیمت مجھے دیدو بغیر بتلائے ہوئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

⑦ زید نے اپنے نوکر سے بکری کا گوشت منگوایا اور وہ بھینس کا لے آیا تو زید کو اختیار ہوگا کہ چاہے لے چاہے نہ لے اسی طرح زید نے نوکر سے آلو منگوائے اور بھنڈی لے آیا تو اس کا لینا ضروری نہیں اگر زید لینے سے انکار کردے تو نوکر کو خود لینا پڑے گا۔

⑧ زید نے دو آدمیوں کو بھیجا کہ بازار جاکر فلاں چیز لے آؤ تو اس چیز کی خریداری کے وقت ان دونوں آدمیوں کو موجود رہنا ضروری ہے۔ صرف ایک آدمی کو خریدنا جائز نہیں ہے اگر ایک ہی آدمی خریداری کرے تو بیع موقوف رہے گی۔ اگر زید صرف ایک آدمی کی خریداری کو منظور کرلے گا تو صحیح ہو جائے گا۔

⑨ زید نے کسی شخص سے کہا کہ بازار سے فلاں چیز خرید لاؤ مگر اس شخص نے وہ چیز خود نہیں خریدی بلکہ کسی دوسرے سے خریدنے کے لئے کہہ دیا تو اب اس چیز کو لینا زید پر واجب نہیں رہے گا۔ چاہے وہ لے لے چاہے لینے سے انکار کردے دونوں اختیار ہیں البتہ اگر وہ شخص خود خریدے تو پھر زید کو لینا پڑے گا۔

وکیل کی برطرفی: وکیل کو قبل تصرف برطرف کردینے کا ہر وقت اختیار ہے مثلاً زید نے کسی سے کہا تھا کہ مجھے ایک بکری کی ضرورت ہے

کہیں مل جائے تو لے لینا پھر منع کر دیا کہ میں نے تم سے جو بکری خریدنے کے لئے کہا تھا اب نہ خریدنا، اس کے باوجود وہ شخص بکری خرید لے تو زید کے لئے یہ ضروری نہیں ہوگا کہ وہ بکری لے لے کیونکہ منع کرنے کے بعد اس شخص کو زید کے لئے بکری خریدنے کا اختیار نہیں رہا تھا۔ ہاں اگر اس نے بکری خرید لی اور پھر اس کے بعد زید نے منع کیا تو اس صورت میں زید پر واجب ہوگا کہ وہ بکری لے لے اور اس کی قیمت ادا کرے۔

اور اگر یہ صورت ہو کہ زید نے خود اس کو منع نہیں کیا بلکہ خط لکھ کر بھیجا یا آدمی بھیج کر اطلاع دی کہ اب میرے لئے بکری نہ خریدنا تب بھی وہ شخص وکالت سے برطرف ہو گیا، اور اگر زید نے برطرفی کی اطلاع نہیں دی بلکہ کسی اور آدمی نے اس سے کہہ دیا کہ زید نے تمہیں وکالت سے برطرف کر دیا ہے اب اس کے لئے نہ خریدنا، تو اس صورت میں اگر اطلاع دینے والے دو آدمی ہوں یا ایک ہی آدمی نے اطلاع دی مگر وہ معتبر اور پابند شرع ہے تو اس اطلاع پر بھی برطرفی عمل میں آجائے گی اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ شخص وکالت سے برطرف نہیں ہوگا اگر اس نے بکری خرید لی تو زید کو لینی پڑے گی۔

بَابُ الْغَصَبِ وَالْعَارِيَةِ

غصب اور عاریت کا بیان

"غصب" کے معنی چھیننے کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں "غصب" کہتے ہیں چوری کے بغیر از راہ ظلم وجور کسی کا مال زبردستی چھین لینا۔ ایسے شخص کو کہ جو کسی کی کوئی چیز زبردستی چھین لے یا ہڑپ کر لے "غاصب کہتے ہیں" اور مغصوب اس چھینی ہوئی یا ہڑپ کی ہوئی چیز کو کہتے ہیں خواہ وہ کچھ ہو۔

"عاریت" کے معنی ہیں مانگی ہوئی۔ چیز اصطلاحی طور پر بغیر کسی عوض کے کسی دوسرے شخص کو اپنی کسی چیز کے نفع وفائدہ کا مالک بنا دینا عاریت کہلاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

غصب کرنے والی کی سزا

① عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت سعید ابن زید کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص (کسی کی) بالشت بھر زمین بھی از راہ ظلم لے گا قیامت کے دن ساتوں زمینوں میں سے اتنی ہی زمین اس کے گلے میں بطور طوق ڈالی جائے گی۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: کسی کی کوئی بھی چیز خواہ وہ زیادہ ہو یا کتنی کم ہو، اور راہ زور زبردستی چھین لینا یا ہڑپ کر لینا نہ صرف سماجی طور پر ایک ظلم اور اخلاقی طور پر ایک بھیانک برائی ہے بلکہ شرعی طور پر بھی انتہائی سخت جرم اور گناہ ہے۔ اسلام نے انسانی حقوق کے تحفظ کا جو اعلیٰ تصور پیش کیا ہے اور اسلامی شریعت نے حقوق العباد پر ڈاکہ ڈالنے والوں کو جن سخت سزاؤں اور عقوبتوں کا مستوجب گردانا ہے، یہ حدیث گرامی اس کا ایک نمونہ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کی زمین کا ایک بالشت بھر حصہ بھی زبردستی ہتھیائے گا اسے اس کے ظلم وجور کی یہ سزا دی جائے گی کہ قیامت کے دن زمین کا صرف وہی حصہ نہیں جو وہ غصب کرے گا بلکہ ساتوں زمینوں میں سے اتنی ہی زمین لے کر اس کے گلے میں بطور طوق ڈال دی جائے گی، العیاذ باللہ۔

شرح السنۃ میں "طوق ڈالنے کا مفہوم یہ بیان کیا" گیا ہے جو شخص کسی کی زمین کا بالشت بھر حصہ بھی غصب کرے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے زمین میں دھنسائے گا چنانچہ زمین کا وہ قطعہ جو اس نے غصب کیا ہو گا اس کے گلے کو طوق کی مانند جکڑ لے گا۔

کسی جانور کا دودھ مالک کی اجازت کے بغیر نہ دوہو

② وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْلُبَنَّ اَحَدٌ مَاشِيَةَ امْرِئٍ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يُؤْتٰى مَشْرُبَتُهٗ فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهٗ فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهٗ وَاِنَّمَا يَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوْعُ مَوَاشِيْهِمْ اَطْعِمَاتِهِمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے جانور کا دودھ اس کی اجازت (یعنی اس کے حکم و رضا) کے بغیر نہ دوہے! کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کر سکتا ہے کہ کوئی شخص اس کے خزانہ (یعنی اس کے غلہ کو گودام میں) آئے اور اس کا خزانہ (گودام) کھول دے یہاں تک کہ اس کا غلہ اٹھا لیا جائے؟ اسی طرح (جان لو کہ) دوسروں کے جانوروں کے تھن ان کی غذائی ضرورت (یعنی دودھ) کی حفاظت کرتے ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: جانوروں کے تھن کو غلہ وغیرہ کے گودام سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح تم اپنے غلوں کو گوداموں میں بھر کر محفوظ رکھتے ہو اسی طرح دوسرے لوگوں کے جانور اپنے تھنوں میں اپنے مالک کی غذائی ضرورت یعنی دودھ کو محفوظ رکھتے ہیں لہٰذا جس طرح تم اس بات کو کبھی بھی پسند و گوارا نہیں کر سکتے کہ کوئی دوسرا شخص تمہارے گوداموں اور تمہارے خزانوں کو غیر محفوظ بنا کر وہاں سے غلہ یا دوسری محفوظ اشیاء نکال لے اسی طرح تمہارا یہ فعل بھی جانوروں کے مالکوں کو کیسے گوارہ ہو سکتا ہے کہ تم ان جانوروں کے تھنوں سے دودھ نکال لو۔

حاصل یہ کہ تم دوسروں کے مال پر بری نگاہ نہ ڈالو اور دوسروں کے حقوق کو غصب نہ کرو تاکہ کوئی دوسرا تمہارے مال کو غصب نہ کرے۔ اور جس طرح تم اپنا مال غصب کیا جانا گوارہ نہیں کر سکتے اسی طرح کسی دوسرے کا مال خود غصب کرنا بھی گوارہ نہ کرو۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اکثر علماء نے اس ارشاد گرامی پر عمل کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا ہے کہ کسی کے جانور کا دودھ مالک کی اجازت کے بغیر دوہنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص بھوک سے بے حال ہو رہا ہو تو اس کے لئے اتنی اجازت ہے کہ وہ بقدر ضرورت کسی کے جانور کا دودھ پی لے مگر پھر اس کی قیمت ادا کرے۔ اگر اس کے پاس موجود ہو تو اسی وقت یہ قیمت دے دے ورنہ بعد میں جب بھی قادر ہو قیمت کی ادائیگی کر دے۔

ایک واقعہ

③ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهٖ فَاَرْسَلَتْ اِحْدٰى اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِصَحْفَةٍ فِيْهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتِ الَّتِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِهَا يَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصَّحْفَةُ فَانْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِلَقَ الصَّحْفَةِ ثُمَّ جَعَلَ يَجْمَعُ فِيْهَا الطَّعَامَ الَّذِيْ كَانَ فِي الصَّحْفَةِ وَيَقُوْلُ غَارَتْ اُمُّكُمْ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتّٰى اُتِيَ بِصَحْفَةٍ مِنْ عِنْدِ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا فَدَفَعَ الصَّحْفَةَ الصَّحِيْحَةَ اِلَى الَّتِيْ كُسِرَتْ صَحْفَتُهَا وَاَمْسَكَ الْمَكْسُوْرَةَ فِيْ بَيْتِ الَّتِيْ كَسَرَتْ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ اپنی کسی زوجہ مطہرہ (یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ) کے ہاں قیام فرما تھے کہ ازواج مطہرات میں سے کسی نے (یعنی حضرت زینبؓ یا حضرت صفیہؓ اور یا حضرت ام سلمہؓ نے) ایک رکابی بھیجی جس میں کھانے کی کوئی چیز تھی (اسے دیکھتے ہی) ان زوجہ مطہرہ نے کہ جن کے ہاں آپ ﷺ قیام فرما تھے (یعنی حضرت عائشہؓ نے) خادم کے ہاتھ پر (اسطرح) مارا کہ وہ رکابی گر پڑی اور ٹوٹ گئی۔ نبی کریم ﷺ نے رکابی کے وہ (ٹوٹے ہوئے) ٹکڑے اکٹھا کئے اور پھر ان ٹکڑوں میں کھانے کی وہ چیز جمع کی جو

رکابی میں تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تمہاری ماں کو غیرت آگئی تھی" بہر کیف آپ ﷺ نے (کچھ دیر) خادم کو روکے رکھا یہاں تک کہ جن زوجہ مطہرہ کے گھر آپ ﷺ قیام فرماتے (یعنی حضرت عائشہؓ) انکے ہاں سے دوسری رکابی مہیا کی گئی اور پھر آپ ﷺ نے (اسی خادم کے ذریعہ) ان زوجہ مطہرہ کے ہاں کہ جن کی رکابی ٹوٹ گئی تھی وہ صحیح وسالم رکابی بھیجدی اور وہ ٹوٹی ہوئی رکابی ان زوجہ مطہرہ کے گھر رکھ لی جنہوں نے اس رکابی کو توڑا تھا۔" (بخاریؒ)

تشریح: "خادم" غلام کو بھی کہتے ہیں اور لونڈی کو بھی۔ چنانچہ یہاں "خادم" سے مراد لونڈی ہی ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کے ہاں لونڈی ہی وہ رکابی اور اس میں کھانے کی کوئی چیز لے کر آئی تھی۔

جب وہ رکابی گر کر ٹوٹ گئی اور اس میں سے کھانے کی وہ چیز بھی زمین پر گر گئی جو اس رکابی میں تھی تو آنحضرت ﷺ نے نہ صرف رکابی کے ٹکڑوں کو اکٹھا کیا بلکہ کھانے کی اس چیز کو بھی نہایت احتیاط کے ساتھ جمع کیا، اس فعل سے آپ ﷺ کے کمال تحمل، انتہائی تواضع اور ازواج مطہرات کے ساتھ آپ ﷺ کی خوش مزاجی اور عفو و درگذر کے عالی جذبات ہی کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے۔

"تمہاری ماں کو غیرت آگئی" یہ دراصل اس واقعہ کو سننے پڑھنے والوں سے آپ ﷺ کا خطاب عام ہے، اس ارشاد کے ذریعہ گویا آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی طرف سے عذر بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے جو یہ اضطراری فعل صادر ہوا وہ درحقیقت اس غیرت کی بناء پر تھا جو ہر عورت کی جبلت وسرشت میں داخل ہے کہ کوئی بھی عورت خواہ وہ کتنے ہی اونچے مقام پر کیوں فائز ہو اپنی سوکن کے تئیں مخصوص رقیبانہ اور رشک آمیز جذبات و احساسات سے عاری نہیں ہوسکتی اور نہ کسی بھی عورت کے بس کی یہ بات ہے کہ وہ اپنی طبیعت اور اپنے نفس کو اس طبعی اور جبلی جذبہ سے محفوظ رکھ لے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے تاکہ لوگ حضرت عائشہؓ کے اس فعل کو برائی پر محمول نہ کریں بلکہ یہ جان لیں کہ ان سے یہ فعل بتقاضائے بشریت سرزد ہو گیا تھا جس میں ان کے مقصد و ارادے یا کسی برائی کا قطعًا دخل نہیں تھا۔

قاضیؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو اس باب میں نقل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رکابی توڑ دینا ایک طرح کا غصب تھا کیونکہ اس سے ایک دوسرے کا مال تلف ہوا اگرچہ اس کا سبب خواہ کچھ ہی رہا ہو۔

یا پھر یہ کہ کھانے کی جو چیز بھیجی گئی تھی وہ تو تحفہ کے طور پر تھی لیکن جس رکابی میں وہ چیز بھیجی گئی تھی وہ بطریق عاریت کے تھی اس لئے اس مناسبت سے یہ حدیث اس باب میں ذکر کی گئی۔

کسی مسلمان کا مال لوٹنا حرام ہے

(۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ نَهَى عَنِ النُّهْبَةِ وَالْمُثْلَةِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عبداللہ ابن یزیدؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے لوٹنے اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: کسی مسلمان کا مال لوٹنا حرام ہے لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ غیر مسلم کا مال لوٹنا حرام نہیں ہے بلکہ مقصد تو صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مسلمان بھائیوں کے مال کو ناحق طور پر اور زور زبردستی سے لوٹ ماریں کیونکہ اس کا تعلق صرف حقوق العباد کی پامالی ہی سے نہیں ہے بلکہ معاشرہ اور سوسائٹی کے امن و سکون کی مکمل تباہی سے بھی ہے، لہٰذا امن و سلامتی کے سرچشمہ "اسلام کا تابعدار ہونے کے ناطے ایک مسلمان پر یہ ذمہ داری سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے معاشرہ، اپنی قوم اور اپنے ملک کے نظام امن و امان کو درہم برہم ہونے اور لاقانونیت پھیلنے سے بچائے جس کا بنیادی پہلو یہ ہے کہ دوسرے کے مال، دوسرے کی جائیداد اور دوسرے کے حقوق کی پامالی اور لوٹ مار کو اسی طرح ناقابل برداشت سمجھا

جائے جس طرح اپنے مال، اپنی جائیداد اور اپنے حقوق پر کسی کی دست درازی قطعاً برداشت نہیں ہوسکتی۔
"مثلہ" جسم کے کسی عضو مثلاً ناک اور کان وغیرہ کاٹ ڈالنے کو کہتے ہیں، اسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس طرح خدا کی تخلیق میں بگاڑ اور بدنمائی پیدا کرنا لازم آتا ہے۔

حاجیوں کا سامان چرانے والے کا عبرتناک حشر

⑤ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكَعَاتٍ بِاَرْبَعِ سَجَدَاتٍ فَانْصَرَفَ وَقَدْ اٰضَتِ الشَّمْسُ وَقَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ تُوْعَدُوْنَهُ اِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِيْ صَلَاتِيْ هٰذِهٖ لَقَدْ جِيْءَ بِالنَّارِ وَذٰلِكَ حِيْنَ رَاَيْتُمُوْنِيْ تَأَخَّرْتُ مَخَافَةَ اَنْ يُصِيْبَنِيْ مِنْ لَفْحِهَا وَحَتّٰى رَأَيْتُ فِيْهَا صَاحِبَ الْمِحْجَنِ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ وَكَانَ يَسْرِقُ الْحَاجَّ بِمِحْجَنِهٖ فَاِنْ فُطِنَ لَهُ قَالَ اِنَّمَا تَعَلَّقَ بِمِحْجَنِيْ وَاِنْ غُفِلَ عَنْهُ ذَهَبَ بِهٖ وَحَتّٰى رَأَيْتُ فِيْهَا صَاحِبَةَ الْهِرَّةِ الَّتِيْ رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَاْكُلُ مِنْ خِشَاشِ الْاَرْضِ حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا ثُمَّ جِيْئَ بِالْجَنَّةِ وَذٰلِكَ حِيْنَ رَأَيْتُمُوْنِيْ تَقَدَّمْتُ حَتّٰى قُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ وَلَقَدْ مَدَدْتُ يَدِيْ وَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اَتَنَاوَلَ مِنْ ثَمَرِهَا لِتَنْظُرُوْا اِلَيْهِ ثُمَّ بَدَا لِيْ اَنْ لَا اَفْعَلَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج گرہن ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو (سورج گرہن کی) نماز چھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ پڑھائی (یعنی دو رکعتیں پڑھیں اور ہر رکعت میں تین تین رکوع اور دو دو سجدے کئے) اور جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو سورج پہلے کی طرح روشن ہوچکا تھا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس چیز کا یعنی جنّت اور دوزخ کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ میں نے آج اپنی اس نماز میں دیکھ لی ہے، چنانچہ دوزخ کو میرے سامنے پیش کیا گیا اور یہی وہ وقت تھا جب (نماز کے دوران) تم نے مجھے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا تھا اور میں اس خوف سے پیچھے ہٹ گیا تھا کہ کہیں اس کی گرمی مجھ تک نہ پہنچ جائے، میں نے "اس وقت) دوزخ میں خمدار لکڑی والے (یعنی عمرو ابن لحی) کو اس حال میں دیکھا کہ وہ اس میں اپنی انتڑیوں کو کھینچ رہا تھا، یہ شخص اپنی خمدار لکڑی کے ذریعہ حاجیوں کا سامان چرایا کرتا تھا (جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ وہ چلتے چلتے کسی کی کوئی چیز اپنی خمدار لکڑی میں الجھالیتا تھا) اگر کوئی اس کی یہ حرکت دیکھ لیتا تو وہ یہ کہہ دیتا کہ یہ چیز اپنے آپ میری لکڑی میں الجھ آئی ہے اور اگر کوئی نہ دیکھ پاتا تو وہ اس چیز کو غائب کردیتا تھا۔ نیز میں نے اس وقت دوزخ میں اس بلی والی عورت کو بھی دیکھا جس نے ایک بلی باندھ رکھی تھی جسے نہ وہ کچھ کھلاتی تھی اور نہ اسے چھوڑتی تھی کہ وہ حشرات الارض یعنی چوہے وغیرہ کھالے یہاں تک کہ وہ بلی مارے بھوک کے مرگئی۔ پھر میرے سامنے جنّت کو پیش کیا گیا اور یہی وہ وقت تھا جب تم نے مجھے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تھا مگر پھر میں اپنی جگہ ٹھہر گیا اور میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ میں اس کے پھل توڑلوں جسے تم بھی دیکھ لو لیکن میں نے سوچا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے (تاکہ تمہارے ایمان بالغیب میں رخنہ نہ پڑے)۔" (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ جنّت اور دوزخ عالم وجود میں آچکی ہیں اور موجود ہیں چنانچہ اہل سُنّت کا یہی مسلک ہے، دوم یہ کہ عذاب اور ہلاکت کی جگہ سے ہٹ جانا سُنّت ہے، سوم یہ کہ بعض لوگ اس وقت بھی دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہیں اور چہارم یہ کہ تھوڑا سا عمل نماز کو باطل نہیں کرتا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نماز کے دوران جنّت اور دوزخ کو دیکھ کر آگے بڑھے اور پیچھے ہٹے۔

جانور کا عاریۃً مانگ لینا جائز ہے

⑥ وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا مِنْ اَبِيْ

طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ الْمَنْدُوْبُ فَرَكِبَ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ مَا رَأَيْنَا مِنْ شَيْءٍ وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک (ایک دن اس خیال سے کہ کفار کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا ہے) مدینہ میں گھبراہٹ اور خوف کی ایک فضا پیدا ہوگئی ہے۔ (یہ دیکھ کر) نبی کریم ﷺ نے حضرت طلحہؓ کا گھوڑا کہ جسے مندوب یعنی سُست کہا جاتا تھا، عاریۃً مانگا اور اس پر سوار ہوکر (تحقیق حال کے لئے مدینہ سے باہر) نکلے پھر جب آپ ﷺ واپس آئے تو فرمایا کہ میں نے خوف و گھبراہٹ کی کوئی چیز نہیں دیکھی ہے، نیز میں نے اس گھوڑے کو کشادہ قدم یعنی تیز رفتار پایا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت ابوطلحہؓ کا گھوڑا پہلے بہت ڈھیلا اور سُست رفتار تھا اسی واسطے اس کا نام ہی "مندوب" یعنی سُست رکھدیا گیا تھا مگر جب آنحضرت ﷺ اس پر سوار ہوئے تو آپ ﷺ کی برکت سے وہی گھوڑا بڑا چاق و چوبند اور تیز رفتار ہوگیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی جانور کو عاریۃً مانگنا اور اسے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے نیز کسی جانور کو کسی نام سے موسوم کر دینا بھی جائز ہے اسی طرح سامان جنگ کا نام رکھنا بھی جائز ہے۔

یہ حدیث جہاں آنحضرت ﷺ کی شجاعت و بہادری اور کمال جانبازی کو ظاہر کرتی ہے کہ جب دشمن کی فوج کے مدینہ کے قریب آجانے کے خوف سے پورے مدینہ میں اضطراب و گھبراہٹ کی ایک عام فضا پیدا ہوگئی تھی تو آپ ﷺ بالکل بے خوف ہوکر تحقیق حال کے لئے تن تنہا مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے، وہیں یہ حدیث اس بات کی بھی غماز ہے کہ دشمنوں کی ٹوہ لینی اور ان کے حالات پر مطلع ہونے کے لئے سعی کرنا ضروری ہے۔ نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی خوف و اضطراب کے موقع پر خوف کے خاتمہ کی خوشخبری لوگوں کو دینا مستحب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

بنجر زمین کا آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہے

(۷) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ أَحْيٰى أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ عُرْوَةَ مُرْسَلًا وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"حضرت سعید بن زیدؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص مردہ زمین کو زندہ کرے یعنی بنجر و ویران زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ہے اور ظالم کی رگ کا کوئی استحقاق نہیں ہے" اس روایت کو احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ نے (بطریق اتصال) نقل کیا ہے جب کہ مالکؒ نے اس روایت کو عروہ سے بطریق ارسال کیا ہے، نیز امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی زمین ویران و بنجر پڑی ہوئی ہو اور کوئی شخص اپنی محنت و مشقت سے اس زمین کو قابل کاشت بنائے یا اس کو آباد کرے تو وہ زمین اسی شخص کی ملکیت ہو جاتی ہے بشرطیکہ وہ پہلے سے کسی مسلمان کی ملکیت میں نہ ہو اور نہ شہر و گاؤں کی کسی ضرورت و مصلحت سے متعلق ہو جیسے وہ جانوروں کے بیٹھنے کی جگہ ہو، کھلیان کے کام آتی ہو، یا دھوبی کپڑے دھو کر وہاں پھیلاتے ہوں اور یا اس سے کسی بھی عوامی فائدہ کا تعلق ہو، حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک بنجر و ویران زمین کو قابل کاشت یا قابل آبادی کر کے اپنی ملکیت بنانے کی ایک شرط، امام (یعنی حکومت وقت) کی اجازت بھی ہے اگر اسے سرکار کی طرف سے اجازت مل جائے تب وہ اس کا مالک ہو سکتا ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام احمدؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے ہاں یہ اجازت شرط نہیں ہے، ان سب کی دلیلیں فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

"اور ظالم کی رگ کا کوئی استحقاق نہیں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی آباد کی ہوئی زمین میں کاشت کرے یا

اس میں کوئی درخت لگالے تو وہ اس کی وجہ سے اس زمین کا مالک نہیں بن جائے گا۔

کسی دوسرے کا مال بغیر اجازت حلال نہیں ہے

⑧ وَعَنْ اَبِیْ حُرَّۃَ الرَّقَاشِیِّ عَنْ عَمِّہٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِنْہُ رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَالدَّارَقُطْنِیُّ فِی الْمُجْتَبٰی۔

"اور حضرت ابوحرہ رقاشیؒ (تابعی) اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا خبردار کسی پر ظلم نہ کرنا! جان لو! کسی بھی دوسرے شخص کا مال (لینا یا استعمال کرنا) اس کی مرضی و خوشی کے بغیر حلال نہیں۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں اور دار قطنیؒ نے مجتبیٰ میں نقل کیا ہے۔"

کسی کا مال لوٹنے والا اسلامی برادری کا فرد بننے کے قابل نہیں

⑨ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا شِغَارَ فِی الْاِسْلَامِ وَمَنِ انْتَھَبَ نُھْبَۃً فَلَیْسَ مِنَّا۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عمران ابن حصینؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا نہ "جلب" (جائز) ہے اور نہ جنب اور نہ شغار اسلام میں (جائز) ہے اور یاد رکھو جو شخص (کسی کو) لوٹتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی وہ ہماری) جماعت میں سے نہیں ہے یا ہمارے طریقہ پر نہیں ہے حاصل یہ کہ ایسا شخص اس قابل نہیں کہ اسے اسلامی برادری کا ایک فرد سمجھا جائے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: جلب اور جنب یہ دو اصطلاحی الفاظ ہیں۔ ان کا تعلق "سباق" سے بھی ہے اور "صدقہ" سے بھی سباق و مسابقت یعنی گھوڑ دوڑ کے مقابلہ کو کہتے ہیں مثلاً دو آدمی اس شرط کے ساتھ آپس میں گھوڑے دوڑائیں کہ دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے، لہٰذا سباق میں جلب یہ ہے کہ گھوڑا دوڑانے والا ایک آدمی اپنے گھوڑے کے پیچھے رکھے جس کا کام یہ ہو کہ وہ گھوڑے کو مارے، آوازیں لگائے اور اس کو دوڑائے۔ اور جنب یہ ہے کہ گھوڑا اپنے ساتھ رکھے تاکہ سواری کا گھوڑا اگر تھک جائے تو اس دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے نکل جائے۔

"صدقہ" میں جلب کی صورت یہ ہے کہ صدقات و زکوٰۃ وصول کرنے والا جب صدقہ و زکوٰۃ وصول کرنے لوگوں کے پاس جائے تو آبادی سے باہر یا ان لوگوں سے دور کہیں بھی دوسری جگہ ٹھہر جائے اور کسی دوسرے آدمی کو ان لوگوں کے پاس یہ کہلا کر بھیجے کہ جن جن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہے وہ اپنی زکوٰۃ کا مال لے کر یہاں آجائیں۔

اسی طرح "جنب" یہ ہے کہ جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو وہ اپنا مال لے کر اپنے مکان سے کہیں دور چلا جائے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے سے کہے کہ وہ اس کے پاس وہیں پہنچ کر زکوٰۃ وصول کرے، اس کا بیان کتاب زکوٰۃ میں گذر چکا ہے چنانچہ یہاں بھی جلب و جنب سے منع فرمایا گیا ہے خواہ ان کا تعلق سباق سے ہو یا صدقہ سے۔

"شغار" یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح کسی سے اس شرط کے ساتھ کرے کہ وہ اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کردے اور مہر کچھ نہ مقرر ہو بلکہ یہ شرط ہی مہر کے قائم مقام ہو۔ حدیث میں اس قسم کے عقد کو اسلام کے طریقہ کے خلاف فرمایا گیا ہے چنانچہ اکثر علماء کے نزدیک ایسا عقد فاسد ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ اور سفیانؒ کے نزدیک یہ عقد نہ کرنا چاہئے۔

کسی کی کوئی چیز ہنسی مذاق میں لیکر ہڑپ نہ کر جاؤ

⑩ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَاْخُذُ اَحَدُکُمْ عَصَا اَخِیْہِ لَاعِبًا جَادًّا

فَمَنْ اَخَذَ عَصَا اَخِيْهِ فَلْيَرُدَّهَا اِلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَرِوَايَتُهُ اِلٰی قَوْلِهِ جَادًا۔

"اور حضرت سائب ابن یزیدؓ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنے کسی بھائی کا عصا ر (لاٹھی) ہنسی مذاق میں اس مقصد سے نہ لے کہ وہ اس کو رکھ لے گا جو شخص اپنے کسی بھائی سے عصا لے تو اسے واپس کر دینا چاہئے۔ (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)، لیکن ابوداؤد کی روایت لفظ جادا تک ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی سے اس کی لاٹھی یا چھڑی بظاہر تو ہنسی مذاق میں لے مگر مقصد یہ ہو کہ اسے ہڑپ کر لونگا جیسا کہ آج کل اس کا بہت رواج ہے کہ ایک دوسرے کی چیز ہنسی مذاق میں چھپادی جاتی ہے اگر مالک کو اس کا علم ہو جاتا ہے تو وہ چیز اسے واپس دیدی جاتی ہے اگر اسے علم نہیں ہو پاتا تو پھر ہمیشہ کے لئے غائب کر دی جاتی ہے اس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

حدیث میں بطور خاص عصا کا ذکر بطریق مبالغہ ہے جس کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ جب اتنی حقیر اور کم تر چیز کا لینا منع ہے تو اس سے زیادہ حیثیت کی چیز کا لینا بطریق اولی ممنوع ہوگا۔

اپنا چوری کا مال جس کے پاس دیکھو اس سے لے لو

(۱۱) وَعَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهٖ عِنْدَ رَجُلٍ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ وَيَتَّبِعُ الْبَيِّعَ مَنْ بَاعَهٗ۔ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت سمرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنا مال بعینہ کسی کے پاس دیکھے تو وہ "اس کو لے لینے کا) حقدار ہے اور اس کو خریدنے والا اس شخص کا پیچھا کرے جس نے اسے بیچا ہے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: حدیث کے مفہوم کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی کا کوئی مال غصب کیا، یا کسی کی کوئی چیز چوری کی یا کسی شخص کی کوئی گمشدہ چیز اس کے ہاتھ لگ گئی اور اس نے وہ چیز کسی دوسرے شخص کو بیچ دی تو اب اگر مالک اپنی وہ چیز خریدنے والے کے پاس دیکھے تو اسے اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی چیز اس سے لے لے اور خریدنے والے نے وہ چیز جس سے خریدی ہے اس کا پیچھا کر کے اس سے اپنی قیمت واپس لے لے۔

جس سے کوئی چیز لو اس کو واپس کر دو

(۱۲) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَى الْيَدِ مَا اَخَذَتْ حَتّٰى تُؤَدِّيَ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت سمرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کسی سے لی گئی چیز (لینے والے کے) ہاتھ کے اوپر ہے جب تک کہ وہ واپس نہ کر دی جائے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے کسی سے کوئی چیز لی ہے وہ اس کے ذمہ واجب الادا ہے جب تک کہ وہ چیز اس کے مالک کو واپس نہ کر دی جائے۔ حاصل یہ کہ اگر کسی شخص نے کسی کی کوئی چیز چھین رکھی ہے یا کسی کی کوئی چیز چرا رکھی ہے یا کسی کی کوئی چیز مستعار لے رکھی ہے اور یا کسی کی کوئی چیز اپنے پاس بطور امانت رکھ چھوڑی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اس چیز کو مالک کے حوالے کر دے، لہٰذا چھینا ہوا مال اس کے مالک کو واپس کر دینا واجب ہے اگرچہ مالک اس کا مطالبہ نہ کرے، اسی طرح عاریۃً لی ہوئی چیز وہ مدت پوری ہو جانے کے بعد مالک کو واپس کر دینا ضروری ہے اگر کوئی مدت مقرر کی گئی ہو ہاں جو چیز بطور امانت اپنے پاس رکھی ہوئی ہو اس کو اسی وقت واپس کرنا لازم ہوگا جب کہ مالک مطالبہ کرے مالک کے مطالبہ سے پہلے واپس کرنا واجب نہیں ہے۔

کسی کے باغ وغیرہ کو جانور کے نقصان پہنچانے کا مسئلہ

⑬ وَعَنْ حَرَامِ بْنِ سَعْدِ بْنِ مُحَيِّصَةَ اَنَّ نَاقَةً لِلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ دَخَلَتْ حَائِطًا فَاَفْسَدَتْ فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَلٰى اَهْلِ الْحَوَائِطِ حِفْظَهَا بِالنَّهَارِ وَاَنَّ مَا اَفْسَدَتِ الْمَوَاشِىْ بِاللَّيْلِ ضَامِنٌ عَلٰى اَهْلِهَا۔

(رواہ مالک وابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت حرام ابن سعد ابن محیصہؒ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت براء ابن عازبؓ کی اونٹنی ایک باغ میں گھس گئی اور باغ کو خراب کر ڈالا جب یہ معاملہ رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ دن کہ دن میں باغات کی حفاظت باغ والوں کے ذمہ ہے اور جو جانور رات میں باغات کو خراب کریں تو اس کا ضمان یعنی تاوان جانوروں کے مالکوں پر ہے۔" (مالکؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور دن میں کسی کے باغ کو خراب کردے تو اس کا تاوان جانور کے مالک پر نہیں آتا کیونکہ دن میں باغ کی حفاظت کرنا باغ والے کی ذمہ داری ہے لہٰذا یہ اس کی اپنی کوتاہی ہے کہ اس نے اپنے باغ کی نگہبانی کیوں نہیں کی اور کسی جانور کو باغ میں کیوں گھسنے دیا۔ اور اگر کوئی جانور رات میں کسی کے باغ کو نقصان پہنچائے تو اس کا تاوان اس جانور کے مالک پر واجب ہوگا کیونکہ یہ جانور کے مالک کا قصور ہے کہ جب رات میں اپنے جانوروں کی نگہبانی اس کے ذمہ ہے تو اس نے اپنے جانور کو آزاد چھوڑ کر ایک دوسرے شخص کے نقصان کا باعث کیوں بنا۔

یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ جانور کا مالک جانور کے ساتھ نہ ہو۔ اگر مالک جانور کے ساتھ ہوگا خواہ وہ جانور پر سوار ہو یا اسے کھینچ کر لے جارہا ہو تو پھر دن میں بھی جانور کے پہنچائے ہوئے نقصان کا تاوان جانور کے مالک پر ہوگا چاہے وہ جانور اپنے ہاتھ پاؤں سے نقصان پہنچائے چاہے منہ سے۔

یہ تو حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے، اس بارہ میں حنفی مسلک یہ ہے کہ اگر جانور کا مالک جانور کے ساتھ نہ ہو تو پھر اس پر نقصان کا تاوان واجب نہیں ہوتا خواہ وہ جانور دن میں نقصان پہنچائے خواہ رات میں۔

⑭ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرِّجْلُ جُبَارٌ وَقَالَ النَّارُ جُبَارٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا پاؤں کا روندا ہوا معاف ہے اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ آگ کا جلایا ہوا معاف ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: یعنی اگر کوئی جانور کسی کی چیز کو پاؤں سے روند کچل کر تلف وضائع کردے تو اس کی وجہ سے اس جانور کے مالک پر تاوان واجب نہیں ہوگا بشرطیکہ وہ مالک جانور کے ساتھ نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی برے مقصد مثلاً ایذار سانی وغیرہ کے بغیر محض اپنی ضرورت یا کسی اور وجہ سے آگ جلائی اور اس کی کوئی چنگاری ہوا میں اڑ کر کسی دوسرے کے سامان پر جا پڑی جس سے وہ سامان جل گیا تو اس صورت میں آگ جلانے والے پر نقصان کا تاوان نہیں واجب ہوگا۔ بشرطیکہ اس نے جس وقت آگ جلائی ہو اس وقت ہوا ٹھہری ہوئی ہو اور آگ جلنے کے بعد چلی ہو، اور اگر اس نے ایسے وقت آگ جلائی جب کہ ہوا چل رہی تھی اور اس کی وجہ سے آگ سے نقصان پہنچ جانے کا احتمال تھا تو پھر اس پر تاوان واجب ہوگا۔

حالت اضطرار میں دوسرے کے جانور کا دودھ پینے کی اجازت

⑮ وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَتٰى اَحَدُكُمْ عَلٰى مَاشِيَةٍ فَاِنْ كَانَ فِيْهَا صَاحِبُهَا فَلْيَسْتَاْذِنْهُ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهَا فَلْيُصَوِّتْ ثَلَاثًا فَاِنْ اَجَابَهُ اَحَدٌ فَلْيَسْتَاْذِنْهُ وَاِنْ لَمْ يُجِبْهُ اَحَدٌ فَلْيَحْتَلِبْ

وَلْيَشْرَبْ وَلَا يَحْمِلْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت حسن حضرت سمرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص دودھ کے جانوروں کے پاس آئے تو اگر وہاں ان جانوروں کا مالک موجود ہو تو اس سے دودھ پینے کی اجازت مانگے اور اگر وہاں مالک موجود نہ ہو تو اس شخص کو چاہئے کہ وہ تین مرتبہ آواز دے اس کی آواز سن کر اگر کوئی جواب دے تو اس سے پوچھ لے اور اگر کوئی جواب نہ دے تو وہ بقدر ضرورت دودھ دوہ کر پی لے مگر دودھ اپنے ساتھ بالکل نہ لے جائے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس حدیث میں مذکورہ ہدایت کا تعلق اس شخص سے ہے جو حالت اضطرار کو پہنچ چکا ہو یعنی بھوک کے مارے مرا جارہا ہو، ایسے شخص کے لئے یہ اجازت ہے کہ اگر وہ دودھ کے جانور کے پاس ہو اور وہاں ان کا مالک موجود نہ ہو جس سے وہ اجازت لے کر دودھ پی سکے تو وہ مذکورہ ہدایت کے مطابق ان جانوروں کا بقدر ضرورت دودھ دوہ کر پی لے۔

دوسرے کے باغ کا پھل مالک کی اجازت کے بغیر کھانے کا مسئلہ

(۱۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ حَائِطًا فَلْيَأْكُلْ وَلَا يَتَّخِذْ خُبْنَةً۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی دوسرے شخص کے باغ میں جائے تو اسے چاہئے کہ وہ وہاں کے پھل کھالے، جیب اور جھولے میں بھر کر نہ لے جائے۔ (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: اس حدیث کا مقصد اس بات کی عام اجازت دینا نہیں ہے کہ جو بھی چاہے کسی غیر شخص کے باغ میں جاکر پھل توڑے اور کھالے کیونکہ کسی دوسرے کی کوئی بھی چیز اس کی اجازت و مرضی کے بغیر لینا اور کھانا مطلقاً درست نہیں ہے بلکہ یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی طرح یا تو حالت اضطرار پر محمول ہے یا اس کا تعلق ایسے مقامات سے ہے جہاں کسی کے باغ میں پہنچ کر باغ والے کی اجازت کے بغیر پھل کھالینا ممنوع نہیں ہوتا۔

مستعار لی ہوئی چیز امانت کے حکم میں ہے

(۱۷) وَعَنْ أُمَيَّةَ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعَارَ مِنْهُ أَدْرَاعَهُ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَقَالَ أَغَصْبًا يَا مُحَمَّدُ قَالَ بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُوْنَةٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت امیہ ابن صفوان اپنے والد (صفوان) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حنین کی جنگ کے دن ان (صفوان) سے کئی زرہیں عاریۃً لیں انہوں نے پوچھا کہ اے محمد (ﷺ) کیا آپ (ﷺ) یہ زرہیں غصب کے طریقہ پر لے رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ عاریۃً لے رہا ہوں جو واپس کردی جائیں گی۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: غزوہ حنین کے موقع پر جب کہ آپ ﷺ نے کچھ زرہیں صفوان سے مستعار لیں تو چونکہ صفوان اسلام کی دولت سے بہرہ ور نہیں تھے اسی لئے انہوں نے آپ ﷺ کو زرہیں دیتے ہوئے جو سوال کیا وہ بظاہر حد ادب سے گذرا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن بعد میں صفوان اسلام کی دولت سے مشرف ہوگئے تھے رضی اللہ عنہ۔

حضرت شریح، حضرت نخعی، حضرت سفیان ثوری اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ جو چیز مستعار لی جاتی ہے وہ مستعار لینے والے کے پاس بطور امانت ہوتی ہے کہ اگر وہ تلف و ضائع ہوجائے تو اس کا بدلہ دینا واجب نہیں ہوتا، ہاں اگر مستعار

لینے والا اس چیز کو قصداً ضائع کر دے تو پھر اس پر اس چیز کا بدل واجب ہوتا ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ چیز ضائع و تلف ہو جائے تو مستعار لینے والے پر اس کا بدل یعنی اس چیز کی قیمت ادا کرنا واجب ہوتا ہے اسی لئے ان حضرات کے نزدیک لفظ مضمونۃ (جو واپس کر دی جائیں گی) کے یہ معنی ہیں (تلف ہو جانے کی صورت میں) ان کا بدل ادا کیا جائے گا۔

مستعار چیز کو واپس کر دینا واجب ہے

(۱۸) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلْعَارِیَۃُ مُؤَدَّاۃٌ وَالْمِنْحَۃُ مَرْدُوْدَۃٌ وَالدَّیْنُ مَقْضِیٌّ وَالزَّعِیْمُ غَارِمٌ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ فرماتے تھے کہ مستعار چیز واپس کی جائے (یعنی کسی کی کوئی چیز مستعار لینے والے پر واجب ہے کہ وہ اس چیز کو اس کے مالک کے پاس واپس پہنچا دے) منحہ کا واپس کرنا ضروری ہے، قرض کو ادا کیا جائے (یعنی قرض کو ادا کرنا واجب ہے) اور ضامن ضمانت پوری کرنے پر مجبور ہے (یعنی اگر کوئی شخص کسی کے قرض وغیرہ کا ضامن ہو تو اس کی ادائیگی اس پر لازم ہے)۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: "منحہ" اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کو اپنا جانور دودھ پینے کے لئے دے دے، یا کسی کو اپنی زمین یا اپنا باغ پھل وغیرہ کھانے کے لئے دے دے، لہٰذا منحہ میں چونکہ صرف منفعت کا مالک بنایا جاتا ہے نہ کہ اصل اس چیز کا اس لئے اس چیز (مثلاً جانور سے) فائدہ اٹھانے کے بعد اسے مالک کو واپس کر دینا واجب ہے۔

درخت سے گرے ہوئے پھل اٹھانے کا مسئلہ

(۱۹) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْغِفَارِیِّ قَالَ کُنْتُ غُلَامًا اَرْمِیْ نَخْلَ الْاَنْصَارِ فَاُتِیَ بِیَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا غُلَامُ لِمَ تَرْمِی النَّخْلَ قُلْتُ اٰکُلُ قَالَ فَلَا تَرْمِ وَکُلْ مِمَّا سَقَطَ فِیْ اَسْفَلِھَا ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَہٗ فَقَالَ اللّٰھُمَّ اَشْبِعْ بَطْنَہٗ۔ (رواہ الترمذی و ابوداود و ابن ماجۃ)

"اور حضرت رافع ابن عمرو غفاریؓ کہتے ہیں کہ جب میں بچہ تھا تو انصار کے کھجوروں کے درختوں پر پتھر پھینکا کرتا تھا (ایک دن) انصار مجھے پکڑ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئے، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا "لڑکے! تو کھجوروں پر پتھر کیوں پھینکتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کھجوریں کھاتا ہوں (یعنی کھجوریں کھانے کے لئے ان کے درختوں پر پتھر مارتا ہوں کسی اور مقصد سے پتھر نہیں پھینکتا) آپ ﷺ نے فرمایا "پتھر نہ پھینکا کرو ہاں جو کھجوریں درخت کے نیچے گری پڑی ہوں ان کو کھا لیا کرو"۔ پھر آپ ﷺ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا کہ "اے اللہ! تو اس کا پیٹ بھر۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے رافعؓ کو درخت کے نیچے گری پڑی کھجوریں کھا لینے کی اجازت اس لئے عطا فرمائی کہ عام طور پر درختوں پر سے گرے ہوئے پھلوں کو کھانے سے کوئی منع نہیں کرتا۔ خاص طور پر بچے چونکہ کچے پکے اور گرے پڑے پھلوں کی طرف بہت راغب ہوتے ہیں اس لئے ان کو اس سے کوئی بھی منع نہیں کرتا کہ وہ درخت کے نیچے گرے پڑے پھل اٹھا کر کھا لیں۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر رافعؓ حالت اضطرار میں ہوتے یعنی بھوک کی وجہ سے مجبور ہوتے تو آنحضرت ﷺ انہیں گرے پڑے پھلوں ہی کے کھانے کی اجازت دینے پر اکتفاء نہ فرماتے بلکہ درخت پر سے کھجوریں توڑ کر کھا لینے کی بھی اجازت دے دیتے۔

وَسَنَذْکُرُ حَدِیْثَ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ فِیْ بَابِ اللُّقَطَۃِ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

"اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ کی حدیث کو ہم انشاء اللہ باب لقطہ میں ذکر کریں گے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

زمین غصب کرنے کی سزا

(۲۰) عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَیْئًا بِغَیْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلٰی سَبْعِ اَرْضِیْنَ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت سالمؒ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بیان کیا کہ "جو شخص زمین کا کوئی حصہ بھی ناحق لے گا۔ (یعنی کسی کی زمین کا کوئی بھی قطعہ ازراہ ظلم وزبردستی لے گا) تو قیامت کے دن اسے زمین کے ساتویں طبقہ تک دھنسایا جائے گا۔" (بخاریؒ)

(۲۱) وَعَنْ یَعْلَی بْنِ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ اَخَذَ اَرْضًا بِغَیْرِ حَقِّهَا کُلِّفَ اَنْ یَحْمِلَ تُرَابَهَا الْمَحْشَرَ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت یعلی ابن مرةؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ یہ فرماتے تھے کہ "جو شخص زمین کا کوئی بھی حصہ ناحق (یعنی ازراہ ظلم) لے گا، اسے حشر کے دن اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس زمین کی (ساری) مٹی اپنے سر پر اٹھائے۔" (احمدؒ)

تشریح: ازراہ ظلم کسی کی زمین غصب کرنے والے کی مختلف سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے، پہلی فصل میں تو یہ فرمایا گیا تھا کہ قیامت کے دن ایسے شخص کے گلے میں زمین کا وہ قطعہ طوق بنا کر ڈالا جائے گا جو اس نے کسی سے زبردستی ہتھیایا ہوگا، اوپر کی حدیث میں یہ بیان کیا گیا کہ کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کرنے والا قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبقہ تک دھنسایا جائے گا۔ یہاں اس حدیث میں یہ سزا ذکر کی گئی ہے کہ کسی کی زمین پر ناجائز طریقہ سے قبضہ کرنے والا حشر کے دن اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ اس زمین کی ساری مٹی اپنے سر پر اٹھائے۔ آنے والی حدیث اس بارے میں سزا کی ایک اور قسم کو بیان کر رہی ہے۔

گویا عذاب وسزا کی مختلف صورتیں اور قسمیں ہیں، چنانچہ کسی کو اس طرح عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور کسی کو اس طرح سزا دی جائے گی۔

(۲۲) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَیُّمَا رَجُلٍ ظَلَمَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ کَلَّفَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَنْ یَحْفِرَهٗ حَتّٰی یَبْلُغَ اٰخِرَ سَبْعِ اَرَضِیْنَ ثُمَّ یُطَوَّقَهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ النَّاسِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت یعلی ابن مرةؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص (کسی کی) بالشت بھر بھی زمین ازراہ ظلم لے گا اسے "اس کی قبر میں) اللہ تعالیٰ اس بات پر مجبور کرے گا کہ وہ اس زمین کو ساتویں طبقہ زمین تک کھودتا رہے پھر وہ زمین اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالی جائے گی۔ اور وہ قیامت تک اسی حال میں رہے گا حتی کہ (قیامت کے دن) لوگوں کا حساب کتاب ہو جائے۔" (احمدؒ)

بَابُ الشُّفْعَةِ

ملانے کا بیان

"شفعہ" مشتق ہے "شفع" سے، جس کے لغوی معنی ہیں "ملانا اور جفت کرنا" شفعہ اصطلاح فقہ میں اس ہمسائیگی یا شرکت کو کہتے ہیں

جس کی وجہ سے کسی ہمسایہ یا کسی شریک کو اس کے دوسرے ہمسایہ یا دوسرے شریک کے فروخت ہونے والی زمین یا فروخت ہونے والے مکان کو خریدنے کا ایک مخصوص حق حاصل ہوتا ہے اور یہ حق صرف زمین یا مکان کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے جس شخص کو یہ حق حاصل ہوتا ہے اسے "شفیع" کہتے ہیں۔ اس حق کا نام "شفعہ" اس لئے ہے کہ یہ خاص حق فروخت ہونے والی زمین یا مکان کو شفیع کی زمین یا مکان سے ملاتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک حق شفعہ صرف شریک کو حاصل ہوتا ہے ہمسایہ کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا۔ جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ حق شفعہ جس طرح شریک کے لئے ثابت ہے اسی طرح ہمسایہ کے لئے بھی ثابت ہے۔

ایک صحیح روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں، ہمسایہ کے حق شفعہ کے ثبوت میں احادیث منقول ہیں جو بالکل صحیح درجے کی ہیں ان کی موجودگی میں ہمسایہ کو حق شفعہ دینے سے انکار ایک بے دلیل بات ہے۔

حنفی مسلک کے مطابق شفیع کے تین درجے ہیں اول "خلیط فی النفس المبیع" یعنی فروخت ہونے والے مکان کی ملکیت میں کئی آدمی شریک ہوں خواہ وہ مکان ان سب شرکاء کو وراثت میں پہنچا ہو یا ان سب نے مشترک طور پر اسے خریدا ہو اور یا کسی نے ان سب کو مشترک طور پر ہبہ کیا ہو۔

دوم "خلیط فی حق المبیع" یعنی اس فروخت ہونے والے مکان یا زمین کی ملکیت میں شریک نہ ہو بلکہ اس زمین یا مکان کے حقوق میں شریک ہو جیسے حق مرور (یعنی آمد و رفت کا حق) حق مسیل (یعنی پانی کے نکاس کا حق) اور حق شرب (یعنی کھیت وغیرہ کو سیراب کرنے کے لئے پانی لے جانے کی نالی وغیرہ کا حق)۔

سوم "جار" یعنی ہمسایہ جس کا مکان فروخت ہونے والے مکان سے متصل ہو اور ان دونوں مکانوں کی دیواریں ملی ہوئی ہوں، نیز دونوں کے دروازوں کا راستہ ایک ہو۔

ان تینوں کے علاوہ اور کوئی شفیع نہیں ہو سکتا لہٰذا سب سے پہلے تو حق شفعہ اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اس فروخت ہونے والے مکان یا زمین کی ملکیت میں شریک ہو۔ اس کی موجودگی میں حق شفعہ نہ تو حقوق میں شریک کو حاصل ہوگا اور نہ ہمسایہ کو، اگر یہ شریک حق شفعہ سے دست کشی اختیار کرے تو پھر حق شفعہ اس شخص کو پہنچے گا جو حقوق میں شریک ہو اور یہ بھی دست کشی اختیار کر لے تب حق شفعہ ہمسایہ کو حاصل ہوگا اور اگر یہ ہمسایہ بھی اپنے اس حق سے دست کش ہو جائے تو اس کے بعد کسی کو بھی حق شفعہ حاصل نہیں ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حق شفعہ صرف شریک کو حاصل ہوتا ہے یا ہمسایہ کو بھی

① عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ مَالَمْ يُقْسَمْ فَاِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہر اس (غیر منقول) چیز میں حق شفعہ ثابت ہونے کا فیصلہ صادر فرمایا ہے جو (شراکت میں ہو) اور شرکاء کے درمیان تقسیم نہ کی گئی ہو، لہٰذا جب حدود مقرر ہو جائیں (یعنی مشترک ملکیت کی زمین یا مکان، باہم تقسیم ہو جائے) اور (ہر ایک حصہ کے) راستے الگ الگ کر دیئے جائیں تو پھر شفعہ باقی نہیں رہتا (یعنی اس صورت میں چونکہ شرکت باقی نہیں رہتی اس لئے کسی کو بھی حق شفعہ حاصل نہیں ہوتا۔" (بخاریؒ)

تشریح: جب کسی زمین یا کسی مکان کے مشترک طور پر کئی مالک ہوں تو اس کے شرکاء کو ہر ایک کے حصہ میں حق شفعہ اسی وقت تک

حاصل رہتا ہے جب تک کہ اس زمین یا اس مکان کی باہم تقسیم نہ ہو۔ اگر وہ زمین یا مکان شرکاء آپس میں تقسیم کرلیں، اور سب کے حصے الگ ہوجائیں اور سب حصوں کے راستے بھی جدا جدا ہوجائیں تو اس صورت میں کسی کو بھی حق شفعہ حاصل نہیں رہتا۔ اس طرح یہ حدیث اس بات کی دلیل ہوگی کہ حق شفعہ صرف شریک کو حاصل ہوتا ہے، ہمسایہ کو حاصل نہیں ہوتا چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں، ہمسایہ کو بھی حق شفعہ حاصل ہوتا ہے ان کی دلیل دوسری احادیث ہیں، ان کے نزدیک اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ اس زمین یا مکان کی تقسیم کے بعد شرکت کا شفعہ باقی نہیں رہتا، لہٰذا حدیث کا یہ مفہوم مراد لینے کی صورت میں ہمسائیگی کے شفعہ کی نفی لازم نہیں آتی۔

حق شفعہ صرف زمین اور مکان کے ساتھ مخصوص ہے

② وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَۃِ فِیْ كُلِّ شِرْكَۃٍ لَمْ تُقْسَمْ رَبْعَۃٍ اَوْحَائِطٍ لَايَحِلُّ لَہٗ اَنْ يَّبِيْعَ حَتّٰى يُؤْذِنَ شَرِيْكَہٗ فَاِنْ شَاءَ اَخَذَ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ فَاِذَا بَاعَ وَلَمْ يُؤْذِنْہُ فَھُوَ اَحَقُّ بِہٖ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ حکم صادر فرمایا کہ ہر ایسی مشترک زمین میں شفعہ ثابت ہے۔ جو تقسیم نہ کی گئی ہو خواہ وہ گھر ہو یا باغ ہو۔ نیز ایسی مشترک زمین کے کسی بھی شریک کو اپنا حصہ بیچنا حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے دوسرے شریک کو مطلع نہ کردے (اطلاع کے بعد) وہ دوسرا شریک چاہے تو وہ حصہ خود خرید لے اور چاہے چھوڑ دے (یعنی کسی دوسرے کو بیچنے کی اجازت دے دے) اور اگر کسی شریک نے اپنے دوسرے شریک کو اطلاع دیئے بغیر اپنا حصہ بیچ دیا تو وہ دوسرا شریک اس (بات) کا حقدار ہے (کہ وہ اس فروخت شدہ حصہ کو خرید لے)۔" (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حق شفعہ صرف غیر منقولہ جائیداد (یعنی زمین، مکان اور باغ کے ساتھ مخصوص ہے اشیاء منقولہ جیسے اسباب اور جانور وغیرہ میں شفعہ کا حق نہیں ہوتا، چنانچہ تمام علماء کا متفقہ طور پر یہی مسلک ہے پھر حق شفعہ صرف مسلمان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مسلمان اور ذمی کے درمیان بھی شفعہ کا حق جاری ہوتا ہے (ذمی اس غیر مسلم کو کہتے ہیں جو جزیہ یعنی اپنے جان و مال اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کا ایک مخصوص ٹیکس ادا کر کے اسلامی سلطنت کا اطاعت گزار شہری ہو)۔

مشترک زمین یا مکان کے کسی حصہ کے فروختگی کے وقت دوسرے شریک کو اطلاع دینا ضروری ہے

ارشاد گرامی کے الفاظ لَايَحِلُّ لَہٗ الخ (کسی بھی شریک کو اپنا حصہ بیچنا حلال نہیں ہے الخ) سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر کسی مشترک زمین یا مکان کا کوئی حصہ دار اپنا حصہ بیچنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ فروختگی کے ارادے کے وقت ہی اپنے دوسرے حصہ دار کو اس کی اطلاع دے دے تاکہ اگر وہ خریدنا چاہے تو اس حصہ کو خرید لے ورنہ عدم اطلاع کی صورت میں اس دوسرے حصہ دار کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ بذریعہ شفعہ اس حصہ کو حاصل کرے۔

ہمسایہ کو حق شفعہ حاصل ہونے کی دلیل

③ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ الْجَارُ اَحَقُّ بِسَقَبِہٖ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہمسایہ اپنے قریب ہونے کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہمسایہ شفعہ کا زیادہ حق دار ہے اور یہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ شفعہ کا حق صرف اسی ہمسایہ کو ہوتا ہے کہ جو نزدیک

اور متصل ہو۔

یہ حدیث بڑی وضاحت کے ساتھ حنفیہ کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ حق شفعہ صرف شریک ہی کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ ہمسایہ کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

ہمسائیگی کا حق

④ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَمْنَعُ جَارٌ جَارَهٗ اَنْ یَّغْرِزَ خَشَبَةً فِیْ جِدَارِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کوئی ہمسایہ اپنے دوسرے ہمسایہ کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: منع نہ کرنے کا یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ لکڑی گاڑنے کی وجہ سے کوئی نقصان و ضرر نہ پہنچتا ہو۔ حضرت امام احمدؒ اور محدثین کے نزدیک مذکورہ بالا حکم وجوب کے طور پر ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم استحباب کے طور پر ہے۔

راستے کے سلسلے میں ایک ہدایت

⑤ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِی الطَّرِیْقِ جُعِلَ عَرْضُهٗ سَبْعَةَ اَذْرُعٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب راستہ کی بابت تم میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کی چوڑائی سات ہاتھ متعین کر دو۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی افتادہ زمین پر راستہ بنا ہوا ہو اور وہاں کچھ لوگ عمارت بنانا چاہیں تو بہتر یہی ہے کہ آپس کے اتفاق و اتحاد سے مناسب راستہ کے لائق زمین کا کچھ حصہ چھوڑ کر اس کے اردگرد عمارت بنالی جائے لیکن اگر راستہ کے لئے زمین کی کسی مقدار پر اتفاق نہ ہو اور آپس میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس صورت میں واضح ہدایت یہ ہے کہ راستہ کے لئے چوڑائی میں سات ہاتھ زمین متعین کر دی جائے اور اس سات کے اندر کوئی کچھ نہ بنائے۔

مذکورہ بالا حدیث کی مراد تو یہ ہے لیکن اس بارے میں ایک یہ مسئلہ بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ اگر کوئی چلتا ہوا راستہ سات ہاتھ سے زائد چوڑا ہو تو اس صورت میں کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے وہ اس پورے زائد حصے یا اس میں سے کچھ پر قابض ہو جائے اور یہ کہے کہ راستہ کی سات ہاتھ چوڑائی کافی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

غیر منقولہ جائداد کو بلا ضرورت بیچنا مناسب نہیں ہے

⑥ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ حُرَیْثٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ بَاعَ مِنْکُمْ دَارًا اَوْ عَقَارًا قَمِنٌ اَنْ لَّا یُبَارَکَ لَهٗ اِلَّا اَنْ یَّجْعَلَهٗ فِیْ مِثْلِهٖ۔ (رواہ ابن ماجۃ والدارمی)

"حضرت سعید ابن حریثؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "تم میں سے جو شخص اپنا مکان یا زمین

فروخت کرے تو مناسب یہ ہے کہ اس (کی قیمت) میں برکت نہ ہو الایہ کہ وہ اس (قیمت) کو اس ہی جیسی جائیداد کی خریداری میں صرف کرے۔" (ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ غیر منقولہ جائیداد (مثلاً مکانات اور زمین کو بلاضرورت بیچنا اور اس سے حاصل ہونے والی قیمت سے منقولہ اشیاء خریدنا غیر مستحب اور غیر مناسب ہے کیونکہ غیر منقولہ جائیداد میں منافع بھی بہت ہیں اور اس کے اتلاف و نقصان کے خطرات بھی کم ہوتے ہیں، جیسے اسے کوئی چور چرا نہیں سکتا اور کوئی لٹیرا لوٹ کر لے نہیں جاسکتا، بخلاف اشیاء منقولہ کے کہ ان کی چوری کا ہر وقت خوف رہتا ہے۔ لہٰذا عقل و دانش کا تقاضہ یہی ہونا چاہئے کہ بلاضرورت غیر منقولہ جائیداد کو فروخت نہ کیا جائے، اگر فروخت ہی کیا جائے تو اس کی قیمت کو دوسرے مکانات و زمین کی خریداری میں صرف کیا جائے۔

ہمسایہ کو حق شفعہ حاصل ہوتا ہے

⑦ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَارُ اَحَقُّ بِشُفْعَتِهٖ يُنْتَظَرُ لَهَا وَاِنْ كَانَ غَائِبًا اِذَا كَانَ طَرِيْقُهُمَا وَاحِدًا۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہمسایہ اپنے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کے شفعہ کی وجہ سے اس کا انتظار کیا جائے (اور ہمسایہ شفعہ کا اس صورت میں حقدار ہے) جب کہ دونوں کا راستہ ایک ہو۔"

(احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

شفعہ کا تعلق ہر غیر منقول جائیداد سے ہے

⑧ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الشَّرِيْكُ شَفِيْعٌ وَالشُّفْعَةُ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ قَالَ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَهُوَ اَصَحُّ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا (وہ شخص جو (فروخت کی جانے والی جائیداد میں) شریک ہو، شفعہ کا حق رکھتا ہے اور شفعہ کا تعلق ہر (اس) چیز سے ہے (جو غیر منقولہ جائیداد ہو جیسے زمین اور باغ وغیرہ) اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن ابی ملیکہؒ نے بھی نبی کریم ﷺ سے بطریق ارسال نقل کی ہے اور وہی زیادہ صحیح ہے۔"

بیری کا درخت کاٹنے پر وعید

⑨ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ حُبَيْشٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً صَوَّبَ اللّٰهُ رَاْسَهٗ فِي النَّارِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ هٰذَا الْحَدِيْثُ مُخْتَصَرٌ يَعْنِيْ مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً فِيْ فَلَاةٍ يَسْتَظِلُّ بِهَا ابْنُ السَّبِيْلِ وَالْبَهَائِمُ غَشْمًا وَظُلْمًا بِغَيْرِ حَقٍّ يَكُوْنُ لَهٗ فِيْهَا صَوَّبَ اللّٰهُ رَاْسَهٗ فِي النَّارِ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن حبیشؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص بیری کا درخت کاٹے گا اللہ تعالیٰ اسے اوندھے سر دوزخ میں ڈالے گا امام ابوداؤدؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث مختصر ہے جس کا پورا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص جنگل میں بیری کے کسی ایسے درخت کو کہ جس کے سایہ میں مسافر اور جانور پناہ حاصل کرتے ہیں، ازراہ ظلم و زیادتی اور بغیر حق کے کاٹے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اوندھے سر دوزخ میں ڈالے گا۔"

تشریح: جملہ غشمًا و ظلمًا بغیر حق میں لفظ "ظلم" اور "بغیر حق" لفظ "غشمًا" کی تاکید کے طور پر استعمال کیا گیا ہے یا پھر یہ کہ

لفظ "ظلم" تو غشمًا کی تاکید کے طور پر ہے لیکن "بغیر حق" سے مراد شفعہ ہے۔

ابوداؤدؒ کی کتاب "مرقات الصعود" میں لکھا ہے کہ طبرانی نے اپنی کتاب "اوسط" میں یہ وضاحت کی ہے کہ جو شخص حدود حرم میں بیری کا درخت کاٹے گا اس کے لئے یہ وعید ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ یہاں مدینہ کی بیری کا درخت مراد ہے، بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ جنگل کی وہ بیری کا درخت مراد ہے جس کے سائے میں مسافر اور جانور راحت پاتے ہیں، اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس وعید کا تعلق اس شخص سے ہے جو کسی دوسرے شخص کا بیری کا درخت ازراہ ظلم وزیادتی کاٹ ڈالے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

ہر غیر منقول جائیداد میں شفعہ ہے خواہ وہ تقسیم ہو سکتی ہے یا ناقابل تقسیم ہو

(۱۰) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ اِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ فِی الْاَرْضِ فَلَا شُفْعَةَ فِیْهَا وَلَا شُفْعَةَ فِیْ بِئْرٍ وَلَا فَحْلِ النَّخْلِ۔ (رواہ مالک)

"حضرت عثمان ابن عفانؓ فرماتے ہیں کہ جب زمین میں حدیں قائم ہو جائیں (یعنی مشترک زمین شرکاء میں باہم تقسیم ہو جائے اور ہر ایک کے حصے الگ الگ ہو جائیں) تو (شرکت کا) شفعہ باقی نہیں رہتا اور نہ کنویں میں شفعہ کا حق حاصل ہوتا ہے اور نہ نر کھجور کے درخت میں۔" (مالکؒ)

تشریح: کنواں ایک ایسی چیز ہے جو تقسیم کا احتمال نہیں رکھتا اور چونکہ شفعہ کا حق اسی زمین میں حاصل ہوتا ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہو اس لئے کنویں میں شفعہ نہیں ہوتا، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک شفعہ ہر زمین میں ثابت ہے خواہ وہ تقسیم کا احتمال رکھے جیسے مکانات اور باغات وغیرہ یا تقسیم کا احتمال نہ رکھے جیسے کنواں، حمام اور چکی وغیرہ حنفیہ کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ واضح ارشاد گرامی ہے کہ اَلشُّفْعَةُ فِیْ کُلِّ شَیْئٍ یعنی شفعہ ہر (غیر منقول) چیز میں ہے۔

"اور نہ نر کھجور کے درخت میں" یعنی مثلاً چند لوگوں کو کھجور کے کچھ درخت مشترک طور پر وراثت میں حاصل ہوئے۔ جنہیں انہوں نے آپس میں تقسیم کر لیا لیکن ان میں ایک نر درخت بھی تھا۔ جس کے پھول لے کر سب ہی لوگ اپنے اپنے کھجور کے درختوں پر ڈالتے تھے، اب ان ہی میں کا ایک شخص اپنے حصہ کے کھجور کے درختوں کے ساتھ اس نر درخت کے اپنے حقوق بھی فروخت کرے تو شرکاء کو اس فروخت میں شفعہ کا حق حاصل نہیں ہوگا کیونکہ نہ تو وہ کوئی زمین ہے اور نہ اس کو تقسیم کر لینا ممکن ہے۔

بَابُ الْمُسَاقَاةِ وَالْمُزَارَعَةِ

مساقات اور مزارعت کا بیان

"مساقات" کی صورت یہ ہے کہ مثلاً زید اپنا باغ یا اپنے کچھ درخت بکر کو اس شرط کے ساتھ دے کہ تم ان درختوں کو سیراب کرنا، ان کی دیکھ بھال کرنا، پھر ان پر جو پھل آئیں گے ان کو آدھوں آدھ یا تہائی یا چوتھائی وغیرہ (جو بھی مقدار مقرر ہو) آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

"مزارعت" کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً زید اپنی زمین بکر کو اس شرط کے ساتھ دے کہ تم اس کو جوتنا بونا، اس کی جو پیداوار ہوگی اسے آدھوں آدھ یا تہائی اور یا چوتھائی (جو بھی مقدار مقرر ہو) آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

گویا "مساقات" اور "مزارعت" دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے یعنی "بٹائی پر دینا" فرق صرف اتنا ہے کہ مساقات کا تعلق تو درختوں سے ہوتا ہے اور مزارعت کا تعلق زمین سے ہے، ان دونوں کا فقہی حکم بھی ایک ہی ہے، مساقات اور مزارعت یعنی اپنے درختوں یا زمین

کو بٹائی پر دینا حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک فاسد ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نیز دوسرے علماء کے نزدیک یہ جائز ہے۔

حضرت امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا اجارہ ہے جس میں اجر مجہول اور معدوم ہوتا ہے پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ سے مخابرت (مزارعت) کی نہی ثابت ہے، لیکن فتویٰ چونکہ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے قول پر ہے اس لئے حنفیہ کے ہاں بھی مساقات اور مزارعت جائز ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

خیبر کی زمین کا بندوبست

① عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَ اِلَى يَهُوْدِ خَيْبَرَ نَخْلَ خَيْبَرَ وَاَرْضَهَا اِلٰى اَنْ يَعْتَمِلُوْهَا مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَلِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَطْرُ ثَمَرِهَا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطٰى خَيْبَرَ الْيَهُوْدَ اَنْ يَعْمَلُوْهَا وَيَزْرَعُوْهَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا۔

"حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے خیبر کی کھجوروں کے درخت اور وہاں کی زمین اس شرط پر خیبر کے یہودیوں کے حوالہ کردی کہ وہ اس میں اپنی جان اور اپنا مال لگائیں اور اس کا آدھا پھل رسول کریم ﷺ کے لئے ہوگا۔" (مسلم)

"اور بخاریؒ کی روایت میں یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے خیبر کو (یعنی وہاں کی زمین اور درخت کو) اس شرط پر خیبر کے یہودیوں کے حوالہ کردیا تھا کہ وہ اس میں محنت کریں اور کاشت کاری کریں اور پھر اس کی پیداوار کا آدھا حصہ یہودیوں کا حق ہوگا اور آدھا حصہ آنحضرت ﷺ لے لیں گے۔"

تشریح: خیبر ایک بستی کا نام ہے جو مدینہ سے تقریباً (۶۰) میل شمال میں ایک حرے کے درمیان واقع ہے۔ پہلے یہ ایک مشہور مقام رہ چکا ہے جہاں یہودیوں کی بود و باش تھی، لیکن اب یہ بستی چند گاؤں کا مجموعہ ہے، چونکہ اس کی آب و ہوا اچھی نہیں ہے اس لئے یہاں لوگ اقامت اختیار کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ اس کے علاقہ میں کھجور وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔

بہرحال یہ حدیث علاوہ امام اعظم ابوحنیفہ کے تمام علماء کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ مساقات و مزارعت جائز ہے حضرت امام اعظمؒ یہ فرماتے ہیں کہ خیبر کی زمین اور درختوں کو وہاں کے یہودیوں کو دینا مساقات و مزارعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ کیونکہ خیبر کی زمین اور وہاں کے درخت آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں نہیں تھے کہ آپ ﷺ بطور مساقات و مزارعت وہاں کے یہودیوں کو دیتے بلکہ وہ زمین بھی یہودیوں ہی کی ملکیت تھی اور وہاں کے درختوں کے مالک بھی یہودی ہی تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی املاک کو انہیں کے حوالے کیا اور اس کی پیداوار کا نصف بطور خراج اپنے لئے مقرر فرمایا، چنانچہ خراج کی دو قسمیں ہیں۔ ① خراج موظف ② خراج مقاسمت۔

خراج موظف کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اسلامی مملکت کی طرف سے جن لوگوں پر خراج عائد کیا جاتا ہے ان سے سربراہ مملکت ہر سال کچھ مال لینا مقرر کرلیتا ہے جیسا کہ اہل نجران سے ہر سال بارہ سو حلے یعنی جوڑے لئے جاتے تھے۔

خراج مقاسمت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جن لوگوں پر خراج عائد کیا جاتا ہے ان کی زمین کی پیداوار ان لوگوں اور اسلامی حکومت کی درمیان کسی مقررہ مقدار میں تقسیم ہوتی ہے جیسا کہ اہل خیبر کے ساتھ ہوا کہ ان کی زمین اور درختوں کی نصف پیداوار آنحضرت ﷺ لے لیتے تھے۔

مخابرت کی ممانعت

② وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نُخَابِرُ وَلَا نَرٰى بِذٰلِكَ بَاْسًا حَتّٰى زَعَمَ رَافِعُ بْنُ خُدَيْجٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهَا فَتَرَكْنَاهَا مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مخابرت کیا کرتے تھے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے یہاں تک کہ جب حضرت رافع ابن خدیجؓ نے یہ بتایا کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے تو ہم نے اس وجہ سے اسے ترک کر دیا۔" (مسلم)

تشریح: "مخابرت" اس مزارعت کو کہتے ہیں جس کا ذکر اوپر کی حدیث میں ہوا، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ مزارعت ممنوع ہے اس لئے یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔

اجرت یا لگان پر زمین دینے کا ذکر

(۳) وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَمَّايَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يُكْرُوْنَ الْاَرْضَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا يَنْبُتُ عَلَى الْاَرْبِعَاءِ اَوْ شَيْئٍ يَسْتَثْنِيْهِ صَاحِبُ الْاَرْضِ فَنَهَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لِرَافِعٍ فَكَيْفَ هِيَ بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ فَقَالَ لَيْسَ بِهَا بَاْسٌ وَكَانَ الَّذِيْ نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ مَالَوْ نَظَرَ فِيْهِ ذَوُوا الْفَهْمِ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ لَمْ يُجِيْزُوْهُ لِمَا فِيْهِ مِنَ الْمُخَاطَرَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت حنظلہ ابن قیسؒ (تابعی) حضرت رافع بن خدیجؓ (صحابی) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی رافعؓ نے) فرمایا کہ مجھے میرے دو چچاؤں نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرامؓ نالیوں پر ہونے والی پیداوار کے عوض اپنی زمین اجرت پر دیا کرتے تھے (یعنی صحابہؓ اپنی زمین کو کسی دوسرے شخص کو اس شرط کے ساتھ اجرت پر دے دیا کرتے تھے کہ وہ شخص اپنی محنت اور اپنا تخم لگا کر اس میں کاشت کرے اور اس زمین کی پانی کی نالیوں کے کناروں پر جو کچھ پیدا ہوگا وہ اس زمین کی اجرت میں مالک کا حق ہوگا اور اس کے علاوہ باقی زمین کی پیداوار کاشت کرنے والے کا حق ہوگا) یا اپنی زمین کو اس قطعہ (کی پیداوار) کے عوض اجرت پر دیتے تھے جسے مالک اپنے لئے علیحدہ کر لیتا تھا (یعنی زمین کو اجرت پر دینے کی دوسری صورت یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنی زمین جب کسی کو کاشت کے لئے دیتے تو اس کا کوئی قطعہ اپنے لئے متعین کر دیتے تھے اور یہ طے ہو جاتا تھا کہ کاشت کرنے والا اپنی محنت اور اپنا تخم لگا کر پوری زمین پر کاشت کرے پھر اس متعین قطعہ کی جو کچھ پیداوار ہوگی وہ تو مالک لے لے گا اور باقی زمین کی پیداوار کاشت کرنے والا لے گا) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا (کیونکہ اس میں نقصان اور فریب میں مبتلا ہونے کا خوف رہتا تھا) حدیث کے راوی حضرت حنظلہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رافعؓ سے پوچھا کہ درہم و دینار کے عوض مزارعت کا کیا حکم ہے (یعنی اپنی زمین کسی کو کاشت کرنے کے لئے دے دی جائے اور اس کے عوض بطور لگان روپے لئے جائیں تو کیا حکم ہے؟) حضرت رافعؓ نے فرمایا کہ "اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور جس چیز سے رسول کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (یعنی مزارعت کی مذکورہ دونوں صورتیں) وہ ایسی چیز ہے کہ اگر حرام و حلال کی سمجھ رکھنے والا شخص اس میں غور کرے تو نقصان پہنچنے کے خوف سے اسے پسند نہ کرے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اپنی زمین کو کاشت کے لئے دینے کی جو دو صورتیں ذکر کی گئی ہیں اور جن سے رسول کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ ان علماء کے نزدیک بھی محل نہی ہیں جو مزارعت کے جواز کے قائل ہیں۔

مزارعت کے سلسلے میں چونکہ مختلف احادیث منقول ہیں اس لئے جو علماء مزارعت کو جائز کہتے ہیں وہ بھی اپنے مسلک کو حدیث سے ثابت کرتے ہیں اور وہ علماء بھی حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں جن کے نزدیک مزارعت جائز نہیں ہے، گویا دونوں طرف کے علماء کے لئے تاویل کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ اکثر علماء مزارعت کو جائز کہتے ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ لیکن حنفیہ کے دو جلیل القدر ائمہ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ چونکہ جواز ہی کے قائل ہیں پھر یہ کہ دفع ضرورت کی مصلحت بھی

پیش نظر ہے اس لئے حنفی مسلک میں بھی فتویٰ اسی بات پر ہے کہ مزارعت جائز ہے۔

مزارعت کی ایک ممنوع صورت

④ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا اَكْثَرَ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ حَقْلاً وَكَانَ اَحَدُنَا يُكْرِيْ اَرْضَهُ فَيَقُوْلُ هٰذِهِ الْقِطْعَةُ لِيْ وَهٰذِهِ لَكَ فَرُبَّمَا اَخْرَجَتْ ذِهِ وَلَمْ تُخْرِجْ ذِهِ فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت رافع ابن خدیج ؓ کہتے ہیں کہ ہم اکثر مدینہ والے کاشتکاری کیا کرتے تھے اور ہم میں سے بعض لوگ اپنی زمین کو بٹائی پر کاشت کرنے کے لئے (کسی دوسرے کو) دے دیا کرتے تھے اور اس سے یہ کہہ دیتے تھے (کہ تم اس پوری زمین پر کاشت کرو، اس کے عوض میں) اس زمین کا یہ قطعہ میرے لئے ہے (یعنی اس قطعہ کی پیداوار میں لے لوں گا) اور یہ قطعہ تمہارے لئے ہے (یعنی اس دوسرے قطعہ کی پیداوار تم لے لینا) اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک قطعہ میں پیداوار ہو جاتی تھی لیکن دوسرے قطعہ میں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا تھا، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے (مزارعت کی اس صورت سے) منع فرمادیا۔ (کیونکہ اس کی وجہ سے ایک شخص کو تو زمین کی پوری پیداوار مل جاتی تھی اور دوسرے شخص کا حق بالکل ضائع ہو جاتا تھا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

کسی کو اپنی زمین کاشت کرنے کے لئے بطور رعایت دینا بہتر ہے

⑤ وَعَنْ عَمْرٍو قَالَ قُلْتُ لِطَاؤُسٍ لَوْتَرَكْتَ الْمُخَابَرَةَ فَاِنَّهُمْ يَزْعُمُوْنَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهُ قَالَ اَىْ عَمْرُو اِنِّيْ اُعْطِيْهِمْ وَاُعِيْنُهُمْ وَاِنَّ اَعْلَمَهُمْ اَخْبَرَنِيْ يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ وَلٰكِنْ قَالَ اَنْ يَمْنَحَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ خَيْرٌلَهُ مِنْ اَنْ يَاْخُذَ عَلَيْهِ خَرْجًا مَعْلُوْمًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عمرو ابن دینارؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت طاؤسؒ (تابعی) سے کہا کہ اگر آپ مزارعت کو ترک کر دیتے تو بہتر تھا کیونکہ علماء کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ "طاؤسؒ" نے کہا کہ عمرو! میں (اپنی زمین کاشت کرنے کے لئے) لوگوں کو دیتا ہوں اور ان کی مدد کرتا ہوں اور سب سے بڑے عالم یعنی حضرت ابن عباسؓ نے مجھے بتایا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا ہے لیکن آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ اپنے کسی بھائی کو اپنی زمین کاشت کرنے کے لئے دے دینا اس سے بہتر ہے کہ اس پر اس زمین کا کوئی لگان وغیرہ متعین کر کے لے لیا جائے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مزارعت میں تو یہ ہوتا ہے کہ کچھ دیا جاتا ہے اور کچھ لیا جاتا ہے، یعنی اپنی زمین دی جاتی ہے اور اس کے عوض اس کی پیداوار میں سے کچھ حصہ متعین کر کے لیا جاتا ہے، لیکن اس کے برعکس اگر کسی کے ساتھ احسان کیا جائے بایں طور کہ اسے اپنی زمین بغیر کچھ لئے بطور رعایت دی جائے تو وہ اس سے فائدہ اٹھائے تو یہ بہتر ہے۔

اپنی زمین کو بے کار نہ چھوڑو

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا اَوْلِيَمْنَحْهَا اَخَاهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُمْسِكْ اَرْضَهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کے پاس زمین ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس میں خود کاشت کرے یا (خود کاشت نہ کر سکے تو) اپنے کسی بھائی کو عاریۃً دے دے اور اگر یہ دونوں ہی باتیں پسند نہ ہوں تو پھر چاہئے کہ اپنی زمین اپنے پاس رکھے۔"
(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: شیخ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کے پیش نظر انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے مال سے نفع حاصل کرے، لہٰذا جس شخص کے پاس زمین ہو اسے چاہئے کہ وہ اس میں خود کھیتی باڑی کرے تاکہ اس سے پیداوار ہو اور اس کی وجہ سے اسے نفع ہو، اور اگر کسی وجہ سے وہ خود کاشت نہ کر سکتا ہو تو پھر وہ اس زمین کو اپنے کسی مستحق مسلمان بھائی کو عاریۃً دے دے تاکہ وہ اس میں محنت مشقت کر کے اپنا پیٹ بھرے، اس صورت میں انسانی اخلاق و ہمدردی کا ایک تقاضہ بھی پورا ہو گا اور اسے ثواب بھی ملے گا لیکن اگر وہ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت پسند نہ کرے تو پھر اپنی زمین کو اپنے پاس رہنے دے، یہ آخری حکم گویا ان دونوں صورتوں کو ترک کرنے اور مزارعت کو اختیار کرنے پر از راہ تنبیہ دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص نہ تو اپنی زمین سے مالی فائدہ حاصل کرے کہ اس پر خود کاشت کرے اور نہ کسی مسلمان بھائی کو عاریۃً دے کر اس سے روحانی نفع حاصل کرے تو پھر بہتر یہی ہے کہ وہ اس زمین کو یوں ہی چھوڑ دے کسی کو بطور مزارعت نہ دے، نیز اس میں ایسے لوگوں کے لئے بھی تنبیہ ہے جو اپنے مال سے نہ تو خود ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ دوسرے کو نفع پہنچاتے ہیں۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ "تو پھر چاہئے کہ اپنی زمین اپنے پاس رکھے" کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص اس کی زمین عاریۃً قبول کرنے سے انکار کر دے تو اپنی زمین اپنے پاس رہنے دے، اس صورت میں یہ حکم اباحت کے طور پر ہو گا۔

زراعت میں مشغولیت کی وجہ سے جہاد ترک کرنے پر وعید

⑦ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ وَرَاٰیْ سِکَّۃً وَشَیْئًا مِنْ اٰلَۃِ الْحَرْثِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَدْخُلُ ھٰذَا بَیْتَ قَوْمٍ اِلَّا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الذُّلَّ۔ (رواہ البخاری)

"منقول ہے کہ حضرت ابوامامہؓ نے (ایک جگہ) ہل اور کھیتی باڑی کا کچھ دیگر سامان دیکھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ سامان جس گھر میں داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس گھر میں ذلت داخل کر دیتا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس حدیث سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک زراعت کا پیشہ ناپسندیدہ یا معیوب تھا یا اس سے آپ ﷺ کا مقصد کھیتی باڑی کرنے والوں کی مذمت کرنا تھا بلکہ درحقیقت اس ارشاد گرامی کا منشاء جہاد کی ترغیب دینا ہے اور یہ آگاہ کرنا ہے کہ زراعت میں مشغول ہو کر جہاد کو ترک نہ کر دیا جائے، اگر کوئی شخص اپنی معاشی ضروریات کی جائز و حلال تکمیل کے لئے زراعت کے پیشے کو اختیار کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ کوئی غیر پسندیدہ بات نہیں ہے اور نہ ایسا شخص اس وعید میں داخل ہے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس وعید کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو دشمنان دین کے قریب یا ان کے ملک کی سرحدوں سے متصل اقامت پذیر ہوں کہ اگر ایسے لوگ اپنی تمام تر توجہ زراعت کی طرف مبذول کر کے جہاد کی ضرورت و اہمیت کو فراموش کر دیں گے تو دشمن ان پر غالب آجائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اپنے دشمن کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

کسی کی زمین میں بلا اجازت کاشت نہ کرو

⑧ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَرَعَ فِیْ اَرْضِ قَوْمٍ بِغَیْرِ اِذْنِہِمْ فَلَیْسَ لَہٗ مِنَ الزَّرْعِ شَیْءٌ وَلَہٗ نَفَقَتُہٗ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"حضرت رافع ابن خدیجؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "جو شخص کسی کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر (یعنی مالک کی رضا اور حکم کے بغیر) کاشت کرے تو اس کے لئے اس زمین کی پیداوار میں سے علاوہ اس کے کہ جو اس نے خرچ کیا ہے اور

کچھ نہیں ہوگا۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی کی زمین میں مالک کی اجازت و مرضی کے بغیر اگر کوئی شخص کاشت کرے تو اس زمین کی ساری پیداوار زمین کے مالک ہی کو ملے گی ہاں کاشت کرنے والے نے اپنا جو تخم اس کاشت میں لگایا ہوگا وہ اسے مل جائے گا اس کے علاوہ اور کچھ اسے نہیں ملے گا۔ چنانچہ حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔

لیکن دوسرے علماء یہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں زمین کی پیداوار کاشت کرنے والے ہی کو ملے گی البتہ اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ زمین کا نقصان اس کے مالک کو ادا کرے۔ حنفیہ کے بعض علماء نے بھی اسی قول کو ذکر کیا ہے اور ابن مالکؒ نے یہ کہا ہے کہ ایسے شخص پر زمین پر قبضہ کے دن سے اس کی کاشت کے دن سے زمین خالی ہونے کے دن تک اس زمین کا معاوضہ واجب ہوگا اور اس کی جو کچھ پیداوار ہوگی وہ اس شخص کی ہوگی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

مزارعت کا ثبوت

⑨ عَنْ قَیْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ قَالَ مَا بِالْمَدِیْنَةِ اَهْلُ بَیْتِ هِجْرَةٍ اِلَّا یَزْرَعُوْنَ عَلَی الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَزَارَعَ عَلِیٌّ وَسَعْدُ بْنُ مَالِكٍ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِیْزِ وَالْقَاسِمُ وَعُرْوَةُ وَاٰلُ اَبِیْ بَكْرٍ وَاٰلُ عَلِیٍّ وَابْنُ سِیْرِیْنَ وَقَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ الْاَسْوَدِ كُنْتُ اُشَارِكُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ یَزِیْدَ فِی الزَّرْعِ وَعَامَلَ عُمَرُ النَّاسَ عَلٰی اِنْ جَاءَ عُمَرُ بِالْبَذْرِ مِنْ عِنْدِهٖ فَلَهُ الشَّطْرُ وَاِنْ جَاءُوْا بِالْبَذْرِ فَلَهُمْ كَذَا۔ (رواہ البخاری)

"حضرت قیسؓ ابن اسلم، حضرت ابوجعفرؒ یعنی امام محمد باقرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا مدینہ میں مہاجرین کا کوئی ایسا گھر نہ تھا جو تہائی اور چوتھائی (کی بٹائی پر) کھیتی نہ کرتا ہو۔ اور حضرت علیؓ حضرت سعد ابن مالکؓ یعنی سعد ابن ابی وقاص، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ حضرت عمر بن عبدالعزیز، قاسم، عروہ، حضرت ابوبکرؓ کی اولاد، حضرت عمرؓ کی اولاد، حضرت علیؓ کی اولاد اور ابن سیرین یہ سب کھیتی کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن اسودؒ، تابعی کا بیان ہے کہ میں حضرت عبدالرحمٰن ابن یزید کی شرکت میں مزارعت کیا کرتا تھا، نیز حضرت عمرؓ نے لوگوں سے اس شرط پر (مزارعت کا) معاملہ کیا تھا کہ اگر عمرؓ تخم اپنے پاس سے دیں گے تو (پیداوار کا) نصف حصہ ان کا ہوگا اور اگر وہ لوگ بیج دیں گے تو پیداوار میں اس کے مطابق ان کا حصہ ہوگا (یعنی نصف، یا تہائی یا چوتھائی جو بھی مقرر ہوتا ہو)۔" (بخاریؒ)

تشریح: میرک شاہؒ نے کہا ہے کہ خود بخاری کی عبارت اور اس کی شرحوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوجعفرؒ کی عبارت لفظ والربع پر ختم ہوگئی ہے اس کے آگے وزارع سے آخر تک ساری عبارت خود بخاری کی ہے، اور یہ سب آثار (یعنی صحابی یا تابعی کے اقوال) ہیں جن کو بخاریؒ نے چونکہ بغیر اسناد کے نقل کیا ہے اس لئے معلق ہیں، چنانچہ مؤلف مشکوٰۃ کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ روایت کے آخر میں رواہ بخاری تعلیقا (اس روایت کو بخاری نے بطریق تعلیق نقل کیا ہے) لکھتے۔

بَابُ الْاِجَارَةِ

اجارہ کا بیان

"اجارہ" کے معنی ہیں "کسی چیز کو کرایہ پر دینا" اور اصطلاح شریعت میں اجارہ کا مفہوم ہے "اپنی کسی چیز کی منفعت کا کسی کو مالک بنا دینا"۔

فقہی طور پر قیاس تو یہ کہتا ہے کہ اجارہ میں چونکہ منفعت معدوم ہوتی ہے اس لئے اجارہ جائز ہونا چاہئے لیکن شریعت نے لوگوں کی احتیاج وضرورت کے پیش نظر اس کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ اجارہ احادیث وآثار سے ثابت ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

اجارہ کا جواز

① عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ زَعَمَ ثَابِتُ بْنُ الضَّحَّاكِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الْمُزَارَعَةِ وَاَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَةِ وَقَالَ لَابَأْسَ بِهَا۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عبداللہ ابن مغفل کہتے ہیں کہ حضرت ثابت ابن ضحاکؓ نے یہ بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا ہے اور اجارہ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "مزارعت سے منع فرمایا ہے" میں مزارعت سے مراد مزارعت کی وہ صورتیں ہیں جس کا عدم جواز معلوم ومتعین ہے اور جن کا تذکرہ گذشتہ باب کی حدیث نمبر (۴) میں (جو حضرت حنظلہ ابن قیسؓ سے منقول ہے) کیا گیا ہے۔

② وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ فَاَعْطَی الْحَجَّامَ اَجْرَهٗ وَاسْتَعَطَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عباس راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) بھری ہوئی سینگی کھچوائی اور سینگی کھینچنے والے کو اجرت عطا فرمائی، نیز آپ ﷺ نے اپنی ناک میں دوا ڈالی۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شاخ کشی (سینگی کھینچنے) کا پیشہ اور اجارہ مباح ہے اور علاج کرنا جائز ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے اجرت پر بکریاں چرائی ہیں

③ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِیًّا اِلَّا رَعَی الْغَنَمَ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ وَاَنْتَ فَقَالَ نَعَمْ کُنْتُ اَرْعٰی عَلٰی قَرَارِیْطَ لِاَهْلِ مَکَّةَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نبی مبعوث نہیں کیا ہے جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں" یہ سن کر آپ ﷺ کے صحابہؓ نے پوچھا کہ "کیا آپ ﷺ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟" فرمایا "ہاں میں چند قیراط کی اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چراتا تھا۔" (بخاریؒ)

تشریح: منصب نبوت کے فریضہ کی ادائیگی جن اوصاف وخصوصیات کی حامل ہوتی ہے یا یوں کہئے کہ نبی کو اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے معاشرہ اور سماج سے جو قریبی ربط وتعلق رکھنا پڑتا تھا اس کے لئے چونکہ یہ ضروری تھا کہ دعوت وتبلیغ اور اصلاح اور رہنمائی کے کسی بھی موڑ پر پورے معاشرے کے افراد اور نبی کے درمیان اجنبیت اور غیریت کی دیوار حائل نہ رہے اس لئے قدرت کی طرف سے ابتداء میں نبی کو ایک ایسے تربیتی اور آزمائشی دور سے گذارا جاتا تھا جس کے بعض مرحلے بظاہر تو بہت نچلی سطح کے معلوم ہوتے تھے لیکن نتائج واثرات کے اعتبار سے وہی مرحلے بہت ہی دور رس اور کارآمد ثابت ہوتے تھے، ایسا ہی ایک مرحلہ بکریوں کا چرانا بھی ہے جو اگرچہ بہت معمولی درجہ کی چیز معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہی بکریوں کا چرانا محبت وشفقت، محنت ومشقت، باہمی ربط وتعلق اور عام خیرخواہی ونگہداشت کا ایک بہترین سبق ہے جو کسی رہبر ومصلح کی حیات کا ایک بنیادی وصف ہے، چنانچہ ہر نبی اسی لئے بکریاں چراتا تھا تاکہ اس تجربہ سے گذرنے کے بعد امت کی نگہبانی وشفقت اور معاشرے سے ربط وتعلق کا حقیقی جذبہ

پوری زندگی میں سرایت کئے رہے اور قوم کی طرف سے پیش آنے والی ہر سختی و مشقت پر صبر و تحمل کی قوت حاصل رہے۔ نیز اس ذریعے سے وہ حقیقی خلوت و تنہائی بھی حاصل ہو جاتی تھی جو نبی کی ابتدائی زندگی کا ایک مطلوب ہوتی تھی۔

مذکورہ بالا نکتہ زیادہ واضح ہو جاتا ہے اگر یہ تجزیہ پیش نظر ہو کہ ایک رہبر اور ایک بادشاہ اپنی قوم یا اپنی رعایا کے ساتھ وہی نسبت و تعلق رکھتا ہے جو ایک چرواہا اپنی بکریوں کے ساتھ رکھتا ہے۔

مزدور کو اس کی مزدوری نہ دینے والے کے لئے وعید

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ثَلَاثَةٌ اَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ اَعْطٰى بِىْ ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَاَكَلَ ثَمَنَهُ وَرَجُلٌ اسْتَاجَرَ اَجِيْرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهٖ اَجْرَهٗ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا، ایک تو وہ شخص ہے جس نے میرے نام اور میری سوگند کے ذریعے کوئی عہد کیا اور پھر اس کو توڑ ڈالا، دوسرا شخص وہ ہے جس نے ایک آزاد شخص کو فروخت کیا اور اس کا مول کھایا اور تیسرا شخص وہ ہے جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگایا اور اس سے کام لیا (یعنی جس کام کے لئے لگایا تھا وہ پورا کام اس سے کرایا) لیکن اس کو اس کی مزدوری نہیں دی۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس حدیث میں ایسے تین اشخاص کی نشان دہی کی گئی ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا خاص طور سے نشانہ ہوں گے، ان میں سے پہلا شخص تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر یعنی اس کی قسم کھا کر کوئی عہد و معاہدہ کرتا ہے اور پھر اس کو توڑ ڈالتا ہے یوں تو عہد و معاہدہ کی پاسداری بہر صورت ایک ضروری چیز ہے کیونکہ انسان کی شرافت و انسانیت کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ جو عہد و معاہدہ کرے اسے پورا کرے، کسی معاہدہ کو بلا عذر ختم کر دینا انسانی شرف کے خلاف بھی ہے اور انسانیت کی توہین بھی، لیکن اگر کوئی عہد و معاہدہ کے نام پر کیا جاتا ہے تو پھر اس کی تکمیل کہیں زیادہ ضروری ہو جاتی ہے، اس لئے جو شخص اللہ کے نام پر کئے ہوئے عہد و معاہدہ کو توڑتا ہے وہ بجا طور پر غضب خداوندی کا مستحق ہے۔

دوسرا شخص وہ ہے جو کسی آزاد انسان کو بیچ ڈالے، شرف انسانی کی توہین اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک انسان اپنے ہی جیسے ایک دوسرے آزاد انسان کو ایک بازاری مال بنا دے اور اس کی خرید و فروخت کرے چنانچہ ایسے شخص کو بھی قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

اس بارے میں یہ نکتہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں "اس کا مول کھانے" کی قید محض زیادتی تنبیہ کے لئے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی آزاد انسان کو فروخت کرنا ہی ایک بڑے گناہ کی بات ہے خواہ اس کا مول کھائے یا نہ کھائے۔ اگر اس کا مول نہیں کھائے گا تب بھی گنہگار ہوگا اور اس وعید میں داخل ہوگا۔

تیسرا شخص وہ ہے جو کسی مزدور کو اپنے کسی کام کی تکمیل کے لئے مزدوری پر لگائے اور اپنا وہ کام پورا کرانے کے بعد اس کی مزدوری نہ دے، یہ ایک انتہائی قابل نفریں فعل ہے۔ کسی شخص کی محنت اس کی زندگی کا ایک قیمتی اثاثہ ہوتا ہے جسے حاصل کر کے اس کی اجرت نہ دینا شیوۂ انسانیت کے خلاف ہے۔ یہ کتنے ظلم کی بات ہے کہ کوئی غریب اپنا پیٹ بھرنے کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر کے کسی کے یہاں محنت کرے مگر اس کی محنت کی اجرت اسے نہ دی جائے، چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں بھی کہ جو مزدور کی مزدوری نہ دے اللہ تعالیٰ نے یہ آگاہی دی ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن اپنے اس انسانی ظلم کی ضرور سزا پائے گا۔

جھاڑ پھونک کرنے والا اپنے عمل کی اجرت لے سکتا ہے

⑤ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ نَفَرًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوْا بِمَاءٍ فِيْهِمْ لَدِيْغٌ اَوْ سَلِيْمٌ فَعَرَضَ لَهُمْ

رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْمَاءِ فَقَالَ هَلْ فِيْكُمْ مِنْ رَاقٍ اِنَّ فِى الْمَاءِ لَدِيْغًا اَوْسَلِيْمًا فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلَى شَاءٍ فَبَرَأَ فَجَاءَ بِالشَّاءِ اِلَى اَصْحَابِهٖ فَكَرِهُوْا ذٰلِكَ وَقَالُوْا اَخَذْتَ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ اَجْرًا حَتّٰى قَدِمُوْا الْمَدِيْنَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخَذَ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ اَجْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِىْ رِوَايَةٍ اَصَبْتُمْ اقْسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِىْ مَعَكُمْ سَهْمًا۔

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ کی ایک جماعت ایک ایسے گاؤں سے گذری جس میں کسی شخص کو بچھو یا سانپ نے ڈس رکھا تھا، چنانچہ اس بستی کا ایک شخص ان صحابہؓ کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں میں کوئی شخص جھاڑ پھونک کرنے والا بھی ہے؟ کیونکہ ہماری بستی میں ایک شخص کو بچھو یا سانپ نے ڈس لیا ہے؟ (اگر ایسا کوئی شخص ہے تو وہ میرے ساتھ چل کر اس شخص پر دم کردے)۔ چنانچہ ان میں سے ایک صحابیؓ تشریف لے گئے اور انہوں نے بکریوں کے عوض سورۂ فاتحہ پڑھی۔ یعنی انہوں نے کہا کہ میں اس شخص پر اس شرط کے ساتھ جھاڑ پھونک کروں گا کہ میں اس کے عوض اتنی بکریاں لوں گا، اسے بستی والوں نے منظور کرلیا لہٰذا ان صحابیؓ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس شخص پر دم کیا کیونکہ منقول ہے کہ فاتحۃ الکتاب شفاء من السم یعنی سورۂ فاتحہ زہر کے لئے شفاء ہے۔ لہٰذا وہ شخص اچھا ہوگیا، پھر جب وہ صحابیؓ بکریاں لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آئے تو ان ساتھیوں نے اس کو ناپسند کیا اور کہا کہ (بڑے تعجب کی بات ہے کہ) تم نے کتاب اللہ (پڑھنے) پر مزدوری لی ہے یہاں تک کہ وہ سب صحابہؓ مدینہ پہنچے اور (آنحضرت ﷺ سے) عرض کیا کہ "یارسول اللہ! فلاں صحابی نے کتاب اللہ (پڑھنے) پر مزدوری لی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جن چیزوں کی اجرت لیتے ہو ان میں سب سے بہتر کتاب اللہ ہے۔" (بخاریؒ)

"ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "تم نے اچھا کیا، ان بکریوں کو (آپس میں) تقسیم کرلو اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی لگاؤ۔"

تشریح: لفظ سَلِيْمٌ اور لفظ لَدِيْغٌ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی سانپ کا ڈسا ہوا۔ چنانچہ روایت کے الفاظ لَدِيْغٌ اَوْسَلِيْمٌ میں اَوْ سَلِيْمٌ راوی کے لفظی شک کو ظاہر کرتا ہے یعنی راوی نے یہ دونوں لفظ نقل کرکے یہ ظاہر کیا ہے کہ مجھے یہ صحیح یاد نہیں ہے کہ اس موقع پر لفظ "لدیغ" کہا گیا تھا یا لفظ "سلیم" اور علامہ طیبیؒ یہ کہتے ہیں کہ اکثر و بیشتر لفظ لدیغ کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جسے بچھو کاٹ لے اور "سلیم" کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جسے سانپ ڈس لے، اس صورت میں کہا جائے گا کہ اس موقع پر راوی کو معنی کے اعتبار سے شک ہوا ہے کہ یا تو وہ شخص بچھو کا کاٹا ہوا تھا یا سانپ کا ڈسا ہوا تھا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جن صحابیؓ نے سورۂ فاتحہ پر پڑھ کر دم کیا تھا وہ حضرت ابوسعید خدریؓ تھے اور صحابہؓ کی وہ جماعت تیس نفوس پر مشتمل تھی، اسی اعتبار سے سورۂ فاتحہ پڑھنے والے صحابیؓ نے تیس بکریاں لی تھیں۔

آنحضرت ﷺ نے ان بکریوں میں اپنا حصہ لگانے کے لئے اس واسطے فرمایا تاکہ وہ صحابہؓ خوش بھی ہوں اور یہ بھی جان لیں کہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کے عوض حاصل ہونے والی بکریاں بلاشک و شبہ حلال ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی آیتوں اور ذکر اللہ کے ذریعے جھاڑ پھونک کرنا اور اس کی اجرت لینا جائز ہے، چنانچہ عامل روحانیات یعنی قرآن کریم کی آیتوں اور دیگر منقول دعا و عملیات کے ذریعے علاج کرنے والے اپنے عمل یعنی تعویذ گنڈوں اور جھاڑ پھونک کی جو اجرت لیتے ہیں اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ تلاوت قرآن کی اجرت لینا جائز ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں فرق ہے اور وہ یہ کہ تلاوت قرآن ایک عبادت ہے۔ اور عبادت کی قیمت لینا قطعًا جائز نہیں ہے اور کسی مریض و دکھی شخص پر قرآن پڑھ کر دم کرنا اور اس کی برکت سے شفا حاصل ہوجانا عبادت نہیں ہے لہٰذا اس کی اجرت لینا جائز ہے۔

اس سے گویا یہ بھی ثابت ہوا کہ مصحف (یعنی قرآن کریم کو کتابی صورت میں) بیچنا، اس کو خریدنا، اجرت پر اس کی کتابت کرنا اور دین

کی دوسری کتابوں کو مزدوری پر لکھنا جائز ہے۔ اسی طرح متاخرین (یعنی بعد کے علماء) نے قرآن کریم کی تعلیم کو بھی اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا ہے کہ تعلیم قرآن کی اجرت لینا جائز ہے جب کہ متقدمین (یعنی پہلے زمانے کے علماء) جیسے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ وغیرہ نے تعلیم قرآن کی اجرت لینے کو حرام کہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

جس طرح غیر شرعی جھاڑ پھونک ناجائز ہے اسی طرح اس کی اجرت بھی حرام ہے

(۶) عَنْ خَارِجَةَ بْنِ الصَّلْتِ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ اَقْبَلْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَيْنَا عَلٰى حَيٍّ مِنَ الْعَرَبِ فَقَالُوْا اِنَّا اُنْبِئْنَا اَنَّكُمْ قَدْ جِئْتُمْ مِنْ عِنْدِ هٰذَا الرَّجُلِ بِخَيْرٍ فَهَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ دَوَاءٍ اَوْ رُقْيَةٍ فَاِنَّ عِنْدَنَا مَعْتُوْهًا فِي الْقُيُوْدِ فَقُلْنَا نَعَمْ قَالَ فَجَاءُوْا بِمَعْتُوْهٍ فِي الْقُيُوْدِ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ غُدْوَةً وَعَشِيَّةً اَجْمَعُ بُزَاقِيْ ثُمَّ اَتْفُلُ قَالَ فَكَاَنَّمَا اُنْشِطَ مِنْ عِقَالٍ فَاَعْطَوْنِيْ جُعْلًا فَقُلْتُ لَا حَتّٰى اَسْاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلْ فَلَعَمْرِيْ لَمَنْ اَكَلَ بِرُقْيَةٍ بَاطِلٍ لَقَدْ اَكَلْتَ بِرُقْيَةٍ حَقٍّ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

"حضرت خارجہ ابن صلتؒ اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ (انہوں نے کہا کہ) جب ہم لوگ رسول کریم ﷺ سے رخصت ہو کر اپنے وطن کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں ہمارا گذر عرب کے ایک قبیلے پر ہوا جس (کے کچھ لوگوں) نے ہم سے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے تم اس شخص (یعنی رسول کریم ﷺ کے پاس سے بھلائی (یعنی قرآن کریم اور ذکر اللہ) لے کر آئے ہو، تو کیا تمہارے پاس کوئی (دوا یا جھاڑ پھونک بھی ہے کیونکہ ہمارے ہاں ایک شخص پاگل ہو گیا ہے جو بیڑیوں میں جکڑا پڑا ہے؟ ہم نے کہا کہ ہاں (ہمارے پاس ایسا عمل ہے جس سے ہم اس کا علاج کر سکتے ہیں) چنانچہ وہ اس پاگل کو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے، پاس لائے، اور میں نے اس پر تین دن تک صبح و شام سورۂ فاتحہ اس طرح پڑھی کہ (پڑھتے وقت) اپنا تھوک جمع کرتا رہتا اور پھر (پڑھنے کے بعد) اس پر تھوک دیتا۔ راوی کہتے ہیں کہ میرے چچا نے فرمایا کہ اس کے بعد (وہ اتنی جلدی اچھا ہو گیا) گویا اسے بندھی ہوئی رسی سے کھول دیا گیا ہو پھر انہوں نے مجھے اس کی اجرت (کے طور پر کوئی چیز) دی تو میں نے کہا کہ یہ چیز اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک کہ میں اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے نہ پوچھ لوں، چنانچہ (میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جو کچھ تمہیں ملا ہے اسے کھالو کیونکہ قسم ہے! اپنی زندگی کی، جو شخص باطل منتر کی اجرت کھاتا ہے وہ برا کرتا ہے تم نے تو حق اور سچے منتر کی اجرت کھائی ہے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: "باطل منتر" ایسی جھاڑ پھونک کو کہتے ہیں جس میں ستاروں، اور ارواح خبیثہ، جنات اور اللہ کے علاوہ دوسری چیزوں کا ذکر ہو اور ان میں سے مدد مانگی جاتی ہو چنانچہ ایسے عملیات جو غیر اللہ کے ذکر یا غیر اللہ سے مدد مانگنے کی وجہ سے غیر شرعی ہوں جس طرح ان کو اختیار کرنا ناجائز ہے اسی طرح ان کی اجرت کھانا بھی حرام ہے۔

"حق منتر" ایسی جھاڑ پھونک اور عملیات کو کہتے ہیں جن میں ذکر اللہ اور قرآن کریم کی آیتیں ہوں خواہ ان کا تعلق پڑھ کر دم کرنے سے ہو یا تعویذ وغیرہ لکھ کر دینے سے ہو۔

حدیث کے الفاظ فلعمری (یعنی قسم ہے اپنی زندگی کی) سے یہ اشکال واقع ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری چیزوں کی قسم کھانا منع ہے پھر آپ ﷺ نے اپنی زندگی کی قسم کس طرح کھائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ "فلعمری" سے قسم مراد نہیں ہے بلکہ دراصل یہ اہل عرب کے کلام کا ایک خاص لفظ ہے جو اکثر و بیشتر دوران گفتگو ان کی زبان پر جاری ہوتا ہے۔ یا پھر یہ کہا جائے گا کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔

اور علامہ طیبیؒ یہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس قسم کی قسمیں کھانے کی اجازت حاصل ہو لہٰذا اس کا تعلق ان چیزوں

سے ہوگا جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مختص ہیں کہ وہ آپ ﷺ کے لئے تو جائز تھیں دوسروں کے لئے جائز نہیں ہیں۔

مزدور کو اس کی مزدوری دینے میں تاخیر نہ کرو

⑦ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطُوا الْاَجِيْرَ اَجْرَهٗ قَبْلَ اَنْ يَجِفَّ عَرَقُهٗ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو (یعنی جب مزدور اپنا کام پورا کر چکے تو اس کی مزدوری فوراً ادا کر دو اس میں تاخیر نہ کرو)۔" (ابن ماجہؒ)

⑧ وَعَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَاِنْ جَاءَ عَلٰى فَرَسٍ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَفِي الْمَصَابِيْحِ مُرْسَلٌ۔

"اور حضرت حسین ابن علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے سائل کے بارے میں فرمایا کہ "وہ (بہرصورت دیئے جانے کا) مستحق ہے اگرچہ گھوڑے پر آئے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ) اور مصابیح میں کہا گیا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مقصد یہ تعلیم دینا ہے کہ سائل کو خالی ہاتھ واپس نہ کرنا چاہئے اگرچہ وہ گھوڑے پر چڑھ کر بھی مانگنے آئے تو اس کا سوال پورا کیا جائے۔ چنانچہ قاضی نے کہا ہے کہ سائل کو خالی نہ پھیرو اگرچہ ایسی حالت میں تمہارے پاس مانگنے آئے جو اس کے مستغنی ہونے پر دلالت کرے، کیونکہ تمہیں یہ سوچنا چاہئے کہ اگر اسے سوال کرنے کی حاجت نہ ہوتی تو وہ اپنا دست سوال دراز کر کے تمہارے آگے اپنے آپ کو ذلیل و خوار کیوں کرتا۔

یہ حدیث بظاہر اس باب سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ سائل کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ گویا اس کے سوال کی اجرت ہے لہٰذا اس مناسبت سے اس حدیث کو باب الاجارہ میں نقل کیا گیا ہے۔

اس حدیث کی اسناد میں علماء نے نقل کیا ہے، چنانچہ حضرت امام احمدؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے اور کہا ہے کہ یہ بازار میں گشت کرتی ہے۔ امام ابوداؤدؒ نے البتہ اس بارے میں سکوت اختیار کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث قابل استدلال ہے۔ مصابیح میں اس حدیث کو مرسل کہا گیا ہے لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ مسند ہے چنانچہ مصابیح کے بعض نسخوں میں لفظ "مرسل" مذکور بھی نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

مزدوری کے سلسلے میں حضرت موسیٰ کا ذکر

⑨ عَنْ عُتْبَةَ بْنِ الْمُنْذِرِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ طٰسٓمٓ حَتّٰى بَلَغَ قِصَّةَ مُوْسٰى قَالَ اِنَّ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اٰجَرَ نَفْسَهٗ ثَمَانَ سِنِيْنَ اَوْ عَشْرًا عَلٰى عِفَّةِ فَرْجِهٖ وَطَعَامِ بَطْنِهٖ۔ (رواہ احمد وابن ماجۃ)

"حضرت عتبہ ابن منذرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ ﷺ نے طٰسٓمٓ پڑھی اور جب آپ ﷺ حضرت موسیٰؑ کے قصہ پر پہنچے تو فرمایا کہ موسیٰ نے اپنی شرم گاہ کو بچانے کے لئے اور پیٹ بھرنے کے لئے اپنے آپ کو آٹھ سال یا دس سال تک مزدوری میں دے رکھا تھا۔" (احمدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: طٰسٓمٓ یعنی سورۂ قصص میں حضرت موسیٰؑ کا تذکرہ ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ مدین پہنچے وہاں حضرت شعیب علیہ السلام سے ان کی ملاقات ہوئی، پھر ان کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰؑ کا نکاح ہوا اور حضرت موسیٰؑ نے اس کے عوض میں

اپنے آپ کو حضرت شعیب علیہ السلام کی مزدوری میں دیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اس سورۃ کی تلاوت کے وقت جب حضرت موسیٰ کے اس تذکرہ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے مذکورہ بالا کلام ارشاد فرمایا۔

"شرم گاہ بچانے" سے مراد نکاح ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے اس معاہدہ پر نکاح کیا کہ میں آٹھ یا دس سال تک تمہاری بکریاں چراؤں گا گویا اتنی مدت تک بکریاں چرانے کو انہوں نے اپنی بیوی کا مہر قرار دیا۔ چنانچہ ان کی شریعت میں یہ جائز تھا کہ آزاد شخص کی خدمت کو اس کی بیوی کا مہر قرار دیا جاسکتا تھا، لیکن حضرت موسیٰ کے اس معاملے میں یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کا مہر تو کچھ اور مقرر کیا ہوگا اور بکریاں چرانے کی یہ خدمت بطریق احسان قبول کی ہوگی۔

خاوند کی خدمت بیوی کا مہر ہوسکتا ہے یا نہیں؟

اس بارے میں علماء کا فقہی اختلاف ہے۔ چنانچہ حنفی علماء تو یہ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے کہ کسی عورت کا نکاح اس چیز کے عوض کیا جائے کہ اس کا آزاد خاوند مثلاً ایک سال تک اس کی خدمت کرے گا۔ ہاں یہ جائز ہے کہ عورت کا نکاح اس چیز کے عوض میں کیا جائے کہ اس کے خاوند کا غلام مثلاً ایک سال تک اس کی خدمت کرے گا۔ شافعی علماء کے نزدیک بعض کاموں کی مزدوری و خدمت کے عوض نکاح کرنا درست ہے۔ جب کہ مستاجر لہ (وہ کام جو اجیر و مزدور انجام دے) اور مخدوم فیہ (وہ خدمت جو انجام دی جائے) معلوم و متعین چیز ہو۔

دین کی تعلیم دینے کی اجرت لینے کا مسئلہ

(۱۰) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَجُلٌ اَهْدٰى اِلَيَّ قَوْسًا مِمَّنْ كُنْتُ اُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْقُرْاٰنَ وَلَيْسَتْ بِمَالٍ فَاَرْمِيْ عَلَيْهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ اِنْ كُنْتَ تُحِبُّ اَنْ تُطَوَّقَ طَوْقًا مِنْ نَارٍ فَاقْبَلْهَا۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت عبادہ ابن صامت کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! ایک شخص نے مجھے بطور تحفہ ایک کمان بھیجی ہے اور وہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جنہیں میں کتاب و قرآن کی تعلیم دیا کرتا تھا، اور (میں سمجھتا ہوں کہ اس کمان کو قبول کر لینے میں اس لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ) کمان کوئی مال نہیں ہے۔ چنانچہ اس کمان کے ذریعے راہ خدا (یعنی جہاد) میں تیر اندازی کروں گا"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر تمہیں یہ پسند ہو کہ تمہارے گلے کو آگ کا طوق پہنایا جائے تو اسے قبول کر لو۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: "کمان کوئی مال نہیں ہے" سے حضرت عبادہ کی یہ مراد تھی کہ کمان ایسی کوئی چیز نہیں ہے جسے مال یا اجرت شمار کیا جائے بلکہ یہ تو لڑائی کا ایک سامان ہے جسے میں خدا کی راہ میں استعمال کروں گا بایں طور کہ جہاد میں اس کے ذریعے تیر اندازی کروں گا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں متنبہ فرمایا کہ یہ کمان اگرچہ تمہیں کلام اللہ کی تعلیم کی اجرت کے طور پر نہیں ملی ہے اور نہ یہ کوئی ایسی چیز ہے جسے اجرت شمار کیا جاسکے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ تمہارے اس اخلاص کو ختم کر دے گی۔ جو تمہاری خدمت تعلیم کا محور تھا جس سے سرشار ہو کر تم نے ان لوگوں کو قرآن و دین کی تعلیم دی تھی، لہٰذا تمہارے لئے مناسب یہی ہے کہ تم اسے قبول نہ کرو۔ جو علماء قرآن و دین کی تعلیم دینے کی اجرت لینے کو حرام کہتے ہیں وہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے استدلال کرتے ہیں۔

بَابُ اِحْيَاءِ الْمَوَاتِ وَالشِّرْبِ

غیر آباد زمین کو آباد کرنے اور پانی پلانے کے حق کا بیان

نہایہ میں لکھا ہے کہ "موات" اس زمین کو کہتے ہیں جس میں نہ کوئی کھیتی ہو نہ مکان ہو اور نہ اس کا کوئی مالک ہو اور ہدایہ میں لکھا ہے

کہ "موات" اس زمین کو کہتے ہیں جو پانی کے منقطع ہونے یا اکثر زیر آب رہنے کی وجہ سے ناقابل انتفاع ہو یا اس میں ایسی کوئی چیز ہو جو زراعت سے مانع ہو، لہٰذا ایسی زمین جو عادی یعنی قدیم ہو کہ اس کا کوئی مالک نہ ہو یا اسلامی سلطنت کی مملوک ہو اور اس کے مالک کا پتہ نامعلوم ہو اور وہ زمین بستی سے اس قدر دوری پر ہو کہ اگر کوئی شخص بستی کے کنارے پر کھڑا ہو کر آواز بلند کرے تو اس کی آواز اس زمین تک نہ پہنچے تو وہ زمین "موات" ہے۔

"احیاء موات" سے مراد ہے اس زمین کو آباد کرنا ہے اور اس زمین کو آباد کرنے کی صورت یہ ہے کہ یا تو اس زمین میں مکان بنایا جائے یا اس میں درخت لگایا جائے یا اس میں زراعت کی جائے، یا اسے سیراب کیا جائے اور یا اس میں ہل چلا دیا جائے۔

اس قسم کی زمین یعنی موات کا شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص اس زمین کو آباد کرتا ہے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے لیکن اس بارے میں علماء کا تھوڑا سا اختلاف ہے اور وہ یہ کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس زمین کو آباد کرنے کے لئے امام (یعنی حکومت وقت) سے اجازت لینا شرط ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ اور صاحبین (یعنی حنفیہ کے حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ) کے نزدیک اجازت شرط نہیں ہے۔

شرب کے لغوی معنی ہیں "پینے کا پانی" پانی کا حصہ، گھاٹ اور پینے کا وقت، اصطلاح شریعت میں اس لفظ کا مفہوم ہے "پانی سے فائدہ اٹھانے کا وہ حق جو پینے، برتنے، اپنی کھیتی اور باغ کو سیراب کرنے اور جانوروں کو پلانے کے لئے ہر انسان کو حاصل ہوتا ہے"۔ چنانچہ پانی جب تک اپنے معدن (یعنی دریا اور تالاب وغیرہ) میں ہے کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا، اس سے بلاتخصیص ہر انسان کو فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے جس سے منع کرنا اور روکنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

لیکن اس سلسلے میں دریا، نہروں، نالوں کے پانی اور اس پانی میں کہ جو برتنوں میں بھر لیا گیا ہو، فرق ہے۔ جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اس موقع پر تو صرف اس قدر جان لیجئے کہ حنفی مسلک کے مطابق دریا کے پانی پر تمام انسانوں کا یکساں حق ہے چاہے کوئی اس کا پانی پینے پلانے کے استعمال میں لائے، چاہے کوئی اس سے اپنی زمین سیراب کرے اور چاہے کوئی نہروں اور نالیوں کے ذریعے اس کا پانی اپنے کھیت و باغات میں لے جائے کسی کو بھی اور کسی صورت میں بھی دریا کے پانی کے استعمال سے نہیں روکا جاسکتا اور نہ کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی کو روکے یا منع کرے، چنانچہ دریا کے پانی سے فائدہ اٹھانا، چاند، سورج اور ہوا سے فائدہ اٹھانے کی طرح ہے کہ خدا نے ان نعمتوں کو بلاتخصیص کائنات کے ہر فرد کے لئے عام کیا ہے ان کا نفع و فائدہ کسی خاص شخص یا کسی خاص طبقے کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ان سے فائدہ اٹھانے میں سب یکساں شریک ہیں، اسی طرح کنویں اور نہروں کے پانی پر بھی سب کا حق ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ کسی کنویں یا کسی نہر کے پانی سے موات کا احیاء کرے یعنی افتادہ زمین میں زراعت کرے تو اس صورت میں ان لوگوں کو کہ جن کے علاقے میں وہ کنواں اور نہر ہے منع کر دینے کا حق حاصل ہے خواہ اس شخص کے افتادہ زمین میں پانی لے جانے سے اس کنویں اور نہر کے پانی میں کمی اور نقصان واقع ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو کیونکہ ان کے علاقے میں اس کنویں یا اس نہر کے ہونے کی وجہ سے ان کے پانی پر انہیں بہر حال ایک خاص حق حاصل ہے۔ اور جو پانی کسی برتن یا ٹنکی وغیرہ میں بھر لیا جاتا ہے وہ اس برتن و ٹنکی والے کی ملکیت ہو جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس پانی پر ہر شخص کا حق ہوتا ہے کہ جو چاہے مار لے لیکن جب اسے کوئی شکاری پکڑ لیتا ہے تو اس کے قبضہ میں آتے ہی وہ اس شکاری کی ملکیت ہو جاتا ہے اور اس پر بقیہ سب کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔

اور کوئی کنواں یا نہر اور چشمہ کسی ایسی زمین میں ہو جو کسی خاص شخص کی ملکیت ہو تو اس شخص کو یہ حق حاصل ہو گا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی حدود ملکیت میں پانی کے طلب گار کسی غیر شخص کے داخلے پر پابندی عائد کر دے، بشرطیکہ وہ پانی کا طلبگار شخص وہاں کسی ایسے قریبی مقام سے پانی حاصل کر سکتا ہو جو کسی غیر کی ملکیت میں نہ ہو اور اگر وہاں کسی اور قریبی جگہ سے پانی کا حصول اس کے لئے ممکن نہ ہو تو پھر اسی مالک سے کہا جائے گا کہ یا تو وہ خود اس نہر یا کنویں سے پانی لا کر دے دے یا اسے اجازت دے دے کہ وہ وہاں آکر پانی لے سکے لیکن اس شرط

کے ساتھ کہ وہ کنویں یا نہر کے کنارے کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔

اگر موات زمین میں کوئی کنواں کھدوایا گیا ہو تو اس زمین کو آباد کرنے والے کو یہ حق نہیں پہنچے گا کہ وہ اس کنویں سے پانی لینے سے لوگوں کو منع کرے کیونکہ آباد کرنے کی وجہ سے جس طرح وہ زمین اس کی ملکیت میں آگئی ہے اس طرح اس کنویں کا پانی اس کی ملکیت میں نہیں آیا ہے اگر وہ کسی ایسے شخص کو منع کرے گا جو اس کنویں سے خود پانی پینا چاہتا یا اپنے جانور کو پلانا چاہتا ہے اور پانی نہ ملنے کی صورت میں خود اس کی یا اس کے جانور کی ہلاکت کا خدشہ ہے تو اسے اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ زبردستی اس کنویں سے پانی حاصل کرے چاہے اس مقصد کے لئے اس کو لڑنا ہی کیوں نہ پڑے اور اس لڑائی میں ہتھیار استعمال کرنے کی نوبت کیوں نہ آجائے۔

کنواں بے شک کسی کی ذاتی ملکیت ہو سکتا ہے مگر اس کنویں کا پانی کنویں والے کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر شخص کے لئے مباح ہوتا ہے، بخلاف اس پانی کے جو کسی نے اپنے برتن باسن میں بھر لیا ہو کہ وہ ذاتی ملکیت ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص پیاس کی شدت سے بے حال ہوا جا رہا ہو اور اس شخص سے وہ پانی مانگے جو اس نے اپنے برتن باسن میں بھر رکھا ہو اور وہ پانی دینے سے انکار کر دے تو اس پیاسے کو یہ حق ہوگا کہ وہ لڑ جھگڑ کر اس سے پانی حاصل کرلے بشرطیکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں جان چلی جانے کا خدشہ ہو اور وہ لڑائی میں کسی ہتھیار وغیرہ کا استعمال نہ کرے یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص بھوک کی وجہ سے مرا جا رہا ہو اور کسی کھانے والے سے کھانا مانگے اور وہ کھانا نہ دے تو اسے حق ہوتا ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے اس سے لڑ جھگڑ کر کھانا حاصل کرے مگر اس کو لڑائی میں ہتھیار وغیرہ استعمال کرنے کی قطعًا اجازت نہیں ہوتی۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کنویں سے پانی نہ لینے دے تو اس بارے میں زبردستی پانی حاصل کرنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ کنویں والے سے بغیر ہتھیار استعمال کئے لڑے جھگڑے اور اس کی اجازت بھی اس لئے ہے کہ کسی کو پانی جیسی خدا کی عام نعمت سے روکنا گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اور یہ لڑ جھگڑ کر پانی حاصل کرنا اس کے حق میں تعزیر (سزا) کے قائم مقام ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

افتادہ و بنجر زمین کو آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہو جاتا ہے

(۱) عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَمَرَ اَرْضًا لَيْسَتْ لِاَحَدٍ فَهُوَ اَحَقُّ قَالَ عُرْوَةُ قَضٰى بِهٖ عُمَرُ فِيْ خِلَافَتِهٖ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی ایسی (افتادہ و بنجر) زمین کو آباد کرے جس کا کوئی مالک نہ ہو تو وہ آباد کرنے والا شخص ہی اس زمین کا سب سے زیادہ حق دار ہے؟" حضرت عروہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے دور میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت عروہؓ کے یہ الفاظ کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث منسوخ نہیں ہے۔

کسی چراگاہ کو اپنے لئے مخصوص کر لینے کی ممانعت

(۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاحِمٰى اِلَّا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت صعب ابن جثامہ نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی

چراگاہ کو مخصوص کر لینے کا حق اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: حمی (حاء کے زیر کے ساتھ) اس زمین (چراگاہ) کو کہتے ہیں جس میں جانوروں کے لئے گھاس روکی جاتی ہے اور اس میں کسی دوسرے کے جانوروں کو چرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر کسی چراگاہ کو صرف اپنے جانوروں کے لئے مخصوص کر لیا جائے اور اس میں دوسرے کے جانوروں کے چرنے پر پابندی عائد کر دی جائے۔

اس حکم کی ضرورت یوں پیش آئی کہ زمانہ جاہلیت میں یہ معمول تھا کہ جس زمین میں گھاس اور پانی ہوتا اسے عرب کے سردار اپنے جانوروں کے لئے اپنی مخصوص چراگاہ بنا لیتے تھے جس میں ان کے علاوہ دوسروں کے جانوروں کو چرنے کی قطعًا اجازت نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا تاہم آپ ﷺ نے جہاد میں کام آنے والے گھوڑوں اور اونٹوں نیز زکوٰۃ میں آئے ہوئے جانوروں کے لئے ایسی مخصوص چراگاہیں قائم کرنے کی اجازت عطا فرما دی تھی۔ لیکن اب آنحضرت ﷺ کے بعد کسی بھی حاکم و سردار کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی چراگاہ کو اپنے لئے یا کسی اور کے لئے مخصوص کر دے۔

اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ کسی فرد کے لئے نہیں بلکہ اکثر مسلمانوں کے لئے کسی چراگاہ کو مخصوص کرنا بھی ناجائز ہے یا یہ جائز ہے؟ چنانچہ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے جہاد کے گھوڑوں اور اونٹوں نیز زکوٰۃ میں آئے ہوئے جانوروں کے لئے چراگاہ کو مخصوص کرنے کی اجازت دے دی تھی لیکن بعض دوسرے حضرات اس کو بھی ناجائز کہتے ہیں بشرطیکہ اکثر مسلمانوں کے لئے کسی چراگاہ کو مخصوص کر دینا اہل شہر کی تکلیف و پریشانی کا باعث ہو۔

کھیتوں میں پانی لے جانے کے سلسلے میں ایک تنازعہ اور آنحضرت ﷺ کا فیصلہ

(۳) وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ خَاصَمَ الزُّبَيْرُ رَجُلاً مِنَ الْاَنْصَارِ فِيْ شِرَاجٍ مِنَ الْحَرَّةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْقِ يَازُبَيْرُ ثُمَّ اَرْسِلِ الْمَاءَ اِلٰى جَارِكَ فَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ اَنْ كَانَ ابْنُ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ ثُمَّ قَالَ اِسْقِ يَازُبَيْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَى الْجَدْرِ ثُمَّ اَرْسِلِ الْمَاءَ اِلٰى جَارِكَ فَاسْتَوْعَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ حَقَّهُ فِيْ صَرِيْحِ الْحُكْمِ حِيْنَ اَحْفَظَهُ الْاَنْصَارِيُّ وَكَانَ اَشَارَ عَلَيْهِمَا بِاَمْرٍ لَهُمَا فِيْهِ سَعَةٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عروہؒ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) پہاڑی زمین سے (کھیتوں میں) پانی لے جانے والی نالیوں کے سلسلے میں (میرے والد) حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری کے درمیان ایک تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا (جب وہ معاملہ بارگاہ رسالت میں پہنچا تو) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "زبیر! (پہلے تم اپنے کھیتوں میں پانی لے جاؤ پھر اپنے ہمسایہ (یعنی اس انصاری) کے کھیتوں میں پانی چھوڑ دو"۔ (یہ فیصلہ سن کر) اس انصاری نے کہا کہ آپ (ﷺ) نے یہ فیصلہ اس لئے کیا ہے کہ زبیرؓ آپ (ﷺ) کی پھوپھی کے بیٹے ہیں (یہ سنتے ہی) آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ (غصہ کی وجہ سے) متغیر ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا "زبیر! (اپنے کھیت میں) پانی لے جاؤ اور پھر پانی کو روکے رکھو (یعنی پانی کو اس انصاری کے کھیت میں نہ جانے دو) تاکہ (تمہارا پورا کھیت اچھی طرح سیراب ہو جائے) اور پانی کھیت کی منڈیر تک پہنچ جائے اس کے بعد نالی کا رخ اپنے ہمسایہ (یعنی اس انصاری) کے کھیت کی طرف کر دو۔ گویا آپ ﷺ نے اس صریح حکم کے ذریعے حضرت زبیرؓ کو ان کا پورا حق دلوایا اس لئے کہ اس انصاری نے آپ ﷺ کو غضب آمیز کر دیا تھا حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ابتداء میں ان دونوں کے بارے میں جو فیصلہ صادر فرمایا تھا اس میں دونوں ہی کے لئے آسانی تھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت عروہ ابن زبیر بن العوام جلیل القدر اور بڑے اونچے درجے کے تابعین میں سے ہیں، اس وقت مدینہ میں جو سات فقیہ تھے جن کا علم و فضل سب پر حاوی تھا ان میں سے ایک حضرت عروہؒ بھی ہیں، ان کی والدہ محترمہ مشہور صحابیہ حضرت اسماءؓ ہیں جو

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں اور ان کے والد حضرت زبیرؓ مشہور صحابی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے۔ حضرت زبیرؓ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ قدیم الاسلام ہیں یعنی آنحضرت ﷺ کی دعوت کے بالکل ابتدائی دور ہی میں مشرف باسلام ہوگئے تھے جب کہ ان کی عمر صرف سولہ سال کی تھی، ایک طرف تو یہ ان کی سعادت تھی کہ انہوں نے اتنی چھوٹی سی عمر ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا دوسری طرف ان کے ظالم چچا کی شقاوت تھی کہ اس نے ان کو اسلام لانے کے "جرم" میں طرح طرح کی سزا اور اذیتوں میں مبتلا کیا یہاں تک کہ وہ بدبخت ان کو راہ مستقیم سے ہٹانے کے لئے دھوئیں میں ڈال دیا کرتا تھا، مگر یہ نوخیز جان ساری اذیتیں برداشت کرتی، تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرتی مگر اسلام کی راہ میں جو قدم اٹھ چکا تھا وہ پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھتا رہا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تمام غزوات (جنگوں) میں شرکت کی اور اسلام کا پرچم بلند کرنے کے لئے شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے رسول کریم ﷺ نے جن دس خوش نصیب صحابہؓ کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔ اور جنہیں "عشرہ مبشرہ" کہا جاتا ہے ان میں سے ایک حضرت زبیرؓ بھی ہیں۔

انہی حضرت زبیرؓ کا واقعہ ہے کہ یہ اور ایک انصاری ایک ہی نالی کے ذریعے اپنے کھیتوں میں پانی لے جاتے تھے۔ سو اتفاق کہ ایک مرتبہ اسی نالی سے پانی لے جانے کے بارے میں ان دونوں میں یہ تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا کہ وہ انصاری تو کہتا تھا کہ پہلے میں اپنے کھیت میں پانی لے جاؤں گا اور حضرت زبیرؓ یہ کہتے تھے کہ پہلے میں اپنے کھیت کو سیراب کروں گا، جب یہ بات زیادہ الجھ گئی اور وہ آپس میں کوئی تصفیہ نہ کر سکے تو اپنا معاملہ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ ﷺ کا فیصلہ حاصل کریں۔

موقع کی نوعیت یہ تھی کہ حضرت زبیرؓ کی زمین بلندی پر بھی تھی اور نالی کے قریب بھی تھی جب کہ اس انصاری کی زمین نیچے تھی اور نالی سے دور تھی، قاعدہ کے مطابق پانی پہلے حضرت زبیرؓ ہی کے کھیت میں جانا چاہئے تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس صورت حال کے پیش نظر یہ منصفانہ فیصلہ صادر فرمایا کہ پہلے زبیرؓ اپنے کھیت میں پانی لے جائیں بعد میں ان کا ہمسایہ یعنی وہ انصاری اپنے کھیت میں پانی لے جائے۔ حق و صداقت کا صحیح شعور کھو دینے والے انسان کی جبلت یہ ہوتی ہے کہ جب وہ کسی معاملہ میں حق پر نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے فیصلہ اس کی خواہش کے برخلاف ہوتا ہے تو وہ بجائے اس کے کہ قبول کر کے انصاف کی برتری کو تسلیم کر لے، کرتا یہ ہے کہ فیصلہ کرنے والے پر فیصلہ میں جانب داری کا الزام عائد کر دیتا ہے، چنانچہ اس موقع پر بھی یہی ہوا وہ انصاری چونکہ حق پر نہیں تھا اس لئے جب بارگاہ رسالت سے اس کی خواہش کے برخلاف فیصلہ صادر ہوا تو اس فیصلے کو برضا و تسلیم قبول کرنے کی بجائے اس نے یہ کہا کہ زبیرؓ چونکہ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں اس لئے یہ فیصلہ کیا ہے، اسی طرح گویا اس نے آپ ﷺ پر جانب داری کا الزام عائد کیا ظاہر ہے کہ کسی منصف و عادل کے لئے ذہنی اذیت و کوفت کا اس سے بڑا اور کوئی سبب نہیں ہو سکتا کہ اس کے کسی منصفانہ فیصلے پر جانبداری اور عصبیت کا الزام عائد کر دیا جائے۔

اسی لئے جب اس انصاری نے یہ بات کہی تو آنحضرت ﷺ کی جبیں پر بل پڑ گئے اور غصے کے شدید ترین جذبات نے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ کے اس فیصلے نے (جس میں تھوڑی بہت رعایت اس انصاری کی بھی تھی) اس صریح حکم کی صورت اختیار کر لی کہ "زبیر! اب تم اپنا حق پورا پورا لو، اور وہ یہ کہ نہ صرف پہلے تم اپنے کھیت میں پانی لے جاؤ بلکہ کھیت کو پوری طرح سیراب کرو، اس میں اچھی طرح پانی دو، جب تمہارا کھیت منڈیروں تک بھر جائے تب نالی کا رخ اس انصاری کے کھیت کی طرف کرو"۔

چنانچہ روایت کے آخری جملوں کا مطلب یہی ہے کہ ابتداء میں آنحضرت ﷺ نے جو فیصلہ صادر فرمایا تھا اس میں حضرت زبیرؓ کو یہ اشارہ بھی تھا کہ اپنا کچھ حق ازراہ احسان اپنے ہمسایہ کے لئے چھوڑ دو، تاکہ تمہارا کام بھی ہو جائے جو انصاف کا تقاضہ ہے اور اس انصاری کے ساتھ بھی کچھ رعایت ہو جائے جو اگرچہ تم پر واجب نہیں ہے مگر آپس کے معاملات میں بہتری و بھلائی پیدا کرنے کے نقطہ نظر

مناسب ہے۔ مگر جب اس انصاری نے اس فیصلے کو قبول نہیں کیا تو پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو اپنا حق پورا پورا حاصل کرنے کا حکم دیا۔

اب رہی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ کی شان میں اس انصاری کی اس گستاخی کا کیا سبب تھا؟ تو بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ انصاری دراصل منافق تھا اور منافقوں کا یہ رویہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی گستاخی اور آپ ﷺ کو ذہنی اذیت و کوفت میں مبتلا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ منافق تھا تو اسے "انصاری" کیوں کہا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو انصاری اس مناسبت سے کہا گیا کہ وہ انصار کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا، چنانچہ انصار کے قبیلوں میں بعض منافق بھی تھے مثلاً عبداللہ ابن ابی وغیرہ۔

بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی، یہاں پہنچ کر ایک یہ نیا سوال سر ابھارتا ہے کہ جب وہ منافق تھا اور اس نے شان رسالت میں اتنی بڑی گستاخی کی تھی تو اسے سزا کیوں نہیں دی گئی، اسے تو فوراً قتل کر دینا چاہئے تھا؟ اس سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اسے بسزاء قتل نہ کرنے کا سبب یا تو اس کی تالیف یعنی از راہ الفت و رعایت اس کو راہ حق لگانا تھا، یا یہ کہ آپ ﷺ کے اس صبر و تحمل نے اس کو قتل کرنا گوارا نہ کیا جو ہمیشہ ہی منافقوں کی ایذاء رسانیوں پر ظاہر ہوتا تھا، پھر اگر اسے قتل کر دیا جاتا تو مخالفین اسلام طعن کرتے کہ محمد ﷺ تو اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں کیونکہ منافق بہر حال ظاہر طور پر اپنے کو مسلمان کہتے تھے اور آپ ﷺ کا ساتھی ہونے کا اظہار کرتے تھے۔

بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ وہ انصاری مؤمن ہی تھا مگر غصہ اور جھنجھلاہٹ نے اس کے دل و دماغ کو اس طرح ماؤف کر دیا تھا کہ وہ اضطراراً آپ ﷺ کی شان میں یہ گستاخی کر بیٹھا۔ واللہ اعلم

جو پانی تمہاری ضرورت سے زائد ہو اسے جانوروں کو پلانے سے نہ روکو

④ وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوْا فَضْلَ الْمَاءِ لِتَمْنَعُوْا بِهِ فَضْلَ الْكَلَاءِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "جو پانی تمہاری ضرورت سے زائد ہو اسے (جانوروں کو پلانے سے) منع نہ کرو تاکہ اس کی وجہ سے ضرورت سے زائد گھاس سے منع کرنا لازم نہ آئے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: عام طور پر جانوروں کو گھاس وہاں چرائی جاتی ہے جہاں پانی ہوتا ہے، اس لئے اگر جانوروں کو پانی پلانے سے روکو گے تو کوئی وہاں اپنے جانور کاہے کو چرائے گا؟ اس طرح پانی پلانے سے روکنے کا مطلب یہ ہوگا کہ تم بالواسطہ طور پر گھاس چرانے سے روک رہے ہو، اور گھاس چونکہ جانوروں کی عام غذا ہونے کی وجہ سے جانوروں کے لئے بہت زیادہ ضرورت کی چیز ہے اس لئے اس سے منع کرنا درست نہیں ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ جانوروں کو پانی پلانے سے کسی کو نہ روکو تاکہ اس کی وجہ سے گھاس چرانے سے باز رکھنا لازم نہ آئے۔ "ضرورت سے زائد" کی قید اس لئے ہے کہ اگر پانی اور گھاس اپنی اور اپنے جانوروں کی ضرورت کے بقدر رہی ہو تو اس صورت میں اپنی ضرورت کو مقدم رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ہاں اگر ضرورت سے زائد ہو تو پھر دوسرے کو منع کرنا انتہائی نامناسب بات ہے۔

⑤ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ رَجُلٌ حَلَفَ عَلٰى سِلْعَةٍ لَقَدْ اُعْطِيَ بِهَا اَكْثَرَ مِمَّا اُعْطِيَ وَهُوَ كَاذِبٌ وَرَجُلٌ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ كَاذِبَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَرَجُلٌ مَنَعَ فَضْلَ مَاءٍ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ اَلْيَوْمَ اَمْنَعُكَ فَضْلِيْ كَمَا مَنَعْتَ فَضْلَ مَاءٍ لَمْ تَعْمَلْ يَدَاكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ (رحم و کرم کی) بات

نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف (بنظر عنایت) دیکھے گا، ایک تو وہ (تاجر) شخص ہے جو قسم کھا کر (خریدار سے) کہتا ہے کہ اس چیز کے جو دام تم نے دیئے ہیں اس سے زیادہ دام اسے مل رہے تھے (یعنی جب وہ کسی کو اپنی کوئی چیز بیچتا ہے اور خریدار اس کی قیمت دیتا ہے تو وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ مجھے اس چیز کی اس سے زیادہ قیمت مل رہی تھی) حالانکہ وہ شخص (اپنی قسم میں) جھوٹا ہے (کیونکہ درحقیقت اس سے زیادہ قیمت اسے نہیں مل رہی تھی) دوسرا شخص وہ ہے جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے اور اس (جھوٹی قسم کھانے) کا مقصد کسی مسلمان شخص (یا ذمی) کا کوئی مال لینا ہو، اور تیسرا شخص وہ ہے جو فاضل پانی (پینے پلانے) سے لوگوں کو منع کرتا ہو ایسے شخص سے (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس طرح تو نے (دنیا میں) اپنے فاضل پانی سے لوگوں کو باز رکھا تھا باجودیہ کہ وہ پانی تو نے اپنے ہاتھ سے نہیں نکالا تھا اسی طرح میں بھی آج تجھے اپنے فضل سے باز رکھوں گا۔" (بخاریؒ)

تشریح: "عصر کے بعد" کی تخصیص یا تو اس لئے ہے کہ مغلظ قسمیں اسی وقت کھائی جاتی ہیں، یا یہ تخصیص اس لئے ہے کہ عصر کے بعد کا وقت چونکہ بہت ہی بافضیلت اور بابرکت ہے اس لئے اس وقت جھوٹی قسم کھانا بہت ہی زیادہ گناہ کی بات ہے۔

"باوجود یہ کہ وہ پانی تو نے اپنے ہاتھ سے نہیں نکالا تھا" یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص پر طعن کرے گا کہ اگر وہ پانی تیری قدرت کا رہین منت ہوتا اور تو اسے پیدا کرتا تو ایک طرح سے تیرا یہ عمل موزوں بھی ہوتا مگر اس صورت میں جب کہ وہ پانی محض میری قدرت سے پیدا ہوا تھا اور اسے میں نے ایک عام نعمت کے طور پر تمام مخلوق کے لئے مباح کر دیا تھا تو پھر تیری یہ مجال کیسے ہوئی کہ تو نے مخلوق خدا کو میری اس نعمت سے باز رکھا۔

اگرچہ کنواں اور نہر وغیرہ انسان کی مشقت و محنت سے وجود میں آتے ہیں مگر اس کی اصل چیز یعنی پانی صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہوتا ہے، اگر کوئی شخص کنواں بنوائے، نہر کھدوائے یا ہینڈ پمپ وغیرہ لگوائے اور اس میں پانی نہ آئے تو اس کنویں یا نہر وغیرہ کی کیا حقیقت رہ جائے گی، اس لئے محض کنواں بنوا دینا یا ہینڈ پمپ وغیرہ لگوا دینا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ اس شخص کو دوسروں پر پانی استعمال کرنے کی پابندی عائد کر دینے کا حق مل گیا ہے۔

وَذُكِرَ حَدِيثُ جَابِرٍ فِي بَابِ الْمَنْهِيِّ عَنْهَا مِنَ الْبُيُوعِ۔

"اور حضرت جابرؓ کی روایت باب المنھی عنھا من البیوع میں ذکر کی جا چکی ہے۔"

یعنی حضرت جابرؓ کی یہ روایت نھی رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عن بیع فضل الماء (رسول کریم ﷺ نے اپنی ضروریات سے زائد پانی کو بیچنے سے منع فرمایا ہے) صاحب مصابیح نے یہاں نقل کی تھی لیکن صاحب مشکوٰۃ نے اسے "باب المنھی عنھا من البیوع" میں نقل کیا ہے جو پیچھے گذر چکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

افتادہ زمین کی دیوار کے ذریعے حد بندی کر دینے سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے یا نہیں؟

(۶) عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحَاطَ حَائِطًا عَلَى الْاَرْضِ فَهُوَ لَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت حسن بصریؒ، حضرت سمرہؓ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا" جو شخص (افتادہ) زمین پر دیوار گھیر دے تو وہ اسی کی ہو جاتی ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص موات (یعنی افتادہ و غیر آباد) زمین پر دیوار گھیر دے گا وہ زمین اسی کی ملکیت ہو جائے گی۔ گویا یہ حدیث اپنے ظاہری مفہوم کے مطابق اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ موات زمین کی ملکیت کے ثبوت کے لئے اس پر دیوار کھینچ دینا کافی ہے جیسا

کہ مشہور ترین روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے جب کہ بقیہ تینوں آئمہ کے نزدیک ایسی زمین کی ملکیت کے ثبوت کے لئے احیاء یعنی اس کو آباد کرنا شرط ہے۔ جس کی وضاحت باب کے شروع میں کی جاچکی ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ دیوار کھینچنا، احیاء یعنی آباد کرنے کے مفہوم میں داخل ہی نہیں ہے لہٰذا تینوں آئمہ کے مسلک کے مطابق اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ اس سے "سکونت کے لئے دیوار کھینچنا" مراد ہے۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے صحابہؓ کو افتادہ زمین کا جاگیری عطیہ

⑦ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ لِلزُّبَيْرِ نَخِيْلًا۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت زبیرؓ کے لئے کھجوروں کے درخت جاگیر کر دیئے تھے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس بارے میں ایک احتمال یہ ہے کہ کھجور کے جو درخت حضرت زبیرؓ کو بطور جاگیر عطا کئے گئے تھے وہ دراصل خمس میں سے تھے جو ان کا حق تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ درخت اس موات (افتادہ وغیر آباد) زمین میں تھے جسے حضرت زبیرؓ نے آباد کیا ہوگا۔

⑧ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ لِلزُّبَيْرِ حُضْرَ فَرَسِهٖ فَاَجْرٰی فَرَسَهٗ حَتّٰی قَامَ ثُمَّ رَمٰی بِسَوْطِهٖ فَقَالَ اَعْطُوْهُ مِنْ حَيْثُ بَلَغَ السَّوْطُ۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو ان کے گھوڑے کی دوڑ کے بقدر زمین بطور جاگیر (یعنی ایک دوڑ میں گھوڑا جہاں تک پہنچ کر ٹھہر جائے وہاں تک کی زمین عطا کر دی چنانچہ (اس مقصد کے لئے) حضرت زبیرؓ نے اپنا گھوڑا دوڑایا اور وہ گھوڑا (ایک جگہ پہنچ کر) ٹھہر گیا پھر حضرت زبیرؓ نے اپنا کوڑا پھینکا اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ زبیر کا کوڑا جہاں جاکر گرا وہاں تک کی زمین زبیرؓ کو دے دی جائے۔" (ابوداؤدؒ)

⑨ وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَهٗ اَرْضًا بِحَضْرَ مَوْتَ قَالَ فَاَرْسَلَ مَعِیَ مُعَاوِيَةَ قَالَ اَعْطِهَا اِيَّاهُ۔ (رواه الترمذی والدارمی)

"اور حضرت علقمہ ابن وائل اپنے والد (حضرت وائل ابن حجرؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان (وائل ابن حجرؓ) کو حضرموت میں کچھ زمین بطور جاگیر عطا فرمائی، چنانچہ حضرت وائل کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہؓ کو میرے ہمراہ بھیجا تاکہ وہ اس زمین کی پیمائش کر دیں، اور معاویہؓ نے فرمایا کہ وہ زمین (ناپ کر) وائل کو دے دو۔" (ترمذیؒ والدارمیؒ)

تشریح: موجودہ جغرافیائی نقشے کے مطابق جبل السراۃ کا ایک سلسلہ یمن سے گذر کر جزیرۃ العرب کے جنوب مغربی گوشے سے مشرق کی طرف مڑ گیا ہے پھر جنوبی ساحل کے قریب قریب دور تک چلا گیا ہے، جبل السراۃ کا یہی سلسلہ جن علاقوں پر مشتمل ہے انہیں "حضرموت" کہا جاتا ہے۔ یوں تو حضرموت کا پورا علاقہ عموماً بنجر اور غیر شاداب پہاڑی سلسلوں پر مشتمل ہے۔ جو نہ زیادہ بلند ہیں اور بارش کم ہونے کی وجہ سے ناقابل زراعت ہیں، لیکن ان سلسلوں میں کچھ وادیاں ہیں جو نسبۃً شاداب ہیں، ان میں سے ایک وادی کا نام وادی حضرموت ہے۔

حضرت وائل ابن حجرؓ اسی علاقے کے قدیم شاہی خاندان کے ایک فرد تھے ان کے والد وہاں کے بادشاہ تھے۔ یہ جب پیغمبر اسلام کی دعوت سن کر اپنے ملک کے ایک وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے لئے حضرموت سے روانہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں ان کی آمد سے پیشتر صحابہؓ کو مطلع کر دیا تھا، اور وھو بقیۃ ابناء الملوک (اور وہ شاہی خاندان کے چشم و چراغ ہیں) کے ذریعے ان کا تعارف کرایا تھا، پھر جب وہ مدینہ پہنچے اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی حیثیت کے مطابق

ان کا استقبال کیا، انہیں اپنے قریب بٹھایا اور ان کے لئے اپنی مبارک چادر بچھادی، اور پھر آپ ﷺ نے ان کو حضر موت کے علاقہ کا حاکم مقرر فرمایا اور وہاں کی کچھ زمین انہیں بطور جاگیر عطا فرمائی۔

⑩ وَعَنْ اَبْيَضَ بْنِ حَمَّالٍ الْمَارَبِيِّ اَنَّهُ وَفَدَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَقْطَعَهُ الْمِلْحَ الَّذِىْ بِمَارِبَ فَاَقْطَعَهُ اِيَّاهُ فَلَمَّا وَلّٰى قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا اَقْطَعْتَ لَهُ الْمَاءَ الْعِدَّ قَالَ فَرَجَعَهُ مِنْهُ قَالَ وَسَاَلَهُ مَاذَا يُحْمٰى مِنَ الْاَرَاكِ مَالَمْ تَنَلْهُ اَخْفَافُ الْاِبِلِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت ابیض ابن حمال ماربیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست پیش کی کہ مارب میں نمک کی جو کان ہے وہ ان کے لئے جاگیر کردی جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں نمک کی وہ کان بطور جاگیر عطا فرمادی، جب ابیضؓ واپس ہوئے تو ایک شخص (یعنی اقرع ابن حابس تمیمیؓ) نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! آپ (ﷺ) نے تو ابیضؓ کو تیار پانی (یعنی کان میں بالکل تیار نمک) دے دیا ہے؟" راوی کہتے ہیں کہ (جب آپ ﷺ کو حضرت اقرعؓ سے یہ معلوم ہوا کہ ابیضؓ کو ایک ایسی کان دے دی گئی ہے جس میں نمک بالکل تیار ہے تو) آپ ﷺ نے وہ کان ابیضؓ سے واپس لے لی۔ راوی کہتے ہیں کہ اس شخص (یعنی حضرت اقرعؓ) نے آپ ﷺ سے یہ بھی دریافت کیا کہ پیلو کے درختوں کی کون سی زمین گھیری جائے؟ یعنی کون سی افتادہ وغیر آباد زمین کو آباد کر کے اپنی ملکیت بنایا جائے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "وہ زمین جہاں اونٹوں کے پاؤں نہ پہنچیں۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: "مارب" یمن کے ایک شہر کا نام ہے جو صنعاء سے ۶۰ میل مشرق میں تقریباً چار ہزار فٹ بلند سطح زمین پر واقع ہے یمن میں پہلی صدی عیسوی تک سبا نامی نسل کے اقتدار کے زمانے میں "مارب" یمن کا دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے نہ صرف ایک بڑا شہر تھا بلکہ ایک عظیم تجارتی مرکز بھی تھا، حضرت ابیضؓ اسی شہر کے رہنے والے تھے اسی لئے انہیں ماربی کہا جاتا ہے۔

الماء العد یعنی تیار پانی کا مطلب ہے بالکل تیار ہمیشہ رہنے والا کہ اس کا مادہ منقطع نہ ہو۔ اس سے کان میں نمک کی بالکل تیار حالت کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے شروع میں تو سمجھا تھا کہ ابیضؓ نے نمک کی جس کان کی فرمائش کی ہے وہ بالکل ابتدائی حالت میں ہے جس سے محنت ومشقت اور سخت جدوجہد کے بعد نمک نکلے گا، مگر جب حضرت اقرع کی توجہ دلانے سے آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہ کان ابتدائی حالت میں نہیں ہے بلکہ اس میں نمک تیار ہو چکا ہے۔ جو بغیر کسی محنت ومشقت کے تیار پانی اور گھاس کی طرح حاصل کیا جاسکتا ہے تو آپ ﷺ نے وہ کان واپس لے لی، کیونکہ اس صورت میں اس کان اور اس میں تیار شدہ نمک پر سب لوگوں کا حق تھا اسے کسی فرد واحد کی ملکیت بنادینا مناسب نہیں تھا، اس لئے آپ ﷺ نے تمام لوگوں کے حقوق کی رعایت کے پیش نظر اس کان کو واپس لے لینا ہی بہتر سمجھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام (یعنی حکومت وقت) کی طرف سے کوئی کان کسی شخص کو بطور جاگیر عطا ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ کان زیر زمین پوشیدہ ہو اور اس سے محنت ومشقت اور جدوجہد کے بغیر کچھ حاصل نہ ہوسکتا ہو۔ ہاں جو کانیں برآمد ہو چکی ہوں اور ان سے نکلنے والا مال کسی محنت ومشقت اور جدوجہد کے بغیر حاصل ہوسکتا ہو تو انہیں کسی فرد واحد کی جاگیر بنادینا جائز نہیں ہے بلکہ گھاس اور پانی کی طرح ان کی منفعت میں بھی تمام لوگ شریک ہوں گے اور ان پر سب کا استحقاق ہوگا۔ اس حدیث سے یہ نکتہ بھی معلوم ہوا کہ اگر حاکم کسی معاملے میں کوئی حکم وفیصلہ صادر کرے اور پھر اس پر یہ ظاہر ہو کہ یہ حکم وفیصلہ حقیقت کے منافی ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس فیصلے وحکم کو منسوخ کردے اور اس سے رجوع کرلے۔

"وہ زمین جہاں اونٹوں کے پاؤں نہ پہنچیں" سے مراد وہ زمین ہے جو چراگاہ اور عمارات سے الگ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس موات (افتادہ) زمین کا احیاء (یعنی اسے آباد کرنا) جائز نہیں ہے جو عمارات کے قریب ہو کیونکہ وہ جانوروں کو چرانے اور اہل بستی کی دیگر ضرورت کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

خدا کی تین عام نعمتیں

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَكَاءُ فِیْ ثَلَاثٍ فِی الْمَاءِ وَالْكَلَاءِ وَالنَّارِ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

"اور حضرت ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تین چیزیں یعنی پانی، گھاس اور آگ ایسی ہیں جن میں تمام مسلمان شریک ہیں۔" (ابوداؤد ؒ، ابن ماجہ ؒ)

تشریح: اس حدیث میں خدا کی ان تین عام نعمتوں کا ذکر ہے جو کائنات کے ہر فرد کے لئے ہے، ان میں کسی کی ذاتی ملکیت وخصوصیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔

"پانی" سے مراد دریا، تالاب اور کنویں وغیرہ کا پانی ہے، وہ پانی مراد نہیں ہے جو کسی شخص کے برتن یا اس میں بھرا ہوا ہو، چنانچہ اس کی وضاحت باب کی ابتداء میں کی جا چکی ہے، اسی طرح "گھاس" سے وہ گھاس مراد ہے جو جنگل میں اگی ہوئی ہو۔

"آگ" سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس آگ ہو تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے کو آگ لینے سے منع کرے، یا چراغ جلانے سے روکے اور یا اس کی روشنی میں بیٹھنے سے منع کرے وغیرہ ذالک۔ ہاں اگر کوئی شخص اس آگ میں سے وہ لکڑی لینا چاہے جو اس میں جل رہی ہو تو اس صورت میں اس کو روکنا جائز ہے کیونکہ اس کی وجہ سے آگ میں کمی آجائے گی اور بجھ جائے گی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے "سنگ چقماق" (یعنی وہ پتھر جس کے مارنے سے آگ نکلتی ہے) مراد ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اس پتھر کے لینے سے نہ روکا جائے بشرطیکہ وہ پتھر موات (یعنی افتادہ) زمین میں ہو۔

کسی مباح چیز کو جو شخص پہلے حاصل کرے گا وہ اسی کی ہو جائے گی

(۱۲) وَعَنْ اَسْمَرَبْنِ مُضَرِّسٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهٗ فَقَالَ مَنْ سَبَقَ اِلٰی مَاءٍ لَمْ يَسْبِقْهُ اِلَيْهِ مُسْلِمٌ فَهُوَ لَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت اسمر بن مضرس ؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے بیعت ہوا (یعنی اسلام قبول کیا) چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص کسی ایسے پانی کی طرف سبقت کرے (یعنی اس پانی کو حاصل کرے) جسے کسی مسلمان نے حاصل نہ کیا ہو تو وہ اسی کا ہے۔" (ابوداؤد ؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص مباح پانی یعنی دریا یا تالاب وغیرہ میں سے کوئی مقدار لے لیتا ہے تو پانی کی وہ لی ہوئی مقدار اس شخص کی ملکیت ہو جاتی ہے اور جو پانی اس جگہ یعنی دریا و تالاب وغیرہ میں باقی رہ جاتا ہے وہ اس کی ملکیت میں نہیں آتا، بلکہ وہ جوں کا توں مباح رہتا ہے، اسی طرح دوسری مباح چیزیں مثلاً گھاس اور لکڑی وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

جس قوم میں کمزور انسانوں کے حقوق محفوظ نہ ہوں وہ برائیوں سے پاک نہیں ہوتی

(۱۳) وَعَنْ طَاوُسٍ مُرْسَلًا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحْيَا مَوَاتًا مِنَ الْاَرْضِ فَهُوَ لَهٗ عَادِیُّ الْاَرْضِ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ هِیَ لَكُمْ مِنِّیْ۔ رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ وَرُوِیَ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ الدُّوْرَ بِالْمَدِيْنَةِ وَهِیَ بَيْنَ ظَهْرَانَیْ عِمَارَةِ الْاَنْصَارِ مِنَ الْمَنَازِلِ وَالنَّخْلِ فَقَالَ بَنُوْ عَبْدِ بْنِ زُهْرَةَ نَكِّبْ عَنَّا ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِمَ ابْتَعَثَنِیَ اللّٰهُ اِذًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُقَدِّسُ اُمَّةً لَا يُؤْخَذُ لِلضَّعِيْفِ فِيْهِمْ حَقُّهٗ۔

"اور حضرت طاؤسؒ بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "افتادہ و بنجر زمین کو جو شخص آباد کرے گا وہ اسی کی ملکیت ہو جائے گی۔ اور قدیم زمین اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے اور پھر وہ میری طرف سے تمہارے لئے ہے (شافعیؒ) اور شرح السنۃ میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو مدینہ میں جو مکانات دیئے وہ انصار کی آبادی (یعنی ان کے مکان اور ان کے کھجور کے درختوں) کے درمیان واقع تھے، چنانچہ عبد ابن زہرہ کے بیٹوں نے کہا کہ آپ اُمّ عبد کے بیٹے (یعنی عبداللہ ابن مسعودؓ) کو ہم سے دور رکھئے (اس کے جواب میں) رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے کیوں بھیجا ہے (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اس قوم کو پاکیزگی عطا نہیں کرتا جس میں کمزور کے حق کو تحفظ حاصل نہ ہو۔"

تشریح: عادی الارض (قدیم زمین) سے مراد وہ افتادہ و بنجر زمین ہے جس کے مالک کا کوئی علم نہ ہو، اس میں زمین کی لفظی نسبت "عاد" یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کی طرف محض ایسی زمین کی قدامت کے اظہار میں مبالغہ کے لئے ہے کیونکہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کی مدت قدامت بہت زیادہ ہے۔

"اور اس کے رسول کے لئے ہے" کا مطلب یہ ہے کہ ایسی تمام افتادہ و بنجر زمینیں جن کا کوئی مالک نہیں ہے، میرے تسلط میں ہیں، اپنی مرضی و مصلحت کے مطابق ان میں تصرف کرتا ہوں کہ جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں اور اس کو آباد کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

قاضی کہتے ہیں کہ ثم ھی لکم منی (اور پھر وہ میری طرف سے تمہارے لئے ہے) سے معلوم ہوا کہ اس جملے "اور قدیم زمین اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں" میں "اللہ" کی عظمت شان کے پیش نظر آپ ﷺ کے ذکر کی تمہید کے طور پر ہے ورنہ بظاہر "اللہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ کا حکم و فیصلہ گویا اللہ کا حکم و فیصلہ ہے۔

عبد ابن زہرہ کے بیٹوں نے اپنے مکانات اور کھجوروں کے درختوں کے درمیان حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو مکان دیئے جانے کی جو مخالفت کی اس کا ایک جذباتی پس منظر تھا اور وہ یہ کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے والد یعنی مسعود زمانہ جاہلیت میں عبد ابن زہرہ کے بیٹوں کے حریف (مقابل) تھے، نیز حضرت عبداللہؓ کی والدہ یعنی اُمّ عبد ان کے خدمت گاروں میں سے تھیں، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو ایسی جگہ مکانات دیئے جو عبد ابن زہرہ کے بیٹوں کے مکانات اور ان کے کھجوروں کے باغات کے درمیان واقع تھی تو یہ ان کو گوارا نہیں ہوا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کا مکان ان کے مکانات کے درمیان واقع ہو، گویا اس طرح انہوں نے اپنے ان جذبات حقارت کا اظہار کیا جو وہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے تئیں رکھتے تھے۔

لہٰذا آنحضرت ﷺ نے ان کے غلط جذبات پر برہمی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اگر حقوق العباد اس قسم کے احساسات سے متعلق ہوتے اور کمزور انسانوں کے تئیں یہ جذبات و حقارت جائز ہوتے تو میں اللہ کا رسول بن کر اس دنیا میں کیوں آتا؟ اگر میں کمزور و ناتوانوں اور مسکینوں کی تقویت کا باعث اور ان کا مددگار نہ بنوں تو میری بعثت کا ایک بڑا مقصد کیسے پورا ہوگا، اور میری بعثت میں اللہ کی کیا حکمت رہ جائے گی؟ تمہیں نہ بھولنا چاہئے کہ میرے بنیادی مقاصد میں یہ بات داخل ہے کہ میں انسانوں کے درمیان اونچ نیچ اور معاشرتی فرق و امتیاز کی خود ساختہ دیواروں کو ڈھادوں، جو لوگ اپنے آپ کو طاقتور و بڑا سمجھتے ہوں انہیں راہ اعتدال پر لاؤں اور جو کمزور و ناتواں ہوں انہیں اپنی مدد و نصرت سے طاقت بخشوں پھر آپ نے قوموں کے کیرکٹر و کردار کے ایک بڑے نازک گوشے کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو قوم اپنے کمزور افراد کے حقوق کا تحفظ نہیں کرتی اور جس قوم میں کمزور انسانوں کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں ہوتی وہ قوم نہ صرف یہ کہ کائنات انسانی کا ایک بدترین حصہ ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس قوم کو گناہوں اور برائیوں سے پاکیزگی عطا نہیں کرتا، جس قوم کے طاقتور لوگ کمزور لوگوں کے حقوق کو پامال کرتے ہیں، ان کی سماجی و معاشرتی زندگی پر، بدعنوانیوں اور گناہ و معصیت کی دبیز تہیں جم جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم نہ تو معاشرہ میں کوئی باوقار اور صالح کردار انجام دیتی ہے اور نہ خدا کی طرف سے ان پر رحمت و برکت نازل ہوتی ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے عبد ابن زہرہ کے بیٹوں کو آگاہ فرمایا کہ یہ مت سمجھو کہ عبداللہ ابن مسعودؓ چونکہ دنیاوی طور پر تم سے کمتر ہیں اور وہ

ایک کمزور انسان ہیں۔ اس لئے تم ان کا یہ جائز حق کہ وہ جس موزوں جگہ پر چاہیں اپنی سکونت اختیار کریں، غصب کر لوگے، میں ان کا مددگار و معین ہوں اور مجھ پر یہ لازم ہے کہ میں ان کی حمایت کروں۔

نہر وغیرہ سے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرنے کا ضابطہ

(۱۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِى السَّيْلِ الْمَهْزُوْرِ اَنْ يُمْسَكَ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ يُرْسِلَ الْاَعْلٰى عَلَى الْاَسْفَلِ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہ ابن عمروؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مہزور کے پانی کے بارے میں یہ حکم دیا کہ (جب اس کا پانی کھیت وغیرہ میں) ٹخنوں تک بھر جائے تو اسے بند کر دیا جائے اور پھر اوپر والا نیچے والے کے لئے (اس کا پانی) چھوڑ دے۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "مہزور" مدینہ کی ایک وادی کا نام ہے جو بنی قریظہ کے علاقے میں واقع تھی، بنی قریظہ کے کھیتوں اور باغوں میں اسی وادی سے پانی آتا تھا، اسی کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے یہ حکم صادر فرمایا کہ اس وادی سے پانی لانے والی نالی کے قریب جس شخص کی زمین ہو اس کا حق مقدم ہے کہ پہلے وہ اپنی زمین میں پانی لے جائے جب اس کی زمین میں ٹخنوں تک پانی پہنچ جائے یعنی پوری طرح سیراب ہو جائے تب وہ اس پانی کو چھوڑ دے تاکہ اس کے بعد وہ اس زمین میں جائے جو اس کی زمین سے نیچے ہے۔

چنانچہ ہر اس نہر کے بارے میں یہی ضابطہ ہے جو کسی شخص کی ذاتی محنت و مشقت کے بغیر از خود جاری ہو کہ جس شخص کی زمین اس نہر کے قریب اور بلندی پر ہو پہلے وہ اپنی زمین میں پانی لا کر روکے رکھے یہاں تک کہ اس کی زمین میں ٹخنوں تک پانی بھر جائے پھر وہ پانی کا رخ اپنی زمین سے موڑ دے تاکہ وہ اس زمین میں چلا جائے جو اس کی زمین سے متصل اور اس سے نیچے ہو۔

اپنی جائیداد کے ذریعے کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ

(۱۵) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّهٗ كَانَتْ لَهٗ عَضُدٌ مِنْ نَخْلٍ فِيْ حَائِطِ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَمَعَ الرَّجُلِ اَهْلُهٗ فَكَانَ سَمُرَةُ يَدْخُلُ عَلَيْهِ فَيَتَأَذّٰى بِهٖ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَطَلَبَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَبِيْعَهٗ فَاَبٰى فَطَلَبَ اَنْ يُنَاقِلَهٗ فَاَبٰى قَالَ فَهَبْهُ لَهٗ وَلَكَ كَذَا اَمْرًا رَغَّبَهٗ فِيْهِ فَاَبٰى فَقَالَ اَنْتَ مُضَارٌّ فَقَالَ لِلْاَنْصَارِيِّ اذْهَبْ فَاقْطَعْ نَخْلَهٗ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ مَنْ اَحْيٰى اَرْضًا فِيْ بَابِ الْغَصْبِ بِرِوَايَةِ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ۔

"اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے کھجوروں کے چند درخت ایک انصاری (جن کا نام بعض علماء نے مالکؓ ابن قیس لکھا ہے) کے باغ میں تھے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اسی باغ میں رہتے تھے، چنانچہ جب سمرہؓ (اپنے ان درختوں کی وجہ سے) باغ میں آتے تو ان انصاری کو اس سے تکلیف ہوتی (ایک دن) وہ انصاری نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے سمرہؓ کو اپنی مجلس میں طلب کیا تاکہ (ان سے یہ فرمائیں کہ) وہ (اپنے کھجور کے ان درختوں کو) انصاری کے ہاتھ فروخت کر دیں (تاکہ ان درختوں کی وجہ سے انصاری کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اس سے نجات پا جائیں) لیکن سمرہؓ نے (اپنے درختوں کو فروخت کرنے سے) انکار کر دیا، پھر آپ ﷺ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ سمرہؓ اپنے ان درختوں کو انصاری کے (ان) درختوں سے بدل لیں (جو کسی دوسری جگہ واقع تھے) مگر سمرہؓ اس پر بھی تیار نہیں ہوئے، تب آپ ﷺ نے سمرہؓ سے یہ فرمایا کہ اچھا اپنے درخت انصاری کو بطور ہدیہ دے دو تمہیں اس کا اجر (بہشت کی نعمتوں کی صورت میں) مل جائے گا۔ گویا آپ ﷺ نے (بطور سفارش) اور رغبت دلانے کے لئے یہ حکم دیا (یا امراً رغبہ کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سمرہؓ سے ترغیب کی ایک بات فرمائی یعنی اپنے درخت کو

بطور ہدیہ دے دینے کا ثواب ذکر فرمایا) لیکن سمرہؓ نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ آخر میں آپ ﷺ نے سمرہؓ سے فرمایا کہ "اس کا یہ مطلب ہے کہ تم (واقعی) اس انصاری کو ضرور تکلیف پہنچانا چاہتے ہو" اور جو شخص کسی کو ضرور تکلیف پہنچائے اس کا دفعیہ چونکہ ضروری ہے اس لئے آپ ﷺ نے انصاری سے فرمایا کہ "تم جاؤ! اور سمرہؓ کے درختوں کو کاٹ پھینکو" (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حضرت سمرہؓ کو اپنے درختوں کو انصاری کے ہاتھ فروخت کر دینے یا تبادلہ کر لینے اور ہبہ کرنے کا جو حکم دیا اور انہوں نے وہ حکم نہیں مانا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نے وہ حکم بطریق وجوب نہیں دیا تھا کہ اس کا ماننا ضروری ہوتا، بلکہ بطور سفارش تھا یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے جو آخری صورت حضرت سمرہؓ کے سامنے رکھی اس میں ثواب کی ترغیب دلائی تھی۔

اگر آنحضرت ﷺ کے اس حکم کا تعلق وجوب سے ہوتا (کہ جس کو ماننا حضرت سمرہؓ کے لئے ضروری ہوتا) تو یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت سمرہؓ اتنی صفائی کے ساتھ انکار کر دیتے بلکہ وہ ایک فرمانبردار و مطیع صحابی ہونے کے ناطے فوراً مان لیتے۔

اب رہی یہ بات کہ اگر آپ ﷺ نے یہ حکم بطریق وجوب نہیں دیا تھا بلکہ اس کا تعلق سفارش سے تھا تو پھر آپ ﷺ نے انصاری کو حضرت سمرہؓ کے درخت کاٹ ڈالنے کا حکم کیوں دیا؟

اس کا جواب بالکل صاف ہے کہ پہلے تو آپ ﷺ نے سفارش کے ذریعے اخلاقی طور پر حضرت سمرہؓ کو اس بات پر تیار کرنا چاہا کہ وہ اپنے درختوں سے دست کش ہو جائیں مگر جب سمرہؓ نے دست کشی سے انکار کر دیا تو آپ ﷺ پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ سمرہؓ نے انصاری کے باغ میں عاریتہ درخت لگائے تھے مگر اب نہ وہ ان درختوں کو بیچتے ہیں نہ تبادلہ کرتے ہیں اور نہ ہبہ کرتے ہیں تو گویا وہ واقعۃً انصاری کو ضرر و تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں، اس صورت میں یہ ضروری تھا کہ انصاری کو اس ضرر و تکلیف سے نجات دلائی جائے اس لئے اس کی آخری صورت یہی رہ گئی تھی کہ آپ ﷺ ان درختوں کو کاٹ ڈالنے کا حکم دے دیں۔

وَذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ مَنْ اَحْيٰى اَرْضًا فِيْ بَابِ الْغَصْبِ بِرِوَايَةِ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِيْ صِرْمَةَ مَنْ ضَارَّ اَضَرَّ اللّٰهُ بِهٖ فِيْ بَابِ مَا يُنْهٰى مِنَ التَّهَاجُرِ۔

اور حضرت جابرؓ کی حدیث مَنْ اَحْيٰى اَرْضًا الخ بروایت حضرت سعید ابن زیدؓ باب الغصب میں نقل کی جاچکی ہے اور حضرت ابی صرمہ کی حدیث مَنْ ضَارَّ ضَرَّ اللّٰهُ بِهٖ الخ باب ماینهی من التهاجر میں نقل کی جائے گی۔ (یہ دونوں حدیثیں صاحب مصابیح نے یہاں نقل کر رکھی تھیں۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

پانی، نمک اور آگ دینے سے انکار نہ کرو

(۱۶) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الشَّيْئُ الَّذِيْ لَايَحِلُّ مَنْعُهٗ قَالَ الْمَاءُ وَالْمِلْحُ وَالنَّارُ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا الْمَاءُ قَدْعَرَفْنَاهُ فَمَا بَالُ الْمِلْحِ وَالنَّارِ قَالَ يَاحُمَيْرَاءُ مَنْ اَعْطٰى نَارًا فَكَاَنَّمَا تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ مَا اَنْضَجَتْ تِلْكَ النَّارُ وَمَنْ اَعْطٰى مِلْحًا فَكَاَنَّمَا تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ مَاطَيَّبَتْ تِلْكَ الْمِلْحُ وَمَنْ سَقٰى مُسْلِمًا شَرْبَةً مِنْ مَاءٍ حَيْثُ يُوْجَدُ الْمَاءُ فَكَاَنَّمَا اَعْتَقَ رَقَبَةً وَمَنْ سَقٰى مُسْلِمًا شَرْبَةً مِنْ مَاءٍ حَيْثُ لَا يُوْجَدُ الْمَاءُ فَكَاَنَّمَا اَحْيَاهَا۔ (رواه ابن ماجہ)

"ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے بارے میں روایت ہے کہ (ایک دن) انہوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! وہ کونسی چیز ہے جس کو دینے سے انکار کرنا درست نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "پانی، نمک اور آگ" حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ "یارسول اللہ! پانی کا معاملہ تو مجھے معلوم ہے (کہ یہ خدا کی ایک ایسی عام نعمت ہے جو کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہے اور چونکہ کیا انسان

اور کیا حیوان ساری ہی مخلوق کی ضرورتیں اس سے وابستہ ہیں اس لئے اس سے منع کرنا بہت زیادہ تکلیف وضرر کا باعث بن سکتا ہے) لیکن نمک اور آگ کی بات سمجھ میں نہیں آتی (کہ یہ دونوں چیزیں پانی کے مثل نہیں ہیں اور بظاہر بالکل حقیر و کمتر چیزیں ہیں جن کا دیا جانا اور نہ دیا جانا کیا حیثیت رکھ سکتا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا "حمیراء! (یہ مت سمجھو کہ ان دونوں چیزوں کے دینے یا نہ دینے کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ) جس شخص نے کسی کو آگ دی تو گویا اس نے وہ تمام چیزیں بطور صدقہ دیں جو اس آگ پر پکائی گئیں۔ اسی طرح جس نے کسی کو نمک دیا گویا اس نے وہ تمام چیزیں بطور صدقہ دیں جنہیں اس نمک نے ذائقہ دار بنایا اور پانی کی اہمیت تو تم جانتی ہو۔ لیکن تمہیں یہ معلوم نہیں کہ جس شخص نے کسی کو اس جگہ کہ جہاں پانی ملتا ہو ایک بار پانی پلایا تو گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا اور جس شخص نے کسی کو اس جگہ کہ جہاں پانی دستیاب نہ ہوتا ہو ایک بار پانی پلایا تو گویا اس نے اس کو (یعنی ایک مسلمان کو) زندہ کر دیا۔" (ابن ماجہ)

تشریح: حضرت عائشہؓ نے چونکہ پانی اہمیت اور اس کی کیفیت حال کو جاننے کا دعویٰ کیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے ان کے دعویٰ کو روکنے کے لئے آخر میں پانی دینے اور پلانے کا ثواب اور اس کی فضیلت کو ذکر کرتے ہوئے گویا یہ ظاہر فرمایا کہ تمہیں صرف یہ تو معلوم تھا کہ پانی ایک عام ضرورت کی چیز ہونے کی وجہ سے ایک بڑی اہم نعمت ہے لیکن اس کے بارے میں یہ تفصیل کہ پانی دینے والے کا کیا درجہ ہوتا ہے اور اسے کتنا زیادہ ثواب ملتا ہے تم نہیں جانتی تھیں۔

بَابُ الْعَطَایَا

عطایا کا بیان

"عطایا" لفظ عطیہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں "بخشش" یعنی اپنی کسی چیز کی ملکیت اور اس کے حق تصرف کو کسی دوسرے کی طرف منتقل کر دینا یا کسی کو اپنی کوئی چیز بلا کسی عوض دے دینا۔ چنانچہ اس باب میں عطایا و بخشش کی تمام قسموں مثلاً وقف، ہبہ، عمریٰ اور رقبیٰ کا ذکر کیا جائے گا۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ "عطایا" سے مراد "امراء و سلاطین اور سربراہان مملکت کی بخششیں اور ان کے انعام ہیں"۔

امام غزالیؒ نے منہاج العابدین میں لکھا ہے کہ امراء و سلاطین کی بخششوں اور سرکاری انعامات کو قبول کرنے کے سلسلے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، چنانچہ بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ بخشش و انعام کسی ایسے مال کی صورت میں ہو جس کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو تو اسے قبول کر لینا درست ہے، لیکن بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ جب تک اس مال کے حلال ہو جانے کا یقین نہ ہو تو اسے قبول نہ کرنا ہی اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے کیونکہ موجودہ زمانے میں سلاطین کے پاس اور سرکاری خزانوں میں اکثر و بیشتر غیر شرعی ذرائع سے حاصل ہونے والا مال وذر ہوتا ہے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ غنی اور فقیر (یعنی مستطیع و مفلس) دونوں کے لئے امراء و سلاطین کے صلے (تحفے وہدایا) حلال ہیں جب کہ ان کا مال حرام ہونا تحقیقی طور پر ثابت نہ ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کا تحفہ قبول فرمایا تھا، اور ایک یہودی سے قرض لیا تھا باوجود یہ کہ یہودیوں کے بارے میں قرآن نے اکالون للسحت (حرام مال کھانے والے) فرمایا ہے۔

اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ جس مال کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو وہ فقیر (مفلس) کے لئے تو حلال ہے لیکن غنی (مستطیع) کے لئے حلال نہیں ہے۔

آخر میں خلاصہ کے طور پر یہ مسئلہ جان لیجئے کہ جو شخص مفلس و نادار ہو اس کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ سلاطین کا مال قبول کرے کیونکہ اگر وہ مال سلطان کی ذاتی ملکیت میں سے ہے تو اس کو لے لینا بلا شبہ درست ہے، اور اگر وہ مال فئی (مال غنیمت) خراج

یا عشر میں سے ہے تو پھر مفلس اس کا حقدار ہی ہے۔ اسی طرح ایسے مال میں (جو فیٔ اور خراج عشر میں حاصل ہوا ہو) اہل علم کا بھی حق ہے کہ اسے وہ مال لے لینا چاہئے چنانچہ منقول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا کہ جو شخص برضا و رغبت اسلام میں داخل ہوا اور اس نے قرآن یاد کیا تو وہ بیت المال سے ہر سال دو سو درہم لینے کا حق دار ہے، اگر وہ اپنے اس حق کو دنیا میں نہیں لے گا تو وہ (یعنی اس کا اجر) اسے عقبیٰ میں مل جائے گا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ مفلس اور عالم دین کو بیت المال سے اپنا حق لے لینا چاہئے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حضرت عمرؓ کی طرف سے اپنی خیبر کی زمین کا وقف نامہ

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ اَصَابَ اَرْضًا بِخَيْبَرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَصَبْتُ اَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ اُصِبْ مَالًا قَطُّ اَنْفَسَ عِنْدِيْ مِنْهُ فَمَا تَاْمُرُنِيْ بِهٖ قَالَ اِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ اَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ اَنَّهٗ لَا يُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ وَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ وَفِي الْقُرْبٰى وَفِي الرِّقَابِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالضَّيْفِ لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَلِيَهَا اَنْ يَاْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوْفِ اَوْ يُطْعِمَ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ غَيْرَ مُتَاَثِّلٍ مَالًا۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ خیبر کی کچھ زمین کہ جس میں کھجوریں پیدا ہوتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کو (مال غنیمت کے حصے کے طور پر) ملی تو وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میں نے خیبر میں (اپنے حصے کی) ایسی زمین پائی ہے کہ اس سے زیادہ بہتر و عمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا ہے (اور اب میں چاہتا ہوں کہ اس زمین کو اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی میں دے دوں اس لئے) آپ ﷺ مجھے حکم فرمائیے (کہ میں اس بارے میں کیا کروں) آپ ﷺ نے فرمایا "اگر تم یہی چاہتے ہو تو اصل زمین کو وقف کر دو اور اس سے جو کچھ پیدا ہو اسے بطور صدقہ تقسیم کر دو۔" چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس زمین کو اس شرط کے ساتھ خدا کی راہ میں دے دیا (یعنی اسے وقف کر دیا) کہ اصل زمین کو نہ تو فروخت کیا جائے، نہ ہبہ کیا جائے اور نہ اسے کسی کی میراث قرار دی جائے اور اس کی پیداوار کو بطور صدقہ اس طرح صرف کیا جائے کہ اس سے فقیروں، قرابتداروں کو نفع پہنچایا جائے، غلاموں کی مدد کی جائے (یعنی جس طرح مکاتب کو زکوٰۃ دے دی جاتی ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے اپنے مالک کو بدل کتابت دے کر آزاد ہو جائے اسی طرح اس زمین کی پیداوار سے بھی مکاتب کی اعانت کی جائے) اللہ کی راہ میں یعنی غازیوں اور حاجیوں پر خرچ کیا جائے، مسافروں کی ضرورتیں پوری کی جائیں (باوجودیکہ وہ اپنے وطن میں مال و زر کے مالک ہوں) اور مہمانوں کی مہمانداری کی جائے، اور اس زمین کا متولی بھی بقدر حاجت اس میں سے کھائے یا اپنے اہل و عیال کو (کہ جو مستطیع نہ ہونے کی وجہ سے اس کے زیر کفالت ہوں) کھلائے تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے بشرطیکہ وہ متولی (اس وقف کی آمدنی سے) مالدار نہ بنے (یعنی جو شخص اس زمین کی دیکھ بھال کرنے اور اس کی پیداوار کو مذکورہ بالا لوگوں پر خرچ کرنے کی ذمہ داری پر بطور متولی معمور کیا جائے اگر وہ بھی اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے اس زمین کی پیداوار اور آمدنی میں سے کچھ لے لیا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہاں اسے اس بات کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ اس زمین کے ذریعے مالدار و متمول بن جائے چنانچہ ابن سیرینؒ نے (غیر متمول کا مطلب) یہی بیان کیا ہے کہ وہ متولی اس زمین کو اپنے لئے مال و زر جمع کرنے کا ذریعہ نہ بنائے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ حدیث وقف کے صحیح ہونے کی دلیل ہے چنانچہ تمام مسلمانوں کا بالاتفاق یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کوئی جائیداد مثلاً زمین و مکان وغیرہ کسی نیک مقصد اور اچھے کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی کی راہ میں وقف کر دیتا ہے تو یہ جائز ہے اور وہ

وقف کرنے والا بیشمار اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے، نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وقف جائیداد نہ فروخت کی جاسکتی ہے نہ ہبہ ہوسکتی ہے اور نہ کسی کی میراث بن سکتی ہے۔ یہ حدیث وقف کی فضیلت کو بھی ظاہر کرتی ہے کیونکہ وقف ایک صدقہ جاریہ ہے جس کا ثواب وقف کرنے والے کو برابر ملتا رہتا ہے۔

"خیبر" ایک بستی کا نام ہے جو مدینہ سے تقریباً ۱۰۰ میل شمال میں ایک حرے کے درمیان واقع ہے اس علاقے میں کھجور وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اس بستی پر مسلمانوں نے "عنوۃ" یعنی بزور طاقت فتح اور غلبہ حاصل کیا تھا، اسی موقع پر غانمین (یعنی مال غنیمت لینے والے) اس کی زمین و باغات کے مالک قرار پائے اور انہوں نے اسے آپس میں تقسیم کیا جس کا ایک حصہ حضرت عمر فاروق ؓ کو بھی ملا، اپنے اسی حصے کی زمین کو انہوں نے اللہ کی راہ میں وقف کر دیا۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وقف کرنے والے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے اس وقف سے بقدر ضرورت نفع حاصل کرے بایں طور کہ اس آمدنی کا کچھ حصہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی پر خرچ کرے یا اس سے فائدہ اٹھائے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کے مذکورہ وقف نامہ کی شرائط کی گویا توثیق فرما کر وقف کی آمدنی میں سے بقدر ضرورت حصہ اس شخص کے لئے مباح قرار دیا جو اس کا متولی ہو اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ وقف کرنے والا اپنے وقف کا متولی ہوتا ہے۔

نیز اس بات کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (ایک موقع پر) یہ فرمایا کہ ایسا کوئی شخص ہے جو بیر رومہ (مدینہ کا ایک کنواں جو ایک یہودی کی ملکیت تھا) خریدے؟ (جو شخص اس کنویں کو خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دے گا تو) اس کنویں میں اس شخص کا ڈول مسلمانوں کے ڈول کی طرح ہوگا (یعنی جس طرح عام مسلمان اس کنویں سے پانی حاصل کریں گے اسی طرح وہ شخص بھی اس سے پانی حاصل کرتا رہے گا) چنانچہ حضرت عثمان ؓ نے اس کنویں کو خرید لیا اور عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

عمریٰ جائز ہے

(۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمْرٰی جَائِزَةٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "عمریٰ جائز ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: آپس کا لین دین معاشرۂ انسانی کے باہمی ربط و تعلق کے استحکام کا ذریعہ ہے، آپس کے تعلقات، ایک دوسرے سے محبت اور باہمی ارتباط کی خوشگواری و پائیداری آپس کے ہدایا و تحائف پر بھی منحصر ہوتی ہے کیونکہ اس ذریعہ فطرت انسانی ایک خاص قسم کی محبت و مسرت اور جذبہ ممنونیت سے سرشار ہوتی ہے۔ یہ آپس کا لین دین کئی طریقوں سے ہوتا ہے، ہدیہ و تحفہ اور ہبہ کے ساتھ ساتھ ایک صورت "عمریٰ" بھی ہے جو بظاہر ہبہ کی ایک شاخ ہے، چنانچہ حدیث بالا اسی کے جواز کو ظاہر کر رہی ہے۔

عمریٰ کیا ہے؟

ابتداء باب کے حاشیہ میں "عمریٰ" کے معنی بیان کئے جا چکے ہیں، چنانچہ اس موقع پر بھی جان لیجئے کہ عمریٰ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی سے یہ کہے کہ میں نے اپنا یہ مکان تمہیں تمہاری زندگی تک کے لئے دیا۔ یہ جائز ہے، اس صورت میں جب تک وہ شخص (جس کو مکان دیا گیا ہے) زندہ ہے، اس سے وہ مکان واپس نہیں لیا جاسکتا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد وہ مکان واپس لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ عمریٰ کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

اول یہ کہ کوئی شخص مثلاً اپنا مکان کسی کو دے اور یہ کہے کہ میں نے اپنا یہ مکان تمہیں دے دیا، جب تک تم زندہ رہو گے یہ تمہاری

ملکیت میں رہے گا، تمہارے مرنے کے بعد تمہارے وارثوں اور اولاد کا ہو جائے گا۔ اس صورت کے بارے میں تمام علماء کا بالاتفاق یہ مسلک ہے کہ یہ ہبہ ہے، اس صورت میں مکان مالک کی ملکیت سے نکل جاتا ہے اور جس شخص کو دیا گیا ہے اس کی ملکیت میں آجاتا ہے، اس شخص کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء اس مکان کے مالک ہو جاتے ہیں، اگر ورثاء نہ ہوں تو بیت المال میں داخل ہو جاتا ہے۔

عمریٰ کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ دینے والا بلا کسی قید و شرط کے یعنی مطلقاً یہ کہے کہ یہ مکان تمہاری زندگی تک تمہارا ہے۔ اس صورت کے بارے میں علماء کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ اس کا بھی حکم وہی ہے جو پہلی صورت کا حکم ہے۔ چنانچہ حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے۔ لیکن بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں وہ مکان اس شخص کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کا حق نہیں ہوتا بلکہ اصل مالک (یعنی جس نے اس شخص کو دیا تھا) کی ملکیت میں واپس آجاتا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دینے والا یوں کہے کہ یہ مکان تمہاری زندگی تک تمہارا ہے، تمہارے مرنے کے بعد میری اور میرے وارثوں کی ملکیت میں آجائے گا"۔ اس صورت کے بارے میں بھی زیادہ صحیح یہی بات ہے کہ اس کا حکم بھی وہی ہے جو پہلی صورت ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ شرط کہ "تمہارے مرنے کے بعد میری اور میرے وارثوں کی ملکیت میں آجائے گا" فاسد ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ کسی فاسد شرط کی وجہ سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا۔

حضرت امام شافعیؒ کا بھی زیادہ صحیح قول یہی ہے، لیکن حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ عمریٰ کی یہ صورت ایک فاسد شرط کی وجہ سے فاسد ہے۔

عمریٰ کے بارے میں حضرت امام مالکؒ کا یہ قول ہے کہ اس کی تمام صورتوں میں بنیادی مقصد دی جانے والی چیز کی منفعت کا مالک کرنا ہوتا ہے۔

عمریٰ معمرلہ، کے ورثاء کی ملکیت بن جاتا ہے

③ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعُمْرٰى مِيْرَاثٌ لِاَهْلِهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا "عمریٰ اپنے مالک (یعنی معمرلہ) کے ورثاء کی میراث ہو جاتا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "معمرلہ" اس شخص کو کہتے ہیں جسے بطور عمریٰ کوئی چیز دی جاتی ہے، چنانچہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو مثلاً کوئی مکان بطور عمریٰ دیا جاتا ہے۔ وہ مکان اس کی زندگی تک تو اس کی ملکیت رہتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کی ملکیت بن جاتا ہے، گویا یہ حدیث اپنے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے جمہور علماء کے مسلک کی دلیل ہے۔

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ اُعْمِرَ عُمْرٰى لَهٗ وَلِعَقِبِهٖ فَاِنَّهَا لِلَّذِيْ اُعْطِيَهَا لَا يَرْجِعُ اِلَى الَّذِيْ اَعْطَاهَا لِاَنَّهٗ اَعْطٰى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيْهِ الْمَوَارِيْثُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر کسی شخص اور اس کے ورثاء کو کوئی چیز بطور عمریٰ دی جاتی ہے تو وہ عمریٰ اسی شخص کا ہو جاتا ہے جسے وہ دیا گیا ہے (یعنی وہ چیز اس کی ملکیت ہو جاتی ہے) عمریٰ دینے والے کی ملکیت میں واپس نہیں آتا کیونکہ دینے والے نے اس طرح دیا ہے کہ اس میں میراث جاری ہو جاتی ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز کسی شخص کو بطور عمریٰ دی جاتی ہے وہ اس شخص کی ہو جاتی ہے، اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کی ملکیت میں چلی جاتی ہے دینے والے کی ملکیت میں واپس نہیں آتی۔ حضرت ابوہریرہؓ کی جو روایت ② اوپر گذری ہے اس کی تشریح کے ضمن میں عمریٰ کی تین صورتیں بیان کی گئی تھیں۔ اس حدیث میں انہیں سے پہلی صورت کا بیان ہے۔ اس بارے میں جو

فقہی اختلاف ہے اس کی تفصیل وہاں ذکر کی جا چکی ہے۔

مسلک جمہور کے خلاف حضرت جابرؓ کی روایت اور اس کی تاویل

⑤ وَعَنْهُ قَالَ اِنَّمَا الْعُمْرٰى الَّتِیْ اَجَازَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّقُوْلَ هِیَ لَكَ وَلِعَقِبِكَ فَاَمَّا اِذَا قَالَ هِیَ لَكَ مَا عِشْتَ فَاِنَّهَا تَرْجِعُ اِلٰی صَاحِبِهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عمریٰ کی جس صورت کو جائز قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ مالک (یعنی دینے والا) یوں کہے کہ "یہ چیز (تمہاری زندگی تک) تمہاری ہے اور (تمہارے مرنے کے بعد) تمہارے ورثاء کی ہے! اور اگر صرف یوں کہے کہ "یہ عمریٰ تمہاری زندگی تک تمہارے لئے ہے" تو اس صورت میں (اس شخص کے مرنے کے بعد) وہ عمریٰ مالک (یعنی دینے والے) کی ملکیت میں واپس آجائے گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ حدیث بظاہر جمہور علماء کے مسلک کے خلاف ہے اور جمہور علماء کا مسلک حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کی تشریح میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا جمہور علماء اس حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے یعنی یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے بلکہ خود حضرت جابرؓ کا اپنا قول ہے جو ان کی اپنی رائے اور اپنے اجتہاد پر مبنی ہے۔ اس صورت میں اس قول کا جمہور علماء کے مسلک پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عمریٰ اور رقبیٰ سے آنحضرت ﷺ کی ممانعت اور اس کی وضاحت

⑥ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُرْقِبُوْا وَلَا تُعْمِرُوْا فَمَنْ اُرْقِبَ شَیْئًا اَوْ اُعْمِرَ فَهِیَ لِوَرَثَتِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "رقبیٰ کرو اور نہ عمریٰ کرو، کیونکہ جو چیز (یعنی مثلاً مکان یا زمین) بطور رقبیٰ یا بطور عمریٰ دی جاتی ہے وہ اس کے ورثاء کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: عمریٰ کی طرح "رقبیٰ" بھی ہبہ ہی کی ایک شاخ ہے۔ اس کی وضاحت بھی ابتداء باب کے حاشیہ میں کی جا چکی ہے۔ چنانچہ رقبیٰ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے یہ کہے کہ میں اپنا مکان تمہیں اس شرط کے ساتھ دیتا ہوں کہ اگر میں تم سے پہلے مر گیا تو یہ مکان تمہاری ملکیت میں رہے گا اور اگر تم مجھ سے پہلے مر گئے تو پھر یہ میری ملکیت میں آجائے گا۔ رقبیٰ مشتق ہے "ارقاب" سے جو مراقبہ کے معنی میں ہے گویا رقبیٰ میں ہر ایک دوسرے کی موت کا منتظر رہتا ہے۔

اس حدیث میں عمریٰ اور رقبیٰ سے منع کیا گیا ہے، اور اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ تم جو چیز بطور عمریٰ یا رقبیٰ کسی کو دیتے ہو وہ اس شخص کی ملکیت میں چلی جاتی ہے اور تمہاری ملکیت چونکہ کلیۃً ختم ہو جاتی ہے اس لئے اس شخص کے مرنے کے بعد وہ چیز اس کے ورثاء کی ملکیت میں منتقل ہو جاتی ہے، لہٰذا تم اپنے مال کو بطور عمریٰ یا رقبیٰ اپنی ملکیت سے نکال کر اپنا نقصان نہ کرو۔

اب رہی یہ بات کہ جب پہلے ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عمریٰ اور رقبیٰ جائز ہیں تو پھر اس ممانعت کا محمول کیا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ ممانعت اس وقت فرمائی گئی ہوگی جب یہ دونوں جائز نہیں تھے، اس صورت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ یا پھر اس ارشاد گرامی کی مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ عمریٰ اور رقبیٰ اگرچہ مصلحت کے خلاف ہیں لیکن جب یہ وقوع پذیر ہو جاتے ہیں (یعنی کسی کو کوئی چیز بطور عمریٰ یا رقبیٰ دے دی جاتی ہے) تو شرعی طور پر یہ صحیح ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز نہ صرف اس کی ملکیت میں آجاتی ہے کہ جس کو دی گئی ہے بلکہ اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کی ملکیت میں پہنچ جاتی ہے۔ اس صورت میں اس

حدیث کو منسوخ قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔

عمریٰ کے بارے میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ حنفیہ کے ہاں جائز ہے لیکن رقبیٰ کے بارے میں ملا علی قاریؒ یہ لکھتے ہیں کہ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تو جائز نہیں ہے لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق جائز ہے۔

حنفی علماء میں سے بعض شارحین حدیث نے اس حدیث کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ یہ نہی (ممانعت) ارشادی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنا مال کسی مدت متعینہ تک کے لئے ہبہ نہ کرو، کہ جب وہ مدت پوری ہو جائے تو اپنا مال واپس لے لو، کیونکہ جب تم اپنی کوئی چیز کسی کو دے دو تو وہ تمہاری ملکیت سے نکل گئی اب وہ تمہاری ملکیت میں نہیں آئے گی خواہ تم وہ چیز ہبہ کی صراحت کر کے دو یا عمریٰ و رقبیٰ کے طور پر دو۔

عمریٰ اور رقبیٰ جائز ہے

⑦ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمْرٰى جَائِزَةٌ لِاَهْلِهَا وَالرُّقْبٰى جَائِزَةٌ لِاَهْلِهَا (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "عمریٰ، عمریٰ والوں کے لئے جائز ہے (یعنی جس شخص کو کوئی چیز بطور عمریٰ دی گئی وہ اس کے لئے جائز ہے، اور رقبیٰ، رقبیٰ والوں کے لئے جائز ہے (یعنی جو چیز بطور رقبیٰ کسی کو دی گئی وہ اس کے لئے جائز ہے۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

جواز عمریٰ کی بظاہر مخالف ایک اور حدیث

⑧ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكُوْا اَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ لَا تُفْسِدُوْهَا فَاِنَّهُ مَنْ اَعْمَرَ عُمْرٰى فَهِيَ لِلَّذِيْ اُعْمِرَ حَيًّا وَمَيِّتًا وَلِعَقِبِهٖ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم اپنے مال اپنے پاس رکھو ان میں نقصان پیدا نہ کرو، کیونکہ جو شخص کسی کو اپنی کوئی چیز عمریٰ کے طور پر دیتا ہے تو وہ چیز (یعنی مکان یا زمین) کہ جو بطور عمریٰ دی گئی ہے زندگی و موت دونوں حالت میں اس شخص کی ملکیت رہتی ہے جسے وہ چیز بطور عمریٰ دی گئی ہے (بایں طور کہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے تو خود اس چیز کا مالک رہتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد) پھر اس کی اولاد مالک ہو جاتی ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر عمریٰ کے جواز میں اشکال پیدا ہو سکتا ہے لیکن دوسری فصل کی حدیث نمبر ۶ کی وضاحت اگر پیش نظر رہے تو یہ اشکال ختم ہو جائے گا کیونکہ اس حدیث کی تاویل بھی وہی ہے جو اس حدیث کی بیان کی گئی ہے۔

بَاب

گذشتہ باب کے متعلّقات کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

خوشبودار پھول کا تحفہ واپس نہ کرو

① عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عُرِضَ عَلَيْهِ رَيْحَانٌ فَلَا يَرُدُّهٗ فَاِنَّهٗ خَفِيْفُ

الْمَحْمَلِ طَيِّبُ الرِّيحِ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو خوشبودار پھول (تحفہ کے طور پر) دیا جائے تو وہ اسے واپس نہ کرے کیونکہ (اول تو) وہ سبکسار (یعنی بہت ہلکا احسان) ہے اور (دوسرے یہ کہ) وہ ایک اچھی خوشبو ہے۔" (مسلم)

تشریح: یہی حکم کہ اسے واپس نہ کیا جائے ہر اس تحفہ کا ہے جو بظاہر کم تر ہونے کی وجہ سے زیادہ احسان نہ رکھتا ہو مگر نفع و خوشگواری کے اعتبار سے بہت مفید اور نافع ہو، تاکہ جس شخص نے وہ تحفہ دیا ہے اس کی دل شکنی نہ ہو۔

(۲) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرُدُّ الطِّيبَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ خوشبو (کے تحفے) کو واپس نہیں کیا کرتے تھے۔" (بخاریؒ)

کسی کو کوئی چیز دے کر پھر واپس لے لینا ایک بری مثال ہے

(۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَائِدُ فِيْ هِبَتِهٖ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِيْ قَيْئِهٖ لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اپنے ہبہ کو واپس لینے والا (یعنی کسی کو کوئی چیز بطور ہدیہ و تحفہ دے کر پھر اسے واپس لے لینے والا) اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے چاٹتا ہے اور ہمارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم کسی بری مثال سے تشبیہ دیئے جائیں۔" (بخاریؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری ملت اور ہماری قوم جس عز و شرف کی حامل ہے اور اسے انسانیت کے جن اعلیٰ اصول اور شرافت و تہذیب کے جس بلند معیار سے نوازا گیا ہے اس کے پیش نظر ہماری ملت و قوم کے کسی بھی فرد کے لئے یہ بات قطعاً مناسب نہیں ہے کہ وہ کوئی بھی ایسا کام کرے جو اس کے ملی شرف اور اس کی قومی عظمت کے منافی ہو اور اس کی وجہ سے اس پر کوئی بری مثال چسپاں کی جائے۔

اس سے گویا آپ ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ کسی کو کوئی چیز بطور ہدیہ و تحفہ دے کر واپس لینا چونکہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کتا اپنی قے چاٹ لیتا ہے اس لئے کسی مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی کوئی چیز ہدیہ کرے اور پھر اسے واپس لے لے اور اس طرح اس پر یہ بری مثال چسپاں کی جانے لگے۔

یہ تو حدیث کی وضاحت اور اس سے پیدا ہونے والا ایک اخلاقی اور نفسیاتی پہلو تھا۔ لیکن اس کا فقہی اور شرعی پہلو یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق کسی کو کوئی چیز بطور ہبہ یا بطور صدقہ دینا اور پھر لینے والے کے قبضے میں اس چیز کے چلے جانے کے بعد اس کو واپس لے لینا جائز تو ہے مگر مکروہ ہے البتہ بعض صورتوں میں جائز نہیں ہے۔ جس کی تفصیل دوسری فصل کی پہلی حدیث کے ضمن میں ذکر کی جائے گی اور اس بارے میں ایک حدیث بھی منقول ہے۔

یہاں مذکورہ حدیث کے بارے میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ کراہت پر محمول ہے اور اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ کسی کو کوئی چیز دے کر واپس لے لینا بے مروتی اور غیر پسندیدہ بات ہے لیکن بقیہ تینوں آئمہ یعنی حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک چونکہ یہ حدیث حرمت پر محمول ہے اس لئے ان تینوں کا مسلک یہ ہے کہ ہدیہ اور صدقہ دے کر واپس لے لینا جائز نہیں ہے، البتہ حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کرے تو وہ اس سے واپس لے سکتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ کا قول بھی یہی ہے اور آگے آنے والی بعض احادیث بھی ان پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان احادیث کے جو معنی حنفیہ نے مراد لئے ہیں وہ بھی آگے مذکور ہوں گے۔

کوئی چیز دینے میں اولاد کے درمیان فرق وامتیاز نہ کرو

(۴) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ اَنَّ اَبَاهُ اَتٰى بِهٖ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ نَحَلْتُ ابْنِيْ هٰذَا غُلَامًا فَقَالَ اَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهٗ قَالَ لَا قَالَ فَارْجِعْهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ اَيَسُرُّكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا اِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً قَالَ بَلٰى قَالَ فَلَا اِذًا وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ اَعْطَانِيْ اَبِيْ عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا اَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ اَعْطَيْتُ ابْنِيْ مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَاَمَرَتْنِيْ اَنْ اُشْهِدَكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا؟ قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ لَا اُشْهِدُ عَلٰى جَوْرٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت نعمان ابن بشیرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ (ایک دن) ان کے والد (حضرت بشیر) انہیں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بیٹے (نعمانؓ) کو ایک غلام عطا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم نے اپنے سب بیٹوں کو اسی طرح ایک ایک غلام دیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ "نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "تو پھر (نعمان سے بھی) اس غلام کو واپس لے لو"۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے (نعمانؓ کے والد سے) فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے سب بیٹے تمہاری نظر میں نیکی کے اعتبار سے یکساں ہوں (یعنی کیا تم یہ چاہتے ہو ، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے سب بیٹے تمہاری نظر میں نیکی کے اعتبار سے یکساں ہوں (یعنی کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے سب بیٹے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں اور سب ہی تمہاری فرمانبرداری اور تمہاری تعظیم کریں؟ انہوں نے کہا کہ "ہاں!" آپ ﷺ نے عرض کیا کہ "اس صورت میں (جب کہ تم نے اپنے تمام بیٹوں سے اپنے تئیں یکساں اچھے سلوک کے خواہشمند ہو تو) صرف اپنے ایک بیٹے (نعمانؓ) کو غلام نہ دو۔ ایک اور روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ "حضرت نعمانؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میرے والد نے مجھے ایک چیز دی تو عمرہ بنت رواحہ (میری والدہ) نے (میرے والد حضرت بشیرؓ سے) کہا کہ میں اس پر اس وقت تک رضامند نہیں ہوں جب تک کہ تم اس (ہبہ) پر رسول کریم ﷺ کو گواہ نہ بنالو، چنانچہ حضرت بشیرؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "یارسول اللہ! میں نے اپنے بیٹے (نعمانؓ) کو جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے ایک چیز دی ہے اور عمرہ بنت رواحہ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اس ہبہ پر آپ ﷺ کو گواہ بنالوں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ "جس طرح تم نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے کیا اسی طرح اپنے سب بیٹوں کو بھی ایک ایک غلام دیا ہے؟" انہوں نے کہا کہ "نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو!" حضرت نعمانؓ کہتے ہیں کہ میرے والد (آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی سن کر) واپس آئے اور مجھے جو چیز دی تھی وہ واپس لے لی۔"

"ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ "آپ ﷺ نے (حضرت بشیرؓ کی یہ بات سن کر) فرمایا کہ "میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا"۔ (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کے درمیان فرق وامتیاز کرنا انتہائی نامناسب بات ہے، چنانچہ ارشاد گرامی کی روشنی میں یہ مستحب ہے کہ کوئی چیز اپنے کسی ایک بیٹے، بیٹی کو نہ دی جائے بلکہ وہ چیز برابری کے طور پر سب بیٹے بیٹیوں کو دی جائے۔

حضرت بشیرؓ کو آنحضرت ﷺ کا یہ حکم کہ "اس غلام کو واپس لے لو" اولویت پر محمول ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس غلام کو واپس لے لینا ہی اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی اولاد میں بعضوں کو کچھ دے تو اس کا ہبہ صحیح ہوگا مگر کراہت کے ساتھ۔

اس کے برعکس حضرت امام احمدؒ، ثوریؒ اور اسحٰقؒ وغیرہ کے نزدیک یہ حرام ہے، آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی لَا اُشْهِدُ عَلٰى جَوْرٍ

(میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا) ان حضرات کی دلیل ہے جب کہ اول الذکر یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ آپ ﷺ کے ان الفاظ مبارک سے استدلال کرتے ہیں جو ایک روایت میں منقول ہیں کہ فَاَشْهِدْ عَلٰى هٰذَا غَيْرِي یعنی آپ ﷺ نے بشیرؓ سے کہا کہ تم اس بارے میں میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنالو۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر یہ ہبہ (یعنی حضرت بشیرؓ کا اپنے ایک بیٹے کو غلام دینا) حرام یا باطل ہوتا تو آپ ﷺ یہ نہ فرماتے کہ کسی اور کو گواہ بنالو کیونکہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بشیرؓ کا یہ ہبہ بہرحال صحیح اور جائز تھا لیکن چونکہ غیر پسندیدہ اور مکروہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے خود گواہ بننا مناسب نہیں سمجھا اور یہ فرمادیا کہ کسی اور کو گواہ بنالو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

ہبہ واپس لے لینا مناسب نہیں ہے

⑤ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْجِعُ اَحَدٌ فِيْ هِبَتِهٖ اِلَّا الْوَالِدُ مِنْ وَلَدِهٖ۔

(رواہ النسائی وابن ماجۃ)

"حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کوئی شخص اپنا ہبہ واپس نہ لے (یعنی ہبہ واپس لے لینا مناسب نہیں ہے) ہاں باپ بیٹے سے (ہبہ واپس لے سکتا ہے۔" (نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: یہ حدیث امام شافعیؒ کی دلیل ہے کیونکہ ان کے ہاں ہبہ واپس لے لینا جائز نہیں ہے لیکن باپ اپنے بیٹے سے اپنا ہبہ واپس لے سکتا ہے۔

حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ "باپ اپنے بیٹے سے اپنا ہبہ واپس لے سکتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی باپ ضرورت وحاجت کے وقت اپنی اولاد کے مال وزر میں سے کچھ لے کر اپنے اوپر صرف کرسکتا ہے اسی طرح جو چیز اس نے اپنے بیٹے کو بطور ہبہ دی ہے بوقت ضرورت اس کو لے کر اپنے مصرف میں لاسکتا ہے۔

سات صورتوں میں ہبہ واپس لے لینا جائز نہیں ہے

یہ بات پہلے بتائی جاچکی ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں ہبہ واپس لے لینا جائز ہے لیکن مکروہ ہے، چنانچہ جن احادیث سے ہبہ واپس لے لینے کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے وہ ان کو کراہت پر محمول کرتے ہیں، ہاں ہبہ کی سات صورتیں ایسی ہیں جن میں امام اعظمؒ کے نزدیک بھی اپنا ہبہ واپس لے لینا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ فقہ کی بعض کتابوں میں سات حرفوں کے اس مجموعہ دمع خزقہ سے ان ساتوں صورتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے بایں طور کہ اس مجموعہ کا ہر حرف ایک صورت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی تفصیلی وضاحت یہ ہے کہ حرف دال سے مراد "زیادتی متصلہ" ہے۔ یعنی جس ہبہ میں کسی چیز کا اضافہ ہوگیا ہو یا اس میں کوئی چیز ملالی گئی ہو تو اس ہبہ کی واپسی درست نہیں۔

مثال کے طور پر اس صورت کو یوں سمجھئے کہ زید نے بکر کو زمین کا ایک ایسا قطعہ ہبہ کیا جس میں نہ کوئی عمارت تھی اور نہ درخت وغیرہ تھے اب بکر نے اس زمین میں کوئی عمارت بنالی یا اس میں کوئی درخت وغیرہ لگالئے تو اس صورت میں ہبہ کرنے والے یعنی زید کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنا ہبہ یعنی اس زمین کو واپس لے لے۔

حرف میم "واہب یا موہوب لہ کی موت" کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ فرض کیجئے حسن نے نعیم کو اپنی کوئی چیز ہبہ کردی اور پھر حسن مرگیا، تو اب حسن کے ورثاء کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ موہوب لہ یعنی نعیم سے اس چیز کی واپسی کا مطالبہ کریں جو حسن

نے اس کو ہبہ کی تھی یا اگر نعیم مرجائے تو واہب یعنی حسن کو یہ حق نہیں پہنچے گا کہ وہ نعیم کے ورثاء سے اس چیز کے بارے میں کسی قسم کا کوئی مطالبہ کرے جو اس نے نعیم کو ہبہ کردی تھی۔

حرف ع سے اشارہ ہے "ہبہ بالعوض" کی طرف یعنی اگر کوئی شخص کسی کو اپنی کوئی چیز کسی چیز کے عوض میں ہبہ کرے تو واہب کو اپنے اس ہبہ کو واپس لے لینے کا حق نہیں پہنچتا۔

حرف خ سے اشارہ ہے "خروج کی طرف یعنی اگر موہوب، موہوب لہ کی ملکیت سے نکل گئی بایں طور کہ اس نے وہ چیز یا تو کسی کے ہاتھ فروخت کردی یا کسی کو دے ڈالی تو اس صورت میں واہب، موہوب لہ سے اس چیز کا تقاضہ کرکے نہیں لے سکتا۔

حرف ز سے "زوجین" کی طرف اشارہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو یا بیوی اپنے خاوند کو کوئی چیز ہبہ کردے تو وہ ایک دوسرے سے اس چیز کو واپس نہیں لے سکتے۔

حرف ق سے قرابت (رشتہ داری) کی طرف اشارہ ہے اور قرابت بھی وہ جس میں محرمیت ہو۔ یعنی اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو یا کوئی بیٹا اپنے باپ کو، یا ماں کو، یا دادا کو، یا نانا کو، یا بھائی کو، یا بہن کو اور یا کسی بھی ایسے عزیز کو کہ جس سے محرمیت کی قرابت ہو، اپنی کوئی چیز ہبہ کردے تو اس ہبہ کو واپس لے لینا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

اور حرف ہ سے موہوب کے ہلاک وضائع ہوجانے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اگر موہوب (وہ چیز جو ہبہ کی گئی تھی) موہوب لہ کے پاس سے ہلاک یا ضائع ہوگئی تو واہب کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ موہوب لہ سے اس کی واپسی کا مطالبہ کرے۔

کسی کو کوئی چیز دے کر پھر واپس لے لینا مروت کے خلاف ہے

(۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا اِلَّا الْوَالِدِ فِيْمَا يُعْطِيْ وَلَدَهُ وَمَثَلُ الَّذِيْ يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا كَمَثَلِ الْكَلْبِ اَكَلَ حَتّٰى اِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِيْ قَيْئِهِ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ وصححہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "کسی شخص کے لئے یہ حلال نہیں ہے (یعنی از راہ مروت یہ بات مناسب نہیں ہے) کہ وہ کسی کو اپنی کوئی چیز دے اور پھر اس کو واپس لے لے، البتہ باپ اپنی اس چیز کو واپس لے سکتا ہے جو وہ اپنے بیٹے کو دے! اور جو شخص کسی کو کچھ دے کر پھر واپس لے لیتا ہے اس کی مثال اس کتے کی سی ہے جس نے (پیٹ بھر کر) کھایا اور جب اس کا پیٹ بھر گیا تو قے کر ڈالی اور پھر اس قے کو چاٹنے لگا۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائی، ابن ماجہؒ) امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

تحفہ کا بدلہ تحفہ

(۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ اَعْرَابِيًّا اَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرَةً فَعَوَّضَهُ مِنْهَا سِتَّ بَكَرَاتٍ فَتَسَخَّطَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ فُلَانًا اَهْدٰى اِلَيَّ نَاقَةً فَعَوَّضْتُهُ مِنْهَا سِتَّ بَكَرَاتٍ فَظَلَّ سَاخِطًا لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ لَا اَقْبَلَ هَدِيَّةً اِلَّا مِنْ قُرَشِيٍّ اَوْ اَنْصَارِيٍّ اَوْ ثَقَفِيٍّ اَوْ دَوْسِيٍّ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول کریم ﷺ کے لئے بطور ہدیہ ایک جوان اونٹنی لے کر آیا، چنانچہ آپ ﷺ نے بھی اس دیہاتی کو اس ایک اونٹنی کے بدلے میں چھ جوان اونٹنیاں عطا فرمائیں لیکن وہ دیہاتی پھر بھی خوش نہ ہوا۔ جب آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے پہلے خدا کی حمد وثنا بیان کی (جیسا کہ آپ ﷺ کا معمول تھا آپ ﷺ جب خطبہ دیتے یا کوئی بات شروع کرتے تو پہلے خدا کی حمد وثنا بیان فرماتے) بعد ازاں آپ ﷺ نے فرمایا کہ فلاں شخص بطور ہدیہ میرے لئے ایک اونٹنی لایا تھا، میں نے بھی اس کے

بدلے میں اس کو چھ اونٹنیاں دیں مگر وہ پھر بھی ناخوش رہا، چنانچہ میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اب میں قریشی، ثقفی اور دوسی کے علاوہ اور کسی کا کوئی ہدیہ قبول نہ کروں۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: اگر آپ کسی کو اپنی کوئی چیز بطور ہدیہ و تحفہ دیں تو اس کے عوض و بدلہ کی توقع رکھنا آپ کے خلوص کے منافی ہوگا لیکن اگر آپ کو کوئی شخص اپنی کوئی چیز بطور تحفہ و ہدیہ دے تو کسی بھی صورت میں آپ کی طرف سے اس کے بدلے کی ادائیگی آپ کی عالی ہمتی، بلند حوصلگی اور آپ کے احساس مروت و محبت کے عین مطابق ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو جب کوئی صحابی اپنی کوئی چیز بطور ہدیہ دیتے تھے تو اس کا بدلہ ملنے کی ہلکی سی خواہش بھی ان کے ذہن میں نہیں ہوتی تھی، کیونکہ ان کا ہدیہ سراپا خلوص اور ہمہ تن نیازمندی کا ایک اظہار محبت ہوتا تھا جو اپنے دامن میں کسی مادی خواہش کا ادنی سا شائبہ بھی نہیں آنے دیتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی شخص آپ ﷺ کی خدمت میں کوئی چیز بطور ہدیہ پیش کرتا تو آپ ﷺ کسی نہ کسی صورت میں اس کو اس کا بدلہ اس سے کہیں زیادہ کر کے عطا فرماتے تھے۔ اور آپ ﷺ کا یہ معمول صرف آپ ﷺ کے جذبہ سخاوت و فیاضی اور آپ ﷺ کی عالی ہمتی نیز باہمی ربط و تعلق کے ایک عظیم جذبہ کا مظہر ہوتا تھا۔

چنانچہ جب ایک دیہاتی آپ ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ ایک اونٹنی لے کر آیا تو آپ ﷺ نے حسب معمول اس کے ہدیہ سے کئی گنا زیادہ بدلہ یعنی چھ جوان اونٹنیاں اسے دیں، مگر اس پر بھی وہ خوش نہیں ہوا یہ بات یقیناً بڑی عجیب تھی۔ ایک تو اس وجہ سے کہ بظاہر وہ اپنے ہدیہ میں گویا مخلص نہیں تھا، اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں اونٹنی اس لئے لے کر آیا تھا کہ آپ ﷺ اسے بدلہ دیں اور بدلہ بھی ایسا جو اس کی خواہش کے مطابق ہو چنانچہ جب آپ ﷺ نے اسے چھ اونٹنیاں دیں تو وہ اس پر خوش نہیں ہوا اور اس طرح اس نے دنیاوی مال میں اپنے جذبہ حرص کا اظہار کیا، چنانچہ اس کی یہ بات آنحضرت ﷺ کو اتنی ناگوار ہوئی کہ آپ ﷺ کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ میں نے قریشی، انصاری، ثقفی اور دوسی کے علاوہ اور کسی کا ہدیہ قبول نہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

قریشی ان لوگوں کو کہتے ہیں جن کا تعلق قبیلہ قریش سے ہے اور "انصاری" سے مراد انصار مدینہ ہیں۔ ثقفی اور دوسی دو قبیلوں کے نام ہیں۔ آپ ﷺ نے ان قبیلوں کو بطور خاص اس لئے ذکر کیا اور ان کا استثناء کیا کہ یہ قبیلے عالی ہمتی، بلند حوصلگی اور سخاوت و فیاضی میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔

⑧ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِبِهِ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ فَإِنَّ مَنْ أَثْنٰى فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ تَحَلّٰى بِمَا لَمْ يُعْطَ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ۔ (رواه الترمذی و ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو کوئی چیز (بطور ہدیہ) دی جائے اور وہ اس کا بدلہ دینے پر قادر ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس کا بدلہ دے اور جو شخص بدلہ دینے پر قادر نہ ہو تو وہ ہدیہ دینے والے کی تعریف و توصیف کرے (اور اس کے دیئے ہوئے ہدیہ کا اظہار کرے) کیونکہ جس شخص نے اپنے محسن کی تعریف کی اس نے گویا اس کا شکر ادا کیا (یعنی فی الجملہ اس کا بدلہ اتارا) اور جس شخص نے کسی کا احسان چھپایا (یعنی نہ تو اس نے کچھ دے کر اور نہ تعریف کر کے اس کا بدلہ اتارا) تو اس نے کفران نعمت کیا اور (یاد رکھو) جو شخص اپنے آپ کو کسی ایسی چیز سے آراستہ کرے جو اسے نہیں دی گئی ہے تو اس کی مثال جھوٹ موٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی سی ہے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: محسن کی تعریف کرنے کو اس کا شکر ادا کرنے کا قائم مقام اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ تعریف دراصل شکر ہی کی ایک شاخ ہے۔ کیونکہ شکر کا مفہوم ہے "دل میں محبت رکھنا، زبان سے تعریف کرنا اور ہاتھ پاؤں سے خدمت کرنا۔"

حدیث کے آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے اندر کسی ایسے دینی یا دنیاوی کمال و صفت کا اظہار کرے جو درحقیقت اس میں نہیں ہے تو وہ جھوٹ موٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی مانند ہے۔ جھوٹ موٹ کے دو کپڑے پہننے والے سے مراد وہ شخص ہے جو علماء

اور صلحاء کا لباس پہن کر اپنے آپ کو عالم و صالح ظاہر کرے حالانکہ واقعہ کے اعتبار سے نہ وہ عالم ہو اور نہ صالح ہو۔

اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو کوئی ایسا پیراہن پہنے جس کی آستینوں کے نیچے مزید دو آستینیں لگائے تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ اس نے دو پیراہن پہن رکھے ہیں۔

اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ عرب میں ایک شخص تھا جو انتہائی نفیس قسم کے دو کپڑے پہنتا تھا تاکہ لوگ اسے عزت دار اور باحیثیت سمجھیں اور جب وہ کوئی جھوٹی گواہی دے تو اس کی اس ظاہری پوشاک کو دیکھ کر اسے جھوٹا نہ سمجھیں۔ آپ ﷺ نے اسی شخص کے ساتھ اس شخص کو تشبیہ دی جو اپنے آپ کو کسی ایسے کمال کا حامل ظاہر کرے جو اس کے اندر نام و نشان کو بھی موجود نہ ہو۔

محسن کے لئے دعاء اجر و خیر

(۹) وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صُنِعَ اِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهٖ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَدْ اَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت اسامہ ابن زید ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کے ساتھ کوئی احسان کیا جائے اور وہ احسان کرنے والے کے حق میں یہ دعا کرے جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا (یعنی اللہ تعالیٰ تجھے اس کا بہتر بدلہ دے) تو اس نے اپنے محسن کی کامل تعریف کی۔"

(ترمذیؒ)

تشریح: "کامل تعریف کی" یعنی اس نے اپنے محسن کے حق میں یہ دعائیہ الفاظ کہہ کر گویا اس کے تئیں ادائیگی شکر کا حق ادا کر دیا کیونکہ اس نے اپنے محسن کا بدلہ اتارنے اور اس کی تعریف کرنے میں اپنے قصور و کوتاہی کا اعتراف اور اپنے عاجز ہونے کا اقرار کر کے اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دیا کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں پورا پورا اجر عطا فرمائے اور ظاہر ہے کہ اللہ کے اجر سے بہتر اجر کون دے سکتا ہے۔

راہ استقامت کا سنگ میل

جلیل القدر بزرگ اور شیخ باکمال حضرت عبدالوہاب متقیؒ فرمایا کرتے تھے کہ صوفی کو چاہیئے کہ وہ مخلوق خدا کے دینے یا نہ دینے دونوں ہی صورتوں میں دائرہ استقامت سے نہ نکلے اور نہ راہ حق سے قدم کو بھٹکنے دے۔ اگر کوئی فاسق و نا اہل شخص اسے کچھ (بطور ہدیہ) دے تو وہ اس کی اتنی تعریف نہ کرے کہ اسے صالح اور ولی کی صف میں کھڑا کر دے بلکہ اس کے حق میں یہ دعائیہ الفاظ کہے کہ "اللہ تعالیٰ اسے جزاء خیر عطا کرے"۔ اور اگر اسے کسی صالح و متقی شخص سے کوئی رنج و تکلیف پہنچے تو محض اس کی وجہ سے اس کے صلاح و تقویٰ کی نفی نہ کرے اور اسے برا بھلا نہ کہے بلکہ اس کے حق میں یہ دعائیہ الفاظ کہے کہ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَلَنَا (یعنی اللہ تعالیٰ اسے اور ہمیں مغفرت و بخشش سے نوازے) اہل استقامت کا یہی طریقہ ہے اور یہی ان کی راہ عمل ہے۔

انسان کا شکر ادا نہ کرنے والا اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا

(۱۰) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ۔ (رواہ احمد والترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص لوگوں کا شاکر نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔"

(احمدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر کی ادائیگی کی تکمیل اس بات پر منحصر ہے کہ اس کی تابعداری کی جائے بایں طور کہ اس نے ان

انسانوں کا جو کہ اس تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے پہنچنے کا ظاہری واسطہ اور وسیلہ بنے ہیں، شکر ادا کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کی پیروی کی جائے لہٰذا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی تابعداری نہیں کی اور اس کے حکم کی پیروی نہیں کی بایں معنی کہ اس نے ان لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا جن کے واسطے سے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں اسے دی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا۔

یا پھر اس ارشاد گرامی کی مراد یہ ہے کہ جو شخص اپنے محسن کا شکر ادا نہیں کرتا اور اپنے ساتھ کئے گئے احسان اور اچھے سلوک کا اقرار نہیں کرتا وہ کفران نعمت کی اپنی اس عادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

شکرانِ نعمت کی اہمیت

(۱۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اَتَاهُ الْمُهَاجِرُوْنَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا رَأَيْنَا قَوْمًا اَبْذَلَ مِنْ كَثِيْرٍ وَلَا اَحْسَنَ مُوَاسَاةً مِنْ قَلِيْلٍ مِنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ اَظْهُرِهِمْ لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُؤْنَةَ وَاَشْرَكُوْنَا فِي الْمَهْنَا حَتّٰى لَقَدْ خِفْنَا اَنْ يَذْهَبُوْا بِالْاَجْرِ كُلِّهٖ فَقَالَ لَا مَادَعَوْتُمُ اللّٰهَ لَهُمْ وَاَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهٗ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ (مکہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ تشریف لے آئے تو (ایک دن) مہاجرین کی ایک جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ہم نے ایسی کوئی قوم نہیں دیکھی جو زیادہ مالداری میں بہت زیادہ خرچ کرنے اور کم مالداری میں بہت اچھی خدمت اور مدد کرنے کے وصف میں اس قوم سے بہتر ہو جس میں ہم آکر اترے ہیں، انہوں نے (یعنی انصار نے) ہمیں محنت سے سبکدوش کر دیا، اور تمام تر منفعت میں ہمیں شریک کر لیا ہے، اور اب (انکے اس جذبۂ سخاوت و ایثار کو دیکھتے ہوئے) ہمیں تو یہ اندیشہ ہے کہ تمام تر ثواب کہیں انہی کے حصہ میں نہ آجائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں (تمام تر ثواب انہی کے حصہ میں نہیں آئے گا) جب تک کہ تم ان کے لئے اللہ سے دعا کرتے رہو گے اور ان کی تعریف (یعنی شکرانہ نعت ادا) کرتے رہو گے۔" امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔"

تشریح: جب نبی کریم ﷺ نے مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں اقامت اختیار فرمائی اور آپ ﷺ کے ساتھ ہی مہاجرین کی ایک بہت بڑی تعداد بھی مدینہ میں اقامت گزیں ہوئی تو مدینہ کے رہنے والوں یعنی انصار نے ان کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اور ایثار و سخاوت نیز اخوت و محبت کی جو عظیم روایت قائم کی، بلا مبالغہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، انصار مدینہ نے مہاجرین مکہ کے لئے اپنے دیدۂ و دل ہی فرش راہ نہیں کئے بلکہ اپنے خون پسینہ کی گاڑھی کمائی بھی ان کے لئے وقف کر دی۔ انہوں نے اپنی زمین اپنے باغات اور اپنے مکانات آدھوں آدھ ان میں تقسیم کر دیئے، ان کی خدمت گذاری اور خاطر تواضع میں شرافت انسانی کی ساری بلندیوں کو پیچھے چھوڑ دیا، چنانچہ ان کے اسی طرز عمل اور ان کے بے پایاں احسانات نے مہاجرین کو اتنا متأثر کیا کہ وہ باقاعدہ بارگاہ رسالت میں اپنا یہ اندیشہ لے کر حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ! یہ انصار کہیں سارا ثواب ہی نہ لے بیٹھیں، کیونکہ ہم نے تو آج تک ان سے زیادہ ایثار پسند مخیر و سخی اور احسان کرنے والی کوئی قوم نہیں دیکھی ہے، انہوں نے مال و زر کی کمی بیشی سے بے نیاز ہو کر ہماری خاطر داری کی ہے، جس کے پاس زیادہ مال تھا اس نے ہم پر اتنا ہی زیادہ خرچ کیا جس کے پاس کم مال تھا اس نے اسی کے مطابق ہماری اعانت کی، گویا جس کی جتنی استطاعت تھی اس نے اسی حیثیت سے ہماری مہمانداری و غم خواری کی، یہاں تک کہ انہوں نے حصول معاش میں ہمیں محنت و مشقت سے بھی باز رکھا بایں طور کہ کھیتی باڑی کی محنت، باغات اور درختوں کی دیکھ بھال کی صعوبت اور مکانات بنانے کی مشقت انہوں نے خود اپنے ذمہ لی مگر منفعت و پیداوار میں ہمیں برابر کا شریک رکھا ہے کہ وہ اپنی زمین اور اپنے باغات میں اپنی محنت سے جو کچھ کرتے ہیں آدھا ہمیں تقسیم کر دیتے ہیں، چنانچہ اب تو ڈرنے لگے ہیں کہ یہ ہمارا سارا ثواب خود ہی حاصل نہ کریں اور یہ اندیشہ ہے کہ ہماری ہجرت اور ہماری عبادتوں کا اجر اللہ تعالیٰ کہیں ان کے اعانات کی بے پناہ زیادتی کی وجہ سے ان کے نامہ اعمال میں لکھ دے۔

لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں بتایا کہ ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بہت وسیع ہے، اس کے ہاں اجر کی کمی نہیں ہے، تمہیں تمہاری عبادت کا ثواب ملے گا اور انصار کو ان کی مدد گاری اور ان کے ایثار و سخاوت کا اجر دیا جائے گا، تاوقتیکہ تم ان کے لئے بھلائی کی دعا کرتے رہو، کیونکہ ان کے حق میں تمہاری یہی دعا ان کے احسان کا بدلہ ہو جائے گی اور تمہاری عبادتوں کا ثواب تمہیں ہی ملتا رہے گا۔

آپس میں بطور تحفہ لین دین عداوتوں کو دور کرتا ہے

(۱۲) وَعَنْ عَآئِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَاِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ الضَّغَائِنَ۔ (رواه الترمذی)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا" آپس میں تحفہ کا لین دین کیا کرو، کیونکہ تحفہ کا لینا دینا کینوں کو دور کرتا ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپس میں تحفہ کے لین دین سے باہمی بغض و عداوت کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں اور اس کے بجائے آپس کی الفت و محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں لفظ رواہ کے بعد جگہ خالی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ مؤلف مشکوٰۃ کو اس حدیث کے مآخذ کا علم نہیں ہو سکا تھا چنانچہ بعد میں کسی نے الترمذی بڑھا دیا۔

کمتر چیز کے تحفہ کا لینا دینا حقیر نہ سمجھو

(۱۳) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَاِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْشِقَّ فِرْسِنِ شَاةٍ۔ (رواه الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا" آپس میں تحفہ دیا لیا کرو کیونکہ تحفہ سینے کی کدورت کو دور کرتا ہے اور (یاد رکھو) کوئی ہمسایہ اپنے دوسرے ہمسایہ کے واسطے (کسی کمتر چیز کے) تحفہ کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ وہ بکری کے کھر کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔" (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کوئی اپنے ہمسایہ کو کسی کمتر اور تھوڑی سی چیز کے بطور تحفہ بھیجنے کو اس ہمسایہ کے حق میں حقیر نہ سمجھے بلکہ جو بھیجنا چاہے اسے بھیجدے خواہ وہ کتنی ہی کمتر اور تھوڑی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح جس ہمسایہ کو تحفہ بھیجا گیا ہو۔ اس کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنے ہمسایہ کے کسی تحفہ کو حقیر سمجھے بلکہ اس کے پاس جو بھی تحفہ آئے اسے رغبت و بشاشت کے ساتھ قبول کرلے اگرچہ وہ کتنی ہی تھوڑی اور کیسی ہی خراب چیز کیوں نہ ہو۔

(۱۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا تُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَالدُّهْنُ وَاللَّبَنُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ قِيْلَ اَرَادَ بِالدُّهْنِ الطِّيْبَ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" تین چیزیں ایسی ہیں جنہیں قبول کرنے سے انکار نہ کرنا چاہئے (۱) تکیہ (۲) تیل (۳) دودھ۔" امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ نیز کہا جاتا ہے کہ "تیل" سے آنحضرت ﷺ کی مراد خوشبو تھی۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مہمان کو تواضع کے طور پر تکیہ دے یا تیل دے اور یا پینے کے لئے دودھ دے تو اس مہمان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ "دھن" یعنی تیل سے مراد خوشبو

ہے جیسا کہ ترجمہ میں ذکر کیا گیا۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ "دہن" سے مراد تیل ہی ہے کیونکہ اس زمانہ میں بھی اہل عرب اپنے سروں میں عمومیت کے ساتھ تیل لگایا کرتے تھے۔

خوشبودار پھول کا تحفہ واپس نہ کرو

⑮ وَعَنْ اَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُعْطِيَ اَحَدُكُمُ الرَّيْحَانَ فَلَا يَرُدَّهُ فَاِنَّهُ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا۔

"اور حضرت ابو عثمان نہدیؒ (تابعی) کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کو خوشبودار پھول (بطور تحفہ و ہدیہ) دیا جائے تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار نہ کرے کیونکہ وہ پھول جنت سے آیا ہے" اس روایت کو امام ترمذیؒ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔"

تشریح: "وہ پھول جنت سے آیا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ خوشبودار پھول کی ایک فضیلت و خصوصیت یہ ہے کہ اس کی جڑ جنت سے آئی ہے، اس طرح اس میں سے جو خوشبو آتی ہے وہ گویا جنت کی خوشبو ہے، پھر یہ کہ پھول کا تحفہ بہت سبکسار یعنی بہت کم احسان رکھتا ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اس کی وضاحت بیان کی جا چکی ہے۔ لہٰذا جب کسی کو خوشبودار پھول دیا جائے تو اسے قبول کرنے سے انکار نہ کرنا چاہئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اولاد میں سے کسی ایک کے ساتھ ترجیحی سلوک مناسب نہیں ہے

⑯ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَتْ اِمْرَأَةُ بَشِيْرٍ اَنْحِلِ ابْنِيْ غُلَامَكَ وَاَشْهِدْلِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ ابْنَةَ فُلَانٍ سَاَلَتْنِيْ اَنْ اَنْحِلَ ابْنَهَا غُلَامِيْ وَقَالَتْ اَشْهِدْلِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَهٗ اِخْوَةٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَفَكُلَّهُمْ اَعْطَيْتَهُمْ مِثْلَ مَا اَعْطَيْتَهٗ قَالَ لَا قَالَ فَلَيْسَ يَصْلُحُ هٰذَا وَاِنِّيْ لَا اَشْهَدُ اِلَّا عَلٰى حَقٍّ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) حضرت بشیرؓ کی بیوی نے ان سے کہا کہ تم "میرے بیٹے (نعمان) کو اپنا غلام ہبہ کردو اور اس پر میرے اطمینان کے لئے رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنالو، چنانچہ بشیرؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ فلاں کی بیٹی (یعنی عمرہ بنت رواحہ) نے (جو میری بیوی ہے) مجھ سے یہ خواہش کی ہے کہ میں اس کے بیٹے (نعمان) کو اپنا غلام ہبہ کردوں، نیز اس نے یہ بھی کہا ہے کہ (اس بارہ میں) میرے اطمینان کے لئے رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنالوں! آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "کیا اس بیٹے کے اور بھائی بھی ہیں؟" انہوں نے کہا کہ "ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم نے ان سب کو اسی طرح (ایک ایک غلام) دیا ہے جس طرح اس بیٹے (نعمان) کو دیا ہے" انہوں نے کہا کہ "نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "یہ مناسب نہیں ہے اور میں صرف حق بات پر گواہ بنتا ہوں۔" (مسلم)

تشریح: "حق" سے مراد یا تو یہ ہے کہ میں صرف اسی معاملہ میں گواہ بنتا ہوں جو بلاشک و شبہ اور بلا کراہت خالص طور پر حق اور صحیح ہو، یا پھر یہ کہ آپ ﷺ نے عمومی طور پر یہ فرمایا کہ میں حق پر گواہ بنتا ہوں باطل پر گواہ نہیں بنتا۔ بہرکیف اس سلسلہ میں تفصیلی بحث پہلی فصل کی حدیث نمبر ۴ کے ضمن میں گذر چکی ہے۔

آنحضرت ﷺ نئے پھل کا ہدیہ کس طرح قبول کرتے تھے

⑰ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِیَ بِبَاکُوْرَۃِ الْفَاکِھَۃِ وَضَعَھَا عَلٰی عَیْنَیْہِ وَعَلٰی شَفَتَیْہِ وَقَالَ اللّٰھُمَّ کَمَا اَرَیْتَنَا اَوَّلَہٗ فَاَرِنَا اٰخِرَہٗ ثُمَّ یُعْطِیْھَا مَنْ یَکُوْنُ عِنْدَہٗ مِنَ الصِّبْیَانِ۔ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو جب کوئی نیا پھل پیش کیا جاتا تو (پہلے) اس پھل کو (قبول فرما کر) اپنی آنکھوں اور ہونٹوں پر رکھتے پھر یہ فرماتے "اے اللہ! جس طرح تو نے ہمیں اس پھل کی ابتداء دکھائی اسی طرح اس کی انتہا بھی دکھا۔" اس کے بعد آپ ﷺ وہ پھل کسی اس بچے کو دے دیتے جو آپ ﷺ کے پاس ہوتا۔" (بیہقی)

تشریح: تازہ پھل کو اپنی آنکھوں پر رکھنے سے آپ ﷺ کا مقصد اللہ تعالیٰ کی ایک تازہ نعمت کی تعظیم ہوتا تھا۔ "انتہا" کا تعلق اگر دنیا سے ہے تو پھر یہ دعا درازی عمر کے لئے ہوگی اور اگر اس کا تعلق عقبی سے ہے تو اس سے اس طرف اشارہ ہوگا کہ آخرت کے آگے دنیا کی کیا حقیقت ہے، بڑی نعمت تو آخرت کی نعمت ہے، اس طرح اس دعا کا مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ! جس طرح تو نے ہمیں اس دنیا کی نعمت عطا کی ہے اسی طرح آخرت کی نعمت بھی کہ حقیقی نعمت وہی ہے، عطا فرما۔

بَابُ اللُّقْطَۃِ

لقطہ کا بیان

لقطہ کے معنی اور اس کا مفہوم

"لقطہ" لام کے پیش اور قاف کے زبر کے ساتھ یعنی "لُقَطہ" بھی منقول ہے اور قاف کے جزم کے ساتھ یعنی "لقطہ" بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ محدثین کے ہاں قاف کے زبر کے ساتھ یعنی "لقطہ" مشہور ہے۔

"لقطہ" اس چیز کو کہتے ہیں جو کہیں (مثلاً راستہ وغیرہ میں) گری پڑی پائی جائے اور اس کے مالک کا کوئی علم نہ ہو۔ اس بارہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی گری پڑی چیز پائی جائے تو اسے (یعنی لقطہ کو) اٹھالینا مستحب ہے بشرطیکہ اپنے نفس پر یہ اعتماد ہو کہ اس چیز کی تشہیر کرا کر اسے اس کے مالک کے حوالہ کر دیا جائے گا، اگر اپنے نفس پر یہ اعتماد نہ ہو تو پھر اسے وہیں چھوڑ دینا ہی بہتر ہے، لیکن اگر یہ خوف ہو کہ اس چیز کو یوں ہی پڑا رہنے دیا گیا تو یہ ضائع ہو جائے گی تو اس صورت میں اسے اٹھالینا واجب ہوگا۔ اگر دیکھنے والا اسے نہ اٹھائے گا اور وہ چیز ضائع ہو جائے گی تو وہ گنہ گار ہوگا! یہ لقطہ کا اصولی حکم ہے، اب اس کے چند تفصیلی مسائل ملاحظہ کیجئے۔

لقطہ، اس شخص کے پاس بطور امانت رہتا ہے جس نے اسے اٹھایا ہے بشرطیکہ وہ اس پر کسی کو گواہ کر لے کہ میں اس چیز کو حفاظت سے رکھنے یا اس کے مالک کے پاس پہنچا دینے کے لئے اٹھاتا ہوں، اس صورت میں وہ لقطہ اٹھانے والے کے پاس سے ضائع ہو جائے تو اس پر تاوان واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر اٹھانے والے نے کسی کو اس پر گواہ بنایا اور وہ لقطہ اس کے پاس سے تلف ہو گیا تو اس پر تاوان واجب ہوگا بشرطیکہ لقطہ کا مالک یہ انکار کر دے کہ اس نے وہ چیز مجھے دینے کے لئے نہیں اٹھائی تھی۔

لقطہ جہاں سے اٹھایا جائے اس جگہ بھی اور ان مقامات پر بھی کہ جہاں لوگوں کا اجتماع رہتا ہے اس کی تشہیر کی جائے (یعنی اٹھانے والا کہتا پھرے) کہ یہ چیز کس کی ہے؟ اور یہ تشہیر اس وقت تک کی جانی چاہئے جب تک کہ اٹھانے والے کو یقین نہ ہو جائے کہ اب اتنے دنوں کے بعد اس کا مالک مطالبہ نہیں کرے گا، لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مدت تشہیر

ایک سال ہے یعنی ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ لقطہ کی ایک سال تک تشہیر کی جانی چاہئے اور جو چیز زیادہ دن تک نہ ٹھہر سکتی ہو اس کی تشہیر صرف اسی وقت تک کی جائے کہ اس کے خراب ہو جانے کا خوف نہ ہو۔

مدت تشہیر کے دوران اگر اس کا مالک آجائے تو اسے وہ چیز دے دی جائے ورنہ مدت تشہیر گزر جانے کے بعد اس چیز کو خیرات کر دیا جائے اب اگر خیرات کرنے کے بعد مالک آئے تو چاہے وہ اس خیرات کو برقرار رکھے اور اس کے ثواب کا حق دار ہو جائے اور چاہے اس اٹھانے والے سے تاوان لے یا اس شخص سے اپنی چیز واپس لے لے جس کو وہ بطور خیرات دی گئی ہے اور اگر وہ چیز اس کے پاس موجود نہ ہو تو اس سے تاوان لے لے جیسا کہ بطور لقطہ ملے ہوئے جانور کا حکم ہے۔

جانوروں میں بھی لقطہ ہونا جائز ہے یعنی اگر کسی کا کوئی گم شدہ جانور کسی شخص کو مل جائے تو اسے پکڑ لینا اور اس کی تشہیر کر کے اس کے مالک تک پہنچا دینا جائز ہے۔ اس بارہ میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر مدت تشہیر کے دوران اس جانور کے کھلانے پلانے پر کچھ خرچ ہوا ہے تو وہ احسان شمار ہوگا یعنی اس کا مطالبہ مالک سے نہیں کیا جائے گا بشرطیکہ وہ خرچ حاکم کی اجازت کے بغیر کیا گیا ہو۔ اور اگر جانور پکڑنے والے نے اس شرط کے ساتھ کہ اس جانور پر جو کچھ خرچ ہوگا جانور کے مالک سے لے لوں گا۔ حاکم کی اجازت سے اس جانور پر کچھ خرچ کیا تو اس کی ادائیگی مالک پر بطور قرض واجب ہوگی کہ جب وہ مالک اپنا جانور حاصل کرے تو اس کے جانور کو پکڑنے والے نے اس پر کچھ خرچ کیا ہے وہ سب ادا کر دے۔ اس صورت میں لقطہ رکھنے والے کو یہ حق حاصل ہوگا کہ جب تک مالک اسے سارے اخراجات ادا نہ کر دے وہ لقطہ کو اپنے پاس روکے رکھے۔

اس سلسلہ میں حاکم وقاضی کے لئے بھی یہ ہدایت ہے کہ بطور لقطہ ملنے والی چیز اگر ایسی ہے جس سے منفعت حاصل ہو سکتی ہو جیسے بھاگا ہوا غلام تو اس سے محنت و مزدوری کرائی جائے اور وہ جو کچھ کمائے اسی سے اس کے اخراجات پورے کئے جائیں اور اگر لقطہ کسی ایسی چیز کی صورت میں ہو جس سے کوئی منفعت حاصل نہیں ہو سکتی اور اس کو رکھنے میں کچھ خرچ کرنا پڑتا ہو جیسے جانور تو قاضی اس کے اخراجات پورے کرنے کی اجازت دے دے اور یہ طے کر دے کہ اس پر جو خرچ ہوگا۔ وہ مالک سے وصول کر لیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس میں مالک کے لئے بہتری ہو، اور اگر قاضی یہ دیکھے کہ اس صورت میں مالک کو بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا تو پھر اس چیز کو فروخت کرا دے اور اس کی قیمت کو رکھ چھوڑے تاکہ جب مالک آجائے تو اسے دے دی جائے۔

اگر کسی شخص کے پاس کوئی لقطہ ہو اور وہ اس کی علامات بتا کر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے تو وہ لقطہ اسے دے دینا جائز ہے اس صورت میں گواہوں کا ہونا ضروری نہیں ہوگا۔ ہاں اگر وہ علامات نہ بتا سکے تو پھر گواہوں کے بغیر وہ لقطہ اسے نہیں دینا چاہئے۔ اگر لقطہ پانے والا کوئی مفلس ہے تو مدت تشہیر ختم ہو جانے کے بعد وہ خود اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور اگر وہ خود مالدار ہے تو پھر اسے خیرات کر دے۔ اس بارہ میں اسے یہ اجازت ہوگی کہ اگر وہ چاہے تو اپنے اصول یعنی ماں باپ اور اپنے فروع یعنی بیٹا بیٹی اور بیوی کو بطور خیرات وہ لقطہ دے دے بشرطیکہ یہ لوگ مفلس و ضرورت مند ہوں۔

بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ لینا اس شخص کے لئے مستحب ہے جو اس کو پکڑنے کی طاقت رکھتا ہو، اسی طرح اس غلام کو بھی اپنے پاس رکھ لینا مستحب ہے جو راستہ بھول جانے کی وجہ سے بھٹک رہا ہو۔

اگر کسی کا کوئی غلام بھاگ جائے اور تین دن کی مسافت یا اس سے زیادہ دور سے کوئی شخص اسے پکڑ کر اس کے مالک کے پاس پہنچا دے تو وہ لانے والا اس بات کا مستحق ہوگا کہ غلام کے مالک سے اپنی مزدوری کے طور پر چالیس درہم وصول کرے گا اگرچہ وہ غلام چالیس درہم سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ لانے والے نے اس بات پر کسی کو گواہ بنا لیا ہو کہ میں اس غلام کو اس لئے پکڑتا ہوں تاکہ اسے اس کے مالک کے پاس پہنچا دوں۔ اور اگر کوئی شخص بھاگے ہوئے غلام کو اس کے مالک کے پاس تین دن کی مسافت سے کم دوری سے لایا ہو تو اسی حساب سے اجرت دی جائے گی۔ مثلاً ڈیڑھ دن کی مسافت کی دوری سے لایا ہے تو اسے بیس درہم دیئے جائیں گے، اور

اگر وہ غلام اس شخص سے بھی چھوٹ کر بھاگ گیا جو اسے پکڑ کر لایا تھا تو اس پر کوئی تاوان واجب نہیں ہو گا۔ بشرطیکہ اس نے کسی کو گواہ بنا لیا ہو اور اگر گواہ نہ بنایا ہو گا تو اس صورت میں نہ صرف یہ کہ اسے کوئی اجرت نہیں ملے گی۔ بلکہ اس پر تاوان بھی واجب ہو گا۔

بے وارث بچے کو اٹھانے کا مسئلہ

لقیط (یعنی بے وارث بچہ) اگر کہیں پڑا ہوا ملے تو اسے اٹھا لینا مستحب ہے اور اگر اس کے ہلاک ہو جانے کا خوف ہو تو پھر اسے اٹھانا واجب ہو گا۔ ایسا بچہ جب تک مملوک (غلام) ہونا ثابت نہ ہو حر یعنی آزاد ہے، لقیط کا نفقہ اور اس کا خون بہا بیت المال کے ذمہ ہو گا، اسی طرح اس کی میراث بھی بیت المال کی تحویل میں رہے گی۔ جس شخص نے لقیط کو اٹھا لیا ہے، اس سے کسی اور کو لینے کا اختیار نہیں ہو گا۔ اگر کسی شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا بچہ ہے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہو گا اور اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا۔ اور اگر دو آدمی ایک ساتھ اس کا دعویٰ کریں تو اس کو لینے کا زیادہ حقدار وہ شخص ہو گا جو اس بچہ کے بدن میں کوئی علامت بتائے اور دیکھنے پر وہ علامت موجود پائی جائے مثلاً وہ یہ بتائے کہ اس کی پیٹھ پر مسہ ہے اور پھر جب دیکھا جائے تو اس کی پیٹھ پر مسہ موجود ہو۔ اگر کوئی غلام یہ دعویٰ کرے کہ یہ لقیط میرا لڑکا ہے تو اس کا دعویٰ صحیح تسلیم کیا جائے گا، لیکن وہ بچہ مسلمان رہے گا۔ بشرطیکہ وہ مسلمانوں کی آبادی یا مسلمانوں کے محلّہ میں ملا ہو۔ اور اگر وہ ذمیوں کی بستی میں یا ان کے محلّہ یا ان کے گرجا و مندر میں ملا ہو گا تو اس صورت میں وہ ذمی رہے گا۔ اگر لقیط کے ساتھ بندھا ہوا کچھ مال یا اس کے جسم پر کوئی زیور وغیرہ ملے تو اسے قاضی کے حکم کے بعد لقیط ہی پر خرچ کیا جائے اگرچہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ قاضی کے حکم و اجازت کے بغیر بھی اس کے مال کو اس پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ زیادہ صحیح قول کے مطابق اٹھانے والے کے لئے یہ تو جائز ہے کہ وہ اس لقیط کو کوئی پیشہ سیکھنے کے لئے کسی پیشہ ور کے سپرد کر دے مگر اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس کا نکاح کر دے یا اس کے مال میں تصرف کرے اور یا اس سے محنت و مزدوری کرائے۔

لقطہ کے کچھ متفرق مسائل

مسئلہ: فرض کیجئے ایک شخص نے کسی جگہ اپنے جوتے اتار کر رکھے، ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے بھی اپنے جوتے اتار کر وہیں رکھ دیئے۔ اب پہلا شخص جب وہاں سے چلا تو اپنے جوتے پہننے کی بجائے اس دوسرے شخص کے جوتے پہن لئے اور چلا گیا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں وہ دوسرا شخص کیا کرے: کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ پہلے شخص کے جوتے لے لے؟ اس بارہ میں مختار مسئلہ یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے بشرطیکہ اس پہلے شخص کے جوتے کی مانند ہوں یا اس کے جوتے سے بہتر ہوں، ہاں اگر وہ جوتے اس کے جوتے سے خراب ہوں، تو پھر ان کو استعمال کرنا بلاشبہ جائز ہو گا۔

مسئلہ: جو شخص کسی دوسرے کی گری پڑی چیز پاتا ہے اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ چیز اتنی کمتر ہوتی ہے جس کے بارہ میں پانے والا یہ جانتا ہے کہ اس کا مالک اس کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ جیسے ادھر ادھر پڑی ہوئی گٹھلیاں وغیرہ یا متفرق جگہوں پر پڑے ہوئے انار کے چھلکے وغیرہ، ایسی چیز کے بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اٹھانے والا اس کو اپنے استعمال میں لا سکتا ہے باوجودیکہ وہ اس کی ملکیت میں نہیں آتی اور اس کے مالک کو لینے کا حق پہنچتا ہے لیکن شیخ الاسلامؒ کا قول یہ ہے کہ ایسی چیز لینے والے کی ملکیت میں آجاتی ہے۔ گری پڑی ملنے والی چیز کی دوسری قسم ایسا مال ہے جس کے بارہ میں پانے والا جانتا ہے کہ اس کا مالک اس کا مطالبہ کرے گا۔ جیسے سونا چاندی وغیرہ اور دیگر تمام اشیاء ایسی چیز کے بارہ میں یہ حکم ہے اگر اس قسم کی کوئی چیز گری پڑی نظر آئے تو اسے اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا جائے اور اس کی تشہیر کرائی جائے یہاں تک کہ وہ چیز اس کے مالک کے پاس پہنچا دی جائے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص ایک روٹی یا ایک روٹی کے بقدر کھانے کی کوئی چیز اور یا اس سے کم پائے تو اسے فراخی کی حالت میں بھی کھا لینا جائز

ہے۔

مسئلہ: اگر کسی چکی میں گیہوں پسوایا جائے اور اس کے آٹے میں وہ آٹا مل جائے جو عام طور پر چکی میں باقی رہ جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی جھاڑو میں سے کوئی تنکا دانتوں میں خلال کرنے کے لئے لیا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مسئلہ: سرائے میں مسافروں کے جو جانور لید روغیرہ کرتے ہیں وہ ان جانوروں کے مالک کے چلے جانے کے بعد اس شخص کی ملکیت ہو جاتے ہیں جو انہیں پہلے اٹھائے، سرائے کے مالک یا منتظم کی ملکیت میں نہیں آتے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

کوئی شخص گری پڑی چیز پائے تو وہ کیا ہے؟

① عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَاِلَّا فَشَأْنُكَ بِهَا قَالَ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ قَالَ هِيَ لَكَ اَوْ لِاَخِيْكَ اَوْ لِلذِّئْبِ قَالَ فَضَالَّةُ الْاِبِلِ قَالَ مَالَكَ وَلَهَا مَعَهَا سِقَاءُهَا وَحِذَاءُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَاْكُلُ الشَّجَرَ حَتّٰى يَلْقَاهَا رَبُّهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ وِكَاءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا فَاِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَاَدِّهَا اِلَيْهِ۔

"حضرت زید ابن خالدؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا (کہ اگر کوئی گری پڑی چیز پائی جائے تو کیا کیا جائے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "پہلے تو اس کا ظرف پہچان لو (یعنی اگر وہ چیز کسی کپڑے یا چمڑے کے تھیلے وغیرہ میں ہے تو اسے شناخت میں رکھو) اور اس کا سربند بھی پہچانے رہو پھر ایک سال تک اس کی تشہیر کرو (ایک سال کی مدت میں) اگر اس کا مالک آجائے تو وہ چیز اس کے حوالہ کر دو اور اگر وہ نہ آئے تو پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ۔ پھر اس شخص نے گمشدہ بکری کے بارہ میں پوچھا (کہ اگر کسی کی گم شدہ بکری کوئی شخص پکڑ لائے تو اس کا کیا کرے) آپ ﷺ نے فرمایا "وہ تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی ہے اور یا بھیڑیئے کی ہے" اس کے بعد اس شخص نے پوچھا کہ "گمشدہ اونٹ کے بارے میں کیا حکم ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "تمہیں اس سے کیا مطلب ہے (یعنی اسے نہ پکڑو کیونکہ وہ ضائع ہو جانے والی چیز نہیں ہے اس لئے اس کو پکڑ کر لانے کی ضرورت نہیں) اس کی مشک اور اس کے موزے اس کے ساتھ ہیں کہ وہ جب تک اپنے مالک کے پاس نہ پہنچے پانی تک جا سکتا ہے اور درخت کے پتے کھا سکتا ہے"۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ "(جب اس شخص نے لقطہ کے بارہ میں پوچھا تو) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سال تک اس کی تشہیر کرو اور اس کا سربند اور ظرف (تھیلا وغیرہ پہچانے رکھو (اس مدت تشہیر میں اگر اس کا مالک نہ آئے تو) پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ اور اگر اس کے بعد اس کا مالک آجائے تو اس کی وہ چیز (بشرطیکہ تمہارے پاس جوں کی توں موجود ہو) دے دو (ورنہ اس کی قیمت ادا کر دو۔"

تشریح: ابن مالکؒ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس چیز کا ظرف اور سربند پہچان لینے کا حکم اس لئے دیا تاکہ جو شخص اس چیز کی ملکیت کا دعویٰ کرے اس پہچان کی وجہ سے اس کا سچا یا جھوٹا ہونا معلوم ہو جائے۔ لیکن اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص لقطہ اٹھانے والے کے پاس آئے اور اپنا ظرف اور اس کا سربند پہچان کر اس لقطہ کے مالک ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ لقطہ اسے دے دینا واجب ہے یا نہیں؟ چنانچہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ تو یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں وہ لقطہ اسے کسی گواہی کے بغیر ہی دے دینا واجب ہے کیونکہ ظرف اور اس کے سربند کی پہچان رکھنے کا یہی مقصد ہے لیکن امام شافعیؒ اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص لقطہ کا ظرف اور اس کا سربند پہچان لے اور اس لقطہ کا وزن یا عدد بتا دے، نیز لقطہ اٹھانے والے کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ یہ شخص سچا

ہے تب وہ لقطہ اس شخص کو دے دینا جائز تو ہے لیکن وہ شخص گواہوں کے بغیر لقطہ اٹھانے والے کو دینے پر مجبور نہیں کر سکتا، اس صورت میں کہا جائے گا کہ "ظرف اور سربند کی پہچان رکھنے" کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کی وجہ سے وہ لقطہ اٹھانے والے کے مال میں اس طرح خلط ملط نہیں ہو جائے گا کہ جب لقطہ کا مالک آئے تو وہ اپنے مال و اسباب اور اس لقطہ کے درمیان امتیاز نہ کر سکے۔

ثُمَّ عَرِّفْهَا (پھر اس کی تشہیر کرو) کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ وہ لقطہ پایا گیا ہے نہ صرف وہاں بلکہ بازاروں میں، مسجدوں میں اور ان تمام مقامات پر کہ جہاں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہو، اس لقطہ کی بابت لوگوں میں یہ اعلان کرو اور کراؤ کہ جس شخص کی کوئی چیز گم ہو گئی ہو وہ فلاں کے پاس پہنچ کر اس چیز کی تفصیل و علامات بیان کر کے لے جائے۔ مدت تشہیر کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ تو حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے لئے ایک سال کی مدت متعین ہے یعنی لقطہ کی ایک سال تک تشہیر کرانی چاہئے، لیکن صحیح تر روایت کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ کا قول یہ ہے کہ مدت متعین کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ حدیث میں "ایک سال" کا ذکر باعتبار غالب کے بر سبیل اتفاق ہے۔ لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ایک سال کی مدت اگر اتفاقی طور پر ذکر کی گئی ہے۔ اور متعین طور پر مذکور نہیں ہے۔ تو پھر تشہیر کی کیا مدت متعین کی جائے؟ اس کی وضاحت ہدایہ نے امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت کے مطابق یوں کی ہے کہ اگر لقطہ دس درہم سے کم قیمت کا ہو تو اس کی تشہیر چند دن تک کرنا کافی ہے، اگر دس درہم کی مالیت کا ہو تو ایک مہینہ تک تشہیر کی جائے اور وہ سو درہم کی مالیت کا ہو پھر ایک سال تک کی تشہیر کی جائے۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مالیت کی مذکورہ بالا مقدار کی جو مختلف مدتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے لازم کوئی بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ لقطہ اٹھانے والے کی رائے پر موقوف ہے کہ وہ لقطہ کی اس وقت کی تشہیر کرے جب تک کہ اسے یہ غالب گمان نہ ہو جائے کہ اب کوئی نہیں آئے گا اور اس مدت کے بعد اس لقطہ کو طلب نہیں کرے گا۔ ان علماء کی دلیل مسلم کی وہ روایت ہے جس میں لفظ سَنَةً (ایک سال) کی قید کے بغیر صرف عَرِّفْهَا (اس کی تشہیر کی جائے) منقول ہے۔

لقطہ اگر کسی چیز کی صورت میں ہو جو زیادہ دنوں تک نہ ٹھہر سکتی ہو۔ اور موسمی حالات کے تغیر و تبدل سے متاثر ہوتی ہو جیسے کھانے کی کوئی چیز یا پھل وغیرہ تو اس کے بارہ میں یہ حکم ہے کہ اس کی تشہیر اسی وقت تک کی جائے جب تک کہ وہ خراب نہ ہو۔ اور اگر لقطہ کوئی بہت ہی حقیر و کمتر چیز ہو جیسے گٹھلی اور انار کا چھلکا وغیرہ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی تشہیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اسے بغیر تشہیر و اعلان استعمال کر لینے کی اجازت ہے مگر اس کے مالک کو یہ حق حاصل ہوگا۔ کہ اگر وہ چاہے تو اپنی اس چیز کا مطالبہ کرے۔

فان جاء صاحبها والا فشانک بها کا مطلب یہ ہے کہ لقطہ کی تشہیر کے بعد اگر اس کا مالک آجائے تو اسے وہ لقطہ دے دیا جائے اگر اس مالک کے ساتھ گواہ بھی ہوں جو اس کے دعوی کی ملکیت کی گواہی دیں تو لقطہ اٹھانے والے پر یہ واجب ہوگا کہ وہ اسے لقطہ دے دے اور اگر گواہ نہ ہوں گے تو پھر دے دینا واجب نہیں جائز ہوگا جیسا کہ اوپر اسی کی وضاحت کی گئی۔ اور اگر مدت تشہیر گزر جانے کے بعد اس لقطہ کا مالک نہ آئے تو پھر لقطہ اٹھانے والا اس لقطہ کو اپنے استعمال میں لے آئے۔ اس سے گویا یہ معلوم ہوا کہ لقطہ اٹھانے والا اصل مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس لقطہ کا خود مالک بن جاتا ہے خواہ وہ مالدار ہو یا مفلس ہو، چنانچہ اکثر صحابہؓ اور حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے لیکن بعض صحابہؓ کا قول یہ ہے کہ اگر لقطہ اٹھانے والا خود مالدار ہو تو وہ اس لقطہ کا مالک نہیں بنتا بلکہ اسے چاہئے کہ وہ اس لقطہ کو فقراء و مساکین کو بطور صدقہ دے دے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سفیان ثوریؒ ابن المبارکؒ اور حنفیہ کا یہی قول ہے نیز اس بارہ میں یہ بھی حکم ہے کہ اگر صدقہ کر دینے کے بعد مالک آئے تو اسے یہ اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ اس صدقہ کو برقرار رکھے اور اس کے ثواب کا حصہ دار بن جائے اور چاہے لقطہ اٹھانے والے یا اس مفلس سے کہ جس کو وہ لقطہ بطور صدقہ دے دیا گیا تھا تاوان لے لے بشرطیکہ وہ چیز ہلاک و ضائع ہو گئی ہو۔ لیکن ان دونوں میں سے جو بھی تاوان دے گا وہ دوسرے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا یعنی اگر

لقطہ اٹھانے والے نے تاوان دیا تو اسے مفلس سے کوئی مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہوگا اور اگر مفلس سے تاوان لیا تو وہ لقطہ اٹھانے والے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر وہ لقطہ ہلاک وضائع نہ ہوا ہو بلکہ جوں کا توں موجود ہو تو وہی لے لے، گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ مالک کو تاوان لینے کا حق اسی صورت میں پہنچے گا۔ جب کہ وہ لقطہ ہلاک وضائع ہو گیا ہو۔ اور اگر وہ ہلاک وضائع نہ ہوا ہو تو پھر وہی لینا ہوگا۔ شرح وقایہ کے بعض حاشیوں میں نہایہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ تشہیر کے بعد لقطہ کو صدقہ کر دینا جائز ہے لیکن اسے رکھ چھوڑنا عزیمت ہے۔ ھی لک (وہ تمہاری ہے) کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بکری بطور لقطہ تم نے پکڑی اور پھر تم نے اس کی تشہیر کی جس کے نتیجہ میں اس کا مالک آگیا تو وہ تم سے لے لے گا، لیکن اگر تشہیر کے بعد مالک نہ آیا تو پھر وہ بکری تمہاری ہو جائے گی تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو اسی طرح او لاخیک۔ الاخ (یا تمہارے بھائی کی ہے الخ) کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری پکڑی لی اور اس کا مالک آگیا تو وہ اسے لے لے گا۔ اور اگر تم نے نہ پکڑی اور مالک کے ہاتھ لگ گئی تب بھی وہ لے لے گا، یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری نہ پکڑی تو تمہارے بجائے کوئی اور تمہارا مسلمان بھائی اسے پکڑ لے گا اور اگر ان میں سے کوئی بھی صورت نہ ہوئی تو پھر بھیڑیا اس بکری کو پکڑ لے گا، گویا اس ارشاد کا مقصد اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ اگر کوئی بکری بطور لقطہ ملے تو اسے پکڑ لینا اور مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے تاکہ وہ بکری یوں ہی ضائع نہ ہو اور بھیڑیا وغیرہ اسے نہ کھا لے۔ یہی حکم ہر اس جانور کے بارہ میں ہے جو اپنے نگہبان (یعنی چرانے والے) کی عدم موجودگی میں بھیڑیئے کی گرفت میں جانے سے محفوظ نہ رہ سکتا ہو۔

"اونٹ کی مشک" سے مراد اس کا پیٹ ہے یعنی اونٹ کا پیٹ مشک کی طرح ہوتا ہے جس میں اتنی رطوبت رہتی ہے جو اس کو بہت دنوں تک بغیر پانی کے رکھ سکتی ہے چنانچہ اونٹ کئی روز تک پیاس کو برداشت کر لیتا ہے جب کہ دوسرے جانوروں میں یہ چیز نہیں ہوتی۔ اس بارہ میں مشہور ہے کہ اونٹ پندرہ روز تک اپنی پیاس برداشت کر لیتا ہے۔

"اونٹ کے موزے" سے مراد اس کے مضبوط و قوی تلوے ہیں کہ وہ راہ چلنے اور پانی گھاس تک پہنچنے اور درندوں سے اپنے آپ کو بچانے کی خوب طاقت رکھتا ہے۔ گویا اس ارشاد گرامی میں مشک اور موزے کے ذریعہ اونٹ کو اس مسافر سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے ساتھ سامان سفر رکھتا ہے جس کی موجودگی میں اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس معاملہ میں ہر وہ جانور اونٹ کے حکم میں ہے جو اپنے نگہبان (یعنی چرانے والے) کی عدم موجودگی میں (بھیڑیئے وغیرہ کے چنگل میں پھنس کر) ضائع وہلاک نہیں ہوتا جیسے گھوڑا، گائے اور گدھا وغیرہ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ نے اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ جنگل میں اونٹ اور گائے وغیرہ بطور لقطہ نہیں پکڑے جا سکتے کیونکہ وہاں ان کے ضائع ہو جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا البتہ دیہات اور شہروں میں اگر یہ جانور ملیں تو انہیں بطور لقطہ پکڑنا جائز ہے۔ حنفیہ کے ہاں تمام جانوروں کا التقاط اور تعریف (یعنی انہیں بطور لقطہ پکڑنا اور اس کی تشہیر کرنا) لوگوں کے مال کی حفاظت کے پیش نظر ہر جگہ مستحب ہے خواہ جنگل ہو یا آبادی۔ حضرت زید کی اس روایت کے بارہ میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں مذکورہ حکم کہ اونٹ کو پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس زمانہ میں تھا جب کہ امانتدار اور خیر و بھلائی کے حامل لوگوں ہی کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے اگر کسی کا جانور کوئی نہ پکڑتا تھا تو کسی خائن کا ہاتھ ان تک نہیں پہنچتا تھا لیکن اب اس زمانہ میں یہ بات مفقود ہے اور امانت و دیانت کے حامل لوگ بہت ہی کم ہیں اس لئے مخلوق خدا کے مال کی حفاظت کا تقاضا یہی ہے کہ جو جانور جہاں مل جائے اسے بطور لقطہ پکڑ لایا جائے اور اس کے مالک تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

لقطہ کو بغیر تشہیر اپنے پاس رکھنا خیانت ہے

(۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰوٰى ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ مَالَمْ يُعَرِّفْهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص (کسی کی) کوئی گم شدہ چیز اٹھا کر رکھ لے تو وہ گمراہ ہے جب تک کہ وہ اس کی

تشہیر نہ کرے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی کی کوئی گم شدہ چیز بطور لقطہ اپنے پاس رکھے تو اسے چاہئے کہ وہ اس چیز کی تشہیر و اعلان کرتا رہے بغیر تشہیر اپنے پاس نہ رکھ چھوڑے کیونکہ یہ خیانت اور گمراہی ہے۔

حنفیہ کے ہاں زمین حل اور زمین حرم کا لقطہ برابر ہے

(۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ لُقْطَةِ الْحَاجِّ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبدالرحمن ابن عثمان تیمیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حاجیوں کی گری پڑی چیز اٹھانے سے منع کیا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: گویا حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حرم مکہ کی حدود میں پائے جانے والے لقطہ کا تشہیر و اعلان کے بعد بھی مالک ہونا جائز نہیں ہے بلکہ اٹھانے والے کے لئے واجب ہے کہ وہ اسے اپنے پاس اس وقت تک جوں کا توں رہنے دے جب تک کہ اس کا مالک لینے نہ آئے خواہ کتنی ہی مدت گزر جائے چنانچہ امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے لیکن حنفیہ کے مسلک میں زمین حل اور زمین حرم کا لقطہ برابر ہے چنانچہ اس کا بیان "باب حرم مکہ" میں گزر چکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

ویران و غیر آباد زمین کے لقطہ اور برآمد ہونے والے دفینہ کا حکم

(۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ فَقَالَ مَنْ اَصَابَ مِنْهُ مِنْ ذِيْ حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَالْعُقُوْبَةُ وَمَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ اَنْ يُّؤْوِيَهُ الْجَرِيْنُ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ وَذَكَرَ فِيْ ضَالَّةِ الْاِبِلِ وَالْغَنَمِ كَمَا ذَكَرَ غَيْرُهُ قَالَ وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ مَا كَانَ مِنْهَا فِي الطَّرِيْقِ الْمِيْتَاءِ وَالْقَرْيَةِ الْجَامِعَةِ فَعَرِّفْهَا سَنَةً فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَادْفَعْهَا اِلَيْهِ وَاِنْ لَّمْ يَاْتِ فَهُوَ لَكَ وَمَا كَانَ فِي الْخَرَابِ الْعَادِيِّ فَفِيْهِ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَرَوَى اَبُوْدَاوُدَ عَنْهُ مِنْ قَوْلِهٖ وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

"حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیبؒ) سے اور شعیب اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہ ابن عمروؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے (درختوں پر) لٹکے ہوئے پھلوں کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی ضرورت مند کچھ پھل (توڑ کر) کھالے مگر اپنی جھولی میں بھر کر نہ لے جائے تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور جو شخص کھائے بھی اور جھولی بھر کر لے بھی جائے تو اس پر دوگنا تاوان ہے اور سزا ہے اور جو شخص ان پھلوں میں سے کچھ چرائے جو کھلیان میں رکھے جا چکے ہوں اور وہ چرائی ہوئی مقدار ایک سپر (ڈھال) کی قیمت کے بقدر ہو تو اس کے لئے ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے۔ راوی نے گمشدہ اونٹ اور بکری کے بارہ میں اس سوال و جواب کا ذکر کیا جو دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے (اور جو پہلے گزر چکا ہے) اس کے بعد راوی کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ سے لقطہ کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جو لقطہ کسی ایسے راستہ پر پایا جائے جس پر آمد و رفت رہتی ہو اور گاؤں و آبادی کے قریب ہو تو اس کے بارہ میں ایک سال تک تشہیر و اعلان کرو اور پھر جب مالک آجائے تو وہ لقطہ اس کے سپرد کر دو اور اگر مالک نہ آئے تو وہ لقطہ تمہارا ہے (کہ تم اسے اپنے کام میں لا سکتے ہو) اور وہ لقطہ جو ویرانہ قدیم میں پایا جائے اس کا اور زمین سے برآمد ہونے والے دفینے کا یہ حکم ہے کہ اس کا پانچواں حصہ خدا کی راہ میں دے دیا جائے (نسائی) اور ابوداؤد نے اس روایت کو عمرو ابن شعیبؒ سے وسئل عن اللقطہ تک نقل کیا ہے۔"

تشریح: ضرورت مند سے مراد یا تو مطلقاً فقیر و مفلس ہے کہ اگرچہ وہ حالت اضطرار میں نہ ہو اور یا اس سے مضطر یعنی وہ شخص مراد ہے جو بھوک کی وجہ سے مرا جارہا ہو۔ گویا اس کا حاصل یہ ہے کہ ضرورت مند درخت سے بقدر ضرورت پھل توڑ کر کھالے مگر اپنی جھولی میں بھر کر نہ لے جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ ابن مالک کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص گنہ گار تو نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر تاوان یعنی اتنے پھل کی قیمت دینا واجب ہوتا ہے، یا پھر یہ کہ اس حکم کا تعلق اسلام کے ابتدائی زمانہ سے تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ "اور اس پر دوگنا تاوان ہے۔" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص پھل توڑ کر کھائے بھی اور اپنی جھولی میں بھر کر لے بھی جائے تو اس سے اس پھل کی دوگنی قیمت وصول کی جائے گی لیکن ابن مالک فرماتے ہیں کہ حکم بطریق تنبیہ ہے ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ اس پھل کی دوگنی قیمت دینا واجب نہیں ہوتا بلکہ صرف اصل قیمت لی جاسکتی ہے۔ اگرچہ حضرت امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ "اور سزا ہے" میں "سزا" سے مراد "تعزیر" ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ہاں بطور تعزیر کوئی سزا دی جاسکتی ہے اور یہ اس لئے ہے کہ اس زمانہ میں باغات محفوظ اور گھرے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ جو کھلیان میں رکھے ہوئے اناج و پھل اگر اتنی مقدار میں چرائے جو ایک سیر کی قیمت کے بقدر ہو تو شرعی قانون کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس وقت ایک سیر کی قیمت تین یا چار درہم ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت امام شافعی کے نزدیک چوری کے مال کی وہ مقدار کہ جس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جاتی ہے چار درہم یا اس سے زیادہ مالیت کی ہے۔ لیکن حنفیہ کے مسلک میں ابتدائی دس درہم ہے۔ چنانچہ شمنی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں سیر کی قیمت دس درہم ہوتی تھی۔

اور جو لقطہ کسی ایسے راستہ پر پایا جائے جو آبادی کے قریب ہونے کی وجہ سے گزرگاہ عام و خاص ہو تو اس کی تشہیر و اعلان واجب ہے کیونکہ اس بات کا غالب گمان ہوسکتا ہے کہ وہ کسی مسلمان کا ہو۔ اور جو لقطہ کسی ویرانہ قدیم یعنی کسی ایسے ویران گاؤں یا قدیم و غیر آباد زمین پر پایا جائے جہاں مسلمانوں کی عمارات نہ ہوں اور نہ وہ کسی مسلمان کی ملکیت میں ہوں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کر دیا جائے۔ اور بقیہ اپنے استعمال میں لے آیا جائے خواہ وہ لقطہ سونے چاندی کی صورت میں ہو یا ان کے علاوہ کسی اور سامان و زیورات کی شکل میں ہو، اسی طرح کسی ویرانہ قدیم سے اگر کوئی دفینہ وغیرہ برآمد ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

لقطہ استعمال میں آجانے کے بعد اس کا مالک طلب کرے تو اس کا بدل دینا چاہئے

⑤ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ وَجَدَ دِیْنَارًا فَاَتٰی بِهٖ فَاطِمَةَ فَسَاَلَ عَنْهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا رِزْقُ اللّٰهِ فَاَكَلَ مِنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَكَلَ عَلِیٌّ وَفَاطِمَةُ فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ اَتَتِ امْرَاَةٌ تَنْشُدُ الدِّیْنَارَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا عَلِیُّ اَدِّ الدِّیْنَارَ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے (کسی راستہ میں بطور لقطہ) ایک دینار پایا حضرت علی اسے حضرت فاطمہ کے پاس لائے اور پھر جب حضرت علی نے اس کے بارہ میں رسول کریم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ اللہ کا دیا ہوا رزق ہے" پھر اس دینار (سے خریدی ہوئی چیز) کو آنحضرت ﷺ نے بھی کھایا اور حضرت علی و حضرت فاطمہ نے بھی کھایا اس کے بعد جب ایک عورت اپنا دینار ڈھونڈھتی ہوئی آئی تو آپ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا کہ "علی! اس عورت کو دینار دے دو۔"

(ابوداؤد)

تشریح: روایت کے مفہوم سے یہ بالکل ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت علی نے تشہیر و اعلان کے بغیر اس دینار کو صرف کیا بلکہ احتمال یہی ہے

کہ پہلے انہوں نے اس کی تشہیر کی پھر بعد میں اسے خرچ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے جو اس عورت کے محض کہنے پر اس کو دینار دلوایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو اس عورت نے اس دینار کی علامت بیان کی ہوگی یا آنحضرت ﷺ کو کسی اور ذریعہ سے علم ہو گیا ہوگا کہ وہ دینار اسی عورت کا تھا۔

لقطہ بری نیت سے نہ اٹھاؤ

(۶) وَعَنِ الْجَارُوْدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَالَّةُ الْمُسْلِمِ حَرَقُ النَّارِ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت جارودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مسلمان کی گم شدہ چیز (دوزخ کی) آگ کا ایک شعلہ ہے۔" (دارمیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی لقطہ کو اس بدنیتی کے ساتھ اٹھائے کہ میں اس کا مالک ہو جاؤں گا۔ نیز وہ ان احکام کو پورا نہ کرے۔ جو لقطہ کے سلسلہ میں از قسم تشہیر وغیرہ شریعت نے نافذ کئے ہیں تو وہ لقطہ اس شخص کو دوزخ کی آگ کے حوالہ کر دے گا۔

جب لقطہ اٹھاؤ تو کسی کو گواہ بنالو

(۷) وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدَ لُقَطَةً فَلْيُشْهِدْ ذَا عَدْلٍ اَوْ ذَوَيْ عَدْلٍ وَلَا يَكْتُمْ وَلَا يُغَيِّبْ فَاِنْ وَجَدَ صَاحِبَهَا فَلْيَرُدَّهَا عَلَيْهِ وَاِلَّا فَهُوَ مَالُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ (رواہ احمد وابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت عیاض ابن حمارؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی جگہ کوئی گری پڑی چیز پائے تو چاہئے کہ وہ کسی عادل شخص کو۔ یا فرمایا کہ۔ دو عادل شخصوں کو گواہ بنالے اور (اس کی تشہیر و اعلان نہ کر کے) اس لقطہ کو چھپائے نہیں اور نہ اسے (کسی دوسری جگہ بھیج کر) غائب کر دے۔ پھر اگر مالک آجائے تو وہ لقطہ اس کے حوالہ کر دے اور اگر مالک ہاتھ نہ لگے تو پھر وہ اللہ کا دیا ہوا مال ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے (غیب سے) مال دیتا ہے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ، دارمیؒ)

تشریح: جب کوئی شخص لقطہ اٹھائے تو وہ اس وقت کسی کو اس بات پر گواہ بنالے کہ مجھے یہ چیز بطور لقطہ ملی ہے تا کہ کوئی دوسرا شخص (مثلاً مالک) نہ تو اس پر چوری وغیرہ کی تہمت لگا سکے اور نہ کمی بیشی کا دعویٰ کر سکے گواہ بنالینے میں ایک مصلحت و فائدہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں اس کا نفس، حرص و طمع میں مبتلا نہیں ہوگا کیونکہ بغیر گواہ کے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ نفس بدنیتی میں مبتلا ہو جائے اور یہ سوچ کر کہ جب کوئی گواہ نہیں ہے تو یہ چیز مالک کو دینے کی بجائے خود کیوں نہ رکھ لوں جب کہ گواہ بنالینے سے نہ صرف یہ کہ طمع نہیں ہوتی بلکہ وہ لقطہ مالک کے حوالہ کرنا یوں بھی ضروری ہو جاتا ہے پھر اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اٹھانے والے کی ناگہانی موت کے بعد اس کے ورثاء اس لقطہ کو اپنی میراث اور ترکہ میں داخل نہیں کر سکتے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ گواہ بنالینے کا یہ حکم بطریق استحباب ہے جب کہ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم بطریق وجوب ہے۔ اس حدیث میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ "وہ اللہ کا دیا ہوا مال ہے" جب کہ اوپر کی حدیث میں اسے "اللہ کا دیا ہوا رزق ہے" کہا گیا ہے لہٰذا ان دونوں سے مراد "حلال" ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مالک کے نہ آنے کی صورت میں وہ لقطہ ایک ایسا حلال مال ہے جس سے وہ شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جسے خدا نے غیب سے دیا ہے۔ ہاں اگر بعد میں مالک آجائے تو پھر اس کا بدل دینا ہوگا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔

لقطہ کی وہ مقدار جس میں تشہیر و اعلان کی ضرورت نہیں

(۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَصَا وَالسَّوْطِ وَالْحَبْلِ وَاَشْبَاهِهٖ يَلْتَقِطُهُ الرَّجُلُ يَنْتَفِعُ بِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں، لاٹھی کوڑے رسی اور اسی کی مانند ان چیزوں کے بارہ میں (کہ جو عام طور پر کم تر سمجھی جاتی ہیں) یہ اجازت دی تھی کہ جو شخص چاہے اٹھالے اور اسے اپنے کام میں لے آئے۔" (ابوداؤد)

تشریح: یعنی اگر لقطہ ان میں سے کسی چیز کا ہو تو اسے اٹھانے والا جب کہ وہ خود مالدار نہ ہو بغیر تشہیر و اعلان اس کو اپنے استعمال میں لے آئے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر لقطہ کسی کمتر مال کی صورت میں ہو تو اس کی تشہیر نہ کی جائے لیکن اس قول پر تنقید کی گئی ہے۔ رہا یہ سوال کہ "کمتر مال" کی حد کیا ہے تو بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ لقطہ دس درہم سے کم مالیت کا ہو وہ کمتر مال ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ جو لقطہ ایک دینار یا ایک دینار سے کم مالیت کا ہو وہ "کمتر مال" ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کے بارہ میں منقول حدیث سے معلوم ہوا۔

وَذُكِرَ حَدِيْثُ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْ كَرِبَ اَلَا لَا يَحِلُّ فِيْ بَابِ الْاِعْتِصَامِ

اور حضرت مقدام ابن معدی کرب کی روایت اَلَا لَا یَحِلُّ الخ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں نقل کی جا چکی ہے۔

بَابُ الْفَرَائِضِ
فرائض کا بیان

"فرائض"، جمع ہے "فریضہ" کی جو "فرض" سے مشتق ہے۔ فرائض میراث کے ان حصوں کو کہتے ہیں جو قرآن یا حدیث میں متعین و مقرر ہیں۔ گویا اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ جو شخص مرجائے اس کے کون کون عزیز و اقارب اس کے وارث ہوں گے اور اس کا چھوڑا ہوا مال و اسباب ان ورثاء میں کس طرح تقسیم ہوگا۔ یہ باب چونکہ ایک بڑے اہم موضوع سے متعلق ہے اس لئے مناسب ہے کہ ابتدائی طور پر چند اصولی باتیں اور کچھ ضروری مسائل یکجائی انداز میں نقل کر دیئے جائیں۔

ورثاء کی ترتیب

علماء لکھتے ہیں کہ میت کے ترکہ (یعنی اس کے چھوڑے ہوئے مال و اسباب) کے ساتھ چار حق متعلق ہوتے ہیں جس کی ترتیب یہ ہے کہ ① پہلے تو میت کی تجہیز و تکفین کی جائے یعنی اسے غسل دیا جائے، پھر کفن دیا جائے، اس کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھوا کر قبرستان لے جایا جائے اور پھر قبر میں دفن کیا جائے، ان چیزوں میں جو کچھ خرچ کرنے کی ضرورت ہو وہ اس کے ترکہ میں سے اس طرح خرچ کیا جائے کہ نہ تو تنگی کی جائے اور نہ اسراف کیا جائے۔

② اس کے بعد اگر میت کے ذمہ کوئی قرض و مطالبہ ہو تو اس کی ادائیگی کی جائے۔ پھر قرض و مطالبہ کی ادائیگی کے بعد۔

③ جو مال و اسباب بچے اس میں سے تہائی حصہ میں وصیت جاری کی جائے بشرطیکہ اس نے وصیت کی ہو ان تین مرحلوں کے بعد۔

④ اس کا بقیہ تمام مال و اسباب اس کے وارثوں کے درمیان تقسیم کیا جائے جس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دیئے جائیں اور ان کو دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ میت کے عصبات نسبی کو دے دیا جائے کیونکہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ عصبات نسبی کا حق ہوتا ہے اور اگر میت کے وارثوں میں ذوی الفروض موجود نہیں ہوتے تو پھر اس کا تمام ترکہ عصبات نسبی کو ملتا ہے اور اگر اس کے وارثوں میں عصبات نسبی نہیں ہوتے تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ آزاد کرنے والے کو ملتا ہے بشرطیکہ میت غلام رہا ہو اور اس کو آزاد کیا گیا ہو اور اگر آزاد کرنے والا موجود نہ ہو تو پھر اس آزاد کرنے والے کے مرد عصبات کو دیا جاتا

ہے اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو بھی وہ بچا ہوا ترکہ ذوی الفروض کی طرف لوٹ جائے گا علاوہ زوجین کے کیونکہ اس دوبارہ تقسیم میں ذوی الفروض میں سے زوجین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

اور اگر میت کے ورثاء میں نہ تو ذوی الفروض میں سے کوئی ہو اور نہ عصبات نسبی وسببی ہوں تو اس کا ترکہ ذوی الارحام کو دیا جائے اور اگر ذوی الارحام بھی نہ ہوں تو مولی موالات کو دیا جائے اور اگر کوئی مولا موالات بھی نہ ہو تو پھر وہ تمام ترکہ اس غیر شخص کو ملے گا جس کے نسب کا میت نے اقرار کیا ہو مثلاً اس نے زید کے بارہ میں کہا ہو کہ یہ میرے باپ کا بیٹا ہے حالانکہ زید کا یہ نسب (یعنی اس میت کے باپ کا بیٹا ہونا) اس اقرار کے علاوہ اور کسی صورت میں ثابت نہ ہو لیکن پھر بھی وہ میت کے ترکہ کا حقدار قرار پائے گا۔ اور اگر ایسا بھی کوئی شخص نہ ہو تو پھر وہ ترکہ اس شخص کو دیا جائے گا۔ جس کے لئے میت نے اپنے تمام مال کی وصیت کی ہو، اور اگر ایسا بھی کوئی شخص نہ ہو جس کے لئے میت نے اپنے تمام مال و اسباب کی وصیت کی ہو تو پھر اس کا سارا مال و اسباب بیت المال میں رکھا جائے گا۔ اور اگر بیت المال بھی نہ ہو تو پھر آخر میں بیت المال کے مصرف میں صرف کیا جائے یعنی مدارس و مساجد یا فقراء و مساکین وغیرہ کو دے دیا جائے۔

ذوی الفروض کی تفصیل

ذوی الفروض بارہ ہیں۔ ① باپ۔ ② دادا خواہ اوپر کے درجہ کے ہوں جیسے پڑدادا اور سکڑدادا وغیرہ۔ ③ اخیافی بھائی (اخیافی ان بھائیوں کو کہتے ہیں جن کے باپ الگ الگ ہوں اور ماں ایک ہو)۔ ④ بیوی۔ ⑤ خاوند۔ ⑥ ماں۔ ⑦ جدہ (یعنی دادی یا نانی (خواہ اوپر کے درجہ کی ہوں جیسے پڑدادی اور سکڑدادی یا پڑنانی اور سکڑنانی۔ ⑧ بیٹی۔ ⑨ پوتی۔ ⑩ حقیقی بہن۔ ⑪ سوتیلی بہن۔ اور ⑫ اخیافی بہن۔

ذوی الفروض کے حصے

میت کے ترکہ میں باپ کا چھٹا حصہ ہوتا ہے جب کہ میت کا بیٹا یا پوتا اور یا پڑپوتا بھی موجود ہو، اور اگر یہ نہ ہوں بلکہ بیٹی یا پوتی اور یا پڑپوتی موجود ہو تو باپ کو چھٹا حصہ بھی ملے گا اور وہ عصبہ بھی ہوگا اور اگر نہ تو بیٹا یا پوتا اور پڑپوتا ہو اور نہ بیٹی یا پوتی اور یا پڑپوتی ہو تو باپ صرف عصبہ ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ پہلی صورت میں تو باپ صرف صاحب فرض ہوتا ہے اور دوسری صورت میں صاحب فرض بھی ہوتا ہے اور عصبہ بھی اور تیسری صورت میں صرف عصبہ ہوتا ہے۔ اگر میت کا باپ موجود نہ ہو تو مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں اس کا دادا باپ کی مانند ہوگا، اور اگر میت کے باپ اور دادا دونوں زندہ ہوں تو پھر دادا محروم ہوگا یعنی اسے میت کے ترکہ میں سے کچھ نہیں ملے گا۔

اخیافی بھائی اور اخیافی بہن کو میراث کا چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ وہ ایک ہو، اور اگر وہ دو یا دو سے زائد ہوں تو ان کے لئے تہائی حصہ ہے جو مرد و عورت پر برابر تقسیم ہوگا، اور اگر میت کا باپ یا دادا زندہ ہو یا اس کا بیٹا یا بیٹے کی اولاد موجود ہو تو پھر اخیافی بھائی بہن محروم ہوں گے۔

اگر بیوی مرجائے اور اس کا بیٹا بیٹی نہ ہو اور بیٹے کی اولاد بھی نہ ہو تو اس کے ترکہ میں سے شوہر کو نصف حصہ ملے گا اور اگر بیٹا بیٹی یا بیٹے کی اولاد موجود ہو تو شوہر کو چوتھا حصہ ملے گا۔

اگر خاوند مرجائے اور نہ تو اس کے بیٹے بیٹی ہوں اور نہ بیٹے کی اولاد ہو تو اس کے ترکہ میں سے بیوی کو چوتھائی حصہ ملے گا اور اگر میت کے بیٹا بیٹی یا بیٹے کی اولاد موجود ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا، یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر میت کی ایک ہی بیوی ہو تو اس کو بھی وہی حصہ ملے گا جو ذکر کیا گیا ہو اور اگر ایک سے زائد یعنی دو یا تین اور چار بیویاں ہوں تب بھی یہی حصہ ملے گا فرق صرف اتنا ہے کہ اگر ایک بیوی ہوگی تو مذکورہ بالا حصہ کی وہ تنہا حق دار ہوگی اور ایک سے زائد بیویاں ہوں گی تو وہ اس حصہ کو باہم برابر تقسیم کرلیں گی۔

میت کے ترکہ میں سے ماں کو چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ میت کے بیٹا بیٹی یا پوتا یا اس کی اولاد یا ایک بہن یا دو بھائی اور دو بہن یا دو سے

زائد بھائی اور بہن (خواہ حقیقی بھائی بہن ہوں یا سوتیلے اور اخیافی ہوں) موجود ہوں، اگر ان میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو گا تو ماں کو کل ترکہ میں سے تہائی حصہ ملے گا۔ اور اگر ماں کے ساتھ باپ اور خاوند یا بیوی بھی ہو تو اس صورت میں باپ اور خاوند یا بیوی کا حصہ دے کر جو باقی بچے گا اس میں سے ماں کو تہائی حصہ ملے گا اور اگر مذکورہ بالا صورت میں بیوی یا خاوند کے ساتھ باپ کے بجائے دادا موجود ہو تو پھر ماں کو تمام ترکہ کا تہائی حصہ ملے گا کیونکہ اس صورت میں دادا، باپ کا قائم مقام نہیں ہوتا۔

دادی اور نانی کا چھٹا حصہ ہوتا ہے خواہ وہ ایک ہوں یا کئی ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر صرف ایک دادی یا صرف ایک نانی ہوگی تو وہ میت کے ترکہ کے چھٹے حصہ کی تنہا حق دار ہوگی اور اگر ایک سے زائد ہوں گی مثلاً ایک دادی اور ایک نانی ہو یا دو دادی یا دو نانی ہوں تو وہ سب اس چھٹے حصہ کو باہم برابر تقسیم کر لیں گی بشرطیکہ وہ سب درجہ میں برابر ہوں اور اگر درجہ میں برابر نہ ہوں بلکہ درجہ میں متفاوت ہوں (جیسے ایک دادی ہو اور ایک پڑدادی ہو یا ایک نانی ہو اور ایک پڑنانی ہو) تو دور کے درجہ والی (یعنی پڑنانی) قریب کے درجہ والی (یعنی نانی) کے سامنے محروم ہوگی، اسی طرح ماں کی موجودگی میں تمام ہی جدات (یعنی دادی و نانی وغیرہ) محروم ہوتی ہیں، نیز دادا کی موجودگی میں باپ کی دادیاں محروم ہوتی ہیں لیکن دادا کی بیوی یعنی باپ کی ماں محروم نہیں ہوتی۔

میت کی بیٹی میراث سے کبھی محروم نہیں ہوتی اگر اس کا بھائی یعنی میت کا بیٹا موجود ہوتا ہے تو وہ عصبہ بن جاتی ہے ورنہ ذوی الفروض رہتی ہے، چنانچہ بیٹی کے میراث پانے کی دو تین صورتیں ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ اگر صرف ایک بیٹی ہو اور اس کے ساتھ اس کا کوئی حقیقی یا سوتیلا بھائی نہ ہو تو میت کے ترکہ میں سے اس کو نصف حصہ ملتا ہے (اور اگر کوئی دوسرا وارث بھی نہ ہو تو باقی نصف حصہ بھی اسی کو مل جاتا ہے) دوم یہ کہ اگر دو بیٹیاں ہوں یا دو سے زائد ہوں اور ان کے ساتھ ان کا کوئی حقیقی یا سوتیلا بھائی نہ ہو تو ان بیٹیوں کو ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا جسے وہ سب آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی۔ سوم یہ کہ اگر بیٹیوں کے ساتھ میت کا بیٹا موجود ہو تو اس صورت میں بیٹی کا کوئی حصہ مقرر نہیں بلکہ وہ عصبہ بن جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میت کے ترکہ میں سے جس قدر بیٹے کو ملے گا اس کا آدھا ہر ایک بیٹی کو ملے گا خواہ ایک بیٹی ہو یا دو چار بیٹیاں ہوں، چنانچہ اگر کسی میت کے متعدد بیٹے اور متعدد بیٹیاں ہوں تو ان میں ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ ہر بیٹے کو دو حصے اور ہر بیٹی کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

اگر میت کے بیٹی بیٹا یا پوتا موجود نہ ہو صرف ایک پوتی ہو تو اس کو ترکہ میں سے نصف ملے گا اور اگر دو یا دو سے زیادہ پوتیاں ہوں تو ان کو کل ترکہ میں سے دو تہائی دیا جائے گا۔ جسے وہ سب آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی، اگر میت کے بیٹا، پوتا یا پڑپوتا موجود نہ ہو بلکہ صرف ایک بیٹی ہو تو پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا خواہ ایک پوتی ہو یا متعدد پوتیاں ہوں، اور اگر میت کے دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں موجود ہوں گی تو اس صورت میں پوتی بالکل محروم رہے گی ہاں اگر پوتی کے ساتھ میت کا پوتا بھی موجود ہو (خواہ وہ نیچے ہی کے درجہ کا کیوں نہ ہو یعنی پوتا اور خواہ یہ پوتا اس پڑپوتی کا حقیقی بھائی ہو یا سوتیلا بھائی ہو اور یا چچازاد بھائی ہو) تو پھر چاہے میت کی ایک ہی بیٹی ہو یا متعدد بیٹیاں ہوں وہ پوتی عصبہ ہو جائے گی۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے گا یہ پوتی اور پوتا آپس میں بطور عصوبت تقسیم کریں گے یعنی پوتے کو دو حصے اور پوتی کو ایک حصہ ملے گا، لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اگر میت کا بیٹا موجود ہو گا تو پھر یہ پوتی ہر حال میں بالکل محروم رہے گی۔ نیز اگر نہ تو میت کی اولاد موجود ہو اور نہ میت کے بیٹے کی اولاد موجود ہو تو مذکورہ بالا تمام صورتوں میں میت کی پوتی اس کی پوتی کے قائم مقام ہوگی اور اگر بیٹی موجود ہے تو بیٹی کی اولاد محروم رہے گی اور اگر پوتی موجود ہے تو پوتی کی اولاد محروم قرار پائے گی۔

اگر میت کی اولاد موجود ہو یا اس کے بیٹے کی اولاد موجود ہو (خواہ وہ نیچے ہی کے درجہ کی کیوں نہ ہو) تو اخیافی بہن بھائی محروم قرار پاتے ہیں، اسی طرح اگر میت کا باپ یا دادا موجود ہو تو اخیافی بہن بھائی محروم ہوتے ہیں۔

اگر میت کے کوئی بیٹا بیٹی یا پوتا پوتی اور یا پڑپوتا پڑپوتی موجود نہ ہو بلکہ صرف ایک حقیقی بہن ہو تو وہ ہر حال میں بیٹی کے قائم مقام ہوگی یعنی

اگر ایک بہن ہوگی تو اسے میت کے کل ترکہ میں سے نصف ملے گا اور اگر دو یا دو سے زائد بہنیں ہوں گی تو انہیں کل ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا جسے وہ آپس میں برابر، تقسیم کرلیں گی، مذکورہ بالا صورت میں سوتیلی بہن کا بھی یہی حکم ہے بشرطیکہ حقیقی بہن موجود نہ ہو۔

اگر میت کی بیٹی یا پوتی یا پڑپوتی اور سکڑپوتی موجود ہو (خواہ ایک ہو یا زیادہ ہوں) تو اس صورت میں حقیقی بہن (اور اگر حقیقی بہن نہ ہو تو سوتیلی بہن) عصبہ ہو جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میت کے ترکہ میں سے ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ اس بہن کو مل جائے گا۔

اگر میت کے حقیقی بھائی (ایک یا زیادہ) موجود ہو تو حقیقی بہن اسکے ساتھ مل کر عصبہ بن جائے گی اور اگر بھائی حقیقی نہ ہو بلکہ سوتیلا ہو تو حقیقی بہن اس سوتیلے بھائی کی موجودگی میں ذوی الفروض میں شامل ہو جائے گی۔

اگر میت کے ایک حقیقی بھائی ہو اور اس کے ساتھ ہی سوتیلے بھائی بہن بھی ہوں تو اس حقیقی بھائی کی موجودگی میں وہ سوتیلے بھائی بہن محروم ہوں گے۔

اگر میت کی ایک حقیقی بہن موجود ہو تو اس کی موجودگی میں سوتیلی بہن کو چھٹا حصہ ملے گا خواہ وہ ایک ہو یا ایک سے زائد ہوں اور اگر حقیقی بہنیں ایک سے زائد ہوں تو پھر سوتیلی بہن ساقط ہو جائے گی اسے کچھ نہیں ملے گا ہاں اگر سوتیلی بہن کے ساتھ سوتیلا بھائی ہو تو پھر یہ سوتیلی بہن محروم نہیں ہوگی بلکہ خواہ ایک حقیقی بہن ہو ایک سے زائد ہوں اور خواہ ایک بھی نہ ہو ہر صورت میں سوتیلی بہن سوتیلے بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد میت کے ترکہ میں سے جو کچھ بھی بچے گا وہ سب ان سوتیلے بہن بھائی کے درمیان بطور عصوبت تقسیم ہو جائے گا۔ اور اگر میت کی حقیقی بہن، میت کی بیٹی یا پوتی یا پڑپوتی اور یا سکڑپوتی کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی تو اس صورت میں سوتیلا بھائی اور سوتیلی بہن بالکل محروم رہیں گے۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اگر میت کے بیٹا یا پوتا یا پڑپوتا اور یا سکڑپوتا موجود ہوگا تو میت کا حقیقی بھائی، حقیقی بہن اور سوتیلے بھائی بہن محروم رہیں گے اسی طرح میت کے باپ یا دادا کی موجودگی میں بھی میت کے حقیقی اور سوتیلے بہن بھائی محروم رہیں گے۔

عصبات کی تفصیل

میت کے ترکہ میں سے ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ عصبات میں تقسیم ہوگا، گویا ذوی الفروض پہلے درجہ کے وارث ہیں اور عصبات دوسرے درجہ کے وارث ہیں۔ چنانچہ عصبات کے بھی چار درجے ہیں۔ اول بیٹا، پوتا، پڑپوتا، سکڑپوتا (یا اس کے نیچے کے درجہ کے) دوم باپ، دادا، پڑدادا، (یا اس کے اوپر کے درجہ کے) سوم۔ حقیقی اور سوتیلے بھائی اور ان کے لڑکے (اگرچہ نیچے کے درجہ کے ہوں) چہارم میت کے چچا میت کے باپ کے چچا، میت کے دادا کے چچا اور ان چچاؤں کے بیٹے، پوتے پڑوتے اور سکڑوتے۔

اب ان چاروں درجوں کی ترتیب یہ ہوگی، ان چاروں درجوں میں مقدم بیٹے ہیں پھر پوتے پھر پڑپوتے پھر سکڑوتے، پھر باپ پھر دادا پھر پڑدادا پھر سکڑدادا، پھر بھائی پھر بہن پھر بھتیجے (اگرچہ نیچے کے درجے کے ہوں) پھر چچا پھر چچا کی اولاد۔ لہٰذا جب ان چاروں درجوں میں سے پہلے درجہ کا کوئی عصبہ موجود ہوگا تو باقی تینوں درجوں کے عصبات بالکل محروم قرار پائیں گے۔ اسی طرح اگر پہلے درجہ کا کوئی عصبہ یعنی بیٹا یا پوتا یا پڑوتا اور یا سکڑوتا موجود نہ ہوگا اور دوسرے درجہ میں کا کوئی عصبہ موجود ہوگا تو باقی دو درجوں کے عصبات بالکل محروم ہو جائیں گے اور اگر نہ تو پہلے درجہ کے عصبات میں سے کوئی موجود ہو اور نہ دوسرے درجہ کے عصبات میں سے بلکہ تیسرے درجہ کے عصبات میں سے کوئی موجود ہو تو پھر چوتھے درجہ کے عصبات بالکل محروم رہیں گے۔ ایسے ہی ان چاروں درجوں میں سے ہر درجہ میں قریب کا عصبہ بعید کے عصبہ پر مقدم ہوگا یعنی قریب کے عصبہ کی موجودگی میں بعید کے عصبہ کو کچھ نہیں ملے گا۔ مثلاً میت کے بیٹا بھی موجود ہو اور پوتا بھی موجود ہو اور یہ دونوں ہی درجہ اول کے عصبہ ہیں مگر اس صورت میں قریب کا عصبہ یعنی بیٹا مقدم ہوگا کہ اسے میت کا ترکہ ملے گا اور بعید کا عصبہ یعنی پوتا محروم ہو جائے گا، اسی طرح حقیقی عصبہ سوتیلے عصبہ پر مقدم ہوگا اور میت کے چچاؤں کے پوتے

میت کے باپ کے چچاؤں پر مقدم ہوں گے۔ اور میت کے باپ کے چچاؤں کے پوتے میت کے دادا کے چچاؤں پر مقدم ہوں گے۔

ذوی الارحام کی تفصیل

جیسا کہ پہلے بتایا گیا تھا کہ میت کے وارثوں میں سب سے پہلا درجہ ذوی الفروض کا ہے اور دوسرا درجہ عصبات کا ہے، اب یہ سمجھئے کہ اگر کسی میت کے وارثوں میں نہ تو ذوی الفروض ہوں اور نہ عصبات ہوں تو پھر اس کا ترکہ ذوی الارحام کو ملے گا، گویا ذوی الارحام کے وارثوں کا تیسرا درجہ ہے، چنانچہ جس طرح عصبات کے چار درجے ہیں اسی طرح ذوی الارحام کے بھی چار درجے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

اول۔ میت کی بیٹی، پوتی اور پڑوتی (خواہ اس سے نیچے کے درجہ) کی اولاد یعنی میت کے نواسہ، نواسی، میت کے بیٹے کا نواسہ، نواسی، میت کے نواسے کا بیٹا، بیٹی کی نواسی کا بیٹا بیٹی اور میت کے پوتے کے نواسہ نواسی وغیرہ۔

دوم۔ دادا فاسد، دادی فاسدہ اور نانی فاسدہ (خواہ یہ سب اوپر کے درجہ کے ہوں) اس موقع پر یہ سمجھ لیجئے کہ دادا فاسد اس دادا کو کہتے ہیں جس کے اور میت کے درمیان عورت کا واسطہ ہو جیسے میت کا نانا اور میت کی دادی یا نانی کا باپ۔ اور دادی فاسدہ اور نانی فاسدہ اس دادی یا نانی کو کہتے ہیں جس کے اور میت کے درمیان دادا فاسد کا واسطہ ہو جیسے نانا کی ماں اور دادی یا نانی کے باپ کی ماں۔ یہ سب ذوی الارحام ہیں جب کہ دادا صحیح اور دادی و نانی صحیحہ ذوی الفروض ہیں چنانچہ دادا صحیح اس دادا کو کہتے ہیں جس کے اور میت کے درمیان عورت کا واسطہ نہ ہو جیسے دادا اور پڑدادا (یا اس سے اوپر کے درجہ کے) اور دادی و نانی صحیحہ اس دادی یا نانی کو کہتے ہیں جس کے اور میت کے درمیان دادا فاسد کا واسطہ نہ ہو جیسے دادی یا پڑدادی اور نانی یا پڑنانی (یا اس سے اوپر کے درجہ کی)۔

سوم۔ حقیقی بہنوں کی اولاد، سوتیلی بہنوں کی اولاد اخیافی بہنوں کی اولاد، اخیافی بھائی کی اولاد حقیقی بھائی کی بیٹیاں اور سوتیلے بھائی کی بیٹیاں۔

چہارم۔ پھوپیاں خواہ حقیقی ہوں یا سوتیلی اور اخیافی ہوں۔ اخیافی چچا، ماموں اور خالائیں۔

ذوی الارحام کے یہ چار درجے ہیں اور عصبات کی طرح ان کی ترتیب بھی یہ ہے کہ اگر ان چاروں درجوں میں سے اول درجہ کے ذوی الارحام وارث موجود ہوں گے یا ان کی اولاد (خواہ وہ کتنے ہی نیچے کے درجہ کی ہو) موجود ہوگی تو باقی تینوں درجوں کے ذوی الارحام محروم ہوں گے، اسی طرح درجہ دوم کے ذوی الارحام ورثاء کی موجودگی میں سوم اور چہارم درجہ کے اور تیسرے درجہ کے ذوی الارحام کی موجودگی میں چوتھے درجہ کے ذوی الارحام محروم ہوں گے، نیز عصبات کی طرح ذوی الارحام میں بھی اس کے ہر درجہ میں قریب کا ذی رحم بعید کے ذی رحم پر مقدم ہوگا۔

میراث پانے سے محروم کر دینے والی چیزیں

اللہ تعالیٰ نے میت کا مال و اسباب اس کے موجودہ ورثاء کو متعینہ حصوں اور مقررہ ضابطوں کے تحت دینے کا جو حکم دیا ہے اس میں دراصل میت اور اس کے ورثاء کے درمیان ایک خاص علاقہ، تعلق اور رشتہ داری کو ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ اگر کوئی ایسی بات پیش آجائے جس سے نہ صرف یہ کہ میت اور اس کے وارث کے درمیان کسی خاص علاقہ و تعلق کا اظہار نہ ہوتا ہو بلکہ وہ ایک قسم کی جدائی علیحدگی اور نفرت ثابت کرنے کا ذریعہ بن جائے تو وہ وارث میراث میت کا حق دار نہیں ہوگا اور اسے کوئی میراث نہیں ملے گی۔ لہٰذا ایسی چار چیزیں ہیں جو کسی شخص کو میراث پانے سے محروم کر دیتی ہیں، ان چار چیزوں کی تفصیل یہ ہے۔

① غلامی۔ نہ تو کسی غلام کا وارث کوئی آزاد شخص ہوتا ہے اور نہ خود غلام کسی آزاد شخص کا وارث بن سکتا ہے کیونکہ غلام شرعی طور پر کسی چیز کا مالک ہونے کی قابلیت ہی نہیں رکھتا اور نہ کوئی چیز اس کی ملکیت ہوتی ہے۔

② قتل۔ اگر کوئی بالغ وارث اپنے مورث کو قتل کر دے تو وہ وارث، میراث پانے سے بالکل محروم رہے گا، لیکن یہاں قتل سے مراد وہ قتل ہے جس کی وجہ سے قاتل پر قصاص یا کفارہ واجب ہوتا ہے، چنانچہ قتل کی پانچ قسمیں ہیں (جن کی تفصیل انشاء اللہ اپنے موقع پر آئے گی) ان میں سے چار قسمیں ایسی ہیں کہ کسی میں قصاص واجب ہوتا ہے اور کسی میں کفارہ اور دیت۔ لہٰذا ان چاروں صورتوں میں حنفی مسلک کے مطابق قاتل میراث سے محروم ہو جاتا ہے جب کہ وہ اپنے مورث کو ناحق قتل کرے، ہاں اگر وارث اپنے مورث کو ظلماً قتل نہ کرے بلکہ دفاع کرتے ہوئے مورث پر وار کرے اور مورث مارا جائے۔ مثلاً مورث ناحق اس وارث پر حملہ کرے اور پھر وہ وارث اپنے کو بچانے کے لئے مورث پر وار کرے اور اس کے وار کے نتیجہ میں مورث مارا جائے، یا مورث پر شرعاً کسی وجہ سے بطور سزا قتل واجب ہو (مثلاً قصاص کے طور پر) یا اس پر کوئی حد جاری کی جانی ضروری ہو اور بادشاہ یا قاضی کے حکم سے وارث نے اس مورث کو قتل کیا یا اس پر حد جاری کی اور وہ مر گیا تو اس صورت میں بھی وارث میراث سے محروم نہیں ہوگا۔

قتل کی پانچ قسموں میں ایک قسم "قتل بالتسبب" ہے۔ قتل کی اس قسم پر نہ قصاص لازم آتا ہے اور نہ کفارہ بلکہ صرف دیت واجب ہوتی ہے چنانچہ اس قسم کے قتل میں بھی قاتل میراث سے محروم نہیں ہوتا۔ قتل بالتسبب کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر پتھر رکھ دے یا کنواں کھود دے اور پتھر سے ٹھوکر کھا کر یا کنویں میں گر کر کوئی شخص مر جائے تو اس شخص پر دیت واجب ہوتی ہے۔

اسی طرح حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی نابالغ یا مجنوں اپنے مورث کو قتل کر دے تو وہ میراث سے محروم نہیں ہوتا کیونکہ نابالغ اور مجنون کے اکثر افعال پر شرعی طور پر کوئی سزا واجب نہیں ہوتی۔

③ اختلاف مذہب۔ دو مذہبوں کا اختلاف میراث سے محروم کر دیتا ہے، یعنی اگر وارث مسلمان ہے اور مورث غیر مسلم ہے (خواہ وہ ہندو ہو یا عیسائی اور یہودی وغیرہ ہو) تو اس کی میراث مسلمان کو نہیں ملے گی، اسی طرح اگر وارث غیر مسلم ہے اور مورث مسلمان ہے تو اس کی میراث غیر مسلم کو نہیں ملے گی۔

④ اختلاف دارین۔ یعنی ممالک و وطن کا اختلاف۔ میت اور وارث کے ملک و وطن کا مختلف ہونا میراث سے محروم کر دیتا ہے مثلاً ایک شخص دار الاسلام میں رہتا ہے اور ایک شخص دار الحرب میں تو دونوں ایک دوسرے کی میراث سے محروم رہیں گے۔ لیکن یہ حکم غیر مسلم کے لئے ہے۔ مسلمان مورث و وارث اگر اختلاف دارین بھی رکھتے ہوں گے تب بھی ایک دوسرے کی میراث کے حقدار ہوں گے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

میت کا ترکہ اس کے ورثاء کا حق ہے

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَاتَ وَعَلَیْهِ دَیْنٌ وَلَمْ یَتْرُكْ وَفَاءً فَعَلَیَّ قَضَاؤُهٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ وَفِیْ رِوَایَةٍ مَنْ تَرَكَ دَیْنًا اَوْ ضَیَاعًا فَلْیَاْتِنِیْ فَاَنَا مَوْلَاهُ وَفِیْ رِوَایَةٍ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَاِلَیْنَا۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "میں مسلمانوں کے حق میں خود ان سے بھی زیادہ عزیز ہوں (یعنی دین و دنیا کے ہر معاملہ میں ایک مسلمان اپنے اوپر خود جتنا شفیق و مہربان ہو سکتا ہے میں اس پر اس سے بھی زیادہ شفیق و مہربان ہوں اسی لئے ان کے قرضوں کو ادا کرنے میں زیادہ حق دار ہوں) لہٰذا جو شخص (یعنی مسلمان) مر جائے اور اس پر قرض ہو اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہو سکتا ہو تو اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو شخص (اتنا) مال چھوڑ جائے (جو اس کے قرض کی ادائیگی اور اس کی کی ہوئی وصیت کی شرعی تکمیل کے بعد بھی بچ جائے) تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "جو شخص قرض دار یا

عیال دار مرجائے (اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کے قرض کی ادائیگی ہوسکے یا اس کے عیال کی پرورش ہوسکے) تو (اس کا وکیل یا وصی) میرے پاس آئے میں اس کا انتظام کروں گا (یعنی میں اس کا قرض ادا کروں گا اور اس کے عیال کی نگہداشت وغم خواری کروں گا)۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص مال چھوڑ کر مرے تو وہ مال اس کے وارثوں کا ہے اور جو بھاری چیز (یعنی قرض اور عیال) چھوڑ کر مرے تو اس کا انتظام کرنا میرے ذمہ ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: شروع میں آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ اگر کوئی شخص مرتا جس کے ذمہ قرض ہوتا اور اس کے ترکہ میں اتنا مال نہ ہوتا جو اس قرض کی ادائیگی کے لئے کافی ہوتا تو آپ ﷺ اس کے جنازہ کی نماز پڑھنے سے احتراز فرماتے لیکن جب حق تعالیٰ نے وسعت عطا فرمائی اور آپ ﷺ کو کشائش مال کی نعمت میسر ہوئی تو آپ ﷺ نے یہ معمول بنالیا کہ جو شخص قرضدار مرجاتا آپ ﷺ اس کا قرض ادا کرتے اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے۔ یہ بات حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت سے مفہوم ہوتی ہے جو باب الافلاس و الانظار کی پہلی فصل میں گزر چکی ہے۔ اور یہ گویا آنحضرت ﷺ کے اس بے پناہ جذبۂ شفقت و مہربانی اور کمال رحمت، ہمدردی کا مظہر ہے جو آپ ﷺ تمام مسلمانوں کے تئیں رکھتے تھے۔

میت کا ترکہ پہلے ذوی الفروض کو دو

(۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِاَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ میراث کے حصے (جو قرآن کریم میں متعین کئے گئے ہیں) حصہ داروں کو دو پھر جو کچھ بچے وہ میت کے اس مرد وارث (عصبہ) کا حق ہے جو میت کا سب سے قریبی عزیز ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ میت کا ترکہ سب سے پہلے ان لوگوں کو دو جن کے حصے قرآن کریم میں مقرر ہیں کہ جنہیں ذوی الفروض کہا جاتا ہے، ان کو معینہ حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ عصبات کو دو، اور پھر عصبات میں مقدم وہ عصبہ ہے جو میت کا سب سے قریبی عزیز ہو، چنانچہ قریب کے عصبہ کی موجودگی میں بعید کا عصبہ میت کے ترکہ کا وارث نہیں ہوتا، ابتداء باب میں ذوی الفروض اور عصبات کا تفصیلی ذکر کیا جا چکا ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ رجل ذکر میں لفظ "ذکر" تاکید کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ خنثیٰ سے احتراز ہو جائے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ یہ ارشاد گرامی اس بات کی دلیل ہے کہ بعض وارث بعض دوسرے وارثوں کے حق میں حاجب (یعنی میراث سے روکنے والے) ہوتے ہیں، چنانچہ حجب یعنی میراث سے روکنا دو طرح سے ہوتا ہے۔ اول "حجب نقصان" دوم "حجب حرمان" اس موقعہ پر اجمالی طور پر ان دونوں کی یہ تعریف جان لیجئے کہ بعض وارث ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے دوسرے وارثوں کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب میت کے اولاد نہ ہو تو میت کی ماں کو ترکہ میں سے ایک تہائی ملتا ہے۔ اور اگر میت کی اولاد موجود ہو تو میت کی ماں کو صرف چھٹا حصہ ملتا ہے اس کو حجب نقصان کہتے ہیں، اسی طرح بعض وارث ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے بعض عزیزوں کو میراث میں سے کچھ بھی نہیں ملتا مثلاً میت کے بیٹے کے موجودگی میں بھائی میراث سے بالکل محروم رہ جاتا ہے۔ اس کو حجب حرمان کہتے ہیں۔

اختلاف مذہب میراث سے محروم کر دیتا ہے

(۳) وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" نہ تو مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق و اجماع ہے کہ کافر، مسلمان کا وارث نہیں ہوتا یعنی اگر مورث مسلمان ہو اور وارث کافر ہو تو مسلمان مورث کے مرنے کے بعد اس کا کافر وارث میراث سے محروم رہے گا۔ لیکن اس بارہ میں اختلاف ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے یا نہیں، چنانچہ اکثر علماء تو یہ کہتے ہیں کہ جس طرح کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا، اسی طرح مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوتا، مگر صحابہ اور تابعین میں سے بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے چنانچہ حضرت امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

اسی طرح اس بات پر بھی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ کافر کی طرح مرتد بھی مسلمان کا وارث نہیں ہوتا لیکن اس بارہ میں اختلاف ہے کہ مسلمان، مرتد کا وارث ہوتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت ربیعہؒ اور حضرت ابن ابی لیلیٰؒ وغیرہ تو یہ کہتے ہیں کہ مسلمان بھی مرتد کا وارث نہیں ہوتا، حضرت امام ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ مرتد نے اپنے ارتداد کی زندگی میں جو کچھ کمایا ہے وہ بیت المال میں جائے گا اور حالت اسلام میں جو کچھ کمایا ہے وہ اس کے مسلمان ورثاء کو ملے گا۔

آزاد کرنے والا غلام کا وارث ہوتا ہے

④ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "قوم کا مولی اسی قوم میں سے ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: ارشاد گرامی میں "مولی" سے مراد "آزاد کرنے والا" ہے گویا اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ آزاد شدہ غلام کا وارث وہ شخص ہوتا ہے جس نے اسے آزاد کیا ہے، اس کے برخلاف آزاد شدہ غلام اپنے آزاد کرنے والے کا وارث نہیں ہوگا۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ "مولی" سے مراد "آزاد شدہ غلام" ہے یعنی جس قبیلہ و فرد سے کسی غلام کو آزاد کیا گیا ہو تو اس آزاد شدہ غلام کا وہی حکم ہوگا جو اس کو آزاد کرنے والے قبیلے یا فرد کا ہوگا۔ مثلاً بنی ہاشم (سید) نے کسی غلام کو آزاد کیا تو اب وہ آزاد شدہ غلام زکوٰۃ کے باب میں بنی ہاشم ہی کا سا حکم رکھے گا کہ جس طرح بنی ہاشم پر زکوٰۃ کا مال حرام ہے اسی طرح اس آزاد شدہ غلام پر بھی زکوٰۃ کا مال حرام ہوگا۔

بھانجا، ماموں کے ترکہ کا وارث ہوتا ہے

⑤ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ اُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کسی قوم کا بھانجہ اسی قوم میں سے ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ بھانجا اپنے ماموں کا وارث ہوتا ہے اور یہ ذوی الارحام میں سے ہے، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک ذوی الارحام میت کے وارث ہوتے ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ذوی الارحام کو میت کے ترکہ میں سے میراث اسی صورت میں ملتی ہے جب کہ میت کے ذوی الفروض اور عصبات موجود نہ ہوں، ان دونوں کی موجودگی میں ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملتا۔ اس کی تفصیل ابتداء باب میں گزر چکی ہے۔

بہر کیف حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ذوی الارحام کے وارث ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

وَذُكِرَ حَدِيْثُ عَائِشَةَ اِنَّمَا الْوَلَاءُ فِيْ بَابٍ قَبْلَ بَابِ السَّلَمِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ الْبَرَاءِ الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ فِيْ بَابِ بُلُوْغِ الصَّغِيْرِ وَحَضَانَتِهٖ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

"اور حضرت عائشہؓ کی روایت اِنَّمَا الْوَلَاءُ الخ باب السلم سے پہلے باب میں نقل کی جاچکی ہے اور حضرت براءؓ کی روایت الخالۃ بمنزلۃ الام الخ انشاء اللہ باب بلوغ الصغیر وحضانتہ میں ذکر کی جائے گی۔"

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

مسلم، غیر مسلما کا اور غیر مسلم، مسلم کا وارث نہیں ہوتا

(۶) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَتَوَارَثُ اَھْلُ الْمِلَّتَیْنِ شَتّٰی رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ وَرَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ عَنْ جَابِرٍ۔

"حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دو مختلف مذہب کے لوگوں کے درمیان وراثت قائم نہیں ہوتی۔ (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ) امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نہ تو مسلمان، غیر مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے، اور نہ غیر مسلمان، مسلمان کا وارث بن سکتا ہے۔

اپنے مورث کا قاتل میراث سے محروم ہوجاتا ہے

(۷) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْقَاتِلُ لَا یَرِثُ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قتل کرنے والا وارث نہیں ہوسکتا۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے مورث کو ناحق قتل کردے وہ اس کی میراث پانے سے محروم ہوجاتا ہے چنانچہ اس بارہ میں تفصیل ابتداء باب میں گزرچکی ہے۔

جدہ کا چھٹا حصہ ہے

(۸) وَعَنْ بُرَیْدَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَعَلَ لِلْجَدَّۃِ السُّدُسَ اِذَا لَمْ تَکُنْ دُوْنَھَا اُمٌّ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جدہ کا چھٹا حصہ مقرر کیا ہے جب کہ ماں اسے محجوب نہ کردے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر میت کی ماں زندہ ہوگی تو اس کی وجہ سے میت کی جدہ محروم ہوجائے گی۔ ہاں اگر میت کی ماں زندہ نہ ہوگی تو اس کے ترکہ میں سے جدہ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ یہاں جدہ کے عام معنی یعنی دادی اور نانی دونوں مراد ہیں۔

زندہ پیدا ہونے والا بچہ وارث ہے

(۹) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَھَلَّ الصَّبِیُّ صُلِّیَ عَلَیْہِ وَوَرِثَ۔

(رواہ ابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "اگر بچہ نے کوئی آواز نکالی ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اسے وارث قرار دیا جائے۔" (ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: "آواز نکالنے سے مراد" علامت زندگی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ پیدائش کے وقت ماں کے پیٹ سے آدھے سے زیادہ نکلا اور اس میں زندگی کی کوئی علامت پائی گئی بایں طور کہ اس کے منہ سے آواز نکلی، یا سانس لیا، یا چھینکا اور یا اس کا کوئی عضو ہلا اور پھر وہ مرگیا تو اس بچہ کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اس کو وارث قرار دے کر اس کا ورثہ بھی تقسیم کیا جائے۔

اب حدیث کی اس وضاحت کی روشنی میں یہ مسئلہ جان لیجئے کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کا وارث ماں کے پیٹ میں ہو تو اس کی میراث رکھ چھوڑی جائے پھر اگر وہ زندہ پیدا ہوا تو وہ وارث قرار پائے گا اور اس کی میراث اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گی اور اگر وہ زندہ پیدا نہ ہوا تو پھر وارث نہیں ہوگا اور وہ میراث دوسرے وارثوں کو مل جائے گی۔

ابتداء اسلام کا ایک حکم

(۱۰) وَعَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ وَحَلِيْفُ الْقَوْمِ مِنْهُمْ وَابْنُ اُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت کثیر ابن عبداللہ اپنے والد (حضرت عبداللہ تابعیؒ) اور وہ کثیرؒ کے دادا (یعنی اپنے والد حضرت عمرو ابن عوف مزنیؓ صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "کسی قوم کا مولی اسی قوم میں سے ہے، کسی قوم کا حلیف اسی قوم میں سے ہے اور کسی قوم کا بھانجا اسی قوم میں سے ہے۔" (دارمیؒ)

تشریح: پہلی فصل میں حضرت انسؓ کی جو روایت (۴) گزری ہے اس کی تشریح میں "مولی کی وضاحت کی جاچکی ہے" کسی قوم کا حلیف اسی قوم میں سے ہے کی وضاحت یہ ہے کہ پہلے اہل عرب میں یہ دستور تھا کہ دو شخص آپس میں قسم و حلف کے ذریعہ یہ باہمی عہد و اقرار کر لیتے تھے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے رنج و راحت اور موت و حیات میں شریک رہیں گے ایک کا خون دوسرے کا خون ہوگا، ایک کی صلح دوسرے کی صلح ہوگی، اور ایک کی جنگ دوسرے کی جنگ ہوگی، ہم میں سے کسی پر کوئی تاوان لازم ہوگا تو دوسرا ادا کرے گا، اسی طرح ایک دوسرے کی میراث کے بارہ میں بھی ایک دوسرا یہ اقرار کرتا تھا کہ میں تمہارا وارث ہوں گا اور تم میرے وارث ہوگے، چنانچہ میراث کے سلسلہ میں اسلام کے ابتدائی زمانہ میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا، مگر جب قرآن کریم میں وراثت کا ایک واضح ضابطہ نازل کیا گیا اور ورثاء اور ان کے حصے متعین و مقرر کر دیئے گئے تو یہ پرانا دستور بھی ختم ہو گیا۔ اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی منسوخ ہو گیا۔ "اور کسی قوم کا بھانجا اسی قوم میں سے ہے" اس کی وضاحت بھی حضرت انسؓ ہی کی روایت (۵) کی تشریح کے تحت کی جاچکی ہے۔

ماموں اپنے بھانجے کا ذی رحم وارث ہوتا ہے

(۱۱) وَعَنِ الْمِقْدَامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ فَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْضَيْعَةً فَاِلَيْنَا وَمَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ وَاَنَا مَوْلٰى مَنْ لَا مَوْلٰى لَهٗ اَرِثُ مَالَهٗ وَاَفُكُّ عَانَهٗ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهٗ يَرِثُ مَالَهٗ وَيَفُكُّ عَانَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَاَنَا وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهٗ اَعْقِلُ عَنْهُ وَاَرِثُهٗ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهٗ يَعْقِلُ عَنْهُ وَيَرِثُهٗ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت مقدامؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میں ہر مؤمن کے حق میں خود اس سے زیادہ عزیز و خیر خواہ ہوں لہٰذا جو شخص اپنے ذمہ عیال یا قرض چھوڑ کر مرے تو اس کے قرض کی ادائیگی اور اس کے عیال کی پرورش میرے ذمہ ہے اور جو شخص مال چھوڑ کر مرے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔ اور میں اس شخص کا کارساز (یعنی منتظم) ہوں جس کا کوئی کارساز نہیں چنانچہ میں اس کے مال کا وارث ہوتا ہوں اور اس کے قیدی کو نجات دلاتا ہوں (یعنی اس کی زندگی میں اس پر جو خون بہا لازم ہوا تھا اور وہ خون بہا ادا کرنے سے پہلے مرگیا تو اس کی وجہ سے چونکہ اس کا نفس عالم برزخ میں ایک قیدی کی طرح سختیوں میں مبتلا ہے اس لئے میں اس کا خون بہا اپنے پاس سے ادا کر کے اسے نجات دلاتا ہوں) اور ماموں اس شخص کا وارث ہوتا ہے جس کا کوئی وارث نہیں، وہ میت کی میراث پاتا ہے اور اس کے قیدی کو نجات دلاتا ہے (یعنی جس شخص کے ذوی الفروض اور عصبی وارث نہیں ہوتے اس کا ماموں کہ جو اس کے ذوی الارحام میں سے ہے اس کا وارث ہوتا

ہے چنانچہ وہ میت کا ترکہ پاتا ہے اور اس پر جو خون بہا وغیرہ لازم تھا اس کو ادا کر کے اس کی روح کو عالم برزخ کے عذاب سے نجات دلاتا ہے) ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "میں اس شخص کا وارث ہوتا ہوں جس کا کوئی وارث نہیں چنانچہ میں اس کی طرف سے اس کا خون بہا ادا کرتا ہوں اور اس کا وارث ہو جاتا ہوں (یعنی اس کا ترکہ اپنی نگرانی میں لے کر بیت المال میں داخل کر دیتا ہوں) اور جس شخص کا (ذوی الفروض و عصبات میں سے) کوئی وارث نہیں ہوتا تو (ذوی الارحام میں سے) اس کا ماموں اس کا وارث ہوتا ہے جو اس کی طرف سے خون بہا ادا کرتا ہے اور اس کی میراث پاتا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

عورت کن تین آدمیوں کی میراث پاتی ہے؟

(۱۲) وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحُوْزُ الْمَرْاَةُ ثَلَاثَ مَوَارِيْثَ عَتِيْقَهَا وَلَقِيْطَهَا وَوَلَدَهَا الَّذِيْ لَا عَنَتْ عَنْهُ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت واثلہ ابن اسقعؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عورت تین آدمیوں کی میراث لیتی ہے، ایک تو اپنے آزاد کئے ہوئے غلام کی، دوسرے اپنے لقیط کی اور تیسرے اپنے بچے کی جس کی وجہ سے لعان ہوا۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "اپنے آزاد کئے ہوئے غلام کی" سے مراد یہ ہے کہ مثلاً ایک عورت نے کسی غلام کو آزاد کیا اور وہ آزاد شدہ غلام اس حالت میں مرا کہ اس کا کوئی نسبی عصبہ نہیں تھا تو جس طرح ایک مرد اس صورت میں اپنے آزاد شدہ غلام کا وارث ہوتا اسی طرح یہ عورت بھی اپنے اس آزاد شدہ غلام کی میراث پائے گی۔

"دوسرے اپنے لقیط کی" سے مراد یہ ہے کہ مثلاً کسی عورت نے کہیں راستہ میں پڑا ہوا کوئی بچہ پایا اور اسے پالا پوسا، تو اب یہ عورت اس کی وارث ہوگی کہ اس لقیط کے مرنے کے بعد اس کی میراث پائے گی، چنانچہ حضرت اسحٰق ابن راہوؒ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن دوسرے علماء کا یہ مسلک ہے کہ ملتقط (یعنی لقیط کو اٹھانے والا) حق ولاء نہیں رکھتا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو عورت کسی بچہ کو اٹھالے اور اسے پالے پوسے تو وہ اس کی وارث نہیں ہوتی، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد گرامی لا ولاء لھا الا ولاء العتاقۃ کے ذریعہ لقیط کے حق ولاء کو آزاد کرنے والے کے ساتھ مختص کیا ہے چنانچہ ان علماء کے نزدیک یہ حکم کہ "عورت اپنے لقیط کی وارث ہوتی ہے" منسوخ ہے۔

البتہ قاضیؒ نے اس حکم کا جو مطلب بیان کیا ہے اس کے پیش نظر اس کو منسوخ کہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ قاضیؒ کہتے ہیں کہ اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ لقیط کا چھوڑا ہوا مال و اسباب بیت المال کا حق ہے، ہاں جس عورت نے لقیط کو اٹھایا اور اسے پالا پوسا وہ دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں اس بات کی زیادہ مستحق اور اولیٰ ہے کہ بیت المال کی طرف سے وہ مال جو اس لقیط نے چھوڑا ہے۔ اس عورت پر صرف کیا جائے۔

"لعان" اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا جو بچہ پیدا ہوا ہے، اس کے بارہ میں یہ کہے کہ یہ میرا نہیں ہے اور وہ اس کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے پر لعنت ملامت کریں، اس کا تفصیلی ذکر ان شاء اللہ باب اللعان میں آئے گا، لہٰذا جس بچہ کے پیدا ہونے میں لعان ہوا ہے۔ اس بچہ کا نسب باپ سے ثابت نہیں ہوتا اور نہ وہ بچہ اور باپ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں کیونکہ وراثت کا تعلق نسب سے ہوتا ہے جو اس صورت میں منتفی ہوتا ہے البتہ اس بچہ کا نسب چونکہ ماں سے ثابت ہوتا ہے اس لئے وہ بچہ اور ماں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ ولد الزنا کا بھی یہی حکم ہے۔

ولد الزنا کا حکم

(۱۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا رَجُلٍ عَاهَرَ بِحُرَّةٍ اَوْ اَمَةٍ

فَالْوَلَدُ وَلَدُ زِنًا لَا يَرِثُ وَلَا يُوْرَثُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد حضرت شعیبؒ اور حضرت شعیبؒ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" جو شخص کسی آزاد عورت یا لونڈی سے زنا کرے تو (اس کے نتیجہ میں) جو بچہ پیدا ہوگا وہ ولد الزنا (حرامی بچہ) کہلائے گا، وہ بچہ نہ کسی کا وارث ہوگا اور نہ اس کی میراث کسی کو ملے گی۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا بچہ نہ تو زنا کرنے والے کا وارث ہوتا ہے اور نہ اس کے اقرباء کی کوئی میراث اسے ملتی ہے کیونکہ وراثت نسب کی وجہ سے ہوتی ہے جب کہ ولد الزنا اور زنا کرنے والے کے درمیان نسب کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اسی طرح زنا کرنے والا بھی اپنے ولد الزنا کا وارث نہیں ہوتا اور نہ اس کے اقرباء اس کی میراث پاتے ہیں اس کے برعکس ولد الزنا کی ماں اس کی وارث ہوتی ہے اور ولد الزنا اپنی ماں کی میراث پاتا ہے۔

آزاد شدہ غلام کی میراث

⑭ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ مَوْلًى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَتَرَكَ شَيْئًا وَلَمْ يَدَعْ حَمِيْمًا وَلَا وَلَدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطُوْا مِيْرَاثَهُ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ قَرْيَتِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا ایک آزاد کیا ہوا غلام مرگیا اور اس نے کچھ مال چھوڑا لیکن نہ تو اس نے کوئی ناطے دار چھوڑا اور نہ فرزند جو (اس کے ترکہ کا وارث ہوتا) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کا چھوڑا ہوا مال اس کی بستی کے کسی آدمی کو دے دو۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: چونکہ اس آزاد شدہ غلام نے کوئی وراث نہیں چھوڑا تھا اس لئے اس کے ترکہ کا حقدار بیت المال تھا اور بیت المال کا مصرف چونکہ فقراء و مساکین وغیرہ ہوتے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کے مال کو اس کی بستی کے کسی محتاج و مستحق کو دے دینا مناسب سمجھا۔

انبیاء کسی کے وارث نہیں ہوتے

یہ بات پہلے ہو چکی ہے کہ آزاد شدہ غلام کے اگر عصبات نسبی نہیں ہوتے تو اس کا حق ولاء اس کو آزاد کرنے والے کو پہنچتا ہے یعنی اس کے مرنے کے بعد اس کو آزاد کرنے والا اس کی میراث کا مالک بنتا ہے۔ اس قاعدہ کے مطابق جب آنحضرت ﷺ کا آزاد کردہ غلام مرگیا اور اس کا کوئی نسبی وارث نہیں تھا۔ تو اس کی میراث آنحضرت ﷺ کو ملنی چاہئے تھی۔ لیکن انبیاء چونکہ کسی کے وارث نہیں ہوتے اور نہ کوئی شخص انبیاء کا وارث ہوتا ہے اس لئے اس آزاد شدہ غلام کی میراث آپ ﷺ نے خود نہیں لی۔ بیت المال کے مصرف میں دے دی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء کسی کے وارث کیوں نہیں ہوتے اور ان کی میراث کسی کو کیوں نہیں ملتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا کی بے ثباتی، دنیا کے مال و اسباب سے بے تعلقی اور دنیا کی خواہشات سے اجتناب کی صرف تعلیم ہی نہیں دیتے تھے بلکہ اپنی تعلیم پر خود عمل بھی کرتے تھے اور دنیا داری کی کوئی چیز ان کے لئے اہمیت نہیں رکھتی تھی چنانچہ ان کی حقیقت شناس نظر پر چونکہ غفلت کا پردہ نہیں تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کے حقیقی مالک و متصرف ہونے کا مشاہدہ اور کامل یقین ان کو حاصل ہوتا تھا، دنیا کے مال و اسباب کے مستعار ہونے اور دنیا میں انسان کی مسافرانہ حالت کا نقشہ ان کے پیش نظر رہتا تھا اس لئے انہیں نہ تو دنیا کے مال و اسباب اور یہاں کے ساز و سامان سے کوئی دلچسپی ہوتی تھی اور نہ انہیں یہ خواہش ہوتی تھی کہ ہمارے فلاں عزیز و رشتہ دار کا متروکہ ہمیں مل جائے

اور نہ ہی اس دنیا سے رخصت ہونے کے وقت انہیں اپنے مال و اسباب کے چھوٹنے کا کوئی افسوس ہوتا تھا کیونکہ اول تو انبیاء کے پاس دنیا کا مال و اسباب ہوتا ہی کیا تھا اور جو کچھ تھوڑا بہت ہوتا بھی تھا تو اس سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی لہٰذا انبیاء کی اس شان کے پیش نظر قانون الٰہی نے یہ فیصلہ نافذ کیا انبیاء اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جو تھوڑا بہت سامان و اسباب چھوڑ جاتے وہ بھی کسی کی وراثت نہیں ہوگا اور نہ انبیاء اپنی زندگی میں اپنے اقرباء کی میراث سے کوئی حصہ لیں گے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تمام انبیاء کی شان ان الفاظ میں ظاہر فرمائی:

اِنَّا مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوْرِثُ مَاتَرَکْنَا صَدَقَۃٌ۔

"یعنی ہم نبیوں کے مال و اسباب میں میراث جاری نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔"

جس کا کوئی بھی وارث نہ ہو اس کا ترکہ بیت المال کے مصرف میں دے دیا جائے

(۱۵) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ مَاتَ رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِيْرَاثِهِ فَقَالَ اِلْتَمِسُوْا لَهُ وَارِثًا اَوْذَارَحِمٍ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُ وَارِثًا وَلَا ذَا رَحِمٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطُوْهُ الْكُبْرَ مِنْ خُزَاعَةَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ قَالَ اُنْظُرُوْا اَكْبَرَ رَجُلٍ مِنْ خُزَاعَةَ۔

"اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص مرگیا تو اس کی میراث نبی کریم ﷺ کے پاس لائی گئی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کوئی وارث تلاش کرو۔ (یعنی پہلے تو ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی وارث ڈھونڈو اگر ان میں سے کوئی وارث نہ ملے تو) چاہیے کوئی ذی رحم ہی وارث ہو، چنانچہ (تلاش کے بعد) نہ تو (ذوی الفروض اور عصبات میں سے) کوئی وارث پایا گیا اور نہ ذی رحم اس لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اس کی میراث قبیلۂ خزاعہ کے کسی بڑے بوڑھے کو دے دو (ابوداؤدؒ) اور ابوداؤد ہی کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "قبیلۂ خزاعہ کے کسی بڑے بوڑھے شخص کو دیکھو (اور اس کو یہ میراث دے دو)۔"

تشریح: اس حدیث کی وضاحت بھی وہی ہے جو اوپر کی حدیث میں کی گئی ہے کہ اس شخص کا چونکہ کوئی بھی وارث نہیں تھا اس لئے اس کے ترکہ کو بیت المال میں داخل کیا جاتا لہٰذا آپ ﷺ نے یہ مناسب سمجھا کہ اس کا ترکہ اس کے قبیلہ کے کسی بڑے بوڑھے کو دے دیا جائے کیونکہ ایسا شخص بیت المال کا مصرف بھی ہے اور اس کے قبیلہ کا ایک فرد ہونے اور اپنے بڑھاپے کی وجہ سے اس کا سب سے زیادہ مستحق بھی ہے۔

میت کے قرض کی ادائیگی اس کی وصیت کی تعمیل پر مقدم ہے

(۱۶) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اِنَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا اَوْدَيْنٍ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَاِنَّ اَعْيَانَ بَنِي الْاُمِّ يَتَوَارَثُوْنَ دُوْنَ بَنِي الْعَلَّاتِ الرَّجُلُ يَرِثُ اَخَاهُ لِاَبِيْهِ وَاُمِّهٖ دُوْنَ اَخِيْهِ لِاَبِيْهِ۔ رواه الترمذي وابن ماجه وفي رواية الدارمي: قال "الاخوة من الامّ يتوارثون دون بني العلات ..... الٰى اخره"۔

"اور حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ (ایک دن) انہوں نے (لوگوں سے) کہا کہ تم اس آیت کو پڑھتے ہو مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٍ جب کہ نبی کریم ﷺ نے وصیت پوری کرنے سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ ﷺ نے یہ حکم بھی صادر فرمایا ہے کہ حقیقی بھائی وارث ہوتے ہیں نہ کہ سوتیلے بھائی (یعنی حقیقی بھائیوں کی موجودگی میں سوتیلے بھائیوں کو کچھ نہیں ملتا) اور یہ کہ آدمی اپنے حقیقی بھائی کا وارث ہوتا ہے۔ نہ کہ سوتیلے بھائی کا (یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید کے طور پر استعمال کیا گیا ہے) (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) اور دارمی

کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "وہ بھائی جو ماں میں بھی شریک ہوں (یعنی باپ اور ماں دونوں میں شریک ہوں کہ جنہیں حقیقی بھائی کہتے ہیں) وارث ہوتے ہیں نہ کہ وہ بھائی جو صرف باپ میں شریک ہوں (یعنی سوتیلے بھائی) آگے حدیث کے وہی الفاظ ہیں جو اوپر نقل ہوئے۔"

تشریح: حدیث میں مذکورہ آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر میت نے کوئی وصیت کی ہے تو اس کو پوری کرنے کے بعد اور اگر اس کے ذمہ کوئی قرض ہو تو اس کو ادا کرنے کے بعد اس کے ورثاء کو اس کی میراث تقسیم کی جائے گی۔ گویا آیت کریمہ میں بظاہر وصیت کی تعمیل کو قرض کی ادائیگی پر مقدم کیا گیا ہے جب کہ آنحضرت ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ وصیت کی تعمیل سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیتے تھے۔ چنانچہ اسی بارہ میں حضرت علیؓ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم یہ آیت پڑھتے ہو کیا اس کی مراد بھی سمجھتے ہو یا نہیں؟ گویا اس طرح حضرت علیؓ نے لوگوں کو آگاہ کیا کہ یہ نہ سمجھ لینا کہ قرآن کریم کی اس آیت اور آنحضرت ﷺ کے فعل میں کوئی تضاد نظر آتا ہے۔ یا یہ کہ آیت کریمہ میں چونکہ وصیت کو مقدم کیا گیا ہے اس لئے وصیت کی تعمیل قرض کی ادائیگی پر مقدم ہے بلکہ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ آیت میں الفاظ کے اعتبار سے قرض کی ادائیگی کو اگرچہ بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت اور حکم کے اعتبار سے یہی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے حکم کے ذریعہ اس کو واضح کر دیا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ پھر آیت کریمہ میں وصیت کا ذکر پہلے کیوں ہے؟ تو اس کا مختصر ترین جواب یہ ہے کہ میت کی وصیت کی تعمیل چونکہ گراں گزر سکتی ہے اور اس میں کوتاہی ہو سکتی ہے اس لئے وصیت کے ذکر کو مقدم کر کے یہ آگاہی دی گئی ہے کہ میت کی تعمیل کو آسان اور غیر ضروری نہ سمجھا جائے بلکہ اسے ایک اہم اور ضروری چیز سمجھ کر پورا کیا جائے۔

آیت میراث کا شان نزول

(۱۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةُ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدِ ابْنِ الرَّبِيْعِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ قُتِلَ اَبُوْهُمَا مَعَكَ يَوْمَ اُحُدٍ شَهِيْدًا وَاِنَّ عَمَّهُمَا اَخَذَ مَالَهُمَا وَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالًا وَلَا تُنْكَحَانِ اِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ قَالَ يَقْضِي اللّٰهُ فِيْ ذٰلِكَ فَنَزَلَتْ اٰيَةُ الْمِيْرَاثِ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى عَمِّهِمَا فَقَالَ اَعْطِ لِابْنَتَيْ سَعْدِ الثُّلُثَيْنِ وَاَعْطِ اُمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت سعد ابن ربیعؓ کی زوجہ اپنی دونوں بیٹیوں کو جو حضرت سعد ابن ربیعؓ سے تھیں، لے کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ یہ دونوں بیٹیاں سعد ابن ربیع کی ہیں، ان کا باپ جو غزوہ احد کے دن آپ کے ہمراہ تھا، میدان جنگ میں شہید ہو گیا اور ان کا مال ان کے چچا نے لے لیا ہے (یعنی ان کے باپ کا جو ترکہ ان لڑکیوں کو پہنچتا وہ زمانہ جاہلیت کی رسم کے مطابق سعد کے بھائی نے لے لیا ہے) اور ان کے لئے کچھ بھی مال نہیں چھوڑا ہے، اب تاوقتیکہ ان کے پاس مال نہ ہو ان سے کوئی نکاح کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "(کچھ دنوں کے لئے صبر کرو) ان لڑکیوں کے معاملہ کا اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا (یعنی ان کے بارہ میں جب کوئی وحی نازل ہوگی تو فیصلہ ہوگا) چنانچہ (کچھ دنوں کے بعد) آیت میراث یعنی یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم الخ نازل ہوئی تو آپ نے کسی کو ان لڑکیوں کے چچا کے پاس بھیجا (اور بلا کر) کہا کہ سعدؓ کی بیٹیوں کو (سعدؓ کے ترکہ میں سے) دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو اور جو کچھ باقی بچے وہ تمہارا ہے۔" (احمدؒ، ترمذی، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ) اور امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے اور اسلام کا اجالا پھیلنے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ رائج تھا کہ میت کا ترکہ صرف

وہی مرد لیتے تھے جو پورے مرد، جوان اور میدان جنگ میں جانے کے قابل ہوں، عورتوں بچوں، ضعیفوں کو میراث نہیں ملتی تھی، مفلس و بے کس بیوہ، معصوم و یتیم بچے اور قابل رحم لڑکیاں روتی چلاتی رہ جاتیں مگر ان کی پرواہ کئے بغیر جوان اور قوی و مال دار چچا اور بھائی آتے اور میت کا سب مال لے جاتے، ظلم و ستم کا یہ طریقہ رائج تھا کہ آنحضرت ﷺ بیواؤں یتیموں، مسکینوں، لڑکیوں اور لاچاروں کے ماوا و ملجا اور ان کے ہمدرد و غم گسار بن کر اس دنیا میں تشریف لائے اور اسلام کا نور ہر ظلم، ہر ستم ہر برائی اور ہر ناانصافی کے اندھیرے کو مٹاتا رہا، یہاں تک کہ میراث کے معاملہ میں عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کو ختم کرنے کا وقت بھی آپہنچا چنانچہ عورتوں کے حق میں اس صریح ظلم کے خاتمہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک صحابی حضرت اوس ابن ثابت انصاریؓ کا انتقال ہوا۔ انہوں نے پسماندگان میں ایک زوجہ اُم کمحہ اور تین لڑکیاں چھوڑیں (بعض روایات میں یہ ہے کہ دو بیٹیاں اور ایک چھوٹا لڑکا تھا) حضرت اوسؓ نے اپنے مال و اسباب کا جن دو آدمیوں کو کار پرداز اور وصی بنایا تھا۔ انہوں نے زمانۂ جاہلیت کے رائج طریقہ کے مطابق اوسؓ کا کل مال ان کے چچازاد بھائی (یا بعض روایات کے مطابق ان کے دو حقیقی بھائیوں) خالد اور عرفطہ کو دے دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوسؓ کی بیکس بیوہ اور ان کی معصوم بچیاں روتی رہ گئیں مگر انہیں کچھ نہ ملا ظاہر ہے کہ ایسے بے کس و لاچار اور غریب مسلمانوں کا ہمدرد و مددگار اور چارہ گر رحمت دو عالم ﷺ کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا وہ پریشان حال اور گھبرائی ہوئی دربار رسالت میں دوڑی آئیں اور عرض کیا کہ شوہر کے کار پردازوں نے نہ مجھ کو کچھ دیا نہ میری بیٹیوں کو جو کچھ تھا خالد اور عرفطہ کو دے کر یکسو ہو گئے، اب ہمارا کیا ہوگا؟ یہ حال زار سن کر آپ ﷺ کو بہت افسوس ہوا۔ مگر فوری طور پر آپ ﷺ کچھ نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ خود مختار حاکم اور خدا کی خدائی میں شریک تو تھے نہیں اس لئے اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کیسے فرما سکتے تھے۔ تاہم آپ ﷺ نے اوسؓ کی زوجہ کو تسلی دے کر فرمایا کہ اب تو اپنے گھر لوٹ جاؤ اور اس معاملہ میں جب تک خدا کی طرف سے کوئی فیصلہ صادر ہو، انتظار اور صبر کرو، چنانچہ آپ ﷺ احکم الحاکمین کے حکم و فیصلہ کے انتظار میں تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔ (النساء ۴: ۷)

"مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر ہو، حصہ قطعی۔"

اس آیت کے نازل ہونے سے یہ معلوم ہو گیا کہ میراث کے معاملہ میں عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ آج تک جو ناانصافی ہو رہی تھی وہ اب ختم ہو گئی ہے اور ترکہ و میراث میں صرف مردوں ہی کا حق نہیں ہے بلکہ عورتوں کا بھی حق ہے، لیکن بہرحال آیت مجمل تھی کہ اس میں صرف عورتوں کا حق ثابت کیا گیا تھا۔ ابھی یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ ترکہ میں مردوں کا کیا حصہ ہے اور عورتوں کو کتنا حصہ ملے گا۔ اسی لئے اس حکم الٰہی کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے اوسؓ کے کار پردازوں کے پاس کہلا بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے میراث میں عورتوں کا بھی حق مقرر فرما دیا ہے لیکن ابھی تک مقدار اور حصہ مقرر نہیں فرمایا ہے اس لئے تم اوسؓ کے مال کو حفاظت سے رکھنا اس میں سے ایک حبہ بھی خرچ نہ کرنا عنقریب ہی کوئی ایسا حکم نازل ہونے والا ہے جس میں حصوں کا تعین کیا جائے گا چنانچہ اس قصہ کو زیادہ دن نہیں گزرنے تھے کہ وہ واقعہ پیش آیا جو مذکورہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ قبیلہ خزرج کے ایک جلیل القدر انصاری صحابی حضرت سعد ابن ربیع ۳ھ میں احد کی مشہور لڑائی میں بارہ زخم کھا کر شہید ہو گئے ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی نے زمانۂ جاہلیت کے رائج دستور کے مطابق حضرت سعدؓ کے کل مال پر قبضہ کر لیا اور زوجہ اور دونوں بیٹیاں محروم رہ گئیں، اس طرح حضرت سعدؓ کی زوجہ دربار رسالت میں حاضر ہوئیں اور اس ناانصافی کے خلاف مرافعہ پیش کیا، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کچھ دن صبر کرو، اللہ تعالیٰ عنقریب آخری اور قطعی فیصلہ صادر فرمانے والا ہے، چنانچہ کچھ دنوں کے بعد یہ آیت میراث نازل ہوئی۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ اَلخ۔ (آخری رکوع تک، النساء ۴:۱۱)

"یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارہ میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے الخ۔"

اس آخری فیصلہ کے بعد جب تمام ورثاء کے حصوں کا تعین ہو گیا تو آپ ﷺ نے سعد ابن ربیعؓ کے بھائی کے پاس کہلا بھیجا کہ حکم الٰہی کے پیش نظر اپنے بھائی کے ترکہ میں سے دو تہائی لڑکیوں کو دے دو اور آٹھواں حصہ ان کی ماں کو، اس کے بعد جو کچھ باقی بچے وہ تم لے لو۔ یعنی سعدؓ نے جو کچھ چھوڑا ہے پہلے اس کے چوبیس حصے کر لو پھر ان چوبیس حصوں میں سے آٹھ آٹھ حصے دونوں لڑکیوں کو دو، تین حصے ان کی ماں کو دو اور باقی پانچ حصے تم لے لو اس طرح اس تقسیم کو یوں ظاہر کریں گے۔

مسئلہ ۲۴
میت ــــــ سعد

بنت	بنت	زوجہ	اخ
۸	۸	۳	۵

بیٹی، پوتی اور بہن کے حصے

(۱۸) وَعَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيْلٍ قَالَ سُئِلَ اَبُوْ مُوْسٰى عَنْ اِبْنَةٍ وَبِنْتِ ابْنٍ وَاُخْتٍ فَقَالَ لِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَلِلْاُخْتِ النِّصْفُ وَاْتِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ فَسَيُتَابِعُنِيْ فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَاُخْبِرَ بِقَوْلِ اَبِيْ مُوْسٰى فَقَالَ لَقَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ اَقْضِيْ فِيْهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ الْاِبْنِ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَمَا بَقِيَ فَلِلْاُخْتِ فَاَتَيْنَا اَبَا مُوْسٰى فَاَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ لَا تَسْاَلُوْنِيْ مَادَامَ هٰذَا الْحِبْرُ فِيْكُمْ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ہزیل ابن شرحبیلؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰؓ (صحابی) سے یہ سوال کیا گیا کہ (مثلاً زید مر گیا اور اس کے وارثوں میں) ایک بیٹی ایک پوتی اور ایک بہن ہے (تو زید کی میراث کو کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟) حضرت ابو موسیٰ نے جواب دیا کہ (زید کا ترکہ) آدھا بیٹی کو اور آدھا بہن کو ملے گا (پوتی محروم رہے گی) پھر حضرت ابو موسیٰ نے سوال کرنے والے سے کہا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے پاس جاؤ (اور ان سے بھی یہی مسئلہ پوچھو) وہ بھی میرے اس جواب سے اتفاق کریں گے (یعنی اس مسئلہ کا جو جواب میں نے دیا ہے یہی جواب وہ بھی دیں گے) چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی یہ مسئلہ پوچھا گیا اور اس کا جو جواب حضرت ابو موسیٰ نے دیا تھا وہ بھی انہیں بتایا گیا، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے (مسئلہ اور حضرت ابو موسیٰ کا جواب سن کر) کہا کہ ایسی صورت میں (یعنی ابو موسیٰؓ نے جو فتویٰ دیا ہے وہی فتویٰ اگر میں بھی دوں تو) میں گمراہ سمجھا جاؤں گا اور اپنے کو راہ ہدایت پر نہ پاؤں گا، لہٰذا اس مسئلہ میں، میں وہی فیصلہ دوں گا جو رسول کریم ﷺ کے حکم کے مطابق ہے اور وہ یہ ہے کہ بیٹی کو آدھا ملے گا اور دو تہائی پورا کرنے کے لئے پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا (یعنی میت کے ترکہ میں سے دو یا دو سے زائد بیٹیوں کو تہائی ملتا ہے اب چونکہ بیٹی ایک ہے اور اس کو آدھا حصہ ملا ہے تو پوتی کو چھٹا حصہ دے کر دو تہائی پورا کر دیا جائے گا) اور جو کچھ باقی بچے (یعنی ایک تہائی) وہ بہن کا ہے (یعنی اس حدیث "بیٹیوں کی موجودگی میں بہن کو عصبہ قرار دو" کے مطابق بہن عصبہ ہو کر باقی ماندہ ترکہ لے لے گی چنانچہ اکثر علماء کا یہی مسلک ہے) راوی کہتے ہیں کہ (حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا یہ جواب سن کر) ہم حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس آئے اور انہیں حضرت ابن مسعودؓ کے جواب سے آگاہ کیا حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا کہ (مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے کیونکہ ابن مسعود نے جو فتویٰ دیا ہے وہی صحیح اور حق ہے لہٰذا) جب تک تمہارے درمیان یہ عالم (یعنی ابن مسعودؓ) موجود ہیں مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھا کرو۔" (بخاری)

تشریح: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ میت کے کل ترکہ کے چھ حصے کر کے اس طرح تقسیم کرو یعنی لڑکی کو تین حصے، پوتی کو ایک حصہ اور بہن کو دو حصے دو۔

دادا کا حصہ

(۱۹) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ ابْنِىْ مَاتَ فَمَالِىْ مِنْ مِيْرَاثِهٖ قَالَ لَكَ السُّدُسُ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ قَالَ لَكَ سُدُسٌ اٰخَرُ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ قَالَ اِنَّ السُّدُسَ الْاٰخَرَ طُعْمَةٌ لَكَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِىُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِىُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت عمران ابن حصین ؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ میرا پوتا مرگیا ہے اس کے ترکہ میں سے مجھے کتنا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، "چھٹا حصہ" جب وہ (یہ جواب سن کر) واپس ہوا تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ "تمہیں چھٹا حصہ اور ملے گا) پھر جب وہ واپس ہوا تو آپ ﷺ نے بلایا اور کہا کہ "یہ آخر کا چھٹا حصہ تمہارا رزق ہے"۔ (احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ) اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

تشریح: "یہ آخر کا چھٹا حصہ تمہارا رزق ہے" کا مطلب یہ ہے کہ پہلا چھٹا حصہ تو تمہارے ذی فرض ہونے کی وجہ سے تمہیں ملا اور یہ دوسرا چھٹا تمہارے عصبہ ہونے کی حیثیت سے تمہیں ملا ہے، اس طرح اس شخص کو گویا کل ترکہ میں سے تہائی ملا مگر آپ ﷺ نے یکبارگی اسے تہائی نہیں دیا تاکہ وہ یہ گمان نہ کرلے کہ پوتے کے ترکہ میں سے دادا کا حصہ ذی فرض ہونے کی حیثیت سے تہائی ہی ہوتا ہے۔ یہ تو حدیث کی وضاحت تھی اب مسئلہ کی نوعیت سمجھئے جو یہ تھی کہ ایک شخص کا انتقال ہوا جس کے وارثوں میں دو بیٹیاں تھیں۔ اور ایک یہ سائل یعنی دادا تھا، چنانچہ میت کے ترکہ میں سے اس کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی ملا باقی ایک تہائی میں سے آدھا یعنی کل ترکہ کا چھٹا حصہ تو دادا کو ذی فرض ہونے کی حیثیت سے ملا اور جو آدھا یعنی کل ترکہ کا چھٹا حصہ بچا وہ بھی دادا ہی کو عصبہ ہونے کی وجہ سے مل گیا گویا ترکہ کی تقسیم یوں ہوئی۔

مسئلہ ٦

میت ـــــــ زید

بنت　بنت　　　　جد بالفروض والعصبیت

جدہ کا حصہ

(۲۰) وَعَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ قَالَ جَاءَتِ الْجَدَّةُ اِلٰى اَبِىْ بَكْرٍ تَسْأَلُهٗ مِيْرَاثَهَا فَقَالَ لَهَا مَالَكِ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ شَيْءٌ وَمَالَكِ فِىْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ فَارْجِعِىْ حَتّٰى اَسْأَلَ النَّاسَ فَسَأَلَ فَقَالَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهَا السُّدُسَ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ هَلْ مَعَكَ غَيْرُكَ فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ مِثْلَ مَاقَالَ الْمُغِيْرَةُ فَاَنْفَذَهٗ لَهَا اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ جَاءَتِ الْجَدَّةُ الْاُخْرٰى اِلٰى عُمَرَ تَسْأَلُهٗ مِيْرَاثَهَا فَقَالَ هُوَ ذٰلِكَ السُّدُسُ فَاِنِ اجْتَمَعْتُمَا فَهُوَ بَيْنَكُمَا وَاَيَّتُكُمَا خَلَتْ بِهٖ فَهُوَ لَهَا۔ (رواہ مالک واحمد والترمذی وابوداؤد والدارمی وابن ماجۃ)

"اور حضرت قبیصہ ابن ذویب ؓ کہتے ہیں کہ (ایک متوفی شخص کی) جدہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان سے اپنی میراث دلوائے جانے کا مطالبہ کیا، حضرت ابوبکر ؓ نے اس سے فرمایا کہ کتاب اللہ میں تمہارے لئے کوئی حصہ مقرر نہیں ہے اور نہ سنت رسول اللہ ﷺ میں تمہارے لئے کوئی حصہ مقرر کیا گیا ہے (یعنی مجھے جو حدیثیں یاد ہیں ان میں سے کسی حدیث میں جدہ کا کوئی ذکر نہیں ہے) اس لئے اب تم واپس جاؤ میں پھر لوگوں سے (یعنی علماء صحابہ ؓ سے) پوچھوں گا (شاید ان میں سے کسی کو جدہ کے حصہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا کوئی ارشاد معلوم ہو) چنانچہ حضرت ابوبکر ؓ نے لوگوں سے پوچھا تو حضرت مغیرہ ابن شعبہ ؓ نے کہا کہ میں (ایک دن)

رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا(تو میں نے دیکھا) کہ آپ ﷺ نے جدہ کو چھٹا حصّہ دلوایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت مغیرہ سے کہا کہ تمہارے علاوہ کوئی اور شخص بھی تمہارے ساتھ تھا؟ (یعنی حضرت ابوبکرؓ نے بطور احتیاط ان سے پوچھا کہ تمہارے علاوہ کسی اور شخص نے بھی رسول کریم ﷺ سے یہ حکم سنا یا دیکھا ہے؟) چنانچہ (ایک اور صحابی) حضرت محمد ابن مسلمہؓ نے (حضرت مغیرہ کے قول کی تائید کی یعنی انہوں نے) وہی کہا جو حضرت مغیرہؓ نے کہا تھا حضرت ابوبکرؓ کو (جب اطمینان ہو گیا کہ میت کے ترکہ میں سے جدہ کا بھی حصّہ ہے تو انہوں) نے اس جدہ کو (میت کے ترکہ میں سے چھٹا حصّہ دیئے جانے کا فیصلہ کر دیا۔ پھر دوسری جدہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے ان سے اپنی میراث دلوائے جانے کا مطالبہ کیا حضرت عمرؓ نے کہا وہی چھٹا حصّہ تمہارے لئے بھی ہے، اگر تم دو ہو تو وہ چھٹا حصّہ تم دونوں کے درمیان مشترک ہے۔ اور اگر تم میں سے کوئی ایک ہے تو وہ چھٹا حصّہ اس ایک کے لئے ہوگا۔"

(مالکؒ، احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، دارمیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "جدہ" دادی کو بھی کہتے ہیں اور نانی کو بھی کہتے ہیں، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں جو عورت آئی تھی وہ تو میت کی نانی تھی اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں جو عورت آئی تھی وہ اس میت کی دادی تھی، جیسا کہ ایک اور روایت میں یہ وضاحت موجود ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ میت کے ترکہ میں جدہ کا چھٹا حصّہ ہوتا ہے خواہ ایک ہو یا کئی ہوں، اگر ایک جدہ ہوگی تو وہ اس چھٹے حصہ کی تنہا مالک ہوگی اور اگر کئی ہوں گی تو اس چھٹے حصّہ کو سب آپس میں برابر، برابر تقسیم کر لیں گی، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے وہ چھٹا حصّہ تنہا ایک جدہ یعنی نانی کو دیئے جانے کا حکم دیا کیونکہ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ میت کی دوسری جدہ یعنی دادی بھی موجود ہے لیکن حضرت عمرؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ میت کی دوسری جدہ بھی ہے تو انہوں نے یہ حکم دیا کہ اس چھٹے حصّہ میں دونوں جدہ شریک ہوں۔

باپ کی موجودگی میں دادی کو چھٹا حصّہ دلوائے جانے کا ایک خاص واقعہ

(۲۱) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ فِي الْجَدَّةِ مَعَ ابْنِهَا اَنَّهَا اَوَّلُ جَدَّةٍ اَطْعَمَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُدُسًا مَعَ ابْنِهَا وَابْنُهَا حَيٌّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ ضَعَّفَهُ۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس جدہ کے بارے میں جس کا بیٹا موجود ہو یہ کہا کہ (میراث دلوائی جانے والی) وہ پہلی جدہ تھی جسے رسول کریم ﷺ نے اس کے بیٹے کی موجودگی میں اسے چھٹا حصّہ دلوایا تھا اور اس کا بیٹا زندہ تھا۔ (ترمذیؒ، دارمیؒ) اور امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔"

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص دادی اور باپ چھوڑ کر مرا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے ترکہ میں سے دادی کو چھٹا حصہ دلوایا باوجودیکہ اس کا بیٹا یعنی میت کا باپ موجود تھا۔ حالانکہ علماء کا مسلک یہ ہے کہ اگر میت کا باپ موجود ہو تو اس کے ترکہ میں سے دادی کو کچھ نہیں ملتا، گویا دادی اپنے بیٹے یعنی میت کے باپ کی موجودگی میں پوتے کے ترکہ سے محروم رہتی ہے، مذکورہ بالا حدیث پر علماء نے اس لئے عمل نہیں کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا، دلیل کے طور پر صحیح حدیث ہی اختیار کی جا سکتی ہے۔ یا پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک خاص صورت تھی جس میں آپ نے جدہ کو اس کے بیٹے یعنی میت کے باپ کی موجودگی میں تبرعاً یعنی ازراہ احسان حصّہ دلوایا تھا، بطریق میراث نہیں دلوایا تھا۔

خون بہا کا مال مقتول ورثاء کو ملتا ہے

(۲۲) وَعَنِ الضَّحَاكِ بْنِ سُفْيَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلَيْهِ اَنْ وَرِّثِ امْرَاَةَ اَشْيَمِ الضَّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت ضحاکؓ ابن سفیان سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے انہیں لکھا کہ اشیم ضبابی کی بیوی کو اس کے خاوند کے خون بہا میں سے میراث دی جائے امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: اشیم ضبابی، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قتل کر دیئے گئے تھے لیکن یہ قتل قصداً نہیں ہوا تھا بلکہ خطاءً ہوا تھا، چنانچہ جس شخص کی خطاء اور غلطی سے وہ قتل ہو گئے تھے، اس پر خون بہا واجب ہوا۔ اور جب اس نے خون بہا ادا کیا تو آپ ﷺ نے ضحاک کو لکھا کہ مقتول یعنی اشیم ضبابی کے خون بہا کے طور پر جو مال حاصل ہوا ہے اس میں سے اس کی بیوی کو میراث دے دی جائے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دیت پہلے تو مقتول کے لئے واجب ہوتی ہے پھر اس دیت میں حاصل ہونے والا مال مقتول کی دوسری املاک کی طرح اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

منقول ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ عورت اپنے خاوند کی دیت میں حاصل ہونے والے مال کی وارث نہیں ہوتی، چنانچہ حضرت ضحاکؓ نے ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی اور یہ ثابت کیا کہ خاوند کی دیت میں حاصل ہونے والے مال میں سے اس کی بیوی کو میراث ملتی ہے۔

موالی آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے

۲۳ وَعَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا السُّنَّةُ فِي الرَّجُلِ مِنْ اَهْلِ الشِّرْكِ يُسْلِمُ عَلٰى يَدَىْ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ هُوَ اَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت تمیم داری کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ اس مشرک کے بارہ میں کیا حکم ہے جو کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام لایا ہو (یعنی وہ مسلمان اس نومسلم کا مولی ہوتا ہے یا نہیں؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ مسلمان (جس کے ہاتھ پر وہ مشرک اسلام لایا ہے) اس کی زندگی میں اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے اور مرنے کے بعد بھی سب سے زیادہ حقدار وہی ہے (یعنی وہ مسلمان اس نومسلم کا مولی ہے)۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، داریؒ)

تشریح: حضرت تمیم داریؓ ایک جلیل القدر اور مشہور صحابی ہیں، یہ پہلے عیسائی تھے، پھر اللہ نے انہیں ہدایت بخشی اور ۹ھ میں مشرف باسلام ہوئے اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی زندگی خوف خدا اور عبادت گزاری سے اس قدر معمور ہوئی کہ شب بیداری جیسے عظیم وصف میں امتیازی حیثیت کے مالک ہوئے رات میں ایک رکعت میں پورا قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کر دیتے، اتفاق سے ایک رات تہجد کی نماز نہ پڑھ سکے تو اپنے نفس کو اس کی اس طرح سزا دی کہ پورے ایک برس تک مسلسل سوئے نہیں۔ حضرت تمیم داریؓ کو ایک تاریخی امتیاز یہ بھی حاصل ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مسجد میں چراغ روشن کیا ہے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے تو وہ مسلمان اس نومسلم کا مولی ہو جاتا ہے چنانچہ ابتداء اسلام میں یہی حکم تھا کہ موالی آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ "وہ سب سے زیادہ حقدار ہے" کی مراد یہ ہے کہ مسلمان کرنے والے پر یہ حق سب سے زیادہ ہے کہ وہ اس نومسلم کی زندگی میں تو اس کی اعانت و خیر خواہی کرے اور اس کے مرنے کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھے۔

آزاد شدہ غلام اپنے آزاد کرنے والے کا وارث ہوتا ہے یا نہیں؟

۲۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا مَاتَ وَلَمْ يَدَعْ وَارِثًا اِلَّا غُلَامًا كَانَ اَعْتَقَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَهُ

اَحَدٌ؟ قَالُوْا لَا اِلَّا غُلَامٌ لَهٗ كَانَ اَعْتَقَهٗ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِيْرَاثَهٗ لَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ ایک ایسا شخص مر گیا جس نے اپنے ایک غلام کے علاوہ کہ جسے وہ آزاد کر چکا تھا اور کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا اس کا کوئی وارث ہے یا نہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کوئی وارث نہیں ہے، البتہ ایک غلام ہے جسے اس نے آزاد کر دیا تھا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس میت کی میراث اس کے آزاد کردہ غلام کو دلوادی۔"

(ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: چونکہ آزاد شدہ غلام اپنے آزاد کرنے والا کا وارث نہیں ہوتا اس لئے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس آزاد شدہ غلام کو اس کے آزاد کرنے والے کی میراث ازراہ تبرع (احسان کے طور پر) دلوائی تھی۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث (۱۴) میں گزرا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک لاوارث میت کی میراث کے بارہ میں فرمایا کہ اس کی میراث اس کی بستی کے کسی شخص کو دے دو، چنانچہ اس موقع پر جو وضاحت کی گئی تھی وہی وضاحت یہاں بھی ہے۔

حضرت شریحؒ اور حضرت طاؤسؒ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر کہا ہے کہ جس طرح آزاد کرنے والا اپنے آزاد کردہ غلام کا وارث ہوتا ہے اسی طرح آزاد شدہ غلام بھی اپنے آزاد کرنے والے کا وارث ہو سکتا ہے۔

ولاء کی وراثت کا مسئلہ

(۲۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَرِثُ الْوَلَاءَ مَنْ يَرِثُ الْمَالَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ اِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ۔

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص مال کا وارث ہوتا ہے وہ ولاء کا بھی وارث ہوتا ہے" امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے۔"

تشریح: آزاد شدہ غلام کے مال کو "ولاء" کہتے ہیں۔ لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً زید کا باپ مر گیا پھر اس کے بعد اس کے باپ کا آزاد کردہ غلام یا اس کے باپ کا آزاد کردہ غلام مرا تو اب یہ شخص یعنی زید اس کے مال کا وارث ہوگا کیونکہ جس طرح یہ اپنے باپ کی دیگر املاک کا وارث ہوتا ہے اسی طرح اپنے باپ کے ولاء کا بھی وارث ہے۔ لیکن یہ حکم صرف عصبہ کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جو عصبہ وارث (مثلاً بیٹا) بنفسہ ہونے کی حیثیت سے میت کے مال کا وارث ہوتا ہے وہی عصبہ ولاء کا وارث ہوگا لہٰذا آزاد کرنے والے کی بیٹی اپنے باپ کے ولاء کی وارث نہیں ہوگی کیونکہ اگرچہ وہ اپنے باپ کے مال کی وارث ہوتی ہے مگر عصبہ نہیں ہوتی بلکہ عصبہ بنفسہ تو صرف مرد ہوتے ہیں عورتیں عصبہ بنفسہ نہیں ہوتیں، ہاں عورت ایسے آزاد شدہ غلام کے مال کی تو وارث ہوتی ہے جسے اس نے خود آزاد کیا ہو یا اس کو اسکے آزاد کردہ غلام نے آزاد کیا ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اسلام لانے سے پہلے جو میراث تقسیم ہو چکی ہے اسلام لانے کے بعد اس میں کوئی ترمیم نہیں ہوگی

(۲۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا كَانَ مِنْ مِيْرَاثٍ قُسِمَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ عَلٰى قِسْمَةِ الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا كَانَ مِنْ مِيْرَاثٍ اَدْرَكَهُ الْاِسْلَامُ فَهُوَ عَلٰى قِسْمَةِ الْاِسْلَامِ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو میراث زمانہ جاہلیت میں تقسیم ہو چکی ہے وہ زمانہ جاہلیت ہی کی تقسیم

کے مطابق رہے گی اور جس میراث نے اسلام کا زمانہ نہ پایا وہ اسلام ہی کے مطابق تقسیم ہوگی۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو میراث زمانہ جاہلیت میں تقسیم ہو چکی ہے اب اس میں کوئی ترمیم نہیں ہوگی جس کو جتنا مل چکا ہے وہ اتنے ہی کا مالک رہے گا، اگر اس زمانہ میں کسی کے پاس زیادہ چلا گیا ہے تو اب اس کی واپسی ضروری نہیں ہے اور اگر کسی کو کم حصہ ملا ہے تو اسے باقی کے مطابق کا حق پہنچتا، ہاں اسلام لانے کے بعد جو بھی میراث تقسیم ہوگی، اسلامی احکام و قواعد کے مطابق ہی تقسیم ہوگی۔

پھوپھیوں کے وارث نہ ہونے کے بارہ میں حضرت عمرؓ کا تعجب

(۲۷) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ حَزْمٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهُ کَثِیْرًا یَقُوْلُ کَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ یَقُوْلُ عَجَبًا لِلْعَمَّةِ تُوْرِثُ وَلَا تَرِثُ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت محمد بن ابی بکر ؒ ابن حزمؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے سنا جو اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے تھے کہ پھوپھی کے بارہ میں تعجب ہے کہ اس کا بھتیجا تو اس کا وارث ہو جاتا ہے مگر وہ اپنے بھتیجے کی وارث نہیں ہوتی۔" (مالکؒ)

تشریح: حضرت عمرؓ کا یہ تعجب محض عقل و قیاس کی بنیاد پر ہے ورنہ اگر بجا آوری حکم کے نکتہ نظر سے دیکھا جائے یا یہ بات پیش نظر ہو کہ اس کی حکمت و مصلحت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تو تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔

حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی پھوپھی مر جائے تو وہ اپنی پھوپھی کا وارث ہو سکتا ہے اس کے برعکس اگر وہ شخص مر جائے تو اس کی پھوپھی اس کی وارث نہیں ہو سکتی، چنانچہ حدیث کا یہ مفہوم اور حضرت عمرؓ کا یہ تعجب ان علماء کے مسلک کے مطابق ہے جن کے نزدیک ذوی الارحام میت کے وارث نہیں ہوتے جب کہ پھوپھی ذوی الارحام میں سے ہونے کی وجہ سے ان علماء کے نزدیک اپنے بھتیجے کی وارث ہو سکتی ہے جو ذوی الارحام کو علم فرائض میں مذکورہ تفصیل کے مطابق میت کا وارث قرار دیتے ہیں۔

فرائض کا علم سیکھنے کا حکم

(۲۸) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَزَادَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَالطَّلَاقَ وَالْحَجَّ قَالَا فَاِنَّهٗ مِنْ دِیْنِکُمْ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا "فرائض کے احکام و مسائل سیکھو" نیز حضرت ابن مسعودؓ نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے "طلاق اور حج کے احکام و مسائل (بھی) سیکھو" انہوں نے کہا کہ (اس کا سیکھنا اس لئے ضروری ہے کہ) یہ علم تمہاری دینی ضروریات میں سے ہے۔" (دارمیؒ)

بَابُ الْوَصَايَا

وصیتوں کا بیان

"وصایا" وصیت کی جمع ہے "خطایا" خطیہ کی جمع ہے: "وصیت" اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنے وارثوں سے یہ کہہ جائے کہ میرے مرنے کے بعد یہ فلاں فلاں کام کرنا مثلاً میری طرف سے مسجد بنوا دینا، کنواں بنوا دینا، یا مدرسہ اور خانقاہ وغیرہ میں اتنا روپیہ دے دینا، یا فلاں شخص کو اتنا روپیہ یا مال دے دینا، یا فقراء و مساکین کو طعام و غلہ یا کپڑے تقسیم کرا دینا وغیرہ وغیرہ اور یا جو فرائض و واجبات مثلاً نماز اور زکوٰۃ وغیرہ اس کی غفلت کی وجہ سے قضا ہو گئے تھے ان کے بارے میں اپنے ورثاء سے کہے کہ یہ ادا کر دینا یا ان کا کفارہ دے دینا، اسی طرح بعض مواقع پر "وصیت"، نصیحت کے معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے۔

علماء ظواہر (یعنی وہ علماء جو بہر صورت قرآن و حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہیں) کے نزدیک وصیت کرنا واجب ہے، جب کہ

دوسرے تمام علماء کے ہاں پہلے تو وصیت واجب تھی یعنی اپنے اختیار سے والدین اور رشتہ داروں کے لئے اپنے مال و اسباب میں سے حصے مقرر کر جانا ہر مال دار پر واجب تھا لیکن جب آیت میراث نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے خود تمام حصے متعین و مقرر فرما دیئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اسی لئے وارث کے لئے وصیت کرنا درست نہیں ہے، البتہ آیت میراث کے بعد بھی تہائی مال میں وصیت کرنے کا اختیار باقی رکھا گیا تاکہ اگر کوئی شخص اپنے آخری وقت میں فی سبیل اللہ مال خرچ کر کے اپنی عمر بھی کی تقصیرات مثلاً بخل وغیرہ کا کفارہ اور مکافات کرنا چاہے تو یہ سعادت حاصل کر لے یا اگر اپنے کسی دوست یا دور کے رشتہ دار یا خادم وغیرہ کو کچھ دینا چاہے تو اس تہائی میں سے دے کر اپنا دل خوش کر لے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص پر کوئی قرض وغیرہ ہو یا اس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی ادائیگی و واپسی کی وصیت کر جائے اور اس بارہ میں ایک وصیت نامہ لکھ کر اس پر گواہیاں کرا لے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

وصیت نامہ لکھ رکھنے کا حکم

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَقُّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوْصٰى فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهُ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس مسلمان مرد کے (مال یا آپسی تعلقات کے) معاملے میں کوئی بات وصیت کے قابل ہو تو اسے چاہئے کہ وہ دو راتیں بھی وصیت لکھ رکھے بغیر نہ گزارے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہو یا لوگوں کا کوئی معاملہ اس کے سپرد ہو تو اسے چاہئے کہ وہ دو راتیں گزرنے سے پہلے وصیت نامہ لکھ کر رکھ لے۔ "دو راتوں" سے مراد "عرصہ قلیل" ہے یعنی کم سے کم عرصہ بھی ایسا نہ گزرنا چاہئے جس میں وصیت نامہ لکھا ہوا نہ رکھا ہو، کیونکہ انسان کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، نہ معلوم کس لمحہ زندگی کا سلسلہ منقطع ہو جائے اور وصیت نامہ کی عدم موجودگی میں ورثاء کے لاعلم ہونے کی وجہ سے حق تلفی کا وبال اس دنیا سے اس کے ساتھ جائے۔

علماء ظواہر اسی حدیث کے پیش نظر وصیت کے واجب ہونے کے قائل ہیں حالانکہ یہ حدیث عمومی طور پر وصیت کے واجب ہونے پر دلالت نہیں کرتی البتہ اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص پر کسی کا قرض ہو یا اس کے پاس کسی کی امانت ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس قرض یا امانت کے بارہ میں وصیت کر جائے۔

علماء لکھتے ہیں کہ جس معاملہ میں (یعنی قرض اور امانت وغیرہ کے سلسلہ میں) وصیت کرنا لازم ہو اس کا وصیت نامہ جلد سے جلد مرتب کر لینا مستحب ہے۔ نیز یہ ضروری ہے کہ وصیت نامہ لکھ کر اس وصیت نامہ پر دو اشخاص کی گواہیاں ثبت کرا دی جائیں۔

اپنے ترکہ کے تہائی حصّہ میں وصیت کی جا سکتی ہے

② وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ مَرِضْتُ عَامَ الْفَتْحِ مَرَضًا اَشْفَيْتُ عَلَى الْمَوْتِ فَاَتَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُنِيْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ مَالًا كَثِيْرًا وَلَيْسَ يَرِثُنِيْ اِلَّا ابْنَتِيْ اَفَاُوْصِيْ بِمَالِيْ كُلِّهٖ قَالَ لَا قُلْتُ فَثُلُثَيْ مَالِيْ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَالثُّلُثُ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ اِنَّكَ اَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ وَاِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِيْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا اُجِرْتَ بِهَا حَتّٰى اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا اِلٰى فِيْ امْرَاَتِكَ۔ (متفق علیہ)

"اور سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں فتح مکہ کے سال اتنا سخت بیمار ہوا کہ موت کے کنارہ پر پہنچ گیا، چنانچہ جب رسول کریم ﷺ میری عیادت کے لئے میرے پاس تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس بہت مال ہے، مگر ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں ہے تو کیا میں اپنے سارے مال کے بارہ میں وصیت کر جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا! "نہیں" پھر میں نے عرض کیا کہ "کیا دو تہائی مال کے بارہ میں وصیت کر دوں؟ آپؐ فرمایا نہیں۔ میں نے پوچھا نصف کے لئے؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے پوچھا ایک تہائی کے لئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تہائی مال کے بارہ میں وصیت کر سکتے ہو اگرچہ یہ بھی بہت ہے۔ اور یاد رکھو، اگر تم اپنے وارثوں کو مال دار و خوش حال چھوڑ جاؤ گے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو مفلس چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں، جان لو، تم اپنے مال کا جو بھی حصہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے جذبہ سے خرچ کرو گے تو تمہیں اس کے خرچ کا ثواب ملے گا، یہاں تک کہ تمہیں اس لقمہ کا بھی ثواب ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ تک لے جاؤ گے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "میرا کوئی وارث نہیں ہے" سے حضرت سعدؓ کی مراد یہ تھی کہ ذوی الفروض سے میرا کوئی وارث نہیں ہے، یا یہ کہ ایسے وارثوں میں سے کہ جن کے بارہ میں مجھے یہ خوف نہ ہو کہ وہ میرا مال ضائع کر دیں گے، علاوہ ایک بیٹی کے اور کوئی وارث نہیں ہے۔ حضرت سعدؓ کے اس جملہ کی یہ تاویل اس لئے کی گئی ہے کہ حضرت سعدؓ کے کئی عصبی وارث تھے۔

یہ حدیث جہاں اس بات کی دلیل ہے کہ مال جمع کرنا مباح ہے وہیں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وارثوں کے حق میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس میت کے وارث موجود ہوں تو اس کی وصیت اس کے تہائی مال سے زائد میں جاری نہیں ہوتی البتہ اگر وہ ورثا اپنی اجازت و خوشی سے چاہیں تو ایک تہائی سے زائد میں بھی بلکہ سارے ہی مال میں وصیت جاری ہو سکتی ہے بشرطیکہ سب وارث عاقل و بالغ اور موجود ہوں۔ اور جس میت کا کوئی وارث نہ ہو تو اس صورت میں بھی اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ اس کی وصیت بھی ایک تہائی سے زائد میں جاری نہیں ہو سکتی۔ البتہ حضرت امام اعظمؒ اور ان کے متبعین علماء اس صورت میں ایک تہائی سے زائد میں بھی وصیت جاری کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ نیز حضرت امام احمدؒ اور حضرت اسحٰقؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، ان کے حق میں ہمیشہ خیر خواہی کا جذبہ رکھا جائے اور وارثوں کے تئیں شفقت و محبت ہی کے طریقے کو اختیار کیا جائے! علاوہ ازیں اس حدیث سے اور بھی کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ اپنا مال غیروں کو دینے سے افضل یہ ہے کہ اس کو اپنے قرابتداروں پر خرچ کیا جائے، دوم یہ کہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے سے ثواب ملتا ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی رضا خوشنودی کی طلب پیش نظر ہو، اور سوم یہ کہ اگر کسی مباح کام میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضاء خوشنودی کی نیت کر لی جائے تو وہ مباح کام بھی طاعت و عبادت بن جاتا ہے چنانچہ بیوی اگرچہ جسمانی و دنیوی لذت و راحت کا ذریعہ ہے اور خوشی و مسرت کے وقت اس کے منہ میں نوالہ دینا محض ایک خوش طبعی ہے جس کا طاعت و عبادت اور امور آخرت سے کوئی بھی تعلق نہیں ہوتا مگر اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے یہ بتایا کہ اگر بیوی کے منہ میں نوالہ دینے میں اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی کی طلب کی نیت ہو تو اس میں ثواب ملتا ہے لہٰذا اس کے علاوہ دوسری حالتوں میں تو بطریق اولیٰ ثواب ملے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

(۳) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ عَادَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مَرِیْضٌ فَقَالَ اَوْصَیْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِکَمْ قُلْتُ بِمَالِیْ کُلِّہٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ فَمَا تَرَکْتَ لِوَلَدِکَ قُلْتُ ھُمْ اَغْنِیَاءُ بِخَیْرٍ فَقَالَ اَوْصِ بِالْعُشْرِ فَمَا زِلْتُ اُنَاقِصُہٗ حَتّٰی قَالَ اَوْصِ بِالثُّلُثِ وَالثُّلُثُ کَثِیْرٌ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ جب میں بیمار تھا تو رسول کریم ﷺ مجھے پوچھنے آئے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "کیا تم نے وصیت کرنے کا ارادہ کیا ہے"؟ میں نے کہا کہ "ہاں"! آپ ﷺ نے فرمایا "کتنے مال کی وصیت کا تم نے ارادہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ "میں نے تو اللہ کی راہ میں اپنے سارے مال کی وصیت کرنے کا ارادہ کر لیا ہے" آپ نے فرمایا: اولاد کے لئے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا وہ خود مالدار خوشحال ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "(اگر وصیت کرنا ہی چاہتے ہو تو) اپنے مال کے دسویں حصہ کے بارہ میں وصیت کردو" حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ جب میں آپ ﷺ کی بتائی ہوئی اس مقدار کو بار بار کم کہتا رہا تو (میرے اصرار پر) آپؐ نے فرمایا کہ "اچھا تہائی مال کے بارہ میں وصیت کردو اگرچہ یہ تہائی بھی بہت ہے۔" (ترمذیؒ)

وارث کے حق میں وصیت درست نہیں

④ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ خُطْبَتِہٖ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَعْطٰی کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ رواہ ابوداؤد وابن ماجة وزاد الترمذی "الولد للفراش وللعاھر حجر وحسابھم علی اللّٰہ" ویروی عن ابن عباسؓ عن النَّبِیِّ ﷺ قال لَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ الْوَرَثَةُ منقطع ھذا لفظ المصابیح وفی روایة الدار القطنی قال لا تجوز وصیة لوارث الا ان یشاء الورثة۔

"اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہے۔ لہٰذا وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

اور امام ترمذیؒ نے یہ مزید نقل کیا ہے کہ بچہ صاحب فراش کے لئے ہے، اور زنا کرنے والے کے لئے پتھر ہے، نیز ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے" اور حضرت ابن عباسؓ نے نبی کریم ﷺ سے یہ نقل کیا ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) "وارث کے لئے وصیت نہیں ہے مگر جب کہ وارث چاہیں" یہ حدیث منقطع ہے اور یہ مصابیح کے الفاظ ہیں۔

اور دار قطنی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) "وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہوتی مگر جب کہ وارث چاہیں۔

تشریح: "اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دیدیا ہے الخ" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ورثا کے لئے حصے متعین و مقرر فرما دیئے ہیں خواہ وہ کسی وارث کے حق میں یہ وصیت کر بھی جائے کہ اسے دوسرے وارثوں سے اتنا زیادہ حصہ دیا جائے تو شرعی طور پر اس کا کچھ اعتبار نہیں، ہاں اگر تمام ورثاء عاقل و بالغ ہوں اور وہ برضاء و رغبت کسی وارث کو میت کی وصیت کے مطابق اس کے حصے سے زیادہ دے دیں تو کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں، آیت میراث نازل ہونے سے پہلے اپنے اقرباء کے حق میں وصیت کر جانا واجب تھا مگر جب آیت میراث نازل ہوئی اور تمام ورثا کے حصے متعین و مقرر ہو گئے تو وصیت کا واجب ہونا منسوخ ہو گیا۔

"فراش" ویسے تو عورت کو کہتے ہیں لیکن یہاں الولد للفراش میں فراش سے مراد "صاحب فراش" (یعنی عورت کا مالک) ہے۔ حدیث گرامی کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے اور اس کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہو تو اس بچہ کا نسب زنا کرنے والے سے قائم نہیں ہوتا بلکہ وہ صاحب فراش کی طرف منسوب ہوتا ہے خواہ وہ صاحب فراش زنا کرانے والی عورت کا خاوند ہو یا (لونڈی ہونے کی صورت میں) اس کا آقا ہو اور یا وہ شخص جس نے شبہ میں مبتلا ہو کر اس عورت سے صحبت کر لی تھی۔

اور زنا کرنے والے کے لئے پتھر ہے" یہ جملہ زنا کرنے والے کی محرومی کی طرف اشارہ کرتا ہے جیسا کہ ہماری عام بول چال میں کسی ایسے شخص کے بارہ میں کہ جسے کچھ نہیں ملتا، کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس خاک پتھر ملے گا، لہٰذا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچہ کا نسب چونکہ زنا کرنے والے سے قائم نہیں ہوتا اس لئے ولد الزنا کی میراث میں سے اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ یا پھر یہ کہ یہاں "پتھر" سے مراد سنگسار کرنا ہے کہ اس زنا کرنے والے کو (اگر وہ شادی شدہ تھا) سنگسار کیا جائے گا۔

"ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اس بدکاری میں مبتلا ہونے والوں کا حساب و کتاب اللہ پر ہے کہ وہ ہر ایک کو ان کے کرتوت کے مطابق بدلہ دے گا۔ ویسے یہ جملہ ایک دوسرے معنی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک دنیا کا تعلق ہے تو یہاں ہم زنا کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں بایں طور کہ ان پر حد جاری کرتے ہیں۔ اب رہا وہاں یعنی آخرت کا معاملہ تو یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشاء پر موقوف ہے چاہے تو مواخذہ کرے اور چاہے تو اپنے بے پایاں رحم و کرم کے صدقہ میں انہیں بخش دے۔

مذکورہ بالا عبارت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص زنا کرے یا کسی اور گناہ میں مبتلا ہو اور اس پر کوئی حد قائم نہ ہو یعنی دنیا میں اسے کوئی سزا نہ دی جائے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہ چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے اسے عذاب میں مبتلا کرے۔

کسی دوسرے کے حق میں وصیت کر کے اپنے ورثا کا نقصان نہ پہنچاؤ

⑤ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْاَةُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ سِتِّيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ ثُمَّ قَرَأَ اَبُوْهُرَيْرَةَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰی بِهَا اَوْدَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ اِلٰی قَوْلِهٖ تَعَالٰی وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (رواه احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "مرد اور عورت ساٹھ برس تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں مگر جب ان کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وصیت کے ذریعہ (وارثوں کو) نقصان پہنچاتے ہیں۔ لہٰذا ان کے لئے دوزخ ضروری ہو جاتی ہے" اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔ "وَصِيَّةٍ يُّوْصٰی بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ۔ "یعنی (ورثاء اپنے حصے کی) وصیت پوری کرنے کے بعد جس کی وصیت کی جائے یا دین کے بعد بشرطیکہ (وصیت کرنے والا) کسی کو ضرر نہ پہنچائے۔"

حضرت ابوہریرہؓ نے یہ آیت ارشاد ربانی وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (اور یہ بڑی کامیابی ہے) تک تلاوت کی ہے۔

(ترمذی، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: یہ حدیث حقوق العباد کی اہمیت ظاہر کرتی ہے کہ جو لوگ اپنی ساری زندگی عبادت الٰہی میں گذار دیتے ہیں مگر حقوق العباد کو نقصان پہنچانے سے اجتناب نہیں کرتے وہ اپنی تمام عبادتوں کے باوجود خدا کی ناراضگی کا مورد بن جاتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ خواہ وہ مرد ہوں یا عورت ساٹھ سال تک عبادت کرتے ہیں مگر اپنی زندگی کے آخری لمحات میں یہ وبال اپنے سر لے لیتے ہیں کہ وہ اپنے مال میں تہائی سے زیادہ کی وصیت کسی غیر شخص کے حق میں کر جاتے ہیں یا اپنا سارا مال کسی ایک وارث کو ہبہ کر دیتے ہیں تاکہ دوسرے وارثوں کو کچھ نہ ملے اور اس طرح وہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچاتے ہیں تو وہ اتنے طویل عرصہ کی اپنی عبادتوں کے باجود اپنے آپ کو دوزخ کے عذاب کا سزاوار بنا لیتے ہیں۔ کیونکہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچانا حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی کی وجہ سے غیر مناسب و ناجائز ہی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی اور اس کی مقررہ ہدایات سے تجاوز بھی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ کا ارشاد بیان کرنے کے بعد بطور تائید مذکورہ بالا آیت کریمہ پڑھی۔ کیونکہ اس آیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مورث کو چاہئے کہ وہ اپنے مال کے تہائی حصہ سے زائد کے بارہ میں وصیت کر کے اپنے وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

جائز وصیت کر جانے والے کے لئے بشارت

⑥ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ عَلٰی وَصِيَّةٍ مَاتَ عَلٰی سَبِيْلٍ وَسُنَّةٍ وَمَاتَ عَلٰی تُقًی وَشَهَادَةٍ وَمَاتَ مَغْفُوْرًا لَّهٗ۔ (رواه ابن ماجۃ)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص وصیت کر کے مرا (یعنی جس شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے مال کا کچھ حصہ خدا کی راہ میں مثلاً فقراء کو دینے کی وصیت کی) تو وہ راہ مستقیم اور پسندیدہ طریقہ پر اور تقویٰ و شہادت پر مرا (یعنی متقیوں اور شہیدوں میں داخل ہوا) اور اس حال میں مرا کہ اس کی مغفرت کی گئی۔" (ابن ماجہؒ)

کافروں کو اعمال نیک کا ثواب نہیں پہنچتا

⑦ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ اَوْصٰى اَنْ يُّعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ فَاَعْتَقَ ابْنُهٗ هِشَامٌ خَمْسِيْنَ رَقَبَةً فَاَرَادَ ابْنُهٗ عَمْرٌو اَنْ يُّعْتِقَ عَنْهُ الْخَمْسِيْنَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حَتّٰى اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِيْ اَوْصٰى اَنْ يُّعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ وَاِنَّ هِشَامًا اَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِيْنَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُوْنَ رَقَبَةً اَفَاُعْتِقُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَاَعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهٗ ذٰلِكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور شعیب اپنے دادا (حضرت عبداللہؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ عاص ابن وائل نے یہ وصیت کی تھی کہ میری طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں چنانچہ پچاس غلام تو ان کے بیٹے ہشامؓ نے آزاد کر دیئے پھر جب ان کے (دوسرے) بیٹے عمروؓ نے یہ ارادہ کیا کہ باقی پچاس غلام اس وقت تک آزاد نہیں کرونگا جب تک کہ رسول کریم ﷺ سے نہ پوچھ لوں۔ (کہ آیا اپنے دل میں سوچا) کہ میں یہ پچاس غلام اس وقت تک آزاد کرنا جائز اور مفید بھی ہے یا نہیں؟) چنانچہ عمروؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میرے باپ (عاص) نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں۔ لہٰذا ہشامؓ نے پچاس غلام تو آزاد کر دیئے ہیں ان پر (یعنی ہشامؓ ہی کے ذمہ یا میرے ذمہ) پچاس غلام باقی رہ گئے ہیں۔ تو کیا میں اپنے باپ کی طرف سے (وہ باقی پچاس غلام، آزاد کر دوں؟" رسول کریم ﷺ نے فرمایا "وہ (تمہارے باپ عاص) اگر مسلمان ہوتے اور تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا ان کی طرف سے صدقہ دیتے یا ان کی طرف سے حج کرتے تو ان کو اس کا ثواب پہنچتا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: عاص ابن وائل نے اسلام کا زمانہ پایا تھا لیکن بدقسمتی سے وہ اسلام کی دولت سے بہرہ ور نہیں ہو سکے اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے ان کے دو بیٹے تھے ایک حضرت ہشامؓ ابن عاص اور دوسرے حضرت عمروؓ ابن عاص ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے راستہ پر گامزن کیا، چنانچہ یہ دونوں مشرف باسلام ہوئے اور رسول کریم ﷺ کے صحابی ہونے کا اعزاز پایا رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

آنحضرت ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے والد عاص اگر مسلمان ہوتے اور اسلام ہی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوتے تو ان کی طرف سے جو بھی عبادت دین کی جاتی اس کا ثواب انہیں پہنچتا لیکن چونکہ وہ مسلمان نہیں ہوئے اور کفر ہی کی حالت میں اس دنیا سے چلے گئے تو اب تم ان کی طرف سے کوئی بھی عبادت کرو یا کوئی بھی نیک کام کرو اس کا ثواب انہیں نہیں پہنچے گا۔ لہٰذا حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ وغیرہ کافر کے لئے فائدہ مند نہیں ہے اور نہ اس کی وجہ سے اسے عذاب سے نجات ملتی ہے جب کہ یہ مسلمان کے لئے مفید ہے۔

وارثوں کا حق مارنے والے کے لئے وعید

⑧ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَطَعَ مِيْرَاثَ وَارِثِهٖ قَطَعَ اللّٰهُ مِيْرَاثَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنے وارث کی میراث کاٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جنت کا

کی میراث کاٹ لے گا(ابن ماجہ) اور بیہقیؒ نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو جنت کا وارث بنانے کا وعدہ بایں طور کیا ہے کہ:

یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ۔

"یعنی وہ (مؤمن) بہشت کے وارث ہوں گے۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسی کے پیش نظر فرمایا کہ جو شخص ناجائز طور پر اپنے وارث کو میراث سے محروم کردیگا، اللہ قیامت کے دن اس کو جنت کی وراثت سے محروم رکھے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص ابتداء ہی میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب النکاح

نکاح کا بیان

"نکاح" کے لغوی معنی جمع کرنا۔ لیکن اس لفظ کا اطلاق "مجامعت کرنے" اور "عقد" کے معنی پر بھی ہوتا ہے کیونکہ مجامعت اور عقد دونوں ہی میں "جمع ہونا اور ملنا" پایا جاتا ہے لہٰذا اصول فقہ میں نکاح کے یہی معنی یعنی جمع ہونا بمعنی "مجامعت کرنا" مراد لینا چاہئے بشرطیکہ ایسا کوئی قرینہ نہ ہو جو اس معنی کے خلاف دلالت کرتا ہو۔

علماء فقہ کی اصطلاح میں "نکاح" اس خاص عقد و معاہدہ کو کہتے ہیں جو مرد و عورت کے درمیان ہوتا ہے اور جس سے دونوں کے درمیان زوجیت کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

نکاح کی اہمیت

نکاح یعنی شادی صرف دو افراد کا ایک سماجی بندھن، ایک شخصی ضرورت، ایک طبعی خواہش اور صرف ایک "ذاتی معاملہ" ہی نہیں ہے بلکہ یہ معاشرہ انسانی کے وجود و بقاء کا ایک بنیادی ستون بھی ہے اور شرعی نقطہ نظر سے ایک خاص اہمیت و فضیلت کا حامل بھی ہے۔ نکاح کی اہمیت اور اس کی بنیادی ضرورت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے شریعت محمدی ﷺ تک کوئی ایسی شریعت نہیں گزری ہے جو نکاح سے خالی رہی ہو اسی لئے علماء لکھتے ہیں کہ ایسی کوئی عبادت نہیں ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک مشروع ہو اور جنت میں بھی باقی رہے سواء نکاح اور ایمان کے چنانچہ ہر شریعت میں مرد و عورت کا اجتماع ایک خاص معاہدہ کے تحت مشروع رہا ہے اور بغیر اس معاہدہ کے مرد و عورت کا باہمی اجتماع کسی بھی شریعت و مذہب نے جائز قرار نہیں دیا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس معاہدہ کی صورتیں مختلف رہی ہیں اور اس کے شرائط و احکام میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں اسلام نے جو شرائط مقرر کی ہیں، جو احکام نافذ کئے ہیں اور جو قواعد و ضوابط وضع کئے ہیں اس باب سے ان کی ابتداء ہو رہی ہے۔

نکاح کے فوائد و آفات

نکاح کا جہاں سب سے بڑا عمومی فائدہ نسل انسانی کا بقاء اور باہم توالد و تناسل کا جاری رہنا ہے وہیں اس میں کچھ مخصوص فائدے اور بھی ہیں جن کو پانچ نمبروں میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

1. نکاح کر لینے سے ہیجان کم ہو جاتا ہے یہ جنسی ہیجان انسان کی اخلاقی زندگی کا ایک ہلاکت خیز مرحلہ ہوتا ہے جو اپنے سکون کی خاطر مذہب و اخلاق ہی کی نہیں شرافت و انسانیت کی بھی ساری پابندیاں توڑ ڈالنے سے گریز نہیں کرتا، مگر جب اس کو جائز ذرائع سے سکون مل جاتا ہے تو پھر یہ پابند اعتدال ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جائز ذریعہ صرف نکاح ہی ہو سکتا ہے۔

② نکاح کرنے سے اپنا گھر بستا ہے، خانہ داری کا آرام ملتا ہے گھریلو زندگی میں سکون و اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے اور گھریلو زندگی کے اس اطمینان و سکون کے ذریعہ حیات انسانی کو فکر و عمل کے ہر موڑ پر سہارا ملتا ہے۔

③ نکاح کے ذریعہ سے کنبہ بڑھتا ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو مضبوط و زبردست محسوس کرتا ہے اور معاشرہ میں اپنے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لئے اپنا رعب داب قائم رکھتا ہے۔

④ نکاح کرنے سے نفس مجاہدہ کا عادی ہوتا ہے کیونکہ گھربار اور اہل و عیال کی خبرگیری و نگہداشت اور ان کی پرورش و پرداخت کے سلسلہ میں جدوجہد کرنا پڑتی ہے اس مسلسل جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بے عملی اور لاپرواہی کی زندگی سے دور رہتا ہے جو اس کے لئے دنیاوی طور پر بھی نفع بخش ہے اور اس کی وجہ سے وہ دینی زندگی یعنی عبادات و طاعات میں بھی چاق و چوبند رہتا ہے۔

⑤ نکاح ہی کے ذریعہ صالح و نیک بخت اولاد پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی شخص کی زندگی کا سب سے گراں مایہ سرمایہ اس کی صالح اور نیک اولاد ہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ نہ صرف دنیا میں سکون و اطمینان اور عزت و نیک نامی کی دولت حاصل کرتا ہے بلکہ اخروی طور پر بھی فلاح و سعادت کا حصہ دار بنتا ہے۔

یہ تو نکاح کے فائدے تھے لیکن کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو نکاح کی وجہ سے بعض لوگوں کے لئے نقصان و تکلیف کا باعث بن جاتی ہیں اور جنہیں نکاح کی آفات کہا جاتا ہے چنانچہ ان کو بھی چھ نمبروں میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

① طلب حلال سے عاجز ہونا یعنی نکاح کرنے کی وجہ سے چونکہ گھربار کی ضروریات لاحق ہو جاتی ہیں اور طرح طرح کے فکر دامنگیر رہتے ہیں اس لئے عام طور پر طلب حلال میں وہ ذوق باقی نہیں رہتا جو ایک مجرد و تنہا زندگی میں رہتا ہے۔

② حرام امور میں زیادتی ہونا۔ یعنی جب بیوی کے آجانے اور بال بچوں کے ہو جانے کی وجہ سے ضروریات زندگی بڑھ جاتی ہیں تو بسا اوقات اپنی زندگی کا وجود معیار برقرار رکھنے کے لئے حرام امور کے ارتکاب تک سے گریز نہیں کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ ذہن و عمل سے حلال و حرام کی تمیز بھی اٹھ جاتی ہے اور بلا جھجک حرام چیزوں کو اختیار کر لیا جاتا ہے۔

③ عورتوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہونا۔ اسلام نے عورتوں کو جو بلند و بالا حقوق عطا کئے ہیں ان میں بیوی کے ساتھ اچھے سلوک اور حسن معاشرت کا ایک خاص درجہ ہے لیکن ایسے بہت کم لوگ ہیں جو بیوی کے حقوق کا لحاظ کرتے ہوں، بلکہ بدقسمتی سے چونکہ بیوی کو "زیردست" سمجھ لیا جاتا ہے اس لئے عورتوں کے حقوق کی پامالی اور ان کے ساتھ برے سلوک و برتاؤ بھی ایک "ذاتی معاملہ" سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا حالانکہ یہ چیز ایک انسانی اور معاشرتی بداخلاقی ہی نہیں ہے بلکہ شرعی طور پر بھی بڑے گناہ کی حامل ہے اور اس سے دین و دنیا دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔

④ عورتوں کی بدمزاجی پر صبر نہ کرنا عام طور پر شوہر چونکہ اپنے آپ کو بیوی سے برتر سمجھتا ہے اس لئے اگر بیوی کی طرف سے ذرا سی بھی بدمزاجی ہوئی تو ناقابل برداشت ہو جاتی ہے اور صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے فوراً چھوٹ جاتا ہے۔

⑤ عورت کی ذات سے تکلیف اٹھانا بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنی بدمزاجی و بداخلاقی کی وجہ سے اپنے شوہروں کے لئے تکلیف و پریشانی کا ایک مستقل سبب بن جاتی ہیں اس کی وجہ سے گھریلو ماحول غیر خوشگوار اور زندگی غیر مطمئن و اضطراب انگیز بن جاتی ہے۔

⑥ بیوی بچوں کی وجہ سے حقوق اللہ کی ادائیگی سے باز رہنا یعنی ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں جو اپنی گھریلو زندگی کے استحکام اور بیوی بچوں کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ ساتھ اپنی دینی زندگی کو پوری طرح برقرار رکھتے ہوں جب کہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ بیوی بچوں اور گھربار کے ہنگاموں اور مصروفیتوں میں پڑ کر دینی زندگی مضمحل و بے ہنگم ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ تو عبادات و طاعات کا خیال رہتا ہے نہ حقوق اللہ کی ادائیگی پورے طور پر ہو پاتی ہے۔

نکاح کے ان فوائد و آفات کو سامنے رکھ کر اب یہ سمجھئے کہ اگر یہ دونوں مقابل ہوں۔ یعنی فوائد و آفات برابر، برابر ہوں۔ تو جس چیز

سے دین کی باتوں میں زیادتی ہوتی ہو اسے ترجیح دی جائے مثلاً ایک طرف تو نکاح کا یہ فائدہ ہو کہ اس کی وجہ سے جنسی ہیجان کم ہوتا ہے اور دوسری طرف نکاح کرنے سے یہ دینی نقصان سامنے ہو کہ عورت کی بد مزاجی پر صبر نہیں ہوسکے گا تو اس صورت میں نکاح کرنے ہی کو ترجیح دی جائے کیونکہ اگر نکاح نہیں کریگا تو زنا میں مبتلا ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ یہ چیز عورت کی بد مزاجی پر صبر نہ کرنے سے کہیں زیادہ دینی نقصان کا باعث ہے۔

نکاح کے احکام

① حنفی مسلک کے مطابق نکاح کرنا اس صورت میں فرض ہو جاتا ہے جب کہ جنسی ہیجان اس درجہ غالب ہو کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو اور بیوی کے مہر پر اور اس کے نفقہ پر قدرت حاصل نہ ہو اور یہ خوف نہ ہو کہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بجائے اس کے ساتھ ظلم وزیادتی کا برتاؤ ہوگا۔

② نکاح کرنا اس صورت میں واجب ہو جاتا ہے جب کہ جنسی ہیجان کا غلبہ ہو مگر اس درجہ کا غلبہ نہ ہو کہ زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو، نیز مہر و نفقہ کی ادائیگی کی قدرت رکھتا ہو اور بیوی پر ظلم کرنے کا خوف نہ ہو۔ اگر کسی شخص پر جنسی ہیجان کا غلبہ تو ہو مگر وہ مہر اور بیوی کے اخراجات کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر وہ نکاح نہ کرے تو اس پر گناہ نہیں ہوگا، جب کہ مہر اور نفقہ پر قادر شخص جنسی ہیجان کی صورت میں نکاح نہ کرنے سے گناہ گار ہوتا ہے۔

③ اعتدال کی حالت میں نکاح کرنا سُنّت مؤکدہ ہے "اعتدال کی حالت" سے مراد یہ ہے کہ جنسی ہیجان کا غلبہ تو نہ ہو لیکن بیوی کے ساتھ مباشرت و مجامعت کی قدرت رکھتا ہو اور مہر و نفقہ کی ادائیگی پر بھی قادر ہو۔ لہٰذا اس صورت میں نکاح نہ کرنے والا گنہ گار ہوتا ہے جب کہ زنا سے بچنے اور افزائش نسل کی نیت کے ساتھ نکاح کرنے والا اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے۔

④ نکاح کرنا اس صورت میں مکروہ ہے جب کہ بیوی پر ظلم کرنے کا خوف ہو، یعنی اگر کسی شخص کو اس بات کا خوف ہو کہ میرا مزاج چونکہ بہت برا اور سخت ہے اس لئے میں بیوی پر ظلم وزیادتی کروں گا تو ایسی صورت میں نکاح کرنا مکروہ ہے۔

⑤ نکاح کرنا اس صورت میں حرام ہے جب کہ بیوی پر ظلم کرنے کا یقین ہو۔ یعنی اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو کہ میں اپنے مزاج کی سختی و تندی کی وجہ سے بیوی کے ساتھ اچھا سلوک قطعاً نہیں کر سکتا بلکہ اس پر میری طرف سے ظلم ہونا بالکل یقینی چیز ہے تو ایسی صورت میں نکاح کرنا اس کے لئے حرام ہوگا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شریعت نے نکاح کے بارہ میں مختلف حالات کی رعایت رکھی ہے بعض صورتوں میں تو نکاح کرنا فرض ہو جاتا ہے بعض میں واجب اور بعض میں سُنّت مؤکدہ ہوتا ہے جب کہ بعض صورتوں میں نکاح کرنا مکروہ بھی ہوتا ہے اور بعض میں تو حرام ہو جاتا ہے لہٰذا ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اسی صورت کے مطابق عمل کرے جو اس کی حالت کے مطابق ہو۔

نکاح کے مستحبات

جب کوئی شخص نکاح کرنا چاہے خواہ مرد ہو یا عورت تو چاہئے کہ نکاح کا پیغام دینے سے پہلے ایک دوسرے کے حالات کی اور عادات واطوار کی خوب اچھی طرح جستجو کر لی جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی ایسی چیز معلوم ہو جو طبیعت و مزاج کے خلاف ہونے کی وجہ سے زوجین کے درمیان ناچاقی و کشیدگی کا باعث بن جائے۔

یہ مستحب ہے کہ عمر، عزت، حسب اور مال میں بیوی، خاوند سے کم ہو اور اخلاق و عادات، خوش سلیقگی و آداب، حسن و جمال اور تقویٰ میں خاوند سے زیادہ ہو مرد کے لئے یہ بھی مسنون ہے کہ وہ جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس کو نکاح سے پہلے دیکھ لے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ میں اگر اس کو پیغام دوں گا تو منظور ہو جائے گا۔

مستحب ہے کہ نکاح کا اعلان کیا جائے اور نکاح کی مجلس اعلانیہ طور پر منعقد کی جائے جس میں دونوں طرف سے اعزہ و احباب نیز بعض علماء و صلحا بھی شریک۔ اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ نکاح پڑھانے والا نیک بخت و صالح ہو اور گواہ عادل و پرہیز گار ہوں۔

ایجاب و قبول اور ان کے صحیح ہونے کی شرائط

نکاح، ایجاب و قبول کے ذریعہ منعقد ہوتا ہے اور یہ ایجاب و قبول دونوں ماضی کے لفظ کے ساتھ ہونے چاہئیں (یعنی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے یہ بات سمجھی جائے کہ نکاح ہو چکا ہے) جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہاری زوجیت میں دیا، یا عورت کا ولی، مرد سے یہ کہے کہ میں نے فلاں عورت کا جس کا نام یہ ہے، تمہارے ساتھ نکاح کیا اور اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے منظور کیا یا ایجاب و قبول میں سے کوئی ایک ماضی کے لفظ کے ساتھ ہو جیسے عورت یہ کہے کہ مجھ سے نکاح کر لو یا عورت کا ولی، مرد سے یہ کہے کہ فلاں عورت سے جس کا نام یہ ہے نکاح کر لو اور اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے نکاح کر لیا۔ یا اس کا برعکس ہو، جیسے مرد یہ کہے کہ میں نے تمہارے ساتھ اپنا نکاح کر لیا اور اس کے جواب میں عورت یہ کہے کہ میں منظور کرتی ہوں۔ اور اگر مرد، عورت سے یوں کہے کہ "کیا تم نے اپنے آپ کو میری زوجیت میں دیا؟ یا کہے کہ "کیا تم نے مجھے قبول کیا" اور اس کے جواب میں عورت (ہاں میں نے دیا یا ہاں میں نے قبول کیا کہنے کی بجائے) صرف یہ کہے کہ ہاں دیا۔ یا ہاں قبول کیا (یعنی لفظ "میں" نہ کہے) تو اس صورت میں بھی نکاح ہو جاتا ہے۔ البتہ گواہوں کے سامنے صرف یہ کہنے سے کہ "ہم بیوی خاوند ہیں" نکاح نہیں ہوتا۔

جس طرح ایجاب و قبول میں ماضی کا لفظ استعمال کرنا ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ایجاب و قبول میں خاص کر نکاح اور تزویج کا لفظ استعمال کیا جائے مثلاً یوں کہا جائے کہ میں نے تمہارے ساتھ نکاح کیا یا تمہارے ساتھ تزویج کیا۔ یا نکاح و تزویج کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ استعمال کیا جائے جو نکاح کا مطلب صراحۃً ادا کرتا ہو جیسے مرد یوں کہے کہ میں نے تمہیں اپنی بیوی بنا لیا یا یوں کہے کہ میں تمہارا شوہر ہو گیا۔ یا یوں کہے کہ تم میری ہو گئیں۔ اور نکاح و تزویج یا اس کا ہم معنی لفظ صراحۃً استعمال نہ کیا جائے بلکہ کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے کنایۃً نکاح کا مفہوم سمجھا جاتا ہو تو یہ بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ لفظ ایسا ہو جس کے ذریعہ سے کسی ذات کامل کی ملکیت فی الحال حاصل کی جاتی ہو جیسے ہبہ کا لفظ، یا صدقہ کا لفظ، یا تملیک کا لفظ، یا بیع و شراء کا لفظ جیسے بیوی یوں کہے کہ میں نے اپنی زوجیت تمہیں ہبہ کر دی، یا میں نے اپنی ذات تمہیں بطور صدقہ دے دی۔ یا میں نے تمہیں اپنی ذات کا مالک بنا دیا، یا یوں کہے کہ میں نے تمہیں اس قدر روپیہ کے عوض خرید لیا اور ان سب کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے قبول کیا" لیکن اس کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ متکلم نے اس لفظ سے نکاح مراد لیا ہو اور کوئی قرینہ اس پر دلالت کرتا ہو اور اگر کوئی قرینہ نہ ہو تو قبول کرنے والے نے متکلم کی مراد کی تصدیق کر دی ہو، نیز گواہوں نے بھی سمجھ لیا ہو کہ اس لفظ سے مراد نکاح ہے خواہ انہوں نے کسی قرینہ سے سمجھا ہو یا بتا دینے سے سمجھا ہو۔

ایجاب و قبول کے وقت عاقدین (دولہا دولہن) میں سے ہر ایک کے لئے دوسرے کا کلام سننا ضروری ہے خواہ وہ بالاصالۃ (یعنی خود سنیں خواہ بالوکالۃ سنیں (یعنی ان کا وکیل سنے) اور خواہ بالولایۃ سنیں (یعنی ان کا ولی سنے)

ایجاب و قبول کے وقت دو گواہوں کی موجودگی، نکاح صحیح ہونے کی شرط ہے۔ اور یہ گواہ خواہ دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، گواہوں کا آزاد ہونا ضروری ہے، لونڈی یا غلام گواہوں کی گواہی معتبر نہیں ہوگی، اسی طرح گواہوں کا عاقل اور مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔ مسلمانوں کی گواہی ہر حال میں کافی ہوگی خواہ وہ پرہیز گار ہوں یا فاسق ہوں اور خواہ ان پر حد قذف لگائی جا چکی ہو۔ گواہوں کا بینا ہونا یا زوجین کا رشتہ دار نہ ہونا شرط نہیں ہے، چنانچہ اندھوں کی گواہی اور زوجین کے رشتہ داروں کی گواہی معتبر ہوگی خواہ وہ زوجین کے یا ان میں سے کسی ایک کے بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔ گواہوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونوں ایجاب و قبول کے الفاظ کو ایک ساتھ سنیں اور سن کر یہ سمجھ لیں کہ نکاح ہو رہا ہے گو ان الفاظ کے معنی نہ سمجھیں (مثلاً ایجاب و قبول کسی ایسی زبان میں ہو جسے وہ نہ جانتے ہوں) اگر دونوں گواہ

ایجاب وقبول کے الفاظ ایک ساتھ نہ سنیں بلکہ الگ الگ سنیں تو نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص سے کہا کہ میری فلاں نابالغ لڑکی کا نکاح فلاں شخص کے ساتھ کردو اور اس شخص نے اس لڑکی کا نکاح اس باپ اور ایک دوسرے مرد کی موجودگی میں کیا تو یہ جائز ہوگا لیکن اگر باپ موجود نہ ہو تو پھر دونوں مردوں یا ایک مرد اور عورتوں کی موجودگی کے بغیر نکاح درست نہیں ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

جوانوں کو نکاح کرنے کا حکم

① عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَامَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَهٗ وِجَاءٌ۔ (متفق علیہ)

"حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جو شخص مجامعت کے لوازمات (یعنی بیوی بچوں کا نفقہ اور مہر ادا کرنے) کی استطاعت رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرلے، کیونکہ نکاح کرنا نظر کو بہت چھپاتا ہے اور شرم گاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے (یعنی نکاح کر لینے سے اجنبی عورت کی طرف نظر مائل نہیں ہوتی اور انسان حرام کاری سے بچتا ہے) اور جو شخص جماع کے لوازمات کی استطاعت نہ رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ رکھنا اس کے لئے خصی کرنے کا فائدہ دیگا (یعنی جس طرح خصی ہو جانے سے جنسی ہیجان ختم ہو جاتا ہے اسی طرح روزہ رکھنے سے بھی جنسی ہیجان ختم ہو جاتا ہے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس خطاب عام کے ذریعہ نبی کریم ﷺ نے جوانوں کو نکاح کی ترغیب دلاتے ہوئے نکاح کے دو بڑے فائدے ظاہر فرمائے ہیں ایک تو یہ کہ انسان نکاح کرنے سے اجنبی عورتوں کی طرف نظر بازی سے بچتا ہے دوسرے یہ کہ حرام کاری سے محفوظ رہتا ہے۔

جوانی کی حد

انسان، بالغ ہونے کے بعد جوان کہلاتا ہے۔ لیکن جوانی کی یہ حد کہاں تک ہے؟ اس میں اختلاف ہے چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک جوانی کی حد تیس برس کی عمر تک ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ ایک انسان چالیس برس کی عمر تک جوان کہلانے کا مستحق رہتا ہے۔

تبتل کی ممانعت

② وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ رَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ التَّبَتُّلَ وَلَوْ اَذِنَ لَهٗ لَاَخْتَصَيْنَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ "رسول کریم ﷺ نے حضرت عثمان ابن مظعونؓ کو تبتل (یعنی نکاح ترک کرنے) سے منع کر دیا تھا، اگر آنحضرت ﷺ ان کو تبتل کی اجازت دیدیتے تو ہم بھی خصی ہو جاتے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "تبتل" کے معنی ہیں "عورتوں سے انقطاع اور ترک نکاح" نصاری (حضرت عیسی علیہ السلام کے متبعین) کے ہاں تبتل ایک اچھا اور پسندیدہ فعل ہے کیونکہ ان کے نزدیک دینداری کی آخری حد یہ ہے کہ انسان عورتوں سے اجتناب کرے اور نکاح وغیرہ سے پرہیز کرے۔ لیکن جس طرح عیسائیت یا بعض دوسرے مذاہب میں نکاح کو ترک کر دینا اور لذائذ زندگی سے کنارہ کش ہو جانا عبادت اور نیکی و تقویٰ کی آخری حد سمجھا جاتا ہے اس طرح کی کوئی بات اسلام میں نہیں ہے بلکہ شریعت اسلامیہ نے نکاح کو انسانی زندگی کے لئے ایک ضرورت قرار دیکر اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ لذائذ زندگی سے مکمل کنارہ کشی اور خود ساختہ تکالیف برداشت کرنا عبادت

نہیں ہے بلکہ "رہبانیت" ہے جسے اس دین فطرت میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔ ہاں امام شافعی اتنا ضرور کہتے ہیں کہ بغیر نکاح زندگی گزارنا افضل ہے لیکن امام شافعیؒ کا یہ قول بھی نکاح کے بارے میں شریعت اسلامیہ کے بنیادی منشاء کے منافی نہیں ہے کیونکہ اول تو اس کا تعلق صرف افضلیت سے ہے اور دوسرے یہ کہ یہ افضلیت بھی نفس نکاح (یعنی کرنے یا نہ کرنے) کے بارہ میں نہیں ہے بلکہ صرف "تخلی للعبادۃ" (یعنی عبادت کے لئے مجرد رہنا) کے نکتہ نظر سے ہے گویا امام شافعیؒ کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ عبادات میں مشغول رہنا نکاح کی مشغولیت سے افضل ہے۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ نے مرقات میں امام شافعیؒ کی دلیلیں نقل کرنے کے بعد امام اعظم ابوحنیفہؒ کی بہت سی دلیلیں نقل کی ہیں جن سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ تجرد (بغیر نکاح رہنے) کے مقابلہ میں تاہل (نکاح کرنا) ہی افضل ہے۔

بہرکیف حضرت عثمان ابن مظعونؓ نے جب آنحضرت ﷺ سے تبتل کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دینے سے انکار کردیا کیونکہ اسلام مسلمانوں کے ہاں نکاح کے ذریعہ افزائش نسل کو پسند کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ دنیا میں زیادہ سے زیادہ خدا کے حقیقی نام لیوا موجود رہیں اور وہ ہمیشہ کفر و باطل کے خلاف جہاد کرتے رہیں۔ اسی سلسلہ میں حدیث کے راوی حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے یہ کہا کہ اگر آنحضرت حضرت عثمانؓ کو تبتل کی اجازت دیدیتے تو ہم سب اپنے آپ کو خصی کرڈالتے تاکہ ہمیں عورتوں کی ضرورت پڑتی اور نہ ہمیں عورتوں سے متعلق کسی برائی میں مبتلا ہوجانے کا خوف رہتا۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس موقع کے مناسب تو یہ تھا کہ حضرت سعدؓ یہ کہتے کہ اگر آنحضرت ﷺ حضرت عثمانؓ کو تبتل کی اجازت دیدیتے تو ہم بھی تبتل کرتے۔ مگر حضرت سعدؓ نے یہ کہنے کی بجائے یہ کہا کہ ہم سب اپنے آپ کو خصی کرڈالتے لہٰذا حضرت سعدؓ نے یہ بات دراصل بطور مبالغہ کہی یعنی اپنی اس بات سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر آنحضرت ﷺ حضرت عثمانؓ کو اجازت دیدیتے تو ہم بھی تبتل میں اتنا مبالغہ اور اتنی سخت کوشش کرتے کہ آخر کار خصی کی مانند ہوجاتے۔ گویا اس جملہ سے حضرت سعدؓ کی مراد حقیقۃً خصی ہوجانا نہیں تھا۔ کیونکہ یہ فعل (یعنی اپنے آپ کو خصی کرڈالنا) جائز نہیں ہے۔

اور علامہ نوویؒ کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے یہ بات اس وجہ سے کہی کہ ان کا گمان یہ تھا کہ خصی ہوجانا جائز ہے حالانکہ انکا یہ گمان حقیقت و واقعہ کے خلاف تھا کیونکہ خصی ہوجانا انسان کے لئے حرام ہے خواہ چھوٹی عمر کا ہو یا بڑی عمر کا! اس موقع پر جانوروں کے بارہ میں جان لینا چاہیے کہ ہر اس جانور کو خصی کرنا حرام ہے جو غیر ماکول (یعنی کھایا نہ جاتا) ہو اور جو جانور کھایا جاتا ہے اس کو خصی کرنا چھوٹی عمر میں تو جائز ہے لیکن بڑی عمر میں حرام ہے۔ جانوروں کو خصی کرنے کے بارہ میں مذکورہ بالا تفصیل علامہ نووی شافعیؒ نے لکھی ہے جب کہ فقہ حنفی کی کتابوں اور مختار اور ہدایہ میں "بڑی عمر اور چھوٹی عمر" کی تفصیل کے بغیر صرف یہ لکھا ہے کہ جانوروں کو خصی کرنا جائز ہے۔

دیندار عورت سے نکاح کرنا بہتر ہے

(۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِیْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کسی عورت سے نکاح کرنے کے بارہ میں چار چیزوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اول اس کا مالدار ہونا، دوم اس کا حسب نسب والی ہونا، سوم اس کا حسین و جمیل ہونا اور چہارم اس کا دین دار ہونا۔ لہٰذا دیندار عورت کو اپنا مطلوب قرار دو، اور خاک آلودہ ہوں تیرے دونوں ہاتھ۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "حسب و نسب والی" سے مراد وہ عورت ہے جو نہ صرف اپنی ذات میں شرف و بلندی اور وجاہت رکھتی ہو۔ بلکہ وہ جس خاندان و قبیلہ کی فرد ہو وہ خاندان و قبیلہ بھی عزت و وجاہت اور شرف و بلندی کا حامل ہو چنانچہ انسان کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ ایسی عورت سے بیاہ کرے جو باحیثیت و باعزت خاندان و قبیلہ کی فرد ہو تاکہ اس عورت کی وجہ سے اپنی اولاد کے نسب میں شرف و بلندی کا

امتیاز حاصل ہو۔

بہر کیف حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عام طور پر لوگ عورت سے نکاح کرنے کے سلسلہ میں مذکورہ چار چیزوں کو بطور خاص ملحوظ رکھتے ہیں کہ کوئی شخص تو مالدار عوت سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ بعض لوگ اچھے حسب ونسب کی عورت کو بیوی بنانا پسند کرتے ہیں، بہت سے لوگوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ایک حسین وجمیل عورت ان کی رفیقہ حیات بنے اور کچھ نیک بندے دین دار عورت کو ترجیح دیتے ہیں لہٰذا دین ومذہب سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ دین دار عورت ہی کو اپنے نکاح کے لئے پسند کرے کیونکہ اس میں دنیا کی بھی بھلائی بھی ہے اور آخرت کی بھی سعادت ہے۔

"اور خاک آلودہ ہوں تیرے دونوں ہاتھ" ویسے تو یہ جملہ لفظی مفہوم کے اعتبار سے ذلت وخواری اور ہلاکت کی بددعا کے لئے کنایہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، لیکن یہاں اس جملہ سے یہ بددعا مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد دین دار عورت کو اپنا مطلوب قرار دینے کی ترغیب دلانا ہے۔

نیک بخت عورت دنیا کی بہترین متاع ہے

④ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "پوری دنیا ایک متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک بخت عورت ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: متاع کے معنی ہیں "وہ چیز جس سے تھوڑا سا فائدہ اٹھایا جائے پھر فنا ہو جائے"۔ لہٰذا پوری دنیا کو ایک متاع کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پوری دنیا ایک ایسی چیز ہے جس کا فائدہ قلیل المدت ہے اور جس کا نفع جلد ہی فنا ہو جانے والا ہے! اس طرح "دنیا کی بہترین متاع نیک بخت عورت ہے" کا مطلب یہ ہوگا کہ اس دنیا میں جن چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں ان میں کی بہترین چیز نیک بخت عورت ہے کیونکہ نیک بخت عورت آخرت کے کاموں میں بہت مددگار ومفید ثابت ہوتی ہے۔

قریش کی نیک بخت عورتوں کی فضیلت

⑤ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْاِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ اَحْنَاهُ عَلٰى وَلَدٍ فِيْ صِغَرِهٖ وَاَرْعَاهُ عَلٰى زَوْجٍ فِيْ ذَاتِ يَدِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں بہترین عورتیں قریش کی ہیں جو چھوٹے بچوں پر بہت شفیق ہوتی ہیں اور اپنے شوہر کے اس مال کی جو ان کے قبضہ میں ہوتا ہے، بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں۔"

(بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں" سے مراد عرب کی عورتیں کیونکہ عرب کی عورتیں عام طور پر اونٹ کی سواری کی عادی ہوتی تھیں لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ عرب کی عورتوں میں بہترین عورتیں قریش کی نیک بخت عورتیں ہیں۔

عورتوں کا فتنہ زیادہ نقصان دہ ہے

⑥ وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت اسامہ ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میں نے اپنے بعد ایسا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے جو مردوں کے حق میں عورتوں کے فتنہ سے زیادہ ضرر رساں ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مردوں کے حق میں عورتوں کے فتنے کو سب سے زیادہ ضرر رساں اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ اول تو مردوں کی طبائع عام طور پر عورتوں کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ مرد عام طور پر عورتوں کی خواہشات کے زیادہ پابند ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حرام امور میں گرفتار ہوتے ہیں اور عورتوں ہی کی وجہ سے آپس کے لڑائی جھگڑے نفرت و عداوت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس کی ادنی مثال یہ ہے کہ یہ عورتیں ہی ہیں جن کی بے جا ناز برداریاں مردوں کو دنیاداری کی طرف راغب کرتی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ دنیاداری سے زیادہ اور کون سی چیز ضرر رساں ہو سکتی ہے، کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ نے اس کے بارہ میں فرمایا ہے کہ۔

حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ

"دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔"

ارشاد گرامی "اپنے بعد" سے یہ بات ثابت ہوئی کہ عورتوں کے فتنے آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں کم تھے اور ان کا زیادہ ظہور آپ ﷺ کے بعد ہوا کیونکہ اس وقت حق کا غلبہ تھا اور نیکی کی طاقت تمام برائیوں کو دبائے ہوئے تھی جب کہ آنحضرت ﷺ کے بعد آہستہ آہستہ باطل کی قوت بڑھتی گئی اور برائیوں کا غلبہ ہوتا گیا۔

عورت کے فتنہ سے بچو

⑦ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَاِنَّ اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْھَا فَیَنْظُرُ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَۃِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کَانَتْ فِی النِّسَاءِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "دنیا شیریں اور سبز (جاذب نظر) ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا کا خلیفہ بنایا ہے اس لئے وہ (ہر وقت) دیکھتا ہے کہ تم اس دنیا میں کس طرح عمل کرتے ہو، لہٰذا دنیا سے بچو اور عورتوں (کے فتنہ) سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل کی تباہی کا باعث سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کی صورت میں تھا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "دنیا شیریں اور سبز ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح شیرینی، طبیعت کے لئے ایک مرغوب چیز ہوتی ہے اور جس طرح سبز چیز آنکھوں کو بہت بھاتی ہے اسی طرح دنیا بھی دل کو بہت پیاری لگتی ہے اور آنکھوں کو بھی بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے تمہیں دنیا کا خلیفہ بنایا ہے" الخ کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، وہی اس کا حقیقی مالک و حاکم ہے تمہیں اس نے زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر گویا اس دنیا کے تصرفات میں تمہیں اپنا وکیل بنایا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ تمہیں ہر وقت دیکھتا ہے کہ تم اس زمین پر اس کے بار خلافت کو کس طرح اٹھا رہے ہو اور اپنی عملی زندگی کے ذریعہ تصرفات دنیا میں حق وکالت کس طرح ادا کر رہے ہو؟ یا اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ تم سے پہلے اس دنیا سے جا چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کا خلیفہ (وارث) بنایا ہے، لہٰذا ان کے پاس جو کچھ تھا وہ سب تمہیں دیدیا ہے اور اب وہ تمہیں دیکھتا ہے کہ تم اپنے اسلاف کے احوال و کوائف سے کس طرح عبرت پکڑتے ہو اور ان کے اموال و میراث میں کس طرح تصرف و انتظام کرتے ہو:

"دنیا سے بچو" الخ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا مکر و فریب کا بچھا ہوا ایک جال ہے اس جال سے حتی الامکان بچتے رہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس جال میں پھنس کر دنیا کے ظاہری مال و جاہ پر اپنی دینداری گنوا بیٹھو کیونکہ دنیا کو ثبات نہیں ہے، یہ ایک فنا ہو جانے والی چیز ہے، پھر اس فناء کے بعد کل جب تم ہمیشہ کی زندگی کے لئے اٹھائے جاؤ گے تو اس کی حلال چیزوں کا حساب دینا ہوگا اور اس کی حرام چیزوں پر عذاب میں

مبتلا کئے جاؤ گے۔ اسی طرح عورتوں کے مکروفریب سے بھی بچتے رہو، کیونکہ ایک مشت خاک کا یہ دل فریب مجسمہ جہاں نیک عورت کی صورت میں خدا کی ایک نعمت ہے وہیں بری عورت کے روپ میں فتنہ عالم بھی ہے ایسا نہ ہو کہ بری عورتوں کی مکاریاں یا اپنی بیویوں کی بے جا ناز برداریاں تمہیں ممنوع وحرام چیزوں کی طرف مائل کر دیں اور ان کی وجہ سے تم تباہی وہلاکت کی کھائیوں میں دھکیل دیئے جاؤ۔

بنی اسرائیل پر تباہی کے دروازے کھولنے والا پہلا فتنہ عورت

تباہیوں کے دروازے کھلنے کا پہلا سبب اور ذریعہ بنا۔ چنانچہ اس کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص جس کا نام بلعم بن باعور تھا، بہت مستجاب الدعوات تھا، اسے اسم اعظم یاد تھا جس کے ذریعہ وہ اپنی ہر دعا مقبول کرا لیتا تھا، چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام "جباروں" سے لڑنے کے لئے علاقہ شام میں واقع بنی کنعان کے ایک حصہ میں خیمہ زن ہوئے تو بلعم کی قوم کے لوگ بلعم کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے پیروکاروں کا ایک عظیم لشکر لے کر ہمیں قتل کرنے اور اس علاقہ سے نکالنے کے لئے آئے ہیں تم ان کے لئے کوئی ایسی بددعا کرو کہ وہ یہاں سے واپس بھاگ جائیں۔ بلعم نے جواب دیا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم وہ نہیں جانتے بھلا میں خدا کے پیغمبر علیہ السلام اور اس کے ماننے والوں کے حق میں بددعا کیسے کر سکتا ہوں؟ اگر میں ان کے لئے بددعا کرتا ہوں تو میری دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جائیں گی! جب اس قوم کے لوگوں نے بہت منت سماجت کی اور وہ بددعا کرنے پر اصرار کرتے رہے تو بلعم نے کہا کہ اچھا میں استخارہ کروں گا اور دیکھوں گا کہ کیا حکم ہوتا ہے پھر اس کے بعد کوئی فیصلہ کروں گا۔ بلعم کا یہ معمول تھا کہ وہ بغیر استخارہ کوئی بھی کام نہیں کرتا تھا، چنانچہ اس نے جب استخارہ کیا تو خواب میں اسے ہدایت کی گئی کہ پیغمبر اور مؤمنوں کے حق میں ہرگز بددعا مت کرنا! بلعم نے اس خواب سے اپنی قوم کو مطلع کیا اور بددعا نہ کرنے کے لئے اپنے ارادہ کا پھر اظہار کیا، قوم کے لوگوں نے غور وفکر کے بعد ایک طریقہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ وہ لوگ اپنے ساتھ بیش قیمت تحفے لے کر بلعم کے پاس آئے اور پھر اس کے سامنے بہت ہی زیادہ منت سماجت کی، روئے گڑگڑائے اور اسے اتنا مجبور کیا کہ آخر کار وہ ان کے جال میں پھنس ہی گیا، چنانچہ وہ بددعا کرنے کی غرض سے اپنے گدھے پر سوار ہو کر جستان پہاڑ کی طرف چلا جس کے قریب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر مقیم تھا، راستہ میں کئی مرتبہ گدھا گرا جسے وہ مار مار کر اٹھاتا رہا، یہاں تک کہ جب یہ سلسلہ دراز ہوا اور بلعم بھی اپنے گدھے کو مار مار کر اٹھاتا ہوا پریشان ہو گیا تو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے گدھے کو گویائی عطا کی چنانچہ گدھا بولا کہ "نادان بلعم! تجھ پر افسوس ہے، کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں جا رہا ہے، تو مجھے آگے چلانے کی کوشش کر رہا ہے اور ملائکہ میرے آگے آ کر مجھے پیچھے دھکیل رہے ہیں"! بلعم نے جب چشم حیرت سے گدھے کو بولتے دیکھا تو بجائے اس کے کہ اس تنبیہ پر اپنے ارادہ سے باز آ جاتا گدھے کو وہیں چھوڑا..... پیادہ پا پہاڑ پر چڑھ گیا اور وہاں بددعا کرنے لگا، مگر یہاں بھی قدرت خداوندی نے اپنا یہ کرشمہ دکھایا کہ بلعم اپنی بددعا میں جب بھی حضرت موسیٰ اور ان کے لشکر کا نام لینا چاہتا، اس کی زبان سے بنی اسرائیل کے بجائے بلعم کی قوم کا نام نکلتا، یہ سن کر اس کی قوم کے لوگوں نے کہا کہ "بلعم! یہ کیا حرکت ہے؟ بنی اسرائیل کی بجائے ہمارے حق میں بددعا کر رہے ہو۔ بلعم نے کہا کہ اب میں کیا کروں، یہ حق تعالیٰ میرے قصد وارادہ کے بغیر میری زبان سے تمہارا نام نکلوا رہا ہے۔ لیکن بلعم پھر بھی اپنی بددعا سے باز نہ آیا اور اپنی سی کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ عذاب الٰہی کی وجہ سے بلعم کی زبان اس کے منہ سے نکل کر سینہ پر آ پڑی، پھر تو گویا بلعم کی عقل بالکل ہی ماری گئی اور دیوانہ وار کہنے لگا کہ لو اب تو میری دنیا اور آخرت دونوں ہی برباد ہو گئی اس لئے اب ہمیں بنی اسرائیل کی تباہی کے لئے کوئی دوسرا جال تیار کرنا پڑے گا۔ پھر اس نے مشورہ دیا کہ تم لوگ اپنی اپنی عورتوں کو اچھی طرح آراستہ پیراستہ کر کے اور ان کے ہاتھوں میں کچھ چیزیں دے کر ان چیزوں کو فروخت کرنے کے بہانہ سے عورتوں کو بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور ان سے کہہ دو کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کوئی شخص تمہیں اپنے پاس بلائے تو انکار نہ کرنا یاد رکھو اگر بنی اسرائیل میں سے ایک شخص بھی کسی عورت کے ساتھ حرام کاری میں مبتلا ہو گیا تو تمہاری ساری کوششیں کامیاب ہو جائیں گی۔ چنانچہ بلعم کی قوم نے اس مشورہ پر عمل کیا اور اپنی عورتوں کو بنا سنوار کر بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دیا۔ وہ عورتیں جب لشکر میں پہنچیں اور

ان میں سے ایک عورت جس کا نام کسی بنت صور تھا، بنی اسرائیل کے ایک سردار زمزم بن شلوم نامی کے سامنے سے گذری تو وہ اس عورت کے حسن و جمال کا اسیر ہو گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے گیا اور ان سے کہنے لگا کہ کیا آپ اس عورت کو میرے لئے حرام قرار دیتے ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہاں! اس عورت کے پاس ہرگز مت جانا، تو زمزم نے کہا کہ میں اس بارہ میں آپ کا حکم نہیں مانوں گا چنانچہ وہ اس عورت کو اپنے خیمہ میں لے گیا اور وہاں اس کے ساتھ منہ کالا کیا بس پھر کیا تھا حکم الٰہی نے قہر کی شکل اختیار کر لی اور اس سر دلر کی شامت عمل سے ایک ایسی وبا پورے لشکر پر نازل ہوئی کہ آن کی آن میں ستر ہزار آدمی ہلاک و تباہ ہو گئے ادھر جب فخاص کو کہ جو حضرت ہارون علیہ السلام کا پوتا اور ایک قوی ہیکل آدمی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نگہبان تھا، یہ معلوم ہوا کہ ہمارے ایک سردار کی شامت عمل نے قہر خداوندی کو دعوت دے دی ہے تو فوراً اپنا ہتھیار لے کر زمزم کے خیمہ میں داخل ہوا اور پلک جھپکتے ہی زمزم اور اس عورت کا کام تمام کر ڈالا اور پھر بولا کہ "اللہ تعالیٰ نے اسی شخص کی وجہ سے ہم سب کو ہلاک و تباہ کر دیا ہے" چنانچہ ان دونوں کے قتل ہوتے ہی وہ وباء جو عذاب خداوندی کی صورت میں نازل ہوئی تھی ختم ہو گئی۔

وہ تین چیزیں جن میں نحوست ہوتی ہے

(۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّؤْمُ فِي الْمَرْأَةِ وَالدَّارِ وَالْفَرَسِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ الشُّؤْمُ فِيْ ثَلَاثَةٍ فِي الْمَرْأَةِ وَالْمَسْكَنِ وَالدَّابَّةِ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "عورت، گھر اور گھوڑے میں نحوست ہوتی ہے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے عورتوں میں، مکان میں اور جانور میں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "شوم ضد ہے" "یمن" کی جس کے معنی ہیں "بے برکتی" اور اسی کو "نحوست" بھی کہتے ہیں۔ لہٰذا حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی ہے تو تفصیل کے ساتھ سمجھ لیجئے کہ "نحوست" سے کیا مراد ہے؟

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ "گھر کی نحوست" سے گھر کی تنگی اور بری ہمسائیگی مراد ہے، یعنی جو گھر تنگ و تاریک ہو اور اس کا پڑوس برا ہو تو وہ گھر تکلیف و پریشانی کا باعث ہو جاتا ہے، "عورت کی نحوست" سے مہر کی زیادتی، اس کی بد مزاجی و زبان درازی اور بانجھ پن مراد ہے یعنی جس عورت کا مہر زیادہ مقرر کیا گیا ہو، وہ بد مزاجی و تند خو، زبان دراز ہو اور یہ کہ بانجھ ہو تو ایسی عورت راحت و سکون کی بجائے اذیت و کوفت کا ذریعہ بن جاتی ہے اسی طرح گھوڑے کی نحوست" سے "اس کا شوخ ہونا، مٹھا قدم ہونا، اور اس پر سوار ہو کر جہاد نہ کیا جانا، مراد ہے یعنی جو گھوڑا ایسا ہو کہ اپنی شوخی کی وجہ سے پریشان کرتا ہو، سست رفتار ہو اور مٹھ ہو اور اس پر سوار ہو کر جہاد کرنے کی کبھی نوبت نہ آئی ہو تو وہ گھوڑا اپنے مالک کے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

کچھ علماء یہ کہتے ہیں کہ ان تین چیزوں میں نحوست کے اظہار کرنے کا مقصد دراصل یہ بتانا ہے کہ اگر بالفرض کسی چیز میں نحوست کا ہونا اپنی کوئی حقیقت رکھتا تو ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی۔ گویا اس تشریح سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کسی چیز میں نحوست کا ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا چنانچہ یہ کہنا کہ فلاں چیز منحوس ہے یا فلاں چیز میں نحوست ہے صرف ایک واہمہ کے درجہ کی چیز ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اگر واقعۃً نحوست کسی چیز میں ہوا کرتی تو ان تین چیزوں میں ضرور ہوتی کیونکہ یہ تین چیزیں نحوست کے قابل ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ "اگر کوئی چیز تقدیر کے دائرہ سے باہر ہوتی تو وہ نظر بد تھی" یعنی کائنات کی ہر جنبش و حرکت اور یہاں کا ذرہ ذرہ پابند تقدیر ہے، اس عالم میں صرف وہی ظہور میں آتا ہے جو پہلے سے مقدر ہو چکا ہو کوئی چیز تقدیر سے باہر نہیں ہے اور اگر بفرض محال کوئی چیز مقدرات کے دائرہ سے باہر ہوتی تو وہ نظر بد ہے (کہ جسے عام طور پر نظر لگنا کہتے ہیں) لہٰذا جس طرح اس ارشاد کا مقصد یہ ظاہر کرنا نہیں ہے کہ نظر بد تقدیر کے دائرہ سے باہر ہے اسی طرح مذکورہ بالا تینوں چیزوں کے ساتھ

نحوست کا ذکر کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے۔ کہ ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کے ذریعہ دراصل اُمت کے لوگوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اگر کسی کے پاس ایسا مکان ہو جس میں رہنا وہ ناپسند کرتا ہو، یا کسی کی ایسی بیوی ہو جس کے ساتھ صحبت و مباشرت اسے ناگوار ہو، یا کسی کے پاس ایسا، گھوڑا ہو جو اسے اچھا معلوم نہ ہوتا ہو تو ان صورتوں میں یہ چیزیں چھوڑ دینی چاہئیں یعنی مکان والا اس مکان سے منتقل ہو جائے بیوی والا اس کو طلاق دیدے اور گھوڑے والا اس گھوڑے کو بیچ ڈالے۔

حدیث کی ان توضیحات کی روشنی میں یہ بات صاف ہوگئی کہ یہ ارشاد گرامی طیرة منهى عنها (بد شگونی لینے کی ممانعت) کے منافی نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر لوگ جو یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ مکان منحوس ہے یا فلاں عورت یا فلاں گھوڑا اسبز قدم ہے، تو یہ بات یہاں مراد نہیں ہے۔

اپنے نکاح کے لئے کنواری عورت کو ترجیح دو

(۹) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ فَلَمَّا قَفَلْنَا كُنَّا قَرِيْبًا مِنَ الْمَدِيْنَةِ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ قَالَ تَزَوَّجْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَبِكْرًا أَمْ ثَيِّبٌ قُلْتُ بَلْ ثَيِّبٌ قَالَ فَهَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ فَقَالَ أَمْهِلُوْا حَتّٰى نَدْخُلَ لَيْلًا اى عشاءً لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيْبَةُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک جہاد میں ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے چنانچہ جب ہم (جہاد سے) واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میری نئی شادی ہوئی تھی (کہ میں جہاد میں چلا گیا اب اگر حکم ہو تو میں آگے چلا جاؤں تاکہ اپنے گھر جلد سے جلد پہنچ سکوں) آپ ﷺ نے فرمایا "تم نے نکاح کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں!" آپ ﷺ نے پوچھا "بیوی کنواری تھی یا بیوہ تھی؟ میں نے عرض کیا کہ "بیوہ تھی، آپ ﷺ نے فرمایا "تو تم نے کنواری سے کیوں نکاح نہیں کیا تاکہ تم اس کے ساتھ کھیلتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیلتی" پھر جب ہم مدینہ پہنچ گئے اور ہم سب نے اپنے اپنے گھروں میں جانے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ابھی ٹھہر جاؤ، ہم رات میں (یعنی شام کے وقت) گھروں میں داخل ہوں گے تاکہ جس عورت کے بال پراگندہ ہوں وہ کنگھی چوٹی کر لے اور وہ عورت جس کا خاوند موجود نہیں تھا (بلکہ ہمارے ساتھ جہاد میں گیا ہوا تھا) اپنے زائد بال صاف کرلے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: تم اس کے ساتھ کھیلتے الخ" سے آپ کی بے تکلفی اور کمال الفت و رغبت مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ کنواری عورت سے نکاح کرنے میں آپس کی زندگی زیادہ الفت و رغبت کے ساتھ گذرتی ہے اور بے تکلفی اور چاہت زیادہ ہوتی ہے، اس کے برخلاف بیوہ عورت جب کسی دوسرے کی زوجیت میں آتی ہے چونکہ اس کا دل پہلے خاوند کی یاد کی کسک محسوس کرتا ہے دوسرے یہ کہ اگر رہن سہن اور میل ملاپ میں اس دوسرے خاوند کو اپنے پہلے خاوند کی طرح نہیں پاتی تو اس کی طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے، ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اتنی زیادہ بے تکلف اور خوش مزاج ثابت نہیں ہوتی جتنی ایک کنواری عورت ہوتی ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں میں جانے میں جلدی نہ کرو بلکہ کچھ دیر توقف کرو، تاکہ تمہاری بیویاں رات سے پہلے اپنا بناؤ سنگھار کر کے تمہاری مجامعت کے لئے اپنے آپ کو تیار کرلیں اور جب تم رات میں ان کے پاس پہنچو تو تمہیں کسی قسم کا کوئی تکدر اور کوئی بے لطفی نہ ہو۔ اس موقع پر یہ خلجان پیدا ہو سکتا ہے کہ دوسری حدیثوں میں تو اپنے گھر واپس آنے والے مسافر کو رات کے وقت گھر میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے جب کہ یہاں رات کے وقت گھروں میں داخل ہونے کو فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ گھر لوٹنے والے مسافر کو رات کے وقت گھر میں داخل ہونے کی جو ممانعت ہے اس کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ بغیر اطلاع کے یکایک گھر میں چلا جائے اور اگر گھر والوں کو پہلے سے اطلاع ہو جیسا کہ اس موقع پر ہوا تو اس صورت میں رات کے وقت اپنے گھر میں

داخل ہونا ممنوع نہیں ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

وہ تین شخص جن کی اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرتا ہے

⑩ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَۃٌ حَقٌّ عَلَی اللّٰہِ عَوْنُھُمْ اَلْمُکَاتَبُ الَّذِیْ یُرِیْدُ الْاَدَاءَ وَالنَّاکِحُ الَّذِیْ یُرِیْدُ الْعَفَافَ وَالْمُجَاھِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ایسے تین شخص ہیں جن کی مدد اللہ پر (اس کے وعدہ کے مطابق) واجب ہے ایک تو وہ مکاتب جو اپنا بدل کتابت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، دوسرا وہ نکاح کرنے والا شخص جو حرام کاری سے بچنے کی نیت رکھتا ہو، اور تیسرا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا۔"

تشریح: مکاتب اس غلام کو کہتے تھے جس کا آقا اس سے یہ کہہ دیتا تھا کہ اگر تم مجھے اتنا روپیہ کما کر دیدو گے تو تم آزاد ہو جاؤ گے۔ اسی طرح روپیہ کی وہ مقدار جو اس غلام کا آقا آزادی کے لئے ضروری قرار دیتا تھا "بدل کتابت" کہلاتی تھی۔

عورت کے ولی کے لئے ایک ضروری ہدایت

⑪ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اِلَیْکُمْ مَّنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَہٗ وَخُلُقَہٗ فَزَوِّجُوْہُ اِنْ لَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِیْضٌ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تمہارے پاس کوئی شخص نکاح کا پیغام بھیجے اور تم اس شخص کی دینداری اور اس کے اخلاق سے مطمئن وخوش ہو تو (اس کا پیغام منظور کر کے) اس سے نکاح کر دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائیگا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: یہ ارشاد گرامی دراصل عورتوں کے سرپرست اور ولیوں سے ایک خطاب اور ان کے لئے ایک ضروری ہدایت ہے کہ اگر کوئی دیندار اور اچھے اخلاق و اطوار کا حامل شخص تمہاری بیٹی یا تمہاری بہن وغیرہ سے نکاح کا پیغام بھیجے تو منظور کر لو اور اس سے نکاح کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے بلکہ ایسے شخص کے پیغام کو نظر انداز کر کے کسی مالدار یا ثروت دار شخص کے پیغام کی انتظار میں رہو گے جیسا کہ اکثر دینداروں کی عادت ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اکثر عورتیں بغیر خاوند کے بیٹھی رہ جائیں گی اور اکثر مرد بغیر بیوی کے پڑے رہیں گے اس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ بدکاری اور برائیوں کا عام چلن ہو جائے گا بلکہ ان عورتوں کے سرپرست اور ولی بڑی بڑی قسم کی عار و غیرت میں مبتلا ہوں گے پھر جو لوگ ان کو عار و غیرت دلائیں گے وہ ان سے لڑنے جھگڑنے لگیں گے آخر کار اس برائی و فحاشی اور لڑائی جھگڑے سے ایک ہمہ گیر فتنہ و فساد کی شکل پیدا ہو جائے گی۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ ایک طرح سے یہ حدیث حضرت امام مالکؒ کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کفائت (زوجین میں سے ایک دوسرے کا کفو ہونے) کا لحاظ صرف دین کے وصف میں کیا جائے گویا ان کے نزدیک ایک دوسرے کا کفو صرف دین میں ہو سکتا ہے جب کہ علماء کی اکثریت کا مسلک یہ ہے کہ ان چار اوصاف میں ایک دوسرے کا کفو (شریک) ہونے کا لحاظ کیا جائے ① دین، حریت، نسب، پیشہ۔ چنانچہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کافر سے نہ کیا جائے۔ نہ کسی غیر معلوم النسب سے کیا جائے۔ اور کسی سوداگر یا اچھے پیشے والے کی بیٹی کا نکاح کسی حرام یا مکروہ پیشہ والے سے نہ کیا جائے۔ لیکن اس بارہ میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اگر کسی عورت کا ولی اور خود وہ عورت کسی غیر کفو والے سے نکاح کرنے پر راضی ہو جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔

محبت کرنے والی عورت سے نکاح کرو

⑫ وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ۔ (رواہ ابوداؤد و النسائی)

"اور حضرت معقل ابن یسارؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم ایسی عورت سے نکاح کرو جو اپنے خاوند سے محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچے جننے والی ہو، کیونکہ دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔" (ابوداؤد ونسائیؒ)

تشریح: منکوحہ عورت میں مذکورہ بالا دو صفتوں کو ساتھ ساتھ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں بچے تو بہت پیدا ہوتے ہوں مگر وہ اپنے خاوند سے محبّت کم کرتی ہو تو اس صورت میں خاوند کو اس کی طرف رغبت کم ہوگی اور اگر کوئی عورت خاوند سے محبت تو بہت کرے مگر اس کے یہاں بچے زیادہ نہ ہوں تو اس صورت میں مطلوب حاصل نہیں ہوگا۔ اور مطلوب اُمّت محمدیہ ﷺ کی کثرت ہے جو ظاہر ہے کہ زیادہ بچے ہونے کی صورت ہی ممکن ہے۔ اگر مسلمان عورتوں کے ہاں زیادہ بچے ہوں گے تو امت میں کثرت ہوگی جو پیغمبر اسلام کے نزدیک پسندیدہ اور مطلوب ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نکاح سے پہلے یہ کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ کون سی عورت اپنی آئندہ زندگی میں ان اوصاف کی حامل ثابت ہوسکتی ہے؟ تو اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ کسی خاندان و کنبہ کا عام مشاہدہ اس کی کسی عورت کے لئے ان صفتوں کا معیار بن سکتا ہے چنانچہ ان اکثر لڑکیوں میں یہ صفتیں موجود ہوسکتی ہیں جن کے خاندان و قرابت داروں میں ان صفتوں کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، عام طور پر چونکہ اقرباء کے طبعی اوصاف ایک دوسرے میں سرایت کئے ہوتے ہیں اور عادت و مزاج میں کسی خاندان و کنبہ کا ہر فرد ایک دوسرے کے ساتھ یکسانیت رکھتا ہے اس لئے کسی خاندان کی لڑکی کے بارہ میں اس کے خاندان کے عام مشاہدہ کے پیش نظر ان اوصاف کا اندازہ لگالینا کوئی مشکل نہیں ہے۔

بہرکیف، اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شوہر سے بہت زیادہ محبت کرنے والی اور بچے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرنا مستحب ہے، نیز یہ کہ زیادہ بچے ہونا بہتر اور پسندیدہ ہے کیونکہ اس سے آنحضرت ﷺ کا مقصد (یعنی اُمّت کی زیادتی و کثرت کا فخر) حاصل ہوتا ہے۔

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں "نکاح کرنے" سے مراد یہ تعلیم دینا ہے کہ تمہاری جن بیویوں میں یہ اوصاف موجود ہوں ان کے ساتھ زوجیت کے تعلق کو ہمیشہ قائم رکھو اور اس بات کی کوشش کرو کہ آپس میں کبھی کوئی تفرقہ اور جدائی نہ ہو۔

کنواری سے نکاح کرنا زیادہ بہتر ہے

⑬ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَالِمِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ عُوَيْمِ بْنِ سَاعِدَةَ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْاَبْكَارِ فَاِنَّهُنَّ اَعْذَبُ اَفْوَاهًا وَاَنْتَقُ اَرْحَامًا وَاَرْضٰى بِالْيَسِيْرِ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ مُرْسَلًا۔

"اور حضرت عبدالرحمٰنؒ ابن سالمؒ ابن عتبہؒ ابن عویمؒ ابن ساعدہ انصاری اپنے والد حضرت سالم سے اور وہ عبدالرحمٰن کے دادا (یعنی حضرت عتبہؒ تابعی) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تمہیں کنواری عورتوں سے نکاح کرنا چاہئے کیونکہ وہ شریں دہن ہوتی ہیں (یعنی کنواری عورتیں شیریں زبان و خوش کلام ہوتی ہیں کہ وہ بدزبانی فحش گوئی میں مبتلا نہیں ہوتیں) اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہوتی ہیں نیز وہ تھوڑے پر بھی راضی رہتی ہیں (یعنی تھوڑا مال و اسباب پانے پر بھی راضی رہتی ہیں) اس روایت کو ابن ماجہؒ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔"

تشریح: اس ارشاد گرامی کے ذریعہ کنواری عورتوں کی خصوصیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو بیوہ عورتوں میں نہیں پائی جاتیں مثلاً

کنواری عورت زیادہ بچے پیدا کرنے کے قابل ہوتی ہے کیونکہ اس کے رحم میں حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا رحم، مرد کا مادہ تولید بہت جلد قبول کر لیتا ہے لیکن یہ چیز محض ظاہری اسباب کے درجہ کی ہے جو حکم الٰہی کے بغیر کوئی اہمیت نہیں رکھتی، کنواری عورتوں کی ایک نفسیاتی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ تھوڑے سے مال و اسباب پر بھی راضی و خوش رہتی ہیں ان کا شوہر انہیں جو کچھ دیدیتا ہے اسی کو برضا و رغبت قبول کر لیتی ہیں اور اس پر قانع رہتی ہیں کیونکہ وہ بیوہ عورت کی طرح پہلے سے کسی خاوند کا کچھ دیکھے ہوئے تو ہوتی نہیں کہ انہیں کمی بیشی کا احساس ہو اور وہ اپنے شوہر سے زیادہ مال و اسباب کا مطالبہ کریں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

نکاح کی ایک خصوصیت

(۱۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّیْنِ مِثْلَ النِّکَاحِ۔

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "(اے شخص!) تونے نکاح کی مانند ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی ہوگی جو دو محبت کرنے والوں کے درمیان محبت کو زیادہ کرے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ جس طرح خاوند اور بیوی کے درمیان بغیر کسی قرابت کے بے پناہ محبت و الفت پیدا ہو جاتی ہے اس طرح کا کوئی تعلق ایسا نہیں ہے جو دو شخصوں کے درمیان، جو ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی ہوں، اس درجہ کی محبت و الفت پیدا کر دے۔

آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی فضیلت

(۱۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَلْقَی اللّٰہَ طَاھِرًا مُطَھَّرًا فَلْیَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اس بات کا خواہشمند ہو کہ وہ (زنا کی نجاست سے) پاکی کی حالت میں اور پاکیزہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے تو اسے چاہئے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔"

تشریح: اس کی وجہ عام طور پر آزاد عورتیں، لونڈیوں کی بہ نسبت زیادہ پاک و پاکیزہ ہوتی ہیں اس لئے ان کی پاکیزگی مخالطت و مباشرت کے ذریعہ ان کی شوہروں میں سرایت کرتی ہے پھر یہ کہ آزاد عورتیں اپنی اولاد کو جو ادب و سلیقہ اور تہذیب سکھا سکتی ہیں وہ لونڈیوں کے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ جب وہ خود بھی کمتر و پست حیثیت ہوتی ہیں تو اپنی اولاد کو ادب و تہذیب اور اخلاق سے کیسے مزین کر سکتی ہیں۔

نیک بخت بیوی کی خصوصیت

(۱۶) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ یَقُوْلُ مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَی اللّٰہِ خَیْرًا لَّہٗ مِنْ زَوْجَۃٍ صَالِحَۃٍ اِنْ اَمَرَھَا اَطَاعَتْہُ وَاِنْ نَظَرَ اِلَیْھَا سَرَّتْہُ وَاِنْ اَقْسَمَ عَلَیْھَا اَبَرَّتْہُ وَاِنْ غَابَ عَنْھَا نَصَحَتْہُ فِیْ نَفْسِھَا وَمَالِہٖ رَوَی ابْنُ مَاجَۃَ الْاَحَادِیْثَ الثَّلَاثَۃَ۔

"اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "مؤمن اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد جو سب سے بہتر چیز اپنے لئے منتخب کرتا ہے وہ نیک بخت و خوب صورت بیوی، ایسی بیوی کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر (شوہر) اس کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ اس کی تعمیل کرتی ہے، جب وہ اس کی طرف دیکھتا ہے تو وہ (اپنے حسن اور پاکیزگی اور اپنی خوش سلیقگی و پاک سیرتی سے) اس کا دل خوش کرتی ہے، جب وہ اس کو قسم دیتا ہے تو

اس قسم کو پورا کرتی ہے اور جب اس کا خاوند موجود نہیں ہوتا تو وہ اپنے نفس کے بارہ میں (یہ) خیر خواہی کرتی ہے (کہ اس کو ضائع و خراب ہونے سے بچاتی ہے اور اس میں کوئی خیانت نہیں کرتی) مذکورہ بالا تینوں حدیثیں ابن ماجہؒ نے نقل کی ہیں۔"

تشریح: اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کو اور ممنوعات سے بچنے کو "تقویٰ" کہتے ہیں لہٰذا ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا نیک و صالح بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور ممنوعات سے اجتناب کے بعد اپنی دینی و دنیاوی بھلائی کے لئے جو سب سے بہتر چیز پسند کرتا ہے وہ نیک بخت و خوب صورت بیوی ہے۔

"وہ اس کی تعمیل کرتی ہے" کا تعلق ان چیزوں سے ہے جو گناہ و معصیت کا باعث نہیں ہوتیں یعنی وہ اپنے شوہر کی انہیں باتوں اور انہی احکام کی تعمیل کرتی ہے جو شریعت کے خلاف اور خدا کی ناراضگی کا باعث نہیں ہوتے، یہ قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ مخلوق (یعنی کسی شخص) کا کوئی بھی ایسا حکم تعمیل نہ کرنا چاہئے جو خالق (یعنی اللہ تعالیٰ) کی نافرمانی سے متعلق ہو۔

"وہ اس کی قسم کو پورا کرتی ہے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش و مرضی پر اپنے شوہر کی خواہش و مرضی کو مقدم رکھتی ہے مثلاً جب اس کا شوہر اس کو کسی ایسے کام کے کرنے کی قسم دیتا ہے جو اس کی خواہش کے خلاف ہوتا ہے تو وہ اپنی خواہش کو چھوڑ کر وہ اپنے شوہر کی قسم و مرضی کے مطابق وہی کام کرتی ہے یا جب اس کا شوہر اس کو کسی ایسے کام کے نہ کرنے کی قسم دیتا ہے جو اس کی خواہش کے مطابق ہے تو وہ اپنی خواہش کی پرواہ کئے بغیر اپنے شوہر کی قسم و مرضی کی مطابق اس کام کو ترک کر دیتی ہے۔

نکاح، آدھا دین ہے

(۱۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّيْنِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِيْ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس بندہ نے نکاح کیا اس نے اپنا آدھا دین پورا کر لیا اب اسے چاہئے کہ باقی آدھے کے بارے میں خدا سے ڈرے۔"

تشریح: انسان کے جسم میں دو چیزیں ایسی ہیں جو عام طور پر دین میں فساد و نقصان کا سبب بنتی ہیں یعنی شرمگاہ اور پیٹ، لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے نکاح کر کے شرمگاہ کے فتنہ و فساد سے نجات پائی تو اب اسے چاہئے کہ پیٹ کے فتنے و فساد کو دور کرنے کے بارہ میں خدا سے ڈرتا رہے یعنی حلال کمائی اور حلال رزق ہی کے ذریعہ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ بھرے تاکہ دین کی بھلائی پوری حاصل ہو۔

کون سا نکاح بابرکت ہے؟

(۱۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَيْسَرُهُ مُؤْنَةً۔ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ بہت زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جو محنت کے لحاظ سے آسان ہو" یہ دونوں روایتیں بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں۔"

تشریح: "محنت کے لحاظ سے آسان نکاح" سے مراد وہ نکاح ہے جس میں بیوی کا مہر کم ہو اور عورت زیادہ مال و اسباب اور حیثیت سے زیادہ ضروریات زندگی (یعنی روٹی کپڑا) طلب کر کے مرد کو پریشان نہ کرے بلکہ شوہر کی طرف سے جو کچھ اور جیسا کچھ مل جائے برضا و رغبت اسی پر قانع رہے۔

بَابُ النَّظَرِ اِلَی الْمَخْطُوْبَۃِ وَبَیَانُ الْعَوْرَاتِ

منسوبہ کو دیکھنے اور جن اعضاء کو چھپانا واجب ہے ان کا بیان

"مخطوبہ" سے مراد وہ عورت ہے جس سے نکاح کا پیغام دیا گیا ہو "عورت" سے مراد جسم کے وہ اعضاء ہیں جن کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔

منسوبہ کو دیکھنے کا مسئلہ

حضرت امام اعظمؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ، اور اکثر علماء کے نزدیک اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا جائز ہے خواہ منسوبہ اس بات کی اجازت دے یا نہ دے۔ حضرت امام مالکؒ کے ہاں اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھنا اسی صورت میں جائز ہے جب کہ اس کی اجازت حاصل ہو، اس کی اجازت کے بغیر دیکھنا جائز نہیں ہے، لیکن ایک روایت کے مطابق حضرت امام مالکؒ کے ہاں منسوبہ کو دیکھنا مطلقاً ممنوع ہے۔

اس بارہ میں فقہی مسئلہ یہ بھی ہے کہ بہتر اور مناسب یہی ہے کہ مرد اپنی منسوبہ کو دیکھنے کی بجائے کسی تجربہ کار اور معتمد عورت کو بھیج دے تاکہ وہ اس کی منسوبہ کو دیکھ کر مطلوبہ معلومات فراہم کر دے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

اپنی منسوبہ کو دیکھ لینا مستحب ہے

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ فَانْظُرْ اِلَیْهَا فَاِنَّ فِیْ اَعْیُنِ الْاَنْصَارِ شَیْئًا۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ایک انصاری عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں (اس بارہ میں آپ ﷺ کی کیا ہدایت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "تم اس عورت کو دیکھ لو (تو اچھا ہے) کیونکہ (بعض) انصاریوں کی آنکھوں میں کچھ خرابی ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: آپ ﷺ کی اس ہدایت کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ بعض انصاریوں کی آنکھ میں کچھ خرابی ہے جس سے طبیعت میں تکدر پیدا ہوتا ہے اس لئے مناسب ہے کہ تم اپنی منسوبہ کو دیکھ کر یہ اطمینان کر لو کہ اس کی آنکھوں میں تو کوئی نقص نہیں ہے۔ علامہ نوویؒ نے فی اعین الانصار شیئا کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ "(بعض) انصاریوں کی آنکھیں کیری یا کرنجی ہوتی ہیں" بہرکیف اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ خیر خواہی کے نکتہ نظر سے کسی چیز کا عیب و نقصان بیان کر دینا جائز ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح کا پیغام بھیجنے سے پہلے اپنی منسوبہ کو دیکھ کر مرد سے اس کے حالات بتا دے نیز اس بارہ میں مسئلہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ اپنی منسوبہ کا صرف منہ اور اس کی ہتھیلیاں ہی دیکھنا مباح ہے اگرچہ جنسی ہیجان سے مامون نہ ہو کیونکہ اس کے لئے یہ دونوں اعضاء "ستر" کے حکم میں نہیں ہیں۔

کسی عورت کے جسم کا حال اپنے شوہر سے بیان نہ کرو

② وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبَاشِرُ الْمَرْاَةُ الْمَرْاَةَ فَتَنْعَتُهَا لِزَوْجِهَا کَاَنَّهٗ یَنْظُرُ

اِلَیْھَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کوئی عورت اپنا برہنہ جسم کسی دوسری عورت کے برہنہ جسم سے نہ لگائے اور نہ اس عورت کے جسم کا حال اپنے خاوند کے سامنے بیان کرے (کیونکہ اپنے خاوند کے سامنے کسی اجنبی عورت کے جسم کا حال بیان کرنا ایسا ہی ہے) جیسا کہ اس کا خاوند اس عورت کے جسم کو خود دیکھ رہا ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: کسی عورت کا اپنے جسم کو برہنہ کر کے کسی دوسری عورت کے برہنہ جسم سے مس کرنا اور پھر اس عورت کے جسم کی خصوصیات یعنی گداز پن وغیرہ اپنے شوہر کے سامنے بیان کرنا انتہائی معیوب بات ہے چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے عورتوں کو منع کیا ہے، کیونکہ یہ نہ صرف بے شرمی کی بات اور غیر اخلاقی حرکت ہے بلکہ اس سے یہ بھی خطرہ ہے کہ اس کا خاوند کسی اجنبی عورت کے جسم کی پرکشش خصوصیات سنکر نفسانی ہیجان اور گندے خیالات میں مبتلا ہو جائے جو فتنہ و برائی کی جڑ ہے۔

عورتوں اور مردوں کے لئے چند ہدایات

③ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰی عَوْرَۃِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْاَۃُ اِلٰی عَوْرَۃِ الْمَرْاَۃِ وَلَا یُفْضِی الرَّجُلُ اِلَی الرَّجُلِ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَلَا تُفْضِی الْمَرْاَۃُ اِلَی الْمَرْاَۃِ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ستر کی طرف نہ دیکھے، دو برہنہ مرد ایک کپڑے میں جمع نہ ہوں اور نہ دو برہنہ عورتیں ایک کپڑے میں جمع ہوں۔" (مسلمؒ)

تشریح: شریعت نے مرد و عورت کے جسم کے جن حصوں اور اعضاء کو باہم دیکھنے اور چھونے کی ممانعت کی ہے ان کو "ستر" کہا جاتا ہے اور جسم کے ان حصوں کو عام نظروں سے چھپانا ڈھانکنا ضروری ہے، اس بارہ میں جو فقہی تفصیل ہے وہ اس طرح ہے:

مرد کا ستر اس کے جسم کا وہ حصہ ہے جو زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک ہوتا ہے اس کے جسم کے اس حصہ کو بلا ضرورت دیکھنا نہ تو کسی مرد کے لئے جائز ہے اور نہ کسی عورت کے لئے ہاں اس مرد کی بیوی یا لونڈی دیکھ سکتی ہے، مرد کے جسم کے اس حصہ کے علاوہ بقیہ حصوں کو دیکھنا مرد کے لئے بھی جائز ہے اور عورت کے لئے بھی بشرطیکہ عورت جنسی ہیجان سے مامون ہو اگر عورت جنسی ہیجان سے مامون نہ ہو تو پھر وہ غیر مرد کے جسم کے کسی بھی حصہ کو مطلقاً نہ دیکھے۔ اسی طرح عورت کا ستر عورت کے حق میں اس کے جسم کا زیر ناف سے زانوں تک کا حصہ ہے، لہٰذا عورت کے جسم کے اس حصہ کو بلا ضرورت دیکھنا عورت کے لئے بھی جائز نہیں ہے جب کہ عورت کا ستر، اجنبی مرد کے حق میں اس کا پورا جسم ہے، یعنی مرد کے لئے کسی اجنبی عورت کے جسم کے کسی بھی حصہ پر نظر ڈالنا جائز نہیں ہے، ہاں ایک روایت کے مطابق عورت کا چہرہ، اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر اس کے "ستر" میں داخل نہیں ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت کا ان اعضاء کا دیکھنا غیر مرد کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ مرد جنسی ہیجان سے مامون ہو، اگر جنسی ہیجان سے مامون نہ ہو تو پھر اس کے لئے ان اعضاء کا دیکھنا بھی جائز نہیں ہوگا۔ البتہ کسی خاص ضرورت کے وقت دیکھنا جائز ہوگا۔ خواہ جنسی ہیجان سے مامون ہو یا مثلاً گواہ کسی معاملہ میں گواہی کے وقت یا حاکم کسی معاملہ کے فیصلہ کے وقت ہر حالت میں ان اعضاء کو دیکھ سکتا ہے اسی طرح عورت کے ان اعضاء یعنی چہرہ اور ہاتھ پیر کو چھونا غیر مرد کے لئے جائز نہیں ہے اگرچہ وہ جنسی ہیجان سے مامون ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ عورت جوان ہو ہاں اگر عورت اتنی عمر رسیدہ ہو کہ نفسانی خواہش اس کی طرف مائل ہی نہ ہوتی ہو یا مرد اتنا بڈھا ہو کہ خود بھی اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو اور اس عورت کے نفس کی طرف سے بھی مطمئن ہو تو اس صورت میں ان اعضاء کو چھونا جائز ہوگا۔

مرد کو اپنی بیوی کے جسم کا ہر حصہ دیکھنا جائز ہے اسی طرح اپنی اس لونڈی کا پورا جسم دیکھنا جائز ہے جس سے مجامعت حلال ہو۔

عورت کا ستر اس کے محرم کے حق میں اس کی پیٹھ، پیٹ اور زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک کا حصہ ہے۔ لہٰذا کسی عورت کے جسم کے ان حصوں اور اعضاء کو دیکھنا اور چھونا اس کے محرم کے لئے جائز نہیں ہے اگرچہ وہ جنسی ہیجان سے مامون ہی کیوں نہ ہو! چونکہ عورت کا سر، پنڈلی، بازو اور سینا اس کے محرم کے حق میں ستر نہیں ہے اس لئے ان اعضاء کو محرم دیکھ سکتا ہے بشرطیکہ جنسی ہیجان سے مامون ہو۔

مرد کے حق میں غیر کی لونڈی کا ستر اس کی محرمہ کے ستر کی مانند ہے یعنی پیٹھ، پیٹ اور زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک کا حصہ لہٰذا غیر کی لونڈی کے جسم کے ان حصوں اور اعضاء کو جو اس کے ستر کے حکم میں ہے دیکھنے اور چھونے کے بارہ میں وہی تفصیل ہے جو اپنی محرمہ کے جسم کے مستور حصوں کو دیکھنے اور چھونے کی ہے۔

خوبصورت مرد کو نفسانی خواہش کے ساتھ دیکھنا یا اس کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ کسی عورت کو اس سے نکاح کے ارادہ کے وقت، یا کسی لونڈی کو اس کی خریداری کے وقت نفسانی خواہش کے خوف کے باجود دیکھنا یا ہاتھ لگانا جائز ہے۔

غلام اپنی مالکہ یعنی مالک کی بیوی کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہے یعنی جس طرح اس کے لئے اجنبی مرد سے پردہ کرنا ضروری ہے اسی طرح غلام سے بھی پردہ کرنا چاہئے، ایسے ہی ہیجڑا اور خواجہ سرا بھی مرد کی مانند ہے۔ علماء فقہ لکھتے ہیں کہ اجنبی عورت پر نظر ڈالنا حرام ہے خواہ یہ نظر ڈالنا نفسانی خواہش کے تحت ہو یا اس کے بغیر ہو۔

"دو برہنہ مرد ایک کپڑے میں جمع نہ ہوں" کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ دو ننگے مردوں کا ایک کپڑے میں یکجا ہونا یا دو ننگی عورتوں کا ایک کپڑے میں اکٹھا ہونا اگرچہ بحسب عادت کسی برائی کا محل نہیں رکھتا لیکن اس کے باجود یہ حرام اور مکروہ ہے کیونکہ یہ چیز بہر حال شرم و حیا کے منافی ہے۔

اجنبی عورت کے ساتھ خلوت گزینی کی ممانعت

④ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا لَایَبِیْتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ ثَیِّبٍ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَاکِحًا اَوْذَامَحْرَمٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "خبردار! کوئی مرد کسی ثیب عورت کے ساتھ شب نہ گذارے اِلّا یہ کہ وہ مرد منکوح یعنی خاوند ہو یا محرم ہو۔" (مسلمؒ)

تشریح: یہاں "رات گذارنے سے مراد" تنہائی میں ملنا" ہے! لہٰذا اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مرد کسی اجنبی ثیب عورت کے ساتھ کسی جگہ تنہائی میں اکٹھا نہ ہو خواہ رات ہو یا دن ہو۔

ثیب اس عورت کو کہتے ہیں جس سے جماع ہو چکا ہو۔ یا جو خاوند کر چکی ہو۔ لیکن یہاں ثیب سے مراد جوان عورت ہے خواہ وہ کنواری ہو یا غیر کنواری ہو۔

"محرم" سے مراد ہے جس سے نکاح کرنا ابدی طور پر ناجائز ہو جیسے بیٹا، بھائی اور داماد وغیرہ اگرچہ یہ محرمیت دودھ کے رشتہ ہی کی وجہ سے کیوں نہ ہو۔

⑤ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِیَّاکُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَی النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ (اجنبی) عورتوں کے نزدیک جانے سے اجتناب کرو (جب کہ وہ تنہائی میں ہوں یا ننگی کھلی بیٹھی ہوں) ایک شخص نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) حمو کے بارہ میں آپ (ﷺ) کا کیا حکم ہے؟

(کیا ان کے لئے بھی یہ ممانعت ہے) آپ ﷺ نے فرمایا "حمو" تو موت ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: حمو شوہر کے قرابت داروں کو کہتے ہیں جیسے بھائی (یعنی عورت کا دیور) وغیرہ ہاں شوہر کا باپ اور شوہر کا بیٹا حمو میں داخل نہیں ہے۔

"حمو تو موت ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح موت انسان کی ظاہری اور دنیوی زندگی کو ہلاک کر دیتی ہے اس طرح حمو کا تنہائی میں غیر محرم عورت کے پاس جانا اس کی دینی اور اخلاقی زندگی کو ہلاکت و تباہی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے، کیونکہ عام طور پر لوگ غیر محرم عورتوں کے ساتھ حمو کے خلط ملط کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اس لئے ان کے عورتوں کے پاس ہر وقت آتے جاتے رہنے اور ان کے ساتھ بے محابا نشست و برخواست رکھنے کی وجہ سے ان کا کسی برائی میں مبتلا ہو جانا زیادہ مشکل نہیں رہتا اس کی وجہ سے فتنے سر ابھارتے ہیں اور نفس برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

یہ جملہ الحمو الموت (یعنی حمو تو موت ہے) لفظ "موت" کا ذکر دراصل اس محاورہ کی بنیاد پر ہے جو اہل عرب کے ہیں عام طور پر کسی خطرناک چیز سے خوف دلانے کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ اہل عرب کہہ دیا کرتے ہیں کہ شیر مرگ ہے یا بادشاہ آگ ہے۔ چنانچہ ان جملوں کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ شیر کے قریب جانا، موت کی آغوش میں چلا جانا ہے یا بادشاہ کی قربت آگ کی قربت کی مانند ہے لہٰذا ان سے بچنا چاہیے۔

معالج عورت کا جسم دیکھ سکتا ہے

(۶) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ اسْتَاذَنَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحِجَامَةِ فَاَمَرَ اَبَا طَيْبَةَ اَنْ يَحْجُمَهَا قَالَ حَسِبْتُ اَنَّهٗ كَانَ اَخَاهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ اَوْ غُلَامًا مَا لَمْ يَحْتَلِمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ نے رسول کریم ﷺ سے سینگی کھچوانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے حضرت ابوطیبہؓ کو سینگی کھینچنے کا حکم دیا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ حضرت ابوطیبہؓ (کو سینگی کھینچنے کا حکم دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ) حضرت اُم سلمہؓ کے دودھ شریک بھائی تھے یا ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حضرت جابرؓ کا اپنے گمان کا اظہار کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت اُم سلمہؓ کو سینگی کھچوانے کی ضروری حاجت نہیں تھی، کیونکہ ضرورت کے وقت اجنبی مرد کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ کسی عورت کے سینگی کھینچے اور فصد کھولے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی بھی معالج، علاج معالجہ کے وقت عورت کے پورے جسم کو دیکھ سکتا ہے۔

کسی اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کا مسئلہ

(۷) وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظَرِ الْفُجَاءَةِ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اَصْرِفَ بَصَرِيْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جریر ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے کسی اجنبی عورت پر ناگہاں نظر پڑ جانے کے بارہ میں پوچھا تو آپ ﷺ نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں اپنی نظر (فوراً) پھیر لوں۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت کی طرف دیکھتا نہ رہے بلکہ فوراً اپنی نظر پھیر لے اور پھر دوبارہ اس کی طرف نہ دیکھے، کیونکہ پہلی نظر جو بلا قصد و ارادہ پڑی ہو وہ معاف ہے مگر فی الفور نظر پھیر لینا چونکہ واجب ہے اس لئے پہلی نظر کے بعد اس عورت کی طرف دیکھتے رہنا گناہ کی بات ہے چنانچہ قرآن کریم کی اس آیت میں بھی یہی حکم ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ (النور ۲۴:۳۰)

"مؤمنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں پست کریں۔"

ہاں کسی ضرورت کے وقت مثلاً نکاح وغیرہ کے لئے پہلی نظر کے بعد بھی دیکھنا جائز ہے۔ اگر کسی عورت کے جسم کے کسی حصے پر زخم وغیرہ ہو، یا فصد کھلوانی ہو، اور یا جسم کا کوئی حصہ کسی مرض کی وجہ سے معالج کو دکھانا ہو تو وہ اپنے جسم کے صرف اسی حصہ کو دکھائے جہاں زخم ہو، یا جس جگہ فصد کھلوانی ہو اور یا جس حصہ کو دکھانا ضروری ہو اور جسم کے باقی حصہ کو کپڑے سے چھپائے رکھے۔

کسی اجنبی عورت کو دیکھ کر برا خیال پیدا ہو تو بیوی کے پاس چلے جانا چاہئے

⑧ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَرْاَةَ تُقْبِلُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ وَتُدْبِرُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ اِذَا اَحَدُكُمْ اَعْجَبَتْهُ الْمَرْاَةُ فَوَقَعَتْ فِيْ قَلْبِهٖ فَلْيَعْمِدْ اِلَى امْرَاَتِهٖ فَلْيُوَاقِعْهَا فَاِنَّ ذٰلِكَ يَرُدُّ مَا فِيْ نَفْسِهٖ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کسی کو کوئی اجنبی عورت اچھی لگے اور وہ اس کے دل میں گھر کرنے لگے تو اسے چاہئے کہ وہ فوراً اپنی بیوی کے پاس چلا جائے اور اس سے مباشرت کرلے کیونکہ یہ مباشرت اس چیز کو ختم کر دے گی جو اس کے دل میں پیدا ہو گئی ہے (یعنی جنسی خواہش)۔" (مسلمؒ)

تشریح: "عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے الخ یہ دراصل گندے خیالات، برے وسوسوں اور گمراہی میں مبتلا کرنے کے سلسلہ میں عورت کو شیطان کے ساتھ مشابہت دینے کا ایک اسلوب ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح شیطان انسانوں کے دل و دماغ میں برے خیالات ڈال کر گمراہ کرتا ہے اسی طرح عورت کا جمال مرد کی نظر کو اپنا اسیر بنا کر اس کے دل کو بری خواہشات اور گندے خیالات کی گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے، لہٰذا اجنبی عورت کو دیکھنا فتنہ و شر کا باعث بن جاتا ہے اس سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ عورت کو تو یہ چاہئے کہ وہ بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلے اور کسی ضرورت کے تحت باہر نکلے تو بناؤ سنگار کر کے نہ نکلے اور مرد کو یہ چاہئے کہ وہ اجنبی عورت کی طرف نہ دیکھے اور نہ اس کے کپڑوں کی طرف نظر کرے۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ مرد اپنی بیوی کو مباشرت کے لئے دن میں اپنے پاس بلالے اگرچہ بیوی کسی ایسے کام میں مشغول ہو جس کو اس وقت چھوڑ دینا ممکن ہو، کیونکہ بسا اوقات مرد پر جنسی ہیجان کا غلبہ ہوتا ہے کہ مباشرت میں تاخیر اس کے دل و دماغ یا جسم کی کسی تکلیف و مرض کا باعث بن جاتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا مستحب ہے

⑨ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اَحَدُكُمُ الْمَرْاَةَ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى مَا يَدْعُوْهُ اِلٰى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجے تو اگر وہ اس (عورت کے ان اعضاء) کو دیکھنے پر قادر ہو جو اس کو نکاح کی رغبت دلاتے ہیں (یعنی ہاتھ اور چہرہ) تو ایک نظر دیکھ لے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا کہ اپنی منسوبہ کو نکاح کا پیغام بھیجنے سے پہلے ایک نظر دیکھ لینا مستحب ہے کیونکہ اگر وہ عورت پسند آگئی اور

طبیعت کو بھاگئی تو اس نکاح کے بعد وہ اس عورت کیوجہ سے بدکاری سے بچا رہے گا جو نکاح کا اصل مقصود ہے۔ اس موقع پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ایک موقع پر جو یہ فرمایا گیا ہے کہ کسی عورت سے اس کے حسن و جمال کی وجہ سے نکاح نہ کیا جائے تو اس حکم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ حسن و جمال کو ملحوظ ہی نہ رکھا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ کسی حسین و جمیل عورت سے نکاح کرنے میں کوئی دینی نقصان و فساد ہو تو اس دینی نقصان و کوتاہی سے بالکل صرف نظر کر کے اس سے محض اس بناء پر نکاح نہ کیا جائے کہ وہ حسن و جمال کی حامل ہے۔

(۱۰) وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَطَبْتُ امْرَأَةً فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ نَظَرْتَ اِلَيْهَا قُلْتُ لَا قَالَ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّهٗ اَحْرٰى اَنْ يُّؤْدَمَ بَيْنَكُمَا۔ (رواہ احمد و الترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے منگنی کا ارادہ کیا تو رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ "کیا تم نے اس عورت کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ "نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم اس عورت کو ایک نظر دیکھ لو کیونکہ دیکھ لینا بہت مناسب و بہتر ہے۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: یعنی اگر تم اپنی منسوبہ کو ایک نظر دیکھ لینے کے بعد اس سے نکاح کرو گے تو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت الفت بہت زیادہ ہوگی کیونکہ جب منسوبہ کو دیکھ لینے کے بعد نکاح ہوتا ہے تو عام طور پر کوئی پچھتاوا نہیں ہوتا اور نہ اپنے اس انتخاب پر کوئی شرمندگی و پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔

کسی اجنبی عورت پر نظر پڑ جائے تو فوراً اپنی بیوی سے تسکین حاصل کرلو

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً فَاَعْجَبَتْهُ فَاَتٰى سَوْدَةَ وَهِيَ تَصْنَعُ طِيْبًا وَعِنْدَهَا نِسَاءٌ فَاَخْلَيْنَهٗ فَقَضٰى حَاجَتَهٗ ثُمَّ قَالَ اَيُّمَا رَجُلٍ رَاٰى امْرَأَةً تُعْجِبُهٗ فَلْيَقُمْ اِلٰى اَهْلِهٖ فَاِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِيْ مَعَهَا۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ کی نظر ایک عورت پر پڑی تو وہ آپ ﷺ کو اچھی لگی، چنانچہ آپ ﷺ (فورا) اُمّ المؤمنین حضرت سودہؓ کے پاس تشریف لائے وہ اس وقت خوشبو تیار کر رہی تھیں اور چند عورتیں ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، ان عورتوں نے خلوت کردی (یعنی حضرت سودہؓ کے پاس سے اٹھ کر باہر آگئیں) پھر آپ ﷺ نے اپنی ضرورت پوری کی (یعنی حضرت سودہؓ سے مجامعت فرمائی) اور فرمایا کہ "جس مرد کی کسی ایسی عورت پر نظر پڑ جائے جو اسے اچھی لگے تو اسے چاہئے کہ وہ (فوراً) اپنی بیوی کے پاس چلا جائے (اور اس کے ذریعہ جنسی تسکین حاصل کرلے تاکہ اس کی جنسی خواہش پوری ہو جائے اور برے خیالات میں مبتلا نہ ہو) کیونکہ اس کی بیوی کے پاس بھی وہی چیز ہے جو اس عورت کے پاس ہے۔" (دارمیؒ)

تشریح: اس عورت پر آنحضرت ﷺ کی نظر پڑ جانا ایک اتفاقی امر تھا جس پر کوئی اختیار نہیں تھا اور پھر اس عورت کا آپ ﷺ کی نظر میں اچھا لگنا انسانی طبیعت و جبلت کا تقاضا تھا جو ایک فطری امر ہے۔

عورت بیگانی نظروں سے چھپنے کی چیز ہے

(۱۲) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے، چنانچہ جب کوئی عورت (اپنے پردہ سے باہر) نکلتی ہے تو شیطان اس کو مردوں کی نظر میں اچھا کر کے دکھاتا ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: المرأة عورة کا لفظی ترجمہ ہے "عورت، ستر ہے" یعنی جس طرح ستر (شرمگاہ) کو عام نظروں سے چھپاتی ہے اسی طرح عورت بھی ایک ایسی چیز ہے جس کو بیگانے مرد کی نظروں سے چھپ کر پردہ میں رہنا چاہئے اور جس طرح سب کے سامنے ستر کو کھولنا ایک برا فعل سمجھا جاتا ہے اسی طرح عورت کا بھی لوگوں کے سامنے آنا برا ہے۔

کسی عورت پر اتفاقی نظر پڑ جانے کے بعد دوسری نظر ڈالنا جائز نہیں ہے

⑬ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ لَاتُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَاِنَّ لَكَ الْاُوْلٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الْاٰخِرَةُ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

"اور حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ "علی! نظر پڑ جانے کے بعد پھر نظر نہ ڈالو (یعنی اگر کسی عورت پر ناگہاں نظر پڑ جائے تو پھر اس کے بعد دوبارہ اس کی طرف نہ دیکھو) کیونکہ تمہارے لئے پہلی نظر تو جائز ہے (جب کہ اس میں قصد وارادہ کو قطعاً دخل نہ ہو) مگر دوسری نظر جائز نہیں ہے۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، دارمیؒ)

اپنی لونڈی کا نکاح کر دینے کے بعد اسے اپنے لئے حرام سمجھو

⑭ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا زَوَّجَ اَحَدُكُمْ عَبْدَهٗ اَمَتَهٗ فَلَا يَنْظُرَنَّ اِلٰى عَوْرَتِهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا يَنْظُرَنَّ اِلٰى مَادُوْنَ السُّرَّةِ وَفَوْقَ الرُّكْبَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کا نکاح اپنی لونڈی سے کردے تو پھر اس لونڈی کی (شرمگاہ) کو نہ دیکھے (کیونکہ نکاح کے بعد وہ اپنے آقا کے لئے حرام ہو جاتی ہے، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "تو وہ (اس لونڈی کے جسم کے) اس حصہ کو نہ دیکھے جو ناف کے نیچے سے زانو کے اوپر تک ہے۔"

(ابوداؤدؒ)

تشریح: جب اپنے غلام کے ساتھ نکاح کر دینے کی صورت میں یہ حکم ہے تو پھر کسی دوسرے کے غلام کے ساتھ اپنی لونڈی کا نکاح کر دینے کی صورت میں یہ حکم بطریق اولی ہوگا کہ اس لونڈی کو اپنے لئے بالکل حرام سمجھا جائے۔ لہٰذا اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جب اس لونڈی کو بیاہ دیا جائے تو پھر اس کے جسم کی اس حد کو دیکھنا حرام ہوگا جو ناف اور زانو کے درمیان ہوتا ہے۔

اس بارہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے۔ کہ بیاہ ہو جانے کے بعد لونڈی اپنے آقا کے حق میں کسی غیر کی لونڈی کی مانند ہو جاتی ہے اور غیر کی لونڈی کے جسم کے مستور حصہ کی تفصیل اور اس کا حکم پیچھے حضرت ابوسعدؓ کی روایت کی تشریح میں گذر چکا ہے، لیکن حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ بیاہ ہو جانے کے بعد لونڈی کا ستر (یعنی اس کے جسم کا مستور حصہ) مرد کے ستر کی مانند ہے، دونوں کے دلائل فقہ کی بڑی کتابوں میں مذکور ہیں۔

ران، جسم کا مستور حصہ ہے

⑮ وَعَنْ جَرْهَدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

"اور حضرت جرہدؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "کیا تم نہیں جانتے کہ ران ستر ہے (یعنی ران جسم کا وہ حصہ ہے جسے چھپا ہوا ہونا چاہئے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: کتاب "اسد الغابہ" میں یہ لکھا ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ مسجد میں حضرت جرہدؓ کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ ان کی

ران کھلی ہوئی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی ران ڈھانک لو کیونکہ ران ستر ہے۔ لہٰذا یہ ارشاد گرامی ان علماء کے مسلک کے خلاف دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ران ستر نہیں ہے، چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ ان کے نزدیک ران ستر میں داخل نہیں ہے۔

(۱۶) وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ يَا عَلِيُّ لَا تُبْرِزْ فَخِذَكَ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰى فَخِذِ حَيٍّ وَلَا مَيِّتٍ۔ (رواه ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "علیؓ اپنی ران کو (لوگوں کے سامنے) مت کھولو اور نہ زندہ شخص کی ران دیکھو اور نہ مردے کی ران دیکھو۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ستر کے حکم میں زندہ اور مردہ دونوں برابر ہیں، یعنی جس طرح زندہ شخص کے جسم کے ان حصوں کو دیکھنا ممنوع ہے جن کا چھپایا جانا شرعی طور پر ضروری ہے اسی طرح مردہ کے جسم کے ان حصوں کو دیکھنا بھی ممنوع ہے۔

(۱۷) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَعْمَرٍ وَفَخِذَاهُ مَكْشُوْفَتَانِ فَقَالَ يَا مَعْمَرُ غَطِّ فَخِذَيْكَ فَاِنَّ الْفَخِذَيْنِ عَوْرَةٌ۔ (رواه فی شرح السنۃ)

"اور حضرت محمد ابن جحشؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ حضرت معمرؓ کے پاس سے اس حال میں گذرے کہ ان کی دونوں رانیں کھلی ہوئی تھیں چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "معمر! اپنی رانوں کو چھپالو کیونکہ ران ستر ہے۔" (شرح السنۃ)

بغیر ضرورت تنہائی میں بھی ستر کھولنا اچھا نہیں ہے

(۱۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَالتَّعَرِّيَ فَاِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يُفَارِقُكُمْ اِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِيْنَ يُفْضِي الرَّجُلُ اِلٰى اَهْلِهٖ فَاسْتَحْيُوْهُمْ وَاَكْرِمُوْهُمْ۔ (رواه الترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم برہنہ ہونے سے اجتناب کرو (اگرچہ تنہائی کیوں نہ ہو) کیونکہ پاخانہ اور اپنی بیوی سے مجامعت کے اوقات کے علاوہ تمہارے ساتھ ہر وقت وہ (فرشتے) ہوتے ہیں (جو تمہارے اعمال لکھنے پر مامور ہیں) لہٰذا تم ان (فرشتوں) سے حیا کرو اور ان کی تعظیم کرو۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تم ہر وقت اپنے ستر کو چھپائے رکھو، اچھے کام کرتے رہو اور بری باتوں اور فحش اعمال سے اجتناب کرتے رہو تاکہ ان فرشتوں کی شان میں حیا سوزی نہ ہو اور ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی فرق نہ آئے ابن ملک کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی ضرورت مثلاً مجامعت یا رفع حاجت وغیرہ کے علاوہ ستر کو کھولنا جائز نہیں ہے کیونکہ بڑی بے شرمی اور بے غیرتی کی بات ہے۔

عورت، مرد کو دیکھ سکتی ہے یا نہیں؟

(۱۹) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُوْنَةَ اِذْ اَقْبَلَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَيْسَ هُوَ اَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَعَمْيَاوَانِ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهٖ۔ (رواه احمد والترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) وہ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ رسول کریم ﷺ کے پاس موجود تھیں کہ اچانک ابن اُمّ مکتومؓ (جو ایک نابینا صحابی تھے) آگئے، آنحضرت ﷺ نے (ابن ام مکتومؓ کو دیکھ کر) ان دونوں ازواج مطہرات سے فرمایا کہ "ان سے چھپ جاؤ" اُمّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ (آپ ﷺ کا یہ حکم سن کر) میں نے عرض کیا کہ "کیا وہ نابینا نہیں ہیں وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے،

آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟ (یعنی اگر وہ اندھے ہیں تو تم تو اندھی نہیں ہو۔" (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مرد کا اجنبی یعنی غیر محرم عورت کو دیکھنا حرام ہے اس کی طرح عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا بھی حرام ہے لیکن علماء یہ لکھتے ہیں کہ یہ تو یہ ارشاد گرامی ورع، اور تقویٰ پر محمول ہے یا یہ کہ اس سے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ عورت، مرد کو بطور اختلاط نہ دیکھے یعنی ایسا ہونا چاہئے کہ دو اجنبی مرد و عورت ایک جگہ باہم ہوں اور دونوں ایک دوسرے سے بات چیت کریں اور عورت، مرد کو شوق و دلچسپی کے ساتھ غور سے دیکھے، چنانچہ اس بارہ میں صحیح مسئلہ یہی ہے کہ عورت، مرد کو دیکھ سکتی ہے۔ لیکن ناف سے زانوں تک کے حصہ پر نظر ڈالنا جائز نہیں ہے اس مسئلہ کی دلیل حضرت عائشہؓ کا یہ قول ہے کہ "جب حبشی نیزہ بازی کر رہے تھے تو میں ان کو دیکھ رہی تھی" حضرت عائشہؓ کی حبشیوں کو دیکھنا ۹ھ کی بات ہے جب کہ حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۶ سال کی تھی اور پردہ کا حکم نافذ ہو چکا تھا، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا مرد کو دیکھنا جائز ہے۔ علاوہ اس کے جسم کے اس مذکورہ حصہ کے جو ستر میں داخل ہے، لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ اجازت اس صورت میں ہے جب کہ جنسی خواہش سے مامون ہو، اگر جنسی خواہش سے مامون نہ ہو تو پھر مرد کو بالکل نہ دیکھے۔

خلوت میں بھی اپنا ستر چھپائے رکھو

(۲۰) وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَرَأَيْتَ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا قَالَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُسْتَحْيٰى مِنْهُ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت بہز ابن حکیمؒ اپنے والد مکرم (حضرت حکیمؓ) سے اور وہ بہزؒ کے دادا (حضرت معاویہؓ ابن حیدہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "تم اپنا ستر چھپائے رکھو علاوہ اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے (کہ ان کے سامنے اپنا ستر چھپانا ضروری نہیں ہے) حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ آدمی جب خلوت (تنہائی) میں ہو تو کیا وہاں بھی اپنا ستر چھپائے رکھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ لائق تر ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: آپ ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ خلوت میں اگرچہ کوئی موجود نہیں ہوتا لیکن اس وقت بھی اپنا ستر کھولنا مناسب نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ تو بہر صورت دیکھتا ہے جو انسانوں سے زیادہ اس بات کا لائق ہے کہ اس سے شرم و حیاء کی جائے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ خلوت میں بھی ستر کو چھپائے رکھنا واجب ہے ہاں کسی ضرورت کی بناء پر کھولنا جائز ہے۔

حدیث میں ستر کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں بیوی اور لونڈی کا جو استثناء کیا گیا ہے کہ اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے سامنے اپنا ستر چھپانا ضروری نہیں ہے تو اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ ملک اور نکاح، جانبین (یعنی مرد و عورت) کے لئے ایک دوسرے کے ستر کی طرف دیکھنے کو مباح کر دیتے ہیں۔

اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہو

(۲۱) وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَانُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عمرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جب بھی کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں یکجا ہوتا ہے تو وہاں ان میں کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: جب دو اجنبی مرد و عورت کہیں خلوت میں جمع ہوتے ہیں تو وہاں شیطان فوراً پہنچ جاتا ہے جو ان دونوں کے جنسی جذبات کو برانگیختہ کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ ان پر جنسی ہیجان کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ بدکاری میں مبتلا ہو جاتے ہیں لہٰذا حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تم کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں یکجا ہونے کا کوئی موقع ہی نہ آنے دو کہ شیطان تمہارے درمیان آجائے اور تمہیں برائی کے راستہ پر لگا دے۔

(۲۲) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلِجُوْا عَلَى الْمُغِيْبَاتِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنْ اَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ قُلْنَا وَمِنْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَمِنِّيْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "ان عورتوں کے پاس (تنہائی میں) نہ جاؤ جن کے خاوند موجود نہ ہوں کیونکہ تمہارے جسموں میں خون دوڑنے کی جگہ شیطان دوڑتا رہتا ہے (یعنی شیطان کا بہکاوا اور اس کا تصرف انسان کے تمام رگ و پوست میں سرایت کرتا ہے) ہم نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! کیا شیطان آپ ﷺ کے جسم میں بھی دوڑتا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں! میرے جسم میں بھی دوڑتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے شیطان کے مقابلہ پر میری اعانت فرمائی ہے چنانچہ میں اس سے محفوظ رہتا ہوں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: یوں تو کسی غیر محرم عورت کے پاس تنہائی میں جانا اس کے ساتھ اختلاط رکھنا ممنوع ہے لیکن اس حدیث میں ان عورتوں کا کہ جن کے خاوند گھر پر موجود نہ ہوں (مثلاً باہر سفر میں گئے ہوں) خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور پر شادی کے بعد چونکہ عورتوں کے جنسی جذبات بیدار ہو جاتے ہیں اور ان پر نفسانی خواہش کا غلبہ رہتا ہے اس لئے ان کے خاوند کی غیر موجودگی میں ان کے پاس تنہائی میں غیر محرم مرد کا جانا برائی میں مبتلا ہو جانے کے بہت زیادہ احتمال رکھتا ہے۔

لفظ مَجْرَى الدَّمِ کا ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے "خون دوڑنے کی جگہ یعنی رگ" کیا ہے جیسا کہ یہاں نقل کیا گیا ہے لیکن ملا علی قاریؒ نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ (تمہارے اندر شیطان اس طرح دوڑتا ہے) جس طرح تمہاری رگوں میں خون دوڑتا ہے جو تمہیں نظر نہیں آتا" یعنی جس طرح تمہاری رگوں میں خون دوڑتا رہتا ہے اور تم اسے دیکھ نہیں پاتے ایسے ہی تم پر شیطان اس طرح مسلط اور چھپا ہوا ہے کہ باوجودیکہ وہ تم پر اپنا تصرف کرتا رہتا ہے لیکن تم اسے دیکھ نہیں پاتے! مآل کار اور نتیجہ کے اعتبار سے دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

لفظ اسلم مضارع متکلم کے صیغہ کے ساتھ منقول ہے اور بعض روایتوں میں صیغہ ماضی کے ساتھ بھی نقل ہوا ہے اور یہ دونوں صحیح ہیں چنانچہ مضارع متکلم کا ترجمہ تو وہی ہے جو یہاں نقل کیا گیا اور اگر اسے صیغہ ماضی کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ (اللہ تعالیٰ نے شیطان کے مقابلہ پر میری اعانت فرمائی ہے) چونکہ وہ شیطان (میرے حق میں) مسلمان (یعنی مطیع و مغلوب) ہو گیا ہے۔

غلام، اپنی مالکہ کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہے

(۲۳) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى فَاطِمَةَ بِعَبْدٍ قَدْ وَهَبَهٗ لَهَا وَعَلٰى فَاطِمَةَ ثَوْبٌ اِذَا قَنَّعَتْ بِهٖ رَاْسَهَا لَمْ يَبْلُغْ رِجْلَيْهَا وَاِذَا غَطَّتْ بِهٖ رِجْلَيْهَا لَمْ يَبْلُغْ رَاْسَهَا فَلَمَّا رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَلْقٰى قَالَ اِنَّهٗ لَيْسَ عَلَيْكِ بَاْسٌ اِنَّمَا هُوَ اَبُوْكِ وَغُلَامُكِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے اس وقت حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں وہ غلام بھی موجود تھا جو ان کو آنحضرت ﷺ نے عطا کیا تھا اور حضرت فاطمہؓ کے جسم پر ایک ایسا (چھوٹا) کپڑا تھا کہ جب وہ اس سے اپنے سر کو چھپاتیں تو پاؤں کھلے رہ جاتے تھے اور جب اس سے اپنے پاؤں کو چھپاتیں تو انکا سر کھلا رہ جاتا تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت

فاطمہؓ کو اس پریشانی میں دیکھا (کہ وہ شرم و حیاء کی وجہ سے اپنے پورے جسم کو چھپانے کی غیر معمولی کوشش میں کامیاب نہیں ہو رہی ہیں) تو فرمایا کہ "(فاطمہ! اتنا کیوں پریشان ہوتی ہو) اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ (جس سے تم اتنا شرما رہی ہو) وہ کوئی غیر نہیں ہے بلکہ تمہارا باپ ہے یا تمہارا غلام ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس حدیث سے حضرت امام شافعیؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت کا غلام اس کا محرم ہے یعنی پردہ وغیرہ کے بارہ میں جو محرم کا حکم ہے وہی اس کے غلام کا ہے، جب کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غلام اپنی مالکہ کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہوتا ہے لہٰذا غلام کے لئے اپنی مالکہ کے جسم کے صرف انہی حصوں کی طرف نظر اٹھانا جائز ہے جن حصوں کی طرف ایک اجنبی مرد نظر اٹھا سکتا ہے یعنی چہرہ اور ہاتھ پاؤں۔ حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کے بارہ میں حضرت امام شافعیؒ کا یہ جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ جو بات کہتے ہیں وہ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ غلام جو حضرت فاطمہؓ کے پاس تھا اس وقت نابالغ ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عورتوں میں مخنث کے آنے کی ممانعت

(۲۴) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا وَفِي الْبَيْتِ مُخَنَّثٌ فَقَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِي اُمَيَّةَ اَخِي اُمِّ سَلَمَةَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اِنْ فَتَحَ اللّٰهُ لَكُمْ غَدًا الطَّائِفَ فَاِنِّي اَدُلُّكَ عَلَى ابْنَةِ غَيْلَانَ فَاِنَّهَا تُقْبِلُ بِاَرْبَعٍ وَتُدْبِرُ بِثَمَانٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلَنَّ هٰؤُلَاءِ عَلَيْكُمْ۔ (متفق علیہ)

"ام المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف فرما تھے اور گھر میں ایک مخنث (بھی موجود) تھا وہ مخنث حضرت عبداللہ ابن امیہ سے کہ جو حضرت اُم سلمہؓ کے بھائی تھے کہنے لگا کہ "عبداللہ اگر اللہ تعالیٰ نے کل آپ لوگوں کو طائف پر فتح بخشی تو میں آپ کو غیلان کی بیٹی دکھلاؤں گا جو چار کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ جاتی ہے" رسول کریم ﷺ نے (جب اس مخنث کی یہ بات سنی تو) فرمایا کہ "یہ مخنث تمہارے پاس نہ آیا کریں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: لفظ "مخنث" نون کے زیر کے ساتھ یعنی "مخنِث" بھی لکھا پڑھا جاتا ہے اور نون کے زبر کے ساتھ "مخنَث" بھی استعمال ہوتا ہے لیکن زیادہ صحیح زیر کے ساتھ یعنی "مخنِث" ہی ہے جب کہ مشہور زبر کے ساتھ یعنی عام طور "مخنَث" لکھا پڑھا جاتا ہے۔ مخنث اس شخص کو کہتے ہیں جو عادات و اطوار، بول چال اور حرکات و سکنات میں عورتوں کے مشابہ ہو جس کو ہمارے ہاں زنانہ اور زنخا کہتے ہیں۔ یہ مشابہت کبھی تو خلقی طور پر ہوتی ہے اور کبھی مصنوعی طور پر اختیار کی جاتی ہے خلقی طور پر جو مشابہت ہوتی ہے اس میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ یہ ایک قدرتی چیز ہوتی ہے جس میں انسانی اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔ ہاں جو مشابہت مصنوعی ہوتی ہے کہ بعض مرد، عورتوں کی مشابہت اختیار کر لیتے ہیں اور اپنے رہن سہن، عادات و اطوار اور بول چال میں اپنے آپ کو بالکل عورت ظاہر کرتے ہیں یہ بہت برائی اور گناہ کی بات ہے ایسے لوگ لعنت کے مستحق ہیں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان عورتوں پر اللہ کی لعنت ہو جو مردوں کے مشابہت اختیار کرتی ہیں اور ان مردوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

یہاں حدیث میں جس مخنث کا ذکر کیا گیا ہے اس کا نام ہیت تھا بعض نے اس کا نام ماطع لکھا ہے، اس کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ پہلے آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں میں آیا جایا کرتا تھا کیونکہ ازواج مطہرات کا یہ گمان تھا کہ یہ خلقی طور پر اوصاف مردانگی سے عاری اور جذبات نفسانی سے خالی ہے، اسے عورتوں کی طرف نہ کوئی رغبت و حاجت ہے اور نہ جنسیات سے اسے کوئی دلچسپی ہے بلکہ یہ "غیر اولی الاربہ" میں سے ہے جن کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے اور کہا ہے کہ ان سے پردہ کرنا عورتوں کے لئے واجب نہیں

ہے۔ مگر جب آنحضرت ﷺ نے اس کی یہ بات سنی جو جنسی معاملات میں اس کی دلچسپی کی مظہر تھی تو آپ ﷺ کو اندازہ ہو گیا کہ مخنث غیر اولی الاربہ میں سے نہیں ہیں بلکہ اولی الاربہ میں سے ہیں اور جنسیات کی طرف خواہش ورغبت رکھتے ہیں لہٰذا آپ ﷺ نے فوراً منع کر دیا کہ اب مخنث گھروں میں داخل نہ ہوا کریں۔ اور عورتوں کے پاس آیا جایا نہ کریں۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کی روشنی میں نہ صرف یہ کہ مخنث کے لئے گھروں میں داخل ہونے اور عورتوں کے پاس آنے جانے کی ممانعت ہے بلکہ خصی اور مجبوب کا بھی یہی حکم ہے اور پردہ وغیرہ کے سلسلہ میں تینوں ان مردوں کی مانند ہیں جن سے پردہ کرنا عورتوں پر واجب ہے۔

"جو چار کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ جاتی ہے" اس بات سے اس مخنث کا مقصد غیلان کی بیٹی تھی کہ جس کا نام بادیہ تھا کہ فربہی و تنومندی کو بیان کرنا تھا کیونکہ عام طور پر جس شخص کا جسم فربہ ہوتا ہے اس کے پیٹ پر چار شکن پڑے ہوتے ہیں جو سامنے سے چار ہی نظر آتے ہیں مگر پیچھے سے دیکھنے پر وہ آٹھ نظر آتے ہیں باایں طور کہ ان چاروں شکنوں کے سرے دونوں پہلوؤں کی طرف نمایاں ہوتے ہیں، لہٰذا مخنث نے جو یہ بات کہی تو اس کی مراد یہی تھی کہ غیلان کی بیٹی جب آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار شکن نظر آتے ہیں اور جب وہ پیٹھ پھیر کر جاتی ہے تو پیچھے آٹھ شکن معلوم ہوتے ہیں جو دراصل پیٹ کے ان چاروں شکنوں کے وہ دونوں طرف کے سرے ہوتے ہیں جو دونوں پہلوؤں کی طرف نمایاں ہوتے ہیں حاصل یہ ہے کہ عرب کے لوگ چونکہ فربہ جسم والی عورتوں کی طرف زیادہ میلان رکھتے تھے اس لئے اس مخنث نے غیلان کی بیٹی کی فربہی کو ظاہر کرنے کے لئے یہ طرز تعبیر اختیار کیا۔

برہنگی کی ممانعت

(۲۵) وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ حَمَلْتُ حَجَرًا ثَقِيلاً فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي سَقَطَ عَنِّي ثَوْبِي فَلَمْ أَسْتَطِعْ أَخْذَهُ فَرَآنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي خُذْ عَلَيْكَ ثَوْبَكَ وَلَا تَمْشُوْا عُرَاةً۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت مسور ابن مخرمہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن اپنی کسی ضرورت کے تحت) میں نے ایک بڑا بھاری پتھر اٹھایا اور اسے لے کر چلا تو (راستہ میں) میرا کپڑا (یعنی تہبند) میرے بدن سے گر پڑا (جس کی وجہ سے میرا ستر کھل گیا) مگر میں (بوجھ کی وجہ سے فوری طور پر) اپنے کپڑے کو اٹھا نہیں سکا اور اسی دوران رسول کریم ﷺ نے مجھے (برہنگی کی حالت میں) دیکھ لیا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (فورا) اپنا کپڑا اٹھاؤ (اور ستر پوشی کرو) اور پھر آپ ﷺ نے یہ عام حکم دیا کہ) ننگے نہ چلا کرو۔" (مسلمؒ)

شرم وحیا کا انتہائی درجہ

(۲۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا نَظَرْتُ أَوْ مَا رَأَيْتُ فَرْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ستر کی طرف کبھی نظر نہیں اٹھائی۔ یا یہ فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کا ستر کبھی نہیں دیکھا۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: حرف "او" دراصل راوی کے اس شک کو ظاہر کرتا ہے کہ روایت میں مانظرت (میں نے کبھی نظر نہیں اٹھائی) کے الفاظ ہیں یا مارأیت (میں نے کبھی نہیں دیکھا) کے الفاظ نقل ہوئے ہیں بہرحال ان دونوں کے معنی ایک ہی ہیں ان کے مفہوم ومطلب میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ایک روایت میں حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ ہیں کہ نہ تو آنحضرت ﷺ نے میرا ستر کبھی دیکھا اور نہ کبھی میں نے آنحضرت ﷺ کا ستر دیکھا۔ ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ اگرچہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کا ستر دیکھ سکتے ہیں لیکن آداب زندگی اور شرم وحیا کا انتہائی درجہ یہی ہے کہ شوہر اور بیوی بھی آپس میں ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھیں۔

حسین عورت کی طرف اچانک نظر اٹھ جانے کے بعد پھر فوراً اپنی نظر پھیر لینے کا اجر

(۲۷) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَنْظُرُ اِلٰی مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ اَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ یَغُضُّ بَصَرَہٗ اِلَّا اَحْدَثَ اللّٰہُ لَہٗ عِبَادَةً یَجِدُ حَلَاوَتَھَا۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جس مسلمان کی نظر پہلی مرتبہ (بلا قصد وارادہ) کسی عورت کے حسن وجمال کی طرف اٹھ جائے اور پھر وہ (فوراً) اپنی نظر پھیر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک عبادت پیدا کر دیگا جس سے وہ شخص لذت حاصل کریگا۔" (احمدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے چونکہ اپنے رب کی فرمانبرداری میں ایک حسن وجمال کی طرف اٹھی ہوئی نظر کو فوراً پھیر لیا اور اس طرح اس نے گویا اپنے جمالیاتی ذوق کو تسکین پہنچانے کی بجائے اپنے پروردگار کے حکم کے سامنے اپنے نفس کی خواہش کو پامال کر دیا اس لئے حق تعالیٰ اس کے اس فعل (نظر پھیر لینے) کو ایک ایسی عبادت میں تبدیل کر دے گا جس کی وجہ سے وہ اپنے قلب و دماغ میں حکم خداوندی کی تعمیل کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے مخصوص سکون قلب کی لذت محسوس کرے گا اور یہ لذت دراصل اس تلخی کا بدلہ ہوگی جو اس نے اپنے نفس کی خواہش پر صبر وضبط کر کے برداشت کی تھی۔

ممنوع النظر چیز کی طرف قصداً دیکھنے والے کے لئے وعید

(۲۸) وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَیْہِ رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

"اور حضرت حسن بصریؒ نے بطریق ارسال روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے (صحابہؓ سے) یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اس شخص پر کہ جس نے (بلا عذر و بغیر اضطرار) دیکھا اور اس پر کہ جس کو دیکھا گیا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔" (بیہقیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو اس چیز کی طرف قصدا اور ارادۃً دیکھے جس کو دیکھنا جائز نہیں ہے وہ چیز خواہ کوئی اجنبی عورت ہو یا کسی کا ستر ہو یا اور کوئی ممنوع النظر چیز ہو۔ اسی طرح اس کو بھی مستحق لعنت قرار دیا گیا ہے جس کو دیکھا جائے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس نے بغیر عذر اور اضطرار کے قصدا اپنے آپ کو دکھایا ہو مثلاً کوئی عورت اپنے آپ کو قصدا کسی اجنبی مرد کو دکھائے تو اس صورت میں وہ بھی اس لعنت میں داخل ہوگی ہاں اگر کسی عورت کو کسی اجنبی مرد نے اس طرح دیکھا کہ اس میں اس عورت کے قصد وارادہ کو قطعاً دخل نہ ہو تو وہ بھی اس لعنت کا مورد نہیں بنے گی۔

بَابُ الْوَلِیِّ فِی النِّکَاحِ وَاسْتِیْذَانِ الْمَرْأَةِ

نکاح کے ولی اور عورت سے نکاح کی اجازت لینے کا بیان

"ولی" لغوی طور پر "کارساز منتظم" کو کہتے ہیں یعنی وہ شخص جو کسی کام کا منتظم ہو۔ لیکن یہاں "ولی" سے مراد وہ شخص ہے جو کسی عورت کے نکاح کا متولی و ذمہ دار ہوتا ہے بایں طور کہ اس عورت کے نکاح کا اختیار اسے حاصل ہوتا ہے۔

اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے یہ معلوم ہوگا کہ نکاح کے بارے میں ولی کی اجازت کا حاصل ہونا اور عورت کی رضا معلوم کرنا ضروری ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ولایت (یعنی کسی کے ولی ہونے کا حق) کن کن لوگوں کو حاصل ہے؟ چنانچہ جاننا چاہئے کہ نکاح کے

سلسلہ میں ولایت کے اختیار اس کے ان رشتہ دار کو حاصل ہوتے ہیں جو عصبہ بنفسہ ہوں اگر کئی عصبات بنفسہ ہوں تو انہیں مقدم وہ ہوگا جو وراثت میں مقدم ہو گویا اس بارہ میں عصبات کی وہ ترتیب رہے گی جو وراثت میں ہوتی ہے۔ اگر عصبات بنفسہ میں کوئی نہ ہو تو ماں کو ولایت حاصل ہوگی پھر دادی کو (قنیہ میں اس کے برعکس ترتیب مذکور ہے) پھر بیٹی کو پھر، پوتی کو پھر، نواسی کو پھر، پوتے کی بیٹی کو، اور اگر انہیں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر نانا کو ولایت حاصل ہوگی، پھر حقیقی بہن کو، پھر سوتیلی بہن کو، پھر ماں کی اولاد کو (خواہ مرد یا عورت ہوں) پھر اسی ترتیب کے مطابق ان کی اولاد کو، اور اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر ذوی الارحام کو حاصل ہوگی، ذوی الارحام میں سب سے پہلے پھوپھیاں ولی ہوں گی، ان کے بعد ماموں، ان کے بعد خالائیں، ان کے بعد چچا کی بیٹیاں اور ان کے بعد اسی ترتیب کے مطابق ان کی اولاد اور اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو حق ولایت مولی الموالات کو حاصل ہوگا (مولی الموالات کے معنی باب الفرائض میں بیان ہو چکے ہیں) اگر مولی الموالات بھی نہ ہو تو پھر بادشاہ وقت ولی ہوگا۔ بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ اس کے بعد بادشاہ وقت کا کوئی نائب مثلاً قاضی بھی ولی ہو سکتا ہے بشرطیکہ بادشاہ کی طرف سے اس کو یہ اختیار دیا گیا ہو اس کے بعد قاضی کے نائبوں کو حق ولایت حاصل ہوگا بشرطیکہ اپنا نائب بنانے کی اجازت واختیار قاضی کو حاصل ہو۔ اگر قاضی کو یہ اجازت حاصل نہیں ہوگی تو پھر اس کا کوئی بھی نائب ولی نہیں ہو سکے گا۔

ولایت کا حق حاصل ہونے کے لئے آزاد ہونا۔ عاقل ہونا بالغ ہونا اور مسلمان ہونا شرط ہے، لہٰذا کوئی غلام کسی کا ولی نہیں ہو سکتا۔ کوئی نابالغ کسی کا ولی نہیں ہو سکتا، کوئی دیوانہ اور پاگل کسی کا ولی نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی کافر کسی مسلمان کا ولی ہو سکتا ہے، اسی طرح کوئی مسلمان بھی کسی کافر کا ولی نہیں ہو سکتا الا یہ کہ کوئی عام سبب پایا جائے جیسے کوئی مسلمان کسی کافرہ لونڈی کا آقا ہو، یا مسلمان بادشاہ یا بادشاہ کا نائب ہو تو اس صورت میں مسلمان، کافر کا ولی ہو سکتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نکاح سے پہلے عورت کی اجازت حاصل کر لینی چاہئے

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْکَحُ الْاَیِّمُ حَتّٰی تُسْتَاْمَرَ وَلَا تُنْکَحُ الْبِکْرُ حَتّٰی تُسْتَاْذَنَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَکَیْفَ اِذْنُهَا قَالَ اَنْ تَسْکُتَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ایم (یعنی بیوہ بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا حکم حاصل نہ کر لیا جائے، اسی طرح کنواری عورت (یعنی کنواری بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے" (یہ سنکر) صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ اس (کنواری عورت) کی اجازت کیسے حاصل ہوگی (کیونکہ کنواری عورت تو بہت شرم و حیا کرتی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا "اس طرح کہ وہ چپکی رہے یعنی کوئی کنواری عورت اپنے نکاح کی اجازت مانگے جانے پر اگر بسبب شرم و حیا زبان سے ہاں نہ کرے بلکہ خاموش رہے تو اس کی یہ خاموشی بھی اس کی اجازت سمجھی جائے گی۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: ایم اس عورت کو کہتے ہیں جس کا خاوند نہ ہو خواہ وہ باکرہ ہو (پہلے کبھی اس کی شادی نہ ہوئی ہو) خواہ ثیب ہو کہ پہلے اس کی شادی ہو چکی ہو اور پھر یا تو اس کا خاوند مر گیا ہو یا اس نے طلاق دیدی ہو) لیکن یہاں ایم سے مراد ثیب بالغہ ہے یعنی وہ عورت جو بالغہ ہو اور اس کا پہلا شوہر یا تو مر گیا ہو یا اس نے طلاق دیدی ہو۔

عورت سے اس کے نکاح کی اجازت حاصل کرنے کے سلسلہ میں حدیث نے باکرہ (کنواری) اور ثیب (بیوہ) کا ذکر اس فرق کے ساتھ کیا ہے کہ ثیب کے بارہ میں تو یہ فرمایا گیا کہ "جب تک اس کا حکم حاصل نہ کر لیا جائے" اور باکرہ کے بارہ میں یہ الفاظ ہیں کہ "جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے" لہٰذا "حکم" اور "اجازت" کا یہ فرق اس لئے ظاہر کیا گیا ہے کہ ثیب یعنی بیوہ عورت اپنے نکاح کے سلسلہ میں زیادہ شرم و حیا نہیں کرتی بلکہ وہ خود کھلے الفاظ میں اپنے نکاح کا حکم کرتی ہے یا کم سے کم صریح اشارات کے ذریعہ اپنی

خواہش کا ازخود اظہار کر دیتی ہے اور اس بارہ میں اسے کوئی خاص جھجک نہیں ہوتی اس کے برخلاف باکرہ یعنی کنواری عورت چونکہ بہت زیادہ شرم وحیا کرتی ہے اس لئے وہ نہ تو کھلے الفاظ میں اپنے نکاح کا حکم کرتی ہے اور نہ صریح اشارات کے ذریعہ ہی اپنی خواہش کا اظہار کرتی ہاں جب اس کے نکاح کی اجازت اس سے لی جائے تو وہ اپنی رضا مندی و اجازت دیتی ہے بلکہ زیادہ تر تو یہ ہوتا ہے کہ طلب اجازت کے وقت وہ زبان سے اجازت دینا بھی شرم کے خلاف سمجھتی ہے اور اپنی خاموشی و سکوت کے ذریعہ ہی اپنی رضامندی کا اظہار کر دیتی ہے۔

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے حکم یا اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں ہوتا، لیکن فقہاء کے یہاں اس بارہ میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ تمام عورتوں کی چار قسمیں ہیں اول ثیب بالغہ یعنی وہ بیوہ عورت جو بالغ ہو، ایسی عورت کے بارہ متفقہ طور پر تمام علماء کا قول یہ ہے کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ عاقلہ ہو یعنی دیوانی نہ ہو، اگر عاقلہ نہ ہوگی تو ولی اجازت سے اس کا نکاح ہو جائے گا۔

دوم باکرہ صغیرہ یعنی وہ کنواری لڑکی جو نابالغ ہو، اس کے بارہ میں بھی تمام علماء کا متفقہ طور پر یہ قول ہے کہ اس کے نکاح کے لئے اس کی اجازت کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا ولی اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے۔

سوم ثیب صغیرہ یعنی وہ بیوہ جو بالغ نہ ہو، اس کے بارہ میں حنفی علماء کا تو یہ قول ہے کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر ہو سکتا ہے لیکن شافعی علماء کہتے ہیں کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔

چہارم باکرہ بالغہ یعنی وہ کنواری جو بالغہ ہو، اس کے بارہ میں حنفی علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں لیکن شافعی علماء کے نزدیک جائز ہے۔

گویا تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ حنفی علماء کے نزدیک ولایت کا مدار صغر پر ہے یعنی ان کے نزدیک ولی کو عورت کی اجازت کے بغیر نکاح کر دینے کا حق اسی صورت میں حاصل ہوگا جب کہ وہ کمسن یعنی نابالغ ہو خواہ وہ باکرہ (کنواری) ہو یا ثیب (بیوہ) ہو۔ جب کہ شافعی علماء کے نزدیک ولایت کا مدار بکارت پر ہے یعنی ان کے نزدیک ولی کو عورت کی اجازت کے بغیر نکاح کر دینے کا حق اس صورت میں حاصل ہوگا جب کہ وہ باکرہ ہو۔ خواہ بالغ ہو یا نابالغ ہو۔ لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک بالغہ پر محمول ہے خواہ وہ ثیب ہو یا باکرہ ہو۔ اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ (کنواری عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے) شوافع کے قول کے خلاف ایک واضح دلیل ہے۔

(۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَاْذَنُ فِيْ نَفْسِهَا وَاِذْنُهَا صُمَاتُهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ الثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَاْمَرُ وَاِذْنُهَا سُكُوْتُهَا۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ الثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ يَسْتَاْذِنُهَا اَبُوْهَا فِيْ نَفْسِهَا وَاِذْنُهَا صُمَاتُهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ایم یعنی وہ عورت جو بیوہ بالغہ اور عاقلہ ہو اپنے (نکاح) کے معاملہ میں اپنے ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی (جو بالغ ہو) بھی اس کی حق دار ہے کہ اس کے نکاح کی اس سے اجازت حاصل کی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔ (یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی زبان سے اجازت دے بلکہ اس کی شرم وحیا کے پیش نظر اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت کے لئے کافی ہے)

ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "ثیب (یعنی بیوہ عورت) اپنے بارہ میں اپنے ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی سے بھی (اس کے نکاح کی) اجازت حاصل کی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپؐ نے فرمایا "ثیب اپنے بارہ میں اپنے ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی سے

بھی اس کا باپ اس کے نکاح کے بارہ میں اجازت حاصل کرے اور اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "اپنے ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے" کا مطلب یہ ہے کہ بیوہ عورت اپنے نکاح کی اجازت دینے یا نہ دینے کے معاملہ میں بالکل خود مختار ہے اور یہ کہ جب تک وہ خود اپنی زبان سے اجازت نہ دیدے اس کا نکاح نہیں ہوگا بخلاف کنواری عورت کے کہ اس کے لئے زبان سے اجازت دینا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ خاموشی کے ذریعہ بھی اپنی اجازت کا اظہار کر سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں باقی تفصیل و تشریح وہی ہے جو اس سے پہلے ذکر کی گئی ہے۔

یہاں جو کئی روایتیں نقل کی گئی ہیں ان میں صرف تھوڑا سا اختلاف ہے مفہوم و معنی کے اعتبار سے تمام روایتیں تقریباً یکساں ہیں۔

بیوہ اپنی مرضی کے خلاف ہو جانے والے نکاح کو رد کر سکتی ہے

③ وَعَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ فَاَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ نِكَاحَهَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ مَاجَةَ نِكَاحَ اَبِيْهَا۔

"اور حضرت خنساء بنت خذامؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح (ان کی اجازت حاصل کئے بغیر) کر دیا جب کہ وہ بیوہ (اور بالغہ) تھیں چنانچہ انہوں نے اس عقد کو ناپسند کیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں (اپنا معاملہ لیکر) حاضر ہوئیں، لہٰذا آپ ﷺ نے ان کا نکاح (یعنی ان کے والد کے نکاح کرنے کو) رد کر دیا" (بخاریؒ) اور ابن ماجہؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کا نکاح جو ان کے والد نے کیا تھا، رد کر دیا۔"

آنحضرت ﷺ سے نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر

④ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَزُفَّتْ اِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِيْنَ وَلُعَبُهَا مَعَهَا وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے اس وقت نکاح کیا جب کہ ان کی عمر سات سال کی تھی اور جب وہ آنحضرت ﷺ کے گھر بھیجی گئیں تو ان کی عمر نو سال کی تھی اور ان کے (کھیلنے کے لئے) کھلونے ان کے ساتھ تھے اور جب آنحضرت ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور حضرت عائشہؓ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوئے تو اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔" (مسلمؒ)

تشریح: یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی ابتدائی زندگی کے تین اہم موڑ اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کی رفاقت کی مدت کو ظاہر کرتی ہے۔ چنانچہ سات سال کی عمر میں حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ کی زوجیت میں آئیں، نو سال کی عمر میں رخصت ہو کر آستانہ نبوت میں لائی گئیں اور نو سال کی رفاقت کے بعد جب کہ ان کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی، آنحضرت ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

نو سال کی عمر بچپن کی عمر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ جب آنحضرت ﷺ کے ہاں تشریف لائیں تو ان کے ساتھ وہ کھلونے بھی آئے جن سے وہ اپنے گھر کھیلا کرتی تھیں اور یہ کھلونے بھی کیا تھے وہ گڑیاں تھیں جو عام طور پر بچیوں کا سب سے محبوب کھلونا ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب ان گڑیوں کو دیکھا تو ان پر اظہار پسندیدگی نہیں کیا لہٰذا اس سے یہ معلوم ہوا کہ گڑیوں کا بنانا جائز ہے اور بچیوں کو گڑیوں سے کھیلنا مباح ہے، اس کا سبب علماء نے یہ لکھا ہے کہ گڑیوں سے کھیلنا دراصل بچیوں کے لئے ایک سبق بھی ہے جس سے وہ اولاد کی پرورش سینا پرونا اور گھر کی اصلاح و انتظام کی تربیت حاصل کرتی ہیں تاہم اس بارہ میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کا ہے اور اس وقت تک تصویر کی حرمت نازل نہیں ہوئی ہوگی۔ جب کہ علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ اپنے ساتھ گڑیاں لیکر آئی تھیں ان میں صورتیں بنی ہوئی نہیں تھیں جو تصویروں میں ہوتی ہیں اور حرام ہیں بلکہ کپڑوں اور

چیتھڑوں کو لپیٹ کر بغیر صورتوں کے یوں ہی بنائی گئی تھیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

کمسن لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا

⑤ عَنْ اَبِی مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی)

"حضرت ابوموسیٰ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "ولی (کی اجازت) کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔"

(احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق نابالغہ اور غیر عاقلہ سے ہے یعنی کمسن لڑکی اور دیوانی کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا جب کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ، نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نکاح اسی وقت صحیح ہوتا ہے جب کہ ولی عقد کرے اور عورتوں کی عبارت کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوتا عورت خواہ اصیلہ ہو خواہ وکیلہ ہو۔

علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو (نابالغہ اور غیر عاقلہ پر محمول نہ ماننے بلکہ رکھنے کی صورت میں) جمہور علماء نے نفی صحت پر اور امام ابوحنیفہؒ، نے نفی کمال پر محمول کیا ہے۔

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَیُّمَا امْرَأَةٍ نَکَحَتْ نَفْسَهَا بِغَیْرِ اِذْنِ وَلِیِّهَا فَنِکَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِکَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِکَاحُهَا بَاطِلٌ فَاِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا فَاِنِ اشْتَجَرُوْا فَالسُّلْطَانُ وَلِیُّ مَنْ لَا وَلِیَّ لَهٗ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جس عورت نے اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، پھر اگر شوہر نے اس کے ساتھ مجامعت کی تو وہ مہر کی حق دار ہوگی کیونکہ شوہر نے اس کی شرم گاہ سے فائدہ اٹھایا ہے، اور اگر کسی عورت کے ولی باہم اختلاف کریں تو جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی بادشاہ ہے۔"

(احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: "اس کا نکاح باطل ہے۔" یہ الفاظ آپ ﷺ نے تین بار ارشاد فرما کر گویا ولی کی اجازت کے بغیر ہونے والے نکاح پر متنبہ کیا اور اس بات کی تاکید فرمائی کہ نکاح کے معاملہ میں ولی کی اجازت و مرضی کو بنیادی درجہ حاصل ہونا چاہئے، اس طرح یہ حدیث اور اسی مضمون کی دوسری حدیثیں ارشاد گرامی اَلْاَیِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِیِّهَا (ایم کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا حکم حاصل نہ کرلیا جائے) کے معارض و برعکس ہیں۔ اس لئے حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر کفو سے نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے یا یہ کہ جو کمسن لڑکی، یا لونڈی اور یا مکاتبہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گی تو اس کا نکاح باطل ہوگا۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ یہ حدیث اور اس سے پہلے کی حدیث، یہ دونوں فنی طور پر اس درجہ کی نہیں ہیں کہ انہیں کسی مسلک کے خلاف بطور دلیل اختیار کیا جا سکے کیونکہ ان دونوں حدیثوں کے صحیح ہونے میں محدثین نے کلام کیا ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی عورت کے ولی آپس میں اختلاف و نزاع کرتے ہیں اور کسی فیصلہ پر متفق نہیں ہو پاتے تو وہ سب کالعدم ہو جاتے ہیں اور اس صورت میں ولایت کا حق بادشاہ وقت کو حاصل ہوتا ہے ورنہ تو یہ معلوم ہی ہے کہ ولی کی موجودگی میں بادشاہ کو ولایت کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

بغیر گواہوں کے نکاح صحیح نہیں ہوتا

⑦ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَغَايَا اللَّاتِيْ يُنْكِحْنَ اَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "وہ عورتیں زنا میں مبتلا ہوتی ہیں جو بغیر گواہوں کے اپنا نکاح کر لیتی ہیں" اس روایت کے بارہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباسؓ پر موقوف ہے یعنی یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے بلکہ خود حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: نکاح کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے منعقد ہو۔ چنانچہ اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح صحیح نہیں ہوتا ہے۔ تمام ائمہ کا بھی یہی مسلک ہے اور صحابہؓ وتابعین سے بھی یہی منقول ہے۔

نکاح کی طلب اجازت کے وقت عورت کی خاموشی ہی اس کی رضا ہے

⑧ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْيَتِيْمَةُ تُسْتَاْمَرُ فِيْ نَفْسِهَا فَاِنْ صَمَتَتْ فَهُوَ اِذْنُهَا وَاِنْ اَبَتْ فَلَا جَوَازَ عَلَيْهَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بالغہ کنواری عورت سے اس کے نکاح کے بارہ میں اجازت حاصل کی جائے اور اگر وہ (طلب اجازت کے وقت) خاموش رہے تو اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو اس پر جبر نہ کیا جائے (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ) دارمیؒ نے اس روایت کو حضرت ابوموسیٰؒ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: شادی بیاہ کا معاملہ انسانی زندگی کا بڑا اہم موڑ ہوتا ہے، اس موڑ پر زوجین کی مرضی وخواہش کے علی الرغم والدین اور ولی و سرپرست کا کوئی بھی فیصلہ اور اس میں ادنیٰ درجہ کی کوتاہی اور غیر دانشمندی زوجین کی پوری زندگی کو جہنم بنا دیتی ہے۔ اس لئے شریعت نے ہر بالغ مسلمان کو خواہ مرد ہو یا عورت یہ حق دیا ہے کہ وہ اس مرحلہ پر اپنی مرضی وخواہش اور اپنی پسند وناپسند کا پورا پورا اظہار کرے۔ خاص طور پر عورتوں کے بارہ میں ان کے ماں باپ اور ولی وسرپرست پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ وہ اس معاملہ میں اپنی ذاتی پسند وناپسند ہی کو مدار قرار نہ دیں بلکہ عورت کو خود بھی سوچنے سمجھنے کا موقع دیں اور اس کی اجازت ومرضی ہی کو اصل فیصلہ سمجھیں۔ پھر اس کی اجازت کے بارہ میں یہ آسانی بھی دی گئی ہے کہ اگر کوئی عورت شرم وحیا کی وجہ سے اپنی اجازت ومرضی کا زبان سے اظہار نہیں کر سکتی تو اس کی خاموشی ہی کو اس کی اجازت سمجھا جائے۔

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ عورت کی خاموشی کو اس کی اجازت کا قائم مقام ہونا صرف اس کے ولی کے حق میں ہے یعنی عورت اگر اپنے ولی کی طلب اجازت کے موقع پر خاموش رہے تو اس کی خاموشی اس کی اجازت سمجھی جائے گی اور اگر ولی کے علاوہ کوئی اور اجازت طلب کرے تو اس صورت میں عورت کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ زبان سے اجازت دے۔

غلام کا نکاح اس کے آقا کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ اِذْنِ سَيِّدِهٖ فَهُوَ عَاهِرٌ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، دارمیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مملوک کا نکاح مالک کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا، لہٰذا اگر کوئی مملوک اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گا اور اس نکاح کے بعد منکوحہ سے مجامعت کریگا تو یہ فعل حرام ہوگا اور وہ زنا کار کہلائے گا، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے کہ غلام کا نکاح اس کے آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوتا اور نکاح کے بعد اگر آقا اجازت دیدے تب بھی وہ عقد صحیح نہیں ہوتا جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ آقا کی اجازت کے بغیر نکاح تو ہو جاتا ہے مگر اس کا نافذ ہونا یعنی صحیح ہونا آقا کی اجازت پر موقوف رہتا ہے کہ جب آقا اجازت دیدے گا تو صحیح ہو جائے گا جیسا کہ فضولی کے نکاح کا حکم ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

بالغہ اپنے نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہے

(۱۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ جَارِيَةً بِكْرًا اَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک کنواری عورت (جو بالغ تھی) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے یہ بیان کیا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا ہے جسے وہ ناپسند کرتی ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اسے اختیار دیدیا (کہ چاہے تو وہ نکاح کو باقی رکھے اور چاہے تو فسخ کر دے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ نکاح کے معاملہ میں عورت پر جبر کرے اگرچہ وہ باکرہ ہی کیوں نہ ہو اور ولی خواہ باپ دادا ہو یا اور کوئی عزیز چنانچہ حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔

اس مسئلہ میں حضرت امام شافعیؒ مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جو عورت کنواری نہ ہو گو وہ بالغ ہو تو ولی کو اس کا نکاح کرنے کے معاملہ میں اس پر جبر کرنے کا حق نہیں ہے لیکن عورت کنواری ہو اس (کی اجازت) کے بجز نکاح کر دینے کا اختیار ولی کو حاصل ہے۔ اگرچہ وہ عورت بالغہ ہی کیوں نہ ہو۔

بالغہ عورت کا نکاح ولی کو کرنا مستحب ہے

(۱۱) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزَوِّجِ الْمَرْاَةُ الْمَرْاَةَ وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْاَةُ نَفْسَهَا فَاِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِيْ تُزَوِّجُ نَفْسَهَا۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ عورت خود اپنا نکاح کرے کیونکہ وہ عورت زنا میں مبتلا رہتی ہے جو اپنا نکاح خود کرتی ہے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: "عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے" حنفیہ کے نزدیک اس ممانعت کا تعلق یا تو اس عورت سے ہے جس کو ولایت حاصل نہ ہو یا پھر یہ نہی تنزیہی پر محمول ہے کیونکہ اگرچہ بالغہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر خود کرلے یا کسی کو بھی اپنا وکیل بنادے۔ لیکن اس کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ اپنے نکاح کا معاملہ اپنے ولی ہی کو سپرد کر دے چنانچہ اگر کسی عورت کا ولی موجود ہو تو اس عورت کا نکاح اسی کو کرنا مستحب ہے اور یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے اگر کسی کا کوئی بھی ولی موجود نہ ہو تو پھر اس کا ولی قاضی ہوتا ہے۔

لہٰذا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ بہتر اور مناسب بات یہ ہے کہ جس عورت کا ولی موجود ہو تو کوئی دوسری عورت اس کا نکاح نہ کرے

بلکہ وہ ولی خود کرے اور اگر ولی موجود نہ ہو تو پھر قاضی کو حق ولایت حاصل ہو گا جو اس عورت کا نکاح کرے گا۔

"نہ عورت خود اپنا نکاح کرے" حنفیہ کے نزدیک اس ممانعت کی مراد یہ ہے کہ کوئی عورت بغیر گواہوں کے اور غیر کفو سے اپنا نکاح نہ کرے۔ جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مراد یہ ہے کہ کوئی عورت اپنے ولی کے بغیر نکاح نہ کرے۔ اس طرح حدیث کے آخری جملہ کا مطلب حنفیہ کی مراد کی روشنی میں تو یہ ہو گا کہ جو عورت اس شوہر سے مجامعت کرے گی جس سے اس نے بغیر گواہوں کے اور اس کے غیر کفو ہونے کے باوجود نکاح کیا ہے تو اس کی مجامعت زنا کے حکم میں ہو گی۔ اور حضرت امام شافعیؒ کی مراد کی روشنی میں یہ مطلب ہو گا کہ جو عورت اپنے ولی کے بغیر اپنا نکاح کرے گی تو وہ جب بھی اپنے اس شوہر سے مجامعت کرے گی گویا زنا کا ارتکاب کرے گی۔ کیونکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جس طرح کسی عورت کو کسی دوسری عورت کا عقد کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہوتی اسی طرح کوئی عورت خود اپنا عقد نکاح کرنے کا بھی اختیار نہیں رکھتی۔ چنانچہ شوافع کے ہاں عورتوں کی عبادت کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہوتا۔

اولاد کے تئیں باپ کے فرائض

⑫ وَعَنْ اَبِی سَعِیْدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَلْیُحْسِنِ اسْمَهٗ وَاَدَبَهٗ فَاِذَا بَلَغَ فَلْیُزَوِّجْهُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ یُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلٰی اَبِیْهِ۔

"اور حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہو تو چاہئے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے نیک ادب سکھائے (یعنی اسے شریعت کے احکام و آداب اور زندگی کے بہترین طریقے سکھائے تاکہ وہ دنیا و آخرت میں کامیاب و سربلند ہو) اور پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے۔ اگر لڑکا بالغ ہو (اور غیر مستطیع ہو) اور اس کا باپ اس (اس کا نکاح کرنے پر قادر ہونے کے باوجود) اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکا برائی میں مبتلا ہو جائے (یعنی جنسی بے راہروی کا شکار ہو جائے) تو اس کا گناہ باپ پر ہو گا"

تشریح: صالح معاشرہ کی حقیقی بنیاد وہ نوخیز ذہن ہیں جو اپنے والدین اور سرپرست کی آغوش پرورش میں اعمال و کردار کی بنیادی تربیت حاصل کرتے ہیں، اگر اس بنیادی تربیت کا فقدان ہوتا ہے تو کائنات انسانی کا ہر طبقہ بھیانک قسم کی برائیوں سے متأثر ہوتا ہے کیونکہ آگے چل کر یہی نوخیز معاشرہ کا فعال جز بنتے ہیں اور ان کا ایک ایک فعل و عمل اپنے اثرات پیدا کرتا ہے۔

آج کے دور میں فحاشی و بے حیائی اور جنسی بے راہ روی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ جو بھی نئی نسل سامنے آتی ہے وہ اعمال و کردار اور ذہن و عقیدہ کی اس بنیادی تربیت سے یکسر محروم رہتی ہے جو والدین اور سرپرستوں کے زیر سایہ ملنی چاہئے۔ اسی لئے یہ حدیث اس اہم نکتہ کی طرف متنبہ کر رہی ہے اور والدین کو ان کے اس فریضہ سے آگاہ کر رہی ہے کہ جب ان کے لڑکا پیدا ہو تو پہلے وہ اس کا اچھا نام رکھیں کیونکہ اچھا نام پوری زندگی پر اچھے اثرات مرتب کرتا ہے، پھر جب وہ ہوش سنبھالے تو اس کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دیں بایں طور کہ اسے دین کی تعلیم دلوائیں، اسلامی احکام و آداب سے روشناس کرائیں اور اسے زندگی کے اعلیٰ اصول اور اچھے طریقوں کے سانچے میں ڈھالیں تاکہ سب سے پہلے تو اس کا قلب و دماغ نیکی و برائی کے امتیاز کو جان لے اور پھر اس کا کردار اس پختگی کے حامل ہو جائے جو زندگی کے ہر راستہ پر اسے نیکی و بھلائی ہی کی طرف لے جائے۔

جب تعلیم و تربیت کا یہ مرحلہ گذر جائے اور وہ لڑکا بالغ ہو جائے تو اس کے بعد والدین کا بڑا فریضہ یہ ہے کہ اس کی شادی کی طرف فوراً متوجہ ہوں تاکہ وہ مرد زندگی کی وجہ سے جنسی جذبات کی مغلوبیت کا شکار ہو کر برائیوں کے راستہ پر نہ لگ جائے چنانچہ اس فریضہ کی اہمیت کو بتانے اور اس بات کی تاکید کے لئے بطور زجر و تہدید یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے بالغ لڑکے کی شادی نہیں کی اور وہ

لڑکا جنسی بے راہ روی کا شکار ہو کر بدکاری میں مبتلا ہو گیا تو اس کا گناہ اور وبال باپ پر ہوگا۔ اس بارے میں غلام اور لونڈی کا بھی وہی حکم ہے جو لڑکے کا ہے۔

لڑکی کے بالغ ہوتے ہی اس کا نکاح کر دو

⑬ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي التَّوْرَاةِ مَكْتُوْبٌ مَنْ بَلَغَتِ ابْنَتُهُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً وَلَمْ يُزَوِّجْهَا فَاَصَابَتْ اِثْمًا فَاِثْمُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ۔ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت انس ابن مالکؓ جناب رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی کی عمر بارہ سال کی ہو جائے اور وہ (کفو پانے کے باوجود) اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکی برائی (یعنی بدکاری وغیرہ) میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے" ان دونوں روایتوں کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔"

بَابُ اِعْلَانِ النِّكَاحِ وَالْخُطْبَةِ وَالشَّرْطِ

نکاح کا اعلان اور نکاح کے خطبہ و شرط کا بیان

"اعلان نکاح" نکاح کا اعلان کرنا مستحب ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ "نکاح کا اعلان کرو اگرچہ دف بجا کر ہی کیوں نہ اعلان کرنا پڑے" دف بجانے کے سلسلہ میں علماءؒ کے اختلافی اقوال ہیں، چنانچہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ دف بجانا تو حرام ہے۔ یا مطلقاً مکروہ ہے اور بعض علماء نے اس کو مطلقاً مباح کہا ہے، زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ بعض مواقع پر جیسے "عید کے دن، کسی معزز مسافر و مہمان کے آنے کے وقت اور نکاح کے موقعہ پر دف بجانا مباح ہے، ان کے علاوہ اور کسی بھی وقت اور کسی بھی موقعہ پر دف بجانا حرام ہے۔

"خطبہ" علماء نے اسے خ کے پیش کے ساتھ (یعنی خطبہ) بھی صحیح کہا ہے اور خ کے زیر کے ساتھ (یعنی خطبہ) کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ "خطبہ" سے مراد نکاح کا پیغام بھیجنا اور "خطبہ" اس خطبے کو کہتے ہیں جو نکاح میں پڑھایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں عنوان میں خطبہ سے مراد نکاح کا پیغام بھیجنا ــــــ (کہ جسے منگنی کہتے ہیں) بھی ہو سکتا ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ یہاں "خطبہ" سے وہی مراد ہے جو نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے۔

حنفیہؒ کے نزدیک عقد نکاح کے وقت خطبہ پڑھنا مسنون ہے، شوافعؒ کے نزدیک بھی مسنون ہے لیکن ان کے ہاں عقد نکاح ہی نہیں بلکہ ہر عقد مثلاً بیع و شراء وغیرہ کے وقت بھی خطبہ پڑھنا مسنون ہے۔

شادی بیاہ کی رسوم و بدعات

"شرط" سے مراد وہ شرطیں ہیں جو نکاح میں ذکر کی جائیں خواہ وہ فاسد ہوں یا صحیح ہوں۔

یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ نکاح جیسا پاکیزہ معاملہ بھی غیر مسلموں کی ناپاک رسموں اور ملکی رواجوں سے محفوظ نہیں رہا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس ملک کی غیر شرعی رسمیں جس کثرت اور شدت کے ساتھ مسلمانوں کے شادی بیاہ کے معاملات میں داخل ہو گئی ہیں اس نے نکاح کے اسلامی اور مسنون طریقے کو بالکل ہی او جھل کر دیا ہے اور اب تو جس قدر رسمیں رائج ہیں یا پہلے رائج تھیں ان سب کا احاطہ کرنا بھی ناممکن ہو گیا ہے۔ تاہم اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند رسموں اور بدعتوں کا ذکر کر دیا جائے تاکہ ان سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

حرام باجوں اور مزامیر کا استعمال کرنا، ناچ گانے اور قوالی کا انتظام کرنا، سہرا باندھنا، کٹھ پتلیوں کے کھیل جیسی لغویات کرانا، گھر بار کی غیر معمولی اور اسراف کی حد تک زیبائش و آرائش کرنا جیسے دیواروں کو کپڑے سے ڈھانکنا، گھوڑے پر سواری کرنا، بارات لیکر بلا ضرورت

شہر میں پھرنا، دولھا کا شہر و آبادی کے مزارات پر جانا اور وہاں کچھ نقد چڑھا کر پھر برات میں شامل ہو جانا، بارات کے ساتھ ڈھول باجا ہونا، یا گانے والوں کا اور گانے والیوں کو بارات میں شامل کرنا، آتش بازی کے ذریعہ اپنا مال ضائع کرنا، اور بارات میں مردوں کے سامنے عورتوں کا جلوہ آرائی کرنا، یہ سب چیزیں بہت سی برائی کی ہیں اور حرام ہیں۔

اسی طرح یہ چیزیں بھی حرام ہیں: مثلاً نکاح کی مجلس میں مستور چیزوں کو ظاہر کرنا، دولھا کو ریشمی مسند پر بٹھانا، دولھا کی پگڑی کو ڈوری سے ناپنا اور پھر اس ڈوری کو ٹوٹکا کرنے والے یا ساحر کو دیدینا تاکہ وہ اس کے ذریعہ دولھا دولہن کے درمیان محبت کے لئے کوئی ٹوٹکا کردے، سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا، باراتیوں اور دولھا کے قرابت داروں کی حد سے زیادہ تعریف و توصیف کرنا اور ان کی بے جا خوشامد و چاپلوسی میں ایسی باتیں کرنا جو بالکل جھوٹی ہوں۔

ایسے ہی یہ چیزیں بھی حرام ہیں: دولھا کا حریر یا زعفرانی رنگ کا یا کسبنا اور یا ریشمی کپڑا پہننا (مردوں کے لئے ایسے کپڑے شادی کے علاوہ بھی پہننے حرام ہیں) دولھا کے سر سے پگڑی اتار کر دولہن کے سر پر رکھ دینا، دولھا کا دولہن کے گرد سات بار چکر لگانا، اجنبی عورتوں کا دولھا کے پاس آنا اور اسے ہاتھ لگانا یا اس کے ناک کان پکڑنا اور اس کے ساتھ بے حیائی کی باتیں کرنا، دولھا کا انگوٹھا دودھ کے ذریعہ عورت سے دھلوانا، عورتوں کا دولھا کو شکر کھلانا اور زردہ پلانا، مصری کی ڈلی دولہن کے بدن پر رکھ کر دولھا سے کہنا کہ اسے اپنے منہ سے اٹھالو اور خلوت میں جب دولھا دولہن جمع ہوں تو عورتوں کا انہیں گھیرے رہنا۔ یہ سب چیزیں بدعت اور حرام ہیں جن کا شریعت و سُنّت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان سے اجتناب کرنا انتہائی ضروری ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نکاح کے وقت دف بجانا جائز ہے

① عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ حِيْنَ بُنِيَ عَلَيَّ فَجَلَسَ عَلٰى فِرَاشِيْ كَمَجْلِسِكَ مِنِّيْ فَجَعَلَتْ جُوَيْرِيَاتٌ لَنَا يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ وَيَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ اٰبَائِيْ يَوْمَ بَدْرٍ اِذْ قَالَتْ اِحْدَاهُنَّ وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَافِيْ غَدٍ فَقَالَ دَعِيْ هٰذِهٖ وَقُوْلِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراءؓ کہتی ہیں کہ جب میں (نکاح کے بعد) اپنے شوہر کے گھر رخصت ہو کر آئی تو نبی کریم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جس طرح تم میرے بستر پر بیٹھ گئے ہو (ربیعؓ نے یہ بات حضرت خالد ابن ذکوانؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہی جنہوں نے یہ روایت نقل کی ہے) اور ہمارے خاندان کی بچیوں نے (جو اس وقت ہمارے گھر میں موجود تھیں) دف بجانا شروع کیا اور ہمارے آباء میں سے جو لوگ بدر کے دن شہید ہو گئے تھے ان کی خوبیوں اور شجاعت پر مشتمل اشعار پڑھنے لگیں، اسی دوران ان میں سے ایک بچی نے یہ کہا کہ "اور ہمارے درمیان وہ نبی ﷺ ہیں جو کل ہونے والی بات کو جانتے ہیں" آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "اس بات کو چھوڑ دو (یعنی اس قسم کی باتیں نہ کہو) بلکہ وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "عفراء" حضرت معوذؓ کی والدہ کا نام ہے، حضرت معوذؓ ایک عظیم المرتبت صحابی ہیں جنہوں نے غزوہ بدر کے موقع پر حق کا پرچم سربلند کرتے ہوئے میدان کارزار میں جام شہادت نوش کیا اور تاریخ اسلام کی یہی وہ عظیم ہستی ہے جس نے اپنے بھائی معاذؓ کی معیت میں اس غزوہ بدر میں ابوجہل لعین کو قتل کیا۔

"بچیوں" سے انصار کی وہ چھوٹی بچیاں مراد ہیں جو ابھی بچپن کے دور سے گذر رہی تھیں اور حد بلوغ کو نہیں پہنچی تھیں۔

اکمل الدینؒ نے کہا کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ وقت نکاح اور زفاف کے اعلان کے لئے دف بجانا جائز ہے پھر بعض علماء

نے اس جواز میں ختنہ، عیدین، مسافر کی آمد اور تقریب مسرت میں احباب و اعزہ کے اجتماع کو بھی شامل کر دیا ہے یعنی نکاح کی طرح ان مواقع پر بھی دف بجانا جائز ہے۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ "دف" سے مراد وہ دف ہے جس میں جھانج نہ ہو، کیونکہ جھانج دار دف بجانا متفقہ طور پر مکروہ ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کی وضاحت یہ ہے کہ اس وقت جب کہ وہ بچیاں اپنے آباء و اجداد کے بہادرانہ کارناموں اور حق کی راہ میں ان کے قربان ہو جانے کی پر شجاعت داستانوں کے گیت گانے لگیں تو اسی دوران ایک بچی نے جو ابھی عقائد کے نازک گوشوں سے ناواقف تھی، گویا آپ ﷺ کی توصیف میں یہ کہا کہ ہمارے درمیان وہ نبی موجود ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ آنے والی کل میں کیا وقوع پذیر ہوگا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یہ سنتے ہی اسے روک دیا کیونکہ اس نے علم غیب کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کی تھی جو ظاہر ہے آپ ﷺ کو کیسے گوارا ہو سکتی تھی اس لئے کہ عقائد کا یہ کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ غیب کی باتوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ہاں یہ اور بات ہے کہ غیب کی جن باتوں کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اپنے رسولوں پر منکشف کر دیتا ہے۔

یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جن اشعار میں شریعت کے خلاف اور عقائد کے منافی کوئی بات نہ ہو اور فحش کذب شامل نہ ہو انہیں پڑھنا اور سننا جائز ہے۔

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ زُفَّتِ امْرَأَةٌ اِلٰی رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا کَانَ مَعَکُمْ لَهْوٌ فَاِنَّ الْاَنْصَارَ یُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک عورت نکاح کے بعد رخصت کرا کر انصار کے ایک شخص کے ہاں لائی گئی تو رسول کریم ﷺ نے (اس شخص سے) فرمایا کہ "کیا تمہارے ساتھ کھیل (یعنی دف اور گانا) نہیں ہے (یعنی شریعت نے شادی بیاہ میں جس دف کے بجانے کی اجازت دی ہے اور جس قسم کے گیت جائز قرار دیئے ہیں تمہاری شادی ان چیزوں سے خالی کیوں ہے؟ کیونکہ انصار تو ان چیزوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔" (بخاریؒ)

شوال کے مہینے میں نکاح کرنا مستحب ہے

(۳) وَعَنْهَا قَالَتْ تَزَوَّجَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ شَوَّالٍ وَبَنٰی بِیْ فِیْ شَوَّالٍ فَاَیُّ نِسَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اَحْظٰی عِنْدَهٗ مِنِّیْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے شوال کے مہینے میں نکاح کیا اور پھر (تین سال کے بعد) شوال ہی کے مہینے میں مجھے رخصت کرا کر اپنے گھر لائے۔ اب (تم ہی بتاؤ) رسول کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں کون سی زوجہ مطہرہ مجھ سے زیادہ خوش نصیب تھی۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض جاہل لوگ شوال کے ماہ میں شادی بیاہ کرنے کو جو منحوس سمجھتے ہیں وہ بالکل غلط ہے بلکہ اس مہینہ میں شادی بیاہ کرنا یا دولہن کو رخصت کرا کر اپنے گھر لانا مستحب ہے۔ چنانچہ عرب میں بھی زمانہ جاہلیت کے لوگ یہی عقیدہ رکھتے تھے اور شوال میں نکاح کرنے اور دولہن کو گھر میں لانے کو برا سمجھتے تھے، اسی غلط عقیدہ کی تردید میں حضرت عائشہؓ نے یہ بات فرمائی کہ اگر شوال کے مہینہ میں شادی بیاہ کرنا اپنے اندر کوئی نحوست رکھتا ہے۔ تو پھر آخر میں شادی میرے حق میں منحوس کیوں نہیں رہی جب کہ شوال ہی کے مہینہ میں میرا نکاح ہوا اور شوال ہی کے مہینہ میں رخصت کرا کر میں آپ ﷺ کے گھر آئی اور اس بات کو دنیا جانتی ہے آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں جو خوش نصیبی اور آپ ﷺ کی محبت مجھے نصیب ہوئی وہ کسی بھی زوجہ کو حاصل نہیں ہوئی۔

مہر ادا کرنے کی تاکید

④ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّرُوْطِ اَنْ تُوْفُوْا بِهٖ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوْجَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جن شرطوں کا پورا کیا جانا تمہارے لئے ضروری ہے ان میں سب سے اہم شرط وہ ہے جس کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "سب سے اہم شرط" سے مراد بیوی کا مہر ہے یا پھر بیوی کے وہ تمام حقوق مراد ہیں جو شوہر کے ذمہ ہوتے ہیں لہٰذا حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تم اپنی بیوی کے مہر ادا کرو۔ ان کے کھانے پینے کا خرچ ان کو دو، انہیں رہنے کے لئے مکان دو اور ان کی دیگر ضروریات زندگی اپنی استطاعت کے مطابق پوری کرو اور صرف یہ نہیں بلکہ ان کے ساتھ اپنی زندگی اس حسن سلوک میل جول اور پر محبت انداز سے گزارو جو ایک باوقار اور شریف انسان کی شان کے عین مطابق ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ان چیزوں کو "شرط" کیوں کہا گیا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے۔ تو اس کے ذہن میں تصور کے ہر گوشہ میں یہی عزم ہوتا ہے کہ وہ جس عورت کو اپنی بیوی بنا کر اپنے گھر لا رہا ہے اس کے تمام حقوق کی ادائیگی پورے طور پر کریگا اور پھر وہ ان حقوق کی ادائیگی کا التزام بھی کرتا ہے لہٰذا اس کا یہ عزم اور پھر یہ التزام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ گویا اس نے حقوق کی ادائیگی کی شرط کی ہے۔

کسی دوسرے کی منسوبہ کو اپنے نکاح کا پیغام نہ دو

⑤ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ حَتّٰى يَنْكِحَ اَوْيَتْرُكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کوئی مرد اپنے نکاح کا پیغام اپنے کسی مسلمان بھائی کے پیغام پر نہ بھیجے تا آنکہ وہ اس سے نکاح کرلے یا اس کو ترک کردے۔" (بخاریؒ و مسلم)

تشریح: کسی شخص کی منسوبہ سے نکاح کا پیغام بھیجنے کی یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ ان دونوں کی شادی کا معاملہ تقریباً طے ہو چکا ہو، یعنی لڑکی اور لڑکا دونوں راضی ہو گئے ہوں اور مہر متعین ہو چکا ہو، لہٰذا اس صورت میں اب کسی دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں ہو گا کہ وہ اپنے نکاح کا پیغام بھیجے، اگر کوئی دوسرا شخص اس ممانعت کے باوجود کسی کی منسوبہ کے پاس نکاح کا پیغام بھیج دے اور اس پہلے شخص کی اجازت کے بغیر نکاح بھی کرلے تو یہ نکاح تو صحیح ہو جائے گا لیکن یہ دوسرا شخص (جس نے پہلے شخص کی منسوبہ سے نکاح کیا ہے) گناہ گار ہوگا۔

عورت اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے کسی دوسری عورت کو طلاق نہ دلوائے

⑥ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ اُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلِتَنْكِحْ فَاِنَّ لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا۔ (متفق علیہ)

اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "عورت (کسی شخص سے) اپنی کسی (دینی) بہن کے بارہ میں یہ نہ کہے کہ اس کو طلاق دے دو اور اس عورت کو طلاق دلوانے کا مقصد یہ ہو کہ وہ اس کے پیالہ کو خالی کردے (یعنی اس کو طلاق دلوا کر اس کے

سارے حقوق خود سمیٹ لے) اور اس کے خاوند سے خود نکاح کرلے، کیونکہ اس کے لئے وہی ہے جو اس کے مقدر میں لکھا جاچکا ہے۔"
(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: فرض کیا جائے کہ زید شادی شدہ ہے اور خالدہ اس کی بیوی کا نام ہے۔ اب زید کسی دوسری عورت مثلاً زہرہ سے بھی شادی کرنا چاہتا ہے لیکن زہرہ کہتی ہے کہ میں تم سے شادی تو کرلوں گی مگر تم اپنی پہلی بیوی خالدہ کو طلاق دیدو! یا یہ صورت ہے کہ مثلاً زید نے دو شادیاں کر رکھی ہیں ایک بیوی کا نام خالدہ ہے اور دوسری کا نام زہرہ ہے، اب زہرہ اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ اپنی دوسری بیوی خالدہ کو طلاق دے دو۔ اسی بات سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کو طلاق دلوانے کے لئے نہ کہے کیونکہ اپنی اپنی تقدیر اپنے ساتھ ہے کسی دوسرے کا برا چاہنے سے کیا فائدہ۔

حدیث کی وضاحت کے سلسلہ میں اگر پہلی صورت کا اعتبار کیا جائے تو لتنکح کا ترجمہ وہی ہوگا جو اوپر نقل کیا گیا جب کہ دوسری صورت مراد لیجائے تو پھر اس جملہ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "اور (اس عورت کا طلاق دلوانے سے یہ مقصد ہو کہ) اس کی سوکن کسی اور مرد سے نکاح کرلے۔

شغار کی ممانعت

⑦ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ وَالشِّغَارُ اَنْ تُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهٗ عَلٰى اَنْ يُّزَوِّجَهُ الْاٰخَرُ ابْنَتَهٗ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَا شِغَارَ فِي الْاِسْلَامِ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے شغار سے منع کیا ہے، اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص (کسی دوسرے آدمی سے) اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کردے کہ اس دوسرے شخص کو اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کرنا ہوگا اور دونوں میں مہر کچھ نہ ہو۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اسلام میں شغار (جائز) نہیں ہے۔"

تشریح: "شغار" دو آدمیوں کے درمیان ایک دوسرے کی بیٹی سے نکاح کرنے کی ایک خاص صورت کا نام ہے جیسے کہ زید بکر سے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح زید سے کردیگا۔ اور ان دونوں کے نکاح میں مہر کچھ بھی متعین نہ ہو بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک دوسرے کی بیٹی کا تبادلہ ہی گویا مہر ہو۔ اس طرح کا نکاح زمانہ جاہلیت میں لوگ کرلیا کرتے تھے مگر اسلام نے اس سے منع کیا ہے۔

اس بارہ میں فقہی اختلاف یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے ہاں تو اس طرح کا نکاح سرے سے صحیح ہی نہیں ہوتا جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح سے نکاح کرے تو وہ نکاح صحیح ہوجائے گا اور مہر مثل دینا لازم ہوگا لیکن حکم یہ ہے کہ اس طرح کے نکاح سے اجتناب کرنا چاہئے۔

متعہ کی ممانعت

⑧ وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَ عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاِنْسِيَّةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرمایا ہے نیز آپ ﷺ نے گھروں میں رہنے والے گدھوں کا گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا ہے (گھروں میں رہنے والے گدھوں سے مراد وہ گدھے ہیں جو لوگوں کے پاس رہتے ہیں اور بار برداری وغیرہ کے کام آتے ہیں، جنگلی گدھا کہ جس کو گورخر کہتے ہیں حلال ہے اس کا گوشت کھایا جاسکتا ہے۔"
(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: کسی متعینہ مدت کے لئے ایک متعینہ رقم کے عوض نکاح کرنے کو "متعہ" کہتے ہیں جیسے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ یہ کہہ کر نکاح کرے کہ فلاں مدت مثلاً دو سال تک اتنے روپے (مثلا ایک ہزار روپے) کے عوض تم سے فائدہ اٹھاؤں گا! نکاح کا یہ خاص طریقہ یعنی متعہ، اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تو جائز تھا مگر بعد میں حرام قرار دیدیا گیا۔

علماء لکھتے ہیں کہ متعہ کے سلسلے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ متعہ دو مرتبہ تو حلال قرار دیا گیا اور دو مرتبہ حرام ہوا، چنانچہ پہلی مرتبہ تو جنگ خیبر سے پہلے کسی جہاد میں جب صحابہ تجرد کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے رسول کریم ﷺ سے خصی کرانے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے انہیں متعہ کرنے کی اجازت دیدی۔ پھر جنگ خیبر کے دن جو ۷ ھ کا واقعہ ہے، آپ ﷺ نے ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا، چنانچہ جواز متعہ کا فسخ ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

اسی سلسلہ میں حضرت ابن عمرؓ نے اپنی روایت میں یہ ذکر کیا ہے کہ جس طرح حالت اضطرار میں بھوکے کو مردار کھانے کی اجازت ہے، اسی طرح اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اس شخص کے لئے جو بسبب تجرد، جنسی ہیجان کی وجہ سے حالت اضطرار کو پہنچ گیا ہو، یہ اجازت تھی کہ وہ متعہ کرلے مگر (جب بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ حرام قرار دیدیا گیا تو) پھر صحابہؓ نے اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ متعہ کے طور پر جو بھی نکاح ہوا سے باطل قرار دیا جائے۔

اس لئے ہر دور میں تمام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع و اتفاق رہا ہے کہ متعہ حرام ہے، کیا صحابہ کیا فقہاء اور کیا محدثین سبھی کے نزدیک اس کا حرام ہونا ایک متفقہ مسئلہ ہے صحابہ میں صرف ابن عباسؓ پہلے اضطرار کی حالت میں متعہ کو مباح سمجھتے تھے مگر جب حضرت علی مرتضیٰؓ نے ان کو سخت تہدید کی اور متعہ کی قطعی و ابدی حرمت سے ان کو واقف کیا تو حضرت ابن عباسؓ نے اپنے قول سے رجوع کیا اور وہ بھی اس کی حرمت کے قائل ہو گئے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کا اپنے اباحت کے قول سے رجوع کرنا حدیث و فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

"ہدایہ" فقہ حنفی کی ایک مشہور ترین اور اونچے درجہ کی قابل اعتماد کتاب ہے، اس کے مصنف اپنے علم و فضل اور فقہی بصیرت و نکتہ رسی کے اعتبار سے فقہا کی جماعت میں سب سے بلند مرتبہ حیثیت کے حامل ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ متعہ کے سلسلہ میں انہوں نے حضرت امام مالکؒ کی طرف قول جواز کی جو نسبت کی ہے وہ ان کی سخت علمی چوک ہے نہ معلوم انہوں نے یہ بات کہاں سے لکھ دی کہ امام مالکؒ متعہ کے جائز ہونے کے قائل تھے، امام مالک بھی متعہ کو اسی طرح حرام کہتے ہیں جس طرح تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ چنانچہ نہ صرف ابن ہمامؒ نے ہدایہ میں مذکورہ امام مالکؒ کی طرف قول جواز کی نسبت کو غلط کہا ہے بلکہ ہدایہ کے بعد فقہ کی جتنی بڑی کتابیں تالیف ہوئیں تقریباً سب ہی میں ہدایہ کی اس غلطی کو بیان کرنا لازم سمجھا گیا ہے۔

متعہ کے بارے میں شیعوں کا مسلک

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ متعہ حرام ہے، لیکن نہ معلوم شیعہ کیوں اب بھی اسے جائز کہتے ہیں۔ بڑی عجیب بات یہ ہے کہ شیعوں کی کتابوں میں تو انہی کی صحیح احادیث میں ائمہ سے متعہ کی حرمت منقول ہے، مگر شیعوں کا عمل یہ ہے کہ وہ نہ صرف متعہ کے حلال ہونے پر اصرار کرتے ہیں بلکہ اس کے فضائل بھی بیان کرتے ہیں، اور پھر مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ شیعہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ متعہ کو دراصل حضرت عمرؓ نے حرام کیا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، حضرت عمرؓ کو حرام کرنے کا کیا اختیار تھا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ انہوں نے جس طرح دوسرے اسلامی احکام کی تبلیغ میں بڑی شدت کے ساتھ حصہ لیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے متعہ کی حرمت کے اعلان میں بھی بڑی شد و مد کے ساتھ کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کا آخری اعلان یہ تھا کہ اگر میں نے سنا کہ کسی نے متعہ کیا ہے تو میں اس کو زنا کی سزا دوں گا۔ ان کے اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ اس وقت کہ متعہ کی حرمت سے ناواقف تھے وہ بھی واقف ہو گئے، لہٰذا حضرت عمرؓ نے تو صرف اتنا کیا کہ رسول کریم ﷺ کے ایک حکم کی تبلیغ کر دی اب اگر شیعہ یہ

کہیں کہ متعہ کو حضرت عمرؓ نے حرام کیا ہے تو اس کی ایک مضحکہ خیز الزام سے زیادہ اور کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔

(۹) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ اَوْطَاسٍ فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ نَهٰى عَنْهَا۔ (رواه مسلم)

"اور حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ اوطاس کے تین یوم کے لئے متعہ کی اجازت دی تھی پھر اس سے ہمیشہ کے لئے منع کردیا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "اوطاس" ایک وادی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب طائف جانے والے راستے میں واقعہ ہے اور جس کے گرد و پیش قبیلہ ہوازن کی شاخیں آباد تھیں اس کو "وادی حنین" بھی کہتے ہیں۔ جب رمضان المبارک ۸ ھ میں مکہ فتح ہوگیا اور اسلام کی طاقت نے گویا پورے عرب کے باطل عناصر کو حق کے سامنے سرنگوں کردیا تو اوطاس میں بسنے والے ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں کو بڑی غیرت آئی اور انہوں نے پوری حشر سامانیوں کے ساتھ ایک مرتبہ اسلام کے مقابلہ کی ٹھانی چنانچہ شوال ۸ ھ میں ان قبیلوں کے لوگوں کے ساتھ اوطاس میں آنحضرت ﷺ کی قیادت میں وہ جنگ ہوئی جسے "غزوہ حنین" کہا جاتا ہے اور غزوہ اوطاس اور غزوہ ہوازن کے نام سے بھی اس کو یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حق کو سربلند کیا اور اسلامی لشکر کو فتح عطا فرمائی، اس غزوہ میں غنیمت کے طور پر مسلمانوں کو بہت زیادہ مال و اسباب ہاتھ لگا، چوبیس ہزار اونٹ چالیسؓ ہزار بکریاں اور تقریبا چالیس ہزار روپیہ کی مالیت کی چاندی پر مسلمانوں نے قبضہ کیا اور آنحضرت ﷺ نے یہ سارا مال غنیمت وہیں اوطاس میں مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرمایا۔

بہرحال متعہ کی تحلیل و تحریم دوسری مرتبہ اسی جنگ اوطاس کے موقع پر ہوئی ہے، اور یہ جنگ چونکہ فتح مکہ کے فوراً بعد ہوئی ہے اس لئے اس موقع پر متعہ کی ہونے والی تحلیل و تحریم کی نسبت کو فتح مکہ کے دن کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ گویا اس سے پہلے کی حدیث کی تشریح میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ متعہ کی تحلیل و تحریم دوسری مرتبہ فتح مکہ کے دن ہوئی ہے تو وہاں "فتح مکہ کے دن" سے مراد فتح مکہ کے سال ہے، لہٰذا اب بات یوں ہوگی کہ دوسری مرتبہ متعہ کی تحلیل و تحریم فتح مکہ کے سال یعنی ۸ ھ میں جنگ اوطاس کے موقع پر ہوئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

نکاح کا خطبہ

(۱۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ فِي الصَّلَاةِ وَالتَّشَهُّدَ فِي الْحَاجَةِ قَالَ التَّشَهُّدُ فِي الصَّلٰوةِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَالتَّشَهُّدُ فِي الْحَاجَةِ اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَيَقْرَأُ ثَلَاثَ اٰيَاتٍ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَفِيْ جَامِعِ التِّرْمِذِيِّ فَسَّرَ الْاٰيَاتِ الثَّلَاثَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَزَادَ ابْنُ مَاجَةَ بَعْدَ قَوْلِهٖ اَنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَبَعْدَ قَوْلِهٖ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا وَالدَّارِمِيُّ بَعْدَ قَوْلِهٖ عَظِيْمًا ثُمَّ يَتَكَلَّمُ بِحَاجَتِهٖ وَرَوٰى فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فِيْ خُطْبَةِ الْحَاجَةِ مِنَ النِّكَاحِ وَغَيْرِهٖ۔

"حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں نماز میں پڑھا جانے والا تشہد بھی سکھایا ہے اور کسی حاجت و ضرورت کے وقت جو تشہد پڑھا جائے اس کی تعلیم بھی دی ہے۔ چنانچہ نماز کا تشہد تو یوں ہے:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

"زبان کی عبادتیں، بدنی عبادتیں اور مالی عبادتیں سب اللہ کے لئے ہیں۔ اے نبی (ﷺ)! آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت و برکت ہو، اور ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

اور کسی حاجت و ضرورت کے وقت پڑھا جانے والا تشہد یہ ہے:

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

"تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، ہم اس سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے بخشش کے طلب گار ہیں اور ہم اپنے نفس کی ہر برائی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت (کی توفیق) دیدے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں (یعنی نہ شیطان بہکا سکتا ہے نہ نفس گمراہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی اور گمراہی میں مبتلا کر سکتا ہے) اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

پھر اس تشہد کے بعد آپ ﷺ قرآن کریم کی تین آیتیں پڑھتے، ایک آیت یہ ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

"اے ایمان والو! خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔"

دوسری آیت یہ ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۔

"اے ایمان والو! خدا سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) بیشک خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

تیسری آیت یہ ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔

"اے ایمان والو! خدا سے ڈرا کرو، اور بات سیدھی کہا کرو، وہ تمہارے سب اعمال درست کردے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک بڑی مراد پائے گا۔"

اور جامع ترمذی میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "ان تینوں آیتوں کو سفیان ثوریؒ نے بیان کیا ہے۔

ابن ماجہؒ نے ان الحمدللہ کے بعد نحمدہ اور من شرور انفسنا کے بعد و من سیئات اعمالنا کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے اور دارمیؒ نے اپنی روایت میں "عظیما" کے بعد یہ اضافہ کیا ہے کہ (یہ تشہد اور آیتیں پڑھنے کے بعد) اپنی حاجت (یعنی عقد کے الفاظ)

بیان کرے۔

اور شرح السنہ میں ابن مسعودؓ کی اس روایت کو نقل کیا ہے اس میں خطبہ حاجت کی وضاحت نکاح وغیرہ سے کی گئی ہے (یعنی شرح السنہ نے لفظ "حاجت" کی توضیح میں من النکاح وغیرہ کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے)۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: "تشہد" کے معنی "ایمان کی گواہی کا اظہار کرنا" اور زین العرب نے کہا ہے کہ یہاں "تشہد" سے مراد وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور دونوں کلمہ شہادت کا ذکر ہو۔

"حاجت وضرورت" سے مراد نکاح وغیرہ ہے اور حاجت وضرورت کے وقت پڑھے جانے والے تشہد سے مراد وہ خطبہ ہے جو نکاح وغیرہ کے وقت پڑھا جاتا ہے۔ یہ بات پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک صرف نکاح ہی میں نہیں بلکہ تمام عقود کے وقت خطبہ پڑھنا مسنون ہے۔

روایت میں جو دوسری آیت نقل کی گئی ہے۔ اس میں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ بھی ہیں اور یہ آیت مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں اسی طرح نقل ہوئی ہے حالانکہ قرآن کریم میں یہ آیت یوں نہیں ہے بلکہ دراصل سورہ نساء کی پہلی آیت کا ٹکڑا ہے جو یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے بغیر اس طرح ہے وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا لہٰذا ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کا جو مصحف حضرت ابن مسعودؓ کے پاس تھا اس میں یہ آیت اسی طرح ہو۔

حصن حصین سے مفہوم ہوتا ہے کہ ابوداؤد نے مذکورہ خطبہ میں لفظ "ورسولہ" کے بعد یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِھِمَا فَلَا یَضُرُّ اِلَّا نَفْسَہٗ وَلَا یَضُرُّ اللّٰہَ شَیْئًا۔

جو شخص عقد کرانے بیٹھے وہ پہلے یہ خطبہ پڑھے اور پھر اس کے بعد ایجاب وقبول کرائے اور ایجاب وقبول میں ان باتوں کا لحاظ رکھے جو ضروری ہیں اور جن کا ذکر کتاب النکاح کی ابتدا میں ہو چکا ہے۔

خطبہ کے بغیر نکاح بے برکت رہتا ہے

(۱۱) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ خُطْبَۃٍ لَیْسَ فِیْھَا تَشَھُّدٌ فَھِیَ کَالْیَدِ الْجَذْمَاءِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کے رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس خطبہ میں تشہد (یعنی خدا کی حمد وثنا) نہ ہو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے" ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح کٹا ہوا ہاتھ بے فائدہ ہوتا ہے کہ ہاتھ والا اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا اسی طرح خطبہ کے بغیر نکاح بھی بے فائدہ ہے کہ وہ خیر وبرکت سے خالی رہتا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے اپنی شرح میں لفظ "خطبہ" کو خ کے زیر کے ساتھ لکھا ہے اور اس کے معنی "ترویج یعنی نکاح کرنا" بیان کئے ہیں جب کہ حضرت مولانا شاہ اسحٰق دہلویؒ نے کہا ہے کہ ہم نے اپنے اساتذہ سے اس لفظ کو خ کے پیش کے ساتھ یعنی خُطبہ سنا ہے اور حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے۔

(۱۲) وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَا یُبْدَاُ فِیْہِ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ فَھُوَ اَقْطَعُ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس اہم اور عظیم الشان کام کو خدا کی حمد وثنا کے بغیر شروع کیا جائے وہ بے برکت ہوتا ہے۔" (ابن ماجہؒ)

نکاح کا اعلان کرنا مستحب ہے

⑬ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْفِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم نکاح کا اعلان کیا کرو، نکاح مسجد کے اندر کیا کرو اور نکاح کے وقت دف بجایا کرو" ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "اعلان" سے مراد اگر گواہوں کی موجودگی ہو کہ نکاح گواہوں کے سامنے کیا جائے تو یہ حکم بطریق وجوب ہوگا۔ اور اگر "اعلان" سے مراد "تشہیر" ہو کہ نکاح کی مجلس اعلانیہ طور پر منعقد کرو تو پھر یہ حکم بطریق استحباب ہوگا۔

مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے، اسی طرح جمعہ کے دن نکاح کرنا مستحب ہے کیونکہ مسجد میں اور جمعہ کے دن نکاح کرنے سے برکت حاصل ہوتی ہے۔

⑭ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبِ الْجُمَحِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الصَّوْتُ وَالدَّفُّ فِي النِّكَاحِ۔ (رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت محمد ابن حاطب جمحیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "حلال اور حرام کے درمیان فرق، نکاح میں آواز اور دف بجانا ہے۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "آواز" سے مراد تو گانا ہے یا لوگوں کے درمیان نکاح کا ذکر و اعلان کرنا ہے۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بغیر آواز اور دف کے نکاح ہوتا ہی نہیں کیونکہ نکاح دو گواہوں کے سامنے بھی ہو جاتا ہے بلکہ اس حدیث کا مقصد لوگوں کو اس بات کی ترغیب دلانا ہے کہ نکاح کی مجلس علانیہ طور پر منعقد کی جائے اور لوگوں میں اس کی تشہیر کی جائے اب رہی یہ بات کہ تشہیر کی حد کیا ہے؟ تو وہ یہ ہے کہ اگر ایک مکان میں نکاح ہو تو دوسرے مکان میں یا پڑوس میں اس کا علم ہو جائے اور یہ چیز دف بجانے یا آواز کے ذریعہ (یعنی کوئی نظم و گیت پڑھنے گانے سے) حاصل ہو جاتی ہے، تشہیر کا مطلب قطعاً نہیں ہے کہ محلوں اور شہروں میں شہنائی، نوبت اور باجوں کے شور و شغب کے ذریعہ نکاح کا اعلان کیا جائے۔

شادی گانے کی اجازت

⑮ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ عِنْدِيْ جَارِيَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ زَوَّجْتُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ اَلَا تُغَنِّيْنَ فَاِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنَ الْاَنْصَارِ يُحِبُّوْنَ الْغِنَاءَ رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ فِيْ صَحِيْحِهٖ۔

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میرے پاس ایک انصاری لڑکی تھی جب میں نے اس کا نکاح (کسی سے) کیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "عائشہؓ! کیا تم گانے کے لئے کسی سے نہیں کہہ رہی ہو؟ کیونکہ یہ انصار کی قوم گانے کو بہت پسند کرتی ہے" (اس روایت کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے)۔"

تشریح: یہ لڑکی جو حضرت عائشہؓ کے پاس رہا کرتی تھی اور جس کا نکاح انہوں نے کیا تھا تو ان کے قرابت داروں میں سے کسی کی تھی جیسا کہ آگے آنے والی حدیث وضاحت کر رہی ہے یا پھر کوئی یتیمہ رہی ہوگی جسے انہوں نے اپنے یہاں رکھ کر پالا پوسا تھا۔

مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں لفظ رواہ کے بعد کوئی عبارت نہیں لکھی ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مؤلف مشکوٰۃ کو اس روایت کے اصل مآخذ کا علم نہیں ہو سکا تھا، پھر بعد میں دوسرے علماء نے حاشیہ پر یہ عبارت "ابن حبان فی صحیحہ (یعنی اس روایت کو ابن حبان نے اپنی

صحیح میں نقل کیا ہے) الکھدی ہے۔

(۱۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَنْکَحَتْ عَائِشَةُ ذَاتَ قَرَابَةٍ لَهَا مِنَ الْاَنْصَارِ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَهْدَيْتُمُ الْفَتَاةَ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اَرْسَلْتُمْ مَعَهَا مَنْ تُغَنِّي قَالَتْ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاَنْصَارَ قَوْمٌ فِيْهِمْ غَزَلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا مَنْ يَقُوْلُ اَتَيْنَاكُمْ اَتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ۔ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ نے ایک لڑکی کا نکاح کیا جو انصاری تھی اور ان کے قرابتداروں میں سے تھی چنانچہ جب (نکاح کے بعد) رسول کریم ﷺ (گھر میں) تشریف لائے تو پوچھا کہ کیا تم نے اس لڑکی کو کہ جس کا نکاح کیا گیا ہے۔ اس کے خاوند کے گھر بھیجدیا ہے؟" گھر والوں نے کہا کہ "ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والے کو بھی بھیجا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "انصار ایک ایسی قوم ہے جس میں گانے کا شوق ہے، کاش! تم اس کے ساتھ کسی ایسے شخص کو بھیج دیتیں جو یہ گاتا ہوا جاتا اَتَيْنَاكُمْ اَتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ (یعنی ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور تمہیں بھی سلامتی کے ساتھ رکھے)۔" (ابن ماجہ)

تشریح: شادی بیاہ کے موقعہ پر طربیہ اشعار کے ذریعہ خوشی و مسرت کا اظہار ایک قدیم روایت ہے، چنانچہ انصار میں بھی یہ روایت جاری تھی اور وہ اسے بہت پسند کرتے تھے اسی وجہ سے جب حضرت عائشہؓ نے اس انصاری لڑکی کا نکاح کیا اور اس کے ساتھ کسی گانے والے کو نہیں بھیجا تو آنحضرت ﷺ نے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ اگر اس لڑکی کے ساتھ کوئی گانے والا بھی جاتا تو اس موقعہ پر اس کے طربیہ اشعار لڑکی کے سسرال والوں کے جذبات مسرت و خوشی میں یقیناً اضافہ کرتے، پھر آپ ﷺ نے اس طربیہ گیت کا ایک مصرعہ بھی پڑھ کر سنایا جو عرب میں شادی بیاہ کے موقع پر گایا جاتا تھا، چنانچہ وہ پورا شعر یوں ہے ۔

اَتَيْنَاكُمْ اَتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ وَلَوْلَا الْحِنْطَةُ السَّمْرَاءُ لَمْ تَسْمُنْ عَذَارَاكُمْ

ہم تمہارے پاس آئے خداوند تعالیٰ تمہیں بھی اور ہمیں بھی سلامتی کے ساتھ رکھے۔ اگر سرخ گیہوں نہ ہوتے تو تمہاری کنواریاں گداز بدن والی نہ ہوتیں۔

بعض لوگوں نے کہا ہے دوسرا مصرعہ "ولولا الحنطة الخ" کی بجائے یہ ہے:

وَلَوْلَا الْعَجْوَةُ السَّوْدَاءُ مَا كُنَّا بِوَادِيْكُمْ

اگر سیاہ کھجوریں نہ ہوتیں تو ہم تمہارے مکانوں میں نہ رہتے (بلکہ بھوک کے مارے کہیں نکل جاتے)

دو نکاحوں میں پہلا نکاح درست ہے

(۱۷) وَعَنْ سَمُرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ فَهِيَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا وَمَنْ بَاعَ بَيْعًا مِنْ رُجُلَيْنِ فَهُوَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی)

"اور حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس عورت کے دو ولی اس کا نکاح کر دیں تو وہ عورت ان دونوں میں سے اس کے لئے ہے جس کا ساتھ نکاح پہلے ہوا ہے، اور جو شخص (کسی ایک چیز کو) دو آدمیوں کے ہاتھ بیچے تو وہ چیز ان دونوں میں سے اس کے لئے ہے جسے پہلے بیچی گئی ہے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، دارمیؒ)

تشریح: کسی عورت کے دو ولی ہوں اور دونوں ولی اس عورت کا نکاح الگ الگ وقتوں میں دو مردوں سے کر دیں بایں طور کہ پہلے ایک ولی نے کسی شخص سے نکاح کر دیا پھر دوسرے ولی نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر دیا تو دوسرے ولی کا کیا ہوا نکاح باطل ہوگا اور وہ

عورت اسی شخص کی بیوی ہوگی جس سے پہلے نکاح ہوا ہے لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ دونوں ولی ایک ہی درجہ کے ہوں یعنی دونوں یکساں قرابت رکھتے ہوں، اگر دونوں ولی ایک درجے کے نہ ہوں تو پھر وہ ولی مقدم ہوگا۔ جو اقرب ہو یعنی قریبی قرابت رکھتا ہو لہٰذا اس صورت میں وہ عورت اس شخص کی بیوی ہوگی جس سے اس کے قریبی قرابت والے ولی نے نکاح کیا ہے چاہے اس نے پہلے نکاح کیا ہو اور چاہے بعد میں کیا ہو۔ اور اگر عورت کے یکساں درجہ والے دو ولی اس کا نکاح ایک وقت میں دو الگ الگ مردوں سے کردیں مثلاً ایک ولی نے زید سے نکاح کیا اور ٹھیک اسی وقت دوسرے ولی نے بکر سے اس کا نکاح کیا تو اس صورت میں متفقہ طور پر تمام علماء کا مسلک یہ ہے کہ دونوں ہی نکاح باطل ہوگئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

متعہ ابتداء اسلام میں جائز تھا

(۱۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نَغْزُو مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مَعَنَا نِسَاءٌ فَقُلْنَا اَلَا نَخْتَصِيْ فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا اَنْ نَسْتَمْتِعَ فَكَانَ اَحَدُنَا يَنْكِحُ الْمَرْاَةَ بِالثَّوْبِ اِلٰى اَجَلٍ ثُمَّ قَرَاَ عَبْدُاللّٰهِ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ۔

"حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ (ایک غزوہ کے موقع پر) ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ شریک جہاد تھے اور اس وقت ہمارے ساتھ ہماری عورتیں (یعنی بیویاں اور لونڈیاں) نہیں تھیں چنانچہ (جب عورتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم جنسی ہیجان سے پریشان ہوئے تو) ہم نے کہا کہ کیا ہم خصی نہ ہو جائیں (تاکہ جنسی ہیجان اور شیطان کے وسوسوں سے ہمیں نجات مل جائے) لیکن رسول کریم ﷺ نے ہم کو اس سے تو منع فرما دیا البتہ ہمیں متعہ کرنے کی اجازت دیدی چنانچہ ہم میں سے بعض لوگ کپڑے کے معاوضہ پر ایک معینہ مدت کے لئے عورت سے نکاح (یعنی متعہ) کر لیتے تھے۔ اس کے بعد ابن مسعودؓ نے یہ آیت پڑھی: يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ (اے ایمان والو! جن پاک چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے ان کو حرام نہ سمجھو)۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: یہ حدیث متعہ کی اجازت پر دلالت کرتی ہے، چنانچہ ابتداء اسلام میں متعہ کی اجازت تھی مگر بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی اور اب متعہ کرنا حرام ہے جیسا کہ آگے آنے والی حدیث سے بھی معلوم ہوگا اور پہلے بھی وہ احادیث گذر چکی ہیں جن سے متعہ کی اجازت کا منسوخ ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کا مذکورہ بالا آیت پڑھنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ بھی حضرت ابن عباسؓ کی طرح متعہ کی مباح ہونے کے قائل تھے، لیکن حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں تو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور وہ بھی متعہ کے حرام ہونے کے قائل ہوگئے تھے جیسا کہ آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہوگا، اب رہی حضرت ابن مسعودؓ کی بات تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے بھی اس کے بعد اس سے رجوع کر لیا ہو اور وہ بھی متعہ کے حرام ہونے کے قائل ہوگئے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں جواز متعہ کے منسوخ ہونے کا صریح حکم معلوم ہی نہ ہوا ہو اور اس وجہ سے وہ آخر تک جواز متعہ کے قائل رہے ہوں۔

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّمَا كَانَتِ الْمُتْعَةُ فِيْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ كَانَ الرَّجُلُ يَقْدَمُ الْبَلْدَةَ لَيْسَ لَهُ بِهَا مَعْرِفَةٌ فَيَتَزَوَّجُ الْمَرْاَةَ بِقَدْرِ مَا يُرٰى اَنَّهُ يُقِيْمُ فَتَحْفَظُ لَهُ مَتَاعَهُ وَتُصْلِحُ لَهُ شَيْئَهُ حَتّٰى اِذَا نَزَلَتِ الْاٰيَةُ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَكُلُّ فَرْجٍ سِوَاهُمَا فَهُوَ حَرَامٌ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ متعہ (کا جواز) صرف ابتداء اسلام میں تھا (اور اس وقت متعہ کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ) جب کوئی

مرد کسی شہر میں جاتا اور وہاں (لوگوں سے) اس کی کوئی شناسائی نہ ہوتی (کہ جن کے ہاں وہ اپنے قیام وطعام کا بندوبست کرتا) تو وہاں کسی عورت سے اتنی مدت کے لئے نکاح کر لیتا جتنی مدت اس کو ٹھہرنا ہوتا، چنانچہ وہ عورت اس کے سامان کی دیکھ بھال کرتی، اور اس کا کھانا پکاتی، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان دونوں (یعنی بیوی اور لونڈی) کی شرمگاہ کے علاوہ ہر شرم گاہ حرام ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: آیت کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ اپنی شرم گاہوں کو اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے محفوظ رکھتے ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے لیکن جو لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں پر قناعت نہیں کرتے یا جو لوگ نکاح کے ذریعہ اپنی شرعی طور پر اپنی جنسی خواہش کی تسکین کا سامان نہیں کرتے بلکہ غیر عورتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں وہ دراصل حلال سے گذر کر حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں جن کے لئے سخت ملامت ہے۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے حضرت ابن عباسؓ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ پرہیزگار بندوں کی تعریف بیان کی ہے کہ وہ عورتوں سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں البتہ اپنی بیویوں اور اپنی لونڈیوں سے اجتناب نہیں کرتے بلکہ ان کے ذریعہ اپنے جنسی جذبات کو تسکین پہنچاتے ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ متعہ کی صورت میں جو اس عورت پر تسلط حاصل ہوتا ہے وہ نہ تو بیوی ہوتی ہے اور نہ مملوکہ (لونڈی) ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ بیوی ہوتی تو اس کے اور اس کے مرد کے درمیان میراث کا سلسلہ ضرور ہوتا اور یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ متعہ کی عورت کے ساتھ میراث کا کوئی سلسلہ قائم نہیں ہوتا چونکہ وہ عورت محض چند روز (یعنی ایک متعین مدت) کے لئے اجرت پر اپنے نفس کو اس مرد کے حوالہ کرتی ہے۔ اس لئے وہ مملوکہ بھی نہیں ہو سکتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص متعہ کے طور پر کسی عورت سے جنسی تسکین حاصل کرتا ہے۔ تو وہ ان لوگوں کے زمرہ میں نہیں ہے جن کی توصیف مذکورہ آیت بیان کر رہی ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے متعہ کرتا ہے تو وہ عورت اس کی بیوی نہیں بنتی اور جب وہ بیوی نہیں بنتی تو پھر لامحالہ یہ واجب ہوگا کہ وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہو۔

شیعوں کے بارہ میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ ان کے نزدیک متعہ جائز ہے، چنانچہ بڑی مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ وہ حضرت ابن عباسؓ کے قول پر تو عمل کرتے ہوئے متعہ کو جائز کہتے ہیں۔ باوجودیکہ جواز متعہ کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کا اپنے قول سے رجوع کرنا ثابت ہو چکا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مسلک وعقیدہ کو ترک کرتے ہیں اور ان کے خلاف عمل کرتے ہیں جب کہ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے کہ جب حضرت علیؓ نے یہ سنا کہ حضرت ابن عباسؓ متعہ کو جائز کہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عباسؓ! ایسا نہ کہو کیونکہ میں نے خود سنا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے خیبر کے دن متعہ اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا۔

شادی بیاہ کے موقع پر گانے کی اجازت

(۲۰) وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى قَرَظَةَ بْنِ كَعْبٍ وَاَبِيْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيِّ فِيْ عُرْسٍ وَاِذَا جَوَارٍ يُغَنِّيْنَ فَقُلْتُ اَيْ صَاحِبَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَهْلَ بَدْرٍ يُفْعَلُ هٰذَا عِنْدَكُمْ فَقَالَا اجْلِسْ اِنْ شِئْتَ فَاسْمَعْ مَعَنَا وَاِنْ شِئْتَ فَاذْهَبْ فَاِنَّهٗ قَدْ رُخِّصَ لَنَا فِي اللَّهْوِ عِنْدَ الْعُرْسِ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت عامر بن سعدؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ جب ایک شادی میں شرکت کے لئے پہنچا جہاں (دو صحابی) حضرت قرظہ ابن کعبؓ اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ بھی موجود تھے، تو دیکھا کہ چند بچیاں گا رہی ہیں میں نے کہا کہ "اے رسول کریم (ﷺ) کے صحابیوں اور جنگ بدر میں شریک رہنے والو! کیا تمہارے سامنے بھی یہ (گانا) ہو رہا ہے؟ (یہ سنکر) ان دونوں صحابیوں نے کہا کہ "بیٹھ جاؤ! اگر تمہارا جی چاہے تو تم بھی ہمارے ساتھ سنو اور چاہے چلے جاؤ، کیونکہ شادی بیاہ کے موقع پر ہمیں گیت (گانے سننے) کی اجازت دی گئی ہے۔" (نسائیؒ)

تشریح: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی گانے کی حرمت و کراہت ہی مشہور تھی، عیدیں اور نکاح وغیرہ کی تخصیص بعض لوگوں کو تو معلوم تھی اور بعض لوگوں کو معلوم نہیں تھی، چنانچہ حضرت عامر ابن سعدؒ انہیں لوگوں میں سے تھے جنہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ عیدیں اور شادی بیاہ وغیرہ میں گانا جائز ہے۔

بَابُ الْمُحَرَّمَاتِ

جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان کا بیان

نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ عورت محرمات میں سے نہ ہو، لہٰذا اس باب میں یہی بتایا جائے گا کہ کون کون عورتیں محرمات میں سے ہیں کہ جن سے نکاح کرنا حرام ہے! ان عورتوں کی تفصیل فقہ حنفی کی مشہور و معتمد کتاب فتاویٰ عالمگیری میں بڑی عمدگی کے ساتھ بیان کی گئی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی اس تفصیل کو یہاں ذکر کر دیا جائے۔

محرمات کی تفصیل

جو عورتیں محرمات میں سے ہیں ان کی نو قسمیں ہیں یا یوں کہئے کہ نکاح کے حرام ہونے کے نو سبب ہیں جن کی نمبر وار تفصیل یوں ہے۔

پہلا سبب — نسبی رشتہ: جو عورتیں نسبی رشتہ کے سبب حرام ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔ ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ۔ بھتیجی اور بھانجی۔ لہٰذا ان رشتوں سے نکاح کرنا جماع کرنا اور ایسے کام کرنا جو جماع کے محرک اور سبب بن جاتے ہیں۔ جیسے بوسہ لینا وغیرہ یہ سب کام ہمیشہ کے لئے حرام ہیں۔

"ماں" سے اپنی ماں بھی مراد ہے اور دادی اور نانی (خواہ اوپر کے درجہ کی ہوں جیسے پردادی اور پرنانی وغیرہ) بھی مراد ہیں! بیٹی کے حکم میں اپنی حقیقی بیٹی، اپنے بیٹے کی بیٹی (پوتی) اپنی بیٹی کی بیٹی (یعنی نواسی) اور اس طرح نیچے تک سب شامل ہیں۔ اسی طرح "بہن" خواہ حقیقی ہو خواہ سوتیلی صرف باپ شریک) ہو اور خواہ اخیافی (صرف ماں شریک ہو) سب حرام ہیں۔

"بھتیجی اور بھانجی" سے بھی تین طرح کی بھتیجیاں اور بھانجیاں یعنی حقیقی بھائی بہن کی اولاد، سوتیلے بھائی بہن کی اولاد اور اخیافی بھائی بہن کی اولاد مراد ہیں (اگرچہ نیچے درجہ کی ہوں) کہ یہ سب محرمات میں سے ہیں۔

پھوپھی بھی تینوں طرح کی مراد ہیں یعنی حقیقی پھوپھی، سوتیلی (باپ شریک) پھوپھی اور اخیافی (صرف ماں شریک) پھوپھی، اسی طرح پھوپھی کے حکم میں باپ کی پھوپھی اور دادا کی پھوپھی اور دادی کی پھوپھی بھی شامل ہیں کہ یہ سب پھوپھیاں بھی محرمات میں سے ہیں: ہاں پھوپھی کی پھوپھی حرام ہے یا نہیں اس میں تفصیل ہے۔ اگر مثلاً زید کی پھوپھی اس کے باپ کی حقیقی بہن ہو یا سوتیلی (یعنی صرف باپ شریک) بہن ہو تو اس پھوپھی کی پھوپھی زید کے لئے حرام ہوگی اور اگر زید کی پھوپھی اس کے باپ کی اخیافی (یعنی صرف ماں شریک) بہن ہو تو ایسی پھوپھی زید کے لئے حرام نہیں ہوگی۔

خالہ بھی کئی طرح کی مراد ہیں تفصیل ہے، اگر مثلاً سوتیلی خالہ، اخیافی خالہ، اپنے باپ کی خالہ اور اپنی ماں کی خالہ یہ سب خالائیں حرام ہیں لیکن خالہ کی خالہ کے بارہ میں تفصیل ہے، اگر مثلاً زید کی خالہ اس کی ماں کی حقیقی بہن ہو یا اخیافی (یعنی صرف ماں شریک) بہن ہو تو اس خالہ کی خالہ زید کے لئے حرام ہوگی یعنی اس سے زید کا نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر زید کی خالہ اس کی ماں کی سوتیلی (یعنی صرف باپ شریک) بہن ہو تو ایسی خالہ حرام نہیں ہوگی۔ اس سے زید کا نکاح جائز ہوگا۔

دوسرا سبب — سسرالی رشتہ: وہ عورتیں جو بسبب صہریت یعنی سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہیں ان کی چار قسمیں ہیں۔ ایک

ساس یعنی بیوی کی ماں، دوریا ساس، یعنی بیوی کی دادی، ننیا ساس یعنی بیوی کی نانی اور اس سے اوپر کے درجہ کی مثلاً بیوی کے باپ اور ماں کی دادی وغیرہ بیوی کی بیٹی اور اور بیوی کے بیٹوں کی اولاد اور اس سے نیچے کے درجہ کی مثلاً بیوی کی نواسی کی اولاد وغیرہ یہ سب حرام ہیں بشرطیکہ بیوی سے جماع کر لیا ہو، خواہ وہ (بیوی کی) بیٹی اس مرد کی پرورش میں ہو یا نہ ہو! اور حنفی علماء نے بیوی کی بیٹیوں کی حرمت کے سلسلہ میں خلوت صحیحہ کو جماع کا قائم مقام قرار نہیں دیا یعنی بیوی کی بیٹیوں کی حرمت ثابت کرنے کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ مرد نکاح کے بعد بیوی سے جماع بھی کرلے اگر صرف خلوت صحیحہ ہوئی ہو۔! (یعنی جماع کرنے کا پورا موقع مل گیا ہو) مگر دونوں نے جماع نہ کیا ہو تو اس صورت میں اس بیوی کی بیٹی (جو دوسرے شوہر کے نطفہ سے ہو) کی حرمت ثابت نہیں ہوگی بہو یعنی بیٹے کی بیوی، پوت بہو یعنی پوتے کی بیوی اور نواسی بہو یعنی نواسے کی بیوی اور اس سے نیچے کے درجہ کی (یعنی پڑپوتے کی بیوی وغیرہ) اور ان عورتوں کے ساتھ ان کے شوہروں یعنی بیٹے اور پوتے وغیرہ نے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں حرام ہیں۔ ہاں لے پالک یعنی منہ بولے بیٹے کی بیوی حرام نہیں ہوتی یعنی مثلاً زید بکر کا منہ بولا بیٹا ہے تو زید کی بیوی بکر کے حق میں محرمات میں سے نہیں ہوگی اگر زید اپنی بیوی کو طلاق دیدے یا وہ مر جائے تو بکر اس کی مطلقہ یا وہ بیوہ سے اپنا نکاح کر سکتا ہے باپ کی بیوی یعنی سوتیلی ماں اور دادا اور نانا کی بیویاں یعنی سوتیلی دادی اور سوتیلی نانی اور اس سے اوپر کے درجہ کے یہ سب بھی ہمیشہ کے لئے حرام ہیں نہ ان سے نکاح ہو سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے طریقہ سے جماع ہو سکتا ہے۔

سسرالی رشتہ سے حرمت اس صورت میں ثابت ہوتی ہے جب کہ نکاح صحیح ہو، فاسد نکاح سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو زنا کرنے والے کے لئے اس عورت کی ماں، دادی، نانی اور اس عورت کی بیٹی پوتی نواسی سب حرام ہو جائیں گی اسی طرح اس عورت کے لئے زنا کرنے والے کے باپ، دادا، نانا اور اس عورت کے لڑکے، پوتے نواسے سب حرام ہو جائیں گے۔

اگر کسی شخص نے ایک عورت سے جماع کیا جس کی وجہ سے اس عورت کے پیشاب اور پاخانہ کا مقام ایک ہو گیا تو اس عورت کی ماں جماع کرنے والے کے لئے حرام نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے عورت کے پیشاب کے مقام ہی میں جماع کیا ہے، ہاں اگر جماع کے بعد وہ عورت حاملہ ہو جائے اور یہ معلوم بھی ہو جائے کہ یہ حمل اسی شخص کے نطفہ سے قرار پایا ہے تو اس صورت میں اس کی ماں اس کے لئے حرام ہو جائے گی۔ اور جس طرح یہ حرمت جماع کرنے سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح (شہوت کے ساتھ) عورت کو چھونے، بوسہ لینے اور شہوت کے ساتھ عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اور یہ مذکورہ چیزیں یعنی چھونا وغیرہ خواہ نکاح کی صورت میں پیش آئیں یا خواہ ملکیت کی صورت اور خواہ فجور کی صورت میں حنفیہ کے نزدیک یہ تینوں یکساں ہیں۔ نیز حنفی علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس بارہ میں شبہ اور غیر شبہ برابر ہیں اور اس سلسلہ میں شہوت کے ساتھ مباشرت (مرد و عورت کا شہوت کے ساتھ ایک دوسرے سے لپٹنا) بھی بوسہ کے حکم میں ہے اسی طرح معانقہ کا بھی یہی حکم ہے، ایسے ہی اگر شہوت کے ساتھ دانتوں سے اس کو کاٹا تو بھی یہی حکم ہے یعنی ان تمام صورتوں میں حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

اگر کسی نے شہوت کے ساتھ مرد کے عضو مخصوص کی طرف دیکھا یا شہوت کے ساتھ اس کو ہاتھ لگایا یا بوسہ لیا تو اس صورت میں اس کے ساتھ حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اور بقیہ دوسرے تمام اعضاء کی طرف دیکھنے سے اور ان کو ہاتھ لگانے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہاں اگر یہ دیکھنا یا ہاتھ لگانا شہوت کے ساتھ ہو تو پھر بغیر کسی اختلاف کے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ حرمت کے سلسلہ میں عورت کی شرمگاہ کے ظاہری حصہ کو دیکھنے کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اندر کے حصہ کو دیکھنے سے حرمت ثابت ہوا کرتی ہے چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر مرد کسی کھڑی ہوئی عورت کی شرم گاہ کو دیکھ لے تو اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ عورت جب کھڑی ہوئی ہو تو اس کی شرم گاہ کے اندرونی حصہ پر نظر نہیں پڑتی بلکہ شرمگاہ کے اندرونی حصہ پر اس وقت نظر پڑے گی جب

وہ پشت سے تکیہ لگائے ہوئے بیٹھی ہو۔ اگر کسی مرد نے عورت کی شرم گاہ کے اندرونی حصہ کو اس طرح دیکھا کہ درمیان میں باریک پردہ یا شیشہ حائل تھا لیکن اندرونی حصہ نظر آرہا تھا تو بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔ ہاں اگر کوئی شخص آئینہ دیکھ رہا تھا اور اس میں کسی عورت کی شرمگاہ نظر آگئی اور پھر مرد نے اس کو شہوت کے ساتھ دیکھا تو اس مرد پر نہ اس عورت کی ماں حرام ہوگی اور نہ بیٹی حرام ہوگی کیونکہ اس نے شرمگاہ کو نہیں دیکھا بلکہ اس کا عکس دیکھا ہے۔ اگر کوئی عورت پانی کے حوض کے کنارے پر یا پل پر بیٹھی ہو اور کسی مرد نے اس کا عکس پانی میں دیکھا اور پھر اس کے بعد وہ شہوت کے ساتھ پانی ہی میں اس کی شرمگاہ کا عکس دیکھتا رہا تو اس صورت میں بھی حرمت ثابت نہیں ہوگی ہاں اگر عورت پانی میں ہو اور مرد کی نگاہ اس کی شرمگاہ پر پڑ جائے اور پھر اسے شہوت کے ساتھ دیکھے تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

کسی عورت کو شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت ثابت ہونے کے سلسلہ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ قصدًا چھوئے تب ہی حرمت ثابت ہوگی بلکہ چاہے قصدًا چھوئے یا چاہے بھول کر چھوئے، چاہے کسی کے زبردستی کرنے سے (یا خود غلطی سے) چھوئے اور چاہے نیند کی حالت میں چھوئے ہر صورت میں حرمت ثابت ہو جائے گی۔ چنانچہ اگر کسی مرد نے جماع کرنے کے لئے اپنی بیوی کو نیند سے اٹھانا چاہا مگر غلطی سے اس کا ہاتھ لڑکی پر پڑ گیا اور پھر یہ سمجھ کر کہ یہی میری بیوی ہے شہوت کے ساتھ اس کے چٹکی لی اور وہ لڑکی بھی جوان تھی قابل شہوت تھی تو اس صورت میں اس مرد کے لئے اس لڑکی کی ماں یعنی اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔

اگر کسی مرد نے شہوت کے ساتھ عورت کے ان بالوں کو ہاتھ لگایا جو سر سے ملے ہوئے ہیں تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر لٹکے ہوئے بالوں کو ہاتھ لگایا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی مگر ناطفی" نے اس تفصیل کے بغیر مطلقًا بالوں کے چھونے کو حرمت کا باعث لکھا ہے اسی طرح اگر مرد نے عورت کے ناخن کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

یہ جو بتایا گیا ہے کہ عورت کو شہوت کے ساتھ چھونا اور ہاتھ لگانا حرمت کو ثابت کر دیتا ہے تو اس بارہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ عورت کو چھونے اور ہاتھ لگانے سے اسی صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے جب کہ دونوں کے درمیان کپڑا حائل نہ ہو اور اگر کپڑا حائل ہو تو وہ اس قدر باریک ہو کہ چھونے والے کا ہاتھ بدن کی حرارت محسوس نہیں ہوتی تو حرمت ثابت نہیں ہوگی خواہ اس کی وجہ سے مرد کے عضو مخصوص میں استادگی ہی کیوں نہ ہو جائے، اسی طرح اگر کسی مرد نے عورت کے موزہ کے نیچے کا حصہ چھوا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ ہاں اگر موزے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو جس کی وجہ سے عورت کے پاؤں کی ایڑھی چھونے والے کو محسوس نہ ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

اگر کسی مرد نے عورت کا بوسہ لیا ایسی حالت میں کہ دونوں کے درمیان کپڑا حائل ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی بشرطیکہ بوسہ لینے والے کو عورت کے دانتوں کی یا ہونٹوں کی ٹھنڈک محسوس ہو۔

حرمت ثابت ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ چھونے کے بعد دیر تک چھوتا ہی رہے چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے شہوت کے ساتھ اپنی بیوی کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن وہ ہاتھ بیوی کی بجائے اپنی لڑکی کی ناک پر پڑ گیا اور اس کے ساتھ ہی شہوت زیادہ ہوگئی تو اس لڑکی کی ماں یعنی بیوی اس مرد کے لئے حرام ہو جائے گی اگرچہ اس نے اپنا ہاتھ فورًا ہی ہٹا لیا ہو۔

حرمت ثابت ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جس عورت کو ہاتھ لگایا جائے یا بوسہ لیا جائے اور وہ قابل شہوت ہو اور فتویٰ اس پر ہے کہ کم سے کم نو سال کی لڑکی قابل شہوت ہوتی ہے اس سے کم نہیں، چنانچہ اگر کسی مرد نے کسی ایسی نابالغہ لڑکی سے جماع کیا جو قابل شہوت نہیں تو حرمت ثابت نہیں ہوگی اس کے برخلاف اگر عورت اتنی بوڑھی ہو جائے کہ قابل شہورت نہ رہے تو وہ حرمت ثابت ہونے کا باعث بن جاتی ہے کیونکہ وہ حرمت کے حکم میں داخل ہو چکی تھی اور بڑھاپے کی وجہ سے اس حکم سے باہر نہیں ہو سکتی جب کہ نابالغہ ابھی حرمت کے حکم میں داخل ہی نہیں ہوئی۔

جس طرح حرمت ثابت ہونے کے لئے عورت کا قابل شہوت ہونا شرط ہے اسی طرح مرد کا بھی قابل شہوت ہونا شرط ہے، لہٰذا اگر چار سال کے بچہ نے مثلاً اپنے باپ کی بیوی (یعنی اپنی سوتیلی ماں) سے جماع کر لیا تو اس کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔ لیکن اگر جماع کرنے والا ایسا بچہ ہو جس کے ہم عمر بچے عام طور پر جماع کر سکتے ہوں تو اس کا وہی حکم ہوگا جو بالغ کا ہوتا ہے اور اس بارہ میں علماء نے لکھا ہے کہ ایسے بچہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ جماع کرنے پر قادر ہو، عورت کی طرف اس کا میلان ظاہر ہوتا ہو، اور عورتیں اس سے شرم کرتی ہوں۔

مذکورہ بالا چیزوں یعنی چھونے اور دیکھنے کے بارہ میں شہوت (یعنی ہیجان) کا ہونا شرط ہے یعنی عورت کو ہاتھ لگانے، بوسہ لینے اور شرم گاہ کے اندرونی حصہ کی طرف دیکھتے وقت اگر شہوت ہو تب حرمت ثابت ہوگی لہٰذا اگر یہ دونوں چیزیں بغیر شہوت کے پائی جائیں اور پھر بعد میں شہوت پیدا ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی اور شہوت کا معیار مرد کے لئے یہ ہے کہ اس کے عضو مخصوص میں استادگی ہو جائے اور اگر استادگی پہلے سے تھی تو اس میں زیادتی ہو جائے۔ اس مسئلہ میں یہی قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، لہٰذا اگر کسی مرد کے عضو مخصوص میں استادگی تھی ایسی حالت میں اس نے اپنی بیوی کو اپنے پاس بلایا اور پھر اسی دوران کسی طرح اس کا عضو مخصوص اس کی لڑکی کی دونوں رانوں کے درمیان داخل ہو گیا۔ تو اس صورت میں اگر اس کے عضو مخصوص کی استادگی میں زیادتی نہ پیدا ہوگی ہو تو اس لڑکی کی ماں یعنی اس کی بیوی اس کے لئے حرام نہیں ہوگی۔ اور شہوت کا معیار اس مرد کے لئے ہے جو جوان اور جماع کرنے پر قادر ہو اور اگر مرد بوڑھا ہو تو اس کے حق میں شہوت کا معیار یہ ہے کہ خواہش کے وقت اس کے قلب میں حرکت پیدا ہو جائے اگر پہلے سے حرکت نہیں تھی اور اگر قلب میں پہلے سے حرکت موجود تھی تو اس خواہش میں زیادتی ہو جائے اور عورت کے لئے اور اس مرد کے لئے جس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو شہوت کا معیار یہ ہے کہ قلب میں خواہش پیدا ہو اور ہاتھ لگانے وغیرہ سے جنسی لذت حاصل ہو۔ اگر خواہش وغیرہ پہلے سے موجود نہ تھی۔ اور اگر یہ پہلے سے موجود تھی تو اس میں زیادتی ہو جائے، اور یہ بات ملحوظ رہے کہ مرد و عورت میں سے کسی ایک میں شہوت کا ہونا حرمت ثابت ہونے کے لئے کافی ہے۔

ہاتھ لگانے یا بوسہ لینے وغیرہ سے جو حرمت ثابت ہوتی ہے اس میں یہ شرط اور ضروری ہے کہ انزال نہ ہو، اگر ہاتھ لگانے یا شرم گاہ کی طرف دیکھنے کے وقت انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اب انزال ہونے سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ چھونا وغیرہ جماع لینے کا سبب نہیں بنا۔ اگر کسی مرد نے عورت کی مقعد کی طرف دیکھا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی اسی طرح اگر کسی مرد نے عورت کے پیچھے کی طرف بد فعلی کی تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ ایسے ہی اگر مرد کے ساتھ جماع کے افعال کئے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ حرمت مصاہرت کا اقرار کیا تو اس کا اعتبار کیا جائے گا اور ان دونوں یعنی میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کرا دی جائے گی اسی طرح اگر مرد نکاح سے قبل زمانہ کی طرف حرمت کی نسبت کرے یعنی اپنی بیوی سے یوں کہے کہ میں نے تم سے نکاح کرنے سے پہلے تمہاری ماں سے جماع کیا تھا تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور دونوں میں جدائی کرا دی جائے گی لیکن اس عورت کا پورا مہر (جو نکاح کے وقت متعین ہوا تھا) واجب ہوگا عقد واجب نہیں ہوگا اور اس اقرار کے لئے مداومت شرط نہیں ہے یعنی صرف ایک مرتبہ اقرار کر لینا کافی ہے بار بار اقرار کرنا ضروری نہیں ہے اسی لئے اگر کوئی شخص اپنے اقرار سے رجوع کر لے یعنی ایک مرتبہ اقرار کرنے کے بعد پھر انکار کر دے تو قاضی اس نکاح کو صحیح تسلیم نہیں کرے گا ہاں اگر اس نے واقعۃً غلط اقرار کیا تھا تو عند اللہ وہ عورت اس کی بیوی رہے گی اگرچہ ظاہراً قاضی جدائی کر دے گا۔

اگر کسی شخص نے ایک عورت کے بارہ میں یہ کہا کہ میری رضائی ماں ہے (یعنی اس عورت نے مجھے دودھ پلایا ہے) اور پھر کچھ عرصہ بعد جب اس عورت سے نکاح کرنا چاہے اور یہ کہے کہ میں نے پہلے یہ غلط کہا تھا کہ یہ میری رضائی ماں ہے تو اس صورت میں اس کے

لئے اس عورت سے نکاح کرنا استحساناً جائز ہوگا۔

اگر کسی شخص نے عورت کا بوسہ لیا اور پھر کہنے لگا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا، یا عورت کو چھوا اور یا اس کی شرم گاہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو بوسہ لینے کی صورت میں تو فوراً حرمت کا حکم لگا دیا جائے گا جب تک کہ یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس نے واقعی شہوت کے ساتھ بوسہ نہیں لیا تھا، اور دوسری دونوں صورتوں میں حرمت کا حکم فوراً لگا دیا جائے گا بلکہ جب یہ یقین ہو جائے کہ یہ چیز شہوت کے ساتھ سرزد ہوئی ہے تو حرمت کا حکم لگایا جائے گا۔ اور یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ بوسہ عام طور پر شہوت کے ساتھ لیا جاتا ہے اور بوسہ کی بنیاد ہی شہوت پر ہوتی ہے بخلاف چھونے اور دیکھنے کے کہ یہ دونوں فعل بغیر شہوت کے بھی سرزد ہوتے ہیں مگر یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب کہ شرمگاہ کے علاوہ کسی اور عضو کو چھوا ہو اور اگر کسی شخص نے عورت کی شرم گاہ کو چھوا اور پھر کہا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو ایسی صورت میں اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اگر کسی شخص نے عورت کی چھاتی پکڑ لی اور کہا کہ شہوت کے ساتھ نہیں پکڑی تھی تو اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اسی طرح اگر عورت کے ساتھ جانور پر سوار ہوا تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ ہاں اگر عورت کی پشت پر سوار ہو کر دریا کو پار کیا اور کہا کہ اس وقت شہوت نہیں تھی۔ تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا۔

ایک شخص نے لوگوں کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا ہے یا اس کا بوسہ لیا ہے اور ان لوگوں نے اس کے اس اقرار کی گواہی دی تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اسی طرح اگر گواہ یہ کہیں کہ فلاں شخص نے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تھا، یا بوسہ لیا تھا تو ان کی گواہی مانی جائے گی کیونکہ شہوت ایک ایسی چیز ہے جو فی الجملہ معلوم ہو جاتی ہے چنانچہ جن لوگوں کے عضو میں حرکت ہوتی ہے اس کو دیکھ کر اور جن کے عضو میں حرکت نہیں ہوتی ان کے بارہ میں دوسری علامتوں سے شہوت کا معلوم ہو جانا ممکن ہوتا ہے۔

قاضی علی سعدیؒ فرماتے ہیں کہ اگر نشہ میں مدہوش کسی شخص نے اپنی لڑکی کو پکڑ کر اپنے بدن سے لپٹایا اور اس کا بوسہ لیا اور پھر جب اس سے جماع کرنے کا ارادہ کیا تو لڑکی نے کہا کہ میں تمہاری لڑکی ہوں، یہ سنکر اس شخص نے لڑکی کو چھوڑ دیا تو اس صورت میں بھی لڑکی کی ماں یعنی اس شخص کی بیوی اس کے لئے حرام ہو جائے گی۔

اگر کسی شخص سے پوچھا گیا کہ تم نے اپنی ساس کے ساتھ کیا کیا ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ میں نے جماع کیا ہے تو اس صورت میں بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اگرچہ سوال کرنے والے نے مذاق میں سوال کیا ہو اور اس شخص نے بھی از راہ مذاق ہی جواب دیا ہو، پھر اس کے بعد وہ شخص لاکھ کہے کہ میں نے یہ بات غلط کہی تھی اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اگر کسی شخص نے کسی ایسی لونڈی کے بارہ میں جو اس کی ملکیت میں ہو، یہ کہا کہ میں نے اس لونڈی سے جماع کیا ہے تو وہ لونڈی اس کے لڑکے کے لئے حلال نہیں ہوگی اور اگر اس نے کسی ایسی لونڈی کے بارہ میں جو اس کی ملکیت میں نہیں ہے بلکہ کسی اور کی ہے یہ کہا کہ میں نے اس سے جماع کیا ہے تو اس صورت میں اس کے لڑکے کے لئے یہ جائز ہوگا کہ اپنے باپ کی اس بات کا اعتبار نہ کرے اور اس لونڈی کو اپنی ملکیت میں لے کر اس سے جماع کر لے، اور اگر کسی شخص کو اپنے باپ کی میراث میں کوئی لونڈی ملی تو وہ اس سے جماع کر سکتا ہے جب تک کہ یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ باپ نے اس لونڈی کے ساتھ جماع کیا ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ باکرہ ہے لیکن شادی کے بعد جب اس سے جماع کرنے کا ارادہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ باکرہ نہیں ہے، پھر اس نے عورت سے پوچھا کہ تمہارا پردہ بکارت کس طرح زائل ہوا ہے (یعنی تمہارے ساتھ کسی مرد نے جماع کیا ہے؟) عورت نے جواب دیا کہ تمہارے باپ نے۔ اس صورت میں اگر وہ شخص (خاوند) اس کی بات کا اعتبار کرے تو نکاح ختم ہو جائے گا۔ اور عورت مہر کی حقدار نہیں ہوگی اور اگر وہ شخص اس کی بات کا اعتبار نہ کرے اور کہے کہ تم جھوٹ بولتی ہو تو نکاح باقی

رہے گا۔

اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے لڑکے کے بارہ میں کہا کہ اس نے مجھے شہوت کے ساتھ چھوا ہے لہٰذا میں اپنے شوہر کی بیوی نہیں رہی تو عورت کی اس بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ شوہر کے لڑکے کا قول معتبر ہوگا۔

کسی شخص نے اپنے باپ کی بیوی کا شہوت کے ساتھ زبردستی بوسہ لیا، یا کسی باپ نے اپنے لڑکے کی بیوی کا شہوت کے ساتھ زبردستی بوسہ لیا اور شوہر نے کہا کہ یہ عمل شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو شوہر کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور یہ اسی کی بیوی رہے گی، لیکن اگر شوہر نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ بوسہ لینا واقعی شہوت ہی کے ساتھ تھا تو پھر دونوں (میاں بیوی) میں جدائی ہو جائے گی، لیکن اگر شوہر نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ بوسہ لینا واقعی شہوت ہی کے ساتھ تھا تو پھر دونوں (میاں بیوی) میں جدائی ہو جائے گی اور شوہر پر مہر واجب ہوگا مگر شوہر وہ رقم جو اس نے مہر میں ادا کی ہے اس شخص سے وصول کرلے گا جس کی وجہ سے یہ صورت حال پیدا ہوئی ہے بشرطیکہ اس نے فتنہ پھیلانے کے لئے یہ حرکت کی ہو اور اگر یہ حرکت فتنہ پھیلانے کے مقصد سے نہیں تھی تو پھر کچھ بھی وصول کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

اور اگر اس مسئلہ میں بوسہ لینے کی بجائے (باپ نے لڑکے کی بیوی سے یا لڑکے نے باپ کی بیوی سے) جماع کر لیا تو اس صورت میں شوہر مہر میں دی ہوئی رقم کسی طرح بھی وصول نہیں کر سکتا کیونکہ جماع کرنے والے پر حد واجب ہوگی اور ضابطہ یہ ہے کہ شرعی حد کے ساتھ کوئی مالی جرمانہ واجب نہیں ہوا کرتا۔

کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کی باندی کے ساتھ نکاح کیا اور پھر اس کے قبل کہ اس کا خاوند جماع کرتا باندی نے شوہر کے لڑکے کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا، خاوند نے دعویٰ کیا کہ میری بیوی نے میرے لڑکے کا بوسہ شہوت کے ساتھ لیا ہے مگر باندی کے آقا نے کہا کہ یہ غلط ہے، اس صورت میں نکاح ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ شوہر نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میری بیوی نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا ہے، لیکن شوہر پر پورا مہر واجب نہیں ہوگا بلکہ نصف مہر واجب ہوگا کیونکہ اس باندی کے مالک نے اس کی بات کو جھٹلایا ہے اس بارہ میں لونڈی کا قول معتبر نہیں ہوگا کہ میں نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا تھا لہٰذا پورا مہر دو۔

اگر کسی عورت نے لڑائی جھگڑے میں اپنے دادا کا عضو مخصوص پکڑ لیا اور کہا کہ میں نے شہوت کے ساتھ نہیں پکڑا تھا تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا۔

حرمت مصاہرت یا حرمت رضاعت کی وجہ سے نکاح بالکل باطل نہیں ہو جاتا بلکہ فاسد ہو جاتا ہے (جس کی وجہ سے جماع کرنا حرام ہو جاتا ہے لہٰذا شوہر کو چاہئے کہ طلاق دیدے اگر وہ طلاق نہ دے تو پھر قاضی دونوں کے درمیان جدائی کرادے) چنانچہ جدائی سے پہلے اگر شوہر نے جماع کر لیا تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی خواہ اس نے جماع شبہ میں مبتلا ہو کر کیا ہو یا بغیر شبہ کے کیا ہو۔ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے حرام کاری کی یا ایسا کوئی بھی فعل کیا جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے جیسے چھونا وغیرہ اور پھر توبہ کر لی تو یہ شخص اس عورت کی لڑکی کا محرم ہی رہے گا اس لئے کہ اس کی لڑکی سے نکاح کرنا اس کے حق میں ہمیشہ کے لئے حرام ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محرمت، زنا سے ثابت ہوتی ہے اور ایسے ہی ان تمام چیزوں سے بھی ثابت ہو جاتی ہے جن سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے جیسے چھونا وغیرہ۔

اگر مثلاً زید نے خالدہ سے نکاح کیا اور زید کے لڑکے نے (جو خالدہ کے پیٹ سے نہیں ہے) خالدہ کی بیٹی سے (جو خالدہ کے پہلے شوہر سے ہے) نکاح کر لیا یا خالدہ کی ماں سے نکاح کر لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے عضو مخصوص پر کپڑا لپیٹ کر اپنی بیوی سے جماع کیا تو دیکھا جائے گا کہ وہ کپڑا باریک تھا اور مرد کے عضو مخصوص کو حرارت محسوس ہونے سے نہیں روکتا تھا تو وہ عورت جماع کے بعد پہلے شوہر کے لئے (جس نے اسے طلاق مغلظہ دے دی تھی) حلال ہو جائے گی اور اگر کپڑا ایسا تھا جس کی وجہ سے اس کے عضو مخصوص کو حرارت محسوس نہیں ہو رہی تھی تو وہ عورت اپنے شوہر کے لئے

حلال نہیں ہوگی۔

تیسرا سبب ــــ دودھ کا رشتہ: یعنی وہ عورتیں جو رضاعت (دودھ پلانے) کی وجہ سے حرام ہیں، چنانچہ تمام وہ رشتے جو نسبی اور سسرالی ہونے کی وجہ سے حرام ہیں رضاعت کی وجہ سے بھی حرام رہیں گے اگر کسی عورت نے کسی بچہ کو اس کی شیر خوارگی کی عمر میں دودھ پلایا ہے تو ان دونوں میں ماں اور اولاد کا تعلق پیدا ہو جائے گا لہٰذا دودھ پلانے والی عورت کا شوہر دودھ پینے والے بچہ کا رضائی باپ ہو گا جس کی وجہ سے رضائی ماں اور باپ کے تمام وہ رشتے دار اس بچہ کے لئے حرام ہوں گے۔ جو حقیقی ماں اور باپ کی رشتہ داری کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔

شیر خوارگی کی عمر میں مطلقاً دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے خواہ زیادہ دودھ پیا ہو خواہ کم پیا ہو اور کم کی آخری حد یہ ہے کہ دودھ کا پیٹ میں مطلقاً پہنچ جانا یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے۔ شیر خوارگی کی عمر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق تو تیس مہینہ تک ہے اور صاحبینؒ یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے قول کے مطابق دو برس تک ہے۔

اگر کسی بچہ نے شیر خوارگی کی عمر میں دودھ پینا بند کر دیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس نے شیر خوارگی ہی کی عمر میں دودھ پیا تو یہ رضاعت کے حکم میں داخل ہو گا کیونکہ دودھ پلانا شیر خوارگی ہی کی مدت میں واقع ہوا ہے۔ شیر خوارگی کی مدت رضاعت گذر جانے کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دودھ پلانے کی اجرت کے استحقاق کے سلسلہ میں شیر خوارگی کی مدت دو برس ہی تسلیم کی گئی ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس مطلقہ نے اس کے بچہ کو دو برس کی عمر کے بعد دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ بچہ کے باپ (یعنی اپنے سابق شوہر) سے کیا تو اس کا مطالبہ تسلیم نہیں ہو گا اور بچہ کے باپ کو اس بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنی مطلقہ کو دو برس کے بعد کے عرصہ کے دودھ پلانے کی اجرت دے ہاں اس کی مطلقہ نے دو برس کے عرصہ میں جو دودھ پلایا ہے اس کی اجرت دینے پر اسے مجبور کیا جائے گا۔

حرمت رضاعت جس طرح رضائی ماں (یعنی دودھ پلانے والی) کی رشتہ داروں میں ثابت ہوتی ہے اسی طرح رضائی باپ کے رشتہ داروں میں بھی ثابت ہوتی ہے اور "رضائی باپ" سے مراد دودھ پلانے والی کا وہ خاوند ہے جس کے جماع کی وجہ سے دودھ اترتا ہے۔

"رضیع" (یعنی دودھ پینے والے) پر اس کے رضائی ماں باپ اور ان رضائی ماں باپ کے اصول (یعنی ان کے باپ دادا وغیرہ) اور ان کے فروع (یعنی ان کی اولاد) خواہ وہ نسبی ہوں یا رضائی، سب حرام ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے دودھ پینے سے پہلے اس کی رضائی ماں کے ہاں جو اولاد ہو چکی ہوگی، یا اس کے دودھ پینے کے بعد جو اولاد ہوگی اور وہ اولاد خواہ اس کے رضائی باپ سے ہو خواہ اس کی رضائی ماں کے کسی دوسرے شوہر سے ہو، یا اس کی رضائی ماں نے کسی دوسرے شخص کے بچہ کو دودھ پلایا یا اس کے رضائی باپ کی کسی دوسری بیوی کے ہاں کوئی بچہ ہوا تو یہ سب رضیع کے رضائی بہن اور بھائی بہن کی اولاد، اس کے بھتیجے، بھتیجی اور بھانجے، بھانجی ہوں گے، اسی طرح رضائی باپ کا بھائی اس کا چچا ہو گا، رضائی باپ کی بہن اس کی پھوپھی ہوگی، رضائی ماں کا بھائی اس کا ماموں ہو گا رضائی ماں کی بہن اس کی خالہ ہوگی اور رضائی ماں کا دادا اور اس کی دادی و نانی رضیع کا دادا اور اس کی دادی و نانی ہوگی۔

جس طرح رضاعت میں نسبی رشتوں کی حرمت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اسی طرح رضاعت میں حرمت مصاہرت یعنی سسرالی رشتہ کی حرمت بھی ثابت ہوتی ہے چنانچہ رضائی باپ کی بیوی، اور رضیع (دودھ پینے والے) پر حرام ہے اور رضیع کی بیوی اس کے رضائی باپ پر حرام ہے، اسی پر دوسرے رشتوں کو بھی قیاس کیا جاتا ہے لیکن دو صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ اول تو یہ کہ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح کر لے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے لیکن رضاعت یعنی دودھ کے رشتہ میں یہ جائز ہے کیونکہ کسی شخص کے نسبی بیٹے کی بہن اگر اس کے نطفہ سے ہے تو وہ اس کی حقیقی بیٹی ہوگی اور اگر اس کے نطفہ سے نہیں ہے تو پھر یہ (یعنی اس کی

سوتیلی بیٹی) ہوگی جب کہ دودھ کے رشتہ میں یہ دونوں باتیں مفقود ہوتی ہیں چنانچہ اگر نسبی رشتہ میں بھی ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی بات نہیں پائی جائے گی تو نکاح درست ہوگا مثلاً کسی ایسی لونڈی کے بچہ پیدا ہوا جو دو آدمیوں کی مشترک مملوکہ ہے اور وہ دونوں شریک اس بچہ پر اپنا اپنا دعویٰ کرتے ہیں یہاں تک کہ اس بچہ کا نسب ان دونوں سے ثابت ہوگیا، ادھر ان دونوں کے ہاں اپنی اپنی عورت سے ایک ایک بیٹی ہے تو اب ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ دوسرے شریک کی بیٹی سے اپنا نکاح کرلے کیونکہ اس صورت میں دونوں باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں پائی گئی باوجودیکہ ان میں سے جس نے بھی دوسرے کی بیٹی سے نکاح کیا ہے اس نے گویا اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح کیا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے نسبی بھائی کی ماں سے نکاح کرے اور دودھ کے رشتہ میں یہ جائز ہے کیونکہ نسبی رشتہ میں یا تو یہ صورت ہوگی کہ وہ دونوں اخیافی (یعنی سسرالی صرف ماں شریک) بھائی ہوں گے۔ اسی طرح دونوں کی ماں ایک ہی ہوگی یا یہ صورت ہوگی کہ وہ دونوں سوتیلے (صرف باپ شریک) بھائی ہوں گے اسی طرح بھائی کی ماں اپنے باپ کی بیوی ہوگی جب کہ دودھ کے رشتہ میں یہ دونوں باتیں مفقود ہوتی ہیں۔

دودھ شریک بھائی کی بہن سے (یعنی جس نے اس کی ماں کا دودھ پیا ہے اس کی بہن سے) نکاح کرنا جائز ہے جس طرح کہ نسبی رشتہ میں جائز ہے مثلاً زید کا ایک سوتیلا بھائی ہے جس کا نام بکر ہے اور بکر کی ایک اخیافی بہن ہے (یعنی دونوں کی ماں تو ایک ہے مگر باپ الگ الگ ہیں) تو بکر کی اس اخیافی بہن سے نکاح کرنا زید کے لئے جائز ہوگا جو بکر کا سوتیلا بھائی ہے۔

دودھ شریک بھائی کی ماں (یعنی جس نے اس کی ماں کا دودھ پیا ہے اس کی ماں) محرمات میں سے نہیں ہے، اسی طرح رضاعی چچا، رضاعی ماموں، رضاعی پھوپھی اور رضاعی خالہ کی ماں بھی محرمات میں سے نہیں۔ اپنی رضاعی پوتی کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے اسی طرح اپنے رضاعی بیٹے کی دادی اور نانی سے بھی نکاح کرنا جائز ہے۔ رضاعی بیٹے کی پھوپھی، اس کی بہن کی ماں، اس کی بھانجی اور اس کی پھوپھی کی بیٹی سے بھی نکاح کرنا جائز ہے، اسی طرح عورت کو اپنی رضاعی بہن کے باپ، اپنے رضاعی بیٹے کے بھائی، اپنے رضاعی پوتے کے باپ اور اپنے رضاعی بیٹے کے دادا اور ماموں سے نکاح کرنا جائز ہے جب کہ نسبی رشتہ میں یہ سب محرمات میں سے ہیں جن سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا۔

کسی شخص نے اپنی بیوی کو جس کے دودھ اترا ہوا تھا طلاق دیدی پھر اس مطلقہ نے عدت کے دن گزار کر ایک دوسرے شخص سے نکاح کرلیا اور اس دوسرے خاوند نے اس سے جماع کیا تو اس بارہ میں علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب اس دوسرے خاوند کے نطفہ سے اس کے بچہ پیدا ہوگا، تو اس عورت کے دودھ کا سبب بھی دوسرا خاوند قرار پائے گا، اس کے دودھ سے پہلے خاوند کا کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا ہاں اگر دوسرے خاوند سے حاملہ نہیں ہوگی تو اس دودھ کا سبب پہلا ہی خاوند سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر یہ صورت ہو کہ دوسرے شوہر سے حاملہ تو ہوئی مگر ابھی بچہ پیدا نہیں ہوا ہے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب تک اس دوسرے شوہر کا بچہ پیدا نہ ہو جائے وہ دودھ پہلے شوہر ہی کا کہلائے گا۔

ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا لیکن اس سے کبھی بھی کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا پھر (بغیر کسی ولادت کے) اس کے دودھ اتر آیا اور وہ دودھ اس نے کسی دوسرے کے بچہ کو پلایا تو وہ دودھ اسی عورت کا کہلائے گا اس کے خاوند کا اس دودھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا اس صورت میں اس دودھ پینے والے بچہ اور اس شخص کی اس اولاد کے درمیان جو دوسری بیوی سے ہو، حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا جس کے نتیجہ میں اس کے ہاں ولادت ہوئی اور پھر اس عورت نے کسی دوسری لڑکی کو دودھ پلایا تو اس زنا کرنے والے، اس کے باپ دادا، اور اس کی اولاد کو اس دودھ پینے والی لڑکی سے نکاح کرنا جائز نہیں، ہاں زنا کرنے والے کا چچا اور اس کا ماموں نکاح کر سکتا ہے جس طرح کہ زنا کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی لڑکی سے زنا کرنیوالے کا چچا اور ماموں نکاح کر سکتا

ہے۔ کسی شخص نے شبہ میں مبتلا ہو کر (یعنی کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر) ایک عورت سے جماع کر لیا جس سے وہ حاملہ ہو گئی اور پھر اس نے کسی بچہ کو دودھ پلایا تو یہ بچہ اس جماع کرنے والے کا رضاعی بیٹا ہوگا اس پر یہ قیاس کیا جانا چاہئے کہ جن صورتوں میں بچہ کا نسب جماع کرنے والے سے ثابت ہوتا ہے انہی صورتوں میں رشتہ رضاعت بھی اس سے ثابت ہوگا اور جن صورتوں میں بچہ کا نسب جماع کرنے والے سے ثابت نہیں ہوتا اس صورت میں رشتہ رضاعت دودھ پلانے والی عورت سے ثابت ہوگا۔

کسی شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس سے عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ عورت نے اپنے بچہ کو دودھ پلایا اور بعد میں دودھ خشک ہو گیا، کچھ عرصہ کے بعد دودھ پھر اتر آیا اور اس نے کسی دوسرے لڑکے کو وہ دودھ پلایا تو اس لڑکے کے لئے اس شخص کی اس اولاد سے نکاح کرنا جائز ہوگا جو اس دودھ پلانے والی عورت کے علاوہ کسی دوسری بیوی کے بطن سے ہو،

کسی کنواری لڑکی کے دودھ اتر آیا اور اس نے وہ دودھ کسی بچی کو پلایا تو یہ اس بچی کی رضاعی ماں ہوگی اور رضاعت کے تمام احکام دونوں کے حق میں ثابت ہوں گے لہٰذا اگر کسی شخص نے اس کنواری لڑکی سے نکاح کیا اور جماع سے پہلے اسے طلاق دیدی تو اس شخص کے لئے اس دودھ پینے والی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہوگا (کیونکہ اس صورت میں بیوی کی بیٹی کا بھی یہی حکم ہے) اور اگر جماع کے بعد طلاق دی تو اس لڑکی سے نکاح کرنا ناجائز ہوگا۔

اگر کسی ایسی لڑکی کے دودھ اتر آیا جس کی عمر نو برس سے کم تھی اور پھر اس نے وہ دودھ ایک لڑکے کو پلایا تو اس سے دونوں کے درمیان حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ حرمت رضاعت اسی صورت میں ثابت ہوتی ہے جب کہ دودھ نو برس یا نو برس سے زائد کی عمر میں اترے۔ اسی طرح اگر کسی کنواری لڑکی کی چھاتیوں میں زرد رنگ کا پانی اتر آیا تو اس کے پلانے سے بھی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

کسی عورت نے ایک بچہ کے منہ میں اپنی چھاتی داخل کر دی لیکن بچہ کا اس کی چھاتی سے دودھ چوسنا معلوم نہیں ہوا تو اس صورت میں شک کی وجہ سے حرمت رضاعت کا حکم نافذ نہیں کیا جائے گا البتہ احتیاط کا تقاضا یہی ہوگا کہ حرمت ثابت کی جائے۔

کسی عورت کی چھاتی سے زرد رنگ کی بہنے والی پتلی چیز بچہ کے منہ میں پہنچ گئی تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اور یہی کہا جائے گا کہ یہ دودھ ہی ہے جس کا رنگ متغیر ہو گیا ہے۔

اگر کسی مرد کی چھاتیوں میں دودھ اتر آیا اور اس نے کسی بچہ کو پلا دیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور حرمت ثابت ہونے کے لئے زندہ اور مردہ عورت کے دودھ کا یکساں حکم ہے۔ اور اگر دو بچوں نے کسی ایک چارپائے جانور کا دودھ پیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

رضاعت کا حکم دار الاسلام اور دار الحرب دونوں جگہ یکساں ہے، لہٰذا اگر کسی (کافر) عورت نے دار الحرب میں (کسی کافر) بچہ کو دودھ پلایا اور پھر وہ (دودھ پلانے والی، اس کے قرابتدار اور دودھ پینے والا بچہ) مسلمان ہو گئے یا وہ (دار الحرب میں اسلام ہی کی حالت میں تھے اور پھر) دار الحرب سے دار الاسلام میں آ گئے تو پھر رضاعت کے تمام احکام نافذ ہوں گے۔

جس طرح عورت کی چھاتی سے دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے اسی طرح بچہ کے منہ میں دودھ ڈال دینے یا ناک میں نچوڑ دینے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے البتہ کان میں ٹپکانے، عضو مخصوص کے سوراخ میں ڈالنے، حقنہ کے ذریعہ استعمال کرنے اور مقعد میں اور دماغ اور پیٹ کے زخم میں ڈالنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اگرچہ دودھ ان زخموں کے ذریعہ دماغ اور پیٹ میں پہنچ جائے۔ لیکن حضرت امام محمدؒ کے نزدیک حقنہ کے ذریعہ استعمال کرنے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

اگر غذا کی کسی چیز میں دودھ مل گیا اور اسے آگ پر پکا کر کھانا بنا لیا گیا جس کی وجہ سے دودھ کی حقیقت بدل گئی تو اس کو کھانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی خواہ دودھ غالب ہو یا مغلوب ہو، اور اگر دودھ ملی ہوئی چیز آگ پر پکائی نہیں گئی تو اس صورت میں بھی اس کو کھانے سے

حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ بشرطیکہ اس چیز میں دودھ غالب نہ ہو اور اگر وہ دودھ غالب ہوگا تو بھی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ جب بہنے والی چیز جمی ہوئی چیز میں مخلوط ہوگئی تو بہنے والی چیز اس جمی ہوئی چیز کے تابع ہوگئی اور مشروبات کی قسم سے خارج ہوگئی یعنی پینے کے قابل نہیں رہی اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ جس چیز میں دودھ مخلوط ہوگیا اگر وہ غالب نہ ہو اور اب بھی وہ دودھ بہنے کے قابل ہو تو اس کے پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔

اگر عورت کا دودھ (کسی جانور مثلاً) بکری کے دودھ میں مخلوط ہوگیا اور عورت کا دودھ غالب ہے تو اس کو پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر عورت نے اپنے دودھ میں روٹی بھگوئی اور روٹی نے دودھ کو جذب کرلیا یا اپنے دودھ میں ستو گھولا اور پھر وہ روٹی یا ستو کسی بچہ کو کھلا دیا تو اگر اس میں دودھ کا ذائقہ موجود ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ لیکن ذائقہ کی موجودگی کی شرط اسی صورت میں ہے جب کہ اس کو لقمہ لقمہ کر کے کھلایا جائے اور اگر گھونٹ گھونٹ کر کے پلایا گیا تو پھر (اگر ذائقہ موجود نہ ہو) تب بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔

اگر عورت کا دودھ۔ پانی یا دوا یا جانور کے دودھ میں مخلوط ہوگیا تو اس میں غالب کا اعتبار ہوگا یعنی اگر وہ دودھ غالب ہوگا تو اس کو پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر پانی وغیرہ غالب ہوگا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی) اس طرح اگر عورت کا دودھ کسی بھی پتلی (سیال) چیز یا کسی بھی جمی ہوئی چیز میں مخلوط ہو جائے تو غالب کا اعتبار ہوگا۔ اور "غالب" سے مراد یہ ہے کہ اس کا رنگ "بو" اور ذائقہ تینوں چیزیں یا ان میں سے کوئی ایک چیز محسوس و معلوم ہو۔ اور اگر دونوں چیزیں (یعنی دودھ اور وہ چیز جس میں دودھ مخلوط ہوگیا ہے) برابر ہوں تو حرمت کا ثابت ہونا ضروری ہو جائے گا کیونکہ دودھ مغلوب نہیں ہے۔

اگر دو عورتوں کا دودھ باہم مل گیا ہے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک اس عورت سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی جس کا دودھ زیادہ اور غالب ہو لیکن حضرت امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں دونوں عورتوں سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی، حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول بھی اسی کے مطابق ہے اور یہی قول زیادہ صحیح اور اقرب الی الاحتیاط ہے اور اگر دونوں عورتوں کا دودھ برابر ہو تو متفقہ طور پر (یعنی ان تینوں ائمہ کے نزدیک) مسئلہ یہی ہے کہ دونوں عورتوں کے ساتھ حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

اگر کسی عورت نے اپنے دودھ کا چھاچھ یا دہی یا پنیر اور یا ماوا وغیرہ بنالیا اور اسے کسی بچہ کو کھلا دیا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ اس پر رضاعت (یعنی دودھ پینے) کا اطلاق نہیں ہوتا۔

بستی و گاؤں کی کسی عورت نے ایک بچی کو دودھ پلایا مگر بعد میں یہ کسی کو بھی یاد و معلوم نہیں رہا کہ وہ دودھ پلانے والی عورت کون تھی اور پھر اس بستی کے کسی شخص نے اس لڑکی سے نکاح کرلیا تو یہ نکاح جائز ہو جائے گا۔

عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ بلاضرورت کسی بچہ کو اپنا دودھ نہ پلائیں اور اگر کسی بچہ کو اپنا دودھ پلائیں تو یاد رکھیں یا لکھ لیا کریں (عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بلاضرورت دوسروں کے بچوں کے منہ میں اپنی چھاتی دیدیتی ہیں اور انہیں دودھ پلادیتی ہیں اور پھر بعد میں انہیں یاد بھی نہیں رہتا کہ کس بچہ کو میں نے اپنا دودھ پلایا ہے اس کی وجہ سے حرمت رضاعت کے احکام کی صریحا خلاف ورزی ہوتی ہے لہٰذا اس بارہ میں احتیاط ضروری ہے)

دودھ خواہ پہلے پلایا ہو خواہ بعد میں پلایا گیا ہو حرمت رضاعت، بہر صورت ثابت ہو جائے گی پہلے اور بعد میں کوئی فرق نہیں ہوگا لہٰذا اگر کسی شخص نے ایک شیر خوار بچی سے نکاح کرلیا اور پھر بعد میں اس شخص (یعنی خاوند) کی نسبی یا رضاعی ماں نے یا بہن نے یا لڑکی نے آکر اس کو اپنا دودھ پلا دیا تو یہ بچی اس شخص کے لئے حرام ہو جائے گی اور اس پر نصف مہر واجب ہوگا لیکن اس نصف مہر کے طور پر جو رقم وہ ادا کرے گا۔ اسے وہ مرضعہ (یعنی دودھ پلانے والی) سے وصول کریگا بشرطیکہ اس دودھ پلانے والی نے محض شرارت (یعنی نکاح ختم کرنے

کے لئے اپنا دودھ پلادیا ہو اور اگر اس نے شرارت کی نیت سے دودھ نہ پلایا ہو (بلکہ وہ بچی بھوک سے بلک رہی تھی اور اس عورت نے ہمدردی کے جذبہ سے اسے دودھ پلادیا) تو پھر خاوند اس سے اپنی رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

کسی شخص نے دو شیر خوار بچیوں سے نکاح کیا اس کے بعد ایک اجنبی عورت نے آکر ان دونوں بچیوں کو ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے دودھ پلادیا تو وہ دونوں بچیاں شوہر کے لئے حرام ہو جائیں گی اور پھر اس کے بعد وہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے جسے وہ پسند کرے نکاح کر سکتا ہے۔ اور اگر (اس کے نکاح میں دو کی بجائے) تین بچیاں ہوں۔ اور اس عورت نے ان تینوں کو ایکساتھ دودھ پلایا تو وہ تینوں حرام ہو جائیں گی اس کے بعد وہ ان تینوں میں سے جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے۔ اور اگر تینوں کو یکے بعد دیگرے پلایا تو پہلی دو تو حرام ہو جائیں گی اور تیسری اس کی بیوی رہے گی۔ اور اگر پہلے تو دو بچیوں کو ایک ساتھ پلایا اور اس کے بعد تیسری کو پلایا تو بھی یہی حکم ہو گا۔ اور اگر پہلے ایک لڑکی کو پلایا اور بعد میں دو کو ایک ساتھ پلایا تو تینوں حرام ہو جائیں گیا اور ان میں سے ہر ایک بچی کا نصف مہر اس پر واجب ہو گا جسے وہ دودھ پلانے والی سے وصول کرے گا۔ بشرطیکہ اس نے شرارت کی نیت سے دودھ پلایا ہو اور اگر (اس کے نکاح میں) چار بچیاں ہوں اور اس عورت نے ان چاروں بچیوں کو ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے ایک ایک کر کے دودھ پلایا ہو تو چاروں حرام ہو جائیں گی اور اگر پہلے ایک کو اور پھر تین کو ایک ساتھ پلایا ہو تو بھی یہی حکم ہو گا۔ اور اگر پہلے تین کو ایکساتھ اور بعد میں چوتھی کو پلایا تو چوتھی حرام نہیں ہو گی۔

اگر کسی شخص نے ایک بڑی عورت سے اور ایک شیر خوار بچی سے نکاح کیا اور پھر بڑی نے چھوٹی کو اپنا دودھ پلادیا تو شوہر کے لئے دونوں حرام ہو جائیں گی اب اگر اس شخص نے بڑی سے جماع نہیں کیا تھا تو اس کو کچھ مہر نہیں ملے گا۔ اور چھوٹی کو اس کا آدھا مہر دینا واجب ہو گا جسے وہ بڑی سے وصول کر لے گا۔ بشرطیکہ اس نے شرارت کی نیت سے اسے دودھ پلایا ہو اور اگر اس نے دودھ شرارت کی نیت سے نہیں پلایا تو اس سے کچھ وصول نہیں کیا جائے گا اگرچہ اس بڑی کو یہ معلوم ہو کہ یہ چھوٹی بچی میرے شوہر کی بیوی ہے۔

رضاعت (دودھ پلانے) کا ثبوت دو باتوں میں سے کسی ایک بات سے ہو جاتا ہے ایک تو اقرار (یعنی کوئی عورت خود اقرار کرے کہ میں نے فلاں کو دودھ پلایا ہے اور دوسرے گواہی (یعنی گواہ یہ گواہی دیں کہ فلاں عورت نے فلاں بچے کو دودھ پلایا ہے) اور رضاعت کے سلسلہ میں گواہی یا تو دو مردوں کی معتبر ہوتی ہے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی بشرطیکہ وہ عادل ہوں۔

(حرمت رضاعت کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان) جو تفریق (جدائی) ہوتی ہے وہ قاضی کے حکم کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے اور جب دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں (کسی میاں بیوی کے درمیان) رضاعت کے رشتہ کی گواہی دیں اور اس کی بنیاد پر قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کرادے تو عورت کو کچھ نہیں ملے گا بشرطیکہ اس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو اور اگر جماع ہو چکا ہو گا تو مہر مثل اور مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہو گی وہ مہر خاوند پر واجب ہو گا اور نفقہ و سکنہ (یعنی کھانے پینے کا خرچ اور رہنے کے لئے مکان) واجب نہیں ہو گا۔

اگر دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں نے نکاح ہو جانے کے بعد شادی شدہ عورت کے سامنے گواہی دی (اور کہا کہ شوہر کے ساتھ تمہارا رشتہ رضاعت ثابت ہوتا ہے) تو اس عورت کے لئے شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہیں کیونکہ یہ شہادت صحیح ہے بایں طور کہ جس طرح یہ شہادت اگر قاضی کے سامنے دی جاتی تو رضاعت ثابت ہو جاتی (اور وہ دونوں کے درمیان تفریق کرادیتا) اسی طرح جب یہ شہادت عورت کے سامنے آئے گی تو اس کا حکم بھی وہی ہو گا اور اگر رضاعت کی یہ خبر صرف ایک شخص دے اور اس عورت کے دل میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ یہ شخص سچ کہہ رہا ہے تو شوہر سے پرہیز کرنا بہتر ہے لیکن واجب نہیں ہے۔

ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے بعد ایک دوسری عورت نے آکر ان دونوں میاں بیوی سے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اس مسئلہ کی چار صورتیں ہوں گی۔

❶ اگر دونوں میاں بیوی نے اس عورت کا اعتبار کر لیا تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور عورت کو کچھ مہر نہیں ملے گا بشرطیکہ اس کے ساتھ

جماع نہ ہوا ہو۔

۲ اگر دونوں میاں بیوی نے اس عورت کا اعتبار نہ کیا تو نکاح بحالہ باقی رہے گا لیکن اگر وہ عورت (جس نے رشتہ رضاعت کی خبر دی ہے) عادل ہے تو پھر احتیاط کا تقاضہ یہی ہوگا کہ خاوند اپنی بیوی کو چھوڑ دے، اب اگر اس نے چھوڑ دیا تو بہتر یہ ہے کہ خاوند نصف مہر دیدے اور عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ کچھ نہ لے بشرطیکہ چھوڑنا جماع سے پہلے ہو، اور اگر چھوڑنے سے پہلے جماع ہو چکا ہو تو مرد کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اس کا پورا مہر بھی دیدے اور (عدت کے ایام پورے ہونے تک) نفقہ و سکنہ بھی دے اور عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ مہر مثل و مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہو وہ لے لے اور نفقہ و سکنہ نہ لے، اور اگر خاوند نے بیوی کو نہیں چھوڑا (یعنی اس نے طلاق نہیں دی) تو بیوی کو خاوند کے پاس رہنا جائز ہے، اسی طرح اگر دو عورتوں نے، یا ایک مرد اور ایک عورت نے یا دو غیر عادل مردوں نے یا غیر عادل ایک مرد اور دو عورتوں نے رضاعت کی گواہی دی تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا یعنی خاوند کے لئے بہتر یہی ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے۔

۳ اگر خاوند نے اس عورت کا اعتبار کیا اور بیوی نے اعتبار نہیں کیا تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور مہر دینا واجب ہوگا۔

۴ اگر بیوی نے اس عورت کا اعتبار کیا مگر خاوند نے اس کا اعتبار نہیں کیا تو نکاح بحالہ باقی رہیگا لیکن بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خاوند سے قسم کھلوائے (کہ وہ واقعۃً اس عورت کی بات کو صحیح نہیں سمجھتا) اور اگر خاوند قسم کھانے سے انکار کر دے تو دونوں کے درمیان جدائی کرادی جائے گی۔

ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور پھر کہنے لگا کہ یہ میری رضاعی بہن ہے یا اس کی طرف اسی قسم کے کسی اور رضاعی رشتہ کی نسبت کی، اس کے بعد اس نے کہا کہ مجھے وہم ہو گیا تھا میں نے جو کچھ کہا تھا غلط تھا تو استحساناً ان دونوں کے درمیان تفریق نہیں کرائی جائے گی بشرطیکہ وہ اپنی اس دوسری بات پر قائم رہے (کہ میں نے جو کچھ کہا تھا غلط ہے) اور اگر وہ اپنی پہلی بات پر قائم رہے اور یہ کہے کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ صحیح ہے تو اس صورت میں دونوں کے درمیان تفریق کرادی جائے گی پھر اس کے بعد وہ اپنی پہلی بات سے انکار کرے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور اگر عورت نے اپنے خاوند کی اس بات کی تصدیق کر دی تو اس کو کچھ مہر نہیں ملے گا (بشرطیکہ اس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو) اور اگر عورت نے اپنے خاوند کی اس بات کی تکذیب کی تو مرد پر اس عورت کا نصف مہر واجب ہوگا (بشرطیکہ اس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو) اور اگر اس عورت کے ساتھ جماع ہو چکا ہو اور وہ اپنے خاوند کی اس بات کی تصدیق نہ کرے تو مرد پر اس کا پورا مہر اور نفقہ و سکنہ واجب ہوگا۔

اور اگر مرد نے کسی عورت کے بارہ میں اس سے نکاح کرنے سے پہلے یہ کہا کہ یہ میری رضاعی بہن ہے یا رضاعی ماں ہے اور پھر بعد میں کہنے لگا مجھے وہم ہو گیا تھا یا مجھ سے چوک ہو گئی تھی (یعنی میں نے پہلے جو کچھ کہا تھا غلط ہے) تو اس شخص کو اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔ اور اگر اپنی سابقہ بات پر قائم رہا یعنی بعد میں اس نے کہا کہ میں نے جو کچھ پہلے کہا تھا وہ صحیح ہے تو اس صورت میں اس عورت سے اس کو نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر وہ اس کے باوجود نکاح کر لے تو ان دونوں کے درمیان جدائی کرادی جائے گی اور اگر وہ اپنے سابقہ اقرار ہی سے مکر جائے (یعنی یہ کہنے لگے کہ میں نے یہ اقرار نہیں کیا تھا کہ یہ میری رضاعی ماں یا بہن ہے) لیکن دو شخص اس بات کی گواہی دیں کہ اس نے اقرار کیا تھا تو پھر اس صورت میں ان کے درمیان جدائی کرادی جائے گی۔

اگر کسی عورت نے کسی مرد کے بارہ میں اقرار کیا کہ یہ میرا رضاعی باپ رضاعی بھائی یا رضاعی بھتیجا ہے لیکن مرد نے اس کا انکار کیا اور اس کے بعد پھر عورت نے بھی اپنے قول کی تردید کی اور کہا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی تھی تو اس عورت سے نکاح جائز ہو جائے گا اور اسی طرح اگر مرد نے اس عورت سے نکاح کر لیا قبل اس کے کہ وہ عورت اپنے قول کی تردید کرتی تو نکاح صحیح ہوگا۔

اگر کسی مرد نے کسی عورت سے (جو اس کے نکاح میں ہو) اپنے نسبی رشتہ کا اقرار کیا یعنی یوں کہا کہ یہ عورت میری حقیقی ماں ہے یا حقیقی

بہن ہے یا حقیقی بیٹی ہے اور اس عورت کا نسب کسی کو معلوم نہیں ہے نیز وہ مرد یہ صلاحیت رکھتا ہے (یعنی اس کے بارہ میں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ وہ عورت اس کی ماں یا بیٹی ہو تو) اس مرد سے دوبارہ پوچھا جائے گا اب اگر وہ یہ کہے کہ مجھے وہم ہو گیا تھا، یا میں چوک گیا تھا، یا میں نے غلط کہا تھا تو استحساناً ان کا نکاح باقی رہے گا اور اگر (دوبارہ پوچھے جانے پر) اس نے یہ کہا کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہی صحیح ہے تو پھر دونوں میں تفریق کرا دی جائے گی۔ اور اگر مرد یہ صلاحیت نہیں رکھتا (یعنی ان دونوں کی عمر میں اس قدر تفاوت ہے کہ وہ اس بات کا امکان نہیں رکھتا) کہ وہ عورت جس عمر کی ہے اس عمر کی کوئی عورت اس کی حقیقی ماں یا اس کی حقیقی بہن ہو سکے تو نسب ثابت نہیں ہو گا اور ان دونوں کے درمیان جدائی نہیں کرائی جائے گی اور اگر مرد نے اپنی بیوی کے بارہ میں کہا کہ یہ میری حقیقی لڑکی ہے اور پھر بعد میں اپنی اس بات کی تردید بھی نہیں کی بلکہ اس پر اصرار کرتا رہا حالانکہ لوگوں کو اس لڑکی کا نسب معلوم ہے (یعنی دنیا جانتی ہے کہ یہ لڑکی اس کی نہیں ہے بلکہ دوسرے کی ہے) تو ان دونوں کے درمیان جدائی نہیں کرائی جائے گی اور اسی طرح اگر اس نے یہ کہا کہ یہ میری حقیقی ماں ہے حالانکہ لوگوں کو اس کا نسب معلوم ہے (یعنی سب جانتے ہیں کہ یہ اس کی ماں نہیں ہے) تو اس صورت میں بھی دونوں کے درمیان تفریق نہیں کرائی جائے گی۔

چوتھا سبب — جمع کرنا: یعنی وہ عورتیں جو دوسری عورتوں کے ساتھ جمع ہو کر محرمات میں سے ہو جاتی ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں۔
① اجنبی عورتوں کو جمع کرنا۔ ② ذوات الارحام کو جمع کرنا۔

پہلی قسم یعنی اجنبی عورتوں کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ (شریعت نے جس قدر نکاحوں کی اجازت دی ہے ان سے زیادہ نکاح کرنا چنانچہ شریعت نے آزاد مرد کو ایک وقت میں چار نکاح تک کی اجازت اور غلام کو ایک وقت میں دو نکاح تک کی اجازت دی ہے لہٰذا کسی آزاد شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک وقت میں چار سے زیادہ عورتوں کو جمع کرے (یعنی چار سے زیادہ عورتوں کو اپنی بیوی بنائے) اور غلام کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک وقت میں دو سے زیادہ عورتوں کو جمع کرے آزاد شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ایک وقت میں جتنی چاہے (بغیر نکاح) باندیاں رکھے باندیاں رکھنے کی تعداد کی کوئی قید نہیں ہے لیکن غلام کو (بغیر نکاح) باندی رکھنا جائز نہیں ہے اگرچہ اس کا آقا اجازت دے دے! آزاد شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اور وہ چار عورتیں خواہ آزاد ہوں خواہ باندیاں ہوں خواہ باندی اور آزاد دونوں ملی جلی ہوں۔

اگر کسی شخص نے پانچ عورتوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو پہلی چار کا نکاح جائز اور پانچویں کا باطل ہو گا اور اگر پانچوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تو پانچوں کا نکاح باطل ہو گا اسی طرح اگر کسی غلام نے تین عورتوں سے نکاح کیا تو یہی تفصیل ہو گی (کہ ان تینوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کرنے کی صورت میں تو پہلی دونوں کا نکاح صحیح ہو جائے گا اور تیسری کا باطل ہو گا اور اگر تینوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تو تینوں کا نکاح باطل ہو گا۔

اگر کسی حربی کافر نے پانچ کافرہ عورتوں سے نکاح کیا اور پھر وہ سب (یعنی پانچوں بیویاں اور شوہر) مسلمان ہو گئے تو اگر یہ پانچوں نکاح یکے بعد دیگرے ہوئے تھے تو پہلی چار بیویاں جائز رہیں گی اور پانچویں بیوی سے جدائی کرا دی جائے گی اور اگر پانچوں نکاح ایک ہی عقد میں ہوئے تھے تو پانچوں کا نکاح باطل ہو جائے گا اور ان پانچوں سے شوہر کی جدائی کرا دی جائے گی۔

اگر کسی شخص نے پہلے تو ایک عورت سے نکاح کیا اور پھر چار عورتوں سے ایک ساتھ نکاح کیا تو صرف پہلی کا نکاح درست ہو گا بعد کی ان چاروں کا نکاح درست نہیں ہو گا۔

اگر کسی عورت نے ایک عقد میں دو مردوں سے نکاح کیا اور ان میں سے ایک شخص کے نکاح میں پہلے سے چار عورتیں تھیں تو اس کا نکاح (اس) دوسرے شخص کے ساتھ صحیح ہو گا (جس کے نکاح میں پہلے سے چار بیویاں نہیں تھیں اور اگر ان دونوں کے نکاح میں پہلے سے چار چار بیویاں تھیں یا ان میں سے کسی ایک کے بھی نکاح میں چار عورتیں نہیں تھیں تو یہ نکاح کسی کے ساتھ بھی صحیح نہیں ہو گا)۔

جمع کرنے کی دوسری قسم یعنی ذوات الارحام کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ (ایسی دو عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھا جائے جو آپس میں ذی رحم اور نسبی رشتہ دار ہوں چنانچہ)دو بہنوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے اسی طرح دو بہنوں کو باندی بنا کر ان سے جماع کرنا بھی حرام ہے (یعنی اگر دو بہنیں بطور باندی کسی کی ملکیت میں ہوں تو دونوں سے جماع نہ کیا جائے اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)خواہ وہ دونوں نسبی (حقیقی) بہنیں ہوں یا رضاعی بہنیں ہوں۔

اس بارہ میں اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتیں جو ایک دوسرے کی رشتہ دار ہوں اور ایسا رشتہ ہو کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو آپس میں ان دونوں کا نکاح درست نہ ہو خواہ وہ رشتہ نسبی (حقیقی) ہو یا رضاعی ہو تو ایسی دو عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہوتا لہٰذا (جس طرح دو حقیقی یا رضاعی بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے اسی طرح) لڑکی اور اس کی حقیقی یا رضاعی پھوپھی کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے، ایسے ہی کسی لڑکی اور اس کی حقیقی یا رضاعی خالہ یا اسی قسم کی کسی اور رشتہ دار کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ہاں کسی عورت اور اس کے (پہلے)خاوند کی لڑکی کو (جو اس عورت کے بطن سے نہیں ہے)بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے کیونکہ اگر اس عورت کو مرد فرض کر لیا جائے تو اس کے شوہر کی اس لڑکی سے اس کو نکاح کرنا جائز ہوگا بخلاف اس کے عکس کے (کہ اگر اس لڑکی کو مرد فرض کر لیا جائے تو اس کے لئے اس عورت یعنی باپ کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا) اسی طرح کسی عورت اور اس کی باندی کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے بشرطیکہ پہلے اس باندی سے نکاح کیا ہو۔

اگر کسی شخص نے دو بہنوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تو (نکاح باطل ہوگا اور) ان دونوں کو ان کے شوہر سے جدا کرا دیا جائے گا اور پھر یہ جدائی اگر دخول (یعنی جماع) سے پہلے ہوگی تو ان دونوں کو مہر کے طور پر کچھ نہیں دلوایا جائے گا اور اگر جدائی دخول کے بعد ہوگی تو مہر مثل اور مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو دیا جائے گا۔ اگر کسی شخص نے دو بہنوں سے مختلف عقد میں یعنی یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو جو نکاح بعد میں ہوگا وہ فاسد ہو جائے گا اور شوہر کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اس سے علیحدگی اختیار کرے اگر وہ خود سے علیحدگی اختیار نہ کرے اور قاضی کو اس کا علم ہو جائے تو قاضی علیحدگی کرا دے۔ اور پھر یہ علیحدگی اگر دخول (جماع) سے پہلے واقع ہوگئی تو علیحدگی کے احکام (یعنی مہر و عدت وغیرہ) میں سے کوئی حکم نافذ نہیں ہوگا اور اگر دخول کے بعد علیحدگی واقع ہوگئی تو مہر مثل اور مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہ مہر مل جائے گا اور اس پر عدت واجب ہوگی اور اگر بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور اس شخص کو اپنی بیوی (یعنی پہلی منکوحہ) سے اس وقت تک علیحدہ رہنا ہوگا جب تک کہ اس کی بہن کی عدت پوری نہ ہو جائے اور اگر کسی شخص نے دو بہنوں سے دو عقد میں یعنی یکے بعد دیگرے نکاح کر لیا مگر یہ معلوم نہیں کہ کس بہن سے پہلے اور کس بہن سے بعد میں نکاح کیا تھا تو ایسی صورت میں شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ وہ بیان کرے، اگر وہ بیان کر دے (کہ فلاں بہن سے پہلے اور فلاں بہن سے بعد میں نکاح ہوا تھا) تو اس کے بیان کے مطابق عمل کیا جائے (یعنی پہلی کا نکاح باقی اور دوسری کا نکاح باطل قرار دیا جائے) اور اگر شوہر بھی بیان نہ کر سکے تو پھر قاضی ان دونوں ہی سے شوہر کی علیحدگی کرا دے، علیحدگی کے بعد ان دونوں کو نصف مہر ملے گا بشرطیکہ دونوں کا مہر برابر ہو اور عقد کے وقت متعین ہوا ہو اور یہ علیحدگی بھی جماع سے پہلے واقع ہوئی ہو۔اور اگر دونوں کا مہر برابر نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے مہر کا چوتھائی حصہ ملے گا۔اور اگر عقد کے وقت مہر متعین نہ ہوا تو آدھے مہر کی بجائے ایک جوڑا کپڑا دونوں کو دیا جائے گا۔اور اگر یہ علیحدگی جماع کے بعد ہوئی ہو تو ہر ایک کو اس کا مہر پورا ملے گا۔

اور ابو جعفر ہندوانیؒ فرماتے ہیں کہ مسئلہ مذکورہ بالا یہ حکم اس وقت ہوگا جب کہ ان دونوں میں سے ہر ایک یہ دعوی کرے کہ پہلے مجھ سے نکاح ہوا ہے اور گواہ کسی ایک کے بھی پاس نہ ہوں تو دونوں کو نصف مہر دلایا جائے گا لیکن اگر دونوں یہ کہیں کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ ہم میں سے کس کا نکاح پہلے ہوا ہے تو ان کے بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا جب تک کہ دونوں کسی ایک بات پر متفق ہو کر صلح نہ کر لیں اور دونوں کے صلح کی صورت یہ ہوگی کہ وہ دونوں قاضی کے پاس جا کر یہ کہیں کہ ہم دونوں کا مہر ہمارے خاوند پر واجب ہے اور

ہمارے اس مطالبہ میں کوئی تیسرا دعوی دار شریک نہیں ہے (یعنی ہمارے خاوند پر مہر کی جو رقم واجب ہے اس میں ہم دونوں کے علاوہ اور کسی تیسری عورت کا کوئی حق نہیں ہے) لہٰذا ہم دونوں اس بات پر صلح و اتفاق کرتی ہیں کہ نصف مہر لے لیں، اس کے بعد قاضی فیصلہ کر دے گا، اور اگر ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنا نکاح پہلے ہونے پر گواہ پیش کئے تو مرد پر نصف مہر واجب ہو گا جو دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا، اس حکم میں تمام علماء کا اتفاق ہے (نیز دو بہنوں کے سلسلہ میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں وہ ایسی تمام عورتوں میں بھی جاری ہوں گے جن کا جمع کرنا (یعنی جن کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا) حرام ہے اور اگر یہ شخص (یعنی جس نے دو بہنوں سے ایک عقد میں نکاح کر لیا تھا اور یہ نکاح باطل ہونے کی وجہ سے ان دونوں بہنوں اور اس کے درمیان علیحدگی کرا دی تھی) ان دونوں بہنوں کے علیحدہ ہو جانے کے بعد پھر ان دونوں میں سے کسی ایک سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ علیحدگی جماع سے پہلے ہوئی ہو اور اگر یہ علیحدگی جماع کے بعد ہوئی تھی تو اس صورت میں دونوں بہنوں کی عدت گزر جانے سے پہلے نکاح کرنا جائز نہیں ہو گا اور اگر ایک عدت میں ہے اور دوسری کی عدت پوری ہو گئی ہے تو اس بہن سے نکاح کرنا جائز ہو گا جو عدت میں ہے دوسری سے اس وقت تک نکاح کرنا جائز نہیں ہو گا جب تک اس بہن کی عدت پوری نہ ہو جائے جو عدت میں ہے اور اگر علیحدگی سے پہلے ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ جماع ہو گیا تھا تو اس بہن سے نکاح کرنا جائز ہو گا جس سے جماع ہو چکا تھا اور (اگر اس بہن سے نکاح کرنا چاہے جس سے جماع نہیں ہوا تھا تو) اس سے اس وقت تک نکاح کرنا جائز نہیں ہو گا جب تک اس بہن کی عدت پوری نہ ہو جائے جس سے جماع ہوا تھا، ہاں اگر اس بہن کی عدت پوری ہو جائے جس سے جماع ہوا تھا تو پھر ان دونوں میں سے جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے۔

جس طرح بیک وقت دو بہنوں کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے اسی طرح بیک وقت دو باندی بہنوں سے جنسی لطف حاصل کرنا (یعنی مساس و جماع وغیرہ کرنا) بھی جائز نہیں ہے (یعنی اگر کسی شخص کی ملکیت میں بیک وقت دو بہنیں بطور باندی ہوں تو وہ ان دونوں سے جنسی تلذذ حاصل نہ کرے بلکہ ان میں سے کسی ایک ہی سے مساس و جماع وغیرہ کرے) کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے جنسی لطف لینے کے بعد دوسری بہن حرام ہو جائے گی اس دوسری بہن سے اسی وقت جنسی لطف حاصل کر سکتا ہے جب کہ پہلی بہن کو اپنے اوپر حرام کر لے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے ایک باندی خریدی اور اس سے جماع کر لیا پھر اس کے بعد اس کی بہن کو خرید لیا تو صرف پہلی ہی سے جماع کر سکتا ہے دوسری سے جماع اس وقت تک حرام ہو گا جب تک کہ پہلی کو اپنے لئے حرام نہ کر لے اور حرام کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ یا تو کسی سے اس کا نکاح کر دے، یا اپنی ملکیت سے نکال دے، یا آزاد کر دے یا کسی کو ہبہ کر دے یا فروخت کر دے، یا صدقہ کر دے، اور یا مکاتب بنا دے۔

اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ بعض حصہ کو آزاد کرنا، کل حصہ کو آزاد کرنے کے مرادف ہے۔ (مثلاً کسی نے اپنی باندی سے کہا کہ میں نے تیرا آدھا حصہ یا تیرا چوتھائی حصہ آزاد کیا تو یہ کل کو آزاد کرنے کے مرادف ہو گا اور اس سے جماع کرنا جائز ہو گا) اسی طرح اس کے بعض حصہ کو اپنی ملکیت سے نکالنا کل کو اپنی ملکیت سے نکالنے کے مرادف ہو گا۔ اگر صرف یہ کہہ دیا جائے کہ پہلی مجھ پر حرام ہے تو اس کو کہہ دینے کی وجہ سے دوسری سے جماع کرنا جائز نہیں ہو گا۔ جیسا کہ ایک کے حیض و نفاس اور احرام و روزہ کی وجہ سے دوسری حلال نہیں ہو جاتی (یعنی جس طرح اگر ایک بہن حیض وغیرہ کی حالت میں حرام ہو جاتی ہے تو محض اس کی وجہ سے اس کی دوسری بہن حلال نہیں ہو جاتی، اسی طرح فقط اتنا کہہ دینا کہ پہلی میرے لئے حرام ہے۔ دوسری کو حلال کر دینے کے لئے کافی نہیں ہے)۔

اگر کسی شخص نے ان دونوں بہنوں سے جماع کر لیا جو بطور باندی اس کی ملکیت میں تھیں تو اس کے بعد ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ جماع نہیں کر سکتا تاوقتیکہ مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق دوسری کو اپنے لئے حرام نہ کر لے۔

اگر کسی شخص نے (ان دونوں باندی بہنوں میں سے کہ جو بیک وقت اس کی ملکیت میں تھیں) کسی ایک کو فروخت کر دیا لیکن وہ کسی عیب کی وجہ سے لوٹ کر آگئی یا اس کو ہبہ کر دیا تھا لیکن اپنے ہبہ کو ختم کر کے اسے واپس لے لیا، یا اس کا نکاح کر دیا تھا مگر اس کے شوہر نے اس

کو طلاق دے دی اور اس کی عدت بھی پوری ہو گئی تو ان صورتوں میں وہ شخص ان میں سے کسی ایک سے بھی جماع نہ کرے تاوقتیکہ دوسری بہن کو اپنے لئے حرام نہ کرلے۔

کسی شخص نے ایک باندی سے نکاح کرلیا اور اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے اس کی بہن کو خرید لیا تو اس کے لئے خریدی ہوئی باندی سے جنسی لطف حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ فراش (یعنی زوجیت کا استحقاق) نفس نکاح سے ثابت ہو جاتا ہے اس لئے اگر وہ خریدی ہوئی باندی سے جماع کرے گا تو یہی کہا جائے گا کہ اس نے فراش (یعنی زوجیت کے استحقاق) میں دو بہنوں کو جمع کیا اور یہ حرام ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنی باندی سے جماع کرلیا اور اس کے بعد اس کی بہن سے نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح ہوگا اور جب نکاح صحیح ہو گیا تو اب وہ باندی سے جماع نہ کرے گا اگرچہ ابھی تک منکوحہ سے جماع نہ کیا ہو اور اس منکوحہ سے اس وقت تک جماع نہ کرے جب تک کہ اپنی باندی (یعنی منکوحہ کی بہن) کو مذکورہ بالا طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے اپنے لئے حرام نہ کرلے اور اگر اس نے اپنی باندی کی بہن سے ایسی صورت میں نکاح کیا کہ اس باندی سے جماع نہیں ہوا ہے تو پھر منکوحہ سے جماع کرسکتا ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے جماع کے بعد اس کی بہن سے نکاح کیا مگر وہ نکاح کسی وجہ سے فاسد ہو گیا تو محض نکاح سے وہ باندی حرام نہ ہوگی ہاں اگر نکاح کے بعد وہ منکوحہ سے جماع کرلے تو باندی سے جماع کرنا حرام ہو جائے گا۔

اگر دو بہنوں نے کسی شخص سے یہ کہا کہ ہم نے اتنے مہر کے عوض تمہارے ساتھ اپنا نکاح کیا اور یہ الفاظ دونوں کی زبان سے ایک ساتھ ادا ہوئے اور اس شخص نے ان میں سے ایک کا نکاح قبول کرلیا تو یہ نکاح جائز ہو جائے گا اور اگر پہلے خود اس شخص نے ان دونوں بہنوں سے یہ کہا کہ میں نے تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ہزار روپیہ کے عوض اپنا نکاح کیا اور ان میں سے ایک نے قبول کرلیا اور دوسری نے انکار کردیا تو دونوں کا نکاح باطل ہوگا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے اپنا نکاح کرانے کے لئے ایک آدمی کو اپنا وکیل بنایا اور پھر کسی دوسرے آدمی کو بھی اسی کام کے لئے اپنا وکیل بنادیا، اس کے بعد ان دونوں میں سے ہر ایک وکیل نے ایک ایک عورت سے اس شخص کا نکاح ان عورتوں کی اجازت کئے بغیر کردیا اور پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دونوں عورتیں رضاعی بہنیں ہیں، نیز ان دونوں وکیلوں کی زبان سے نکاح کے الفاظ ایک ساتھ ادا ہوئے تھے تو اس صورت میں دونوں عورتوں کے نکاح باطل ہوں گے، اسی طرح اگر یہ دونوں نکاح ان عورتوں کی اجازت سے ہوں یا ایک کی اجازت سے اور ایک کی بغیر اجازت تو بھی یہی حکم ہوگا۔

ایک شخص مثلاً زید نے دو بہنوں سے نکاح کیا حالانکہ ان میں سے ایک بہن کسی دوسرے شخص کے نکاح میں تھی یا کسی دوسرے شوہر کے طلاق دینے کی وجہ سے ابھی عدت کے دن گزار رہی تھی تو اس صورت میں زید کا نکاح صرف دوسری بہن کے ساتھ صحیح ہوگا۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی، یا ایک طلاق بائن یا تین طلاق دی یا نکاح فاسد ہو جانے کی وجہ سے نکاح فسخ ہو گیا، یا شبہ ہو کر کسی عورت سے جماع کرلیا، غرضیکہ ان میں سے کسی بھی صورت کے پیدا ہونے کی وجہ سے وہ عورت کہ عدت کے دن گزار رہی ہو تو اس کے زمانہ عدت میں اس کی بہن سے وہ شخص نکاح نہیں کرسکتا اور جس طرح اس کے زمانہ عدت میں اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں اسی طرح اس کی کسی بھی ایسی رشتہ والی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں جو اس کے لئے ذوات الارحام میں سے ہو اور دونوں کا بیک وقت کسی ایک کے نکاح میں رہنا حرام ہو (مثلاً اس کے زمانہ عدت میں اس کی بھتیجی سے نکاح کرنا جائز نہیں) اور اسی طرح اس کے زمانہ عدت میں اس کے علاوہ مزید چار عورتوں سے نکاح کرنا بھی حلال نہیں۔

اگر کسی شخص نے اپنی باندی کو جو اُمّ ولد (یعنی اس کے بچہ کی ماں) تھی آزاد کردیا تو جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے اس کی بہن سے شادی کرنا جائز نہیں ہوگا۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے زمانہ عدت میں اس کے ماسوا چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہوگا

جب کہ صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس کے زمانہ عدت میں اس کی بہن سے بھی نکاح کر سکتا ہے۔

اگر کسی شوہر نے کہا کہ میری مطلقہ بیوی نے بتایا کہ اس کی عدت کے دن پورے ہو گئے ہیں (لہٰذا میں اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہوں) تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ طلاق دیئے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے، اگر طلاق دیئے ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا ہے جس میں عدت پوری ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں تو شوہر کا قول معتبر نہ ہوگا اس طرح اس کی مطلقہ بیوی کا یہ کہنا کہ "میری عدت پوری ہو گئی ہے" قابل اعتبار نہ ہوگا ہاں اگر وہ کوئی ایسی صورت بیان کرے جس میں عدت پوری ہونے کا احتمال ہو جیسے وہ یہ بیان کرے کہ طلاق کے دوسرے دن میرا حمل جس کے اعضاء پورے تھے ساقط ہو گیا ہے تو اس صورت میں اس کا قول معتبر ہوگا۔ اور طلاق کو اتنا عرصہ گزر چکا ہو کہ اس میں عدت پوری ہونے کا امکان ہو تو اگر عورت اپنے شوہر کے قول کی تصدیق کر دے یا اس مجلس میں موجود نہ ہو تو شوہر کا قول معتبر ہوگا اور اس کے لئے بیک وقت چار دوسری عورتوں سے یا سابقہ بیوی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہوگا بلکہ حنفی علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں اگر بیوی شوہر کو جھٹلا دے تو بھی شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

کسی شخص کی بیوی مرتد ہو کر دار الحرب چلی جائے تو شوہر کے لئے اس کی عدت پوری ہونے سے پہلے اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ اس کے مرجانے کی صورت میں اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے پھر اگر وہ مرتدہ عورت مسلمان ہو کر دار الحرب سے لوٹے اور اس کا شوہر اس کی بہن سے نکاح کر چکا ہو تو اس کی بہن کا نکاح فاسد نہیں ہوگا اور اگر وہ بہن کے ساتھ نکاح ہونے سے پہلے لوٹے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو اس صورت میں بھی وہ شخص اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے لیکن صاحبینؒ یعنی حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص اس صورت میں اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔

ایسی دو عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے جو ایک دوسرے کی پھوپھی یا ایک دوسرے کی خالہ ہوں اور اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً زید نے عمرو کی ماں سے اور عمرو نے زید کی ماں سے نکاح کیا اور ان دونوں کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوئیں تو ان میں ہر ایک لڑکی دوسری لڑکی کی پھوپھی ہوگی یا یہ کہ مثلاً زید نے عمر کی لڑکی سے اور عمر نے زید کی لڑکی سے نکاح کیا اور ان کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوئیں تو ان میں سے ہر ایک لڑکی کی خالہ ہوگی اور ان دونوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے ایسی دو عورتوں سے نکاح کر لیا جن میں سے ایک تو اس شخص کے لئے حرام تھی خواہ اس کی محرم ہونے کی وجہ سے یا شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اور یا بت پرست ہونے کی وجہ سے اور دوسری عورت ایسی تھی جس سے اس شخص کو نکاح کرنا جائز تھا تو ایسی صورت میں اس کا اس عورت کے ساتھ نکاح صحیح ہوگا جو اس کے لئے حلال تھی اور اس عورت کے ساتھ نکاح باطل ہوگا جو اس کے لئے حرام تھی اور مقرر کردہ کل مہر اسی عورت کو ملے گا جس کے ساتھ نکاح صحیح ہوا ہے۔ یہ حکم امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ہے اور اگر اس شخص نے نکاح کے بعد اس عورت سے جماع کر لیا جس کے ساتھ نکاح کرنا اس کے لئے حلال نہیں تھا تو اس کو مہر مثل ملے گا خواہ وہ کسی مقدار میں ہو اور مقرر کردہ کل مہر اس عورت کو ملے گا جس کے ساتھ نکاح کرنا حلال تھا۔

پانچواں سبب — مملوکہ ہونا: یعنی وہ باندیاں جن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے جب کہ پہلے سے آزاد عورت نکاح میں ہو۔ اسی طرح آزاد عورت اور باندی سے ایک ساتھ نکاح کرنا بھی حرام ہے۔ مدبر (یعنی وہ لونڈی جس سے اس کا آقا کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہو جائے گی) اور ام ولد (یعنی وہ باندی جس کے پیٹ سے اس کے آقا کا بچہ پیدا ہو) اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اگر کسی شخص نے ایک عقد میں ایک آزاد عورت اور ایک باندی سے نکاح کیا تو آزاد عورت کا نکاح صحیح ہوگا اور باندی کا نکاح باطل ہو جائے گا بشرطیکہ وہ آزاد عورت ایسی ہو جس سے نکاح کرنا اس کے لئے جائز تھا اگر وہ آزاد عورت ایسی ہو جس کے ساتھ نکاح کرنا اس کے لئے جائز نہیں تھا جیسے وہ اس کی پھوپھی یا خالہ تھی تو پھر باندی کا نکاح باطل نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی شخص نے پہلے باندی سے نکاح کیا

اور پھر آزاد عورت سے نکاح کیا تو دونوں کا نکاح صحیح ہوگا۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو جو ایک آزاد عورت ہے طلاق بائن یا تین طلاق دیدیں اور وہ ابھی تک اپنی عدت کے دن گزار رہی تھی کہ اس شخص نے ایک باندی سے نکاح کر لیا تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ" کا قول تو یہ ہے کہ باندی کا نکاح جائز نہیں ہوگا اور امام ابویوسف" و امام محمد" یہ فرماتے ہیں کہ جائز ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی طلاق رجعی کی عدت کے دوران کسی باندی سے نکاح کر لے تو اس کے بارہ میں متفقہ طور پر یہ مسئلہ ہے کہ اس کا نکاح جائز نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے ایک باندی اور ایک ایسی آزاد عورت کے ساتھ نکاح کیا جو نکاح فاسد یا جماع بشبہ کی عدت کے دن گزار رہی تھی تو باندی کا نکاح صحیح ہو جائے گا۔

اگر کسی شخص نے اپنی منکوحہ باندی کی طلاق رجعی کی عدت کے دوران کسی آزاد عورت سے نکاح کیا اور پھر اپنی اس منکوحہ باندی سے رجوع کر لیا (یعنی اپنی دی ہوئی طلاق واپس لے کر پھر اسے بیوی بنالیا) تو یہ جائز ہوگا۔

کسی غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر ایک آزاد عورت سے نکاح کیا اور اس سے جماع بھی کر لیا اور پھر آقا کی اجازت کے بغیر کسی باندی سے بھی نکاح کر لیا اور اس کے بعد اس کے آقا نے اس کو دونوں سے نکاح کی اجازت دے دی تو اس صورت میں آزاد عورت کا نکاح صحیح اور باندی کا نکاح باطل ہوگا۔

اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کی باندی سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا لیکن اس کے ساتھ جماع نہیں کیا اور پھر کسی آزاد عورت سے بھی نکاح کر لیا اور اس کے بعد باندی کے مالک نے نکاح کی اجازت دے دی تو اس صورت میں بھی باندی کا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی شخص نے ایک باندی سے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اور پھر اس باندی کی لڑکی سے جو آزاد تھی، نکاح کر لیا اور اس کے بعد باندی کے مالک نے باندی کے نکاح کی اجازت دی تو لڑکی کا نکاح صحیح ہوگا۔ باندی کا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

ایک شخص مثلاً زید کے ایک بالغہ لڑکی اور ایک بالغہ باندی ہے، زید نے کسی شخص سے کہا کہ میں نے دونوں کا نکاح اتنے مہر کے عوض تمہارے ساتھ کر دیا، اس شخص نے باندی کا نکاح قبول کر لیا تو یہ نکاح باطل ہوگا اور اگر اس کے بعد اس شخص نے آزاد لڑکی کا نکاح قبول کر لیا تو یہ نکاح جائز ہو جائے گا۔

اور اگر کوئی شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود کسی باندی سے نکاح کر لے اور وہ باندی خواہ مسلمان ہو یا اہل کتاب (یعنی یہودی اور عیسائی) تو نکاح صحیح ہو جائے گا لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت وقدرت رکھنے کے باوجود باندی سے نکاح کرنا مکروہ ہے۔

اگر کسی شخص نے ایک ہی عقد میں چار باندیوں اور پانچ آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کیا تو صرف باندیوں کا نکاح صحیح ہوگا۔

چھٹا سبب — **تعلق حق غیر**: یعنی ان عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے جن کے ساتھ کسی دوسرے مرد کا حق متعلق ہو۔ چنانچہ جو عورت کسی کے نکاح میں ہو، یا کسی کی عدت میں ہو اور عدت خواہ طلاق کی ہو، یا موت کی، یا نکاح فاسد کی کہ جس میں جماع ہو گیا تھا اور یا شبہ نکاح کی، تو ایسی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

اگر کسی شخص نے انجانے میں دوسرے کی منکوحہ عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ جماع بھی کر لیا تو اب جب کہ ان میں جدائی ہوگی تو عورت پر عدت واجب ہوگی اور اگر وہ شخص جانتا تھا کہ یہ دوسرے کی بیوی ہے تو جدائی کے بعد اس عورت پر عدت واجب نہیں ہوگی اور اس کے خاوند کے لئے اس سے جماع کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کا خاوند اسے طلاق دے دے تو صاحب عدت کے لئے زمانہ عدت میں اس سے نکاح کرنا جائز ہوگا بشرطیکہ عدت کے علاوہ اور کوئی مانع موجود نہ ہو۔

جس عورت کو زنا کا حمل ہو اس سے نکاح کرنا جائز ہے لیکن جب تک ولادت نہ ہو جائے خاوند کو اس سے جماع کرنا جائز ہے اور

اسباب جماع (یعنی بوسہ اور مساس وغیرہ) بھی ناجائز ہیں۔ اور اگر اس حاملہ زنا سے وہ شخص نکاح کرے جس نے اس کے ساتھ زنا کیا تھا تو اس کا نکاح بھی صحیح ہوگا اور وہ وضع حمل سے قبل جماع بھی کر سکتا ہے اور وہ عورت نفقہ کی مستحق ہوگی۔

ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا، کچھ عرصہ بعد عورت کا حمل ساقط ہو گیا جس کے اعضاء ظاہر ہو چکے تھے۔ اب اگر یہ اسقاط حمل، نکاح سے چار ماہ یا اس سے زائد عرصہ بعد ہوا ہے تو نکاح جائز ہوگا اور اگر چار مہینہ سے کم عرصہ میں یہ اسقاط ہوا ہے۔ تو نکاح جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ حمل کے اعضاء چار مہینہ سے کم میں ظاہر نہیں ہوتے (حاصل یہ کہ اگر اسقاط نکاح سے چار ماہ یا اس سے زائد عرصہ کے بعد ہوا ہے اور حمل کے اعضاء ظاہر ہیں تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ حمل اسی شخص کا ہے جس نے نکاح کیا ہے اور اگر چار ماہ سے کم عرصہ میں اسقاط ہوا ہے اور حمل کے اعضاء ظاہر ہیں تو پھر یہ احتمال ہوگا کہ وہ عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں تھی اور اس کا یہ حمل ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں نکاح صحیح نہیں ہوتا) اور ایسی حاملہ عورت جس کے بارہ میں یہ معلوم ہو کہ اس کا حمل فلاں شخص کے جائز نطفہ سے ہے تو متفقہ طور پر یہ مسئلہ ہے کہ اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اور امام ابو یوسفؒ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی ایسی عورت ہو جو حربی کافر سے حاملہ ہوئی ہو اور وہ ہجرت کر کے یا باندی بنا کر دار الاسلام میں لائی گئی ہو تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے لیکن جب تک اس کے ہاں ولادت نہ ہو جائے اس سے جماع کرنا جائز نہیں ہوگا۔ امام طحاویؒ نے اسی قول پر اعتماد کیا ہے، لیکن حضرت امام محمدؒ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ اس صورت میں نکاح جائز نہیں ہوتا، اسی پر امام کرخیؒ نے اعتماد کیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی اُم ولد باندی کا نکاح کسی کے ساتھ کر دیا درآنحالیکہ وہ اپنے آقا سے حاملہ تھی تو یہ نکاح باطل ہوگا۔ ہاں اگر وہ حاملہ نہ ہو تو پھر نکاح صحیح ہوگا۔

ایک شخص نے اپنی باندی سے جماع کیا اور اس کے بعد کسی سے اس کا نکاح کر دیا تو نکاح جائز ہوگا لیکن آقا کے لئے یہ مستحب ہوگا کہ وہ اپنے نطفہ کی حفاظت کی خاطر اس باندی سے استبراء کرائے (یعنی ایک حیض آنے کے بعد اس کو خاوند سے جماع کرانے دے) اور جب یہ نکاح جائز ہو گیا تو خاوند کے لئے (استبراء کا انتظار کئے بغیر) اس سے جماع کرنا بھی جائز ہوگا۔ یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور حضرت امام محمدؒ کا یہ قول ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ اس کا خاوند اس کے استبراء کے بغیر اس سے جماع کرلے۔ فقیہ ابو لیثؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت امام محمدؒ کا قول مبنی بر احتیاط ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں! لیکن اس مسئلہ میں ائمہ کا یہ اختلاف قول اس صورت میں ہے جب کہ آقا نے باندی کا نکاح استبراء کرائے بغیر کر دیا ہو، اور اگر نکاح سے پہلے استبراء ہو چکا تھا (یعنی آقا سے مجامعت کے بعد باندی کو ایک حیض آ گیا تھا) تو اس صورت میں سب کا متفقہ قول یہی ہے کہ خاوند کو استبراء کے بغیر اس سے جماع کرنا جائز ہوگا۔

کسی شخص نے ایک عورت کو زنا کراتے دیکھا اور پھر بعد میں خود اس سے نکاح کر لیا تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کو استبراء سے پہلے بھی اس سے جماع کرنا جائز ہوگا لیکن حضرت امام محمدؒ کا اس صورت میں بھی یہی قول ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ اس کا خاوند اس سے استبراء کے بغیر جماع کرلے۔ اگر کوئی شخص اپنے لڑکے کی باندی سے نکاح کرلے تو حنفیہ کے نزدیک یہ نکاح جائز ہو جائے گا۔

اگر کسی عورت کو قید کر کے دار الحرب سے دار الاسلام لایا گیا اور اس کا شوہر ساتھ نہیں ہے تو اس پر عدت واجب نہ ہوگی اور اس سے کوئی بھی شخص نکاح کر سکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر دار الحرب سے ہجرت کر کے دار الاسلام آجائے تو امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق اس پر بھی عدت واجب نہیں ہوگی اور اس سے کوئی بھی شخص نکاح کر سکتا ہے لیکن صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس پر عدت واجب ہوگی۔ (جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے) اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا لیکن اس بارہ

میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس سے جماع کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہوگا جب تک کہ ایک حیض آجانے کی وجہ سے استبراء نہ ہوجائے۔

ساتواں سبب ــــ اختلاف مذہب: یعنی وہ عورتیں جن کے مشرک ہونے کی وجہ سے ان سے نکاح کرنا حرام ہے، چنانچہ آتش پرست اور بت پرست عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں خواہ وہ آزاد ہوں یا باندی۔ اور بت پرستوں کے حکم میں وہ عورتیں بھی داخل ہیں جو سورج اور ستاروں کی پرستش کرتی ہیں، یا اپنی پسندیدہ تصویروں کی پوجا کرتی ہیں، یا یونانی حکماء کے نظریہ کے مطابق خدا کے بے کار (معطل) ہونے کا عقیدہ رکھتی ہیں، یا زندقہ (یعنی دہریت) میں مبتلا ہیں یا فرقہ باطنیہ اور فرقہ اباحیہ سے تعلق رکھتی ہیں (فرقہ باطنیہ سے وہ فرقہ مراد ہے جو قرآن کے باطنی معنی کا عقیدہ رکھتا ہے اور فرقہ اباحیہ سے وہ فرقہ مراد ہے جس کے ہاں دنیا کا ہر کام خواہ وہ اچھا ہو یا برا کرنا جائز ہے) اسی طرح ہر اس مذہب کو ماننے والی عورت بھی اسی حکم میں داخل ہے جس کو اختیار کرنا کفر کا باعث ہو، اسی طرح اپنی اس باندی سے جو آتش پرست مشرکہ ہو، جماع کرنا بھی ناجائز ہے۔

مسلمان کو کتابیہ (یعنی یہودی یا عیسائی) عورت سے جو دارالحرب میں رہتی ہو اور ذمیہ کافرہ (یعنی مسلمانوں کے ملک میں خراج دے کر رہنے والی) عورت سے شادی کرنا جائز ہے خواہ وہ آزاد ہو یا باندی ہو لیکن اولیٰ یہی ہے کہ ان سے بھی شادی نہ کی جائے اور نہ ان کا ذبح کیا ہوا جانور بغیر ضرورت کے کھایا جائے۔ اگر کسی مسلمان نے کسی یہودی یا عیسائی عورت سے شادی کرلی تو اس کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو اس کے عبادت خانہ (یعنی گرجا گھر وغیرہ) نہ جانے دے اور نہ اسے اپنے گھر میں شراب بنانے دے لیکن مسلمان شوہر کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ اپنی عیسائی یا یہودی بیوی کو حیض و نفاس کے منقطع ہونے اور جنابت لاحق ہونے پر غسل کے لئے مجبور کرے۔

اگر کسی مسلمان نے دارالحرب میں کتابیہ حربیہ سے نکاح کرلیا تو اس کا نکاح جائز ہوجائے گا لیکن مکروہ ہوگا اور پھر اس نکاح کے بعد دونوں میاں بیوی دارالاسلام آجائیں تو دارالحرب میں کیا ہوا نکاح باقی رہے گا۔ ہاں اگر یہ صورت ہو کہ شوہر دارالاسلام آجائے، بیوی کو وہیں چھوڑ آئے تو تباین دارین (ملک بدل جانے) کی وجہ سے دونوں میں جدائی ہوجائے گی۔

جو لوگ کسی آسمانی مذہب کے پیروکار ہوں اور ان کے فرقہ کے لئے آسمانی کتاب بھی ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام کے صحیفے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور وغیرہ، تو وہ لوگ اہل کتاب میں شمار ہوں گے اور ان کی عورتوں سے مسلمانوں کی شادی بھی جائز ہوگی اور ان کا ذبح کیا ہوا جانور کھانا بھی حلال ہوگا۔ اگر کسی شخص کے والدین میں سے ایک تو کتابی یعنی یہودی یا عیسائی ہو اور دوسرا آتش پرست ہو تو وہ شخص اہل کتاب میں شمار کیا جائے گا۔

ایک مسلمان نے کسی کتابیہ عورت سے شادی کی اور پھر وہ عورت (اپنا مذہب تبدیل کرکے) آتش پرست ہوگئی تو وہ اپنے مسلمان شوہر کے لئے حرام ہوجائے گی اور دونوں کی شادی کالعدم قرار پائے گی۔ اور اگر یہودی عورت سے شادی کی اور پھر وہ عیسائی ہوگئی، یا عیسائی عورت سے شادی کی اور شادی کے بعد وہ یہودی ہوگئی تو اس صورت میں نکاح باقی رہے گا۔ اس بارہ میں یہ اصول و ضابطہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ تبدیل مذہب کے وقت یہ دیکھا جائے گا کہ خاوند بیوی میں سے جس نے بھی اپنا مذہب چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب قبول کیا ہے وہ کوئی ایسا مذہب تو نہیں ہے کہ اگر وہ دونوں از سر نو شادی کریں تو اس مذہب کی وجہ سے ان کی شادی جائز نہ ہوسکے (مثلاً آتش پرستی ایسا مذہب ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی آتش پرست عورت سے شادی کرنا چاہے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا) چنانچہ اگر وہ مذہب ایسا ہوگا جس کے پیروکار اور مسلمان کے درمیان شادی بیاہ سرے سے جائز ہی نہیں ہوتا تو خاوند و بیوی میں سے جو بھی اپنا مذہب چھوڑ کر اس مذہب کو قبول کرے گا شادی کالعدم ہوجائے گی۔ اب رہی یہ بات کہ اگر مسلمان خاوند اور یہودی یا عیسائی بیوی میں سے کوئی بھی مجوسیت (یعنی آتش پرستی) اختیار کرلے اور اس کی وجہ سے ان دونوں کی شادی فاسد ہوجائے تو اس کے بعد کیا حکم ہوگا؟ تو اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر شادی کے فاسد ہونے کا سبب عورت بنی ہے یعنی بیوی نے مجوسیت اختیار کرلی ہے تو دونوں کے درمیان جدائی

ہو جائے گی اور اسے نہ مہر ملے گا اور نہ متعہ، بشرطیکہ اس نے جماع سے پہلے اپنا مذہب تبدیل کیا ہو، اور اگر اس نے اس وقت مجوسیت کو اختیار کیا جب کہ اس کا شوہر اس سے جماع کر چکا تھا تو پھر اس کو پورا مہر دیا جائے گا۔ اور اگر شادی کے فاسد ہونے کا سبب مرد بنا ہے یعنی خاوند نے اپنا مذہب چھوڑ کر مجوسیت کو اختیار کر لیا ہے اور خاوند و بیوی میں جدائی ہو گئی ہے تو اسے عورت کو مقررہ مہر کا آدھا دینا ہو گا بشرطیکہ یہ صورت حال جماع سے پہلے ہی واقع ہو چکی ہو اور اگر مہر مقرر نہیں تھا تو متعہ (ایک جوڑا کپڑا) دینا ہو گا اور اگر جماع کے بعد ایسا ہوا تو پھر اس عورت کو پورا مہر دینا واجب ہو گا۔

جو مسلمان مرتد ہو گیا ہو اس کا نکاح نہ تو کسی مرتدہ سے جائز ہوتا ہے نہ کسی کافرہ سے اور نہ کسی مسلمان عورت سے، اسی طرح جو مسلمان عورت، مرتدہ ہو جائے اس کا نکاح بھی کسی کے ساتھ جائز نہیں ہوتا۔

کسی مسلمان عورت کی شادی نہ تو مشرک سے جائز ہوتی ہے اور نہ کتابی یعنی یہودی یا عیسائی سے۔ بت پرست و آتش پرست عورت کی شادی ہر مشرک و کافر سے صحیح ہو جاتی ہے مگر مرتد کے ساتھ صحیح نہیں ہوتی۔ ذمی کافروں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے اگرچہ ان کے مذاہب مختلف ہوں۔

مسلمان کے لئے اپنی مسلمان بیوی کی موجودگی میں کتابیہ (یعنی یہودی یا عیسائی عورت) سے اور اپنی کتابیہ بیوی کی موجودگی میں مسلمان عورت سے عقد ثانی جائز ہے اور نوبت (یعنی شب گزاری کے لئے باری) مقرر کرنے کے سلسلہ میں دونوں کے حقوق برابر ہوں گے۔

آٹھواں سبب — مالک ہونا: یعنی وہ عورتیں جو مالک ہونے کی وجہ سے اپنے مملوک (غلام) کے لئے حرام ہیں چنانچہ کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے غلام سے نکاح کرے، اسی طرح اس کو اس غلام کے ساتھ بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے جو اس کے اور کسی دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہو۔ اگر نکاح کے بعد خاوند و بیوی میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے کل یا جزو کا مالک ہو جائے تو نکاح باطل ہو جائے گا۔

اگر کسی مرد نے اپنی لونڈی سے نکاح کر لیا، یا اس لونڈی سے نکاح کیا جس کا وہ جزوی مالک ہے تو یہ نکاح صحیح نہیں ہو گا۔ لیکن اس بارہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ ہمارے زمانہ میں لونڈی غلاموں کی خرید و فروخت کا بالکل رواج نہیں رہا اور نہ آج کے دور میں وہ شرائط و قیود پائی جاتی ہیں جن کی موجودگی میں لونڈی سے جماع جائز ہوتا ہے اسی لئے بعض علماء لکھتے ہیں کہ اگر کہیں لونڈی رکھنے کا کوئی رواج ہو تو (اس سے جماع نہ کرنا چاہئے بلکہ) اس لونڈی سے نکاح کر لینا چاہئے۔ تاکہ اگر واقعۃً لونڈی نہ ہو بلکہ آزاد عورت ہو تو نکاح کی وجہ سے اس سے جماع کرنا جائز ہو جائے۔

اگر کسی آزاد مرد نے اپنی بیوی کو (جو کسی کی باندی ہو) شرط خیار کے ساتھ خرید لیا تو اس صورت میں اس کا نکاح باطل نہیں ہو گا۔ یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

نواں سبب — طلاق: یعنی وہ عورتیں جو طلاق سے حرام ہو جاتی ہیں چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو جو آزاد عورت ہو تین طلاق دے دیں تو اس کے بعد اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا ہاں اگر وہ عورت (اپنی عدت پوری کر کے) دوسرے کسی مرد سے نکاح کر لے اور دونوں میں مجامعت ہو جائے اور پھر وہ مرد اس کو طلاق دے دے تو عدت گزرنے کے بعد پہلے شوہر کے لئے اس سے نکاح کرنا جائز ہو جاتا ہے اور اگر کسی شخص نے کسی باندی سے نکاح کیا اور پھر اسے دو طلاقیں دے دیں تو اس کے بعد اس سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا اور جس طرح اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اسی طرح اس کو باندی بنا کر اس سے جماع کرنا بھی درست نہیں۔

ایک شخص نے کسی کی باندی سے نکاح کیا اور پھر دو طلاقیں دے دیں اس کے بعد اس کو خرید کر آزاد کر دیا اب اگر وہ اس سے نکاح کرنا چاہے تو وہ اس صورت میں جائز ہو گا کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ مرد اس کے ساتھ جماع کرے اور پھر اس کو

طلاق دے دے اور جب عدت کے دن پورے ہو جائیں تو وہ شخص (یعنی پہلا شوہر) اس سے نکاح کر لے۔

متعلقہ ضروری مسائل

یہاں تک محرمات کا ذکر پورا ہو گیا، اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس باب سے متعلق چند ضروری مسائل نقل کر دیئے جائیں۔

نکاح متعہ باطل ہے، اور جب کسی عورت سے اس طرح کا نکاح (یعنی متعہ) جائز ہی نہیں ہو گا تو نہ اس سے جماع کرنا حلال ہو گا، نہ پر طلاق واقع ہو گی اور نہ اس پر ایلاء اور ظہار کے احکام نافذ ہوں گے، اسی طرح ان کے درمیان وراثت کا کوئی سلسلہ بھی قائم نہیں

نکاح متعہ کی صورت یہ ہے کہ کوئی مرد کسی ایسی عورت سے جو موانع (یعنی کسی دوسرے کی زوجیت یا عدت وغیرہ) سے خالی ہو، یہ کہے کہ میں مال کی اتنی مقدار مثلاً ایک ہزار روپیہ کے عوض اتنی مدت مثلاً دس روز کے لئے تمتع یعنی فائدہ اٹھاؤں گا۔ یا یوں کہے کہ "تم اتنے روپیہ کے عوض دس روز یا چند روز تک اپنے نفس سے مجھے متمتع یعنی بہرہ مند کرد" اور جس طرح نکاح متعہ ناجائز ہے اسی طرح نکاح موقت بھی ناجائز ہے اور نکاح موقت میں مدت قلیل ہو یا کثیر، متعین ہو یا غیر متعین، بہر صورت نکاح ناجائز ہو گا، ہاں اگر دونوں کسی ایسی مدت کا تعین کریں جو اتنی طویل ہو کہ اتنی مدت تک دونوں کا زندہ رہنا ناممکن ہو مثلاً یہ کہیں کہ ہم نے ایک ہزار سال کے لئے نکاح کیا، تو اس صورت میں نکاح موقت کا حکم جاری نہیں ہو گا بلکہ نکاح صحیح ہو جائے گا اور وقت کی شرط باطل ہو جائے گی۔ جیسا کہ نکاح کا وقت وقوع قیامت یا خروج دجال یا نزول عیسی تک کی مدت بیان کرنے کی صورت میں نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور وقت کی شرط باطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر نکاح کا وقت متعین نہیں کیا لیکن دل میں مدت متعین تھی یعنی نکاح کرنے والے کا یہ خیال تھا کہ اس کو ایک سال تک اپنے پاس رکھوں گا، پھر چھوڑ دوں گا تو اس صورت میں بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ ایک ماہ بعد طلاق دے دوں گا، تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے نکاح کے وقت عورت سے یہ شرط کی کہ میں دن میں تمہارے ساتھ رہا کروں گا رات میں نہیں تو یہ نکاح بھی صحیح ہو جائے گا۔

اگر مرد و عورت دونوں احرام باندھے ہوئے ہوں تو ان کے لئے احرام کی حالت میں نکاح کرنا جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی ولی احرام باندھے ہوئے ہو تو احرام کی حالت میں اس عورت کا نکاح کر سکتا ہے جس کا وہ ولی ہے۔

ایک عورت نے (قاضی کی عدالت میں) کسی مرد مثلاً زید کے بارہ میں دعوی کیا کہ اس نے میرے ساتھ نکاح کیا ہے اور ثبوت کے طور پر اس نے دو گواہ بھی پیش کر دیئے، قاضی نے فیصلہ کر دیا کہ زید اس عورت کا شوہر ہے حالانکہ واقعۃً زید نے اس عورت سے نکاح نہیں کیا تھا تو اس عورت کے لئے جائز ہو گا کہ وہ زید کے ساتھ رہنے لگے اور زید کے لئے یہ جائز ہو گا کہ اگر وہ عورت اس سے جماع کی خواہش ظاہر کرے تو جماع کرے۔

یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا پہلا قول بھی یہی ہے لیکن ان کا دوسرا قول اس کے خلاف ہے اور حضرت امام محمدؒ کے قول کے مطابق ہے، امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں مرد کے لئے اس عورت سے جماع کرنا جائز نہیں ہو گا۔ مسئلہ مذکورہ میں قاضی کا فیصلہ عقد نکاح کے حکم میں ہو گا (یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ گویا قاضی نے اس وقت نکاح کر دیا اس لئے عورت کو مرد کے ساتھ رہنے اور امام اعظمؒ کے قول کے مطابق اس کی خواہش پر زید کو اس سے جماع کرنے کی بھی اجازت ہے) لیکن شرط یہ ہے کہ اس وقت عورت میں نکاح کی صلاحیت ہو (یعنی ایسا کوئی مانع موجود نہ ہو جو اس کو زید کی بیوی بننے سے روک دے) چنانچہ اگر یہ صورت ہو کہ قاضی کے فیصلہ کے وقت وہ عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو یا پہلے شوہر کے طلاق دے دینے کی وجہ سے عدت کے دن گزار رہی ہو، یا اس مرد یعنی زید نے اس کو تین طلاق دے رکھی ہو تو پھر قاضی کا فیصلہ نافذ نہیں ہو گا اور یہ عورت زید کی بیوی نہیں بنے گی، اسی طرح اکثر علماء کے نزدیک قاضی کے فیصلہ کے نفاذ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس فیصلہ کے وقت گواہ بھی موجود ہوں۔ اور اگر

خود زید کسی عورت کے بارہ میں دعویٰ کرے کہ میں نے اس عورت سے نکاح کیا تھا اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش کرے تو اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو اوپر ذکر کیا گیا اسی طرح اگر کوئی عورت قاضی کی عدالت میں یہ دعویٰ کرے کہ میرے شوہر زید نے مجھے طلاق دے دی تھی اور اس نے جھوٹے گواہ بھی پیش کئے تو قاضی طلاق کا فیصلہ صادر کر دے گا باوجودیکہ وہ عورت جانتی ہے کہ میں نے جھوٹ بولا ہے لہٰذا قاضی کا یہ فیصلہ طلاق کے حکم میں ہوگا اور اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اس کے بعد وہ عورت عدت کے دن گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے اور گواہ کے لئے بھی اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہوگا نیز وہ عورت نہ تو پہلے شوہر زید کے لئے حلال ہوگی یعنی اس سے نکاح نہیں کر سکتی اور نہ اس کے لئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا جائز ہوگا، نیز وہ عورت اپنے پہلے خاوند یعنی زید کے لئے حرام ہو جائے گی لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں وہ عورت نہ تو پہلے شوہر زید کے لئے حلال ہوگی یعنی اس سے نکاح نہیں کر سکتی اور نہ اس کے لئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا جائز ہوگا، حضرت امام محمدؒ کا یہ قول ہے کہ جب تک دوسرا مرد (جس سے اس نے نکاح کر لیا ہو) اس سے جماع نہ کرے پہلے شوہر کے لئے حلال رہے گی، اگر دوسرا مرد اس سے جماع کر لے گا، تو پھر جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے عدت واجب ہونے کی وجہ سے پہلے شوہر کے لئے حرام رہے گی، گویا امام محمدؒ کے نزدیک دوسرے کے ساتھ اس کا نکاح سرے سے جائز ہی نہیں ہوتا۔

ایک شخص مثلاً زید نے کسی عورت مثلاً خالدہ کے بارہ میں دعویٰ کیا کہ اس نے میرے ساتھ نکاح کیا تھا لیکن خالدہ نے اس سے انکار کیا اس کے بعد زید نے خالدہ سے صلح کرنی چاہی اور اس سے کہا کہ اگر تم اقرار کر لو تو میں تمہیں ایک سو روپے دوں گا۔ خالدہ نے اقرار کر لیا تو اب زید پر یہ مال یعنی خالدہ کو ایک سو روپیہ دینا واجب ہوگا اور خالدہ کا یہ اقرار عقد نکاح سمجھا جائے گا چنانچہ خالدہ نے یہ اقرار اگر گواہوں کے سامنے کیا ہوگا تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور خالدہ کے لئے زید کے ساتھ رہنا عند اللہ بھی صحیح سمجھا جائے گا (یعنی اس صورت میں وہ دونوں نہ صرف دنیاوی اور قانونی طور پر میاں بیوی سمجھے جائیں گے بلکہ اس کی وجہ سے ان پر کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا) ہاں اگر خالدہ کے اقرار کے وقت گواہ موجود نہ ہوں گے تو نہ نکاح منعقد ہوگا اور نہ خالدہ کے لئے زید کے ساتھ رہنا جائز ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی کو ایک وقت اپنے نکاح میں نہ رکھا جائے

① عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُجْمَعُ بَیْنَ الْمَرْأَۃِ وَعَمَّتِھَا وَلَا بَیْنَ الْمَرْأَۃِ وَخَالَتِھَا۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کسی عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ اپنے نکاح میں نہ رکھا جائے اور نہ کسی عورت کو اس کی خالہ کے ساتھ اپنے نکاح میں رکھا جائے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "پھوپھی اور خالہ" سے عمومیت مراد ہے یعنی خواہ حقیقی پھوپھی اور خالہ ہوں جیسے اس عورت کے باپ اور ماں کی بہن یا مجازی ہوں جیسے اس عورت کے دادا اور پڑدادا (یا اس سے اوپر کے درجہ) کی بہن اور نانی و پڑنانی (یا اس سے اوپر کے درجہ) کی بہن۔ حدیث میں پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کی تخصیص محض اتفاقی ہے کہ کسی شخص نے ان دونوں ہی کے بارہ میں پوچھا ہوگا اس لئے آپ ﷺ نے صرف انہی دو کا تذکرہ فرمایا ورنہ ان دونوں کے علاوہ اور بھی کچھ عورتیں ایسی ہیں جن کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے گزشتہ صفحات میں اس کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہوگا۔

حرمت رضاعت کا ذکر

② وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَۃِ مَا یَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَۃِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" دودھ پینے کی وجہ سے وہ رشتے حرام ہوتے ہیں جو پیدائش کی وجہ سے حرام ہیں۔" (بخاریؒ)

تشریح: یعنی جو رشتے، نسب کی وجہ سے ایک دوسرے کے لئے حرام ہیں وہی رشتے دودھ پینے کی وجہ سے بھی ایک دوسرے کے لئے حرام ہو جاتے ہیں مثلاً جس طرح نسبی یعنی حقیقی بہن اپنے بھائی کے لئے حرام ہے اسی طرح رضاعی بہن بھی حرام ہے۔ ہاں کچھ مسائل ایسے ہیں جو اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں، چنانچہ بعض صورتوں میں نسبی رشتہ اور رضاعی رشتہ کے درمیان فرق ہو جاتا ہے جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگرچہ رضاعت سے نکاح حرام ہو جاتا ہے اور نظر و خلوت اور مسافرت حلال ہو جاتی ہے (یعنی مثلاً رضاعی ماں بیٹے کے درمیان نکاح تو حرام ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کی طرف نگاہ ڈالنا، اور ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں اٹھنا بیٹھنا اور ایک دوسرے کے ساتھ تنہا سفر کرنا جائز ہو جاتا ہے لیکن رضاعی رشتہ پر نسبی رشتہ کے تمام احکام نافذ نہیں ہوتے چنانچہ رضاعی رشتہ میں نہ تو ایک دوسرے کا وارث ہوتا ہے، نہ ایک دوسرے پر نان نفقہ واجب ہوتا ہے، نہ ایک دوسرے کی ملکیت میں آجانے سے آزادی مل جاتی ہے اور اگر دودھ پلانے والی اپنا دودھ پینے والے کو قتل کردے تو اس کے ذمہ سے اس کا قصاص بھی ساقط نہیں ہوتا چنانچہ ان تمام صورتوں میں وہ دونوں رضاعی رشتہ دار بالکل اجنبیوں کی طرح ہوتے ہیں۔

(۴) وَعَنْها قَالَتْ جَاءَ عَمِّي مِنَ الرَّضَاعَةِ فَاسْتَأْذَنَ عَلَيَّ فَأَبَيْتُ اَنْ اٰذَنَ لَهُ حَتّٰى اَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ اِنَّهُ عَمُّكِ فَأْذَنِيْ لَهُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا اَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ فقال رسُوْلُ اللّٰه صلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ وَذٰلِكَ بَعْدَ مَا ضُرِبَ عَلَيْنَا الْحِجَابُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) میرے رضاعی چچا میرے گھر آئے اور انہوں نے میرے پاس آنے کی اجازت مانگی، میں نے ان کو اجازت دینے سے انکار کر دیا تاکہ میں رسول کریم ﷺ سے پوچھ لوں (کہ ان کا میرے پاس آنا درست ہے یا نہیں؟) چنانچہ جب رسول کریم ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ سے اس کے بارہ میں پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "وہ تمہارے چچا ہیں، ان کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دو" حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (یہ سن کر) میں نے عرض کیا کہ "مجھ کو تو عورت نے دودھ پلایا تھا کسی مرد نے تو دودھ نہیں پلایا تھا" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تمہارے چچا ہیں اس لئے وہ تمہارے پاس آسکتے ہیں" (حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ) میرے رضاعی چچا کی یہ آمد اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ ہمارے لئے (اجنبی مردوں سے) پردہ کرنا واجب ہو چکا تھا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت عائشہؓ کے جن رضاعی چچا کا ذکر کیا گیا ہے ان کا نام افلح تھا اور حضرت عائشہؓ نے جس عورت کا دودھ پیا تھا اس کے خاوند ابوالقیس تھے وہ اور افلح بھائی تھے اس رشتہ سے وہ حضرت عائشہؓ کے رضاعی چچا ہوئے۔

"مجھ کو تو عورت نے دودھ پلایا ہے الخ" سے حضرت عائشہؓ کا مطلب یہ تھا کہ میں نے چونکہ عورت کا دودھ پیا ہے اس لئے میرا رضاعت کا تعلق تو عورت سے قائم ہوا ہے نہ کہ مرد سے، گویا حضرت عائشہؓ یہ سمجھتی تھیں کہ کسی عورت کا دودھ پلانا اس کے خاوند کے قرابت داروں سے رضاعت کا تعلق قائم نہیں کرتا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے اس گمان کی تصحیح کی کہ کسی عورت کا دودھ پلانا جس طرح اس عورت سے اور اس کے قرابت داروں سے رضاعت کا رشتہ قائم کر دیتا ہے اسی طرح اس کے خاوند اور خاوند کے قرابت داروں سے بھی رضاعی تعلق پیدا کر دیتا ہے اور جس طرح رضاعی ماں کی بہن رضاعی خالہ اور اس کی بیٹی رضاعی بہن ہوتی ہے

اسی طرح اس کے خاوند کا بھائی بھی رضاعی چچا ہوتا ہے اور رضاعی چچا چونکہ حقیقی چچا کی مانند ہے اس لئے افلح تمہارے پاس شوق سے آئیں ان سے کوئی شرم و پردہ نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح دودھ پلانے والی کے قرابت داروں کے ساتھ حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اس طرح اس کے خاوند کے قرابت داروں سے بھی حرمت رضاعت کا تعلق ہو جاتا ہے۔

رضاعی بھتیجی سے نکاح کرنا حرام ہے

④ وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِيْ بِنْتِ عَمِّكَ حَمْزَةَ فَاِنَّهَا اَجْمَلُ فَتَاةٍ فِيْ قُرَيْشٍ فَقَالَ لَهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ حَمْزَةَ اَخِيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) کے چچا (حمزہؓ) کی لڑکی آپ ﷺ کو اپنے نکاح کے لئے کیوں پسند نہیں ہے؟ وہ تو قریش کی جوان عورتوں میں ایک حسین ترین لڑکی ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حمزہؓ میرے دودھ شریک بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام قرار دیئے ہیں وہی رشتے رضاعت کی وجہ سے حرام قرار دیئے ہیں۔" (مسلم)

تشریح: یوں تو حضرت حمزہؓ ابولہب کی طرح آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا تھے لیکن وہ آپ ﷺ کے دودھ شریک بھائی بھی تھے، جس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ ابولہب کے ہاں ایک لونڈی تھی جس کا نام ثوبیہ تھا۔ ثوبیہ نے پہلے حضرت حمزہؓ کو دودھ پلایا تھا اور پھر چار سال کے بعد آنحضرت ﷺ کو بھی دودھ پلایا یہ وہی ثوبیہ ہے جس نے جب ابولہب کو آنحضرت ﷺ کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنائی تو ابولہب نے بھتیجے کی پیدائش کی خوشی میں اس کو آزاد کر دیا، بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش پر ابولہب نے اپنی اس خوشی و مسرت کا جو اظہار کیا تھا اس کی وجہ سے پیر (سوموار) کے دن حق تعالیٰ کی طرف سے ابولہب کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ پیر ہی کے دن پیدا ہوئے تھے۔

آنحضرت ﷺ کو چار عورتوں نے دودھ پلایا تھا، آپ ﷺ کی والدہ محترمہ نے، حضرت حلیمہؓ نے، ثوبیہ نے اور اُم ایمن نے جو آپ کے والد محترم حضرت عبداللہ کی لونڈی تھیں۔

رضاعت کی مقدار

⑤ وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ قَالَتْ اِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ اَوِ الرَّضْعَتَانِ وَفِيْ رِوَايَةِ عَائِشَةَ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ وَفِيْ اُخْرٰى لِاُمِّ الْفَضْلِ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْاِمْلَاجَةُ وَالْاِمْلَاجَتَانِ هٰذِهٖ رِوَايَاتٌ لِمُسْلِمٍ۔

"اور حضرت اُم فضل کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ایک بار یا دو بار دودھ پینا حرام نہیں کرتا (یعنی ایک بار یا دو بار چوسنے سے نکاح کے لئے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی) اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "ایک بار یا دو بار چوسنا (نکاح کو) حرام نہیں کرتا" اور اُم فضل کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "ایک بار یا دو بار (منہ میں) چھاتی داخل کر لینا (نکاح کو) حرام نہیں کرتا" (یہ سب روایتیں مسلمؒ نے نقل کی ہیں)۔"

تشریح: بظاہر ان روایتوں سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ایک بار یا دو بار دودھ چوسنے سے نکاح حرام نہیں ہوتا ہاں تین بار یا اس سے زائد مرتبہ دودھ چوسنے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، چنانچہ بعض علماء نے اسی پر عمل کرنے کا فتویٰ دیا ہے، لیکن حنفیہ اور اکثر علماء کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ مطلق دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے خواہ وہ مقدار کے اعتبار سے کم ہو یا زیادہ ہو بشرطیکہ

دودھ بچہ کے حلق سے نیچے اتر کر پیٹ میں پہنچ جائے اور وہ دودھ بھی مدت رضاعت (شیر خوارگی کی مدت) میں پیا گیا ہو۔ اور مدت رضاعت اکثر علماء بشمول صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دو سال کی عمر تک ہے جب کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ مدت رضاعت ڈھائی سال کی عمر تک ہے لیکن حنفی مسلک میں صاحبینؒ ہی کے قول پر فتویٰ ہے۔

جو علماء یہ کہتے ہیں کہ مطلق دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے ان کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ۔ (النساء ۴: ۲۳)

"اور تم پر تمہاری رضاعی مائیں حرام ہیں۔"

اس روایت میں مطلق دودھ پینے کی حرمت رضاعت کا ذکر ہے کم وزیادہ کی کوئی قید نہیں لہٰذا خبر واحد کو چونکہ یہ درجہ حاصل نہیں ہوگا کہ وہ قرآن کریم کے کسی مطلق حکم کو مقید کرے اس لئے مذکورہ روایت اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ حرمت رضاعت اسی صورت میں ثابت ہوتی ہے جب کہ بچہ نے تین بار یا تین بار سے زائد دودھ چوسا ہو، نیز ان حضرات کی ایک دلیل حضرت عائشہؓ کی وہ روایت (۲) بھی ہے جس میں مطلق دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جانے کو ان الفاظ کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے۔

يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ۔

"دودھ پینے سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو پیدائش کی وجہ سے حرام ہیں۔"

حرمت رضاعت کے سلسلہ میں حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بچہ پانچ بار سے کم دودھ پئے تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، ان کی دلیل آگے آنے والی حدیث ہے۔

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ فِيْمَا اُنْزِلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُوْمَاتٍ فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ فِيْمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (رواه مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ قرآن کریم میں یہ حکم نازل ہوا تھا کہ "دس بار دودھ پینا، جب کہ اس کے پینے کا کامل یقین ہو (نکاح کو) حرام کرتا ہے" پھر یہ حکم پانچ بار پینے کے ساتھ کہ جس کے پینے کا کامل یقین ہو، منسوخ ہو گیا (یعنی جب بعد میں یہ حکم نازل ہوا کہ پانچ بار دودھ پینا کہ اس کے پینے کا کامل یقین ہو، حرمت رضاعت ثابت کرتا ہے تو پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور یہ آیت قرآن کریم میں تلاوت کی جاتی رہی۔" (مسلمؒ)

تشریح: پہلے یہی حکم تھا کہ اگر کوئی بچہ کسی عورت کا دس بار دودھ پی لے تو ان دونوں کے درمیان حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، بعد میں نہ صرف یہ کہ یہ حکم ہی منسوخ ہو گیا بلکہ اس آیت کی تلاوت بھی منسوخ ہو گئی جس میں یہ حکم تھا اور یہ آیت نازل ہوئی کہ پانچ بار دودھ پینا نکاح کو حرام کرتا ہے اور پھر اس آیت کی تلاوت بھی تمام صحابہؓ کے نزدیک تو منسوخ ہو گئی لیکن حضرت عائشہؓ کی قرأت میں اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی یہاں تک کہ اب حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا حکم تو باقی ہے کہ حرمت رضاعت پانچ بار دودھ پینے ہی سے ثابت ہوتی ہے اور اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہے لیکن حضرت امام اعظمؒ اور دیگر علماء کے نزدیک اس آیت کی تلاوت بھی منسوخ ہو گئی اور اس کا حکم بھی اس مطلق آیت وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ کے ذریعہ منسوخ ہو گیا۔

مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

⑦ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا رَجُلٌ فَكَاَنَّهٗ كَرِهَ ذٰلِكَ فَقَالَتْ اِنَّهٗ اَخِيْ فَقَالَ انْظُرْنَ مَنْ اِخْوَانُكُنَّ فَاِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے تو اس وقت ان کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا (اسے دیکھ کر) آنحضرت ﷺ کو گویا ناگواری ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے (آپ ﷺ کی اس ناگواری کو محسوس کر کے) عرض کیا کہ "یہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں" آپ نے فرمایا کہ دیکھا (یعنی یہ غور کرو اور سوچو) کہ تمہارا بھائی کون ہو سکتا ہے، کیونکہ شرعی طور پر رضاعت کا اعتبار بھوک کے وقت ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ دودھ پینے کے احکام اسی صورت میں جاری ہوتے ہیں جب کہ دودھ بطور غذا پیا گیا ہو اور اس سے بھوک دور کی گئی ہو۔ چنانچہ یہ بات خورد سالی یعنی ایام شیر خوارگی ہی میں ہوتی ہے۔ اور شیر خوارگی کی مدت اکثر علماء کے نزدیک دو سال اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ڈھائی سال کی عمر تک رہتی ہے اس مدت میں بچہ کی غذائی ضرورت و خواہش کا دارو مدار عورت کے دودھ پر ہوتا ہے، جب تک وہ دودھ نہیں پیتا اس کی بھوک ختم نہیں ہوتی، لہٰذا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ بڑی عمر میں یعنی مدت رضاعت ختم ہو جانے کے بعد کسی عورت کا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور وہ شخص جو اس وقت حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور جسے حضرت عائشہؓ نے اپنا دودھ شریک بھائی کہا تھا اس نے درحقیقت بڑی عمر میں دودھ پیا تھا اور چونکہ بڑی عمر میں دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اس لئے آنحضرت ﷺ کو ان کا حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھنا ناگوار ہوا۔

ثبوت رضاعت کے سلسلہ میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

⑧ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِاَبِي اِهَابِ بْنِ عَزِيْزٍ فَاَتَتِ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ قَدْ اَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِي تَزَوَّجَ بِهَا فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ مَا اَعْلَمُ اَنَّكِ قَدْ اَرْضَعْتِنِي وَلَا اَخْبَرْتِنِي فَاَرْسَلَ اِلَى اٰلِ اَبِي اِهَابٍ فَسَأَلَهُمْ فَقَالُوْا مَا عَلِمْنَا اَرْضَعَتْ صَاحِبَتَنَا فَرَكِبَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ وَقَدْ قِيْلَ فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عقبہ ابن حارثؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ابواہاب ابن عزیز کی بیٹی سے نکاح کیا تو ایک عورت نے آکر کہا کہ میں نے عقبہ کو اور ابواہاب کی بیٹی کو جس سے عقبہؓ نے شادی کی ہے دودھ پلایا ہے (لہٰذا عقبہ اور ابواہاب کی بیٹی چونکہ دودھ شریک بھائی بہن ہوئے اس لئے ان کا نکاح باطل ہوا) عقبہ نے اس عورت سے کہا کہ مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے مجھے (اس سے پہلے) اس بارہ میں بتایا، پھر عقبہؓ نے ایک آدمی کو ابواہاب کے خاندان والوں کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ کیا اس عورت نے تمہاری بیٹی کو دودھ پلایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس عورت نے ہماری لڑکی کو دودھ پلایا ہو۔ اس کے بعد عقبہؓ سوار ہو کر مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور آپ ﷺ سے اپنے نکاح کے بارہ میں پوچھا کہ (یہ صورت پیدا ہو گئی ہے آیا میرا نکاح باطل ہو گیا ہے یا باقی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم اس لڑکی کو کس طرح اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہو جب کہ یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ وہ تمہاری دودھ شریک بہن ہے" چنانچہ عقبہؓ نے اس لڑکی کو علیحدہ کر دیا اور اس لڑکی نے ایک دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت امام احمدؒ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ثبوت رضاعت کے سلسلہ میں ایک عورت کی گواہی قبول ہوتی ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور اکثر علماء کے نزدیک چونکہ دودھ پلانے کا ثبوت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت جو عادل ہوں، کی گواہی سے ہوتا ہے اس لئے یہ حضرات اس حدیث کے بارہ میں یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق محض تقویٰ اور احتیاط سے ہے کہ آپ ﷺ نے احتیاطاً یہ مناسب نہیں سمجھا کہ عقبہؓ اس لڑکی کو اپنے نکاح میں رکھیں۔

دارالحرب سے قید کر کے لائی جانے والی عورت کا حکم

⑨ وَعَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ بَعَثَ جَيْشًا اِلَى اَوْطَاسٍ فَلَقُوْا عَدُوًّا

فَقَاتَلُوْهُمْ فَظَهَرُوْا عَلَيْهِمْ وَاَصَابُوْا لَهُمْ سَبَايًا فَكَاَنَّ نَاسًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّجُوْا مِنْ غِشْيَانِهِنَّ مِنْ اَجْلِ اَزْوَاجِهِنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ ذٰلِكَ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اَيْ فَهُنَّ لَهُمْ حَلَالٌ اِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهُنَّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے غزوہ حنین کے دن ایک لشکر کو اوطاس کی جانب روانہ کیا (جو طائف کے قریب واقع ہے) چنانچہ وہ لشکر دشمنوں سے نبرد آزما ہوا اور جنگ کے بعد ان پر فتح یاب ہوا اور بہت سارے قیدی ان کے ہاتھ لگے (جن میں عورتیں بھی تھیں اور وہ عورتیں بطور لونڈی مجاہدین کی ملکیت میں آئیں) لیکن رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے بعض حضرات نے گویا ان لونڈیوں سے بایں وجہ جماع کرنے سے پرہیز کیا کہ وہ خاوند والی تھیں اور ان کے خاوند مشرک تھے چنانچہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اور حرام کی گئی ہیں تم پر وہ عورتیں جو خاوند والی ہیں مگر وہ عورتیں تم پر حرام نہیں ہیں جو تمہاری ملکیت میں آگئی ہوں۔ یعنی (وہ عورتیں جنہیں تم جنگ کے بعد دارالحرب سے بطور باندی پکڑ لائے ہو اور ان کے شوہر دارالحرب میں رہ گئے ہیں) وہ عورتیں عدت گزر جانے کے بعد تمہارے لئے حلال ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جو عورت کسی مرد کے نکاح میں ہو کسی دوسرے مرد کو نہ تو اس سے نکاح کرنا درست ہے اور نہ اسے اپنے تصرف میں لانا جائز ہے ہاں کافروں کی وہ بیویاں جنہیں جنگ و جدل کے بعد دارالحرب سے پکڑ کر لایا جائے اور ان کے خاوند دارالحرب میں رہ گئے ہوں تو ان عورتوں کو ان کی عدت گزر جانے کے بعد اپنے تصرف میں لانا جائز ہے اور یہاں عدت سے مراد "استبراء" ہے یعنی اگر وہ عورت حاملہ ہو تو جب اس کے ہاں ولادت ہو جائے اور اگر اسے حیض آتا ہو تو جب اسے ایک حیض آجائے اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو پھر جب ایک مہینہ گزر جائے تب اس سے جماع کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں طیبیؒ نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کریمہ کے پیش نظر یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جب کوئی خاوند والی لونڈی فروخت کی جاتی ہے تو اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور جو شخص اسے خریدتا ہے اس کے لئے استبراء کے بعد اس سے جماع کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ گویا ابن عباسؓ نے اس آیت کے حکم کو عمومیت پر محمول کیا ہے جب کہ اور تمام علماء کا یہ متفقہ مسلک ہے کہ اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا ان کے نزدیک یہ آیت ہر خاوند والی لونڈی کے بارہ میں نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ یہ صرف ان لونڈیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو دارالحرب سے پکڑ کر لائی گئی ہوں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

وہ عورتیں جنہیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا ممنوع ہے

(۱۰) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ تُنْكَحَ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا اَوِ الْعَمَّةُ عَلٰى بِنْتِ اَخِيْهَا وَالْمَرْاَةُ عَلٰى خَالَتِهَا اَوِ الْخَالَةُ عَلٰى بِنْتِ اُخْتِهَا لَا تُنْكَحُ الصُّغْرٰى عَلَى الْكُبْرٰى وَلَا الْكُبْرٰى عَلَى الصُّغْرٰى رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرِوَايَتُهُ اِلٰى قَوْلِهٖ بِنْتِ اُخْتِهَا۔

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی کی موجودگی میں یا کسی عورت سے اس کی بھتیجی کی موجودگی میں نکاح کیا جائے اور اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کسی عورت سے اس کی خالہ کی موجودگی میں یا کسی عورت سے اس کی بھانجی کی موجودگی میں نکاح کیا جائے نیز (آپ ﷺ نے فرمایا کہ) بڑے رشتہ والی کی موجودگی میں چھوٹے رشتہ والی سے اور چھوٹی رشتہ والی کی موجودگی میں بڑی رشتہ والی سے نکاح کیا جائے۔ (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، دارمیؒ، نسائیؒ) اور نسائی نے اس روایت کو بنت اختہا

تک نقل کیا ہے۔"

تشریح: حدیث کا دوسرا جز یعنی لا تنکح الصغری علی الکبری الخ دراصل حدیث کے پہلے جزء یعنی ان تنکح المراۃ علی عمتھا الخ کے حکم کی تاکید کے طور پر ہے چنانچہ بڑے رشتہ والی سے پھوپھی اور خالہ مراد ہیں اور چھوٹے رشتہ والی سے بھتیجی اور بھانجی مراد ہیں۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر پہلے سے خالہ اپنے نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی بھانجی سے یا پہلے سے بھانجی نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی خالہ سے یا اسی طرح پہلے سے پھوپھی نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی بھتیجی سے یا پہلے سے بھتیجی نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی پھوپھی سے نکاح کرنا ناجائز ہے ہاں ان میں سے کسی ایک کو طلاق دینے اور اس کے عدت کے دن گزر جانے کے بعد دوسری سے نکاح کیا جاسکتا ہے یا ان میں سے کسی ایک کے مرجانے کے بعد دوسری سے نکاح کرنا درست ہے۔

باپ کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے

(۱۱) وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَرَّبِيْ خَالِيْ اَبُوْبُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ وَمَعَهٗ لِوَاءٌ فَقُلْتُ اَيْنَ تَذْهَبُ فَقَالَ بَعَثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَاَةَ اَبِيْهِ اٰتِيَهٗ بِرَاْسِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ وَلِلنَّسَائِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيِّ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اَضْرِبَ عُنُقَهٗ وَاٰخُذَ مَالَهٗ وَفِيْ هٰذِهِ الرِّوَايَةِ قَالَ عَمِّيْ بَدَلَ خَالِيْ۔

"اور حضرت براء ابن عازبؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میرے ماموں حضرت ابوبردۃ ابن نیار میرے پاس سے اس حال میں گزرے کہ ان کے ہاتھ میں ایک نشان تھا، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے رسول کریم ﷺ نے مجھے اس شخص کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں اس کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں لے آؤں۔ (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ) اور ابوداؤد کی ایک اور روایت میں نیز نسائی، ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ (ابوبردہؓ نے کہا کہ) آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کی گردن مار دوں اور اس کا مال و اسباب لے آؤں۔ اور اس روایت میں "میرے ماموں" کی جگہ "میرے چچا" کے الفاظ ہیں۔ (لہٰذا یہ بات مختلف فیہ ہوگئی کہ حضرت بردہ ابن نیارؓ حضرت براء ابن عازبؓ کے ماموں تھے یا چچا تھے؟)۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ نے ابوبردہؓ کو اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرنے والے کی گردن مارنے کے لئے بھیجا تو ان کے ہاتھ میں بطور نشان ایک جھنڈا دے دیا تھا تاکہ لوگ اس علامتی جھنڈے کو دیکھ کر جان لیں کہ یہ شخص مذکورہ بالا خدمت کی انجام دہی کے لئے دربار رسالت کا فرستادہ ہے۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ابوبردہؓ کو جس شخص کی گردن مارنے کا حکم دیا تھا اس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر کے شریعت اسلام کے ایک ظاہری حکم کی محض خلاف ورزی ہی نہیں کی تھی بلکہ اس کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ باپ کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے جیسا کہ اہل جاہلیت یعنی کفار ایسا عقیدہ رکھتے تھے لہٰذا اسلامی شریعت کا یہ فیصلہ ہے کہ جو شخص کسی حرام چیز کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کو قتل کر ڈالنا اور اس کا مال و اسباب ضبط کر لینا جائز ہے۔

مدت رضاعت گزرنے کے بعد دودھ پینا حرمت کو ثابت نہیں کرتا

(۱۲) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ اِلَّا مَا فَتَقَ الْاَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت اُمّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "وہ دودھ پینا حرمت رضاعت کو ثابت کرتا ہے جو چھاتی سے پینے کی وجہ سے

انتڑیوں کو کھول دیتا ہے اور وہ دودھ دودھ چھڑانے کے وقت سے پہلے پیا گیا ہو۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "انتڑیوں کو کھول دیتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ دودھ بچہ کے پیٹ کو اس طرح سیر کردے جس طرح کسی بھوکے کے پیٹ کو غذا سیر کر دیتی ہے اور وہ دودھ بچہ کی انتڑیوں میں غذا کی جگہ حاصل کرلے، چنانچہ یہ بات شیر خوارگی کی مدت میں ہوتی ہے اور شیر خوارگی کی مدت دو سال یا ڈھائی سال کی عمر تک رہتی ہے۔ اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ بڑی عمر میں یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی بلکہ چھوٹی عمر یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر تک کے عرصہ میں دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

"چھاتی سے پینے کی وجہ سے" ان الفاظ کا مقصد محض دودھ پلانے کی صورت اور واقعہ کا بیان کرنا ہے کہ عورت بچہ کو اپنی چھاتی سے دودھ پلاتی ہے ورنہ تو حرمت رضاعت کے ثابت ہونے کے لئے چھاتی سے دودھ پینا شرط نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ حرمت رضاعت اسی صورت میں ثابت ہوگی جب کہ بچہ نے عورت کی چھاتی ہی سے دودھ پیا ہو بلکہ خواہ عورت اپنی چھاتی سے دودھ پلائے خواہ کسی چیز جیسے چمچہ وغیرہ میں دودھ نکال کر پھر بچہ کو پلائے اور خواہ کسی اور ذریعہ سے اپنا دودھ اس کے پیٹ میں پہنچائے، بہر صورت حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

"وہ دودھ، دودھ چھڑانے کے وقت سے پہلے پیا ہو" یہ جملہ دراصل ماقبل کی عبارت کی تاکید کے طور پر ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ شریعت میں بچہ کا دودھ چھڑانے کا جو وقت مقرر ہے یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر اس سے پہلے جو دودھ پیا گیا ہے حرمت رضاعت کے سلسلے میں اسی کا اعتبار ہوگا۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ مدت رضاعت کے سلسلے میں وقت معین سے پہلے دودھ چھڑانے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا چنانچہ اگر کسی بچہ کا دودھ وقت متعین سے پہلے یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر سے پہلے چھڑا دیا گیا اور اس کے بعد اس مدت متعین یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر کے اندر کسی عورت نے اس کو اپنا دودھ پلا دیا تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اس بارہ میں ضمنی طور یہ مسئلہ جان لینا ضروری ہے کہ کسی بچہ کو وقت متعین یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں ہے کیونکہ دودھ، انسان کا ایک جزو ہے اور انسان کے جزو سے بغیر ضرورت فائدہ اٹھانا حرام ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مدت رضاعت کے بعد ضرورت ختم ہو جاتی ہے اسی بناء پر انسان کے دودھ کو بطور دوا استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

بطور نکتہ ایک یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ اطباء نے ثابت کیا ہے کہ بیٹی کا دودھ آنکھ کو فائدہ کرتا ہے، علماء نے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے چنانچہ بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ (اگرچہ طبی طور پر یہ بات صحیح ہو لیکن شرعی طور پر) یہ جائز نہیں ہے جب کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ گمان غالب ہو کہ اپنی بیٹی کا دودھ آنکھ میں ڈالنے سے آنکھ کا مرض جاتا رہے گا۔

دودھ پلانے والی کا حق کس طرح ادا ہو سکتا ہے؟

(۱۳) وَعَنْ حَجَّاجِ بْنِ حَجَّاجِ الْاَسْلَمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُذْهِبُ عَنِّيْ مَذِمَّةَ الرَّضَاعِ فَقَالَ غُرَّةٌ عَبْدٌ اَوْ اَمَةٌ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی)

"اور حضرت حجاج ابن حجاج اسلمیؓ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی حضرت حجاج اسلمیؓ نے) عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! وہ کون سی چیز ہے جس سے میں دودھ کے حق میں سبکدوش ہو سکتا ہوں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "مملوک یعنی بردہ خواہ غلام ہو یا لونڈی۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، دارمیؒ)

تشریح: پوچھنے والے کا مطلب یہ تھا کہ وہ کون سی چیز ہے جو میں اگر دودھ پلانے والی کو دے دوں تو اس کی وجہ سے دودھ پلانے والی

کے اس حق سے میں سبکدوش ہو جاؤں جو اس کا دودھ پینے کی وجہ سے مجھ پر ہے؟ آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر تم اس عورت کو کہ جس نے تمہیں دودھ پلایا ہے کوئی غلام یا لونڈی دے دو تو اس کے دودھ پلانے کا حق ادا ہو جائے گا۔ گویا حاصل یہ ہوا کہ دودھ پلانے والی چونکہ ایک بڑی خدمت انجام دیتی ہے اس لئے اس کو بھی کوئی خادم دے دینا چاہئے تاکہ وہ خادم اس کی خدمت کرے اور اس طرح "خدمت" کا بدلہ "خدمت" ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے دایہ حلیمہؓ کی تعظیم و تکریم

(۱۴) وَعَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ الْغَنَوِيِّ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اَقْبَلَتِ امْرَأَةٌ فَبَسَطَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِدَاءَهُ حَتّٰى قَعَدَتْ عَلَيْهِ فَلَمَّا ذَهَبَتْ قِيْلَ هٰذِهٖ اَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوطفیل غنویؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک خاتون (یعنی دایہ حلیمہؓ) آئیں آنحضرت ﷺ نے (ان کی تعظیم و تکریم اور ان کی خوشی کے لئے) اپنی مبارک چادر بچھا دی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں پھر جب وہ (کہیں) چلی گئیں تو (ان لوگوں کو جو آپ ﷺ کی اس تعظیم و تکریم کی وجہ سے اور آپ ﷺ کی مبارک چادر پر ان خاتون کے بیٹھ جانے سے حیران و متعجب تھے) بتایا گیا کہ یہ وہ خاتون ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کو دودھ پلایا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

چار سے زیادہ نکاح کی ممانعت

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ غَيْلَانَ بْنَ سَلَمَةَ الثَّقَفِيَّ اَسْلَمَ وَلَهٗ عَشْرُ نِسْوَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَاَسْلَمْنَ مَعَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكْ اَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب غیلان ابن سلمہؓ ثقفی مسلمان ہوئے تو ان کے دس بیویاں تھیں جن سے انہوں نے ایام جاہلیت میں شادیاں کی تھیں چنانچہ ان کے ساتھ ان کی وہ دس بیویاں بھی مسلمان ہو گئیں پھر رسول کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ ان میں سے چار عورتوں کو (اپنے نکاح میں) رکھو اور باقی کو علیحدہ کر دو۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفر کی حالت میں جو شادی کی جاتی ہے وہ معتبر ہوتی ہے، چنانچہ اگر کافر میاں بیوی اسلام لے آئیں تو انہیں تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا جائے گا بشرطیکہ ان کے نکاح میں ایسے رشتوں والی عورتیں نہ ہوں جنہیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا شریعت اسلامی نے ممنوع قرار دیا ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چار سے زیادہ عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔

(۱۶) وَعَنْ نَوْفَلِ بْنِ مُعَاوِيَةَ قَالَ اَسْلَمْتُ وَتَحْتِيْ خَمْسُ نِسْوَةٍ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فَارِقْ وَاحِدَةً وَاَمْسِكْ اَرْبَعًا فَعَمَدْتُ اِلٰى اَقْدَمِهِنَّ صُحْبَةً عِنْدِيْ عَاقِرٍ مُنْذُ سِتِّيْنَ سَنَةً فَفَارَقْتُهَا۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت نوفل ابن معاویہؓ کہتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں چنانچہ میں نے (اس بارہ میں) رسول کریم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ایک کو علیحدہ کر دو اور چار کو باقی رکھو" (آپ ﷺ کا یہ حکم سن کر) میں نے اپنی سب سے پہلی بیوی کو علیحدہ کر دیا جو بانجھ تھی اور ساٹھ سال سے میرے ساتھ تھی۔" (شرح السنۃ)

دو بہنوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنے کی ممانعت

(۱۷) وَعَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ فَيْرُوْزَ الدَّيْلَمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَسْلَمْتُ وَتَحْتِيْ اُخْتَانِ قَالَ اخْتَرْ اَيَّتَهُمَا شِئْتَ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

"اور حضرت ضحاک ابن فیروز دیلمی اپنے والد (حضرت فیروزؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں (اس بارہ میں کیا حکم ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا "ان دونوں میں جس ایک کو چاہو رکھ لو۔" (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح : مظہرؒ کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس حال میں اسلام قبول کرے کہ اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں اور وہ دونوں بھی اس کے ساتھ اسلام قبول کرلیں تو اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اپنے نکاح میں برقرار رکھے خواہ وہ پہلی منکوحہ ہو یا دوسری منکوحہ ہو لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس شخص نے ان دو بہنوں سے ایک ساتھ عقد کیا تھا تو اس صورت میں اس کے لئے ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنے نکاح میں برقرار رکھنا جائز نہیں ہوگا ہاں اگر اس نے ان دونوں سے آگے پیچھے عقد کیا تھا تو ان میں سے ایک اس کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہوگا، جس سے اس نے پہلا نکاح کیا تھا، جس سے بعد میں نکاح کیا تھا اس کو کسی صورت میں بھی اپنے نکاح میں برقرار رکھنا جائز نہیں ہوگا۔

کافر میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلام قبول کرلے تو ان دونوں کا نکاح باقی رہتا ہے یا نہیں؟

⑱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَسْلَمَتِ امْرَأَةٌ فَتَزَوَّجَتْ فَجَاءَ زَوْجُهَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي قَدْ اَسْلَمْتُ وَعَلِمَتْ بِاِسْلَامِي فَانْتَزَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَوْجِهَا الْآخِرِ وَرَدَّهَا اِلَى زَوْجِهَا الْاَوَّلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهُ قَالَ اِنَّهَا اَسْلَمَتْ مَعِي فَرَدَّهَا عَلَيْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرُوِيَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ جَمَاعَةً مِنَ النِّسَاءِ رَدَّهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنِّكَاحِ الْاَوَّلِ عَلٰى اَزْوَاجِهِنَّ عِنْدَ اجْتِمَاعِ الْاِسْلَامَيْنِ بَعْدَ اخْتِلَافِ الدِّيْنِ وَالدَّارِ مِنْهُنَّ بِنْتُ الْوَلِيْدِ بْنِ مُغِيْرَةَ كَانَتْ تَحْتَ صَفْوَانَ ابْنِ اُمَيَّةَ فَاَسْلَمَتْ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهَرَبَ زَوْجُهَا مِنَ الْاِسْلَامِ فَبَعَثَ اِلَيْهِ ابْنَ عَمِّهِ وَهْبَ بْنَ عُمَيْرٍ بِرِدَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَانًا لِصَفْوَانَ فَلَمَّا قَدِمَ جَعَلَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْيِيْرًا اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ حَتّٰى اَسْلَمَ فَاسْتَقَرَّتْ عِنْدَهُ وَاَسْلَمَتْ اُمُّ حَكِيْمٍ بِنْتُ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ امْرَأَةُ عِكْرِمَةَ بْنِ اَبِيْ جَهْلٍ يَوْمَ الْفَتْحِ بِمَكَّةَ وَهَرَبَ زَوْجُهَا مِنَ الْاِسْلَامِ حَتّٰى قَدِمَ الْيَمَنَ فَارْتَحَلَتْ اُمُّ حَكِيْمٍ حَتّٰى قَدِمَتْ عَلَيْهِ الْيَمَنَ فَدَعَتْهُ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاَسْلَمَ فَثَبَتَا عَلٰى نِكَاحِهِمَا رَوَاهُ مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ مُرْسَلًا۔

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک عورت نے اسلام قبول کیا اور پھر اس نے (ایک شخص سے) نکاح کرلیا، اس کے بعد اس کا پہلا شوہر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں اسلام قبول کرچکا ہوں اور میری اس بیوی کو میرے اسلام قبول کرلینے کا علم تھا (لیکن اس کے باوجود اس نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو دوسرے خاوند سے علیحدہ کرکے پہلے خاوند کے حوالے کردیا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ "اس پہلے خاوند نے یہ کہا کہ وہ عورت (یعنی میری بیوی جس نے اب دوسرے شخص سے نکاح کرلیا ہے) میرے ساتھ ہی مسلمان ہوئی تھی آپ ﷺ نے یہ (سن کر) اس عورت کو اسی (پہلے شوہر) کے حوالہ کردیا" (ابوداؤدؒ) اور شرح السنۃ میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان جیسی بہت سی عورتوں کو ان کے پہلے نکاح کے مطابق ان کے شوہروں کے حوالہ کردیا تھا جن کے شوہر دین اور ملک کے فرق کے بعد ان کے ساتھ اسلام کی صف میں شامل ہو گئے تھے (یعنی غیر مسلم میاں بیوی میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کرلینے کی وجہ سے اور ایک کے دارالاسلام میں اور دوسرے کے دارالحرب میں رہنے کی وجہ سے گویا دونوں کے درمیان مذہبی اور ملکی بعد واختلاف واقع ہو جاتا تھا مگر جب وہ دوسرا بھی اسلام قبول کرلیتا تو آنحضرت ﷺ ان کے سابقہ نکاح کو باقی رکھتے ہوئے بیوی کو شوہر کے حوالہ کردیتے تھے گویا قبولیت اسلام کے بعد تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی تھی) چنانچہ ان عورتوں میں ایک عورت ولید ابن مغیرہ کی بیٹی بھی تھی جو صفوان ابن امیہ کی بیوی تھی، یہ

عورت (اپنے شوہر سے پہلے) فتح مکہ کے دن مسلمان ہوگئی اور اس کے شوہر نے اسلام سے گریز کیا، آنحضرت ﷺ نے اس کے شوہر (صفوان ابن امیہ) کے پاس اس کے چچا کے بیٹے وہب ابن عمیرؓ کو اپنی مبارک چادر دے کر بھیجا اور اس کو امان عطا کیا (یعنی آپ ﷺ نے وہبؓ کو بطور علامت اپنی چادر دے کر بھیجا کہ وہ صفوان کو یہ چادر دکھا کر مطلع کریں کہ قتل و تشدد سے تمہیں امان دی گئی ہے تم بلا خوف آسکتے ہو) پھر جب صفوان آگئےؓ تو ان کی سیر کے لئے چار مہینے مقرر کئے گئے (یعنی انہیں اجازت دی گئی کہ وہ پورے امن و امان کے ساتھ چار مہینے تک مسلمانوں کے درمیان گھومیں پھریں تاکہ وہ مسلمانوں کی عادات و اطوار کا اچھی طرح مشاہدہ کرلیں چنانچہ وہ چند دنوں تک مسلمانوں کے درمیان گھومتے پھرتے رہے) یہاں تک کہ صفوانؓ بھی (اپنی بیوی کے مسلمان ہونے کے دو مہینے بعد) مسلمان ہوگئے اور ولید کی بیٹی جو ان کے نکاح میں تھی ان کی بیوی برقرار رہی۔ اسی طرح ان عورتوں میں ایک عورت اُمّ حکیم تھیں جو حارث ابن ہشامؓ کی بیٹی اور ابوجہل کے بیٹے عکرمہؓ کی بیوی تھیں، انہوں نے بھی فتح مکہ کے دن مکہ میں اسلام قبول کیا اور ان کے خاوند (عکرمہ) نے اسلام سے گریز کیا اور یمن چلے گئے چنانچہ (کچھ دنوں کے بعد) اُمّ حکیمؓ بھی (آنحضرت ﷺ کے حکم سے اپنے خاوند کو راہ راست پر لانے کے لئے) یمن پہنچیں اور انہوں نے اپنے خاوند عکرمہؓ کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی تاآنکہ وہ مسلمان ہوگئے اور ان دونوں کا نکاح باقی رہا۔ اس روایت کو امام مالکؒ نے ابن شہابؒ سے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔"

تشریح: اگر غیر مسلم میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے اور دوسرا مسلمان نہ ہو تو ان دونوں کا نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟ اس بارہ میں مظہرؒ کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اگر وہ دوسرا (کہ جس نے پہلے کے ساتھ اسلام قبول نہیں کیا تھا خواہ وہ بیوی ہو یا خاوند ہو) عدت کے ایام گزرنے سے پہلے اسلام قبول کرلے تو ان کا نکاح باقی رہے گا خواہ ان دونوں کا سابقہ مذہب یکساں رہا ہو مثلاً دونوں عیسائی یا یہودی اور یا بت پرست رہے ہوں، خواہ دونوں کا سابقہ مذہب یکساں نہ رہا ہو مثلاً ایک کا مذہب بت پرستی رہا ہو اور دوسرا عیسائی یا یہودی رہا ہو، اسی طرح خواہ وہ دونوں ہی دارالاسلام میں رہنے والے ہوں یا دارالحرب میں اور خواہ ان میں ایک تو دارالاسلام میں رہتا ہو اور دوسرا دارالحرب میں۔

اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ان دونوں کے درمیان تفریق ان تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ ہی سے ہو سکتی ہے، اول یہ کہ عدت کے دن پورے ہو جائیں۔ دوم یہ کہ ان دونوں میں سے جس نے اسلام قبول کرلیا ہے وہ اسلام قبول نہ کرنے والے کو اسلام کی دعوت دے اور وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کردے۔ سوم یہ کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک دارالاسلام سے منتقل ہو کر دارالحرب چلا جائے یا دارالحرب چھوڑ کر دارالاسلام آجائے۔ نیز امام اعظمؒ کے نزدیک ان دونوں میں سے کسی ایک کا اسلام قبول کرنا خواہ مجامعت سے پہلے واقع ہوا ہو یا بعد میں دونوں صورتوں کا یکساں حکم ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

کون کون رشتہ والی عورتیں محرمات میں داخل ہیں

(۱۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حُرِّمَ مِنَ النَّسَبِ سَبْعٌ وَمِنَ الصِّهْرِ سَبْعٌ ثُمَّ قَرَأَ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ الْاٰيَةُ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ از روئے نسب سات رشتوں کی عورتیں حرام کی گئی ہیں اور از روئے مصاہرت بھی سات رشتوں کی عورتیں حرام کی گئی ہیں پھر حضرت ابن عباسؓ نے یہ آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ (النساء ۴: ۲۳) آخر تک پڑھی۔" (بخاریؒ)

تشریح: از روئے نسب جو سات رشتہ والی عورتیں حرام قرار دی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) ماں۔ (۲) بیٹی۔ (۳) بہن۔ (۴) پھوپھی۔ (۵) خالہ۔ (۶) بھتیجی۔ (۷) بھانجی۔

"مصاہرت" اس رشتہ اور قرابت کو کہتے ہیں جو نکاح کے ذریعہ قائم ہو اور جسے "سسرالی رشتہ" بھی کہا جاتا ہے، چنانچہ مصاہرت یعنی سسرالی رشتہ کی وجہ سے جو سات عورتیں حرام قرار دی گئی ہیں ان میں سے چار تو ہمیشہ کے لئے حرام ہوتی ہیں کہ ان سے کسی بھی حال میں اور کسی بھی وقت نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا اور وہ یہ ہیں۔ ① بیوی کی ماں یعنی ساس۔ ② بیٹے اور پوتے کی بیویاں یعنی بہو اور پوت بہو، اگرچہ وہ کتنے ہی نیچے درجہ کی ہوں جیسے پڑپوتے اور سکڑپوتے وغیرہ کی بیویاں۔ ③ باپ اور دادا کی بیویاں اگرچہ اوپر کے درجہ کی ہوں جیسے پڑدادا اور سکڑدادا وغیرہ کی بیویاں۔ ④ اپنی اس بیوی کی بیٹی جس سے جماع کر چکا ہو۔ سسرالی رشتہ کی وہ تین عورتیں جو ہمیشہ کے لئے حرام نہیں ہیں وہ یہ ہیں۔ ① بیوی کی بہن۔ ② بیوی کی پھوپھی۔ ③ بیوی کی خالہ۔

حضرت ابن عباسؓ نے اپنی بات کی دلیل کے طور پر قرآن کریم کی آیت پڑھی، چنانچہ اس آیت میں نسبی رشتہ والی ان ساتوں عورتوں کا ذکر ہے جو حرام قرار دی گئی ہیں اور سسرالی رشتہ کی وجہ سے جو عورتیں حرام ہیں ان میں سے اکثر کا ذکر اس آیت میں ہے۔ پوری آیت یوں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنَاتُ الْاَخِ وَبَنَاتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝۔ (النساء ۴: ۲۳)

"حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جو ان کے پہلے شوہر سے ہیں اور تمہاری پرورش میں ہیں اور جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم نے جماع کیا ہے اور اگر تم نے ان بیویوں سے جماع نہیں کیا ہے تو تمہارے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم ان کی بیٹیوں سے نکاح کرو، اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں (بھی حرام ہیں) جو تمہاری نسل سے ہوں اور یہ بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں رکھو لیکن جو پہلے ہو چکا (وہ معاف ہے) بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے اور بڑے رحمت والے ہیں۔"

اپنی بیوی کی بیٹی سے نکاح کی ممانعت

(۲۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَاَةً فَدَخَلَ بِهَا فَلَا يَحِلُّ لَهٗ نِكَاحُ ابْنَتِهَا وَاِنْ لَّمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلْيَنْكِحِ ابْنَتَهَا وَاَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَاَةً فَلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّنْكِحَ اُمَّهَا دَخَلَ بِهَا اَوْلَمْ يَدْخُلْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا يَصِحُّ مِنْ قِبَلِ اِسْنَادِهٖ وَاِنَّمَا رَوَاهُ ابْنُ لَهِيْعَةَ وَالْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ وَهُمَا يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيْثِ۔

"اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص عورت سے نکاح کرے اور پھر اس سے جماع کرے تو اس کے لئے اس بیوی کی بیٹی سے (جو اس کے پہلے شوہر سے ہے) نکاح کرنا جائز نہیں ہے (بشرطیکہ اس بیوی کو طلاق دے چکا ہو یا وہ مر گئی ہو، کیونکہ اس بیوی کو اور اس کی بیٹی کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں رکھنا اس صورت میں بھی جائز نہیں ہے) اور جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کر لیا تو اب اس کے لئے اپنی اس منکوحہ کی ماں یعنی اپنی ساس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا خواہ اپنی اس منکوحہ سے جماع کیا ہو یا جماع نہ کیا ہو۔ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث اپنی سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کو ابن لہیعہ اور مثنی ابن صباح نے عمرو ابن شعیبؒ سے نقل کیا ہے اور وہ دونوں

حدیث روایت کرنے کے سلسلہ میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں (گویا یہ حدیث اپنے راویوں سے اعتبار سے تو صحیح نہیں ہے لیکن اپنے مفہوم ومعنی کے اعتبار سے صحیح ہے کیونکہ اس حدیث میں جو مفہوم بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کی آیت کے مطابق ہے)۔"

تشریح: حدیث میں اپنی بیوی کی بیٹی سے نکاح کے عدم جواز کا جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے:

وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِکُمْ مِّنْ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِھِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَکُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِھِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ۔ (النساء ۴: ۲۳)

"اور حرام ہیں تم پر تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جو ان کے لئے پہلے شوہر سے ہیں اور تمہاری پرورش میں ہیں اور جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم جماع کر چکے ہو اور اگر تم نے ان بیویوں سے جماع نہیں کیا ہے تو اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم ان کی بیٹیوں سے نکاح کرو۔"

اور بیوی کی ماں یعنی اپنی ساس سے نکاح کے عدم جواز کا جو مطلق حکم بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کریم کی اس مطلق آیت سے ثابت ہے۔

وَاُمَّھٰتُ نِسَآئِکُمْ۔

"اور حرام ہیں تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں۔"

بَابُ الْمُبَاشَرَةِ

مباشرت کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

مباشرت کے سلسلہ میں یہود کے ایک غلط خیال کی تردید

① عَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَتِ الْیَھُوْدُ تَقُوْلُ اِذَا اَتَی الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ مِنْ دُبُرِھَا فِیْ قُبُلِھَا کَانَ الْوَلَدُ اَحْوَلَ فَنَزَلَتْ نِسَآءُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ۔ (متفق علیہ)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ یہودی یہ کہا کرتے تھے کہ جو شخص اپنی عورت کے پیچھے کی طرف سے اس کے اگلے حصہ (یعنی شرم گاہ) میں جماع کرتا ہے تو اس کے بھینگا بچہ پیدا ہوتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: نِسَآءُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ تمہاری عورتیں (یعنی تمہاری بیویاں اور لونڈیاں) تمہاری کھیتی ہیں لہٰذا تمہیں اختیار ہے کہ ان کے پاس جس طرح چاہو آؤ۔ (اس روایت کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے۔"

تشریح: یہودی یہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص عورت سے اس طرح جماع کرے کہ اس کے پیچھے کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر اس کے اگلے حصہ یعنی شرم گاہ میں اپنا عضو داخل کرے تو اس کی وجہ سے بھینگا بچہ پیدا ہوگا، چنانچہ ان کے اس غلط خیال اور وہم کی تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں کہ جس طرح تمہارے کھیتوں میں تمہارے لئے فصل پیدا ہوتی ہے اسی طرح تمہاری بیویوں کے ذریعہ تمہاری اولاد پیدا ہوتی ہے اس لئے تم اپنی کھیتی میں آنے میں خود مختار ہو کہ جس طرح چاہو آؤ خواہ لیٹ کر خواہ بیٹھ کر خواہ کھڑے ہو کر خواہ پیچھے ہو کر اور خواہ آگے ہو کر جس طرح بھی تمہارا جی چاہے ان سے جماع کرو کسی صورت میں کوئی نقصان نہیں ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ جماع بہر صورت عورت کے اگلے حصہ یعنی شرم گاہ ہی میں کیا جائے کیونکہ جس اعتبار سے عورت کو کھیتی کہا گیا ہے اس کا اطلاق عورت کی شرم گاہ ہی پر ہو سکتا ہے مقعد پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا، بایں وجہ کہ مقعد اولاد پیدا ہونے کی جگہ نہیں ہے بلکہ پاخانہ کی جگہ

ہے اس لئے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ پیچھے کے حصہ میں بدفعلی یعنی اغلام کرنا صرف اسلام ہی نہیں بلکہ ہر دین میں حرام ہے۔

عزل کا مسئلہ

(۲) وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْاٰنُ يَنْزِلُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَنْهَنَا۔

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ (رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں) عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا رہتا تھا (یعنی نزول کا سلسلہ جاری تھا مگر اس بارہ میں کوئی ممانعت نازل نہیں ہوئی)۔ (بخاری ومسلم) مسلمؒ نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "ہمارے اس فعل کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو بھی مگر آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔"

تشریح: "عزل" کا مطلب یہ ہے کہ عورت سے اس طرح جماع کیا جائے کہ مرد جب منزل ہونے لگے تو وہ اپنا عضو مخصوص عورت کی شرم گاہ سے باہر نکال کر مادہ کا باہر ہی اخراج کر دے۔ اس طریقہ سے مادہ منویہ چونکہ اندر نہیں پہنچتا اس لئے عورت حاملہ ہونے سے بچ جاتی ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ عزل جائز ہے اور بعض حضرات جن میں کچھ صحابہؓ بھی شامل ہیں اس کو ناجائز کہتے ہیں لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ عزل کرنا جائز ہے چنانچہ در مختار میں بھی یہی لکھا ہے کہ (اگر کوئی شخص کسی کی خاص مصلحت یا عذر کی بنا پر عزل کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے لیکن یہ ملحوظ رہے کہ) اپنی لونڈی سے عزل کرنا تو اس کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہے جب کہ اپنی آزاد منکوحہ سے اس کی اجازت کے بعد ہی جائز ہو گا اسی طرح اگر کسی دوسرے کی لونڈی اپنے نکاح میں ہو تو اس کے مالک کی اجازت حاصل کرنے کے بعد اس سے عزل کرنا جائز ہو گا حضرت امام شافعیؒ کے بارہ میں سید نے یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک بھی اپنی آزاد منکوحہ سے اس کی اجازت کے بعد ہی عزل کرنا جائز ہے لیکن لونڈی خواہ اپنی مملوکہ ہو یا منکوحہ ہو اس کی اجازت کے بغیر بھی عزل کرنا جائز ہے۔ اور امام نوویؒ نے (جو شافعی المسلک ہیں) یہ لکھا ہے کہ ہمارے یعنی شوافع کے نزدیک عزل کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ انقطاع نسل کا سبب ہے۔

(۳) وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِيْ جَارِيَةً هِيَ خَادِمَتُنَا وَاَنَا اَطُوْفُ عَلَيْهَا وَاَكْرَهُ اَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ اِعْزِلْ عَنْهَا اِنْ شِئْتَ فَاِنَّهٗ سَيَاْتِيْهَا مَا قُدِّرَ لَهَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ اَتَاهُ فَقَالَ اِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَبِلَتْ فَقَالَ قَدْ اَخْبَرْتُكَ اَنَّهٗ سَيَاْتِيْهَا مَا قُدِّرَ لَهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے پاس لونڈی ہے جو ہماری خدمت کرتی ہے اور میں اس سے جماع بھی کرتا ہوں لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ وہ حاملہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر تم چاہو تو عزل کر لیا کرو لیکن اس (لونڈی) کے ذریعہ جو چیز پیدا ہونی مقدر ہو چکی ہے وہ ضرور پیدا ہو گی" اس کے بعد کچھ عرصہ تک وہ شخص نہیں آیا اور پھر جب آیا تو کہنے لگا کہ میری لونڈی حاملہ ہو گئی ہے، آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "میں نے تو تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ اس کے ذریعہ جو چیز پیدا ہونی مقدر ہو چکی ہے وہ ضرور پیدا ہو گی۔" (مسلم)

تشریح: علامہ نوویؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عزل کرنے کے باوجود اگر حمل ٹھہر جائے تو اس کا نسب ثابت ہو گا اور علامہ ابن ہمامؒ نے اس بارہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے عورت کی اجازت کے بعد یا اس کی اجازت کے بغیر عزل کیا اور اس کے باوجود اس عورت کے حمل ٹھہر گیا۔ تو آیا اس شخص کے لئے اس حمل سے انکار کرنا (یعنی یہ کہنا کہ یہ حمل میرا نہیں ہے) جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تفصیل ہے، چنانچہ علماء کا قول ہے کہ اگر اس شخص نے عزل کرنے کے بعد پھر دخول نہیں کیا تھا یا دخول کیا تھا مگر اس سے پہلے پیشاب نہیں کیا تھا تو پھر اس کے لئے اس حمل سے انکار کرنا جائز نہیں ہو گا کیونکہ اس صورت میں اس بات کا قوی احتمال

ہو سکتا ہے کہ اس کے ذکر میں منی کا کوئی قطرہ باقی رہ گیا ہو اور وہ اب دخول کی صورت میں عورت کے رحم میں چلا گیا ہو۔ اسی طرح حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہ مسلک ہے کہ اگر کسی شخص نے (مثلاً جماع سے فارغ ہونے کے بعد) پیشاب کرنے سے پہلے غسل جنابت کیا اور اس کے بعد جب اس نے پیشاب کیا تو منی کا کوئی قطرہ نکل آیا تو اس صورت میں اس پر واجب ہوگا کہ وہ اب پھر غسل کرے۔

④ وَعَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَۃِ بَنِی الْمُصْطَلَقِ فَاَصَبْنَا سَبْیًا مِنْ سَبْیِ الْعَرَبِ فَاشْتَھَیْنَا النِّسَاءَ وَاشْتَدَّتْ عَلَیْنَا الْعُزْبَۃُ وَاحْبَبْنَا الْعَزْلَ فَاَرَدْنَا اَنْ نَعْزِلَ وَقُلْنَا نَعْزِلُ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ اَظْھُرِنَا قَبْلَ اَنْ نَسْاَلَہٗ فَسَاَلْنَاہُ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ مَا عَلَیْکُمْ اَنْ لَا تَفْعَلُوْا مَا مِنْ نَسَمَۃٍ کَائِنَۃٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اِلَّا وَھِیَ کَائِنَۃٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ بنی المصطلق کی جنگ میں گئے تو عرب قوم میں سے کچھ لونڈی غلام ہمارے ہاتھ آئے، ہمیں عورتوں کی خواہش ہوئی اور مجرد رہنا ہمارے لئے سخت مشکل ہو گیا اور (ان لونڈیوں سے جو ہمارے ہاتھ لگی تھیں) ہم نے عزل کرنا چاہا (تاکہ ان کے حمل نہ ٹھہر جائے) آخر ہم نے عزل کا ارادہ کر لیا مگر پھر ہم نے سوچا کہ جب رسول کریم ﷺ ہمارے درمیان ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ ہم نے آپ سے اس کے بارہ میں دریافت تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر تم عزل نہ کرو تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے اس لئے کہ قیامت تک جو جان پیدا ہونے والی ہے وہ تو پیدا ہو کر رہے گی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: امام نوویؒ کہتے ہیں کہ سبیا من العرب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل عرب پر بھی رق جاری ہوتا ہے جب کہ وہ مشرک ہوں۔ (یعنی جس طرح غیر عرب مشرک و کافر جنگ میں پکڑ لئے جانے کے بعد غلام و لونڈی بنائے جا سکتے ہیں اسی طرح اگر وہ مشرک و کافر جن کا تعلق عرب و نسل سے ہو کسی جنگ میں بطور قیدی ہاتھ لگیں تو وہ بھی مسلمانوں کے حق میں لونڈی غلام ہو جاتے ہیں کیونکہ یہاں جن لونڈی غلاموں کا ہاتھ لگنا ذکر کیا گیا ہے ان کا تعلق بنی المصطلق سے تھا جو قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ تھی اور قبیلہ خزاعہ والے اہل عرب میں سے تھے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

ما علیکم ان لا تفعلو میں حروف "ان" الف کے زبر کے ساتھ یعنی۔ اَن بھی صحیح ہے اور الف کے زیر کے ساتھ یعنی اِن بھی صحیح ہے، اس جملہ کے معنی نوویؒ نے یہ بیان کئے ہیں کہ اگر تم عزل نہ کرو تو اس میں کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ جب یہ بات طے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس نفس کو پیدا کرنا مقدر کر دیا ہے تو وہ ضرور پیدا ہو کر رہے گا اس لئے تم عزل کرو یا عزل نہ کرو پیدا ہونے والی جان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا اگر اسے دنیا میں آنا ہے تو تم لاکھ عزل کر لو ضبط ولادت کے لاکھ طریق آزما لو وہ اس دنیا میں آکر رہے گی اور اگر اس کا پیدا ہونا مقدر نہیں ہے۔ تو پھر اگر عزل نہ کرو تو تمہارا کوئی نقصان نہیں حاصل یہ کہ تمہارا عزل کرنا کوئی فائدہ مند چیز نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث عزل کے عدم جواز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان لا تفعلوا میں حرف لا زائد ہے اس صورت میں اس جملہ کے یہ معنی ہوں گے کہ "عزل کرنے میں کوئی قباحت نہیں" اس اعتبار سے یہ حدیث عزل کے جائز ہونے کی دلیل ہوگی۔

⑤ وَعَنْہُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ مَا مِنْ کُلِّ الْمَاءِ یَکُوْنُ الْوَلَدُ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ خَلْقَ شَیْءٍ لَمْ یَمْنَعْہُ شَیْءٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعدی خدریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے عزل کرنے کے بارہ میں پوچھا گیا (کہ عزل کرنا جائز ہے یا نہیں؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا "منی کے ہر پانی سے بچہ نہیں بنتا، اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو پیدا ہونے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔" (مسلمؒ)

تشریح: بظاہر اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ سوال اور جواب میں کوئی مطابقت نہیں ہے حالانکہ اگر حدیث کے حقیقی مفہوم پر نظر ہو تو یہ اشکال پیدا ہونے کا کوئی محل ہی نہیں رہ جاتا کیونکہ سوال کا مقصد یہ تھا کہ عزل کرنے کی اجازت مل جائے تاکہ عورت کے ہاں ولادت ہونے کا کوئی خوف نہ رہے، سوال کے اسی حقیقی مفہوم کے پیش نظر آپ ﷺ نے جواب دیا کہ تم لوگ تو یہ سمجھتے ہو کہ مرد کی منی کا عورت کے رحم میں گرنا عورت کے ہاں ولادت ہونے کا سبب ہے اور عزل کر لینا ولادت نہ ہونے کا سبب ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ منی کے ہر پانی سے بچہ نہیں بنتا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مرد کی منی عورت کے رحم تک پہنچ جاتی ہے مگر اس سے بچہ نہیں بنتا، اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے لوگ عزل کرتے ہیں مگر اس کے باوجود عورت حاملہ ہو جاتی ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا حاملہ ہونا مرد کے مادۂ تولید کے اندر گرنے پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ پر موقوف ہے، اسی طرح عورت کا حاملہ نہ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ ہی پر موقوف ہے عزل پر موقوف نہیں ہے۔ ہاں یہ ثابت ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توالد و تناسل کا ایک نظام مقرر کر دیا ہے کہ مرد کے نطفہ سے بچہ کی تولید ہوتی ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ عزل کرنے کی صورت میں بھی نطفہ کا کوئی حصہ بلا اختیار عورت کے رحم میں چلا جائے اور اس سے بچہ بن جائے بلکہ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اگر کسی بچہ کا پیدا ہونا ہی تقدیر الٰہی میں ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت حاصل ہے کہ وہ اس بچہ کو بغیر نطفہ کے بھی پیدا کر دے۔

بظاہر یہ احادیث عزل کے جائز نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے لیکن ان کا حقیقی مفہوم و منشاء اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ عزل کرنا پسندیدہ نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے، اس مسئلہ میں حنفیہ اور دوسرے علماء کا جو فقہی مسلک ہے اس کا بیان حضرت جابرؓ کی روایت کی تشریح میں گزر چکا ہے۔

(۶) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ اَعْزِلُ عَنِ امْرَاَتِیْ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِمَ تَفْعَلُ ذٰلِکَ فَقَالَ الرَّجُلُ اُشْفِقُ عَلٰی وَلَدِھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَ ذٰلِکَ ضَارًّا ضَرَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میں اپنی عورت سے عزل کرتا ہوں" آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "تم ایسا کیوں کرتے ہو؟" اس شخص نے کہا کہ "میں اس کے شیر خوار بچہ کی وجہ سے ڈرتا ہوں کہ "کہیں مدت رضاعت میں وہ حاملہ نہ ہو جائے اور اس حالت میں بچہ کو دودھ پلانا نقصان پہنچائے گا) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اگر یہ نقصان پہنچاتا تو روم وفارس والوں کو ضرور نقصان پہنچاتا۔" (مسلمؒ)

تشریح: لوگوں کا خیال یہ تھا کہ مدت رضاعت میں جماع اور پھر حمل ٹھہرنے سے چونکہ عورت کے دودھ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اس دودھ کو پینے سے شیر خوار بچہ کو نقصان پہنچتا ہے اس کے علاوہ ایسی حالت میں عورت کا دودھ بھی کم ہو جاتا ہے اس کا حاصل یہ تھا کہ اسی خوف کی بناء پر اس شخص نے آنحضرت ﷺ سے عزل کی اجازت چاہی، اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا اس کا حاصل یہ تھا کہ اگر مدت رضاعت میں جماع کرنا اور حمل ٹھہر جانا شیر خوار بچہ کو نقصان دہ ہوتا تو یہ روم وفارس والوں کو ضرور نقصان پہنچاتا کیونکہ وہ اس کے عادی ہیں اور جب ان کی یہ عادت ان کے لئے نقصان دہ نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ مدت رضاعت میں حمل ٹھہر جانا نقصان دہ نہیں ہے لہٰذا عزل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور حمل ٹھہر جانے کے خوف کی وجہ سے عزل نہ کرو۔ گویا آپ کا یہ ارشاد عزل کی کراہت و ناپسندیدگی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۷) وَعَنْ جُدَامَۃَ بِنْتِ وَھْبٍ قَالَتْ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اُنَاسٍ وَھُوَ یَقُوْلُ لَقَدْ ھَمَمْتُ اَنْ اَنْھٰی عَنِ الْغِیْلَۃِ فَنَظَرْتُ فِی الرُّوْمِ وَفَارِسَ فَاِذَا ھُمْ یُغِیْلُوْنَ اَوْلَادَھُمْ فَلَا یَضُرُّ اَوْلَادَھُمْ ذٰلِکَ شَیْئًا ثُمَّ سَاَلُوْہُ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذٰلِکَ الْوَاْدُ الْخَفِیُّ وَھِیَ وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ سُئِلَتْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جدامہ بنت وہب کہتی ہیں کہ (ایک دن) میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس وقت لوگوں کی ایک جماعت وہاں موجود تھی اور آپ ﷺ (ان کو مخاطب کر کے) فرما رہے تھے کہ "میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ لوگوں کو "غیلہ" سے منع کر دوں لیکن پھر میں نے دیکھا کہ روم وفارس کے لوگ اپنی اولاد کی موجودگی میں "غیلہ" کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے ان کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا (تو میں نے اس ارادہ کو ترک کر دیا) پھر لوگوں نے آپ ﷺ سے عزل کرنے کے بارہ میں پوچھا کہ (اس کا کیا حکم ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ (عزل کرنا) تو پوشیدہ طور پر زندہ گاڑ دینا ہے اور یہ ایک بری عادت ہے جو اس آیت کریمہ وَاِذَا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ الایۃ (اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے پاداش میں قتل کی گئی تھی) کے حکم میں داخل ہے۔" (مسلم)

تشریح: "غیلہ" کے معنی ہیں "حمل کی حالت میں بچہ کو دودھ پلانا" اور نہایہ میں لکھا ہے کہ "غیلہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایام رضاعت میں اپنی بیوی سے جماع کرے چنانچہ اہل عرب غیلہ (یعنی ایام رضاعت میں اپنی بیوی سے جماع کرنے) سے احتراز کرتے تھے اور اس کی وجہ ان کا یہ گمان تھا کہ اس صورت میں شیرخوار بچہ کو نقصان پہنچتا ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے بھی یہ ارادہ فرمایا کہ لوگوں کو ایام رضاعت میں اپنی بیوی کے پاس جانے سے منع کر دیں لیکن جب آپ نے دیکھا کہ روم وفارس کے لوگ ایسا کرتے ہیں اور ان کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں ہوتا تو آپ ﷺ نے ممانعت کا ارادہ ترک فرمادیا۔

واد کے معنی ہیں "زندہ درگور کرنا، جیتا گاڑ دینا۔" زمانہ جاہلیت میں اہل عرب تنگدستی کے خوف اور عار کی وجہ سے اپنی بچیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے، مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان والدین سے سخت باز پرس کی جائے گی جو اپنے ہاتھوں اپنی بچیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عزل کو بھی "واد خفی" یعنی پوشیدہ زندہ گاڑ دینے سے تعبیر فرمایا۔ اس طرح یہ حدیث منسوخ ہے یا آپ نے یہ بات محض تہدید و تنبیہ کے طور پر فرمائی ہے یا پھر یہ کہ اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ عزل نہ کرنا ہی اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے۔

ان حضرات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ کے صحابہ کی ایک مجلس منعقد تھی۔ حاضرین میں حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت سعد جیسے جلیل القدر صحابہ کے علاوہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ بھی موجود تھے، عزل کے سلسلہ میں مباحثہ ہو رہا تھا۔ صحابہؓ کی رائے تھی کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ایک صحابیؓ نے یہ کہا کہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ (عزل کرنا) موءودۃ (چھوٹی موءودۃ) ہے (یعنی جس طرح اپنی اولاد کو زندہ گاڑ دینا موءودۃ کبریٰ ہے اسی طرح عزل کرنا موءودۃ صغریٰ) ہے حضرت علیؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ "اس سلسلہ میں حاصل کلام یہ ہے کہ جب تک بچہ میں جان نہ پڑے موءودۃ کے مفہوم کا اطلاق نہیں ہوگا یعنی اگر جان پڑ جانے کے بعد اسقاط حمل کرایا جائے یا زندہ پیدا ہونے کے بعد اسے جیتا جاگتا گاڑ دیا جائے تو اس کو موءودۃ کہا جائے گا۔" حضرت علیؓ کا یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ علی! اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز کرے تم نے سچ کہا ہے۔" چنانچہ فقہی مسئلہ یہ کہ جب تک بچہ میں جان نہ پڑے اسقاط حمل جائز ہے اور قرار حمل کے بعد ایک سو بیس دن میں حمل کے اندر جان پڑتی ہے گویا قرار حمل کے بعد ایک سو بیس دن کے اندر اندر تو اسقاط حمل جائز ہے اس کے بعد جائز نہیں ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی عزل کے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتا البتہ اس کے مکروہ ہونے پر ضرور دلالت کرتا ہے بایں معنی کہ عزل کرنا، واد حقیقی (یعنی واقعۃً زندہ درگور کر دینے) کے حکم میں داخل نہیں ہے کیونکہ "واد حقیقی" کا مطلب ہوتا ہے ایک جان کو ہلاک کر دینا جب کہ عزل میں یہ صورت نہیں ہوتی البتہ عزل کرنا واد حقیقی کے مشابہ یقیناً ہے اسی واسطے اس کو "پوشیدہ زندہ گاڑ دینا" فرمایا گیا ہے جو اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ عزل کے ذریعہ چونکہ اپنے مادہ تولید (نطفہ) کو ضائع کیا جاتا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ مادۂ تولید اللہ تعالیٰ نے بچہ پیدا ہونے کے لئے مہیا کیا ہے اسلئے یہ فعل (یعنی عزل کرنا) اپنے بچہ کو ہلاک کرنے یا اس کو زندہ درگور کر دینے کے مشابہ ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ کے بارہ میں یہ صحیح روایت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عزل موؤدۃ صغریٰ ہے۔ نیز حضرت ابوامامہؓ کے بارہ میں یہ منقول ہے کہ جب ان سے عزل کا حکم پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی مسلمان کو عزل کرتے نہیں دیکھا سنا (اس سے معلوم ہوا کہ عزل کرنا پسندیدہ نہیں ہے)

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ سے یہ منقول ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے بعض لوگوں کو عزل کرنے پر مارا ہے اور حضرت عثمان غنیؓ کے بارہ میں یہ منقول ہے کہ وہ عزل کرنے سے منع کرتے تھے۔ ان تمام روایات سے عزل کی ممانعت ثابت ہوتی ہے لیکن علماء لکھتے ہیں کہ یہ ممانعت نہی تنزیہی کے طور پر ہے۔

اپنی بیوی کی پوشیدہ باتوں کو افشاء کرنے والے کے بارہ میں وعید

⑧ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَمَانَۃِ عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَفِی رِوَایَۃٍ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الرَّجُلُ یُفْضِی اِلَی امْرَاَتِہٖ وَتُفْضِی اِلَیْہِ ثُمَّ یَنْشُرُ سِرَّھَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی امانت۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعتبار مرتبہ کے سب سے برا شخص وہ ہوگا جو اپنی بیوی سے ہم بستر ہو اور اس کی بیوی اس کی ہم آغوش ہو اور پھر وہ اس کی پوشیدہ باتیں ظاہر کرتا پھرے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: علامہ طیبیؒ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَمَانَۃِ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت بڑی امانت کہ جس میں خیانت کرنے والے سے قیامت کے دن سخت باز پرس ہوگی شوہر و بیوی کے درمیان جنسی معاملات اور نجی امور سے متعلق باتیں ہیں یعنی خاوند بیوی کے درمیان جنسی افعال اور راز و نیاز کی باتیں ایک بہت بڑی امانت ہے جس کی حفاظت ہر شوہر کی ذمہ داری ہے، جو شوہر اس امانت کی حفاظت نہیں کرے گا بایں طور کہ وہ اپنی بیوی سے ہمبستری کے بعد اس کے راز افشاء کرے گا اس سے قیامت کے دن باز پرس کی جائے گی اور اشرفؒ کے قول کے مطابق اس ارشاد کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی امانت میں خیانت اس شخص کے خیانت ہوگی جو اپنی بیوی سے ہمبستری کرے اور پھر اس کے راز کو افشاء کردے اور "افشاء کرنے" سے مراد یہ ہے کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان راز و نیاز کی جو باتیں ہوئی ہوں اور جنسیات سے متعلق جو افعال ہوئے ہوں ان کو لوگوں سے کہتا پھرے جیسا کہ بے حیا لوگوں کی عادت ہے، یا اپنی بیوی کے کسی عیب کو بیان کرتا پھرے اور یا یہ کہ اپنی بیویوں کی ان خوبیوں اور اوصاف کو ذکر کرتا پھرے جن کو چھپانا شرعاً اخلاقاً اور عرفاً واجب ہے۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ خاوند و بیوی میں سے ہر ایک اپنے دوسرے کے افعال و اقوال کا امین ہے لہٰذا ان میں سے جو بھی اپنے دوسرے کے ان افعال و اقوال کو ظاہر کرے گا جن کو ظاہر کرنا وہ دوسرا ناپسند کرتا ہو تو وہ خیانت کرنے والا کہلائے گا۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ خاوند و بیوی میں سے ہر ایک اپنے دوسرے کے افعال و اقوال کا امین ہے لہٰذا ان میں سے جو بھی اپنے دوسرے کے ان افعال و اقوال کو ظاہر کرے گا جب کو ظاہر کرنا وہ دوسرا ناپسند کرتا ہو تو وہ خیانت کرنے والا کہلائے گا۔

بہرکیف حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خاوند و بیوی کے درمیان جنسی معاملات اور ذاتی امور سے متعلق جو باتیں ہوتی ہیں یا جو افعال ہوتے ہیں ان کو غیروں کے سامنے بیان کرنا یا ایک دوسرے کے عیوب وغیرہ کو ظاہر کرنا اخلاقی نکتہ نظر ہی سے معیوب نہیں ہے بلکہ شرعی طور پر آخرت میں مواخذۂ خداوندی کا موجب ہے۔

اس سلسلہ میں ایک سبق آموز واقعہ بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے ایک مرتبہ ایک صاحب علم ودانش نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں اپنی بیوی کے عیوب کیونکر ذکر کروں (یعنی اگر میں طلاق کی وجہ بیان کروں تو گویا میں اس کے عیوب کو جو طلاق کی وجہ ہیں، تمہارے سامنے بیان کردوں اور یہ مجھے گوارہ نہیں ہے کہ جب تک وہ میری بیوی ہے اس کے عیوب دوسروں کے سامنے آئیں) پھر جب اس نے طلاق دے دی تو پھر کچھ اور لوگوں نے پوچھا کہ تم نے اپنی بیوی کو طلاق کیوں دی؟ اس نے کہا کہ میں ایک اجنبی عورت کے عیوب کیسے ظاہر کردوں؟ (یعنی اگر میں طلاق کی وجہ بیان کروں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ایک اجنبی عورت کے عیوب تمہارے سامنے بیان کردوں اور اسے میں مطلقاً مناسب نہیں سمجھتا)

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ خاوند و بیوی کے لئے ایک دوسرے کی باتوں کو ظاہر کرنے کی یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ اس کا کوئی فائدہ اور مقصد نہ ہو، ہاں اگر اس کا کوئی فائدہ یا اس کی کوئی معقول وجہ ہو تو پھر یہ ممانعت نہیں ہوگی مثلاً اگر عورت کا دعوی ہو کہ اس کا خاوند اس کی جنسی خواہش کی تسکین کا اہل نہیں ہے، یا بیوی یہ شکایت کرے کہ اس کا شوہر اس کے ساتھ سے بیزاری اور لا پرواہی کا برتاؤ کرتا ہے تو اس صورت میں بیوی کے لئے ان چیزوں کا ذکر کرنا غیر پسندیدہ نہیں ہوگا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔

"اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی بری بات کو اعلانیہ بیان کیا جائے ہاں اگر کسی پر ظلم کیا گیا ہے (تو وہ اسے علانیہ بھی بیان کر سکتا ہے)۔"

ایام حیض میں اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤ اور نہ بیوی کے ساتھ بدفعلی کرو

⑨ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اُوْحِيَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ الْاٰيَةَ اَقْبِلْ وَاَدْبِرْ وَاتَّقِ الدُّبُرَ وَالْحِيْضَةَ۔ (رواه الترمذی و ابن ماجۃ والدارمی)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ پر یہ آیت نازل کی گئی نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ لآیۃ (یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں پس آؤ تم اپنی کھیتیوں میں الخ) لہٰذا تم جس طرح چاہو ان سے مجامعت کرو) خواہ آگے سے اگلی جانب میں آؤ یا پیچھے سے اگلی جانب آؤ لیکن مقعد میں دخول کرنے سے اجتناب کرو اور حیض کی حالت میں جماع نہ کرو۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: لفظ "اقبل" (خواہ آگے سے اگلی جانب میں آؤ) اور ادبر (یا پیچھے سے اگلی جانب میں آؤ) یہ دونوں لفظ آیت کریمہ کے الفاظ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ الآیۃ کی تفسیر و بیان ہیں، یعنی ان دونوں الفاظ کے ذریعہ یہ وضاحتی تنبیہ کی گئی ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ خواہ آگے کی طرف سے آؤ یا پیچھے کی طرف سے آؤ مگر دخول بہر صورت اگلے حصہ یعنی شرمگاہ ہی میں کرو چنانچہ بدفعلی کرنا یعنی مقعد میں دخول کرنا قطعی حرام ہے اسی طرح حیض کی حالت میں اگلے حصہ میں بھی دخول کرنا حرام ہے۔

⑩ وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ لَا تَاْتُوا النِّسَاءَ فِيْ اَدْبَارِهِنَّ۔ (رواه احمد و الترمذی و ابن ماجۃ و الدارمی)

"اور حضرت خزیمہ ابن ثابتؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے حیا نہیں کرتا تم عورتوں کی مقعد میں بدفعلی نہ کرو۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: "حیا" اس "تغیر" کو کہتے ہیں جو عیب لگنے اور برا کہے جانے کے خوف سے انسان میں واقع ہوتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی تغیر کا واقع ہونا محال ہے اس لئے یہاں "حیا" سے حقیقی حیا مراد نہیں ہے بلکہ مجازی حیا یعنی "ترک کرنا" مراد ہے جو "حیا" کا مقصد

ہے، اس طرح اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیِیْ الخ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حق بات کہنے اور اس کے اظہار کو ترک نہیں کرتا۔ لہٰذا حدیث میں اس بات کو مابعد کے مضمون (عورت کے ساتھ بدفعلی کی ممانعت) کی تمہید و مقدمہ کے طور پر ذکر کرنا گویا اس فعل بد کی انتہائی برائی اور اس کے حرام ہونے پر متنبہ کرنا ہے کہ یہ بات اتنی ناپسندیدہ اور مکروہ ہے کہ اس کو زبان پر لانا اور اس کا ذکر کرنا بھی شرم و حیا کے منافی ہے اگرچہ اس کا ذکر کرنا اس سے روکنے ہی کی وجہ سے کیوں نہ ہو لیکن چونکہ یہ ایک شرعی مسئلہ ہے اور شرعی مسئلہ کو بیان کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے اس لئے سن لو کہ عورتوں کے ساتھ "ان کی مقعد میں" بدفعلی کرنا حرام ہے اس لئے اجتناب کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب عورتوں کے ساتھ بدفعلی کرنا حرام ہے تو مردوں کے ساتھ یہ فعل بد طریقہ اولی حرام ہوگا۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس موقعہ پر مناسب تو یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ "میں حق بات بیان کرنے سے حیا نہیں کرتا۔" لیکن آپ ﷺ نے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد اس حکم کی اہمیت کو ظاہر کرنا اور اس فعل بد کی برائی کو بطور مبالغہ بیان کرنا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے ساتھ بدفعلی کرنا حرام ہے لہٰذا جو لوگ اس کو جائز کہتے ہیں وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی اجنبی عورت کے ساتھ یہ فعل بد کرے تو وہ زانی کے حکم میں ہوگا، اور اگر اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے ساتھ کرے تو وہ حرام کا مرتکب ہوا لیکن اس کی پاداش میں اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا اور نہ اس پر حد جاری کی جائے گی البتہ اسے کوئی سزا ضرور دی جائے گی۔ اور نوویؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کے ساتھ (اغلام) کرے تو وہ اجنبی کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کے حکم میں ہوگا، نیز حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس فعل بد پر فاعل اور مفعول (یعنی یہ فعل بد کرنے والا اور کرانے والا) دونوں مستوجب تعزیر ہوتے ہیں کہ ان دونوں کو ان کے حال کے مناسب کوئی سزا دی جائے گی ہاں اگر مفعول (یعنی جس کے ساتھ یہ بدفعلی کی گئی ہے) چھوٹا ہو یا دیوانہ ہو یا اس کے ساتھ زبردستی یہ فعل بد کیا گیا ہو تو اسے سزا نہیں دی جائے گی۔

اپنی بیوی کے ساتھ بدفعلی کرنے والا ملعون ہے

(۱۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتٰى اِمْرَاَتَهٗ فِیْ دُبُرِهَا۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "وہ شخص ملعون ہے جو اپنی عورت کے ساتھ بدفعلی کرے۔" (ابوداؤدؒ، احمدؒ)

(۱۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الَّذِیْ یَاْتِیْ امْرَاَتَهٗ فِیْ دُبُرِهَا لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَیْهِ۔

(رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنی عورت کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف (رحمت و شفقت کی نظر سے) نہیں دیکھتا۔" (ترمذیؒ)

(۱۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰى رَجُلٍ اَتٰى رَجُلًا اَوِ امْرَاَةً فِی الدُّبُرِ۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف (رحمت و شفقت کی نظر سے) نہیں دیکھتا جو مرد یا عورت کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے۔" (ترمذیؒ)

غیلہ کی ممانعت

(۱۴) وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ یَزِیْدَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ سِرًّا فَاِنَّ الْغَیْلَ یُدْرِكُ الْفَارِسَ فَیُدَعْثِرُهٗ عَنْ فَرَسِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم اپنی اولاد کو مخفی طور پر قتل نہ کرو کیونکہ غیل، سوار پر اثر انداز ہوتا ہے اور اسے گھوڑے سے گرا دیتا ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: "اپنی اولاد کو مخفی طور پر قتل نہ کرو" کا مطلب یہ ہے کہ غیلہ کے ذریعہ اولاد کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حمل کی حالت میں دودھ پلانے یا مدت رضاعت میں جماع کرنے کو غیلہ کہتے ہیں لہٰذا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ غیلہ کی وجہ سے بچہ کے مزاج میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے قویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں اور اس خرابی و ضعف کا اثر اس کے بالغ ہونے کے بعد تک رہتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بچہ بڑا ہونے کے بعد جب میدان کارزار میں جاتا ہے تو دشمن کے مقابلہ میں سست اور کمزور پڑ جاتا ہے اور گھوڑے سے گر پڑتا ہے اور یہ چیز اس کے حق میں ایسی ہے جیسا کہ اسے مقابلہ سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا ہو لہٰذا غیلہ نہ کرو تاکہ غیلہ کی وجہ سے اپنے بچے کے قتل ہو جانے کا باعث نہ بنو۔

اس موقع پر یہ خلجان پیدا ہو سکتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہو کہ بچہ پر غیلہ کا اثر پڑتا ہے جب کہ اس سے پہلے گزرنے والی بعض احادیث سے یہ معلوم ہوا تھا کہ غیلہ، بچہ پر اثر انداز نہیں ہوتا؟ اس کا جواب طیبی نے یہ دیا ہے کہ گزشتہ احادیث میں بچہ پر غیلہ کے اثر انداز ہونے کی نفی زمانہ جاہلیت کے اس اعتقاد کی تردید کے لئے تھے کہ لوگ غیلہ ہی کو حقیقی مؤثر سمجھتے تھے۔ اور اس حدیث کے ذریعہ غیلہ کے اثر انداز ہونے کا جو اثبات کیا گیا ہے وہ اس بات کے پیش نظر ہے کہ غیلہ فی الجملہ سبب بنتا ہے اور مؤثر حقیقی حق تعالیٰ کی مرضی اور اس کا حکم ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ اس حدیث میں غیلہ کی جو ممانعت بیان کی گئی ہے وہ نہی تنزیہی کے طور پر ہے اور آپ ﷺ کا گزشتہ ارشاد لَقَدْ هَمَمْتُ الخ (حدیث نمبر۷) تحریم پر محمول ہے، اسی طرح دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد باقی نہیں رہے گا، اس کے علاوہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے) ان دونوں کی بنیاد آپ ﷺ کا اجتہاد تھا، یعنی جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ عرب کے لوگ جب غیلہ کرتے ہیں تو ان کے بچے ضعیف و کمزور ہو جاتے ہیں تو آپ ﷺ نے غلیہ سے منع کیا مگر جب بعد میں آپ ﷺ نے روم و فارس کے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہاں غیلہ کی وجہ سے بچہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تو آپ ﷺ نے غیلہ کی ممانعت کو ختم کر دیا چنانچہ حضرت جدامہ رضی اللہ عنہا کی روایت نمبر۷ سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عزل کا مشروط جواز

⑮ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُعْزَلَ عَنِ الْحُرَّةِ اِلَّا بِاِذْنِهَا۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حرۃ (آزاد عورت) کے ساتھ اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا ہے۔" (ابن ماجہ)

تشریح: آزاد عورت سے جماع کے وقت اگر عزل کیا جائے تو اس سے اجازت لینی ضروری ہے اس کی اجازت حاصل کئے بغیر عزل نہ کیا جائے کیونکہ عزل کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ بچہ نہیں ہوتا بلکہ عورت کی جنسی لذت میں کمی بھی ہو جاتی ہے اور ان دونوں چیزوں سے آزاد عورت کا حق متعلق ہے کہ اگر عورت بچہ کی پیدائش چاہتی ہے تو مرد کو یہ اختیار نہیں کہ وہ عورت کی اس خواہش کو پورا نہ ہونے دے اسی طرح عورت اگر عزل کی وجہ سے اپنی جنسی لذت میں کمی محسوس کرتی ہے تو یہ اس کے ساتھ بے انصافی ہے اس لئے ضروری ہے کہ عزل کے لئے عورت کی اجازت حاصل کر لی جائے اگر وہ اجازت دے تو عزل کیا جائے اور اگر اجازت نہ دے تو عزل نہ کیا جائے۔ گویا یہ حدیث آزاد عورت کی اجازت کی شرط کے ساتھ اور لونڈی کی اجازت کے بغیر بھی عزل کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

بَابٌ

گزشتہ باب کے متعلقات کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

لونڈی آزاد ہونے کے بعد اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے

① عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا فِيْ بَرِيْرَةَ خُذِيْهَا فَاَعْتِقِيْهَا وَكَانَ زَوْجُهَا عَبْدًا فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا وَلَوْ كَانَ حُرًّا لَمْ يُخَيِّرْهَا۔ (متفق علیہ)

"حضرت عروہؓ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ان (یعنی حضرت عائشہؓ) سے بریرہؓ کے بارہ میں فرمایا کہ اسے خرید لو اور پھر اس کو آزاد کردو اور بریرہؓ کا خاوند چونکہ غلام تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اسے اختیار دے دیا تھا اور بریرہؓ نے (اس اختیار کے مطابق) اپنے آپ کو (اپنے خاوند سے) علیحدہ کر لیا تھا۔ اور اگر اس کا خاوند آزاد ہوتا تو آپ ﷺ اسے یہ اختیار نہ دیتے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: بریرہؓ کا مذکورہ بالا واقعہ تفصیلی طور پر کتاب البیوع میں گزر چکا ہے، یہ بطور لونڈی ایک یہودی کی ملکیت میں تھیں، پھر حضرت عائشہؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا چنانچہ بریرہؓ کی خریداری کے وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ پہلے اسے اس کے مالکوں سے خرید لو اور پھر اس کو آزاد کردو، آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت عائشہؓ نے اسے خریدا اور پھر آزاد کر دیا، بریرہؓ کا خاوند چونکہ ایک غلام تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے بریرہؓ کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ آزاد ہونے کے بعد اگر چاہو تو تم اپنے خاوند کے نکاح میں حسب سابق رہو اور اگر اس کے نکاح میں رہنا نہ چاہو تو اس سے علیحدہ ہو جاؤ، اس اختیار کے پیش نظر بریرہؓ نے علیحدگی کو اختیار کیا اور اپنے خاوند سے قطع تعلق کر لیا۔ حدیث کا آخری جملہ ولو کان حرا الخ اور اگر اس کا خاوند آزاد ہوتا الخ) بظاہر حضرت عروہ کا اپنا قول معلوم ہوتا ہے اور آئمہ ثلثہ یعنی حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ لونڈی کو آزاد ہونے کے بعد اپنے نکاح کو باقی یا فسخ کرنے کا اختیار اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ اس کا خاوند غلام ہوتا کہ وہ آزاد ہو جانے کے بعد ایک غلام کے نکاح میں رہنے کو عار محسوس نہ کرے، اگر اس کا خاوند غلام نہ ہو تو پھر اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا، لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسے بہر صورت یہ اختیار حاصل ہوتا ہے خواہ اس کا شوہر غلام ہو یا آزاد ہو۔ دونوں طرف کے علماء کی دلیلیں فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ آزاد ہوں تو تمام علماء کا متفقہ طور پر یہ مسلک ہے کہ اس صورت میں بیوی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا اسی طرح اگر شوہر آزاد ہو جائے تو اسے اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ خواہ اس کی بیوی آزاد عورت ہو یا لونڈی ہو۔

② وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ زَوْجُ بَرِيْرَةَ عَبْدًا اَسْوَدَ يُقَالُ لَهُ مُغِيْثٌ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ يَطُوْفُ خَلْفَهَا فِيْ سِكَكِ الْمَدِيْنَةِ يَبْكِيْ وَدُمُوْعُهُ تَسِيْلُ عَلٰى لِحْيَتِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ يَا عَبَّاسُ اَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِيْثٍ بَرِيْرَةَ وَمِنْ بُغْضِ بَرِيْرَةَ مُغِيْثًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ رَاجَعْتِيْهِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَاْمُرُنِيْ قَالَ اِنَّمَا اَشْفَعُ قَالَتْ لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْهِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بریرہؓ کا شوہر ایک سیاہ فام تھا جس کو مغیثؓ کہا جاتا تھا، میری آنکھوں کے سامنے اب بھی وہ منظر ہے

جب وہ بریرہؓ کے پیچھے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں روتا پھرتا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر اس کی داڑھی پر گرتے تھے چنانچہ (ایک دن) آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ "عباس! کیا تمہیں اس پر حیرت نہیں ہے کہ مغیثؓ، بریرہؓ کو کتنا چاہتا ہے اور بریرہؓ مغیث سے کس قدر نفرت کرتی ہے؟" پھر آپ ﷺ نے بریرہؓ سے بھی فرمایا کہ "بریرہؓ! کاش تم مغیث سے رجوع کرتیں (یعنی مغیث سے دوبارہ نکاح کر لیتیں) بریرہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! کیا آپ مجھے (بطور وجوب) اس کا حکم دے رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "بریرہ!! میں تو سفارش کر رہا ہوں (یعنی بطور وجوب نہیں بلکہ بطریق استحباب تمہیں حکم دے رہا ہوں) بریرہؓ نے کہا کہ مجھے اس سے رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے (یعنی مجھے اس کے پاس رہنا منظور نہیں ہے)۔" (بخاریؒ)

تشریح: چونکہ بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغیثؓ یعنی بریرہؓ کا شوہر آزاد تھا اس لئے اگر اس حدیث کے ابتدائی جملہ کی یہ وضاحت کی جائے کہ مغیث بدصورتی میں ایک سیاہ فام غلام کی مانند تھا۔ یا یہ کہ مغیث پہلے تو غلام تھا (جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے) لیکن پھر آزاد کیا گیا اور وہ آزاد ہو گیا۔" تو اس صورت میں روایتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں رہے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سردار حاکم کو اپنی رعایا سے کسی کے حق میں جائز کام کی سفارش کرنا ایک اچھی بات ہے، اسی طرح حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اپنے سردار حاکم کی سفارش کو قبول کرنا واجب نہیں ہے اور نہ اس سفارش کو نہ ماننے کی وجہ سے اس سے سردار حاکم کو کوئی مواخذہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی سے اس کی بدصورتی و بدخلقی کی وجہ سے تعلق نہ رکھنا جائز ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

مملوک خاوند و بیوی کو آزاد کرنا ہو تو پہلے خاوند کو آزاد کیا جائے

(۳) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا اَرَادَتْ اَنْ تُعْتِقَ مَمْلُوْكَيْنِ لَهَا زَوْجٌ فَسَاَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهَا اَنْ تَبْدَاَ بِالرَّجُلِ قَبْلَ الْمَرْاَةِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے دو مملوکوں کو آزاد کرنے کا ارادہ کیا جو آپس میں خاوند بیوی تھے تو نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا، آپ نے انہیں عورت سے پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم دیا (تاکہ عورت کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار باقی نہ رہے)۔"

(ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: اگر حضرت عائشہؓ پہلے عورت کو آزاد کرتیں تو وہ آزاد ہونے کے بعد ایک غلام کے نکاح میں رہتی اس صورت میں اسے یہ اختیار حاصل ہو جاتا کہ اگر وہ چاہتی تو اپنا نکاح باقی رکھتی اور اگر اسے شوہر کے ساتھ رہنا گوارہ نہ ہوتا تو نکاح فسخ کر دیتی (جیسا کہ آئمہ ثلاثہ کا مسلک ہے اور جس کی تفصیل ابھی پیچھے گزری ہے) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم دیا تاکہ یہ اختیار نہ رہے اور مرد کی دل شکنی نہ ہو۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ مرد، عورت کی بہ نسبت زیادہ کامل اور افضل ہوتا ہے لہٰذا اس کو مقدم رکھنا چاہئے، یا پھر یہ کہ آپ ﷺ اس بات کو محسوس کرتے تھے کہ مرد تو لونڈی بیوی کو گوارا کر لیتا ہے لیکن عورت اگر کسی غلام کے نکاح میں ہوتی ہے تو پھر اکثر اس سے بیزار رہتی ہے اور ہمہ وقت ذہنی اذیت و کوفت میں مبتلا رہتی ہے اس لئے آپ ﷺ نے پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کی بیوی اپنے شوہر کی طرف سے کسی بیزاری میں مبتلا نہ ہو۔

اگر لونڈی اپنی مرضی سے اپنا نکاح کرے تو آزاد ہونے کے بعد فسخ نکاح کا اختیار اسے حاصل نہیں ہوتا

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ بَرِيْرَةَ عَتَقَتْ وَهِيَ عِنْدَ مُغِيْثٍ فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَهَا اِنْ قَرِبَكِ

فَلَا خِیَارَ لَکِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ بریرہؓ اس حال میں آزاد ہوئی تھی کہ وہ مغیث کے نکاح میں تھی چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اسے (اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا) اختیار دے دیا لیکن یہ بھی فرمایا کہ اگر تیرا شوہر تجھ سے جماع کرے گا تو تجھے یہ اختیار حاصل رہے گا (کیونکہ اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ تو اس کی زوجیت پر راضی ہے)۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی لونڈی نے اپنے مالک کی رضامندی سے اپنا نکاح کیا یا اس کے مالک نے اس کا نکاح اس کی رضا مندی سے یا اس کی رضامندی کے بغیر کر دیا اور پھر وہ لونڈی آزاد ہو گئی تو اس کو اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے خواہ اس کا خاوند ہو یا غلام ہو اور اگر لونڈی اپنے مالک کی رضامندی و اجازت کے بغیر اپنا نکاح خود کرے اور پھر اس کا مالک اس کو آزاد کر دے تو آزاد ہوتے ہی اس کا نکاح منعقد یعنی صحیح ہو جاتا ہے لیکن اسے مذکورہ اختیار حاصل نہیں رہتا۔ ائمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر لونڈی کسی آزاد کے نکاح میں ہو تو آزاد ہونے کے بعد اس لونڈی کو اپنے نکاح کے باقی یا فسخ کر دینے کا اختیار نہیں ہوتا۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ بریرہؓ کے خاوند کے بارہ میں متعارض روایتیں منقول ہیں بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت بریرہؓ کو اس حال میں اختیار دیا تھا کہ اس کا شوہر غلام تھا لیکن بخاری و مسلم ہی میں یہ بھی منقول ہے کہ جب بریرہؓ کو آزاد کیا گیا تو اس کا شوہر ایک آزاد مرد تھا۔

اسی طرح کی روایت سنن اربعہ یعنی ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے بھی نقل کی ہے، نیز ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے، لہٰذا ائمہ ثلاثہ نے تو پہلی روایت کو ترجیح دی اور حضرت امام ابوحنیفہؒ نے دوسری روایت کو راجح قرار دیا۔ ملا علی قاریؒ نے ابن ہمامؒ کے اس قول کو مرقات میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، یہاں طوالت کے خوف سے اس کا خلاصہ نقل کر دیا گیا ہے۔

بَابُ الصَّدَاقِ

مہر کا بیان

"مہر" حقوق زوجیت حاصل ہونے کے اس معاوضہ کو کہتے ہیں جو عورت کو اس کے شوہر کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ مہر کے نہ دینے کی نیت نہ ہونا نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط ہے یعنی اگر کوئی شخص نکاح کے وقت یہ نیت کر لے کہ مہر دیا ہی نہ جائے گا۔ تو اس کا نکاح صحیح نہ ہوگا۔ نکاح کے وقت مہر کا ذکر کرنا نکاح صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں ہے، اگر مہر کا ذکر نہ کیا جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔

مہر کی مقدار: نہ تو شریعت نے مہر کے لئے کسی خاص مقدار کو متعین کر کے اسے واجب قرار دیا ہے اور نہ اس کی زیادہ سے زیادہ کوئی حد مقرر کی گئی ہے بلکہ اسے شوہر کی حیثیت و استطاعت پر موقوف رکھا ہے کہ جو شخص جس قدر مہر دینے کی استطاعت رکھتا ہو اسی قدر مقرر کرے البتہ مہر کی کم سے کم ایک حد ضرور مقرر کی گئی ہے تاکہ کوئی شخص اس سے کم مہر نہ باندھے، چنانچہ حنفیہ کے مسلک میں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم (۳۰٫۶۱۲ گرام چاندی) ہے اگر کسی شخص نے اتنا مہر باندھا جو دس درہم یعنی ۳۰٫۶۱۲ گرام چاندی کی قیمت سے کم ہو تو مہر صحیح نہیں ہوگا۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک کم سے کم مہر کی آخری حد چوتھائی دینار ہے اور حضرت امام شافعیؒ و حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ جو بھی چیز ثمن یعنی قیمت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو اس کا مہر باندھنا جائز ہے۔

ازواج مطہراتؓ اور صاحبزادیوںؓ کا مہر؟: ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے علاوہ تمام ازواج مطہراتؓ اور حضرت فاطمہؓ کے علاوہ

تمام صاحبزادیوں کا مہر پانچ سو درہم چاندی کی مقدار۔ ۵۷۵ء۱ ماشہ یعنی ایک کلو ۵۳۰ گرام ہوتی ہے آجکل کے نرخ کے مطابق ایک کلو ۵۳۰ گرام چاندی کی قیمت تقریباً ۹۱۸/ روپے ہوتی ہے۔ اُم المؤمنین اُم حبیبہؓ کا مہر چار ہزار درہم یا چار سو دینار تھا، چار ہزار درہم بارہ ہزار چھ سو ماشہ یعنی بارہ کلو ۲۴۷ گرام چاندی کے بقدر ہوتے ہیں اور چاندی کے موجودہ نرخ کے مطابق اس کی قیمت سات ہزار تین سو اڑتالیس روپیہ (/۷۳۴۸) ہوتی ہے۔

حضرت فاطمہ زہراءؓ کا مہر چار سو مثقال نقرہ تھا، چار سو مثقال، اٹھارہ سو ماشہ یعنی ایک کلو ۷۵۰ گرام چاندی کے بقدر ہوتے ہیں اور چاندی کے موجودہ نرخ کے مطابق اس کی قیمت ایک ہزار پچاس روپیہ (/۱۰۵۰) ہوتی ہے۔

(اس قدر چاندی کے ساتھ روپے کی یہ مطابقت آج کل کے دور میں درست نہیں کیونکہ پاکستان میں روپے کی قیمت بہت زیادہ گر چکی ہے۔ ہاں ہر زمانے میں چاندی کی قیمت معلوم کر کے روپے کی تعیین کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ از اصغر۔ م۔)

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

مہر کی کم سے کم مقدار کیا ہونی چاہئے؟

① وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَتْهُ اِمْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ وَهَبْتُ نَفْسِيْ لَكَ فَقَامَتْ طَوِيْلًا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَوِّجْنِيْهَا اِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ فِيْهَا حَاجَةٌ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصْدِقُهَا قَالَ مَا عِنْدِيْ اِلَّا اِزَارِيْ هٰذَا قَالَ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ فَالْتَمَسَ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ سُوْرَةُ كَذَا وَسُوْرَةُ كَذَا فَقَالَ قَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ انْطَلِقْ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا فَعَلِّمْهَا مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سہل ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک عورت، رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! میں نے اپنے آپ کو آپ (ﷺ) کے لئے ہبہ کر دیا" (یہ کہہ کر) وہ عورت دیر تک کھڑی رہی یہاں تک کہ (آنحضرت ﷺ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور ابھی آپ ﷺ خاموش ہی تھے کہ) ایک صحابیؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! اگر آپ (ﷺ) اس عورت کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں تو اس سے میرا نکاح کر دیجئے۔" آپ ﷺ نے پوچھا "کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز بھی ہے جسے تم اس عورت کو مہر میں دے سکو؟" انہوں نے عرض کیا کہ "اس تہ بند کے علاوہ (جسے میں باندھے ہوئے ہوں) میرے پاس کوئی اور چیز نہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ (کوئی چیز) ڈھونڈ لاؤ، اگرچہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔" جب صحابیؓ نے بہت تلاش کیا اور انہیں کوئی چیز نہیں ملی تو پھر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ "کیا تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہے؟" انہوں نے عرض کیا کہ "ہاں! فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا "قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا۔" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا۔" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا، تم اس کو قرآن کی تعلیم دیا کرو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں یہ حکم تھا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کے لئے ہبہ کر دیتی تھی اور آپ ﷺ اس کے ہبہ کو قبول کر لیتے تھے تو وہ عورت آنحضرت ﷺ کے لئے حلال ہو جاتی تھی اور آپ ﷺ پر اس کا کچھ مہر واجب نہیں ہوتا تھا۔ یہ اور کسی کے لئے نہ آپ ﷺ کے وقت میں جائز تھا اور نہ اب جائز ہے بلکہ یہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے تھا۔ یعنی صرف آپ ﷺ ہی کے لئے جائز تھا، چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے۔

وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (النساء ۳۳: ۵۰)

"اور اگر کوئی مؤمن عورت اپنے تئیں پیغمبر (ﷺ) کو ہبہ کردے (یعنی مہر لینے کے بغیر نکاح میں آنا چاہے) اور پیغمبر ﷺ بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں (تو وہ عورت حلال ہے لیکن اے محمد (ﷺ) یہ اجازت صرف آپ ہی کو ہے سب مسلمانوں کو نہیں۔"

اس بارہ میں فقہی تفصیل یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بغیر مہر کے، لفظ ہبہ کے ذریعہ نکاح کا جواز صرف آنحضرت ﷺ کے لئے تھا یہ کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے جب کہ حنفی مسلک یہ ہے کہ لفظ ہبہ کے ذریعہ نکاح کرنا تو سب کے لئے جائز ہے مگر اس صورت میں مہر کا واجب نہ ہونا صرف آنحضرت ﷺ کے لئے تھا، لہٰذا اگر کوئی عورت اپنے آپ کو کسی شخص کے لئے ہبہ کرے اور وہ شخص اس ہبہ کو قبول کرلے تو اس ہبہ کے ذریعہ دونوں کے درمیان نکاح صحیح ہوجائے گا اور اس شخص پر مہر مثل واجب ہوگا۔ اگرچہ وہ عورت مہر کا کوئی ذکر نہ کرے یا مہر کی نفی ہی کیوں نہ کردے لہٰذا حنفی مسلک کے مطابق مذکورہ بالا آیت کے الفاظ خالصۃ لک الخ کے معنی ہیں کہ اپنے آپ کو ہبہ کردینے والی عورت کا مہر واجب ہوئے بغیر حلال ہونا صرف آپ ﷺ کے لئے ہے۔

وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ (اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو) سے معلوم ہوا کہ از قسم مال کسی بھی چیز کا مہر باندھنا جائز ہے خواہ وہ چیز کتنی ہی کم تر کیوں نہ ہو بشرطیکہ مرد و عورت دونوں اس پر راضی ہوں چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے اس بارہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کا جو مسلک ہے وہ ابتدائے باب میں ذکر کیا جاچکا ہے حنفیہ کی دلیل حضرت جابرؓ کی یہ روایت ہے جس کو دار قطنیؒ نے نقل کیا ہے کہ:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا تنکحوا النساء الا الاکفاء ولا یزوجھن الا الاولیاء ولا مھر دون عشرۃ دراھم۔

"رسول کریم ﷺ نے فرمایا عورتوں کا نکاح ان کے کفو ہی سے کیا جائے اور عورتوں کا نکاح ان کے ولی کریں اور دس درہم سے کم مہر کا اعتبار نہیں ہے۔"

نیز حنفی مسلک کی تائید دار قطنی اور بیہقی ہی میں منقول حضرت علیؓ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ:

لا صداق اقل من عشرۃ دراھم۔

"حضرت علیؓ نے فرمایا کہ (دس درہم سے کم کا مہر معتبر نہیں۔"

حضرت سہلؓ کی اس روایت کو حنفیہ نے مہر معجل پر محمول کیا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ ازواج مطہراتؓ کے مقررہ مہر میں سے کچھ حصہ علی الفور عین جماع کرنے سے پہلے دے دیتے تھے اسی لئے آپ ﷺ نے ان صحابیؓ کو بھی یہ حکم فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی بھی چیز خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو مل جائے تو لے آؤ تاکہ نکاح کے بعد اس عورت کو مہر کے طور پر کچھ نہ کچھ دے سکو۔ اسی بناء پر بعض علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نکاح کے بعد اپنی بیوی سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک اس کے مہر میں سے کچھ نہ کچھ اسے دے دیا جائے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت زہریؒ اور حضرت قتادہؒ کا یہی مسلک تھا ان کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کیا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں حضرت فاطمہؓ کے پاس اس وقت تک جانے سے ممانعت کردی جب تک کہ وہ حضرت فاطمہؓ کو ان کے مہر میں سے کچھ نہ دے دیں حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! اس وقت تو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم فاطمہ کو اپنی زرہ دے دو۔" حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو اپنی زرہ دے دی اور اس کے بعد ان کے پاس گئے۔ اور یہ معلوم ہے کہ حضرت فاطمہؓ کا مہر چار سو مثقال چاندی کا تھا اور آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اس مقررہ مہر سے ایک زرہ کی بقدر دینے کا حکم دیا تھا لہٰذا ان حضرات کے نزدیک مقررہ مہر میں

سے علی الفور (یعنی جماع سے قبل) کچھ دے دینا واجب ہے جب کہ حنفیہ کے ہاں یہ مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا، چنانچہ بعض آئمہ نے اسے جائز رکھا ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں (یعنی تعلیم قرآن کو مہر قرار دے کے نکاح کر لینے کی صورت میں) نکاح تو صحیح ہو جاتا ہے مگر خاوند پر مہر مثل واجب ہوتا ہے اور جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے تو ارشاد گرامی بما معک الخ میں حرف باء بدل کے لئے نہیں ہے بلکہ سببیت کے اظہار کے لئے ہے یعنی اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا گویا تمہیں قرآن کا یاد ہونا اس عورت کے ساتھ ہوا تھا تو قبولیت اسلام ان کے نکاح کا سبب تھا اسے مہر قرار نہیں دیا گیا تھا۔

"تم اس کو قرآن کی تعلیم دیا کرو" یہ حکم بطور وجوب نہیں تھا بلکہ بطریق استحباب تھا لہٰذا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا تھا۔

ازواج مطہرات کے مہر کی مقدار

(۲) وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ کَمْ کَانَ صَدَاقُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ کَانَ صَدَاقُهٗ لِاَزْوَاجِهٖ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ اُوْقِیَّةً وَنَشٌّ قَالَتْ اَتَدْرِیْ مَا النَّشُّ قُلْتُ لَا قَالَتْ نِصْفُ اُوْقِیَّةٍ فَتِلْكَ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَنَشٌّ بِالرَّفْعِ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِیْ جَمِیْعِ الْاُصُوْلِ۔

"اور حضرت ابوسلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے (اپنی ازواج مطہراتؓ کا) کتنا مہر مقرر کیا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج کے لئے بارہ اوقیہ اور ایک نش کا مہر مقرر فرمایا تھا۔" پھر حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ "جانتے ہو نش کسے کہتے ہیں؟" میں نے عرض کیا کہ "نہیں" انہوں نے فرمایا کہ "ایک نش آدھے اوقیہ کے برابر ہوتا ہے اس طرح بارہ اوقیہ ایک نش کی مجموعی مقدار پانچ سو درہم کے برابر ہوئی (کیونکہ ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے) اس روایت کو مسلمؒ نے نقل کیا ہے اور شرح السنۃ اور اصول کی تمام کتابوں میں لفظ نش نون کے پیش کے ساتھ یعنی نُش منقول ہے" اصول حدیث کی ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں تمام احادیث سند کے ساتھ لکھی گئی ہوں)۔"

تشریح: پانچ سو درہم کے موجودہ وزن اور موجودہ حیثیت کی تفصیل ابتداء باب میں بیان کی جاچکی ہے اس حدیث سے شوافع یہ استدلال کرتے ہیں کہ پانچ سو درہم کا مہر باندھنا مستحب ہے۔

یہاں ایک خلجان پیدا ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کی تمام ازواج مطہراتؓ کی مقدار پانچ سو درہم بتائی ہے حالانکہ حضرت اُم حبیبہؓ کا مہر چار ہزار درہم یا چار سو دینار تھا اور حضرت اُم حبیبہؓ بھی آنحضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے تمام ازواج مطہراتؓ کے مہر کی مقدار بتائی ہے جن کا مہر خود آنحضرت ﷺ نے مقرر فرمایا تھا، جب کہ حضرت اُم حبیبہؓ کا مہر حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے باندھا تھا۔

بھاری مہر کی ممانعت

(۳) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اَلَا لَا تُغَالُوْا صَدُقَةَ النِّسَاءِ فَاِنَّهَا لَوْ کَانَتْ مَکْرُمَةً فِی الدُّنْیَا وَتَقْوٰی عِنْدَ اللّٰهِ لَکَانَ اَوْلَاکُمْ بِهَا نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلِمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَکَحَ شَیْئًا مِنْ نِسَائِهٖ وَلَا اَنْکَحَ شَیْئًا مِنْ بَنَاتِهٖ عَلٰی اَکْثَرَ مِنِ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اُوْقِیَّةً۔ (رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد والنسائی و ابن ماجۃ و الدارمی)

"حضرت عمر ابن خطابؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ خبردار! عورتوں کا بھاری مہر نہ باندھو! اگر بھاری مہر باندھنا دنیا میں بزرگی و عظمت کا سبب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کا موجب ہوتا تو یقیناً نبی کریم ﷺ اس کے زیادہ مستحق تھے (آپ ﷺ بھاری سے بھاری مہر باندھتے) مگر میں نہیں جانتا کہ رسول کریم ﷺ نے بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر پر اپنی ازواج مطہرات سے نکاح کیا ہو یا اس سے زیادہ مہر پر اپنی صاحبزادیوں کا نکاح کرایا ہو۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: "تقویٰ" سے مراد زیادہ تقویٰ ہے اور آیت کریمہ:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ یعنی اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑے مرتبہ والا وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ کے بموجب اللہ تعالیٰ کے نزدیک امتیاز عطا کرنے والی بزرگی و فضیلت کا مستحق بناتا ہے حاصل یہ کہ بھاری مہر باندھنے سے نہ صرف یہ کہ دنیا میں کوئی عظمت و بزرگی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ سے آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک امتیازی بزرگی و فضیلت کا درجہ حاصل نہیں ہو گا اور جب اس کی وجہ سے نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دین کا کوئی نفع تو پھر اس لاحاصل چیز کو کیوں اختیار کیا جائے! ازواج مطہرات کے مہر کے سلسلہ میں تین روایتیں ہیں جو بظاہر متضاد معلوم ہوتی ہیں، ایک تو حضرت عائشہؓ کی روایت ہے دوسری روایت یہ ہے جس میں بارہ اوقیہ یعنی چار سو اسی درہم کی مقدار ذکر کی گئی ہے اور ایک روایت آگے آئے گی جس میں حضرت اُم حبیبہؓ کے مہر کی مقدار چار ہزار درہم ذکر ہوگی ان تینوں روایتوں میں سے حضرت اُم حبیبہؓ کے مہر والی روایت کو مستثنیٰ سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ ان کا مہر آنحضرت ﷺ نے مقرر نہیں کیا تھا بلکہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے باندھا تھا اور نجاشی بادشاہ نے بھی اتنا زیادہ مہر محض آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم کے پیش نظر باندھا تھا۔

اب رہی حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ کی روایتیں تو دونوں کے درمیان بھی در حقیقت کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے مہر کی اصل مقدار کی وضاحت کرتے ہوئے اوقیہ کے ساتھ کسر یعنی آدھے اوقیہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور حضرت عمرؓ نے صرف اوقیہ کا ذکر کیا کسر کو چھوڑ دیا اس کے علاوہ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عمرؓ نے بارہ اوقیہ سے زیادہ کی نفی اپنے علم کے مطابق کی ہے "یعنی حضرت عمرؓ کو صرف بارہ اوقیہ ہی کا علم ہو گا اور حضرت عائشہؓ نے جو ایک نش (آدھا اوقیہ) زیادہ ذکر کیا ہے وہ حضرت عمرؓ کے علم میں نہیں آیا ہو گا۔

یہ بات ملحوظ ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہاں صرف اولیٰ اور افضل کو بیان کیا ہے یعنی ان کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہو گا کہ زیادہ بہتر اور افضل و اولیٰ یہ ہے کہ مہر کم ہی باندھا جائے جس کی مسنون مقدار بارہ اوقیہ ہے ورنہ تو جہاں تک جواز کا تعلق ہے یہ بتایا ہی جا چکا ہے کہ اس سے زیادہ مہر باندھنا بھی جائز ہے۔

مہر میں کچھ حصہ علی الفور دے دینا بہتر ہے

④ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْطٰى فِيْ صَدَاقِ امْرَاَتِهٖ مِلْءَ كَفَّيْهِ سَوِيْقًا اَوْ تَمْرًا فَقَدِ اسْتَحَلَّ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے اپنی بیوی کے مہر میں سے (کچھ حصہ بطور مہر معجل دے دیا مثلاً) دونوں ہاتھ بھر کر ستو یا کھجوریں دے دیں تو اس نے اس عورت کو اپنے لئے حلال کر لیا۔" (ابوداؤدؒ)

⑤ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ اَنَّ امْرَاَةً مِنْ بَنِيْ فَزَارَةَ تَزَوَّجَتْ عَلٰى نَعْلَيْنِ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَضِيْتِ مِنْ نَّفْسِكِ وَمَالِكِ بِنَعْلَيْنِ قَالَتْ نَعَمْ فَاَجَازَهٗ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عامر ابن ربیعہؓ کہتے ہیں کہ (قبیلہ) بنی فزارہ کی ایک عورت نے ایک جوڑی جوتی پر ایک شخص سے نکاح کیا تو رسول کریم ﷺ نے اس سے فرمایا "کیا تم اپنی مالداری کے باوجود اپنے آپ کو ایک جوڑا جوتی کے بدلے حوالے کر دینے پر راضی ہو گئیں۔" یعنی

اس کے باوجود کہ تم خود مالدار اور با حیثیت خاتون ہو کیا صرف ایک جوڑا جوتی کے بدلے اپنے آپ کو حوالے کر دینے پر راضی ہو؟") اس عورت نے کہا کہ ہاں (میں راضی ہوں) آپ ﷺ نے (یہ جواب سن کر) اس کو جائز رکھا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: رفع تعارض کے پیش نظر اس حدیث کو بھی "مہر معجل" پر محمول کیا جائے گا لیکن اس کی یہ توضیح زیادہ مناسب ہے کہ جب اس عورت نے ایک جوڑا جوتی کے عوض نکاح کیا تو اس کا نکاح صحیح ہو گیا اور اسے اپنے مہر مثل کے مطالبہ کا حق حاصل ہو گیا جب وہ ایک جوڑا جوتی پر راضی ہو گئی تو گویا وہ اپنے مہر مثل میں سے ایک جوڑا جوتی سے زیادہ کے حق سے دست بردار ہو گئی لہٰذا رسول کریم ﷺ نے اس کو جائز رکھا اور چونکہ اس صورت میں اس کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کے مسلک کی دلیل نہیں ہو سکتی اور ویسے بھی یہ حدیث ضعیف ہے۔

مہر مثل واجب ہونے کی ایک صورت

⑥ وَعَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا شَيْئًا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتّٰى مَاتَ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا الْمِيْرَاثُ فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْاَشْجَعِيُّ فَقَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ امْرَأَةٍ مِّنَّا بِمِثْلِ مَا قَضَيْتَ فَفَرِحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و الدارمی)

"اور حضرت علقمہؒ حضرت ابن مسعودؓ کے بارہ میں نقل کرتے ہیں کہ ان سے ایک ایسے شخص کے متعلق پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا کچھ مہر مقرر نہیں کیا اور پھر اس نے ابھی دخول نہیں کیا تھا یعنی نہ تو اپنی بیوی کے ساتھ جماع کیا تھا اور نہ خلوت صحیحہ ہوئی تھی۔ کہ اس کا انتقال ہو گیا، حضرت ابن مسعودؓ نے ایک مہینہ تک اس مسئلہ پر غور و فکر کیا اور پھر (اپنے اجتہاد کی بنیاد پر فرمایا کہ "اس عورت کو وہ مہر ملے گا، جو اس کے خاندان کی عورتوں کا ہے (یعنی اس شخص کی بیوہ کو مہر دیا جائے گا) نہ اس میں کوئی کمی ہو گی نہ زیادتی اور اس عورت پر (شوہر کی وفات کی) عدت بھی واجب ہو گی اور اس کو میراث بھی ملے گی۔ (یہ سن کر) حضرت معقلؓ ابن سنان اشجعی کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ "نبی کریم ﷺ نے ہمارے خاندان کی ایک عورت بروع بنت واشق کے بارہ میں یہی حکم دیا تھا جو اس وقت آپ نے بیان کیا ہے۔" حضرت ابن مسعودؓ (یہ بات سن کر) بہت خوش ہوئے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، دارمیؒ)

تشریح: حضرت ابن مسعودؓ کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل، ذہانت و ذکاوت اور دینی فہم و فراست کی دولت بڑی فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی تھی کسی بھی الجھے ہوئے مسئلے کو اپنی بے پناہ قوت اجتہاد کے ذریعہ اس طرح حل فرما دیتے تھے کہ وہ قرآن و حدیث کے بالکل مطابق ہوتا تھا، چنانچہ اس موقع پر بھی جب یہ مسئلہ آپ سے پوچھا گیا تو وہ اس پر ایک ماہ تک قرآن و سنت کی روشنی میں غور و فکر کرتے رہے پھر جب انہوں نے اپنی قوت اجتہاد سے اس کا شرعی فیصلہ سنایا تو ایک صحابی حضرت معقلؓ نے علی الاعلان یہ شہادت دی کہ حضرت ابن مسعودؓ کا یہ فیصلہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے عین مطابق ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بھی اسی قسم کے ایک معاملہ میں ایسا ہی فیصلہ صادر فرمایا تھا چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ نے اپنی اس بات پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار فرمایا کہ حق تعالیٰ نے میری رہبری فرمائی اور میرا یہ فیصلہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق ہوا۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں حضرت علیؓ اور صحابہ کی ایک جماعت کا یہ مسلک تھا کہ اس صورت میں عورت عدم دخول کی وجہ سے مہر کی حقدار نہیں ہوتی، ہاں اس پر عدت واجب ہوتی ہے اور اسے شوہر کی میراث بھی ملتی ہے اس بارہ میں حضرت امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک تو حضرت علیؓ کے موافق ہے اور دوسرا قول حضرت ابن مسعودؓ کے مطابق ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک وہی ہے جو حضرت ابن مسعود نے بیان کیا ہے۔

مہر مثل کسے کہتے ہیں: "مہر مثل" عورت کے اس مہر کو کہتے ہیں جو اس کے باپ کے خاندان کی ان عورتوں کا ہو جو ان باتوں میں اس کے مثل ہوں عمر، جمال، مال، زمانہ، عقل، دینداری، بکارت وثیوبت، علم و ادب اور اخلاق و عادات۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اُمّ حبیبہؓ سے آنحضرت ﷺ کے نکاح کی تفصیل اور ان کے مہر کی مقدار

(۷) عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ فَمَاتَ بِاَرْضِ الْحَبْشَةِ فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِيُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمْهَرَهَا عَنْهُ اَرْبَعَةَ اٰلَافٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَرْبَعَةَ اٰلَافِ دِرْهَمٍ وَبَعَثَ بِهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ شُرَحْبِيْلِ ابْنِ حَسَنَةَ۔ (رواہ ابوداؤد و النسائی)

"اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ (پہلے) عبداللہ ابن جحش کے نکاح میں تھیں پھر جب ملک حبشہ میں عبداللہ کا انتقال ہوگیا تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ان کا نکاح نبی کریم ﷺ کے ساتھ کر دیا اور نجاشی نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے اُمّ حبیبہؓ کا مہر چار ہزار مقرر کیا! ایک اور روایت میں چار ہزار درہم کے الفاظ ہیں (یعنی یہاں جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں "درہم" کا لفظ نہیں ہے بلکہ صرف چار ہزار کا ذکر ہے جب کہ ایک دوسری روایت میں چار ہزار کے ساتھ درہم کا لفظ بھی ہے اور یہی مراد ہے) اور نجاشی نے (نکاح کے بعد) اُمّ حبیبہؓ کو شرحبیل ابن حسنہ کے ہمراہ آنحضرت ﷺ کے پاس بھیج دیا۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: حضرت اُمّ حبیبہؓ کے پہلے شوہر کا نام مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں عبداللہ ابن جحش ہی لکھا ہوا ہے حالانکہ یہ غلط نام ہے صحیح نام عبید اللہ ابن جحش (تصغیر کے صیغہ کے ساتھ) ہے چنانچہ سنن ابوداؤد اور اصول وغیرہ میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔

حضرت اُمّ حبیبہؓ کا اصل نام رملہ تھا، یہ حضرت ابوسفیانؓ کی صاحبزادی اور حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں، پہلے ان کی شادی عبید اللہ ابن جحش کے ساتھ ہوئی تھی، عبید اللہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اُمّ حبیبہؓ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے پھر وہاں پہنچ کر مرتد ہوگئے یعنی اسلام ترک کر کے عیسائی ہوگئے اور وہیں مر گئے اُمّ حبیبہؓ اسلام پر ثابت قدم رہیں پھر آنحضرت ﷺ نے عمرو ابن امیہ ضمریؓ کو حبشہ کے بادشاہ اصحمہ جن کا لقب نجاشی تھا، کے پاس یہ حکم دے کر بھیجا کہ وہ اُمّ حبیبہؓ کو آپ ﷺ کے نکاح کا پیغام دیں چنانچہ نجاشی نے آنحضرت ﷺ کا یہ حکم آپ کی اپنی ایک لونڈی ابرہہ کے ذریعہ حضرت اُمّ حبیبہؓ کی خدمت میں بھیجا ابرہہ نے ان سے کہا کہ مجھے بادشاہ نے آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے اور کہا ہے کہ مجھے رسول کریم ﷺ کا یہ حکم ملا ہے کہ آپ سے رسول کریم ﷺ کا نکاح کردوں حضرت اُمّ حبیبہؓ نے یہ پیغام بطیب خاطر قبول کیا اور فوراً ایک آدمی کو حضرت خالد ابن سعیدؓ کے پاس بھیج کر ان کو اپنا وکیل مقرر کیا جو ان کے والد کے چچازاد بھائی تھے اور ساتھ ہی ابرہہ کو یہ خوشخبری سنانے کے عوض دو کپڑے اور چاندی کی ایک انگوٹھی عطا کی، پھر جب شام ہوئی تو نجاشی نے حضرت جعفر ابن ابوطالبؓ کو اور ان تمام مسلمانوں کو جو اس وقت حبشہ میں موجود تھے جمع ہونے کا حکم دیا جب سب لوگ جمع ہوگئے تو نجاشی نے یہ خطبہ پڑھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيْمِنِ الْعَزِيْزِ الْجَبَّارِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

پھر یہ الفاظ کہے "بعد ازاں میں نے اس چیز کو قبول کیا جو رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے اور میں نے چار سو دینار مہر مقرر کیا۔" اس کے بعد انہوں نے وہ چار سو دینار لوگوں کے سامنے پیش کر دیئے اس کے بعد حضرت خالد ابن سعیدؓ نے یہ خطبہ پڑھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيْمِنِ الْعَزِيْزِ الْجَبَّارِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ

رَسُوْلَهُ اَرْسَلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

پھر یہ الفاظ کہے "بعد ازاں میں نے اس چیز کو قبول کیا جو رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے اور میں نے ابوسفیان کی بیٹی اُم حبیبہؓ سے آنحضرت ﷺ کا نکاح کر دیا اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کو یہ نکاح مبارک کرے۔" اس ایجاب و قبول کے بعد مہر کے وہ چار سو دینار حضرت خالد ابن سعیدؓ کو دے دیئے گئے جنہیں انہوں نے رکھ لیا پھر جب لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو نجاشی نے کہا کہ ابھی آپ لوگ بیٹھے رہیں کیونکہ نکاح کے وقت کھانا کھلانا انبیاء کی سُنت ہے چنانچہ انہوں نے کھانا منگویا اور سب لوگ کھانا کھا کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ یہ سن ۷ھ کا واقعہ ہے اس وقت حضرت اُم حبیبہؓ کے والد ابوسفیان مشرک تھے اور آنحضرت ﷺ کے سخت دشمن تھے پھر بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

قبولیت اسلام مہر کا قائم مقام

⑧ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ تَزَوَّجَ اَبُوْطَلْحَةَ اُمَّ سُلَيْمٍ فَكَانَ صَدَاقُ مَابَيْنَهُمَا الْاِسْلَامُ اَسْلَمَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ قَبْلَ اَبِىْ طَلْحَةَ فَخَطَبَهَا فَقَالَتْ اِنِّىْ قَدْ اَسْلَمْتُ فَاِنْ اَسْلَمْتَ نَكَحْتُكَ فَاَسْلَمَ فَكَانَ صَدَاقَ مَابَيْنَهُمَا۔ (رواہ نسائی)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابوطلحہؓ نے جب اُم سلیمؓ سے نکاح کیا تو قبولیت اسلام آپس میں مہر قرار پایا۔ اُم سلیم نے ابوطلحہؓ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور پھر جب ابوطلحہؓ نے اُم سلیمؓ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو اُم سلیمؓ نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے نکاح کر لوں گی۔ (اور تم سے مہر نہیں لوں گی) چنانچہ ابوطلحہؓ نے اسلام قبول کر لیا اور اسلام قبول کر لینا ہی آپس میں مہر قرار پایا۔" (نسائیؒ)

تشریح: حضرت اُم سلیمؓ ملحان کی بیٹی اور حضرت انسؓ بن مالک کی ماں ہیں پہلے ان کی شادی مالک ابن نضر کے ساتھ ہوئی تھی جس سے حضرت انسؓ پیدا ہوئے مالک کو قبولیت اسلام کی توفیق نصیب نہیں ہو سکی اور وہ حالت شرک میں مارا گیا پھر اُم سلیم نے اسلام قبول کر لیا اور ابوطلحہ نے جو اس وقت تک مشرک تھے ان کو اپنے نکاح کا پیغام دیا اُم سلیم سے ان کا نکاح ہو گیا۔

لہٰذا حدیث کے الفاظ "اور اسلام قبول کر لینا ہی مہر قرار پایا" کی وضاحت حنفیہ کے مسلک کے مطابق یہ ہے کہ اُم سلیمؓ کے ساتھ ابوطلحہؓ کا نکاح تو مہر کے ساتھ ہی ہوا لیکن اُم سلیمؓ نے اپنے وعدہ کے مطابق ابوطلحہؓ کے اسلام لانے کی وجہ سے اپنا مہر بخش دیا گویا ابوطلحہؓ کا اسلام قبول کرنا ان کے آپس کے نکاح کا سبب ہوا نہ یہ کہ قبولیت اسلام ان کا مہر تھا ہاں دوسرے آئمہ اس حدیث کو ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے یہی کہتے ہیں کہ ابوطلحہ کا اسلام قبول کرنا ہی ان کا مہر تھا۔

بَابُ الْوَلِيْمَةِ

ولیمہ کا بیان

"ولیمہ" اس کھانے کو کہتے ہیں جو نکاح میں کھلایا جاتا ہے اور چونکہ ولیمہ مشتق ہے التیام سے جس کے معنی اجتماع کے ہیں اس لئے اس کھانے کو "ولیمہ" اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اجتماع زوجین کی تقریب میں کھلایا جاتا ہے۔

ولیمہ کی شرعی حیثیت اور اس کا وقت: اکثر علماء کے قول کے مطابق "ولیمہ" مسنون ہے جب کہ بعض علماء اسے مستحب کہتے ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک یہ واجب ہے اسی طرح "ولیمہ" کے وقت کے بارہ میں بھی اختلافی اقوال ہیں بعض علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ ولیمہ کا اصل وقت دخول (یعنی شب زفاف) کے بعد ہے بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ ولیمہ عقد نکاح کے وقت کھلانا چاہئے۔ اور بعض علماء یہ

کہتے ہیں کہ عقد نکاح کے وقت بھی کھلانا چاہئے اور دخول کے بعد بھی۔

دو دن سے زیادہ وقت تک ولیمہ کھلانے کے بارہ میں بھی علماء کے مختلف قول ہیں ایک طبقہ تو اسے مکروہ کہتا ہے یعنی علماء کے اس طبقہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ دو دن تک کھلایا جا سکتا ہے اس سے زیادہ وقت تک کھلانا مکروہ ہے حضرت امام مالک کے ہاں ایک ہفتہ تک کھلانا مستحب ہے لیکن اس سلسلہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کا انحصار خاوند کی حیثیت و استطاعت پر ہے اگر وہ صرف ایک ہی وقت پر اکتفا کرے اور اگر کئی دن اور کئی وقت تک کھلانے کی استطاعت رکھتا ہے تو کئی دن اور کئی وقت تک کھلا سکتا ہے۔

ضیافت کی قسمیں: مجمع البحار میں لکھا ہے کہ ضیافت یعنی دعوت کی آٹھ قسمیں ہیں۔ ① ولیمہ ② خرس ③ اعذار ④ وکیرہ ⑤ نقیعہ ⑥ وضیمہ ⑦ عقیقہ ⑧ مادبہ۔ چنانچہ ولیمہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو شادی بیاہ کے موقعہ پر کی جائے خرس اس دعوت کو کہتے ہیں کہ جو بچہ کی پیدائش کی خوشی میں کی جائے اعزار اس دعوت کو کہتے ہیں جو ختنہ کی تقریب میں کی جائے، وکیرہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو مکان بننے کی خوشی میں کی جائے، نقیعہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو مسافر کے آنے کی تقریب میں کی جائے عقیقہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو بچہ کا نام رکھنے کی تقریب میں کی جائے اور مادبہ ہر اس دعوت کو کہتے ہیں جو بلا کسی خاص تقریب کے کی جائے ضافت کی یہ تمام قسمیں مستحب ہیں البتہ ولیمہ کے بارہ میں بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ دعوت واجب ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

ولیمہ کرنے کا حکم

① وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى عَلٰى عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَاهٰذَا قَالَ اِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلٰى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔ (متفق علیہ)

"حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے عبدالرحمٰن ابن عوفؓ (کے بدن یا کپڑے) پر زعفران کا) زرد نشان دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے ایک نواۃ سونے کے عوض ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔" آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ تمہیں مبارک کرے، تم ولیمہ کرو (یعنی کھانا پکوا کر کھلاؤ) اگرچہ وہ ایک بکری کا ہو" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت عبدالرحمٰنؓ کے کپڑوں پر یا ان کے بدن پر زعفران کا نشان دیکھ کر آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ "یہ کیا ہے؟" کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس زعفران کے لگنے کا سبب دریافت فرمایا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ چونکہ مردوں کو خلوق استعمال کرنے سے منع کرتے تھے (خلوق ایک خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے بنتی ہے) اس لئے آپ ﷺ نے ان الفاظ کے ذریعہ ان کو تنبیہ فرمائی کہ جب مردوں کے لئے یہ ممنوع ہے تو تم نے کیوں لگائی؟ چنانچہ عبدالرحمٰنؓ نے جواب دیا کہ میں نے قصدًا نہیں لگائی ہے بلکہ دلہن سے اختلاط کی وجہ سے بغیر میرے قصد اور بغیر علم کے لگ گئی ہے۔

قاضیؒ کہتے ہیں کہ جس طرح "نش" بیس درہم اور اوقیہ چالیس درہم کے برابر وزن کو کہتے ہیں اسی طرح "نواۃ" پانچ درہم کے برابر وزن کا نام ہے۔ لہٰذا ایک نواۃ سونے کے عوض کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس عورت کا مہر پانچ درہم کے برابر یعنی پونے سولہ ماشہ سونا مقرر کیا ہے۔ بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ "نواۃ" سے نواۃ تمر یعنی کھجور کی گٹھلی مراد ہے اور بظاہر یہی مراد زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت میں حضرت عبدالرحمٰنؓ کے کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے کھجور کی گٹھلی کے بقدر سونے کا مہر باندھا ہے۔

"تم ولیمہ کرنا اگرچہ وہ ایک بکری کا ہو" اس طرح کی عبارت تقلیل "کم سے کم مقدار بیان کرنے" کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے اور یہاں تکثیر مراد ہے یعنی آنحضرت ﷺ کا مقصود یہ بیان کرنا تھا کہ اگرچہ زیادہ خرچ ہو تب بھی ولیمہ کرو۔ اور "تکثیر" مراد لینے کی وجہ یہ

ہے کہ اس زمانہ میں بکری کو ایک قلیل ترین مقدار کے اظہار کے لئے ذکر کرنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی مالی اور اقتصادی حالت بہت کمزور تھی لوگ ستو اور اسی قسم کی دوسری کم تر چیزوں کے ذریعہ ولیمہ کی سُنت پوری کیا کرتے تھے۔ پھر یہ کہ خود حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کی مالی حیثیت اس وقت اتنی زیادہ نہیں تھی کہ آنحضرت ﷺ ان کے سامنے بکری جیسی چیز کو کم سے کم مقدار کی صورت میں بیان کرتے۔

آنحضرت ﷺ نے سب سے بڑا ولیمہ حضرت زینبؓ کے نکاح میں کیا تھا

(۲) وَعَنْهُ قَالَ مَا اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَحَدٍ مِنْ نِسَائِهٖ مَا اَوْلَمَ عَلٰى زَيْنَبَ اَوْلَمَ بِشَاةٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی کسی بھی زوجہ مطہرہ کا اتنا بڑا ولیمہ نہیں کیا جتنا بڑا ولیمہ حضرت زینبؓ کے نکاح میں کیا تھا، آپ ﷺ نے ان کے نکاح میں ایک بکری کا ولیمہ کیا تھا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس سے پہلے حدیث کی تشریح میں جو یہ بتایا گیا تھا کہ بکری کا ذکر بیان تکثیر کے لئے ہے تو اس حدیث سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ایسا ولیمہ جس میں ایک بکری استعمال کی گئی ہو ایک بڑے اور کثیر خرچ ولیمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۳) وَعَنْهُ قَالَ اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَنٰى بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَاَشْبَعَ النَّاسَ خُبْزًا وَّلَحْمًا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحشؓ کے ساتھ شب زفاف گزارنے کے بعد ولیمہ کیا اور (اس ولیمہ میں) لوگوں کا پیٹ گوشت اور روٹی سے بھر دیا۔" (بخاریؒ)

عورت کی آزادی کو اس کا مہر قرار دیا جاسکتا ہے

(۴) وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتَقَ صَفِيَّةً وَتَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا وَاَوْلَمَ عَلَيْهَا بِحَيْسٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو (پہلے) آزاد کیا اور (پھر) ان سے نکاح کر لیا، آپ ﷺ نے ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا اور ان کے نکاح میں حیس کا ولیمہ کیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت صفیہؓ حُیی ابن اخطب کی بیٹی تھیں جو خیبر میں آباد قبیلہ بنو قریظہ و بنو نضیر کے سردار تھے جب خیبر کے یہودیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح عطا کی تو صفیہؓ بھی ہاتھ لگیں اور بطور لونڈی آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں آئیں مگر آپ ﷺ نے ان کو آزادی کے خلعت سے نوازا اور پھر اپنی زوجیت میں لے کر انہیں دین و دنیا کی سب سے بڑی سعادت سے سرفراز کیا۔

اس مسئلہ میں اہل علم کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے اور اس کی آزادی ہی کو اس کا مہر قرار دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ صحابہؓ کی ایک جماعت اور بعض علماء اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر اس کے جواز کے قائل ہیں جب کہ صحابہؓ اور علماء کی ایک جماعت نے اسے جائز نہیں کہا ہے اور حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے ان کی طرف سے اس حدیث کی یہ تاویل کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے حضرت صفیہؓ کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا جانا ایک استثنائی صورت ہے جو صرف آنحضرت ﷺ کی ذات کے ساتھ مختص ہے لہٰذا یہ آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے تھا اور کسی کو جائز نہیں ہے۔

شرح ہدایہ میں لکھا ہے اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کرے اور اس کی آزادی کو مہر قرار دے بایں طور کہ اس سے یہ کہے کہ میں نے تجھ کو اس شرط پر آزاد کیا کہ تو مجھ سے آزادی کے عوض نکاح کرلے اور پھر اس لونڈی نے اسے قبول کر لیا تو یہ آزاد کرنا صحیح ہو جائے گا یعنی وہ آزاد ہو جائے گی البتہ نکاح کے معاملہ میں وہ خود مختار ہوگی یہاں تک کہ اگر اس نے اس شخص سے نکاح کر لیا تو اس کے لئے اس کا مہر مثل واجب ہوگا۔

"حیس" ایک کھانے کا نام ہے جو حلوے کی قسم کا ہوتا ہے اور کھجور گھی اور اقط سے بنتا ہے۔ "اقط" کہ جس کا دوسرا نام قروط" ہے پنیر کی طرح ہوتا ہے اور دہی سے بنایا جاتا ہے۔

حضرت صفیہؓ کے ولیمہ کا ذکر

⑤ وَعَنْهُ قَالَ اَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِيْنَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ يُبْنٰى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى وَلِيْمَتِهٖ وَمَا كَانَ فِيْهَا مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ وَمَا كَانَ فِيْهَا اِلَّا اَنْ اَمَرَ بِالْاَنْطَاعِ فَبُسِطَتْ فَاُلْقِيَ عَلَيْهَا التَّمْرُ وَالْاَقِطُ وَالسَّمْنُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین رات قیام فرمایا اور صفیہؓ کے ساتھ "ان کے نکاح کے بعد) شب زفاف گزاری اور میں نے مسلمانوں کو آپ ﷺ کی دعوت ولیمہ میں بلایا ولیمہ میں نہ تو گوشت تھا اور نہ روٹی تھی بلکہ آپ ﷺ نے دستر خوان بچھانے کا حکم دیا اور جب دستر خوان بچھایا گیا تو اس پر کھجوریں اقط اور گھی رکھ دیا گیا۔" (بخاریؒ)

تشریح: اوپر کی حدیث میں حضرت صفیہؓ کے ولیمہ میں جس "حیس" کا ذکر کیا گیا ہے اسی کی تفصیل اس حدیث میں بیان کی گئی ہے کہ حیس کے اجزاء کھجور اقط اور گھی تھے۔

حضرت اُمّ سلمہؓ کا ولیمہ

⑥ وَعَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَ اَوْلَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَعْضِ نِسَائِهٖ بِمُدَّيْنِ مِنْ شَعِيْرٍ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت صفیہؓ بنت شیبہ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی زوجہ مطہرہ (غالباً اُمّ سلمہؓ) کا ولیمہ دو سیر جو کے ساتھ کیا۔" (بخاریؒ)

ولیمہ کی دعوت قبول کرنا چاہئے

⑦ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْوَلِيْمَةِ فَلْيَاْتِهَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَلْيُجِبْ عُرْسًا كَانَ اَوْنَحْوَهٗ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کو شادی کے کھانے پر بلایا جائے تو اسے جانا چاہئے اور مسلمؒ کی ایک روایت میں ہے کہ "دعوت قبول کرنی چاہئے خواہ وہ ولیمہ کی دعوت ہو یا اسی قسم کی کوئی اور دعوت۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "یا اسی قسم کی کوئی اور دعوت" سے ختنہ و عقیقہ وغیرہ کی دعوت مراد ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان روایتوں میں "ولیمہ" سے مراد صرف وہی کھانا ہے جو شادی بیاہ کے موقع پر کھلایا جاتا ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ شادی بیاہ کے کھانے کی دعوت قبول کرنا واجب ہے اگر کوئی شخص بلا کسی عذر کے دعوت قبول نہ کرے تو وہ گنہ گار ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

"جس شخص نے دعوت قبول نہ کی اس نے خدا اور رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی۔"

اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ "قبول کرنے" سے مراد دعوت میں جانا یعنی اگر کسی شخص کو شادی میں بلایا جائے تو اس کے لئے اس دعوت میں جانا بعض علماء کے نزدیک واجب ہے اور بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے اب رہی یہ بات کہ کھانے میں شریک ہونے کی تو اس کے بارہ میں متفقہ طور پر مسئلہ یہ ہے کہ اگر روزے سے نہ ہو تو کھانے میں شریک ہونا مستحب ہے شادی کے کھانے کی دعوت کے علاوہ دوسری دعوتوں کا قبول کرنا مستحب ہے۔

طیبیؒ اور ابن ملکؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ دعوت قبول کرنے کا وجوب یا استحباب بعض صورتوں میں ساقط ہو جاتا ہے یہ شبہ ہونا کہ دعوت میں جو کھانا کھلایا جائے گا وہ حلال مال کا نہیں ہو گا یا اس دعوت میں مالداروں کی تخصیص ہو یا اس دعوت میں کوئی ایسا شخص شریک ہو جس سے یا تو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو یا وہ اس قابل نہ ہو کہ اس کے ساتھ کہیں بیٹھا جائے ان صورتوں میں اگر کوئی شخص دعوت قبول نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اسی طرح اگر کسی شخص کو دعوت میں محض اس لئے بلایا جائے کہ اس کی خوشنودی مزاج حاصل ہو جائے اور اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے یا اس کی ذات و جاہ سے کوئی دنیاوی غرض پوری ہو جائے تو ایسی دعوت کو قبول نہ کرنا ہی اولیٰ ہے یا ایسے ہی اگر کچھ لوگ کسی شخص کو اس مقصد کے لئے دعوت میں بلائیں کہ وہ ان لوگوں کے باطل ارادوں یا غیر شرعی کاموں میں مدد کرے یا کسی دعوت میں ممنوع چیزیں جیسے شراب وغیرہ موجود ہو یا وہاں ناچ گانے یا غیر شرعی تفریحات کی چیزیں ہوں یا جس جگہ دعوت ہو وہاں حریر وغیرہ کا فرش بچھا ہو تو ایسی دعوت میں شریک نہ ہونا چاہئے۔ یہ بات مد نظر رہنی چاہئے کہ آجکل کی مجالس مذکورہ بالا چیزوں سے خالی نہیں تیں اگر سب چیزیں نہیں ہوتیں تو ان میں بعض چیزیں اکثر مجلسوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے صوفیاء کا قول ہے کہ عزلت (گوشہ نشینی) حلال ہو گئی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ آجکل گوشہ نشینی واجب ہو گئی ہے۔ لہٰذا جو شخص احتیاط کے پیش نظر گوشہ نشینی اختیار کرنا چاہے اور کسی بھی مجلس یا دعوت میں شریک ہونا مناسب نہ سمجھتا ہو تو اس کے لئے گوشہ نشینی ہی بہتر ہے۔

⑧ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلٰى طَعَامٍ فَلْيُجِبْ فَاِنْ شَاءَ طَعِمَ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کو (شادی بیاہ ای قسم کی کسی اور تقریب کے) کھلانے پر بلایا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ دعوت قبول کرلے (یعنی دعوت میں چلا جائے) پھر (وہاں جاکر اس کی مرضی پر موقوف ہو گا کہ) چاہے تو کھائے چاہے تو نہ کھاؤ۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ دعوت قبول کرنے کا مطلب داعی کے یہاں جانا ہے اور یہ واجب یا سُنّت ہے ہاں دعوت کے کھانے میں شریک ہونا سُنّت ہے بشرطیکہ روزہ سے نہ ہو۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ ارشاد گرامی میں دعوت کو قبول کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بطریق وجوب ہے لیکن اس کا تعلق اس شخص سے ہے جس کو کوئی عذر لاحق نہ ہو، اگر کوئی شخص معذور ہو مثلاً دعوت کی جگہ اتنی دور ہے کہ وہاں جانا تکلیف و مشقت برداشت کرنے کا مرادف ہے تو اس صورت میں اس دعوت کو قبول نہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ولیمہ میں صرف مالداروں کو بلانا انتہائی برا ہے

⑨ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعٰى لَهَا الْاَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "برا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے اور جس شخص نے دعوت کو (کوئی عذر نہ ہونے کے باوجود) قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔" (بخاریؒ)

تشریح: "شر الطعام" یعنی برے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں اور بہت سے برے کھانے ہیں اس میں سے ایک یہ بھی ہے یہ اس لئے کہا گیا ہے۔ کہ بعض کھانے اس سے بھی برے ہوتے ہیں چنانچہ جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ شَرُّ النَّاسِ مَنْ اَكَلَ وَحدَهٗ (یعنی برا شخص وہ ہے جس نے تنہا کھانا کھایا) وہاں بھی یہ مراد ہے کہ جہاں اور بہت سے برے شخص ہیں ان میں سے ایک برا شخص وہ بھی ہے جو تنہا کھانا کھاتا ہے۔

اس حدیث کا مقصد مطلقاً ولیمہ کے کھانے کی برائی بیان کرنا نہیں ہے کیونکہ نہ صرف دعوت ولیمہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بلکہ اس دعوت کو قبول کرنے کی تاکید بھی فرمائی گئی ہے اور جو شخص دعوت ولیمہ کو قبول نہیں کرتا وہ گنہگار ہوتا ہے لہٰذا حدیث کی مراد یہ ہے کہ جو ولیمہ ایسا ہو کہ اس میں صرف مالداروں کو بلایا جائے اور غربا کو نہ پوچھا جائے تو وہ ایک برا ولیمہ ہے۔ چنانچہ اس وقت کچھ لوگوں کی یہ عادت تھی، کہ وہ اپنے ولیمہ میں صرف مالداروں کو بلاتے ہیں اور انہیں اچھا اچھا کھانا کھلاتے اور بیچارے غریبوں کی بات بھی نہ پوچھتے تھے لہٰذا آپ ﷺ نے گویا اس ارشاد گرامی کے ذریعہ اس بری عادت سے منع فرمایا۔

دعوت قبول نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس طرح ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول نے دعوت قبول کرنے کا حکم دیا ہے لہٰذا جس نے دعوت قبول نہ کرکے اللہ کے رسول کے حکم کی نافرمانی کی اس نے گویا اللہ ہی کے حکم کی نافرمانی کی۔ جو حضرات دعوت کے قبول کرنے کو واجب کہتے ہیں انہوں نے اس حدیث کو اپنے قول کی دلیل قرار دیا ہے جب کہ جمہور علماء نے اس حدیث کو تاکیداً استحباب پر محمول کیا ہے۔

غیر مدعو کو کھانا کھلانا، میزبان کی اجازت پر موقوف ہے

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ يُكْنٰى اَبَا شُعَيْبٍ كَانَ لَهٗ غُلَامٌ لَحَّامٌ فَقَالَ اِصْنَعْ لِیْ طَعَامًا يَكْفِیْ خَمْسَةً لَعَلِّیْ اَدْعُو النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَامِسَ خَمْسَةٍ فَصَنَعَ لَهٗ طُعَيِّمًا ثُمَّ اَتَاهُ فَدَعَاهُ فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا شُعَيْبٍ اِنَّ رَجُلًا تَبِعَنَا فَاِنْ شِئْتَ اَذِنْتَ لَهٗ وَاِنْ شِئْتَ تَرَكْتَهٗ قَالَ لَا بَلْ اَذِنْتُ لَهٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابو مسعودؓ انصاری کہتے ہیں کہ ایک انصاری صحابیؓ کے ہاں جن کی کنیت ابوشعیبؓ تھی ایک غلام تھا جو گوشت بیچا کرتا تھا (ایک دن) ان انصاری صحابہؓ (یعنی ابوشعیب) نے اپنے اس غلام سے کہا کہ میری ہدایت کے مطابق اتنا کھانا تیار کرو جو پانچ آدمیوں کے لئے کافی ہو کیونکہ میں رسول کریم ﷺ کی دعوت کروں گا اور آپ ﷺ پانچ آدمیوں میں سے ایک ہوں گے (یعنی ایک آنحضرت ﷺ ہونگے اور چار آدمی آپ ﷺ کے ساتھ ہوں گے) چنانچہ اس غلام نے ان کی ہدایت کے مطابق آنحضرت ﷺ کے لئے تھوڑا سا کھانا تیار کر لیا پھر وہ (ابوشعیبؓ) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو (اور آپ ﷺ کے چار صحابہؓ کو) اس کھانے پر مدعو کیا۔ (جب آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لے چلے تو) ایک شخص آپ ﷺ کے ساتھ ہو لیا آپ ﷺ نے (ان کے گھر پہنچ کر) فرمایا کہ "ابوشعیب! ایک اور شخص ہمارے ساتھ ہو لیا ہے اگر تم چاہو تو اس کو بھی (کھانے پر) آنے کی اجازت دے دو ورنہ اس کو (دروازہ ہی پر) چھوڑ دو (اور دسترخوان پر بیٹھنے کی اجازت نہ دو) ابوشعیبؓ نے کہا کہ "نہیں (اس کو دسترخوان پر بیٹھنے کی اجازت نہ دینا میں مناسب نہیں سمجھتا) بلکہ میں اس کو بھی اجازت دیتا ہوں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کی دعوت میں بن بلائے پہنچ جائے اور اسی طرح کسی مہمان کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بن بلائے شخص کو اپنے ساتھ دعوت میں لے جائے ہاں اگر میزبان نے اس بات کی صریح اجازت دی ہو یا کوئی ایسی دعوت ہو جہاں اذن عام ہو یا مہمان یہ جانتا ہو کہ اگر میں کسی بن بلائے مہمان شخص کو اپنے ساتھ دعوت میں لے گیا تو میزبان کی مرضی کے خلاف نہیں ہوگا۔ تو ان صورتوں میں مدعو کسی غیر مدعو کو اپنے ساتھ دعوت میں لے جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اس حدیث سے اور بھی کئی باتیں معلوم ہوئی۔ اول یہ کہ صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں داخل ہونا جائز نہیں ہے دوم یہ کہ اگر کوئی شخص چند مخصوص آدمیوں کی دعوت کرے اور ان کے ساتھ کوئی بن بلایا شخص بھی ہو لے تو ان مہمانوں کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ صاحب خانہ یعنی میزبان سے اس شخص کے لئے کھانے میں شریک ہونے کی اجازت لے لیں، سوم یہ کہ بن بلائے مہمان کے بارہ میں میزبان کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ اس کو دسترخوان پر بیٹھنے سے نہ روکے الا یہ کہ اس کی وجہ سے مہمانوں کو کوئی نقصان یا تکلیف پہنچنے کا خوف ہو، اور اگر اس کو کھانے میں شریک کئے بغیر واپس کرے تو نرمی کے ساتھ واپس کرے لیکن بہتر یہی ہے کہ اس کو کھانے میں سے کچھ دے دے بشرطیکہ وہ اس کا مستحق ہو۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کسی غیر مدعو کو دعوت کے کھانے میں شریک ہونا جائز نہیں ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جب ایک شخص نے کسی کی دعوت کی اور اس کے سامنے کھانا رکھ کر اس کو اس کھانے کا مالک بنا دیا تو اب وہ شخص (یعنی مہمان) مختار ہے کہ چاہے تو اس کھانے کو خود کھائے چاہے کسی اور کو کھلائے اور چاہے اٹھا کر اپنے گھر لے جائے ہاں اگر یہ صورت ہو کہ میزبان دسترخوان بچھا کر اس پر کھانا چن دے جو اس بات کی علامت ہو کہ اس نے مہمان کو اس کھانے کا مالک نہیں بنایا ہے بلکہ اسے اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ یہیں بیٹھ کر کھائے اور جو کچھ بچ جائے اسے میزبان اٹھا کر لے جائے تو اب مہمان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ دسترخوان پر بیٹھ کر حسب قاعدہ اور حسب رواج کھانا کھائے نہ تو اس کھانے میں سے کچھ اٹھا کر اپنے گھر لے جائے اور نہ اس میں سے کسی اور کو کھلائے۔

بعض اہل علم نے اس چیز کو بہت اچھا جانا ہے کہ جب ایک دسترخوان پر کچھ لوگ کھانا کھانے بیٹھیں تو دسترخوان پر موجود کھانے کی چیزیں آپس میں ایک دوسرے کے سامنے کرتے رہیں ہاں اگر وہ لوگ دو دسترخوانوں پر بیٹھے ہوں تو ایک دسترخوان کے لوگوں کو دوسرے دسترخوان کے لوگوں کے سامنے اپنے دسترخوان کے کھانے پیش کرنا جائز نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

حضرت صفیہ کا ولیمہ

(۱۱) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْلَمَ عَلٰی صَفِیَّۃَ بِسَوِیْقٍ وَّتَمْرٍ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ام المؤمنین حضرت صفیہ کا ولیمہ ستو اور کھجور کے ساتھ کیا تھا۔"

(احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: حضرت صفیہ کے ولیمہ کے سلسلہ میں جو حدیث پہلے گزری ہے اس میں ان کے ولیمہ کا کھانا حیس ذکر کیا گیا تھا جب کہ یہاں ستو اور کھجور کا ذکر ہے۔ ان دونوں روایتوں میں اس طرح مطابقت ہوگی کہ حضرت صفیہ کے ولیمہ میں دونوں چیزیں تھیں حیس بھی تھا اور ستو اور کھجوریں بھی تھیں راویوں میں سے جس نے جو دیکھا اسی کو بیان کر دیا۔

دنیاوی زیب و زینت کی چیزوں سے آنحضرت ﷺ کا اجتناب

(۱۲) وَعَنْ سَفِیْنَۃَ اَنَّ رَجُلًا ضَافَ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ فَصَنَعَ لَہٗ طَعَامًا فَقَالَتْ فَاطِمَۃُ لَوْ دَعَوْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَكَلَ مَعَنَا فَدَعَوْهُ فَجَاءَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى عِضَادَتَيِ الْبَابِ فَرَأَى الْقِرَامَ قَدْ ضُرِبَ فِيْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ فَرَجَعَ قَالَتْ فَاطِمَةُ فَتَبِعْتُهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ مَا رَدَّكَ قَالَ اِنَّهُ لَيْسَ لِيْ اَوْلِنَبِيٍّ اَنْ يَدْخُلَ بَيْتًا مُزَوَّقًا۔ (رواہ احمد و ابن ماجۃ)

"اور حضر سفینہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے ہاں ایک مہمان آیا تو حضرت علیؓ نے اس کے لئے کھانا تیار کرایا! حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ اگر ہم رسول کریم ﷺ کو بھی مدعو کرلیں اور آپ ﷺ ہمارے ساتھ کھانا کھالیں تو بڑا اچھا ہو، چنانچہ آپ ﷺ کو بلایا گیا جب آپ ﷺ تشریف لائے اور (مکان میں داخل ہونے کے لئے جیسے ہی) دروازے کے دونوں بازوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے آپ ﷺ کی نظر اس پردہ پر گئی جو گھر کے ایک کونے پر پڑا ہوا تھا آپ ﷺ (اس پردہ کو دیکھتے ہیں) واپس ہوگئے حضرت فاطمہؓ کہتی ہیں کہ میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے گئی اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ) آپ واپس کیوں ہوگئے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "مجھ کو یا کسی بھی نبی کو زینت والے گھر میں داخل ہونا مناسب نہیں ہے۔" (احمدؒ ابن ماجہ)

تشریح: قرام باریک اور منقش پردہ کو کہتے ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کے گھر کے گوشہ میں جو پردہ پڑا ہوا تھا وہ منقش نہیں تھا لیکن اس پردہ سے دیوار کو اس طرح ڈھکا گیا تھا، جیسے دلہا دلہن کے چھپر کٹ کو پردوں سے سجاتے اور ڈھکتے ہیں اور یہ چونکہ دنیاداروں اور اپنی وجاہت و مالداری کا بے جا اظہار کرنے والوں کا طریقہ ہے اس لئے آپ ﷺ اس پردہ کو دیکھتے ہی واپس ہوگئے اور اسی طرح آپ ﷺ نے گویا یہ تنبیہ فرمائی کہ دیواروں کو اس طرح پردوں سے سجانا اور ڈھکنا مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ دنیا کی بیجا زیب و زینت ہے جو آخرت کے لئے نقصان دہ بھی ہوسکتی ہے۔

کسی دعوت میں بغیر بلائے پہنچ جانے والے کی مذمت

⑬ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دُعِيَ فَلَمْ يُجِبْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَمَنْ دَخَلَ عَلٰى غَيْرِ دَعْوَةٍ دَخَلَ سَارِقًا وَخَرَجَ مُغِيْرًا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو کھانے پر بلایا جائے اور وہ دعوت قبول نہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے والا ہوگا اور جو شخص بغیر بلائے کسی کے ہاں کھانے کی مجلس میں چلا جائے تو وہ چوروں کی طرح آیا اور مال لوٹ کر نکل گیا۔" (ابوداؤد)

تشریح: کسی دعوت میں بغیر بلائے پہنچ جانے والے کو چور کے ساتھ اس وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کوئی چور چھپ کر کسی کے گھر میں داخل ہوتا ہے اسی طرح "بن بلایا مہمان" بھی صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اس کے کھانے کی مجلس میں گویا چور کی طرح چپکے سے آتا ہے لہٰذا جس طرح چور کسی کے گھر میں گھسنے کی وجہ سے گنہ گار ہوتا ہے اسی طرح "بن بلایا مہمان" بھی اپنے اس غیر اخلاقی اور قبیح فعل کی وجہ سے گنہ گار ہوتا ہے گویا آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد گرامی کے ذریعہ اپنی امت کے لوگوں کو اخلاق زندگی کے دو بنیادی سبق دیئے ہیں جو ایک انسان کی معاشرتی برائی اور انسانی وقار کے ضامن ہیں اول تو یہ کسی کی دعوت کو بلاعذر کے قبول نہ کرنا نفس کے تکبرو رعونت اور عدم الفت پر دلالت کرتا ہے دوم یہ کہ بغیر دعوت کے کسی کے ہاں پہنچ جانا نفس کے حرص و لالچ اور اپنی عزت اپنے ہاتھوں خراب کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

اگر دو آدمی بیک وقت دعوت کریں تو ان میں سے کس کی دعوت قبول کی جائے

⑭ وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اجْتَمَعَ الدَّاعِيَانِ فَاَجِبْ اَقْرَبَهُمَا بَابًا وَاِنْ سَبَقَ اَحَدُهُمَا فَاَجِبِ الَّذِيْ سَبَقَ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

"اور نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے ایک شخص سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر بیک وقت دو شخص دعوت کریں تو ان میں سے اس شخص کی دعوت قبول کرو جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو اور اگر ان میں سے ایک نے پہلے مدعو کیا (اور دوسرے نے اس کے بعد دعوت دی) تو (اس صورت میں) اس شخص کی دعوت قبول کی جائے جس نے پہلے مدعو کیا۔" (احمدؒ، ابوداؤد)

تشریح: بظاہر یہ حکم (اس صورت سے متعلق ہے جب کہ ایک ہی وقت ہونے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے دونوں کی دعوت میں شریک ہونا ممکن نہ ہو، ہاں اگر دونوں کی دعوت میں شریک ہونا ممکن ہو تو پھر یہی حکم ہوگا کہ دونوں کی دعوت میں شرکت کی جائے نیز یہ حکم دو ہمسایوں کی دعوت کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر ایک ہی وقت میں پڑوس کے دو آدمی دعوت کریں تو اس پڑوسی کی دعوت کو ترجیح حاصل ہوگی جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو اور اگر ہمسایوں کے علاوہ شہر آبادی کے دوسرے دو آدمی بیک وقت مدعو کریں تو اس صورت میں دوسری وجوہ مثلاً معرفت، اصلاح اور حقوق کے پیش نظر ترجیح دی جائے گی۔ یعنی ان دونوں میں سے اس شخص کی دعوت کو ترجیح حاصل ہوگی جو دوسرے سے زیادہ قریبی جان پہچان کا ہو یا وہ دوسرے سے زیادہ نیک بخت وصالح ہو۔ اور یا حقوق کے اعتبار سے وہ دوسرے سے زیادہ قریب ہو۔

اس حدیث سے ایک نکتہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی استاد کے پاس اس کے دو شاگرد بیک وقت سبق پڑھنے آئیں یا کسی عالم کے پاس ایک ہی وقت میں دو آدمی مسئلہ پوچھنے آئیں تو پہلے اس کو سبق پڑھایا جائے یا مسئلہ بتایا جائے جو پہلے آیا ہے۔

نام و نمود کے لئے زیادہ دنوں تک ولیمہ کھلانے والے کے بارے میں وعید

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامُ اَوَّلِ يَوْمٍ حَقٌّ وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّانِىْ سُنَّةٌ وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّالِثِ سُمْعَةٌ وَمَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "پہلے دن (شادی کا) کھانا کھلانا حق ہے، دوسرے دن کا کھانا سنت ہے اور تیسرے دن کا کھانا (اپنے آپ کو) سنانا ہے اور جو اپنے آپ کو سنانے کا خواہشمند ہوگا اللہ تعالیٰ اسے سنائے گا۔" (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ شادی بیاہ میں پہلے دن لوگوں کو کھانے پر بلانا اور لوگوں کا اس دعوت کو قبول کرنا سنت موکدہ ہے (اور جن علماء نے ولیمہ کی دعوت کو واجب کہا ہے۔ ان کے نزدیک "حق" سے مراد "واجب" ہے اور دوسرے دن کو مدعو کرنا مسنون و مستحب ہے دو دن کے بعد جب تیسرے دن بھی کوئی مدعو کرے تو سمجھنا چاہئے کہ اب اس کی دعوت میں نام و نمود کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے یعنی اس نے تیسرے دن لوگوں کو کھانے پر اس لئے بلایا ہے تاکہ شہرت ہو جائے اور لوگ اس کی تعریف کریں اس کے بارہ میں یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ جو شخص اپنے نام و نمود کے تحت تیسرے دن بھی لوگوں کو کھانے پر بلائے گا اور خواہش مند ہوگا کہ اس کی سخاوت کی تعریف کریں تاکہ وہ اظہار فخر کر سکے، تو ایسے شخص کو جان لینا چاہئے کہ میدان حشر میں اللہ تعالیٰ اس کے بارہ میں یہ اعلان کرائے گا کہ دیکھو یہ شخص جھوٹا اور مفتری ہے جس نے محض دکھانے سنانے کے لئے لوگوں کو کھانا کھلایا تھا چنانچہ وہ شخص تمام مخلوق خدا کے سامنے سخت رسوا اور ذلیل ہوگا۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ جس بندہ کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا کرے (مثلاً اس کا نکاح ہو جائے) تو اس پر لازم ہے کہ وہ شکر ادا کرے (اور شکر یہ ہے کہ دعوت ولیمہ میں لوگوں کو بلا کر کھانا کھلائے اور یہ (یعنی شکر ادا کرنا مثلاً دعوت کرنا پہلے دن تو ضروری ہے اور (دوسرے دن مستحب ہے تاکہ پہلے دن اگر کوتاہی ہو گئی ہو تو دوسرے دن ان کی تلافی ہو جائے اس لئے کہ سنت واجب کو مکمل کر دیتی ہے اور تیسرے دن (دعوت کرنا) بس دکھانے سنانے کے لئے ہے (یعنی تیسرے دن دعوت کرنے کا نہ صرف یہ کہ کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ نام و نمود کی وجہ سے آخرت کا نقصان ہی ہوتا ہے) اسی طرح جن لوگوں کی دعوت کی جائے ان کے بارہ میں یہ مسئلہ ہے کہ پہلے دن کی دعوت قبول کرنا ان کے لئے واجب ہے، دوسرے دن کی دعوت قبول کرنا مستحب ہے اور تیسرے دن کی دعوت قبول کرنا مکروہ بلکہ حرام ہے۔

اس حدیث سے مالکیہ کے اس مسلک کی صریح تردید ہوتی ہے کہ سات دن تک ولیمہ کی دعوت کرتے رہنا مستحب ہے۔

اظہار فخر میں مقابلہ کرنے والے دونوں آدمیوں کی دعوت کھانا ممنوع ہے

(۱۶) وَعَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِيَيْنِ اَنْ يُؤْكَلَ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهُ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلاً۔

"اور حضرت عکرمہؒ حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں آدمیوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے جو آپس میں فخر کا مقابلہ کریں۔" (ابوداؤد) اور محی السنۃ نے کہا ہے کہ صحیح الفاظ یہ ہیں "حضرت عکرمہؓ نبی کریم ﷺ سے بطریق ارسال نقل کرتے ہیں" (یعنی روایت کی سند میں عن ابن عباسؓ کے الفاظ مذکور نہیں ہیں بلکہ یہ یہاں زیادہ نقل کئے گئے ہیں)۔"

تشریح: متباریین ان دو شخصوں کو کہتے ہیں جو زیادہ کھانا پکانے کا آپس میں مقابلہ کریں اور ان میں سے ہر ایک کی یہی کوشش ہو کہ وہ دوسرے کی ضد میں زیادہ سے زیادہ کھانا پکوائے اور زیادہ لوگوں کی دعوت کرے تاکہ وہ برتر اور دوسرا کمتر رہے گویا اس مقابلہ سے دونوں ہی کا مقصد اظہار فخر اور محض نام و نمود ہو۔ چنانچہ ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں حکم دیا گیا ہے کہ ان کی دعوت نہ قبول کی جائے اور نہ ان کے کھانے میں شرکت کی جائے۔

آجکل تو اس سلسلہ میں احتیاط نہیں برتی جاتی لیکن پہلے زمانہ کے بزرگوں کا یہ حال تھا کہ اگر انہیں کسی شخص کی دعوت کے بارہ میں یہ شبہ بھی ہو جاتا تھا کہ اس دعوت کا مقصد محض اظہار فخر اور نام و نمود ہے تو وہ اس دعوت میں شرکت کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَبَارِيَانِ لَا يُجَابَانِ وَلَا يُؤْكَلُ طَعَامُهُمَا قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ يَعْنِي الْمُتَعَارِضَيْنِ بِالضِّيَافَةِ فَخْرًا وَّرِيَاءً۔

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ان دو شخصوں کی دعوت قبول نہ کی جائے اور نہ ان کا کھانا کھایا جائے جو اظہار فخر کے لئے کھانا پکانے کھلانے کا آپس میں مقابلہ کریں۔" امام احمدؒ نے لفظ متباریان کی وضاحت میں کہا ہے کہ متباریان سے آنحضرت ﷺ کی مراد وہ شخص ہیں جو ازراہ فخر و ریا اور بطریق مقابلہ یعنی ایک دوسرے کی ضد میں دعوت کریں۔"

فاسق کی دعوت قبول نہ کرو

(۱۸) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اِجَابَةِ طَعَامِ الْفَاسِقِيْنَ۔

"اور حضرت عمران ابن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فاسق لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

تشریح: "فاسق" سے مراد مطلق فاسق ہے خواہ وہ کسی طرح کے فسق میں مبتلا ہو، فاسق کی دعوت قبول کرنے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اکثر فاسق اپنے مزاج و کردار کے اعتبار سے ظالم بھی ہوتا ہے اور یہ مسئلہ ہے کہ ظالم جو لوگوں کا مال ازراہ ظلم لیتا ہے اس کے کھانے میں شریک ہونا حرام ہے اس کے علاوہ فاسق کی دعوت قبول کرنا گویا اس فاسق کو خوش کرنا اور اس کی عزت کرنا ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

کسی متقی کے ہاں کھانا کھانے جاؤ تو اس کے کھانے کے جائز و ناجائز ہونے کی تحقیق نہ کرو

(۱۹) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمْ عَلٰى اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ فَلْيَاْكُلْ مِنْ طَعَامِهٖ وَلَا يَسْاَلْ وَيَشْرَبْ مِنْ شَرَابِهٖ وَلَا يَسْاَلْ رَوَى الْاَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ هٰذَا اِنْ صَحَّ فَلِاَنَّ

الظَّاهِرَ اَنَّ الْمُسْلِمَ لَا یُطْعِمُهٗ وَلَا یَسْقِیْهِ اِلَّا مَا هُوَ حَلَالٌ عِنْدَهٗ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" جب تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان بھائی کے ہاں جائے تو اس کا کھانا کھالے اور پانی پی لے اور یہ نہ پوچھے کہ وہ کھانا اور پانی کیسا ہے اور کہاں سے آیا ہے۔" ان تینوں حدیثوں کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ (آخری) حدیث اگر صحیح ہے تو اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو وہی چیز کھلاتا پلاتا ہے جو اس کے نزدیک حلال ہوتی ہے۔"

تشریح : "مسلمان" سے کامل یعنی متقی و پرہیزگار مسلمان مراد ہے چنانچہ اس کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے ہاں کھانا کھانے جائے تو اس کے کھانے کے جائز و ناجائز ہونے کی تحقیق نہ کرے بلکہ جو کچھ اس کے سامنے آئے بلاشک وشبہ اسے کھاپی لے کیونکہ اول تو اس کے متقی و پرہیزگار ہونے کی وجہ سے اس کے بارہ میں یہی نیک گمان رکھا جائے کہ وہ ناجائز و حرام چیز نہیں کھلائے گا دوسرے یہ کہ اگر اس کے کھانے کے جائز و ناجائز کی تحقیق کی جائے گی تو اسے تکلیف پہنچے گی جو مناسب نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ یقین ہو کہ جو چیز کھلائی پلائی جارہی ہے اس کا کوئی جز حرام ذریعہ سے آیا ہوا ہے یا اس کھانے کا اکثر حصہ حرام ہے تو پھر اس کو نہ کھائے پیئے۔

بَابُ الْقَسْمِ
باری مقرر کرنے کا بیان

اگر کسی شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے ساتھ شب باشی کے لئے نوبت (باری) مقرر کرنا واجب ہے یعنی ان بیویوں کے پاس باری باری سے جانا چاہئے۔ اس سلسلہ میں چند باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

① جب باری مقرر ہو جائے تو ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کے ہاں شب باشی جائز نہیں ہے مثلاً جس رات میں پہلی بیوی کے ہاں جانا ہو اس رات میں دوسری بیوی کے ہاں نہ جائے۔

② ایک رات میں بیک وقت دو بیویوں کے ساتھ شب باشی جائز نہیں ہے اگر وہ دونوں بیویاں اس کی اجازت دے دیں اور وہ خود بھی اس کے لئے تیار ہوں تو جائز ہے آنحضرت ﷺ کے بارہ میں جو یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ایک رات میں ایک سے زائد بیویوں سے جماع کیا ہے تو یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کے باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا یا یہ کہ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کو ان بیویوں کی اجازت حاصل تھی اس کے علاوہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ باری مقرر کرنا آنحضرت ﷺ پر واجب نہیں تھا۔ بلکہ آپ ﷺ نے محض اپنے کرم اور اپنی عنایت سے اپنی ہر زوجہ مطہرہ کے ہاں رہنے کی باری مقرر کر دی تھی۔

③ سفر کی حالت میں بیویوں کو باری کا حق حاصل نہیں ہوتا اور نہ کسی بیوی کی باری کا لحاظ رکھنا ضروری ہے بلکہ اس کا انحصار خاوند کی مرضی پر ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے اپنے ساتھ سفر میں لے جائے اگرچہ بہتر اولیٰ یہی ہے کہ خاوند اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈال لے اور جس کا نام قرعہ میں نکلے اس کو سفر میں ساتھ رکھے۔

④ مقیم کے حق میں اصلی باری کا تعلق رات سے ہے دن رات کا تابع ہے ہاں جو شخص رات میں اپنے کام کاج میں مشغول رہتا ہو مثلاً چوکیداری وغیرہ کرتا ہو اور اس کی وجہ سے وہ رات اپنے گھر میں بسر نہ کر سکتا ہو تو اس کے حق میں اصل باری کا تعلق دن سے ہوگا۔

در مختار میں یہ لکھا ہے کہ جس شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اس پر ان بیویوں کے پاس رات میں رہنے اور ان کے کھلانے پلانے میں برابری کرنا واجب ہے ان کے ساتھ جماع کرنے یا جماع نہ کرنے اور پیار و محبت میں برابری کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ کسی عورت کا جماع سے متعلق اس کے شوہر پر حق ہوتا ہے وہ ایک بار جماع کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے جماع کرنے کے بارہ میں

شوہر خود مختار ہے کہ جب چاہے کرے لیکن کبھی کبھی جماع کر لینا اس پر دیانۃً واجب ہے اور مدت ایلاء کے بقدر (یعنی چار چار مہینہ تک) جماع نہ کرنا خاوند کے لئے مناسب نہیں ہے ہاں اگر بیوی کی مرضی سے اتنے دنوں جماع نہ کرے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے، ہر بیوی کے ہاں ایک ایک رات اور ایک ایک دن رہنا چاہئے۔ لیکن برابری کرنا رات ہی میں ضروری ہے چنانچہ اگر کوئی شخص ایک بیوی کے ہاں مغرب کے فوراً بعد چلا گیا اور دوسری بیوی کے ہاں عشاء کے بعد گیا تو اس کا یہ فعل برابری کے منافی ہوگا اور اس کے بارہ میں کہا جائے گا۔ اس نے باری کے حکم کو ترک کیا کسی بیوی سے اس کی باری کے علاوہ (یعنی کسی دوسری بیوی کی باری میں) جماع نہ کرے اسی طرح کسی بیوی کے پاس اس کی باری کے علاوہ کسی رات میں نہ جائے ہاں اگر وہ بیوی بیمار ہو تو اس کی عیادت کے لئے جا سکتا ہے بلکہ اگر اس کا مرض شدید ہو تو اس کی باری کے علاوہ بھی اس کے پاس اس وقت تک رہنا جائز ہے جب تک کہ وہ شفایاب ہو یا اس کا انتقال ہو جائے لیکن یہ اس صورت میں جائز ہے جب کہ اس کے پاس کوئی اور تیماردار اور غم خوار نہ ہو اور اگر خاوند اپنے گھر میں بیماری کی حالت میں ہو تو وہ اپنی ہر بیوی کو اس کی باری میں بلاتا رہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہراتؓ کی تعداد

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُبِضَ عَنْ تِسْعِ نِسْوَۃٍ وَکَانَ یَقْسِمُ مِنْھُنَّ لِثَمَانٍ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جس وقت رسول کریم ﷺ نے وفات پائی اس وقت آپ ﷺ کے نکاح میں نو بیویاں تھیں جن میں سے آٹھ بیویوں کی باری مقرر تھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یوں تو آنحضرت ﷺ کی گیارہ بیویاں تھیں یہاں صرف ان بیویوں کی تعداد کا ذکر کیا گیا ہے جو آپ ﷺ کی وفات کے وقت آپ ﷺ کے نکاح میں تھیں اور جن کے اسماء یہ ہیں۔

① حضرت عائشہؓ۔ ② حضرت حفصہؓ ③ حضرت اُمّ حبیبہؓ ④ حضرت سودہؓ ⑤ حضرت اُمّ سلمہؓ ⑥ حضرت صفیہؓ ⑦ حضرت میمونہؓ ⑧ حضرت زینب بنت جحشؓ ⑨ حضرت جویریہؓ۔

ان نو بیویوں میں سے آٹھ کی باری مقرر تھی اور نویں حضرت سودہؓ کے لئے کوئی باری نہ تھی کیونکہ انہوں نے اپنی مرضی سے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی چنانچہ آپ ﷺ ان کی باری میں حضرت عائشہؓ کے پاس رہتے تھے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہوگا۔

کوئی اپنی باری اپنی کسی سوکن کو دے سکتی ہے

② وَعَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ سَوْدَۃَ لَمَّا کَبِرَتْ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ جَعَلْتُ یَوْمِیْ مِنْکَ لِعَائِشَۃَ فَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْسِمُ لِعَائِشَۃَ یَوْمَیْنِ یَوْمَھَا وَیَوْمَ سَوْدَۃَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت سودہؓ کی عمر جب زیادہ ہوگئی تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میں نے اپنی باری کا دن جو آپ ﷺ نے میرے لئے مقرر کیا تھا عائشہؓ کو دے دیا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ حضرت عائشہؓ کے ہاں دو دن رہنے لگے ایک دن تو ان کی باری میں اور ایک دن حضرت سودہؓ کی باری میں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت سودہؓ کے والد کا نام زمعہ اور والدہ کا نام سموس تھا پہلے ان کی شادی حضرت سکرانؓ کے ساتھ ہوئی تھی یہ دونوں آنحضرت ﷺ کی بعثت کے ابتدائی ایام میں اسلام لے آئے تھے اور ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے جب ان کے خاوند حضرت سکرانؓ کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد مکہ میں ان سے نکاح کیا حضرت عائشہؓ سے آپ ﷺ کا نکاح ان

کے نکاح کے بعد ہوا۔ حضرت عمرؓ یا حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوا اور مدینہ منورہ میں مدفون ہوئیںؓ۔
فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کی کوئی بیوی اپنی باری اپنی کسی سوکن کو دے تو جائز ہے بشرطیکہ اس میں شوہر کی طرف سے کسی لالچ یا جبر کا دخل نہ ہو نیز اپنی باری اپنی کسی سوکن کو دینے والی عورت کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ جب چاہے اپنی پیش کش کو واپس لے لے۔

③ وَعَنْها اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْاَلُ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ اَيْنَ اَنَا غَدًا اَيْنَ اَنَا غَدًا يُرِيْدُ يَوْمَ عَائِشَةَ فَاَذِنَ لَهُ اَزْوَاجُهُ يَكُوْنُ حَيْثُ شَاءَ فَكَانَ فِيْ بَيْتِ عَائِشَةَ حَتّٰى مَاتَ عِنْدَهَا۔ (رواه البخاری)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنی اس بیماری میں کہ جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی (روزانہ) یہ پوچھا کرتے تھے کہ کل میں کہاں رہوں گا کہ کل میں کس بیوی کے گھر رہوں گا اور اس دریافت کرنے سے آپ کا منشاء یہ معلوم کرنا ہوتا تھا کہ عائشہؓ کی باری کس دن ہے (کیونکہ آپ ﷺ کو حضرت عائشہؓ سے بہت زیادہ محبت تھی اس لئے آپ ﷺ ان کی باری کے شدت سے منتظر رہتے تھے) چنانچہ ازواج مطہرات نے (آپ ﷺ کے اس قلبی اضطراب کو محسوس کیا تو سب نے) یہ اجازت دے دی کہ آپ ﷺ جس کے ہاں چاہیں رہیں پھر آپ ﷺ حضرت عائشہؓ ہی کے ہاں مقیم رہے یہاں تک کہ انہیں کے پاس آپ ﷺ کی وفات ہوئی۔" (بخاریؒ)

تشریح: یرید یوم عائشۃ ماقبل جملہ کی وضاحت ہے یعنی آپ ﷺ کا روزانہ پوچھنا ازواج مطہرات سے طلب اجازت کے لئے تھا کہ تمام ازواج مطہرات آپ ﷺ کو حضرت عائشہؓ ہی کے ہاں رہنے کی اجازت دے دیں چنانچہ یہ جملہ فاذن لہ ازواجہ ازواج مطہرات نے آپ ﷺ کو اجازت دے دی اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔

سفر میں ساتھ لے جانے کے لئے کسی بیوی کا انتخاب قرعہ کے ذریعہ کیا جائے

④ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ سَفَرًا اَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهٖ فَاَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے، ان میں سے جس کا نام قرعہ میں نکلتا اسی کو آپ ﷺ اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

⑤ وَعَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ اِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ اَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَقَسَمَ وَاِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ اَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَسَمَ قَالَ اَبُوْ قِلَابَةَ وَلَوْ شِئْتُ لَقُلْتُ اِنَّ اَنَسًا رَفَعَهٗ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
(متفق علیہ)

"اور حضرت ابوقلابہ (تابعیؒ) حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا یہ مسنون ہے کہ جب کوئی شخص ثیبہ کی موجودگی میں کسی باکرہ سے نکاح کرے تو سات رات تک اس کے پاس رہے اور پھر اس میں اور پرانی بیویوں کے درمیان) باری مقرر کر دے اور کسی ثیب (یعنی کسی بیوہ یا مطلقہ عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین رات رہے اور پھر باری مقرر کر دے۔ حضرت ابوقلابہؒ کہتے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو یہ کہتا کہ حضرت انسؓ نے یہ حدیث آنحضرت ﷺ سے نقل کی ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کسی شخص کے نکاح میں کئی عورتیں ہوں یا ایک عورت ہو اور پھر وہ ایک عورت سے نکاح کرے تو اگر وہ عورت باکرہ (کنواری) ہو تو اس کے پاس سات رات تک رہے اور اگر وہ ثیبہ (یعنی بیوہ یا مطلقہ ہو) تو اس کے پاس تین رات تک رہے اور پھر نئی اور پرانی بیویوں کے درمیان باری مقرر کر دے کہ ہر ایک کے پاس برابر برابر ایک ایک رات جایا کرے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سلسلہ میں باکرہ اور ثیبہ یا نئی اور پرانی کے درمیان کوئی فرق

نہیں ہے۔ باری کے اعتبار سے سب برابر ہیں انہوں نے ان دونوں حدیثوں پر عمل کیا ہے۔ جو اس باب کی دوسری فصل میں آئیں گی اور جن میں اس قسم کا فرق و امتیاز بیان نہیں کیا گیا ہے، امام اعظمؒ کے نزدیک اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی ایک یا ایک سے زائد بیویوں کی موجودگی میں کسی باکرہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات رات تک رہے اور پھر پہلی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے پاس سات سات رات تک رہے اور اگر ثیبہ کے ساتھ نکاح کرے تو اس کے پاس تین رات تک رہے اور پھر پہلی بیویوں سے بھی ہر ایک کے پاس تین تین رات تک رہے۔

روایت کے آخر میں ابوقلابہؒ کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں چاہتا تو اس حدیث کو مرفوع کہتا یعنی یہ کہتا کہ اس حدیث کو حضرت انسؓ نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے کیونکہ صحابہؓ کا یہ کہنا کہ "یہ مسنون ہے مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔

(۶) وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تَزَوَّجَ اُمَّ سَلَمَةَ وَاَصْبَحَتْ عِنْدَهٗ قَالَ لَهَا لَيْسَ بِكِ عَلٰى اَهْلِكِ هُوَانٌ اِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ عِنْدَكِ وَسَبَّعْتُ عِنْدَهُنَّ وَاِنْ شِئْتِ ثَلَّثْتُ عِنْدَكِ وَدُرْتُ قَالَتْ ثَلِّثْ وَفِیْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ لَهَا لِلْبِكْرِ سَبْعٌ وَّلِلثَّيِّبِ ثَلَاثٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب حضرت اُمّ سلمہؓ سے نکاح کیا تو دوسرے دن صبح کو ان سے فرمایا کہ تمہارے خاندان والوں کے لئے تمہاری طرف سے اس میں کوئی ذلت نہیں کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات رات رہوں اور پھر دوسری تمام بیویوں کے پاس بھی سات سات رات تک رہوں اور اگر تم چاہو تو تمہارے پاس تین رات تک رہوں اور پھر اس کے بعد دورہ کروں (یعنی تمام بیویوں کے پاس بھی تین تین رات تک رہوں) حضرت اُمّ سلمہؓ نے (یہ سن کر) کہا کہ "آپ (ﷺ) میرے پاس تین راتیں رہیے۔" ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت اُمّ سلمہؓ سے فرمایا کہ "کنواری کے پاس سات رات تک رہنا چاہئے اور ثیبہ کے پاس تین رات تک۔" (مسلمؒ)

تشریح: "اس میں کوئی ذلت نہیں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے پاس جو تین رات رہوں گا تو اس کی وجہ سے تمہارے خاندان و قبیلہ پر کسی حقارت یا ذلت کا داغ نہیں لگے گا کیونکہ تمہارے ساتھ میرا تین رات تک رہنا تمہاری صحبت و اختلاط سے بے رغبتی کے سبب سے نہیں ہے۔ بلکہ شرعی حکم کی بناء پر ہے۔ ان الفاظ کے ذریعہ گو آپ ﷺ نے اس عذر کی تمہید بیان فرمائی ہے جس کی وجہ سے شادی کی ابتداء کے ایام میں حضرت ام سلمہؓ کے ہاں شب باشی کے لئے صرف تین راتوں پر اکتفا کرنا پڑا اور وہ عذر یہ شرعی حکم ہے کہ اگر اپنی پہلی بیوی کی موجودگی میں کسی اور عورت سے نکاح کیا جائے۔ تو اس نئی بیوی کے ساتھ مسلسل سات دن تک شب باشی اس صورت میں جائز ہوگی جب کہ وہ باکرہ (کنواری) ہو لیکن اس کے بعد پہلی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے ہاں سات سات دن تک شب باشی ہونی چاہئے۔ تاکہ باری کے اعتبار سے کسی کے ساتھ بے انصافی اور حق تلفی نہ ہو اور اگر وہ نئی بیوی ثیبہ (کسی کی بیوہ یا مطلقہ) ہو تو پھر اس کے ساتھ تین دن تک شب باشی کی جائے لیکن اس کے بعد پہلی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے ساتھ تین تین دن تک شب باشی کی جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت اُمّ سلمہؓ کے سامنے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے یہاں بھی سات راتوں تک رہ سکتا ہوں۔ لیکن یہ حق کنواری عورت کے لئے ہے اور تم ثیبہ ہو اور پھر یہ کہ بعد میں مجھے دوسری تمام بیویوں کے پاس بھی سات سات راتوں تک رہنا ہوگا اس لئے بہتر یہ ہے کہ ثیبہ کے حق میں جو حکم ہے اسی کے مطابق میں تمہارے پاس تین دن تک شب باشی کروں اور پھر بعد میں ہر ایک بیوی کے ہاں تین تین دن تک شب باشی کر کے تمہارے سب کے درمیان باری مقرر کر دوں لہٰذا حضرت اُمّ سلمہؓ نے منشاء شریعت اور مزاج نبوت کے مطابق اسی بات کو قبول کیا کہ آپ ﷺ کے ہاں تین رات تک رہیں۔

کوئی شخص اپنی تمام بیویوں سے یکساں محبت کرنے پر مجبور نہیں ہے۔

⑦ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْسِمُ بَيْنَ نِسَائِهٖ فَيَعْدِلُ وَيَقُوْلُ اللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجۃ والدارمی)

"حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان باری مقرر فرماتے اور عدل سے کام لیتے (یعنی ان کے پاس رات رہنے کے سلسلہ میں برابری کا خیال رکھتے) اور پھر اس احتیاط و عدل کے باوجود) یہ دعا مانگا کرتے کہ "اے اللہ! جس چیز کا میں مالک ہوں اس میں باری مقرر کر دی ہے لہٰذا جس کا تو مالک ہے میں مالک نہیں ہوں اس پر مجھے ملامت نہ کیجئے۔"

(ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: دعا کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیویوں کے پاس جانے کی باری مقرر کرنے اور ان کے نان نفقہ کا میں مالک ہوں لہٰذا ان چیزوں میں عدل و برابری کرنا میری ذمہ داری ہے جسے میں پورا کرتا ہوں اور کسی بھی بیوی کے ساتھ ناانصافی یا اس کی حق تلفی نہیں کرتا ہاں پیار و محبت کا معاملہ دل سے متعلق ہے جس پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے، میں اس میں برابری نہیں کر سکتا اس لئے اگر مجھے کسی بیوی سے زیادہ محبت اور کسی سے کم محبت ہو تو چونکہ میرے قصد و ارادہ کو دخل نہیں ہو گا لہٰذا اس پر مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اس پر یہ لازم ہو گا کہ وہ ان بیویوں کے پاس جائے، ان کے ہاں شب گزارے اور ان کے نان و نفقہ میں پورا پورا عدل کرے اور ان چیزوں میں ان کے درمیان اس طرح برابری کرے کہ کسی بھی بیوی کو فرق و امتیاز کی شکایت نہ ہو ہاں پیار و محبت مباشرت و جماع اور جنسی لطف حاصل کرنے کے بارہ میں عدل و برابری لازم نہیں ہو گی کیونکہ یہ چیزیں دل و طبیعت سے متعلق ہیں جس پر کسی انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔

اپنی بیویوں کے درمیان عدل و برابری نہ کرنے والے کے بارہ میں وعید

⑧ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَاَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهٗ سَاقِطٌ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص کے نکاح میں (ایک سے زائد مثلاً) دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں کے درمیان عدل و برابری نہ کرتا ہو تو وہ قیامت کے دن (میدان حشر میں) اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ ساقط ہو گا۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، الدارمیؒ)

تشریح: جس شخص کے ہاں ایک سے زائد بیویاں ہوں خواہ دو ہوں اور خواہ تین یا چار ہوں اور وہ ان دونوں کے درمیان عدل و برابری نہ کرتا ہو تو اس کی اس بے انصافی پر مذکورہ بالا سزا کی دھمکی دی گئی ہے لہٰذا باری میں برابری کرنا بایں اعتبار سے واجب ہے کہ رات جتنا حصہ ایک بیوی کے ہاں گزارتا ہو اتنا ہی حصہ دوسری بیوی کے ہاں بھی گزارنا چاہئے مثلاً اگر ایک بیوی کے ہاں مغرب کے بعد چلا جاتا ہے تو دوسری بیوی کے ہاں بھی مغرب کے بعد ہی چلا جائے اگر اس کے پاس عشاء کے بعد جائے گا تو یہ عدل و انصاف کے خلاف ہو گا یہاں صحبت کے معاملہ میں برابری کرنا واجب نہیں ہے۔

اس بارہ میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے۔ اس حکم میں باکرہ، ثیبہ، نئی، پرانی مسلمان اور کتابیہ سب برابر ہیں اور سب کے حقوق یکساں ہیں البتہ آزاد عورت کی بہ نسبت لونڈی، مکاتبہ، مدبرہ اور اُمّ ولد کی لئے آدھی باری ہے یعنی اگر کسی شخص کے نکاح میں ایک آزاد عورت ہو اور کسی کی لونڈی وغیرہ سے بھی اس نے نکاح کر رکھا ہو تو لونڈی وغیرہ کے پاس ایک رات رہے اور آزاد عورت کے پاس دو راتیں رہے!

حرم (باندی) کے لئے باری مقرر کرنا واجب نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت ﷺ کی نو ازواج مطہرات میں سے آٹھ کے لئے باری مقرر تھی

⑨ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ حَضَرْنَا مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ جَنَازَةَ مَيْمُوْنَةَ بِسَرِفٍ فَقَالَ هٰذِهٖ زَوْجَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَفَعْتُمْ نَعْشَهَا فَلَا تُزَعْزِعُوْهَا وَلَا تُزَلْزِلُوْهَا وَارْفُقُوْا بِهَا فَإِنَّهٗ كَانَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعُ نِسْوَةٍ كَانَ يَقْسِمُ مِنْهُنَّ لِثَمَانٍ وَلَا يَقْسِمُ لِوَاحِدَةٍ قَالَ عَطَاءٌ الَّتِيْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْسِمُ لَهَا بَلَغَنَا أَنَّهَا صَفِيَّةُ وَكَانَتْ اٰخِرَهُنَّ مَوْتًا مَاتَتْ بِالْمَدِيْنَةِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَقَالَ رَزِيْنٌ قَالَ غَيْرُ عَطَاءٍ هِيَ سَوْدَةُ وَهُوَ أَصَحُّ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ حِيْنَ أَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَاقَهَا فَقَالَتْ لَهٗ أَمْسِكْنِيْ قَدْ وَهَبْتُ يَوْمِيْ لِعَائِشَةَ لَعَلِّيْ أَنْ أَكُوْنَ مِنْ نِسَائِكَ فِي الْجَنَّةِ.

"حضرت عطاء ابن رباح" تابعی کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباسؓ کے ہمراہ مقام سرف میں اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کے جنازہ میں شریک ہوئے تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ (دیکھو) یہ رسول کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں جب تم ان کا جنازہ اٹھاؤ تو اس کو زیادہ حرکت وجنبش نہ دینا بلکہ (تعظیم وتکریم کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر) نہایت آہستگی سے اٹھانا اس لئے کہ یہ ان ازواج مطہرات میں سے ہیں جن کے لئے آنحضرت ﷺ نے باری مقرر کر رکھی تھی چنانچہ) آنحضرت ﷺ کی نو بیویاں تھیں آپ ﷺ نے ان میں سے آٹھ کے لئے باری مقرر کر رکھی تھی اور ایک کے لئے کوئی باری نہیں تھی۔" حضرت عطاؒ کہتے ہیں کہ وہ زوجہ حضرت صفیہؓ تھیں اور رسول کریم ﷺ کی بیویوں میں حضرت صفیہؓ کا سب سے آخر میں مدینہ میں انتقال ہوا ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ) اور رزینؒ کا بیان ہے کہ عطاؒ کے علاوہ دوسرے آئمہ حدیث سے منقول ہے کہ وہ زوجہ مطہرہ جن کے لئے باری مقرر نہیں تھی (حضرت صفیہؓ نہیں تھیں بلکہ) حضرت سودہؓ تھیں اور یہی قول زیادہ صحیح ہے اور حضرت سودہؓ (کے لئے باری مقرر نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں) نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا تھا (جس کی تفصیل یہ ہے کہ) جب رسول کریم ﷺ نے حضرت سودہؓ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنی باری کا دن عائشہؓ کو دے رہی ہوں آپ (ﷺ) مجھے اپنے نکاح میں رہنے دیجئے تاکہ جنت میں آپ (ﷺ) کی بیویوں میں شامل رہنے کا شرف مجھے بھی حاصل رہے۔"

تشریح: حضرت میمونہؓ جو آنحضرت ﷺ کی ایک زوجہ مطہرہ ہیں حضرت ابن عباسؓ کی خالہ تھیں ان کے والد کا نام حارث تھا ماں کا نام ہندہ تھا خود ان کا نام برہ تھا مگر آنحضرت ﷺ نے میمونہ رکھا یہ پہلے مسعود ابن عمرو کے نکاح میں تھیں پھر ابورہم کے ساتھ شادی ہوئی ان کا رسول کریم ﷺ کے ساتھ ذی قعد سن ۶ ہجری میں بمقام سرف جو مکہ معظمہ سے آٹھ میل کا فاصلہ ہے وہاں ان کا نکاح ہوا یہیں شب زفاف گزری اور اتفاق کی بات کہ اسی مقام سرف میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئیں۔

جن زوجہ مطہرہ کے لئے باری مقرر نہیں تھی وہ حضرت صفیہؓ تھیں یا حضرت سودہ؟ اس بارہ میں بظاہر دو متضاد روایتیں ہیں لیکن تحقیقی بات یہی ہے کہ وہ حضرت سودہؓ تھیں بلکہ خطابی نے تو عطاءؒ کے اس قول کو کہ "وہ حضرت صفیہؓ تھیں کے بارے میں یہ کہا ہے کہ کسی راوی کی چوک ہے یعنی حضرت عطاءؒ نے تو یہاں "حضرت سودہؓ" ہی کہا تھا مگر کسی راوی کی چوک سے "حضرت صفیہؓ" نقل ہو گیا۔

وکانت اخرھن موتا ماتت بالمدینة اور آنحضرت ﷺ کی بیویوں میں حضرت صفیہؓ کا سب سے آخر میں مدینہ میں انتقال ہوا ہے، کی توضیح سے پہلے یہ جان لیجئے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے کس زوجہ مطہرہ کا انتقال کب ہوا ہے صاحب مواہب نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہؓ کا انتقال سن ۵۰ ہجری کے ماہ رمضان میں ہوا ہے اور بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ ان کا انتقال حضرت معاویہؓ

کے زمانہ سن ۵۲ یا ۵۵ ہجری میں ہوا ہے اور بقیع میں مدفون ہوئیں ہیں۔ حضرت میمونہؓ کا انتقال ۵۱ ہجری میں ہوا اور بعض علماء کے قول کے مطابق ۶۶ یا سن ۶۳ ہجری میں ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے مدینہ میں ۵۷ ہجری میں وفات پائی جب کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ ان کی وفات سن ۵۸ میں ہوئی ہے حضرت سودہؓ نے سن ۵۴ ہجری میں حضرت حفصہؓ نے سن ۵۰ یا بعض علماء کے قول کے مطابق ۴۱ ہجری میں حضرت سلمہؓ نے سن ۵۹ ہجری میں حضرت اُم حبیبہؓ نے سن ۴۴ ہجری یا بعض علماء کے قول کے مطابق ۴۳ ہجری حضرت زینب بنت حجش نے سن ۲۰ ہجری میں یا بعض علماء کے قول کے مطابق سن ۲۱ ہجری میں اور حضرت جویریہؓ نے سن ۵۰ ہجری میں انتقال کیا ہے حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہجرت سے پہلے ہی مکہ میں ہوگیا تھا اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ بھی آنحضرت ﷺ کے سامنے ہی وفات پا گئی تھیں۔

اب اس تفصیل کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ کہنا کہ "حضرت صفیہؓ کا سب سے آخر میں انتقال ہوا ہے، صحیح نہیں ہے اور اگر لفظ کانت کی ضمیر کا مرجع حضرت میمونہؓ کو قرار دیا جائے تو بھی بات صحیح نہیں ہوتی کیونکہ اگر بعض علماء کے قول کے مطابق حضرت میمونہؓ کا سن وفات سن ۶۶ ہجری یا ۶۳ زیادہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ازواج مطہرات میں ان کا سب سے آخر میں انتقال ہونا تو ثابت ہو جائے گا مگر یہ بات خود اسی عبارت کے اگلے جملے مَاتَتْ بِالْمَدِيْنَه کے مطابق نہیں ہوگی کیونکہ اس بارہ میں حدیث نے وضاحت کر دی ہے کہ ان کا انتقال مقام سرف میں ہوا ہے۔ لہٰذا اس عبارت کا صحیح مفہوم متعین کرنا بڑا مشکل ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس عبارت میں کیا مفہوم پوشیدہ ہے اور اس کا صحیح مطلب کیا ہے؟

بَابُ عِشْرَةِ النِّسَاءِ وَمَا لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنَ الْحُقُوْقِ
عورتوں کے ساتھ صحبت و اختلاط اور ہر ایک عورت کے حقوق کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جو عورتوں کے ساتھ صحبت و اختلاط اور حسن معاشرت اور ہر ایک عورت کے حق کے بارے میں منقول ہیں۔ عنوان میں "ہر ایک عورت کے حقوق" کہنے کی بجائے "عورتوں کے حقوق" کہنا بظاہر زیادہ مناسب تھا لیکن اس میں نکتہ یہ ہے کہ یہاں عورتوں کی جنس مراد نہیں ہے بلکہ عورتوں کی اقسام مراد ہے یعنی جن عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے وہ کئی قسم کی ہوتی ہیں کوئی تو باکرہ ہوتی ہے اور کوئی ثیبہ ہوتی ہے اور کوئی خوش خلق ہوتی ہے کوئی بد خلق ہوتی ہے اسی طرح کوئی عورت مالدار ہوتی ہے اور کوئی مفلس ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ لہٰذا یہاں چونکہ عورتوں کی یہ اقسام مراد تھیں اس لئے عنوان میں "ہر ایک عورت کے حقوق" کہا گیا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عورت کی کجی کو سخت روی سے دور نہیں کیا جاسکتا

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ فِی الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ وَاِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو، اس لئے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں جو ٹیڑھی ہے اور سب سے زیادہ ٹیڑھا پن اس پسلی میں ہے جو اوپر کی ہے لہٰذا اگر تم پسلی کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر پسلی کو اپنے حال پر چھوڑ دو تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہے گی اس لئے عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی نے عورتوں کی خلقت و طبیعت کے بارہ میں دو بنیادی نکتے بیان کئے ہیں اول تو یہ کہ عورتوں کی اصل و بنیاد حضرت حوا ہیں جو حضرت آدم کی اوپر کی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں جو بہت زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے لہٰذا عورتوں کی اصل خلقت ہی میں ٹیڑھا پن ہے جسے کوئی درست نہیں کر سکتا دوم یہ کہ جس طرح پسلی کا حال ہے کہ اگر کوئی اسے سیدھا کرنا چاہے تو سیدھی نہیں ہوگی۔ بلکہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی ٹھیک اسی طرح عورتوں کا حال ہے کہ ان کی اصل خلقت ہی میں چونکہ اعمال و اخلاق کی کجی ہے اس لئے اگر مرد چاہیں کہ ان کی کجی کو درست کر دیں تو وہ اس میں کامیاب نہیں ہوں گے بلکہ اس کو توڑ ڈالیں گے (توڑنے سے مراد طلاق دینا ہے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہوگا)۔ لہٰذا عورتوں سے فائدہ اٹھانا اور ان کا کار آمد رہنا اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ان کو ان کے خلقی ٹیڑھے پن پر چھوڑے رکھا جائے پس حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ عورتوں کی اصلاح و درستگی کا معاملہ بہت پیچیدہ اور نازک ہے ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر سخت روی اور غیظ و غضب کی بجائے ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے اور اس بنیادی نکتہ کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ان کے ٹیڑھے پن کو درست کرنے کے لئے اگر سختی سے کام لیا جائے گا۔ اس کا انجام ان کی توڑ پھوڑ یعنی طلاق کی صورت میں ظاہر ہوگا جو ان عورتوں ہی کے لئے تباہی کا باعث نہیں ہوگا بلکہ خود اپنی زندگی کے لئے بھی نقصاندہ اور اضطراب انگیز ہوگا۔ اس لئے اپنی عورتوں کے ساتھ نرم معاملہ رکھو اور ان کے ٹیڑھے پن پر صبر کرو اور یہ طریقہ چھوڑ دو کہ وہ سب باتوں میں تمہاری مرضی اور تمہاری خواہش کے مطابق عمل کریں گی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کا ٹیڑھا پن اگر روز مرہ کی گھریلو زندگی اور معاشرتی امور سے گزر کر گناہ و معصیت کی حدود میں پہنچ جائے تب بھی اس پر صبر کیا جائے بلکہ ان کے ٹیڑھے پن پر صبر کرنا اور اس سے چشم پوشی کرنا اس وقت تک مناسب ہوگا۔ جب تک کوئی گناہ لازم نہ آئے۔ اگر گناہ لازم آئے تو پھر تغافل اور چشم پوشی بالکل مناسب نہیں ہوگی۔

② وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَرْاَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيْمَ لَكَ عَلٰى طَرِيْقَةٍ فَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ وَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "عورت کی اصل اور بنیاد یعنی اس کی ماں حوا) چونکہ (حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ (اس لئے تمہارے لئے کسی ایک راہ پر ہرگز سیدھی نہیں ہوگی۔ لہٰذا اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اس کے ٹیڑھے پن ہی کی حالت میں اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو (اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا کہ) تم اسے توڑ ڈالو گے اور اس کا توڑنا اس کو طلاق دینا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "ہرگز سیدھی نہیں ہوگی" کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم یہ چاہو کہ کوئی عورت کسی ایک حالت پر ہمیشہ قائم رہے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ اس کی خلقت ہی میں چونکہ کجی ہے اسی لئے اس کی حالت بدلتی سدلتی رہے گی کبھی شکر گزاری کی راہ چھوڑ کر ناشکری کا راستہ اختیار کرے گی کبھی طاعت و فرمانبرداری کے راستہ پر چلتے چلتے نافرمانی کی راہ پر پڑ جائے گی کبھی قناعت کو بالائے طاق رکھ کر طمع و حرص کے جال میں پھنس جائے گی غرضیکہ اسی طرح اس کے مزاج و عمل میں دوسرے تغیرات پیدا ہوتے رہیں گے۔

عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرو

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا اٰخَرَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے بغض نہ رکھے اگر اس کی نظر میں اس عورت کی کوئی خصلت و عادت ناپسندیدہ ہوگی تو کوئی دوسری خصلت و عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔" (مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کے تمام افعال و خصائل برے نہیں ہوتے بلکہ اگر اس کے کچھ افعال و خصائل برے ہوتے ہیں تو اس میں کچھ اچھی عادتیں اور اچھے خصائل بھی ہوتے ہیں لہٰذا ہر مسلمان مرد کو چاہئے کہ وہ اپنی عورت کے ان اچھے افعال و اخلاق کو پیش نظر رکھے جو اس کی نظر میں پسندیدہ ہیں اور جو افعال و اخلاق برے ہوں ان پر صبر و تحمل کرے گویا اس ارشاد کا مقصد اس بات کی ترغیب دلانا ہے کہ عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرو ان کی معیت میں خوشگوار و پر مسرت زندگی گزارنے کی کوشش کرو اور اگر ان کی طرف سے کوئی ایسی کوتاہی یا غلطی ہو جائے یا ان میں کوئی ایسی بری عادت و خصلت ہو جس سے تکلیف پہنچتی ہے تو اس تکلیف پر صبر کرو۔

اس حدیث میں ایک بہت بڑے لطیف نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ بے عیب یار اور اپنے مزاج کے بالکل موافق ہاتھ نہیں لگا کرتا۔ اگر کوئی شخص بالکل بے عیب یار ڈھونڈھنے لگے تو وہ ہمیشہ بے یار ہی رہے گا کیونکہ ایسا کوئی انسان نہیں ہے جس میں کوئی عیب اور کوئی ناپسندیدہ بات نہ ہو اس طرح کوئی انسان خصوصاً مسلمان اچھے خصائل اور اچھی عادتوں سے بالکل بھی خالی نہیں ہوتا لہٰذا عقل کا تقاضا یہی ہونا چاہئے۔ کہ اس کے ان اچھے خصائل کو تو پیش نظر رکھا جائے اور برے خصائل سے چشم پوشی کی جائے۔

کجی ہر عورت کو ورثہ میں ملی ہے

④ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوْلَا بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ لَمْ یَخْنَزِ اللَّحْمُ وَلَوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ اُنْثٰی زَوْجَهَا الدَّهْرَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت نہ سڑا کرتا اور اگر حوا نہ ہوتیں تو عورت اپنے شوہر سے خیانت نہ کرتی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ان کی قوم بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے لئے جنگل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے من و سلویٰ کا خوان نعمت اترا کرتا تھا اور اس کا یہ حکم تھا کہ انہیں جتنی ضرورت ہو اسی کے بقدر اس میں سے لے لیا کریں ضرورت سے زائد لے کر ذخیرہ نہ کریں مگر وہ یہودی کیا جو اپنی کج فطرتی اور خدا کی نافرمانی سے باز آجائیں چنانچہ اس موقع پر بھی انہوں نے حکم خداوندی کی نافرمانی کی اور اس خوان نعمت سے اپنی ضرورت سے زائد لے کر ذخیرہ کرنے لگے، مگر قدرت کا کرنا ایسا ہوتا کہ جب وہ ذخیرہ کرتے تو وہ گوشت سڑ جاتا تھا۔ چنانچہ یہ گوشت کا سڑنا ان کے اس فعل بد یعنی اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد نہ کرنے اور محض حرص و طمع کی وجہ سے ذخیرہ کرنے کی سزا کے طور پر تھا اس کے بعد نظام قدرت نے ہمیشہ کے لئے گوشت کا سڑنا لازم کر دیا لہٰذا اس کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل اس بری عادت میں مبتلا نہ ہوتے اور ان کو یہ سزا نہ ملتی تو گوشت سڑا نہ کرتا بلکہ جب تک لوگ چاہتے اسے اپنی ضرورت کے مطابق رکھا کرتے۔

یہاں "خیانت" کے وہ معنی مراد نہیں ہیں۔ جو امانت و دیانت کی ضد ہے بلکہ "خیانت" سے ناراستی یعنی کجی مراد ہے لہٰذا حضرت حوا کی کجی یہ تھی کہ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت کا وہ درخت کھانے کی ترغیب دی جس سے اللہ تعالیٰ نے روک رکھا تھا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کجی حضرت حوا سے سرزد ہو گئی تھی وہ ہر ایک عورت کی سرشت کا جزو بن گئی ہے اگر حضرت حوا سے یہ کجی سرزد نہ ہوتی تو کسی بھی عورت میں کجی کا خمیر نہ ہوتا اور وہ اپنے خاوند کے ساتھ کجروی کا کوئی بھی برتاؤ نہ کرتی۔

عورت کو مارنے کی ممانعت

⑤ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَمْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَجْلِدْ اَحَدُکُمْ اِمْرَاَتَهٗ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ یُجَامِعُهَا فِیْ اٰخِرِ الْیَوْمِ وَفِیْ رِوَایَةٍ یَعْمِدُ اَحَدُکُمْ فَیَجْلِدُ امْرَاَتَهٗ جَلْدَ الْعَبْدِ فَلَعَلَّهٗ یُضَاجِعُهَا فِیْ اٰخِرِ یَوْمِهٖ ثُمَّ وَعَظَهُمْ

فِیْ ضَحْکِھِمْ مِنَ الضَّرْطَۃِ فَقَالَ لِمَ یَضْحَكُ اَحَدُکُمْ مِمَّا یَفْعَلُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن زمعہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح (بد دلی سے) نہ مارے اور پھر دن کے آخری حصہ میں اس سے جماع کرے۔" ایک روایت میں یوں ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) تم میں ایک شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح مارتا ہے حالانکہ (یہ نہیں سوچتا کہ) شاید وہ اسی دن کے آخری حصہ میں اس سے ہم بستر ہو۔ پھر آپ ﷺ نے ریح خارج ہونے پر ہنسنے والوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس چیز پر کیوں ہنستا ہے جس کو وہ خود بھی کرتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اور پھر دن کے آخری حصہ میں اس سے جماع کرے۔" اس کے ذریعہ آپ ﷺ نے ایک بڑا نفسیاتی نکتہ بیان فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی سے جنسی لذت حاصل کرتا ہے اس کے لئے یہ بات کس طرح مناسب ہو سکتی ہے کہ ایک طرف تو اس کے ساتھ ایسا پر کیف معاملہ ہو دوسری طرف اس کے ساتھ اتنا وحشیانہ اور بے دردانہ سلوک کرے؟ اگرچہ اپنی بیوی کو اس کی مسلسل نافرمانی اور سرکشی پر مارنے کی اجازت ہے لیکن اس طرح نہیں کہ غلاموں کی طرح بے دردی سے اسے مارا پیٹا جائے یہ ایک غیر شرعی فعل ہی نہیں ہے بلکہ ایک انتہائی غیر انسانی اور غیر مہذب حرکت بھی ہے! اس سے معلوم ہوا کہ اپنی بیوی کے ساتھ پیار و محبت اور اتفاق و سلوک کے ساتھ رہنا چاہئے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا کسی ایسی عجیب بات پر ہنسنا تو اچھا معلوم ہوتا ہے جو عام طور پر نہ پائی جاتی ہو لیکن جب ایک چیز خود اپنے اندر موجود ہے تو پھر جب وہ کسی دوسرے سے سرزد ہوتی ہے۔ تو اس پر ہنسنے کا کیا موقع ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کی ریح خارج ہو جائے تو اسے تغافل کیا جائے تا کہ وہ خجالت اور شرمندگی کر کے کبید خاطر نہ ہو۔

اس سلسلہ میں یہ سبق آموز واقعہ پڑھنے کے قابل ہے کہ ایک بہت بڑے عالم گزرے ہیں جن کا نام عاصمؒ تھا یہ اگرچہ حقیقت میں بہرے نہیں تھے لیکن انہوں نے دنیا کی نظروں میں اپنے آپ کو بہرا بنا رکھا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن ایک عورت کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے ان کے پاس آئی جب وہ ان سے مسئلہ پوچھ رہی تھی تو اسی اثناء میں اس کی ریح خارج ہو گئی۔ عاصمؒ نے سوچا کہ یہ عورت ذات ہے اب یہ بہت زیادہ شرمندگی و خجالت محسوس کر رہی ہوگی لہٰذا انہوں نے اس کی شرمندگی و خجالت دور کرنے کے لئے کہا کہ ذرا زور سے کہو کیا کہہ رہی ہو؟ گویا انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ میں اونچا سنتا ہوں وہ عورت بڑی خوش ہوئی اس نے بتایا کہ یہ تو بہرے ہیں انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اور اس طرح اس کی شرمندگی دور ہو گئی مگر عاصمؒ نے پھر اپنی اس بات کو نباہنے کے لئے اپنے آپ کو ہمیشہ بہرا بنائے رکھا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ تنبیہ پوشیدہ ہے کہ ہر عقل مند انسان کو چاہئے کہ جب وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیب گیری کا ارادہ کرے تو اپنے دل میں سوچے کہ آیا یہ عیب یا اسی طرح کا کوئی اور عیب میری ذات میں بھی موجود ہے یا نہیں؟ اگر وہ اپنے آپ کو کسی عیب سے پاک نہ پائے تو پھر اس کے لئے اس مسلمان بھائی کی عیب گیری سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس عیب سے پاک کرنے پر توجہ دے کسی مرد دانا نے کیا خوب کہا ہے کہ میں اکثر لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ دوسروں کے عیوب کو تو دیکھ لیتے ہیں لیکن خود ان کے اندر جو عیوب ہیں ان سے وہ اندھے ہیں۔

اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو

(٦) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کُنْتُ اَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَانَ لِیْ صَوَاحِبُ یَلْعَبْنَ مَعِیَ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ یَنْقَمِعْنَ مِنْہُ فَیُسَرِّبُھُنَّ اِلَیَّ فَیَلْعَبْنَ مَعِیَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (جب میں چھوٹی تھی اور میری شادی کا ابتدائی دور تھا تو) میں رسول کریم ﷺ کے ہاں گڑیوں سے کھیلا

کرتی تھی اور میری ہجولیاں بھی میرے ساتھ کھیلتی تھیں اور پھر جب رسول کریم ﷺ (گھر میں) تشریف لاتے تو میری ہم جولیاں (شرم کی وجہ سے) آپ ﷺ سے چھپ جاتی تھیں لیکن آنحضرت ﷺ ان کو میرے پاس بھیج دیا کرتے تھے اور وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتی تھیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث میں گویا اس بات کا بیان ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی رہنا اس کے جائز جذبات و شوق کا لحاظ رکھنا ایک پر مسرت زندگی کا بنیادی باب ہے جس کے بغیر انسان کو اطمینان و سکون کی دولت نصیب نہیں ہوتی۔ گڑیوں سے کھیلنے کے بارہ میں جو حکم و تفصیل ہے۔ باب الولی میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

⑦ وَعَنْهَا قَالَتْ وَاللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ عَلٰى بَابِ حُجْرَتِيْ وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ بِالْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِيْ بِرِدَائِهِ لِأَنْظُرَ اِلٰى لَعِبِهِمْ بَيْنَ اُذُنِهٖ وَعَاتِقِهٖ ثُمَّ يَقُوْمُ مِنْ اَجْلِيْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَنَا الَّتِيْ اَنْصَرِفُ فَاقْدُرُوْا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيْثَةِ السِّنِّ الْحَرِيْصَةِ عَلَى اللَّهْوِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا (اور مجھے اچھی طرح یاد ہے) کہ رسول کریم ﷺ میرے حجرہ مبارک کے دروازہ پر کھڑے تھے اور حبشی لوگ مسجد میں اپنی برچھیوں کے کرتب دکھارہے تھے اور رسول کریم ﷺ نے اپنی چادر سے میرے لئے پردہ کر رکھا تھا تاکہ میں بھی آپ ﷺ کے کان اور مونڈھے کے درمیان سے ان حبشیوں کا کھیل کرتب دیکھتی رہوں یہاں تک کہ آپ ﷺ اس وقت تک (پردہ کئے) کھڑے رہے جب تک کہ میں خود وہاں سے نہ ہٹ گئی اس سے تم اس عرصہ کا اندازہ کرلو جس میں ایک صغیر السن لڑکی جو کھیل تماشہ کی شائق ہو کھڑی رہ سکتی ہے (یعنی خیال کرو کہ خورد سال لڑکیاں کھیل تماشہ دیکھنے کی کتنی شائق ہوتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ دیر تک کھڑے رہنا بھی ان کے لئے ایک معمولی بات ہوتی ہے چنانچہ میں بھی اس وقت جتنی دیر تک کھڑی رہی، آپ ﷺ بھی میری وجہ سے پردہ کئے کھڑے رہے، حاصل یہ کہ آپ ﷺ بہت دیر تک وہاں کھڑے ہو کر مجھے ان حبشیوں کا کھیل کرتب دکھاتے رہے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "مسجد" سے مراد "رحبہ مسجد" ہے جو مسجد سے ملا ہوا ایک چبوترہ تھا، یعنی وہ حبشی مسجد میں اپنا کرتب نہیں دکھارہے تھے بلکہ مسجد سے متصل رحبہ میں اپنے کمالات کا مظاہرہ کر رہے تھے اور اگر نفس مسجد ہی مراد لی جائے یعنی یہ کہا جائے کہ ان کا کھیل کرتب مسجد ہی کے اندر ہورہا تھا تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ ان کا برچھیوں کا کرتب دکھانا گویا جہاد کی ایک علامتی مشق تھی لہذا تیر اندازی کی طرح ان کا یہ کھیل کرتب بھی عبادت کی مانند تھا، ایسے ہی ان کا کھیل دیکھنا بھی پسندیدہ تھا بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ پردہ واجب ہونے سے پہلے کا ہے۔

آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کی خوشی و ناخوشی کو کس طرح پہچانتے تھے

⑧ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اِذَا كُنْتِ عَنِّيْ رَاضِيَةً وَاِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبٰى فَقُلْتُ مِنْ اَيْنَ تَعْرِفُ ذٰلِكَ فَقَالَ اِذَا كُنْتِ عَنِّيْ رَاضِيَةً فَاِنَّكِ تَقُوْلِيْنَ لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ وَاِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبٰى قُلْتِ لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ قَالَتْ قُلْتُ اَجَلْ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَهْجُرُ اِلَّا اسْمَكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ مجھ سے فرمانے لگے کہ جس وقت تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو میں جان جاتا ہوں اور جب تم (کسی دنیوی معاملہ میں) مجھ سے ناراض ہوتی ہو (جیسا کہ میاں بیوی کے درمیان کسی بات پر خفگی ہو جاتی ہے) تو مجھے وہ بھی معلوم ہو جاتا ہے میں نے عرض کیا کہ "آپ ﷺ یہ کس طرح پہچان لیتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا (اس طرح کہ) جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو اس طرح کہا کرتی ہو" یہ بات نہیں ہے محمد ﷺ کے پروردگار کی قسم، اور جب تم مجھ سے خفا ہوتی ہو تو اس طرح کہتی ہو کہ یہ

بات نہیں ہے ابراہیم علیہ السلام کے پروردگار کی قسم (یعنی جب تم مجھ سے خفا ہونے کی حالت میں قسم کھاتی ہو تو میرا نام نہیں لیتیں بلکہ ابراہیم علیہ السلام کا پروردگار کہتی ہو) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (یہ سن کر) میں نے عرض کیا کہ "ہاں یا رسول اللہ! یہ بات ٹھیک ہے، لیکن میں صرف آپ (ﷺ) کا نام ہی چھوڑتی ہوں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "لیکن میں صرف آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں مغلوب العقل ہو جاتی ہوں اگرچہ میں آپ ﷺ کا نام نہیں لیتی مگر میرے دل میں آپ ﷺ کے لئے پیار و محبت کا جو دریا موجزن ہے اس کے تلاطم میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہوتی، بلکہ میرا دل آپ ﷺ کی محبت میں جوں کا توں مستغرق رہتا ہے۔

شوہر کی خواہش پر بیوی کو ہم بستر ہونے سے انکار نہ کرنا چاہئے

(۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَی الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ اِلٰی فِرَاشِهٖ فَاَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانَ لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰی تُصْبِحَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهُمَا قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا مِنْ رَجُلٍ یَدْعُوْ امْرَأَتَهُ اِلٰی فِرَاشِهٖ فَتَاْبٰی عَلَیْهِ اِلَّا كَانَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ سَاخِطًا عَلَیْهَا حَتّٰی یَرْضٰی عَنْهَا۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر کوئی مرد اپنی عورت کو ہم بستر ہونے کے لئے بلائے اور وہ عورت انکار کر دے۔ اور پھر شوہر (اس کے انکار کی وجہ سے) رات بھر غصہ کی حالت میں رہے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں (بخاریؒ و مسلمؒ) اور مسلمؒ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں (یعنی جس کے قبضہ تصرف میں) میری جان ہے، جو شخص اپنی عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو وہ جو آسمان میں ہے اس سے اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک اس کا شوہر اس سے راضی نہ ہو۔

تشریح: یہ وعید اس صورت میں ہے جب کہ بیوی کوئی شرعی عذر نہ ہونے کے باوجود شوہر کے بستر پر آنے سے انکار کر دے۔ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حیض ایسا عذر نہیں ہے جس کی موجودگی میں بیوی کو شوہر کے بستر پر آنے سے انکار کر دینے کا حق پہنچتا ہو، کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک شوہر کو اس صورت میں بھی کپڑوں کے اوپر سے جنسی لطف حاصل کرنا (یعنی بدن سے بدن ملانا اور بوسہ وغیرہ لینا) جائز ہے اور بعض علماء کے نزدیک شرم گاہ کے علاوہ جسم کے بقیہ حصوں سے لطف اندوزی جائز ہے۔

"صبح تک" غالب کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے یعنی اکثر یہ صورت حال چونکہ رات میں پیش آتی ہے اس لئے "صبح تک" کا ذکر کیا گیا ورنہ اگر شوہر کی طرف سے خواہش اور بیوی کی طرف سے انکار کی یہ صورت حال دن میں پیش آئے اور اس کی وجہ سے شوہر دن بھر ناراض رہے تو فرشتے اسی طرح شام تک اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

"وہ جو آسمان میں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جس کا حکم آسمانوں میں جاری ہے۔ یا وہ ذات جس کی آسمانوں میں عبادت کی جاتی ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یوں تو اللہ تعالیٰ زمین اور زمین کی ساری مخلوقات کا بھی معبود اور آسمان اور آسمان کی ساری مخلوقات کا بھی معبود ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ۔

"اور وہ (اللہ تعالیٰ) ایسا ہے کہ جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔"

لیکن حدیث میں صرف آسمان کا معبود اس لئے کہا گیا ہے زمین کی بہ نسبت آسمان زیادہ شرف رکھتا ہے اور صرف آسمان کا ذکر اظہار مقصد کے لئے کافی ہے تاہم یہ بھی احتمال ہے کہ "وہ جو آسمان میں ہے" سے فرشتے مراد ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاوند کی ناراضگی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے اور جب جنسی جذبات کی تسکین کے بارہ میں خاوند کی ناراضگی کی یہ اہمیت ہے تو کسی دنیوی معاملہ میں خاوند کی ناراضگی کی کتنی اہمیت ہوگی۔

کوئی عورت خواہ مخواہ اپنی سوکن کو جلانے کے کام نہ کرے

(۱۰) وَعَنْ اَسْمَاءَ اَنَّ اِمْرَاَۃً قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ لِیْ ضَرَّۃً فَھَلْ عَلَیَّ جُنَاحٌ اِنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِیْ غَیْرَ الَّذِیْ یُعْطِیْنِیْ فَقَالَ الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ یُعْطَ کَلَابِسِ ثَوْبَیْ زُوْرٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! میری ایک سوکن ہے۔ اگر میں اس کے سامنے اپنے خاوند کی کسی ایسی چیز کا اظہار کروں جو اس نے مجھے نہیں دی ہے تو کیا یہ گناہ ہے؟ (یعنی میرا خاوند مجھے جو کچھ دیتا ہے اگر میں اپنی سوکن کو جلانے کے لئے اس کے سامنے اس چیز کو زیادہ کر کے بیان کروں کہ دیکھو مجھے تم سے زیادہ ملتا ہے تو کیا اس میں کوئی برائی ہے؟) آپ نے فرمایا" (ہاں یہ بہت بری بات ہے کیونکہ) نہ دی ہوئی چیز کا اظہار کرنے والا دو جھوٹ موٹ کے کپڑے پہننے والے کے مانند ہے۔" (بخاری ومسلمؒ)

تشریح: دو کپڑوں سے مراد چادر اور تہبند ہیں اور جھوٹ موٹ کے کپڑے پہننے والے سے وہ شخص مراد ہے جو کسی کا مانگا ہوا یا کسی کی امانت کا کپڑا پہنے اور ظاہر یہ کرے کہ گویا وہ کپڑے اسی کے ہیں یا وہ شخص مراد ہے جو زاہدوں اور بزرگوں کا لباس پہنے حالانکہ واقعۃً اسے زہد وبزرگی سے کوئی نسبت نہ ہو بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حدیث میں اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو ایسا قمیص وکرتہ پہنے جس کی آستینوں کے نیچے دو اور آستینیں لگی ہوئی ہوں تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ دو کپڑے پہن رکھے ہیں اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ عرب میں ایک شخص تھا جو محض اس لئے دو بہت عمدہ اور نفیس کپڑے پہنتا تھا تاکہ لوگ اسے عزت واحترام کی نظر دیکھیں اور اگر وہ کوئی جھوٹی گواہی دے تو کوئی آدمی اس کی کسی گواہی کو جھوٹی نہ جانے لہٰذا حدیث میں اسی شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ایلاء کا مطلب

(۱۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اٰلٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ نِسَائِہٖ شَھْرًا وَکَانَتِ انْفَکَّتْ رِجْلُہٗ فَاَقَامَ فِیْ مَشْرُبَۃٍ تِسْعًا وَعِشْرِیْنَ لَیْلَۃً ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اٰلَیْتَ شَھْرًا فَقَالَ اِنَّ الشَّھْرَ یَکُوْنُ تِسْعًا وَعِشْرِیْنَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی بیویوں سے ایک مہینہ کا ایلاء کیا اور اسی زمانہ میں آپ ﷺ کے پاؤں میں موچ آگئی تھی چنانچہ آپ ﷺ انتیس راتوں تک بالاخانہ ہی پر رہے پھر جب آپ ﷺ نیچے تشریف لائے تو لوگوں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ (ﷺ)! آپ (ﷺ) نے تو ایک مہینہ کا ایلاء کیا تھا (اور مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے پھر آپ انتیس دن کے بعد کیوں اتر آئے؟) آپ ﷺ نے فرمایا مہینہ تیس دن کا بھی ہوتا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: "ایلاء" کے لغوی معنی ہیں "قسم کھانا" اور اصطلاح شریعت میں ایلاء اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اس بات کی قسم کھائے کہ میں چار مہینہ یا اس سے زیادہ تک اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا یعنی اس سے جماع نہیں کروں گا اگر قسم پوری ہو جائے یعنی وہ شخص اپنی قسم کے مطابق چار مہینہ تک یا اس سے بھی زائد اس مدت تک جو اس نے متعین کی ہو، اپنی بیوی کے پاس نہ جائے تو طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے اور اگر وہ قسم پوری نہ کرے یعنی اس مدت کے پوری ہونے سے پہلے ہی بیوی کے پاس چلا جائے تو ایلاء ساقط ہو جاتا ہے اور اس پر قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ واجب ہو جاتا ہے یا جزاء لازم ہو جاتی ہے اور اگر کسی شخص کے نکاح میں کسی کی لونڈی ہو یعنی اس کی بیوی آزاد عورت نہ ہو بلکہ کسی کی لونڈی ہو اور وہ اس سے ایلاء کرے تو اس کی کم سے کم مدت بجائے چار مہینہ کے دو مہینہ ہوگی اور اگر کسی شخص نے آزاد عورت کے حق میں چار مہینہ سے کم اور لونڈی کے حق میں دو مہینہ سے کم مدت کے لئے قسم کھائی تو یہ ایلاء شرعی نہیں کہلائے گا

چنانچہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کی طرف جس ایلاء کی نسبت کی گئی ہے وہ شرعی ایلاء نہیں ہے۔ بلکہ ایلاء لغوی مراد ہے یعنی آپ ﷺ نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیویوں کے پاس ایک مہینہ تک نہیں جاؤں گا جس کا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ کی بیویوں نے آپ ﷺ سے کچھ زیادہ نفقہ کا مطالبہ کیا تھا جس سے آپ ﷺ کو سخت ناگواری ہوئی اور آپ ﷺ نے قسم کے ساتھ یہ عہد کیا کہ میں ان بیویوں کے پاس ایک مہینہ تک نہیں جاؤں گا انہیں دنوں میں یہ حادثہ پیش آیا کہ آپ ﷺ گھوڑے پر سے گر پڑے جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے پائے مبارک میں چوٹ آگئی پھر آپ ﷺ ایک مہینہ بالاخانہ ہی پر رہے نیچے نہیں آئے مگر وہ مہینہ غالباً انتیس دن کا تھا اس لئے آپ ﷺ نے انتیس پر اکتفا کیا اور نیچے تشریف لے آئے۔

آنحضرت ﷺ کے ایلاء کا واقعہ

(۱۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ يَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوْسًا بِبَابِهٖ لَمْ يُؤْذَنْ لِاَحَدٍ مِنْهُمْ قَالَ فَاُذِنَ لِاَبِیْ بَكْرٍ فَدَخَلَ ثُمَّ اَقْبَلَ عُمَرُ فَاسْتَاْذَنَ فَاُذِنَ لَهٗ فَوَجَدَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا حَوْلَهٗ نِسَاۗءُهٗ وَاجِمًا سَاكِتًا قَالَ فَقُلْتُ لَاَقُوْلَنَّ شَيْئًا اُضْحِكُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْرَاَيْتَ بِنْتَ خَارِجَةَ سَاَلَتْنِی النَّفَقَةَ فَقُمْتُ اِلَيْهَا فَوَجَاْتُ عُنُقَهَا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ هُنَّ حَوْلِیْ كَمَا تَرٰی يَسْاَلْنَنِی النَّفَقَةَ فَقَامَ اَبُوْبَكْرٍ اِلٰى عَاۗئِشَةَ يَجَاُ عُنُقَهَا وَقَامَ عُمَرُ اِلٰى حَفْصَةَ يَجَاُ عُنُقَهَا كِلَاهُمَا يَقُوْلُ تَسْاَلْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَيْسَ عِنْدَهٗ فَقُلْنَ وَاللّٰهِ لَا نَسْاَلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا اَبَدًا لَيْسَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اعْتَزَلَهُنَّ شَهْرًا اَوْتِسْعًا وَّعِشْرِيْنَ ثُمَّ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ يَا اَيُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ حَتّٰى بَلَغَ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا قَالَ فَبَدَاَ بِعَاۗئِشَةَ فَقَالَ يَا عَاۗئِشَةُ اِنِّیْ اُرِيْدُ اَنْ اَعْرِضَ عَلَيْكِ اَمْرًا اُحِبُّ اَنْ لَا تَعْجَلِیْ فِيْهِ حَتّٰى تَسْتَشِيْرِیْ اَبَوَيْكِ قَالَتْ وَمَاهُوَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَتَلَا عَلَيْهَا الْاٰيَةَ قَالَتْ اَفِيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْتَشِيْرُ اَبَوَیَّ بَلْ اَخْتَارُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَاَسْاَلُكَ اَنْ لَا تُخْبِرَ امْرَاَةً مِنْ نِسَاۗئِكَ بِالَّذِیْ قُلْتُ قَالَ لَا تَسْاَلُنِیْ امْرَاَةٌ مِنْهُنَّ اِلَّا اَخْبَرْتُهَا اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِیْ مُعَنِّتًا وَلَا مُتَعَنِّتًا وَلٰكِنْ بَعَثَنِیْ مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں آنحضرت ﷺ اپنی بیویوں سے ایک مہینہ کی علیحدگی اختیار کئے ہوئے مکان میں گوشہ نشین تھے تو ایک دن حضرت ابوبکرؓ آئے اور رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت کے طلب گار ہوئے انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے دروازہ پر لوگ جمع ہیں۔ اور کسی کو حاضر ہونے کی اجازت نہیں مل رہی مگر حضرت ابوبکرؓ کو اجازت مل گئی اور وہ آپ ﷺ کی خدمت میں چلے گئے پھر حضرت عمر فاروقؓ آئے اور انہوں نے حاضر ہونے کی اجازت مانگی ان کو بھی اجازت مل گئی چنانچہ حضرت عمرؓ (جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں) نے آپ ﷺ کو اس حالت میں پایا کہ آپ ﷺ کے ارد گرد آپ ﷺ کی بیویاں بیٹھی ہوئی تھیں اور آپ ﷺ اس وقت غمگین اور خاموش تھے حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے (یہ صورت حال دیکھ کر اپنے دل میں) کہا کہ اس وقت مجھے کوئی ایسی بات کہنی چاہئے۔ جس سے نبی کریم ﷺ ہنس پڑیں، چنانچہ انہوں نے کہا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! اگر آپ دیکھیں کہ خارجہ کی بیٹی (یعنی میری بیوی) مجھ سے روٹی پانی کا خرچ (معمول سے) زیادہ طلب کرے تو میں کھڑا ہو کر اس کی گردن پر مار لگاؤں" (حضرت عمرؓ نے یہ بات کچھ اس انداز سے کہی کہ) آنحضرت ﷺ ہنس پڑے اور پھر فرمایا کہ "یہ (میری) عورتیں جنہیں تم میرے ارد گرد بیٹھی دیکھ رہے ہو مجھ سے (معمول سے) زیادہ خرچ مانگ رہی ہیں (یہ سنتے ہی) حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور اپنی صاحبزادی) حضرت عائشہؓ کی گردن پر مارنے لگے، اسی طرح حضرت عمرؓ بھی کھڑے ہوئے اور وہ بھی (اپنی صاحبزادی) حضرت حفصہؓ کی گردن پر مارنے لگے اور پھر ان دونوں (یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ) نے کہا کہ کیا تم آنحضرت ﷺ سے

اس چیز کا مطالبہ کر رہی ہو جو آپ ﷺ کے پاس موجود نہیں ہے (یعنی یہ بات کتنی غیر مناسب ہے کہ تم آنحضرت ﷺ کی مالی حالت جانتی ہو اور اس کے باوجود آپ ﷺ سے اتنے خرچ کا مطالبہ کرتی ہو جس کو آپ ﷺ پورا کرنے پر قادر نہیں ہیں کیا تمہارا یہ مطالبہ آنحضرت ﷺ کو پریشانی میں مبتلا کرنے کے مرادف نہیں ہے؟) ان عورتوں نے کہا کہ "(بے شک ہم نے بے جا مطالبہ کیا تھا جس پر ہم نادم ہیں اور آئندہ کے لئے ہم عہد کرتی ہیں کہ) خدا کی قسم! اب ہم کبھی بھی آپ ﷺ سے اس چیز کا مطالبہ نہیں کریں گی جو آپ ﷺ کے پاس نہ ہو" لیکن (آپ ﷺ نے چونکہ علیحدگی کی قسم کھالی تھی اس لئے اس قسم کو پورا کرنے کے لئے) آپ ﷺ ایک مہینہ تک یا انتیس دن تک اپنی بیویوں سے علیحدہ رہے (اس جگہ حدیث کے کسی راوی کو شک ہوا کہ حضرت جابرؓ نے یہاں ایک مہینہ کہا تھا یا انتیس دن کہا تھا) پھر یہ آیت: قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا تک نازل ہوئی! حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (اس آیت کے نازل ہونے کے بعد) آپ ﷺ نے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ سے رابطہ قائم کیا (کیونکہ تمام ازواج مطہرات میں وہی سب سے زیادہ عقل مند اور افضل تھیں) چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "عائشہؓ! میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن ساتھ ہی میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم (اس کا جواب دینے میں) جلدی نہ کرو بلکہ اس کے بارہ میں اپنے والدین سے مشورہ کرلو۔" حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! فرمائیے وہ کیا بات ہے؟" آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے مذکورۂ بالا آیت پڑھی، حضرت عائشہؓ نے (یہ آیت سن کر) کہا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! کیا میں آپ (ﷺ) کے معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ لوں (یعنی مشورہ تو اس معاملہ میں کیا جاتا ہے جس میں کوئی تردد ہو جب کہ اس معاملہ میں مجھے کوئی تردد نہیں ہے) بلکہ میں نے اللہ اور اللہ کے رسول اور آخرت کے گھر کو اختیار کر لیا ہے (یعنی میں اس معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی و خواہش کے سامنے سر تسلیم خم کرتی ہوں کہ اسی میں میرے لئے دنیا کی بھی بھلائی ہے اور آخرت کی کامیابی بھی ہے) مگر میں آپ ﷺ سے یہ درخواست کرتی ہوں کہ اس وقت میں نے آپ ﷺ سے جو کچھ عرض کیا ہے اس کا ذکر اپنی کسی اور بیوی سے نہ کریں" آنحضرت ﷺ نے فرمایا (یہ بات ممکن نہیں ہے کیونکہ) اگر کوئی بیوی مجھ سے یہ پوچھے گی تو میں اس کے سامنے (ضرور) ذکر کروں گا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ کسی کو رنج پہنچاؤں یا کسی کو خواہ مخواہ تکلیف میں مبتلا کروں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں مخلوق خدا کو دین کے احکام سکھاؤں اور آسانی (یعنی دینی و دنیوی راحت) سے ہمکنار کروں۔" (مسلمؒ)

تشریح: حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کو اس حال میں پایا الخ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ پردہ واجب ہونے سے پہلے کا ہے کیونکہ اگر پردہ واجب ہو چکا ہوتو نہ حضرت عمرؓ اس طرح زنانہ خانہ میں عورتوں کے سامنے جاتے اور نہ عورتیں ان کے سامنے ہوتیں۔

"جس سے نبی کریم ﷺ ہنس پڑیں" اس سے حضرت عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ میں کوئی دلچسپ بات کہہ دوں جس سے آنحضرت ﷺ کا غم و ملال زائل ہو جائے اور آپ ﷺ خوش ہو جائیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ مستحب ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی دوست و عزیز کو غمگین دیکھے تو وہ اس کے سامنے کوئی بات ذکر کرے جس سے وہ ہنس پڑے اور خوش ہو جائے اور خود بھی اس بات میں شریک ہو کر اپنا رنج و غم بھول جائے چنانچہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب اپنے کسی صحابیؓ کو غمگین دیکھتے تو اس کو خوش طبعی اور ہنسی مذاق کے ذریعہ خوش کر دیتے تھے۔

حدیث میں جس آیت کا ذکر کیا گیا ہے وہ پوری یوں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا. وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا. (الاحزاب ۳۳: ۲۸، ۲۹)

"اے پیغمبر (ﷺ) آپ (ﷺ) اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ (میں نے تو فقر کو اختیار کیا ہے) اگر تم (میرے فقر پر راضی نہیں ہو بلکہ) دنیا کی (آرام دہ) زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی خواستگار ہو تو (مجھے بتا دو اور) آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح رخصت کر دوں (یعنی

ہمیشہ کے لئے تم سے علیحدگی اختیار کرلوں) اور اگر تم (میرے فقر پر راضی ہو اور یہ) چاہتی ہو کہ تمہیں خدا اور اس کے رسول (ﷺ) کی رضا مندی حاصل ہو اور جنت تمہارا ٹھکانا بنے تو (سن لو کہ) تم میں جو نیکو کاری کرنے والی ہیں ان کے لئے خدا نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے (یعنی تمہاری اس مشقت کے عوض جو تمہیں میری فقر وفاقہ کی زندگی کی رفیق بننے میں اٹھانی پڑے گی اللہ تعالیٰ تمہیں بے اندازہ اجر وثواب عطا کرے گا۔"

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنی بیویوں میں سب سے پہلے حضرت عائشہؓ سے رابطہ قائم کیا اور ان کے سامنے اس آسمانی ہدایت کو رکھنے سے پہلے ان پر واضح کر دیا کہ میں تمہارے سامنے جو ہدایت وضابطہ رکھنے والا ہوں میں چاہتا ہوں کہ تم اس کے بارہ میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے والدین سے مشورہ کا حکم اس لئے دیا کہ حضرت عائشہؓ اگرچہ سب سے زیادہ سمجھدار اور عقل مند تھیں مگر بہرحال صغیر السن تھیں آپ ﷺ کو یہ خوف تھا کہ کہیں عائشہؓ کم عمری کے جذبات میں نہ بہہ جائیں اور وہ دنیا کی عیش وعشرت کی خاطر مجھے چھوڑ کر آخرت کی ابدی سعادتوں سے منہ نہ موڑ لیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سے صرف عائشہؓ ہی کو نقصان اور تباہی سے دوچار ہونا نہیں پڑے گا، بلکہ ان کے والدین کو بھی سخت اذیت اور تکلیف پہنچے گی لیکن اگر اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کریں گی تو وہ انہیں وہی صلاح دیں گے جو ان کی دنیا اور ان کے دین کی بھلائی اور بہتری کے مطابق ہوگی۔ مگر یہ حضرت عائشہؓ کی فطری سعادت کی بات تھی کہ انہوں نے اپنے والدین کے مشورہ کے بغیر اپنا یہ فیصلہ سنا دیا کہ میں دنیا کی آرام دہ زندگی پر آخرت کی ابدی سعادتوں کو ترجیح دیتی ہوں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی ومنشاء کو اختیار کرتی ہوں۔

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ جو درخواست کی کہ میں نے آپ ﷺ کو جو کچھ جواب دیا ہے وہ آپ ﷺ اپنی کسی اور بیوی سے ذکر نہ کریں تو ان کا یہ خیال تھا کہ شاید اس موقعہ پر کوئی بیوی آپ ﷺ کے فقر پر راضی نہ ہو کہ دنیا کی آرام دہ زندگی کے لئے آپ ﷺ سے علیحدہ ہو جائے اس لئے انہوں نے سوچا کہ اگر کسی بیوی کو میرے اس ایمان ویقین سے بھرپور فیصلہ کا علم ہوا تو شاید اسے بھی راہنمائی مل جائے اور وہ بھی ایسا ہی فیصلہ کرے لیکن اگر میرے اس فیصلہ سے لاعلمی رہے گی تو بہت ممکن ہے کہ کوئی بیوی دنیا کے عیش وآرام کو آنحضرت ﷺ کی پر مشقت رفاقت پر ترجیح دے اس لئے اچھا ہی ہوگا اگر کوئی بیوی آنحضرت ﷺ کے نکاح سے نکل جائے گویا حضرت عائشہؓ کی اس خواہش کا محرک آنحضرت ﷺ سے ان کی وہ بے پناہ محبت تھی جس میں وہ کسی دوسری عورت کو شریک دیکھنا گوارا نہیں کرتی تھیں۔ لیکن بہرحال رسول کریم ﷺ کی نظر میں تمام بیویوں کی بھلائی وبرائی یکساں حیثیت رکھتی تھی، آپ ﷺ یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ ایک بیوی تو آخرت کی سعادتوں سے نوازی جائے اور دوسری بیوی دنیا کو اختیار کر کے تباہی کے راستہ پر لگ جائے چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی اس درخواست کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان پر واضح کر دیا، کہ مجھ سے جو بھی بیوی پوچھے گی میں اس کو بتا دوں گا کیونکہ اس کی بھلائی اسی میں پوشیدہ ہے اگر میں کسی کو نہ بتاؤں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے اس کے تئیں شفقت کا رویہ نہیں اپنایا اور اس کو وہ راستہ نہیں دکھایا جو اس کی راحت، اس کی بھلائی اور اسکی اخروی فلاح کے لئے ضروری ہے حالانکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لئے مبعوث نہیں کیا ہے کہ میں لوگوں کے حق میں بدخواہی کروں یا کسی کو تکلیف ومصیبت اور رنج وغم میں مبتلا کروں اس دنیا میں اس لئے آیا ہوں کہ کائنات انسانی کے ہر فرد کو دنیا وآخرت کی بھلائی کی تعلیم دوں اور ہر انسان کو اس کے دینی ودنیاوی معاملات میں آسانی وسہولت کی راہ دکھاؤں۔

(۱۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغَارُ عَلَى اللَّاتِيْ وَهَبْنَ اَنْفُسَهُنَّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اَتَهَبُ الْمَرْاَةُ نَفْسَهَا فَلَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى تُرْجِيْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ قُلْتُ مَا اَرٰى رَبَّكَ اِلَّا يُسَارِعُ فِيْ هَوَاكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں ان عورتوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھی جو اپنے نفس کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ہبہ کر دیتی تھیں

چنانچہ میں کہا کرتی تھی کہ کوئی عورت اپنا نفس ہبہ کر سکتی ہے؟ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی "(اے محمد ﷺ) ان عورتوں میں سے جس کو آپ (ﷺ) چاہیں علیحدہ کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جن عورتوں کو آپ (ﷺ) نے علیحدہ کر دیا ہے اگر ان میں سے بھی کسی کو آپ بلائیں تو کوئی گناہ نہیں" تو میں نے (آنحضرت ﷺ سے) کہا کہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ (ﷺ) کا پروردگار آپ (ﷺ) کی مرضی و خواہش کو جلد پورا کر دیتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: جو عورتیں اپنا نفس آنحضرت ﷺ کو ہبہ کر دیتی تھیں ان کو حضرت عائشہؓ اس لئے اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھیں کہ کسی عورت کا اپنے نفس کو کسی غیر مرد کو ہبہ کر دینا گویا عورت کی عزت و شرف کے منافی ہے اور اس کی حرص و قلت حیاء پر دلالت کرتا ہے اگرچہ جو عورتیں آنحضرت ﷺ کو اپنا نفس ہبہ کر دیتی تھیں ان عورتوں کے نقطۂ نظر سے اور واقعۃً بھی ان کا یہ ہبہ ان کے لئے باعث عزت ہوتا تھا جسے وہ اپنی خوش قسمتی تصور کرتی تھیں۔

"کوئی عورت اپنا نفس ہبہ کر سکتی ہے" حضرت عائشہؓ یہ بات ان عورتوں کے ہبہ کی مخالفت میں کہا کرتی تھیں جس سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ کسی عورت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنا نفس کسی غیر مرد کو ہبہ کر دے اور ایک روایت میں حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ کیا عورت اپنا نفس ہبہ کرتے ہوئے کوئی شرم و حیا محسوس نہیں کرتی؟

مذکورہ آیت کا مطلب یا تو یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنا ہم بستر بنائیں اور جس کو چاہیں اپنے سے الگ رکھیں یا یہ مطلب ہے کہ آپ ﷺ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنے نکاح میں باقی رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے نکاح سے الگ کر دیں یعنی طلاق دے دیں اور یا یہ مطلب ہے کہ آپ ﷺ اپنی اُمت کی عورتوں میں جس سے چاہیں نکاح کر لیں اور جس سے چاہیں نکاح نہ کریں۔

اور امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دراصل اس آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ کی ناسخ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی وفات تک آپ ﷺ کے لئے ازواج مطہرات کے علاوہ اور بھی عورتیں مباح رکھی تھیں۔

مشہور مفسر امام بغویؒ یہ فرماتے ہیں کہ (حدیث میں مذکورہ آیت کے بارہ میں) سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت دراصل آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کی باری کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی جس کی تفصیل یہ ہے کہ اپنی بیویوں کے لئے باری مقرر کرنا پہلے آنحضرت ﷺ پر بھی واجب تھا لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہ وجوب آپ کے حق میں ساقط ہو گیا اور آپ ﷺ کو اختیار مل گیا کہ اپنی بیویوں کو آپ ﷺ نے باری سے الگ کر دیا ہے اور ان میں سے بھی کسی کو اپنے پاس بلانا اور ہم بستر ہونا چاہیں تو آپ ﷺ ایسا کر سکتے ہیں اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اُمت کے دوسرے مردوں پر آپ ﷺ کی فضیلت و برتری ظاہر کرتے ہوئے اپنی بیویوں کے لئے باری مقرر کرنے کے حکم پر عمل نہ کرنا آپ ﷺ کے لئے مباح کر دیا کہ جس بیوی کے بارہ میں آپ (ﷺ) کی خواہش ہو اسے آپ (ﷺ) اس کی باری کے علاوہ بھی اپنا ہم بستر بنا سکتے ہیں اور اگر آپ (ﷺ) اپنی کسی بیوی کو اس باری میں بھی اپنے پاس سلانا نہ چاہیں تو آپ (ﷺ) کے لئے اس کی بھی اجازت ہے۔

مَا أَرٰى رَبَّكَ الخ کے معنی یہ ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ آپ (ﷺ) جس چیز کی خواہش کرتے ہیں آپ (ﷺ) کا پروردگار اسے جلد پورا کر دیتا ہے۔ علامہ نوویؒ کہتے ہیں اس بات سے حضرت عائشہؓ کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ بعض احکام کی پابندی کو آپ ﷺ کے حق میں نرم کر دیتا ہے اور آپ ﷺ کو اس پر عمل نہ کرنے کی آسانی فرما دیتا ہے اسی لئے مذکورہ بالا معاملہ میں بھی آپ ﷺ کو اپنی مرضی و خواہش کے مطابق عمل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون خاتون تھیں جنہوں نے اپنا نفس آپ ﷺ کو ہبہ کیا تھا؟ چنانچہ بعض علماء کے قول کے مطابق وہ حضرت میمونہؓ تھیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت اُم شریک تھیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ تھیں اور

بعض نے کہا ہے کہ خولہؓ بنت حکیم تھیں لیکن اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایک خاتون نہیں تھیں بلکہ وہ کئی عورتیں تھیں:

وَحَدِيْثُ جَابِرٍ اتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ ذُكِرَ فِي قِصَّةِ حَجَّةِ الْوَدَاعِ۔

"اور حضرت جابرؓ کی حدیث اتقوا اللّٰہ فی النساء الخ حجۃ الوداع کے بیان میں نقل کی جا چکی ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اپنی بیویوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا حسن معاشرت

(۱۴) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ قَالَتْ فَسَابَقْتُهٗ فَسَبَقْتُهٗ عَلٰى رِجْلَيَّ فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ فَسَابَقْتُهٗ فَسَبَقَنِيْ قَالَ هٰذِهٖ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت عائشہؓ جو ایک سفر میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھیں، کہتی ہیں کہ (اس سفر میں ایک موقع پر) میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے پیروں کے ذریعہ دوڑی (یعنی ہم دونوں نے دوڑ میں باہم مقابلہ کیا) اور میں آپ ﷺ سے آگے نکل گئی پھر جب میں (عرصہ دراز کے بعد) فربہ ہوگئی تو پھر ہم دونوں کی دوڑ ہوئی اور اس مرتبہ آنحضرت ﷺ مجھ سے آگے نکل گئے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس مرتبہ میرا آگے نکل جانا پہلی مرتبہ تمہارے آگے نکل جانے کے بدلہ میں ہے (یعنی پہلی مرتبہ تم جیت گئی تھیں اس مرتبہ میں جیت گیا لہٰذا دونوں برابر رہے)۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "اپنے پیروں کے ذریعہ" سے اس بات کو مؤکد کرنا مقصود ہے کہ میں کسی سواری پر بیٹھ کر نہیں دوڑی تھی بلکہ اپنے پیروں پر دوڑی تھی چنانچہ طیبیؒ نے یہی فرمایا ہے کہ اس جملہ سے تاکید مقصود ہے جیسا کہ کوئی یوں کہے کہ میں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ یا میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔

یہ روایت اپنی بیویوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے حسن معاشرت کی ایک مثال ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی ازواج کے ساتھ ایک مسرت اور خوشگوار زندگی بسر کرتے تھے اور اپنی بیویوں کے حق میں انتہائی مہربان اور ہنس مکھ تھے۔ نیز اس روایت میں اُمت کے لئے بھی یہ سبق ہے کہ اپنی عائلی زندگی میں آنحضرت ﷺ کے اس حسن معاشرت کی پیروی کی جائے اور اپنی بیویوں کے ساتھ ہنسی خوشی اور باہمی پیار و محبت کے ساتھ رہا جائے۔

قاضی خانؒ فرماتے ہیں کہ سباق یعنی باہمی دوڑ وغیرہ کا مقابلہ چار چیزوں میں جائز ہے اونٹ میں، گھوڑے نے خچر میں، تیر اندازی میں اور پیادہ پا چلنے دوڑنے میں۔ نیز یہ مقابلہ اگر کسی شخص سے کسی شرط کے ساتھ ہو تو وہ ایسی صورت میں جائز ہوگا جب کہ دونوں مقابل میں سے صرف ایک طرف سے شرط ہو یعنی مثلاً زید اور بکر کے درمیان مقابلہ ہوا اور زید بکر سے یہ کہے کہ اگر میں جیت گیا تو میں اتنے روپیہ یا فلاں چیز لے لوں گا۔ اور اگر میرے مقابلہ میں تم جیت گئے تو تمہیں کچھ نہیں ملے گا اور اگر دونوں طرف سے شرط ہو یعنی دونوں مقابل ایک دوسرے کے ساتھ یہ شرط کریں کہ ہم دونوں میں سے جو بھی جیت جائے گا اسے اتنے روپے یا فلاں چیز ملے گی تو یہ حرام ہے کیونکہ یہ جوا ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر دونوں مقابل ایک محلل کو (یعنی دونوں کی شرط حلال کرانے والے ایک تیسرے شخص کو اپنے میں شامل کریں تو اس صورت میں دونوں طرف سے شرط بھی جائز ہو جائے گی، محلل کو اپنے میں شامل کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً زید اور بکر آپس میں یہ شرط کریں کہ ہماری باہمی دوڑ میں ہم دونوں سے جو بھی آگے نکل جائے گا تو اتنے روپے یا فلاں چیز اسے مل جائے گی اور اس کے ساتھ ہی وہ ایک تیسرے شخص مثلاً خالد کو بھی اپنی دوڑ میں شامل کرلیں اور یہ طے ہو جائے کہ اگر یہ تیسرا شخص یعنی خالد آگے نکل جائے گا تو

اسے کچھ نہیں ملے گا۔ لہٰذا یہ صورت جائز ہے اور حلال ہے لیکن جائز ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں جیتنے والے کو جو چیز ملے گی وہ اس کے حق میں حلال اور طیب مال ہوگا نہ یہ کہ وہ اس چیز کا شرعی طور پر کوئی استحقاق رکھے گا کیونکہ شریعت کی نظر میں جیتنے والا محض اس مقابلہ سے اس روپیہ پر کوئی قانونی حق نہیں رکھتا دوڑ کے انعامی مقابلے جائز ہیں یعنی کسی فرد یا ادارہ کی طرف سے بطور انعام کچھ روپے یا کوئی چیز مقرر کر کے دوڑنے والوں سے کہا جاتا ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی آگے نکل جائے گا اسے یہ روپے یا چیز دی جائے گی فقہاء نے اسے جائز کہا ہے۔

اپنے اہل و عیال کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بہترین شخص ہے

⑮ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِي وَاِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوْهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِلٰى قَوْلِهٖ لِاَهْلِي۔

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل (بیوی) بچوں، اقرباء اور خدمت گاروں کے حق میں بہترین ہو اور میں اپنے اہل کے حق میں تم میں بہترین ہوں (یعنی اپنے اہل و عیال سے جتنا بہتر سلوک میں کرتا ہوں اپنے اہل و عیال کے ساتھ اتنا بہتر سلوک تم میں سے کوئی بھی نہیں کرتا) اور جب تمہارا صاحب مرجائے تو اس کو چھوڑ دو" (ترمذیؒ و دارمیؒ) اور ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابن عباسؓ سے لفظ لِاَهْلِي تک نقل کیا ہے۔"

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کے معنی یہ ہیں کہ خدا اور خدا کی مخلوق کے نزدیک تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی اپنے بچوں، اپنے عزیزوں و اقارب اور اپنے خدمت گاروں و ماتحتوں کے ساتھ بھلائی اور اچھا سلوک کرتا ہے کیونکہ اس کا بھلائی اور اچھا سلوک کرنا اس کی خوش اخلاقی و خوش مزاجی پر دلالت کرتا ہے۔

"اور جب تمہارا صاحب مرجائے الخ" کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارا کوئی عزیز و رشتہ دار یا دوست وغیرہ مرجائے تو اس کی برائیوں کو ذکر کرنا چھوڑ دو۔ گویا اس جملہ کے ذریعہ یہ تعلیم مقصود ہے کہ جو لوگ اس دنیا سے اٹھ چکے ہیں ان کی غیبت نہ کرو۔ جیسا کہ ایک روایت میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ "اپنے مرے ہوئے لوگوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرو" یعنی صرف ان کی خوبیاں ہی ذکر کرو ان کی برائیوں کا تذکرہ نہ کرو۔

بعض علماء نے اس جملہ کی یہ مراد بیان کی ہے کہ جب کوئی شخص مرجائے تو اس کی محبت اور اس کی موت پر رونا دھونا چھوڑ دو اور یہ سمجھ لو کہ اب اس کے ساتھ تمہارا کوئی جسمانی تعلق باقی نہیں رہا ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس جملہ میں "صاحب" سے اپنی ذات مبارک مراد رکھی ہے جس کا مطلب اُمت کو یہ تلقین کرنا ہے کہ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو تم تاسف اور تحیر و اضطراب کا اظہار نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے جس ذات پاک نے میری حیات کو تمہاری ہدایت و سعادت کا ذریعہ بنایا تھا، وہی ذات پاک میرے انتقال کے بعد بھی تمہیں اسی ہدایت و سعادت پر قائم رکھے گی۔

بعض حضرات نے اس جملہ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو تم مجھے چھوڑے رکھنا بایں معنی کہ میرے اہل بیت، میرے صحابہ اور میری شریعت کے متبعین یعنی علماء و اولیاء کو ایذا پہنچا کر مجھے ایذا پہنچانے کا سبب نہ بننا کیونکہ اگر تم انہیں تکلیف و ایذا پہنچاؤ گے تو ان کی تکلیف سے مجھے تکلیف پہنچے گی۔

فرمانبردار بیوی کو جنت کی بشارت

⑯ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَرْاَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَاَحْصَنَتْ

فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ۔ رَوَاهُ اَبُوْنُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس عورت نے (اپنی پاکی کے دنوں میں پابندی کے ساتھ) پانچوں وقت کی نماز پڑھی، رمضان کے (ادا اور قضاء) روزے رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی (یعنی فواحش اور بری باتوں سے اپنے نفس کو محفوظ رکھا) اور اپنے خاوند کی (ان چیزوں میں) فرمانبرداری کی (جن میں فرمانبرداری کرنا اس کے لئے ضروری ہے) تو (اس عورت کے لئے یہ بشارت ہے کہ) وہ جس دروازہ سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے "اس روایت کو ابونعیم نے حلیۃ الابرار میں نقل کیا ہے۔"

اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو خاوند کو بیوی کا مسجود قرار دیا جاتا

(۱۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْكُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا۔ (رواه الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر میں کسی کو یہ حکم کر سکتا کہ وہ کسی (غیر اللہ) کو سجدہ کرے تو میں یقیناً عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رب معبود کے علاوہ اور کسی کو سجدہ کرنا درست نہیں ہے اگر کسی غیر اللہ کو سجدہ کرنا درست ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ بیوی پر اس کے خاوند کے بہت زیادہ حقوق ہیں جن کی ادائیگی شکر سے وہ عاجز ہے گویا اس ارشاد گرامی میں اس بات کی اہمیت و تاکید کو بیان کیا گیا ہے کہ بیوی پر اپنے شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری واجب ہے۔

شوہر کی خوشنودی کی اہمیت

(۱۸) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ۔ (رواه الترمذی)

"اور حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو عورت اس حال میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی و خوش ہو، تو وہ جنت میں داخل ہو گی۔" (ترمذیؒ)

تشریح: جو شوہر عالم و متقی ہو اس کی رضا مندی اور خوشنودی کا یہ اجر بیان کیا گیا ہے، فاسق و جاہل شوہر کی رضامندی خوشنودی کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔

شوہر کی اطاعت کرو

(۱۹) وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهِ فَلْتَاْتِهِ وَاِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّوْرِ۔ (رواه الترمذیؒ)

"اور حضرت طلق ابن علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے (یعنی جماع کے لئے) بلائے تو بیوی کو شوہر کے پاس پہنچ جانا چاہئے اگرچہ وہ چولہے کے پاس ہو۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "اگرچہ وہ چولہے کے پاس ہو" کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی کسی ضروری کام میں مشغول ہو اور کسی چیز کے نقصان کا احتمال بھی ہو تب بھی شوہر کی اطاعت کی جائے اور اس کے بلانے پر فوراً اس کے پاس پہنچ جانا چاہئے مثلاً بیوی چولہے کے پاس ہو اور روٹی توے پر ڈال رکھی ہو اور اسی حالت میں شوہر جماع کے لئے بلائے تو اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ آٹے روٹی کا نقصان ہو جائے گا شوہر کے حکم کی

فرمانبرداری کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچ جائے۔

شوہر کو تکلیف مت پہنچاؤ

(۲۰) وَعَنْ مُعَاذٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُؤْذِي امْرَأَةٌ زَوْجَهَا فِي الدُّنْيَا اِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ لَا تُؤْذِيْهِ قَاتَلَكِ اللّٰهُ فَاِنَّمَا هُوَ عِنْدَكِ دَخِيْلٌ يُوْشِكُ اَنْ يُفَارِقَكِ اِلَيْنَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت معاذ" نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو اس کی (جنت والی) بیوی یعنی بڑی بڑی آنکھوں والی حور کہتی ہے کہ تجھ پر اللہ کی مار پڑے (یعنی اللہ تجھے جنت اور اپنی رحمت سے دور رکھے) اپنے شوہر کو تکلیف نہ پہنچا کیونکہ وہ (دنیا میں) تیرا مہمان ہے جو جلد ہی تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس (جنت میں) آئے گا" (ترمذی") امام ترمذی" نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: ایک دوسری روایت میں یوں فرمایا گیا ہے کہ لَعَنَ الْمَلَائِكَةُ لِعَاصِيَةِ الزَّوْجِ یعنی فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے ہیں جو اپنے شوہر کی نافرمانی کرتی ہے ان دونوں روایتوں سے جہاں شوہر کی نافرمانی کرنے یا اس کو تکلیف پہنچانے کی سخت برائی ثابت ہو رہی ہے وہیں یہ بھی واضح ہوا کہ اس دنیا میں انسان جو کچھ کرتا ہے وہ ملاء اعلی یعنی آسمان کے رہنے والوں کے علم میں آجاتا ہے۔

شوہر پر بیوی کا حق

(۲۱) وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا حَقُّ زَوْجَةِ اَحَدِنَا عَلَيْهِ قَالَ اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوْهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ اِلَّا فِي الْبَيْتِ۔ (رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ)

"اور حضرت حکیم ابن معاویہ قشیری اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس کے شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ کہ جب تم کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ جب تم پہنو تو اس کو بھی پہناؤ (یعنی جس طرح تم کھاؤ پہنو اسی طرح اپنی بیوی کو بھی کھلاؤ پہناؤ۔) اس کے منہ پر نہ مارو نہ اس کو برا کہو اور نہ یہ کہو کہ اللہ تیرا برا کرے اور اس سے صرف گھر کے اندر ہی علیحدگی اختیار کرو۔" (احمد"، ابوداؤد"، ابن ماجہ")

تشریح: بطور خاص منہ پر نہ مارنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ تمام اعضاء میں منہ ہی افضل ہے اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کسی معقول وجہ کی بنیاد پر مثلاً فواحش کے صدور پر یا فرائض ترک کر دینے پر اور یا مصلحت تادیب کے پیش نظر منہ کے علاوہ کسی اور جگہ پر مارے تو جائز ہے اور منہ پر مارنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔

خاوند اپنی بیوی کو تادیباً مار سکتا ہے یا نہیں؟

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مرد و عورت انسانی نقطہ نظر سے یکساں مرتبہ کے حامل ہیں اور اسلام کی نظر میں عورت کو بھی وہی شرف و مرتبہ حاصل ہے جو ایک مرد کو ہوتا ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جب ایک مرد اور ایک عورت آپس میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو کر ایک دوسرے کے رفیق حیات بن جاتے ہیں تو ان دونوں کی شرعی اور معاشرتی حیثیت میں تھوڑا سا فرق ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ خاوند کو قدرتی طور پر ایک مخصوص قسم کی برتری حاصل ہو جاتی ہے جس کا تعلق انسانی شرف و مرتبہ کے فرق و امتیاز سے نہیں ہوتا بلکہ ان کے باہمی رشتہ کے تقاضوں اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی سے ہوتا ہے چنانچہ شوہر اپنی اسی مخصوص برتری کی بنیاد پر بیوی کو ان معاملات میں اپنے حکم کا پابند بنانے کا اختیار رکھتا ہے جن کا شریعت نے اسے استحقاق عطا کیا ہے یا جن کا تعلق شرعی فرائض و واجبات

کی ادائیگی سے ہے لہٰذا اگر کوئی بیوی ان معاملات میں اپنے شوہر کے حکم کی پابندی نہ کرے اور شوہر کے کہنے سننے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوتا ہو، یعنی زبانی نصیحت و تنبیہ کا کوئی اثر قبول نہ کرتی ہو اور شوہر کو یقین ہو جائے کہ اب یہ بغیر سختی کے راہ راست پر نہیں آئے گی تو اسے بیوی کو مارنے کی اجازت ہوگی لیکن اس بارہ میں یہ بات ملحوظ ہونی چاہئے۔ کہ بیوی کی ایسی نافرمانی کہ جس پر اس کا شوہر اس کو مار سکتا ہے صرف انہی امور میں معتبر ہوگی جن کی شریعت نے وضاحت کر دی چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو چار باتوں پر مار سکتا ہے۔

① شوہر کی خواہش و حکم کے باوجود بیوی زینت و آرائش نہ کرے۔

② شوہر جماع کا خواہش مند ہو مگر بیوی کوئی عذر (جیسے حیض وغیرہ) نہ ہونے کے باوجود انکار کر دے۔

③ اسلامی فرائض جیسے نماز پڑھنا چھوڑ دے، جنابت و ناپاکی کے بعد بیوی کا نہ نہانا بھی ترک فرائض کے حکم میں ہے یعنی اگر بیوی ناپاکی اور حیض کا غسل کرنے سے انکار کرتی ہو تو شوہر اس پر بھی مار سکتا ہے۔

④ بیوی کو اپنے شوہر کی اجازت و رضامندی کے بغیر گھر سے باہر جاتی ہو۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی کی کسی نافرمانی یا اس کی کسی بات پر ناراضگی کی وجہ سے اس سے جدائی اختیار کرنے ہی میں مصلحت ہو تو ہمیشہ کے لئے جدائی اختیار کرنے کی بجائے یہ زیادہ بہتر ہے کہ اپنے بستر پر اس سے جدائی اختیار کر لو یعنی ان کے ساتھ لیٹنا چھوڑ دو اور رات کو گھر میں نہ رہو تاکہ وہ تمہارے اس طرز عمل کو اپنے حق میں سزا سمجھ کر راہ راست پر آ جائے اور ہمیشہ کی جدائی یعنی طلاق کی نوبت نہ آئے چنانچہ قرآن کریم میں اس بات کو یوں فرمایا گیا ہے کہ:

وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ط۔ (النساء ۴:۳۴)

"اگر جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی (یعنی نافرمانی) کا احتمال ہو تو ان کو (پہلے) زبانی نصیحت کرو اور پھر ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو۔ (یعنی ان کے پاس مت لیٹو) اور (پھر اعتدال سے) ان کو مارو۔"

بدزبان بیوی کو طلاق دے دو

(۲۲) وَعَنْ لَقِيْطِ بْنِ صَبِرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِیَ امْرَأَةً فِیْ لِسَانِهَا شَیْءٌ يَعْنِی الْبَذَاءَ قَالَ طَلِّقْهَا قُلْتُ اِنَّ لِیْ مِنْهَا وَلَدًا وَلَهَا صُحْبَةٌ قَالَ فَمُرْهَا يَقُوْلُ عِظْهَا فَاِنْ يَكُ فِيْهَا خَيْرٌ فَسَتَقْبَلُ وَلَا تَضْرِبَنَّ ظَعِيْنَتَكَ ضَرْبَكَ اُمَيَّتَكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت لقیط ابن صبرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ایک عورت ہے جس کی زبان میں کچھ ہے یعنی وہ زبان دراز ہے اور فحش بکتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔ (اگر تم اس کی زبان درازی اور فحش گوئی کی ایذاء پر صبر نہیں کر سکتے تو بہتر یہ ہے کہ) تم اس کو طلاق دے دو (گویا آپ ﷺ نے یہ حکم بطور اباحت دیا) میں نے عرض کیا کہ اس (کے بطن) سے میرے ہاں اولاد ہے اور اس کے ساتھ (پرانی رفاقت اور) صحبت ہے (اس لئے اس کو طلاق دینا بھی میرے لئے مشکل ہے) آپ ﷺ نے فرمایا "تو پھر اس کو حکم کرو، یعنی اس کو زبان درست کرنے اور اپنی عادات و اطوار ٹھیک کرنے کی) نصیحت کرو، اگر اس میں کچھ بھی بھلائی ہوگی تو وہ تمہاری نصیحت کو قبول کر لے گی اور اس کو لونڈی کی مار نہ مارو۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: يَقُوْلُ عِظْهَا کے الفاظ راوی کے ہیں جن کے ذریعہ وضاحت مقصود ہے کہ اس ارشاد فَمُرْهَا (تو پھر اس کو حکم کرو) سے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ اس کو نصیحت کرو۔

حدیث کے آخری جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ پہلے اپنی بیوی کو زبانی نصیحت و تنبیہ کے ذریعہ زبان درازی اور فحش گوئی سے باز

رکھنے کی کوشش کرو اگر اس پر زبانی نصیحت و تنبیہ کا کوئی اثر نہ ہو تو پھر اس کو مارو لیکن بے رحمی کے ساتھ نہ مارو بلکہ ہلکے سے اور تھوڑا سا مارو۔

عورتوں کو مارنے کی ممانعت

(۲۳) وَعَنْ اِيَاسِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَضْرِبُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ فَجَاءَ عُمَرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذَئِرْنَ النِّسَاءُ عَلٰى اَزْوَاجِهِنَّ فَرَخَّصَ فِىْ ضَرْبِهِنَّ فَاَطَافَ بِاٰلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءٌ كَثِيْرٌ يَشْكُوْنَ اَزْوَاجَهُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ طَافَ بِاٰلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيْرٌ يَشْكُوْنَ اَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ اُولٰئِكَ بِخِيَارِكُمْ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت ایاس ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "خدا کی لونڈیوں (یعنی اپنی بیویوں) کو نہ مارو۔" پھر (اس حکم کے کچھ دنوں بعد) حضرت عمرؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ (آپ (ﷺ) نے چونکہ عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے اس لئے) عورتیں اپنے خاوند پر دلیر ہو گئی ہیں، آپ ﷺ نے عورتوں کو مارنے کی اجازت عطا فرما دی، اس کے بعد بہت سی عورتیں رسول کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس جمع ہوئیں اور اپنے خاوندوں کی شکایت کی (کہ وہ ان کو مارتے ہیں) رسول کریم ﷺ (کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ) نے فرمایا محمد (ﷺ) کی بیویوں کے پاس بہت سی عورتیں اپنے خاوندوں کی شکایت لے کر آئی ہیں، یہ لوگ (جو اپنی بیویوں کو مارتے ہیں) تم میں سے بہتر لوگ نہیں ہے۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں کو بہت مارتے ہیں یا مطلق مارتے ہیں تم میں کے بہتر لوگ نہیں ہیں بلکہ بہتر لوگ وہی ہیں جو اپنی بیویوں کو نہیں مارتے ان کی ایذاء اور تکلیف دہی پر صبر و تحمل کرتے ہیں یا ان کو اتنا زیادہ نہیں مارتے جو ان کی شکایت کا باعث ہو بلکہ بطور تادیب تھوڑا سا مار دیتے ہیں۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس روایت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی بیوی اپنے شوہر کے حقوق نکاح کی ادائیگی سے انکار کرے تو اس کو مارنا مباح ہے لیکن بہت نہیں مارنا چاہیے۔

پچھلے صفحات میں حضرت حکیم ابن معاویہؓ کی جو روایت (۲۰) گزری ہے اور اس کی تشریح میں جو آیت نقل کی گئی ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بطور تادیب اپنی بیویوں کو مارنے کی اجازت دی گئی ہے جب کہ اس روایت سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے؟ گویا دونوں میں بظاہر تضاد و تعارض معلوم ہوتا ہے لہٰذا اس تضاد و تعارض کو حضرت امام شافعیؒ سے منقول اس وجہ تطبیق کے ذریعہ ختم کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے عورتوں کو مارنے سے منع کیا ہوگا پھر جب عورتیں شوہروں پر غالب ہو گئیں اور ان کی جرأت و دلیری بڑھ گئی تو آپ ﷺ نے ان کو مارنے کی اجازت دے دی اور آپ ﷺ کے حکم کی توثیق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن اس کے بعد جب عورتوں کی طرف سے یہ شکایت کی گئی کہ ان کے خاوند ان کو بہت مارتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ اگرچہ بیوی کی بد اطواری پر اس کو مارنا مباح ہے لیکن اس کی بد اطواری پر صبر و تحمل کرنا اور ان کو نہ مارنا ہی بہتر اور افضل ہے۔

بیوی کو اس کے خاوند کے خلاف بہکانے کی مذمت

(۲۴) وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَاَةً عَلٰى زَوْجِهَا اَوْ عَبْدًا عَلٰى سَيِّدِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "وہ شخص ہمارے تابعداروں میں سے نہیں ہے جو کسی عورت کو اس کے

خاوند کے خلاف یا کسی غلام کو اس کے آقا کے خلاف بدراہ کرے۔" (ابوداؤد)

تشریح: کسی بیوی کو اس کے خاوند کے خلاف یا کسی غلام و لونڈی کو اس کے مالک کے خلاف گمراہ کرنا انتہائی نازیبا فعل ہے، چنانچہ اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ وہ شخص ہمارے تابعداروں میں سے نہیں ہے جو کسی بیوی کا دل اس کے خاوند کی طرف سے برا کرے مثلاً بیوی کے سامنے اس کے خاوند کی برائی کرے یا اس کے سامنے کسی اجنبی شخص کی خوبیاں اور بڑائیاں بیان کرے۔ یا اس کو بہکائے کہ اپنے خاوند سے زیادہ مال و اسباب کا مطالبہ کرو، یا اپنے شوہر کی خدمت و اطاعت نہ کرو، اسی طرح کسی غلام و نوکر کو بہکائے کہ تم اپنے مالک کا گھر چھوڑ کر چلے جاؤ یا اس کی خدمت میں کوتاہی کرو۔ اسی طرح بیوی کے خلاف خاوند کو یا لونڈی کو اس کے مالک کے خلاف یا مالک کو اس کے غلام و لونڈی کے خلاف بہکانا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

اپنے اہل و عیال کے حق میں کمال مہربانی، کمال ایمان کی دلیل ہے

(۲۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنَهُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مؤمنین میں کامل ترین ایمان اس شخص کا ہے جو خوش اخلاق ہو اور اپنے اہل و عیال پر بہت مہربان ہو۔" (ترمذیؒ)

تشریح: خوش اخلاق اور اپنے اہل و عیال پر بہت مہربان مسلمان کو کامل ترین مومن اس لئے فرمایا گیا ہے کہ کمال ایمان، خوش اخلاقی اور مخلوق خدا بالخصوص اپنے اہل و عیال کے حق میں سراپا مہربان و خوش اخلاق ہوگا۔

(۲۶) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ اِلٰى قَوْلِهٖ خُلُقًا۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مؤمنین میں کامل ترین ایمان اس شخص کا ہے جو ان میں بہت زیادہ خوش اخلاق ہو (یعنی پوری مخلوق خدا کے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے) اور تم میں بہتر وہ شخص ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہے (کیونکہ عورتیں اپنے عجز و کمزوری کی بناء پر زیادہ مہربانی اور مروت کی مستحق ہیں) امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے نیز امام ابوداؤدؒ نے اس روایت کو لفظ خُلُقًا تک نقل کیا ہے۔"

حضرت عائشہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا ایک پُر لطف واقعہ

(۲۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اَوْ حُنَيْنٍ وَفِيْ سَهْوَتِهَا سِتْرٌ فَهَبَّتْ رِيْحٌ فَكَشَفَتْ نَاحِيَةَ السِّتْرِ عَنْ بَنَاتٍ لِعَائِشَةَ لُعَبٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا عَائِشَةُ قَالَتْ بَنَاتِيْ وَرَاٰى بَيْنَهُنَّ فَرَسًا لَهٗ جَنَاحَانِ مِنْ رِقَاعٍ فَقَالَ مَا هٰذَا الَّذِيْ اَرٰى وَسْطَهُنَّ؟ قَالَتْ فَرَسٌ قَالَ وَمَا الَّذِيْ عَلَيْهِ قَالَتْ جَنَاحَانِ قَالَ فَرَسٌ لَهٗ جَنَاحَانِ؟ قَالَتْ اَمَا سَمِعْتَ اَنَّ لِسُلَيْمَانَ خَيْلًا لَهَا اَجْنِحَةٌ قَالَتْ فَضَحِكَ حَتّٰى رَاَيْتُ نَوَاجِذَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ غزوۂ تبوک یا غزوۂ حنین سے واپس گھر تشریف لائے تو (اس وقت) ان کے (یعنی عائشہؓ کے) گھر کے دریچہ پر پردہ پڑا ہوا تھا، جب ہوا چلی تو اس پردہ کا ایک کونا کھل گیا جس نے عائشہؓ کے کھیلنے کی گڑیاں نظر آئیں (جو اس دریچہ میں رکھی ہوئی تھیں آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ "عائشہؓ یہ کیا ہے" عائشہؓ نے کہا کہ "یہ میری گڑیاں ہیں" ان گڑیوں میں آنحضرت ﷺ نے ایک گھوڑا بھی دیکھا جس کے کپڑے یا کاغذ کے دو پر تھے چنانچہ آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ ان گڑیوں کے درمیان جو

چیز میں دیکھ رہا ہوں یہ کیا بات ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ "کیا آپ ﷺ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جو گھوڑے تھے ان کے پر تھے) "حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ (میرا یہ جواب سن کر) ہنس پڑے یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کی کچلیاں دیکھیں۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "تبوک یا حنین" میں حرف یا راوی کے شک کو ظاہر کرتا ہے یعنی راوی کو یقین کے ساتھ یاد نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس موقعہ پر غزوۂ تبوک کا ذکر کیا تھا یا غزوۂ حنین کا؟

"تبوک" ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے ۴۶۵ میل کے فاصلہ پر دمشق اور مدینہ کے درمیانی راستہ پر واقع ہے ۹ھ میں نبی کریم ﷺ یہاں فوج لے کر گئے تھے لیکن دشمن کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اس لئے جنگ نہ ہو سکی۔

"حنین" ایک وادی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے شمال مشرقی جانب طائف کے راستہ میں واقع ہے اس کو وادی اوطاس بھی کہا جاتا ہے ۸ھ میں فتح مکہ کے کچھ ہی دنوں بعد مشہور "غزوہ حنین" یہیں ہوا تھا۔ گڑیوں سے بچیوں کے کھیلنے کا جو شرعی حکم ہے اس کی تفصیل باب الولی میں گزر چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں

(۲۸) وَعَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَقُلْتُ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَقُّ اَنْ يُسْجَدَ لَهٗ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّي اَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَاَنْتَ اَحَقُّ بِاَنْ يُسْجَدَ لَكَ فَقَالَ لِي اَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِيْ اَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهٗ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا لَوْ كُنْتُ اٰمِرُ اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَاءَ اَنْ يَسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ۔

"حضرت قیس ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ میں (کوفہ کے قریب ایک شہر) حیرہ پہنچا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ رسول کریم ﷺ بہت زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا جائے، چنانچہ جب میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ میں حیرہ گیا تو وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، لہٰذا آپ (ﷺ) اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ (ﷺ) کو سجدہ کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "مجھے بتاؤ اگر تم میری قبر پر جاؤ تو کیا تم میری قبر کو سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا کہ "نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا (تو پھر میری زندگی میں بھی) ایسا نہ کرو، اگر میں کسی کو یہ حکم کر سکتا کہ وہ اللہ کے علاوہ) کسی کو سجدہ کرے تو میں عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کا (بہت زیادہ) حق مقرر کیا ہے۔ (ابوداؤدؒ) اس روایت کو احمدؒ نے بھی معاذ ابن جبلؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: حضرت قیس ابن سعدؓ نے جب حیرہ میں لوگوں کو اپنے سردار کو سجدہ کرتے دیکھا تو ان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر یہ لوگ اپنے سردار کی عظمت و مرتبہ کے پیش نظر اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں تو کائنات انسانی میں سرکار دو عالم ﷺ سے زیادہ عظمت و مرتبہ کا حامل کون شخص ہو سکتا ہے تو کیوں نہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا جائے، چنانچہ ان کے اس خیال نے بارگاہ رسالت میں عرض کی صورت اختیار کر لی جہاں اس عرض کو بڑے لطیف انداز میں رد کر دیا گیا اور یہ واضح کر دیا گیا کہ انسان کی پیشانی اتنی مقدس ہے کہ وہ نہ صرف اپنے خالق ہی کے سامنے سجدہ ریز ہو سکتی ہے کسی مخلوق کے سامنے نہیں جھک سکتی خواہ وہ مخلوق کتنی ہی باعظمت و بافضیلت ذات

کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِی خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ (فصلت ۴۱: ۳۷)

"نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو سجدہ کرو بلکہ صرف اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو۔"

نافرمان بیوی کو مارنے پر مواخذہ نہیں ہوگا

(۲۹) وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُسْئَلُ الرَّجُلُ فِيْمَا ضَرَبَ امْرَأَتَهُ عَلَيْهِ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت عمرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر مرد اپنی عورت کو کسی (معقول) چیز پر مارے تو قابل مواخذہ نہیں ہوتا۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "قابل مواخذہ نہیں ہوتا" کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیوی کو مارنے سے کوئی گناہ لازم نہیں ہوتا کہ جس پر اس سے دنیا اور آخرت میں باز پرس ہو بشرطیکہ بیوی کو مارنے کی جو قیود و شرائط ہیں ان کو ملحوظ رکھا جائے اور حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔

لفظ علیہ کی ضمیر مجرور حرف ما کی طرف راجع ہے اور ما سے مراد نشوز (نافرمانی) ہے جو اس آیت وَاللَّاتِي تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ الخ میں مذکور ہے لہٰذا اس جملہ "اس چیز پر مارنے" کا حاصل یہ ہوگا جو مرد اپنی بیوی کو اس کی نافرمانی پر مارے تو وہ گنہ گار نہیں ہوگا۔

بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہ رکھے

(۳۰) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهٗ فَقَالَتْ زَوْجِيْ صَفْوَانُ بْنُ الْمُعَطَّلِ يَضْرِبُنِيْ اِذَا صَلَّيْتُ وَيُفَطِّرُنِيْ اِذَا صُمْتُ وَلَا يُصَلِّى الْفَجْرَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ وَصَفْوَانُ عِنْدَهٗ قَالَ فَسَاَلَهٗ عَمَّا قَالَتْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَّا قَوْلُهَا يَضْرِبُنِيْ اِذَا صَلَّيْتُ فَاِنَّهَا تَقْرَأُ بِسُوْرَتَيْنِ وَقَدْ نَهَيْتُهَا قَالَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَتْ سُوْرَةً وَاحِدَةً لَكَفَتِ النَّاسَ قَالَ وَاَمَّا قَوْلُهَا يُفَطِّرُنِيْ اِذَا صُمْتُ فَاِنَّهَا تَنْطَلِقُ تَصُوْمُ وَاَنَا رَجُلٌ شَابٌّ فَلَا اَصْبِرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصُوْمُ امْرَاَةٌ اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا وَاَمَّا قَوْلُهَا اِنِّيْ لَا اُصَلِّيْ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِنَّا اَهْلُ بَيْتٍ قَدْ عُرِفَ لَنَا ذٰلِكَ لَا نَكَادُ نَسْتَيْقِظُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ فَاِذَا اسْتَيْقَظْتَ يَا صَفْوَانُ فَصَلِّ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا شوہر صفوان ابن معطل، جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے اور جب روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ تڑوا دیتا ہے اور وہ خود فجر کی نماز اس وقت پڑھتا ہے جب کہ سورج (یا تو نکلنے کے قریب ہوتا ہے یا) نکل چکا ہوتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ (جس وقت صفوان کی بیوی یہ شکایت کر رہی تھی اس وقت) صفوانؓ آنحضرت کے پاس ہی موجود تھے! راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صفوان سے ان کی بیوی کی ذکر کردہ باتوں کے بارہ میں پوچھا تو صفوان نے کہا کہ "یا رسول اللہ! میری بیوی کا کہنا کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھ کو مارتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز (کی ایک ہی رکعت میں یا دو رکعتوں) میں دو (لمبی لمبی) سورتیں پڑھتی ہے حالانکہ میں نے اس کو (لمبی لمبی سورتیں پڑھنے) سے منع کیا ہے۔" راوی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے صفوان کی تصدیق کے لئے فرمایا "(سورۃ فاتحہ کے بعد) ایک سورۃ پڑھنا لوگوں کے لئے کافی ہوتا ہے" پھر صفوان نے کہا "اور اس کا کہنا کہ جب میں روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ تڑوا دیتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ روزے رکھے چلی جاتی ہے (یعنی ہمیشہ نفلی روزے رکھتی رہتی ہے) اور میں ایک جوان آدمی ہوں اور چونکہ رات میں مجھے مباشرت کا موقع نہیں ملتا، اس لئے اگر دن میں مجھے جماع کی خواہش ہوتی ہے تو) میں صبر نہیں کر سکتا" آپ ﷺ نے فرمایا "کوئی عورت

اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر (نفل) روزہ نہ رکھے۔" (پھر صفوان نے کہا کہ) اور اس کا یہ کہنا کہ میں سورج نکلنے کے وقت نماز پڑھتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ ہم کام کاج والے لوگ ہیں (زیادہ رات گئے تک اپنے کھیتوں اور باغوں میں پانی دیتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے رات میں سونا میسر نہیں ہوتا) اور ہم لوگوں کی یہ عادت ہوگئی ہے کہ (جب ہم رات کے آخری حصہ میں سوتے ہیں تو) اس وقت جاگتے ہیں جب سورج (یا تو نکلنے کے قریب ہوتا ہے یا) نکل چکا ہوتا ہے" آپ ﷺ نے (یہ عذر سن کر) فرمایا کہ "صفوان! جس وقت آنکھ کھلے نماز پڑھ لو۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: صفوانؓ زراعت پیشہ آدمی تھے وہ بہت رات گئے تک اپنے کھیتوں اور باغوں میں پانی دیتے تھے اور پھر وہیں پڑ کر سو جاتے تھے اور چونکہ وہاں جگانے والا کوئی نہیں ہوتا تھا اس لئے ان کی آنکھ دیر سے کھلتی تھی اس اعتبار سے وہ گویا معذور تھے لہٰذا آپ ﷺ نے ان کے عذر کے بناء پر ان کو حکم دیا کہ اگر تمہاری آنکھ وقت پر نہ کھل سکے تو جب بھی جاگو پہلے نماز پڑھو اس کے بعد کسی اور کام میں لگو۔

سخت سے سخت حکم میں بھی شوہر کی اطاعت کرو

(۳۱) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِيْرٌ فَسَجَدَلَهُ فَقَالَ اَصْحَابُهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَسْجُدُ لَكَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَسْجُدَ لَكَ فَقَالَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ وَلَوْ كُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَلَوْ اَمَرَهَا اَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ اَصْفَرَ اِلٰى جَبَلٍ اَسْوَدَ وَمِنْ جَبَلٍ اَسْوَدَ اِلٰى جَبَلٍ اَبْيَضَ كَانَ يَنْبَغِيْ لَهَا اَنْ تَفْعَلَهُ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ آیا اور آپ ﷺ کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا (یہ دیکھ کر) آپ ﷺ کے صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! (جب) چوپایہ (جانور) اور درخت آپ ﷺ کو سجدہ کرتے ہیں (جو نا سمجھ ہیں اور آپ ﷺ کی تعظیم و احترام کے مکلف بھی نہیں ہیں) تو ہم (ان سے) زیادہ اس لائق ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کریں" آپ ﷺ نے فرمایا "اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی (یعنی میری) تعظیم کرو، اگر میں کسی کو کسی (غیر اللہ) کا سجدہ کرنے کا حکم دے سکتا تو یقیناً عورت کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے! اگر اس کا شوہر اس کو یہ حکم دے کہ وہ زرد رنگ کے پہاڑ سے پتھر اٹھا کر سیاہ پہاڑ پر لے جائے اور سیاہ پہاڑ سے پتھر اٹھا کر سفید پہاڑ پر لے جائے تو اس عورت کے لئے یہی لائق ہے کہ وہ اپنے شوہر کا یہ حکم بجالائے۔" (احمدؒ)

تشریح: "اپنے پروردگار کی عبادت کرو" کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ دراصل عبادت ہے اور عبادت کا مستحق صرف پروردگار ہے اللہ کے علاوہ کوئی بھی ذات خواہ نبی ہی کیوں نہ ہو کسی کا معبود نہیں بن سکتی تو مجھے اپنا مسجود بنا کر گویا مجھے خدا کی بندگی میں شریک کرنا چاہتے ہو، حالانکہ خدا نے مجھے نبی بنا کر تمہارے درمیان اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ میں تم سے اپنی عبادت کرا کر تمہیں شرک کی آلائش میں مبتلا کروں بلکہ میں تو اس دنیا میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں شرک کی ظلمت سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی کے راستہ پر لگاؤں اور تمہیں یہ تعلیم دوں کہ تمہاری اس مقدس پیشانی کو صرف خدا کے سامنے جھکنا چاہئے چنانچہ آپ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ۔ (آل عمران ۳: ۷۹)

"کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ خدا تو اسے کتاب، دین کا فہم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔ بلکہ (اس کو کہنا چاہئے کہ اے لوگو) تم اللہ والے بن جاؤ۔"

جہاں تک آپ ﷺ کو اونٹ کے سجدہ کرنے کا سوال ہے تو اس میں کوئی خلجان نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اونٹ کا سجدہ کرنا خرق عادت (یعنی عادت اور قانون قدرت کے خلاف ایک انوکھی بات ہونے) کے طور پر تھا جو اونٹ کو اللہ تعالیٰ کے مسخر کر دینے کے سبب واقع ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم و فعل میں آنحضرت ﷺ کا کوئی دخل نہیں تھا پھر یہ کہ اونٹ معذور محض تھا کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اس وجہ سے محل اشکال نہیں ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری پر مجبور تھے اسی طرح اونٹ کو بھی حق تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کو سجدہ کرے اور وہ اس حکم کی تعمیل پر مجبور تھا۔

"اور اپنے بھائی کی یعنی میری تعظیم کرو" کا مطلب یہ ہے کہ میری ذات اور میرے منصب کے تئیں تمہاری عقیدت و محبت کا بس اتنا تقاضہ ہونا چاہئے کہ تم اپنے دل میں میری محبت رکھو اور ظاہر و باطن میں میری اطاعت کرو۔

پہاڑوں کے رنگ کا مقصد ان پہاڑوں کے درمیان فاصلہ کی مسافت و دوری کو زیادہ سے زیادہ بیان کرنا ہے کیونکہ اس طرح کے پہاڑ ایک دوسرے کے قریب نہیں پائے جاتے لہٰذا اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دو پہاڑ ایک دوسرے سے بہت دور واقع ہوں اور خاوند اپنی بیوی کو یہ حکم دے کہ ایک پہاڑ سے پتھر اٹھا کر دوسرے پہاڑ پر جاؤ تو بیوی کو اس سخت حکم کی تعمیل کرنی چاہئے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو اتنا سخت ترین حکم بھی دے تو بیوی کے لئے یہی لائق ہے کہ وہ اس حکم کو بجالائے۔

جس عورت کا خاوند ناراض ہو اس کی نماز پوری طرح قبول نہیں ہوتی

(۳۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُقْبَلُ لَهُمْ صَلَاةٌ وَلَا تَصْعَدُ لَهُمْ حَسَنَةٌ الْعَبْدُ الْاٰبِقُ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلٰى مَوَالِيْهِ فَيَضَعَ يَدَهُ فِىْ اَيْدِيْهِمْ وَالْمَرْاَةُ السَّاخِطُ عَلَيْهَا زَوْجُهَا وَالسَّكْرَانُ حَتّٰى يَصْحُوَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِىُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ایسے تین شخص ہیں جن کی نماز (پوری طرح) قبول نہیں ہوتی اور نہ ان کی کوئی نیکی اوپر (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف) جاتی ہے ایک تو بھاگا ہوا غلام جب تک کہ وہ اپنے مالکوں کے پاس واپس آکر ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ نہ رکھ دے (یعنی جب تک واپس آکر اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے حوالے نہ کر دے اور ان کی اطاعت نہ کرنے لگے۔ اس کی نماز پوری طرح قبول نہیں ہوتی) دوسری وہ عورت جس کا خاوند اس سے ناراض ہو اور تیسرا نشہ باز، جب تک ہوش میں نہ آئے۔ (اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: "مالکوں" یعنی جمع کے صیغہ میں گویا مالک اور اس کی اولاد کی طرف اشارہ ہے کہ غلام کو صرف اپنے مالک ہی کی نہیں بلکہ اس کی اولاد کی بھی وفاداری کرنی چاہئے۔

ایک اور روایت میں لفظ زوجھا کے بعد حَتّٰى يَرْضَا عَنْهَا کے الفاظ بھی منقول ہیں یعنی جس عورت کا خاوند اس سے ناراض ہو اس کی نماز اس وقت تک پوری طرح قبول نہیں ہوتی اور اس کی کوئی نیکی اوپر نہیں چڑھتی جب تک کہ اس کا خاوند اس سے خوش نہ ہو جائے اس روایت میں ان الفاظ کو اس لئے نقل نہیں کیا کہ یہ مفہوم خود بخود واضح ہے اور مراد یہ ہے کہ یا تو اس کا خاوند اس سے خوش ہو جائے یا اس کو طلاق دے دے۔

بہترین بیوی کی پہچان

(۳۳) وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ قَالَ الَّتِىْ تَسُرُّهُ اِذَا نَظَرَ وَتُطِيْعُهُ اِذَا

اَمَرَ وَلاَ تُخَالِفُهُ فِیْ نَفْسِهَا وَلاَ فِیْ مَالِهَا بِمَا یَکْرَهُ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی بیوی بہتر ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ عورت جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کردے، اور جب شوہر اس کو کوئی حکم دے تو اس کو بجالائے (بشرطیکہ وہ حکم خلاف شرع نہ ہو) اور اپنی ذات اور اپنے مال میں اس کے خلاف کوئی ایسی بات نہ کرے جس کو وہ پسند نہ کرتا ہو۔ (اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے)۔"

تشریح : اس روایت میں ایک اچھی بیوی کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے یعنی اس کی خوش اخلاقی و خوش اطواری کو دیکھے تو وہ خوش ہو جائے، اور اگر کہیں وہ بیوی صورت و سیرت دونوں میں اچھی ہو تو پھر کیا کہنا، نور علی نور اور سرور علی سرور ہے اسی طرح ایک پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اپنی ذات اور اپنے مال میں ایسی کوئی بات نہ کرے جو اس کے شوہر کی نظر میں پسندیدہ نہ ہو۔

"یہاں اپنے مال" سے خود اس بیوی کا مال بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی جس مال کی حقیقت میں وہ خود مالک ہو اس مال کو بھی وہ اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف خرچ نہ کرے اور اس سے وہ مال بھی ہو سکتا ہے جو خود اس کی ملکیت نہ ہو بلکہ حقیقت میں مالک تو اس کا خاوند ہو البتہ اس عورت کے قبضہ تصرف میں ہو۔ اس صورت میں بھی یہ مطلب ہوگا کہ اس کا خاوند اس کو جو کچھ مال و اسباب اور روپیہ پیسہ دے وہ اس کو ایک امانت کے طور پر اپنے پاس رکھے اس میں نہ تو خیانت کرے اور نہ اپنے خاوند کی مرضی کے خلاف اس کو خرچ کرے۔

امانت دار بیوی کی فضیلت

(۳۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ مَنْ اُعْطِیَهُنَّ فَقَدْ اُعْطِیَ خَیْرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ قَلْبٌ شَاکِرٌ وَلِسَانٌ ذَاکِرٌ وَبَدَنٌ عَلَی الْبَلَاءِ صَابِرٌ وَزَوْجَةٌ لَا تَبْغِیْهِ خَوْنًا فِیْ نَفْسِهَا وَلَا مَالِهِ۔ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "چار چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص کو مل جائیں اس کو دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہو جائے اوّل (حق تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا) شکر ادا کرنے والا دل، دوم (خوشی اور رنج ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو) یاد کرنے والی زبان، سوم بلاؤں پر صبر کرنے والا جسم اور چہارم وہ عورت جو اپنی ذات اور اپنے خاوند کی مال میں خیانت نہ کرے۔ اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔"

بَابُ الْخُلْعِ وَالطَّلَاقِ
خُلع اور طلاق کا بیان

خُلع کا مطلب: خُلع (خ کے پیش کے ساتھ) خَلع (خ کے زبر کے ساتھ) اسم ہے خُلع کے لغوی معنی ہیں "کسی چیز کو نکالنا" اور عام طور پر یہ لفظ بدن سے کسی پہنی ہوئی چیز مثلاً کپڑے اور موزے وغیرہ اتارنے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن شرعی اصطلاح میں اس لفظ کے معنی ہیں "ملکیت نکاح کو مال کے عوض میں لفظ خُلع کے ساتھ زائل کرنا۔ یا، ملکیت نکاح ختم کرنے کے لئے لفظ خُلع کے ساتھ اپنی عورت سے مال لینا" اس شرعی اصطلاح کی توضیح یہ ہے کہ اگر میاں بیوی میں اختلاف ہو جائے اور دونوں میں کسی طرح نباہ نہ ہو سکے اور مرد طلاق بھی نہ دیتا ہو تو عورت کو جائز ہے کہ کچھ مال دے کر اپنا مہر دے کر نجات حاصل کر لے مثلاً اپنے مرد سے کہے کہ اتنا روپیہ لے

کر خُلع کر دو۔ یعنی میری جان چھوڑ دو۔ یا یوں کہے کہ جو مہر تمہارے ذمہ ہے اس کے عوض میری جان چھوڑ دو۔ اس کے جواب میں مرد کہے کہ میں نے چھوڑ دی تو اس سے عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور دونوں میں جدائی ہو جائے گی۔

مظہرؒ نے لکھا ہے کہ اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر مرد، عورت سے کہے کہ میں نے اتنے مال کے عوض تم سے خُلع کیا اور بیوی کہے کہ میں نے قبول کیا اور پھر میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہو جائے تو آیا یہ طلاق ہے یا فسخ ہے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ یہ طلاق بائن ہے حضرت امام شافعیؒ کا زیادہ صحیح قول بھی یہی ہے لیکن حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ یہ فسخ ہے اور حضرت امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

اگر میاں بیوی کے باہمی اختلاف کی بنیاد شوہر کی زیادتی و سرکشی ہو اور شوہر کی اس زیادتی و سرکشی کی وجہ سے بیوی خُلع چاہتی ہو تو اس صورت میں شوہر کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ خُلع کے معاوضہ کے طور پر کوئی چیز مثلاً روپیہ وغیرہ لے اور اگر میاں بیوی کے باہمی اختلاف کی بنیاد بیوی کی نافرمانی و سرکشی ہو یعنی بیوی کی نافرمانی و بداطواری کی وجہ سے خُلع کی نوبت آئی ہو تو اس صورت میں شوہر کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ اس خُلع کے عوض میں اس قدر رقم لے کہ اس نے عورت کے مہر میں جو رقم دی ہے اس سے بھی زیادہ ہو۔

طلاق کے معنی: لغت میں طلاق کے معنی ہیں "کھولنا، چھوڑنا" لیکن اصطلاح شریعت میں "مرد کا عورت کو نکاح سے عائد ہونے والی پابندیوں سے آزاد کر دینا" طلاق کہلاتا ہے۔ طلاق کی قسمیں اور اس کے احکام انشاء اللہ آگے بیان ہوں گے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

ناپسند شوہر سے طلاق حاصل کی جاسکتی ہے

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ امْرَاَةَ ثَابِتِ ابْنِ قَيْسٍ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا اَعْتِبُ عَلَيْهِ فِيْ خُلُقٍ وَلَا دِيْنٍ وَلٰكِنِّيْ اَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً۔ (رواہ البخاری)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ثابت ابن قیسؓ کی بیوی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! ثابت ابن قیس پر مجھے غصہ نہیں آتا اور نہ میں ان کی عادات اور ان کے دین میں کوئی عیب لگاتی ہوں لیکن میں اسلام میں کفر (یعنی کفران نعمت یا گناہ) کو پسند نہیں کر سکتی، رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ کیا تم ثابت ابن قیسؓ کا باغ (جو انہوں نے تمہیں مہر میں دیا ہے) ان کو واپس کر دو گی؟ ثابتؓ کی بیوی نے کہا کہ "ہاں" رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) ثابتؓ سے فرمایا کہ تم اپنا باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔" (بخاری)

تشریح: ثابت ابن قیسؓ کی بیوی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنے شوہر سے اس لئے جدائی اختیار کرنا نہیں چاہتی کہ وہ بد اخلاق ہیں یا ان کی عادات مجھے پسند نہیں ہیں یا یہ کہ ان کے دین میں کچھ نقصان ہے بلکہ صورت حال یہ ہے کہ مجھے ان سے محبت نہیں ہے اور وہ طبعی طور پر مجھے ناپسند ہیں لیکن بہر حال وہ میرے شوہر ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کے تئیں میری طرف سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو جائے جو اسلامی حکم کے خلاف ہو مثلاً مجھ سے کوئی نافرمانی ہو جائے یا ان کی مرضی کے خلاف کوئی فعل سرزد ہو جائے تو ایسی صورت میں گویا کفران نعمت یا گناہ ہو گا جو مجھے گوارہ نہیں ہے اس لئے میں کیوں نہ ان سے جدائی اختیار کر لوں۔

کہا جاتا ہے کہ ثابت ابن قیسؓ بہت بدصورت اور ٹھگنے (پست قد) تھے اور ان کی بیوی کا نام جمیلہ یا جسیلہ تھا بہت خوبصورت اور حسین تھیں اسی لئے ان دونوں کا جوڑا بہت ناموزوں تھا اور ان کی بیوی ان کو پسند نہیں کرتی تھیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی عرض کے

مطابق حضرت ثابتؓ کو مصلحۃً یہ حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دیں اس سے معلوم ہوا کہ طلاق دینے والے کے حق میں یہ اولیٰ و افضل ہے کہ وہ ایک طلاق دے تاکہ اگر رجوع کرنا منظور ہو تو رجوع کر لے نیز اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ خُلع طلاق ہے فسخ نہیں ہے چنانچہ صاحب ہدایہ نے اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ اَلْخُلْعُ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ یعنی خُلع طلاق بائن ہے۔

حالت حیض میں طلاق دینے کی ممانعت

(۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ طَلَّقَ امْرَأَةً لَهٗ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَغَيَّظَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيْضَ فَتَطْهُرَ فَاِنْ بَدَالَهٗ اَنْ يُّطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ اَنْ يَّمَسَّهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِيْ اَمَرَ اللّٰهُ اَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ وَفِيْ رِوَايَةٍ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا اَوْ حَامِلًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے بارہ میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو حضرت عمرؓ نے اس کا ذکر رسول کریم ﷺ سے کیا، آنحضرت ﷺ اس واقعہ سے بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ (اس گناہ کا تدارک کرنے کے لئے) عبداللہ کو چاہئے کہ وہ اس عورت سے رجوع کرے (یعنی مثلاً یوں کہے کہ میں نے اس کو اپنے نکاح میں واپس لے لیا) اور پھر اس کو اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے اور پھر جب وہ حائضہ ہو اور اس کے بعد پاک ہو جائے اور پھر جب وہ حائضہ ہو اور اس کے بعد پاک ہو جائے اور طلاق دینا ضروری ہو تو پاکی کی حالت میں اسے طلاق دے قبل اس کے کہ اس سے جماع کرے، پس یہی وہ عدت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ عبداللہ کو حکم دو کہ وہ اس عورت سے رجوع کرے اور پھر اس کو پاکی کی حالت میں (بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہو اور حیض آتا ہو) یا حمل کی حالت میں طلاق دے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: فَتَغَيَّظَ فِيْهِ (آنحضرت ﷺ اس واقعہ سے بہت غصہ ہوئے) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے۔ کیونکہ اگر یہ حرام نہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ اس واقعہ پر غصہ نہ ہوتے۔ اور حالت حیض میں طلاق دینا حرام اس لئے ہے کہ ہو سکتا ہے کہ طلاق دینے والے نے حالت حیض میں محض کراہت طبع کے سبب طلاق دی ہو اور وہ مصلحت اس کے طلاق دینے کی وجہ نہ ہو جس کی بناء پر طلاق دینا حرام ہے۔ مگر کوئی شخص اگر حالت حیض میں طلاق دے دے تو طلاق پڑ جائے گی یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ کو رجوع کرنے کا حکم دیا اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ رجوع کرنا طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں دوسرے طہر (یعنی دوسرے حیض کے بعد پاکی کی حالت) تک طلاق کو مؤخر کرنے میں کیا مصلحت ہے؟ سیدھی بات تو یہ ہے کہ حکم یہ ہوتا کہ جس حیض میں طلاق دی گئی ہے اور پھر رجوع کیا گیا ہے اسی حیض کے گزرنے کے بعد پاکی کی حالت میں طلاق دی جائے لیکن اس کے برعکس اس کو دوسرے طہر تک مؤخر کیا گیا؟ چنانچہ اس کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ اس کی کئی وجہیں ہیں اول تو یہ کہ رجوع کرنا صرف طلاق کی غرض سے نہ ہو لہٰذا طلاق دینے کو ایک ایسی مدت تک کے لئے مؤخر کر دینا چاہئے جس میں ایک طرف تو طلاق دینا حلال اور دوسری طرف طلاق کے فیصلہ پر نظر ثانی کا موقع بھی مل جائے اور شاید کوئی ایسی راہ نکل آئے کہ طلاق دینے کی نوبت ہی نہ آئے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں مصلحتوں کی رعایت دوسرے طہر ہی میں ہو سکتی ہے۔

دوم یہ کہ اتنی مدت تک کے لئے طلاق دینے کو مؤخر کرنا دراصل طلاق دینے والے کے اس فعل بد (یعنی حالت حیض میں طلاق دینے) کی سزا ہے۔ سوم یہ کہ جس حیض کی حالت میں طلاق دی گئی ہے وہ اور اس کے بعد کا طہر (یعنی پاکی کی حالت) دونوں گویا ایک ہی

چیز کے حکم میں ہیں لہٰذا اگر پہلے طہر میں دی گئی تو گویا حیض ہی کی حالت میں دی لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ ان تینوں وجہوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دوسرے طہر تک طلاق سے باز رہنا واجب نہیں ہے بلکہ اولی ہے۔

طلاق کی قسمیں: یہ بات جانی چاہئے کہ وقت و محل کے اعتبار سے نفس طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ ① احسن۔ ② حسن۔ حسن کو سنی بھی کہتے ہیں۔ ③ بدئی۔

طلاق احسن کی صورت یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی ایسے طہر (پاکی کی حالت) میں دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو اور پھر اس کو اسی حالت میں چھوڑے (یعنی پھر نہ تو اس کو اور طلاق دے اور نہ اس سے جماع کرے) یہاں تک کہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔ طلاق کی یہ پہلی قسم سب سے بہتر ہے۔

طلاق حسن کی یہ صورت ہے کہ ایک طلاق حسن رجعی ایسے طہر (پاکی کی حالت) میں دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو بشرطیکہ عورت مدخول بہا ہو اور اگر عورت غیر مدخول بہا ہو تو اس کے لئے ایک طلاق حسن ہے نیز اس کو حیض کی حالت میں بھی طلاق دی جاسکتی ہے اور آئسہ، صغیرہ اور حاملہ عورتوں کے لئے طلاق حسن یہ ہے کہ ان کو (تین مہینہ تک) ہر مہینہ میں ایک طلاق دی جائے نیز ان عورتوں کو جماع کے بعد بھی طلاق دینا جائز ہے طلاق کی یہ دوسری قسم بھی بہتر ہے۔

"طلاق بدئی" کی صورت یہ ہے کہ مدخول بہا کو ایک ہی طہر میں یا ایک ہی دفعہ میں تین طلاقیں دے دے یا ایسی دو طلاقیں دے جس میں رجعت کی گنجائش نہ ہو یا اس کو اس طہر میں طلاق دے جس میں جماع کر چکا ہو اس طرح اگر کسی شخص نے حیض کی حالت میں طلاق دی تو یہ بھی طلاق بدئی کے حکم میں ہے اور اگر وہ عورت کہ جس کو حیض کی حالت میں طلاق دی ہے مدخول بہا ہو تو صحیح تر روایت کے مطابق اس سے رجوع کرنا واجب ہے جب کہ بعض علماء نے رجوع کرنے کو مستحب کہا ہے، پھر جب وہ پاک ہو جائے اور اس کے بعد دوسرا حیض آئے اور پھر اس سے بھی پاک ہو جائے تب اگر طلاق دینا ہی ضروری ہو تو اس دوسرے طہر میں طلاق دی جائے۔ طلاق کی یہ تیسری قسم شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ ہے گو طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر طلاق دینے والا گنہ گار ہوتا ہے۔

وقوع کے اعتبار سے طلاق کی دو قسمیں ہیں ① رجعی۔ ② بائن۔ طلاق رجعی کی صورت تو یہ ہے کہ طلاق دینے والا ایک بار یا دو صریح الفاظ میں یوں کہے کہ اَنْتِ طَالِقٌ یا طَلَّقْتُكِ یا اردو میں یوں کہے "تجھ پر طلاق ہے یا میں نے تجھے طلاق دی اس طرح طلاق دینے سے طلاق دینے والا ایام عدت میں بغیر نکاح کے رجوع کر سکتا ہے یعنی اگر وہ یوں کہے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا یا اس کو ہاتھ لگائے یا مساس کرے اور یا اس سے جماع کرے تو اس سے رجوع ہو جاتا ہے جدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

"طلاق بائن" کی صورت یہ ہے کہ طلاق کے صریح الفاظ کی بجائے ایسے الفاظ کے ذریعہ طلاق دی جائے جو اگرچہ صراحۃً طلاق کے لئے استعمال نہ ہوتے ہوں مگر کنایۃً وہ طلاق کا مفہوم بھی ادا کرتے ہوں علاوہ ان تین الفاظ کنایات کے جن کو فقہاء نے صریح طلاق کے لئے تسلیم کر لیا، طلاق بائن کا حکم یہ ہے کہ عورت نکاح سے نکل جاتی ہے تجدید نکاح کے بغیر اس عورت کو بیوی بنا کر رکھنا حرام ہے۔

حکم اور نتیجہ کے اعتبار سے بھی طلاق کی دو قسمیں ہیں۔ ① مغلظہ۔ ② مخففہ۔ طلاق مغلظہ کی صورت یہ ہے کہ یکبارگی تین طلاقیں دی جائیں (مثلاً یوں کہے کہ میں نے طلاق دی) یا الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں (مثلاً یوں کہے کہ میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی) اس طلاق کے بعد طلاق دینے والا اس عورت کو دوبارہ اپنے نکاح میں بغیر حلالہ نہیں لاسکتا حلالہ کی صورت یہ ہے کہ وہ عورت عدت گزارنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے اور دوسرا مرد اس سے جماع کر کے اس کو طلاق دے دے اور پھر جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو پہلا شوہر اس سے نکاح کر لے۔

"طلاق مخففہ" کی صورت یہ ہے کہ یک بارگی یا الگ الگ دو طلاقیں دے یا ایک طلاق دے پھر اگر یہ دو طلاقیں یا ایک طلاق الفاظ صریح کے ساتھ ہو تو عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر الفاظ کنایہ کے ساتھ ہو تو تجدید نکاح کے بعد

اس کو اپنی بیوی بنا سکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں۔

کن لوگوں کی طلاق واقع ہوتی ہے اور کن لوگوں کی واقع نہیں ہوتی: ہر عاقل و بالغ کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام اور خواہ وہ اپنی خوشی سے طلاق دے یا کسی کے جبرو اکراہ سے دے یا نشہ کی حالت میں دے۔

اسی طرح اگر عاقل و بالغ شوہر گونگا ہو اور وہ اشارہ معہودہ کے ذریعہ طلاق دے تو اس کی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے اور لڑکے اور دیوانے کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر سویا ہوا شخص طلاق دے اور بیدار ہونے کے بعد کہے کہ میں نے تجھے سوتے میں طلاق دی ہے تو اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی اگر کسی مالک نے اپنے غلام کی بیوی کو طلاق دی تو اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔

طلاق میں اصلی اعتبار عورت کا ہے چنانچہ آزاد عورت کے لئے تین طلاقیں ہیں اگرچہ وہ کسی غلام کے نکاح میں ہو۔ اسی طرح لونڈی کے لئے دو طلاقیں ہیں اگرچہ وہ کسی آزاد مرد کے نکاح میں ہو۔

اختیار کا مسئلہ

(۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَيَّرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرْنَا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَلَمْ يَعُدَّ ذٰلِكَ عَلَيْنَا شَيْئًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں اختیار دے دیا تھا کہ اگر تم دنیا اور دنیا کی زینت و آسائش کی طلب گار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے کر چھوڑ دوں، اور اگر تم خدا، خدا کے رسول اور دار آخرت کی طلب گار ہو تو پھر جان لو کہ تمہارے لئے خدا کے ہاں بے شمار اجر عظیم ثواب ہے) چنانچہ ہم نے (دنیا اور دنیا کی زینت و آسائش کے مقابلہ میں) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اختیار کر لیا اور آنحضرت ﷺ نے اس اختیار کو ہمارے لئے (طلاق کی اقسام میں کوئی قسم جیسے ایک طلاق یا دو طلاق یا رجعی یا بائن۔) کچھ بھی اختیار نہیں کیا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی سے یوں کہے کہ "اپنے نفس کو اختیار کر لو یا مجھے اختیار کر لو" اور پھر بیوی خاوند کو اختیار کر لے تو اس سے کسی طرح کی طلاق واقع نہیں ہوتی چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن اگر بیوی اپنے نفس کو اختیار کر لے تو اس صورت میں حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک طلاق رجعی، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک طلاق بائن اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں۔

منقول ہے کہ صحابہؓ میں سے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس بات کے قائل تھے کہ بیوی کو شوہر کے محض اختیار دے دینے ہی سے طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے خواہ وہ اپنے شوہر ہی کو کیوں نہ اختیار کر لے۔

اور حضرت زید ابن ثابتؓ اس بات کے قائل تھے کہ طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ان دونوں ہی کے اقوال کی تردید میں یہ حدیث بیان کر کے گویا یہ واضح کیا کہ شوہر کے محض اختیار دے دینے سے کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے کفارہ لازم آتا ہے

(۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِي الْحَرَامِ يُكَفِّرُ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ (کسی چیز کو) حرام کر لینے پر کفارہ دے اور (اس سلسلہ میں) تمہارے لئے رسول کریم ﷺ کی پیروی ہی بہتر ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اوپر کسی چیز خواہ وہ اپنی ہو یا کسی دوسری چیز کو، حرام کر لے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم آتا ہے اور

وہ چیز حرام نہیں ہوتی حضرت ابن عباسؓ اسی کے قائل تھے۔ اور حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے اگرچہ وہ چیز بذات خود حرام کیوں نہ ہو یا کسی دوسرے کی ملکیت کیوں نہ ہو مثلاً یوں کہے کہ مجھ پر شراب حرام ہے یا فلاں کا مال مجھ پر حرام ہے تو یہ بمنزلہ قسم ہے بشرطیکہ اگر اس نے کسی حرام چیز کے بارہ میں یہ کہا کہ یہ چیز مجھ پر حرام ہے اور اس سے اس کا مقصد اس چیز کے حرام ہونے کی خبر دینا نہ ہو لہٰذا جب وہ اس چیز کو، جسے اس نے اپنے اوپر حرام کیا ہے کھائے یا استعمال کرے گا تو وہ گویا حانث یعنی قسم توڑنے والا ہوگا اور اس پر وہی کفارہ لازم آئے گا جو قسم توڑنے پر لازم آتا ہے ہاں اگر اس نے اس چیز کو صدقہ کر دیا یا کسی کو ہبہ کر دیا تو پھر حانث نہیں ہوگا اور اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں آئے گا۔

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے اپنی اس بات کی تائید میں یہ آیت لَقَدْ كَانَ لَكُمْ الایۃ پڑھی اور اس طرف اشارہ کیا کہ جب آنحضرت ﷺ نے شہد کو اپنے اوپر حرام کیا تو اس آیت يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ کے ذریعہ آپ ﷺ کو کفارہ دینے کا حکم دیا گیا (جس کا تفصیلی ذکر اگلی روایت میں آئے گا) لہٰذا تم پر آنحضرت ﷺ کی پیروی لازم ہے کہ اگر تم نے کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور پھر اس چیز کو استعمال کر کے حانث ہو گئے تو کفارہ ادا کرو۔

اگر کوئی شخص یوں کہے کہ "تمام حلال مال مجھ پر حرام ہے یا خدا کی حلال کی ہوئی تمام چیزیں مجھ پر حرام ہیں" تو ایسے قول کے بارہ میں فتویٰ یہ ہے کہ اس طرح کہنے سے اس کی بیوی پر طلاق پڑ جائے گی اگرچہ اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو اور اگر اپنی بیوی سے یہ کہے کہ "تم مجھ پر حرام ہو" تو یہ ایلا ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اس نے واقعی حرام کرنے کی نیت کی ہو یا کچھ بھی نیت کی ہو اور اگر اس نے یہ کہتے وقت ظہار کی نیت کی ہوگی تو ظہار ہو جائے گا۔ ہاں اگر اس نے یہ کہتے وقت کہ "تم مجھ پر حرام ہو" جھوٹ کی نیت کی ہو تو بھی یہ کہنا ہدر (لغو) ہوگا یعنی اس کہنے سے عند اللہ تو کچھ نہیں ہوگا لیکن یہ معاملہ اگر حاکم کے ہاں پہنچا تو حاکم ایلاء کا حکم نافذ کر دے گا۔ اور اگر یہ کہتے وقت اس نے طلاق کی نیت کی، تو طلاق بائن پڑ جائے گی اور اگر تین طلاق کی نیت کی تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ اور فتویٰ اسی پر ہے کہ اگر طلاق کی نیت نہ بھی کرے تو بھی طلاق بائن پڑ جائے گی۔

۵ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ وَشَرِبَ عِنْدَهَا عَسَلاً فَتَوَاصَيْتُ اَنَا وَحَفْصَةُ اَنَّ اَيَّتَنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْتَقُلْ اِنِّيْ اَجِدُ مِنْكَ رِيْحَ مَغَافِيْرَ اَكَلْتَ مَغَافِيْرَ؟ فَدَخَلَ عَلٰى اِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ لَهُ ذَالِكَ فَقَالَ لَابَأْسَ شَرِبْتُ عَسَلاً عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ فَلَنْ اَعُوْدَ لَهُ وَقَدْ حَلَفْتُ لَا تُخْبِرِيْ بِذَالِكِ اَحَدًا يَبْتَغِيْ مَرْضَاةَ اَزْوَاجِهِ فَنَزَلَتْ يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ الْاٰيَةَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ (اپنی ایک بیوی) حضرت زینب بنت جحشؓ کے پاس ٹھہر جایا کرتے تھے اور وہاں شہد پیا کرتے تھے چنانچہ (ایک دن) میں نے اور حفصہؓ نے آپس میں یہ طے کیا کہ نبی کریم ﷺ ہم میں سے جس کے پاس تشریف لائیں وہ یہ کہے آپ (ﷺ) کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے کیا آپ (ﷺ) نے مغافیر کھایا ہے؟ چنانچہ جب ان دونوں میں سے ایک (یعنی حضرت عائشہؓ یا حضرت حفصہؓ) کے پاس تشریف لائے تو اس نے یہی کہا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، میں نے زینب بنت جحشؓ کے ہاں شہد پیا ہے اب میں کبھی شہد نہیں پیوں گا۔ میں نے قسم کھالی ہے لیکن تم کسی کو یہ نہ بتانا (تاکہ اس بات سے زینبؓ کی دل شکنی نہ ہو کہ اب میں ان کے ہاں شہد نہیں پیوں گا) اور اس سے (یعنی شہد کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے) آنحضرت ﷺ کا مقصد اپنی بیویوں کو خوش کرنا تھا چنانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ الایۃ (یعنی اے نبی! آپ محض اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے اپنے اوپر اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جس کو اللہ نے آپ (ﷺ) کے لئے حلال کیا ہے)۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "حضرت زینت بنت جحشؓ کے پاس ٹھہر جایا کرتے تھے"۔ یہ ان کی نوبت (باری) کے دن کا ذکر نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب اپنی ازواج مطہرات کے ہاں گشت کے لئے نکلتے اور حضرت زینبؓ کے گھر تشریف لاتے تو اس وقت ان کے پاس ٹھہر جایا کرتے تھے۔

"مغافیر" ایک درخت کے پھل کا نام ہے جو گوند کے مشابہ ہوتا ہے اس کی بو خراب ہوتی ہے اور ایک گونہ شہد کی بو کی مشابہت رکھتی ہے۔

اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو شہد بہت مرغوب تھا، جب آپ ﷺ گشت کے وقت حضرت زینبؓ کے تشریف لے جاتے تو وہ آنحضرت ﷺ کو شہد پلایا کرتی تھیں۔ اس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ حضرت زینبؓ کے ہاں کچھ زیادہ دیر ٹھہر جایا کرتے تھے۔ یہ بات حضرت عائشہؓ کو ناگوار گزری اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کی ایک اور بیوی حضرت حفصہؓ سے کہ جو حضرت عائشہؓ کے بہت قریب تھیں اور اکثر معاملات میں ان سے اتفاق کرتی تھیں، مذکورہ بالا بات کہنے کا مشورہ کیا تاکہ آنحضرت ﷺ حضرت زینبؓ کے ہاں ٹھہرنا اور ان کا شہد پینا چھوڑ دیں چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ ذکر کیا گیا لیکن حق تعالیٰ کے ہاں اس بات کو پسند نہیں کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ ایک حلال چیز کو محض اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے اپنے اوپر حرام کر لیں چنانچہ مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

بلا ضرورت طلاق مانگنے والی عورت کے حق میں وعید

(٦) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِيْ غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

"حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو عورت اپنے خاوند سے بلا ضرورت طلاق مانگے اس پر جنت کی بو حرام ہوگی (یعنی جب میدان حشر میں خدا کے نیک اور پیارے بندوں کو جنت کی خوشبو پہنچے گی تو یہ عورت اس خوشبو سے محروم رہے گی۔"

(احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

طلاق کوئی اچھی چیز نہیں ہے

(٧) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "مباح چیزوں میں سے خدا کے نزدیک مبغوض ترین (یعنی سب سے بری) چیز طلاق ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگرچہ طلاق، حلال و مباح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض و مکروہ ہے چنانچہ ایسی بہت سی چیزیں ہیں جو اگرچہ مباح ہیں مگر مکروہ (ناپسندیدہ) سمجھی جاتی ہیں مثلاً فرض نماز بلا عذر گھر میں پڑھنا، یا اسی طرح غصب کی ہوئی زمین پر نماز پڑھنا اگرچہ مباح ہے (کہ فرض ادا ہوتا ہے) لیکن مکروہ ہے۔

نکاح سے پہلے طلاق دینے کا مسئلہ

(٨) وَعَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا طَلَاقَ قَبْلَ نِكَاحٍ وَلَا عِتَاقَ اِلَّا بَعْدَ مِلْكٍ وَلَا وِصَالَ فِيْ صِيَامٍ وَلَا يُتْمَ بَعْدَ احْتِلَامٍ وَلَا رِضَاعَ بَعْدَ فِطَامٍ وَلَا صَمْتَ يَوْمٍ اِلَى اللَّيْلِ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی مالک ہونے سے پہلے غلام کو آزاد نہیں کیا جاسکتا اور پے در پے کے روزے (یعنی رات کو افطار کئے بغیر مسلسل و پیہم روزے رکھے چلے جانا) جائز نہیں ہے (یہ صرف آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے تھا اور صرف آپ ﷺ ہی کے لئے جائز تھا) بالغ ہونے کے بعد کوئی یتیم نہیں رہتا (یعنی جس کے ماں باپ نہ ہوں اور وہ بالغ ہو جائے تو اسے یتیم نہیں کہیں گے) دودھ پینے کی مدت کے بعد دودھ پینا رضاعت میں شامل نہیں (یعنی دودھ پینے کی مدت دو سال یا ڈھائی سال ہے اور دودھ پینے کے سبب جو حرمت نکاح ہوتی ہے وہ اس مدت کے بعد دودھ پینے سے ثابت نہیں ہوتی) اور دن بھر چپ رہنا جائز نہیں ہے (یا یہ کہ اس کا کوئی ثواب نہیں ہے۔ اھ" (شرح السنۃ)

تشریح: اس روایت میں چند اصولی باتوں کو ذکر کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح سے پہلے ہی طلاق دے تو وہ طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ طلاق دراصل نکاح کا جز ہے کہ اگر نکاح کا وجود پایا جائے گا تو اس پر طلاق کا اثر بھی مرتب ہوگا اور جب سرے سے نکاح ہی نہیں ہوگا تو طلاق کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔

اسی طرح فرمایا گیا کہ غلام جب تک اپنی ملکیت میں نہ آجائے اس کو آزاد کرنے کے کوئی معنی نہیں ہوں گے، اگر کوئی شخص کسی ایسے غلام کو آزاد کر دے جس کا وہ ابھی تک مالک نہیں بنا ہے تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا اس اعتبار سے یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مسلک کی دلیل ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح سے پہلے طلاق کی اضافت، سبب ملک کی طرف کرے تو درست ہے مثلاً زید کسی اجنبی عورت سے یوں کہے کہ اگر میں تم سے نکاح کروں تو تم پر طلاق ہے یا یہ کہے کہ میں جس عورت سے بھی نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو اس صورت میں اگر زید اس عورت سے نکاح کرے گا تو نکاح کے وقت اس پر طلاق پڑ جائے گی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص آزادی کی اضافت، ملک کی طرف کرے مثلاً یوں کہے کہ اگر میں اس غلام کا مالک بنوں تو یہ آزاد ہے یا یہ کہے کہ میں جس غلام کا مالک بنوں وہ آزاد ہے تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جائے گا۔

لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک نفی تنجیز پر محمول ہے یعنی اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ اس طلاق کا کبھی بھی کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جس لمحہ اس نے طلاق دی ہے اس لمحہ طلاق نہیں پڑتی اس طرح اس حدیث سے طلاق کی تعلیق کی نفی نہیں ہوتی۔

ایک بات یہ فرمائی گئی ہے کہ دن بھر چپ رہنا ناجائز یا لاحاصل ہے اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں چپ رہنا عبادت کے زمرہ میں آتا تھا۔ اور دن بھر چپ رہنا تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ ہماری اُمت میں یہ درست نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے کچھ ثواب حاصل نہیں ہوتا، ہاں اپنی زبان کو لایعنی کلام اور بری باتوں میں مشغولیت کے بجائے یقیناً یہ زیادہ بہتر ہے کہ اپنی زبان کو ہر وقت خاموش رکھا جائے۔

(۹) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ لِابْنِ اٰدَمَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا عِتْقَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا طَلَاقَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَزَادَ اَبُوْدَاوٗدَ وَلَا بَيْعَ اِلَّا فِيْمَا يَمْلِكُ۔

"اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور حضرت شعیب اپنے دادا (حضرت عبداللہ ابن عمروؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ابن آدم کی نذر اس چیز میں صحیح نہیں ہوتی جس کا وہ مالک نہیں ہے نیز اس چیز (یعنی لونڈی و غلام کو آزاد کرنا بھی صحیح نہیں جس کا وہ مالک نہیں ہے نیز اس چیز (عورت) کو طلاق دینا بھی درست نہیں جس کا وہ مالک نہیں ہے۔ (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ) اور ابوداؤدؒ نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ اس چیز کو فروخت کرنا بھی صحیح نہیں جس (کی فروختگی کا معاملہ کرنے) کا وہ (اصالۃً یا وکالۃً یا ولایۃً) مالک نہیں ہے۔"

تشریح: نذر صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اللہ کی خوشنودی کے لئے اس غلام کو آزاد کرنے کی نذر مانتا ہوں اور حالانکہ یہ نذر ماننے کے وقت وہ غلام اس کی ملکیت میں نہیں ہے تو یہ صحیح نذر نہیں ہوگی اور اگر اس کے بعد وہ اس غلام کا مالک ہو گیا تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا۔ طلاق اور آزاد کرنے کے سلسلہ میں اوپر کی حدیث کی تشریح میں وضاحت کی جا چکی ہے۔

طلاق بتہ کا مسئلہ

(۱۰) وَعَنْ رُكَانَةَ بْنِ عَبْدِ يَزِيدَ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ فَأُخْبِرَ بِذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهِ مَا أَرَدْتَ إِلَّا وَاحِدَةً؟ فَقَالَ رُكَانَةُ وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً فَرَدَّهَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ فِي زَمَانِ عُمَرَ وَالثَّالِثَ فِي زَمَانِ عُثْمَانَ رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ إِلَّا أَنَّهُمْ لَمْ يَذْكُرُوا الثَّانِيَةَ وَالثَّالِثَةَ۔

"اور حضرت رکانہؓ ابن عبد یزید کے بارہ میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی سہیمہؓ کو طلاق بت دی اور پھر اس کا ذکر رسول کریم ﷺ سے کیا اور کہا کہ خدا کی قسم میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ (کیا واقعی) خدا کی قسم تم نے ایک طلاق کی نیت کی تھی؟ رکانہؓ نے کہا کہ (ہاں) خدا کی قسم میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے ان کی عورت کو ان کی طرف لوٹا دیا پھر رکانہؓ نے اس عورت کو دوسری طلاق حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اور تیسری طلاق حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں دی اس روایت کو ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہ اور دارمی نے نقل کیا ہے لیکن ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے اپنی روایت میں دوسری اور تیسری طلاق کا ذکر نہیں کیا ہے۔"

تشریح: "طلاق بت" کا مطلب یہ ہے کہ حضرت رکانہؓ نے ان الفاظ میں طلاق دی اَنْتِ طَالِقٌ اَلْبَتَّةَ (یعنی تجھ پر طلاق البتہ ہے) لفظ البتۃ بتّ کا اسم مرہ ہے جس کے معنی ہیں کاٹنا، قطع کرنا لہٰذا "طلاق بت" کا مفہوم یہ ہوا کہ ایسی طلاق جو نکاح کا تعلق بالکل باقی نہیں رہنے دیتی اور عورت کو نکاح سے قطعی طور پر نکال دیتی ہے۔

"ان کی عورت کو ان کی طرف لوٹا دیا" کا مطلب حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ رضی اللہ عنہ کو رجوع کر لینے کا حکم دیا۔ اور گویا رکانہؓ نے رجوع کر لینے کے اس حکم کی بناء پر ان الفاظ رَاجَعْتُهَا اِلٰى نِكَاحِي (میں نے اس کو اپنے نکاح میں لوٹا لیا) کے ذریعہ اس عورت کو اپنے نکاح میں واپس کر لیا۔

حضرت امام شافعیؒ نے یہ مطلب اس لئے مراد لئے ہیں کہ ان کے نزدیک "طلاق بت" ایک طلاق رجعی ہے ہاں اگر اس کے ذریعہ دو یا تین طلاقوں کی نیت کی گئی ہو تو پھر نیت کے مطابق ہی دو یا تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ اس لفظ کے ساتھ طلاق دینے سے ایک طلاق بائن پڑتی ہے خواہ ایک طلاق کی نیت کی گئی ہو یا دو طلاق کی یا اور کچھ بھی نیت نہ کی گئی ہو اس لئے ان کے نزدیک اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو جدید نکاح کے ذریعہ رکانہؓ کی طرف لوٹا دیا۔

نکاح و طلاق کے الفاظ ہنسی میں منہ سے نکالے جائیں تو حکم ثابت ہو جاتا ہے

(۱۱) وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُودَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تین چیزیں ایسی ہیں جن کا قصد کرنا بھی قصد ہے اور ہنسی مذاق میں منہ سے نکالنا بھی قصد ہے ① نکاح۔ ② طلاق۔ ③ رجعت۔ (ترمذی، ابوداؤد) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: جد کے معنی ہیں "کسی کام میں سعی و کوشش کرنا" لیکن یہاں اس کے یہ معنی مراد ہیں کہ جو لفظ جس معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو اس کو

زبان سے ادا کرتے وقت وہی معنی مراد لئے جائیں مثلاً لفظ نَکَحْتُ (میں نے نکاح کیا) زبان سے جب ادا کیا جائے تو اس کے معنی یعنی نکاح کرنا ہی مراد لیا جائے یا جب لفظ طَلَّقْتُ (میں نے طلاق دی) زبان سے ادا کیا جائے تو اس کے معنی یعنی طلاق دینا ہی مراد لیا جائے اور لفظ ھزل کے معنی یہ ہیں کہ کوئی لفظ زبان سے ادا کیا جائے مگر اس کے معنی مراد نہ ہوں۔

لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو زبان سے ادا ہوتے ہی وقوع پذیر ہو جاتی ہیں خواہ ان کے معنی مراد ہوں، یا مراد نہ ہوں، چنانچہ اگر دو اجنبی مرد و عورت کے درمیان ہنسی ہنسی میں دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول ہو جائے تو بھی نکاح ہو جاتا ہے اور وہ دونوں میاں بیوی بن جاتے ہیں یا اگر کوئی ہنسی مذاق میں طلاق دے دے تو بھی طلاق پڑ جائے گی اسی طرح طلاق رجعی کے بعد ہنسی ہنسی میں رجوع کرنے سے بھی رجعت ثابت ہو جاتی ہے ان تین چیزوں کے علاوہ اور چیزیں مثلاً بیع و شراء وغیرہ اس طرح ہنسی مذاق میں وقوع پذیر نہیں ہوتیں۔

زبردستی دلوائی جانے والی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں

(۱۳) وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا طَلَاقَ وَلَا عَتَاقَ فِىْ اِغْلَاقٍ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ قِيْلَ مَعْنَى الْاِغْلَاقِ الْاِكْرَاهُ۔

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اکراہ کی حالت میں نہ تو طلاق واقع ہوتی ہے اور نہ آزادی (ابوداؤد، ابن ماجہ) اور بیان کیا جاتا ہے کہ اغلاق کے معنی اکراہ کے ہیں۔"

تشریح: "اکراہ" کے معنی ہیں "زبردستی کرنا" لہٰذا حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ اگر کوئی کسی سے زبردستی طلاق دلوا دے یا اس کا غلام آزاد کرا دے تو نہ طلاق پڑے گی اور نہ وہ غلام آزاد ہو گا۔

گویا یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے مسلک کی دلیل ہے کیونکہ ان تینوں آئمہ کے نزدیک یہ دونوں چیزیں زبردستی کی حالت میں واقع نہیں ہوتیں جب کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ واقع ہو جاتی ہیں انہوں نے اس کو ہزل پر قیاس کیا ہے۔ (جس کا بیان اوپر کی حدیث میں گزر چکا) ویسے حضرت امام اعظمؒ نے اپنے مسلک کی دلیل میں جو کچھ پیش کیا ہے وہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق زبردستی کی حالت میں بھی جن چیزوں کا حکم ثابت ہو جاتا ہے وہ گیارہ ہیں۔ (۱) نکاح۔ (۲) طلاق۔ (۳) رجعت۔ (۴) ایلاء۔ (۵) فیٔ یعنی ایلاء سے رجوع کرنا۔ (۶) ظہار۔ (۷) عتاق۔ (۸) عفو قصاص یعنی قصاص کو معاف کر دینا۔ (۹) قسم۔ (۱۰) نذر۔ (۱۱) قبولیت اسلام۔

دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی

(۱۴) وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْهِ وَالْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهٖ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعَطَاءُ بْنُ عَجْلَانَ الرَّاوِىْ ضَعِيْفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر بے عقل اور مغلوب العقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی" "امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی عطاء بن عجلان (روایت حدیث میں) ضعیف شمار کئے جاتے ہیں کیونکہ ان کے حافظہ میں حدیث محفوظ نہیں رہتی تھی۔"

تشریح: امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک اس حدیث کے مطابق ہے کیونکہ ان کے نزدیک بھی دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یہاں حدیث میں مَعْتُوْہ سے "دیوانہ" مراد ہے یعنی وہ شخص جو کبھی تو مسلوب العقل رہتا ہو اور کبھی اس کی عقل ٹھکانے رہتی ہو، قاموس میں لکھا ہے کہ عَتَہٌ (جو معتوہ کا مصدر ہے) کے معنی ہیں "کم عقل ہونا، مدہوش ہونا" اور صراح میں لکھا ہے کہ "معتوہ" الٹے ہوئے ڈول اور بے عقل شخص

کو بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ فقہ کی کتابوں میں اس کے یہی معنی بیان کئے گئے اس اعتبار سے حدیث کا یہ جملہ و المغلوب علی عقلہ گویا لفظ معتوہ کا عطف تفسیری ہے (یعنی اس جملہ میں معتوہ کی وضاحت مقصود ہے) اسی لئے بعض روایات میں المغلوب بغیر واو منقول ہے۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ جب معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی تو مجنون مطلق (یعنی پاگل شخص) کہ جو سرے سے عقل و شعور رکھتا ہی نہیں اس کی طلاق بطریق اولی واقع نہیں ہوگی چنانچہ زین العربؒ نے کہا ہے کہ یوں تو "معتوہ" ناقص العقل اور مغلوب العقل کو کہتے ہیں لیکن مجنون، سویا ہوا شخص، مدہوش اور ایسا مریض کہ جس کی عقل اس کے مرض کی وجہ سے جاتی رہے وہ بھی اس لفظ کے مفہوم میں شامل ہیں یعنی ان سب کی بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لفظ "معتوہ" کے بارہ میں علامہ ابن ہمامؒ نے بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ معتوہ اس شخص کو کہتے ہیں جو ناقص العقل و کم سمجھ اور پریشان کلام ہو (یعنی بے عقلی اور ناسمجھی کی باتیں کرتا ہو) اور فاسد التدبیر (یعنی بے عقلی اور بے سمجھی کے کام کرتا ہو) لیکن نہ تو مارتا پھرتا ہو اور نہ گالیاں بکتا پھرتا ہو بخلاف مجنوں کے (کہ لوگوں کو مارتا اور گالیاں بکتا پھرتا ہے)۔

امام ترمذیؒ کے قول کے مطابق اس حدیث کا راوی اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ کُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْہِ یعنی ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

تین شخص جو مرفوع القلم ہیں

⑭ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَۃٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰی یَسْتَیْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰی یَبْلُغَ وَعَنِ الْمَعْتُوْہِ حَتّٰی یَعْقِلَ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ عَائِشَۃَ وَابْنُ مَاجَۃَ عَنْھُمَا۔

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تین شخص مرفوع القلم ہیں (یعنی ان تین شخصوں کے اعمال نامۂ اعمال میں نہیں لکھے جاتے کیونکہ ان کے کسی قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ مواخذہ سے بری ہیں) ایک تو سویا ہوا شخص جب تک کہ وہ بیدار نہ ہو، دوسرا لڑکا جب تک وہ بالغ نہ ہو تیسرا بے عقل شخص جب تک کہ اس کی عقل درست نہ ہو جائے" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ) دارمیؒ نے اس روایت کو حضرت عائشہؓ سے اور ابن ماجہؒ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے۔"

لونڈی کے لئے دو طلاقیں ہیں

⑮ وَعَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ طَلَاقُ الْاَمَۃِ تَطْلِیْقَتَانِ وَعِدَّتُھَا حَیْضَتَانِ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "لونڈی کے لئے دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت (کی مدت دو حیض ہیں)۔"

(ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح آزاد عورت کی عدت تین حیض ہیں اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت کی مدت تین مہینہ ہے اسی طرح لونڈی کی عدت دو حیض ہیں اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت کی مدت ڈیڑھ مہینہ ہوگی۔

اس طرح یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طلاق اور عدت میں عورت کا اعتبار ہے نہ مرد کا لہٰذا اگر عورت آزاد ہوگی تو اس کی طلاقیں تین ہوں گی اور اس کی عدت کی مدت تین حیض ہوں گے چاہے وہ کسی غلام ہی کے نکاح میں کیوں نہ ہو اور اگر عورت لونڈی ہوگی تو اس کی طلاقیں دو ہوں گی اور اس کی عدت کی مدت دو حیض ہوں گے خواہ اس کا خاوند کوئی آزاد شخص ہی کیوں نہ ہو چنانچہ حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک طلاق اور عدت میں مرد کا اعتبار ہے اگر مرد آزاد ہوگا تو اس کی بیوی کی طلاقیں تین

ہوں گی اور اس کی عدت تین حیض ہوں گے اگرچہ اس کی بیوی لونڈی ہو اور اگر مرد غلام ہو گا تو اس کی بیوی کی طلاقیں دو ہوں گی اور اس کی عدت کی مدت دو حیض ہوں گے خواہ اس کی بیوی آزاد عورت ہی کیوں نہ ہو۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عدت کی مدت کا تعلق حیض سے ہے نہ کہ طہر سے جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے گویا یہ حدیث اس بات کی دلیل ہوئی کہ عدت کی مدت کے سلسلہ میں قرآن کریم میں جو ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ فرمایا گیا ہے تو اس سے تین حیض مراد ہیں تین طہر مراد نہیں ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اپنے خاوند سے طلاق یا خُلع چاہنے والی عورت کے بارہ میں وعید

(۱۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُنْتَزِعَاتُ وَالْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اپنے خاوند کی نافرمانی کرنے والی اور اپنے خاوند سے خُلع چاہنے والی عورتیں منافق ہیں۔" (نسائیؒ)

تشریح: مطلب یہ کہ جو عورتیں بلا سبب اپنے شوہروں سے طلاق مانگتی ہیں یا ان سے خُلع چاہتی ہیں وہ منافق ہیں "منافق" کا مطلب یہ ہے کہ وہ ظاہر میں تو احکام اسلام کی مطیع و فرمانبردار ہیں مگر باطنی طور پر گنہ گار و عاصی ہیں۔

عورت کے تمام مال کے عوض خُلع کرنا مکروہ ہے

(۱۷) وَعَنْ نَافِعٍ عَنْ مَوْلَاةٍ لِصَفِيَّةَ بِنْتِ اَبِیْ عُبَيْدٍ اَنَّهَا اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا بِكُلِّ شَيْءٍ لَهَا فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت نافعؒ صفیہ بنت ابوعبید کی ایک آزاد کی ہوئی لونڈی سے روایت کرتے ہیں کہ صفیہؓ نے اپنی ہر اس چیز کے عوض جو ان کے پاس موجود تھی، اپنے خاوند (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ) سے خُلع کیا اور عبداللہؓ نے اس سے انکار نہیں کیا۔" (مالکؒ)

تشریح: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اس لئے انکار نہیں کیا کہ خُلع بہر حال جائز تھا اگرچہ اس طرح (یعنی عورت کے تمام مال کے عوض) خُلع کرنا مکروہ ہے۔

بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہیں

(۱۸) وَعَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ قَالَ اُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعًا فَقَامَ غَضْبَانَ ثُمَّ قَالَ اَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اَقْتُلُهٗ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت محمود ابن لبیدؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کو اس شخص کے بارہ میں بتلایا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی تھیں تو آپ ﷺ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا اللہ عزوجل کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے (یعنی حکم خداوندی کے ساتھ استہزاء کیا جاتا ہے) درآنحالیکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟ (یہ سن کر مجلس نبوی میں موجود صحابہؓ میں سے) ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں؟" (نسائیؒ)

تشریح: "اللہ عزوجل کی کتاب" سے قرآن کریم کی یہ آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ تا وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا مراد ہے۔

اس آیت میں یہاں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ ایک ساتھ تین طلاقیں نہ دینی چاہئیں بلکہ متفرق طور پر دینی چاہئیں وہیں وَلَا تَتَّخِذُوْا الآیۃ کے ذریعہ یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو لہو ولعب کی طرح بے وقعت مت سمجھو، چنانچہ آپ ﷺ نے اسی آیت کی طرف اشارہ فرمایا کہ متفرق طور پر طلاق دینے کی بجائے ایک ساتھ تینوں طلاقیں دینا حق تعالیٰ کے حکم ومنشاء کی خلاف ورزی ہے اور یہ خلاف ورزی گویا حق تعالیٰ کے احکام کے ساتھ استہزاء ہے۔ کیونکہ جس شخص نے حق تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا اس نے درحقیقت اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ اس کی نظر میں حکم خداوندی کی کوئی وقعت نہیں ہے کہ اس پر عمل نہ کرنا اور کرنا دونوں برابر ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین طلاق ایک ساتھ دینا بدعت وحرام ہے۔ اور اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کسی شخص کے اس فعل پر غضب ناک ہوتے تھے۔ جو گناہ ومعصیت کا باعث ہوتا تھا، حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تین طلاق ایک ساتھ دینا حرام نہیں ہے بلکہ خلاف اولیٰ ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ تین طلاقیں؛ یک ساتھ نہ دینے میں فائدہ یہ ہے۔ کہ ایک طلاق کے بعد شاید اللہ تعالیٰ خاوند کے دل کو اس کی بیوی کی طرف مائل کردے اور اس کے فیصلہ میں کوئی ایسی خوشگوار تبدیلی آجائے کہ وہ رجوع کرلے اور ان دونوں کے درمیان مستقل جدائی کی نوبت نہ آئے۔

علماء کے اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا (یعنی تجھ پر تین طلاق ہے) تو آیا اس کی بیوی پر ایک طلاق پڑے گی یا تین طلاق واقع ہوں گی چنانچہ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام احمدؒ اور جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں پڑیں گی جب کہ طاؤس اور بعض اہل ظاہر یہ کہتے ہیں کہ ایک طلاق پڑے گی۔

ایک صحابیؓ کا یہ کہنا کہ "میں اس شخص کو قتل نہ کردوں" اس بناء پر تھا کہ رسول کریم ﷺ نے اس شخص کو کتاب اللہ کے ساتھ استہزاء کرنے والا کہا تھا جو کفر ہے اور اگر کوئی مسلمان کفر کی حد میں داخل ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے حالانکہ ان صحابیؓ نے یہ نہیں جانا کہ رسول کریم ﷺ نے اس شخص کے بارہ میں جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں وہ زجر وتوبیخ پر مبنی ہیں ان کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔

(۱۹) وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اِنِّي طَلَّقْتُ امْرَاَتِي مِائَةَ تَطْلِيْقَةٍ فَمَاذَا تَرٰى عَلَيَّ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طُلِّقَتْ مِنْكَ بِثَلَاثٍ وَسَبْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اتَّخَذْتَ بِهَا اٰيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا۔ (رواه فی الموطا)

"اور حضرت مالکؒ راوی ہیں کہ ان تک یہ حدیث پہنچی کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں اس بارہ میں آپ کیا کہتے ہیں؟ (یعنی کیا میری بیوی پر طلاق پڑگئی ہے یا نہیں) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "کہ وہ عورت تین طلاقوں کے ذریعہ تم سے جدا ہوگئی اور جو ستانوے طلاقیں باقی بچیں ان کے ذریعہ تم نے (گویا) اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا مذاق اڑایا۔" (موطا)

تشریح: اوپر کی حدیث میں جس آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ تا وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا کا ذکر کیا گیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ تم نے اس طرح طلاق دے کر گویا حکم خداوندی کی خلاف ورزی کی ہے۔

اللہ کے نزدیک طلاق ایک بری چیز ہے

(۲۰) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاذُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الْعِتَاقِ وَلَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ۔ (رواه الدار قطنی)

"اور حضرت معاذ ابن جبلؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا "معاذ! اللہ تعالیٰ روئے زمین پر جتنی (مستحب) چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سے اس کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ چیز غلام ولونڈی کو آزاد کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر جتنی (حلال) چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سے اس کے نزدیک سب سے زیادہ بری چیز طلاق دینا ہے۔" (دار قطنی)

تشریح: غلام ولونڈی کو آزاد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے ایک انسان کو اس کا پیدائشی اور فطری حق ملتا ہے اس کو ایک ایسی مخلوق کی غلامی سے نجات حاصل ہو جاتی ہے جو انسان ہونے کی حیثیت سے اسی کے مرتبہ کے برابر ہے اور وہ اپنے پروردگار کی عبادت و اطاعت کے لئے فارغ ہو جاتا ہے نیز اس کا مالک (جس نے اسے آزاد کیا ہے) اپنے اس ایثار و فراخ حوصلگی کی وجہ سے دوزخ کی آگ سے پروانہ نجات حاصل کرتا ہے۔

"بری طلاق" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ طلاق بہت بری ہے جو کسی حاجت و ضرورت کے بغیر محض اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے دی گئی ہو چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ بعض حالات میں طلاق دینا مستحب بھی ہے مثلاً اگر عورت نماز نہ پڑھتی ہو اور بدکار ہو تو اسے طلاق دینا ہی بہتر ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ اگر کسی کی بیوی نماز نہ پڑھتی ہو تو اسی لائق ہے کہ اسے طلاق دے دی جائے اگرچہ اس شخص کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ اس کا مہر ادا کر سکے۔

ابو حفص بخاریؒ کا یہ قول منقول ہے کہ اگر کوئی بندہ اس حال میں خدا سے ملاقات کرے (یعنی اس کا انتقال ہو جائے) کہ اس کی گردن پر اس کی بیوی کا مہر ہو تو وہ میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ وہ ایک ایسی بیوی سے صحبت کرے جو نماز نہ پڑھتی ہو۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح کرنا عبادت کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرنے سے افضل ہے۔

بَابُ الْمُطَلَّقَةِ ثَلٰثًا

جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کا بیان

جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کا حکم اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ اس عورت کو اگر اس کا خاوند کہ جس نے اسے تین طلاقیں دی پھر اپنی بیوی بنا کر رکھنا چاہے تو اس صورت میں ممکن ہے جب کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے اس سے ہمبستر ہو پھر وہ مرد اس کو طلاق دے اور وہ عورت اپنی عدت کے دن پورے کر کے از سر نو پہلے خاوند سے نکاح کرے ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہی وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لئے حلال ہوگی۔

مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں بَابُ الْمُطَلَّقَةِ ثَلٰثًا کے بعد یہ عبارت بھی لکھی ہے کہ وَفِيهِ ذكر الظهار والايلاء یعنی اس باب میں ظہار اور ایلاء کا ذکر بھی کیا گیا ہے، ظہار اور ایلاء کے معنی اور ان کے کچھ مسائل انشاء اللہ آگے مذکور ہوں گے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حلالہ کا صحیح ہونا دوسرے خاوند کے جماع کرنے پر موقوف ہے

(۱) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ مْرَاَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنِّيْ كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِيْ فَبَتَّ طَلَاقِيْ فَتَزَوَّجْتُ بَعْدَهُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ الزَّبِيْرِ وَمَا مَعَهُ اِلَّا مِثْلُ هُدْبَةِ الثَّوْبِ فَقَالَ اَتُرِيْدِيْنَ اَنْ تَرْجِعِيْ اِلٰى رِفَاعَةَ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَا حَتّٰى تَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) رفاعہؓ قرظیؓ کی عورت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں رفاعہؓ کے نکاح میں تھی مگر انہوں نے مجھے طلاق دے دی اور طلاقیں بھی تین دیں چنانچہ میں نے رفاعہؓ بعد عبدالرحمن بن زبیر سے نکاح کر لیا لیکن عبدالرحمن کپڑے کے پھندنے کی مانند رکھتے ہیں (یعنی اس عورت نے از راہ شرم و حیاء عبدالرحمن کی نامردی کو کنایۃً ان الفاظ کے ذریعہ

بیان کہ وہ عورت کے قابل نہیں ہیں آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کیا تم پھر رفاعہؓ کے پاس جانا چاہتی ہو؟ اس نے عرض کیا کہ "ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا "تم اس وقت تک رفاعہؓ سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ عبدالرحمٰن تمہارا مزہ نہ چکھ لے اور تم اس کا مزہ نہ چکھ لو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تمہارا دوسرا شوہر تمہارے ساتھ جماع نہ کرے (اور پھر اس کی طلاق کے بعد تم عدت کے دن پورے نہ کر لو) تم اپنے سابق خاوند یعنی رفاعہؓ سے نکاح نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ یہ حدیث مشہور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حلالہ یعنی سابق خاوند کے واسطے حلال ہونے کے لئے کسی دوسرے مرد سے محض نکاح کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ مجامعت بھی ضروری ہے البتہ مجامعت میں صرف دخول کافی ہے انزال شرط نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

محلل اور محلل لہ، پر آنحضرت ﷺ کی طرف سے لعنت

(۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَلِیٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ۔

"حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے محلل اور محلل لہ، پر لعنت فرمائی ہے۔ (دارمیؒ) ابن ماجہؒ نے اس روایت کو حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: فرض کیجئے دو شخص ہیں ایک کا نام زید ہے اور دوسرے کا نام بکر ہے، زید نے اپنی بیوی خالدہ کو تین طلاقیں دے دیں ہیں اور اس کی عدت کے دن پورے ہوگئے ہیں اب زید پھر چاہتا ہے کہ وہ خالدہ کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لائے۔ لہٰذا دوسرا شخص یعنی بکر خالدہ سے اس شرط یا ارادہ کے ساتھ نکاح کرتا ہے کہ جماع کے بعد خالدہ کو طلاق دے دی جائے گی تاکہ خالدہ کا پہلا شوہر زید کہ جس نے اس کو تین طلاقیں دی تھیں اس سے دوبارہ نکاح کر سکے اور خالدہ کا پہلا شوہر محلل لہ (یعنی جس کے لئے حلالہ کیا گیا) کہلائے گا۔

حدیث میں انہی دونوں کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی ہے حلالہ کرنے والے پر لعنت فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے زبان سے تحلیل کی شرط کا اظہار و اقرار کرنے کے بعد اور محض جدائی اختیار کرنے کے قصد سے اس عورت سے نکاح کیا جب کہ نکاح اس لئے شروع ہوا ہے کہ اس کے ذریعہ مرد و عورت ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے رفیق حیات اور دمساز رہیں، لہٰذا اس صورت میں نہ صرف یہ کہ نکاح کے اصل مقصد و منشا پر زد پڑتی ہے بلکہ عورت کی حرمت و عزت بھی مجروح ہوتی ہے اسی لئے ایک حدیث میں اس کو مستعار بکری سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اور محلل لہ، یعنی پہلے خاوند پر لعنت فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت حال اور اس نکاح کا اصل باعث وہی بنا ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس صورت میں عقد باطل ہوتا ہے بلکہ حدیث کے الفاظ سے ثابت یہ ہوتا ہے۔ کہ عقد صحیح ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث میں اس نکاح کرنے والے کو محلل کہا گیا ہے اور یہ ایک ظاہر بات ہے کہ کوئی شخص محلل اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ عقد صحیح ہو عقد فاسد سے محلل نہیں ہوتا لہٰذا ثابت ہوا کہ اس ارشاد گرامی میں "لعنت" کا حقیقی مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ یہاں مراد محلل اور محلل لہ کی خساست طبع کو ظاہر کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ یہ ایک قبیح فعل ہے جس کو کوئی سلیم الطبع انسان پسند نہیں کر سکتا ہے۔

حلالہ کے مکروہ تحریمی ہونے کی صورت: ہدایہ اور فقہ کی دیگر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حلالہ کو زبان سے مشروط کیا گیا ہو یعنی

محلل اس عورت سے کہ جس کو اس کا خاوند تین طلاقیں دے چکا ہو یہ کہے کہ میں تم سے اس لئے نکاح کرتا ہوں کہ تمہیں اس خاوند کے لئے کہ جس نے تمہیں طلاق دی ہے، حلال کر دوں۔ (یعنی میں تم سے صرف اس لئے نکاح کرتا ہوں کہ میں جماع کے بعد تمہیں طلاق دے دوں تاکہ تمہارے پہلے خاوند کے لئے تم سے دوبارہ نکاح کرنا حلال ہو جائے) یا وہ عورت محلل سے یوں کہے کہ میں تم سے اس لئے نکاح کرتی ہوں کہ میں اپنے پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جاؤں تو اس صورت میں حلالہ مکروہ تحریمی ہوگا۔ ہاں اگر زبان سے یہ نہ کہا جائے مگر نیت میں یہ بات ہو تو پھر محلل نہ قابل مواخذہ ہوگا اور نہ لعنت کا مورد ہوگا کیونکہ اس صورت میں یہی کہا جائے گا کہ اس کا مقصد دراصل اصلاح احوال ہے۔

ابن ہمامؒ نے کہا ہے کہ اس عورت نے کہ جس کو تین طلاقیں دی جا چکی ہیں غیر کفو سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا اور پھر اس نے اس کے ساتھ جماع بھی کر لیا۔ تو اس صورت میں وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی، چنانچہ فتویٰ اسی قول پر ہے۔

ایلاء کا مسئلہ

(۳) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ أَدْرَكْتُ بِضْعَةَ عَشَرَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَقُوْلُ يُوْقَفُ الْمُؤْلِي۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت سلیمان ابن یسارؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ صحابیوں کو پایا ہے وہ سب یہ فرمایا کرتے تھے کہ ایلاء کرنے والے کو ٹھہرایا جائے۔" (شرح السنۃ)

تشریح: "ایلاء" اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مرد یہ قسم کھائے کہ میں چار مہینہ یا اس سے زائد (مثلاً پانچ مہینہ یا چھ مہینہ) تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا لہٰذا اگر اس مرد نے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو اس صورت میں اکثر صحابہؓ کے قول کے مطابق اس مرد کی بیوی پر محض چار مہینے گزر جانے سے طلاق نہیں پڑے گی بلکہ ایلاء کرنے والے کو "ٹھہرایا" جائے گا یعنی حاکم وقاضی اس کو محبوس کرے گا اور اس سے یہ کہے گا۔ کہ یا تو اپنی عورت سے رجوع کرو۔ یعنی اس سے جماع کر لو اور اپنی قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ دو یا اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ چنانچہ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہی ہے نیز حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ مرد، حاکم وقاضی کی اس بات پر عمل نہ کرے یعنی نہ تو عورت سے رجوع کرے اور نہ طلاق دے تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دے دے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے اس صورت میں اگر اس مرد نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس کا ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ مگر اس پر قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ لازم آئے گا اور اگر اس نے جماع نہ کیا یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔ ایلاء کے دیگر مسائل اور اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ظہار کا حکم

(۴) وَعَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ أَنَّ سُلَيْمَانَ ابْنَ صَخْرٍ وَّيُقَالُ لَهُ سَلَمَةُ ابْنُ صَخْرٍ الْبَيَاضِيُّ جَعَلَ امْرَأَتَهُ عَلَيْهِ كَظَهْرِ أُمِّهِ حَتّٰى يَمْضِيَ رَمَضَانُ فَلَمَّا مَضٰى نِصْفٌ مِنْ رَمَضَانَ وَقَعَ عَلَيْهَا لَيْلًا فَأَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ لَا أَجِدُهَا قَالَ فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا أَسْتَطِيْعُ قَالَ أَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا أَجِدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِفَرْوَةَ بْنِ عَمْرٍو أَعْطِهِ ذٰلِكَ الْعَرَقَ وَهُوَ مِكْتَلٌ يَأْخُذُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا أَوْ سِتَّةَ عَشَرَ صَاعًا لِيُطْعِمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ نَحْوَهُ قَالَ كُنْتُ امْرَأً أُصِيْبُ مِنَ النِّسَاءِ مَالَا يُصِيْبُ غَيْرِيْ وَفِيْ

رَوَايَتِهِمَا أَغْنِي أَبَادَاوُدَ وَالدَّارِمِيَّ فَاَطْعِمْ وَسْقًا مِنْ تَمْرٍ بَيْنَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا۔

"اور حضرت ابو سلمہؓ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) سلمانؓ ابن صخر نے کہ جن کو سلمہ ابن صخر بیاضی کہا جاتا تھا اپنی بیوی کو اپنے لئے اپنی ماں کی پشت کی مانند قرار دیا تاوقتیکہ رمضان ختم ہو (یعنی انہوں نے بیوی سے یوں کہا کہ ختم رمضان تک کے لئے تو مجھ پر میری ماں کی پشت کے مثل ہے گویا اس طرح انہوں نے اپنی بیوی کو رمضان کے ختم تک کے لئے اپنے اوپر حرام قرار دیا) مگر ابھی آدھا ہی رمضان گزرا تھا کہ انہوں ایک رات اپنی بیوی سے صحبت کرلی پھر (جب صبح ہوئی تو) وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا بیان کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ایک غلام آزاد کر دو" انہوں نے عرض کیا کہ میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا" آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا" دو مہینے یعنی پے در پے روزے رکھو۔ انہوں نے عرض کیا کہ "مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے" (کیونکہ حکم خداوندی تو یہ ہے کہ دو مہینے مسلسل اس طرح روزے رکھے جائیں کہ ان مہینوں میں جماع سے کلیۃً اجتناب کیا جائے اور میں اپنے جنسی ہیجان کی وجہ سے اتنے دنوں تک جماع سے باز نہیں رہ سکتا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ" انہوں نے عرض کیا کہ میں اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے (ایک اور صحابی) حضرت فروہ ابن عمروؓ سے فرمایا کہ "ان کو کھجوروں کا فرق دے دو (فرق کھجور کے درخت کے پتوں سے بنے ہوئے تھیلے چھابے) کو کہتے ہیں جس میں پندرہ صاع یا سولہ صاع (یعنی تقریباً ساڑھے باون سیر یا چھپن سیر) کھجوریں سماتی ہیں۔" (ترمذی) اور ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ اور دارمیؒ نے اس روایت کو سلیمان ابن یسارؓ سے اور انہوں نے حضرت سلمہ ابن صخرؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے جس میں حضرت سلمہؓ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں اپنی عورتوں سے اس قدر قربت کیا کرتا تھا کہ کوئی شخص میری برابر قربت نہیں کرتا تھا (چنانچہ جنسی ہیجان کے اتنے زیادہ غلبہ ہی کی وجہ سے میں اپنی بیوی سے صحبت کرنے سے نہ رک سکا) اور ان دونوں یعنی ابوداؤدؒ اور دارمیؒ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، فرمانے کی جگہ) یہ فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق کھجوریں کھلاؤ۔"

تشریح: اس حدیث میں ظہار کا حکم بیان کیا گیا ہے "ظہار" اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو یا اس جسم کے کسی ایسے عضو کو کہ اس کو بول کر پورا بدن مراد لیا جاتا ہو اور یا اس کے جسم کے کسی ایسے حصہ کو جو شائع (غیر متعین) ہو محرمات ابدیہ (یعنی ماں بہن اور پھوپھی وغیرہ) کے جسم کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کی طرف نظر کرنا حلال نہ ہو، جیسے وہ اپنی بیوی سے یوں کہے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہو، یا تمہارا سر یا تمہارے بدن کا نصف حصہ میری ماں کی پیٹھ یا پیٹ کے مانند ہے یا میری ماں کی ران کے مانند ہے یا میری بہن یا میری پھوپھی کی پیٹھ کے مانند ہے اس طرح کہنے سے اس بیوی سے جماع کرنا یا ایسا کوئی بھی فعل کرنا جو جماع کا سبب بنتا ہے جیسے مساس کرنا یا بوسہ لینا اس وقت تک کے لئے حرام ہو جاتا ہے جب تک کہ کفارہ ظہار ادا نہ کر دیا جائے اور اگر کسی شخص نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لیا تو اس پر پہلے کفارہ کے علاوہ کچھ اور واجب نہیں ہوگا ہاں اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور پھر جب تک کفارہ ادا نہ کرے دوبارہ جماع نہ کرے۔

یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ ظہار صرف بیوی سے ہوتا ہے اور بیوی خواہ آزاد عورت ہو اور خواہ کسی کی لونڈی ہو اسی طرح خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ یعنی عیسائی و یہودی ہو، ظہار کے باقی مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھنے چاہئیں۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ حَتّٰی يَنْقَضِيَ رمضان (جب تک کہ رمضان ختم ہو) کہ ظہار موقت صحیح ہو جاتا ہے اور قاضی خانؒ نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص موقت (یعنی کسی متعین مدت و عرصہ کے لئے) ظہار کرتا ہے تو وہ اسی وقت ظہار کرنے والا ہو جاتا ہے اور جب وہ متعینہ عرصہ گزر جاتا ہے تو ظہار باطل ہو جاتا ہے۔

محقق علام حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ظہار کرے اور مثلاً جمعہ کے دن استثناء کر دے تو صحیح نہیں ہوتا اور اگر ایک دن یا ایک مہینہ کے لئے ظہار کرے (یعنی کسی مدت متعین کے لئے ظہار کرے) تو اس مدت کی قید لگانی صحیح ہے اور پھر اس مدت کے گزر

جانے کے بعد ظہار باقی نہیں رہتا۔

اَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا یعنی ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ سے دونوں باتیں مراد ہیں کہ یا تو تم ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دو یا ان میں سے ہر ایک کو صدقہ فطر کی مقدار کے برابر کچا اناج یا اس کی قیمت دے دو۔ اور جس طرح کفارہ ادا کرنے کے لئے غلام آزاد کرنے کی صورت میں جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے یا کفارہ ادا کرنے کے لئے دو مہینے کے روزے رکھنے کی صورت میں جماع سے پہلے دو مہینے مسلسل روزے رکھنا ضروری ہے اس طرح ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی جماع کرنے سے پہلے ضروری ہے۔

حدیث کے اس جملہ "تاکہ یہ ساٹھ مسکینوں کو کھلادیں" کے بارے میں بظاہر ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ نے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کے لئے حضرت سلمہ ابن صخرؓ کو جو کھجوریں دلائیں ان کی مقدار خود روایت کی وضاحت کے مطابق پندرہ یا سولہ صاع تھی اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسکین کو ایک ایک صاع دینا واجب نہیں ہے جب کہ فقہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ اگر کھجوریں دی جائیں تو صدقہ فطر کی مقدار کے برابر یعنی ایک ایک صاع دی جائیں۔

گویا حدیث کے اس جملہ اور فقہی حکم میں تعارض واقع ہو گیا لیکن اگر اس جملہ کا یہ ترجمہ کیا جائے کہ "تاکہ یہ ان کھجوروں کو ساٹھ مسکینوں کو کھلانے میں صرف کریں" تو پھر کوئی تعارض باقی نہیں رہے گا کیونکہ اس طرح اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کھجوروں میں اپنے پاس سے بھی کھجوریں ملا کر ساٹھ مسکینوں میں تقسیم کر دو۔

اس کے علاوہ ابوداؤد، دارمی کی دوسری روایت کے یہ الفاظ کہ "ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق کھجوریں کھلاؤ" بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ اس جملہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ صرف یہی کھجوریں ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کھجوروں میں اپنے پاس سے کھجوریں ملا کر ایک وسق کی مقدار پوری کر لو اور پھر ہر ایک مسکین کو ایک ایک صاع کھجور دے دو، واضح رہے کہ ایک وسق ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے۔

اگر اظہار کرنے والا کفارہ دینے سے پہلے جماع کر لے تب بھی ایک ہی کفارہ واجب ہو گا

⑤ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُظَاهِرِ يُوَاقِعُ قَبْلَ اَنْ يُكَفِّرَ قَالَ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت سلیمان ابن یسارؒ (تابعی) حضرت سلمہؓ ابن صخر سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس ظہار کرنے والے کے بارہ میں کہ جو کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لے فرمایا کہ اس پر ایک ہی کفارہ واجب ہو گا" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص ظہار کرے اور پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لے تو اس پر بھی ایک ہی کفارہ واجب ہو گا لیکن بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لینے کی صورت میں دو کفارے واجب ہو جاتے ہیں۔

اگر کوئی شخص اپنی ایک سے زائد دو یا تین اور چار بیویوں سے ظہار کرے یعنی ان سب سے یوں کہے کہ تم سب مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی مانند حرام ہو تو اس صورت میں متفقہ طور پر تمام علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص ان سب سے ظہار کرنے والا ہو جاتا ہے البتہ اس بارہ میں اختلافی اقوال ہیں کہ اس پر کفارہ ایک واجب ہو گا یا کئی واجب ہوں گے۔

چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو اس پر کئی کفارے واجب ہوں گے یعنی وہ ان بیویوں میں سے جس کسی کے ساتھ بھی جماع کا ارادہ کرے گا، پہلے کفارہ ادا کرنا واجب ہو گا، حسنؒ، زہریؒ اور ثوریؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے جب کہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس پر ایک ہی کفارہ واجب ہو گا یعنی وہ پہلے ایک کفارہ ادا کر دے اس کے بعد ہر

بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑥ وَعَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلاً ظَاهَرَ مِنِ امْرَاَتِهٖ فَغَشِيَهَا قَبْلَ اَنْ يُكَفِّرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَالِكَ لَهٗ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلٰى ذَالِكَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْتُ بَيَاضَ حَجْلَيْهَا فِي الْقَمَرِ فَلَمْ اَمْلِكْ نَفْسِيْ اَنْ وَقَعْتُ عَلَيْهَا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَهٗ اَنْ لَا يَقْرَبَهَا حَتّٰى يُكَفِّرَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ وَرَوٰى اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ مُسْنَدًا وَمُرْسَلاً وَقَالَ النَّسَائِيُّ الْمُرْسَلُ اَوْلٰى بِالصَّوَابِ مِنَ الْمُسْنَدِ۔

"حضرت عکرمہؒ، حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لیا، اس کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے یہ واقعہ ذکر کیا آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ "کس چیز نے تمہیں ایسا کرنے پر آمادہ کیا (یعنی کیا وجہ پیش آئی کہ تم کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر بیٹھے) اس نے عرض کیا کہ "چاندنی میں اس کی پازیب کی سفیدی پر میری نظر پڑ گئی اور میں جماع کرنے سے پہلے اپنے آپ کو روک نہ سکا" (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ ہنس دیئے۔ اور اس کو یہ حکم دیا کہ اب دوبارہ اس سے اس وقت تک جماع نہ کرنا جب تک کفارہ ادا نہ کرو۔ (ابن ماجہؒ) ترمذی نے بھی اسی طرح کی (یعنی اس کے ہم معنی) روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے، نیز ابوداؤد، اور نسائیؒ نے اس طرح کی روایت مسند اور مرسل نقل کی ہے اور نسائیؒ نے کہا ہے کہ مسند کی بہ نسبت مرسل زیادہ صحیح ہے۔"

بَابٌ

گزشتہ باب کے متعلقات کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

کفارۂ ظہار میں جو بردہ آزاد کیا جائے، اس کا مؤمن ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

① عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ جَارِيَةً كَانَتْ تَرْعٰى غَنَمًا لِيْ فَجِئْتُهَا وَقَدْ فَقَدَتْ شَاةً مِنَ الْغَنَمِ فَسَاَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ اَكَلَهَا الذِّئْبُ فَاَسِفْتُ عَلَيْهَا وَكُنْتُ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَعَلَيَّ رَقَبَةٌ اَفَاُعْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ اللّٰهُ؟ فقالت في السماء فقال من انا؟ فقالت انت رسول اللّٰه فقال رسول اللّٰه ﷺ اَعْتِقْهَا رَوَاهُ مَالِكٌ وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَ كَانَتْ لِيْ جَارِيَةٌ تَرْعٰى غَنَمًا لِيْ قِبَلَ اُحُدٍ وَالْجَوَّانِيَّةِ فَاطَّلَعْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَاِذَا الذِّئْبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِنَا وَاَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ اٰسَفُ كَمَا يَاْسَفُوْنَ لٰكِنْ صَكَكْتُهَا صَكَّةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَظَّمَ ذَالِكَ عَلَيَّ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُعْتِقُهَا قَالَ ائْتِنِيْ بِهَا فَاَتَيْتُهٗ بِهَا فَقَالَ لَهَا اَيْنَ اللّٰهُ قَالَتْ فِي السَّمَاءِ قَالَ مَنْ اَنَا قَالَتْ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اَعْتِقْهَا فَاِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ۔

"حضرت معاویہ ابن حکمؓ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ میری ایک لونڈی ہے جو

میرا ریوڑ چراتی ہے میں جب اس کے پاس گیا اور ریوڑ میں اپنی ایک بکری کم پائی، تو میں نے اس سے بکری کے بارہ میں پوچھا کہ وہ کیا ہوئی؟ اس نے کہا کہ بھیڑیا لے گیا مجھ کو اس پر غصہ آ گیا اور چونکہ میں بنی آدم میں سے ہوں (یعنی ایک انسان ہوں اور انسان بتقاضائے بشریت مغلوب الغضب ہو جاتا ہے) اس لئے میں نے اس لونڈی کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا اور اس وقت (کفارۂ ظہار، یا کفارہ قسم کے طور پر اور یا کسی اور سبب سے) مجھ پر ایک بردہ (یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام آزاد کرنا واجب ہے تو کیا میں اسی لونڈی کو آزاد کر دوں (تاکہ میرے ذمہ سے وہ کفارہ بھی ادا ہو جائے اور اس کو تھپڑ مار دینے کی وجہ سے میں جس ندامت و شرمندگی میں مبتلا ہوں اس سے بھی نجات پا جاؤں) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) اس لونڈی کو طلب فرمایا (اور اس سے) پوچھا کہ "بتاؤ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں، پھر آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں" اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اس کو آزاد کر دو" (مالکؒ) مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ "حضرت معاویہؓ نے کہا کہ میری ایک لونڈی تھی جو احد پہاڑ اور جوانیہ کے اطراف میں میرا ریوڑ چرایا کرتی تھی (جوانیہ احد پہاڑ کے قریب ہی ایک جگہ کا نام ہے) ایک دن جو میں نے اپنا ریوڑ دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ بھیڑیا میری ایک بکری کو ریوڑ میں سے اٹھا کر لے گیا ہے میں بنی آدم کا ایک مرد ہوں اور جس طرح (کسی نقصان و اتلاف کی وجہ سے) اولاد آدم کو غصہ آجاتا ہے اسی طرح مجھے بھی غصہ آ گیا (چنانچہ اس غصہ کی وجہ سے میں نے چاہا کہ اس لونڈی کو خوب ماروں) لیکن میں اس کو ایک ہی تھپڑ مار کر رہ گیا پھر میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (اور آپ ﷺ کے سامنے یہ سارا ماجرا بیان کیا) آنحضرت ﷺ نے اس واقعہ کو میرے حق میں ایک امر اہم جانا اور فرمایا کہ "تم نے یہ بڑا گناہ کیا ہے" میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! تو کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں؟" آپ ﷺ نے فرمایا اس کو میرے پاس بلاؤ۔ میں اس لونڈی کو آنحضرت ﷺ کے پاس بلا لایا، آنحضرت ﷺ نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے اس نے جواب دیا کہ "آسمان میں" پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ "میں کون ہوں؟" اس نے کہا کہ "آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "اس لونڈی کو آزاد کر دو کیونکہ یہ مسلمان ہے!۔"

تشریح: اس باب میں اس حدیث کو نقل کرنے سے مصنف کتاب کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ ظہار میں بطور کفارہ جو بردہ (یعنی غلام یا لونڈی) آزاد کیا جائے اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے لیکن حنفی مسلک میں چونکہ یہ ضروری نہیں ہے اس لئے حنفیہ اس حدیث کو افضلیت پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک اس حدیث کی مراد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ کفارۂ ظہار میں آزاد کیا جانے والا بردہ اگر مسلمان ہو تو افضل اور بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ ان الفاظ کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کا مقصد اللہ تعالیٰ کے مکان کے بارہ میں سوال نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو مکان و زمان کی قید سے پاک ہے بلکہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ سوال کرنا تھا کہ بتاؤ اللہ تعالیٰ کا حکم کہاں جاری و ساری ہے اور اس کی بادشاہت و قدرت کس جگہ ظاہر و باہر ہے اور اس سوال کی ضرورت یہ تھی کہ اس وقت عرب کے کفار بتوں ہی کو معبود جانتے تھے اور جاہل لوگ ان بتوں کے علاوہ اور کسی کو معبود نہیں جانتے تھے لہٰذا آپ ﷺ نے یہ جاننا چاہا کہ آیا یہ لونڈی موحدہ یا مشرکہ ہے گویا آپ ﷺ کی مراد دراصل ان بے شمار معبودوں کی نفی کرنی تھی جو زمین پر موجود تھے نہ کہ آسمان کو اللہ تعالیٰ کا مکان ثابت کرنا تھا چنانچہ جب اس لونڈی نے مذکورہ جواب دیا تو آنحضرت ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ یہ موحدہ ہے مشرکہ نہیں ہے۔

مالکؒ کی روایت میں تو حضرت معاویہؓ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک بردہ آزاد کرنا مجھ پر کسی اور سبب سے واجب ہے تو کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں؟ تاکہ وہ کفارہ بھی ادا ہو جائے جو واجب ہے اور اس کو مارنے کی وجہ سے مجھے جو پشیمانی اور شرمندگی ہے وہ بھی جاتی رہے لیکن مسلمؒ نے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اس لونڈی کو محض اس وجہ سے آزاد کرنا چاہا کہ انہوں نے اس کو غصہ میں مار دیا تھا۔

گویا دونوں روایتوں کے مفہوم میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو ان دونوں میں قطعاً کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ

مالکؒ کی روایت میں تو اس مفہوم کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ یوں تو کسی اور سبب سے مجھ پر بردہ آزاد کرنا واجب ہے لیکن مارنے کی وجہ سے بھی اس کو آزاد کرنا میرے لئے ضروری ہو گیا ہے تو اگر میں اس کو آزاد کر دوں تو ان دونوں سبب کا تقاضا پورا ہو جائے گا، اس کے برخلاف مسلمؒ کی روایت اس بارہ میں مطلق ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ مسلمؒ کی روایت کا مطلق مفہوم مالکؒ کی روایت کے مقید مفہوم پر محمول ہے یعنی مسلمؒ کی روایت کے الفاظ کا مطلب بھی وہی ہے جو مالکؒ کی روایت کے الفاظ کا ہے کہ اگر میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں تو کیا دونوں سبب پورے ہو جائیں گے یا نہیں؟

کفارۂ ظہار کے کچھ مسائل: حنفی مسلک کے مطابق ظہار کے کفارہ میں سب سے پہلا درجہ بردہ (لونڈی یا غلام) کو آزاد کرنے کا ہے بردہ خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا اور خواہ کانا و بہرا ہو لیکن اسی قدر بہرا ہو کہ اگر اس کو بآواز بلند مخاطب کیا جائے تو سن لے اور اگر کوئی ایسا بردہ ہو کہ اس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کٹا ہوا ہو تو اس کو آزاد کرنا بھی درست ہو گا بشرطیکہ یہ دونوں عضو مختلف جانب کے کٹے ہوئے ہوں مثلاً اگر دایاں ہاتھ کٹا ہوا ہو تو پیر بایاں کٹا ہوا ہو اسی طرح اس مکاتب کو آزاد کرنا بھی درست ہے جس نے اپنا بدل کتابت کچھ بھی ادا نہ کیا ہو۔

جو بردہ گونگا ہو یا ایسا بہرا ہو کہ سرے سے کچھ سن ہی نہ سکتا ہو (خواہ اسے کتنی ہی بلند آواز میں مخاطب کیا جائے) تو اس کو آزاد کرنے سے کفارۂ ظہار ادا نہیں ہو گا، اسی طرح جس بردہ کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں یا دونوں پیر یا دونوں پیروں کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں یا ایک ہاتھ اور ایک پیر دونوں ایک ہی طرف کے کٹے ہوئے ہوں مثلاً دایاں ہاتھ بھی کٹا ہوا ہو اور دایاں پیر بھی کٹا ہوا ہو تو ایسے بردہ کو آزاد کرنا بھی کافی نہیں ہو گا، ایسا بردہ جو مجنون ہو (یعنی جس پر ہمیشہ دیوانگی طاری رہتی ہو) یا جو مدبر یا اُم ولد ہو یا ایسا مکاتب ہو جس نے بدل کتابت میں سے کچھ ادا کر دیا ہو تو ان میں سے بھی کسی کو آزاد کرنے سے کفارۂ ظہار ادا نہیں ہو گا۔

دوسرا درجہ پے در پے روزے رکھنے کا ہے یعنی اگر ظہار کرنے والے کو بردہ نہ ملے تو پھر وہ دو مہینے مسلسل روزے رکھے اس طور پر کہ ان دونوں مہینوں میں نہ تو رمضان کا مہینہ آئے اور نہ وہ دن آئیں جن میں روزہ رکھنا ممنوع ہے جیسے عید اور بقر عید کا دن اور ایام تشریق اور جب تک روزے ختم نہ ہو جائیں (یعنی دو مہینے کے مسلسل روزے پورے نہ ہو جائیں) تب تک عورت سے صحبت نہ کرے اگر روزے ختم ہونے سے پہلے اس عورت سے (کہ جس سے ظہار کیا ہے) صحبت کر لی تو اب سب روزے پھر سے رکھے چاہے دن میں اس عورت سے صحبت کی ہو یا رات میں اور چاہے قصداً ایسا کیا ہو یا بھولے سے سب کا ایک ہی حکم ہے اسی طرح اگر کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر روزہ افطار کر لیا تو بھی از سر نو سب روزے رکھے۔

تیسرا درجہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا ہے یعنی اگر کوئی شخص مذکورہ بالا شرائط و قیود کے ساتھ روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر وہ ساٹھ مسکینوں اور فقیروں کو دو وقت کھانا کھلائے یا ان کو کچا اناج دیدے کچا اناج دینے کی صورت یہ ہے کہ ہر مسکین و فقیر کو نصف صاع (پونے دو سیر یعنی ایک کلو ۶۳۳ گرام) گیہوں یا ایک صاع ساڑھے تین سیر یعنی تین کلو ۲۶۶ گرام جو یا کھجوریں یا ان میں سے کسی ایک مقدار کی قیمت دے دے اسی طرح اگر ان میں سے کوئی چیز دینے کی بجائے دو چیزیں دی جائیں تو بھی جائز ہے مثلاً چودہ چھٹانک یعنی ۸۱۷ گرام گیہوں کے ساتھ پونے دو سیر یعنی ایک کلو ۶۳۳ گرام جو دیا جا سکتا ہے۔

کفارہ میں اباحت جائز ہے: "اباحت" کا مطلب یہ ہے کہ کھانا پکا کر فقیر کے سامنے رکھ دیا جائے تاکہ وہ اس میں سے جس قدر کھانا چاہے کھا لے، چنانچہ یہ اباحت کفارات اور (رمضان کے روزے کے بدلہ میں دیئے جانے والے) فدیہ میں تو جائز ہے لیکن صدقات واجبہ مثلاً زکوٰۃ وغیرہ میں جائز نہیں ہے کیونکہ صدقات واجبہ یعنی زکوٰۃ وغیرہ میں فقیر کو مال کا مالک بنا دینا ضروری ہے اس وضاحت کے بعد اب سمجھئے کہ ظہار کے کفارہ میں ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے خواہ ایک ہی دن میں دو وقت یعنی دوپہر اور رات میں کھلا دیا جائے۔ اسی طرح "کھلانے" میں پیٹ بھرنے کا اعتبار ہے خواہ کتنے ہی تھوڑے کھانے میں ان کا پیٹ بھر جائے جہاں تک کھانے

کی نوعیت کا سوال ہے تو اس کا انحصار کھلانے والے کی حیثیت و استطاعت پر ہے کہ وہ جیسا کھانا کھلا سکتا ہو کھلائے اگر کھانے میں جو کی روٹی ہو تو اس کے ساتھ سالن ہونا ضروری ہے البتہ گیہوں کی روٹی کے ساتھ سالن ضروری نہیں ہے اگر دو وقت ساٹھ فقیروں کو کھلانے کی بجائے ایک ہی فقیر کو ساٹھ دن تک دونوں وقت کھلائے تو بھی جائز ہے لیکن ایک ہی فقیر کو ایک ہی دن ساٹھ فقیروں کا کھانا دے دیا تو یہ جائز نہیں ہوگا اس صورت میں صرف ایک ہی دن کا ادا ہوگا۔

ظہار کرنے والے نے اگر کھانا کھلانے کے درمیان جماع کر لیا تو اس صورت میں اگرچہ وہ گنہ گار ہوگا مگر از سر نو کھانا کھلانا نہ پڑے گا۔ اگر کسی شخص پر دو ظہار کے دو کفارے واجب ہوں اور وہ ساٹھ فقیروں کو مثلاً گیہوں نصف صاع فی کفارہ کا اعتبار کر کے ایک ایک صاع دے تو دونوں ظہار کا کفارہ ادا نہیں ہوگا بلکہ ایک ہی ظہار کا کفارہ ادا ہوگا۔ ہاں اگر کسی شخص پر ایک ایک کفارہ تو ظہار کا اور ایک کفارہ روزہ توڑنے کا واجب ہو اور وہ ہر فقیر کو ایک ایک صاع گیہوں دے تو یہ جائز ہوگا اور دونوں کفارے ادا ہو جائیں گے۔

بَابُ اللِّعَانِ

لعان کا بیان

لعان کے معنی و تعریف: لِعَانٌ اور مُلَاعَنَۃٌ کے معنی ہیں "ایک دوسرے پر لعنت کرنا" شرعی اصطلاح میں "لعان" اس کو کہتے ہیں کہ جب شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا جو بچہ پیدا ہوا اس کے بارہ میں یہ کہے کہ یہ میرا نہیں نہ معلوم کس کا ہے اور بیوی اس سے انکار کرے اور کہے کہ تم مجھ پر تہمت لگا رہے ہو پھر وہ قاضی اور شرعی حاکم کے پاس فریاد کرے، قاضی شوہر کو بلا کر اس الزام کو ثابت کرنے کے لئے کہے چنانچہ اگر شوہر گواہوں کے ذریعہ ثابت کر دے تو قاضی اس کی بیوی پر زنا کی حد جاری کرے اور اگر شوہر چار گواہوں کے ذریعہ الزام ثابت نہ کر سکے تو پھر قاضی پہلے شوہر کو اس طرح کہلائے کہ "میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے جو زنا کی نسبت اس کی طرف کی ہے اس میں سچا ہوں" عورت کی طرف اشارہ کر کے چار دفعہ شوہر اسی طرح کہے پھر پانچویں دفعہ عورت کی طرف اشارہ کر کے یہ کہے کہ میں نے اس عورت کی طرف زنا کی جو نسبت کی ہے اگر میں اس میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔

جب شوہر پانچویں دفعہ کہہ چکے تو بیوی مرد کی طرف اشارہ کر کے چار دفعہ اس طرح کہے "میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ اس نے میری طرف جو زنا کی نسبت کی ہے اس میں یہ جھوٹا ہے" پھر پانچویں دفعہ مرد کی طرف اشارہ کر کے یوں کہے کہ "اس مرد نے میری طرف جو زنا کی نسبت کی ہے اگر اس میں یہ سچا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب ٹوٹے۔"

جب دونوں اس طرح ملاعنت کریں تو حاکم دونوں میں جدائی کرا دے گا اور ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور وہ عورت اس مرد کے لئے ہمیشہ کو حرام ہو جائے گی ہاں اگر اس کے بعد مرد خود اپنے کو جھٹلائے (یعنی یہ اقرار کرے کہ میں نے عورت پر جھوٹی تہمت لگائی تھی) تو اس صورت میں اس پر حد تہمت جاری کی جائے گی۔ اور عورت سے پھر نکاح کرنا اس کے لئے درست ہو جائے گا۔ لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر مرد خود اپنے کو جھٹلائے تب بھی عورت اس کے لئے ہمیشہ کو حرام رہے گی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

دربار رسالت میں لعان کا ایک واقعہ

(۱) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ قَالَ اِنَّ عُوَيْمِرَ الْعَجْلَانِيَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَاَتِهٖ رَجُلًا اَيَقْتُلُهٗ فَيَقْتُلُوْنَهٗ اَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اُنْزِلَ فِيْكَ وَصَاحِبَتِكَ فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا

قَالَ سَعْدٌ فَتَلَا عَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَاَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا فَرَغَا قَالَ عُوَيْمِرٌ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ اَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْظُرُوْا فَاِنْ جَاءَتْ بِهِ اَسْحَمَ اَدْعَجَ الْعَيْنَيْنِ عَظِيْمَ الْاَلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَلَا اَحْسِبُ عُوَيْمِرًا اِلَّا قَدْ صَدَقَ عَلَيْهَا وَاِنْ جَاءَتْ بِهِ اُحَيْمِرَ كَاَنَّهٗ وَحَرَةٌ فَلَا اَحْسِبُ عُوَيْمِرًا اِلَّا قَدْ كَذَبَ عَلَيْهَا فَجَاءَتْ بِهٖ عَلَى النَّعْتِ الَّذِيْ نَعَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ تَصْدِيْقِ عُوَيْمِرٍ فَكَانَ بَعْدُ يُنْسَبُ اِلٰى اُمِّهٖ۔ (متفق علیہ)

"حضرت سہل ابن سعد ساعدیؓ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) عویمر عجلانیؓ نے (دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! مجھے اس شخص کے بارہ میں بتایئے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے (اور اسے یہ یقین ہو کہ اس مرد نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے) کیا وہ اس مرد کو قتل کر ڈالے؟ اگر وہ اس کو مار ڈالے گا تو مقتول کے وارث اس کو قتل کر دیں گے ایسی صورت میں وہ کیا کرے (آیا اس عار پر صبر کرے یا کوئی اقدام کرے؟) رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر اس سے فرمایا کہ "تم میاں بیوی کے قضیہ میں وحی نازل کی گئی ہے۔ جاؤ اپنی بیوی کو بلا لاؤ" حضرت سہلؓ کہتے ہیں کہ عویمرؓ اپنی بیوی کو بلا لائے اور میاں بیوی نے (مسجد نبوی میں لعان کیا اور میں بھی اس وقت دوسرے لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس ہی موجود تھا چنانچہ جب وہ دونوں میاں بیوی لعان سے فارغ ہوئے تو عویمرؓ (یعنی میاں نے کہا کہ اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے اس کے بعد انہوں نے اس عورت کو تین بار طلاق دی پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر یہ عورت (اپنے موجودہ حمل سے) ایسا بچہ جنے جس کا رنگ سیاہ آنکھیں بہت کالی ہوں، کولہے بڑے ہوں اور دونوں پنڈلیوں کا گوشت بھرا ہو تو میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھوں گا کہ عویمرؓ نے اس عورت کے بارہ میں جو کہا ہے سچ کہا ہے (کیونکہ عویمرؓ نے جس مرد کی طرف زنا کی نسبت کی وہ اسی رنگ و صورت کا ہے اور جب اسی کی شباہت کا بچہ پیدا ہو گا تو یہی کہا جائے گا کہ وہ اسی کے نطفہ سے ہے) اور اگر اس عورت نے ایسا بچہ جنا جس کا رنگ سرخ ہو اور بامنی کے رنگ کا معلوم ہوتا ہو تو پھر میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھوں گا کہ عویمرؓ نے اس کے بارہ میں جھوٹ بولا ہے" (یعنی عویمرؓ چونکہ سرخ رنگ کے ہیں اس لئے بچہ کی رنگت بھی سرخ ہوئی تو سمجھا جائے گا کہ بچہ عویمرؓ ہی کے نطفہ سے ہے اور عویمرؓ نے اپنی بیوی کو جھوٹی تہمت لگائی ہے) چنانچہ جب اس عورت کا بچہ پیدا ہوا تو وہ اسی رنگ و صورت کا تھا جس کو رسول کریم ﷺ نے عویمرؓ کی تصدیق کے لئے ذکر کیا تھا (یعنی وہ بچہ اسی مرد کی شباہت کا تھا جس کی طرف سے عویمرؓ نے زنا کی نسبت کی تھی گویا عویمر کی بات سچ ثابت ہوئی) اس کے بعد وہ بچہ (آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق) اپنی ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اگر کوئی شخص کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ منہ کالا کرتا ہوا پائے اور وہ شخص اس مرد کو جان سے مار ڈالے تو اس کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا وہ شخص (جس نے اپنی بیوی کے ساتھ منہ کالا کرنے والے کو جان سے مار ڈالا ہے) اسلامی قانون کے مطابق قصاص یعنی سزا موت کا مستوجب ہے یا نہیں؟ چنانچہ جمہور علماء کا قول یہی ہے کہ اس کو سزائے موت دی جائے ہاں اگر وہ شخص اس بات کے ثبوت میں کہ مقتول نے اس کی بیوی کے ساتھ منہ کالا کیا تھا چار گواہ پیش کرے یا خود مقتول کے ورثاء اس بات کا اقرار کر لیں تو اس صورت میں اس کو سزائے موت نہیں دی جائے گی تاہم یہ ملحوظ رہے کہ اگر چار پیش نہ کرنے یا مقتول کے ورثاء کے اقرار نہ کرنے کی صورت میں اسے سزائے موت دے دی گئی تو واقع کے اعتبار سے وہ سچا تھا تو خدا کے نزدیک گنہ گار نہیں سمجھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی ہے کا مطلب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ الاية۔ (النساء ۲۴: ۶،۷)

"اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (ہی دعوی کے) اور کوئی گواہ نہ ہو تو ان کی شہادت (جو کہ ان کو حد قذف سے بچا سکتی ہے) یہی ہے وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے بیشک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔ (آخر تک)۔"

بعض مفسرینؒ کے قول کے مطابق یہ آیات کریمہ ۹ ہجری کے ماہ شعبان میں نازل ہوئی ہیں، ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لعان کے بارہ میں مذکورہ بالا آیت حضرت عویمرؓ کے واقعہ پر نازل ہوئی ہے اور اسلام میں سب سے پہلا لعان انہی کی طرف سے ہوا تھا جب کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ایک دوسرے صحابیؓ حضرت ہلال ابن امیہؓ کے بارہ میں نازل ہوئی تھی اور اسلام میں سب سے پہلے ہلالؓ ہی نے لعان کیا ہے چنانچہ آگے حضرت ابن عباسؓ کی جو روایت آئے گی اس سے یہی ثابت ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں ارشاد گرامی "تم میاں بیوی کے قضیہ میں وحی نازل کی گئی ہے" کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے قضیہ جیسے ایک قضیہ میں وحی نازل کی گئی ہے۔"

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ آیت دونوں ہی کے بارہ میں نازل ہوئی ہو جس کی صورت یہ ہوئی ہوگی کہ پہلے ان میں سے کسی ایک نے آنحضرت ﷺ سے اپنے بارہ میں سوال کیا ہوگا پھر بعد میں دوسرے کا قضیہ پیش آیا ہوگا اور اس نے بھی آنحضرت ﷺ سے سوال کیا ہوگا یہاں تک کہ ان دونوں کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن ان دونوں میں حضرت ہلالؓ نے پہلے لعان کیا۔

"گویا میں نے اس پر جھوٹ تہمت لگائی ہے" یہ حضرت عویمرؓ نے دراصل تین طلاق دینے کا سبب بیان کیا کہ اس صورت حال کے بعد بھی اگر میں اس عورت کو اپنے نکاح میں رکھوں اور طلاق نہ دوں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ میں نے اس کی طرف زنا کی جھوٹی نسبت کی ہے کیونکہ اس کو نکاح میں رکھنے کا مطلب یہی ہوگا کہ گویا میں نے جو کچھ کہا ہے سب جھوٹ ہے اور یہ عورت بدکاری کے گناہ سے پاک ہے۔

لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق کا مسئلہ

(۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَنَ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَاَتِهٖ فَانْتَفٰى مِنْ وَلَدِهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَاَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْاَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ حَدِيْثِهٖ لَهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَظَهٗ وَذَكَّرَهٗ وَاَخْبَرَهٗ اَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا اَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ ثُمَّ دَعَاهَا فَوَعَظَهَا وَذَكَّرَهَا وَاَخْبَرَهَا اَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا اَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص اور اس کی بیوی کے مابین لعان کا حکم فرمایا چنانچہ (اس لعان کی وجہ سے) وہ شخص اس عورت کے بچہ سے دور ہو گیا، (یعنی بچہ کا نسب اس شخص سے ہٹا دیا گیا نیز آنحضرت ﷺ نے میاں بیوی کے درمیان تفریق (جدائی) کرا دی اور بچہ کو عورت کے حوالہ کر دیا۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) اور حضرت ابن عمرؓ کی ایک اور روایت میں جو بخاری و مسلم ہی نے نقل کی ہے یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو نصیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا (تاکہ وہ جھوٹ نہ بولے اور عورت اپنے الزام کو ناحق ثابت نہ کرے) اور اس کو اس بات سے آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب، آخرت کے عذاب سے سہل ہے پھر آپ ﷺ نے عورت کو بلایا، اس کو بھی نصیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا اور آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے سہل ہے۔"

تشریح: "تفریق کرا دی" کا مطلب یہ ہے کہ لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق (جدائی) حاکم و قاضی کے حکم ہی سے ہوتی ہے۔ نہ کہ محض لعان سے۔ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہی ہے نیز ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر نفس لعان ہی سے تفریق واقع ہو جاتی تو پھر تین طلاقیں کیوں دی جاتیں جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گزرا کہ حضرت عویمرؓ نے لعان کے بعد اپنی بیوی کو تین طلاق

دی۔

دنیا کے عذاب سے مراد "حد یعنی شرعی سزا" ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر مرد کسی عورت کو (چاہے وہ اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو) زنا کی تہمت لگائے اور اس کی تہمت جھوٹی ثابت ہو جائے تو شرعی قانون کے مطابق اس پر حد جاری کی جائے گی یعنی اس کو ایک پاکدامن عورت پر زنا کی جھوٹ تہمت لگانے کے جرم میں اسی کوڑے مارے جائیں گے اور اگر وہ مرد سچا ثابت ہو جائے یعنی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ اس عورت نے بدکاری کرائی ہے تو پھر اس عورت پر حد جاری ہوگی کہ شادی شدہ ہونے کی صورت میں اس کو سنگسار کر دیا جائے گا اور غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں سو کوڑے مارے جائیں گے اس صورت میں یہ امکان ہو سکتا ہے کہ مرد نے کسی غلط فہمی کی بناء پر یا کسی خاص جذبہ کے تحت عورت کو تہمت لگا دی ہو اور پھر اسے یہ یقین ہو گیا ہو کہ میں نے عورت پر جو الزام لگایا ہے وہ بے بنیاد ہے مگر اب اس خوف سے کہ ایک پاکدامن عورت پر جھوٹی تہمت لگائی تھی یا یہ کہ واقعۃً عورت نے بدکاری کرائی ہو مگر اس خوف سے کہ میں سنگسار کر دی جاؤں گی یا سو کوڑے ماری جاؤں گی اپنے اس گناہ کا اعتراف و اقرار نہیں کرتی بلکہ ملاعنت پر تیار ہو جاتی ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس امکانی صورت کے خلاف دونوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں دنیا کا عذاب (یعنی یہاں کی سزا) کہیں آسان اور سہل ہے اس لئے جو صورت حال ہو اور جو سچ بات ہو اس کا اعتراف و اقرار کر لو اور اس دنیا کے آسان عذاب کو اختیار کر کے آخرت کے سخت ترین عذاب سے بچو۔

لعان کرنے والوں کا محاسبہ آخرت میں ہوگا

(۴) وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْمُتَلَاعِنَيْنِ حِسَابُكُمَا عَلَى اللّٰهِ اَحَدُكُمَا كَاذِبٌ لَا سَبِيْلَ لَكَ عَلَيْهَا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَالِي قَالَ لَا مَالَ لَكَ اِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَاِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ اَبْعَدُ وَاَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے لعان کرنے والے مرد و عورت سے فرمایا (ہم صرف ظاہری احوال و وجوہ کی بنیاد ہی پر کوئی حکم نافذ کر سکتے ہیں اور وہ ہم نے لعان کی صورت میں نافذ کر دیا ہے البتہ) تمہارا تمہارا حساب خدا کے ہاں ہوگا کیونکہ (نفس الامر اور حقیقت کے اعتبار سے) تم دونوں میں سے کوئی ایک ضرور جھوٹا ہے (پھر آپ ﷺ نے مرد سے فرمایا کہ) اب عورت کے بارہ میں تمہارے لئے کوئی راہ نہیں ہے (یعنی لعان کے بعد اب اس عورت کے ساتھ رہنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ یہ تمہارے لئے ہمیشہ حرام ہوگئی ہے) مرد نے عرض کیا "یارسول اللہ! اور میرا مال (یعنی میں نے اس عورت کو جو مہر دیا ہے کیا وہ مجھ سے جاتا رہے گا؟) آپ ﷺ نے فرمایا اس مال پر تمہارا کوئی حق نہیں۔ (یعنی دیئے ہوئے مہر کو واپس لینے کا تمہیں کوئی حق حاصل نہیں کیونکہ) اگر تم نے اس عورت کے بارہ میں سچ کہا ہے (یعنی تمہارے کہنے کے مطابق اگر اس عورت نے واقعۃً بدکاری کرائی ہے) تو وہ مال اس چیز کا بدلہ ہو گیا کہ تم نے اس کی شرم گاہ کو حلال کیا ہے اگر تم نے اس عورت کے بارہ میں جھوٹ بولا ہے تو وہ اس صورت میں مہر کا واپس لے لینا اس سے بھی بعید ہے اور تم سے بھی بہت بعید ہے (یعنی جب سچ کی صورت میں مہر کو واپس لینے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے تو جھوٹ کی صورت میں تو بدرجہ اولیٰ تمہیں وہ مہر واپس نہ لینا چاہئے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: تمہارا حساب خدا کے ہاں ہوگا کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں تو ہم نے تمہارے اس تنازعہ کو لعان کی صورت میں ختم کرا دیا ہے مگر تم دونوں کا حقیقی محاسبہ آخرت میں ہوگا کہ وہاں تمہارے معاملہ کی تحقیق کی جائے گی اور پھر تم میں سے جو جھوٹا ہوگا اس کو اس کی سزا اللہ تعالیٰ دے گا۔

"تو وہ مال اس چیز کا بدل ہو گیا الخ" اس بات کی دلیل کہ لعان کرنے والا مہر واپس نہ لے بشرطیکہ اس عورت کے ساتھ اس نے

دخول کیا ہو، چنانچہ اس بارہ میں تمام علماء کا متفقہ طور پر یہی مسلک ہے البتہ عدم دخول کے بارہ میں اختلافی اقوال ہیں حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ اگر لعان کرنے والے نے اس عورت کے ساتھ دخول نہ کیا ہو تو اس صورت میں وہ آدھے مہر کی حقدار ہوگی۔

آیت لعان کا شان نزول

④ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ هِلَالَ بْنَ اُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَاَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرِيْكِ بْنِ سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيِّنَةَ اَوْ حَدًّا فِيْ ظَهْرِكَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا رَاٰى اَحَدُنَا عَلٰى اِمْرَاَتِهِ رَجُلًا يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْبَيِّنَةُ وَاِلَّا حَدٌّ فِيْ ظَهْرِكَ فَقَالَ هِلَالٌ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ اِنِّيْ لَصَادِقٌ فَلَيُنْزِلَنَّ اللّٰهُ مَا يُبَرِّئُ ظَهْرِيْ مِنَ الْحَدِّ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ وَاَنْزَلَ عَلَيْهِ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ فَقَرَاَ حَتّٰى بَلَغَ اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ فَجَاءَ هِلَالٌ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ اَنَّ اَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ فَلَمَّا كَانَتْ عِنْدَ الْخَامِسَةِ وَقَّفُوْهَا وَقَالُوْا اِنَّهَا مُوْجِبَةٌ قَالَ بْنُ عَبَّاسٍ فَتَلَكَّاَتْ وَنَكَصَتْ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهَا تَرْجِعُ ثُمَّ قَالَتْ لَا اَفْضَحُ قَوْمِيْ سَائِرَ الْيَوْمِ فَمَضَتْ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْصِرُوْهَا فَاِنْ جَاءَتْ بِهِ اَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ سَابِغَ الْاَلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لِشَرِيْكِ ابْنِ سَحْمَاءَ فَجَاءَتْ بِهِ كَذَالِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا مَا مَضٰى مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ لَكَانَ لِيْ وَلَهَا شَاْنٌ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) ہلال ابن امیہؓ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنی بیوی پر شریکؓ ابن سحماء صحابی کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی (یعنی ہلالؓ نے کہا کہ شریک ابن سحماء نے میری بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے) نبی کریم ﷺ نے (ہلالؓ سے) فرمایا کہ "(اپنے الزام کے ثبوت میں) گواہ پیش کرو ورنہ (جھوٹی تہمت لگانے کے جرم میں) تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی (یعنی اسی کوڑے مارے جائیں گے) ہلالؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری میں مبتلا دیکھے تو کیا وہ گواہ ڈھونڈھنے چلا جائے (یعنی اول تو ایسی صورت میں اتنا موقع کہاں کہ کسی کو گواہ کرے پھر یہ کہ کسی کو گواہ کرنے کی وہ جگہ کیا ہے) لیکن نبی کریم ﷺ یہی فرمائے جارہے تھے کہ گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی پھر ہلالؓ نے عرض کیا کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں سچا ہوں مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا حکم ضرور نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ کو حد سے بری رکھے گا، آخر کار (کچھ ہی عرصہ بعد) حضرت جبرئیل تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ پر یہ آیتیں نازل کی گئی ہیں والذین یرمون ازواجهم الایة (یعنی اور جو لوگ کہ اپنی بیویوں کو تہمت لگاتے ہیں الخ پھر اس کے بعد کی آیتوں ان کان من الصادقین تک تلاوت کی، اس کے بعد ہلالؓ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور گواہی دی (یعنی لعان کی جو تفصیل پیچھے بیان کی جا چکی ہے اس کے ساتھ انہوں نے پانچ مرتبہ گواہی کے ذریعہ لعان کیا) اور نبی کریم ﷺ فرماتے تھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں تم سے کوئی ایک جھوٹا ہے سو تم میں سے کون ہے جو توبہ کرے اس کے بعد ہلالؓ کی بیوی کھڑی ہوئی اور لعان کیا (یعنی چار مرتبہ اپنی پاکدامنی کی شہادت دی) اور جب وہ پانچویں مرتبہ گواہی دینے چلی تو (صحابہؓ نے) اس کو روکا اور کہا کہ اچھی طرح سوچ سمجھ لو) یہ پانچویں گواہی (تم دونوں کے درمیان جدائی کو) واجب کردے گی۔ (یا اگر تم جھوٹی ہوگی تو آخرت کے عذاب کو واجب کردے گی) ابن عباسؓ کہتے ہیں (یہ سن کر) وہ عورت ٹھہر گئی اور پیچھے ہٹی (یعنی وہ پانچویں مرتبہ کچھ گواہی دینے میں متامل ہوئی) جس سے ہمیں یہ گمان ہوا کہ یہ اپنی بات سے پھر جائے گی لیکن پھر اس نے کہا کہ میں (لعان سے بچ کر اور اپنے خاوند کے الزام کی تصدیق کرکے) اپنی قوم کو ساری عمر کے لئے رسوا نہیں کروں گی (یہ کہہ کر) اس نے پانچویں گواہی کو بھی پورا کردیا (اس طرح جب لعان پورا ہو گیا اور

آنحضرت ﷺ نے دونوں میاں بیوی کے درمیان جدائی کرادی تو) آپ نے فرمایا "اس کو دیکھتے رہنا اگر اس نے ایسے بچہ کو جنم دیا جس کی آنکھیں سرمگی کولہے بھاری اور پنڈلیاں موٹی ہوں تو وہ بچہ شریک ابن سحماء کا ہوگا (کیونکہ شریک اسی طرح کے ہیں) چنانچہ جب اس عورت نے ایسے ہی بچہ کو جنم دیا (جو شریک کے مشابہ تھا) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اگر کتاب اللہ کا مذکورہ حکم نہ ہوتا (جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لعان کرنے والوں پر حد و تعزیر جاری نہیں ہوگی) تو پھر میں اس عورت کے ساتھ دوسرا ہی معاملہ کرتا (یعنی شریک کے ساتھ اس بچہ کی مشابہت اس عورت کی بدکاری کا ایک واضح قرینہ ہے۔ اس لئے اس کی اس بدکاری پر میں اس کو ایسی سزا دیتا کہ دیکھنے والوں کو بھی عبرت ہوتی)۔" (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت ہلال ؓ نے لعان کیا ہے اور اس موقع پر لعان کے سلسلہ میں مذکورہ آیت نازل ہوئی اس بارہ میں جو تحقیقی تفصیل ہے وہ حضرت سہل ؓ کی روایت کی تشریح میں بیان ہو چکی ہے۔

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے الخ" بظاہر زیادہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات ان دونوں کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد ارشاد فرمائی۔ اور اس ارشاد گرامی کی مراد یہ ہے کہ جو بھی شخص کوئی جھوٹی بات کہے یا کسی پر جھوٹی تہمت لگائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ توبہ کرے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ بات لعان سے پہلے ان دونوں کو جھوٹ کے عواقب سے ڈرانے کے لئے ارشاد فرمائی۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ حاکم و قاضی کسی بھی معاملہ میں اپنے گمان و خیال قرائن اور کسی علامت کی بنیاد پر کوئی حکم نہ دے بلکہ وہی حکم دے جس کا دلائل و شواہد تقاضا کریں۔

زنا کی تہمت چار گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوتی ہے

⑤ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ سَعْدُبْنُ عُبَادَةَ لَوْ وَجَدْتُ مَعَ اَهْلِیْ رَجُلاً لَمْ اَمَسَّهٗ حَتّٰی اٰتِیَ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَ كَلاَّ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ اِنْ كُنْتُ لَاُعَاجِلُهٗ بِالسَّیْفِ قَبْلَ ذَالِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اسْمَعُوْا اِلٰی مَایَقُوْلُ سَیِّدُكُمْ اِنَّهٗ لَغَیُوْرٌ وَّاَنَا اَغْیَرُ مِنْهُ وَاللّٰهُ اَغْیَرُ مِنِّیْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) سعد ؓ نے کہا کہ اگر میں کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے پاس پاؤں تو جب تک کہ چار گواہ فراہم نہ کرلوں اس کو ہاتھ نہ لگاؤں؟ (یعنی نہ اس کو ماروں اور نہ قتل کروں؟) رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہاں" سعد ؓ نے کہا کہ ہرگز نہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ (ﷺ) کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں قبل اس کے کہ چار گواہ فراہم کروں فوری طور پر تلوار سے اس کا خاتمہ کردوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے (حاضرین مجلس کو مخاطب کرکے) فرمایا "سنو! تمہارا سردار (یعنی سعد ؓ) کیا کہہ رہا ہے بلاشبہ وہ غیرت مند ہے میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔" (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا یہ جواب سن کر حضرت سعد ؓ نے جو کچھ کہا اس سے نہ تو آنحضرت ﷺ کے قول کی تردید مقصود تھی اور نہ آنحضرت ﷺ کے حکم کی مخالفت منظور تھی بلکہ انہوں نے اپنی اس بات کے ذریعہ دراصل اپنی طبیعت اور اپنے مزاج کے بارہ میں بتایا۔ کہ میرا حال تو یہ ہے۔ میرے غصہ اور میری غیرت کا یہ عالم ہے کہ اگر میں اپنی بیوی کے پاس کسی غیر مرد کو دیکھ لوں تو اس کو فوراً قتل کر دوں جب کہ اس بارہ میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب تک چار گواہ فراہم نہ کرلو۔ اس کو کچھ نہ کہو۔ تو اس صورت میں میرے لئے کونسا راستہ ہے؟ اس لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد ؓ کی یہ بات سن کر لوگوں کو ان کی طرف متوجہ کیا کہ سنو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے۔ گویا آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد "سنو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے؟" کی مراد حضرت سعد ؓ کے وصف کی تعریف کرنا ہے اور اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ طبیعت و مزاج میں اتنی غیرت کا ہونا بزرگوں کی صفات اور سرداروں کی عادات میں سے ہے اگرچہ اس معاملہ میں

شریعت کا حکم دوسرا ہے جس پر عمل کرنا غیرت مندی کے تقاضا پر عمل کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔

حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ حضرت سعدؓ کی بات کی تقریر (یعنی تائید و توثیق) نہیں فرمائی بلکہ آپ ﷺ نے ان کا عذر بیان کیا، کہ حضرت سعدؓ نے جو بات کہی ہے اور جس سے بظاہر میرے حکم کی مخالفت معلوم ہوتی ہے وہ دراصل ان کی غیر معمولی غیرتمندی کی وجہ سے ان کی زبان سے نکل گئی ہے۔

حضرت مظہرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کا آنحضرت ﷺ کو مذکورہ جواب دینا آنحضرت ﷺ کے حکم کی مخالفت یا آپ ﷺ کے ارشاد کو قبول کرنے سے انکار کر دینے کے طور پر نہیں تھا بلکہ درحقیقت ان کی اس خواہش کے اظہار کے طور پر تھا کہ اگر کوئی غیرت مند کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے پاس پائے۔ تو اس کو قتل کر دینے کی اجازت عطا ہو جائے چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ اجازت دینے سے ایک بلیغ انداز میں انکار کر دیا تو انہوں نے سکوت اختیار کر لیا۔

"غیرت" آدمی کی اندرونی کیفیت و حالت کے اس تغیر کو کہتے ہیں جو اپنے اہل میں کسی ناگوار چیز کو دیکھنے پر پیدا ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کی نسبت اسی معنی کے اعتبار سے محال و ناممکن ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے "غیرت مند" ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے بندوں کو گناہوں سے روکنے والا ہے تاکہ وہ اس کی بارگاہ کی قربت و مقبولیت سے دور نہ جا پڑیں۔

اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں ہے

⑥ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَأَيْتُ رَجُلاً مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفَحٍ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ وَاللّٰهِ لَاَنَا اَغْيَرُ مِنْهُ وَاللّٰهُ اَغْيَرُ مِنِّيْ وَمِنْ اَجْلِ غَيْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ بَعَثَ الْمُنْذِرِيْنَ وَالْمُبَشِّرِيْنَ وَلَا اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ وَعَدَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے یہ کہا کہ اگر میں کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھوں تو میں اس کو تلوار سے ماردوں اور تلوار کی پشت کی جانب سے نہیں بلکہ دھار والی جانب سے ماروں) (حاصل یہ کہ میں تلوار سے اس کا خاتمہ کر دوں) جب رسول کریم ﷺ تک یہ بات پہنچی (کہ سعد اس طرح کہتے ہیں) تو آپ ﷺ نے (صحابہؓ سے فرمایا کہ تمہیں سعدؓ کی اس غیر معمولی) غیرت مندی پر تعجب ہے؟ خدا کی قسم میں یقیناً ان سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے اور اللہ نے اپنی غیرت ہی کی وجہ سے (تمام) گناہوں کو حرام کیا ہے خواہ وہ ظاہری گناہ ہوں یا پوشیدہ گناہ ہوں اور عذر کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں رکھتا اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والوں اور بشارت دینے والوں (یعنی پیغمبروں) کو بھیجا ہے نیز تعریف کرنے کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی پسند نہیں کرتا اور اسی کے سبب اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "اور اللہ تعالیٰ نے اپنی غیرت ہی کی وجہ سے گناہوں کو حرام کیا ہے" یہ جملہ دراصل "اللہ تعالیٰ کی غیرت" کی وضاحت کے لئے ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کے معنی یہ ہیں کہ اس نے لوگوں کو حرام امور اختیار کرنے سے منع کیا ہے اور حرام امور کو اختیار کرنے پر عذاب مقرر کیا ہے چنانچہ اصل میں "غیرت" کا مطلب یہی ہے کہ آدمی اس بات کو ناپسند کرے اور اس پر ناراض ہو کہ کوئی اس کی ملکیت میں تصرف کرے۔

اور "غیرت" کے مشہور معنی یہ ہیں کہ آدمی اس شخص پر غصہ کرے جو اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرے یا اس کو نظر بد سے دیکھے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی "غیرت" یہ ہے کہ وہ اس شخص پر غصہ کرے جو گناہ کا مرتکب ہو۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ "عذر کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں رکھتا" میں "عذر" اعزار یعنی ازالہ عذر کے معنی میں ہے مطلب

یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ عذر ختم کر دینے کو پسند کرتا ہے اس طرح کوئی اور عذر کو ختم کرنے کو پسند نہیں کرتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیغمبروں اور رسولوں کو بھیجا ہے تاکہ اس طرف سے اتمام حجت ہو جائے اور بندوں کو عذر کرنے کا موقع نہ ملے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لِئَلَّا يَكُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ۔

"تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے۔"

"تعریف کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی پسند نہیں کرتا" کا مطلب یہ ہے کہ تعریف کرنے کو جتنا اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اتنا کوئی اور پسند نہیں کرتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف بھی فرمائی ہے اور اپنے محبوب بندوں کی بھی تعریف کی ہے اور ان لوگوں کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ کیا ہے جو اس کی حمد و تعریف کرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔

اللہ کی غیرت کا تقاضا کیا ہے؟

⑦ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَغَارُ وَاِنَّ الْمُؤْمِنَ يَغَارُ وَغَيْرَةُ اللّٰهِ اَنْ لَا يَاْتِيَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تبارک و تعالیٰ غیرت مند ہے اور مؤمن (بھی) غیرت مند ہے (یعنی غیرت دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو مؤمن میں بھی موجود ہے) اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ مؤمن وہ کام نہ کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

محض معمولی علامتوں کی بناء پر اپنے بچہ کا انکار نہ کرو

⑧ وَعَنْهُ اَنَّ اَعْرَابِيًّا اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ امْرَأَتِیْ وَلَدَتْ غُلَامًا اَسْوَدَ وَاِنِّیْ اَنْكَرْتُهٗ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ مِنْ اِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا اَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ هَلْ فِيْهَا مِنْ اَوْرَقَ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لَوُرْقًا قَالَ فَاَنّٰى تُرٰى ذٰلِكَ جَاءَهَا قَالَ عِرْقٌ نَزَعَهَا قَالَ فَلَعَلَّ هٰذَا عِرْقٌ نَزَعَهٗ وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهٗ فِی الْاِنْتِفَاءِ مِنْهُ۔

(متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی نے ایک ایسے بچہ کو جنم دیا ہے جس کا رنگ کالا ہے اور (اس وجہ سے کہ وہ میرا ہم رنگ نہیں ہے) میں نے اس کا انکار کر دیا ہے (یعنی یہ کہہ دیا ہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے) رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں"؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں! ان میں خاکستری رنگ کے بھی ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "تمہارا کیا خیال ہے یہ خاکستری رنگ کے اونٹ کہاں سے آگئے (یعنی ان میں خاکستری رنگ کہاں سے آیا جب کہ ان کے ماں باپ خاکستری رنگ کے نہیں ہیں؟) اس نے عرض کیا "کوئی رگ ہوگی جس نے انہیں کھینچ لیا (یعنی ان کی اصل میں کوئی خاکستری کا رہا ہوگا جس کے مشابہ یہ بھی ہوگئے) آپ ﷺ نے فرمایا "تو پھر یہ بچہ بھی کسی ایسی رگ کے سبب کالا ہوا ہے جس نے اس کو کھینچ لیا ہے (یعنی اس بچہ کی اصل میں بھی کوئی شخص کالے رنگ کا رہا ہوگا جس کے مشابہ یہ بچہ ہوگیا ہے) اور اس طرح آنحضرت ﷺ نے اس دیہاتی کو اس بچہ کا انکار کرنے کی اجازت نہیں دی۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح: طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ محض معمولی اور ضعیف علامتوں کی بنا پر اپنے بچہ کا انکار کرنا یعنی یہ کہنا کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے، ممنوع ہے بلکہ اس صورت میں مضبوط دلائل و وجوہ کا ہونا ضروری ہے مثلاً بیوی سے صحبت نہ کی ہو اور اس کے باوجود بچہ

کی ولادت ہوئی ہو یا صحبت کی ہو مگر صحبت کے بعد چھ مہینہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہوا ہو اور ان صورتوں میں اس بچہ کا انکار کر دینا جائز ہے۔

زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچہ کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا

⑨ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عُتْبَةُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَهِدَ اِلٰى اَخِيْهِ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَنَّ ابْنَ وَلِيْدَةِ زَمْعَةَ مِنِّيْ فَاقْبِضْهُ اِلَيْكَ فَلَمَّا كَانَ عَامُ الْفَتْحِ اَخَذَهُ سَعْدٌ فَقَالَ اِنَّهُ ابْنُ اَخِيْ وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ اَخِيْ فَتَسَاوَقَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَخِيْ كَانَ عَهِدَ اِلَيَّ فِيْهِ وَقَالَ عَبْدُ ابْنُ زَمْعَةَ اَخِيْ وَابْنُ وَلِيْدَةِ اَبِيْ وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ ابْنَ زَمْعَةَ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ ثُمَّ قَالَ بِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ اِحْتَجِبِيْ مِنْهُ لِمَا رَاٰى مِنْ شِبْهِهٖ بِعُتْبَةَ فَمَا رَاٰهَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ هُوَ اَخُوْكَ يَا عَبْدَ ابْنَ زَمْعَةَ مِنْ اَجْلِ اَنَّهٗ وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِ اَبِيْهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ عتبہ ابن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد ابن ابی وقاص کو وصیت کی کہ زمعہ کی لونڈی کا لڑکا میرے نطفہ سے ہے تم اس کو لے لینا چنانچہ فتح مکہ کے سال سعدؓ نے اس لڑکے کو لے لیا اور کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے جب کہ ابن زمعہؓ نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے پھر وہ دونوں اپنا معاملہ رسول کریم ﷺ کے پاس لے گئے اور سعدؓ نے کہا کہ (یہ لڑکا) میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے جو میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے" رسول کریم ﷺ نے (دونوں کی بات سن کر) فرمایا" کہ عبد ابن زمعہؓ! اس بچہ کے تم ہی حقدار ہو کیونکہ بچہ صاحب فراش کی طرف سے منسوب ہوتا ہے اور زانی کے لئے (نسب و میراث سے) محرومی ہے (یا یہ کہ زانی سنگساری کا مستوجب ہے) پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت سودہؓ بنت زمعہؓ سے فرمایا کہ تم اس لڑکے سے پردہ کیا کرو کیونکہ اس میں عتبہ کی شباہت نظر آتی ہے چنانچہ حضرت سودہؓ اس لڑکے کے سامنے (کبھی نہیں آئیں یہاں تک کہ وہ واصل بحق ہو گیا۔ "ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا" عبد ابن زمعہ! وہ لڑکا تمہارا بھائی ہے اس لئے کہ وہ لڑکا ان کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تھا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث میں جو چند نام ذکر ہوئے ہیں پہلے ان کے بارہ میں بتا دینا ضروری ہے تاکہ صورت واقعہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ عتبہ، حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کا حقیقی بھائی تھا حضرت سعدؓ کو تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے بہرہ ور کیا اور وہ ایک جلیل القدر صحابیؓ ہوئے مگر عتبہ کفر کے اندھیرے سے نہ نکل سکا یہاں تک کہ کفر کی حالت میں مر گیا اور یہی وہ بدبخت تھا جس نے غزوہ احد کے موقع پر رحمت دو عالم ﷺ کا دندان مبارک شہید کیا تھا۔ زمعہ حضرت سودہؓ کے باپ تھے اور عبد انُن (زمعہ) کے بیٹے یعنی حضرت سودہؓ کے حقیقی بھائی تھے! حضرت سودہؓ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔

اب حدیث کی طرف آیئے عتبہ نے زمعہ کی لونڈی سے زنا کیا جس کے نتیجہ میں لڑکا پیدا ہوا چونکہ زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ زانی کے دعویٰ پر ولد الزنا (حرامی بچہ) کا نسب اسی زانی سے ثابت ہوتا تھا اس لئے عتبہ نے اس قدیم دستور کے مطابق اس لڑکے کے بارہ میں دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے اور اپنے بھائی حضرت سعدؓ کو وصیت کی کہ تم اس لڑکے کو اپنی تحویل میں لے کر اس کی پرورش کرنا چنانچہ حضرت سعدؓ نے فتح مکہ کے سال اپنے بھائی کی وصیت کے مطابق اس لڑکے کو اپنی تحویل میں لے لیا اور یہ اعلان کیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے، ادھر زمعہ کے بیٹے عبدؓ نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا بھائی ہے کیونکہ اس کو میرے باپ نے اپنی لونڈی سے جنوایا ہے غرضکہ ان دونوں کے درمیان ایک تنازعہ کی صورت ہو گئی تو وہ دونوں اس معاملہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے آنحضرت ﷺ نے عبد ابن زمعہؓ سے فرمایا کہ یہ تمہارا بھائی ہے کیونکہ بچہ کا نسب صاحب فراش ہی سے ثابت ہوتا ہے اور زانی اس سے محروم رہتا ہے۔

ں جملہ الولد للفراش وللعاھر الحجر (بچہ صاحب فراش کی طرف منسوب ہوتا ہے اور زانی کے لئے محرومی ہے) کی تفصیلی

وضاحت باب الوصایا کی پہلی فصل میں حضرت ابوامامہؓ کی روایت کے ضمن میں کی جاچکی ہے۔

ام المؤمنین حضرت سودہؓ کو آنحضرت کے اس حکم کہ (تم اس لڑکے سے پردہ کیا کرو) کا مطلب یہ تھا کہ اگرچہ یہ لڑکا شرعی حکم کے مطابق تمہارا بھائی ہوا بایں طور اس کا نسب تمہارے باپ زمعہ سے ثابت کیا گیا ہے اور یہ بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ شرعی معاملات میں مشابہت اور قیافہ و قرائن کا اعتبار نہیں لیکن وہ لڑکا چونکہ عتبہ کے مشابہ ہے اور عتبہ کے دعویٰ کی وجہ سے اس کا عتبہ کے نطفہ سے ہونا ایک حد تک حقیقت کے مطابق بھی ہے اس لئے احتیاط وورع کا تقاضا یہی ہے کہ تم اس کے سامنے نہ آؤ۔

دوسری روایت کے یہ آخری الفاظ اَنَّهٗ وُلِدَ عَلٰی فِرَاشِ اَبِیْهِ (اس لئے کہ وہ لڑکا ان کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تھا) دراصل حدیث کے راوی کا اپنا قول ہے، یعنی راوی نے ان الفاظ کے ذریعہ یہ واضح کیا کہ آنحضرت ﷺ نے عبدؓ ابن زمعہ کے حق میں یہ حکم کہ "وہ لڑکا تمہارا بھائی ہے" اس لئے صادر فرمایا تھا کہ وہ ان کے باپ (زمعہ) کے بستر پر پیدا ہوا تھا (ان کے بستر پر پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ استقرار حمل اور بچہ کی ولادت کے زمانہ میں وہ لونڈی زمعہ کی ملکیت میں اور ان کے زیر تصرف تھی نیز وہ لڑکا انہی کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔)

اثبات نسب میں قیافہ شناس کا قول معتبر ہے یا نہیں؟

⑩ وَعَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ وَهُوَ مَسْرُوْرٌ فَقَالَ اَیْ عَائِشَةُ اَلَمْ تَرَ اَنَّ مُجَزِّزًا الْمُدْلِجِیَّ دَخَلَ فَلَمَّا رَاٰی اُسَامَةَ وَزَیْدًا وَعَلَیْهِمَا قَطِیْفَةٌ قَدْ غَطَّیَا رُؤُوْسَهُمَا وَبَدَتْ اَقْدَامُهُمَا فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ بہت خوش خوش میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ "عائشہؓ کیا تمہیں معلوم نہیں) (آج مجزز مدلجی (مسجد نبوی میں) آیا اور جب اس نے اسامہؓ اور زیدؓ کو دیکھا جو اس طرح چادر اوڑھے ہوئے لیٹے) تھے اور ان کے سر چھپے ہوئے تھے اور پیر کھلے ہوئے تھے تو اس نے کہا کہ ان دونوں کے پیر ایک دوسرے کے مطابق ہیں! (یعنی یہ پیر جن دو آدمیوں کے ہیں وہ آپس میں باپ بیٹے ہیں۔" (بخاری ومسلمؒ)

تشریح: حضرت زید ابن حارثہؓ جو آنحضرت ﷺ کے متبنی (لے پالک) تھے بہت گورے اور خوبصورت تھے جب کہ ان کے صاحبزادے، حضرت اسامہؓ کالے تھے اور اپنی ماں کے ہم رنگ تھے ان کی ماں جن کا نام اُمّ ایمنؓ تھا ایک لونڈی اور کالے رنگ کی تھیں باپ بیٹے رنگت کے اس فرق کی وجہ سے منافق حضرت اسامہ کے نسب میں عیب لگاتے تھے اور دلیل یہ دیتے تھے کہ ایسے حسین اور خوبصورت باپ کا بیٹا اتنا کالا کیسے ہوسکتا ہے؟ چنانچہ آنحضرت ﷺ منافقوں کی اس بات سے بہت کبیدہ خاطر ہوتے تھے کہ اسی دوران میں یہ واقعہ پیش آیا۔

مجزز مدلجی عرب کا ایک مشہور قیافہ شناس اور اپنے فن میں یگانۂ روزگار تھا، وہ آدمی کی صورت دیکھ کر اس کے حالات و کوائف اور اوصاف و خصوصیات معلوم کر لیا کرتا تھا چنانچہ وہ مسجد نبوی میں آیا اور اس نے حضرت زیدؓ اور حضرت اسامہؓ کے پیر دیکھے تو اس نے علم قیافہ کی رو سے یہ فیصلہ کیا کہ یہ پیر جن دو آدمیوں کے ہیں، ان دونوں کو آپس میں باپ بیٹا ہونا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ اس بات سے بہت خوش ہوئے کیونکہ اہل عرب کے ہاں قیافہ شناس کا قول معتبر تھا اور اس کے فیصلہ کو سند کا درجہ دیا جاتا تھا لہٰذا آنحضرت ﷺ کو یہ بھی اطمینان ہوگیا کہ اب جب کہ اسامہؓ کا نسب اس سند سے ثابت ہوگیا ہے تو منافقین بھی ان کے نسب کے بارہ میں طعن کرنے کی ہمت نہیں کریں گے۔

لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ اس حدیث سے لازم نہیں آتا کہ شرعی احکام اور اثبات نسب میں قیافہ شناس کا قول معتبر ہوتا ہے، چنانچہ حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے، البتہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، اور حضرت امام احمدؒ قیافہ شناس کے قول

کو معتبر مانتے ہیں یہاں تک کہ ان کے مسلک میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی لونڈی دو آدمیوں کی مشترک ملکیت ہو اور اس کے بچہ پیدا ہو اور پھر وہ دونوں شریک اس بچہ کے نسب کا دعویٰ کریں یعنی ہر ایک یہ کہے کہ یہ میرا بچہ ہے تو اس صورت میں ان دونوں کو قیافہ شناس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اور وہ قیافہ شناس اپنے قیافہ کی بنیاد پر جو فیصلہ کرے اس کو قبول کر لینا چاہئے۔ جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں وہ بچہ شرعی حکم کے اعتبار سے دونوں کا ہو گا اگرچہ واقعہ کے اعتبار سے وہ کسی ایک کا ہو گا اور وہ لونڈی دونوں کی اُم ولد ہو گی۔

اپنے باپ کا انکار کرنے والے کے بارہ میں وعید

⑪ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ وَاَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْہِ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ غَیْرُ اَبِیْہِ فَالْجَنَّۃُ عَلَیْہِ حَرَامٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابوبکرہؓ دونوں راوی ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے بجائے کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کرے، اور وہ یہ جانتا بھی ہو کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔" (بخاری و مسلمؒ)

تشریح: "اس پر جنت حرام ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر اپنے باپ کی بجائے کسی دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے اور وہ اس بات کو برا نہیں جانتا بلکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ اپنے نسب میں اس طرح خلط ملط کرنا حلال ہے تو ایک حرام چیز کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے وہ کفر کی حد میں پہنچ گیا اور جب وہ کفر کی حد میں پہنچ گیا اور اسی حال میں مر گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس پر جنت کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند رہیں گے اور اگر وہ شخص کفریہ عقیدہ نہیں رکھتا (یعنی باپ کی بجائے کسی دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کرنے کو حلال نہیں جانتا بلکہ حرام ہی جانتا ہے) تو اس صورت میں "اس پر جنت حرام ہے" کا مطلب یہ ہو گا کہ اس وقت اس پر جنت کے دروازے بند رہیں گے جب تک کہ وہ اپنے اس گناہ کی سزا نہ بھگت لے گا۔

یا پھر یہ کہا جائے گا۔ کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ "اس پر جنت حرام ہے" زجر یعنی تنبیہ کے طور پر ہے جس کا مقصد لوگوں کو اس برائی سے روکنا ہے۔

⑫ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِکُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِیْہِ فَقَدْ کَفَرَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم (غیر شخص سے اپنا نسب جوڑ کر) اپنے باپ سے منہ نہ پھیرو کیونکہ جس شخص نے اپنے باپ سے منہ پھیرا (یعنی اس سے اپنے نسب کا انکار کیا) تو اس نے در حقیقت کفران نعمت کیا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: زمانہ جاہلیت میں یہ ایک عام برائی تھی کہ لوگ اپنے اصل باپ سے اپنے نسب کا انکار کر کے دوسروں کو اپنا باپ قرار دیتے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس برائی سے منع فرمایا۔

اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر اصل باپ کی بجائے کسی غیر شخص سے اپنا نسب قائم کرنا حرام ہے اور اگر کسی شخص نے غیر شخص سے اپنا نسب قائم کرنے کو مباح جانا اور اس کا عقیدہ رکھا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ ایسی چیز کے حلال و مباح ہونے کا عقیدہ رکھنا جس کو پوری امت نے حرام قرار دیا ہے کفر ہے اس صورت میں حدیث کے الفاظ فقد کفر اپنے حقیقی معنی پر محمول ہوں گے۔ اور اگر ایسا کرنے والا مباح ہونے کا یقین نہیں رکھتا تو اس صورت میں کفر کے دو معنی ہوں گے ایک تو یہ کہ "اس شخص نے کفار کے فعل کی مشابہت اختیار کی" دوسرے یہ کہ "اس نے کفران نعمت کیا۔"

وَقَدْ ذُکِرَ حَدِیْثُ عَائِشَۃَ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْیَرُ مِنَ اللّٰہِ فِیْ بَابِ صَلٰوۃِ الْخُسُوْفِ۔

اور حضرت عائشہؓ کی حدیث ماامن احد اغیر من اللہ، باب صلوۃ الخسوف میں نقل کی جا چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

اپنے بچہ کا انکار کرنے والا خدا تعالیٰ کے دیدار سے محروم رہے گا

(۱۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَمَّا نَزَلَتْ اٰیَةُ الْمُلَاعَنَةِ اَیُّمَا امْرَأَةٍ اَدْخَلَتْ عَلٰی قَوْمٍ مَنْ لَیْسَ مِنْهُمْ فَلَیْسَتْ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ وَلَنْ یُدْخِلَهَا اللّٰهُ جَنَّتَهٗ وَاَیُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهٗ وَهُوَ یَنْظُرُ اِلَیْهِ احْتَجَبَ اللّٰهُ مِنْهُ وَفَضَحَهٗ عَلٰی رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ فِی الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے لعان کی آیت نازل ہونے کے موقع پر رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جو عورت کسی کو اس قوم میں داخل کرے جس میں سے وہ نہیں ہے (یعنی کسی عورت نے بدکاری کرائی اور پھر اس بدکاری کے نتیجہ میں بچہ کو جنم دیا اور اس بچہ کو اپنے خاوند کی طرف منسوب کر دیا) تو وہ خدا کے نزدیک کسی درجہ میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو (اپنے مقرب اور نیک بندوں کے ساتھ) ہرگز اپنی جنت میں داخل نہیں کرے گا اور جو شخص اپنے بچہ کا انکار کرے (یعنی اس کی بیوی نے جس بچہ کو جنم دیا ہے۔ اس کے بارہ میں کہے کہ میرا نہیں ہے) درآنحالیکہ وہ اس کی طرف دیکھتا ہے (یعنی وہ جانتا ہے کہ بچہ میرا ہی ہے) تو اللہ تعالیٰ اس سے پردہ کرے گا (یعنی اس کو خدا کا دیدار نصیب نہیں ہوگا) اور اللہ تعالیٰ اس کو تمام اگلے وپچھلے لوگوں میں رسوا کرے گا (یعنی جب میدان حشر میں تمام اگلی پچھلی مخلوق جمع ہوگی تو ان کے درمیان اس کو ذلیل ورسوا کرے گا۔" (ابوداؤد، نسائی، داری)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نہ تو عورت کو چاہئے کہ وہ بدکاری کرائے اور اپنے حرامی بچہ کو اپنے خاوند کی طرف منسوب کرے اور نہ مرد کو چاہئے کہ دیدہ ودانستہ اپنے بچہ کا انکار کرے اور اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے۔

بدکار بیوی کو طلاق دے دینا اولیٰ ہے

(۱۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِیْ امْرَأَةً لَا تَرُدُّ یَدَ لَامِسٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طَلِّقْهَا قَالَ اِنِّیْ اُحِبُّهَا قَالَ فَاَمْسِکْهَا اِذًا۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَقَالَ النَّسَائِیُّ رَفَعَهٗ اَحَدُ الرُّوَاةِ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَحَدُهُمْ لَمْ یَرْفَعْهُ قَالَ وَهٰذَا الْحَدِیْثُ لَیْسَ بِثَابِتٍ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ "میری بیوی کسی چھونے والے ہاتھ کو جھٹکتی نہیں (یعنی جو بھی شخص اس سے بدکاری کا ارادہ کرتا ہے اس کو وہ انکار نہیں کرتی) نبی کریم ﷺ نے فرمایا" اسے طلاق دے دو۔" اس نے عرض کیا" (یہ ممکن نہیں) کیونکہ میں اس سے (بہت) محبت کرتا ہوں" آپ ﷺ نے فرمایا" تو پھر اس کی نگہبانی کرو (تاکہ وہ بدکاری میں مبتلا نہ ہو سکے) ابوداؤد نسائی اور نسائیؒ نے کہا ہے کہ اس روایت کے راویوں میں سے ایک راوی نے تو اس کو حضرت ابن عباسؓ تک پہنچایا ہے اور وصل کیا ہے اور ایک راوی نے اس کو ابن عباسؓ تک نہیں پہنچایا ہے اور وصل نہیں کیا ہے نیز نسائیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے (یعنی یہ حدیث۔ متصل نہیں ہے بلکہ منقطع ہے)۔"

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بدکار بیوی کو طلاق دے دینا اولی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے طلاق دینے کا حکم پہلے دیا اور نگہبانی کرنے کا حکم بعد میں دیا ہاں اگر کسی وجہ سے طلاق دینا آسان نہ ہو مثلاً اس سے اتنی زیادہ محبت ہو کہ اس کو اپنے سے جدا کرنا ناممکن ہو، یا اس کے بطن سے کوئی بچہ ہو جو ماں کی جدائی کو برداشت نہ کر سکتا ہو اور یا اس بیوی کا اپنے اوپر کوئی ایسا قرض و مطالبہ مثلاً مہر

واجب ہو کہ جس کو ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ایسی صورتوں میں جائز ہے کہ اس کو طلاق نہ دے لیکن یہ شرط ہے کہ وہ اس کو بدکاری سے روکے اور اگر وہ اس کو بدکاری سے نہ روک سکا تو پھر طلاق نہ دینے کی صورت میں گنہ گار ہوگا۔

اثبات نسب کے سلسلہ میں ایک واضح ہدایت وضابطہ

⑮ وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى اَنَّ كُلَّ مُسْتَلْحَقٍ اسْتُلْحِقَ بَعْدَ اَبِيْهِ الَّذِيْ يُدْعٰى لَهٗ اِدَّعَاهُ وَرَثَتُهٗ فَقَضٰى اَنَّ كُلَّ مَنْ كَانَ مِنْ اَمَةٍ يَمْلِكُهَا يَوْمَ اَصَابَهَا فَقَدْ لَحِقَ بِمَنِ اسْتَلْحَقَهٗ وَلَيْسَ لَهٗ مِمَّا قُسِمَ قَبْلَهٗ مِنَ الْمِيْرَاثِ شَيْءٌ وَمَا اَدْرَكَ مِنْ مِيْرَاثٍ لَمْ يُقْسَمْ فَلَهٗ نَصِيْبُهٗ وَلَا يُلْحَقُ اِذَا كَانَ اَبُوْهُ الَّذِيْ يُدْعٰى لَهٗ اَنْكَرَهٗ فَاِنْ كَانَ مِنْ اَمَةٍ لَمْ يَمْلِكْهَا اَوْ مِنْ حُرَّةٍ عَاهَرَ بِهَا فَاِنَّهٗ لَا يَلْحَقُ وَلَا يَرِثُ وَاِنْ كَانَ الَّذِيْ يُدْعٰى لَهٗ هُوَ الَّذِيْ اِدَّعَاهُ فَهُوَ وَلَدُ زِنْيَةٍ مِنْ حُرَّةٍ كَانَ اَوْ اَمَةٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ (حکم دینے کا) فیصلہ کیا کہ جس لڑکے کا نسب اس۔ کہ اس باپ کے مرنے کے بعد کہ جس کی طرف نسبت کی گئی ہے، ملایا گیا ہے اور اس کا دعوی، اس باپ کے وارثوں نے کیا ہے (یعنی مثلاً زید کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں نے ایک لڑکے بکر کے بارہ میں کہا کہ یہ زید کا بیٹا ہے، لہٰذا یہ بھی ہماری طرح زید کا وارث ہے) تو (اس کے بارے میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا کہ اگر وہ لڑکا (جس کا نسب ملایا گیا ہے) ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو صحبت کے دن اس کے باپ کی ملکیت میں تھی (یعنی اس لونڈی سے اس کے باپ کا جائز طریقہ پر جماع ہوا ہو) تو وہ اس شخص کے ساتھ نسب میں مل جائے گا۔ جس نے اس کو ملایا ہے (یعنی جو وارث اس کو ملائیں گے وہ ان وارثوں میں مل جائے گا اور ان کے ساتھ میراث کا حقدار ہوگا بایں طور کہ اگر اس کو بھی وارث ملائیں گے تو سب کے حق میں وارث ہوگا اور اگر بعض وارثوں نے ملایا ہوگا تو انہی بعض کے حق میں وارث ہوگا) اور جو میراث اس کو ملانے سے پہلے تقسیم ہو چکی ہوگی اس میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا ہاں جو میراث ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی اس میں سے اس کو حصہ ملے گا۔ اور وہ لڑکا ایسا ہو کہ اس کی نسبت جس باپ کی طرف جاتی ہے اس نے اس کا انکار کر دیا تھا (یعنی اس باپ نے اپنی زندگی میں اس کے اپنا بیٹا ہونے کا انکار کر دیا تھا) تو وہ لڑکا اس کے مرنے کے بعد وارثوں کے ملانے سے نہیں ملے گا اور اس باپ کا وارث نہیں ہوگا اسی طرح اگر وہ لڑکا کسی ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو صحبت کے دن اس باپ کی ملکیت میں نہ رہی ہو (یعنی اس نے کسی دوسرے شخص کی لونڈی سے زنا کیا تھا اور اس زنا کے نتیجہ میں یہ لڑکا پیدا ہوا تھا) یا کسی ایسی آزاد عورت کے بطن سے ہو جس سے اس باپ نے زنا کیا تھا تو وہ لڑکا اس باپ کے وارثوں میں شامل نہیں ہوگا اور نہ اسے میراث ملے گی اگرچہ خود اس شخص (یعنی باپ) نے کہ جس کی طرف اس لڑکے کی نسبت کی جاتی ہے اس کا دعوی کیا ہو۔ (یہ جملہ گویا پہلے حکم کی تاکید کے طور پر ہے کہ وہ لڑکا ولد الزنا ہو تو اس کو اس باپ یعنی زانی کے وارثوں میں کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اگر خود وہ زانی اپنی زندگی میں اس کے نسب کا دعوی کرتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے تب بھی اس کے ساتھ اس لڑکے کا نسب نہ ملتا چہ جائیکہ اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث اس لڑکے کو اپنے میں شامل کریں) لہٰذا وہ لڑکا حرام ہے خواہ وہ لونڈی کے بطن سے ہو یا آزاد عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔" (ابوداؤد)

تشریح: خطابیؒ کہتے ہیں کہ یہ وہ احکام ہیں جو شروع زمانہ اسلام میں آنحضرت ﷺ نے نافذ فرمائے تھے اس زمانہ میں لوگوں کی بدکار لونڈیاں تھیں جو زنا کراتی پھرتی تھیں اور ان کے مالک بھی ان سے صحبت کرتے تھے اور پھر جب ان کے کوئی بچہ ہوتا تو اس کا دعوی مالک بھی کرتا اور زانی بھی، اس قسم کے تنازعہ کو شرعی طور پر ختم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے مذکورہ بالا احکام صادر فرمائے، چنانچہ اس بارہ میں آپ ﷺ نے جو شرعی ضابطہ مقرر فرمایا اور جس کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص زید کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد زید کے وارثوں کا یہ دعوی تسلیم کر لیا جائے گا اور اس لڑکے کا نسب زید سے قائم کر کے اس کی میراث کا حصہ دار قرار دے دیا جائے گا۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہوگا جب کہ وہ لڑکا کسی ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو زید کی ملکیت میں رہی ہو اور زید کا

اس کے ساتھ جائز طور پر جماع ہوا ہو، یا وہ کسی آزاد عورت کے بطن سے ہو جو زید کے نکاح میں رہی ہو، اور خود زید نے بھی اپنی زندگی میں یہ اقرار و اعلان کیا ہو کہ یہ میرا لڑکا ہے۔

پھر جیسا کہ حدیث میں وضاحت ہے یہ لڑکا انہی وارثوں کے حق میں حصہ دار ہو گا جنہوں نے مذکورہ بالا دعویٰ کیا ہو اگر سب ہی وارثوں نے یہ دعویٰ کیا ہو گا وہ لڑکا سب وارثوں کے حق میں حصہ دار ہو گا اور اگر بعض وارثوں نے دعویٰ کیا ہو گا تو صرف انہی بعض وارثوں کے حق میں حصہ دار ہو گا۔ نیز یہ لڑکا صرف اس میراث میں حصہ دار ہو گا جو ابھی تقسیم نہیں ہوئی ہے جو میراث اس دعویٰ سے پہلے تقسیم ہو چکی ہو گی اس میں اسے کوئی حصہ نہیں ملے گا اور اگر یہ صورت ہو کہ زید نے اپنی زندگی میں اس لڑکے کے نسب کا انکار کر دیا یعنی یہ کہا تھا کہ یہ لڑکا میرا نہیں ہے تو پھر اس کے مرنے کے بعد اگر اس کے وارث اس لڑکے کو اپنے میں شامل کرنا چاہیں تو وہ شامل نہیں ہو سکے گا اور نہ اس کو زید کی میراث میں سے کوئی حصہ ملے گا۔

اگر اسی طرح وہ لڑکا کسی ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو زید کی ملکیت میں نہیں تھی (جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں زمعہ کے بیٹے کے بارہ میں گزر چکا ہے یا کسی ایسی آزاد عورت کے بطن سے جو زید کے نکاح میں نہیں تھی یعنی وہ لڑکا زید کے زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوا تو اس صورت میں بھی وہ زید کے وارثوں میں شامل نہیں ہو سکے گا اور نہ اس کو زید کی میراث میں سے کچھ ملے گا بلکہ اگر زید اپنی زندگی میں خود بھی یہ چاہے کہ اس کے ساتھ اپنا نسب جوڑ کر اس کو اپنے وارثوں میں شامل کر دے تو بھی وہ شامل نہیں کیا جائے گا کیونکہ ولد الزنا کا نسب زانی سے قائم نہیں ہوتا اور نہ وہ زانی کا وارث ہوتا ہے۔

غیرت بعض صورتوں میں پسندیدہ اور بعض صورتوں میں ناپسندیدہ ہے

(۱۶) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنَ الْغَيْرَةِ مَا يُحِبُّ اللّٰهُ وَمِنْهَا مَا يُبْغِضُ اللّٰهُ فَاَمَّا الَّتِيْ يُحِبُّهَا اللّٰهُ فَالْغَيْرَةُ فِي الرِّيْبَةِ وَاَمَّا الَّتِيْ يُبْغِضُهَا اللّٰهُ فَالْغَيْرَةُ فِيْ غَيْرِ رِيْبَةٍ وَاِنَّ مِنَ الْخُيَلَاءِ مَا يُبْغِضُ اللّٰهُ وَمِنْهَا مَا يُحِبُّ اللّٰهُ فَاَمَّا الْخُيَلَاءُ الَّتِيْ يُحِبُّ اللّٰهُ فَاخْتِيَالُ الرَّجُلِ عِنْدَ الْقِتَالِ وَاخْتِيَالُهُ عِنْدَ الصَّدَقَةِ وَاَمَّا الَّتِيْ يُبْغِضُ اللّٰهُ فَاخْتِيَالُهُ فِي الْفَخْرِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِي الْبَغْيِ۔ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت جابر ابن عتیکؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا (اپنی بیوی اور لونڈی کے بارہ میں) بعض غیرت کو تو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور بعض غیرت کو ناپسند کرتا ہے۔ چنانچہ جس غیرت کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ شک و شبہ کی جگہ پیدا ہونے والی غیرت ہے (مثلاً بیوی یا لونڈی غیر مردوں کے سامنے آتی ہے یا غیر مرد اس کے پاس آتے ہیں اور وہ ان سے ہنسی مزاق کرتی ہے تو اس موقع پر خاوند جو غیرت محسوس کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور جس غیرت کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ غیرت ہے جو کسی شک و شبہ کی وجہ کے بغیر پیدا ہوئی ہو (مثلاً کسی قرینہ و سبب کے بغیر خاوند کے دل میں بیوی کے کردار کے بارہ میں بدگمانی پیدا ہو جائے اور پھر اس پر غیرت محسوس کرے) اسی طرح بعض تکبر کو تو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور بعض کو ناپسند فرماتا ہے چنانچہ جس تکبر کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ لڑائی کے وقت آدمی کا تکبر کرنا ہے (یعنی جہاد میں جب کفار سے مقابلہ ہو تو اپنی قوت و برتری اور کفار کی حقارت و کمتری کے اظہار کے لئے خوب اکڑے اور اپنی بڑائی و شجاعت کو بڑے فخر و غرور کے ساتھ بیان کرے) اور وہ تکبر بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے جو خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں ہو (یعنی جب صدقہ و خیرات دے تو خوش دلی اور بے پروائی کے ساتھ دے اور زیادہ سے زیادہ دینے کو بھی تھوڑا جانے) اور جس تکبر کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ (اپنے نسب پر) فخر کا تکبر ہے۔ اور ایک روایت میں (فی الفخر کی بجائے) فی البغی ہے یعنی جس تکبر کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ ظلم کا تکبر ہے (یعنی وہ تکبر جو بلا کسی حق استحقاق کیا جائے جس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں)۔"

(احمدؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: "اپنے نسب پر فخر کا تکبر" یہ ہے کہ جو شخص اعلی حسب و نسب اور اچھے خاندان کا ہو وہ یہ کہتا پھرے کہ مجھے نسب میں برتری اور امتیاز حاصل ہے اور میرے باپ دادا اعلی نسل و خاندان کے افراد ہونے کی وجہ سے بزرگ و افضل ہیں یہ ایسا تکبر ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو برتری و فوقیت اور بزرگی و فضیلت اسی شخص کو حاصل ہے جو دین کے اعتبار سے سب میں ممتاز ہو، چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ بزرگ و بلند مرتبہ وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔"

مشکوٰۃ کے ایک نسخہ میں اس روایت میں فی الفخر کی بجائے فی الفقر ہے یعنی جس تکبر کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ فقر کا تکبر ہے، مطلب یہ کہ خدا کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ کوئی شخص حالت فقر میں اپنی قناعت اور اپنے صبر و توکل پر تکبر کرے چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ یہ تکبر اس تکبر سے بدتر ہے جو اپنے غنا اور اپنی ثروت پر کیا جاتا ہے لیکن فقر کا تکبر اس صورت میں برا اور خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے جب کہ وہ فقراء کے مقابلہ پر کیا جائے ہاں اگر وہ تکبر امراء و اغنیاء کے مقابلہ پر ہو تو اچھا اور پسندیدہ ہے کیونکہ ایسے تکبر کو تو صدقہ کہا گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

ولد الزنا کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا

(۱۷) وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانًا ابْنِيْ عَاهَرْتُ بِاُمِّهٖ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا دِعْوَةَ فِي الْاِسْلَامِ ذَهَبَ اَمْرُ الْجَاهِلِيَّةِ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد (حضرت شعیبؒ) سے اور حضرت شعیبؒ اپنے دادا (حضرت عبداللہ ابن عمروؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص (مجلس نبوی میں کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! فلاں میرا لڑکا ہے میں نے زمانہ جاہلیت میں اس کی ماں سے زنا کیا تھا" رسول کریم ﷺ نے فرمایا "زمانہ جاہلیت کی گئی گزری بات کا زمانہ اسلام میں دعوی نہیں ہو سکتا (یعنی یہ بات زمانہ جاہلیت ہی کے ساتھ مخصوص تھی اور جو بچہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوا کرتا تھا اس کا نسب زانی اپنے ساتھ جوڑ لیتا تھا اب زمانہ اسلام میں یہ بات درست نہیں) بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر یعنی محرومی ہے یا سنگساری۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "صاحب فراش" سے وہ شخص مراد ہے جو ولد الزنا کی ماں کا خاوند یا مالک ہو! مطلب یہ ہے کہ جو عورت کسی کے نکاح میں ہو، یا (لونڈی ہونے کی صورت میں) کسی کی ملک میں ہو تو اس کے زنا کے نتیجہ میں جو بچہ پیدا ہو گا اس کا نسب اس کے خاوند یا مالک سے ثابت ہو گا اور اگر وہ عورت کسی کے نکاح یا کسی کی ملک میں نہ ہو تو پھر بچہ ماں ہی کی طرف منسوب ہو گا، بہر صورت زانی کا اس بچہ سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہو گا۔

وہ چار عورتیں جن سے لعان نہیں ہوتا

(۱۸) وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ مِنَ النِّسَاءِ لَا مُلَاعَنَةَ بَيْنَهُنَّ النَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ وَالْيَهُوْدِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ وَالْحُرَّةُ تَحْتَ الْمَمْلُوْكِ وَالْمَمْلُوْكَةُ تَحْتَ الْحُرِّ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "چار طرح کی عورتیں ہیں کہ ان کے (اور ان کے شوہروں کے) درمیان لعان نہیں ہوتا ایک تو وہ نصرانیہ (یعنی عیسائی عورت) جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور دوسری یہودیہ (یعنی یہودی عورت) جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور تیسری وہ آزاد عورت جو کسی غلام کے نکاح میں ہو اور چوتھی وہ لونڈی جو کسی آزاد کے نکاح میں ہو۔" (ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عیسائی یا یہودی عورت کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور اس کا خاوند اس پر زنا کی تہمت لگائے اور وہ اس کی تردید کرے تو اس صورت میں ان دونوں کے درمیان لعان نہیں کرایا جائے گا اسی طرح اگر کوئی آزاد عورت کسی غلام کے نکاح میں ہو یا کوئی لونڈی کسی آزاد کے نکاح میں ہو تو اس کے درمیان بھی لعان نہیں ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لعان دراصل شہادت و گواہی ہے اس لئے لعان کی صورت میں مرد و عورت دونوں کا اہل شہادت (کہ جن کی شہادت شرعی طور پر معتبر ہوتی ہے) ہونا ضروری ہے جب کہ مملوک (یعنی غلام و لونڈی) اور کافر اہل شہادت نہیں ہیں یعنی کسی معاملہ میں (ان کی شہادت و گواہی شرعی طور پر معتبر نہیں ہے لہٰذا ان کے درمیان لعان کی کوئی صورت نہیں۔

آنحضرت ﷺ حتی الامکان لعان سے باز رکھنا چاہتے تھے

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ رَجُلاً حِيْنَ اَمَرَ الْمُتَلاَعِنَيْنِ اَنْ يَتَلاَعَنَا اَنْ يَّضَعَ يَدَهُ عِنْدَ الْخَامِسَةِ عَلٰى فِيْهِ وَقَالَ اِنَّهَا مُوْجِبَةٌ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) جب نبی کریم ﷺ کے حکم پر دو لعان کرنے والے (یعنی میاں بیوی لعان کر رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ پانچویں گواہی کے وقت لعان کرنے والے کے منہ پر ہاتھ رکھ دے اور فرمایا کہ پانچویں گواہی واجب کرنے والی ہے۔" (نسائیؒ)

تشریح: کسی خاوند نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی ہوگی اور بیوی نے اس کی تردید کی ہوگی اور صورت حال کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے لعان کا ارادہ کیا ہوگا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو لعان کا حکم دیا اور اسی وقت ایک دوسرے شخص کو یہ حکم فرمایا کہ جب پانچویں گواہی کی باری آئے تو لعان کرنے والے کے منہ پر ہاتھ رکھ دینا تاکہ وہ پانچویں گواہی دے کر لعان کو پورا نہ کرے۔

اس حکم کا بظاہر مقصد یہ تھا کہ جب اس کے منہ پر ہاتھ رکھا جائے گا تو اسے تنبہ اور احساس ہوگا اور جو سچ بات ہوگی اس کا اقرار کر کے پانچویں گواہی سے باز رہے گا اور جب پانچویں گواہی پوری نہیں ہوگی تو لعان واقع نہیں ہوگا یہ گویا اس بات کی علامت ہے کہ آنحضرت ﷺ حتی الامکان لعان سے روکنے کی کوشش کرتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ جو سچ بات ہو میاں بیوی اس کا اقرار کریں اور اس دنیا کے آسان عذاب (یعنی زنا یا تہمت کی حد) کو اختیار کر کے آخرت کے سخت ترین عذاب سے محفوظ رہیں۔

شیطان، میاں بیوی کو ایک دوسرے سے بدظن کرنے کی کوشش کرتا ہے

(۲۰) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا لَيْلاً قَالَتْ فَغِرْتُ عَلَيْهِ فَجَاءَ فَرَاٰى مَا اَصْنَعُ فَقَالَ مَالَكِ يَا عَائِشَةُ اَغِرْتِ فَقُلْتُ مَالِيْ لاَ يَغَارُ مِثْلِيْ عَلٰى مِثْلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَاءَكِ شَيْطَانُكِ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَعِيَ شَيْطَانٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَمَعَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ وَلٰكِنْ اَعَانَنِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ حَتّٰى اَسْلَمَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ ایک (مرتبہ شعبان کی پندرہویں) رات کو نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تو

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھے آپ ﷺ پر بڑی غیرت آئی پھر جب آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے اور میں جس کیفیت میں مبتلا تھی اس کو دیکھا تو فرمایا کہ "عائشہؓ! تمہیں کیا ہوا؟ کیا تم مجھ پر غیرت کرتی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ "بھلا میری ایسی عورت کو آپ ﷺ جیسے مرد پر غیرت کیوں نہ آئے گی؟" آپ ﷺ نے فرمایا "دراصل تمہارے پاس تمہارا شیطان آگیا ہے (یعنی شیطان نے تمہیں شک و شبہ میں مبتلا کر دیا) میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا میرے ساتھ شیطان ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" میں نے کہا "یارسول اللہ! کیا آپ ﷺ کے ساتھ بھی ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر حاوی کر دیا ہے یہاں تک کہ میں اس (وسوسہ) سے سالم (محفوظ) رہتا ہوں (حتی اسلم) کا ترجمہ یہ ہے کہ یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ یعنی میرا تابع ہو گیا ہے۔" (مسلم)

تشریح: ایک مرتبہ شعبان کی پندرہویں شب میں آنحضرت ﷺ چپکے سے حضرت عائشہؓ کے پاس سے اٹھ کر جنت البقیع تشریف لے گئے تاکہ وہاں مردوں کے لئے ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کریں لیکن حضرت عائشہؓ یہ سمجھیں کہ آپ ﷺ میرے پاس سے اٹھ کر اپنی کسی اور بیوی کے ہاں چلے گئے ہیں، یہ گویا شیطان کا فریب تھا جس نے انہیں اس شک میں مبتلا کر دیا، اس کی وجہ سے ان کو بڑی غیرت آئی ان کی قلبی کیفیت متغیر ہو گئی، چنانچہ وہ بھی گھبرا کر اٹھیں اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے چل پڑیں پھر انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی منزل کسی دوسری بیوی کا مکان نہیں ہے بلکہ جنت البقیع (مدینہ کا قبرستان) ہے جہاں آپ ﷺ اس دنیا سے چلے جانے والے مسلمانوں کے لئے دعاء مغفرت میں مشغول ہیں، یقینی بات ہے کہ جس شک و شبہ نے حضرت عائشہؓ کو اتنا اکسایا اور گھبراہٹ میں مبتلا کیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے واپس پہنچنے سے پہلے ہی گھر میں پہنچ جانا چاہتی ہوں گی چنانچہ وہ وہاں سے بھاگی دوڑتی گھر کی طرف چلیں جب گھر میں داخل ہوئیں تو کچھ دوڑنے کی وجہ سے اور کچھ ندامت کے سبب سینہ دھونکنی بن گیا اور دم پھولنے لگا ان کے بعد ہی آنحضرت ﷺ گھر میں آئے اور حضرت عائشہؓ کی یہ کیفیت دیکھی کہ دم چڑھ رہا ہے اور گھبراہٹ طاری ہے تو فرمایا آخر اتنی گھبراہٹ تم پر کیوں طاری ہو گئی کیا تم نے محض اس وجہ سے غیرت محسوس کی کہ میں اس طرح کیوں چلا گیا اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے جو کچھ کہا وہ دراصل عورت کے جذبات فطرت کی بڑی حسین اور دلچسپ ترجمانی تھی انہوں نے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ مجھ جیسی صورت آپ ﷺ جیسے مرد پر غیرت نہ کرے؟ یعنی اگرچہ مجھے آپ ﷺ کی بے پناہ محبت حاصل ہے لیکن میری سوکنیں بھی کئی ہیں اور پھر آپ ﷺ تمام ظاہری و باطنی جمال و کمال سے متصف ہیں ایسی صورت میں کیونکر رشک و غیرت میں مبتلا نہ ہوں۔

بَابُ الْعِدَّةِ

عدت کا بیان

عدت کے معنی: لغت میں عدت کے معنی ہیں "شمار کرنا" اور اصطلاح شریعت میں عدت اسے کہتے ہیں کہ جب کسی عورت کو اس کا خاوند طلاق دیدے یا خلع و ایلاء وغیرہ کے ذریعہ نکاح یا نکاح جیسی چیز (مثلاً نکاح فاسد) ٹوٹ جائے بشرطیکہ اس نکاح میں جماع یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو، یا شوہر مر جائے تو وہ مقررہ مدت تک (جس کی تفصیل آگے آئے گی) گھر میں رکی رہے جب تک وہ مدت ختم نہ ہو جائے تب تک نہ کہیں جائے اور نہ کسی دوسرے مرد سے ملاقات کرے، جب مدت پوری ہو جائے تو جہاں چاہے جائے اور جس طرح چاہے نکاح کرے۔

عدت کی مدت: جس آزاد عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی ہو یا نکاح فسخ ہو گیا ہو اور اس کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت کی مدت تین حیض ہے یعنی وہ تین حیض آنے تک شوہر ہی کے گھر میں جہاں طلاق ملی ہو، بیٹھی رہے اس گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی سے نکاح کرے اسی طرح جس عورت کے ساتھ شبہ میں جماع ہو گیا ہو اس کی عدت کی مدت بھی تین حیض ہے یعنی کسی مرد نے کسی غیر

عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر دھوکہ سے صحبت کر لی تو اس عورت کو بھی تین حیض آنے تک عدت میں بیٹھنا ہوگا جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک وہ اپنے شوہر کو جماع نہ کرنے دے جس عورت کے ساتھ بے قاعدہ یعنی فاسد نکاح ختم ہوا ہو، جیسے موقت نکاح اور پھر تفریق کرادی گئی یا تفریق کرانے سے پہلے ہی خاوند مرگیا ہو تو اس عدت کی مدت بھی تین حیض ہے۔ اُم ولد جب کہ آزاد کردی جائے یا اس کا مولی مرجائے تو اس کی عدت بھی تین حیض ہیں۔

اگر کسی عورت کو کم سن ہونے کی وجہ سے یا بانجھ ہونے کی وجہ سے اور یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینہ ہے۔

جس آزاد عورت کا خاوند مرگیا اور اس کی عدت چار مہینہ دس دن ہے خواہ اس عورت سے جماع کیا گیا ہو یا جماع نہ کیا گیا ہو۔ خواہ وہ مسلمان عورت ہو یا مسلمان مرد کے نکاح میں یہودیہ اور نصرانیہ ہو، خواہ وہ بالغہ ہو یا نابالغہ اور یا آئسہ ہو خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو اور خواہ اس کی مدت میں اس کو حیض آئے یا نہ آئے۔

حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے خواہ اس عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دی ہو یا اس کا خاوند مرگیا ہو اور خواہ وہ عورت آزاد ہو یا لونڈی۔ ولادت ہوتے ہی اس کی عدت پوری ہو جائے گی اگرچہ خاوند کے طلاق دینے یا خاوند کے مرنے کے کچھ ہی دیر بعد ولادت ہو جائے، یہاں تک کہ کتاب مبسوط میں لکھا ہے کہ اگر حاملہ عورت کا شوہر مرگیا ہو اور وہ ابھی تختہ پر نہلایا جارہا تھا یا کفنایا جارہا تھا کہ اس عورت کے ولادت ہوگئی تو اس صورت میں بھی اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔

جو عورت آزاد نہ ہو یعنی کسی کی لونڈی ہو اور اس کا خاوند اس کو طلاق دیدے تو اس کی عدت دو حیض ہے بشرطیکہ اس کو حیض آتا ہو اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو پھر اس کی عدت ڈیڑھ مہینہ ہوگی اور اگر اس کا خاوند مرجائے تو اس کی عدت دو مہینے پانچ دن ہوگی خواہ اس کو حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو۔

عدت کی ابتداء کا وقت: طلاق کی صورت میں عدت کی ابتداء طلاق کے بعد سے ہوگی یعنی طلاق کے بعد جو تین حیض آئیں گے ان کا شمار ہوگا، اگر کسی نے حیض کی حالت میں طلاق دی ہوگی تو اس حیض کا شمار نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد کے تین حیض کا اعتبار کیا جائے گا اور وفات میں عدت کا شمار شوہر کی وفات کے بعد سے ہوگا، اگر عورت کو طلاق یا وفات کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ عدت کی مدت گزر گئی، تو اس کی عدت پوری ہوگئی! عدت کے مسائل کی باقی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عدت کے دنوں میں شوہر پر نفقہ اور سکنی واجب ہے یا نہیں

(۱) عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَیْسٍ اَنَّ اَبَا عَمْرِو بْنَ حَفْصٍ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَهُوَ غَائِبٌ فَاَرْسَلَ اِلَیْهَا وَکِیْلُهُ الشَّعِیْرَ فَسَخِطَتْهُ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَالَكِ عَلَیْنَا مِنْ شَیْءٍ فَجَاءَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ لَیْسَ لَكِ نَفَقَةٌ فَاَمَرَهَا اَنْ تَعْتَدَّ فِیْ بَیْتِ اُمِّ شَرِیْكٍ ثُمَّ قَالَ تِلْكَ امْرَاَةٌ یَغْشَاهَا اَصْحَابِیْ اِعْتَدِّیْ عِنْدَ ابْنِ اُمِّ مَکْتُوْمٍ فَاِنَّهُ رَجُلٌ اَعْمٰی تَضَعِیْنَ ثِیَابَكِ فَاِذَا اَحْلَلْتِ فَاٰذِنِیْنِیْ قَالَتْ فَلَمَّا حَلَلْتُ ذَکَرْتُ لَهُ اَنَّ مُعَاوِیَةَ ابْنَ اَبِیْ سُفْیَانَ وَاَبَا جَهْمٍ خَطَبَانِیْ فَقَالَ اَمَّا اَبُو الْجَهْمِ فَلَا یَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهِ وَاَمَّا مُعَاوِیَةُ فَصُعْلُوْكٌ لَا مَالَ لَهُ اِنْکِحِیْ اُسَامَةَ بْنَ زَیْدٍ فَکَرِهْتُهُ ثُمَّ قَالَ اِنْکِحِیْ اُسَامَةَ فَنَکَحْتُهُ فَجَعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا وَاغْتُبِطْتُ، وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنْهَا فَاَمَّا اَبُوْ جَهْمٍ فَرَجُلٌ ضَرَّابٌ لِلنِّسَاءِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ زَوْجَهَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَاَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا نَفَقَةَ لَكِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنِیْ حَامِلًا۔

"ابوسلمہؓ فاطمہ بن قیس سے نقل کرتے ہیں کہ ابوعمرو بن حفصؓ نے فاطمہ بن قیسؓ کو (جو ان کی بیوی تھیں) تین طلاقیں دیں جب کہ وہ خود موجود نہیں تھے (یعنے عمرو کہیں باہر تھے وہیں سے انہوں نے کسی کی زبانی کہلا کر بھیجا کہ میں نے طلاق دی) پھر ابوعمروؓ کے وکیل (کارندے) نے (بطور نفقہ) فاطمہؓ کے پاس کچھ جَو بھیجے۔ فاطمہؓ (کے خیال میں جو کی وہ مقدار بہت کم تھی اس لئے وہ اس پر ناراض ہوئیں وکیل نے کہا کہ "خدا کی قسم! ہم پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے" (کیونکہ تمہیں تین طلاقیں مل چکی اس کے نفقہ کا کوئی حکم نہیں ہے۔ اس وقت تمہیں جو کی جو بھی مقدار دی گئی ہے وہ محض احسان و سلوک کے طور پر ہے) فاطمہؓ (یہ سن کر) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا نفقہ (ابوعمرؓ پر) واجب نہیں ہے پھر آپ ﷺ نے فاطمہؓ کو یہ حکم دیا کہ وہ اُمّ شریک کے گھر عدت میں بیٹھ جائیں لیکن پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُمّ شریک کے گھر میں میرے صحابہؓ (جو اُمّ شریکؓ کے عزیز واقارب اور آل اولاد ہیں) آتے جاتے ہیں (اس لئے ان کے گھر میں تمہارا بیٹھنا مناسب نہیں ہوگا البتہ تم ابن مکتومؓ کے ہاں عدت کے دن گزار لو کیونکہ وہ ایک اندھے آدمی ہیں وہاں تم اپنے کپڑے رکھ سکتی ہو اور جب تم حلال ہو جاؤ (یعنی تمہاری عدت کے دن پورے ہو جائیں) تو مجھے اطلاع کر دینا (تاکہ میں تمہارے دوسرے نکاح کی فکر کروں) فاطمہؓ کہتی ہیں کہ پھر جب میں حلال ہو گئی تو میں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا" کہ معاویہ ابن ابی سفیانؓ اور ابوجہمؓ نے میرے پاس نکاح کا پیغام بھیجا ہے (آپ ﷺ کی کیا رائے ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا "ابوجہمؓ (کی بات تو یہ ہے کہ وہ) اپنی لاٹھی اپنے کاندھے سے (کبھی) رکھتے ہی نہیں اور معاویہؓ غریب آدمی ہیں جن کے پاس مال و اسباب نہیں ہے (لہٰذا میری رائے میں تو مناسب یہ ہے کہ) تم اسامہؓ ابن زیدؓ سے نکاح کر لو" چنانچہ میں نے اسامہؓ سے نکاح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس (نکاح اور اسامہؓ کی رفاقت) میں خیر و برکت عطا فرمائی اور مجھ پر رشک کیا جانے لگا (یعنی ہم دونوں کی رفاقت اتنی راس آئی اور ہم میں اتنی الفت و محبت پیدا ہوئی کہ جو بھی دیکھتا مجھ پر رشک کرتا) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فاطمہؓ کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ابوجہمؓ ایک ایسا مرد ہے جو عورتوں کو بہت مارتا ہے" (مسلمؒ) اور مسلمؒ ہی کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ فاطمہؓ کے شوہر نے ان کو تین طلاقیں دی تھیں چنانچہ جب وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تمہارا نفقہ (تمہارے شوہر کے ذمہ) نہیں ہے ہاں اگر تم حاملہ ہوتیں (تو اس پر تمہارا نفقہ واجب ہوتا)۔"

تشریح: "وہاں تم اپنے کپڑے رکھ سکتی ہو" کا مطلب یہ ہے کہ ابن ام مکتوم چونکہ نابینا ہیں اس لئے تمہیں وہاں پردے کی احتیاط کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور اگر یہ ترجمہ کیا جائے کہ "وہاں تم اپنے کپڑے رکھ دو" تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ وہاں تم جب تک عدت میں رہو، زینت و آرائش کے کپڑے نہ پہننا! یا پھر اس جملہ کے ذریعہ کنایۃً یہ اظہار مقصود تھا کہ ایام عدت میں گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت کو اجنبی مرد کی طرف دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ وہ اجنبی مرد اس کو نہ دیکھے، لیکن یہ استدلال کمزور و ضعیف ہے اور صحیح وہی بات ہے جو اکثر علماء کا قول ہے کہ جس طرح اجنبی مرد کو اجنبی عورت دیکھنا حرام ہے اسی طرح اجنبی عورت کو بھی اجنبی مرد کی طرف دیکھنا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مردوں کے حق میں یہ حکم دیا ہے کہ:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (الآیة)۔

"(اے محمد ﷺ) آپ (ﷺ) مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (آخر آیت تک)۔"

اسی طرح عورتوں کے حق میں بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ۔

"اور مسلمان عورتوں سے (بھی یہی) کہہ دیجئے کہ (وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (آخر آیت تک)۔"

نیز اس سلسلہ میں حضرت ابن اُمّ مکتومؓ سے متعلق اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ کی وہ روایت بھی ایک بڑی واضح دلیل ہے جس میں حضرت اُمّ سلمہؓ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ اور حضرت میمونہؓ آنحضرت کے پاس تھیں کہ اچانک حضرت ابن اُمّ مکتومؓ آگئے تو آنحضرت ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا کہ پردہ کرلو، حضرت اُمّ سلمہؓ نے عرض کیا کہ یہ تو نابینا ہیں یہ ہمیں کہاں دیکھ رہے؟ کہ ہم ان سے پردہ کریں اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

اَفَعَمْیَاوَانِ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهٖ۔

"کیا تم دونوں بھی اندھی ہو، کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟۔"

پھر حضرت فاطمہؓ کی اس روایت سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا، کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن اُمّ مکتومؓ کو دیکھنا حضرت فاطمہؓ کے لئے جائز قرار دیا تھا بلکہ دراصل آنحضرت ﷺ کا مقصد تو صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ تم ابن اُمّ مکتومؓ کے ہاں امن و حفاظت کے ساتھ رہوگی کیونکہ ان کے ہاں تمہیں کوئی دیکھے گا نہیں، اور جہاں تک حضرت فاطمہؓ کا سوال ہے تو انہیں خود ہی کتاب اللہ کا یہ حکم معلوم تھا کہ اجنبی مرد کو دیکھنا ممنوع ہے اس لئے ان سے یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ حضرت ابن مکتومؓ کو دیکھتی ہوں گی؟

بہرکیف حضرت فاطمہؓ کی اس روایت سے بعض علماء نے عورت کو اجنبی مرد کے دیکھنے کا جو جواز ثابت کیا ہے اس کے متعلق اکثر جمہور علماء کی طرف یہ سے جواب دیا جاتا ہے۔

اب رہی بات حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے فقہی مسلک کی تو یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ ان کے نزدیک اجنبی مرد کو اس کے زیر ناف سے زیر زانو تک کے حصّہ کے علاوہ دیکھنا عورت کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ جنسی ترغیب (شہوت) سے محفوظ و مامون ہو اگر جنسی ترغیب سے مامون نہ ہو تو پھر اجنبی مرد کے پورے جسم کو دیکھنا اس کے لئے حرام ہوگا۔

"ابوجہمؓ اپنی لاٹھی اپنے کاندھے سے رکھتے ہی نہیں" اس سے ابوجہمؓ کی تند خوئی اور درشت مزاجی کی طرف اشارہ مقصود تھا۔ کہ ابوجہمؓ بہت سخت گیر اور تند خو ہیں، وہ عورتوں کو مارتے ہیں، ان سے تمہارا نباہ مشکل ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو مرد یا عورت کا کوئی عیب معلوم ہو تو منگنی کے وقت اس کا اظہار کردینا جائز ہے تاکہ شادی کے بعد وہ دونوں ہی کسی تکلیف اور پریشانی میں مبتلا نہ ہوں۔

فاطمہؓ نے حضرت اسامہؓ کے انتخاب کو اس لے ناپسند کیا کہ وہ اول تو آنحضرت ﷺ کے غلام کے بیٹے تھے، دوسرے ان کا رنگ سیاہ تھا جب کہ حضرت فاطمہؓ قریشی تھیں اور خوبصورت بھی تھیں لیکن حضرت اسامہؓ چونکہ آنحضرت ﷺ کو بہت محبوب تھے اور انہیں آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں ایک مخصوص فضیلت اور تقرب حاصل تھا اس لئے آپ ﷺ نے دوبارہ انکی سفارش کی جس کے بعد فاطمہؓ نے بھی انکار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور حکم نبوی کے مطابق حضرت اسامہؓ سے نکاح کرلیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نکاح میں خیر و برکت عطا فرمائی اور ان کو اسامہؓ کی زوجیت و رفاقت میں چین و آرام نصیب ہوا۔

اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جس عورت کو طلاق بائن دی گئی ہو اور وہ حاملہ نہ ہو تو عدت پوری ہونے تک اس کا نفقہ (کھانے پینے اور کپڑے کا خرچ) اور سکنیٰ (رہنے کی جگہ) شوہر کے ذمہ ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور بعض علماء کے نزدیک شوہر پر اس عورت کا نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے سکنیٰ تو آیت سے ثابت ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ۔

"تم ان (مطلقہ) کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو۔"

اور نفقہ کے اعتبار سے واجب ہے کہ وہ عورت اسی شوہر کی وجہ سے تمام پابندیوں کے ساتھ عدت میں بیٹھی ہوئی ہے۔ حضرت عمر

فاروق ؓ بھی اسی کے قائل تھے بلکہ وہ اس حدیث کے بارہ میں فرماتے تھے کہ ہم ایک عورت (فاطمہ بنت قیس ؓ) کے کہنے سے (کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارا نفقہ اور سکنی تمہارے شوہر کے ذمہ نہیں ہے) کتاب اللہ اور آنحضرت ﷺ کی سُنّت کو ترک نہیں کر سکتے (جس سے نفقہ اور سکنی کا واجب ہونا ثابت ہے) ہو سکتا ہے کہ فاطمہ ؓ کو اشتباہ ہوا ہو یا انہیں آپ کا اصل ارشاد یاد نہ رہا ہو چنانچہ میں نے خود رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس عورت کا نفقہ اور سکنی شوہر کے ذمہ ہے لیکن حضرت ابن ملک کہتے ہیں کہ یہ واقعہ صحابہ ؓ کے سامنے پیش آیا تھا (ان صحابہ ؓ میں سے کسی نے فاطمہ ؓ کے قول کی تردید نہیں کی ہے اس لئے یہ بمنزلہ اجماع کے ہوا)۔

حضرت امام احمد ؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس عورت کے لئے نہ تو نفقہ واجب ہے اور نہ سکنی اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے حضرت امام مالک ؒ، حضرت امام شافعی ؒ، اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت اَسْكِنُوْهُنَّ الخ کے موجب اس عورت کے لئے سکنی واجب ہے نفقہ واجب نہیں ہے ہاں اگر اسے حمل کی حالت میں طلاق دی گئی ہو تو اس حدیث کے مطابق اس کے لئے نفقہ واجب ہوگا۔

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ فَاطِمَةَ كَانَتْ فِي مَكَانٍ وَحْشٍ فَخِيْفَ عَلٰى نَاحِيَتِهَا فَلِذٰلِكَ رَخَّصَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْنِيْ فِي النُّقْلَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَتْ مَا لِفَاطِمَةَ اَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ تَعْنِيْ فِيْ قَوْلِهَا لَا سُكْنٰى وَلَا نَفَقَةَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ فاطمہ بنت قیس ؓ جس مقام میں رہتی تھی وہ ایک ویران جگہ تھی اور وہاں ان کے بارہ میں اندیشہ رہتا تھا اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس کو (عدت کے دنوں میں اپنے مکان سے ابن مکتوم ؓ کے مکان میں) منتقل ہونے کی آسانی عطا فرمادی تھی۔" ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضرت عائشہ ؓ نے کہا "کہ فاطمہ ؓ کو کیا ہوا ہے کہ وہ اللہ سے نہیں ڈرتی؟ اس سے حضرت کی مراد فاطمہ ؓ کے اس قول کہ نہ نفقہ واجب ہے اور نہ سکنی" کی تردید کرنا ہے۔" (بخاری ؒ)

تشریح: حدیث کے ابتدائی الفاظ کا مطلب ہے کہ فاطمہ بنت قیس ؓ جس مکان میں رہتی تھیں وہ ایک ویران جگہ میں تھا جہاں ہر وقت چور وغیرہ کا اندیشہ رہتا تھا اسی لئے آنحضرت ﷺ نے انہیں اس مکان سے حضرت ابن اُم مکتوم ؓ کے مکان میں منتقل ہونے کی اجازت مرحمت فرمادی اور اس بیان سے حضرت عائشہ ؓ کا مقصد یہ آگاہ کرنا تھا کہ فاطمہ ؓ اپنی عدت کے دنوں میں اپنے خاوند کے گھر کو چھوڑ کر غیر کے گھر میں جو بیٹھی تھیں اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ تین طلاقوں والی عورت کے لئے سکنی نہیں ہے اور وہ جہاں چاہے عدت میں بیٹھ جائے، بلکہ فاطمہ ؓ کا اپنے خاوند کے مکان کو چھوڑ کر ایک دوسرے شخص کے مکان میں عدت گزارنے کا سبب یہ ہے جو بیان کیا گیا۔

دوسری روایت کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ ؓ بنت قیس ؓ آنحضرت ﷺ سے یہ نقل کیا کرتی تھیں، کہ جس عورت کو طلاق بائن دی گئی ہو اس کے لئے نہ تو نفقہ ہے اور نہ سکنی ہے چنانچہ حضرت عائشہ ؓ نے ان کی اس بات کی تردید کی اور فرمایا کہ فاطمہ ؓ اس قول "نہ نفقہ اور نہ سکنی ہے" کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتی، آنحضرت نے اس طرح ہرگز نہیں فرمایا ہوگا بلکہ فاطمہ ؓ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

گویا اس مسئلہ میں حضرت عائشہ ؓ کا بھی وہی مسلک تھا جو حضرت عمر ؓ کا تھا اور یہ حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کے مسلک کی مؤید ہے کہ طلاق بائن والی عورت کے لئے سکنی بھی ہے اور نفقہ بھی ہے۔

(۵) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ اِنَّمَا نُقِلَتْ فَاطِمَةُ لِطُوْلِ لِسَانِهَا عَلٰى اَحْمَائِهَا۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت سعید ابن مسیب ؓ کہتے ہیں کہ فاطمہ ؓ کو (عدت کے زمانہ میں اس کے خاوند کے گھر سے) اس لئے منتقل کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے خاوند کے عزیزوں سے زبان درازی کیا کرتی تھی۔" (شرح السنۃ)

تشریح: عدت کے زمانہ میں اپنے خاوند کے گھر سے فاطمہؓ کے اٹھ آنے کا ایک سبب تو وہ تھا جو اوپر کی حدیث میں بیان کیا گیا یعنی ان کے گھر کا ویران جگہ میں ہونا اور دوسرا سبب یہ ہے جو اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

عدت کے زمانہ میں کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے یا نہیں

④ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ طُلِّقَتْ خَالَتِيْ ثَلَاثًا فَاَرَادَتْ اَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا فَزَجَرَهَا رَجُلٌ اَنْ تَخْرُجَ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَلٰى فَجُدِّيْ نَخْلَكِ فَاِنَّهٗ عَسٰى اَنْ تَصَدَّقِيْ اَوْ تَفْعَلِيْ مَعْرُوْفًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میری خالہ کو تین طلاقیں دی گئی (اور وہ عدت میں بیٹھ گئیں) پھر (ایک دن) انہوں نے ارادہ کیا کہ (گھر سے باہر جاکر) کھجوریں توڑ لائیں تو ایک شخص نے انہیں گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا" وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور یہ واقعہ بیان کیا) اور آپ ﷺ نے فرمایا "اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جاؤ اور اپنے درخت سے کھجوریں توڑ لاؤ، کیونکہ شاید تم وہ کھجوریں اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو یا ان کے ذریعہ احسان کرو۔" (مسلمؒ)

تشریح: آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ کھجوریں اتنی مقدار میں ہو جائیں گی کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو جائے تم ان کی زکوٰۃ ادا کرو گی اور اگر بقدر نصاب نہیں ہوں گی تو پھر تم ان کے ذریعہ احسان و سلوک کرو گی بایں طور کہ اپنے ہمسایوں اور فقراء کو نفل صدقہ کے طور پر دو گی یا لوگوں کے پاس بطور تحفہ بھیجو گی اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ صدقہ نہ کرتیں تو ان کے لئے گھر سے باہر نکلنا جائز نہ ہوتا۔
امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو عورت طلاق بائن کی عدت میں بیٹھی ہو اس کو اپنی کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے اس مسئلہ میں حنفیہ کا جو مسلک ہے وہ اُمّ عطیہ کی روایت کے ضمن میں بیان ہو گا جو آگے آئے گی۔

حاملہ کی عدت، وضع حمل ہے

⑤ وَعَنِ الْمِسْوَرِبْنِ مَخْرَمَةَ اَنَّ سُبَيْعَةَ الْاَسْلَمِيَّةَ نُفِسَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ فَجَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَاْذَنَتْهُ اَنْ تَنْكِحَ فَاَذِنَ لَهَا فَنَكَحَتْ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت مسور ابن مخرمہ کہتے ہیں کہ سبیعہ اسلمیہ کے ہاں ان کے خاوند کی وفات کے کچھ ہی دنوں بعد ولادت ہوئی تو وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ سے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت مانگی آپ ﷺ نے ان کو اجازت عطا فرمائی، اور انہوں نے نکاح کر لیا۔" (بخاریؒ)

تشریح: سبیعہ اسلمیہؓ اپنے خاوند کی وفات کے وقت حاملہ تھیں چنانچہ خاوند کی وفات کے چند ہی دنوں بعد ان کے ہاں ولادت ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت عطا فرما دی۔
علماء لکھتے ہیں کہ اگر خاوند کی وفات یا طلاق کے بعد عورت کے ہاں ولادت ہو جائے تو وہ عدت سے نکل آتی ہے اور اس کے لئے دوسرا نکاح کرنا جائز ہو جاتا ہے اگرچہ ولادت یا وفات کے تھوڑی ہی دیر بعد ہو۔

عدت کے دنوں میں سرمہ لگانے کی ممانعت

⑥ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتِ امْرَاَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ بِنْتِيْ تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنُهَا اَفَنَكْحُلُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا كُلُّ ذٰلِكَ يَقُوْلُ لَا ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا هِيَ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشْرٌ وَقَدْ كَانَتْ اِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِيْ بِالْبَعْرَةِ عَلٰى رَاْسِ الْحَوْلِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت اُمّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری لڑکی کا خاوند مرگیا ہے (جس کی وجہ سے وہ عدت میں ہے) اور اس کی آنکھیں دکھتی ہیں تو کیا میں اس کی آنکھوں میں سرمہ لگادوں؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "نہیں" اس عورت نے یہ دوبار یا تین بار پوچھا اور آپ ﷺ ہر بار یہی جواب دیتے تھے کہ "نہیں" پھر فرمایا کہ "عدت چار مہینہ اور دس دن ہے جب کہ ایام جاہلیت میں تم میں کی ایک عورت (یعنی بیوہ) سال بھر کے بعد مینگنیاں پھینکتی تھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ حدیث بظاہر امام احمدؒ کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس عورت کو سرمہ لگانا جائز نہیں ہے جس کا خاوند مرگیا ہو اور وہ عدت میں بیٹھی ہو، خواہ آنکھیں دکھنے کی وجہ سے اس کو سرمہ لگانے کی ضرورت ہو اور خواہ وہ محض زینت یا عادت کی بنا پر لگانا چاہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک مجبوری کی حالت میں مثلاً آنکھ دکھنے کی صورت میں سرمہ لگانا جائز ہے اور حضرت امام شافعیؒ بھی آنکھیں دکھنے کی صورت میں سرمہ لگانے کی اجازت دیتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ رات میں لگائے اور دن میں پونچھ ڈالے۔

اس حدیث کے بارہ میں حنفی علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس عورت نے زینت کے لئے سرمہ لگانا چاہا ہوگا مگر بہانہ کیا ہوگا آنکھ دکھنے کا اور چونکہ آپ ﷺ کو اس بات کا علم ہوگا اس لئے آپ ﷺ نے سرمہ لگانے کی اجازت دینے سے انکار کردیا۔

حدیث کے آخری جملہ کی وضاحت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ جس عورت کا خاوند مرجاتا وہ ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بیٹھی رہتی اور بہت خراب کپڑے جو اکثر و بیشتر ٹاٹ اور نمدے کی صورت میں ہوتا تھا پہنے رہا کرتی تھی، زینت کی کوئی چیز استعمال نہیں کرتی تھی خوشبو بھی نہیں لگاتی تھی، غرض کہ پورے ایک سال تک اسی حالت میں رہتی پھر جس دن سال ختم ہوتا، اس دن اس کے پاس گدھا یا بکری اور یا کوئی بھی جانور و پرندہ لایا جاتا جس سے وہ اپنی شرمگاہ رگڑتی اور اس کے بعد اس کوٹھری سے باہر نکلتی پھر اس کے ہاتھ میں چند مینگنیاں دی جاتیں جن کو وہ پھینکتی اور اس کے ساتھ ہی عدت سے نکل آتی۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اسی رسم کی طرف اشارہ فرمایا کہ پچھلے زمانہ میں عدت کی مدت بھی بہت زیادہ تھی اور اس میں خرابیاں اور پریشانیاں بھی بہت تھیں جب کہ اسلام میں عدت کی مدت بھی بہت کم ہے یعنی چار مہینہ دس دن زیادہ تھی اور اس میں خرابی اور پریشانی بھی نہیں ہے تو پھر اتنا اضطراب کیوں ہے؟

زمانۂ عدت میں سوگ کرنے کا حکم

⑦ وَعَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ وَزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت اُمّ حبیبہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو بھی عورت اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے ہاں اپنے شوہر کا سوگ چار مہینے دس دن تک کیا کرے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "سوگ" کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بناؤ سنگھار ترک کردے اور خوشبو و سرمہ وغیرہ لگانے سے پرہیز کرے؟ چنانچہ یہ سوگ کرنا کسی دوسری میت پر تو تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ لیکن اپنے شوہر کی وفات پر چار مہینے دس دن تک یعنی ایام عدت میں سوگ کرنا واجب ہے۔

اب رہی یہ بات کہ چار مہینہ دس دن یعنی عدت کی مدت کی ابتداء کب سے ہوگی تو جمہور علماء کے نزدیک اس مدت کی ابتداء خاوند کی موت کے بعد سے ہوگی، لیکن حضرت علیؓ اس کے قائل تھے کہ عدت کی ابتداء اس وقت سے ہوگی جس وقت کہ عورت کو خاوند کے انتقال کی خبر ہوئی ہے لہٰذا اگر کسی عورت کا خاوند کہیں باہر سفر وغیرہ میں مرگیا اور اس عورت کو اس کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ چار

مہینے دس دن گزر گئے تو جمہور علماء کے نزدیک عدت پوری ہوگئی جب کہ حضرت علیؓ کے قول کے مطابق اس کی عدت پوری نہیں ہوگی، بلکہ اس کو خبر ہونے کے وقت سے چار مہینے دس دن تک عدت میں بیٹھنا ہوگا۔

⑧ وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحِدُّ امْرَأَةٌ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا اِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَلَا تَكْتَحِلُ وَلَا تَمَسُّ طِيْبًا اِلَّا اِذَا طَهُرَتْ نُبْذَةً مِنْ قُسْطٍ اَوْ اَظْفَارٍ۔ متفق عليه وزاد ابو داؤد ولا تختضب۔

"اور حضرت اُمّ عطیہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے ہاں اپنے شوہر کے مرنے پر چار مہینے دس دن تک سوگ کرے اور (ان ایام یعنی زمانہ عدت میں) عصب کے علاوہ نہ تو کوئی رنگین کپڑا پہنے، نہ سرمہ لگائے اور نہ خوشبو لگائے البتہ حیض سے پاک ہوتے وقت تھوڑا سا قسط یا اظفار استعمال کرے تو قباحت نہیں۔" (بخاری ومسلمؒ)

تشریح: "رنگین" کپڑے سے مراد وہ کپڑا ہے جو کسم، زعفران اور گیرو وغیرہ کے تیز اور شوخ رنگ میں رنگا گیا ہو اور عام طور پر زینت و آرائش کے طور پر پہنا جاتا ہو اور کتاب "کافی" میں لکھا ہے کہ اگر کسی عورت کے پاس رنگین کپڑوں کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہ ہو تو وہ رنگین کپڑا بھی پہن سکتی ہے کیونکہ اس کی ستر پوشی بہرحال زیادہ ضروری ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ان رنگین کپڑوں کو زیب و زینت کے مقصد سے استعمال نہ کرے۔

"عصب" اس زمانہ میں ایک خاص قسم کی چادر کو کہتے تھے جو اس طور پر بنی جاتی تھی کہ پہلے سوت کو جمع کر کے ایک جگہ باندھ لیتے تھے پھر اس کو کسم میں رنگتے تھے اور اس کے بعد اس کو بنتے تھے چنانچہ وہ سرخ رنگ کی ایک چادر ہو جاتی تھی جس میں سفید دھاریاں بھی ہوتی تھیں کیونکہ سوت کو باندھ کر رنگنے کی وجہ سے سوت کا وہ حصہ سفید رہ جاتا تھا جو بندھا ہوا ہوتا تھا۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ عدت والی عورت کو رنگین کپڑا پہننے کی جو ممانعت ہے اس کا تعلق اس کپڑے سے ہے جو بننے کے بعد رنگا گیا ہو تو اس کا پہننا بھی درست ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ حنفی یہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء (حنفیہ) کے نزدیک عدت والی عورت کو عصب کا پہننا بھی درست نہیں ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک عدت والی عورت کو عصب پہننا جائز ہے خواہ وہ موٹا ہو یا مہین ہو جب کہ حضرت امام مالکؒ مہین عصب کو پہننے سے منع کرتے ہیں موٹے عصب کو منع نہیں کرتے۔

سرمہ لگانے کے سلسلہ میں آئمہ کے جو اختلافی اقوال ہیں وہ پیچھے حضرت ام سلمہؓ کی روایت کے ضمن میں بیان کئے جا چکے ہیں، علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ (حنفی مسلک کے مطابق) عدت والی عورت کو مجبوری کی حالت میں سرمہ لگانا جائز ہے ویسے جائز نہیں ہے۔

"قسط اور اظفار" یہ دونوں ایک قسم کی خوشبو ہیں "قسط" تو عود کو کہتے ہیں جس کی عام طور پر عورتیں یا بچے دھونی لیتے ہیں کرمانیؒ نے کہا ہے کہ "قسط" عود ہندی کو کہتے ہیں جسے اگر یا کوٹ کہا جاتا ہے۔

"اظفار" ایک قسم کا عطر ہوتا تھا یہ دونوں خوشبوئیں اس زمانہ میں عام طور پر عرب کی عورتیں حیض سے پاک ہوتے وقت بدبو دور کرنے کے لئے شرمگاہ میں استعمال کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عدت والی عورت کو خوشبو استعمال کرنے سے منع فرمایا لیکن حائضہ کو حیض سے پاک ہوتے وقت بدبو دور کرنے کے لئے ان دونوں خوشبوؤں کے استعمال کی اجازت دیدی۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر گیا ہو اس پر عدت کے زمانہ میں سوگ کرنا واجب ہے۔ چنانچہ اس پر تمام علماء کا اجماع و اتفاق ہے البتہ سوگ کی تفصیل میں اختلافی اقوال ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ اور جمہور علماء تو یہ کہتے ہیں کہ خاوند کی وفات کے بعد ہر عدت والی عورت پر سوگ کرنا واجب ہے۔ خواہ وہ مدخول بہا ہو (یعنی جس کے ساتھ جماع ہو چکا ہو) یا غیر مدخول بہا ہو (یعنی جس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو) خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، خواہ باکرہ ہو یا

ثیبہ، خواہ آزاد ہو یا لونڈی اور خواہ مسلمہ ہو یا کافرہ۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک سات قسم کی عورتوں پر سوگ واجب نہیں ہے جس کی تفصیل درمختار کے مطابق یہ ہے ① کافرہ ② مجنونہ ③ صغیرہ ④ معتدہ عتق یعنی وہ اُمّ ولد جو اپنے مولیٰ کی طرف سے آزاد کئے جانے یا اپنے مولیٰ کے مرجانے کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو۔ ⑤ وہ عورت جو نکاح فاسد کی عدت میں بیٹھی ہو۔ ⑥ وہ عورت جو وطی بالشبہ کی عدت میں بیٹھی ہو یعنی جس سے کسی غیر مرد نے غلط فہمی میں جماع کرلیا ہو اور اس کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو۔ ⑦ وہ عورت جو طلاق رجعی کی عدت میں بیٹھی ہو۔

جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ خاوند کے علاوہ کسی کے مرنے پر عورت کو تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے اور تین دن تک بھی صرف مباح ہے واجب نہیں ہے چنانچہ اگر تین دنوں میں بھی خاوند سوگ کرنے سے منع کرے تو اس کو اس کا حق ہے کیونکہ بیوی کے بناؤ سنگار کا تعلق خاوند کے حق سے ہے اگر تین دنوں میں خاوند کی خواہش یہ ہو کہ وہ سوگ ترک کرکے بناؤ سنگار کرے اور بیوی، خاوند کا کہنا نہ مانے تو اس بات پر بیوی کو مارنا خاوند کے لئے جائز ہے کیونکہ سوگ کرنے میں خاوند کا حق فوت ہو جاتا ہے۔

سوگ کے احکام و مسائل: جس عورت کو طلاق رجعی ملی ہو اس کی عدت تو فقط اتنی ہی ہے کہ وہ مقررہ مدت تک گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے، اس کے لئے بناؤ سنگار وغیرہ درست ہے اور جس عورت کو جو مکلفہ و مسلمہ (یعنی بالغ و عاقل اور مسلمان) ہو تین طلاقیں مل گئیں یا ایک طلاق بائن یا اور کسی طرح سے نکاح ٹوٹ گیا یا خاوند مرگیا تو ان سب صورتوں میں اس کے لئے یہ حکم ہے کہ جب تک عدت میں رہے تب تک نہ تو گھر سے باہر نکلے نہ اپنا دوسرا نکاح کرے اور نہ بناؤ سنگار کرے یہ سب باتیں اس پر حرام ہیں۔ اس سنگار نہ کرنے اور میلے کچیلے رہنے کو سوگ کہتے ہیں۔

جب تک عدت ختم نہ ہو تب تک خوشبو لگانا، کپڑے بسانا زیور گہنا پہننا، پھول پہننا، سرمہ لگانا، پان کھا کر منہ لال کرنا، مسی ملنا، سر میں تیل ڈالنا، کنگھی کرنا، مہندی لگانا، اچھے کپڑے پہننا، ریشمی اور رنگے ہوئے بہار دار کپڑے پہننا یہ سب باتیں ممنوع ہیں۔ ہاں مجبوری کی حالت میں اگر ان میں سے کوئی چیز اختیار کی گئی تو کوئی مضائقہ نہیں مثلاً سر میں درد ہونے کی وجہ سے تیل ڈالنے کی ضرورت پڑے تو بغیر خوشبو کا تیل ڈالنا درست ہے۔ اسی طرح دوا کے لئے سرمہ لگانا بھی ضرورت کے وقت درست ہے۔

جس عورت کا نکاح صحیح نہیں ہوا تھا بلکہ بے قاعدہ ہو گیا تھا اور وہ فسخ کرا دیا گیا یا خاوند مرگیا تو ایسی عورت پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔ اسی طرح جو عورت عتق (یعنی آزادی) کی عدت میں ہو جیسے اُمّ ولد کو اس کا مولیٰ آزاد کردے اور وہ اس کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو، تو اس پر بھی سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔

جو عورت عدت میں بیٹھی ہو اس کے پاس نکاح کا پیغام بھیجنا جائز نہیں ہے ہاں نکاح کا کنایہ یعنی یہ کہنا کہ میں اس عورت سے نکاح کرنے کی خواہش رکھتا ہوں، یا اس سے نکاح کرنے کا میں ارادہ رکھتا ہوں، جائز ہے، مگر یہ بھی اس صورت میں جائز ہے جب کہ وہ عورت وفات کی عدت میں بیٹھی ہو اگر طلاق کی عدت میں بیٹھی ہو تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔

جو عورت طلاق کی عدت میں بیٹھی ہو اس کو تو کسی بھی وقت گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے ہاں جو عورت وفات کی عدت میں بیٹھی ہو وہ دن میں نکل سکتی ہے اور کچھ رات تک نکل سکتی ہے مگر رات اپنے گھر کے علاوہ دوسری جگہ بسر نہ کرے لونڈی اپنے آقا کے کام سے گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

معتدہ (عدت والی عورت) کو اپنی عدت کے دن اسی مکان میں گزارنے چاہئیں جس میں وہ فسخ و طلاق یا خاوند کی موت کے وقت سکونت پذیر ہو، ہاں اگر اس مکان سے زبردستی نکالا جائے اس مکان میں اپنے مال و اسباب کے ضائع ہو جانے کا خوف ہو یا اس مکان کے گر پڑنے کا خطرہ ہو اور یا اس مکان کا کرایہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ان صورتوں میں کسی دوسرے مکان میں عدت بیٹھنا جائز ہے۔

اسی طرح اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ میاں بیوی ایک ہی مکان میں رہیں اگرچہ وہ طلاق بائن کی عدت میں بیٹھی ہو بشرطیکہ دونوں

کے درمیان پردہ حائل رہے ہاں اگر خاوند فاسق اور ناقابل اعتماد ہو یا مکان تنگ ہو تو عورت اس گھر سے منتقل ہو جائے اگرچہ خاوند کا منتقل ہونا اولیٰ ہے اور اگر میاں بیوی کے ایک ہی مکان میں رہنے کی صورت میں وہ دونوں اپنے ساتھ کسی ایسی معتمد عورت کو رکھ لیں جو دونوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے پر قادر ہو تو بہت ہی اچھا ہے۔

اگر مرد، عورت کو اپنے ساتھ سفر میں لے گیا اور پھر سفر کے دوران اس کو طلاق بائن یا تین طلاقیں دیدیں یا مرد مر گیا اور عورت کا شہر یعنی اس کا وطن اس جگہ سے کہ جہاں طلاق یا وفات واقع ہوئی ہے سفر شرعی (یعنی تین دن کے سفر) سے کم مسافت پر واقع ہو تو وہ اپنے شہر واپس آجائے اور اگر اس مقام سے جہاں طلاق یا وفات واقع ہوئی ہے اس کا شہر سفر شرعی (یعنی تین دن کی مسافت) کے بقدر یا اس سے زائد فاصلہ پر واقع ہے اور وہ منزل مقصود (جہاں کے لئے سفر اختیار کیا تھا) اس مسافت سے کم فاصلہ پر واقع ہے تو اپنے شہر واپس آنے کی بجائے منزل مقصود چلی جائے اور ان دونوں صورتوں میں خواہ اس کا ولی اس کے ساتھ ہو یا ساتھ نہ ہو لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ عورت طلاق یا وفات کے وقت کسی شہر میں ہو تو وہاں سے عدت گزارے بغیر نہ نکلے اور نکلے تو کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کا کوئی محرم اس کے ساتھ ہو تو پھر عدت سے پہلے بھی اس شہر سے نکل سکتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

معتدہ کو بلا ضرورت ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہونا جائز نہیں

(۹) وَعَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ كَعْبٍ اَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ وَهِيَ اُخْتُ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَخْبَرَتْهَا اَنَّهَا جَاءَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْاَلُهُ اَنْ تَرْجِعَ اِلٰى اَهْلِهَا فِيْ بَنِيْ خُدْرَةَ فَاِنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِيْ طَلَبِ اَعْبُدٍ لَهُ اَبَقُوْا فَقَتَلُوْهُ قَالَتْ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَرْجِعَ اِلٰى اَهْلِيْ فَاِنَّ زَوْجِيْ لَمْ يَتْرُكْنِيْ فِيْ مَنْزِلٍ يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةٍ فَقَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَانْصَرَفْتُ حَتّٰى اِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ اَوْ فِي الْمَسْجِدِ دَعَانِيْ فَقَالَ اُمْكُثِيْ فِيْ بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهُ قَالَتْ فَاعْتَدَدْتُ فِيْهِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔

(رواہ مالک والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

"حضرت زینب بنت کعبؓ فرماتی ہیں کہ فریعہ بنت مالک بن سنان نے جو حضرت ابو سعید خدریؓ کی بہن ہیں، مجھے بتایا کہ وہ (فریعہ) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں یہ پوچھنے حاضر ہوئیں کہ کیا وہ (اپنی عدت گزارنے کے لئے) اپنے میکہ بنی خدرہ میں منتقل ہو سکتی ہیں کیونکہ ان کے شوہر اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں گئے تھے کہ ان غلاموں نے انہیں مار ڈالا چنانچہ فریعہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ میں اپنے میکے میں آجاؤں کیونکہ میرے شوہر نے مجھے جس مکان میں چھوڑا ہے وہ اس کے مالک نہیں تھے (یعنی میں جس مکان میں رہتی ہوں وہ ان کی ملکیت میں نہیں تھا) اور نہ ہی میرے پاس کھانے پینے کے خرچ کا کوئی انتظام ہے۔ فریعہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "بہتر ہے کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ۔ چنانچہ میں (یہ اجازت حاصل کر کے) واپس ہوئی اور جب حجرۂ مبارکہ کے صحن میں یا مسجد نبویؐ میں پہنچی تو آپ ﷺ نے مجھے پھر بلایا اور فرمایا "تم اپنے اسی گھر میں عدت میں بیٹھو (جس میں تمہارے شوہر کے مرنے کی خبر آئی ہے اگرچہ وہ تمہارے شوہر کی ملکیت میں نہیں ہے) تاآنکہ کتاب (یعنی عدت) اپنی مدت تک پہنچ جائے" فریعہ کہتی ہیں کہ میں (آنحضرت ﷺ کے اس حکم کے مطابق) چار مہینہ دس دن تک اسی مکان میں عدت میں بیٹھی رہی۔"

(مالکؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتدہ (یعنی عدت میں بیٹھی ہ... رت) کو بلا ضرورت ایک مکان سے دوسرے مکان میں اٹھ آنا

درست نہیں ہے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جو عورت اپنے خاوند کے مرجانے کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو، اس کے لئے سکنی (یعنی شوہر ہی کے مکان میں عدت گزارنا) ضروری ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت امام شافعیؒ کے دو قول ہیں جس میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کے لئے سکنی ضروری ہے، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی اسی کے قائل تھے۔ ان کی طرف سے یہی حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے تو فریعہؓ کو مکان منتقل کرنے کی اجازت دیدی مگر پھر آپ ﷺ نے ان کو منتقل ہونے سے منع کر دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کے اسی مکان میں عدت کے دن گزاریں، اس سے ثابت ہوا کہ فریعہؓ کو پہلے آپ ﷺ کا اجازت دینا آپ ﷺ کے اس امکثی فی بیتک الخ (تم اپنے اسی گھر میں عدت میں بیٹھو) کے ذریعہ منسوخ ہو گیا۔

حضرت امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ معتدہ وفات کے لئے سکنی ضروری نہیں ہے بلکہ وہ جہاں چاہے عدت میں بیٹھ جائے اور یہی قول حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا بھی تھا اس قول کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فریعہؓ کو مکان میں منتقل ہونے کی اجازت عطا فرمادی تھی۔ اور پھر بعد میں آپ ﷺ نے ان کو اپنے ہی مکان میں عدت گزارنے کا جو حکم فرمایا وہ استحباب کے طور پر تھا، اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا جو مسلک ہے۔ وہ انشاء اللہ باب النفقات کے ابتداء میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

عدت کے دنوں میں بناؤ سنگار کی کوئی بھی چیز استعمال نہ کی جائے

⑩ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ اَبُوْسَلَمَةَ وَقَدْ جَعَلْتُ عَلَيَّ صَبِرًا فَقَالَ مَا هٰذَا يَا اُمَّ سَلَمَةَ قُلْتُ اِنَّمَا هُوَ صَبِرٌ لَيْسَ فِيْهِ طِيْبٌ فَقَالَ اِنَّهُ يَشُبُّ الْوَجْهَ فَلَا تَجْعَلِيْهِ اِلَّا بِاللَّيْلِ وَتَنْزِعِيْهِ بِالنَّهَارِ وَلَا تَمْتَشِطِيْ بِالطِّيْبِ وَلَا بِالْحِنَاءِ فَاِنَّهُ خِضَابٌ قُلْتُ بِاَيِّ شَيْءٍ اَمْتَشِطُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ بِالسِّدْرِ تُغَلِّفِيْنَ بِهٖ رَاْسَكِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت اُم سلمہؓ (جو آنحضرت ﷺ کی زوجۂ مطہرہ ہیں) روایت کرتی ہیں کہ جب (میرے پہلے شوہر) ابو سلمہؓ کا انتقال ہوا (اور میں عدت میں بیٹھی ہوئی تھی) تو (ایک دن) رسول کریم ﷺ میرے گھر تشریف لائے، اس وقت میں نے اپنے منہ پر ایلوا لگا رکھا تھا، آپ ﷺ نے یہ (دیکھ کر) فرمایا کہ اُم سلمہ! یہ کیا ہے؟ (یعنی تم نے عدت کے دنوں میں منہ پر یہ کیا لگا رکھا ہے؟) میں نے عرض کیا کہ "یہ تو ایلوا ہے جس میں کسی قسم کی کوئی خوشبو نہیں ہے" آپ ﷺ نے فرمایا "مگر ایلوا چہرے کو جوان بنا دیتا ہے (یعنی ایلوا لگانے سے چہرہ چمکدار ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ نکھر جاتا ہے) لہٰذا تم اس کو نہ لگاؤ ہاں اگر (کسی وجہ سے لگانا ضروری ہی ہو تو) رات میں لگا لو اور دن میں صاف کر ڈالو (کیونکہ رات میں استعمال کرنے سے بناؤ سنگار کا گمان بھی ہوگا) اسی طرح خوشبو دار کنگھی بھی نہ کرو اور نہ مہندی کے ساتھ کنگھی کرو کیونکہ مہندی (سرخ) رنگ لئے ہوتی ہے اور (اس میں خوشبو ہوتی ہے جب کہ یہ سوگ کی حالت میں ممنوع ہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر میں کس چیز کے ساتھ کنگھی کروں؟ (یعنی اپنے بالوں کو کس چیز سے صاف کروں) آپ ﷺ نے فرمایا بیری کے پتوں کے ساتھ کنگھی کرو اور ان پتوں سے اپنے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لو (یعنی بیری کے پتے اپنے سر پر اتنی مقدار میں ڈالو کہ وہ تمہارے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لیں۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: خوشبودار تیل کے بارہ میں تو علماء کا اتفاق و اجماع ہے کہ عدت والی عورت اس کا استعمال نہ کرے البتہ بغیر خوشبو کے تیل مثلاً روغن زیتون و تل کے بارہ میں اختلافی اقوال ہیں چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ تو بغیر خوشبو کا تیل لگانے سے بھی منع

کرتے ہیں البتہ ضرورت و مجبوری کی حالت میں اس کی اجازت دیتے ہیں اور حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ، اور علماء ظواہر نے عدت والی عورت کے لئے ایسے تیل کے استعمال کو جائز رکھا ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔

⑪ وَعَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَا تَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ مِنَ الثِّيَابِ وَلَا الْمُمَشَّقَةَ وَلَا الْحُلِيَّ وَلَا تَخْتَضِبُ وَلَا تَكْتَحِلُ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت اُمّ سلمہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جس عورت کا خاوند مر جائے وہ نہ کسم میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ گیرو میں رنگا ہوا کپڑا پہنے، نہ زیور پہنے، نہ ہاتھ پاؤں اور بالوں پر مہندی لگائے اور نہ سرمہ لگائے۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: اگر سیاہ اور خاکستری رنگ کے کپڑے پہنے تو کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح کسم میں زیادہ دنوں کا رنگا ہوا کپڑا کہ جس سے خوشبو نہ آتی ہو، پہننا بھی درست ہے، ہدایہ میں لکھا ہے کہ مذکورہ بالا عورت کو کسی عذر مثلاً کھجلی یا جوئیں یا کسی بیماری کی وجہ سے ریشمی کپڑا پہننا بھی جائز ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

مطلقہ کی عدت کے بارہ میں ایک بحث

⑫ عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ اَنَّ الْاَحْوَصَ هَلَكَ بِالشَّامِ حِيْنَ دَخَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ وَقَدْ كَانَ طَلَّقَهَا فَكَتَبَ مُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِي سُفْيَانَ اِلٰى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ يَسْاَلُهُ عَنْ ذٰلِكَ فَكَتَبَ اِلَيْهِ زَيْدٌ اَنَّهَا اِذَا دَخَلَتْ فِي الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ وَبَرِئَ مِنْهَا لَا يَرِثُهَا وَلَا تَرِثُهُ۔ (رواہ مالک)

"حضرت سلیمان ابن یسارؒ کہتے ہیں کہ احوصؒ نے ملک شام میں اس وقت وفات پائی جب کہ ان کی بیوی کا تیسرا حیض شروع ہو چکا تھا اور احوصؒ نے (اپنے مرنے سے پہلے) ان کو طلاق دیدی تھی چنانچہ حضرت معاویہ ابن ابوسفیانؓ نے اس مسئلہ کو دریافت کرنے کے لئے حضرت زید ابن ثابتؓ کو خط لکھا، حضرت زیدؓ نے حضرت معاویہؓ کو جواب میں لکھا کہ "جب اس عورت کا تیسرا حیض شروع ہو گیا تو وہ احوصؒ سے الگ ہو گئی اور احوصؒ اس سے الگ ہو گئے نہ تو احوصؒ اس کے وارث ہوئے اور نہ وہ احوصؒ کی وارث ہوئی۔" (مالکؒ)

تشریح: صورت مسئلہ یہ تھی کہ حضرت احوصؒ نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ تین حیض آنے تک کے لئے عدت میں بیٹھ گئیں جیسا کہ طلاق کی عدت کا حکم ہے پھر ابھی ان کی عدت پوری نہیں ہوئی تھی (اور تیسرا حیض شروع ہوا تھا کہ احوص کا انتقال ہو گیا اس صورت میں انہیں چار مہینے دس دن تک وفات کی عدت میں بیٹھنا چاہئے تھا چنانچہ حضرت معاویہؓ نے حضرت زید ابن ثابتؓ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اس صورت میں عورت، خاوند کی وارث ہو گی یا نہیں؟ حضرت زیدؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ جب تیسرا حیض شروع ہو گیا ہے تو محض تیسرے حیض کا خون دیکھتے ہی اس کا تعلق منقطع ہو گیا۔ اور زوجیت کی پابندی سے آزاد ہو گئی کیونکہ اس صورت میں طلاق کی عدت یا تو اس اعتبار سے کہ اس کی عدت کا زیادہ حصہ گزر گیا ہے یا اس اعتبار سے کہ تیسرا حیض شروع ہو گیا۔ پوری ہو گئی ہے اس صورت میں وفات کی عدت ساقط ہو گئی لہٰذا جس طرح طلاق کی عدت پوری ہو جانے پر اگر مرد زندہ ہوتا تو وہ عورت کا وارث نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح اب مذکورہ مسئلہ میں جب کہ مرد مر گیا ہو تو عورت اس کی وارث نہیں ہو گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ کا مقصد صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ عورت احوصؒ کی وارث ہو گی یا نہیں؟ جب کہ یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت معاویہؓ کا مقصد عدت کے بارہ میں معلوم کرنا تھا کہ آیا یہ عورت اپنی طلاق کی عدت جاری رکھے یعنی تیسرا حیض جو شروع ہو چکا ہے اس سے پاک ہو کر عدت سے نکل آئے یا اب وفات کی عدت بیٹھ جائے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ اس موقع پر طیبیؒ (شافعی) نے لکھا ہے کہ اس سے صریحا یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مطلقہ عورت کی عدت کے بارہ میں جو یہ حکم دیا ہے کہ:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ۔ (البقرہ۲:۲۲۸)

"اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین حیض ختم ہونے تک۔"

تو اس میں قروء سے مراد طہر ہیں (گویا طیبیؒ کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک مطلقہ کی عدت تین حیض نہیں بلکہ تین طہر ہیں) حالانکہ (طیبیؒ کی یہ بات کہ اس حدیث سے شوافع کا مسلک ثابت ہوتا ہے کوئی مضبوط بات نہیں ہے کیونکہ) اول تو یہ ایک صحابیؓ (حضرت زید بن ثابت) کا مسلک ہے دوسرے یہ کہ خود انہی (حضرت زیدؓ سے اس امر کے برخلاف بھی منقول ہے (چنانچہ ان سے یہ منقول ہے کہ عدۃ الامۃ حیضتان یعنی لونڈی کی عدت دو حیض ہیں پھر اس کے علاوہ یہ قطعًا معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت زید کے قول پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک ثلثۃ قروء سے مراد "تین حیض" ہیں چنانچہ خلفاء راشدین اور اکثر صحابہ کا بھی یہ قول ہے نیز تیرہ صحابیوں سے منقول ہے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ بیوی (طلاق کی عدت میں) جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو جائے، مرد (یعنی خاوند کہ جس نے اس کو طلاق دی ہے) اس کا زیادہ حق رکھتا ہے (مطلب یہ کہ تیسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد ہی عدت کی مدت پوری ہوتی ہے اور اس بیوی سے مرد کا مکمل انقطاع ہو جاتا ہے) اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ "قروء" سے "حیض" مراد ہیں۔ ملا علی قاریؒ نے اپنی کتاب میں اس موقع پر تفصیلی بحث کی ہے اور حنفیہ کے بہت سے دلائل لکھے ہیں۔

مطلقہ کی عدت کا ایک مسئلہ

⑭ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَيُّمَا امْرَأَةٍ طُلِّقَتْ فَحَاضَتْ حَيْضَةً اَوْحَيْضَتَيْنِ ثُمَّ رُفِعَتْهَا حَيْضَتُهَا فَاِنَّهَا تَنْتَظِرُ تِسْعَةَ اَشْهُرٍ فَاِنْ بَانَ بِهَا حَمْلٌ فَذٰلِكَ وَاِلَّا اعْتَدَّتْ بَعْدَ التِّسْعَةِ الْاَشْهُرِ ثُمَّ حَلَّتْ۔ (رواہ مالک)

"اور سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا "جس عورت کو طلاق دی گئی ہو اور اس کو ایک یا دو بار حیض آکر پھر موقوف ہو گیا ہو تو وہ نو مہینے تک انتظار کرے اگر (اس عرصہ میں) حمل ظاہر ہو جائے تو اس کا حکم ظاہر ہے کہ جب ولادت ہوگی تو عدت پوری ہوگی اور حمل ظاہر نہ ہو تو پھر نو مہینے کے بعد تین مہینہ تک عدت کے دن گزارے اور اس کے بعد حلال ہو (یعنی عدت سے نکل آئے)۔" (مالکؒ)

بَابُ الْاِسْتِبْرَاءِ

استبراء کا بیان

شریعت میں "استبراء" کا مطلب ہے لونڈی کے رحم کی حمل سے پاکی (صفائی) طلب کرنا اس کی فقہی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی شخص کی ملکیت میں کوئی لونڈی آئے خواہ اس نے اس کو خریدا ہو یا کسی وصیت میں ملی ہو، یا کسی نے ہبہ کی ہو اور یا میراث میں ملی ہو تو اس شخص کو اس لونڈی سے اس وقت تک جماع کرنا یا مساس کرنا اور یا بوسہ لینا وغیرہ حرام ہے جب تک کہ استبراء نہ کر لے یعنی اس کے قبضہ میں آنے کے بعد ایک حیض نہ آجائے اگر اس کو حیض آتا ہو، یا نہ آنے کی صورت میں اس پر ایک مہینہ کی مدت نہ گزر جائے اور یا حاملہ ہونے کی صورت میں ولادت نہ ہو جائے اور یہ استبراء ہر حال میں کرنا ضروری ہے خواہ وہ باکرہ ہی کیوں نہ ہو یا اس کو کسی عورت نے

کیوں نہ خریدا ہو یا وہ کسی محرم یا اپنے نابالغ بچہ کے مال سے بذریعہ وراثت وغیرہ کیوں نہ حاصل ہوئی ہو اگرچہ ان صورتوں میں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ استبراء واجب نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ "استبراء" میں حکمت یہ ہے کہ اس طریقہ سے اس کے رحم کا کسی غیر کے نطفہ سے پاک ہونا معلوم ہو جائے تاکہ اس کے نطفہ کا کسی غیر کے نطفہ کے ساتھ اختلاط نہ ہو اور ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں کسی غیر کے نطفہ کا کوئی احتمال نہیں ہے لیکن چونکہ یہ صریح نص ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اوطاس کے غزوہ کے موقع پر حاصل ہونے والی لونڈیوں کے بارہ میں فرمایا کہ "خبردار! حاملہ لونڈی سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب کہ اس کے ولادت نہ ہو جائے اور غیر حاملہ سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آجائے" اور ظاہر ہے کہ ان لونڈیوں میں باکرہ بھی ہوں گی اور ایسی لونڈیاں بھی ہوں گی جو باکرہ کی طرح نطفہ کے اختلاط کا احتمال نہیں رکھتی ہوں گی، اس لئے قیاس کو نظر انداز کر کے ان صورتوں میں بھی استبراء کو واجب قرار دیا گیا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

استبراء کے بغیر لونڈی سے جماع کرنے والا لعنت کا مستحق ہے

① عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِامْرَأَةٍ مُجِحٍّ فَسَأَلَ عَنْهَا فَقَالُوْا اَمَةٌ لِفُلَانٍ قَالَ اَیُلِمُّ بِهَا قَالُوْا نَعَمْ قَالَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَلْعَنَهُ لَعْنًا یَدْخُلُ مَعَهُ فِیْ قَبْرِهِ کَیْفَ یَسْتَخْدِمُهُ وَهُوَ لَا یَحِلُّ لَهُ اَمْ کَیْفَ یُوَرِّثُهُ وَهُوَ لَا یَحِلُّ لَهُ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابو درداءؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ایک عورت کے قریب سے گزرے جس کے جلد ہی ولادت ہونے والی تھی، آپ ﷺ نے اس کے بارہ میں دریافت فرمایا (کہ یہ کوئی آزاد عورت ہے یا لونڈی ہے؟) صحابہؓ نے عرض کیا کہ "فلاں شخص کی لونڈی ہے" آپ ﷺ نے پوچھا "کیا وہ شخص اس سے صحبت کرتا ہے"؟ صحابہؓ نے عرض کیا "ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا "میں نے ارادہ کیا کہ اس شخص پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر میں بھی جائے (یعنی ایسی لعنت جو ہمیشہ رہے بایں طور کہ اس کا اثر اس کے مرنے کے بعد باقی رہے وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا جب کہ بیٹے سے خدمت کے لئے کہنا یا اس کو غلام بنانا حلال نہیں ہے، یا اس کو کس طرح اپنا وارث قرار دے گا جب کہ غیر کے بیٹے کو اپنا وارث بنانا حلال نہیں ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس شخص پر لعنت کا ارادہ اس لئے فرمایا کہ جب اس نے ایک لونڈی سے جماع کیا جو حالت حمل میں اس کی ملکیت میں آئی تو اس استبراء کو ترک کیا حالانکہ وہ فرض ہے۔ "وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا الخ" آپ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ ترک استبراء پر لعنت کے سبب کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی لونڈی سے بغیر استبراء کے صحبت کرے گا اور پھر اس سے بچہ پیدا ہوگا تو اس بچہ کے بارہ میں یا یہ احتمال ہوگا کہ وہ اس شخص کے نطفہ سے جس کی ملکیت سے نکل کر یہ لونڈی، بغیر استبراء کے صحبت کرنے والے کی ملکیت میں آئی ہے تو اس صورت میں اگر وہ شخص کہ جس نے بغیر استبراء کے اس لونڈی سے جماع کیا ہے اس بچہ کے نسب کا اقرار کرے گا یعنی یہ کہے گا کہ یہ بچہ میرا ہے (جب کہ حقیقت میں وہ اس کے نطفہ سے نہیں ہے) تو وہ بچہ اس شخص کا وارث ہوگا لہٰذا اس طرح ایک دوسرے شخص کے بچہ کو اپنا وارث بنانا لازم آئے گا جو حرام ہے اور اس پر وہ لعنت کا مستحق ہوگا یا پھر یہ صورت ہوگی کہ وہ اس بچہ کے نسب سے انکار کر دے گا (جب کہ اس احتمال کے مطابق حقیقت میں وہ بچہ اس کا بیٹا ہوگا) لہٰذا اس طرح اپنے ہی بیٹے سے غلامی کرانا اور اپنا نسب منقطع کرنا لازم آئے گا اور یہ بھی لعنت کو مستحق کرنے والی صورت ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ تحقیق حال کے لئے استبراء نہایت ضروری ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

بغیر استبراء لونڈی سے صحبت کرنے کی ممانعت

(۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَفَعَهٗ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ سَبَایَا اَوْطَاسٍ لَا تُوْطَاُ حَامِلٌ حَتّٰی تَضَعَ وَلَا غَیْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتّٰی تَحِیْضَ حَیْضَةً۔ (رواہ احمد وابوداؤد والدارمی)

"حضرت ابوسعید خدریؓ نبی کریم ﷺ سے بطریق مرفوع نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہونے والی لونڈیوں کے بارہ میں فرمایا کہ کسی حاملہ عورت سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کے ولادت نہ ہو جائے اور غیر حاملہ سے بھی اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آجائے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ، دارمیؒ)

تشریح: اگر کسی غیر حاملہ کو اس کی کم عمری کی وجہ سے یا زیادہ عمر ہو جانے کے سبب سے حیض نہ آتا ہو تو اس کا استبراء یہ ہے کہ ایک مہینہ کی مدت تک اس کے پاس جانے سے اجتناب کرے جب ایک مہینہ گزر جائے تب اس سے جماع کرے اس صورت کو اس حدیث میں اس لئے ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ یہ قلیل الوجود اور نادر ہے۔

لونڈی حیض کی حالت میں کسی کی ملکیت میں آئے تو استبراء میں اس حیض کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ دوسرے پورے حیض کا اعتبار کیا جائے گا۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لونڈی کے لئے نئی ملکیت کا پیدا ہو جانا استبراء کو واجب کرتا ہے چنانچہ چاروں آئمہؒ کا یہی مسلک ہے نیز یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ دار الحرب سے کسی کافرہ کو بطور لونڈی کے پکڑ لانے سے اس کا پہلا نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ (یعنی کفار سے جنگ وغیرہ کی صورت میں ان کی جو شادی شدہ عورتیں بطور لونڈی ہاتھ لگیں ان کے شوہروں سے ان کی زوجیت کا تعلق ختم ہو جائے گا) لیکن اس بارہ میں حدیث کا ظاہر مفہوم مطلق ہے خواہ ان کے خاوند بھی ان کے ساتھ نہ ہوں چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہی ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ پکڑ کر لائے جائیں تو اس صورت میں ان کا نکاح باقی رہتا ہے۔

(۳) وَعَنْ رُوَیْفِعِ بْنِ ثَابِتِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ حُنَیْنٍ لَا یَحِلُّ لِامْرِءٍ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّسْقِیَ مَاءَهٗ زَرْعَ غَیْرِهٖ یَعْنِیْ اِتْیَانَ الْحُبَالٰی وَلَا یَحِلُّ لِامْرِءٍ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّقَعَ عَلَی امْرَاَةٍ مِنَ السَّبْیِ حَتّٰی یَسْتَبْرِءَهَا وَلَا یَحِلُّ لِامْرِءٍ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّبِیْعَ مَغْنَمًا حَتّٰی یُقْسَمَ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ اِلٰی قَوْلِهٖ زَرْعَ غَیْرِهٖ۔

"اور حضرت رویفع ابن ثابت الانصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے غزوہ حنین کے دن فرمایا کہ "جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے۔ (یعنی اس عورت سے جماع کرنا جو بطور باندی کے ہاتھ لگی ہے اور کسی دوسرے کے نطفہ سے حاملہ ہے، جائز نہیں ہے) اور جو شخص خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کفار سے جنگ میں گرفتار شدہ لونڈی سے اس وقت تک جماع کرے جب کہ ایک حیض آنے یا ایک مہینہ گزرنے کا انتظار کر کے) اس کا استبراء نہ کر لے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی درست نہیں ہے کہ وہ مال غنیمت کو بیچے جب تک وہ تقسیم نہ ہو جائے (یعنی مال غنیمت میں کسی قسم کا تصرف اور خیانت نہ کرے) ابوداؤدؒ، اور امام ترمذیؒ، نے اس روایت کو لفظ زرع تک نقل کیا ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

غیر حائضہ لونڈی کے حق کے استبراء کی مدت

④ عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِي اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ بِاسْتِبْرَاءِ الْاِمَاءِ بِحَيْضَةٍ اِنْ كَانَتْ مِمَّنْ تَحِيْضُ وَثَلَاثَةِ اَشْهُرٍ اِنْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَحِيْضُ وَيَنْهٰى عَنْ سَقْيِ مَاءِ الْغَيْرِ۔

"حضرت امام مالکؒ کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم ﷺ ایک حیض کے ذریعہ لونڈیوں کے استبراء کا حکم فرماتے تھے بشرطیکہ ان لونڈیوں کو حیض آتا ہو اور اگر کوئی لونڈی ایسی ہوتی تھی جس کو حیض نہیں آتا تھا تو اس کے لئے تین مہینہ مدت کے ذریعہ استبراء کا حکم دیتے تھے (یعنی آپ ﷺ نے یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ جن لونڈیوں کو حیض آتا ہے ان سے ان کے نئے مالک اس وقت تک جماع نہ کریں جب تک تین مہینہ کی مدت نہ گزر جائے) نیز آپ ﷺ نے غیر کو اپنا پانی پلانے سے منع کیا۔"

تشریح: حدیث کے آخری جملہ میں حاملہ لونڈی کے استبراء کا حکم ہے کہ اگر کوئی لونڈی حمل کی حالت میں اپنی ملکیت میں آئے تو اس سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک کہ وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے تاکہ اس لونڈی کے رحم میں جو ایک دوسرے شخص کے نطفہ کا حمل ہے اس سے اپنے نطفہ و نسب کا اختلاط نہ ہو۔

غیر حائضہ لونڈی کے بارہ میں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ جس لونڈی کو حیض نہ آتا ہو اس کا استبراء یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر پورا ایک مہینہ یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے اور بعض حضرات نے اس حدیث کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ غیر حائضہ کا استبراء یہ ہے کہ اس سے اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر تین مہینے یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے۔

باکرہ لونڈی کے لئے استبراء واجب ہے

⑤ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ اِذَا وُهِبَتِ الْوَلِيْدَةُ الَّتِي تُوْطَأُ اَوْ بِيْعَتْ اَوْ اُعْتِقَتْ فَلْتَسْتَبْرِئْ رَحِمَهَا بِحَيْضَةٍ وَلَا تَسْتَبْرِئُ الْعَذْرَاءُ رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا "جب کوئی ایسی لونڈی جس سے جماع کیا جاتا تھا ہبہ کی جائے، یا فروخت کی جائے یا آزاد کی جائے تو اس کو چاہئے کہ ایک حیض کے ذریعہ اپنے رحم کو پاک (صاف) کرے البتہ باکرہ (کنواری) کو پاک (صاف) کرنے کی ضرورت نہیں ہے" یہ دونوں روایتیں رزینؒ نے نقل کی ہیں۔"

تشریح: اس حدیث پر ابن شریحؒ نے عمل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ باکرہ لونڈی کے لئے استبراء واجب نہیں ہے جب کہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس کے لئے بھی استبراء واجب ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہونے والی لونڈیوں کے بارہ میں استبراء کا جو حکم دیا تھا وہ عام ہے اس میں باکرہ کا کوئی استثناء نہیں ہے۔

ام ولد کی عدت: صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جس اُمّ ولد کا آقا مر جائے یا اس کو اس کا آقا آزاد کرے تو اس کی عدت کی مدت تین حیض ہیں اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی مدت تین مہینے ہوگی۔

اور علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ اُمّ ولد نہ تو حاملہ ہو نہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو اور نہ کسی کی عدت میں ہو، چنانچہ اگر وہ حاملہ ہوگی تو پھر اس کی عدت تا وضع حمل ہوگی اور اگر وہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہوگی یا کسی کی عدت میں ہوگی تو چونکہ ان صورتوں میں اس (مولیٰ) کے ساتھ اس کے جنسی اختلاط کا کوئی سوال ہی نہیں اس لئے آقا کے آزاد کر دینے کی

وجہ سے یا آقا کے مرجانے کے سبب سے اس پر عدت واجب نہیں ہوگی۔ یہ حنفیہ کا مسلک ہے اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ (آقا کی طرف سے آزاد کئے جانے یا آقا کے مرجانے کی صورت میں) اُمّ ولد کی عدت ایک حیض ہے، حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ کا بھی قول یہی ہے۔

بَابُ النَّفَقَاتِ وَحَقُّ الْمَمْلُوْكِ

نفقات اور لونڈی غلام کے حقوق کا بیان

"نفقات" نفقہ کی جمع ہے اور نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں جو خرچ کی جائے جب کہ شرعی اصطلاح میں طعام، لباس اور سکنی (مکان) کو "نفقہ" کہتے ہیں چونکہ "نفقہ" کی کئی نوعیتیں اور قسمیں ہوتی ہیں جیسے بیوی کا نفقہ، اولاد کا نفقہ، والدین کا نفقہ اور عزیز و اقارب کا نفقہ وغیرہ اس لئے نفقہ کی ان انواع کے اعتبار سے عنوان میں "نفقات" یعنی جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے نیز یہاں "نفقہ" سے اس کا عام مفہوم مراد ہے خواہ واجب ہو یا غیر واجب ہو۔

"لونڈی غلام کے حقوق" کا مطلب ہے ان کو کھلانا پہنانا اور ان پر ایسے کاموں کا بوجھ نہ ڈالنا جو ان کی طاقت و ہمت سے باہر ہوں۔

بیوی کے نفقہ کے احکام و مسائل: مرد پر اپنی بیوی کا نفقہ یعنی کھانے پینے کا خرچ لباس اور مکان دینا واجب ہے چاہے مرد عمر میں اپنی بیوی سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اور خواہ بیوی مسلمان ہو یا کافرہ ہو، خواہ بالغہ، ہو یا ایسی نابالغہ ہو جس سے جماع نہ کیا جا سکتا ہو لیکن نفقہ واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس بیوی نے اپنے آپ کو شوہر کے گھر میں شوہر کے سپرد کر دیا ہو یا اگر سپرد نہ کیا ہو تو اس کی وجہ یا تو اس کا کوئی حق ہو (کہ جس کو ادا کرنے سے انکار کرتا ہو) یا خود شوہر سپرد کرنے کا مطالبہ نہ کرتا ہو۔

بہتر یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اپنا ہم پیالہ و ہم نوالہ بنائے، دونوں ایک ساتھ رہیں اور حیثیت کے مطابق جو کچھ میسر ہو اس میں دونوں گزارہ کریں اور جیسا کہ شریف گھرانوں کا قاعدہ ہے شوہر باہر کسب معاش کرے اور بیوی گھر کے انتظامات کی ذمہ دار بنے شوہر جو کچھ کمائے اس کے مطابق جنس و سامان گھر میں مہیا کرے اور بیوی اپنی سلیقہ شعاری کے ذریعہ اس جنس و سامان کو پورے گھر اور متعلقین کی ضرورتوں میں صرف کرے اور اگر کسی وجہ سے شوہر و بیوی کا اس طرح ہم پیالہ و ہم نوالہ رہنا ممکن نہ ہو اور بیوی قاضی و حاکم کے یہاں یہ درخواست کرے کہ میرے لئے شوہر پر نفقہ مقرر کر دیا جائے تو حاکم و قاضی کی طرف سے بیوی کے لئے ماہانہ نفقہ (کھانے پینے کا خرچ) مقرر کر دیا جائے گا۔ اور وہ مقرر مقدار اس کے سپرد کرائی جائے گی اسی طرح ایک سال میں دو مرتبہ کپڑا دینا مقرر کیا جائے گا اور وہ مقرر کپڑا ہر ششماہی پر اس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ اگر قاضی و حاکم نے عورت کے لئے ماہانہ نفقہ مقرر کر دیا تو شوہر اس کو ماہانہ ادا کرے گا اور اگر شوہر نے ماہانہ نہ دیا اور عورت نے روزانہ طلب کیا تو شام کے وقت عورت کو مطالبہ کرنے کا اختیار ہوگا۔

نفقہ مقرر کرنے کے سلسلہ میں اس مقدار کا لحاظ رکھا جائے گا جو بیوی کے لئے کافی ہو اور بغیر کسی اسراف و تنگی کے اپنا گزارہ کر سکے۔ رہی معیار کی بات تو اس میں میاں بیوی دونوں کی حالت و حیثیت کا اعتبار ہوگا، اگر وہ دونوں مالی طور پر اچھی حالت و حیثیت کے مالک ہیں تو اچھی ہی حیثیت کا نفقہ بھی واجب ہوگا اور اگر وہ دونوں تنگ دست و مفلس ہوں تو نفقہ بھی اسی کے اعتبار سے واجب ہوگا اور اگر یہ صورت ہو کہ میاں تو خوش حال ہو اور بیوی تنگدست ہو یا میاں تنگدست ہو اور بیوی خوشحال ہو تو پھر درمیانی درجہ کا نفقہ واجب ہوگا یعنی وہ نفقہ دیا جائے گا جو خوشحالی کے درجہ سے کم ہو اور تنگدستی کے درجہ سے زیادہ ہو اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ بہر صورت شوہر ہی کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا وہ جس حالت و حیثیت کا ہوگا اسی کے مطابق نفقہ مقرر کیا جائے گا خواہ بیوی کسی بھی حیثیت و حالت کی مالک ہو۔

اگر شوہر و بیوی کے درمیان خوشحالی و تنگدستی کے بارہ میں اختلاف پیدا ہو یعنی شوہر تو کہے کہ میں تنگدست ہوں اس لئے تنگدستی کا نفقہ دوں گا۔ اور بیوی کہے کہ نہیں، تم خوشحال ہو اس لئے میں خوشحالی کا نفقہ لوں گی اور پھر یہ معاملہ حاکم وقاضی کی عدالت میں پہنچے اور بیوی اپنے دعوی کے گواہ پیش کردے تو ان گواہوں کا اعتبار کر کے بیوی کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا جائے گا۔ اور اگر بیوی نے گواہ پیش نہ کئے تو پھر شوہر کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔

اگر بیوی کے ساتھ کوئی خادم یا خادمہ بھی ہے اور شوہر خوشحال ہے تو عورت کے نفقہ کے ساتھ اس خادم یا خادمہ کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہوگا اور اگر شوہر تنگدست ہو تو اس خادم یا خادمہ کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں ہوگا۔

اگر حاکم وقاضی نے شوہر کی تنگدستی کی وجہ سے اس کی بیوی کے لئے تنگدستی کا نفقہ مقرر کر دیا اور پھر شوہر خوش حال ہو گیا اور بیوی نے خوش حالی کے نفقہ کا دعوی کیا تو اس کے لئے خوش حالی کا نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اگر شوہر کی خوش حالی کی وجہ سے بیوی کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا گیا تھا اور پھر شوہر تنگدست ہو گیا تو اب تنگدستی کا نفقہ مقرر کر دیا جائے گا۔

جو عورت شوہر کی وفات کی عدت میں ہو اس کو نفقہ نہیں ملتا خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو اسی طرح جو بیوی نافرمان ہو جائے یعنی شوہر کی اجازت کے بغیر اور بلا کسی وجہ کے شوہر کے گھر سے چلی جائے تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا، نیز جو بیوی کسی دین (یعنی قرض وغیرہ) کی عدم ادائیگی کی وجہ سے قید خانہ میں ڈال دی گئی ہو یا اپنے میکہ میں ایسی بیمار ہو کہ شادی کے بعد شوہر کے گھر نہ بھیجی گئی ہو، یا اس کو کوئی غاصب لے کر بھاگ گیا ہو یا وہ اتنی کم عمر ہو کہ اس کے ساتھ جماع نہ کیا جا سکتا ہو اور یا بغیر شوہر کے حج کو چلی گئی ہو تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا ہاں جو بیوی، شوہر کے ساتھ حج کو جائے گی اس کا حضر کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا سفر کا خرچ اور سواری کا کرایہ واجب نہیں ہوگا

اگر بیوی اپنے میکہ میں بیمار ہوئی اور نکاح کے بعد بیمار ہی شوہر کے گھر بھیجی گئی تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا البتہ جو بیوی اپنے شوہر کے گھر آکر بیمار ہوئی ہے اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا۔

شوہر کو چاہئے کہ بیوی کے رہنے کا ٹھکانہ و مکان، شرعی مقاصد کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق خود مقرر و مہیا کرے اور وہ مکان ایسا ہونا چاہئے جو خود اس کے اہل و عیال اور اس بیوی کے اہل و عیال سے خالی ہو اور اگر خود بیوی ان اہل و عیال کے ساتھ رہنا چاہے تو پھر اس طرح کا مکان بنا دینا واجب نہیں رہے گا۔

اگر شوہر کے گھر میں کئی کمرے ہوں اور ان میں سے ایک کمرہ کہ جس میں کواڑ اور تالہ کنجی وغیرہ ہو، خالی کر کے بیوی کو دیدے تو یہ کافی ہے بیوی کو دوسرے کمرے کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

اگر شوہر چاہے کہ گھر میں بیوی کے پاس اس کے عزیز و اقارب کو (اگرچہ دوسرے شوہر سے اس بیوی کا لڑکا ہی کیوں نہ ہو) آنے سے منع کر دے تو اس کو اس کا حق ہے ہاں اگر بیوی کے وہ عزیز و اقارب اس کے محرم ہوں تو ان کو بیوی کا سامنا کرنے یا اس سے بات چیت کرنے سے روکنے کا حق اس کو نہیں ہے اسی طرح شوہر کو یہ بھی حق نہیں ہے کہ وہ مہینہ میں ایک بار بیوی کو اپنے والدین کے پاس جانے یا والدین کو اس کے پاس آنے سے روک دے (یعنی ہفتہ میں ایک بار سے زائد آنے جانے سے روک سکتا ہے) اور والدین کے علاوہ دوسرے ذی رحم محرم رشتہ داروں کے پاس سال بھر میں ایک مرتبہ بیوی کے جانے یا بیوی کے پاس ان کے آنے پر پابندی عائد کرنے کا حق نہیں ہے (یعنی سال بھر میں ایک بار سے زائد ان کے آنے جانے پر پابندی عائد کر سکتا ہے)۔

جو عورت طلاق کی عدت میں ہو وہ شوہر سے نفقہ اور رہنے کے لئے مکان پانے کی مستحق ہے خواہ طلاق رجعی یا بائن ہو یا مغلظہ ہو اور خواہ عورت حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو، اسی طرح جو عورت ایسی تفریق (جدائی) کی عدت میں ہو جو کسی معصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی شرعی حق کی وجہ سے واقع ہوئی ہو تو اس کا نفقہ و سکنی بھی شوہر کے ذمہ ہوگا، مثلاً کوئی ام ولد یا مدبرہ کسی کے نکاح میں تھی اور پھر خیار عتق کی بناء پر

اس نے شوہر سے جدائی اختیار کرلی، یا کسی نابالغہ کا نکاح اس کے ولی نے کسی شخص کو یا تھا اور پھر اس نے بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ کی بناء پر اس شوہر سے جدائی اختیار کرلی تو ان صورتوں میں بھی عورت نفقہ اور سکنی پانے کی مستحق ہوگی اور اگر عورت کسی ایسی تفریق (جدائی) کی عدت میں ہو، جو کسی معصیت کی بناء پر واقع ہوئی ہو اس کا نفقہ و سکنی شوہر کے ذمہ نہیں ہوگا، مثلاً عورت (نعوذ باللہ) مرتد ہوگئی یا اس نے اپنے شوہر کے بیٹے سے کوئی ایسا برا فعل کرالیا جس سے شوہر پر حرام ہوگئی جیسے اس سے ہم بستری کرلی یا اس کو شہوت سے چھولیا یا اس کا بوسہ لے لیا اور اس کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہوگئی اور وہ عدت میں بیٹھ گئی تو ان صورتوں میں وہ شوہر سے کھانے پینے کا خرچ اور رہنے کے لئے مکان پانے کی مستحق نہیں ہوگی۔

اگر کسی عورت کو تین طلاقیں دی گئیں اور وہ عدت میں بیٹھ گئی نیز نفقہ و سکنی کی حقدار رہی لیکن پھر زمانہ عدت میں نعوذ باللہ مرتد ہوگئی تو اس کے نفقہ و سکنی کا حق ساقط ہو جائے گا اور اگر عورت نے اپنے زمانہ عدت میں شوہر کے لڑکے یا شوہر کے باپ سے ناجائز تعلق قائم کر لیا یا شہوت سے بوس و کنار کرالیا تو نفقہ و سکنی کی مستحق رہے گی بشرطیکہ وہ عدت طلاق رجعی کی نہ ہو بلکہ طلاق بائن مغلظہ کی ہو۔

اولاد کے نفقہ کے احکام و مسائل: نابالغ اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں کچھ بھی مال و (اسباب نہ ہو) کے اخراجات اس کے باپ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ باپ خود تنگدست و مفلس کیوں نہ ہو، کوئی دوسرا آدمی اس ذمہ داری میں شریک نہیں کیا جائے گا۔ اگر بچہ ابھی دودھ پیتا ہو اور اس کی ماں اس کے باپ کے نکاح میں ہو نیز وہ بچہ دوسری عورت کا دودھ پی لیتا ہو اور اس کی ماں اس کو دودھ پلانا نہ چاہتی ہو، تو اس ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا ہاں اگر بچہ کسی دوسری عورت کا دودھ پیتا ہی نہ ہو یا ماں کے علاوہ دودھ پلانے والی نہ ملے تو اس صورت میں وہ دودھ پلانے پر مجبور کی جائے گی۔

اگر ماں بچہ کو دودھ پلانے سے انکار کردے اور کوئی دوسری عورت دودھ پلانے والی ملتی ہو تو یہ حکم ہے کہ باپ دودھ پلانے والی کو مقرر کردے جو بچہ کو ماں کے پاس آکر دودھ پلائے اب اگر اس بچہ کی ذاتی ملکیت میں مال موجود ہو تو اس دودھ پلانے والی کی اجرت اس بچہ کے مال سے دی جائے گی۔ اگر بچہ کی ذاتی ملکیت میں مال موجود نہ ہو تو پھر دودھ پلانے کی اجرت باپ کے ذمہ ہوگی۔

اگر باپ بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کے لئے اجارہ پر مقرر کرے اور وہ اس کے نکاح میں ہو یا طلاق رجعی کی عدت میں ہو تو یہ جائز نہیں ہے ہاں اگر وہ ماں طلاق بائن یا طلاق مغلظہ کی عدت میں ہو تو اس کو بھی دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھنا بعض حضرات کے نزدیک تو ناجائز ہے اور بعض حضرات کے نزدیک جائز ہے اسی طرح عدت گزرنے کے بعد ماں کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھ لینا جائز ہے، بلکہ اس صورت میں تو وہ ماں دودھ پلانے والی کسی دوسری عورت کی بہ نسبت زیادہ اجرت کا مطالبہ نہ کرے تو اس کی حماقت ہوگی۔

اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ یا معتدہ کو اپنے اس بچہ کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھے جو دوسری بیوی کے بطن سے ہو تو یہ اجارہ جائز ہے اگر کسی کی بالغ بیٹی بالکل مفلس و تنگدست ہو یا بالغ بیٹا اپاہج و معذور ہو تو ان کے اخراجات بھی باپ ہی کے ذمہ ہوں گے۔ چنانچہ فتویٰ اسی پر ہے۔ جب کہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان کے اخراجات کا دو تہائی حصہ باپ کے ذمہ اور ایک حصہ ماں کے ذمہ ہوگا۔

والدین کے نفقہ کے احکام و مسائل: اصول یعنی باپ، دادا، دادی نانا، نانی (خواہ اس کے اوپر کے درجہ کے ہوں) اگر محتاج ہوں تو ان کے اخراجات کی ذمہ داری اولاد پر ہے، بشرطیکہ اولاد خوشحال و تونگر ہو اور خوشحال و تونگر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اولاد مالی طور پر اس حیثیت و درجہ کی ہو کہ اس کو صدقہ و زکوٰۃ کا مال لینا حرام ہو۔ اگر تونگر اولاد میں مذکر و مونث (یعنی بیٹا اور بیٹی) دونوں ہوں تو اس نفقہ کی ذمہ داری دونوں پر برابر، برابر ہوگی۔

محتاج شخص کا نفقہ واجب ہونے کے سلسلہ میں قرب و جزئیت کا اعتبار ہے نہ کہ ارث کا، مثلاً اگر کسی محتاج شخص کی بیٹی اور پوتا دونوں مال دار ہوں تو اس کا نفقہ بیٹی پر واجب ہوگا باوجودیکہ اس شخص کی میراث دونوں کو پہنچتی ہے اسی طرح اگر کسی محتاج شخص کی نواسی اور بھائی دونوں مالدار ہوں تو اس کا نفقہ نواسی پر واجب ہوگا اگرچہ اس شخص کی میراث کا مستحق صرف بھائی ہوگا۔

ذوی الارحام کے نفقہ کے احکام و مسائل: ہر مالدار شخص پر اس کے ہر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے بشرطیکہ وہ ذی رحم محرم محتاج ہو یا نابالغ ہو یا مفلس عورت ہو یا اپاہج و معذور ہو یا اندھا ہو یا طالب علم ہو اور یا جہل و بے وقوفی یا کسی اور عذر کی بناء پر کمانے پر قادر نہ ہو اور اگر وہ مالدار شخص ان لوگوں پر خرچ نہ کرے تو اس کو خرچ کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ ذی رحم محرم رشتہ داروں کا نفقہ مقدار میراث کے اعتبار سے واجب ہوتا ہے۔

اور میراث کی مقدار کے اعتبار کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی محتاجی و تنگدستی کی وجہ سے اپنے ذی رحم محرم رشتہ داروں سے نفقہ حاصل کرنے کا مستحق ہے اگر اس کو مردہ تصور کر لیا جائے اور اس کی میراث کو اس کے ان ذی رحم محرم وارثوں پر تقسیم کیا جائے تو جس وارث کے حصہ میں میراث کی جو مقدار آئے گی وہی مقدار اس کے نفقہ کے طور پر اس ذی رحم محرم پر واجب ہوگی مثلاً زید ایک محتاج و تنگدست شخص ہے اس کے قریبی اعزاء ہیں صرف تین متفرق بہنیں ہیں یعنی ایک تو حقیقی بہن ہے، ایک سوتیلی بہن ہے اور ایک اخیافی بہن ہے ان تینوں بہنوں پر زید کا نفقہ واجب ہے جس کو وہ تینوں اس طرح پورا کریں گی کہ زید کا پورا نفقہ پانچ برابر، برابر حصوں میں کر کے تین خمس تو حقیقی بہن کے ذمہ ہوگا، ایک خمس سوتیلی بہن کے ذمہ ہوگا اور ایک خمس اخیافی بہن کے ذمہ ہوگا مقدار کی یہ تقسیم بالکل اسی طرح ہے جس طرح زید کے ترکہ میں سے ان بہنوں کے حصہ کی میراث کی تقسیم ہوگی۔

نیز اس سلسلہ میں مقدار میراث کا درحقیقت ہر وقت متعین و معلوم ہونا شرط نہیں ہے بلکہ محض وراثت کی اہلیت کا ہونا شرط ہے، چنانچہ اگر زید (جو محتاج و مفلس ہے) کا ایک ماموں ہے اور ایک چچازاد بھائی ہے اور وہ دونوں ہی مالدار ہیں تو زید کا نفقہ اس کے ماموں پر واجب ہوگا۔

باپ کی بیوی کا نفقہ اس کے بیٹے پر واجب ہوتا ہے اور بہو (لڑکے کی بیوی) کا نفقہ سسر پر واجب ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ لڑکا نابالغ ہو یا اپاہج و معذور ہو۔

جو شخص محتاج و مفلس ہو اس پر کسی کا نفقہ واجب نہیں ہوتا خواہ وہ والدین ہوں یا ذی رحم محرم رشتہ دار لیکن بیوی اور اولاد کا نفقہ اس پر ہر حال میں واجب رہے گا۔

دین و مذہب کے اختلاف کی صورت میں ایک دوسرے پر نفقہ واجب نہیں ہوتا لیکن بیوی، والدین، دادا، دادی، اور اولاد اور اولاد کی اولاد خواہ مذکر ہوں یا مونث، یہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان کا نفقہ دین و مذہب کے اختلاف کے باوجود واجب ہوتا ہے۔

محتاج باپ کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے نفقہ کے لئے اپنے لڑکے کا مال (یعنی اشیاء منقولہ) بیچ سکتا ہے لیکن عقار یعنی اشیاء غیر منقولہ جیسے زمین و باغات کو بیچنے کا اختیار نہیں ہوگا، اسی طرح اس لڑکے پر اگر باپ کا نفقہ کے علاوہ کوئی اور دین (یعنی قرض و مطالبہ) ہو تو اس کے لئے لڑکے کی اشیاء منقولہ کو بھی بیچنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ نیز ماں کو اپنے لڑکے کا بھی کوئی مال (خواہ اشیاء منقولہ ہو یا غیر منقولہ) بیچنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا اور صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تو باپ کو بھی اشیاء منقولہ کے بیچنے کا اختیار نہیں ہے۔

باندی اور غلام کے نفقہ کے احکام و مسائل: آقا پر اپنے غلام اور باندی کے اخراجات کی کفالت ضروری ہے خواہ ان میں ملکیت پوری ہو جیسے خالص غلام یا ادھوری ہو جیسے مدبرہ اور ام ولد اور خواہ وہ کمسن ہوں یا بڑی عمر والے اور خواہ اپاہج و معذور ہوں۔ یا بالکل تندرست و توانا ہوں۔

اگر کوئی شخص اپنے غلاموں کی کفالت سے انکار کرے تو وہ غلام اس بات کے مختار ہوں گے کہ محنت و مزدوری کریں اور جو کچھ کمائیں اس سے اپنے اخراجات پورے کریں اور اگر ان کے لئے کوئی مزدوری کا کام نہ ہو اور وہ کما کر اپنے اخراجات پورے نہ کر سکتے ہوں تو پھر قاضی و حاکم کی طرف سے آقا کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ ان غلاموں کو فروخت کر دے۔

اگر کسی شخص نے کوئی جانور خریدا تو اس پر جانور کے چارہ پانی کا انتظام کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر ان کو چارہ پانی دینے سے انکار کر دیا، تو اس کو قانونی طور پر اس جانور کو فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن دیانۃً اور اخلاقی طور پر اس کو حکم دیا جائے گا۔ کہ وہ اس جانور کو فروخت کر دے۔ یا اس کے چارہ پانی کا انتظام کرے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

بیوی اور اولاد کا بقدر ضرورت نفقہ خاوند پر واجب ہے

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيْحٌ وَّلَيْسَ يُعْطِيْنِيْ مَا يَكْفِيْنِيْ وَوَلَدِيْ اِلَّا مَا اَخَذْتُ مِنْهُ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ فَقَالَ خُذِيْ مَا يَكْفِيْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (متفق علیہ)

"ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہندہ بنت عتبہؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! (میرا شوہر) ابوسفیان بہت بخیل اور حریص ہے وہ مجھ کو اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد (کی ضروریات) کے لئے کافی ہو جائے البتہ اگر میں اس کے مال میں سے خود کچھ نکال لوں اس طرح اس کو خبر نہ ہو تو ہماری ضروریات پوری ہو جاتی ہیں (تو کیا یہ جائز ہے کہ میں شوہر کو خبر کئے بغیر اس کے مال میں سے اپنی اور اولاد کی ضروریات کے بقدر کچھ نکال لوں؟) آپ ﷺ نے فرمایا "اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کے بقدر کہ جو شریعت کے مطابق ہو (یعنی اوسط درجہ کا خرچ) اس کے مال میں سے لے لیا کرو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نفقہ بقدر ضرورت واجب ہے۔ چنانچہ تمام علماء کا اس پر اجماع و اتفاق ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔ ① مرد پر اس کی بیوی اور نابالغ اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں مال نہ ہو) کا نفقہ واجب ہے۔ ② نفقہ ضرورت و حاجت کے بقدر واجب ہوتا ہے۔ ③ فتویٰ دیتے وقت یا کوئی شرعی حق نافذ کرتے وقت اجنبی عورت کا کلام سننا جائز ہے۔ ④ کسی شخص کے بارہ میں ایسی کوئی بات بیان کرنا کہ جس کو اگر وہ سنے تو ناگواری محسوس کرے جائز ہے، بشرطیکہ یہ بیان کرنا کسی مسئلہ پوچھنے یا فتویٰ لینے کی غرض سے ہو۔ ⑤ اگر کسی شخص پر کسی دوسرے شخص کا کوئی مالی مطالبہ ہو اور وہ اس کی ادائیگی نہ کرتا ہو تو مطالبہ والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے اپنے مطالبہ کے بقدر لے لے۔ ⑥ بیوی بھی اپنے شوہر کے مال کے ذریعہ اپنی اولاد پر خرچ کرنے اور ان کی کفالت کرنے کی ذمہ دار ہے۔ ⑦ بیوی کو اپنی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے خواہ شوہر نے اس کی صریحاً اجازت دیدی ہو یا بیوی کو اس کی رضامندی کا علم ہو۔ ⑧ قاضی اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ کسی معاملہ میں مناسب سمجھے تو محض اپنے علم اور اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم جاری کر دے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ہندہؓ سے گواہ طلب نہیں کئے بلکہ اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم دے دیا۔

اللہ کی عطا کی ہوئی دولت کو پہلے اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو

② وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَعْطَى اللّٰهُ اَحَدَكُمْ خَيْرًا فَلْيَبْدَأْ بِنَفْسِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو مال و دولت عطا کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ پہلے اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے) (پھر اس کے بعد حسب مراتب اپنے دیگر متعلقین و اعزاء اور فقراء و مساکین پر خرچ کرے۔" (مسلمؒ)

غلام کا نفقہ اس کے مالک پر واجب ہے

③ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلْمَمْلُوْکِ طَعَامُہٗ وَکِسْوَتُہٗ وَیُکَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا یُطِیْقُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے غلام کے بارہ میں فرمایا کہ اس کی روٹی کپڑا اس کے آقا کے ذمہ ہے اور یہ کہ اس سے صرف اتنا کام لیا جائے جو اس کی طاقت و ہمت کے مطابق ہو۔"

تشریح: اس حدیث میں غلام کے بارہ میں دو ہدایتیں ہیں ایک تو یہ کہ غلام کا نفقہ چونکہ اس کے مالک پر واجب ہے اس لئے مالک کو چاہئے کہ وہ اپنے غلام کو اس کی حاجت کے بقدر اور اپنے شہر کے عام دستور کے مطابق اس کو روٹی کپڑا دے یعنی اس کے شہر میں عام طور پر غلام کو جس مقدار میں اور جس معیار کا روٹی اور کپڑا دیا جاتا ہے اسی کے مطابق وہ بھی دے، دوسری ہدایت یہ ہے کہ اپنے غلام کو کوئی ایسا کام کرنے کا حکم نہ دیا جائے جس پر وہ مداومت نہ کر سکتا ہو اور جو اس کی ہمت و طاقت سے باہر ہو یا جس کی وجہ سے اس کے جسم کو کوئی ظاہری نقصان پہنچ سکتا ہو۔

گویا اس ہدایت کے ذریعہ یہ احساس دلایا گیا ہے کہ انسان اپنے غلام کے بارہ میں یہ حقیقت ذہن میں رکھے کہ جس طرح، مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ان کی طاقت و ہمت سے زیادہ کسی عمل و فعل کا بار نہیں ڈالا ہے اور ان کو انہی احکام کا پابند کیا ہے جو ان کے قوائے فکر و عمل کے مطابق ہیں اسی طرح بندوں کو بھی کہ جو مالک مجازی ہیں یہی چاہئے کہ وہ اپنے مملوک یعنی غلام پر کہ جو انہی کی طرح انسان ہیں، ان کی طاقت و ہمت سے باہر کسی کام کا بار نہ ڈالیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ حدیث مرفوع منقول ہے کہ "غلام کے تئیں مالک کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ ① جب غلام نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو جلد بازی کا حکم نہ دے۔ ② جب وہ کھانا کھا رہا ہو تو اس کو اپنے کسی کام کے لئے نہ اٹھائے۔ ③ اس کو اتنا کھانا دے جس سے اس کا پیٹ اچھی طرح بھر جائے۔

غلام کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم

④ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِخْوَانُکُمْ جَعَلَھُمُ اللّٰہُ تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللّٰہُ اَخَاہُ تَحْتَ یَدَیْہِ فَلْیُطْعِمْہُ مِمَّا یَاْکُلُ وَلْیُلْبِسْہُ مِمَّا یَلْبَسُ وَلَا یُکَلِّفْہُ مِنَ الْعَمَلِ مَا یَغْلِبُہٗ فَاِنْ کَلَّفَہٗ مَا یَغْلِبُہٗ فَلْیُعِنْہُ عَلَیْہِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "غلام تمہارے بھائی ہیں اور (دین و خلقت کے اعتبار سے) تمہاری ہی طرح ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے (تمہاری آزمائش کے لئے) ماتحت بنایا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ جس شخص کے بھائی کو اس کا ماتحت بنائے (یعنی جو شخص کسی غلام کا مالک بنے) تو اس کو چاہئے کہ وہ جو خود کھائے وہی اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اس کو بھی پہنائے نیز اس سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کوئی ایسا کام اس سے لیا جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کام میں خود بھی اس کی مدد کرے۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ذریعہ مالک کو یہ حکم دینا کہ وہ اپنے غلام کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اس کو وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے۔ وجوب کے طور پر نہیں بلکہ بطریق استحباب ہے چنانچہ مالک پر اس کے مملوک کا اسی حیثیت و مقدار کا نفقہ واجب ہے جو عرف عام اور رواج و دستور کے مطابق ہو خواہ وہ مالک کے کھانے کپڑے کے برابر ہو یا اس سے کم و زیادہ ہو یہاں تک کہ

اگر مالک خواہ اپنے زہد و تقویٰ کی بنا پر یا ازراہ بخل، اپنے کھانے پینے اور پہننے میں اس طرح کی تنگی کرتا ہو جو اس حیثیت کے لوگوں کے معیار کے منافی ہے تو ایسی تنگی مملوک کے حق میں جائز نہیں ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کام غلام کے لئے مشکل نظر آئے اور وہ اس کو پورا کرنے میں دقت محسوس کرے تو اس کام کی تکمیل میں غلام کی مدد کرو خواہ خود اس کا ہاتھ بٹاؤ یا کسی دوسرے شخص کو اس کی مدد کرنے پر متعین کر دو چنانچہ بعض بزرگوں کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ چکی پیسنے میں اپنی لونڈیوں کی مدد کرتے تھے بایں طور کہ ان لونڈیوں کے ساتھ مل کر چکی پیستے تھے۔

غلام کی روزی روکنا گناہ ہے

۵ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو جَاءَهُ قَهْرَمَانٌ لَهُ فَقَالَ لَهُ اَعْطَيْتَ الرَّقِيْقَ قُوْتَهُمْ قَالَ لَا قَالَ فَانْطَلِقْ فَاَعْطِهِمْ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَفٰى بِالرَّجُلِ اِثْمًا اَنْ يَحْبِسَ عَمَّنْ يَمْلِكُ قُوْتَهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ كَفٰى بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوْتُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ (ایک دن) ان کے پاس ان کا کارندہ آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے غلام اور لونڈیوں کو ان کا کھانا دے دیا ہے؟ اس نے کہا کہ "نہیں" انہوں نے فرمایا کہ "(فوراً) واپس جاؤ اور ان کو ان کا کھانا دو، کیونکہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مملوک کو کھانا نہ دے۔" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ جس شخص کی روزی اس کے ہاتھ میں ہے (یعنی اپنے اہل و عیال اور غلام لونڈی) وہ اس کی روزی کو ضائع کر دے۔" (مسلمؒ)

اپنے خادم و نوکر کے ساتھ کھانا، کھانے میں عار محسوس نہ کرو

۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَنَعَ لِاَحَدِكُمْ خَادِمُهُ طَعَامَهُ ثُمَّ جَاءَهُ بِهٖ وَقَدْ وَلِيَ حَرَّهُ وَدُخَانَهُ فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهُ فَلْيَاْكُلْ فَاِنْ كَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوْهًا قَلِيْلًا فَلْيَضَعْ فِيْ يَدِهٖ مِنْهُ اُكْلَةً اَوْ اُكْلَتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرے اور پھر وہ کھانا لے کر اس کے پاس آئے تو جس کھانے کے لئے اس نے گرمی اور دھوپ میں تکلیف اٹھائی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ آقا، اس خادم کو اپنے ساتھ (دسترخوان پر) بٹھائے (اور اس کے ساتھ کھانا کھائے اور اگر کھانا تھوڑا ہو اور کھانے والے زیادہ ہوں تو اس کھانے میں سے ایک دو لقمہ لے کر اس خادم کے ہاتھ پر رکھ دے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے خادموں اور نوکروں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار محسوس نہ کرے کیونکہ خادم و نوکر بھی ایک انسان اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کا بھائی ہے پھر اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ ایک دسترخوان پر جتنے زیادہ لوگ ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں اس کھانے میں برکت ہوتی ہے، چنانچہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ افضل کھانا وہ ہے جس میں زیادہ ہاتھ پڑیں۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ حدیث میں خادم و نوکر کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھانے یا اس کھانے میں سے اس کو تھوڑا بہت دے دینے کا حکم دیا گیا ہے وہ استحباب کے طور پر ہے۔

غلام کے لئے دوہرا اجر

۷ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهٖ وَاَحْسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ فَلَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب کوئی غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرتا ہے (یعنی اس کی دل و جان سے خدمت کرتا ہے) اور پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اچھی طرح کرتا ہے۔ تو اس کو دوہرا ثواب ملتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس کو دوہرا ثواب ملنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ثواب تو اپنے آقا کی خدمت کی وجہ سے اور ایک ثواب اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سبب سے ملتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اپنے آقا کی خیر خواہی یعنی اس کی خدمت کرنا بھی عبادت ہے بلکہ حقیقت میں وہ بھی خدا کی عبادت ہے۔ کیونکہ عبادت کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرنا، اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اپنے آقا کی خدمت و خیر خواہی کی جائے اس لئے جو غلام اپنے آقا کی خدمت کرتا ہے۔ درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرتا ہے جیسا کہ ماں باپ کی خدمت و فرمانبرداری کرنے والے کو اسی لئے ثواب ملتا ہے کہ وہ والدین کی خدمت و اطاعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرتا ہے، بعض حضرات اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ غلام کو اس کے ہر عمل پر دوہرا ثواب ملتا ہے۔

غلام کے لئے بہتر بات کیا ہے؟

⑧ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعِمَّا لِلْمَمْلُوْكِ اَنْ يَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ بِحُسْنِ عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَطَاعَةِ سَيِّدِهٖ نِعِمَّا لَهٗ. (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ایک غلام کے لئے اس سے بہتر کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے مالک کی بہترین خدمت اور اپنے پروردگار کی اچھی عبادت کرتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دے" (یعنی غلام کے لئے سب سے بڑی سعادت یہی ہے کہ اس کی پوری زندگی اپنے مالک حقیقی کی اطاعت و عبادت اور مالک مجازی کی خدمت و فرمانبرداری میں گزر جائے)۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

مفرور غلام کی نماز قبول نہیں ہوتی

⑨ وَعَنْ جَرِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلَاةٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ مِنْ مَوَالِيْهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْهِمْ. (رواہ مسلم)

"اور حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب غلام بھاگ جاتا ہے تو اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی" ایک روایت میں حضرت جریرؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو غلام بھاگ گیا اس سے ذمہ ختم ہو گیا ایک اور روایت میں حضرت جریرؓ ہی سے یہ منقول ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) جو غلام اپنے مالکوں کے ہاں سے بھاگا وہ کافر ہو گیا جب تک کہ ان کے پاس واپس نہ آجائے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "اس سے ذمہ ختم ہو گیا" کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی غلام بھاگ کر دارالحرب چلا گیا اور مرتد ہو گیا تو اس سے اسلام کی ذمہ داری ختم ہو گئی اور اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کے اسلام کے درمیان جو عہد و امان تھا اور جس کی وجہ سے اسلامی قانون اس کی جان و مال کی حفاظت کا ضامن تھا وہ منقطع ہو گیا لہٰذا اس کو قتل کر دینا جائز ہو گیا، ہاں اگر وہ اپنے مالکوں کے ہاں سے بھاگ کر دارالحرب نہیں گیا بلکہ مسلمانوں ہی کے کسی شہر میں چلا گیا۔ اور مرتد نہیں ہوا تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہو گا اس صورت میں یہ جملہ "اس سے ذمہ ختم ہو گیا" کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر اس غلام کو بھاگنے کے جرم میں جائے تو نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ اسلامی قانون اس کی کوئی مدافعت نہیں کرے گا۔

"وہ کافر ہو گیا" کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس نے بھاگنے کو حلال جانا یعنی وہ اس عقیدہ کے ساتھ بھاگا کہ مالک کے ہاں سے میرا مفرور

ہو جانا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے بلکہ یہ جائز ہے تو وہ حقیقۃً کافر ہو گیا اور اگر اس نے بھاگنے کو حلال نہیں جانا تو پھر اس صورت میں اس جملہ کا مطلب یا تو یہ ہوگا کہ وہ کفر کے قریب پہنچ گیا یا یہ کہ اس کے دائرہ کفر میں داخل ہو جانے کا خوف ہے یا اس نے کافروں کا سا عمل کیا اور یا یہ کہ اس نے اپنے مالک کا کفران نعمت کیا۔

غلام پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانے والے کا مسئلہ

⑩ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَذَفَ مَمْلُوْكَهُ وَهُوَ بَرِئٌ مِمَّا قَالَ جُلِدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ كَمَا قَالَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا ابوالقاسم (نبی کریم) ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ "جو شخص اپنے بردہ پر زنا کی تہمت لگائے جب کہ حقیقت میں وہ اس بات سے پاک ہو جو اس کے بارہ میں کہی گئی ہے تو قیامت کے دن اس شخص کو کوڑے مارے جائیں گے ہاں اگر وہ غلام واقعۃً ایسا ہو جیسا کہ کہا گیا (یعنی اگر تہمت درست ہو تو پھر اس مالک کو کوڑے نہیں مارے جائیں گے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام پر زنا کی جھوٹی تہمت لگائے تو اس کی سزا میں اگرچہ دنیا میں اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے لیکن آخرت میں تمام مخلوق کے سامنے اس کو اس طرح ذلیل کیا جائے گا کہ اس کو کوڑے لگائیں جائیں گے اس سے معلوم ہوا کہ غلام کی عزت و آبرو کا بھی اتنا ہی خیال رکھنا چاہئے۔ جتنا ایک آزاد شخص کی عزت و حرمت کا لحاظ کیا جاتا ہے اور وہ لوگ بڑے نادان ہیں جو اپنے زیر دستوں۔ (نوکروں اور غلاموں) کو بے محابا گالیاں دیتے ہوئے آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

غلام کو بلا خطا مارنے کا کفارہ

⑪ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهُ حَدًّا لَمْ يَأْتِهِ اَوْلَطَمَهُ فَاِنَّ كَفَّارَتَهُ اَنْ يُعْتِقَهُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو اپنے غلام کو ایسی سزا دے جس کا کوئی جرم ہی نہیں ہے (یعنی بے گناہ مارے) یا اس کو طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس غلام کو آزاد کر دے۔" (مسلمؒ)

تشریح: یوں تو بلا کسی وجہ کے کسی بھی شخص کو طمانچہ مارنا حرام ہے لیکن یہاں بطور خاص غلام کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس کو بلا گناہ مارنے یا اس کے منہ پر طمانچہ لگانے کا تاوان یہ ہے کہ وہ اس غلام کو آزاد کر دے۔

⑫ وَعَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ كُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِيْ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِيْ صَوْتًا اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ لَلّٰهُ اَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ فَقَالَ اَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ اَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو مسعودؓ انصاری کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں اپنے غلام کو پیٹ رہا تھا کہ میں نے اپنی پشت پر یہ آواز سنی "ابو مسعود! یاد رکھو! اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی قدرت تم اس غلام پر رکھتے ہو" جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا، تو رسول کریم ﷺ تھے میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! (مجھے اپنے اس فعل پر ندامت ہے اب) میں اس غلام کو اللہ کی راہ میں آزاد کرتا ہوں" آپ ﷺ نے فرمایا "یاد رکھو! اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو تمہیں دوزخ کی آگ جلاتی" یا فرمایا کہ "تمہیں دوزخ کی آگ لگتی۔" (مسلمؒ)

تشریح: آنحضور ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے اپنے غلام کو مار کر ایک بڑا گناہ کیا تھا، یہ اچھا ہوا کہ تم نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور اس گناہ کے بار سے ہلکے ہو گئے ورنہ چونکہ تم نے اس کو ناحق مارا ہے اس لئے اگر یہ تمہارا قصور معاف نہ کرتا۔ تو اس کو آزاد نہ کرنے

کی صورت میں تمہیں دوزخ میں ڈالا جاتا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ دراصل اپنے مملوک کے حق میں نرمی کرنے اور ان کے ساتھ حلم و مروت کا معاملہ کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ جس غلام کو مارا گیا ہے اس کو آزاد کرنا واجب نہیں ہے۔ بلکہ مستحب ہے اور وہ بھی بایں امید کہ آزاد کرنا ناحق مارنے کے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

اولاد کی کمائی پر باپ کا حق ہے

(۱۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَجُلاً اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِيْ مَالاً وَاِنَّ وَالِدِيْ يَحْتَاجُ اِلٰى مَالِيْ قَالَ اَنْتَ وَمَالُكَ لِوَالِدِكَ اِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ اَطْيَبِ كَسْبِكُمْ كُلُوْا مِنْ كَسْبِ اَوْلَادِكُمْ۔

(رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

"حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "میں مالدار ہوں اور میرا باپ میرے مال کا محتاج ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا" کہ تم اور تمہارا مال (دونوں) تمہارے باپ کے لئے ہیں کیونکہ تمہاری اولاد تمہاری سب سے بہتر کمائی ہے لہٰذا اپنی اولاد کی کمائی کھاؤ۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "تم اور تمہارا مال (دونوں) تمہارے باپ کے لئے ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم پر اپنے باپ کی خدمت و اطاعت واجب ہے اسی طرح تم پر بھی واجب ہے کہ اپنا مال اپنے باپ پر خرچ کرو اور اس کی ضروریات زندگی پوری کرو نیز تمہارے باپ کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ تمہارے مال میں تصرف کرے۔

گویا اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ باپ کا نفقہ بیٹے پر واجب ہوتا ہے اس حدیث کے ضمن میں یہ مسئلہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کے مال میں سے کچھ چرا لے یا اس کی لونڈی سے جماع کر لے تو بسبب شبہ ملکیت اس پر حد (شرعی سزا) جاری نہیں ہوتی۔

"تمہاری اولاد تمہاری سب سے بہتر کمائی ہے" کا مطلب یہ ہے کہ انسان محنت و مشقت کر کے جو کچھ کماتا ہے اس میں سب سے حلال اور افضل کمائی اس کی اولاد ہوتی ہے لہٰذا اولاد جو کچھ کمائے وہ باپ کے لئے حلال ہے اور وہ باپ کے حق میں اپنی کمائی کے مثل ہے۔ اولاد کو باپ کی "کمائی" اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ دراصل اولاد باپ کے ذریعہ اور اس کی سعی و فعل کے نتیجہ میں وجود میں آتی ہے۔

مربی کے حق میں یتیم کے مال کا حکم

(۱۴) وَعَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَجُلاً اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ فَقِيْرٌ لَيْسَ لِيْ شَيْءٌ وَلِيْ يَتِيْمٌ فَقَالَ كُلْ مِنْ مَالِ يَتِيْمِكَ غَيْرَ مُسْرِفٍ وَلَا مُبَادِرٍ وَلَا مُتَاَثِّلٍ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

"اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں ایک مفلس آدمی ہوں میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے اور میری نگہداشت میں ایک یتیم ہے (تو کیا میں اس کے مال میں سے کچھ کھالوں؟) آپ ﷺ نے فرمایا "تمہاری نگرانی میں جو یتیم ہے تم اس کے مال میں سے کھا سکتے ہو بشرطیکہ اسراف (فضول خرچی) نہ کرو، خرچ کرنے میں عجلت نہ کرو۔ اور نہ اپنے لئے جمع کرو۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ)

تشریح: یتیم بچہ کے مال میں سے یتیم کے مربی کو اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے کی اجازت کو آنحضرت ﷺ نے تین باتوں سے

مشروط کیا۔ پہلی شرط تو یہ کہ اس کے مال میں سے صرف اتنا لیا جائے جو اصل ضروریات زندگی کے بقدر ہو اسراف اور اپنی ضرورت و حاجت سے زیادہ خرچ کر کے اس یتیم کے مال کو ضائع نہ کیا جائے دوسری شرط یہ کہ اس کے مال میں سے جو کچھ بھی لیا جائے ضرورت کے وقت لیا جائے چنانچہ اس خوف سے کہ اگر یتیم بچہ بالغ ہو گیا تو اپنا تمام مال اپنے قبضہ میں لے لے گا ضرورت سے پہلے ہرگز نہ لیا جائے اور تیسری شرط یہ کہ اپنی ضرورت و حاجت کے نام پر اس کے مال میں سے نکال نکال کر اپنے لئے جمع نہ کیا جائے۔

بہرحال حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ یتیم کے مربی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اگر محتاج و مفلس ہو تو اس یتیم کے مال میں سے اپنی ضرورت و حاجت کے بقدر اپنے اوپر خرچ کرے لیکن جو مربی خود خوشحال ہو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے چنانچہ یہ مسئلہ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے۔

غلاموں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید

⑮ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ مَرَضِهِ الصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَوٰى اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوَهُ۔

"اور حضرت اُم سلمہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنے مرض الموت میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ نماز پر مضبوطی سے قائم رہو اور جو لوگ تمہاری ملکیت میں ہیں (یعنی لونڈی غلام) ان کے حقوق ادا کرو۔ (بیہقیؒ) اور احمدؒ و ابوداؤدؒ نے اسی طرح کی روایت حضرت علیؓ سے نقل کی ہے۔"

تشریح: "نماز پر مضبوطی سے قائم رہو" کا مطلب یہ ہے کہ نماز پر مداومت اختیار کرو، کوئی نماز بلاعذر شرعی قضا نہ کرو اور نماز کے جو حقوق و آداب ہیں ان کو پورے طور پر ادا کرو۔

لونڈی غلام کا حق یہ ہے کہ ان کا مالک ان کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، حسب حیثیت کپڑے پہنائے، ناحق مارنے اور گالی گلوچ سے اجتناب کرے اور برا بھلا نہ کہے۔ اسی طرح جانوروں کا حق ادا کرنے کا بھی حکم ہے کہ جس شخص کی ملکیت میں جانور ہوں ان کے چارہ پانی کا انتظام کرے اور ان کو ناحق مارنے پیٹنے سے پرہیز کرے چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن ذمی اور جانوروں کی خصومت، مسلمانوں کی خصومت سے زیادہ شدید ہوگی۔

اپنے مملوک کے ساتھ بدسلوکی کرنے والے کے بارہ میں وعید

⑯ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّئُ الْمَلَكَةِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور ابوبکر صدیقؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اپنے مملوک (لونڈی غلام) کے ساتھ برائی و بدسلوکی کرنے والا جنت میں (ابتدائی مرحلہ پر نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ) داخل نہیں ہوگا۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

اپنے مملوک کے ساتھ حسن سلوک خیر و برکت کا باعث ہے

⑰ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ مَكِيْثٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُسْنُ الْمَلَكَةِ يُمْنٌ وَسُوْءُ الْخُلُقِ شُؤْمٌ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَلَمْ اَرَ فِيْ غَيْرِ الْمَصَابِيْحِ مَازَادَ عَلَيْهِ فِيْهِ مِنْ قَوْلِهِ وَالصَّدَقَةُ تَمْنَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ وَالْبِرُّ زِيَادَةٌ فِي الْعُمُرِ۔

"اور حضرت رافع ابن مکیثؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اپنے مملوک کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک، خیر و برکت کا باعث ہے اور اپنے مملوک کے ساتھ بدسلوکی، بے برکتی کا باعث ہے۔ (ابوداؤدؒ) اور مشکوۃ کے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ) میں نے مصابیح کے علاوہ اور کسی کتاب میں وہ الفاظ نہیں دیکھے ہیں جو صاحب مصابیح نے اس حدیث میں نقل کئے ہیں (اور وہ زائد الفاظ یہ ہیں) کہ

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا صدقہ وخیرات بری موت سے بچاتا ہے اور نیکی عمر کو بڑھاتی ہے۔"

تشریح : اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب مالک اپنے مملوک کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کرتا ہے تو وہ اپنے مالک و آقا کے بہت زیادہ تابعدار اور خیر خواہ بن جاتے ہیں اور جو کام ان کے سپرد کیا جاتا ہے اسے وہ پوری دلجمعی و محنت اور ایمانداری کے ساتھ کرتے ہیں اور یہی چیزیں خیر وبرکت کا باعث ہوتی ہیں اس کے برعکس اگر اپنے مملوک کے ساتھ بد سلوکی وبدخواہی کا معاملہ کیا جاتا ہے تو ان کے دلوں میں مالک کی طرف سے بغض و نفرت کے جذبات پیدا ہوجاتے ہیں۔ اور آخر کار وہ اپنے مالک کی جان و آبرو اور مال و دولت کی ہلاکت و نقصان کے ارتکاب سے بھی گریز نہیں کرتے۔

"بری موت" سے مراد یا تو "مرگ مفاجات یعنی اچانک موت" ہے یا "توحید اور یاد حق سے غفلت کے ساتھ مرنا" مراد ہے!

"مرگ مفاجات" اس اعتبار سے "بری موت" ہے کہ انسان یکایک موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے نہ تو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے سلسلہ میں سرزد کوتاہیوں کی تلافی کا موقع ملتا ہے اور نہ توبہ کرنے کی مہلت نصیب ہوتی ہے۔

"نیکی" سے مراد "مخلوق کے ساتھ احسان و سلوک کرنا" ہے اور "خالق کی طاعت و عبادت" بھی مراد ہو سکتی ہے۔ "نیکی" کی وجہ سے عمر کا بڑھنا حقیقۃً بھی ممکن ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ کسی کی عمر کو معلق کر دے کہ اس بندہ کی عمر اتنے سال ہے لیکن اگر یہ نیکی کرے گا یعنی اپنے پروردگار کی طاعت و عبادت اور مخلوق خدا کے ساتھ حسن سلوک و خیر خواہی میں مشغول رہے گا تو اس کی عمر میں اتنے سال کا اضافہ ہو جائے گا لہٰذا نیکی کرنے کی صورت میں اس کی عمر اتنے ہی سال بڑھ جائے گی۔

یہ وضاحت تو "زیادتی عمر" کے حقیقی مفہوم مراد لینے کی صورت میں ہے اور اس کا معنوی مفہوم یہ ہے کہ "نیکی" کی وجہ سے عمر میں خیر و برکت حاصل ہوتی ہے۔ یا نیکی کرنے والے کو اس کی موت کے بعد لوگ بھلائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں پس معنوی طور پر یہ بھی عمر کا بڑھنا ہی ہے۔

روایت کے آخر میں مصنف مشکوۃ نے جو اعتراض کیا ہے وہ میرک ؒ کی تحقیق کے مطابق شیخ جزری ؒ کے اس قول سے ختم ہو جاتا ہے کہ اس روایت کو صاحب مصابیح نے جس طرح نقل کیا ہے بالکل اسی طرح پوری روایت امام احمد ؒ نے بھی نقل کی ہے۔

اگر غلام مار کھاتے ہوئے خدا کا واسطہ دے، تو اپنا ہاتھ روک لو

(۱۸) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ضَرَبَ اَحَدُکُمْ خَادِمَهٗ فَذَکَرَ اللّٰهَ فَارْفَعُوْا اَیْدِیَکُمْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ لٰکِنْ عِنْدَهٗ فَلْیُمْسِكْ بَدَلَ فَارْفَعُوْا اَیْدِیَکُمْ۔

"اور حضرت ابوسعید ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" (مثال کے طور پر) اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کو مارنے لگے اور وہ خدا کو یاد کرے (یعنی یوں کہے کہ تمہیں خدا کا واسطہ مجھے معاف کر دو) تو تم (اس کو مارنے سے) اپنا ہاتھ روک لو۔" اس روایت کو ترمذی ؒ اور شعب الایمان میں بیہقی ؒ کی روایت میں فارفعوا ایدیکم کی بجائے فلیمسک نقل کیا گیا ہے (اور دونوں لفظ کا مطلب ایک ہی ہے)۔"

تشریح : طیبی ؒ کہتے ہیں کہ "تم اپنا ہاتھ روک لو" کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ اس غلام کو مالک تادیباً مار رہا ہو اور اگر اس پر حد جاری کر رہا ہو یعنی شراب پینے یا کسی پر جھوٹی تہمت لگانے کی سزا میں اس کو کوڑے مار رہا ہو تو پھر ہاتھ نہ روکے بلکہ حد پوری کرے۔

کمسن بردہ کو اس کی ماں وغیرہ سے الگ نہ کرو

(۱۹) وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللّٰهُ بَیْنَهٗ

وَبَیْنَ اَحِبَّتِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

"اور حضرت ابوایوب ؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص ماں اور بیٹے کے درمیان جدائی کرائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے عزیزوں کے درمیان جدائی کرادے گا۔" (ترمذی، دارمیؒ)

تشریح : "ماں اور بیٹے" سے مراد "لونڈی اور اس کا بچہ" ہے اسی طرح "جدائی کرانے" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مالک مثلاً لونڈی کو تو کسی کے ہاتھ فروخت کردے یا کسی کو ہبہ کردے اور بچہ کو اپنے پاس روک لے، یا بچہ کو کسی کے ہاتھ فروخت کردے یا کسی کو ہبہ کردے اور اس کی ماں کو اپنے پاس رہنے دے لہٰذا اگر کوئی شخص اس طرح سے ماں اور بیٹے کو ایک دوسرے سے جدا کرے گا تو قیامت کے دن اس موقف میں کہ جہاں تمام مخلوق اپنے تمام عزیزوں کے ساتھ جمع ہوگی اور لوگ اپنے پروردگار سے ایک دوسرے کی شفاعت کررہے ہوں گے اللہ تعالیٰ اس شخص اور اس کے عزیزوں مثلاً ماں باپ یا اولاد وغیرہ کے درمیان جدائی کرادے گا۔

علماء لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں صرف "ماں بیٹے" کا ذکر محض اتفاقی ہے ورنہ تو ہر چھوٹے (کمسن) بردہ اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ دار خواہ وہ ماں ہو، باپ دادا ہو یا دادی اور بھائی ہو یا بہن کے درمیان جدائی کرانے کا یہی حکم ہے حنفیہ کے ہاں دو چھوٹے بھائیوں کو ایک دوسرے سے جدا کردینا جائز ہے۔

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ "چھوٹے" کی قید سے بڑے کا استثناء ہوگیا، یعنی اگر بڑی عمر والے بردہ کو اس کی ماں یا اس کے باپ یا کسی اور ذی رحم محرم رشتہ دار سے جدا کردیا جائے تو جائز ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "بڑے" کی تعریف کیا ہے تو اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ کس عمر کے بردہ کو بڑا کہیں گے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو سات برس یا آٹھ برس کی عمر والا "بڑا" کہلائے گا، جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جو بالغ ہوجائے وہ بڑا کہلائے گا نیز حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک چھوٹے بچے اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ دار کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرکے بیچنا مکروہ ہے جب کہ حضرت امام ابویوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ان دونوں یعنی بچہ اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ دار میں ولادت کی قرابت ہو (جیسے وہ دونوں ماں اور بیٹا ہوں یا باپ اور بیٹا ہوں) تو اس صورت میں ان دونوں کو جدا کرکے بیچنا سرے سے جائز ہی نہیں ہوگا اور ان کا قول یہ بھی ہے کہ ولادت کی قرابت کے استثناء کے بغیر تمام ذی رحم محرم رشتہ داروں کے بارے میں یہی حکم ہے۔

(۲۰) وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ وَھَبَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غُلَامَیْنِ اَخَوَیْنِ فَبِعْتُ اَحَدَھُمَا فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَلِیُّ مَا فَعَلَ غُلَامُکَ فَاَخْبَرْتُہٗ فَقَالَ رُدَّہٗ رُدَّہٗ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے دو غلام عطا فرمائے جو آپس میں بھائی بھائی تھے پھر (جب) میں نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا تو رسول کریم ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ "علی! تمہارا (ایک) غلام کہاں گیا؟" میں نے آپ ﷺ کو بتادیا (کہ ایک غلام میں نے بیچ دیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس کو واپس کرلو، اس کو واپس کرلو۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح : "اس کو واپس کرلو" کا مطلب یہ تھا کہ تم نے جو بیع کی ہے اس کو فسخ کردو اور اس غلام کو اپنے پاس لے آؤ، تاکہ دونوں بھائیوں کے درمیان جدائی واقع نہ ہو اس جملہ کو تاکیداً دو مرتبہ فرمانے میں اس طرف اشارہ تھا کہ جو حکم دیا جارہا ہے وہ وجوب کے طور پر ہے اور بیع مکروہ تحریمی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دوسرے کے درمیان جدائی نہ کرانے کا حکم صرف ماں بیٹوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

(۲۱) وَعَنْہُ اَنَّہٗ فَرَّقَ بَیْنَ جَارِیَۃٍ وَوَلَدِھَا فَنَھَاہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِکَ فَرَدَّ الْبَیْعَ رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ مُنْقَطِعًا۔

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں منقول ہے کہ (ایک مرتبہ) انہوں نے ایک لونڈی اور اس کے بیٹے کو ایک دوسرے سے جدا کر

دیا(یعنی ان دونوں میں ایک کو بیچ دیا اور ایک کو اپنے پاس رہنے دیا) چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور انہوں نے (یعنی حضرت علیؓ نے) اس بیع کو فسخ کر دیا۔" "ابوداؤد" نے اس روایت کو بطریق انقطاع نقل کیا ہے۔"

تشریح: مذکورہ بالا دونوں حدیثیں حضرت امام ابویوسفؒ کے اس مسلک کی دلیل ہیں کہ چھوٹے بردے اور اس کی ماں یا اس کے باپ کو ایک دوسرے سے الگ کر کے بیچنا ناجائز ہے۔

غلام پر احسان کرنے کا اجر

(۲۲) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ يَسَّرَ اللّٰهُ حَتْفَهُ وَاَدْخَلَهُ جَنَّتَهُ رِفْقٌ بِالضَّعِيْفِ وَشَفَقَةٌ عَلَى الْوَالِدَيْنِ وَاِحْسَانٌ اِلَى الْمَمْلُوْكِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "جس شخص میں یہ تین باتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اس پر موت کو آسان کر دے گا اور اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ ① کمزوروں اور ضعیفوں کے ساتھ نرمی کرنا ② ماں باپ پر شفقت کرنا ③ اپنے مملوک پر احسان کرنا۔ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "ضعیف و کمزور" سے ہر وہ شخص مراد ہے جو خواہ جسم و جان کے اعتبار ضعیف و ناتواں ہو یا مالی حالت کے اعتبار سے اور یا عقل و خرد کے اعتبار سے کمزور ہو! "احسان کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ مالک پر اس کے غلام کے تئیں جو کچھ واجب ہے اس سے بھی زیادہ اس کے ساتھ سلوک کرے۔

نمازی کو مارنے کی ممانعت

(۲۳) وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَبَ لِعَلِيٍّ غُلَامًا فَقَالَ لَا تَضْرِبْهُ فَاِنِّيْ نُهِيْتُ عَنْ ضَرْبِ اَهْلِ الصَّلٰوةِ وَقَدْ رَاَيْتُهُ يُصَلِّيْ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَفِي الْمُجْتَبٰى لِلدَّارَقُطْنِيِّ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ضَرْبِ الْمُصَلِّيْنَ۔

"اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایک غلام عطا کیا اور یہ حکم دیا کہ اس کو (بے حکم شرعی) مارنا نہیں کیونکہ (میرے رب کی طرف سے) مجھے نمازیوں کو مارنے سے منع کیا گیا ہے اور میں نے اس غلام کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔" یہ الفاظ (جو مشکوۃ میں مذکور ہیں) مصابیح کے ہیں اور دار قطنی کی تصنیف مجتبیٰ میں یہ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ ابن خطاب نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں نمازیوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔"

تشریح: نمازیوں کو مارنے سے ممانعت خدا کے نزدیک ان کے شرف و فضیلت کی بناء پر اور مخلوق خدا کے درمیان ان کی عزت و توقیر کو محفوظ رکھنے کے لئے ہے۔

طیبیؒ نے اس موقع پر یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نمازیوں کو مارنے سے منع کیا ہے تو اس کے بے پایاں فضل و کرم سے امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کو عذاب میں مبتلا کر کے ذلیل و رسوا نہیں کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مملوک کی خطائیں معاف کرنے کا حکم

(۲۴) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ نَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَسَكَتَ ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ فَصَمَتَ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ قَالَ اُعْفُوْا عَنْهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَاهُ

التِّرْمِذِيُّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو۔

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کتنی مرتبہ (اپنے) غلام لونڈی کی خطائیں معاف کریں؟ آنحضرت ﷺ خاموش رہے (اور کوئی جواب نہیں دیا) اس شخص نے پھر یہی سوال کیا تو اس مرتبہ بھی خاموش رہے پھر جب اس نے تیسری مرتبہ یہی پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا "ہر روز ستر مرتبہ" (ابوداؤدؒ) ترمذیؒ نے اس روایت کو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: "ستر مرتبہ" سے یہ خاص عدد مراد نہیں ہے بلکہ جیسا کہ اہل عرب کے ہاں کسی چیز کی زیادتی اور کثرت کو بیان کرنے کے لئے عام طور پر ستر کا عدد ذکر کیا جاتا تھا، آپ ﷺ کا مقصد بھی واضح کرنا تھا کہ زیادہ سے زیادہ مرتبہ ان کی خطائیں معاف کرو۔

سائل کے سوال پر آنحضرت ﷺ کا خاموش رہنا سوال کی رکاکت کی بناء پر تھا کہ عفو تو مستحب اور پسندیدہ ہے نہ کہ اس کو کسی خاص عدد کے ساتھ مقید کرنا مقصود ہے اور یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے وحی کے انتظار میں خاموشی اختیار فرمائی ہو۔

مملوک کے بارہ میں ایک ہدایت

(۲۵) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَائَمَكُمْ مِنْ مَمْلُوْكِكُمْ فَاَطْعِمُوْهُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَاكْسُوْهُ مِمَّا تَكْسُوْنَ وَمَنْ لَا يُلَائِمُكُمْ مِنْهُمْ فَبِيْعُوْهُ وَلَا تُعَذِّبُوْا خَلْقَ اللّٰهِ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

"اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تمہارے مملوک (لونڈی غلام) میں سے جو (لونڈی غلام) تمہاری اطاعت و خدمت (تمہاری خواہش کے مطابق) کرے (اور وہ تمہارے مزاج کے موافق ہو) تو اس کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور اس کو وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو (کیونکہ جب وہ تمہارا دل خوش کرتا ہے تو تم بھی اس کا دل خوش کرو) اور جو (لونڈی غلام) تمہارے مزاج کے موافق نہ ہو تو اس کو (تکلیف نہ دو بلکہ) بیچ ڈالو خدا کی مخلوق کو تکلیف دینا درست نہیں ہے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم

(۲۶) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعِيْرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِبَطْنِهٖ فَقَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوْهَا صَالِحَةً وَاتْرُكُوْهَا صَالِحَةً۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سہلؓ ابن حنظلیہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ ایک اونٹ کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ (بھوک و پیاس کی شدت اور سواری و بار برداری کی زیادتی سے) اس کی پیٹھ پیٹ سے لگ گئی تھی آپ ﷺ نے فرمایا "ان بے زبان چوپایوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور ان پر ایسی حالت میں سواری کرو، جب کہ وہ قوی اور سواری کے قابل ہوں اور ان کو اس اچھی حالت میں چھوڑ دو کہ وہ تھکے نہ ہوں۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "ان بے زبان چوپایوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو" کا مطلب یہ ہے کہ یہ بولنے پر قادر نہیں ہیں کہ اپنی بھوک و پیاس وغیرہ کا حال اپنے مالک سے بیان کر سکیں اس لئے ان کے چارہ پانی کے جو بھی اوقات ہوں ان میں ان کو کھلانے پلانے میں کوتاہی نہ کرو۔ اس میں گویا اس بات کی دلیل ہے کہ چوپایوں کا چارہ پانی ان کے مالکوں پر واجب ہے۔

"ان پر ایسی حالت میں سواری نہ کرو الخ" کا مقصد گھاس دانہ کے ذریعہ کی خبر گیری رکھنے کی ترغیب دلانا ہے کہ ان کے گھاس دانہ میں کمی و کوتاہی نہ کرو تاکہ یہ قوی اور سواری کے قابل رہیں، نیز جب یہ تھکنے کے قریب ہوں تو ان کو چھوڑ دو اور گھاس دانہ دو جب وہ کھا پی لیں اور ان میں توانائی آجائے تو اس کے بعد ان پر سواری یا بار برداری کرو، کیونکہ اس طرح چوپائے فربہ ہوتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

مال یتیم کے بارے حکم خداوندی

(۲۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَ قَوْلُهُ تَعَالٰی وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ وَقَوْلُهُ تعالٰی اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰی ظُلْمًا الْاٰیته اِنْطَلَقَ مَنْ كَانَ عِنْدَهٗ يَتِيْمٌ فَعَزَلَ طَعَامَهٗ مِنْ طَعَامِهٖ وَشَرَابَهٗ مِنْ شَرَابِهٖ فَاِذَا فَضَلَ مِنْ طَعَامِ الْيَتِيْمِ وَشَرَابِهٖ شَيْءٌ حُبِسَ لَهٗ حَتّٰی يَاْكُلَهٗ اَوْ يَفْسُدَ فَاشْتَدَّ ذَالِكَ عَلَيْهِمْ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فَخَلَطُوْا طَعَامَهُمْ بِطَعَامِهِمْ وَشَرَابَهُمْ بِشَرَابِهِمْ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا۔ "یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر اس عادت کے ساتھ جو نیکی پر مبنی ہے (یعنی امانت و دیانت کے ساتھ) اور بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال از راہ ظلم (بلا استحقاق) کھاتے (برتتے) ہیں تو جن لوگوں کے پاس (یعنی جن کی نگرانی و پرورش میں) یتیم تھے انہوں نے (سخت احتیاط برتی) شروع کی اور ان کے کھانے کے سامان کو اپنے کھانے کے سامان سے اور ان کے پینے کی چیزوں کو اپنے پینے کی چیزوں سے الگ کر دیا یہاں تک کہ ان یتیموں کے کھانے پینے کی چیزوں میں سے جو کچھ بچ رہتا اس کو اٹھا کر رکھ دیا جاتا جس کو وہ یتیم یا دوسرے وقت کھا لی لیتا یا وہ خراب ہو جاتا تھا یہ بات ان نگرانوں کو بڑی شاق گزری چنانچہ انہوں نے رسول کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور جو لوگ آپ (ﷺ) سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں، فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ بچے تمہارے (دینی) بھائی ہیں چنانچہ (اس آیت کے نازل ہونے کے بعد) ان نگرانوں نے یتیموں کے کھانے پینے کو اپنے کھانے میں ملا لیا۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: حدیث میں مذکورہ دوسری آیت پوری یوں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۔ (النساء ۴: ۱۰)

"بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال از راہ ظلم (یعنی بلا استحقاق) کھاتے (برتتے) ہیں وہ دراصل اپنے پیٹ میں (دوزخ) کی آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب جلتی آگ میں داخل ہوں گے۔"

آخری آیت پوری یوں ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ۔ (البقرہ ۲: ۲۲۰)

"اور لوگ آپ (ﷺ) سے یتیم بچوں کے (مال کو علیحدہ یا شامل رکھنے) کا حکم پوچھتے ہیں آپ (ﷺ) ان سے فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ بچے تمہارے (دینی) بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ مصلحت کے ضائع کرنے والے اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو الگ الگ جانتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو سخت قانون مقرر کر کے تم کو مصیبت میں ڈال دیتے۔"

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ یتیموں کے مال کے بارہ میں جب قرآن کریم کی مذکورہ ہدایت کے مطابق یتیموں کے نگران اور مربیوں نے سخت احتیاط برتنی شروع کی۔ اور یتیموں کے مال کو اپنے مال و اسباب سے علیحدہ کر دینے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ذمہ داریوں کی

مشکلات میں اضافہ ہوا بلکہ یتیموں کے مال کا نقصان بھی ہونے لگا تو ان مربیوں کی عرض پر اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت عطا فرمائی کہ یتیموں کے نگران ان یتیموں کے مال و اسباب کو اپنے مال و اسباب میں ملا سکتے ہیں اور وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ الخ کے ذریعہ اس طرف ارشاد فرمایا کہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ مخلوط تو کر لو لیکن ان کے خیر خواہ اور ہمدرد بہر صورت رہو اپنی نیتوں کو خراب نہ کرو اور ان کے مال کو فریب و دغا کے ذریعہ نقصان نہ پہنچاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ مصلحت کی رعایت رکھنے والوں اور نہ رکھنے والوں کو خوب جانتا ہے اگر کسی نگران نے بدنیتی، بدخواہی اور بددیانتی کے ساتھ یتیم کے مال پر تصرف کیا تو اس کو سخت سزا دی جائے گی۔

منقول ہے کہ حضرت امام محمدؒ کے ایک شاگرد کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے اس کی کتابیں فروخت کر کے اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا، لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کے اس شاگرد نے اس کی وصیت تو کی نہیں تھی آپ نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت امام محمدؒ نے اس کے جواب میں یہی آیت وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ پڑھی۔

باپ بیٹوں یا دو بھائیوں میں جدائی نہ ڈالو

(۲۸) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الْوَالِدِ وَوَلَدِہٖ وَبَیْنَ الْاَخِ وَبَیْنَ اَخِیْہِ۔ (رواہ ابن ماجۃ والدارقطنی)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو باپ اور اس کے بیٹے کے درمیان اور دو بھائیوں کے درمیان جدائی ڈالے۔" (ابن ماجہؒ، دار قطنیؒ)

تشریح: جدائی ڈالنے سے مراد ان دونوں میں سے کسی ایک کو بیچ ڈالنا یا ہبہ وغیرہ کر دینا ہے بشرطیکہ بیٹا یا ایک بھائی چھوٹا (کمسن) ہو اس کی تفصیل حضرت ابوایوبؓ کی روایت کی تشریح میں پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔ یا جدائی ڈالنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی باپ بیٹے یا دو بھائیوں کے درمیان لگائی بجھائی کے ذریعہ خفگی و ناراضگی اور جدائی پیدا کر دی جائے۔

(۲۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِیَ بِالسَّبْیِ اَعْطٰی اَھْلَ الْبَیْتِ جَمِیْعًا کَرَاھِیَۃَ اَنْ یُّفَرِّقَ بَیْنَھُمْ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب (کسی غزوہ وغیرہ میں) قیدی لائے جاتے تو نبی کریم ﷺ پورے گھر کو ہم میں سے کسی ایک شخص کو (بطور لونڈی غلام) عطا فرما دیتے تھے (یعنی قیدیوں میں ایک گھر کے جتنے بھی افراد ہوتے ان سب کو آپ کسی ایک ہی شخص کے حوالے کر دیتے تھے) کیونکہ ان کے درمیان جدائی ڈالنا آپ ﷺ کو ناپسند تھا۔" (ابن ماجہؒ)

کون لوگ بُرے ہیں

(۳۰) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِشِرَارِکُمُ الَّذِیْ یَاْکُلُ وَحْدَہٗ وَیَجْلِدُ عَبْدَہٗ وَیَمْنَعُ رِفْدَہٗ۔ (رواہ رزین)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں یہ نہ بتا دوں کہ تم میں برے لوگ کون ہیں؟ (تو سنو) برا وہ شخص ہے جو کھانا تنہا کھائے، اپنے غلام کو (ناحق) مارے اور کسی اپنی بخشش و عطاء سے فائدہ نہ پہنچائے۔" (رزینؒ)

تشریح: اس حدیث میں چند ایسی چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے جو ناپسندیدہ اور بری ہیں اور یہ چیزیں جن لوگوں کی خصلت بن جاتی ہیں وہ ناپسندیدہ اور برے سمجھے جاتے ہیں، چنانچہ سب سے تنہا ہو کر کھانا برا ہے، اپنے غلام کو بلا کسی جرم و خطا کے مارنا برا ہے اور کسی کو کچھ نہ دینا برا ہے حاصل یہ ہے کہ جو لوگ بد خلق اور بخیل ہوں وہ برے ہیں۔

جامع صغیر میں ابن عساکر نے حضرت معاویہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے) فرمایا "کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ لوگوں میں برے کون ہیں؟ براوہ شخص ہے جو کھانا تنہا کھائے کسی کو اپنی بخشش و عطاء سے فائدہ نہ پہنچائے، تنہاء سفر کرے اور اپنے غلام کو (ناحق) مارے۔ اور کیا تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ اس سے بھی برا کون شخص ہے؟ وہ شخص اس سے بھی برا ہے جو لوگوں سے بغض رکھے اور لوگ اس سے بغض رکھیں اور کیا تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ اس سے بھی برا کون شخص ہے؟ اس سے بھی برا وہ شخص ہے جس کے شرو فتنہ سے لوگ ڈریں اور اس سے کسی بھلائی کی امید نہ رکھیں اور کیا تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ اس سے بھی برا کون شخص ہے؟ اس سے بھی براوہ شخص ہے جو اپنی آخرت کو دنیا کے عوض بیچ دے۔ اور کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ اس سے بھی برا کون شخص ہے؟ اس سے بھی براوہ شخص ہے جو دین کے ذریعہ دنیا کمائے۔

لونڈی غلاموں کو اپنی اولاد اور اپنے بھائی کی طرح رکھو

(۳۱) وَعَنْ اَبِیْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّئُ الْمَلَكَةِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَيْسَ اَخْبَرْتَنَا اَنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ اَكْثَرُ الْاُمَمِ مَمْلُوْكِيْنَ وَيَتَامٰى قَالَ نَعَمْ فَاَكْرِمُوْهُمْ كَكَرَامَةِ اَوْلَادِكُمْ وَاَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ قَالُوْا فَمَا تَنْفَعُنَا الدُّنْيَا قَالَ فَرَسٌ تَرْتَبِطُهٗ تُقَاتِلُ عَلَيْهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَمْلُوْكٌ يَكْفِيْكَ فَاِذَا صَلّٰى فَهُوَ اَخُوْكَ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اپنے غلام لونڈی کے ساتھ برائی کرنے والا کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (یہ سن کر) صحابہؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ! کیا آپ (ﷺ) نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ آپ (ﷺ) کی امت، غلام لونڈی اور یتیموں کے اعتبار سے پچھلی تمام امتوں سے بڑھی ہوئی ہوگی (یعنی آپ (ﷺ) کی اُمت میں غلام لونڈی اور یتیم بہت ہوں گے تو کیا اتنی کثرت کی حالت میں سب کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کرنا ممکن ہوگا؟) آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں! (میری اُمت میں لونڈی غلام بہت ہوں گے اور اتنی کثرت کی حالت میں سب ہی کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کرنا مشکل بھی بہت ہوگا لیکن اگر تم جنت میں داخل ہونا چاہتے ہو تو تم ان کے ساتھ دوسری طرح ایسے احسان کرو جو ان کے ساتھ تمہاری بدخلقی کا بدلہ ہو جائیں اور وہ احسان یہ ہے کہ) تم ان کو اپنے کی طرح عزیز رکھو (یعنی ان پر بایں طور نرمی و رحم کیا کرو کہ ان پر کسی ایسے کام کا بوجھ نہ ڈالو جو ان کے بس سے باہر ہو اور ان پر ظلم وزیادتی نہ کیا کرو) اور ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمیں دنیا میں نفع پہنچانے والی کون سی چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایک گھوڑا جس کو تم اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے باندھ رکھو اور ایک غلام جو تمہیں کفایت کرے (یعنی وہ تمہارے دنیاوی امور کو انجام دیتا رہے تاکہ تم فارغ رہ کر آخرت کے امور انجام دے سکو اور اگر تمہارا غلام نماز پڑھے تو وہ تمہارا بھائی ہے۔ (لہٰذا اس کے ساتھ بھائی جیسا سلوک کرو)۔" (ابن ماجہ)

تشریح: یہ فرمایا گیا ہے کہ اُمت میں لونڈی غلام اور یتیم بہت زیادہ ہوں گے تو اس کا سبب یہ ہے کہ جب جہاد کثرت سے ہوگا تو کفار کے قیدی بھی کثرت سے ہاتھ آئیں گے اور جہاد کی کثرت ہی سے مسلمان شہید ہوں گے اور جب مسلمان شہید ہوں گے تو ان کے بچے یتیم ہو جائیں گے۔

بَابُ بُلُوْغِ الصَّغِيْرِ وَحِضَانَتِهٖ فِي الصِّغَرِ

چھوٹے بچوں کی تربیت و پرورش اور ان کے بالغ ہونے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا۔ کہ لڑکے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی علامت اور حد کیا ہے اور یہ کہ بچے کی تربیت و پرورش کرنے کا

حق کس پر ہے؟

بلوغ کی علامت و عمر: لڑکے کے بالغ ہونے کی علامت یہ کہ اس کو احتلام ہونے لگے اور اس میں عورت کو حاملہ کر دینے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور انزال ہو سکتا ہو۔ اسی طرح لڑکی کے بالغ ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کو ماہواری آجائے احتلام ہو جائے اور اس کے حمل ہو سکتا ہو اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں تو پھر جب لڑکے اور لڑکی دونوں کی عمر پندرہ سال کی ہو جائے تو وہ بالغ کے حکم میں داخل ہو جائیں گے۔ فتویٰ اسی قول پر ہے لڑکے کے بالغ ہونے کی کم سے کم مدت بارہ برس کی عمر ہے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی کم سے کم مدت نو برس ہے۔

اگر لڑکا لڑکی بالغ ہونے کے قریب ہوں اور وہ یہ کہیں کہ ہم بالغ ہو گئے ہیں تو ان دونوں کی اس بات کو صحیح سمجھا جائے گا اور وہ دونوں حکم میں بالغ کی مانند ہوں گے۔

بچہ کی پرورش کا حق کس کو ہے؟: چھوٹے بچے کی پرورش کا حق سب سے زیادہ ماں کو ہے خواہ وہ شادی قائم ہونے کی حالت میں ہو یا اس کو طلاق دے دی گئی ہو ہاں اگر ماں مرتد یا بدکار ہے جس سے امن نہ ہو تو پھر اس کو حق سب سے زیادہ نہیں ہوگا۔ اگر ماں طلاق کے بعد بچہ کی پرورش کرنے سے انکار کر دے تو صحیح یہ ہے کہ اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ عاجز ہو لیکن اگر اس بچہ کا کوئی ذی رحم اس کی ماں کے علاوہ نہ ہو تو بچہ کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے ماں کو پرورش کرنے کے لئے مجبور کیا جائے گا۔ اگر ماں نے (بچہ کے باپ کی وفات یا طلاق کے بعد) اس بچہ کے غیر محرم سے شادی کر لی تو پھر اس بچہ کی پرورش کا سب سے زیادہ حق اس کو نہیں ہوگا اور اس نے کسی محرم سے شادی کر لی ہے مثلاً بچہ کے چچا سے نکاح کر لیا ہے تو اس صورت میں اس کا حق ساقط نہیں ہوگا اسی طرح ماں نے پہلے کسی غیر محرم سے نکاح کر لیا، اور اس کی وجہ سے اس کا حق ساقط ہو گیا اگر پھر ماں نے (اس غیر محرم کی وفات یا طلاق کے بعد) کسی محرم سے جیسے بچہ کے چچا سے شادی کر لی تو اب اس کو پرورش کا سب سے زیادہ حق مل جائے گا۔

اگر بچہ کی ماں پرورش کا حق نہ رکھتی ہو، بایں سبب کہ اس نے غیر محرم سے شادی کر لی ہے یا مرتد ہو گئی اور یا وہ مر گئی ہو تو پھر اس بچہ کی پرورش کا حق سب سے زیادہ نانی کو ہوگا۔ اگر نانی موجود نہ ہو تو اس سے اوپر کے درجہ والی مثلاً پڑنانی وغیرہ کو ہوگا نانی و پرنانی وغیرہ کے بعد پرورش کرنے کی سب سے زیادہ مستحق دادی و پردادی وغیرہ ہوگی، اگر دادی و پردادی وغیرہ بھی موجود نہ ہو تو پرورش کا سب سے زیادہ حق بچہ کی حقیقی بہن اس کے بعد اخیافی بہن اور اس کے بعد سوتیلی بہن کو ہوگا اور اگر ان میں سے بھی کوئی موجود نہ ہو۔ یا پرورش کرنے کی اہلیت نہ رکھتی ہو تو پھر اسی ترتیب کے مطابق پرورش کرنے کا حق سب سے زیادہ بچہ کی خالہ کو اس کے بعد بچہ کی پھوپھی کو ہوگا اور بھانجیاں، بھتیجیوں اور بھتیجیاں پھوپھیوں سے اولیٰ ہوں گی۔

استحقاق پرورش کے سلسلہ میں جن عزیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا آزاد ہونا شرط ہے لہٰذا باندی اور اُمّ ولد کو پرورش کا کوئی حق نہیں ہے لیکن ذمیہ مسلمہ کے حکم میں ہے کہ ذمیہ کو پرورش کا حق حاصل ہے بشرطیکہ بچہ دین کی سمجھ بوجھ کی عمر کو نہ پہنچ گیا ہو اگر ایسی کوئی بھی عورت موجود نہ ہو جس کو پرورش کا حق پہنچتا ہے تو پھر اس بچہ کی پرورش کا حق عصبات کو ہوگا اور ان کی ترتیب وہی ہوگی جو میراث پانے میں ہوتی ہے لیکن لڑکی کسی ایسے عصبہ کی پرورش میں نہ دی جائے جو غیر محرم ہو جیسا چچا کا لڑکا یا وہ فاسق و لاپرواہ ہو۔

حق پرورش کی مدت: حق پرورش کی مدت نو سال یا سات سال کی عمر مقرر کی گئی ہے اور قدوری نے لکھا ہے کہ جب بچہ تنہا کھانے پینے لگے کپڑا پہننے لگے اور خود استنجا کرنے لگے تو حق پرورش ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد اس بچہ کو اس کا باپ زبردستی اپنی تحویل و نگہداشت میں لے سکتا ہے اور لڑکی کی صورت میں ماں اور نانی اس وقت تک مستحق رہیں گی جب تک کہ اس کی لڑکی کو حیض نہ آجائے اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک لڑکی کے قابل شہوت ہونے تک ماں اور نانی کو پرورش کا استحقاق رہتا ہے جیسا کہ ماں، نانی اور دادی کے علاوہ دوسری عورتوں کے استحقاق کے بارہ میں یہ شرط ہے کہ جب لڑکی مرد کے قابل ہو جائے تو وہ ان کی پرورش سے نکل جائے گی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عمر بلوغ پندرہ سال ہے

(۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ عُرِضْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَ اُحُدٍ وَاَنَا ابْنُ اَرْبَعَ عَشَرَةَ سَنَةً فَرَدَّنِیْ ثُمَّ عُرِضْتُ عَلَیْہِ عَامَ الْخَنْدَقِ وَاَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشَرَةَ سَنَةً فَاَجَازَنِیْ فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ ھٰذَا فَرْقُ مَا بَیْنَ الْمُقَاتِلَةِ وَالذُّرِّیَّةِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ (تین ہجری میں) غزوۂ احد کے موقع پر (جہاد میں جانے کے لئے) مجھے رسول کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا جب کہ میری عمر چودہ سال تھی مگر آنحضرت ﷺ نے مجھے واپس کر دیا۔ (یعنی جہاد میں شرکت کے لئے مجھ کو نہ لے گئے) پھر غزوۂ خندق کے موقع پر جب کہ میری عمر پندرہ سال تھی مجھے آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے مجھے (جہاد میں جانے کی) اجازت عطا فرمادی (کیونکہ بالغ ہونے کی عمر پندرہ سال ہے) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ "عمر لڑنے والوں اور لڑکوں کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔" (بخاری ومسلمؒ)

تشریح: جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ حدیث سنی تو مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا جس سے ان کی مراد یہ تھی کہ جب لڑکا پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جائے۔ اور جو پندرہ سال کی عمر کو نہ پہنچے اس کو نابالغ لڑکوں میں شمار کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ بالغ ہونے کی عمر پندرہ سال ہے۔

حضرت حمزہ کی صاحبزادی کی پرورش کا تنازعہ اور اس کا تصفیہ

(۲) وَعَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ صَالَحَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْحُدَیْبِیَةِ عَلٰی ثَلَاثَةِ اَشْیَاءَ عَلٰی اَنَّ مَنْ اَتَاہُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ رَدَّہُ اِلَیْھِمْ وَمَنْ اَتَاھُمْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ لَمْ یَرُدُّوْہُ وَعَلٰی اَنْ یَدْخُلَھَا مِنْ قَابِلٍ وَیُقِیْمُ بِھَا ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ فَلَمَّا دَخَلَھَا وَمَضَی الْاَجَلُ خَرَجَ فَتَبِعَتْہُ ابْنَةُ حَمْزَةَ تُنَادِیْ یَاعَمِّ یَاعَمِّ فَتَنَاوَلَھَا عَلِیٌّ فَاَخَذَ بِیَدِھَا فَاخْتَصَمَ فِیْھَا عَلِیٌّ وَزَیْدٌ وَجَعْفَرٌ فَقَالَ عَلِیٌّ اَنَا اَخَذْتُھَا وَھِیَ بِنْتُ عَمِّیْ وَقَالَ جَعْفَرٌ بِنْتُ عَمِّیْ وَخَالَتُھَا تَحْتِیْ وَقَالَ زَیْدٌ بِنْتُ اَخِیْ فَقَضٰی بِھَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِخَالَتِھَا وَقَالَ الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ وَقَالَ لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ وَقَالَ لِجَعْفَرٍ اَشْبَھْتَ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ وَقَالَ لِزَیْدٍ اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت براء ابن عازبؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے دن (کفار مکہ سے) تین باتوں پر صلح کی تھی ایک تو یہ کہ مشرکوں میں سے جو شخص آپ کے پاس آجائے آپ ﷺ اسے واپس فرمادیں گے، دوسرے یہ کہ آپ ﷺ آئندہ سال (مدینہ سے) مکہ تشریف لائیں اور اپنا عمرہ قضا کریں اور (ارکان عمرہ کی ادائیگی اور استراحت کے لئے) مکہ میں صرف تین دن قیام فرمائیں، چنانچہ (آئندہ سال) جب آپ ﷺ مکہ تشریف لائے اور متعینہ مدت پوری ہوگئی (یعنی تین دن گزر گئے) اور آپ ﷺ نے (مکہ سے) واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت حمزہ کی بچی، اے میرے چچا اے میرے چچا کہتی ہوئی آپ ﷺ کے پیچھے لگ گئی حضرت علیؓ نے اس کو پکڑنے (یعنی اپنے ہمراہ لینے) کا ارادہ کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا (یعنی اپنے ہمراہ لے لیا، اس کے بعد حضرت حمزہ کی اس بچی کی پرورش کے بارہ میں حضرت علیؓ حضرت زیدؓ اور حضرت جعفرؓ کے درمیان تنازعہ پیدا ہوگیا حضرت علیؓ تو یہ کہتے تھے کہ پہلے میں نے اس بچی کو لیا ہے اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے (اس لئے اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق مجھ کو ہے) اور حضرت جعفرؓ یہ کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے (اس لئے اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق مجھ کو ہے) نبی کریم ﷺ نے (اس تنازعہ کا فیصلہ اس طرح کیا کہ) اس کو اس کی خالہ کے

سپرد کر دیا (جو جعفرؓ کے نکاح میں تھیں) اور فرمایا کہ خالہ ماں کے برابر ہے، پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو (یعنی ہم دونوں میں کمال اخلاص و یگانگت ہے) اور حضرت جعفرؓ سے فرمایا کہ تم میری پیدائش اور میرے خلق میں مشابہ ہو۔ اور حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ "تم ہمارے بھائی اور ہمارے محبوب ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "حدیبیہ" مکہ سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر بجانب جدہ ایک جگہ کا نام ہے ۶ھ میں آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کی معیت میں عمرہ کرنے کے لئے مدینہ سے مکہ کو روانہ ہوئے جب حدیبیہ پہنچے تو کفار مکہ نے وہیں سے روک دیا اور مکہ میں نہ آنے دیا اور پھر اس مقام پر آنحضرت ﷺ اور کفار مکہ کے درمیان ایک معاہدہ کے تحت صلح ہوئی جس کی تین بنیادی دفعات کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے یہ "صلح حدیبیہ" بڑا مشہور واقعہ ہے اور اس کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ کتاب الجہاد میں آئے گا۔

حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ کے چچا اور دودھ شریک بھائی بھی تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اور حضرت حمزہؓ نے ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کا دودھ پیا تھا اسی رشتہ رضاعت کی بناء پر حضرت حمزہؓ کی بیٹی نے آنحضرت ﷺ کو چچا کہا۔

حضرت جعفرؓ آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی یعنی ابوطالب کے لڑکے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھائی تھے اور عمر میں حضرت علیؓ سے دس سال بڑے تھے۔

حضرت زید ابن ثابتؓ ایک غلام تھے جن کو آنحضرت ﷺ نے آزاد کیا تھا۔ اور اپنا متبنیٰ (لے پالک) بنایا تھا ان سے آنحضرت ﷺ کو بہت محبت تھی چونکہ آپ ﷺ نے دوسرے صحابہؓ کی مانند حضرت حمزہ اور حضرت زیدؓ کے درمیان بھائی چارہ کا تعلق قائم کر دیا تھا، اس لئے حضرت زیدؓ نے حضرت حمزہؓ کی بیٹی کو بھتیجی کہا۔

حضرت علیؓ جب حضرت حمزہؓ کی بیٹی کو مدینہ لے آئے تو اس کی پرورش کے بارہ میں مذکورہ بالا تینوں حضرات کے درمیان تنازعہ ہوا ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس بچی کی پرورش کرنا سب سے زیادہ میرا حق ہے اور ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ یہ میری تربیت و کفالت میں رہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس تنازعہ کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ اس بچی کو اس کی خالہ کی پرورش میں دے دیا جو حضرت جعفرؓ کے نکاح میں تھیں اور ان تینوں حضرات کی تسلی اور ان کا دل خوش کرنے کے لئے مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے تاکہ وہ آزردہ نہ ہوں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

کس بچہ کی پرورش کا سب سے زیادہ حق اس کی ماں کو ہے؟

(۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا کَانَ بَطْنِیْ لَهٗ وِعَاءً وَثَدْیِیْ لَهٗ سِقَاءً وَحِجْرِیْ لَهٗ حِوَاءً وَاِنَّ اَبَاهُ طَلَّقَنِیْ وَاَرَادَ اَنْ یَنْزِعَهٗ مِنِّیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْتِ اَحَقُّ بِهٖ مَالَمْ تَنْکِحِیْ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

"حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد مکرم (حضرت شعیبؒ) اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا "یارسول اللہ! میرا یہ بیٹا کہ (ایک مدت تک) میرا پیٹ اس کا برتن رہا (یعنی مدتوں یہ میرے پیٹ میں رہا) میری چھاتی اس کی مشک رہی (یعنی مدتوں میری چھاتی سے دودھ پیتا رہا) اور میری گود اس کا گہوارہ رہی (یعنی مدتوں میں نے اس کو اپنی گود میں پالا ہے) اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور میرے بیٹے کو بھی مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا۔ "جب تک تم کسی سے نکاح نہ کرو اس بچہ کی پرورش کرنے کی تم سب سے زیادہ مستحق ہو۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: اس حدیث کے بعد جو حدیث آرہی ہے اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لڑکے کو اختیار دے دیا تھا کہ وہ چاہے تو اپنی ماں کے پاس رہے اور چاہے اپنے باپ کے ہاں رہے اس طرح دونوں حدیثوں کے مفہوم میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے چنانچہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جس لڑکے کا ذکر ہے ہو سکتا ہے کہ وہ کم سن رہا ہو اور سن تمیز کو نہ پہنچا ہو اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق ماں کو دیا جب کہ آگے آنے والی حدیث میں جس لڑکے کا ذکر کیا گیا ہے وہ سن تمیز کو پہنچ چکا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کو یہ حق دے دیا کہ وہ اپنے اختیار تمیزی کی بنا پر ماں باپ میں سے جس کو چاہے پسند کرے اور اس کے پاس چلا جائے "جب تک کہ تم کسی سے نکاح نہ کرو" اس بارہ میں یہ حدیث مطلق ہے لیکن علماء نے اس مسئلہ کو "غیر محرم" کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی اگر مطلقہ ماں وغیرہ کسی ایسے شخص کے ساتھ شادی کرلے جو لڑکے کا غیر محرم ہے تو اس کو اس لڑکے کی پرورش کا حق نہیں رہتا۔ اور اگر کسی ایسے شخص سے شادی کرے جو لڑکے کا محرم ہے جیسے اس کے چچا سے نکاح، تو اس صورت میں اس کو پرورش کا حق رہتا ہے کیونکہ وہ محرم لڑکے کے حق میں یقیناً شفیق و مہربان ثابت ہوگا۔

مدت پرورش کے بعد لڑکے کو ماں باپ میں سے کسی کے بھی پاس رہنے کا اختیار ہے

④ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیَّرَ غُلَامًا بَیْنَ اَبِیْهِ وَاُمِّهٖ۔ (رواه الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک لڑکے کو یہ اختیار دیا کہ وہ چاہے اپنے باپ کے پاس رہے اور چاہے اپنی ماں کے پاس رہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: جیسا کہ اس سے پہلے کی حدیث کی تشریح میں بتایا گیا ہے یہ لڑکا چونکہ سن تمیز کو پہنچ گیا تھا یعنی بالغ ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ خواہ اپنے باپ کے پاس چلا جائے۔ خواہ وہ اپنی ماں کے پاس رہے لہٰذا اس کا تعلق "حضانۃ" (یعنی پرورش کرنے) کے باب اور مسئلہ سے نہیں ہے جب کہ پہلی حدیث میں جس لڑکے کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق "حضانۃ" کے مسئلہ سے ہے اس لئے آپ ﷺ نے حضانۃ یعنی پرورش کرنے کے حق کے بارہ میں ماں کو مقدم رکھا۔

چنانچہ حنفیہ کے نزدیک یہی مسئلہ ہے کہ "مدت پرورش" میں لڑکے کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ چاہے تو اپنی ماں کے پاس رہے اور چاہے باپ کے پاس رہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک لڑکے کو مدت پرورش میں بھی یہ اختیار حاصل ہوتا ہے۔

⑤ وَعَنْهُ قَالَ جَاءَتِ امْرَاَةٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ زَوْجِیْ یُرِیْدُ اَنْ یَّذْهَبَ بِابْنِیْ وَقَدْ سَقَانِیْ وَنَفَعَنِیْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا اَبُوْكَ وَهٰذِهٖ اُمُّكَ فَخُذْ بِیَدِ اَیِّهِمَا شِئْتَ فَاَخَذَ بِیَدِ اُمِّهٖ فَانْطَلَقَتْ بِهٖ۔ (رواه ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک عورت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ "میرا خاوند چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو لے جائے حالانکہ وہ مجھے پانی پلاتا ہے اور نفع پہنچاتا ہے (یعنی وہ اب اس عمر کو پہنچ گیا ہے کہ میں اس کی خدمت سے فائدہ اٹھاتی ہوں) نبی کریم ﷺ نے (اس لڑکے سے) فرمایا کہ یہ تمہارا باپ اور یہ تمہاری ماں ہے ان میں سے تم جس کو پسند کرو اس کا ہاتھ پکڑ لو۔ چنانچہ اس لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اس کو اپنے ساتھ لے گئی۔" (ابوداؤد، نسائی، دارمیؒ)

⑥ وَعَنْ هِلَالِ بْنِ اُسَامَةَ عَنْ اَبِیْ مَیْمُوْنَةَ سُلَیْمَانَ مَوْلًی لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ قَالَ بَیْنَمَا اَنَا جَالِسٌ مَعَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ جَاءَتْهُ امْرَاَةٌ فَارِسِیَّةٌ مَعَهَا ابْنٌ لَهَا وَقَدْ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا فَادَّعَیَاهُ فَرَطَنَتْ لَهٗ تَقُوْلُ یَا اَبَاهُرَیْرَةَ زَوْجِیْ یُرِیْدُ اَنْ یَّذْهَبَ بِابْنِیْ فَقَالَ اَبُوْهُرَیْرَةَ اسْتَهِمَا عَلَیْهِ رَطَنَ لَهَا بِذَالِكَ فَجَاءَ زَوْجُهَا وَقَالَ مَنْ یُّحَاقُّنِیْ فِیْ ابْنِیْ فَقَالَ اَبُوْهُرَیْرَةَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ هٰذَا اِلَّا اَنِّیْ كُنْتُ قَاعِدًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَتْهُ امْرَاَةٌ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ زَوْجِیْ یُرِیْدُ

اَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي وَقَدْ نَفَعَنِيْ وَسَقَانِيْ مِنْ بِئْرِ اَبِيْ عِنَبَةَ وَعِنْدَ النَّسَائِيِّ مِنْ عَذْبِ الْمَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَهِمَا عَلَيْهِ فَقَالَ زَوْجُهَا مَنْ يُحَاقِّنِيْ فِيْ وَلَدِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا اَبُوْكَ وَهٰذِهٖ اُمُّكَ فَخُذْ بِيَدِ اَيِّهِمَا شِئْتَ فَاَخَذَ بِيَدِ اُمِّهٖ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ لٰكِنَّهٗ ذَكَرَ الْمُسْنَدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ هِلَالِ بْنِ اُسَامَةَ۔

"حضرت ہلال ابن اسامہؓ حضرت میمونہؓ سے کہ جن کا نام سلیمان تھا اور اہل مدینہ میں سے کسی کے آزاد کردہ غلام تھے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (ایک دن) جب کہ میں حضرت ابوہریرہؓ کے ہاں بیٹھا ہوا تھا ان کے پاس فارس کی ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کا لڑکا بھی تھا اور اس کے خاوند نے اس کو طلاق دے دی تھی اور میاں بیوی کے درمیان اس لڑکے کے بارہ میں تنازعہ تھا اس عورت نے ابوہریرہؓ سے فارسی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ابوہریرہؓ میرا شوہر میرے بیٹے کو لے جانا چاہتا ہے! حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ تم دونوں اس پر قرعہ ڈالو (جس کے نام قرعہ نکل آئے وہ اس لڑکے کو لے لے) حضرت ابوہریرہؓ نے بھی اس عورت کے سامنے اسی مفہوم کو فارسی زبان میں ادا کیا پھر اس عورت کا خاوند آگیا کہ میرے بیٹے کے بارہ میں مجھ سے کون جھگڑا کرتا ہے؟ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ "یا اللہ! میں یہ بات (اپنی طرف سے) نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں (ایک دن) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک عورت آئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ میرا شوہر چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو مجھ سے چھین لے جب کہ یہ مجھے فائدہ پہنچاتا ہے اور ابوعنبہ کے کنوئیں سے مجھ کو پانی اور نسائیؒ میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ (شہر کے باہر کافی فاصلہ سے) میٹھا پانی (لاکر) مجھ کو پلاتا ہے۔ یہ سن کر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "تم دونوں اس پر قرعہ ڈالو خاوند نے کہا کہ "میرے بیٹے کے بارہ میں مجھ سے کون جھگڑا کرتا ہے؟" پھر رسول کریم ﷺ نے (اس لڑکے سے) فرمایا "کہ یہ تمہارا باپ ہے اور یہ تمہاری ماں ہے ان دونوں میں سے تم جس کو پسند کرو، اس کا ہاتھ پکڑ لو! چنانچہ اس لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ (اور وہ اس کو اپنے ساتھ لے گئی)۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ، دارمیؒ)

تشریح: حضرت ابوہریرہؓ نے اس عورت سے جو فارسی زبان میں گفتگو کی اس سے معلوم ہوا کہ بعض صحابہؓ اہل عجم کے ساتھ میل جول رکھنے اور ان کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے ان کی زبان سیکھ گئے تھے۔

اس حدیث میں جس لڑکے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی بالغ تھا اور چونکہ بالغ کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ چاہے ماں کے پاس رہے اور چاہے باپ کے ساتھ رہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس کو یہ حق دے دیا اور اس نے ماں کے پاس رہنے کو اختیار کیا، اس لڑکے کے بالغ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ شہر کے باہر بہت دور دور سے پانی بھر کر لاتا تھا اگر وہ نابالغ ہوتا تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی کمسنی کی وجہ سے شہر کے باہر اتنی دور سے پانی بھر لانے کی ہمت نہ کرتا بلکہ اس کی ماں بھی اس خوف سے کہ کہیں یہ اپنی نادانی کی وجہ سے کنوئیں میں گر نہ جائے۔ اس کو اتنی دور سے پانی لانے کے لئے ہرگز نہ بھیجتیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب العتق

غلام کو آزاد کرنے کا بیان

آزادی کی شرعی حیثیت

شرعی نقطۂ نظر سے "آزادی" دراصل ایک ایسی قوت حکمیہ کا نام ہے جو انسان کو اس کا یہ فطری اور پیدائشی حق دیتی ہے کہ وہ مالک ہونے، سرپرست بننے اور شہادت (گواہی) دینے کا اہل بن جائے، چنانچہ جس انسان کا یہ فطری اور پیدائشی حق مسلوب ہوتا ہے بایں طور کہ وہ کسی غلامی میں ہوتا ہے اور پھر اسے آزادی کی صورت میں یہ قوت حکمیہ حاصل ہو جاتی ہے تو اس میں نہ صرف مالک ہونے کی لیاقت، سرپرست بننے کی قابلیت اور شہادت دینے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ وہ اس قوت حکمیہ یا یہ کہئے کہ اس آزادی کی وجہ سے دوسروں پر تصرف کرنے اور دوسروں کے تصرف کو اپنے سے روکنے پر قادر ہو جاتا ہے اور وہ آزاد و خود مختار انسانوں کی صف میں آکھڑا ہوتا ہے۔

آزاد کرنے کی شرط

کسی بردہ (غلام باندی) کو آزاد کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ آزاد کرنے والا خود مختار ہو بالغ ہو، عقل مند ہو اور جس بردہ کو آزاد کر رہا ہے اس کا مالک ہو۔

آزاد کرنے کی قسمیں

غلام کو آزاد کرنا بعض صورتوں میں واجب ہے جیسے کفارہ، بعض صورتوں میں مستحب ہے اور بعض صورتوں میں گناہ بھی ہے، جیسے اگر یہ ظن غالب ہو کہ اگر اس غلام کو آزاد کر دیا جائے گا تو یہ دار الحرب بھاگ جائے گا یا مرتد ہو جائے گا یا یہ خوف ہو کہ چوری قزاقی کرنے لگے گا! بعض صورتوں میں مباح ہے۔ جیسے کسی شخص کی خاطر یا کسی شخص کو ثواب پہنچانے کے لئے بردہ کو آزاد کیا جائے اور بعض صورتوں میں عبادت ہے جیسے کسی بردہ کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے آزاد کیا جائے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

بردہ (غلام یا باندی) کو آزاد کرنے کا اجر

① عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ رَقَبَۃً مُسْلِمَۃً اَعْتَقَ اللّٰہُ بِکُلِّ عُضْوٍ مِنْہُ

عُضْوًا مِنَ النَّارِ حَتّٰی فَرْجَهٗ بِفَرْجِهٖ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی مسلمان بردہ کو غلامی سے نجات دے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو اس بردہ کے ہر عضو کے بدلے دوزخ کی آگ سے نجات دے گا یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کو اس بردہ کی شرمگاہ کے بدلے (نجات دے گا)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "مسلمان بردہ" میں اسلام کی قید اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ اس فعل (آزاد کرنے) کا ثواب زیادہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ یوں تو کسی بھی بردہ کو آزاد کرنا اجر کا باعث ہے لیکن اگر کسی مسلمان کو آزاد کیا جائے تو اس کے اجر کی حیثیت اور ثواب کی مقدار کہیں زیادہ ہوگی۔

"ہر عضو" کے ذکر کے بعد پھر "شرمگاہ" کو بطور خاص اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ زنا کی جگہ ہے اور زنا شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے لہٰذا وضاحت فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ جسم کے اس حصہ کو بھی نجات دے گا۔ اس کے پیش نظر بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ آزاد کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اس غلام کو آزاد کرے جو خصی یا ستر بریدہ نہ ہو، نیز یہ اولیٰ ہے کہ اگر آزاد کرنے والا مرد ہو تو وہ مرد (یعنی غلام) کو آزاد کرے اور اگر آزاد کرنے والی عورت ہو تو وہ عورت (یعنی باندی) کو آزاد کرے۔

گراں قیمت اور اپنا پسندیدہ غلام آزاد کرنا زیادہ بہتر ہے

(۲) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ؟ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰهِ وَجِهَادٌ فِیْ سَبِیْلِهٖ۔ قَالَ قُلْتُ فَاَیُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ قَالَ اَغْلَاهَا ثَمَنًا وَاَنْفَسُهَا عِنْدَ اَهْلِهَا قُلْتُ فَاِنْ لَمْ اَفْعَلْ قَالَ تُعِیْنُ صَانِعًا اَوْ تَصْنَعُ لِاَخْرَقَ قُلْتُ فَاِنْ لَمْ اَفْعَلْ قَالَ تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَلٰی نَفْسِكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ کون سا عمل بہتر ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا" ابوذرؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا "کون سا بردہ آزاد کرنا بہتر ہے؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جو گراں قیمت ہو اور اپنے مالک کو بہت پیارا ہو" میں نے عرض کیا کہ "اگر میں ایسا نہ کر سکوں؟ (یعنی از راہ کسل نہیں بلکہ از راہ عجز و عدم استطاعت ایسا غلام آزاد نہ کر سکوں؟)" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "کام کرنے والے کی مدد کرو یا جو شخص کسی چیز کو بنانا جانتا ہو اس کی وہ چیز بنا دو" میں نے عرض کیا "اگر میں یہ (بھی) نہ کر سکوں (تو کیا کروں؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا "لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کر دیا در کھو یہ ایک اچھی خصلت ہے جس کے ذریعہ تم اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرتے ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ایمان کا بہتر ہونا تو بالکل بدیہی بات ہے کہ خیر و بھلائی کی بنیاد ہی ایمان ہے، اگر ایمان کی روشنی موجود نہ ہو تو پھر کوئی بھی عمل مقبول نہیں ہوتا خواہ وہ کتنا ہی اہم اور کتنا ہی افضل کیوں نہ ہو! اور جہاد اس اعتبار سے بہتر عمل ہے کہ وہ دین کی تقویت اور مسلمانوں کی برتری و عظمت اور غلبہ کا باعث ہوتا ہے۔

جہاں تک نماز، روزہ کا تعلق ہے وہ تو دوسری حیثیات اور دوسرے وجوہ کی بناء پر (ایک دوسرے) عمل سے برتر اور بہتر ہیں لہٰذا یہاں جہاد کو نماز و روزہ پر فوقیت دینا مراد نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہ اس موقع پر "جہاد" سے مراد مطلق "مشقت برداشت کرنا" ہے جس کا تعلق جہاد سے بھی ہے اور دوسری طاعات و عبادات سے بھی، چنانچہ مامورات پر عمل کرنے اور منہیات سے بچنے کی نفسانی مشقت اور ریاضت کو "جہاد اکبر" فرمایا گیا ہے اس صورت میں آنحضرت ﷺ کے مذکورہ بالا جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ سب سے بہتر عمل، ایمان لانا اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ کام کرنے والے کی مدد کرو میں "کام سے" مراد ہر وہ چیز ہے جو انسان کے معاش کا ذریعہ ہو خواہ وہ صنعت و کاریگری ہو یا تجارت ہو۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنے کسی پیشہ و کسب میں لگا ہوا ہو اور اس کا وہ پیشہ و کسب اس کی اور اس کے اہل و عیال کی ضروریات کو پورا نہ کرتا ہو وہ شخص اپنے ضعف و مجبوری کی وجہ سے اس کسب و پیشہ

کو پوری طرح انجام نہ دے سکتا ہو تو تم اس شخص کی مدد کرو! اسی طرح "جو شخص کسی چیز کو بنانا نہ جانتا ہو الخ" کا مطلب بھی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے پیشے کے کام کو نہ کر سکتا ہو تو تم اس کا کام کر دو تاکہ وہ تمہارے سہارے اپنی ضروریات زندگی کو پورا کر سکے۔

"لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرو" کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو برے کام میں مبتلا نہ کرو، کسی کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے ایذا نہ پہنچاؤ اور نہ کسی کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچاؤ کیونکہ لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرنا بھی خیر و بھلائی ہے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ برائی (یعنی کسی کو ایذاء و نقصان) پہنچانے پر قدرت بھی حاصل ہو ۔

مراز خیر تو امید نیست شر مرساں

اس موقع پر عبارت کے ظاہری اسلوب کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ ﷺ یوں فرماتے کہ "یہ ایک اچھی خصلت ہے جس کے ذریعہ تم لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہو" لیکن چونکہ لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنا درحقیقت اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرنا ہے بایں طور کہ اس بھلائی کے مختلف فوائد اسے حاصل ہوتے ہیں اس لئے آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ "جس کے ذریعہ تم اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرتے ہو"۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

بردہ کو آزاد کرنے یا بردہ کی آزادی میں مدد کرنے کی فضیلت

③ عن الْبراءِ بن عَازِبٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلِّمْنِی عَمَلاً یُدْخِلُنِی الْجَنَّةَ قَالَ لَئِنْ كُنْتَ اَقْصَرْتَ الْخُطْبَةَ لَقَدْ اَعْرَضْتَ الْمَسْئَلَةَ اَعْتِقِ النَّسَمَةَ وَفُكَّ الرَّقَبَةَ قَالَ اَوَلَیْسَا وَاحِدًا قَالَ لَا عِتْقُ النَّسَمَةِ اَنْ تَفَرَّدَ بِعِتْقِهَا وَفَكُّ الرَّقَبَةِ اَنْ تُعِیْنَ فِیْ ثَمَنِهَا وَالْمِنْحَةَ الْوَكُوْفَ وَالْفَیْءَ عَلٰی ذِی الرَّحِمِ الظَّالِمِ فَاِنْ لَمْ تُطِقْ ذٰلِكَ فَاَطْعِمِ الْجَائِعَ وَاسْقِ الظَّمْاٰنَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ فَاِنْ لَمْ تُطِقْ ذٰلِكَ فَكُفَّ لِسَانَكَ اِلَّا مِنْ خَیْرٍ۔ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

"حضرت براء ابن عازبؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا کہ "مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جس کے ذریعہ میں (ابتدائی مرحلہ میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ) جنت میں داخل ہو جاؤں؟" آپ ﷺ نے فرمایا اگرچہ تم نے سوال کرنے میں بہت اختصار سے کام لیا ہے لیکن بڑی اہم بات دریافت کی ہے (پھر آپ ﷺ نے اس کو یہ عمل بتایا کہ) تم جان کو آزاد کرو اور بردہ کو نجات دو" دیہاتی نے عرض کیا کہ "کیا یہ دونوں باتیں (یعنی جان کو آزاد کرنے اور غلام کو نجات دینا) ایک ہی نہیں ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں! جان کا آزاد کرنا تو یہ ہے کہ تم اس کو آزاد کرنے میں تنہا اور مستقل ہو اور بردہ کو نجات دینا یہ ہے کہ تم اس کی قیمت کی ادائیگی) میں اس کی مدد کرو (نیز جنت میں داخل کرنے والا یہ بھی عمل ہے کہ) تم کسی محتاج کو) شیر دار منحہ دو اور اس ظالم رشتہ دار پر مہربانی اور احسان کرو جو تم پر ظلم کرتا ہے! اگر تم سے یہ نہ ہو سکتے تو بھوکے کو کچھ کھلاؤ اور پیاسے کو پانی پلاؤ۔ نیز (لوگوں کو) بھلائی کی تلقین و تبلیغ کرو اور برائی سے روکو۔ اور اگر تم یہ (بھی) نہ کر سکو تو پھر (کم سے کم اتنا ہی کرو کہ) بھلی بات کے علاوہ اپنی زبان کو بند رکھو۔" (بیہقی)

تشریح: جان یعنی بردہ کو آزاد کرنا، اور بردہ کو نجات دینا، ان دونوں باتوں میں جو فرق واضح کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جان کو آزاد کرنا تو یہ ہے کہ تم خود اپنے بردہ کو آزاد کرو، اور بردہ کو نجات دینا یہ ہے کہ تم کسی دوسرے شخص کے بردہ کی آزادی کے لئے سعی و کوشش کرو، بایں طور کہ اس کی قیمت کی ادائیگی میں اس بردہ کی مدد کرو! مثال کے طور پر زید نے اپنے غلام کو لکھ کر دے دیا کہ جب تم مجھے اتنے

روپے ادا کر دو گے تو تم آزاد ہو جاؤ گے، اب اس غلام کی روپے پیسے سے امداد کرنا تاکہ وہ متعینہ رقم اپنے مالک زید کو ادا کر کے آزاد ہو جائے، دوسرے شخص کے بردہ کی آزادی کے لئے سعی و کوشش کرنا ہے، یاد رہے کہ ایسے غلام کو "مکاتب" کہا جاتا ہے۔

"منحہ" سے مراد وہ بکری یا اونٹنی ہے جو کسی محتاج کو اس مقصد سے عارضی طور پر دے دی جائے کہ وہ اس بکری یا اونٹنی کے دودھ یا ان کے بالوں سے نفع حاصل کرے اور "وکوف" بہت دودھ دینے والے جانور کو کہتے ہیں۔

"بھلی بات کے علاوہ اپنی زبان کو بند رکھو" اس مضمون کو ایک دوسری حدیث میں یوں فرمایا گیا ہے۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْلِيَصْمُتْ۔

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنی زبان سے بھلائی (کی بات) نکالے یا خاموشی اختیار کرے۔"

ان دونوں فرمودات کا حاصل یہ ہے کہ اپنی زبان پر پوری طرح قابو رکھنا چاہئے۔ یاوہ گوئی، بدکلامی اور بری باتوں کا زبان سے صدور نہ ہونا چاہئے، زبان جب بھی حرکت میں آئے، اس سے بھلائی ہی کی بات نکلنی چاہئے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس پر عمل کر کے بہت سی خرابیوں اور دینی و دنیاوی نقصانات سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں "بھلائی" سے مراد وہ چیز ہے جس میں ثواب ہو اس صورت میں وہ کلام جس پر مباح کا اطلاق ہوتا ہو، بھلائی کے زمرہ میں نہیں آئے گا لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ "بھلائی" سے مراد وہ چیز ہے جو برائی کے مقابل ہو لہٰذا اس صورت میں مباح کلام بھلائی کے زمرہ میں آئے گا ورنہ حصر غیر موزوں رہے گا۔

(۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا لِيُذْكَرَ اللّٰهُ فِيْهِ بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ اَعْتَقَ نَفْسًا مُسْلِمَةً كَانَتْ فِدْيَتُهٗ مِنْ جَهَنَّمَ وَمَنْ شَابَ شَيْبَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت عمرو ابن عبسہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کوئی (چھوٹی یا بڑی) مسجد (نام نمود کے لئے نہیں بلکہ اس نیت سے) بنائے کہ اس میں اللہ کا ذکر کیا جائے تو اس کے لئے جنت میں ایک بڑا مکان بنایا جائے گا اور جو شخص کسی مسلمان بردہ کو آزاد کرے گا تو وہ بردہ اس شخص کے لئے دوزخ کی آگ سے نجات کا سبب ہو گا اور جو شخص خدا کی راہ میں (یعنی جہاد میں یا حج میں، یا طلب علم میں اور یا اسلام میں جیسا کہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے) بوڑھا ہوا تو اس کا بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لئے نور ہو گا (جس کے سبب وہ اس دن کی تاریکیوں سے نجات پائے گا۔) اس روایت کو صاحب مصابیح نے (اپنی اسناد کے ساتھ) شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: ان الفاظ "رواہ فی شرح السنۃ" میں اس طرف اشارہ ہے کہ مشکوٰۃ کے مصنف کو یہ حدیث شرح السنۃ کے علاوہ حدیث کی کسی اور کتاب میں نہیں ملی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۵) عَنِ الْغَرِيْفِ ابْنِ عَيَّاشٍ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ اَتَيْنَا وَاثِلَةَ بْنَ الْاَسْقَعِ فَقُلْنَا حَدِّثْنَا حَدِيْثًا لَيْسَ فِيْهِ زِيَادَةٌ وَلَا نُقْصَانٌ فَغَضِبَ وَقَالَ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَقْرَأُ وَمُصْحَفُهٗ مُعَلَّقٌ فِيْ بَيْتِهٖ فَيَزِيْدُ وَيَنْقُصُ فَقُلْنَا اِنَّمَا اَرَدْنَا حَدِيْثًا سَمِعْتَهٗ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَاحِبٍ لَنَا اَوْجَبَ يَعْنِي النَّارَ بِالْقَتْلِ فَقَالَ اَعْتِقُوْا عَنْهُ يُعْتِقِ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت غریف ابن دیلمی (تابعی) کہتے ہیں کہ ہم حضرت واثلہؓ ابن اسقع (صحابی) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم سے کوئی

حدیث بیان کیجئے جس میں کمی بیشی نہ ہو۔" حضرت واثلہؓ (یہ بات سن کر) غصہ ہوئے اور کہنے لگے کہ تم لوگ (شب و روز) قرآن کریم پڑھتے ہو اور تمہارا قرآن کریم تمہارے گھر میں لٹکا رہتا ہے لیکن اس کے باوجود (از راہ سہو و خطا) کمی بیشی ہو ہی جاتی ہے (یعنی جب کوئی شخص قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے تو اس کا قرآن کریم اس کے گھر میں یا اس کے پاس موجود ہوتا ہے اور اس صورت میں اگر اسے کہیں کوئی شبہ ہو تو وہ قرآن دیکھ سکتا ہے لیکن اس کے باوجود تلاوت میں غلطی سے کوئی لفظ چھوڑ دیتا ہے یا کوئی لفظ بڑھا دیتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ ضبط و تکرار اور پوری احتیاط کے باوجود نقل روایت میں الفاظ کی کمی بیشی کا ہو جانا ضروری ہے) ہم نے عرض کیا کہ "ہمارا مطلب تو صرف یہ ہے کہ آپ نے آنحضرت ﷺ سے جو حدیث سنی ہو ہمیں سنائیے، چنانچہ حضرت واثلہؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ (ایک دن) ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک دوست کا معاملہ لے کر آئے جس نے (خود کشی کر کے یا کسی دوسرے کو ناحق) قتل کر کے اپنے لئے دوزخ کی آگ کو واجب کر لیا تھا، آنحضرت ﷺ نے (واقعہ سن کر) فرمایا کہ "اس شخص کی طرف سے (غلام آزاد کرو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے قاتل کے ہر عضو کو (دوزخ) کی آگ سے نجات دے گا۔" (ابوداؤد)

تشریح: حضرت واثلہؓ سمجھے کہ غریفؓ کی مراد یہ ہے کہ حدیث بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے الفاظ بعینہ روایت کئے جائیں۔ چنانچہ ان کو اس بات پر غصہ آیا اور مذکورہ بالا جواب دیا۔ لیکن حضرت غریفؓ نے اپنی بات کو وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا مطلب یہ نہیں تھا جو آپ سمجھے ہیں بلکہ ہماری مراد تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث اس طرح بیان فرمائیں کہ اس کے مضمون و مفہوم میں کوئی تغیر نہ ہو اگرچہ الفاظ میں کمی بیشی ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کو اس طرح بیان کرنا کہ اس کا مضمون و مفہوم بعینہ نقل ہو جائے گو الفاظ میں کچھ تضاد ہو تو جائز ہے۔

کسی غلام کے حق میں سفارش کرنا بہترین صدقہ ہے

(٦) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ الشَّفَاعَةُ بِهَا تُفَكُّ الرَّقَبَةُ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

"اور حضرت سمرہؓ ابن جندب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بہترین صدقہ وہ سفارش ہے جس کے نتیجہ میں (بردہ کی) گردن کو نجات حاصل ہو جائے۔" (بیہقی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ سفارش کر کے کسی غلام کو آزاد کرا دینا یا کوئی شخص اپنے غلام کو قتل کر دینا چاہتا ہو یا اس کو مارتا دھاڑتا ہو تو سفارش کر کے اس غلام کو بچا دینا بہترین صدقہ ہے۔

بَابُ اِعْتَاقِ الْعَبْدِ الْمُشْتَرَكِ وَشِرَاءِ الْقَرِيْبِ وَالْعِتْقِ فِي الْمَرَضِ

مشترک غلام کو آزاد کرنے، قرابت دار کو خریدنے اور بیماری کی حالت میں آزاد کرنے کا بیان

اس باب میں جن مسائل و احکام سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اگر کوئی غلام مشترک ہو مثلاً دو شخص زید اور بکر مشترک طور پر ایک غلام کے مالک ہوں اور ان میں کا ایک شریک مثلاً زید اپنا حصہ آزاد کر دے تو دوسرا کیا کرے؟ چنانچہ اس بارہ میں جزوی آزادی (یعنی ایک غلام کا مثلاً آدھا حصہ آزاد ہو جائے اور آدھا حصہ غلام ہی رہے) معتبر ہے یا نہیں خود حنفیہ کے ہاں مختلف اقوال ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ "جزوی آزادی" معتبر ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسف اور

حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ جزوی آزادی معتبر نہیں ہے، اقوال کے اس اختلاف کا تعلق مسئلہ کے صرف اسی ایک جزو سے نہیں ہے بلکہ اس سے دوسرے احکام و مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

باب کا دوسرا جزیہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے غلام کو خریدے جو اس کا قرابت دار ہو تو وہ غلام محض خریدنے ہی سے آزاد ہو جائے گا خواہ وہ شخص اس کو آزاد کرے یا آزاد نہ کرے! البتہ اس بارہ میں اختلافی اقوال ہیں کہ "قرابت دار" سے کس کس رشتہ کے لوگ مراد ہیں اس کی تفصیل بھی آگے آئے گی۔

باب کا تیسرا جزء یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں غلام کو آزاد کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ اس کے متعلق احکام و مسائل بھی حسب موقع احادیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کئے جائیں گے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

مشترک غلام کو آزاد کرنے کے بارے میں ایک ہدایت

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ وَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ الْعَبْدُ عَلَيْهِ قِيْمَةَ عَدْلٍ فَاُعْطِيَ شُرَكَاءُهُ حِصَصَهُمْ وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ وَاِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی (مشترک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے (تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ) اگر اس کے پاس اتنا مال موجود ہو جو (اس غلام کے باقی حصوں) کی قیمت کے بقدر ہو تو انصاف کے ساتھ (یعنی بغیر کمی بیشی کے) اس غلام کے (باقی ان حصوں) کی قیمت لگائی جائے گی اور وہ اس غلام کے دوسرے شریکوں کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر اس غلام کا جو حصہ اس شخص نے آزاد کیا ہے وہ آزاد ہو جائے گا (اور دوسرے شرکاء کے حصے مملوک رہیں گے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر ایک غلام کے مثلاً دو مالک ہوں اور ان میں سے ایک حصہ دار اپنا حصہ آزاد کرنا چاہے تو اگر وہ آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کو اس کے حصہ کے بقدر قیمت ادا کر دے اس صورت میں وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو (اور دوسرے شریک کو اس کے حصہ کی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو) تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کے حصہ کے بقدر تو آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کے حصہ کے بقدر غلام رہے گا۔

نیز حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آزادی اور غلامی متجزی ہو سکتی ہیں (یعنی کسی غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو جانا اور کچھ حصہ غلام رہنا جائز رہتا ہے) اور دوسرے شریک کو اپنا حصہ آزاد کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس غلام سے استسعاء (محنت) کرائی جائے! چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ باوجودیکہ آزادی اور غلامی کے متجزی ہونے کا قائل ہیں لیکن اس صورت میں ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کا حصہ بھر دے (یعنی وہ اس کو اس کے حصہ کی قیمت ادا کر دے) یا دوسرا شریک اپنے حصے کے بقدر اس غلام سے استسعاء کرائے یا وہ شریک بھی اپنا حصہ آزاد کر دے اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو تو پھر وہ اپنے شریک کو اس کا حصہ نہ پھیر دے۔ بلکہ وہ شریک یا تو اس غلام سے استسعاء کے ذریعہ اپنے حصے کی قیمت وصول کر لے یا اپنا حصہ آزاد کر دے اس صورت میں حق ولاء دونوں کو حاصل ہو گا! اس بارہ صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا یہ قول ہے کہ آزاد کرنے والا شخص اگر صاحب مقدور ہو تو دوسرے شریک کا حصہ پھیر دے اور اگر صاحب مقدور نہ ہو دوسرا شریک

اس غلام سے استسعاء کے ذریعہ اپنے حصہ کی قیمت حاصل کرلے، اور چونکہ آزادی متجزی نہیں ہوتی اس لئے اس صورت میں حق ولاء صرف آزاد کرنے والے کو حاصل ہوگا۔

صاحبینؒ کی مستدل حدیث

(۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ شِقْصًا فِیْ عَبْدٍ اُعْتِقَ كُلُّهُ اِنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ فَاِنْ لَمْ یَكُنْ لَهٗ مَالٌ اُسْتُسْعِیَ الْعَبْدُ غَیْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَیْهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص (مشترک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے گا تو وہ غلام پورا آزاد ہو جائے گا (اور یہ آزادی اس آزاد کرنے والے شخص کی طرف سے متصور ہوگی) اور اگر اس شخص کے پاس (اتنا) مال ہو (کہ وہ اپنے حصہ کے علاوہ باقی حصوں کی قیمت کی ادائیگی کر سکے تو دوسرے شرکاء کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے) اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر وہ غلام (ان باقی حصوں) کے بقدر محنت مزدوری یا دوسرے شرکاء کی خدمت پر مامور کیا جائے لیکن غلام کو (کسی ایسے کام اور محنت کی) مشقت میں مبتلا نہ کیا جائے (جو اس کی طاقت سے باہر ہو)۔" (بخاری ، مسلم)

مرض الموت میں اپنے تمام غلام آزاد کر کے اپنے ورثاء کی حق تلفی نہ کرو

(۳) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ اَنَّ رَجُلًا اَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوْكِیْنَ لَهٗ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَلَمْ یَكُنْ لَهٗ مَالٌ غَیْرُهُمْ فَدَعَا بِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَجَزَّاَهُمْ اَثْلَاثًا ثُمَّ اَقْرَعَ بَیْنَهُمْ فَاَعْتَقَ اثْنَیْنِ وَاَرَقَّ اَرْبَعَةً وَقَالَ لَهٗ قَوْلًا شَدِیْدًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ النَّسَائِیُّ عَنْهُ وَذَكَرَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ لَا اُصَلِّیَ عَلَیْهِ بَدَلَ وَقَالَ لَهٗ قَوْلًا شَدِیْدًا۔ وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ قَالَ لَوْ شَهِدْتُهٗ قَبْلَ اَنْ یُدْفَنَ لَمْ یُدْفَنْ فِیْ مَقَابِرِ الْمُسْلِمِیْنَ۔

"اور حضرت عمران ابن حصینؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلام آزاد کر دیئے اور اس شخص کے پاس ان غلاموں کے علاوہ اور کوئی مال نہ تھا (پھر اس شخص کی وفات کے بعد جب) رسول کریم ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان غلاموں کو بلایا اور (دو دو کی تعداد میں) ان کے تین حصے کئے اور پھر ان کے درمیان قرعہ ڈالا، اس طرح ان سے دو کو تو آزاد کر دیا اور چار کو غلام رکھا اور آزاد کرنے والے کے حق میں (اظہار ناراضگی) کے لئے سخت الفاظ فرمائے۔" اور نسائیؒ کی روایت میں جو حضرت عمرانؓ ہی سے منقول ہے۔ ان الفاظ "سخت الفاظ فرمائے" کی بجائے یہ الفاظ ہیں "کہ میں نے تو یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھوں" اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے اس (شخص کے حق میں بطور تنبیہ و تہدید) یہ فرمایا کہ اگر میں اس کی تدفین سے پہلے اس کے جنازہ پر پہنچتا تو وہ مسلمانوں کے قبرستان میں نہ دفن کیا جاتا۔"

تشریح: "دو کو تو آزاد کر دیا الخ" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ جن دو کے نام قرعہ نکلا ہے وہ آزاد ہیں اور باقی چاروں غلام رہیں گے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے مرض الموت میں اپنے سارے غلاموں کو آزاد کر دے تو اس آزادی کا اجراء ان غلاموں کی صرف تہائی تعداد میں ہوگا کیونکہ مرض الموت میں اس کے مال کے ساتھ اس کے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اسی طرح وصیت، صدقہ، ہبہ اور ان کے مثل کا اجراء بھی تہائی مال میں ہوگا۔

زین العربؒ نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم اس لئے جاری فرمایا کہ اس وقت عام طور پر غلام زنگی ہوا کرتے تھے جو قیمت میں مساوی ہوتے تھے۔ اور امام نوویؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایسی صورت میں (مساوی سلوک کے پیش نظر) ہر غلام کا تہائی حصہ تو آزاد متصور ہوگا اور باقی دو حصوں کے بقدر اس سے محنت یا خدمت لی جائے گی۔

آنحضرت ﷺ نے اس شخص پر اس لئے اظہار ناراضگی فرمایا کہ اس نے چھ کے چھ غلاموں کو آزاد کر کے اپنے ورثاء کو بالکل محروم کر دیا تھا جو آپ ﷺ کی نظر میں سخت مکروہ عمل تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اس کے ورثاء پر اس طرح شفقت و کرم کیا کہ اس شخص کی طرف سے دی گئی آزادی کو دو غلاموں کے حق میں جاری کیا اور باقی چار کو ان کے ورثاء کا حق قرار دے دیا۔ حدیث کے اس جزو سے یہ معلوم ہوا کہ میت کو اس کے کسی نامشروع اور ظالمانہ عمل پر برا کہہ سکتے ہیں اور یہ اس ارشاد گرامی اُذْكُرُوا اَمْوَاتَكُمْ بِالْخَيْرِ (اپنے مرے ہوئے لوگوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرو) کے منافی نہیں ہے۔

غلام باپ کو خریدنے کا مسئلہ

④ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْزِىْ وَلَدٌ وَالِدَهٗ اِلَّا اَنْ يَجِدَهٗ مَمْلُوْكًا فَيَشْتَرِيَهٗ فَيُعْتِقَهٗ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کوئی بیٹا اپنے باپ کا بدلہ نہیں اتار سکتا مگر اس صورت میں کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو خرید کر آزاد کر دے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ محض بیٹے کے خرید لینے سے ہی آزاد نہیں ہو جاتا بلکہ جب اسے اس کا بیٹا خرید کر آزاد کرے تب آزاد ہوتا ہے۔ چنانچہ اصحاب ظواہر کا یہی مسلک ہے۔ لیکن جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ باپ اپنے بیٹے کی محض ملکیت میں آجانے سے آزاد ہو جاتا ہے، اس کی صراحت دوسری فصل کی پہلی حدیث سے بھی ہوتی ہے اور اس حدیث کے معنی بھی یہی ہیں۔ چنانچہ حضرت مظہرؒ فرماتے ہیں کہ فیعتقہ میں حُرف فاسبب کے لئے ہے۔ اس صورت میں حدیث کے آخری جزء کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "جب کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو آزاد کرنے کے لئے خرید لے "لہٰذا خریدنے کے بعد اس کی ضرورت نہیں ہوگی کہ بیٹا اس باپ سے یوں کہے کہ میں نے تمہیں آزاد کیا بلکہ وہ محض بیٹے کے خرید لینے ہی سے آزاد ہو جائے گا۔

مدبر غلام کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

⑤ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ دَبَّرَ مَمْلُوْكًا وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ مَالٌ غَيْرُهٗ فَبَلَغَ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِيْهِ مِنِّىْ فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ النَّحَّامِ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْعَدَوِىُّ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ فَجَاءَ بِهَا اِلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَفَعَهَا اِلَيْهِ ثُمَّ قَالَ ابْدَأْ بِنَفْسِكَ فَتَصَدَّقْ عَلَيْهَا فَاِنْ فَضَلَ شَىْءٌ فَلِاَهْلِكَ فَاِنْ فَضَلَ عَنْ اَهْلِكَ شَىْءٌ فَلِذِىْ قَرَابَتِكَ فَاِنْ فَضَلَ عَنْ ذِىْ قَرَابَتِكَ شَىْءٌ فَهٰكَذَا وَهٰكَذَا يَقُوْلُ فَبَيْنَ يَدَيْكَ وَعَنْ يَمِيْنِكَ وَعَنْ شِمَالِكَ۔

"اور جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک انصاری نے اپنے غلام کو مدبر کیا اور اس کے پاس اس غلام کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا، جب نبی کریم ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ "اس غلام کو مجھ سے کون خریدتا ہے؟ چنانچہ ایک شخص نعیم ابن نجام نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ "چنانچہ نعیم ابن عبداللہ عدوی نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا۔ انہوں نے آٹھ سو درہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کئے اور نبی کریم ﷺ نے وہ درہم اس شخص کو دے دیئے (جس کا وہ غلام تھا) اور فرمایا کہ تم اس رقم کو سب سے پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو اور اس کے ذریعہ ثواب حاصل کرو اور اس کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اس کو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو، اگر ان پر خرچ کرنے کے بعد بھی بچ جائے تو رشتہ داروں پر خرچ کرو اور اگر ان پر خرچ کرنے کے بعد بھی کچھ بچ جائے تو اس کو اس طرح اور اس طرح خرچ کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس طرح سے مراد یہ ہے کہ اس کو اپنے آگے،

اپنے دائیں اور اپنے بائیں خرچ کرو (یعنی تمہارے لئے آگے اور دائیں بائیں جو سائل جمع ہوں ان کو اللہ واسطے دے دو)۔"

تشریح: "مدبر" کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے غلام سے یہ کہہ دے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو، چنانچہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق ایسے غلام کو بیچنا حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک جائز ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ مدبر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو مدبر مطلق اور دوسرا مدبر مقید۔ مدبر مطلق تو وہ غلام ہے جس کا مالک اس سے یوں کہے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو۔ اور مدبر مقید وہ غلام ہے جس سے اس کا مالک یوں کہے کہ اگر میں اس بیماری میں مرجاؤں تو تم آزاد ہو۔ "مدبر مطلق کا حکم تو یہ ہے کہ ایسے غلام کو آزادی کے علاوہ کسی اور صورت میں اپنی ملکیت سے نکالنا مالک کے لئے جائز نہیں ہے یعنی وہ مالک اس غلام کو آزاد تو کر سکتا ہے لیکن نہ تو اس کو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہبہ کر سکتا ہے، ہاں اس سے خدمت لینا جائز ہے، اسی طرح اگر لونڈی ہو تو اس سے جماع کرنا بھی جائز ہے اور اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کرنا بھی جائز ہے ایسا غلام اپنے مالک کے مرنے کے بعد اس کے تہائی مال میں سے آزاد ہو جاتا ہے اور اگر تہائی مال میں سے پورا آزاد نہ ہو سکا ہو تو پھر تہائی مال کے بقدر (جزوی طور پر ہی آزاد ہو گا) مدبر مطلق کے برخلاف مدبر مقید کو بیچنا جائز ہے اور اگر وہ شرط پوری ہو جائے یعنی مالک اس مرض میں مرجائے تو پھر جس طرح مدبر مطلق اپنے مالک کے مرجانے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے اسی طرح مدبر مقید بھی آزاد ہو جائے گا! لہٰذا امام ابوحنیفہؒ اس حدیث کے مفہوم میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جس مدبر کو فروخت فرمایا وہ مدبر مقید ہو گا۔

مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں نعیم ابن نحام لکھا ہے لیکن علماء نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے اصل میں نعیم ہی کا دوسرا نام نحام ہے، اس دوسرے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں نعیم کی نحمه (یعنی آواز سنی)" اس مناسبت سے انہیں نحام کہا جانے لگا"۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

ذی رحم محرم ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جاتا ہے

(۶) وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَلَكَ ذَارَ حِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ۔
(رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"حضرت حسن بصریؒ حضرت سمرہؓ سے اور وہ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "جو شخص خواہ خریدنے کی وجہ سے خواہ ہبہ یا وراثت کے ذریعہ) اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو گا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔" (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: مثلاً باپ نے اپنے اس بیٹے کو خریدا جو کسی دوسرے شخص کی غلامی میں تھا یا بیٹے نے اپنے غلام باپ کو خریدا یا بھائی نے غلام خریدا تو محض خرید لینے کی وجہ سے وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔

"ذی رحم" اس قرابت دار کو کہتے ہیں جو ولادت کی قرابت رکھے جس کا تعلق رحم سے ہوتا ہے ذی رحم میں بیٹا، باپ، بھائی چچا، بھتیجا اور اسی قسم کے دوسرے قرابت دار شامل ہیں "اور محرم" اس قرابت دار کو کہتے ہیں جس سے نکاح جائز نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ چچا کا بیٹا اور اسی قسم کے دوسرے رشتہ دار ذی رحم محرم کے زمرہ میں شامل نہیں ہیں۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں قرابت دار محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ علماء کے اختلافی اقوال ہیں چنانچہ اہل ظواہر کا قول تو یہ ہے کہ ان قرابت داروں میں سے کوئی بھی محض ملکیت میں آجانے سے آزاد نہیں ہو جاتا بلکہ آزاد کرنا ضروری ہوتا ہے، ان کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے جو پہلی فصل میں گزری ہے۔

جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے اصول کے درجہ کے قرابت دار (جیسے باپ دادا، پردادا وغیرہ) اور فروع کے درجہ کے قرابت دار، (جیسے بیٹا، پوتا، پڑپوتا وغیرہ) آزاد ہو جاتے ہیں، البتہ اصول اور فروع کے علاوہ دوسرے قرابت داروں کے بارہ میں جمہور علماء کے بھی مختلف اقوال ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ یہ خصوصیت صرف اصول و فروع کے قرابت داروں ہی کو حاصل ہے کہ وہ محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتے ہیں جب کہ حضرت امام مالکؒ نے اس خصوصیت میں بھائی کو بھی شامل کیا ہے، ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ تمام ذی رحم محرم آزاد ہو جاتے ہیں۔

نیز ان کی تیسری روایت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ہر وہ قرابت دار جو ذی رحم محرم ہو محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتا ہے۔

ام ولد، اپنے آقا کی وفات کے بعد آزاد ہو جاتی ہے

(۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَلَدَتْ اَمَةُ الرَّجُلِ مِنْهُ فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ اَوْ بَعْدَهُ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جب کسی شخص کی لونڈی اس کے (نطفہ) سے بچہ جنے تو وہ لونڈی اس شخص کے مرنے کے پیچھے۔ یا یہ فرمایا کہ اس شخص کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی۔" (دارمیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو لونڈی اپنے مالک کے بچہ کو جنم دے وہ اس مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے وہ مالک کی زندگی میں آزاد نہیں ہوتی لیکن مالک اس لونڈی کو نہ تو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہبہ کر سکتا ہے اس مسئلہ پر علماء کا اجماع و اتفاق ہے، اس کے برخلاف جو روایت منقول ہے وہ منسوخ ہے اس کی تفصیل اگلی حدیث کے ضمن میں آئے گی۔

(۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ بِعْنَا اُمَّهَاتِ الْاَوْلَادِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ نَهَانَا عَنْهُ فَانْتَهَيْنَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں بچوں کی ماؤں کو بیچا لیکن حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ہمیں ان کو بیچنے سے منع کر دیا اور ہم اس سے باز رہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "بچوں کی ماؤں" سے مراد وہ لونڈیاں ہیں جن سے ان کے مالکوں کی اولاد ہو چکی تھی۔ یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں ان لونڈیوں کو بیچا جاتا تھا تو حضرت عمرؓ نے اس سے کیوں منع کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات کا قوی احتمال ہے کہ ان لونڈیوں کو بیچنے کی اجازت کی منسوخی کا حکم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں عام لوگوں تک نہ پہنچا ہوگا اور ان لونڈیوں کو بیچے جانے کی خبر آنحضرت ﷺ تک نہیں پہنچی ہوگی۔ لہٰذا اس صورت میں حضرت جابرؓ کا یہ ارشاد ایسی لونڈیوں کے بیچنے کے جواز کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ دلیل تو جب ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان لونڈیوں کے بیچے جانے کی اطلاع ہوتی اور آپ ﷺ اس کو جائز رکھتے۔

نیز ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ان لونڈیوں کو بیچے جانے کا واقعہ اس کی اجازت کی منسوخ سے پہلے کا ہوگا، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ کے بارے میں بھی یہ احتمال ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ خلافت چونکہ بہت قلیل تھا اس میں بھی وہ دوسری مہمات میں مشغول رہے اس لئے انہیں اس کا علم نہ ہوا ہوگا۔ اگر ان کو اس کی خبر ہوتی تو وہ اس فعل سے ضرور باز رکھتے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد جب عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے لوگوں کو اس سے روک دیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ رسول کریم ﷺ نے اُمّ ولد کو بیچنے کی ممانعت فرما دی تھی۔

اگر آزادی کے وقت غلام کے پاس کچھ مال ہو تو آقا کی اجازت کے بعد ہی وہ اس مال کا مالک ہو گا

(۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُ الْعَبْدِ لَهُ اِلَّا اَنْ يَشْتَرِطَا الْمَسَيِّدُ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرے اور اس غلام کے پاس کچھ مال ہو تو غلام کا وہ مال اس کے مالک ہی کا ہے ہاں اگر مالک اس کی شرط کر دے (تو پھر وہ مال اس غلام کا ہو جائے گا۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ظاہر ہے کہ کوئی بھی غلام کسی بھی مال کا مالک ہوتا ہی نہیں تو اس کے پاس مال کہاں سے ہو گا "لہٰذا اور اس غلام کے پاس کچھ مال ہو" سے مراد یہ ہے کہ اس غلام نے اپنے مالک کی اجازت سے جو محنت مزدوری یا تجارت وغیرہ کی ہے اور اس کے نتیجہ میں جو مال حاصل ہوا ہے اگر وہ مال اس غلام کے پاس ہو تو اس کے بارہ میں بھی حکم یہ ہے کہ وہ دراصل اس غلام کے آقا ہی کی ملکیت ہے، کیونکہ غلام اور اس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے سب کا مالک اس کا آقا ہی ہوتا ہے لہٰذا یہ گمان نہ کیا جائے کہ غلام جب آزاد ہو جانے کی وجہ سے ملکیت قائم کرنے کا اہل ہو گیا ہے تو وہ مال جو اس کے پاس پہلے سے موجود تھا وہ اس کی ملکیت میں آگیا ہے کیونکہ وہ مال تو پہلے بھی اس کے آقا کی ملکیت تھا اور اب اس کے آقا کی ملکیت رہے گا۔ غلام کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہو گا، ہاں اگر اس کا آقا اس کو آزاد کرتے وقت یہ کہہ دے کہ یہ مال غلام کی ملکیت ہے تو اس صورت میں وہ مال اس آقا کی طرف سے اس غلام کے لئے صدقہ اور ہبہ ہو جائے گا اور وہ آزاد ہونے کے بعد اس کا مالک ہو جائے گا۔

آزادی جزوی طور پر واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

(۱۰) وَعَنْ اَبِى الْمَلِيْحِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَجُلًا اَعْتَقَ شِقْصًا مِنْ غُلَامٍ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَيْسَ لِلّٰهِ شَرِيْكٌ فَاَجَازَ عِتْقَهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوملیح (تابعی) اپنے والد مکرم (حضرت اسامہؓ ابن عمیر صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے ایک غلام میں سے کچھ حصہ آزاد کیا، جب نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "خدا کا کوئی شریک نہیں ہے" اور پھر یہ حکم دیا کہ اس غلام کو بالکل آزاد کر دیا جائے۔" (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جو بھی کام اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے اور وہ عبادت کی قسم سے ہو تو اس میں اپنے حصہ کو شریک نہ کرنا چاہئے۔ لہٰذا ایک غلام کے بعض حصوں کو آزاد کر دینا اور بعض حصوں کو بدستور غلام رکھنا مناسب نہیں ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آزادی اور غلامی متجزی نہیں ہوتی، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ چونکہ متجزی کے قائل ہیں اس لئے ان کے نزدیک ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس غلام کو بالکل آزاد کر دینے کا حکم دیا بایں طور کہ آپ ﷺ نے اس کے مالک کو اس کی ترغیب دلائی کہ وہ اس غلام کو بالکل آزاد کر دے۔

مشروط آزادی کا ایک واقعہ

(۱۱) وَعَنْ سَفِيْنَةَ قَالَ كُنْتُ مَمْلُوْكًا لِاُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ اُعْتِقُكَ وَاَشْتَرِطُ عَلَيْكَ اَنْ تَخْدُمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِشْتَ فَقُلْتُ اِنْ لَمْ تَشْتَرِطِي عَلَيَّ مَا فَارَقْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِشْتُ فَاَعْتَقَتْنِي وَاشْتَرَطَتْ عَلَيَّ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت سفینہؓ کہتے ہیں کہ (ابتداءً) میں حضرت ام سلمہؓ کی ملکیت میں تھا (ایک دن) انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ "میں تمہیں آزاد کرنا

چاہتی ہوں، لیکن یہ شرط عائد کرتی ہوں کہ تم جب تک زندہ رہو رسول کریم ﷺ کی خدمت کرتے رہو گے" میں نے عرض کیا (کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت تو میرے لئے سعادت و خوش بختی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے) اگر آپ یہ شرط عائد نہ کرتی تب بھی میں اپنے جیتے جی رسول کریم ﷺ سے جدا نہ ہوتا" چنانچہ حضرت اُمّ سلمہؓ نے مجھے آزاد کر دیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت کی شرط مجھ پر عائد کر دی۔"

(ابوداؤد، ابن ماجہؒ)

تشریح: سفینہؓ نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، لیکن بعض حضرات یہ فرماتے تھے کہ یہ حضرت اُمّ سلمہؓ کے غلام تھے جو آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں، پھر حضرت اُمّ سلمہؓ نے ان کو مذکورہ بالا شرط کے ساتھ آزاد کر دیا تھا سفینہ کا اصل نام مہران یا رومان اور یا رباح تھا ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن یا ابوالبختری تھی، سفینہ ان کا لقب تھا اور اسی نام کے ساتھ زیادہ مشہور تھے، اس لقب کا پس منظر یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی خدمت کرا کرتے تھے جب غزوات میں جاتے تو لوگوں کا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر ادھر ادھر پہنچاتے تھے۔

"سفینہؓ" کشتی کو کہتے ہیں جس طرح کشتی بار برداری کے کام آتی ہے اس طرح یہ بھی لوگوں کے بوجھ ڈھوتے تھے، اسی اعتبار سے ان کا لقب "سفینہ" ہو گیا۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سفینہ اسلامی لشکر کے ہمراہ تھے کہ قافلہ سے بچھڑ گئے اور جنگل میں راستہ بھول گئے، وہ راستہ کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ اتنے میں قریب کی جھاڑیوں سے ایک شیر نمودار ہوا اور ان کے سامنے آگیا، انہوں نے شیر کو دیکھتے ہی کہا کہ ابوالحارث! میں سفینہ ہوں جو رسول کریم ﷺ کا آزاد کردہ غلام ہے! یہ سنتے ہی شیر دم ہلانے لگا اور پھر ان کے آگے ہو لیا اور ان کو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔

مکاتب جب تک پورا بدل کتابت ادا نہ کر دے غلام ہی رہے گا

(۱۲) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ مُكَاتَبَتِهٖ دِرْهَمٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مکاتب (اس وقت تک) غلام رہے گا جب تک کہ اس کے بدل کتابت میں سے ایک درہم بھی باقی رہے گا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "مکاتب" اس غلام کو کہتے ہیں جس کو اس کا مالک یہ لکھ کر دے دے کہ جب تم اتنے روپے ادا کرو گے آزاد ہو جاؤ گے، چنانچہ اسی کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ مالک نے اس کی آزادی کے لئے جتنے روپے مقرر کئے ہیں جب تک وہ پورے مالک کو ادا نہ ہو جائیں گے وہ مکاتب، غلام ہی رہے گا، اگر اس مقدار میں سے مثلاً ایک روپیہ بھی باقی رہ گیا تھا تو وہ آزاد نہیں ہوگا، یہ نہیں ہوگا کہ اس نے جتنا روپیہ مالک کو ادا کر دیا ہے اس کے حساب سے اس کا کچھ حصّہ آزاد ہو جائے اور جو روپیہ باقی رہ گیا اس کے مطابق کچھ حصّہ غلام رہے۔

عورتوں کو اپنے مکاتب غلام سے پردہ کا حکم

(۱۳) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ عِنْدَ مُكَاتَبِ اِحْدَاكُنَّ وَفَاءٌ فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت اُمّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (عورتوں) سے فرمایا کہ "جب تم میں سے کسی (عورت) کے مکاتب غلام کے پاس اتنا روپیہ ہو جائے جس سے وہ اپنا پورا بدل کتابت ادا کر سکے تو اس (مالکہ) کو چاہئے کہ وہ اس مکاتب سے پردہ کرے۔"

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مکاتب نے جب تک پورا بدل کتابت ادا نہیں کر دیا غلام اور محرم ہے اس سے پردہ کرنا ضروری نہیں ہے اگر اس کے پاس اتنا مال و زر ہو گیا ہے جس سے وہ اپنا پورا بدل کتابت ادا کر سکتا ہے تو از راہ تقویٰ و احتیاط اس سے پردہ کرنا چاہئے کیونکہ جب وہ پورا بدل کتابت ادا کرنے کی قدرت و استطاعت رکھتا ہے تو گویا اس نے واقعی اپنا بدل کتابت ادا کر دیا ہے۔

اس حدیث کے سلسلہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم مخصوص طور پر اپنی ازواج مطہرات کے لئے فرمایا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ کے مطابق ازواج مطہرات کا پردہ بھی دوسری عورتوں کی بہ نسبت زیادہ سخت تھا۔

مکاتب کی طرف سے بدل کتابت کی جزوی عدم ادائیگی کا مسئلہ

⑭ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَاتَبَ عَبْدَهٗ عَلٰى مِائَةِ اُوْقِيَةٍ فَادَّاهَا اِلَّا عَشْرَةَ اَوَاقٍ اَوْقَالَ عَشْرَةَ دَنَانِيْرَ ثُمَّ عَجَزَ فَهُوَ رَقِيْقٌ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیبؒ) سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر کسی شخص نے اپنے غلام کو سو اوقیہ کے بدلے مکاتب کیا اور اس غلام نے سب اوقیے ادا کر دیئے مگر دس اوقیے ادا نہ کر سکا یا یہ فرمایا کہ "دس دینار ادا نہ کر سکا (یہاں راوی کو شک ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے دس اوقیہ فرمایا تھا یا دس دینار کا ذکر کیا تھا) اور پھر وہ اس باقی کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا تو وہ مکاتب (بدستور) غلام ہی رہے گا۔" (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مکاتب کا اپنے بدل کتابت کے کچھ حصے کی ادائیگی سے قاصر رہنا پورے بدل کتابت کی ادائیگی سے قاصر رہنا ہے لہٰذا ایسی صورت میں مالک کو اس کی کتابت فسخ کر دینے کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور فسخ کتابت کے بعد وہ مکاتب بدستور غلام رہتا ہے، نیز حدیث کے الفاظ فَهُوَ رَقِيْقٌ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس مکاتب نے اپنے بدل کتابت کا جو کچھ حصہ مالک کو ادا کر دیا ہے وہ اس مالک ہی کی ملکیت رہے گا۔

⑮ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَصَابَ الْمُكَاتَبُ حَدًّا اَوْمِيْرَاثًا وَرِثَ بِحِسَابِ مَا عَتَقَ مِنْهُ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ قَالَ يُؤَدِّي الْمُكَاتَبُ بِحِصَّةِ مَا اَدّٰى دِيَةَ حُرٍّ وَمَا بَقِيَ دِيَةَ عَبْدٍ وَضَعَّفَهٗ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر کوئی مکاتب" دیت یا میراث کا مستحق ہو جائے تو اس کو (اس دیت یا میراث کا) صرف اس قدر حصہ ملے گا جس قدر وہ آزاد ہوا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی) اور ترمذی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا "مکاتب کو دیت میں اس حصہ کے بقدر مال دیا جائے گا جو وہ اپنی آزادی کی قیمت (یعنی بدل کتابت) میں سے ادا کر چکا تھا، اور اس حصہ کے بقدر قیمت دی جائے گی اور ابھی بطور غلام باقی ہے، اس روایت کو ترمذیؒ نے ضعیف کہا ہے۔"

تشریح: "دیت یا میراث کا مستحق ہو جائے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مکاتب کسی دیت یا کسی میراث کا حقدار ہو جائے تو اس دیت یا میراث میں سے اس کو اسی قدر ملے گا جس قدر وہ آزاد ہوا ہے اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھا جاتا ہے کہ زید کسی شخص کا غلام تھا اس کے مالک نے اس کو مکاتب کیا، اور زید نے ابھی اپنے بدل کتابت میں سے آدھا ہی حصہ اپنے مالک کو ادا کیا تھا کہ اس کا باپ مر گیا جو ایک آزاد شخص تھا لیکن اس نے اپنے اس مکاتب بیٹے یعنی زید کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں چھوڑا تو اس صورت میں زید اپنے مرحوم باپ کی وراثت میں صرف آدھے حصہ کا حقدار ہو گا۔ یا دوسری صورت جس کو دوسروں نے بیان کیا ہے، یہ ہو کہ اس مکاتب نے اپنے بدل کتابت میں سے آدھا حصہ اپنے مالک کو ادا کیا تھا کہ کسی نے اس (زید) کو قتل کر دیا تھا، اس صورت میں قاتل اس مکاتب کے آدھے آزاد

حصہ کی دیت تو اس کے ورثاء کو ادا کرے گا اور اس کے آدھے غلام حصہ کی دیت جو اس کی قیمت کا بھی آدھا حصہ ہے، اس کے مالک کو ادا کرے، مثلاً بکر نے اپنے غلام زید کو ایک ہزار کے بدلے مکاتب کیا ویسے زید نے غلام ہونے کی حیثیت سے سو روپے کی قیمت کا تھا، مکاتب ہونے کے بعد زید اپنے مالک بکر کو اپنے بدل کتابت کے مقررہ ایک ہزار روپے میں سے پانچ سو روپے ہی ادا کر پایا تھا کہ کسی شخص نے اس کو قتل کر دیا، اس صورت میں قاتل زید کے ورثاء کو پانچ سو روپے ادا کرے گا جو اس کی آزادی کی قیمت (یعنی بدل کتابت) کا نصف حصہ ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کے مالک بکر کو پچاس روپے ادا کرے گا جو اس کی اصل قیمت کا نصف حصہ ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکاتب اپنے بدل کتابت میں سے جو مقدار مالک کو ادا کر دے گا اس کے بقدر وہ آزاد ہو جائے گا اور جو مقدار ادا نہیں کرے گا اس کے بقدر غلام رہے گا چنانچہ اس حدیث پر صرف امام نخعیؒ نے عمل کیا ہے لیکن جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے جس کو کسی مسلک کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا بلکہ یہ ان دونوں صحیح حدیثوں کے معارض بھی ہے جو اس سے پہلے بروایت حضرت عمرو ابن شعیب نقل ہو چکی ہیں جن سے یہ بات بصراحت ثابت ہوتی ہے کہ مکاتب کے ذمہ جب تک بدل کتابت کا کچھ حصہ بھی باقی رہے گا وہ غلام ہی رہے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

مالی عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے

⑯ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِی عَمْرَةَ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ اُمَّهُ اَرَادَتْ اَنْ تُعْتِقَ فَاَخَّرَتْ ذٰلِكَ اِلٰى اَنْ تُصْبِحَ فَمَاتَتْ قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ فَقُلْتُ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ اَيَنْفَعُهَا اَنْ اُعْتِقَ عَنْهَا فَقَالَ الْقَاسِمُ اَتٰى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُمِّي هَلَكَتْ فَهَلْ يَنْفَعُهَا اَنْ اُعْتِقَ عَنْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ۔ (رواہ مالک)

"حضرت عبدالرحمٰن ابن ابو عمرہ انصاری (تابعی) کے بارہ میں منقول ہے کہ ان کی والدہ نے (ایک دن) بردے کو آزاد کرنے کا ارادہ کیا مگر وہ اگلی صبح ہونے تک اس ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکی تھیں، کہ اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قاسم ابن محمد سے (اس صورت حال کو) ذکر کیا اور ان سے پوچھا کہ اگر میں اپنی والدہ کی طرف سے (بردہ کو) آزاد کروں تو کیا اس سے ان کو نفع پہنچے گا؟ حضرت قاسمؒ نے فرمایا کہ (ایک مرتبہ) حضرت سعد ابن عبادہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری والدہ کا (اچانک) انتقال ہو گیا ہے، اگر میں ان کی طرف سے بردہ آزاد کروں تو کیا اس سے ان کو نفع پہنچے گا؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں نفع" پہنچے گا۔" (مالکؒ)

تشریح: حضرت قاسم ابن محمدؒ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے تھے، اس وقت مدینہ میں جو سات فقہاء مشہور تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھے۔

"ہاں نفع پہنچے گا" کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کی طرف سے جو بردہ آزاد کرو گے اس کا ثواب تمہاری والدہ کو پہنچے گا، چنانچہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مالی عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے البتہ بدنی عبادت کے ثواب پہنچنے کے بارہ میں اختلافی اقوال ہیں لیکن زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ بدنی عبادت کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔

⑰ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ قَالَ تُوُفِّيَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِي بَكْرٍ فِي نَوْمٍ نَامَهُ فَاَعْتَقَتْ عَنْهُ عَائِشَةُ اُخْتُهُ رِقَابًا كَثِيْرَةً۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت یحیٰ ابن سعید (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن ابوبکرؓ سوئے ہوئے تھے کہ اسی سونے کی حالت میں (اچانک) انتقال

کر گئے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ جو ان کی بہن تھیں ان کی طرف سے بہت سے بردے آزاد کئے۔" (مالکؒ)

تشریح: حضرت عائشہؓ نے جو بہت سے بردے آزاد کئے ان کا سبب یا تو یہ تھا کہ حضرت عبدالرحمٰن پر کسی وجہ سے بردے آزاد کرنے واجب ہوں گے جس پر وہ اپنی زندگی میں عمل نہ کر سکے اور پھر ناگہانی موت کی وجہ سے اس کی وصیت بھی نہ کر سکے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ازخود ان کی طرف سے بردے آزاد کر دیئے، یا پھر یہ کہ بعض حالات میں ناگہانی موت کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں عائشہؓ بہت زیادہ غمگین ہوئی ہوں گی، اس لئے انہوں نے بہت سارے بردے آزاد کئے تاکہ اس صورت میں نقصان کا تدارک ہو سکے۔

غیر مشروط طور پر غلام خریدنے والا اس غلام کے مال کا حقدار نہیں ہوگا

(۱۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اشْتَرٰی عَبْدًا فَلَمْ یَشْتَرِطْ مَالَہٗ فَلَا شَیْءَ لَہٗ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی غلام کو خریدے اور اس کے مال کی شرط نہ کرے تو خریدنے والے کو اس مال میں سے کچھ نہیں ملے گا۔" (دارمیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے غلام کو خریدا اور خریداری کے معاملہ میں اس مال کو شامل نہیں کیا جو غلام کے ساتھ ہے تو وہ اس مال کا حقدار نہیں ہوگا کیونکہ وہ مال تو دراصل اس مالک کی ملکیت ہے۔ جس سے اس نے غلام کو خریدا ہے۔

بَابُ الْاَیْمَانِ وَالنُّذُوْرِ
قسموں اور نذروں کا بیان

قسم کی قسمیں اور ان کے احکام

قسم کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) غموس۔ (۲) لغو۔ (۳) منعقدہ۔ "غموس" اس قسم کو کہتے ہیں کہ کسی گزشتہ یا حالیہ بات پر جھوٹی قسم کھائی جائے، مثلاً یوں کہا جائے "خدا کی قسم" میں نے یہ کام کیا تھا" حالانکہ واقعۃً" وہ کام نہیں کیا تھا یا یوں کہا جائے "خدا کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا تھا" حالانکہ واقعۃً وہ کام کیا گیا تھا! اسی طرح مثلاً زید نے یہ کہا ہے کہ خدا کی قسم! خالد کے ذمہ میرے ہزار روپے ہیں۔ یا۔ خدا کی قسم! میرے ذمہ خالد کے ہزار روپے نہیں ہیں حالانکہ حقیقت میں خالد کے ذمہ اس کے ہزار روپے نہیں ہیں یا اس کے ذمہ خالد کے ہزار روپے ہیں۔ غموس کا حکم یہ ہے کہ اس طرح جھوٹی قسم کھانے والا شخص گناہ گار ہوتا ہے، لیکن اس پر کفارہ واجب نہیں ہوتا البتہ توبہ و استغفار ضروری ہوتا ہے۔

"لغو" اس قسم کو کہتے ہیں جو کسی گزشتہ یا حالیہ بات پر کھائی جائے اور قسم کھانے والے کو یہ گمان ہو کہ وہ اسی طرح ہے جس طرح میں کہہ رہا ہوں لیکن واقعہ کے اعتبار سے وہ بات اس طرح نہ ہو جس طرح وہ کہہ رہا ہے۔ مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ "واللہ! یہ کام میں نے نہیں کیا تھا" حالانکہ اس شخص نے یہ کام کیا تھا مگر اس کو یہی گمان ہے کہ میں نے کام نہیں کیا ہے! یا اس شخص نے دور سے کسی شخص کو دیکھا اور کہا کہ خدا کی قسم! یہ زید ہے حالانکہ وہ زید نہیں تھا۔ بلکہ خالد تھا لیکن! یہ قسم اس شخص نے یہی گمان کر کے کھائی تھی کہ وہ زید ہے۔ قسم کی اس نوعیت کا حکم یہ ہے کہ اس طرح کھانے والے کے بارہ میں امید یہی ہے کہ اس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

"منعقدہ" اس قسم کو کہتے ہیں کہ کسی آئندہ کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارہ میں قسم کھائی جائے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم کے خلاف

کیا جائے گا تو کفارہ واجب ہوگا۔ مثلاً زید نے یوں کہا کہ! خدا کی قسم، میں آنے والی کل میں خالد کو سو روپے دوں گا۔ اب اگر اس نے آنے والی کل میں خالد کو سو روپے نہیں دیئے تو اس پر قسم کو توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا۔ منعقدہ قسم کی بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قسم کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے، جیسے فرائض کے کرنے یا گناہ کو ترک کرنے کی قسم کھائی جائے، مثلاً یوں کہا جائے کہ خدا کی قسم! میں ظہر کی نماز پڑھوں گا۔ یا۔ خدا کی قسم! میں زنا کرنا چھوڑ دوں گا ان صورتوں میں قسم کو پورا کرنا واجب ہے۔

بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قسم کو پورا نہ کرنا واجب ہوتا ہے، جیسے کوئی نادان کسی گناہ کو کرنے یا کسی واجب پر عمل نہ کرنے کی قسم کھائے تو ایس قسم کو توڑنا ہی واجب ہے۔ اسی طرح منعقدہ قسم کی بعض صورتوں میں قسم کو توڑنا واجب تو نہیں ہوتا مگر بہتر ہوتا ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ "خدا کی قسم! میں کسی مسلمان سے ملاقات نہیں کروں گا" تو اس قسم کو پورا نہ کرنا بہتر ہے ان کے علاوہ اور صورتوں میں محافظت قسم کے پیش نظر قسم کو پورا کرنا افضل ہے۔

وجوب کفارہ کے سلسلے میں یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ "منعقدہ" قسم توڑنے پر بہر صورت کفارہ واجب ہوتا ہے۔ قسم خواہ قصداً کھائی گئی ہو اور خواہ قسم کھانے والے کو قسم کھانے پر یا قسم توڑنے پر زبردستی مجبور کیا گیا ہو۔

قسم کا کفارہ

قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ بردہ کو آزاد کیا جائے، یا دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ ان دونوں ہی صورتوں میں ان شرائط و احکام کو سامنے رکھا جائے جو کفارۂ ظہار میں بردہ کو آزاد کرنے یا مسکینوں کو کھانا کھلانے کے سلسلے میں منقول ہیں اور یا دس مسکینوں کو پہننے کا کپڑا دیا جائے اور ان میں سے ہر ایک کو ایسا کپڑا دیا جائے جس سے بدن کا اکثر حصہ چھپ جائے، لہٰذا اگر صرف پاجامہ دیا جائے گا تو یہ کافی نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت پر بھی قادر نہ ہو یعنی نہ تو بردہ آزاد کر سکتا ہو، نہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہو اور نہ دس مسکینوں کو لباس دے سکتا ہو تو پھر وہ تین روزے پے در پے رکھے۔

قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دے دینا جائز ہے، کافر کی قسم میں کفارہ واجب نہیں ہوتا اگرچہ وہ حالت اسلام میں اس قسم کو توڑے۔ اسی طرح چونکہ بچے، سوئے ہوئے شخص اور دیوانے کی قسم، سرے سے صحیح ہی نہیں ہوتی اس لئے ان پر قسم توڑنے کا کفارہ بھی واجب نہیں ہوتا۔

قسم کے دیگر احکام و مسائل

عربی میں قسم کے لئے تین حروف ہیں۔ ① و ② ب ③ ت مثلاً یوں کہا جائے واللہ یا باللہ یا تاللہ ان تینوں کا مفہوم یہ ہے۔ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں، عربی زبان و اسلوب کے مطابق بسا اوقات یہ حروف مقدر ہوتے ہیں یعنی لفظوں میں تو ان کا ذکر نہیں ہوتا لیکن حقیقت میں ان کے معنی مراد ہوتے ہیں۔ جیسے یوں کہا جائے اللہ افعلہ۔ یہ معنی مفہوم کے اعتبار سے واللہ افعلہ ہے۔

قسم باری تعالیٰ کی اسم ذات اللہ کے ساتھ یا اس کے دوسرے ناموں میں سے کسی اور نام مثلاً۔ رحمٰن، رحیم اور حق وغیرہ کے ساتھ کھائی جاتی ہے اور ان ناموں میں سے نیت کی ضرورت نہیں ہوتی ہاں اگر ایسے ناموں کے ساتھ قسم کھائی جائے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کی ذات کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے علیم و حکیم وغیرہ تو ان میں نیت کی احتیاج ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ان صفات کے ساتھ قسم کھانا بھی صحیح ہے جن کے ساتھ عام طور پر قسم کھانے کا رواج ہو جیسے اللہ کی عزت و جلال کی قسم! اللہ کی بڑائی اور بزرگی کی قسم اور اللہ کی عظمت و قدرت کی قسم! ہاں ان صفات کے ساتھ قسم کھانا صحیح نہیں ہوتا۔ جن کے ساتھ قسم کھانے کا عام طور پر رواج نہ ہو، جیسے رحمت، علم، رضا، غضب اور عذاب۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں ہے جیسے باپ اور دادا کی قسم، قرآن کی قسم، انبیاء کی قسم، ملائکہ کی قسم کعبہ کی قسم، نماز روزہ

کی قسم، مسجد حرام اور زمزم کی قسم اور دیگر تمام شعائر کی قسم یا اسی طرح بعض لوگ اس طرح قسم کھاتے ہیں اپنی جوانی کی قسم، اپنے سر کی قسم، تمہاری جان کی قسم، تمہاری قسم، اپنی اولاد کی قسم، یہ سب ناجائز ہیں، لیکن اگر اس طرح کی کوئی قسم کھائی جائے اور پھر اس کے خلاف کیا جائے تو قسم توڑنے کا کفارہ دینا پڑے گا۔

عربی میں لعمر اللہ قسم ہے، اسی طرح، "سوگند خدا" یا "خدا کی سوگند کھاتا ہوں" بھی قسم ہے، نیز عبد اللہ میثاق اللہ قسم کھاتا ہوں، حلف کرتا ہوں اور اشھد (اگرچہ اس کے ساتھ لفظ اللہ ذکر نہ کیا جائے) یہ سب بھی قسمیں ہیں۔

اسی طرح کہنا "مجھ پر نذر ہے" یا "مجھ پر یمین ہے" یا مجھ پر عہد ہے (اگرچہ اس کی اضافت اللہ کی طرف نہ کرے) بھی قسم ہے ایسے ہی اگر کوئی شخص یوں کہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو کافر ہو جاؤں یا یہودی ہو جاؤں یا عیسائی ہو جاؤں یا یوں کہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو میں اللہ تعالیٰ سے بری ہوں تو اس طرح کہنے سے بھی قسم ہو جاتی ہے، اس کے خلاف کرنے سے قسم توڑنے کا حکم ثابت ہو جاتا ہے لیکن اپنے کہنے کے مطابق وہ کافر یا یہودی یا عیسائی نہیں ہو جاتا۔ خواہ اس فلاں کام کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہو یا آئندہ زمانہ سے، بشرطیکہ اسے یہ علم ہو کہ اس طرح کہنا قسم ہے، ہاں اگر اس طرح کہتے وقت اس کے ذہن میں قسم کا تصور نہ ہو بلکہ واقعۃً کفر ہی کا تصور رکھتا ہو پھر اس صورت میں اس وجہ سے کہ اس نے خود کفر کو اختیار کیا ہے وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ "اگر فلاں شخص یہ کام کرے تو اس پر اللہ کا غضب ٹوٹے یا اس پر اللہ کی لعنت ہو" یا یوں کہے کہ اگر فلاں شخص یہ کام کرے تو وہ زانی ہے، یا چور ہے، یا شرابی ہے، یا سود خوار ہے، تو اس کو قسم نہیں کہیں گے، اسی طرح یہ کہنا "حقا" یا "وحق اللہ" بھی قسم نہیں ہے، لیکن اس میں حضرت امام ابویوسفؒ کا اختلافی قول ہے۔

اسی طرح کہنا کہ "میں خدا کی سوگند کھاؤں یا۔ بیوی پر طلاق کی سوگند کھاؤں" بھی قسم نہیں ہے، اگر کوئی شخص اپنی کسی مملوکہ چیز کو اپنے اوپر حرام کرلے تو وہ چیز اس پر حرام نہیں ہو جاتی۔ لیکن اس کو استعمال کرنے سے کفارہ واجب نہیں ہو جاتا ہے مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ میں نے اپنے اوپر روٹی کو حرام کر لیا ہے، اس طرح کہنے سے اس پر روٹی حرام نہیں ہو جاتی، لیکن اگر وہ اس کے بعد روٹی کھائے گا تو قسم کا کفارہ دینا لازم ہے۔

اگر کوئی شخص یوں کہے کہ تمام حلال چیزیں مجھ پر حرام ہیں تو اس کا اطلاق کھانے پینے کی تمام چیزوں پر ہو گا یعنی اگر وہ کوئی حلال چیز کھائے گا تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہو جائے گا، نیز اس پر فتویٰ ہے کہ اس طرح کہنے سے بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ اس نے اس کی نیت نہ کی ہو، اسی طرح یوں کہنا کہ "حلال چیز مجھ پر حرام ہے" یا یہ کہنا کہ اپنے دائیں ہاتھ میں جو چیز بھی لوں وہ مجھ پر حرام ہے۔ کا بھی حکم یہی ہے۔

اگر کوئی شخص قسم کے ساتھ لفظ "انشاء اللہ" بھی ادا کرے تو وہ حانث نہیں ہو گا یعنی چونکہ وہ سرے سے قسم ہی نہیں ہوگی اس لئے اس کے خلاف کرنے سے کفارہ بھی واجب نہیں ہو گا۔

یہ تو قسموں کے بارے میں کچھ تفصیل تھی، اب باب کے دوسرے جزو "نذر" کے متعلق بھی چند باتیں ذہن نشین کر لیجئے۔

نذر اور اس کے احکام

"نذر" منت کو کہتے ہیں یعنی کسی ایسی چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینا جو واجب نہیں تھی مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ اے اللہ! "اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں پانچ روزے رکھوں گا"۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ تمام اہل علم کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ نذر ماننا صحیح ہے اور اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہ نذر کوئی گناہ کی چیز نہ ہو اور اس نذر کا تعلق کسی گناہ کی چیز سے ہو تو حضرت امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک وہ نذر صحیح نہیں ہو گی، اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ نذر صحیح نہیں ہو گی بلکہ ایسی نذر ماننے والے پر قسم کا کفارہ

واجب ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

لَا نَذْرَ فِیْ مَعْصِیَةٍ وَکَفَّارَتُهٗ کَفَّارَةُ یَمِیْنٍ۔

"معصیت کی نذر کا کوئی اعتبار نہیں لیکن اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔"

ملتقی میں لکھا ہے کہ جس شخص نے مطلق نذر مانی یعنی اس نذر کو کسی شرط کے ساتھ معلق نہیں کیا مثلاً یوں کہا "کہ میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے روزے رکھوں گا"۔ یا ایسی نذر مانی جو کسی شرط کے ساتھ متعلق ہو اور وہ شرط بھی ایسی ہو جس کے پورے ہونے کی وہ خواہش و ارادہ رکھتا ہو مثلاً یوں کہے کہ اگر میں صحت یاب ہو جاؤں تو روزے رکھوں گا۔ اور پھر وہ شرط پوری ہو جائے۔ یعنی وہ صحتیاب ہو جائے تو ان دونوں ہی صورتوں میں اس نذر کو پورا کرنا ضروری ہوگا، اور اگر اس نے اپنی نذر کو کسی ایسی شرط کے ساتھ متعلق کیا جس کے پورا ہونے کی وہ خواہش نہ رکھتا ہو "مثلاً یوں کہے کہ" "اگر میں زنا کروں تو مجھ پر غلام آزاد کرنا واجب ہوگا"۔ تو اس صورت میں اسے اختیار ہے کہ چاہے تو قسم کا کفارہ دے اور چاہے اس نذر کو پورا کرے یعنی غلام آزاد کرے۔

نذر کے سلسلے میں دیگر مسائل و احکام تفصیل کے ساتھ فقہ کی کتابوں اور فتاویٰ عالمگیری میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں ان میں دیکھے جاسکتے ہیں البتہ اس موقع پر نذر کے سلسلہ میں بڑی اور اہم فائدے کی بات ذکر کر دینا یقیناً ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کی نذر ماننا جائز نہیں ہے، نہ نبی کی، نہ فرشتے کی، نہ اولیاء اللہ کی نہ کسی اور کی۔ مثلاً یوں کہنا کہ "اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو مولود پڑھاؤں گا۔ یا۔ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو فلاں بزرگ کے مزار پر چادر چڑھاؤں گا۔ یا اگر فلاں کام ہو گیا تو مولیٰ مشکل کشا کا روزہ رکھوں گا، اسی طرح غیر اللہ کی نذر ماننا بڑے گناہ کی بات ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "مائۃ مسائل" معتبر و مستند کتابوں کے حوالہ سے جو مفید اور کار آمد باتیں لکھی ہیں ان سب کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

مولانا لکھتے ہیں کہ "اس طرح نذر ماننی کہ" اگر اللہ تعالیٰ نے میری فلاں حاجت پوری کر دی تو میں فلاں بزرگ کے مزار پر اتنے روپے یا اتنے کھانے چڑھاؤں گا درست نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نذر ماننے میں چند ایسی شرائط ہیں جو پائی جائیں تو نذر صحیح ہوتی ہے اور اگر وہ شرائط پوری نہ ہوں تو پھر نذر صحیح نہیں ہوتی۔ ایک شرط تو یہ ہے کہ جو چیز اپنی طرف سے نذر مانی جائے وہ ایسی ہونی چاہئے جس کی جنس شرعی طور پر واجب ہو (جیسے نماز روزہ وغیرہ) چنانچہ اسی لئے اگر کوئی شخص مریض کی عیادت کرنے کی نذر مانے (یعنی یوں کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں فلاں فلاں مریض کی عیادت کروں گا) تو اس کی نذر صحیح نہیں ہوگی کیونکہ مریض کی عیادت ایسی جنس سے ہے جو شرعاً واجب نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ کہ جو چیز نذر مانی جائے وہ فی الحال یا ثانی الحال اس پر واجب نہ ہو جیسے نماز پنجگانہ۔

اور چوتھی شرط یہ کہ جو چیز نذر مانی جائے وہ خود کوئی گناہ کی چیز نہ ہو۔ ان شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ ثابت ہوا کہ اس طرح نذر ماننا کہ فلاں بزرگ کے مزار پر اتنے روپے یا اتنے کھانے چڑھاؤں گا، صحیح نہیں ہے کیونکہ کسی مزار پر روپے یا کھانا پہنچانا کوئی عبادت نہیں ہے، ہاں اگر اس طرح نذر مانی گئی کہ "اگر اللہ تعالیٰ نے میری فلاں حاجت پوری کر دی تو میں فلاں بزرگ کے مزار کے خدام و فقراء کو کھانا کھلاؤں گا" تو یہ نذر صحیح ہوگی اور اس کو پورا کرنا لازم ہوگا، لیکن نذر کو پورا کرنے کے لئے اس مزار کے خدام و فقراء کے درمیان تخصیص کرنا ضروری نہیں ہوگا بلکہ جس خادم و فقیر کو بھی کھانا کھلا دے گا تو نذر پوری ہو جائے گی اور اگر یوں کہے کہ "اگر میری فلاں حاجت بر آئے گی تو میں فلاں بزرگ کے نام پر یا فلاں بزرگ کے واسطے اتنے روپے یا اتنا کھانا دوں گا نا جائز ہے، اس طرح کی نذر نہ صرف یہ کہ باطل و لغو ہے، بلکہ اس نذر کا روپیہ یا کھانا استعمال کرنا حرام بھی ہے اس مسئلہ کو بحر الرائق میں تفصیل کے ساتھ یوں بیان کیا گیا ہے۔

وَاَمَّا النَّذْرُ الَّذِیْ یَنْذُرُهٗ اَکْثَرُ الْعَوَامِ عَلٰی مَا هُوَ مُشَاهَدٌ کَاَنْ یَکُوْنَ الْاِنْسَانِ غَائِبٌ اَوْ مَرِیْضٌ اَوْلَهٗ حَاجَةٌ ضَرُوْرِیَّةٌ

فَيَاتِي فِي بَعْضِ مَزَارَاتِ الصُّلَحَاءِ فَيَجْعَلُ سِتْرَهُ عَلَى رَأْسِهِ وَيَقُوْلُ يَا سَيِّدِيْ فُلَانٌ اِنْ رَدَّ غَائِبِي اَوْ عُوْفِي مَرِيْضِيْ اَوْ قَضَيْتَ حَاجَتِي فَلَكَ مِنَ الذَّهَبِ كَذَا اَوْ مِنَ الْفِضَّةِ كَذَا اَوْ مِنَ الطَّعَامِ كَذَا اَوْ مِنَ الْمَاءِ كَذَا اَوْ مِنَ الْقَمْحِ كَذَا اَوْ مِنَ الزَّيْتِ كَذَا فَهٰذِهِ النُّذُرُ بَاطِلٌ بِالْاِجْمَاعِ لِوُجُوْهٍ مِنْهَا اَنَّهُ نَذْرٌ لِمَخْلُوْقٍ وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوْقِ لَا يَجُوْزُ لِاَنَّهُ عِبَادَةٌ وَالْعِبَادَةُ لَا يَكُوْنُ لِمَخْلُوْقٍ وَمِنْهَا اَنَّ الْمَنْذُوْرَ لَهُ مَيِّتٌ وَالْمَيِّتُ لَا يَمْلِكُ وَمِنْهَا اِنْ ظَنَّ اَنَّ الْمَيِّتَ يَتَصَرَّفُ فِي الْاُمُوْرِ دُوْنَ اللّٰهِ فَاعْتِقَادُهُ بِهِ ذٰلِكَ كُفْرٌ اَللّٰهُمَّ اِلَّا اَنْ يُقَالَ يَا اللّٰهُ اِنِّي نَذَرْتُ لَكَ اِنْ شَفَيْتَ مَرِيْضِي اَوْ رَدَدْتَ غَائِبِي اَوْ قَضَيْتَ حَاجَتِي اَنْ اُطْعِمَ الْفُقَرَاءَ الَّذِيْنَ بِبَابِ السَّيِّدَةِ نَفِيْسَةَ اَوِ الْفُقَرَاءَ الَّذِيْنَ بِبَابِ الْاِمَامِ الشَّافِعِيِّ اَوِ الْاِمَامِ اَبِي اللَّيْثِ اَوِ اشْتَرِيَ حَصِيْرًا لِمَسَاجِدِهِمْ اَوْ زَيْتًا بِوَقُوْدِهَا اَوْ دَرَاهِمَ لِمَنْ يَقُوْمُ بِشَعَائِرِهَا اِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا يَكُوْنُ فِيْهِ النَّفْعُ لِلْفُقَرَاءِ وَالنَّذْرُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَذِكْرُ الشَّيْخِ اِنَّمَا هُوَ لِبَيَانِ مَحَلِّ تَصَرُّفِ النَّذْرِ لِمُسْتَحِقِّيْهِ الْقَاطِنِيْنَ بِرِبَاطِهِ اَوْ مَسْجِدِهِ اَوْ جَامِعِهِ فَيَجُوْزُ بِهٰذَا الْاِعْتِبَارِ اِذْ مَصْرَفُ النَّذْرِ الْفُقَرَاءُ وَقَدْ وُجِدَ الْمَصْرَفُ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُصْرَفَ ذٰلِكَ لِغَنِيٍّ غَيْرِ مُحْتَاجٍ وَلَا لِشَرِيْفِ النَّسَبِ لِاَنَّهُ لَا يَحِلُّ لَهُ الْاَخْذُ مَالَمْ تَكُنْ مُحْتَاجًا وَلَا لِذِيْ مَنْصَبٍ لِاَجْلِ مَنْصَبِهِ مَالَمْ يَكُنْ فَقِيْرًا وَلَا لِذِيْ عِلْمٍ لِاَجْلِ عِلْمِهِ مَالَمْ يَكُنْ فَقِيْرًا وَلَمْ يَثْبُتْ فِي الشَّرْعِ جَوَازُ التَّصَرُّفِ لِلْاَغْنِيَاءِ لِلْاِجْمَاعِ عَلٰى حُرْمَةِ النَّذْرِ لِلْمَخْلُوْقِ وَلَا يَنْعَقِدُ وَلَا يَشْتَغِلُ الذِّمَّةُ بِهِ وَاِنَّهُ حَرَامٌ بَلْ سُحْتٌ فَلَا يَجُوْزُ لِخَادِمِ الشَّيْخِ اَخْذُهُ وَلَا اَكْلُهُ وَلَا التَّصَرُّفُ فِيْهِ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوْهِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ فَقِيْرًا وَلَهُ عِيَالٌ فُقَرَاءُ عَاجِزُوْنَ عَنِ الْكَسْبِ وَهُمْ مُضْطَرُّوْنَ فَيَاخُذُوْنَهُ عَلٰى سَبِيْلِ الصَّدَقَةِ الْمُبْتَدَاَةِ وَاَخْذُهُ اَيْضًا مَكْرُوْهٌ مَالَمْ يَقْصُدْ بِهِ النَّاذِرُ التَّقَرُّبَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَصَرْفَهُ اِلَى الْفُقَرَاءِ وَيَقْطَعُ النَّظَرَ عَنْ نَذْرِ الشَّيْخِ فَاِذَا عَلِمْتَ هٰذَا فَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَغَيْرِهَا وَيُنْقَلُ اِلٰى ضَرَائِحِ الْاَوْلِيَاءِ تَقَرُّبًا اِلَيْهِمْ فَحَرَامٌ بِاِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ مَالَمْ يُقْصَدْ بِصَرْفِهَا الْفُقَرَاءُ الْاَحْيَاءُ قَوْلًا وَاحِدًا وَكَذَا فِي النَّهْرِ وَالدُّرِّ۔

"اور جہاں تک نذر کا سوال ہے تو جیسا کہ مشاہدہ ہے، عام طور پر (جاہل) لوگ اس طرح نذر مانتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا (کوئی عزیز) غائب ہو جاتا ہے، یا بیمار ہو جاتا ہے اور یا اس کی ضروری مراد ہوتی ہے تو وہ کسی بزرگ کے مزار پر آتا ہے اور اس کا پردہ اپنے سر پر ڈال کر (یا قبر کی چادر پکڑ کر) یوں کہتا ہے کہ "اے میرے فلاں سردار! اگر میرا وہ عزیز جو غائب ہو گیا ہے واپس ہو گیا، یا اس کو مرض سے صحت یابی ہو گئی اور یا میری فلاں مراد پوری ہو گئی تو میں آپ کے مزار پر اس قدر سونا چڑھاؤں یا اس قدر چاندی چڑھاؤں گا، یا اس قدر کھانا چڑھاؤں گا، یا اس قدر پانی چڑھاؤں گا، یا اس قدر شمع یا زیت (یعنی تیل) (چڑھاؤں گا تو اس طرح نذر ماننا تمام علماء کے نزدیک باطل ہے اور اس کے باطل ہونے کے کئی سبب ہیں، اول تو یہ مخلوق (یعنی غیر اللہ) کی نذر ہے اور غیر اللہ کی نذر جائز نہیں ہے کیونکہ نذر (دراصل عبادت ہے) اور مخلوق کی عبادت جائز نہیں ہے، دوم یہ کہ جس کے نام کی (یعنی صاحب مزار) کی نذر مانی گئی ہے وہ ایک بے جان ہے اور بے جان مالک نہیں ہوتا۔ سوم یہ کہ اگر (اس طرح نذر ماننے کے وقت) یہ گمان کیا تھا کہ اللہ کے علاوہ یہ میت (یعنی صاحب مزار) بھی بندوں کے معاملات میں تصرف کرتا ہے تو ایسا اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ لہٰذا اے اللہ (اس بات کی ہدایت دے کہ) اس طرح نذر ماننے کی بجائے یوں نذر مانی جائے کہ "اے خدا! میں تیری نذر مانتا ہوں کہ اگر تو میرے بیمار کو شفا بخشے گا۔ یا میرے غائب عزیز کو واپس کرا دے گا، یا میری مراد کو پوری کرے گا تو میں (مثلاً) ان فقراء و خدام کو کھانا کھلاؤں گا، جو بی بی نفیسہ کے دروازے (یعنی مزار) پر ہیں، یا ان فقراء و خدام کو کھانا کھلاؤں گا جو حضرت امام شافعیؒ یا حضرت امام ابواللیثؒ کے دروازے (یعنی مزار) پر ہیں یا میں ان کی مسجدوں کے لئے بورئے، یا ان کی مسجدوں کی روشنی کے لئے تیل خریدوں گا، یا میں ان لوگوں کو روپے دوں گا، جو ان بزرگوں کی مسجدوں کے شعائر قائم رکھتے ہیں (یعنی مؤذن اور ائمہ) یا ان کے علاوہ کسی بھی ایسی چیز کا ذکر کرے جس میں فقراء و مساکین کا نفع ہو۔ لہٰذا اس طرح نذر ماننے میں نذر تو دراصل اللہ عزوجل کے لئے ہوگی اور

بزرگ کا ذکر کرنا محض نذر کے مصرف کو بیان کرنے کے پیش نظر ہوگا اور وہ مصرف نذر کے وہ مستحقین ہیں جو ان بزرگ کی خانقاہ یا ان کی مسجد اور یا ان کی جامع مسجد میں رہتے ہیں پس اس طرح نذر مانی درست ہے، کیونکہ نذر کے مصرف فقراء ہی ہیں اور وہ مصرف یہاں پایا گیا، نیز نذر کی ہوئی چیز کو مستطیع (غیر محتاج) پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ کسی شریف النسب پر خرچ کرنا جائز ہے کیونکہ جب تک کہ وہ محتاج نہ ہو اس کے لئے نذر کی ہوئی چیز کا لینا درست نہیں ہے، اور نہ کسی منصب والے پر خرچ کرنا جائز ہے اس کے منصب کی وجہ سے جب تک کہ وہ محتاج نہ ہو، اور نہ کسی اہل علم پر خرچ کرنا جائز ہے، اس کے علم کی وجہ سے جب تک وہ مستحق نہ ہو۔ اور شریعت میں نذر کی ہوئی چیز کا مستطیع لوگوں پر خرچ کرنے کا جواز ثابت نہیں ہے، نیز اس بات پر علماء اُمت کا اجماع و اتفاق ہے کہ مخلوق کی نذر ماننا حرام ہے، اور اگر کوئی شخص کسی مخلوق (یعنی بزرگ) کی نذر مانے تو وہ نذر صحیح نہیں ہوتی اور نہ اس نذر کو پورا کرنا اس پر واجب ہوتا ہے اور وہ نذر نہ صرف حرام بلکہ رشوت کے حکم میں ہے لہٰذا اس بزرگ کے خادم اور مجاور کے لئے اس نذر کا لینا اس کا کھانا اور اس میں کسی طرح کا تصرف کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی خادم یا مجاور محتاج ہو اور اپنے ان نادار بچوں کا کفیل ہو جو کمانے سے معذور ہوں اور وہ حالت اضطرار میں ہوں تو ان کو اس نذر کا مال ابتدائی صدقہ کے طور پر لینا جائز ہے لیکن اس صورت میں بھی اس مال کو اس وقت تک لینا مکروہ ہوگا جب کہ نذر کرنے والے کی نیت اس بزرگ کی نذر سے قطع نظر تقرب الی اللہ اور فقراء پر خرچ کرنے کی نہ ہوا پس جب کہ تمہیں یہ تفصیل معلوم ہوگئی تو (جان لو کہ) کہ اولیاء اللہ کے تقرب کی نیت سے جو روپے پیسے اور موم بتی و تیل وغیرہ ان کی قبروں پر چڑھایا جاتا ہے، وہ تمام مسلمانوں کے نزدیک متفقہ طور پر حرام ہے جب تک کہ نذر کرنے والا اس کو فقیروں پر خرچ کرنے کی نیت نہ کرے۔ (النہر الفائق۔ اور الدر المختار میں بھی اسی طرح منقول ہے۔"

حضرت مولانا محمد اسحقؒ کے مذکورہ منقولات کے علاوہ اس سلسلہ میں مولانا رشید الدین خاں مرحوم نے ایک سوال کا جو جواب لکھا ہے۔ وہ بھی اس قابل ہے کہ اس کو مع سوال کے یہاں نقل کر دیا جائے۔

سوال: جو کھانا بزرگوں کی نذر و نیاز کے طور پر مانا جاتا ہے اس کو کھانا اور اس طرح (یعنی بزرگوں کی نذر ماننا اور ان کی نیاز کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس طرح؟ نیز بعض نذر بشرط حاجت براری مانی جاتی ہے اور بعض نذر بلا شرط مانی جاتی ہے ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

جواب: شریعت میں نذر کا مفہوم ہے اپنے اوپر کسی غیر واجب کو واجب کر لینا، چنانچہ جامع الرموز میں لکھا ہے کہ:

النذر ایجاب علی النفس مالیس علیها بالقبول۔

"کسی ایسی چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینے کو "نذر" کہتے ہیں جس پر عمل کرنا اس کے لئے ضروری نہیں تھا۔"

اور امام رازی نے تفسیر کبیر میں آیت کریمہ او نذر تم من نذر کی تفسیر کے تحت فرمایا ہے کہ:

النذر ما الزمه الانسان علی نفسه۔

"نذر وہ ہے جس کو انسان اپنے اوپر لازم کرے۔"

"نذر" کی مختصر توضیح تو یہ ہے اور اس کی تفصیل فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

"نیاز" فارسی کا لفظ ہے جس کے کتنے ہی معنی ہیں ان میں سے ایک معنی یہ بھی ہیں "تحفہ درویشاں وکذا فی البرہان القاطع ان دونوں لفظوں یعنی نذر و نیاز کے ان لغوی اور اصطلاحی معنی کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان کا شرعی حکم ماننا چاہئے کہ نذر خدا کے علاوہ اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے اور اگر کوئی شخص غیر اللہ کی نذر مانے تو وہ صحیح نہیں ہوگی، نیز ایسی نذر کی چیز کو لینا یا کھانا صحیح و مستند فقہی روایات کے بموجب قطعًا ناروا ہے یہ تو نذر کا حکم ہے اب رہا نیاز کا معاملہ تو جیسا کہ معلوم ہوا لفظ "نیاز کے معنی ہیں، تحفہ درویشاں" اور وہ بروصلہ ہے (یعنی

بخشش وہدیہ ہے) لہٰذا اگر کوئی شخص کسی زندہ بزرگ کی خدمت میں کوئی چیز بطریق نیاز یعنی عطاء وہدیہ اور تحفہ کے طور پر پیش کرے تو وہ نیاز جائز ہے اور اس بزرگ کو وہ چیز کھانا یا استعمال کرنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی مرحوم بزرگ کی نیاز یعنی فاتحہ و ایصال ثواب کی جائے تو یہ نیاز بھی جائز ہے لیکن اس نیاز کی چیز کو کھانے کے سلسلے میں کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر نیاز دینے والے نے وفات پائے ہوئے بزرگ کو صدقہ ماکولی کا ثواب پہنچانے کی نیت کی ہو تو اس چیز کو کھانا صرف فقراء کے لئے جائز ہے مستطیع لوگوں کے لئے جائز نہیں ہے، اگر نیاز دینے والے نے عام مسلمانوں کے حق میں "اباحت ماکولی" کا ثواب اس بزرگ کو پہنچانے کی نیت کی ہو تو اس صورت میں اس چیز کو کھانا ہر بھوکے کے لئے جائز ہے خواہ وہ مستطیع ہو یا فقیر ہو۔ حاصل یہ ہے کہ کسی بزرگ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے یا حاجت براری کی شرط کے ساتھ اس بزرگ کی جو نذر مانی جاتی ہے وہ منقولات بالا کی روشنی میں ناجائز ہے اور اس نذر کی چیز کو کھانا یا استعمال کرنا ناروا ہے۔ ہاں جس نذر کا تعلق نہ تو بزرگ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے ہوتا ہے اور نہ وہ کسی حاجت براری کے ساتھ مشروط ہوتی ہے بلکہ پہلے وہ چیز اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے صدقہ کی جاتی ہے اور پھر اس بزرگ کو پہنچایا جاتا ہے تو اس چیز کو کھانا اور استعمال کرنا مستطیع لوگوں کے لئے تو جائز نہیں ہے بشرطیکہ نذر ماننے والے نے اس بزرگ کو صدقہ ماکولی کا ثواب پہنچانے کی نیت کی ہو اور اگر نذر ماننے والے نے اس بزرگ کو اباحت ماکولی کا ثواب پہنچانے کی نیت کی ہو تو اس چیز کا کھانا اور استعمال کرنا مستطیع لوگوں کے لئے بھی جائز ہے اور فقراء کے لئے بھی جائز ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسی طرح نیاز کا مسئلہ بھی یہ ہے کہ بزرگوں کی نیاز اگر محض ایصال ثواب کے طور پر ہو تو جائز ہے اور ان کا تقرب یا ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کسی چیز کو ان کے نام پر اپنے اوپر واجب کرنا جائز نہیں ہے۔ خواہ اس چیز کو اپنے اوپر واجب کرنا کسی حاجت براری کے ساتھ معلق ہو اور خواہ اس کے بغیر ہو، کیونکہ یہ نذر ہے اور نذر خدا کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے۔ لہٰذا واضح ہو کہ خواہ حاجت براری کے ساتھ معلق کر کے اور خواہ اس کے بغیر کسی چیز کو اپنے اوپر خدا کے علاوہ کسی اور کے نام پر واجب کرنا دونوں ہی صورتوں میں ناجائز ہے۔ ہاں بزرگوں کی نیاز اس معنی میں جائز ہے کہ اس سے کسی بزرگ کا تقرب یا حاجت براری کی نیت نہ ہو بلکہ اس کا مقصد محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول اور اس کا ثواب اس بزرگ کو پہنچانا ہو اور نیاز کی ہوئی چیز کو مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں کھانا اور استعمال کرنا جائز ہے۔

دلیل الضالین میں لکھا ہے کہ "نذر" صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے اور کسی کے لئے نہیں ہوتی، لہٰذا اگر کسی شخص نے انبیاء میں سے کسی نبی یا اولیاء میں سے کسی ولی کی نذر مانی تو اس پر کچھ واجب نہیں ہوتا یعنی اس نذر کو پورا کرنا اس شخص پر لازم نہیں ہوتا، نیز اگر وہ شخص اس نذر کی چیز کو اپنی اسی نیت کے ساتھ کسی آدمی کو دیدے تو اس آدمی کو وہ چیز لینا جائز ہے اگر وہ کھانے کی کوئی چیز ہو تو اس کو کھانا حلال نہیں ہے اور اگر وہ چیز کوئی ذبح کیا ہوا جانور ہو تو وہ مردار کے حکم میں ہے بلکہ اگر لوگ اس کو بسم اللہ کر کے کھائیں تو سب کافر ہو جائیں گے، ہاں اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لئے نذر مانے اور پھر نذر کی ہوئی چیز کو لوگ کھائیں اور اس کا ثواب کسی میت کو بخشیں تو یہ جائز ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَكْثَرُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْلِفُ لَا وَمُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اکثر اس طرح قسم کھایا کرتے تھے "قسم ہے دلوں کو پھیرنے والے کی۔" (بخاریؒ)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھانا جائز ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت

(۲) وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ

اَوْلِیَصْمُتْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع فرماتا ہے کہ تم اپنے باپوں کی قسم کھاؤ! جس شخص کو قسم کھانا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ (کے نام یا اس کی صفات) کی قسم کھائے یا چپ رہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: باپ کی قسم کھانے سے منع کرنا مثال کے طور پر ہے، اصل مقصد تو یہ ہدایت دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قسم نہ کھایا کرو۔ بطور خاص "باپ" کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ باپ کی قسم بہت کھاتے ہیں! نیز عبداللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمال عظمت و جلالت کے سبب چونکہ قسم اسی کی ذات کے ساتھ مختص ہے، اس لئے کسی غیر اللہ کو اللہ کے مشابہ نہ قرار دیا جائے؛ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاؤں اور پھر اس کو توڑ ڈالوں، اس کو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ کسی غیر اللہ کی قسم کھاؤں اور اس کو پورا کروں۔ ہاں جہاں تک حق تعالیٰ کی ذات پاک کا سوال ہے تو اس کو سزاوار ہے کہ وہ اپنی عظمت و جلالت کے اظہار کے لئے اپنی مخلوقات میں سے جس کی چاہے قسم کھائے۔

اس حدیث کے ضمن میں ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ سے یوں منقول ہوا ہے اَفْلَحَ وَاَبِیْهِ یعنی آپ نے باپ کی قسم کھائی جب کہ یہ حدیث اس کے سراسر خلاف ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا باپ کی قسم کھانا اس ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہوگا۔ اس صورت میں دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا، یا پھر یہ کہ آپ ﷺ نے یہ باپ کی قسم قصداً نہ کھائی ہوگی، بلکہ قسم کے یہ الفاظ قدیم عادت کی بنا پر اضطراراً آپ ﷺ کی زبان سے نکل گئے ہوں گے۔

(۳) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْلِفُوْا بِالطَّوَاغِيْ وَلَا بِآبَائِكُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "نہ بتوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنے باپوں کی قسم کھاؤ۔" (مسلمؒ)

تشریح: ایام جاہلیت میں عام طور پر لوگ بتوں اور باپوں کی قسم کھایا کرتے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو قبولیت اسلام کے بعد اس سے منع فرمایا تاکہ وہ اس بارہ میں احتیاط رکھیں اور قدیم عادت کی بنا پر اس طرح کی قسمیں ان کی زبان پر نہ چڑھیں۔

(۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِيْ حَلِفِهٖ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهٖ تَعَالَ اُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص قسم کھائے اور اپنی قسم میں یہ الفاظ ادا کرے" میں لات و عزیٰ کی قسم کھاتا ہوں تو اسے چاہئے کہ وہ لا الہ الا اللہ کہے۔ اور جو شخص اپنے کسی دوست سے یہ کہے کہ آؤ ہم دونوں جوا کھیلیں تو اس کو چاہئے کہ وہ صدقہ و خیرات کرے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "وہ لا الہ الا اللہ کہے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے۔ اس حکم کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ اگر لات و عزیٰ کے نام کسی نومسلم کی زبان سے سہواً نکل جائیں تو اس کے کفارہ کے طور پر کلمہ پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔ (ہود ۱۱: ۱۱۴)

"بلاشبہ نیکیاں، برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔"

پس اس صورت میں غفلت و سہو سے توبہ ہو جائے گی۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اگر ان کی زبان سے لات و عزیٰ کے نام ان بتوں کی تعظیم کے قصد سے نکلے ہوں گے تو یہ صراحۃً ارتداد اور کفر ہے لہٰذا اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ تجدید ایمان کے لئے کلمہ پڑھے اس

صورت میں معصیت سے توبہ ہوگی۔

"صدقہ و خیرات کرے" کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے دوست کو جوا کھیلنے کی دعوت دے کر چونکہ ایک بڑی برائی کی ترغیب دی ہے، لہٰذا اس کے کفارہ کے طور پر وہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس نے جس مال کے ذریعہ جوا کھیلنے کا ارادہ کیا تھا اسی مال کو صدقہ و خیرات کردے! اس سے معلوم ہوا کہ جب محض جوا کھیلنے کی دعوت دینے کا کفارہ یہ ہے کہ صدقہ خیرات کرنا چاہئے تو یہ شخص واقعۃً کھیلے گا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔

اسلام کے خلاف کسی دوسرے مذہب کی قسم کھانے کا مسئلہ

⑤ وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى مِلَّةٍ غَيْرِ الْاِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَلَيْسَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ نَذْرٌ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عُذِّبَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهٖ وَمَنِ ادَّعٰى دَعْوٰى كَاذِبَةً لِيَتَكَثَّرَ بِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ اِلَّا قِلَّةً (متفق علیہ)

"اور حضرت ثابت ابن ضحاک کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اسلام کے خلاف کسی دوسرے مذہب کی جھوٹی قسم کھائے تو وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ اس نے کہا، اور کسی انسان پر اس چیز کی نذر پوری کرنا واجب نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو اور جس شخص نے (دنیا میں) اپنے آپ کو کسی چیز (مثلاً چھری وغیرہ) سے ہلاک کر لیا تو وہ قیامت کے دن اسی چیز کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا یعنی اگر کسی شخص نے چھری گھونپ کر خودکشی کر لی تو قیامت میں اس کے ہاتھ میں وہی چھری دی جائے گی جس کو وہ اپنے جسم میں گھونپتا رہے گا اور جب تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے نجات کا حکم نہ ہوگا وہ مسلسل اسی عذاب میں مبتلا رہے گا اور جس شخص نے کسی مسلمان پر لعنت کی تو وہ (اصل گناہ کے اعتبار سے) ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا ہو، اور اسی طرح جس شخص نے کسی مسلمان پر کفر کی تہمت لگائی تو گویا اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا (کیونکہ کفر کی تہمت لگانا اسباب قتل سے ہے لہٰذا کفر کی تہمت قتل کر دینے کے مانند ہے) اور جو شخص جھوٹا دعویٰ کرے تاکہ اس کے مال و دولت میں اضافہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے مال و دولت میں کمی کر دے گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے مثلاً یوں قسم کھائی کہ "اگر میں فلاں کام کروں تو یہودی یا نصرانی ہوں، یا دین اسلام سے یا پیغمبر اسلام سے اور یا قرآن سے بیزار ہوں۔ اور پھر اس نے اس کے برخلاف کیا یعنی قسم کو جھوٹی کر دیا، بایں طور کہ اس نے وہ کام کر لیا جس کے نہ کرنے کی اس نے قسم کھائی تھی تو وہ ایسا ہی یہودی و نصرانی ہو گیا یا دین اسلام یا پیغمبر اسلام اور یا قرآن سے بیزار ہو گیا کیونکہ قسم دراصل اس کام کو روکنے کے واسطے ہوتی ہے جس کے لئے وہ قسم کھائی گئی ہے۔ لہٰذا قسم کا سچ ہونا تو یہ ہے کہ قسم کھانے والا وہ کام نہ کرے اور اگر وہ اس کام کو کرے گا تو اپنی قسم میں جھوٹا ہوگا اور اب جب جھوٹا ہوگا تو لامحالہ ویسا ہی ہوگا جیسا کہ اس نے کہا ہے۔

حدیث کے اس ظاہری مفہوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی قسم کھانے والا محض قسم کھانے کی وجہ سے اس قسم کو توڑنے کے بعد کافر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اس طرح قسم کھا کر ایک صریح حرام فعل کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر اس قسم کو جھوٹی کر کے گویا کفر کو برضا و رغبت اختیار کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ اس ارشاد گرامی کی مراد یہ بتانا نہ ہو کہ اس طرح کی قسم کھانے والا واقعۃً یہودی وغیرہ ہو جاتا ہے بلکہ اس کی مراد بطور تہدید و تنبیہ یہ ظاہر کرنا ہو کہ وہ شخص یہودیوں وغیرہ کی مانند عذاب کا مستوجب ہوتا ہے، چنانچہ اس کی نظیر آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ فَقَدْ كَفَرَ (یعنی جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا) اس ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے کہ نماز چھوڑنے والا کافروں کے سے عذاب کا مستوجب ہوتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اس طرح قسم کھانا اگرچہ حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھا ہی لے تو کیا شرعی طور پر اس کو قسم کہیں گے اور کیا اس قسم کو توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ تو اس بارہ

میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور بعض علماء کا قول تو یہ ہے کہ یہ قسم ہے اور اگر اس قسم کو توڑا جائے گا تو اس شخص پر کفارہ واجب ہوگا، ان کی دلیل ہدایہ وغیرہ میں منقول ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کہنے پر قسم کا اطلاق نہیں ہوگا یعنی شرعی طور پر اس کو قسم نہیں کہیں گے اور جب یہ قسم ہی نہیں ہے تو اس کو توڑنے پر کفارہ بھی واجب نہیں ہوگا، ہاں اس طرح کہنے والا سخت گنہ گار ہوگا خواہ وہ اپنی بات کو پورا کرے یا توڑ ڈالے۔

درمختار میں لکھا ہے کہ (مذکورہ بالا مسئلہ میں) زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس طرح کی قسم کھانے والا (اس قسم کے برخلاف عمل کرنے کی صورت میں کافر نہیں ہوجاتا خواہ وہ اس طرح کا تعلق گزرے ہوئے زمانہ سے ہو یا آنے والے زمانہ سے ہو بشرطیکہ وہ اس طرح کہنے کے بارہ میں قسم ہی کا اعتقاد رکھتا ہو لیکن اگر وہ اس قسم کے ہونے سے لاعلم ہو اور اس اعتقاد کے ساتھ یہ الفاظ ادا کرے کہ اس طرح کہنے والا اپنی بات کو جھوٹا ہونے کی صورت میں کافر ہوجاتا ہے تو خواہ اس بات کا تعلق گزرے ہوئے زمانہ سے ہو یا آنے والے زمانہ میں کسی شرط کے پورا ہونے کے ساتھ وہ دونوں ہی صورتوں میں کفر کو خود برضا و رغبت اختیار کرنے کی وجہ سے کافر ہوجائے گا۔

"اور کسی انسان پر اس چیز کی نذر پوری کرنا واجب نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو" کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً اگر کوئی شخص یوں کہے "اگر میرا فلاں عزیز صحت یاب ہوجائے تو میں فلاں غلام آزاد کردوں گا" جب کہ وہ فلاں غلام درحقیقت اس کی ملکیت میں نہ ہو، تو اس صورت میں اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، اگر اس کے بعد وہ غلام اس کی ملکیت ہی میں کیوں نہ آجائے ہاں اگر اس نے آزادی کو ملکیت کے ساتھ مشروط کردیا یعنی یوں کہا کہ "اگر میرا فلاں عزیز صحت یاب ہوگیا اور فلاں غلام میری ملکیت میں آگیا یا فلاں غلام کو میں نے خرید لیا تو میں اس کو آزاد کردوں گا" تو اس صورت میں وہ غلام ملکیت میں آنے کے بعد یا خریداری کے بعد اس نذر کے مطابق آزاد ہوجائے گا۔

"تاکہ اس کے مال و دولت میں اضافہ ہو" یہ اکثر کے اعتبار سے دعوی کی علت و سبب کی طرف اشارہ ہے کہ اکثر لوگ محض اپنے مال و دولت میں اضافہ کی خاطر جھوٹے وعدے کرتے ہیں مذکورہ ثمرہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مال میں کمی کردیا جانا) مرتب ہوگا۔ جھوٹے وعدے کا مذکورہ ثمرہ محض مال و دولت ہی سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہی ثمرہ ان لوگوں کے حق میں بھی مرتب ہوتا ہے جو اپنے احوال و فضائل اور کمالات کے بارہ میں محض اس مقصد سے جھوٹا دعوی کرتے ہیں کہ عام انسانوں کی نظروں میں ان کا جاہ و مرتبہ زیادہ سے زیادہ بڑھے جیسا کہ نام نہاد اور بناوٹی صوفیوں اور پیروں کا شیوہ ہے۔

اگر قسم کو توڑ دینے ہی میں بھلائی ہو تو اس قسم کو توڑ دینا چاہئے

(۶) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ وَاللّٰہِ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ لَا اَحْلِفُ عَلٰی یَمِیْنٍ فَاَرٰی غَیْرَھَا خَیْرًا مِنْھَا اِلَّا کَفَّرْتُ عَنْ یَمِیْنِیْ وَاَتَیْتُ الَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "خدا کی قسم اگر میں کسی چیز پر قسم کھاؤں اور پھر اس قسم کے خلاف کرنے ہی کو بہتر سمجھوں تو میں اپنی قسم توڑ دوں گا اور اس کا کفارہ ادا کردوں گا اس طرح اس چیز کو اختیار کروں گا جو بہتر ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر میں کسی کام کے بارہ میں قسم کھاؤں کہ وہ کام نہ کروں گا مگر پھر سمجھوں کہ اس کام کو کرنا ہی بہتر ہے تو میں قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کردوں گا اور اس کام کو کرلوں گا، اس مسئلہ کی مثالیں آگے آنے والی حدیث کی تشریح میں بیان ہوں گی۔

(۷) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَۃَ لَا تَسْئَالِ الْاِمَارَۃَ فَاِنَّکَ اِنْ اُوْتِیْتَھَا عَنْ مَسْئَلَۃٍ وُکِلْتَ اِلَیْھَا وَاِنْ اُوْتِیْتَھَا عَنْ غَیْرِ مَسْئَالَۃٍ اُعِنْتَ عَلَیْھَا وَاِذَا حَلَفْتَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَرَاَیْتَ غَیْرَھَا خَیْرًا مِنْھَا فَکَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِکَ وَائْتِ الَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَاْتِ الَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ وَکَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِکَ۔

(متفق علیہ)

"اور حضرت عبدالرحمٰن ابن سمرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن مجھ سے) فرمایا کہ "عبدالرحمٰن! سرداری کی خواہش نہ کرو (یعنی اس بات کی طلب نہ کرو کہ مجھے فلاں جگہ کا حاکم و سردار بنا دیا جائے) کیونکہ اگر تمہاری طلب پر تمہیں سرداری دی جائے گی تو تم اس سرداری کے سپرد کر دیئے جاؤ گے اور اگر بغیر طلب کے تمہیں سرداری ملے گی تو اس میں تمہاری مدد کی جائے گی، نیز اگر تم کسی بات پر قسم کھاؤ اور پھر دیکھو کہ اس قسم کا خلاف کرنا ہی اس قسم کو پوری کرنے سے بہتر ہے، تو تم اس قسم کا کفارہ دے دو اور وہی کام کرو جو بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس چیز کو عمل میں لاؤ جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "سرداری کی خواہش نہ کرو" کا مطلب یہ ہے کہ سرداری و سیادت کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ ایک بہت ہی دشوار اور سخت ذمہ داری کی چیز ہے اس کے فرائض اور حقوق کی ادائیگی ہر شخص کے بس کا کام نہیں ہے بلکہ صرف چند ہی لوگ اس کا بار اٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں لہٰذا نفس کی حرص میں مبتلا ہو کر سرداری و سیادت کی خواہش نہ کرو کیونکہ اگر تم اپنی طلب پر سرداری و سیادت پاؤ گے تو پھر تمہیں اسی کے سپرد کر دیا جائے گا بایں معنی کہ اس کے فرائض کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر چہار طرف شر و فساد برپا ہوں گے اور تم مخلوق خدا کی نظروں میں بڑی بے آبروئی کے ساتھ اس منصب کے نااہل قرار دے دیئے جاؤ گے، ہاں اگر بلا طلب تمہیں سرداری و سیادت کے مرتبہ سے نوازا جائے گا تو اس صورت میں حق تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے معاملات انتظام و انصرام درست ہوں گے اور مخلوق خدا کی نظروں میں تمہاری بہت زیادہ عزت و وقعت ہوگی۔

"اور وہی کام کرو گے جو بہتر ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کسی گناہ کی بات پر قسم کھاؤ مثلاً یوں کہو کہ خدا کی قسم! میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ یا۔ خدا کی قسم میں فلاں شخص کو جان سے مار ڈالوں گا۔ یا۔ خدا کی قسم میں اپنے باپ سے کلام نہیں کروں گا۔ تو اس صورت میں اس قسم کو توڑ ڈالنا ہی واجب ہوگا اور اس قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا۔ اور اگر کسی ایسی بات پر قسم کھائی جائے جس کے خلاف کرنا، اس سے بہتر ہو مثلاً یوں کہا جائے کہ "خدا کی قسم! میں اپنی بیوی سے ایک مہینہ تک صحبت نہیں کروں گا" یا اسی طرح کی کسی اور بات پر قسم کھائی جائے تو اس صورت میں اس قسم کو توڑ دینا محض اولیٰ ہوگا۔ اس بارہ میں زیادہ تفصیل ابتداء باب میں گزر چکی ہے۔

یہاں جو روایتیں نقل کی گئی ہیں ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کر دینا چاہئے۔ جب کہ دوسری روایت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد ادا کرنا چاہئے، چنانچہ اس مسئلہ پر تینوں ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ کفارہ قسم توڑنے سے پہلے ادا کر دینا جائز ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ کے ہاں یہ جواز اس تفصیل کے ساتھ ہے کہ اگر کفارہ کی ادائیگی روزہ کی صورت میں ہو تو قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر کفارہ کی ادائیگی غلام آزاد کرنے، یا مستحقین کو کھانا کھلانے اور یا کپڑا پہنانے کی صورت میں ہو تو پھر قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی جائز ہوگی، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی کسی صورت میں جائز نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جن احادیث سے تقدیم کفارہ مفہوم ہوتا ہے ان میں حرف واؤ محض جمع کے لئے ہے اس سے تقدیم و تاخیر کا مفہوم مراد نہیں ہے اور نہ حقیقۃً وہ احادیث تقدیم و تاخیر پر دلالت کرتی ہیں۔

⑧ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَرَاٰى خَيْرًا مِنْهَا فَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَلْيَفْعَلْ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور پھر وہ یہ سمجھے کہ (اس کے خلاف کرنا ہی) قسم پوری کرنے سے بہتر ہے تو اسے چاہئے کہ وہ کفارہ ادا کر دے اور اس کام کو کرلے (یعنی قسم توڑ دے)۔" (مسلمؒ)

⑨ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَاَنْ يَلَجَّ اَحَدُكُمْ بِيَمِيْنِهٖ فِيْ اَهْلِهٖ اٰثَمُ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ اَنْ يُعْطِيَ كَفَّارَتَهُ الَّتِي افْتَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْهِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "خدا کی قسم! تم میں سے کسی شخص کا اپنی قسم پر اصرار کرنا (یعنی اس قسم کو پوری کرنے ہی کی ضد کرنا) جو اپنے اہل وعیال سے متعلق ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو زیادہ گنہ گار بناتا ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اس قسم کو توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کر دے جو اس پر فرض کر دیا گیا ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر قسم توڑنے میں بظاہر حق تعالیٰ کے نام کی عزت وحرمت کی ہتک ہے اور قسم کھانے والا بھی اس کو اپنے خیال کے مطابق گناہ ہی سمجھتا ہے لیکن اس قسم کو پوری کرنے ہی پر اصرار کرنا جو اہل وعیال کی کسی حق تلفی کا باعث ہوتی ہے زیادہ گناہ کی بات ہے! گویا اس حدیث کا مقصد بھی یہ واضح کرنا ہے کہ قسم کے برخلاف عمل کی بھلائی ظاہر ہونے کی صورت میں قسم کو توڑ دینا اور اس کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔

کسی تنازعہ کی صورت میں قسم دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا

(۱۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِيْنُكَ عَلٰى مَا يُصَدِّقُكَ عَلَيْهِ صَاحِبُكَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تمہاری قسم اس وقت صحیح ہوتی ہے جب تمہارا ساتھی (یعنی قسم دینے والا) تمہیں سچا سمجھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قسم سچی ثابت ہونے کے سلسلے میں اس شخص کی نیت و ارادہ کا اعتبار ہوگا جس نے تمہیں قسم دی ہے اس میں قسم کھانے والے کی نہ تو نیت کا اعتبار ہوگا اور نہ اس کے توریہ وتاویل کا اعتبار کیا جائے گا لیکن اس حکم کا تعلق کسی تنازعہ کی اس صورت سے ہے جب کہ قسم دینے والے کا کوئی حق ومطالبہ قسم کھانے والے پر ہو اور قسم کھانے والے کے توریہ وتاویل سے اس کا حق ساقط ہوتا ہو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی مقدمہ کے سلسلہ میں اگر قاضی وحاکم مدعا علیہ کو قسم دلائے تو اس میں قاضی وحاکم کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے، ہاں اگر کسی کی حق تلفی کا کوئی معاملہ نہ ہو یا کوئی قسم دینے والا نہ ہو تو پھر توریہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بطور خاص جب کہ اس توریہ کی وجہ سے کسی کا فائدہ ہوتا ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ یہ میری دینی بہن ہیں۔

(۱۱) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْيَمِيْنُ عَلٰى نِيَّةِ الْمُسْتَحْلِفِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قسم کا اعتبار، قسم دینے والے کی نیت پر ہوتا ہے۔" (مسلمؒ)

لغو قسم پر مواخذہ نہیں ہوگا

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ فِيْ قَوْلِ الرَّجُلِ لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰى وَاللّٰهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَقَالَ رَفَعَهُ بَعْضُهُمْ عَنْ عَائِشَةَ۔

"اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرتا۔ اس شخص کے حق میں نازل ہوئی ہے جو لا واللّٰہ اور بلی واللّٰہ کہتا ہے۔ (بخاریؒ) شرح السنۃ میں یہ روایت بلفظ مصابیح نقل کی گئی ہے، نیز شرح السنۃ میں کہا گیا ہے کہ بعض راویوں نے یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً نقل کی ہے (یعنی ان راویوں کے مطابق یہ حدیث آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے)۔"

تشریح: اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ آپس میں گفتگو کرتے وقت بات بات پر یہ کہا کرتے تھے کہ لا واللّٰہ (خدا کی قسم ہم نے یہ کام نہیں کیا) یا اور بلی واللّٰہ (خدا کی قسم ہم نے یہ کام کیا ہے) ان الفاظ سے ان کا مقصود قسم کھانا نہیں ہوتا تھا بلکہ اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لئے یا بطور تکیہ کلام وہ ان الفاظ کو بیان کرتے تھے، چنانچہ اس صورت میں قسم واقع نہیں ہوتی اور اس کو "لغو قسم" کہتے ہیں۔ حضرت

امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا ہے، ان کے نزدیک "لغو قسم" اس قسم کو کہتے ہیں جو بلا قصد زمانہ ماضی یا زمانہ مستقبل، زبان سے صادر ہو، جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک "لغو قسم" اس قسم کو کہتے ہیں جو کسی ایسی بات پر کھائی جائے جس کے بارہ میں قسم کھانے والے کا گمان تو یہ ہو کہ وہ صحیح ہے لیکن واقعۃً وہ صحیح نہ ہو، چنانچہ اس کی تفصیل ابتداء باب میں گزر چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت

(۱۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْلِفُوْا بِآبَائِکُمْ وَلَا بِاُمَّهَاتِکُمْ وَلَا بِالْاَنْدَادِ وَلَا تَحْلِفُوْا بِاللّٰهِ اِلَّا وَاَنْتُمْ صَادِقُوْنَ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم نہ تو اپنے باپوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنی ماؤں کی اور نہ بتوں کی اور خدا کی قسم بھی تم اسی صورت میں کھاؤ جب کہ تم سچے ہو (یعنی جھوٹی قسم نہ کھاؤ خواہ اس کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہو یا آئندہ زمانہ سے)۔" (ابوداؤد، نسائی)

(۱۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ (رواہ الترمذی)

"ابن عمر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جس نے اللہ کے غیر کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے غیر اللہ کی قسم اس کی تعظیم کے اعتقاد کے ساتھ کھائی اس نے شرک جلی یا شرک خفی کا ارتکاب کیا، کیونکہ اس طرح اس نے اس تعظیم میں غیر اللہ کو شریک کیا جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔

عام طور پر لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے کسی عزیز یا تعلق والے کی انتہائی محبت میں اس کی قسم کھاتے ہیں جیسے یوں کہتے ہیں کہ بیٹے کی قسم، یا اس کے سر کی یا اس کی جان کی قسم تو یہ بھی گناہ سے خالی نہیں اگرچہ اس پر شرک کا حکم عائد نہ ہوتا ہو ہاں اگر قدیم عادت کی بنا پر کسی کی زبان سے بلا قصد مثلاً یوں نکل گیا کہ "اپنے باپ کی قسم، یا اپنے بیٹے کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا ہے تو اس پر گناہ اور شرک کا اطلاق نہیں ہوگا۔

(۱۵) وَعَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ بِالْاَمَانَةِ فَلَیْسَ مِنَّا (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے امانت کی قسم کھائی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" (ابوداؤد ونسائی)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کئے بغیر محض امانت کی قسم کھائے گا اس کا شمار ہمارے متبعین میں نہیں ہوگا کیونکہ یہ اہل کتاب (یعنی غیر مسلموں) کی عادات میں سے ہے اور غیر اللہ کی قسم کے حکم میں ہے۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی میں "امانت" سے مراد "فرائض" ہیں گویا آپ ﷺ کا مقصد نماز اور حج جیسے فرائض کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے، بہرکیف دونوں صورتوں میں تمام علماء کے نزدیک اس قسم کو توڑنے پر کفارہ واجب نہیں ہوتا اور اگر "امانت اللہ" (یعنی اللہ کی طرف سے اضافت کر کے امانت کی) قسم کھائی جائے تو اکثر علماء کے نزدیک اس میں بھی کفارہ واجب نہیں ہوتا لیکن حضرت امام اعظمؒ چونکہ اس کو تسلیم کرتے ہیں بایں وجہ کہ "امین" اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہونے کی بنا پر "امانت" اس کی صفات میں سے ہے اس لئے ان کے نزدیک اس میں کفارہ واجب ہوتا ہے یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ "امانت اللہ" سے مراد کلمہ توحید ہے۔

اسلام سے بیزاری کی قسم کا مسئلہ

(۱۶) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ اِنِّي بَرِئٌ مِنَ الْاِسْلَامِ فَاِنْ كَانَ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَاِنْ كَانَ صَادِقًا فَلَنْ يَرْجِعَ اِلَى الْاِسْلَامِ سَالِمًا۔ (رواہ ابوداود والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص یوں کہے کہ (اگر میں نے ایسا کیا ہو یا ایسا نہ کیا ہو تو) میں اسلام سے بری ہوں، لہٰذا اگر وہ اپنی بات میں جھوٹا ہے تو وہ ایسا ہی ہو گیا جیسا کہ اس نے کہا ہے اور اگر وہ اپنی بات میں سچا ہے تب بھی وہ اسلام کی طرف پوری طرح واپس نہ آئے گا۔" (ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھائے کہ "اگر میں نے فلاں کام کیا ہو تو میں اسلام سے بیزار ہوں"۔ تو اگر وہ اپنی بات میں جھوٹا ہے، یعنی واقعۃً اس نے وہ کام کیا ہے تو وہ اسلام سے بیزار ہو گیا۔ گویا یہ ارشاد تو اس طرح قسم کھانے کی شدید ممانعت کو ظاہر کرنے کے لئے بطور مبالغہ فرمایا گیا ہے۔ اگر وہ شخص اپنی بات میں سچا ہے یعنی واقعۃً اس نے وہ کام نہیں کیا ہے تو اس صورت میں بھی اس کا اس طرح کہنا گناہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس طرح کی قسم کھانے سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس روایت میں مذکورہ قسم کو "منعقدہ قسم" پر محمول کیا ہے جیسا کہ انہوں نے حضرت ثابتؓ کی روایت نمبر پانچ) میں مذکور قسم کو بھی "منعقدہ قسم" پر محمول کیا ہے، چنانچہ اس کی وضاحت حضرت ثابتؓ کی روایت کی تشریح میں گزر چکی ہے، لیکن ملا علی قاریؒ نے اس کو "غموس قسم" پر محمول کیا ہے، اس کتاب کے مؤلف کے نزدیک یہ دونوں قسمیں "منعقدہ" پر بھی محمول ہو سکتی ہیں اور "غموس" پر بھی۔

آنحضرت ﷺ بعض مواقع پر کس طرح قسم کھاتے تھے

(۱۷) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اجْتَهَدَ فِي الْيَمِيْنِ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسُ اَبِي الْقَاسِمِ بِيَدِهٖ (رواہ ابوداود)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب (بعض مواقع پر) اپنی قسم میں زور پیدا کرنا چاہتے تو اس طرح قسم کھاتے تھے "نہیں! قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں ابوالقاسم کی جان ہے (یہ بات نہیں بلکہ یہ بات ہے)۔" (ابوداؤد)

تشریح: "ابوالقاسم" سرکار دوعالم ﷺ کی کنیت مبارک تھی۔ آنحضرت ﷺ کی قسم کے ان الفاظ میں زور بیان اور شدت و تاکید بایں معنی ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت اور آنحضرت ﷺ کی عبودیت کامل نیز آپ ﷺ کے نفس مبارک کے مسخر و مطیع ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

(۱۸) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَتْ يَمِيْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَلَفَ لَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ۔

(رواہ ابوداود وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب قسم کھاتے تھے تو آپ ﷺ کی قسم اس طرح ہوتی تھی۔ لا و استغفر اللہ۔"

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ان الفاظ کو قسم کہنا بایں وجہ ہے کہ یہ الفاظ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے قسم ہی کے مشابہ ہیں، کیونکہ ان الفاظ کے معنی ہیں "اگر یہ بات اس کے برخلاف ہو تو میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں" اور ظاہر ہے کہ اس طرح کہنا اپنی بات اور اپنے مطلب کو مضبوط و مؤکد کرنا ہے لہٰذا یہ قسم ہی کے حکم میں ہوا۔

قسم کے ساتھ "انشاء اللہ" کہنے کا مسئلہ

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَذَكَرَ التِّرْمِذِيُّ جَمَاعَةً وَقَفُوْهُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو کسی بات پر قسم کھائے اور قسم کے ساتھ ہی انشاء اللہ بھی کہہ دے تو اس پر حنث (کا اطلاق) نہیں ہوگا۔ (ترمذی) ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) نیز امام ترمذیؒ نے کچھ محدثین کے بارہ میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اس روایت کو حضرت ابن عمرؓ پر موقوف کیا ہے (یعنی ان محدثین کے نزدیک یہ روایت حضرت ابن عمرؓ کا ارشاد ہے)۔"

تشریح: "حنث کے معنی ہیں "گناہ اور قسم توڑنا چنانچہ قسم توڑنے والے کو "حانث" کہا جاتا ہے، حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس قسم کے الفاظ کے ساتھ لفظ "انشاء اللہ" کہہ دیا جائے وہ قسم منعقد نہیں ہوگی اور جب وہ قسم منعقد ہی نہیں ہوگی تو اس کو توڑنے پر کفارہ بھی واجب نہیں ہوگا، اسی طرح تمام عقود و معاملات کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر الفاظ عقد کے ساتھ لفظ "انشاء اللہ" متصل ہو تو وہ عقد والا معاملہ منعقد نہیں ہوگا، چنانچہ اکثر علماء اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے البتہ حضرت ابن عباسؓ کا قول یہ تھا کہ اگر لفظ "انشاء اللہ" متصل ہو تو بھی یہی حکم ہے۔

اس بارہ میں متصل اور منفصل کی حد یہ ہے کہ قسم کے الفاظ کے بعد کسی اور بات میں مشغول ہوئے بغیر فوراً انشاء اللہ کہا گیا تو یہ "متصل" ہے اور اگر اس قسم کے الفاظ کے بعد کسی دوسری بات میں مشغول ہوا تو پھر انشاء اللہ کہا تو "منفصل" ہے! بعض علماء نے "متصل" کی حد کچھ اور بھی بیان کی ہے جس کی تفصیل مرقات میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

غیر مناسب قسم توڑ دو اور اس کا کفارہ ادا کرو

(۲۰) عَنْ اَبِي الْاَحْوَصِ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ ابْنَ عَمٍّ لِيْ اٰتِيْهِ اَسْأَلُهُ فَلَا يُعْطِيْنِيْ وَلَا يَصِلُنِيْ ثُمَّ يَحْتَاجُ اِلَيَّ فَيَأْتِيْنِيْ فَيَسْأَلُنِيْ وَقَدْ حَلَفْتُ اَنْ لَا اُعْطِيَهُ وَلَا اَصِلَهُ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اٰتِيَ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَاُكَفِّرَ عَنْ يَمِيْنِيْ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَاْتِيْنِي ابْنُ عَمِّيْ فَاَحْلِفُ اَنْ لَا اُعْطِيَهُ وَلَا اَصِلَهُ قَالَ كَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ۔

"اور ابوالاحوص عوف ابن مالک اپنے والد (حضرت مالکؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ میرے چچا کے بیٹے کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں کہ جب میں (اپنی کسی ضرورت کے موقع پر) اس سے (کچھ مال و اسباب) مانگتا ہوں تو وہ مجھ کو (کچھ) نہیں دیتا اور میرے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتا ہے۔ لیکن جب خود اس کو مجھ سے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے مانگتا ہے مگر میں نے (اس کو اس کے عمل کی سزا دینے کے لئے کہ خود تو مجھ کو کچھ دیتا نہیں، لیکن مجھ سے مانگنے کے لئے آ جاتا ہے) اس بات پر قسم کھالی ہے کہ میں نہ تو اس کو کچھ دوں گا اور نہ اس سے حسن سلوک کروں گا۔ آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) مجھے حکم فرمایا کہ "میں وہ کام کروں جو بہتر ہے (یعنی اس کی ضرورت پوری کروں اور اس کے ساتھ حسن سلوک کروں) اور قسم توڑنے کا کفارہ دوں۔ (نسائی، ابن ماجہ) اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "مالکؓ نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میرے چچا کا بیٹا میرے پاس (کچھ مانگنے) آتا ہے تو میں یہ قسم کھالیتا ہوں کہ نہ تو میں اس کو کچھ دوں گا اور نہ اس کے ساتھ حسن سلوک کروں گا" آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا "تم اپنی قسم (توڑ دو اور اس) کا کفارہ دو۔"

بَابُ فِي النُّذُوْرِ

نذروں کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نذر کی ممانعت

① عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْذِرُوْا فَاِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا وَاِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهٖ مِنَ الْبَخِيْلِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ دونوں راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم نذر نہ مانو کیونکہ نذر تقدیر کی کسی چیز کو دور نہیں کرتی البتہ نذر کے ذریعہ بخیل کا (کچھ مال ضرور) خرچ ہوتا ہے۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کے ذریعہ خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں سخی و بخیل کے درمیان ایک بڑا لطیف فرق بتایا گیا ہے کہ سخی کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ وہ بلا واسطہ نذر، از خود خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے لیکن بخیل کو اس کی توفیق نہیں ہوتی، اگر اسے کچھ مال خرچ کرنا ہوتا ہے تو اس کے لئے نذر کو واسطہ بناتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں خدا کے نام پر اتنا مال خرچ کروں گا، اس طرح سخی تو "ایثار" کا وصف اختیار کرتا ہے اور بخیل "غرض" کی راہ اختیار کرتا ہے۔

اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے نذر کے ماننے کو بالکل مکروہ قرار دیا ہے، لیکن قاضیؒ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ عام طور پر لوگوں کی عادت ہے کہ وہ نذر (یعنی خدا کی راہ میں اپنا کچھ مال خرچ کرنے) کو کسی فائدہ کے حصول اور کسی ضرورت و حاجت کے پوری ہونے پر معلق کر دیتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا کیونکہ یہ بخیلوں کا کام ہے، سخی تو جب اللہ تعالیٰ کا تقرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اس میں عجلت کرتا ہے اور فوراً ہی اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے، لیکن اس کے برخلاف بخیل کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کا دل یہ گوارا نہیں کرتا کہ اپنے ہاتھ سے اپنا مال کسی کو دے ہاں اس کی کوئی غرض ہوتی ہے تو وہ اپنا مال خرچ کرتا ہے چنانچہ یا تو وہ اپنی حاجت پوری ہونے کے بعد اللہ کے نام پر اپنا کچھ مال نکال دیتا ہے یا خدا کی راہ میں اپنا کچھ مال نکالنے کو حصول نفع یا دفع مضرت پر معلق کر دیتا ہے یعنی یہ نذر مانتا ہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا یا مجھے فلاں نقصان نہ پہنچا تو میں اپنا اتنا مال خدا کی راہ میں خرچ کروں گا اور ظاہر ہے کہ اس بات سے تقدیر کا فیصلہ نہیں بدل جاتا لہٰذا اس صورت میں بھی اس کو مال خرچ کرنے کی نوبت نہیں آتی، ہاں کبھی اس کی نذر، تقدیر کے فیصلہ کے موافق ہو جاتی ہے تو گویا وہ نذر اس بخیل کو اپنا وہ مال خرچ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جس کو وہ خرچ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نذر سے منع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نذر ماننے کے بعد اس کو پورا کرنے میں سستی و کاہلی نہ کی جائے کیونکہ جب کسی نے نذر مانی تو اس نذر کو پورا کرنا اس کے ذمہ واجب ہو گیا لہٰذا اس واجب کی ادائیگی میں تاخیر مناسب نہیں ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک یہاں نذر کی ممانعت سے مراد یہ ہے کہ اس اعتقاد و خیال کے ساتھ نذر مانی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کو مقدر نہیں کیا ہے وہ نذر سے ہو جائے گا۔ لہٰذا نذر سے منع کرنا اس اعتبار سے ہے نہ کہ مطلق نذر سے منع کرنا مقصود ہے۔

جس نذر کو پورا کرنے میں گناہ ہوتا ہو اسے پورا نہ کرو

② وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ اَنْ يُطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا

يَعْصِهِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص ایسی نذر مانے جس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس کی اطاعت کرے (یعنی اس نذر کو پورا کرے) اور جو شخص ایسی نذر مانے جس سے اللہ تعالیٰ کی معصیت (نافرمانی) ہوتی ہو تو وہ اس کی معصیت نہ کرے (یعنی ایسی نذر کو پورا نہ کرے)۔" (بخاریؒ)

③ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةٍ وَلَا فِيْ مَالَا يَمْلِكُ الْعَبْدُ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ۔

"اور حضرت عمرانؓ ابن حصین سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو نذر گناہ کا باعث ہو اس کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس چیز کی نذر پوری کرنا جائز ہے جس کا وہ بندہ مالک نہ ہو۔ (مسلمؒ) اور مسلم ہی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جس نذر سے اللہ تعالیٰ کی معصیت (نافرمانی) ہوتی ہو اس کو پورا کرنا جائز نہیں۔"

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص گناہ کرنے کی نذر مانے مثلاً یوں کہے کہ "اگر میری فلاں حاجت پوری ہو گئی تو میں ناچ گانے کی محفل منعقد کروں گا" یا یوں کہے کہ "میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کرنے کے لئے قوالی کرنے کو اپنے اوپر واجب کرتا ہوں" تو ایسی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس صورت میں نذر کو پوری نہ کرنے میں کفارہ واجب ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا قول یہی ہے، جب کہ اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔

حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کی نذر ماننا جو اپنی ملکیت میں نہ ہو اس نذر کو پورا کرنے کو جائز نہیں رکھتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے غلام یا کسی دوسرے شخص کی کسی چیز کے بارہ میں یہ نذر مانے کہ میں خدا کی راہ میں اس غلام کو آزاد کرتا ہوں یا اللہ کے واسطے اس چیز کو دینا اپنے اوپر واجب کرتا ہوں تو اس صورت میں اس نذر کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اس غلام کو آزاد کرنا یا اس چیز کو اللہ واسطے دینا اس کے ذمہ لازم نہیں ہوگا۔

نذر کا کفارہ

④ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عقبہؓ ابن عامر رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ "آپ ﷺ نے فرمایا "نذر کا کفارہ قسم کے کفارے جیسا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اگر کوئی شخص کسی چیز کا نام لئے بغیر محض نذر مانے مثلاً صرف یوں کہے کہ "میں نذر مانتا ہوں" تو اس پر کفارہ واجب ہوگا اور اگر وہ نذر میں بلا تعین عدد کے روزے کی نیت کرے تو اس پر تین روزے رکھنے واجب ہوں گے اور اگر نذر میں صدقہ کی نیت کرے تو صدقہ فطر کے مانند دس مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہوگا۔

نذر کی جن باتوں کو پورا کرنا ممکن نہ ہو ان کو پورا نہ کرنے کی اجازت

⑤ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ فَسَأَلَ عَنْهُ فَقَالُوْا أَبُوْ إِسْرَائِيْلَ نَذَرَ أَنْ يَقُوْمَ وَلَا يَقْعُدَ وَلَا يَسْتَظِلَّ وَلَا يَتَكَلَّمَ وَيَصُوْمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک آپ کی نظر ایک شخص پر پڑی جو کھڑا

تھا، آپ ﷺ نے اس شخص کے بارہ میں دریافت فرمایا (اس کا نام کیا ہے اور یہ اس وقت کیوں کھڑا ہے؟) تو لوگوں نے بتایا کہ اس کا نام ابواسرائیلؓ ہے اور اس نے یہ نذر مانی ہے کہ کھڑا رہے گا، نہ بیٹھے گا، نہ سائے میں آئے گا اور نہ (بالکل) بولے گا اور (ہمیشہ) روزے رکھے گا، رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ اس سے کہو، بولے، سایہ میں آئے، بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس شخص نے جن باتوں کی نذر مانی تھی ان میں سے جس بات پر عمل کرنا اس کے لئے ممکن تھا اس کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا اور جن باتوں پر عمل کرنا کسی وجہ سے ممکن نہ تھا ان کو پورا نہ کرنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وہ روزے کو پورا کرے یعنی اپنی نذر کے مطابق ہمیشہ روزے رکھا کرے، کیونکہ طاعت و عبادات کی نذر کو پورا کرنا لازم ہے اور ہمیشہ روزے رکھنا اس شخص کے لئے ایک بہتر عمل ہے جو اس پر قادر ہو، لیکن واضح رہے کہ اس صورت میں وہ پانچ روزے مستثنیٰ ہوتے ہیں جو شرعاً و عرفاً ممنوع ہیں اور اگر وہ ان پانچ روزوں کی بھی نیت کرے گا تو ان روزوں کو توڑنا اس پر واجب ہو گا اور حنفیہ کے نزدیک روزہ توڑنے کا کفارہ اس پر واجب ہو گا۔

جن باتوں پر عمل کرنا ممکن نہ تھا ان میں سے ایک تو "بولنا" تھا کہ شرعی طور پر یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص بالکل ہی نہ بولے کیونکہ بعض مواقع پر "بولنا" واجب ہے۔ جیسے نماز میں قرأت، سلام کا جواب دینا اور اس کو ترک کرنا گناہ ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو بولنے کا حکم دیا، اسی طرح بالکل نہ بیٹھنا اور سایہ میں نہ آنا انسان کے بس سے باہر ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اس کو بیٹھنے اور سایہ میں آنے کا حکم دیا۔

(۹) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى شَيْخًا يُهَادٰى بَيْنَ ابْنَيْهِ فَقَالَ مَابَالُ هٰذَا قَالُوْا نَذَرَ اَنْ يَمْشِيَ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عَنْ تَعْذِيْبِ هٰذَا نَفْسَهٗ لَغَنِيٌّ وَاَمَرَهٗ اَنْ يَّرْكَبَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِرْكَبْ اَيُّهَا الشَّيْخُ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكَ وَعَنْ نَذْرِكَ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (بیت اللہ کے سفر کے دوران) ایک بوڑھے کو دیکھا جو (ضعف و کمزوری کی وجہ سے) اپنے دو بیٹوں کے درمیان (ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھے) راستہ چل رہا تھا آپ ﷺ نے پوچھا کہ "اسے کیا ہوا؟" صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس شخص نے (بیت اللہ کو) پیادہ پا جانے کی منت مان رکھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اس طرح اپنے آپ کو عذاب (تکلیف) میں ڈالنے کی خدا کو پروا نہیں ہے" پھر آپ ﷺ نے اس شخص کو سواری پر چلنے کا حکم دیا۔" (بخاری، و مسلم) اور مسلمؒ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے اس بوڑھے سے فرمایا کہ "بڑے میاں! سواری پر چلو کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے اور (تمہیں تکلیف میں ڈالنے والی) تمہاری اس منت سے بے نیاز ہے۔"

تشریح: چونکہ وہ شخص اپنے بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے پیادہ پا چلنے سے عاجز و معذور تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کو سواری پر چلنے کا حکم فرمایا۔

حضرت امام شافعیؒ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسی منت کی صورت میں سواری پر چلنے کی وجہ سے منت ماننے والے پر (بطور کفارہ) کوئی چیز واجب نہیں ہوتی لیکن امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس پر جانور (یعنی بکری یا اس کے مثل) ذبح کرنا واجب ہوتا ہے کیونکہ اس طرح ایک چیز کو اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد اس کو پورا کرنے سے قاصر رہنا ہے، حضرت امام شافعیؒ کا دوسرا قول بھی یہی ہے۔

مظہرؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ میں پیادہ پا بیت اللہ جاؤں گا تو اس کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں چنانچہ حضرت امام شافعیؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ شخص بیت اللہ کا سفر پا پیادہ طے کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ پیادہ پا جائے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو بطور کفارہ جانور ذبح کرے اور سواری پر سفر طے کرے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص خواہ پیادہ پا

چلنے پر قادر ہو یہ نہ قادر ہو، بہر صورت سواری کے ذریعہ سفر کرے اور جانور ذبح کرے۔

حنفی علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ "میں پیادہ پا بیت اللہ جانا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں" تو اس پر حج یا عمرہ واجب ہوتا ہے، اب وہ اپنی نیت کے مطابق ان دونوں میں سے جس کو چاہے پورا کرے۔ (یعنی اگر اس نے یہ کہتے وقت حج کی نیت کی تھی تو حج کرے اور اگر عمرہ کی نیت کی تھی تو عمرہ کرے) اور اگر یوں کہے کہ "میں پیادہ پا حرم جانا یا پیادہ پا مسجد حرام جانا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں۔" تو حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر کچھ واجب نہیں ہوتا مگر صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک اس پر حج یا عمرہ واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر یوں کہے کہ "میں بیت اللہ جانا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں" تو اس صورت میں متفقہ طور پر مسئلہ یہ ہے کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا یعنی اس پر حج یا عمرہ واجب نہیں ہوگا۔

اگر کوئی شخص پیادہ پا حج کو جانے کی نذر مانے تو اس پر واجب ہے۔ کہ وہ گھر سے پیادہ پا روانہ ہو اور جب تک کہ طواف زیارت سے فارغ نہ ہو جائے کوئی سواری استعمال نہ کرے اور اگر پیادہ پا عمرے کو جانے کی نذر مانی ہو تو جب تک کہ سر نہ منڈالے سواری پر نہ چڑھے۔ اور اگر نذر ماننے والے نے کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر پورا راستہ یا آدھے سے زیادہ سواری پر طے کیا تو جانور ذبح کرنا اس پر واجب ہوگا اور اگر آدھے راستہ سے کم سواری کا استعمال کیا تو اس کے بقدر ایک بکری کی قیمت میں سے صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

نذر ماننے والے کے ورثاء پر نذر پوری کرنا واجب ہے یا نہیں؟

(۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اِسْتَفْتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلٰى اُمِّهٖ فَتُوُفِّيَتْ قَبْلَ اَنْ تَقْضِيَهُ فَاَفْتَاهُ اَنْ يَقْضِيَهُ عَنْهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہؓ نے رسول کریم ﷺ سے اس نذر کے بارہ میں مسئلہ پوچھا جو ان کی ماں نے مانی تھی اور اس کو پورا کرنے سے پہلے وہ مر گئی تھیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سعدؓ کو یہ فتویٰ دیا کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے اس نذر کو پورا کریں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت سعدؓ کی والدہ کی نذر کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے مطلق نذر مانی تھی، بعض یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے روزے کی نذر مانی تھی، بعض کا قول یہ ہے کہ ان کی نذر غلام کو آزاد کرنے کی تھی، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے صدقہ کی نذر مانی تھی، لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے یا تو مالی نذر مانی تھی یا ان کی نذر مبہم تھی چنانچہ اس کی تائید دار قطنیؒ کی روایت کے ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ "ان کی طرف سے پانی پلاؤ"۔

اگر کسی شخص نے کوئی نذر مانی ہو اور اس نذر کو پورا کرنے سے پہلے مر گیا ہو تو اس کے بارہ میں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس شخص کے وارث پر اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے جب کہ وہ نذر غیر مالی ہو، اسی طرح اگر نذر مالی ہو اور اس میت نے کچھ ترکہ نہ چھوڑا ہو تو اس صورت میں بھی اس کے وارث پر اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہوگا، البتہ مستحب ہوگا، لیکن علماء ظواہر اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے بموجب یہ کہتے ہیں کہ وارث پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا۔ جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ اس نذر کو خود وارث نے اپنے اوپر لازم نہیں کیا ہے کہ اس کو پورا کرنا واجب ہو گا۔ البتہ مستحب ہوگا۔ لیکن علماء ظواہر اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے بموجب یہ کہتے ہیں کہ وارث پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا۔ جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ اس نذر کو خود وارث نے اپنے اوپر لازم نہیں کیا ہے کہ اس کو پورا کرنا اس پر واجب ہو، اور جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے تو اول تو یہ حدیث وجوب پر دلالت ہی نہیں کرتی دوسرے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت سعدؓ کی والدہ نے ترکہ چھوڑا ہو اور اس ترکہ میں سے ان کی نذر پوری کرنے کا حکم دیا گیا ہو یا یہ کہ محض تبرعاً یہ حکم دیا گیا ہو۔

اپنا سارا مال خیرات کر دینے کی ممانعت

⑧ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ مِنْ تَوْبَتِي اَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَالِي صَدَقَةً اِلَى اللّٰهِ وَاِلَى رَسُوْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكْ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ فَاِنِّي اُمْسِكُ سَهْمِيَ الَّذِي بِخَيْبَرَ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَهٰذَا طَرَفٌ مِنْ حَدِيْثٍ مُطَوَّلٍ -

"اور حضرت کعب ابن مالک کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری مکمل اور پوری طرح توبہ کا تقاضہ تو یہ ہے کہ میں اپنے سارے مال سے دست کش ہو جاؤں اور اس کو اللہ اور اس کے رسول کے لئے خیرات کر دوں۔" رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "تمہارے حق میں بہتر یہ ہے کہ تم کچھ مال روک لو۔" میں نے عرض کیا" (اچھا!) میں اپنا خیبر کا حصہ روک لیتا ہوں۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) یہ روایت ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔"

تشریح: جب رسول کریم ﷺ غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے تو تین صحابہ، حضرت کعبؓ ابن مالک، حضرت مرارہؓ ابن ربیع اور حضرت ہلالؓ ابن امیہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہ گئے، جب آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے تو ان تینوں صحابہؓ پر بہت خفا ہوئے اور لوگوں کو ان تینوں سے بولنے اور بات چیت کرنے سے منع فرما دیا، یہ اس صورت حال سے سخت پریشان ہوئے اور اپنی اس کوتاہی اور ندامت و شرمساری کے ساتھ بارگاہ حق جل مجدہ میں دعا وزاری اور توبہ و استغفار کرنے لگے، چند دنوں کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی اور ان کے حق میں یہ آیت وَعَلَى الثَّلاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوا الآیۃ نازل ہوئی چنانچہ اسی موقع پر حضرت مالکؓ نے جناب رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام میں عرض کیا کہ میں اس معافی کے شکرانہ کے طور پر اور اپنی توبہ کو کامل کرنے کے لئے یہ چاہتا ہوں کہ میرے پاس جو کچھ مال ہے سب صدقہ و خیرات کر دوں جس پر انہیں یہ حکم دیا گیا کہ کچھ مال بچا کر رکھ لو۔ بظاہر اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ دو تہائی مال روک کر ایک تہائی مال صدقہ کر دو۔ نیز آنحضرت ﷺ نے ان کو سارا مال صدقہ کرنے سے اس لئے منع کیا کہ مبادہ انہیں اپنی ضروریات زندگی کے لئے کچھ مال کی احتیاج ہو اور اس صورت میں صبر و توکل کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے، اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ ایسے معاملات میں ہر شخص کے مرتبہ و مقام کو مدنظر رکھ کر ہی کوئی حکم دیتے تھے، چنانچہ ایک طرف تو حضرت کعبؓ کا یہ واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو اپنا سارا مال صدقہ کرنے سے منع کر دیا، دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مثال ہے کہ جب انہوں نے اپنا سارا مال و اسباب آنحضرت ﷺ کے قدموں میں لا کر ڈال دیا اور سب کچھ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا تو آپ نے ان کو اس سے منع نہیں کیا کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان بالکل جداگانہ تھی، وہ صبر و توکل راضی برضاء مولی کے جس اونچے مرتبہ پر فائز تھے اس کی بنا پر اس کا ہلکا سا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ کسی بھی مرحلہ پر اپنی اور اپنی کسی بھی سخت سے سخت ضرورت کے موقع پر صبر و توکل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں گے۔

کتاب کے مؤلف نے اس حدیث کو اس باب میں شاید اس لئے نقل کیا ہے کہ حضرت کعبؓ کا مذکورہ قول نذر کے مشابہ ہے بایں طور کہ حضرت کعبؓ نے اپنے اوپر ایک ایسے امر کو (یعنی اپنا مال خدا کی راہ میں دے دینے کو) واجب کیا۔ جو ایک مخصوص صورت حال (یعنی قبولیت توبہ) کی وجہ سے ان پر مطلقاً واجب نہیں تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِي

گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں

⑨ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ وَكَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ.

(رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی)

"حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور اس نذر کا کفارہ قسم کے کفارہ جیسا ہے۔"

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

تشریح: گناہ کی نذر کے بارہ میں تفصیلی بحث پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے، یہ حدیث اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کی دلیل اور حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے برخلاف ہے۔

غیر معین نذر کا کفارہ

(۱۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَمْ يُسَمِّهٖ فَكَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا فِيْ مَعْصِيَةٍ فَكَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَا يُطِيْقُهٗ وَكَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرَ اَطَاقَهٗ فَلْيَفِ بِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَوَقَفَهٗ بَعْضُهُمْ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص غیر معین نذر مانے (یعنی صرف یہ کہے کہ "میں نذر مانتا ہوں" اور اس بات کا تعین نہ کرے کہ کس چیز کی نذر مان رہا ہے۔ مثلاً روزہ کی نذر مان رہا ہے یا صدقہ کی؟) تو اس نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے (یعنی غیر معین نذر کی صورت میں اس کو وہ کفارہ ادا کرنا ہوگا جو قسم توڑنے کی صورت میں دیا جاتا ہے) اسی طرح جو شخص کسی ایسی چیز کی نذر مانے جو گناہ ہے تو (اس کو پورا کرنا جائز نہیں اور) اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے نیز جو شخص ایسی چیز کی نذر مانے جس کو پورا کرنے کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو (جیسے کوئی شخص پہاڑ اٹھانے یا پیادہ بیت اللہ جانے کی نذر مانے یا اسی طرح کی ناممکن العمل کسی بھی چیز کو اپنے اوپر بطور نذر واجب کرے) تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے، اور جو شخص ایسی چیز کی نذر مانے جس کو پورا کرنے کی وہ طاقت رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ اس نذر کو پورا کرے (ابوداؤد، ابن ماجہ) بعض راویوں نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس پر موقوف کیا ہے۔"

صرف اس نذر کو پورا کرو جو جائز ہے

(۱۱) وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَنْحَرَ اِبِلًا بِبُوَانَةَ فَاَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِنْ اَعْيَادِهِمْ قَالُوْا لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْفِ بِنَذْرِكَ فَاِنَّهٗ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ اٰدَمَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ثابت ابن ضحاک کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ بوانہ میں (جو مکہ کے نشیبی علاقہ میں واقع ایک جگہ کا نام تھا) اونٹ ذبح کرے گا، پھر وہ شخص رسول کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کو اپنی (نذر کی) خبر دی۔ رسول کریم ﷺ نے (صحابہؓ سے) دریافت فرمایا کہ "زمانہ جاہلیت میں اس مقام پر کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی؟" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "نہیں" پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا وہاں کفار کے میلوں میں سے کوئی میلا لگتا تھا؟" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "نہیں!" اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے (اس شخص کو مخاطب) کرکے فرمایا کہ "تم اپنی نذر کو پورا کرو، نیز ابن آدم پر اس چیز کی نذر کو پورا کرنا بھی ضروری نہیں ہے جو اس کی ملکیت میں نہ ہو" (ابوداؤد)

تشریح: اس جگہ کے بارہ میں آپ ﷺ کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہاں زمانہ جاہلیت میں کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی یا وہاں کفار کا کوئی میلا لگتا تھا جہاں وہ سیر تماشے اور ناچ گانے میں مشغول ہوتے تھے تو اس صورت میں اس شخص کو اپنی نذر پوری کرنے کی اجازت نہ دی جائے تاکہ اس طرح کفار کے ساتھ مشابہت نہ ہو لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہاں ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں

تھی تو آپ ﷺ نے اس شخص کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔

دف بجانے کی نذر کو پورا کرنے کا حکم

⑫ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ اِمْرَاَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ نَذَرْتُ اَنْ اَضْرِبَ عَلٰى رَأْسِكَ بِالدُّفِّ قَالَ اَوْفِيْ بِنَذْرِكِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَزَادَ رَزِيْنٌ قَالَتْ وَنَذَرْتُ اَنْ اَذْبَحَ بِمَكَانِ كَذَا وَكَذَا مَكَانٌ يَذْبَحُ فِيْهِ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ هَلْ كَانَ بِذٰلِكَ الْمَكَانِ وَثَنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالَتْ لَا قَالَ هَلْ كَانَ فِيْهِ عِيْدٌ مِنْ اَعْيَادِهِمْ قَالَتْ لَا قَالَ اَوْفِيْ بِنَذْرِكِ۔

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے یہ نذر مانی کہ (جب آپ ﷺ جہاد سے واپس تشریف لائیں تو) میں آپ ﷺ کے سامنے دف بجاؤں۔ " آپ ﷺ نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو"۔ (ابوداؤد) اور رزینؒ نے اس روایت میں یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ اس عورت نے (یہ بھی) کہا کہ "اور میں نے یہ نذر مانی ہے کہ میں فلاں فلاں مقام پر جہاں زمانۂ جاہلیت میں لوگ ذبح کرتے تھے، جانور ذبح کروں ۔ " آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ "کیا وہاں زمانۂ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا؟" اس عورت نے کہا کہ نہیں۔ "پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ "کیا وہاں کفار کے میلوں میں سے کوئی میلہ لگتا تھا؟ عورت نے کہا کہ "نہیں!" آپ ﷺ نے فرمایا "اپنی نذر پوری کرو۔"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دف بجانا مباح ہے! جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ صرف اس چیز کی نذر ماننی چاہیے جو طاعت (یعنی بھلائی) کی قسم سے ہو وہ اس حدیث کے بارہ میں یہ وضاحت کرتے ہیں کہ اگرچہ دف بجانا کوئی طاعت نہیں ہے بلکہ مباح ہے لیکن اس عورت نے چونکہ آنحضرت ﷺ کے لئے اپنے جذبات عقیدت و محبت کی بنا پر یہ نذر مانی تھی کہ آنحضرت ﷺ جب جہاد کے معرکوں سے فارغ ہو کر خیر و عافیت کے ساتھ واپس تشریف لائیں گے تو میں دف بجاؤں گی، لہٰذا اس اعتبار سے اس دف کا بجانا بھی گویا طاعت کی قسم سے ہوا۔

تہائی مال سے زیادہ صدقہ کرنے کی ممانعت

⑬ وَعَنْ اَبِيْ لُبَابَةَ اَنَّهٗ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ تَوْبَتِيْ اَنْ اَهْجُرَ دَارَ قَوْمِي الَّتِيْ اَصَبْتُ فِيْهَا الذَّنْبَ وَاَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَالِيْ كُلِّهٖ صَدَقَةً قَالَ يُجْزِئُ عَنْكَ الثُّلُثُ۔ (رواہ رزین)

"اور حضرت ابولبابہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ "میری تمام و کمال توبہ یہ ہے کہ میں اپنی قوم کا گھر چھوڑ دوں جہاں مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے اور یہ کہ میں اپنے تمام مال کو خیرات کرنے کے لئے اس سے دست کش ہو جاؤں" آپ ﷺ نے فرمایا "تہائی مال کا صدقہ تمہارے لئے کافی ہے۔" (رزینؒ)

تشریح: حضرت ابولبابہؓ کا واقعہ اسلامی تاریخ کا ایک بہت بڑا عجیب، سبق آموز اور عدیم المثال واقعہ ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا۔ تو بنو قریظہ نے یہ پیغام بھیجا کہ آپ اپنے صحابی ابولبابہؓ کو ہمارے پاس بھیج دیجئے تاکہ ہم اپنے بارہ میں ان سے مشورہ کریں آنحضرت ﷺ نے اس پیغام کو منظور فرمایا اور ابولبابہؓ کو ان کے پاس بھیج دیا، جب بنو قریظہ نے ابولبابہؓ کو دیکھا تو ان کے مرد و عورت اور بچے بوڑھے سب ہی ان کے آگے رونے گڑگڑانے لگے ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر ابولبابہؓ کا دل پسیج گیا، پھر انہوں نے ابولبابہؓ سے پوچھا کہ اگر ہم حکم محمدی کو مان لیں اور اپنے آپ کو ان کے حوالہ کریں تو ہمارے ساتھ

کیا سلوک کریں گے؟ اس کے جواب میں ابولبابہؓ نے اپنے حلق پر ہاتھ پھیر کر ظاہر کیا کہ تمہیں ذبح کر ڈالیں گے۔ ابولبابہؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات کہی اور ہنوز وہاں سے قدم نہیں اٹھایا تھا کہ میں متنبہ ہوا اور اس بات پر سخت نادم ہوا کہ تو نے خدا اور اس کے رسول کے بارہ میں خیانت کی۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ۔

"اے ایمان والو! نہ تو خدا اور رسول کی امانت (یعنی ان کے پیغام و احکام) میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔"

پھر کیا تھا، ایسا لگا جیسے احساس ندامت و شرمندگی نے ابولبابہؓ کے قلب و شعور پر بجلی گرادی ہو، وہ بے تاب ہو گئے اور دیوانہ وار مسجد نبوی پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا اور یہ اعلان کیا کہ جب تک کہ میں توبہ نہ کرلوں اور پھر جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ کرلے مجھ پر کھانا پینا حرام ہے! جب نماز کا وقت آتا تو ان کے بیٹے آتے اور ان کو کھول دیتے پھر جب وہ نماز پڑھ لیتے ان کے ہاتھ باندھ دیتے لوگ ان کے پاس آتے تو کھولنے کے لئے کہتے تو انکار کر دیتے اور فرماتے کہ جب تک رسول کریم ﷺ خود آکر نہ کھولیں گے میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا، چنانچہ مسلسل سات دن تک اسی طرح اس ستون سے بندھے کھڑے رہے یہاں تک کہ غش کھا کر گر پڑے، آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی، اس کے بعد لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے اب تو اپنے آپ کو کھول ڈالو، انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! جب تک رسول کریم ﷺ اپنے دست مبارک سے مجھے نہیں کھولیں گے میں خود اپنے آپ کو ہرگز نہیں کھولوں گا، چنانچہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے انہیں کھولا اسی موقع پر حضرت ابولبابہؓ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ اپنی توبہ کو کامل کرنے کے لئے میں یہ محسوس کرتا ہوں مجھے اپنے سارے اثاثہ سے دست کش ہونا چاہئے چنانچہ اول تو میں اپنا وہ آبائی اور قومی گھر چھوڑتا ہوں جو بنی قریظہ کے قبیلے میں واقع ہے اور دوسرے میں اپنا وہ تمام مال و اسباب اللہ کی راہ میں خیرات کر دینا چاہتا ہوں۔

گھر چھوڑنے کے لئے ابولبابہؓ نے اس لئے کہا کہ وہ اس جگہ سے دور ہو جائیں جہاں شیطان نے ان پر غلبہ حاصل کر کے ان کو گناہ میں مبتلا کیا اور اس گناہ کا ظاہری سبب بنو قریظہ کے تئیں ان کا جذبہ ہمدردی تھا اور اس جذبہ ہمدردی کا اظہار انہوں نے اس لئے کیا کہ ان کے اہل و عیال اور مال و اسباب سب کچھ بنو قریظہ کے قبضہ میں تھا۔ گھر چھوڑنے کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے حکم دیا اس کا حدیث میں کوئی ذکر نہیں ہے، بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ابولبابہؓ کا گھر چھوڑ دینا طاعت کی قسم سے تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کو جائز رکھا، البتہ صدقہ کے بارے میں آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ سارا مال خیرات کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اپنے سارے مال کا تہائی حصہ خیرات کرنا حصول مقصد کے لئے کافی ہے۔

کسی خاص جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی جائے اور پھر اس نماز کو دوسری جگہ پڑھ لیا جائے تو نذر پوری ہو جائے گی

(۱۴) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَجُلًا قَامَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي نَذَرْتُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِنْ فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَكَّةَ اَنْ اُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ صَلِّ هٰهُنَا ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ صَلِّ هٰهُنَا ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ شَانُكَ اِذًا۔

(رواہ ابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت جابرؓ ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ایک شخص مسجد نبوی ﷺ میں کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے عزوجل سے یہ نذر مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ کی فتح عطا کرے گا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز پڑھوں گا۔" آنحضرت ﷺ

نے فرمایا کہ تم اسی جگہ (مسجد حرام میں) نماز پڑھ لو (کیونکہ یہاں نماز پڑھنا افضل ہے باوجودیکہ بیت المقدس جاکر وہاں نماز پڑھنے کی بہ نسبت یہاں نماز پڑھ لینا زیادہ آسان وسہل ہے) اس شخص نے پھر یہی عرض کیا آنحضرت ﷺ نے یہی جواب دیا کہ اس جگہ نماز پڑھ لو، جب اس نے تیسری مرتبہ بھی یہی عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اب تمہیں اختیار ہے" (یعنی اگر تم یہاں نماز پڑھنا نہیں چاہتے تو تم جانو، تمہیں اپنی نذر کے مطابق بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا اختیار ہے۔" (ابوداؤد، دارمی)

تشریح: شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نذر مانے اور پھر اس نماز کو مسجد حرام میں پڑھ لے تو اس کی نذر پوری ہو جائے گی لیکن اگر اس نماز کو وہ مسجد اقصی یعنی بیت المقدس میں پڑھے گا تو نذر پوری نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مسجد اقصی میں نماز پڑھنے کی نذر مانے اور پھر اس نماز کو مسجد حرام میں یا مسجد نبوی میں پڑھ لے تو اس کی نذر پوری ہو جائے گی! گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی جائے اور اس نماز کو کسی ایسی دوسری جگہ پڑھ لیا جائے جو اس جگہ سے زیادہ فضیلت کی حامل ہو تو نذر پوری ہو جائے گی۔ لیکن حنفی علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں ہمارا یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانے اور پھر اس نماز کو کسی ایسی دوسری جگہ پڑھے جو اس جگہ سے کم فضیلت کی حامل ہو تو بھی نذر پوری ہو جائے گی۔

نذر کا کوئی جزو اگر ناممکن العمل ہو تو اس کا کفارہ

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اُخْتَ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ مَاشِيَةً وَاَنَّهَا لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ مَشْيِ اُخْتِكَ فَلْتَرْكَبْ وَلْتُهْدِ بَدَنَةً رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاؤُدَ فَاَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَرْكَبَ وَتُهْدِيَ هَدْيًا وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَصْنَعُ بِشَقَاءِ اُخْتِكَ شَيْئًا فَلْتَرْكَبْ وَلْتَحُجَّ وَتُكَفِّرْ يَمِيْنَهَا۔

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ عقبہؓ ابن عامر کی بہن نے یہ نذر مانی کہ وہ پیدل حج کریں گی لیکن وہ اس کی طاقت نہیں رکھتی تھی، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے (حضرت عقبہؓ سے) فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہن کے پیدل جانے کی پرواہ نہیں ہے، لہٰذا انہیں چاہئے کہ وہ (جب پیدل نہ چل سکیں تو) سواری پر بیٹھ جائیں اور اس کے مال کا کفارہ کے طور پر بدنہ ذبح کریں (حنفیہ کے نزدیک بدنہ سے مراد اونٹ یا گائے ہے۔ لیکن شوافع کے نزدیک بدنہ کا اطلاق صرف اونٹ پر ہوتا ہے) (ابوداؤد، دارمی) ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بہن کو اس کی مشقت کا کوئی ثواب نہیں دے گا (یعنی تمہاری بہن جو اس طرح مشقت برداشت کریں گی اس کا انہیں کچھ ثواب نہیں ملے گا) لہٰذا انہیں چاہئے کہ وہ (جب پیدل نہ چل سکیں تو) سواری پر بیٹھ کر حج کا سفر پورا کریں اور اپنی قسم کا کفارہ دیں۔"

تشریح: "ہدی" اس جانور کو کہتے ہیں جو ذبح کرنے کے لئے حرم بھیجا جائے! ہدی کا کم سے کم درجہ بکری ہے اور اس کا اعلیٰ درجہ بدنہ یعنی اونٹ یا گائے ہے۔ اس حدیث میں بدنہ ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ بطور استحباب ہے! قاضیؒ کہتے ہیں کہ پیادہ پا حج کے لئے جانا چونکہ طاعات کی قسم سے ہے اس لئے اس کی نذر پوری کرنا واجب ہے اور اس کے ساتھ ہر وہ عمل لاحق ہو جاتا ہے جس کو ترک کرنا جائز نہیں ہے الایہ کہ کوئی شخص اس کی ادائیگی سے عاجز ہو۔ لہٰذا ترک کی صورت میں فدیہ (کفارہ) واجب ہوگا۔ اب اس بارہ میں اختلاف ہے کہ بطور کفارہ کس جانور کو ذبح کرنا واجب ہوگا؟ چنانچہ حضرت علیؓ کا قول ہے۔ کہ اس حدیث کے بموجب بدنہ واجب ہوگا، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح میقات سے تجاوز کر جانے کی وجہ سے بکری واجب ہوتی ہے اسی طرح اس صورت میں بھی بکری واجب ہوگی، انہوں نے اس حدیث میں بدنہ ذبح کرنے کے حکم کو استحباب پر محمول کیا ہے، یہی قول امام مالکؒ کا بھی ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے۔

"اور اپنی قسم کا کفارہ دیں" کے بارہ میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس حکم میں "کفارہ" سے مراد کفارہ جنایت ہے اور وہ ہدی ہے، یا روزہ ہے جو ہدی کا قائم مقام ہے اور جس کا ذکر بھی اگلی حدیث میں کیا گیا ہے "کفارہ" کے بارہ میں یہ تاویل اس لئے کی جاتی ہیں تاکہ یہ روایت اس بارہ میں منقول دوسری روایتوں کے مطابق ہو جائے، حاصل یہ کہ یہاں "قسم کے کفارہ" سے وہ کفارہ مراد نہیں ہے جو قسم توڑنے کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے۔

(۱۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ عُقْبَۃَ بْنَ عَامِرٍ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اُخْتٍ لَہٗ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ حَافِیَۃً غَیْرَ مُخْتَمِرَۃٍ فَقَالَ مُرُوْھَا فَلْتَخْتَمِرْ وَلْتَرْکَبْ وَلْتَصُمْ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت عبداللہ ابن مالک کہتے ہیں کہ جب عقبہؓ ابن عامر نے (سفرحج کے دوران) اپنی بہن کے بارہ میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا جنہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ پیادہ پا، ننگے پاؤں اور ننگے سر حج کو جائیں گی، تو آنحضرت نے فرمایا کہ "ان کو حکم دو کہ وہ اپنا سر ڈھانکیں اور سواری پر بیٹھ جائیں، نیز انہیں چاہئے کہ وہ تین روزے رکھیں۔" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: سر ڈھانکنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ عورت کا سر اور بال ستر ہیں۔ یعنی اس کے جسم کے یہ وہ حصے ہیں جس کو چھپانا اس پر واجب ہے اور اس کا کھلا رکھنا گناہ ہے اور سواری پر بیٹھنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ وہ پیدل چلنے سے عاجز تھیں اور اس کی وجہ سے وہ سخت مشقت و تکلیف میں مبتلا تھیں۔

چونکہ اوپر کی حدیث میں ہدی کا ذکر ہے اس لئے یہاں وہ "تین روزے رکھیں" کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر وہ ہدی (یعنی جانور ذبح کرنے) سے عاجز ہوں تو تین روزے رکھ لیں۔ یا پھر روزے رکھنے کے لئے اس لئے فرمایا گیا کہ قسم کے کفارہ کی جو کئی قسمیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کفارہ کی قسموں سے عاجز ہو تو وہ تین روزے رکھے اب ان تین روزوں کے بارہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر تین روزے قسم کے کفارہ کے طور پر رکھے جائیں تو تین دن پے در پے رکھنے واجب ہیں اس کے علاوہ کی صورت میں اختیار ہے کہ جس طرح چاہے رکھے گا۔

ناجائز نذر کا کفارہ دینا واجب ہے

(۱۷) وَعَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ اَنَّ اَخَوَیْنِ مِنَ الْاَنْصَارِ کَانَ بَیْنَھُمَا مِیْرَاثٌ فَسَاَلَ اَحَدُھُمَا صَاحِبَہُ الْقِسْمَۃَ فَقَالَ اِنْ عُدْتَ تَسْاَلُنِی الْقِسْمَۃَ فَکُلُّ مَالِیْ فِیْ رِتَاجِ الْکَعْبَۃِ فَقَالَ لَہٗ عُمَرُ اِنَّ الْکَعْبَۃَ غَنِیَّۃٌ عَنْ مَالِکَ کَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِکَ وَکَلِّمْ اَخَاکَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَمِیْنَ عَلَیْکَ وَلَا نَذْرَ فِیْ مَعْصِیَۃِ الرَّبِّ وَلَا فِیْ قَطِیْعَۃِ الرَّحِمِ وَلَا فِیْمَا لَا یَمْلِکُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سعیدؓ ابن مسیب کہتے ہیں کہ دو انصاری بھائیوں کو کسی کی میراث ملی تھی (جسے ان دونوں کے درمیان تقسیم ہونا باقی تھا) چنانچہ ان دونوں میں سے ایک بھائی نے دوسرے بھائی سے اس میراث کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا تو اس دوسرے بھائی نے کہا کہ (میں یہ نذر مانتا ہوں کہ) اگر اب تم پھر مجھ سے تقسیم کا مطالبہ کرو گے تو میرا سارا مال کعبہ میں خرچ کیا جائے گا۔ جب یہ صورت حال حضرت عمر فاروقؓ (کے علم میں آئی تو انہوں) نے فرمایا کہ کعبہ تمہارے مال سے بے پرواہ ہے۔ (یعنی کعبہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ تم اپنا مال اس کی نذر کرو) اور چونکہ تمہارے اوپر اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے اس لئے تم اپنی قسم کا (یعنی اس ناجائز نذر کا) کفارہ ادا کرو اور (جب تمہارا بھائی اس میراث کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کرے تو اس معاملہ میں) تم اپنے بھائی سے بات چیت کرو (یعنی اس میراث کو تقسیم کرکے اس کا مطالبہ پورا کرو) کیونکہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "تم پر اس قسم (یعنی اس طرح کی نذر) کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، اور پروردگار کی معصیت کی نذر جائز نہیں ہے (یعنی جس نذر کا تعلق پروردگار کی نافرمانی اور کسی گناہ سے ہو اس کو پورا نہ

کرنا چاہئے) اور نہ اس نذر کو پورا کرنا چاہئے جو قرابت داری کو منقطع کرنے سے متعلق ہو اور جس چیز کا انسان مالک نہ ہو، اس کی نذر پوری کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (بلکہ جو نذر ناجائز ہونے کی وجہ سے پوری نہ کی جائے اس کا کفارہ دینا واجب ہے)۔" (ابوداؤد)

تشریح: تاج الکعبۃ کا لفظی ترجمہ ہے "کعبہ کا دروازہ" کیونکہ "رتاج" بڑے دروازہ (پھاٹک) کو کہتے ہیں لیکن رتاج کعبہ سے کعبہ کا دروازہ مراد نہیں ہے، بلکہ نفس کعبہ مراد ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

جائز اور ناجائز نذر

(۱۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ النَّذْرُ نَذْرَانِ فَمَنْ كَانَ نَذَرَ فِيْ طَاعَةٍ فَذٰلِكَ لِلّٰهِ فِيْهِ الْوَفَاءُ وَمَنْ كَانَ نَذَرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ فَذٰلِكَ لِلشَّيْطَانِ وَلَا وَفَاءَ فِيْهِ وَيُكَفِّرُهُ مَا يُكَفِّرُ الْيَمِيْنَ۔ (رواہ النسائی)

"حضرت عمران ؓ ابن حصین کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "نذر دو قسم کی ہے (ایک تو یہ کہ) کوئی شخص طاعت (یعنی حق تعالیٰ کی بندگی) کی نذر مانے، یہ نذر خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اس طرح کی نذر کو پورا کرنا واجب ہے، اور دوسری یہ کہ کوئی شخص گناہ کی نذر مانے، یہ نذر شیطان کے لئے ہے، اس طرح کی نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ ایسی صورت میں وہ کفارہ ادا کیا جائے جو قسم توڑنے کی صورت میں دیا جاتا ہے۔" (نسائی)

جان قربان کرنے کی نذر کا مسئلہ

(۱۹) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ قَالَ اِنَّ رَجُلًا نَذَرَ اَنْ يَنْحَرَ نَفْسَهُ اِنْ نَجَّاهُ اللّٰهُ مِنْ عَدُوِّهٖ فَسَئَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَهُ سَلْ مَسْرُوْقًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ لَا تَنْحَرْ نَفْسَكَ فَاِنَّكَ اِنْ كُنْتَ مُؤْمِنًا قَتَلْتَ نَفْسًا مُؤْمِنَةً وَاِنْ كُنْتَ كَافِرًا تَعَجَّلْتَ اِلَى النَّارِ وَاشْتَرِ كَبْشًا فَاذْبَحْهُ لِلْمَسَاكِيْنِ فَاِنَّ اِسْحَاقَ خَيْرٌ مِنْكَ وَفُدِيَ بِكَبْشٍ فَاَخْبَرَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ هٰكَذَا كُنْتُ اَرَدْتُ اَنْ اُفْتِيَكَ۔ (رواہ رزین)

"اور حضرت محمد ابن منتشر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو دشمن سے نجات دلا دے تو وہ اپنے آپ کو ذبح کر ڈالے گا، چنانچہ جب اس کو اپنے دشمن سے نجات مل گئی تو (اس نے اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس ؓ سے دریافت کیا حضرت ابن عباس ؓ نے اس سے فرمایا کہ یہ مسئلہ مسروق ؒ (تابعی) سے پوچھو، اس شخص نے مسروق ؒ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ "تم اپنے آپ کو ذبح نہ کرو، کیونکہ اگر تم مسلمان ہو تو (اس صورت میں) تم ایک مسلمان کو قتل کرنے کے مرتکب ہو گے اور اگر تم کافر ہو تو (اس صورت میں گویا) تم دوزخ میں جانے میں جلدی کرو گے، لہٰذا اگر تمہارے بارہ میں یہ حکم ہے کہ (تم دنبہ خرید کر مسکینوں کے لئے اس کو ذبح کرو، حضرت اسحٰق علیہ السلام تم سے بہتر تھے جن کا بدلہ ایک دنبہ کو قرار دیا گیا، جب اس شخص نے حضرت ابن عباس ؓ کو (حضرت مسروق ؒ کے اس فتویٰ سے آگاہ کیا) تو انہوں نے فرمایا کہ حقیقت یہی ہے، میں خود تمہیں یہی فتویٰ دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔" (رزین ؒ)

تشریح: حضرت مسروق ؒ ابن اجدع کا شمار اونچے درجہ کے تابعین میں ہوتا ہے۔ ان کی علمی فضیلت اور فقہی حیثیت اپنے زمانہ میں ایک امتیازی شان رکھتی تھی۔ مرہ ابن شرحبیل کا قول ہے کہ کسی ہمدانی عورت نے مسروق ؒ جیسا سپوت نہیں جنا، انہوں نے آنحضرت ﷺ کی وفات سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر دربار رسالت میں حاضری کی سعادت سے محروم رہے تھے، چنانچہ انہوں نے چاروں خلفاء راشدین اور حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے تحصیل علم کیا تھا اس لئے جب اس شخص نے حضرت ابن عباس ؓ سے مسئلہ دریافت کیا تو انہوں

نے اپنی جلالت علم کے باوجود اس شخص کو حضرت مسروق ؒ سے مسئلہ پوچھنے کے لئے کہا، اس سے جہاں حضرت مسروق ؒ کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے، وہیں حضرت ابن عباس ؓ کے جذبۂ احتیاط اور ان کے کمال صبرو دیانت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

حدیث میں جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے اس کو اپنے دشمن کے ہاتھوں مرنا نہایت شدید اور فضیحت ناک معلوم ہوتا تھا، چنانچہ اس نے التجا کی کہ "پروردگار! اصل موت مجھ پر سخت نہیں ہے اور نہ میں اپنی زندگی کے خاتمہ سے گھبراتا ہوں، میں اپنی جان اپنے ہاتھوں تجھے سونپتا ہوں اور اپنے آپ کو تیرے نام پر قربان کرتا ہوں لیکن دشمن کے ہاتھوں مرنا مجھ پر سخت شاق ہے اس لئے اگر تو مجھے دشمن سے نجات دے گا تو میں اپنے آپ کو تیرے نام پر قربان کردوں گا" یہ تو گویا اس کا جذبہ اور اس کی ایک طبعی خواہش تھی لیکن اس نے یہ نہیں جانا کہ اپنے آپ کو ہلاک کرلینا اس سے کہیں زیادہ سخت اور حرام ہے، چنانچہ حضرت مسروق ؒ نے اس کے سامنے اس مسئلہ کو بڑے لطیف انداز میں واضح کیا کہ اگر تم مسلمان ہو اور اپنے آپ کو قتل کر ڈالتے ہو تو اس طرح درحقیقت تم ایک مسلمان کو قتل کرنے کے مرتکب گردانے جاؤ گے اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ نفس مؤمن کو قتل کرنے والے کے بارہ میں اس آیت کریمہ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا الخ کے بموجب دوزخ کے دائمی عذاب کی وعید بیان کی گئی ہے، اور اگر تم کافر ہو تو اس صورت میں تمہارا اپنے آپ کو قتل کر دینا، اس بات کے مترادف ہوگا کہ تم دوزخ میں جانے میں جلدی کر رہے ہو، کیونکہ اگر تم بقید حیات رہتے ہو تو عجب نہیں کہ حق تعالیٰ تمہیں راہ ہدایت سے نوازے اور تم اسلام قبول کر کے دائمی نجات پاؤ۔ بہرحال کسی بھی صورت میں تمہارا اپنے آپ کو قتل کر دینا نہ صرف یہ کہ نامشروع ہے بلکہ غیر معقول بھی ہے۔

حدیث کا یہ جملہ "حضرت اسحٰق علیہ السلام تم سے بہتر تھے جن کا بدلہ ایک دنبہ کو قرار دیا گیا تھا" بعض علماء کے اس قول پر مبنی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں تو وہ بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے۔ لیکن اس بارہ میں مشہور و مختار اور صحیح قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی ؒ نے وضاحت کی ہے کہ اس واقعہ میں اہل کتاب نے سخت تحریف و تکذیب سے کام لیا ہے، سابقہ آسمانی کتابوں میں اصل نام اسمٰعیل تھا جس کو اہل کتاب نے حذف کر کے اسحٰق بنا دیا۔

درمختار میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کی موافقت میں اس پر بکری ذبح کرنا واجب ہوگا لیکن حضرت امام ابو یوسف ؒ اور حضرت امام شافعی ؒ کہتے ہیں کہ ایسی نذر لغو ہوگی، اسی طرح اپنے آپ کو یا اپنے غلام کو ذبح کرنے کی نذر بھی لغو ہوگی لیکن حضرت امام محمد ؒ کے نزدیک اس صورت میں ایک بکری ذبح کرنا واجب ہوگا! اور اگر کسی نے اپنے باپ یا اپنے دادا کو اور یا اپنی ماں کو ذبح کرنے کی نذر مانی تو تمام علماء کے نزدیک اس کی نذر "لغو" ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب القصاص

قصاص کا بیان

اصطلاح شریعت میں "قصاص کا مفہوم ہے، قاتل کی جان لینا، جس شخص نے کسی کو ناحق قتل کردیا ہو اس کو مقتول کے بدلے میں قتل کردینا! یہ لفظ قص اور قصص سے" نکلا ہے جس کے لغوی معنی ہیں کسی کے پیچھے پیچھے جانا، چونکہ مقتول کا ولی قاتل کا پیچھا پکڑتا ہے۔ تاکہ اسے مقتول کے بدلے میں قتل کرائے اس لئے قاتل کی جان لینے کو قصاص کہا جاتا ہے، ویسے قصاصات کے معنی مساوات (برابری) کے بھی ہیں۔ "قصاص" پر اس معنی کا اطلاق اس طرح ہوتا ہے کہ جب قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کردیا جاتا ہے تو مقتول کا ولی اور قاتل یا مقتول اور قاتل برابر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ قصاص میں قاتل کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے جو قاتل نے مقتول کے ساتھ کیا تھا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

خون مسلم کی حرمت

① عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلَاثٍ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّيِّبُ الزَّانِي وَالْمَارِقُ لِدِيْنِهٖ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مسلم انسان کہ جو اس امر کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اس کا خون بہانا جائز نہیں الا یہ کہ ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بات پیش آجائے۔ ① ناحق قتل کرنا کہ خون کے بدلے خون (یعنی قصاص) لیا جائے (لیکن یہ مقتول کے ولی کا حق ہے کہ وہ اس بارہ میں شریعت کے مقرر کردہ اصول کے مطابق قاتل سے بدلہ لے)۔ ② شادی شدہ (مسلمان، مکلف اور آزاد) کا زنا کرنا (اس کو سنگسار کیا جائے۔ ③ اپنے دین سے نکلنے اور اپنی جماعت کو چھوڑنے والا (یعنی جو مسلمان مرتد ہو جائے اس کو قتل کرنا جائز ہے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ جملہ "جو اس امر کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں" دراصل لفظ مسلم کی وضاحت و بیان اور اس کے موکد کرنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے، نیز اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ محض کلمہ شہادت پڑھ لینا خون بہانے کے ناجائز ہونے کے لئے کافی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص (جو پہلے سے مسلمان نہ ہو یا جس کا مسلمان ہونا معلوم نہ ہو) محض زبان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کی شہادت دے دے تو اس شخص کا ناحق خون بہانا بھی اسی طرح ناجائز ہو گا جس طرح کسی دوسرے جانے پہچانے مسلمان کا۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان کا خون بہانا قطعاً جائز نہیں ہے الا یہ کہ ان تینوں چیزوں میں سے کوئی ایک چیز پیش آجائے اول تو یہ کہ اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو ناحق قتل کر دے تو "خون کا بدلہ خون" کے اصول کے تحت اس کو قتل کیا جاسکتا ہے، دوم یہ کہ اگر کوئی شادی شدہ شخص جو مکلف، مسلمان اور آزاد ہو، زنا کا مرتکب ہو تو اس کو سنگسار کر دیا جائے اور سوم یہ کہ جو مسلمان دین سے نکل آئے یعنی مرتد ہو جائے اس کو قتل کر دینا بھی جائز ہے۔

"اپنی جماعت چھوڑنے والا" یہ مارق کی صفت مؤکدہ ہے یعنی جو شخص قولاً یا فعلاً اور یا اعتقاداً مرتد ہو جائے کہ وہ اسلام کو ترک کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کی قوم سے علیحدگی اختیار کرے تو اس شخص کو قتل کر دینا واجب ہے بشرطیکہ وہ اپنے ارتداد سے توبہ نہ کر لے۔ حدیث میں ایسے شخص (یعنی مرتد) کو "مسلمان" کے ذیل میں ذکر کرنا اس کی پہلی حالت کے اعتبار سے مجازاً ہے۔ یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو حنفیہ کے مسلک کے مطابق اس عورت کو قتل نہ کرنا چاہئے۔

خون ناحق کرنے والا رحمت خداوندی سے محروم رہتا ہے

② وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِنْ دِيْنِهِ مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تاوقتیکہ کوئی مسلمان خون حرام (یعنی ناحق) قتل کر مرتکب نہ ہو وہ ہمیشہ اپنے دین کی وسعت و کشادگی میں رہتا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: یوں تو ہر برائی انسان کی دینی و اخلاقی زندگی کے لئے زوال کا باعث اور غضب خداوندی کا موجب ہوتی ہے لیکن یہاں بطور خاص خون ناحق کے مذموم ترین فعل کے بارہ میں واضح کیا گیا ہے کہ جب تک کوئی شخص کسی کے خون ناحق سے اپنا ہاتھ نہیں رنگتا اس پر رحمت خداوندی کا ہاتھ رہتا ہے اور اس کو حق تعالیٰ کی امید رحمت اور اس کی بخشش و مغفرت کا سہارا اپنے وسیع دامن میں لئے رہتا ہے لیکن جب کوئی شخص خون ناحق سے اپنے ہاتھ رنگ لیتا ہے تو اس پر تنگی مسلط ہو جاتی ہے اور وہ ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے جو رحمت خداوندی سے ناامید و محروم ہیں۔

قیامت میں سب سے پہلے خون کے بارہ میں پرسش ہوگی

③ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا وہ خون ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن بندوں کے حقوق میں سے جس مقدمہ کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا، وہ انسان کے خون کا مقدمہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے جس چیز کے بارہ میں سب سے پہلے سوال کیا جائے گا وہ نماز ہوگی۔ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ منہیات میں سے جس چیز کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ خون کا مقدمہ ہوگا اور مامورات میں سے جس چیز کے بارہ میں سب سے پہلے سوال کیا جائے گا وہ نماز ہوگی۔

جس شخص نے کلمہ پڑھ لیا وہ معصوم الدم ہو گیا

④ وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ لَقِيْتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَاقْتَتَلْنَا فَضَرَبَ اِحْدٰى يَدَيَّ

بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لاَ ذَمَنِي بِشَجَرَةٍ فَقَالَ اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَمَّا اَهْوَيْتُ لِاَقْتُلَهُ قَالَ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ اَقْتُلُهُ بَعْدَ اَنْ قَالَهَا قَالَ لاَ تَقْتُلْهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُ قَطَعَ اِحْدٰى يَدَىَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ تَقْتُلْهُ فَاِنْ قَتَلْتَهُ فَاِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَقْتُلَهُ وَاِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ اَنْ يَقُوْلَ كَلِمَتَهُ الَّتِيْ قَالَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت مقداد ابن اسود سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا" یارسول اللہ! مجھے بتائیے کہ اگر (مجھے کوئی کافر مل جائے) اور ہمارے درمیان لڑائی چھڑ جائے اور وہ کافر میرے ایک ہاتھ پر تلوار کا وار کر کے اس کو کاٹ دے اور پھر ایک درخت کی آڑ میں مجھ سے پناہ پکڑ کر یہ کہے کہ میں خدا کے لئے مسلمان ہو گیا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اور جوں ہی میں اس کو مار ڈالنے کا ارادہ کروں تو وہ یہ کہے کہ لا الہ الا اللہ تو کیا میں اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلنے کے بعد اس کو قتل کر سکتا ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں اس کو قتل نہ کرو، "مقدادؓ نے عرض کیا" یارسول اللہ اس نے جو میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا (اس کے باوجود) اس کو قتل نہ کرو، کیونکہ اگر تم اس کو قتل کرو گے تو وہ اس جگہ پہنچ جائے گا، جہاں تم اس کو قتل کرنے سے پہلے تھے اور تم اس جگہ پہنچ جاؤ گے جہاں وہ کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اس کو کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا تو جس طرح تم اس کو قتل کرنے سے پہلے معصوم الدم تھے اب وہ اسلام لانے کی وجہ سے معصوم الدم ہو گیا اور جس طرح وہ کلمہ اسلام پڑھنے سے پہلے غیر معصوم الدم تھا اب تم اس کو قتل کر دینے کی وجہ سے غیر معصوم الدم ہو گئے۔ اس کو مزید وضاحت کے ساتھ یوں کہا جا سکتا ہے کہ کلمۂ اسلام پڑھنے سے پہلے اس شخص کو اس کے کافر ہونے کی وجہ سے قتل کر دینا درست تھا اب اس کے مسلمان ہو جانے کے بعد اس کو قتل کر دینے کی وجہ سے تمہیں قتل کر دینا درست ہو گا۔

⑤ وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اُنَاسٍ مِنْ جُهَيْنَةَ فَاَتَيْتُ عَلٰى رَجُلٍ مِنْهُمْ فَذَهَبْتُ اَطْعَنُهُ فَقَالَ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ فَطَعَنْتُهُ فَقَتَلْتُهُ فَجِئْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ اَقَتَلْتَهُ وَقَدْ شَهِدَ اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ؟ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِكَ تَعَوُّذًا قَالَ فَهَلاَّ شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةِ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَيْفَ تَصْنَعُ بِلاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ اِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَهُ مِرَارًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں قبیلۂ جہینہ کے لوگوں کے مقابلہ پر بھیجا چنانچہ (ان کے مقابلہ کے دوران) میں ایک شخص پر جھپٹا اور اس پر نیزہ کا حملہ کرنا چاہا کہ اس نے 'لا الہ الا اللہ' کہہ دیا لیکن میں نے اس میں اپنا نیزہ پیوست کر کے اس کو قتل کر دیا۔ پھر جب میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں واپس آیا اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا (صد افسوس) کہ تم نے اس کو اس صورت میں قتل کر دیا جب کہ اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا تھا؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا اس نے محض قتل سے بچنے کے لئے کلمہ نہیں پڑھا تھا! آپ ﷺ نے فرمایا" تو تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا تھا؟"۔ اور جندبؓ ابن عبداللہ بجلی نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب قیامت کے دن کلمہ لا الہ الا اللہ اپنے پڑھنے والے یعنی (مقتول) کی طرف سے جھگڑتا ہوا تمہارے پاس آئے گا تو اس وقت تم اس کو کیا جواب دو گے۔ آنحضرت ﷺ نے (خوف دلانے کے لئے) یہ الفاظ کئی بار ارشاد فرمائے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "تو تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا؟" آپ ﷺ نے یہ ارشاد اس شخص کے باطن کے مطابق فرمایا کہ اگر تم اس شخص کے باطن پر مطلع ہو سکتے تھے تو تم اس کا دل چیر کر دیکھ لیتے اور یہ معلوم کرتے کہ آیا اس شخص نے محض اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانے کے

لئے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھا تھا یا واقعۃً یہ کلمہ اس کے قلب کے صدق و اخلاص کے ساتھ اس کی زبان سے نکلا تھا! لیکن ظاہر ہے کہ تم نہ اس کے دل کو چیر کر اس کے باطن کو دیکھ سکتے تھے اور نہ فوری طور پر اس کے باطن کا حال کسی اور ذریعہ سے تمہیں معلوم ہو سکتا تھا اس لئے معقول بات تو یہ تھی کہ تم اس کے ظاہر پر حکم لگاتے یعنی اس کے کلمہ پڑھ لینے کی وجہ سے اس کو مؤمن سمجھ لیتے اور اس کو قتل کرنے سے باز رہتے۔ ادھر حضرت اسامہؓ نے یہ گمان کیا کہ ایسی حالت میں جب میرا نیزہ موت بن کر اس کے سر پر پہنچ چکا ہے اب اس کا ایمان قبول کرنا فائدہ مند نہیں ہے اس لئے انہوں نے اس شخص کا کام تمام کر دیا، یہ گویا ان کا اجتہاد تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان پر یہ تو ظاہر فرما دیا کہ تم سے اجتہادی خطا ہو گئی ہے لیکن ان پر دیت لازم نہیں کی کیوں کہ مجتہد اپنی خطاء اجتہاد میں معذور ہوتا ہے، ہاں اس بات کے لئے آپ ﷺ نے بہر حال اپنی خفگی کا بھی اظہار فرمایا کہ اس کی اصل حیثیت و حقیقت ظاہر ہونے تک تم پر توقف لازم تھا، لیکن تم نے توقف نہ کر کے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔

معاہد کو قتل کرنے کی ممانعت

(٦) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيْحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص عہد والے کو قتل کرے گا وہ جنت کی بو نہیں پائے گا اور جنت کی بو چالیس برس کی راہ سے آتی ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: معاہد یعنی عہد والا اس کافر کو کہتے ہیں جس نے امام وقت (سربراہ مملکت اسلامی) سے جنگ و جدل نہ کرنے کا عہد کر لیا ہو خواہ وہ ذمی ہو یا غیر ذمی۔

اس روایت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جنت کی بو چالیس برس کی راہ سے آتی ہے۔ "جب کہ ایک روایت میں ستر برس" ایک روایت میں "سو برس" مؤطا میں "پانچ سو برس" اور فردوس میں "ہزار برس" کے الفاظ ہیں، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان روایتوں میں یہ فرق و اختلاف دراصل اشخاص و اعمال کے مختلف ہونے اور درجات کے تفاوت کی بناء پر ہے چنانچہ (میدان حشر میں) بعض لوگوں کو جنت کی بو ہزار برس کی راہ سے بعض لوگوں کو پانچ سو برس کی راہ سے آئے گی، اسی طرح بعض لوگ جنت کی اس بو کو ایک سو برس اور بعض لوگ ستر برس اور چالیس برس کی مسافت سے آتی ہوئی محسوس کریں گے، بہر کیف ان تمام مذکورہ اعداد سے تحدید مراد نہیں ہے بلکہ طول مسافت مراد ہے۔ نیز جنت کی بو نہ پانے سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ شخص ہمیشہ کے لئے جنت کی بو سے محروم رہے گا بلکہ یہ مراد ہے کہ ابتدائی مرحلہ میں جب کہ مقربین اور علماء جنت کی بو پائیں گے۔ وہ شخص اس وقت جنت کی بو سے محروم رہے گا۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد سے مراد معاہد کو قتل کرنے کی سخت مذمت بیان کرنا اور قتل کرنے والے کے خلاف سخت الفاظ میں تنبیہ و تہدید کا اظہار کرنا ہے۔

خود کشی کرنے والے کے بارہ میں وعید

(٧) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَدّٰى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدّٰى فِيْهَا خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا اَبَدًا وَمَنْ تَحَسّٰى سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَسُمُّهٗ فِيْ يَدِهٖ يَتَحَسَّاهُ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا اَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِحَدِيْدَةٍ فَحَدِيْدَتُهٗ فِيْ يَدِهٖ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِيْ بَطْنِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا اَبَدًا۔
(متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر خود کشی کر لی وہ شخص ہمیشہ دوزخ

میں گرایا جائے گا اور وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور کبھی اس سے نہیں نکلے گا۔ جو شخص زہر پی کر خودکشی کرے گا اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے وہ دوزخ کی آگ میں پئے گا وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اس سے کبھی نہیں نکلے گا۔ اور جس شخص نے لوہے کے (کسی) ہتھیار (جیسے چھری وغیرہ) سے اپنے آپ کو مار ڈالا اس کا وہ ہتھیار دوزخ کی آگ میں اس کے ہاتھ میں ہوگا جس کو وہ اپنے پیٹ میں بھونکے گا اور دوزخ میں ہمیشہ رہے گا اس سے کبھی نہیں نکلے گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: لفظ "مخلدا" اور "ابدًا خالدًا" کی تاکید ہیں۔ حاصل حدیث کا یہ ہے کہ اس دنیا میں جو شخص جس چیز کے ذریعہ خودکشی کرے گا آخرت میں اس کو ہمیشہ کے لئے اسی چیز کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ لیکن یہاں "ہمیشہ" سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ خودکشی کو حلال جان کر اس کا ارتکاب کریں گے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے، یا پھر "ہمیشہ" سے مراد یہ ہے کہ خودکشی کرنے والے مدت دراز تک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

⑧ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَّذِیْ یَخْنِقُ نَفْسَهٗ یَخْنُقُهَا فِی النَّارِ وَالَّذِیْ یَطْعَنُهَا یَطْعَنُهَا فِی النَّارِ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جس شخص نے گلا گھونٹ کر اپنے آپ کو مار ڈالا وہ دوزخ میں بھی اپنا گلا گھونٹے گا اور جس شخص نے اپنے آپ کو نیزہ مار کر خودکشی کر لی وہ دوزخ میں (بھی) اپنے آپ کو نیزے مارے گا۔"

⑨ وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِیْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ بِهٖ جُرْحٌ فَجَزِعَ فَاَخَذَ سِكِّیْنًا فَحَزَّ بِهَا یَدَهٗ فَمَا رَقَاَ الدَّمُ حَتّٰی مَاتَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی بَادَرَنِیْ عَبْدِیْ بِنَفْسِهٖ فَحَرَّمْتُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جندبؓ ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن) فرمایا "تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص تھا (جو کسی طرح) زخمی ہو گیا تھا چنانچہ (جب زخم کی تکلیف شدید ہونے کی وجہ سے) اس نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو چھری اٹھائی اور اپنے (اس) ہاتھ کو کاٹ ڈالا (جس میں زخم تھا) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زخم نہ رکا اور وہ مر گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے بندے نے اپنی جان کے بارہ میں میرے فیصلہ کا انتظار نہیں کیا (بلکہ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا) لہٰذا میں نے اس پر جنّت کو حرام کر دیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "میں نے اس پر جنّت کو حرام کر دیا" اس بات پر محمول ہے کہ اس نے خودکشی کو حلال جانا تھا اور چونکہ ایک حرام چیز کے بارہ میں حلال کا عقیدہ رکھنا صریحًا کفر ہے اس لئے اس پر دخول جنّت کو حرام کر دیا گیا۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک وہ دوزخ میں جا کر اپنے کئے کی سزا نہ چکھ لے، اس کو اول مرحلہ میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنّت میں جانے سے محروم کر دیا گیا۔

خودکشی حرام ہے

خودکشی یعنی اپنے آپ کو ہلاک کر لینا دنیا کے کسی بھی مہذب قانون اور سماج میں جائز نہیں ہے۔ اس کا تعلق دراصل اس بات سے ہے کہ انسان جو کچھ ہے یعنی اس کا ظاہر بھی اور اس کا باطن بھی کیا وہ خود اس کا مالک ہے؟ یا اس کا ظاہر و باطن سب کچھ کسی اور کی ملکیت ہے؟ یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ انسان بذات خود اپنے وجود کا مالک نہیں ہے بلکہ اس کا وجود اس دنیا میں صرف ایک امانت کے طور پر ہے خود اس کے لئے بھی اور دنیا والوں کے لئے بھی اور اس کا مالک حقیقی وہ ذات پاک ہے جس نے اس کو تخلیق سے نوازا ہے اور اس دنیا میں پیدا کیا ہے۔ پھر کیا امانت میں خیانت نہیں ہے یہ کہ انسان اپنے وجود کو نقصان پہنچائے کیا یہ جرم نہیں ہے کہ بندہ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالے جس کا ظاہر و باطن سب کچھ پروردگار کی ملکیت ہے؟ یقینًا یہ ایک بہت بڑا جرم ہے اور بہت بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ اپنے آپ کو ہلاک کرنا درحقیقت غیر کی ملکیت میں تصرف کرنا ہے اور کسی بندہ کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ پروردگار کی ملکیت میں تصرف کرے اسی

لئے شریعت نے خودکشی کو حرام قرار دیا ہے اور اسے گناہ کبیرہ کہا ہے اور اس کے مرتکب کو بڑے دردناک عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔

خودکشی کے بارہ میں ایک سبق آموز واقعہ

(۱۰) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ الطُّفَيْلَ بْنَ عَمْرٍو الدَّوْسِيَّ لَمَّا هَاجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ هَاجَرَ اِلَيْهِ وَهَاجَرَ مَعَهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهٖ فَمَرِضَ فَجَزِعَ فَاَخَذَ مَشَاقِصَ لَهُ فَقَطَعَ بِهَا بَرَاجِمَهُ فَشَخَبَتْ يَدَاهُ حَتّٰى مَاتَ فَرَآهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فِيْ مَنَامِهٖ وَهَيْئَتُهُ حَسَنَةٌ وَرَآهُ مُغَطِّيًا يَدَيْهِ فَقَالَ لَهُ مَا صَنَعَ بِكَ رَبُّكَ فَقَالَ غَفَرَلِيْ بِهِجْرَتِيْ اِلٰى نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالِيْ اَرَاكَ مُغَطِّيًا يَدَيْكَ قَالَ قِيْلَ لِيْ لَنْ نُصْلِحَ مِنْكَ مَا اَفْسَدْتَ فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو طفیل ابن عمرو دوسیؓ بھی ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس آگئے ان کے ساتھ ان کے قبیلے کے ایک اور شخص نے بھی ہجرت کی (اتفاق سے) وہ شخص مدینہ میں بیمار ہوگیا اور (جب مرض نے شدت اختیار کی) اس سے صبر نہ ہوسکا، چنانچہ اس نے تیر کی پیکان لے کر اس نے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے، اس کی وجہ سے اس کے دونوں ہاتھوں سے اتنا خون جاری ہوا کہ وہ مرگیا (اس کے انتقال کے بعد ایک دن) طفیل بن عمروؓ نے اس شخص کو اپنے خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ اس کی ہیئت تو اچھی تھی مگر اس نے اپنے دونوں ہاتھ چھپا رکھے تھے۔ طفیلؓ نے اس سے پوچھا کہ "تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس شخص نے کہا "اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وجہ سے بخش دیا ہے کہ میں نے اس کے نبی ﷺ کی طرف ہجرت کی تھی" پھر طفیلؓ نے کہا کہ "میں تمہیں اپنے دونوں ہاتھ چھپائے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟ اس شخص نے (بڑی حسرت کے ساتھ) کہا کہ (پروردگار کی طرف سے) مجھ سے کہا گیا ہے کہ جس چیز کو تم نے خود خراب کیا ہے ہم اس کو درست نہیں کریں گے" جب طفیلؓ نے یہ خواب رسول کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اے اللہ! اس کو اور اس کے دونوں ہاتھوں کو بخش دے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ اپنے وطن سے ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ کے پاس چلے جانے کی یہ برکت تھی کہ مہاجر کو حق تعالیٰ کی مغفرت و رحمت ہوتی ہے، اور اگر مہاجر کسی گناہ میں مبتلا ہوجاتا تھا تو آنحضرت ﷺ کے استغفار کی وجہ سے اس کی بخشش ہوجاتی تھی۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت، آپ ﷺ کے حیات مبارک میں آپ کی جسمانی زیارت کے مانند ہے لہٰذا آپ کی حیات مبارک میں آپ کی زیارت کرنے والوں کو حق تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی جو برکت ہوتی تھی آپ ﷺ کے روضۂ اطہر کے زیارت کرنے والے کو بھی اسی نعمت عظمیٰ کی امید رکھنی چاہئے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ تو کفر کا باعث ہے اور نہ دوزخ کے دائمی عذاب کا موجب ہے، چنانچہ اہل سُنّت والجماعت کا یہی مسلک ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اپنے کئے کی سزا پالینے کے بعد جنت میں داخل کردیا جائے گا۔

مقتول کے ورثاء کو قصاص اور دیت دونوں میں سے کسی ایک کو لینے کا اختیار ہے

(۱۱) وَعَنْ اَبِيْ شُرَيْحٍ الْكَعْبِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ اَنْتُمْ يَا خُزَاعَةُ قَدْ قَتَلْتُمْ هٰذَا الْقَتِيْلَ مِنْ هُذَيْلٍ وَاَنَا وَاللّٰهِ عَاقِلُهُ مَنْ قَتَلَ بَعْدَهُ قَتِيْلًا فَاَهْلُهُ بَيْنَ خِيَرَتَيْنِ اِنْ اَحَبُّوْا قَتَلُوْا وَاِنْ اَحَبُّوْا اَخَذُوا الْعَقْلَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِاِسْنَادِهٖ وَصَرَّحَ بِاَنَّهُ لَيْسَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ عَنْ اَبِيْ شُرَيْحٍ وَقَالَ وَاَخْرَجَاهُ مِنْ رِوَايَةِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ يَعْنِيْ بِمَعْنَاهُ۔

"اور حضرت ابوشریح کعبی رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (فتح مکہ کے دن جو خطبہ ارشاد فرمایا اور جس کا ابتدائی حصہ حرم مکہ کے باب میں گزر چکا ہے، اس کے آخری الفاظ یہ تھے) فرمایا "اے خزاعہ! تم نے اس مقتول کو جو قبیلہ ہذیل کا ایک فرد تھا، قتل کیا ہے اور میں خدا کی قسم، اس کا خون بہا دینے کا ذمہ دار ہوں، اب اس کے بعد (اس حکم سے مطلع کیا جاتا ہے کہ) اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو مقتول کے ورثاء کو دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ ① چاہے وہ قاتل کو مار ڈالیں۔ ② چاہے اس سے خون بہا لے لیں۔ (ترمذیؒ، شافعیؒ) شرح السنۃ میں یہ روایت شافعیؒ کی اسناد کے ساتھ مذکور ہے، اور شرح السنۃ کے مصنف علامہ بغویؒ نے یہ صراحت کی ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم میں ابوشریحؓ سے منقول نہیں ہے، لیکن بغوی نے کہا ہے کہ بخاری و مسلم میں یہ روایت ابوہریرہؓ سے منقول ہے حالانکہ اس میں بھی بالمعنی منقول ہے۔"

تشریح: حدیث کا واقعاتی پس منظر یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں قبیلہ ہذیل نے قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کو مار ڈالا تھا، چنانچہ قبیلہ خزاعہ کے لوگوں نے اب آکر اپنے مقتول کے بدلے میں قبیلہ ہذیل کے ایک شخص کو قتل کر دیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں قبیلوں کے درمیان متوقع فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے قبیلہ ہذیل کے اس مقتول کا خون بہا دے دیا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اور میں خدا کی قسم! اس خون بہا دینے کا ذمہ دار ہوں" پھر آپ ﷺ نے اس کے بعد اس سلسلہ میں یہ شرعی قانون بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی کو ناحق مار دے تو مقتول کے ورثاء کا حق یہ ہے کہ چاہے وہ قاتل کو قتل کر دیں اور چاہے قاتل سے خون بہا لے لیں۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہی ہے اور اس اعتبار سے یہ ارشاد گرامی ان دونوں کے مسلک کی دلیل ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء کو قاتل سے خون بہا لینے کا حق اسی صورت میں حاصل ہوگا جب کہ قاتل خود بھی اس پر راضی ہو، اگر قاتل خون بہا دینے پر راضی نہ ہو تو مقتول کے ورثاء کو صرف یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ قاتل کو قتل کر دیں، کہا جاتا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے، ان حضرات کے نزدیک اس ارشاد گرامی کی تاویل یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے کہ چاہے وہ قاتل کو قتل کر دیں چاہے اس سے خون بہا لے لیں اگر خون بہا ان کو دیا جائے۔

"حالانکہ ان سے بھی بالمعنی منقول ہے" اس کے ذریعہ مصنف مشکوۃ نے گویا صاحب مصابیح امام بغویؒ پر اعتراض کیا ہے بخاری و مسلم میں یہ حدیث بالمعنی تو مذکور ہے لیکن اصل حالت میں یعنی یہاں کے مذکور الفاظ کے ساتھ نہ تو ابوشریحؓ سے اور نہ ابوہریرہؓ سے منقول ہے جیسا کہ خود بغویؒ نے کہا ہے کہ یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ہے اور پھر اس روایت کو یوں فصل اول میں کیوں نقل کیا ہے کیونکہ فصل اول میں تو وہی حدیثیں نقل کی جاتی ہیں جو بخاری و مسلم میں مذکور ہوں۔

عورت کے مرد قاتل کو قتل کیا جاسکتا ہے

⑫ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ يَهُوْدِيًا رَضَّ رَاْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَقِيْلَ لَهَا مَنْ فَعَلَ بِكِ هٰذَا اَفُلَانٌ؟ اَفُلَانٌ؟ حَتّٰى سُمِّيَ الْيَهُوْدِيُّ فَاَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا فَجِيْئَ بِالْيَهُوْدِيِّ فَاعْتَرَفَ فَاَمَرَبِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُضَّ رَاْسُهٗ بِالْحِجَارَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل ڈالا (یعنی ایک پتھر پر اس کا سر رکھ کر دوسرے پتھر سے اس پر ضرب ماری) چنانچہ (جب لڑکی کا نزعی بیان لیا گیا تو) اس سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ کس نے یہ معاملہ کیا ہے، کیا فلاں شخص نے؟ کیا فلاں شخص نے؟ (یعنی جن جن لوگوں پر شبہ تھا ان کا نام لیا گیا) یہاں تک کہ جب اس یہودی کا نام لیا گیا تو لڑکی نے اپنے سر کے اشارے سے بتایا کہ ہاں اس نے ایسا کیا ہے۔ پھر اس یہودی کو حاضر کیا گیا اور اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا، لہٰذا رسول کریم ﷺ نے اسی طرح اس یہودی کا سر کچلنے کا حکم فرمایا اور اس کا سر پتھروں سے کچلا گیا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: بظاہر یہ مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اس یہودی نے لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچلا تھا اسی طرح اس یہودی کا بھی دو پتھروں کے درمیان کچلا گیا ہو۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح اگر کوئی عورت کسی مرد کو قتل کر دے تو مقتول مرد کے بدلے میں اس عورت کو قتل کیا جا سکتا ہے، اسی طرح مقتول عورت کے بدلے میں اس کے مرد قاتل کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے، نیز یہ حدیث اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ایسے بھاری پتھر سے کسی کو ہلاک کر دینا جس کی ضرب سے عام طور پر ہلاکت واقع ہو جاتی ہو، قصاص کا بموجب ہے۔ چنانچہ اکثر علماء اور تینوں ائمہ کا یہی قول ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پتھر کی ضرب سے ہلاکت واقع ہو جائے تو اس کی وجہ سے قصاص لازم نہیں ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک اس یہودی سے قصاص لینے کا سوال ہے تو اس کا تعلق سیاسی اور وقتی مصالح سے تھا۔

جو جیسا کرے اس کو ویسی ہی سزا دو

(۱۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَسَرَتِ الرُّبَيِّعُ وَهِيَ عَمَّةُ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَاَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ بِالْقِصَاصِ فَقَالَ اَنَسُ بْنُ النَّضْرِ عَمُّ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ لَا وَاللّٰهِ لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَنَسُ كِتَابُ اللّٰهِ الْقِصَاصُ فَرَضِيَ الْقَوْمُ وَقَبِلُوا الْاَرْشَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ربیع نے جو حضرت انسؓ ابن مالک کی پھوپھی تھیں، ایک انصاری لڑکی کے دانت توڑ دیئے اس لڑکی کے رشتہ دار استغاثہ لے کر، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ نے بدلہ لینے کا حکم فرمایا (یعنی یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ ربیعؓ کے بھی دانت توڑے جائیں) انسؓ ابن نضر نے جو انسؓ ابن مالک کے چچا تھے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ایسا نہیں ہوگا، خدا کی قسم ربیعؓ کے دانت نہیں توڑے جائیں گے آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ انسؓ! اللہ کا حکم بدلہ لینے کا ہے" لیکن (خدا نے ایسا کیا) کہ لڑکی کے خاندان والے (ربیعؓ کے دانت نہ توڑے جانے پر) راضی ہوگئے اور دیت (مالی معاوضہ) قبول کر لیا، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "بعض بندگان خدا ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر خدا کی قسم کھا بیٹھیں تو خداوند تعالیٰ ان کی قسم پوری کرتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ربیعؓ، انسؓ اور مالکؓ یہ تینوں بہن بھائی تھے ان کے والد کا نام نضر تھا، مالک کے لڑکے کا نام بھی انس تھا گویا چچا اور بھتیجے دونوں ایک ہی نام سے موسوم تھے اس حدیث میں جن ربیعؓ کا ذکر ہے وہ ایک انس یعنی، حضرت انسؓ ابن مالک کی پھوپھی تھیں اور دوسرے انس یعنی حضرت انس ابن نضر کی بہن تھیں۔

حضرت انسؓ ابن نضر کا یہ کہنا کہ "یا رسول اللہ! ایسا نہیں ہوگا، رسول کریم ﷺ کے حکم کی مخالفت اور آپ کے فیصلہ کو ماننے کا انکار کرنے کے طور پر نہیں تھا بلکہ اس کی بنا حق تعالیٰ کے اس فضل و کرم کی توقع اور امید پر تھی کہ وہ مدعیوں کو راضی اور ان کے دل میں ڈال دے گا کہ وہ قصاص (یعنی بدلہ لینے) کو معاف کر دیں، چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کی امید و توقع کو پورا کیا اور لڑکی کے خاندان والوں نے دیت قبول کر کے قصاص کو معاف کر دیا۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت انسؓ ابن نضر کے بارہ میں یہ مدحیہ کلمات ارشاد فرمائے کہ حضرت انس ابن نضر خدا کے ان بندگان خاص میں سے ہیں جو اگر کسی بات پر قسم کھا لیتے ہیں تو خدا ان کو حانث نہیں کرتا بلکہ ان کی اس بات کو پورا کرتا ہے اور قسم کو سچی کرتا ہے۔

"اے انس" اللہ کا حکم بدلہ لینے کا ہے اس ارشاد سے آنحضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ تا۔ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ کی طرف اشارہ فرمایا۔

اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ کسی ایسی بات پر قسم کھانا جائز ہے جس کے واقع ہونے کا قسم کھانے والے کو گمان ہو،

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی شخص کے منہ پر اس کی تعریف و توصیف کا اظہار کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کی وجہ سے اس شخص کے کسی فتنہ و برائی میں مبتلا ہو جانے کا خوف نہ ہو اور تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ قصاص کو معاف کر دینا مستحب ہے۔

مقتول کافر کے بدلے میں قاتل مسلمان کو قتل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۱۴) وَعَنْ اَبِی جُحَیْفَةَ قَالَ سَاَلْتُ عَلِیًّا هَلْ عِنْدَکُمْ شَیْءٌ لَیْسَ فِی الْقُراٰنِ فَقَالَ وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ مَا عِنْدَنَا اِلَّا مَا فِی الْقُرْاٰنِ اِلَّا فَهْمًا یُعْطٰی رَجُلٌ فِیْ کِتَابِهٖ وَمَا فِی الصَّحِیْفَةِ قُلْتُ وَمَا فِی الصَّحِیْفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفِکَاكُ الْاَسِیْرِ وَاَنْ لَا یُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِکَافِرٍ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوجحیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس نے اناج کو پیدا کیا اور جان کو وجود بخشا، میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو قرآن میں موجود نہ ہو، ہاں قرآن کی وہ سمجھ (مجھ کو ضرور دی گئی) جو کسی انسان کو عطا ہو سکتی ہے، نیز ہمارے پاس کچھ ایسی چیزیں ہیں جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہیں" میں نے عرض کیا کہ "وہ کیا چیزیں ہیں جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہیں؟ انہوں نے فرمایا (ناحق قتل) کا خون بہا، اس کی مقدار اور اس کے احکام اور قیدی کو چھوڑنے (کا ثواب لکھا ہے) اور یہ لکھا ہے کہ کافر (جو ذمی نہ ہو) کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے۔" (بخاری)

تشریح: "ہاں قرآن کی وہ سمجھ جو کسی بھی انسان کو عطا ہو سکتی ہے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ فہم عطا فرمایا ہے جس سے میں قرآن کے معنی و احکام کا استنباط کرتا ہوں، اس کے اجمال و اشارات سے مطلع ہو جاتا ہوں اور اسی فہم کے ذریعہ میری رسائی ان پوشیدہ علوم اور باطنی اسرار تک ہو جاتی ہے جو علماء راسخین اور ارباب یقین پر منکشف ہوتے ہیں"۔

ہمارے پاس کچھ ایسی چیزیں ہیں جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس سے وہ نوشتہ مراد ہے جس میں حضرت علیؓ نے خون بہا وغیرہ کے کچھ احکام و مسائل لکھ کر اس کو اپنی تلوار کی نیام میں رکھ رکھا تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس نوشتہ میں مذکورہ بالا تین چیزوں کے علاوہ اور بہت سی چیزوں کے احکام و مسائل لکھے ہوئے تھے، جن کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا، کیونکہ اس باب میں صرف قصاص اور خون بہا کا ذکر کرنا مقصود ہے، البتہ قیدی بعض نوعیت کے اعتبار سے چونکہ قریب القتل ہوتا ہے اس مناسبت سے اس کا بھی ذکر کر دیا گیا۔

"کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے گا" بہت سے صحابہ و تابعین، تبع تابعین اور تینوں اماموں کا مسلک یہی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافر کو قتل کر دے تو مقتول کافر کے بدلے میں قاتل مسلمان کو قتل نہ کیا جائے خواہ وہ مقتول کافر ذمی ہو یا حربی ہو لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور اکثر علماء کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ مقتول کافر، ذمی ہو تو اس کے بدلے میں قاتل مسلمان کو قتل کیا جاسکتا ہے جو حدیث ان کے مسلک کی دلیل ہے وہ مرقات میں مذکور ہے۔

حضرت ابوجحیفہؓ نے حضرت علیؓ سے جو سوال کیا اس کی بنیاد یہ تھی۔ کہ شیعہ جن کا وجود مختلف صورتوں میں اس زمانہ میں تھا کہا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اہل بیت کے مخصوص افراد اور خاص طور پر حضرت علیؓ کو علم وحی کے کچھ ایسے اسرار و نکات بتائے ہیں جو ان کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں بتائے گئے! یا پھر حضرت ابوجحیفہؓ نے یہ سوال اس لئے کیا کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں کوئی بھی شخص علم و تحقیق میں حضرت علیؓ کا ہمسر نہیں تھا، ان کی اس غیر معمولی علمی خصوصیت و برتری نے سب ہی کو حیران کر رکھا تھا کہ آخر ان کے پاس اتنا علم کہاں سے آیا؟۔ بہرکیف حضرت علیؓ نے قسم کھا کر بتایا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے میرے دامن علم و حکمت کو سب لوگوں سے زیادہ بھرا ہو یا دوسرے لوگوں کے سوا مجھے مخصوص طور پر تبلیغ و ارشاد سے نوازا ہو، بلکہ میرے پاس بھی وہی قرآن ہے۔ جو دوسروں کے پاس ہے اس سے زیادہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، یا پھر وہ نوشتہ ہے۔ جس میں کچھ چیزوں کے احکام لکھے ہوئے ہیں اور وہ میرے پاس محفوظ ہیں۔ ہاں مجھ میں اور دوسروں میں جو علمی تفاوت ہے اس کی بنیاد فہم اور استعداد و استنباط

ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے قرآن کی جو سمجھ عطا کی ہے اس کے ذریعہ میں قرآن کے علوم و معانی تک رسائی حاصل کرتا ہوں اور پھر اس سے احکام و مسائل نکالتا ہوں، اور یہ مجھ ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ جس شخص کو بھی یہ سمجھ، ادراک اور فضیلت عطا فرما دے گا اس پر قرآنی حکمت و علوم کی راہیں منکشف ہو جائیں گی۔ الحاصل تمام علوم و معنی کی بنیاد چونکہ قرآن کریم ہے۔ اسی لئے توفیق خداوندی اور تائید الٰہی سے جس شخص کو بھی قرآن کریم کا فہم حاصل ہو گیا اس پر تمام علوم اور حکمتوں کے دروازے کھل گئے یہ اور بات ہے کہ حق تعالیٰ اس نعمت سے کسی کسی ہی کو نوازتا ہے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں تمام علوم ہیں لیکن (عام طور پر) لوگوں کے فہم (قرآن کی گہرائی تک پہنچنے سے، قاصر رہتے ہیں)۔

وَذُكِرَ حَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا فِيْ كِتَابِ الْعِلْمِ۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث "ازراہ ظلم کسی کی جان نہ لی جائے" کتاب العلم میں نقل کی جا چکی ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

خون مسلم کی اہمیت

(۱۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَزَوَالُ الدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَوَقَفَهُ بَعْضُهُمْ وَهُوَ الْاَصَحُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ۔

"حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے نزدیک پوری دنیا کا ختم ہو جانا ایک مرد مؤمن کے قتل ہو جانے سے زیادہ سہل ہے۔ (ترمذی، نسائی) اور بعض راویوں نے اس حدیث کو موقوف بیان کیا ہے (یعنی یہ کہا ہے کہ یہ حدیث نبوی ﷺ نہیں ہے بلکہ عبداللہ ابن عمروؓ کا قول ہے) اور یہی زیادہ صحیح ہے، نیز ابن ماجہ نے اس روایت کو (حضرت عبداللہ ابن عمرو کی بجائے) حضرت براء ابن عازب سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی چیزیں زمین و آسمان وغیرہ مسلمانوں کے لئے پیدا کی ہیں تاکہ وہ پروردگار کی عبادت کریں اور چیزوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین رکھیں، لہٰذا جس شخص نے کسی مسلمان کو کہ جس کے لئے یہ دنیا پیدا کی گئی ہے، قتل کیا اس نے گویا پوری دنیا کو فنا کے گھاٹ اتار دیا، چنانچہ اسی نکتہ کی طرف قرآن کریم کی یہ آیت اشارہ کرتی ہے:

وَمَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا۔

"جس شخص نے کسی کو ناحق قتل کیا (یعنی بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے ملک میں فتنہ فساد پھیلانے کی سزا دی جائے، اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا۔"

(۱۶) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اشْتَرَكُوْا فِيْ دَمِ مُؤْمِنٍ لَاَكَبَّهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اگر (یہ ثابت ہو جائے کہ آسمان والے اور زمین والے سب کے سب کسی ایک مرد مؤمن کے قتل میں شریک ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو دوزخ کی آگ میں الٹا ڈال دے گا امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: بعض شارحین نے لکھا ہے لفظ اَكَبَّهُمْ فعل لازم ہے اور لفظ كَبَّهُمْ فعل متعدی ہے لہٰذا یہاں کسی راوی سے سہو ہو گیا ہے کہ

اس نے لَکَبَّھُمْ کی بجائے لَاکَبَّھُمْ نقل کر دیا ہے، لیکن ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ لفظ اَکَبَّہٗ قاموس میں لازمی اور متعدی دونوں طرح نقل کیا گیا ہے، اس اعتبار سے زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ ثقہ اور عادل راویوں کی طرف خطا اور سہو کی نسبت کرنے سے اولیٰ اور احوط یہ ہے کہ بعض بلکہ تمام اہل لغت کی طرف خطا کی نسبت کر دی جائے! بہر کیف چونکہ یہاں لفظ اَکَبَّھُمْ ہے اس لئے اس موقع پر یہ تحقیق پیش کی گئی، جامع صغیر میں اس روایت کے یہ الفاظ منقول ہیں۔ لَکَبَّھُمُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ فِی النَّارِ۔

قیامت کے دن مقتول کا استغاثہ

(۱۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَجِیْءُ الْمَقْتُوْلُ بِالْقَاتِلِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ نَاصِیَتُہٗ وَرَأْسُہٗ بِیَدِہٖ وَاَوْدَاجُہٗ تَشْخُبُ دَمًا تَقُوْلُ یَارَبِّ قَتَلَنِیْ حَتّٰی یُدْنِیَہٗ مِنَ الْعَرْشِ۔ (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو اس طرح پکڑ کر لائے گا کہ قاتل کی پیشانی اور اس کا سر مقتول کے ہاتھ میں ہوگا اور خود اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا اور اس کی زبان پر یہ الفاظ ہوں گے "پروردگار! (اس نے) مجھے قتل کیا ہے (میری فریادرسی) کر یہاں تک کہ مقتول اس قاتل کو (کھینچتا ہوا) عرش الٰہی کے قریب تک لے جائے گا۔" (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مقتول قیامت کے دن اپنا پورا حق طلب کرے گا، نیز یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عدل و انصاف سے مقتول کو راضی و مطمئن کر دے گا۔

اپنی مظلومیت کے دن حضرت عثمانؓ کی تقریر

(۱۸) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ بْنِ سَہْلِ بْنِ حُنَیْفٍ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ اَشْرَفَ یَوْمَ الدَّارِ فَقَالَ اَنْشُدُکُمْ بِاللّٰہِ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَحِلُّ دَمُ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ زِنًی بَعْدَ اِحْصَانٍ اَوْکُفْرٍ بَعْدَ اِسْلَامٍ اَوْقَتْلِ نَفْسٍ بِغَیْرِ حَقٍّ فَقُتِلَ بِہٖ فَوَاللّٰہِ مَا زَنَیْتُ فِیْ جَاھِلِیَّۃٍ وَلَا اِسْلَامٍ وَلَا ارْتَدَدْتُّ مُنْذُ بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا قَتَلْتُ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ فَبِمَا تَقْتُلُوْنَنِیْ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَلِلدَّارِمِیِّ لَفْظُ الْحَدِیْثِ۔

"اور حضرت ابوامامہؓ ابن سہل ابن حنیف کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ابن عفان، دار کے دن مکان کی چھت پر چڑھے اور (بلوائیوں کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں) کہ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے "کسی مرد مؤمن کی خون ریزی (کسی صورت میں جائز نہیں ہوتی الا یہ کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک بات پیش آجائے" (۱) نکاح کرنے کے بعد زنا کرنا۔ (۲) اسلام لانے کے بعد کافر ہو جانا۔ (۳) اور کسی کا ناحق قتل کر دینا کہ اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ پس قسم ہے خدا کی، میں نے نہ تو زمانہ جاہلیت میں زنا کیا ہے اور نہ زمانہ اسلام میں، اور جب سے رسول کریم ﷺ سے بیعت کی ہے آج تک اسلام سے نہیں پھرا ہوں اور نہ میں نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو، تو (خدارا مجھے بتاؤ تم مجھے کس بناء پر قتل کرنا چاہتے ہو؟۔ اس روایت کو ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور حدیث کے الفاظ دارمی کے ہیں۔"

تشریح: یوم الدّار یعنی دار (گھر) کا دن، سے وہ دن مراد ہیں جن میں تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان غنیؓ کے مخالف بلوائیوں نے ان کے مکان کو محاصرہ میں لے رکھا تھا، چنانچہ انہی دنوں میں حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر بلوائیوں کے سامنے مذکورہ بالا جملے ارشاد فرمائے۔

"نکاح کرنے کے بعد زنا کرنا" اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا ارتکاب کرے اس کو سنگسار کرنا مشروع ہے۔ "محصن" اس شخص کو کہتے ہیں، جو مسلمان ہو، آزاد ہو، مکلف ہو اور نکاح صحیح کے ساتھ اپنی عورت سے جماع کر چکا ہو۔

"اور حدیث کے الفاظ دارمی کے ہیں" اس کا مطلب یہ ہے کہ روایت میں حضرت عثمانؓ کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے یعنی اشرف یوم الدّار الخ اس کے الفاظ دارمی نے نقل نہیں کئے ہیں بلکہ اس کی روایت میں صرف اصل حدیث کے الفاظ لا یحل دم امرء مسلم الخ ہیں۔

قاتل، توفیق خیر سے محروم رہتا ہے

(۱۹) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَالَمْ یُصِبْ دَمًا حَرَامًا فَاِذَا اَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابو درداء رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "مسلمان اس وقت تک نیکی کی طرف سبقت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں مشغول رہتا ہے جب تک کہ وہ خون حرام کا ارتکاب نہیں کرتا اور جب وہ خون حرام کا مرتکب ہوتا ہے تو تھک جاتا ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مومن جب تک ناحق خون سے اپنا ہاتھ نہیں رنگتا، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو برابر نیکی کرنے اور بھلائی کی طرف سبقت کرنے کی توفیق دی جاتی ہے لیکن جب وہ کسی کو ناحق قتل کر دیتا ہے تو وہ اس گناہ کی شامت سے نیکی و بھلائی حاصل کرنے سے باز رہتا ہے گویا یہ قتل ناحق کا وبال ہے کہ قاتل کا قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ خیر کی توفیق سے محروم رہتا ہے اگرچہ سارے گناہوں کا یہی وبال ہوتا ہے لیکن یہ گناہ اور تمام گناہوں کی بہ نسبت زیادہ سخت ہے۔

قتل ناحق، ناقابل معافی جرم ہے

(۲۰) وَعَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُلُّ ذَنْبٍ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَغْفِرَہٗ اِلَّا مَنْ مَاتَ مُشْرِکًا اَوْ مَنْ یَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا۔ رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَرَوَاہُ النَّسَائِیُّ عَنْ مُعَاوِیَۃَ۔

"اور حضرت ابو درداءؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "ہر گناہ کے بارے میں یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا مگر اس شخص کو نہیں بخشے گا، جو شرک کی حالت میں مر جائے یا جس نے کسی مسلمان کا قتل عمد کیا ہو۔ (ابوداؤد) نسائی نے اس روایت کو حضرت معاویہؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: بظاہر اس حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جس طرح شرک کا گناہ ناقابل معافی ہے اسی طرح قتل عمد کے گناہ کی بخشش نہیں ہوتی لیکن اہل سُنّت و الجماعت کا مسلک یہ ہے کہ قتل کا گناہ گار مدت دراز تک شدید ترین عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد بخش دیا جائے گا ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔

"اللہ تعالیٰ شرک کے گناہ کو نہیں بخشتا، شرک کے علاوہ اور گناہوں کو، جس کو وہ چاہے بخش دیتا ہے۔"

جہاں تک اس حدیث کے ظاہری مفہوم کا سوال ہے تو یہ قتل کی شدید ترین مذمت اور اس کی سخت ترین سزا کے اظہار پر محمول ہے یا اس سے یہ مراد ہے کہ جو شخص قتل مسلم کو حلال جان کر کسی مسلمان کو قتل کرے گا اس کو نہیں بخشا جائے گا علاوہ ازیں لفظ مُتَعَمِّدًا کے (قتل عمد کی بجائے) یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ جو شخص کسی مؤمن کے قتل کا اس لئے قصد کرے کہ وہ مؤمن ہے تو اس شخص کی بخشش نہ

ہوگی۔

باپ سے اولاد کا قصاص نہ لیا جائے

(۲۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُقَامُ الْحُدُوْدُ فِی الْمَسَاجِدِ وَلَا یُقَادُ بِالْوَلَدِ الْوَالِدُ۔ (رواہ الترمذی والداری)

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مسجدوں میں حدود جاری نہ کی جائیں اور نہ اولاد کے (قتل کے) بدلے میں باپ کو قتل کیا جائے (بلکہ باپ سے دیت (یعنی مالی معاوضہ لیا جائے)۔" (ترمذیؒ، داریؒ)

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ زنا، چوری، یا اسی قسم کے دوسرے جرائم حدود (یعنی ان کی شرعی سزائیں) مساجد میں جاری نہ کی جائیں، اسی طرح قصاص بھی اسی حکم میں داخل ہے کہ کسی قاتل کو بطور قصاص مسجد میں قتل نہ کیا جائے کیونکہ مسجد یں فرض نماز پڑھنے کے لئے ہیں یا فرض نماز کے توابع کے لئے ہیں جیسے نفل نمازیں یا ذکر و شغل اور دینی علوم کا پڑھنا پڑھانا۔

حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ اگر باپ اپنی اولاد کو قتل کردے تو اس کو مقتول اولاد کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے اس بارہ میں فقہی تفصیل یہ ہے کہ اگر بیٹا اپنے ماں باپ کو قتل کردے تو اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ بیٹے کو بطور قصاص قتل کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر ماں باپ، بیٹے کو مار ڈالے تو اس میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ باپ کو بطور قصاص قتل نہ کیا جائے، امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ اگر باپ نے بیٹے کو ذبح کرکے مار ڈالا ہے تو اس صورت میں باپ کو بطور قصاص قتل کیا جاسکتا ہے اور اگر اس نے بیٹے کو تلوار سے ختم کیا ہے تو پھر اس سے قصاص نہ لیا جائے! یہ ملحوظ رہے کہ اس بارہ میں ماں کا حکم بھی وہی ہے جو باپ کا ہے، نیز دادا دادی، اور نانی بھی ماں اور باپ کے حکم میں ہیں۔

باپ بیٹے ایک دوسرے کے جرم میں قابل مواخذہ نہیں

(۲۲) وَعَنْ اَبِی رِمْثَۃَ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَعَ اَبِی فَقَالَ مَنْ ھٰذَا الَّذِیْ مَعَکَ قَالَ ابْنِی اشْھَدْ بِہٖ قَالَ اَمَا اِنَّہٗ لَا یَجْنِیْ عَلَیْکَ وَلَا تَجْنِیْ عَلَیْہِ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَزَادَ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ فِیْ اَوَّلِہٖ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَرَاٰی اَبِی الَّذِیْ بِظَھْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعْنِیْ اُعَالِجُ الَّذِیْ بِظَھْرِکَ فَاِنِّیْ طَبِیْبٌ فَقَالَ اَنْتَ رَفِیْقٌ وَاللّٰہُ الطَّبِیْبُ۔

"اور حضرت ابورمثہؓ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ والد نے کہا کہ "یہ میرا بیٹا ہے، آپ گواہ رہئے آپ ﷺ نے فرمایا "تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ نہ تو یہ تمہیں اپنے گناہ کی وجہ سے مبتلا کرے گا اور نہ تم اس کو اپنے گناہ کی وجہ سے مبتلا کرو گے۔ (ابوداؤد، نسائی) اور صاحب مصابیح نے شرح السنۃ میں اس روایت کے شروع میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "ابورمثہؓ نے کہا کہ جب میں اپنے والد کے ہمراہ رسول کریم ﷺ کی پشتِ مبارک پر مہر نبوت دیکھی تو وہ اس کی حقیقت نہ سمجھ سکے اور کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کی پشت پر جو چیز ہے میں اس کا علاج کروں کیونکہ میں طبیب ہوں۔ رسول کریم نے فرمایا "تم (تو بس) رفیق ہو، طبیب (تو) اللہ ہے"۔

تشریح: "آپ گواہ رہئے" کا مطلب یہ ہے کہ "کہ آپ اس بات کے گواہ رہئے کہ یہ میرا صلبی بیٹا ہے" اور اس گواہ بنانے سے مقصود یہ تھا کہ اگر مجھ سے کوئی جرم جیسے قتل وغیرہ سرزد ہو جائے "تو میرے اس بیٹے سے مواخذہ کیا جائے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ باپ بیٹے ایک دوسرے کے جرم میں قابل مواخذہ ہوتے تھے لیکن رسول کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد نہ تمہیں یہ اپنے گناہ کی وجہ سے

مبتلا کرے گا الخ کے ذریعہ ابورمثہؓ کے والد پر یہ واضح کردیا کہ اگر تمہارے بیٹے نے کوئی جرم کیا تو اس کی وجہ سے تمہیں نہیں پکڑا جائے گا اور نہ اس کے گناہ کی وجہ سے آخرت میں تم سے پرستش ہوگی، اسی طرح اگر تم سے کوئی جرم وگناہ سرزد ہوجائے تو دنیا و آخرت میں تمہارے بیٹے سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، یہ صرف زمانہ جاہلیت کا رواج تھا کہ باپ بیٹے ایک دوسرے کے گناہ کی وجہ سے پکڑے جاتے تھے، یہ ایک غیر منصفانہ طرزعمل تھا جو اب ختم کردیا گیا ہے۔

"کیونکہ میں طبیب ہوں" اس جملہ کے ذریعہ ابورمثہؓ کے والد نے گویا طب و دانائی کا دعویٰ کیا، ان کی یہ بات جس سے ان کی ناسمجھی اور بے ادبی مترشح تھی، آنحضرت ﷺ کو سخت ناپسند ہوئی، چنانچہ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم تو بس رفیق ہو، بایں معنی کہ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ جب تم کسی مریض کو دیکھو تو اس کی ظاہری حالت کو دیکھ کر کوئی نسخہ اور دوا تجویز کردو، اس کے علاج کے دوران اس کے ساتھ نرمی و مہربانی کی خو اختیار کرو اور جو چیز بظاہر اس کے لئے نقصان دہ ہوتی ہو اس سے اس کو دور رکھنے کی کوشش کرو، اس کے علاوہ اور تمہارے بس میں کیا ہے؟ کیا شفا تمہارے ہاتھ میں ہے؟ کیا مرض کی حقیقت تک تمہارے علم وفن کی رسائی ہوجاتی ہے؟ ہرگز نہیں طبیب تو خدا ہے کیونکہ مرض کی حقیقت بھی وہی جانتا ہے، اور دوا کی حقیقت بھی اسی کے علم میں ہے اور شفا بھی صرف اسی ذات پاک کے ہاتھ میں ہے۔ جو بقا کے ساتھ موصوف ہے، اسی ذات پاک کے علاوہ کوئی بڑی سے بڑی طاقت شفا نہیں دے سکتی۔

بیٹے سے باپ کا قصاص لیا جائے

(۲۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقِيْدُ الْاَبَ مِنِ ابْنِهٖ وَلَا يُقِيْدُ الْاِبْنَ مِنْ اَبِيْهِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهٗ۔

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے، وہ اپنے دادا سے، اور وہ حضرت سراقہؓ ابن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ بیٹے سے باپ کا قصاص لیتے تھے لیکن باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیتے تھے۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔"

تشریح: یعنی اگر بیٹا اپنے باپ کو مار ڈالتا ہے تو باپ کے قصاص میں بیٹے کو قتل کردیا جاتا ہے لیکن اگر باپ اپنے بیٹے کو مار ڈالتا ہے تو باپ کو بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس سے خون بہا (خون کا مالی معاوضہ) لیا جاتا تھا۔

غلام کے قصاص میں آزاد کو قتل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲۴) وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ عَبْدَهٗ قَتَلْنَاهُ وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهٗ جَدَعْنَاهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَزَادَ النَّسَائِيُّ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى وَمَنْ خَصٰى عَبْدَهٗ خَصَيْنَاهُ۔

"اور حضرت حسن بصریؒ (تابعی) حضرت سمرہؓ (صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اس کو قتل کردیں گے اور جو شخص (اپنے غلام کے) اعضاء کاٹے گا، ہم اس کے اعضاء کاٹ دیں گے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) اور نسائی نے ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ کہ جو شخص اپنے غلام کو خصی کرے گا ہم اس کو خصی کردیں گے۔"

تشریح: جو شخص اپنے غلام کو قتل کردے گا ہم اس کو قتل کردیں گے۔ یہ آپ ﷺ نے بطور زجر و تشدید اور تنبیہ فرمایا کہ لوگ اپنے غلاموں کو مار ڈالنے سے باز رہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک شخص نے سخت ترین ممانعت تنبیہ کے باوجود بھی جب چوتھی یا پانچویں بار شراب پی لی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو قتل کردو، لیکن جب وہ آپ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے اس کو قتل نہیں کیا۔ بعض

حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں غلام سے مراد وہ شخص ہے جو غلام بھی رہا ہو، اور پھر آزاد کر دیا گیا ہو، اگرچہ ایسے شخص کو غلام نہیں کہا جاتا لیکن اس کے سابق حال کے اعتبار سے اس کو یہاں غلام تعبیر کیا گیا۔

اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس آیت کریمہ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ الخ کے ذریعہ منسوخ ہے! اس بارہ میں جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے غلام کو قتل کر دے تو اس کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جاسکتا ہے لیکن اگر اس نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو اس غلام کے بدلے میں اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام اعظمؒ کے سوا تینوں ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ آیت کریمہ الحر بالحر الخ کے بموجب کسی آزاد شخص کو نہ تو اپنے غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے اور نہ کسی دوسرے کے بدلے میں۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ کا قول یہ ہے کہ مقتول غلام کے بدلے میں قاتل آزاد کو قتل کیا جائے خواہ وہ مقتول اس کا اپنا غلام ہو یا کسی دوسرے کا۔

"اور جو شخص اعضاء کاٹے گا الخ" شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ "تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی آزاد کسی غلام کے اعضاء جسم کاٹ ڈالے تو اس کے بدلے میں اس آزاد کے اعضاء جسم نہ کاٹے جائیں" علماء کے اس اتفاق سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی "ہم اس کے اعضاء کاٹ دیں گے" یا تو زجر و تنبیہ پر محمول ہے یا منسوخ ہے۔

قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے

(۲۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ مُتَعَمِّدًا دُفِعَ اِلٰى اَوْلِيَاءِ الْمَقْتُوْلِ فَاِنْ شَاءُوْا قَتَلُوْا وَاِنْ شَاءُوْا اَخَذُوا الدِّيَةَ وَهِيَ ثَلَاثُوْنَ حِقَّةً وَثَلَاثُوْنَ جَذَعَةً وَاَرْبَعُوْنَ خَلِفَةً وَمَا صَالَحُوْا عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُمْ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص قتل عمد کا ارتکاب کرے اس کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے چاہے وہ اس کو (مقتول کے بدلے میں) قتل کر دیں اور چاہے اس سے دیت یعنی خون بہا لے لیں، اور خون بہا (کی مقدار و تعداد) یہ ہے کہ تیس اونٹنیاں وہ ہوں جو (تین برس کی ہو کر) چوتھے برس میں لگی ہوں اور تیس اونٹنیاں وہ ہوں جو پانچویں برس میں لگی ہوں اور چالیس اونٹنیاں حاملہ ہوں (اس کے علاوہ) اور جس چیز پر صلح ہو جائے تو وہ اس کے حق دار ہوں گے (یعنی دیت جو مقتول کے ورثاء کا حق ہے اس کی اصل مقدار و تعداد تو یہ ہے ہاں اگر ورثاء اس سے کم پر راضی ہو جائیں تو قاتل پر وہی واجب ہوگا۔"

تشریح: دیت یعنی خون بہا کے بارہ میں حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ (دیت میں جو سو اونٹ مشروع ہیں وہ اس طرح کے ہونے چاہئیں پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون پچیس حقہ اور پچیس جزعہ! ان کی دلیل حضرت سائبؓ ابن یزید کی یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (خون بہا میں) چار طرح کے اونٹ دینے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ حدیث ثابت ہوتی تو صحابہؓ اختلاف کرنے کی بجائے متفقہ طور سے اسی حدیث پر عمل کرتے۔

قصاص و دیت کے بارہ میں سب مسلمان برابر ہیں

(۲۶) وَعَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاءُهُمْ وَيَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ وَيَرُدُّ عَلَيْهِمْ اَقْصَاهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ اَلَا لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُوْ عَهْدٍ فِيْ عَهْدِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا قصاص اور دیت میں سب مسلمان برابر ہیں اور ایک ادنی مسلمان بھی امان دے سکتا ہے اور دور والا مسلمان بھی حق رکھتا ہے اور سب مسلمان ایک ہاتھ کی طرح ہوتے ہیں (یعنی تمام مسلمان غیر مسلموں کے مقابلہ میں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہونے میں ایک ہاتھ کی مانند ہوتے ہیں کہ جس طرح کسی چیز کو پکڑنے یا سکون وحرکت کے موقع پر ایک ہاتھ کے تمام اجزاء میں کوئی مخالفت یا جدائی نہیں ہوتی اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ غیروں کے مقابلے پر متحد و متفق رہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں) اور خبردار! کافر کے بدلے میں مسلمان نہ مارا جائے اور نہ عہد والے (یعنی ذمی) کو مارا جائے جب تک کہ وہ عہد وضمان میں ہے۔ ابوداؤد، نسائی) اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کو ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: "سب مسلمان برابر ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ قصاص اور خون بہا کے لینے دینے میں سب مسلمان برابر ہیں اور یکساں ہیں شریف اور رزیل میں، چھوٹے اور بڑے میں، عالم اور جاہل میں، امیر اور غریب میں اور مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے، یہ نہیں ہے کہ بڑے درجہ والے کو چھوٹے درجہ والا کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے، یا بڑی ذات والے کے خون بہا کی مقدار پوری دی جائے اور چھوٹی ذات والے کے خون بہا کی مقدار کم دی جائے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ اگر کوئی باحیثیت آدمی کسی کم حیثیت والے کو قتل کر دیتا تھا وہ تو قصاص میں اس کو قتل نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے عوض میں اس کے قبیلے کے ان چند آدمیوں کو قتل کر دیا جاتا تھا جو زیر دست ہوتے تھے۔

"اور ایک ادنی مسلمان بھی امان دے سکتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں کا کوئی ادنی ترین فرد جیسے غلام یا عورت کسی کافر کو امان دے دے تو سب مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کافر کو امان دیں اور اس کے جان و مال کی حفاظت کا جو عہد اس مسلمان کی طرف سے کیا گیا ہے اس کو نہ توڑیں۔

"اور دور والا مسلمان بھی حق رکھتا ہے" اس جملہ کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ ہے کہ اگر کسی ایسے مسلمان نے جو دار الحرب سے دور رہا ہے کسی کافر کو امان دے رکھی ہے تو ان مسلمانوں کے لئے جو دار الحرب کے قریب ہیں یہ جائز نہیں ہے کہ اس مسلمان کے عہد امان کو توڑ دیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب مسلمانوں کا لشکر دار الحرب میں داخل ہو جائے، اور مسلمانوں کا امیر لشکر کے ایک دستہ کو کسی دوسری سمت بھیج دے اور پھر وہ دستہ مال غنیمت لے کر واپس آئے تو وہ مال غنیمت صرف اسی دستہ کا حق نہیں ہوگا، بلکہ وہ سارے لشکر والوں کو تقسیم کیا جائے گا۔

"جب تک کہ وہ عہد وضمان میں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جو کافر جزیہ (ٹیکس) ادا کر کے اسلامی سلطنت کا وفادار شہری بن گیا ہے اور اسلامی سلطنت نے اس کے جان و مال کی حفاظت کا عہد وضمان کر لیا ہے تو جب تک وہ ذمی ہے اور اپنے ذمی ہونے کے منافی کوئی کام نہیں کرتا اس کو مسلمان قتل نہ کرے بلکہ اس کی حفاظت کو ذمہ داری سمجھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی قانون حکومت کی نظر میں ایک ذمی کے خون کی بھی وہی قیمت ہے جو ایک مسلمان کے خون کی ہے لہٰذا اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو ناحق قتل کر دے تو اس کے قصاص میں اس کے قاتل مسلمان کو قتل کر دینا چاہئے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

اس نکتہ سے حدیث کے اس جملہ "کافر کے بدلے میں مسلمان کو نہ مارا جائے" کا مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ یہاں "کافر" سے مراد حربی کافر ہے نہ کہ ذمی! حاصل یہ کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک کسی مسلمان کو حربی کافر کے قصاص میں تو قتل نہ کیا جائے لیکن ذمی کے قصاص میں قتل کیا جائے اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک کسی مسلمان کو کسی بھی کافر کے قصاص میں قتل نہ کیا جائے خواہ وہ کافر حربی ہو یا ذمی۔

مقتول یا زخم خوردہ کے ورثاء کا حق

(۲۷) وَعَنْ اَبِی شُرَیْحِ الْخُزَاعِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ اُصِیْبَ بِدَمٍ اَوْ خَبْلٍ وَالْخَبْلُ الْجُرْحُ فَھُوَ بِالْخِیَارِ بَیْنَ اِحْدٰی ثَلَاثٍ فَاِنْ اَرَادَ الرَّابِعَۃَ فَخُذُوْا عَلٰی یَدَیْہِ بَیْنَ اَنْ یَقْتَصَّ اَوْیَعْفُوَا اَوْ یَاخُذَ الْعَقْلَ فَاِنْ اَخَذَ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا ثُمَّ عَدَا بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہُ النَّارُ خَالِدًا فِیْھَا مُخَلَّدًا اَبَدًا۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت ابوشریح خزاعیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص قتل ناحق یا زخم کی وجہ سے غم زدہ ہو (یعنی جس شخص کے مورث کو ناحق قتل کر دیا گیا ہو، یا اس کے جسم کا کوئی عضو کاٹ دیا گیا ہو) تو وہ تین چیزوں میں کسی ایک چیز کو اختیار کرنے کا حقدار ہے اور اگر وہ (ان تینوں چیزوں سے زائد) کسی چوتھی چیز کا طلب گار ہو تو اس کا ہاتھ پکڑ لو (یعنی اس کو وہ چوتھی چیز طلب کرنے سے منع کر دو) اور وہ تین چیزیں یہ ہیں۔ ① یا تو وہ قصاص لے لے۔ ② یا معاف کر دے۔ ③ اور یا مالی معاوضہ لے لے۔ پھر اگر اس نے ان چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کیا اور اس کے بعد کسی دوسری چیز کا اضافہ کیا (یعنی مثلاً پہلے تو اس نے معاف کر دیا اور پھر بعد میں قصاص یا مالی معاوضہ کا مطالبہ کیا) تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس میں اس کو ہمیشہ رکھا جائے گا کبھی اس سے نہیں نکلے گا۔" (دارمی)

تشریح: خَالِدًا فِیْھَا مُخَلَّدًا اس جملہ میں "تاکید کے بعد تاکید" کا اسلوب سخت زجر و تنبیہ اور شدید وعید کے اظہار کے لئے ہے، دوزخ میں ہمیشہ رہنے کے بارہ میں جو وضاحت پہلی فصل میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت نمبر سات کے ضمن میں کی جا چکی ہے وہی وضاحت یہاں بھی پیش نظر رہنی چاہئے۔

قتل خطاء کا حکم

(۲۸) وَعَنْ طَاؤُوْسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ فِیْ عِمِّیَّۃٍ فِیْ رَمْیٍ یَکُوْنُ بَیْنَھُمْ بِالْحِجَارَۃِ اَوْ جَلْدٍ بِالسِّیَاطِ اَوْ ضَرْبٍ بِعَصًا فَھُوَ خَطَاءٌ وَعَقْلُہُ عَقْلُ الْخَطَاءِ وَمَنْ قَتَلَ عَمْدًا فَھُوَ قَوَدٌ وَمَنْ حَالَ دُوْنَہُ فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ غَضَبُہُ لَا یُقْبَلُ مِنْہُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت طاوسؒ ابن عباسؓ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص لوگوں کے درمیان پتھراؤ میں یا کوڑوں اور لاٹھیوں کی اندھادھند مار میں مارا جائے، (یعنی یہ نہ پتہ چلے) کہ اس کا قاتل کون ہے) تو یہ قتل (گناہ نہ ہونے کے اعتبار سے) قتل خطاء کے حکم میں ہو گا (کیونکہ وہ بلا قصد قتل مارا گیا ہے) اور اس کی دیت، قتل خطا کی دیت ہے، اور جو شخص جان بوجھ کر مارا گیا تو اس کا قتل، قصاص کو واجب کرے گا اور جو شخص قصاص لینے میں حائل (مزاحم) ہو اس پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہے۔ نہ اس کے نفل قبول کئے جائیں گے اور نہ فرض۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: "لوگوں کے درمیان پتھراؤ الخ" کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً زید کسی ایسی جگہ گھر گیا جہاں دو مخالف گروہ آپس میں لڑ رہے تھے۔ اور دونوں طرف سے ایک دوسرے پر پتھراؤ ہو رہا تھا کہ اچانک ایک پتھر اس (زید) کے آ کر لگا۔ اور وہ مر گیا۔ گویا اگر کوئی شخص پتھر کی ضرب سے مر جائے بلکہ یوں کہیے کہ یہاں "پتھر" کا ذکر محض اتفاقی ہے مراد یہ ہے کہ کسی بھی مثقل (بھاری) چیز کی ضرب سے مر جائے تو یہ قتل قصاص کو واجب نہیں کرتا بلکہ اس میں دیت واجب ہوتی ہے اور دیت بھی وہ جو قتل خطاء میں واجب ہوتی ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس قتل کو "شبہ عمد" کہتے ہیں، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک شبہ عمد کی تعریف یہ ہے کہ "وہ قتل جو کسی غیر دھاردار چیز سے واقع ہوا ہو اگرچہ وہ کوئی ایسی چیز نہ ہو جس سے اکثر ہلاکت واقع ہو جاتی ہو" لیکن صاحبینؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک شبہ عمد کی

تعریف یہ ہے کہ وہ قتل جو بارادہ قتل کسی ایسی چیز سے ہوا ہو جس سے اکثر ہلاکت واقع نہ ہوتی ہو اور جو قتل کسی ایسی چیز سے ہوا جس سے اکثر ہلاکت واقع ہو جاتی ہو قتل عمد میں داخل ہوگا، لہٰذا احادیث میں مذکورہ چیزیں یعنی پتھر اور لاٹھی، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو اپنے مطلق معنی پر محمول ہیں کہ خواہ وہ ہلکی ہوں یا بھاری، جب کہ صاحبین اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ چیزیں "ہلکی (غیر مثقل) ہونے پر محمول ہیں، گویا خلاصہ یہ نکلا کہ جو قتل مثقل (بھاری) چیز کے ذریعہ ہوا اس میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک قصاص واجب نہیں ہوگا اور صاحبینؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مذکورہ بالا تفصیل کا اعتبار کیا جائے گا۔

"جو شخص قصاص لینے میں حائل ہو الخ" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مقتول کے وارثوں سے قصاص نہ لینے دے تو اس کے بارے میں بطور زجر تشدید اور تہدید وعید یہ فرمایا گیا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب نازل ہوگا یعنی وہ خدا کی ناراضگی کا موجب بنے گا۔

قتل کی قسمیں: فقہاء کے نزدیک قتل کی پانچ قسمیں ہیں۔ ① قتل عمد۔ ② قتل شبہ عمد۔ ③ قتل خطاء۔ ④ قتل جاری مجری خطاء۔ ⑤ قتل بسبب۔ ① قتل عمد یہ ہے کہ مقتول کو کسی چیز سے مارا جائے جو اعضاء کو جدا کر دے (یا اجزاء جسم کو پھاڑ ڈالے) خواہ وہ ہتھیار کی قسم سے ہو یا پتھر، لکڑی، کھپاچ کی قسم سے کوئی تیز (دھار دار) چیز ہو اور مادہ آگ کا شعلہ ہو، صاحبینؒ کے نزدیک قتل عمد کی تعریف یہ ہے کہ "مقتول کو بارادہ قتل کسی بھی ایسی چیز سے مارا جائے جس سے عام طور پر انسان کو ہلاک کیا جاسکتا ہے"۔ قتل عمد کا مرتکب سخت گناہ گار ہوتا ہے اور اس قتل کی سزا قصاص (یعنی مقتول کے بدلے میں قاتل کو قتل کر دینا) ہے الایہ کہ مقتول کے ورثاء اس کو معاف کر دیں یا دیت (مالی معاوضہ) لینے پر راضی ہو جائیں، اس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

② قتل شبہ عمد۔ یہ ہے کہ مقتول کو مذکورہ بالا چیزوں (ہتھیار اور دھار دار چیز وغیرہ) کے علاوہ کسی اور چیز سے قصداً ضرب پہنچائی گئی ہو قتل کی یہ صورت بھی (باعتبار ترک عزیمت اور عدم احتیاط) گنہ گار کرتی ہے، لیکن اس میں قصاص کی بجائے قاتل کے عاقلہ (برادری کے لوگوں) پر دیت مغلظہ واجب ہوتی ہے (دیت مغلظہ چار طرح کے سو اونٹوں کو کہتے ہیں، لیکن اگر ہلاکت واقع نہ ہو تو قصاص واجب ہوتا ہے یعنی اس کی وجہ سے مرنے کی بجائے مضروب کا کوئی عضو کٹ گیا ہو تو مارنے والے کا بھی وہی عضو کاٹا جائے گا۔ ③ قتل خطاء کی دو قسمیں ہیں، ایک تو یہ کہ "خطاء" کا تعلق "قصد" سے ہو، مثلاً ایک چیز کا شکار گمان کر کے تیر یا گولی کا نشان بنایا گیا مگر وہ آدمی نکلا، یا کسی شخص کو حربی کافر سمجھ کر تیر یا گولی کا نشانہ بنایا مگر وہ مسلمان نکلا۔ دوسرے یہ کہ "خطا" کا تعلق "فعل سے ہو مثلاً کسی خاص نشانہ پر تیر یا گولی چلائی گئی مگر وہ تیر یا گولی بہک کر کسی آدمی کے جا لگی"۔

④ قتل جاری مجریٰ خطاء کی صورت یہ ہے مثلاً ایک شخص سوتے میں کسی دوسرے شخص پر جا پڑا اور اس کو ہلاک کر ڈالا! قتل خطاء اور جاری مجریٰ خطاء میں کفارہ لازم آتا ہے اور عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے، نیز ان صورتوں میں (باعتبار ترک عزیمت) گناہ بھی ہوتا ہے۔

⑤ قتل بسبب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے دوسرے شخص کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کنواں کھدایا کوئی پتھر رکھ دیا اور کوئی تیسرا شخص اس کنویں میں گر کر یا اس پتھر سے ٹھوکر کھا کر مر گیا۔ اس صورت میں عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے کفارہ لازم نہیں آتا۔ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ قتل کی پہلی چار قسمیں یعنی عمد، شبہ عمد، اور جاری مجریٰ خطاء میں قاتل، مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے (اور وہ صورت کہ مقتول، قاتل کا مورث ہو) اور پانچویں قسم یعنی "قتل بسبب" میں قاتل، مقتول کی میراث سے محروم نہیں ہوتا۔

قاتل سے دیت لینے کے بعد پھر اس کو قتل کر دینا ناقابل معافی جرم ہے

(۲۹) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أُعْفِي مَنْ قَتَلَ بَعْدَ أَخْذِ الدِّيَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "(مقتول کے ولی اور وارثوں میں سے) جو شخص (قاتل سے) دیت (خون بہا) لینے

کے بعد اس کو قتل کرے گا میں اس کو معاف نہیں کروں گا (بلکہ اس کو بھی بطور قصاص قتل کرادوں گا۔" (ابوداؤد)

زخمی کر دینے والے کو معاف کرنے کا اجر

(۳۰) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَامِنْ رَجُلٍ یُصَابُ بِشَیْءٍ فِیْ جَسَدِہٖ فَتَصَدَّقَ بِہٖ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ بِہٖ دَرَجَۃً وَحَطَّ عَنْہُ خَطِیْئَۃً۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جس شخص کے بدن کے کسی حصہ کو زخمی کیا گیا اور اس نے زخمی کرنے والے کو معاف کر دیا (یعنی اس سے کوئی بدلہ نہیں لیا بلکہ درگزر کیا اور تقدیر الٰہی پر صابر رہا) تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کرے گا اور اس کا ایک گناہ معاف کر دے گا۔" (ترمذی، ابن ماجہ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

ایک آدمی کو کئی آدمی مل کر قتل کریں تو سب ہی قصاص کے سزاوار ہوں گے

(۳۱) عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَتَلَ نَفَرًا خَمْسَۃً اَوْ سَبْعَۃً بِرَجُلٍ وَاحِدٍ قَتَلُوْہُ قَتْلَ غِیْلَۃٍ وَقَالَ عُمَرُ لَوْ تَمَالَاَ عَلَیْہِ اَھْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُھُمْ جَمِیْعًا۔ رَوَاہُ مَالِکٌ وَرَوَی الْبُخَارِیُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوَہٗ۔

"اور حضرت سعید ابن مسیبؒ راوی ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ (خلیفۃ المسلمین) نے ایسے پانچ یا سات آدمیوں کی ایک جماعت کو قتل کیا جنہوں نے فریب اور دھوکے سے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ نیز حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "اگر صنعاء والے سب اس شخص کو قتل کر دیتے یا قاتلوں کی مدد کرتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔ (مالکؒ) امام بخاریؒ نے بھی حضرت ابن عمرؓ سے اسی کے مانند نقل کیا ہے۔"

تشریح: "صنعاء" یمن کا ایک مشہور شہر ہے جو آج کل اپنے ملک کا دارالحکومت بھی ہے، حضرت عمرؓ نے "صنعا" کا ذکر کیا تو اس لئے کیا کہ جن قاتلوں کو انہوں نے قتل کیا تھا قصاص میں، وہ سب ہی صنعا کے ہی رہنے والے تھے، یا یہ کہ اہل عرب کے ہاں کسی چیز کی زیادتی اور کثرت کو ظاہر کرنے کے لئے اپنے کلام میں "صنعا" مثل کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اگر ایک شخص کو قتل کرنے میں کئی آدمی شریک ہوں تو قصاص میں ان سب کو قتل کر دینا چاہئے۔

قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو پکڑ کر خدا سے فریاد کرے گا

(۳۲) وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَجِیْءُ الْمَقْتُوْلُ بِقَاتِلِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَیَقُوْلُ سَلْ ھٰذَا فِیْمَ قَتَلَنِیْ فَیَقُوْلُ قَتَلْتُہٗ عَلٰی مُلْکِ فُلَانٍ قَالَ جُنْدُبٌ فَاتَّقِھَا۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت جندبؓ کہتے ہیں کہ مجھے فلاں صحابی نے (کہ جن کا نام یا تو حضرت جندب ہی نے چھپایا یا انہوں نے نام لیا لیکن راوی کے ذہن میں وہ نام نہیں رہا) یہ حدیث بیان کی کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو (پکڑ کر) لائے گا اور (اللہ تعالیٰ سے) فریاد کرے گا کہ "اس سے پوچھئے کہ اس نے مجھ کو کس وجہ سے قتل کیا تھا؟ چنانچہ قاتل کہے گا کہ میں نے اس کو فلاں شخص کی سلطنت میں قتل کیا تھا" جندب نے (یہ حدیث بیان کرنے کے بعد) کہا کہ "تم اس سے بچو"۔" (نسائی)

تشریح: بظاہر مقتول کے سوال اور قاتل کے جواب میں کوئی مطابقت نظر نہیں آتی، کیونکہ مقتول نے تو قتل کا سبب پوچھا تھا نہ کہ قتل کی جگہ کو دریافت کیا تھا؟ اس بارہ میں شارحین لکھتے ہیں کہ قاتل کے جملہ "میں نے اس کو فلاں شخص کی سلطنت میں قتل کیا تھا" کی مراد یہ ہے کہ میں فلاں حاکم یا فلاں بادشاہ یا فلاں دنیادار کے زمانہ میں اس کی مدد سے یا اس کے ایماء پر اس قتل کا ارتکاب کیا تھا۔ "لیکن یہ معنی

اس صورت میں ہوں گے جب کہ روایت میں لفظ "ملک" میم کے پیش کے ساتھ (یعنی ملک) ہو اور اگر یہ لفظ میم کے زیر کے ساتھ (یعنی ملک) ہے تو پھر یہ معنی مراد ہوں گے کہ میں نے اس کو جھگڑے کے دوران قتل کیا تھا جو میرے اور اس کے درمیان فلاں شخص (مثلاً زید کی عملداری میں ہوا تھا" اس اعتبار سے قاتل کا مذکورہ جملہ بیان واقعہ کے لئے ہوگا۔

جندبؓ کے قول "تم اس سے بچو" سے مراد مخاطب کو قتل اور قتل میں مدد دینے سے نیز جھگڑا فساد کرنے سے جو عام طور پر قتل کا باعث ہوتا ہے، روکنا ہے، طیبیؒ کہتے ہیں کہ حضرت جندبؓ نے ایک بادشاہ کو نصیحت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی تھی اور مذکورہ جملہ کا مخاطب وہی بادشاہ تھا، اس سے حضرت جندبؓ کا مقصود یہ تھا کہ بادشاہ کسی ظالم کی مدد نہ کرے۔

قاتل کی مدد کرنے والے کے بارہ میں وعید

(۳۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعَانَ عَلٰی قَتْلِ مُؤْمِنٍ شَطْرَ کَلِمَةٍ لَقِیَ اللّٰهَ مَکْتُوْبٌ بَیْنَ عَیْنَیْهِ اٰیِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ۔ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص آدھا جملہ کہہ کر بھی کسی مؤمن کے قتل میں مدد کرے گا (یعنی مثلاً اقتل پورا نہیں کہا بلکہ صرف اق کہا) تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان یہ لکھا ہوگا" یہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے"۔" (ابن ماجہ)

تشریح: مسلمان کو قتل کرنا گناہ کی شدت و سختی میں کفر کے مشابہ ہے، اس اعتبار سے یہ جملہ "یہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے" گویا کفر کا کنایۃً پیرایۂ اظہار ہے کیونکہ آیت کریمہ: لَایَیْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ ترجمہ۔ اللہ کی رحمت سے کافروں کی قوم ہی ناامید ہوتی ہے۔ کے بموجب اللہ کی رحمت سے ناامیدی صرف کافر کے لئے ہے۔

اس جملہ کا ماحصل یہ ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن مذکورہ علامت کے ذریعہ خلائق کے درمیان رسوا ہوگا۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ حدیث کا مفہوم یا تو ایسے شخص کے بارہ میں سخت وعید و تہدید پر محمول ہے، یا پھر اس کا محمول وہ شخص ہے جو قتل مؤمن میں معاونت کو حلال جان کر اس کا مرتکب ہو۔

قاتل کے مددگار کو تعزیراً قید کیا جائے

(۳۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَمْسَکَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ وَقَتَلَهُ الْاٰخَرُ یُقْتَلُ الَّذِیْ قَتَلَ وَیُحْبَسُ الَّذِیْ اَمْسَکَ۔ (رواہ الدار قطنی)

"اور حضرت ابن عمرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "جب ایک شخص کسی آدمی کو پکڑے اور دوسرا اس کو قتل کر دے تو (مقتول کے بدلہ میں) اس شخص کو قتل کیا جائے جس نے اس کو قتل کیا ہے اور پکڑنے والے کو سزائے قید دی جائے۔" (دارقطنی)

تشریح: جس طرح کسی عورت کو ایک شخص پکڑے اور دوسرا شخص اس سے زنا کرے تو پکڑنے والے پر حد جاری نہیں کی جاتی اسی طرح مقتول کو پکڑنے والے سے بھی قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کو بطریق تعزیر قید کیا جائے گا اور قید کی مدت کا انحصار حاکم و قاضی کی رائے پر ہوگا کہ وہ جتنی مدت کے لئے مناسب سمجھے سزائے قید دے۔ یہ بعض شارحین کی تصریح ہے، لیکن یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ مقتول کو پکڑنا در اصل اس کے قتل میں معاونت کرنا ہے اور دوسری احادیث کی روشنی میں قتل کے مددگار کی سزا بھی قصاص ہی ہے، اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

شمنیؒ نے ملتقی میں مذکورہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو شیر یا کسی اور درندے کے سامنے ڈال دے اور وہ شیر یا درندہ اس شخص

کو مار ڈالے تو اس صورت میں ڈالنے والے پر قصاص واجب ہوگا اور نہ دیت بلکہ اس کے لئے یہ سزا ہے کہ جب تک وہ توبہ نہ کرے اس کو قید میں ڈالا جائے اور اس طرح مارا جائے کہ اس کا جسم درد کرنے لگے۔

بَابُ الدِّيات

دیات کا بیان

دیت کے معنی اور اس کی قسمیں: "دیات" جمع ہے دیت کی جس کے معنی ہیں "مالی معاوضہ" گویا "دیت" اس مال کو کہتے ہیں جو جان کو ختم کرنے یا کسی شخص کے جسمانی اعضاء کو ناقص (مجروح) کرنے کے بدلہ میں دیا جاتا ہے! عنوان میں جمع کا لفظ "دیات" دیت کی انواع (قسموں) کے اعتبار سے لایا گیا ہے اس سے یہ اظہار مقصود ہے کہ دیت کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً ایک دیت تو وہ ہوتی ہے جو کسی کو جان سے مار ڈالنے کے بدلہ میں دی جاتی ہے اور ایک دیت وہ ہوتی ہے جو اعضاء کے نقصان کے بدلے میں دی جاتی ہے۔ پھر نوعیت و حیثیت کے اعتبار سے بھی دیت دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو مغلظ کہلاتی ہے اور دوسری کو مخففہ کہتے ہیں۔

دیت مغلظ تو یہ ہے کہ چار طرح کی سو اونٹنیاں ہوں یعنی پچیس بنت مخاض (جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں لگی ہو) پچیس بنت لبون (جو دو سال میں لگی ہوں) پچیس حقہ (جو تین سال کی ہو کر چوتھے سال میں لگی ہوں) اور پچیس جذعہ (جو چار سال کی ہو کر پانچویں سال میں لگی ہوں) یہ تفصیل حضرت امام اعظم ابوحنیفہ" اور حضرت امام ابویوسف" کے مسلک کے مطابق ہے، حضرت امام شافعی" اور حضرت امام محمد" کے نزدیک دیت مغلظہ یہ ہے کہ تین طرح کی سو اونٹنیاں ہوں یعنی تیس حقہ، تیس جذعہ اور چالیس مثنہ (جو پانچ سال کی ہو کر چھٹے سال میں لگی ہوں) اور سب حاملہ ہوں۔ دیت مغلظہ اس شخص پر واجب ہوتی ہے جو قتل شبہ عمد کا مرتکب پایا گیا ہو۔

دیت مخففہ یہ ہے کہ اگر سونے کی قسم سے دیت دی جائے تو اس کی مقدار ایک ہزار دینار (اشرفی) ہے اور اگر چاندی کی قسم سے دی جائے تو دس ہزار درہم دیئے جائیں گے اور اگر اونٹ کی قسم سے دے تو پانچ طرح کے سو اونٹ دینے ہوں گے یعنی بیس ابن مخاض (وہ اونٹ جو ایک سال کے ہو کر دوسرے سال میں لگے ہوں) بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون، بیس حقہ اور بیس جذعہ دیت مخففہ اس شخص پر واجب ہوتی ہے جو قتل خطاء، یا قتل جاری مجریٰ خطا اور یا قتل تسبیب کا مرتکب پایا گیا ہو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

انگلی کاٹنے کی دیت

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ سَوَاءٌ يَعْنِي الْخِنْصَرَ وَالْاِبْهَامَ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت ابن عباس" نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "یہ اور یہ یعنی (آپ ﷺ نے سب سے چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ) چھنگلیا اور انگوٹھا (دیت کے اعتبار سے) دونوں برابر ہیں۔" (بخاری)

تشریح: اگر کوئی شخص کسی کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کی تمام انگلیاں کاٹ دے تو چونکہ اس نے ایک انسان کو اس کی منفعت کے ایک بہت بڑے ذریعہ سے محروم کر دیا اس لئے اس پر (بطور سزا) پوری دیت واجب ہوگی اس اعتبار سے ہر انگلی کاٹنے پر پوری دیت (یعنی سو اونٹ) کا دسواں حصہ دینا واجب ہوگا، اسی کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ انگوٹھے اور چھنگلیا کی دیت برابر ہے اگرچہ انگوٹھے میں دو گانٹھ اور چھنگلیا میں تین گانٹھ ہوتی ہیں لیکن اصل منفعت میں دونوں انگلیوں کے مساوی ہونے کے اعتبار سے گانٹھ کی کمی زیادتی کا اعتبار نہیں ہوگا جس طرح کہ دائیں اور بائیں میں فرق نہیں ہوتا اور جب ہر انگلی میں پوری دیت کا دسواں حصہ واجب ہوگا تو انگلی کی ہر گانٹھ کی دیت

میں اسی حساب کا اعتبار ہوگا کہ انگلی کی دیت میں دسویں حصہ کا تہائی دینا ہوگا اور انگوٹھے کی ہر ایک گانٹھ کی دیت میں دسویں حصہ کا آدھا دینا ہوگا کیونکہ انگوٹھے میں دو گانٹھ ہوتی ہیں اور انگلیوں میں تین تین گانٹھیں ہوتی ہیں۔

حمل کے بچہ کی دیت

② وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنِيْنِ امْرَاَةٍ مِنْ بَنِیْ لِحْيَانَ سَقَطَ مَيِّتًا بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ ثُمَّ اِنَّ الْمَرْاَةَ الَّتِیْ قَضٰى عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَنَّ مِيْرَاثَهَا لِبَنِيْهَا وَزَوْجِهَا وَالْعَقْلَ عَلٰى عَصَبَتِهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بنی لحیان کی ایک عورت کے اس بچہ کی دیت میں جو مر کر اس کے پیٹ سے گر پڑا تھا (عاقلہ پر) غرہ واجب کیا تھا، اور غرہ سے مراد غلام یا لونڈی ہے، پھر جب وہ عورت (کہ جس کے عاقلہ پر غرہ واجب کیا تھا) مرگئی تو آپ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں اور خاوند کے لئے ہے اور اس کی دیت اس کے عصبہ پر ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں اور ان میں سے ایک نے دوسری عورت کے پتھر کھینچ مارا اتفاق سے وہ عورت حاملہ تھی اور پتھر اس کے پیٹ پر لگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو بچہ اس کے پیٹ میں تھا اس پتھر کی چوٹ سے مر کر پیٹ سے باہر آگیا چنانچہ اس کی دیت میں پتھر مارنے والے کے عاقلہ (یعنی اہل خاندان) پر ایک غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام واجب کیا گیا، اور اگر وہ بچہ زندہ پیدا ہو کر بعد میں مرجاتا یا اگر وہ بچہ زندہ پیدا ہوتا اور اس کے بعد وہ پتھر مارتی اور اس پتھر کی چوٹ سے وہ بچہ مرجاتا تو اس صورت میں پوری دیت واجب کی جاتی۔

غرہ اصل میں تو اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پیشانی پر ہوتی ہے، پھر سفید رنگ کے غلام یا لونڈی کو بھی غرہ کہا جانے لگا لیکن یہاں مراد مطلق غلام یا لونڈی ہے، ویسے فقہا کے نزدیک "غرہ" سے دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ سو درہم مراد ہے۔

"اور اس کی دیت اس کے عصبہ پر ہے" میں عصبہ سے مراد عاقلہ ہیں اس جملہ سے یہ واضح کرنا مراد ہے کہ اگرچہ اس کی دیت اس کے عاقلہ یعنی خاندان اور برادری والوں پر واجب ہوگی مگر وہ خاندان اور برادری والے اس کی میراث کے وارث نہیں قرار پائیں گے کیونکہ کسی کی دیت کا ذمہ دار ہونے سے اس کی میراث کا حقدار ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ اس کی میراث تو انہی لوگوں کو ملے گی جو اس کے شرعی وارث ہیں، اب رہی یہ بات کہ یہاں وارثوں میں صرف بیٹوں اور خاوند کی تخصیص کیوں کی گئی تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جس عورت کا ذکر ہے اس کے ورثاء میں صرف یہی لوگ موجود ہوں گے اس لئے انہی کا ذکر کیا گیا ورنہ مقصود یہ ہے کہ میراث ہر اس وارث کو ملے گی جو موجود ہو جیسا کہ اگلی حدیث کے الفاظ ورثها ولدها ومن معهم سے واضح ہے۔

پتھر کے ذریعہ ہونے والے قتل میں دیت واجب ہوگی

③ وَعَنْهُ قَالَ اقْتَتَلَتِ امْرَاَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ فَرَمَتْ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى بِحَجَرٍ فَقَتَلَتْهَا وَمَا فِیْ بَطْنِهَا فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ دِيَةَ جَنِيْنِهَا غُرَّةٌ عَبْدٌ اَوْ وَلِيْدَةٌ وَقَضٰى بِدِيَةِ الْمَرْاَةِ عَلٰى عَاقِلَتِهَا وَوَرَّثَهَا وَلَدَهَا وَمَنْ مَعَهُمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں چنانچہ ان میں سے ایک عورت نے دوسری کے پتھر کھینچ مارا جس سے وہ عورت بھی مرگئی اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی مرگیا۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے حکم دیا کہ مقتولہ کے اس بچہ کی دیت جو اس کے پیٹ میں مرگیا غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام ہے، اور حکم فرمایا کہ مقتولہ کی دیت، قاتلہ کے خاندان و برادری والوں پر ہے نیز

آپ نے اس کی دیت کا وارث اس کے بیٹوں اور ان لوگوں کو بنایا جو بیٹوں کے ساتھ (وراثت میں شریک) تھے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی حدیث میں جو واقعہ گزرا ہے وہ کسی اور عورت کا ہے اور اس حدیث میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے وہ کسی اور عورت کا ہے۔ پہلی حدیث میں تو یہ ذکر تھا کہ پتھر مارنے سے عورت مرگئی تھی چنانچہ اس حدیث میں اس عورت کی وفات اور اس کی وفات کے بعد جو احکام نافذ ہونے تھے ان کا ذکر کرنا مقصود تھا اور اس حدیث میں اس عورت کا ذکر کیا گیا ہے جو پتھر کی چوٹ کھانے کی وجہ سے مرگئی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس کے پیٹ کا بچہ بھی مرگیا تھا چنانچہ یہاں اس کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ پتھر کے ذریعہ کسی کو ہلاک کر دینا دیت کا موجب ہے نہ کہ قصاص کا، نیز یہ قتل عمد کی قسم سے نہیں ہے بلکہ شبہ عمد کی قسم سے ہے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے لیکن اس بارہ میں یہ حدیث چونکہ دوسرے ائمہ کے مسلک کے خلاف ہے اس لئے وہ حدیث میں مذکورہ پتھر" کو چھوٹے پتھر" پر محمول کرتے ہیں۔

④ وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ امْرَاَتَيْنِ كَانَتَا ضَرَّتَيْنِ فَرَمَتْ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى بِحَجَرٍ اَوْ عَمُوْدِ فُسْطَاطٍ فَاَلْقَتْ جَنِيْنَهَا فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنِيْنِ غُرَّةً عَبْدًا اَوْ اَمَةً وَجَعَلَهُ عَلٰى عَصَبَةِ الْمَرْاَةِ۔ هٰذِهٖ رِوَايَةُ التِّرْمِذِيِّ وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَ ضَرَبَتِ امْرَاَةٌ ضَرَّتَهَا بِعَمُوْدِ فُسْطَاطٍ وَهِيَ حُبْلٰى فَقَتَلَتْهَا قَالَ وَاِحْدٰهُمَا لِحْيَانِيَّةٌ قَالَ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيَةَ الْمَقْتُوْلَةِ عَلٰى عَصَبَةِ الْقَاتِلَةِ وَغُرَّةً لِمَا فِيْ بَطْنِهَا۔

"اور حضرت مغیرہؓ ابن شعبہ کہتے ہیں دو عورتیں جو آپس میں سوکنیں تھیں (ایک دن باہم لڑ پڑیں) چنانچہ ان میں سے ایک نے دوسری کو (جو حاملہ تھی) پتھر یا خیمے کی چوب سے مارا جس کی وجہ سے اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ لہٰذا رسول کریم ﷺ نے پیٹ کے بچہ کی دیت میں غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام دینے کا حکم دیا اور دیت کو آپ نے مارنے والی عورت پر واجب کیا۔ یہ ترمذیؒ کی روایت ہے۔ اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت مغیرہ نے کہا" ایک عورت نے اپنی سوکن کو جو حاملہ تھی، خیمہ کی چوب سے مارا جس کی وجہ سے وہ مرگئی (اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی مرگیا) مغیرہؓ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک عورت لحیان کے خاندان سے تھی (جو قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ ہے) مغیرہؓ کا بیان ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مقتولہ کی دیت قاتلہ کے عاقلہ پر واجب کی اور پیٹ کے بچہ کی دیت میں غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام دینے کا حکم فرمایا۔"

تشریح: یہ حدیث بھی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کی دلیل ہے کیونکہ خیمے چوب سے عام طور انسان کو ہلاک کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے باوجود اس عورت کو قتل عمد کا مرتکب قرار نہیں دیا گیا بلکہ شبہ عمد کا مرتکب گردانا گیا۔ حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں پتھر اور چوب سے مراد چھوٹا پتھر اور چوب ہے جس سے عام طور کسی انسان کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

قتل خطاء اور شبہ عمد کی دیت

⑤ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اِنَّ دِيَةَ الْخَطَاءِ شِبْهِ الْعَمْدِ مَا كَانَ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا مِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهَا اَوْلَادُهَا۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ عَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ۔

"حضرت عبداللہؓ ابن عمرو کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" جاننا چاہئے کہ قتل خطاء جس سے مراد شبہ عمد ہے اوجو کوڑے اور لاٹھی کے ذریعہ واقع ہوا ہو، اس کی دیت سو اونٹ ہیں جن میں سے چالیس ایسی اونٹنیاں بھی ہونی چاہئیں جن کے پیٹ میں بچے ہوں"

(نسائی، ابن ماجہ، دارمی) ابوداؤد نے اس روایت کو ابن عمرو اور ابن عمر دونوں سے نقل کیا ہے، نیز شرح السنۃ میں یہ روایت ابن عمرؓ سے بالفاظ مصابیح نقل کی گئی ہے۔"

تشریح: یہ روایت بالفاظ مصابیح یوں ہے الا ان فی قتل العمد الخطاء بالسوط و العصاء مائۃ من الابل مغلظۃ منھا اربعون خلفۃ فی بطونھا او لادھا یعنی جاننا چاہئے کہ قتل عمد خطاء جو کوڑے اور لاٹھی کے ذریعہ واقع ہوا ہو اس کی دیت سو اونٹ دیت مغلظہ ہے جن میں چالیس اونٹنیاں ایسی بھی ہونی چاہئیں جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔ گویا اس روایت میں قتل عمد خطا سے مراد قتل خطا شبہ عمد ہے جو اوپر کی روایت میں مذکور ہوا۔

اس بارہ میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ ارتکاب میں یا عمد کا دخل ہوتا ہے یا شبہ عمد کا اور یا خطاء محض کا۔ قتل عمد سے تو یہ مراد ہوتا ہے کہ کسی شخص کو جان بوجھ کر کسی ایسی چیز (مثلاً ہتھیار یا دھار دار آلہ) سے ہلاک کیا جائے جو اعضاء جسم کو جدا کر دے، یا پھاڑ ڈالے، اور شبہ عمد کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کو جان بوجھ کر کسی ایسی چیز سے ہلاک کیا جائے جو دھار دار اور ہتھیار کی قسم سے نہ ہو خواہ عام طور پر اس چیز سے انسان کو ہلاک کیا جا سکتا ہو، یا ہلاک نہ کیا جا سکتا ہو، اور قتل خطاء یہ ہے کہ کسی کو خطاءً ا (یعنی بلاقصد قتل یا نشانہ کی خطاء سے) ہلاک کر دیا جائے۔ ان تینوں کا ذکر پچھلے صفحات (گزشتہ قسط) میں گزر چکا ہے اور یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔ چنانچہ وہ اس حدیث میں مذکورہ "لاٹھی" کو مطلق معنی پر محمول کرتے ہیں کہ خواہ وہ ہلکی ہو یا بھاری، جب کہ دوسرے ائمہ چونکہ یہ کہتے ہیں کہ کسی ایسی بھاری چیز سے قتل کرنا جس سے عام طور پر انسان کو قتل کیا جا سکتا ہو قتل عمد کے حکم میں ہے اس لئے وہ "لاٹھی" کو ہلکی لاٹھی پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک یہاں وہ ہلکی لاٹھی (چھڑی) مراد ہے جس سے عام طور پر انسان کو ہلاک نہ کیا جا سکتا ہو۔

بعض روایتوں میں "دیت" کے ساتھ مغلظہ کا لفظ بھی منقول ہے جیسا کہ مذکورہ بالا مصابیح کی روایت میں بھی یہ لفظ موجود ہے، چنانچہ قتل شبہ عمد میں دیت کی تغلیظ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک تو یہ ہے کہ چار طرح کے سو اونٹ واجب ہوں جن کی تفصیل ابتداء باب میں گزر چکی ہے اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تغلیظ یہ ہے کہ تین طرح کے سو اونٹ واجب ہوں ان کی تفصیل بھی ابتداء باب میں گزر چکی ہے لیکن قتل خطاء میں بالاتفاق دیت مغلظہ واجب نہیں ہوتی بلکہ اس میں پانچ طرح کے سو اونٹ واجب ہوتے ہیں یعنی بیس ابن مخاض، بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون، بیس حقہ اور بیس جذعہ۔

دیت مغلظہ کی تفصیل کے سلسلہ میں یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ کے مسلک کی دلیل ہے، لیکن حنفیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جو حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت سائبؓ ابن یزید سے مروی ہے لہٰذا ہم نے متعیّن پر عمل کیا ہے۔

مختلف اعضاء جسم کی دیت

(٦) وَعَنْ اَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى اَهْلِ الْيَمَنِ وَكَانَ فِيْ كِتَابِهٖ اَنَّ مَنِ اعْتَبَطَ مُؤْمِنًا قَتْلاً فَاِنَّهٗ قَوَدُيَدِهٖ اِلاَّ اَنْ يَّرْضَى اَوْلِيَاءُ الْمَقْتُوْلِ وَفِيْهِ اَنَّ الرَّجُلَ يُقْتَلُ بِالْمَرْاَةِ وَفِيْهِ فِي النَّفْسِ الدِّيَةُ مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ وَعَلٰى اَهْلِ الذَّهَبِ اَلْفُ دِيْنَارٍ وَفِي الْاَنْفِ اِذَا اُوْعِبَ جَدْعُهُ الدِّيَةُ مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ وَفِي الْاَسْنَانِ الدِّيَةُ وَفِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي الْبَيْضَتَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَةُ وَفِي الصُّلْبِ الدِّيَةُ وَفِي الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي الرِّجْلِ الْوَاحِدَةِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَفِي الْمَاْمُوْمَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ وَفِي الْمُنَقِّلَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ مِنَ الْاِبِلِ وفی کل اصبع من اصابع الید و الرجل عشر من الابل و فی السن خمس من الابل رَوَاهُ

النَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَفِیْ رِوَایَۃِ مَالِكٍ وَفِی الْعَیْنِ خَمْسُوْنَ وَفِی الْیَدِ خَمْسُوْنَ وَفِی الرِّجْلِ خَمْسُوْنَ وَفِی الْمُوْضِحَۃِ خَمْسٌ۔

"اور حضرت ابوبکر ابن محمد ابن عمرو ابن حزم اپنے والد (حضرت محمد ابن عمرو) سے اور وہ ابوبکر کے دادا (حضرت عمرو ابن حزم) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اہل یمن کے پاس ایک ہدایت نامہ بھیجا جس میں لکھا ہوا تھا کہ جو شخص قصداً کسی مسلمان کو ناحق مار ڈالے (یعنی قتل عمد کا ارتکاب کرے) تو اس کے ہاتھوں کے فعل کا قصاص ہے (یعنی اس نے اپنے ہاتھوں کے فعل اور تقصیر کے ذریعہ جو قتل عمد کیا ہے اس کی سزا میں اس کو بھی قتل کر دیا جائے) الا یہ کہ مقتول کے ورثاء راضی ہو جائیں (یعنی اگر مقتول کے وارث قاتل کو معاف کر دیں یا اس سے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو اس کو قتل نہ کیا جائے) اس ہدایت نامہ میں یہ بھی تھا کہ (مقتول) عورت کے بدلے میں (قاتل) مرد کو قصاص میں قتل کیا جائے" اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ "جان کا خون بہا سو اونٹ ہیں (یعنی جس کے پاس اونٹ ہوں وہ خون بہا میں مذکورہ تفصیل کے مطابق سو اونٹ دے) اور جس کے پاس سونا ہو وہ ایک ہزار دینار دے، اور ناک کی دیت (جب کہ وہ سب توڑے گئے ہوں) پوری دیت (یعنی ایک سو اونٹ کی تعداد) ہے اور ہونٹوں کی دیت (جب کہ وہ پورے کاٹ دیئے گئے ہوں) پوری دیت ہے اور دونوں خصیوں کے کاٹے جانے کی بھی پوری دیت ہے اور پیٹھ کی ہڈی توڑے جانے کی پوری دیت ہے اور عضو خاص کے کاٹے جانے کی بھی پوری دیت ہے اور دونوں آنکھوں کو پھوڑ دینے کی بھی پوری دیت ہے، اور ایک پیر کاٹنے پر آدھی دیت ہے، اور سر کی جلد زخمی کرنے پر تہائی دیت ہے اور پیٹ میں زخم پہنچانے پر بھی تہائی دیت ہے اور اس طرح مجروح کرنے پر کہ ہڈی اپنی جگہ سے سرک گئی ہو پندرہ اونٹ دیئے واجب ہیں، اور ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر ایک انگلی (کاٹنے) پر دس اونٹ دینے واجب ہیں، اور ہر ہر دانت کا بدلہ پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ (نسائی، دارمی) اور امام مالکؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ایک آنکھ (پھوڑنے) کی دیت پچاس اونٹ ہیں، اور ایک ہاتھ اور ایک پیر کی دیت پچاس پچاس اونٹ ہیں اور ایسا زخم پہنچانے کی دیت جس میں ہڈی نکل آئی ہو یا ظاہر ہو گئی ہو پانچ اونٹ ہیں۔"

تشریح: "جان کا خون بہا سو اونٹ ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ اگر قتل عمد کے مرتکب کو مقتول کے وارث قصاص میں قتل نہ کرنا چاہیں بلکہ اس سے دیت یعنی خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تب دیت واجب ہو گی لیکن قتل شبہ عمد اور قتل خطاء کا مرتکب سرے سے قصاص کا سزاوار ہوتا ہی نہیں بلکہ اس پر صرف دیت واجب ہوتی ہے۔ دیت اونٹ کے ذریعہ بھی ادا کی جا سکتی ہے اور جن کے پاس سونا ہو وہ ایک ہزار دینار اور جن کے پاس چاندی ہو وہ دس ہزار درہم کے ذریعہ بھی دیت کی ادائیگی کر سکتے ہیں۔ لیکن یہاں قیاس پر اکتفا کرتے ہوئے چاندی کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ اگر اونٹ اور سونے کے علاوہ وہ چاندی کے ذریعہ دیت دی جائے تو وہ مقبول و محسوب نہیں ہو گی بلکہ مراد یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء اور قاتل کے درمیان جس چیز پر اتفاق ہو جائے اسی کو بطور دیت لیا دیا جائے جس کے پاس اونٹ ہوں اور وہ اونٹ دینا چاہے اس سے اونٹ لے لئے جائیں اور جو زر نقد دینا چاہے اس سے زر نقد لے لیا جائے۔

اس سلسلہ میں جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے تو درہم اور دینار کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا دیت میں درہم و دینار قبول کئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ کا قول یہ ہے کہ اگر دینے والے کے پاس اونٹ موجود ہوں لیکن وہ زر نقد کی صورت میں دیت ادا کرنا چاہتا ہو تو اس سے زر نقد لینا جائز ہے لیکن حضرت شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اونٹوں کی موجودگی میں زر نقد دے کر اونٹوں سے عدول نہ کیا جائے ہاں اگر طرفین راضی ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

"اور دونوں آنکھوں کو پھوڑنے کی بھی پوری دیت ہے" ملحوظ رہے کہ قطع اعضاء (اعضاء جسم کو کاٹنے یا نقصان پہنچانے) کی دیت کے سلسلہ میں اصل ضابطہ یہ ہے کہ اگر اعضاء جسم کی جنس منفعت بالکل ختم کر دی جائے یا اس کی موزونیت اور خوبصورتی کو بالکل زائل کر دیا جائے جو جسم انسانی میں مقصود ہے تو ایسی صورت میں پوری دیت واجب ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک طرح کا جانی نقصان ہے جسے انسانی

عظمت کی وجہ سے مکمل جانی نقصان کا درجہ دیا جاتا ہے، اس سے بڑھ کر اصل یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان مخصوص اعضاء کی کہ جن کے نقصان سے انسان کے جمال و کمال میں فرق آجاتا ہے اور آدمی کی عظمت تخلیق مجروح ہوتی ہے، جیسے ناک، زبان اور آنکھیں وغیرہ ان کی پوری دیت دینے کا حکم فرمایا ہے، پھر اس اصل سے اور بہت سے فروعی مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے۔ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک ایسے شخص پر چار دیتیں واجب کی تھیں جس نے ایک شخص کو اگرچہ ایک ہی زخم پہنچایا تھا مگر اس ایک زخم کی وجہ سے اس کی عقل، اس کی سماعت، اس کی بصارت اور اس کی بول چال یعنی چاروں چیزیں زائل ہوگئی تھیں، نیز یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی داڑھی مونڈ ڈالے اور پھر وہ نہ نکلے تو اس کی وجہ سے مونڈنے والے پر دیت لازم ہوگی کیونکہ اس نے اپنی اس حرکت سے چہرۂ انسانی کے جمال و موزونیت کو ختم کر دیا، اسی طرح سر کے بالوں کا بھی یہی مسئلہ ہے۔

⑦ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَوَاضِحِ خَمْسًا خَمْسًا مِنَ الْاِبِلِ وَفِي الْاَسْنَانِ خَمْسًا خَمْسًا مِنَ الْاِبِلِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ الْفَصْلَ الْاَوَّلَ۔

"اور حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حکم فرمایا کہ ایسے زخموں کی دیت جس میں ہڈی ظاہر ہو جائے پانچ پانچ اونٹ ہیں اور دانتوں کی (یعنی ہر ہر دانت) کی دیت بھی پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ (ابوداؤد، نسائی، دارمی) ترمذی اور ابن ماجہ نے (اس حدیث کا) پہلا جزو (یعنی جس میں زخموں کی دیت بیان کی گئی ہے) نقل کیا ہے۔"

تشریح: اگر یہ سوال پیدا ہو کہ جب سب دانتوں کی پوری دیت سو اونٹ ہیں تو ایک دانت کی دیت پانچ اونٹ کیسے ہوئے کیونکہ سب دانتوں کی تعداد بتیس یا اٹھائیس ہوتی ہے اور اس کے اعتبار سے ایک دانت کی دیت تو کچھ زیادہ تین اونٹ ہونی چاہئے؟ اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ شارع نے جتنے احکام نافذ کئے ہیں عقل ان سب کا ادراک و احاطہ کر لے، بہت سے احکام ایسے ہیں جن میں عقل کے دخل کا کام نہیں، چنانچہ یہ مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کہ شارع کا بس یہ حکم دے دینا ہی کافی اور واجب العمل ہونے کی معقول ترین وجہ ہے، ہاں دیت ہی کے بارہ میں بعض صورتیں ایسی ہیں جو حکم شارع کے بھی مطابق ہیں اور عقلی بھی ہیں جیسے آنکھوں کی دیت کا معاملہ ہے کہ دونوں آنکھوں کی دیت پوری ہے اور ایک آنکھ کی دیت آدھی ہے حاصل یہ کہ ہر حکم اور ہر مسئلہ کی بنیاد بس شارع کا حکم ہے جو بھی حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرنا ہی عقل کا سب سے بڑا تقاضہ ہونا چاہئے۔

دیت کے اعتبار سے انگلیاں برابر ہیں

⑧ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ سَوَاءً۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کی سب انگلیوں کو مساوی قرار دیا ہے (یہاں تک کہ انگوٹھے اور چھنگلیا کو بھی ایک دوسرے کے برابر قرار دیا ہے، اگرچہ گانٹھوں کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے)۔" (ابوداؤد، ترمذی)

⑨ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَصَابِعُ سَوَاءٌ وَالْاَسْنَانُ سَوَاءٌ الثَّنِيَّةُ وَالضِّرْسُ سَوَاءٌ هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ سَوَاءٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (دیت کے اعتبار سے) تمام انگلیاں برابر ہیں اور تمام دانت برابر ہیں (اگرچہ بعض دانت بڑے ہیں اور بعض دانت چھوٹے ہیں) اور آگے کے دانت اور داڑھیں برابر ہیں (اگرچہ داڑھیں آگے کے دانتوں سے بڑی ہیں مگر دیت دونوں کی برابر ہے) نیز آپ نے انگوٹھے اور چھنگلیا کی طرف سے اشارہ کر کے بتایا کہ) یہ اور یہ برابر ہیں۔" (ابوداؤد)

ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے

(۱۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَاحِلْفَ فِي الْاِسْلَامِ وَمَا كَانَ مِنْ حِلْفٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاِنَّ الْاِسْلَامَ لَا يَزِيْدُهٗ اِلَّا شِدَّةً الْمُؤْمِنُوْنَ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ يُجِيْرُ عَلَيْهِمْ اَدْنَاهُمْ وَيَرُدُّ عَلَيْهِمْ اَقْصَاهُمْ يَرُدُّ سَرَايَاهُمْ عَلٰى قَعِيْدَتِهِمْ لَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ، دِيَةُ الْكَافِرِ نِصْفُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ اِلَّا فِيْ دُوْرِهِمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ دِيَةُ الْمُعَاهِدِ نِصْفُ دِيَةِ الْحُرِّ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیبؒ) سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فتح مکہ کے سال ایک خطبہ دیا اور اس (میں حمد و ثناء) کے بعد فرمایا کہ "لوگو! اسلام میں قسم اور عہد و پیمان کرنا جائز نہیں ہے لیکن وہ عہد و قسم جس کا رواج زمانہ جاہلیت میں تھا، اس کو اسلام مضبوطی سے قائم کرتا ہے (یاد رکھو) تمام مسلمان اپنے غیر (یعنی کفار) کے مقابلے پر (بھلائیوں کو پھیلانے اور آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہونے میں) ایک ہاتھ کی طرح ہیں ایک ادنی ترین مسلمان بھی تمام مسلمانوں کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے، اور وہ مسلمان بھی حق رکھتا ہے جو سب مسلمانوں سے کہیں دور ہو اور مسلمانوں کا لشکر ان مسلمانوں کو بھی (مال غنیمت کا) حقدار بناتا ہے جو (لشکر کے ساتھ نہ گئے ہوں بلکہ) بیٹھے رہے ہوں، (خبردار) کوئی مسلمان کسی (حربی) کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے (امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ذمی کافر کے بدلے میں بھی مسلمان کو قتل نہ کیا جائے) اور (ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے اور (زکوٰۃ وصول کرنے والے کارکن بطور خاص سن لیں کہ) زکوٰۃ کے مویشیوں کو نہ کھنچوا منگایا جائے اور (زکوٰۃ دینے والے بھی سن لیں کہ وہ) اپنے مویشیوں کو کہیں دور لے کر نہ چلے جائیں، (زکوٰۃ وصول کرنے والے کو چاہئے کہ) زکوٰۃ ان کے گھروں پر ہی لی جائے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ "عہد والے کی دیت، آزاد کی دیت کا نصف ہے"۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: لَاحِلْفَ فِي الْاِسْلَامِ اصل میں "حلف" کے معنی ہیں "عقد کرنا، عہد باندھنا" زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے عہد و پیمان باندھ لیا کرتے تھے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے لڑائی جھگڑے کے موقع پر ایک دوسرے کی مدد کی جائے گی، اور اگر کسی معاملہ میں ایک پر کوئی تاوان واجب ہوگا تو دوسرا تاوان کو ادا کرے گا۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اپنے ارشاد گرامی لاحلف فی الاسلام کے ذریعہ اس قسم کی عہد و پیمان سے منع کیا کہ یہ ایک خالص غیر منصفانہ اور غیر معقول رواج ہے جس کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن زمانہ جاہلیت ہی میں عہد و پیمان کی ایک یہ بھی صورت ہوتی تھی کہ لوگ آپس میں اس بات کا عہد کرتے تھے کہ وہ مظلوم کی مدد کریں گے، قرابتداروں سے حسن سلوک کریں گے اور انسانی حقوق کی حفاظت و تائید کریں گے۔ یہ عہد و پیمان چونکہ سماجی اور معاشرتی نقطہ نظر سے باہمی محبت و موانست اور انسانی بہبود و بھلائی کے لئے ایک بہترین صورت تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے مَا كَانَ مِنْ حِلْفٍ الخ کے ذریعہ اس کو اسلام میں بھی جائز رکھا۔

يَرُدُّ سَرَايَاهُمْ عَلٰى قَعِيْدَتِهِمْ یہ دراصل پہلے جملہ وَيَرُدُّ عَلَيْهِمْ وَاَقْصَاهُمْ کا بیان اور وضاحت ہے، اس عبارت کی تشریح کتاب القصاص کی دوسری فصل میں حضرت علیؓ کی روایت کے تحت کی جا چکی ہے اسی طرح لا یقتل مؤمن بکافر کی وضاحت بھی اسی حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔

"کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے" یہ حضرت امام مالکؒ کے مسلک کی دلیل ہے، حضرت امام شافعیؒ اور ایک قول کے مطابق حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ کافر کی دیت، مسلمان کی دیت کا ثلث (یعنی تہائی) ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ کافر کی دیت، مسلمان کی طرح پوری دیت ہے۔ ملحوظ رہے کہ یہ ساری بحث ذمی کافر کے بارہ میں ہے حربی کافر کی کوئی دیت نہیں

ہے۔ ہدایہ میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ ہر ذمی کی جس سے اسلامی مملکت کا معاہدہ ہو، جب تک کہ وہ معاہدہ باقی ہے اس کی دیت ایک ہزار دینار ہیں۔" اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا عمل بھی اسی حدیث کے مطابق رہا ہے لیکن جب حضرت امیر معاویہؓ کا زمانہ آیا تو اس کو نصف کر دیا گیا۔ ہدایہ نے حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ذمی اسی لئے جزیہ دیتے ہیں کہ ان کا خون ہمارے خون کی طرح اور ان کا مال ہمارے مال کی طرح محفوظ و مامون ہے" گویا صاحب ہدایہ نے ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ اصل یہی ہے کہ ذمی کی دیت بھی مسلمان کی دیت کی طرح پوری ہو۔ چنانچہ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ دوسرے صحابہ سے اس کے خلاف جو کچھ منقول ہے وہ ان مشہور و مستند ترین آثار و اقوال کے معارض نہیں ہو سکتا۔

لا جلب ولا جنب کے متعلق کتاب الزکوٰۃ میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے، یہاں بھی اجمالی طور پر اتنا سمجھ لیجئے کہ "جلب" کے معنی یہ ہیں کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا مویشیوں کی زکوٰۃ لینے کے لئے جائے تو وہ کسی ایسی جگہ مقام کرے جو مویشیوں کے مالکوں کے مکانات سے دور ہو اور ان کو حکم دے کہ اپنے اپنے جانور لے کر اس کے پاس حاضر ہوں۔ "جنب" کے معنی یہ ہیں کہ مویشیوں کے مالک اپنے اپنے مویشی لے کر زکوٰۃ وصول کرنے والے کی قیام گاہ سے دور چلے جائیں اور اس سے کہیں کہ وہ ان کے پاس پہنچ کر زکوٰۃ کے مویشی حاصل کرے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں باتوں سے منع فرمایا کیونکہ پہلی صورت میں مویشیوں کے مالکوں کو تکلیف ہوگی اور دوسری صورت میں زکوٰۃ وصول کرنے والا تکلیف و مشقت میں مبتلا ہوگا۔

لَا يُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ الخ دراصل پہلے جملہ لا جلب ولا جنب کی توضیح و تاکید کے طور پر ہے۔

قتل خطاء کی دیت

(۱۱) وَعَنْ خِشْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ دِيَةِ الْخَطَاءِ عِشْرِيْنَ بِنْتَ مَخَاضٍ وَعِشْرِيْنَ ابْنَ مَخَاضٍ ذُكُوْرٍ وَعِشْرِيْنَ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَعِشْرِيْنَ جِذْعَةً وَعِشْرِيْنَ حِقَّةً۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَخِشْفٌ مَجْهُوْلٌ لَا يُعْرَفُ اِلَّا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ وَرُوِيَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدٰى قَتِيْلَ خَيْبَرَ بِمِائَةٍ مِنْ اِبِلِ الصَّدَقَةِ وَلَيْسَ فِيْ اَسْنَانِ اِبِلِ الصَّدَقَةِ ابْنُ مَخَاضٍ اِنَّمَا فِيْهَا ابْنُ لَبُوْنٍ۔

"اور حضرت خشف ابن مالکؒ، حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا" رسول کریم ﷺ نے قتل خطاء کی دیت یہ مقرر فرمائی کہ بیس اونٹنیاں وہ ہوں جو دوسرے سال میں لگی ہوں اور بیس اونٹ وہ ہوں جو دوسرے سال میں لگے ہوں، اور بیس اونٹنیاں وہ ہوں جو تیسرے سال میں لگی ہوں اور بیس اونٹنیاں وہ ہوں جو پانچویں سال میں لگی ہوں۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) اس حدیث کے بارہ میں صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ پر موقوف ہے یعنی ان کا اپنا قول ہے اور (اس کے راوی) خشف ایک غیر معروف راوی ہیں جو صرف اس حدیث کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں (یعنی اس کے علاوہ اور کوئی روایت ان سے منقول ہی نہیں) بغویؒ نے شرح السنۃ میں یوں نقل کیا ہے کہ" رسول کریم ﷺ نے اس شخص کی دیت میں کہ جو خیبر میں قتل کر دیا گیا تھا (اور جس کا تفصیلی واقعہ باب القسامت میں بیان ہوگا) زکوٰۃ میں آئے ہوئے اونٹوں میں سو اونٹ دیئے تھے اور زکوٰۃ کے ان اونٹوں میں کوئی اونٹ ایک سال کا نہیں تھا بلکہ دو دو سال کے تھے۔"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتل خطاء کی دیت میں جو سو اونٹ دیئے جائیں وہ پانچ طرح کے ہونے چاہئیں، چنانچہ اس بارہ میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن ان کی تقسیم میں البتہ اختلاف ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک میں تو وہ سو اونٹ اس طرح کے

دیئے جاتے ہیں جس طرح اس حدیث میں مذکور ہیں، لیکن امام شافعیؒ کے مسلک میں اتنا سا فرق ہے کہ بیس ابن مخاض (پورے ایک سال کے بیس اونٹ) کی بجائے بیس ابن لبون (پورے دو سال کے بیس اونٹ) ہیں۔ اس اعتبار سے یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے خلاف حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے چنانچہ شوافع کی طرف سے اس حدیث میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا جواب ملا علی قاری نے بڑی عمدگی سے دیا ہے اہل علم ان کی کتاب "مرقات" میں دیکھ سکتے ہیں، ان کے جوابات کے خلاصہ کے طور پر یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ نے مذکورہ شخص کی جو دیت دی تھی وہ بطریق وجوب یا بطور حکم نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ نے محض از راہ احسان دی تھی۔

آخر میں بغویؒ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس کا مقصود پہلی روایت کی تردید ہے جس میں ابن مخاض کا اثبات ہے اور بغوی کی روایت میں ابن لبون کا اثبات ہے اور گویا یہ حضرت امام شافعی کے مسلک کی دلیل ہے، ملا علی قاری نے اس کا جواب بھی بڑی عمدگی کے ساتھ لکھا ہے۔

دیت کی بنیاد اونٹ پر ہے

⑫ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ كَانَتْ قِيْمَةُ الدِّيَةِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِ مِائَةِ دِيْنَارٍ اَوْ ثَمَانِيَةَ الَافِ دِرْهَمٍ وَدِيَةُ اَهْلِ الْكِتَابِ يَوْمَئِذٍ نِصْفٌ مِنْ دِيَةِ الْمُسْلِمِيْنَ قَالَ فَكَانَ كَذٰلِكَ حَتّٰى اُسْتُخْلِفَ عُمَرُ فَقَامَ خَطِيْبًا فَقَالَ اِنَّ الْاِبِلَ قَدْ غَلَتْ قَالَ فَفَرَضَهَا عُمَرُ عَلٰى اَهْلِ الذَّهَبِ اَلْفَ دِيْنَارٍ وَعَلٰى اَهْلِ الْوَرِقِ اثْنَيْ عَشَرَ اَلْفًا وَعَلٰى اَهْلِ الْبَقَرِ مِائَتَيْ بَقَرَةٍ وَعَلٰى اَهْلِ الشَّاءِ اَلْفَي شَاةٍ وَعَلٰى اَهْلِ الْحُلَلِ مِائَتَيْ حُلَّةٍ قَالَ وَتَرَكَ دِيَةَ اَهْلِ الذِّمَّةِ لَمْ يَرْفَعْهَا فِيْمَا رَفَعَ مِنَ الدِّيَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دیت (دیت کے سو اونٹوں) کی قیمت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی، نیز اس زمانہ میں اہل کتاب (یعنی عیسائی اور یہودی) کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف تھی۔ ان کے دادا کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کے خلیفہ ہونے تک اسی کے مطابق عمل در آمد ہوتا رہا۔ چنانچہ عمرؓ (خلیفہ ہونے کے بعد) خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ "اونٹ کی قیمت بڑھ گئی ہے" راوی کا بیان ہے کہ (اس کے بعد) حضرت عمرؓ نے جو دیت مقرر کی تھی اس کی تفصیل یہ ہے، سونا رکھنے والوں پر ایک ہزار دینار، چاندی رکھنے والوں پر بارہ ہزار درہم، گائے کے مالکوں پر دو سو گائیں، بکری کے مالکوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑے کے جوڑوں (کی تجارت کرنے) والوں پر دو سو جوڑے۔ راوی نے کہا کہ "حضرت عمرؓ نے ذمیوں کی دیت جوں کی توں قائم رکھی تھی (یعنی آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ذمیوں کی دیت چار ہزار درہم تھی حضرت عمرؓ نے اسی کو برقرار رکھا) اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا جیسا کہ اور دیتوں میں اضافہ ہوا۔" (ابوداؤد)

تشریح: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ دیت کی بنیاد اونٹ پر ہے، چنانچہ دیت میں سونا اور چاندی کی جو مقدار بیان کی گئی ہے وہ اس زمانہ میں سو اونٹ کی قیمت کا حساب لگا کر بیان کی گئی تھی، اسی لئے قول جدید کے مطابق شافعی مسلک یہ ہے کہ اختلاف قیمت کے اعتبار سے ان دونوں کی مقدار میں فرق ہو سکتا ہے۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ کپڑے کے جوڑے سے مراد ایک تہبند اور ایک چادر ہے۔

"اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا الخ" کے بارہ میں طیبیؒ کہتے ہیں کہ جب مسلمان کی دیت بارہ ہزار درہم مقرر ہوئی اور ذمی کی دیت وہی رہی جو پہلے تھی یعنی چار ہزار درہم تو اس اعتبار سے ایک ذمی کی دیت، ایک مسلمان کی دیت کا ثلث (تہائی) ہوئی۔

چنانچہ اس سے شوافع اور ان کے ہمنوا یہ استدلال کرتے ہیں کہ ذمی کی دیت، مسلمان کی دیت کا ثلث ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک میں ذمی کی وہی دیت ہے جو مسلمان کی ہے۔

شمنیؒ نے کہا ہے کہ (اس بارہ میں جو فقہی مسئلہ ہے اور جس پر عمل ہے وہ یہ ہے کہ) سونے کی دیت ایک ہزار دینار، چاندی کی دیت دس ہزار درہم اور اونٹ کی دیت سو اونٹ ہیں لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک چاندی کی دیت بارہ ہزار درہم ہیں۔

امام شافعی کی مستدل حدیث

⑬ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ جَعَلَ الدِّيَةَ اِثْنَىْ عَشَرَ اَلْفًا۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی)

"اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے بارہ ہزار درہم کی دیت مقرر فرمائی۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

دیت مقتول کے ورثاء کا حق ہے

⑭ وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَوِّمُ دِيَةَ الْخَطَاءِ عَلٰى اَهْلِ الْقُرٰى اَرْبَعَ مِائَةِ دِيْنَارٍ اَوْعِدْلَهَا مِنَ الْوَرِقِ وَيُقَوِّمُهَا عَلٰى اَثْمَانِ الْاِبِلِ فَاِذَا غَلَتْ رَفَعَ فِيْ قِيْمَتِهَا وَاِذَا هَاجَتْ رُخْصٌ نَقَصَ مِنْ قِيْمَتِهَا وَبَلَغَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ اَرْبَعَ مِائَةِ دِيْنَارٍ اِلٰى ثَمَانِ مِائَةِ دِيْنَارٍ وَعِدْلُهَا مِنَ الْوَرِقِ ثَمَانِيَةُ الْاٰفِ دِرْهَمٍ قَالَ وَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَهْلِ الْبَقَرِ مِائَتَىْ بَقَرَةٍ وَعَلٰى اَهْلِ الشَّاءِ اَلْفَىْ شَاةٍ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَقْلَ مِيْرَاثٌ بَيْنَ وَرَثَةِ الْقَتِيْلِ وَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَقْلَ الْمَرْاَةِ بَيْنَ عَصَبَتِهَا وَلَا يَرِثُ الْقَاتِلُ شَيْئًا۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ بستیوں والوں پر قتل خطاء کی دیت چار سو دینار یا اس کے مساوی قیمت (یعنی چاندی کے چار ہزار درہم) مقرر فرماتے اور یہ مقدار اونٹوں کی قیمت کے مطابق ہوتی تھی۔ چنانچہ جب اونٹوں کی قیمت میں اضافہ ہوتا تو آپ ﷺ دیت کی مقدار میں بھی اضافہ کرتے تھے اور جب اونٹوں کی قیمت میں کمی واقع ہوتی تو آپ ﷺ دیت کی مقدار میں بھی کمی کر دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں دیت کی مقدار چار سو دینار سے آٹھ سو دینار یا اس کی مساوی قیمت (چاندی کے آٹھ ہزار درہم) تک رہی۔ راوی کہتے ہیں کہ "اور رسول کریم ﷺ نے گائے والوں پر دو سو گائیں اور بکری والوں پر دو ہزار بکریاں (بطور دیت) مقرر فرمائی تھیں۔ نیز رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ دیت کا مال مقتول کے ورثاء کا حق ہے۔ اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "عورت کی دیت اس کے عصبات پر ہے اور قاتل (نے اگر اپنے مورث ہی کو قتل کیا ہے تو وہ) مورث کی وراثت سے محروم رہے گا (نہ اسے مقتول کی دیت میں سے کوئی حصہ ملے گا اور نہ وہ اس کے ترکے میں سے کسی چیز کا حقدار ہوگا)۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دیت کی بنیاد اونٹ پر ہے یعنی دیت اصل میں تو اونٹ ہی کی صورت میں اور اس کی مذکورہ تعداد میں واجب ہوگی جیسا کہ قول جدید کے مطابق امام شافعی کا مسلک ہے۔

"عورت کی دیت اس کے عصبات پر ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت جنایت کی مرتکب ہوئی اور اس نے کسی کو مارا تو اس کی دیت اس کے عصبات یعنی اس کے مددگار اور خاندان والوں پر ہوگی جیسا کہ مرد کے بارے میں حکم ہے گویا یہاں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اس بارہ میں عورت غلام کے مانند نہیں ہوگی کہ جس طرح غلام کی دیت خود اس پر واجب ہوتی ہے اس کے عصبات پر واجب نہیں ہوتی۔ اس طرح عورت کی دیت خود اس پر واجب نہیں ہوگی بلکہ اس کے عصبات پر واجب ہوگی۔

قتل شبہ عمد کے مرتکب کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی

⑮ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَقْلُ شِبْهِ الْعَمَدِ مُغَلَّظٌ مِثْلُ عَقْلِ

الْعَمْدِ وَلَا يُقْتَلُ صَاحِبُهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنی والدہ سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "قتل شبہ عمد کی دیت قتل عمد کی دیت کی طرح سخت ہے لیکن شبہ عمد کے مرتکب کو قتل نہ کیا جائے۔" (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کو بطریق شبہ عمد قتل کیا تو اس کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا! یہ بات اس شبہ کو دور کرنے کے لئے فرمائی گئی ہے کہ حدیث کے پہلے جملہ کے مطابق قتل شبہ عمد کا مرتکب قتل عمد کے مرتکب کے مشابہ ہو تو چاہئے کہ جس طرح قتل عمد کے مرتکب کو سزاء موت دی جاتی ہے اسی طرح شبہ عمد کا مرتکب بھی سزاء موت کا مستوجب ہو لہٰذا اس شبہ کو دور کر دیا گیا کہ اس مشابہت کا یہ مطلب قطعًا نہیں ہے کہ اس کو قصاص میں قتل بھی کیا جائے۔

زخم خوردہ آنکھ کی دیت

⑯ وَعَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَيْنِ الْقَائِمَةِ السَّادَةِ لِمَكَانِهَا بِثُلُثِ الدِّيَةِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایسی آنکھ کے بارے میں کہ جو (زخمی ہونے کے بعد) اپنی جگہ باقی رہے لیکن روشنی سے محروم ہو جائے یہ حکم فرمایا کہ اس کی دیت (پوری دیت کا) ثلث (تہائی) ہے۔"

(ابوداؤد، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی آنکھ کو زخم پہنچایا گیا اور اس کی وجہ سے روشنی جاتی رہی مگر آنکھ اپنی جگہ سے باہر نہیں آئی اور اس کے چہرہ کو موزونیت و جمال میں کوئی خلل نہیں پڑا تو زخم پہنچانے والے پر تہائی دیت واجب ہوگی اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ دونوں آنکھ کے تلف ہو جانے کی صورت میں پوری دیت (کہ جس کی مقدار سو اونٹ ہے) واجب ہوگی اور اگر ایک آنکھ تلف ہوگی تو نصف دیت واجب ہوگی۔

اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں زخم خوردہ آنکھ کی دیت تہائی ہے اور بعض علماء کا مسلک بھی یہی ہے لیکن بعض علماء اس صورت میں عدل کی "حکومت" کو واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ زخم پہنچانے کی یہ وہ صورت ہے جس میں منفعت بالکلیہ زائل نہیں ہوئی لہٰذا اس کی دیت بھی اس شخص کی ہونی چاہئے جس کو مارا گیا ہو اور اس مار کی وجہ سے (نہ تو اس کا کوئی عضو تلف ہوا ہو، اور نہ کوئی زخم پہنچا ہو) بلکہ اس کے بدن کا رنگ سیاہ ہو گیا ہو۔

"حکومت" دیت کے بارے میں ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ فرض کیجئے جو شخص زخمی ہوا ہے اگر وہ غلام ہوتا تو اس زخم کی وجہ سے اس کی قیمت میں سے کسی قدر کمی واقع ہو جاتی پس اسی قدر اس شخص کی دیت زخمی کرنے والے پر واجب ہوگی لہٰذا بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث "حکومت" پر محمول ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے یہاں تہائی دیت کا جو حکم فرمایا ہے وہ بطریق حکومت ہے نہ بطریق قاعدہ کلیہ۔

تورپشتیؒ نے اس حدیث کے سلسلہ میں جو بحث کی ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس حدیث کی صحت میں کلام ہے۔

پیٹ کے بچہ کی دیت

⑰ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنِيْنِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ اَوْ فَرَسٍ اَوْ بَغْلٍ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَخَالِدٌ الْوَاسِطِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ

بْنِ عَمْرٍو وَلَمْ یَذْکُرْ اَوْفَرَسٍ اَوْ بَغْلٍ۔

"اور حضرت محمد ابن عمرو، حضرت ابوسلمہ سے اور وہ حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (حاملہ کے) پیٹ کے بچہ کا خون بہا غرہ مقرر فرمایا۔ اور غرہ سے مراد ایک لونڈی یا ایک غلام یا ایک گھوڑا یا ایک خچر ہے۔ ابوداؤدؒ نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس روایت کو حماد ابن سلمہ اور خالد واسطی نے محمد ابن عمرو سے نقل کیا ہے لیکن ان دونوں میں سے کسی نے بھی لفظ فرس اور بغل (یعنی گھوڑا اور خچر) ذکر نہیں کیا ہے (لہٰذا اس روایت میں فرس اور بغل کا اضافہ شاذ ہے اور بایں اعتبار یہ حدیث ضعیف ہے)۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یوں تو "غرہ" نہایت نفیس چیز کو کہتے ہیں لیکن اس باب میں اس لفظ کا اطلاق "انسان" پر بایں طور اعتبار کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اس حدیث میں "غرہ" کے مفہوم میں "فرس اور بغل" کو شامل کرنا راوی کا اپنا وہم ہے۔ کیونکہ غرہ کا اطلاق صرف اس انسان پر ہوتا ہے جو کسی کا مملوک ہو یعنی غلام یا لونڈی۔

جعلی طبیب اگر کسی کی موت کا باعث بنے تو وہ ضامن ہوگا

(۱۸) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَطَبَّبَ وَلَمْ یُعْلَمْ مِنْهُ طِبٌّ فَهُوَ ضَامِنٌ۔ (رواه ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنے آپ کو طبیب ظاہر کرے درآنحالیکہ اس کا طبیب ہونا معلوم نہ ہو (یعنی وہ فن طب میں کوئی مہارت نہ رکھتا ہو) اور پھر کوئی اس کے ہاتھ سے مر گیا۔ تو وہ ضامن ہوگا۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص علم طب سے کورا ہو اور اس کے قواعد و فن سے واقفیت نہ رکھتا ہو اس کے باوجود وہ کسی مریض کا علاج کرے اور علاج خواہ ہاتھ کے ذریعہ کرے جیسے فصد کھولے یا آپریشن وغیرہ کرے اور خواہ کرنے کے ذریعہ کرے تو اگر وہ مریض مر جائے گا تو متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک وہ جعلی حکیم یا ڈاکٹر ضامن ہوگا۔ یعنی اس کی دیت اس کے عاقلہ پر واجب ہوگی مگر اس کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ بہرحال خود اس مریض کی اجازت اور اس کی رضامندی ہی سے اس نے اس کا علاج کیا ہوگا۔

دیت کی معافی کا ایک واقعہ

(۱۹) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ اَنَّ غُلَامًا لِاُنَاسٍ فُقَرَاءَ قَطَعَ اُذُنَ غُلَامٍ لِاُنَاسٍ اَغْنِیَاءَ فَاَتٰی اَهْلُهُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّا اُنَاسٌ فُقَرَاءُ فَلَمْ یَجْعَلْ عَلَیْهِمْ شَیْئًا۔ (رواه ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عمرانؓ ابن حصین کہتے ہیں کہ ایک لڑکے نے جو مفلس خاندان سے تعلق رکھتا تھا، ایک ایسے لڑکے کا کان کاٹ ڈالا جو ایک دولت مند خاندان سے تھا، چنانچہ جس لڑکے نے کان کاٹا تھا، اس کے خاندان والے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم محتاج و مفلس ہیں (لہٰذا ہم پر دیت مقرر نہ کی جائے) رسول کریم ﷺ نے (ان کی درخواست منظور کرتے ہوئے) ان پر کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اگر کسی لڑکے سے کوئی جنایت (یعنی کسی کو کوئی نقصان یا تکلیف پہنچانے کا کوئی قصور) سرزد ہو جائے تو "اختیار صحیح" کے فقدان کی وجہ سے وہ جنایت خطائی کے حکم میں ہوتی ہے اور اس کا تاوان لڑکے کے عاقلہ (یعنی اس کے خاندان و برادری والوں پر) واجب ہوتا ہے۔

اس لئے اگر کوئی لڑکا کسی شخص کو قتل کر دے تو اس کو قصاص میں قتل نہیں کیا جاتا۔ حدیث میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس میں قاعدہ کے اعتبار سے لڑکے کے عاقلہ پر تاوان واجب ہونا چاہئے تھا لیکن لڑکے کے عاقلہ چونکہ غریب و مفلس تھے اور غریب و مفلس کسی تاوان کے متحمل نہیں ہوسکتے اس لئے رسول کریم ﷺ نے کان کاٹنے والے لڑکے کے خاندان والوں پر کوئی دیت واجب نہیں فرمائی۔

حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس لڑکے نے کان کاٹا تھا وہ "آزاد" تھا کیونکہ وہ غلام ہوتا تو اس کی جنایت و دیت خود اس کی ذات کے ساتھ متعلق کی جاتی اور اس کے مالکوں کا فقیر و مفلس ہونا اس کے وجوب کو اس کی ذات سے ختم نہ کرتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

قتل شبہ عمد اور قتل خطاء کی دیت

(۲۰) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ قَالَ دِيَةُ شِبْهِ الْعَمَدِ اَثْلاَثًا ثَلاَثٌ وَّثَلاَثُوْنَ حِقَّةً وَّثَلاَثٌ وَّثَلاَثُوْنَ جَذَعَةً وَاَرْبَعٌ وَّثَلاَثُوْنَ ثَنِيَّةً اِلٰى بَازِلِ عَامِهَا كُلُّهَا خَلِفَاتٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ فِي الْخَطَاءِ اَرْبَاعًا خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ حِقَّةً وَخَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ جَذَعَةً وَخَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ بَنَاتُ لَبُوْنٍ وَخَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ بَنَاتُ مَخَاضٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا قتل شبہ عمد کی دیت میں (سو) اونٹنیاں دینی واجب ہیں بایں تفصیل تینتیس اونٹنیاں وہ ہوں جو چوتھے برس میں لگی ہوں اور تینتیس اونٹنیاں وہ ہوں جو پانچویں برس میں لگی ہوں اور چونتیس اونٹنیاں وہ جو چھٹے برس میں ہی ہوں آٹھ برس تک وہ جو نویں برس میں لگی ہوں اور سب حاملہ ہوں۔ ایک اور روایت میں حضرت علیؓ سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا قتل خطاء کی دیت میں چار طرح کی (سو) اونٹنیاں دینی واجب ہیں، بایں تفصیل کہ پچیس وہ ہوں جو تین تین برس کی ہوں اور پچیس وہ ہوں جو چار چار برس کی ہوں اور پچیس وہ ہوں جو دو دو برس کی ہوں اور پچیس وہ ہوں جو ایک ایک برس کی ہوں۔" (ابوداؤد)

(۲۱) وَعَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَضٰى عُمَرُ فِيْ شِبْهِ الْعَمَدِ ثَلاَثِيْنَ حِقَّةً وَّثَلاَثِيْنَ جَذَعَةً وَاَرْبَعِيْنَ خَلِفَةً مَا بَيْنَ ثَنِيَّةٍ اِلٰى بَازِلِ عَامِهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے قتل شبہ عمد کی دیت میں تیس اونٹنیاں تین تین برس کی اور تیس اونٹنیاں چار چار برس کی اور چالیس اونٹنیاں حاملہ جو پانچ برس کی ہوں دینے کا حکم فرمایا۔ (گویا یہ روایت حضرت امام شافعی کے مسلک کے موافق ہے)۔" (ابوداؤد)

پیٹ کے بچہ کی دیت

(۲۲) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِي الْجَنِيْنِ يُقْتَلُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ وَلِيْدَةٍ فَقَالَ الَّذِيْ قَضٰى عَلَيْهِ كَيْفَ اَغْرَمُ مَنْ لاَ شَرِبَ وَلاَ اَكَلَ وَلاَ نَطَقَ وَلاَ اسْتَهَلَّ وَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا هٰذَا مِنْ اِخْوَانِ الْكُهَّانِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالنَّسَائِيُّ مُرْسَلاً وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ عَنْهُ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مُتَّصِلاً۔

"اور حضرت سعید ابن مسیب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے پیٹ کے اس بچہ کی دیت جو مارا جائے ایک غرہ یعنی ایک غلام یا ایک لونڈی مقرر فرمائی۔" جس شخص پر یہ دیت واجب کی گئی تھی اس نے عرض کیا کہ میں اس شخص کا تاوان کس طرح بھروں جس نے کوئی چیز پی اور نہ کھائی ہو اور نہ بولا نہ چلایا، اس قسم کا قتل تو ساقط کیا جاتا ہے" رسول کریم ﷺ نے (اس شخص کی یہ بات سن کر حاضرین سے) فرمایا کہ "اس کے علاوہ اور کیا کہا جائے کہ یہ شخص کاہنوں کا بھائی ہے"۔ (امام مالکؒ اور امام نسائیؒ نے تو اس روایت کو بطریق ارسال (یعنی راوی

صحابی کا ذکر کئے بغیر انقل کیا ہے لیکن ابوداؤد نے حضرت سعیدؒ سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے بطریق اتصال نقل کیا ہے۔"

تشریح: "کاہن" اس شخص کو کہتے ہیں جو غیب دانی کا دعوی کرتا ہے اور لوگوں کی غیب کی باتیں بتاتا ہے اور وہ لوگوں کو فریفتہ کرنے کے لئے اپنی جھوٹی اور غلط سلط باتوں کو مسجع اور مقفی عبارتوں کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ حدیث میں مذکورہ شخص نے بھی چونکہ اپنے ایک غلط خیال کو بڑے مسجع اور مقفی الفاظ کے ذریعہ پیش کیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس مناسبت سے اس کو کاہنوں کا بھائی فرمایا ورنہ تو جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے مطلق مسجع و مقفی عبارتیں بذات خود مذموم نہیں ہیں بلکہ انسان کے کلام کی فصاحت و بلاغت اور قابلیت کا پرتو ہوتی ہیں چنانچہ خود رسول کریم ﷺ کا انداز بیان اور آپ کا کلام بڑی مسجع و مقفی عبارتوں سے مزین ہوتا تھا۔ بطور خاص آپ سے جو دعائیں منقول ہیں ان کے الفاظ کی جامعیت مسجع و مقفی عبارتوں کی بہترین مثال ہیں جیسے یہ دعا ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ الخ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو نافع نہ ہو اور اس قلب سے جو ترساں نہ ہو الخ حاصل یہ کہ وہ مسجع عبارت مذموم ہے جو بہ تکلف زبان و قلم سے ادا ہو اور جس کا مقصد باطل کو رواج دینا ہو جیسا کہ مذکورہ شخص نے کہا۔

شمنیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں مذکورہ مسئلہ کے بارے میں فقہی مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حاملہ کے پیٹ پر مارے اور اس کی وجہ سے اس کے پیٹ کا بچہ مردہ ہو کر باہر آجائے تو اس کی دیت میں غرہ یعنی پانچ سو درہم مارنے والے کے عاقلہ پر واجب ہوں گے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے "غرہ" سے مراد پانچ سو درہم لئے ہیں اور وہ اس لئے کہ اکثر روایتوں میں غرہ کی توضیح یہی کی گئی ہے اور اگر حاملہ کے پیٹ مارنے کی وجہ سے زندہ بچہ باہر آجائے اور پھر مرجائے تو اس صورت میں پوری دیت واجب ہوگی۔

بَابُ مَالَا یُضْمَنُ مِنَ الْجِنَایَاتِ

جنایات کی جن صورتوں میں تاوان واجب نہیں ہوتا ان کا بیان

"جنایات" جمع ہے جنایت کی۔ جنایت کے معنی ہیں "قصور کرنا، جرم کرنا" اس سے قبل وہ ابواب گزرے ہیں جن میں جنایات کی سزائیں تاوان اور قصاص وغیرہ کے سلسلہ میں احادیث گزری ہیں، اس باب کا مقصد جنایات کی ان صورتوں کو بیان کرنا ہے جن میں معاوضہ اور تاوان واجب نہیں ہوتا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

جانور کے مارنے، کان میں دب جانے اور کنوئیں میں گر پڑنے کا کوئی تاوان نہیں

① عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْعَجْمَاءُ جُرْحُھَا جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (چوپایوں کا زخمی کر دینا معاف ہے، کان میں دب جانا بھی معاف ہے، اور کنوئیں میں گر پڑنا بھی معاف ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اگر کسی کا جانور کسی آدمی کو اپنے پاؤں سے روندے یا کسی کو سینگ یا دم مار کر یا منہ سے کاٹ کر زخمی کر دے اور وہ آدمی مرجائے یا جو جانور کسی چیز کو نقصان و ضائع کر دے تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے بشرطیکہ اس جانور کے ساتھ کوئی آدمی نہ ہو، ہاں اگر جانور کے ساتھ کوئی ہانکنے والا یا کھینچنے والا یا اس جانور پر کوئی سوار ہو اور اس جانور سے کوئی چیز ضائع ہوگئی ہو تو اس صورت میں اس جانور کے ساتھ جو بھی آدمی ہوگا اس پر تاوان واجب ہوگا۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔

اس بارہ میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر جانور نے دن میں کسی چیز کو ضائع کیا ہے تو اس کے مالک پر کوئی تاوان وغیرہ واجب نہیں ہوگا لیکن اگر جانور نے رات میں کسی چیز کو ضائع کیا ہے مثلاً کسی کا کھیت چر گیا یا کسی کے باغ کو نقصان پہنچایا تو اس صورت میں جانور کے مالک پر تاوان واجب ہوگا کیونکہ رات میں جانوروں کی نگہبانی ان کے مالکوں پر لازم ہے اور دن میں اپنے کھیت و باغات اور دوسری چیزوں کی حفاظت کرنا ان کے مالکوں پر لازم ہے۔

ہدایہ میں لکھا ہے کہ (جانور سے کسی چیز کا نقصان ہو جانے کی صورت میں) جانور کو ہانکنے والے پر اس چیز کا تاوان واجب ہوگا جو جانور کے ہاتھوں اور پیروں کے ذریعہ تلف ہوئی ہے، اور جو شخص جانور کو پکڑ کر کھینچتا ہوا لے جا رہا ہو وہ اس چیز کے تاوان کا ذمہ دار ہوگا جو جانور کے پیروں کے ذریعہ نہیں بلکہ صرف ہاتھوں کے ذریعہ نقصان ہوئی ہے، اور اگر کسی ایسے جانور نے کسی چیز کو ضائع کیا ہے جس پر کوئی شخص سوار ہو تو اس سوار پر اس چیز کا تاوان واجب ہوگا جو اس جانور کے ہاتھ یا پیر یا سر کے ذریعہ تلف ہوئی ہے۔ نیز اگر نقصان کرنے والا کوئی جانور ہو جس کے ساتھ اس کو ہانکنے والا بھی ہو اور اس پر کوئی سوار بھی ہو اس کو کھینچنے والا بھی ہو (یا) اس پر کوئی سوار بھی ہو تو اس نقصان کا تاوان دونوں پر واجب ہوگا۔

"کان میں دب جانا معاف ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کھدی ہوئی کان میں جائے یا اس کے اوپر کھڑا ہو اور پھر کان میں بیٹھ جائے جس کی وجہ سے وہ شخص ہلاک ہو جائے تو اس شخص پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا جس نے کان کھودی ہے یا کسی مزدور کو کان کھودنے کے لئے اجرت پر لگایا اور اتفاق سے وہ مزدور کان میں دب کر مر گیا تو کان کے مالک پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا یہ دوسری نوعیت صرف کان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ حکم اجارہ (مزدوری) کی دیگر صورتوں میں بھی نافذ ہوگا جب کہ پہلی نوعیت صرف اس صورت سے متعلق ہے جو حدیث کے آخری جزو والبئر جبار (کنویں میں گر پڑنا معاف ہے) کے مطابق ہو چنانچہ "کنویں میں گر پڑنا معاف ہے" کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے اپنی زمین یا کسی اور مباح زمین میں کنواں کھودا اور پھر اس میں کوئی شخص گر کر مر گیا تو کنواں کھودنے والے پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا۔

مدافعت میں کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا

④ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ وَكَانَ لِيْ اَجِيْرٌ فَقَاتَلَ اِنْسَانًا فَعَضَّ اَحَدُهُمَا يَدَ الْاٰخَرِ فَانْتَزَعَ الْمَعْضُوْضُ يَدَهٗ مِنْ فِي الْعَاضِّ فَاَنْدَرَ ثَنِيَّتَهٗ فَسَقَطَتْ فَانْطَلَقَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَهْدَرَ ثَنِيَّتَهٗ وَقَالَ اَيَدَعُ يَدَهٗ فِيْ فِيْكَ تَقْضِمُهَا كَالْفَحْلِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت یعلی ابن امیہ کہتے ہیں کہ (غزوہ تبوک کے) صبر آزما لشکر کے ساتھ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (جہاد میں) شریک تھا، میرے ساتھ ایک نوکر بھی تھا، چنانچہ وہ (کسی بات پر) ایک شخص سے لڑ پڑا اور ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ کھایا مگر اس نے اپنا ہاتھ کاٹنے والے کے منہ سے (اس طرح) کھینچا کہ اس کے دانت جھڑ کر گر پڑے۔ وہ شخص کہ جس کے دانت گر پڑے تھے (دادرسی کے لئے) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (تاکہ آپ ﷺ اس کے حق میں فیصلہ کریں) لیکن آپ ﷺ نے اس کے دانتوں کا کوئی تاوان واجب نہیں کیا اور اس سے فرمایا کہ وہ شخص اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں چھوڑ دیتا تاکہ اس کو اسی طرح چباتے رہتے جس طرح اونٹ چباتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "کیا وہ شخص اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں چھوڑ دیتا الخ" اس ارشاد کے ذریعہ آپ ﷺ نے اس کے دانتوں کا تاوان واجب نہ کرنے کے سبب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس شخص کی وجہ سے تمہارے دانت ٹوٹ کر گرے ہیں وہ اس مدافعتی کاروائی پر مجبور تھا کہ اس نے دراصل اپنا ہاتھ بچانے کے لئے تمہارے منہ سے کھینچا۔ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اسی طرح اگر کوئی مرد کسی عورت سے بدکاری

کرنا چاہے اور وہ عورت اپنی آبرو بچانے کے لئے اس پر حملہ کرے جس کے نتیجہ میں وہ مرد ہلاک ہو جائے تو اس کی وجہ سے عورت پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس یہ مقدمہ آیا کہ ایک لڑکی (کہیں جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہی تھی کہ ایک شخص نے اس کا پیچھا کیا اور اس سے منہ کالا کرنا چاہا، لڑکی نے اپنی آبرو خطرہ میں دیکھ کر ایک پتھر اٹھایا اور اس شخص کے کھینچ مارا جس سے وہ مر گیا، حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں یہ فیصلہ دیا کہ "یہ قتل (حقیقت میں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے (کہ اس نے اس شخص کو سزا دے کر ایک پاک دامن لڑکی کی عصمت کو محفوظ رکھا) لہٰذا خدا کی قسم اس کی کوئی دیت نہیں دلوائی جائے گی" حضرت امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کا مال لوٹنے، خوں ریزی کرنے اور اس کے گھر والوں کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ کرے تو اس قسم کا ارادہ کرنے والے اور قتل کرنے والے کی مدافعت کرنا جائز ہے، لہٰذا پہلے تو یہ چاہئے کہ ایسے شخص کو انسانیت کے ساتھ اس کے ارادہ و فعل سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے لیکن اگر وہ اپنے ارادہ قتل و قتال سے باز نہ آئے اور اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے اس کو مار ڈالا جائے تو اس کا خون معاف ہوگا۔

اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا شہید ہے

(۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنے مال کے لئے مارا جائے تو وہ شہید ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مال و اسباب کی حفاظت کر رہا تھا کہ کسی نے اس کو قتل کر دیا تو وہ شہید ہے یہی حکم اس شخص کے بارہ میں ہے جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے۔

(۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ اِنْ جَاءَ رَجُلٌ يُرِيْدُ اَخْذَ مَالِیْ قَالَ فَلَا تُعْطِهٖ مَالَكَ قَالَ اَرَأَيْتَ اِنْ قَاتَلَنِیْ قَالَ قَاتِلْهُ قَالَ اَرَأَيْتَ اِنْ قَتَلَنِیْ قَالَ فَاَنْتَ شَهِيْدٌ قَالَ اَرَأَيْتَ اِنْ قَتَلْتُهٗ قَالَ هُوَ فِی النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے (جناب رسالت مآب میں حاضر ہو کر) عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! مجھے بتایئے اگر کوئی شخص میرے پاس میرا مال (زبردستی) لینے آئے (تو کیا میں اپنا مال اس کے حوالے کر دوں؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا "نہیں تم اس کو اپنا مال نہ دو" اس نے عرض کیا "یہ بتایئے اگر وہ مجھ سے لڑ پڑے (تو کیا کروں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا "تم بھی اس سے لڑو" اس نے عرض کیا "بتایئے اگر اس نے مجھے مار ڈالا آپ نے فرمایا تم شہید ہوگے دریافت کیا اگر وہ مر جائے (تو اس کا کیا حشر ہوگا؟) آپ ﷺ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا (اور تم پر اس کا کوئی وبال نہیں ہوگا)۔" (مسلم)

تشریح: یہ حدیث مسلمانوں کو اپنی جان و مال اور عزت و آبرو بچانے کے لئے حملہ آور کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی تلقین کرتی ہے اور اللہ کے نام لیواؤں کے شعور یہ احساس جاگزیں کرنا چاہتی ہے کہ مسلمان کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ وہ کسی بھی ایسے شخص کے مقابلہ میں کم ہمتی اور بزدلی کا ثبوت دے جو اس کے مال کو لوٹنا چاہتا ہے اور اس کی زندگی کو تباہ و برباد کرنے پر تلا ہوا ہے، بلکہ ایک مسلمان کو ایمان و یقین اور اعتماد علی اللہ کی جو طاقت حاصل ہوتی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حملہ آور اور فسادی کا پوری مردانگی سے مقابلہ کرے اور ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دے کر شہادت کا مرتبہ حاصل کرے یا اس حملہ آور فسادی کو ختم کر کے اس کو جہنم رسید کر دے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر قاتل و فسادی مسلمان بھی ہو تو اس کی مدافعت کرنا اور اس مدافعت میں اس کو ہلاک کر دینا مباح ہے۔

گھر میں جھانکنے والے کو زخمی کر دینا معاف ہے

⑤ وَعَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوِاطَّلَعَ فِيْ بَيْتِكَ اَحَدٌ وَلَمْ تَاْذَنْ لَهٗ فَخَذَفْتَهٗ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهٗ مَاكَانَ عَلَيْكَ مِنْ جُنَاحٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر (تمہارا دروازہ بند ہو اور اس کی درازمیں سے) کوئی شخص تمہارے گھر میں جھانکے درانحالیکہ تم نے اس کو (گھر میں آنے کی) اجازت نہیں دے رکھی ہے اور تم اس کے کنکری مارو اور اس کنکری سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تم پر کوئی گناہ (تاوان) نہیں۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: امام شافعیؒ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے ایسے شخص پر سے آنکھ کے تاوان کو ساقط کیا ہے جب کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس پر تاوان واجب ہوگا، انہوں نے اس حدیث کو مبالغہ اور سخت تنبیہ پر محمول کیا ہے۔

⑥ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَجُلًا اطَّلَعَ فِيْ جُحْرٍ فِيْ بَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِدْرًى يَحُكُّ بِهٖ رَاْسَهٗ فَقَالَ لَوْ اَعْلَمُ اَنَّكَ تَنْظُرُنِيْ لَطَعَنْتُ بِهٖ فِيْ عَيْنَيْكَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِئْذَانُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سہلؓ ابن سعد کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کے دروازے سے جھانکا اور اس وقت رسول کریم ﷺ پشت خار (کنگھے) سے اپنا سر کھجار ہے تھے آپ ﷺ نے (جب اس شخص کو جھانکتے ہوئے دیکھا تو) فرمایا کہ اگر میں جانتا (یعنی مجھ کو یقین ہوتا) کہ تم (قصداً جھانک کر) مجھ کو دیکھ رہے ہو تو میں (یہ کنگھا تمہاری آنکھ میں جھونک دیتا (کیا تم نہیں جانتے کہ کسی غیر کے گھر میں آنے کے وقت) اجازت لینے کا حکم اسی آنکھ کی وجہ سے دیا گیا ہے (کہ وہ کسی غیر محرم پر نہ پڑ جائے)۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں داخل ہونا برا ہے اسی طرح بغیر اجازت کے کسی گھر میں جھانکنا بھی برا ہے، نیز طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص بلاقصد کسی کے گھر میں جھانکنے کا مرتکب ہو جائے مثلاً کوئی شخص کسی کے گھر کے سامنے سے گزر رہا ہو اور اضطراراً اس کی نظر گھر میں چلی جائے تو اس پر کوئی برائی نہیں ہے۔

خواہ مخواہ کنکریاں نہ پھینکو

⑦ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ اَنَّهٗ رَاٰى رَجُلًا يَخْذِفُ فَقَالَ لَا تَخْذِفْ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْخَذْفِ وَقَالَ اِنَّهٗ لَا يُصَادُ بِهٖ صَيْدٌ وَّلَا يُنْكَاُ بِهٖ عَدُوٌّ وَلٰكِنَّهَا قَدْ تَكْسِرُ السِّنَّ وَتَفْقَاُ الْعَيْنَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مغفل سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے پکڑ کر کنکریاں پھینکتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ کنکریاں نہ پھینکو کیونکہ رسول کریم ﷺ اس طرح کنکریاں پھینکنے سے منع کیا ہے اور فرمایا کہ اس طرح کنکری پھینک کر نہ تو شکار کیا جا سکتا ہے اور نہ (دین کے) دشمن کو زخمی کیا جا سکتا ہے (بلکہ یہ محض لہو ولعب ہے جس سے نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دین کا اور مستزاد یہ کہ لوگوں کو اس سے ضرر پہنچتا ہے جیسا کہ خود آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ) البتہ اس طرح کنکریاں پھینکنا دانت کو توڑ دیتا ہے اور آنکھ کو پھوڑ دیتا ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس طرح بلاقصد کنکریاں پھینکنے سے اس لئے منع فرمایا کہ اس میں کوئی مصلحت اور فائدہ تو ہوتا نہیں البتہ فتنہ وفساد پھوٹ پڑنے اور لڑائی جھگڑا ہو جانے کا خوف ضرور رہتا ہے چنانچہ یہی حکم ہر ایسے عمل کے بارہ میں ہے جس میں یہ بات موجود ہو۔

مجمع اور بازار میں ہتھیاروں کو احتیاط کے ساتھ رکھو

⑧ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَّ اَحَدُکُمْ فِیْ مَسْجِدِنَا وَفِیْ سُوْقِنَا وَمَعَہٗ نَبْلٌ فَلْیُمْسِکْ عَلٰی نِصَالِھَا اَنْ یُّصِیْبَ اَحَدًا مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْھَا بِشَیْءٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص ہماری مسجد اور ہمارے بازار میں آئے یا وہاں سے گزرے اور اس کے پاس تیر ہوں تو اس کو چاہئے کہ ان کو بند کرے (یعنی ان کے پیکانوں پر ہاتھ رکھ لے) تاکہ اس سے کسی مسلمان کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مساجد اور بازار ایسے تمام مقامات جہاں مسلمان جمع ہوں وہاں ہتھیاروں کو بہت دیکھ بھال کے ساتھ اپنے پاس رکھنا چاہئے خواہ وہ تیر ہوں یا دوسرے ہتھیار جیسے بندوق، تلوار نیزہ اور بلم وغیرہ تاکہ ایسا نہ ہو کہ کسی چوک اور غلطی سے کوئی مسلمان کسی کے ہتھیار سے زخمی گھائل ہو جائے۔

کسی مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرو

⑨ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُشِیْرُ اَحَدُکُمْ عَلٰی اَخِیْہِ بِالسِّلَاحِ فَاِنَّہٗ لَا یَدْرِیْ لَعَلَّ الشَّیْطَانَ یَنْزِعُ فِیْ یَدِہٖ فَیَقَعُ فِیْ حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے اس لئے کہ اس کو نہیں معلوم کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار کھینچ لے اور اس کی وجہ سے وہ ہتھیار کا مالک دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: شیطان تو تاک میں رہتا ہی ہے کہ جہاں کوئی انسان چوکا اور اس لعین نے اس کو گناہ میں مبتلا کیا اسی لئے فرمایا گیا کہ کسی مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرو کہ مبادا شیطان تم پر اثر انداز ہو جائے اور وہ ہتھیار اشارے اشارے میں مسلمان بھائی کے جا لگے اور اس کی وجہ سے تم دوزخ کے سزاوار بنو۔

⑩ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَشَارَ اِلٰی اَخِیْہِ بِحَدِیْدَۃٍ فَاِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ تَلْعَنُہٗ حَتّٰی یَضَعَھَا وَاِنْ کَانَ اَخَاہُ لِاَبِیْہِ وَاُمِّہٖ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی طرف لوہے (یعنی ہتھیار وغیرہ) سے اشارہ کرتا ہے اس پر فرشتے اس وقت تک لعنت بھیجتے ہیں جب تک کہ وہ اس لوہے کو رکھ نہیں دیتا اگرچہ وہ اس کا حقیقی بھائی کیوں نہ ہو۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے حقیقی بھائی کی طرف لوہے سے اشارہ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس کو قتل کرنے یا اس کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے بلکہ اس کا تعلق ہنسی مذاق ہی سے ہو سکتا ہے مگر اس کے باوجود فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اس ارشاد گرامی کا مقصد گویا کسی مسلمان پر اشارۃً ہتھیار یا لوہا اٹھانے کی ممانعت کو بطور مبالغہ بیان کرنا ہے۔

⑪ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَیْنَا السِّلَاحَ فَلَیْسَ مِنَّا۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَزَادَ مُسْلِمٌ وَمَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا۔

"اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "جو شخص (ہنسی مزاق کے طور پر بھی) ہم پر

ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی ہمارے طریقہ پر عامل نہیں ہے" (بخاری و مسلم) اور مسلمؒ نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ (جو شخص اپنی کوئی چیز فروخت کرتے وقت فروخت کی جانے والی چیز کے کسی عیب و نقصان کو چھپا کر) ہمیں فریب دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

⑫ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا السَّيْفَ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے (بلا ارادہ قتل ہنسی مذاق میں بھی) ہمارے اوپر تلوار کھینچی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" (مسلمؒ)

دنیا میں کسی کو سخت اذیت میں مبتلا کرنے والا خود آخرت میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا

⑬ وَعَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمٍ مَرَّ بِالشَّامِ عَلٰى اُنَاسٍ مِنَ الْاَنْبَاطِ وَقَدْ اُقِيْمُوْا فِي الشَّمْسِ وَصُبَّ عَلٰى رُءُوْسِهِمُ الزَّيْتُ فَقَالَ مَا هٰذَا قِيْلَ يُعَذَّبُوْنَ فِي الْخَرَاجِ فَقَالَ هِشَامٌ اَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يُعَذِّبُ الَّذِيْنَ يُعَذِّبُوْنَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ہشام ابن عروہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ہشام ابن حکیم نے ملک شام (کے سفر کے دوران) انطی قوم کے کچھ افراد کو اس حال میں دیکھا کہ انہیں دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا اور ان کے سروں پر گرم گرم تیل ڈالا گیا تھا، ہشام ابن حکیم نے (یہ روح فرسا منظر دیکھ کر) کہا کہ یہ کیا ہے؟" (یعنی ان لوگوں کو کس جرم کی پاداش میں یہ غیر انسانی سزا دی جا رہی ہے؟) انہیں بتایا گیا کہ "خراج (زرعی ٹیکس نہ دینے) کی وجہ سے ان کو اس عذاب میں مبتلا کیا گیا ہے؟ حضرت ہشام نے فرمایا "میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ (آخرت میں) ان لوگوں کو عذاب میں مبتلا کرے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب میں مبتلا کرتے ہیں۔" (مسلم)

تشریح: یعنی جو شخص کسی کو دنیا میں ناحق کسی چیز کے عذاب میں مبتلا کرے گا مثلاً کسی کو دھوپ میں کھڑا کر کے اس کے اوپر گرم تیل ڈالے گا تو اللہ تعالیٰ عقبیٰ میں اس کو اسی چیز کے عذاب میں گرفتار کرے گا۔

ظلم کے حاشیہ برداروں پر غضب خداوندی

⑭ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اِنْ طَالَتْ بِكَ مُدَّةٌ اَنْ تَرٰى قَوْمًا فِيْ اَيْدِيْهِمْ مِثْلُ اَذْنَابِ الْبَقَرِ يَغْدُوْنَ فِيْ غَضَبِ اللّٰهِ وَيَرُوْحُوْنَ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَرُوْحُوْنَ فِيْ لَعْنَةِ اللّٰهِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو تم عنقریب ان لوگوں کو دیکھو گے جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم کی مانند ایک ایسی چیز یعنی کوڑے ہوں گے، ان کی صبح اللہ کے غضب میں اور ان کی شام اللہ کی شدید ناراضگی میں گزرے گی (یعنی ان لوگوں پر ہمہ وقت اللہ کا عذاب نازل ہوتا رہے گا) اور ایک روایت میں یہ ہے کہ "ان کی شام اللہ کی لعنت میں گزرے گی"۔" (مسلم)

تشریح: "ان لوگوں" سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی ظالم و جابر یا کسی صاحب اقتدار کے حاشیہ نشین ہوتے ہیں یا ان کے دروازوں پر پڑے رہتے ہیں اور ان کے آگے پیچھے لگے رہتے ہیں اور پھر اس ظالم و جابر کے بل بوتے پر وہ لوگ عام انسانوں کو ڈراتے دھمکاتے پھرتے ہیں غریبوں کو مارتے پیٹتے ہیں، کمزوروں کو گالیاں دیتے ہیں اور نادار شرفاء کی عزت و آبرو کو پامال کرتے ہیں اور کٹ کھنے کتے کی طرح ہر ایک کو کاٹنے دوڑتے ہیں۔

ناروا فیشن کرنے والی عورتوں کے بارے میں وعید

⑮ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيْلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُءُوْسُهُنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا وَاِنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ كَذَا وَكَذَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" دوزخیوں کے دو گروہ ایسے ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا (اور نہ میں دیکھوں گا) ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہے جن کے ہاتھوں میں گائے کی مانند کوڑے ہوں گے جس سے وہ (لوگوں کو ناحق) ماریں گے، اور دوسرا دہ گروہ ان عورتوں کا ہے جو بظاہر تو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی مگر حقیقت میں ننگی ہوں گی وہ مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود مردوں کی طرف مائل ہوں گی ان کے سر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہلتے ہوں گے ایسی عورتیں نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ جنت کی بو پائیں گی حالانکہ جنت کی بو اتنی اتنی (یعنی مثلاً سو برس) دوری سے آتی ہے۔" (مسلم)

تشریح: "مگر حقیقت میں ننگی ہوں گی" اس میں ان عورتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اتنے باریک اور مہین کپڑے پہنتی ہیں کہ ان کا بدن جھلکتا ہے، یا اس طرح کپڑے پہنتی ہیں کہ جسم کا کچھ حصہ چھپا رہتا ہے اور کچھ حصہ کھلا رہتا ہے (جیسا کہ آجکل ساڑھی اور بلاوز کا رواج ہے) یا دوپٹہ سے اپنے پیٹ اور سینہ وغیرہ کو ڈھانکنے کی بجائے اس کو گلے میں یا پیٹھ پر ڈال لیتی ہیں، ان تمام صورتوں میں عورت بظاہر تو کپڑے پہنے ہوئے نظر آتی ہے مگر حقیقت میں وہ ننگی ہوتی ہے۔

اس جملہ سے ایسی عورتوں کی طرف بھی اشارہ مقصود ہو سکتا ہے جو دنیا میں تو انواع و اقسام کے لباس زیب تن کرتی ہیں مگر تقویٰ و عمل صالح کے لباس سے محروم رہتی ہیں کہ وہ تقویٰ اور عمل صالح ہی کی وجہ سے آخرت میں جنت کے لباس کی مستحق ہوں گی۔

"ممیلات" اور "مائلات" سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے بناؤ سنگار اور اپنی سج دھج کے ذریعہ مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں۔ اور خود بھی مردوں کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ یا "ممیلات" سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے دوپٹے اپنے سروں سے اتار پھینکتی ہیں۔ تاکہ مرد ان کے چہرے دیکھیں، اور "مائلات" سے مراد وہ عورتیں ہیں جو مٹک مٹک کر چلتی ہیں تاکہ لوگوں کے دل فریفتہ کریں۔

"ان کے سر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہلتے ہوں گے" سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنی چوٹیوں کو جوڑے کی صورت میں سر پر باندھ لیتی ہیں اور جس طرح بختی اونٹ کے کوہان فربہی کی وجہ سے ادھر ادھر ہلتے رہتے ہیں اسی طرح ان کے سر کے جوڑے بھی ادھر ادھر ہلتے رہتے ہیں۔ اس حدیث میں عورتوں کے جس خاص طبقہ کی نشان دہی کی گئی ہے اس کا وجود آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں نہیں تھا بلکہ یہ آپ کا معجزہ ہے کہ آپ ﷺ نے آنے والے زمانہ میں اس قسم کی عورتوں کے پیدا ہونے کی خبر دی۔

"نہ تو جنت میں داخل ہوں گی الخ" یہ عورتوں کے گروہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے مردوں کے گروہ کے بارے میں اس طرح کی بات محض اختصار کے پیش نظر نہیں فرمائی گئی ہے، قاضی عیاضؒ کے کہنے کے مطابق اس جملہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایسی عورتیں کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہوں گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس وقت نیک و پارسا اور پرہیزگار عورتیں جنت میں داخل ہوں گی اور جنت کی بو پائیں گی اس وقت ایسی عورتیں نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ جنت کی بو پائیں گی، ہاں اپنی اپنی سزا بھگتنے کے بعد ان کو بھی جنت کی سعادت سے نواز دیا جائے گا۔ یا پھر یہ کہ یہ بات ان عورتوں کے بارہ میں فرمائی گئی ہے جو ان چیزوں کو حلال جان کر ان کا ارتکاب کریں گی، نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس جملہ سے سخت زجر و تنبیہ مراد ہے۔

کسی کے منہ پر نہ مارو

⑯ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَاتَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ فَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى

صُوْرَتِہٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم سے کوئی شخص (کسی کو) مارے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کے چہرے کو بچائے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صفات پر پیدا کیا اور اس کو اپنی صفات جلالیہ و جمالیہ کا مظہر بنایا۔ یا یہ مراد ہے کہ آدم کو اس صورت خاصہ پر پیدا کیا گیا جس کو حق تعالیٰ نے صرف انسانوں کے لئے اختراع کیا اور پیدا کیا۔ اس اعتبار سے "اپنی" کی طرف "صورت" کی اضافت، انسانی شرف و کرامت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے جیسا کہ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ میں حق تعالیٰ نے روح کی اضافت اپنی طرف فرما کر روح انسانی کی عظمت و فضیلت کو ظاہر کیا ہے۔ اور بعضوں نے یہ کہا کہ صورتہ کی ضمیر دراصل آدم کی طرف راجع ہے یعنی آدم کو اس صورت پر پیدا کیا جو آدم کے ساتھ مخصوص ہے اور جو تمام مخلوقات سے ممتاز ہے اور خصائص و کرامات پر مشتمل ہے۔

اس طرح حدیث کا حاصل یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات میں اشرف پیدا کیا ہے اور اس کے تمام اعضاء میں اس کا چہرہ اشرف و مکرم اور انسانی صورت و کمال کے ظہور کا محل ہے لہٰذا انسان کے چہرہ پر مارنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ حکم استحباب کے طور پر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

غیر کے گھر میں بلا اجازت جھانکنے اور داخل ہونے والا قابل تعزیر ہے

⑰ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کَشَفَ سِتْرًا فَاَدْخَلَ بَصَرَہٗ فِی الْبَیْتِ قَبْلَ اَنْ یُّؤْذَنَ لَہٗ فَرَاٰی عَوْرَۃَ اَھْلِہٖ فَقَدْ اَتٰی حَدًّا لَا یَحِلُّ لَہٗ اَنْ یَّاْتِیَہٗ وَلَوْ اَنَّہٗ حِیْنَ اَدْخَلَ بَصَرَہٗ فَاسْتَقْبَلَہٗ رَجُلٌ فَفَقَأَ عَیْنَہٗ مَا عَیَّرْتُ عَلَیْہِ وَاِنْ مَرَّ الرَّجُلُ عَلٰی بَابٍ لَا سِتْرَ لَہٗ غَیْرِ مُغْلَقٍ فَنَظَرَ فَلَا خَطِیْئَۃَ عَلَیْہِ اِنَّمَا الْخَطِیْئَۃُ عَلٰی اَھْلِ الْبَیْتِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر کسی شخص نے کسی کے گھر کا پردہ کھولا اور اس کے گھر میں اپنی نظر ڈالی جب کہ اس کو (اس گھر میں جھانکنے اور داخل ہونے کی) اجازت حاصل نہیں تھی اور اس نے اس کی گھر والی کو دیکھا تو (اس نے ایک ایسی چیز کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے) وہ قابل تعزیر ہوا، اس کے لئے یہ (ہرگز) جائز نہیں ہے کہ وہ (بلا اجازت کسی کے گھر پر) آئے (اور اس کے گھر میں جھانکے) اگر اس نے گھر میں جھانک کر دیکھا اور گھر والوں میں سے کوئی شخص سامنے آگیا اور اس نے اس (جھانکنے والے) کی آنکھ پھوڑ ڈالی تو میں اس (آنکھ پھوڑنے والے) کو سرزنش نہیں کروں گا اور نہ (بطور تاوان) اس پر کوئی چیز واجب کروں گا، ہاں اگر کوئی مرد کسی ایسے دروازے پر سے گزرے جس پر نہ کوئی پردہ پڑا ہوا ہو اور نہ وہ بند ہو اور اس کی نظر گھر کے آدمیوں پر جا پڑے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بلکہ گناہ تو گھر والوں پر ہوگا۔ کہ انہوں نے دروازے کو بند کیوں نہیں کیا اور اس پر پردہ کیوں نہیں ڈالا۔ (ترمذیؒ) نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "اس کے لئے یہ (ہرگز) جائز نہیں ہے الخ" یہ استیناف ہے جو علت کو متضمن ہے، یعنی یہ جملہ ایک الگ عبارت کو شروع کرتا ہے جس کا مقصد پہلی عبارت کے مفہوم کی علت کو بیان کرنا ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اہل خانہ پر واجب ہے کہ وہ اپنے مکان کا دروازہ بند رکھے یا دروازے پر پردہ ڈالے رکھے۔

ہاتھ میں ننگی تلوار رکھنے کی ممانعت

⑱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُتَعَاطَى السَّيْفُ مَسْلُوْلًا۔ (رواه الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بے نیام تلوار کو ہاتھ میں رکھنے سے منع کیا ہے۔" (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: بے نیام تلوار کو ہاتھ میں رکھنے سے اس خوف کے پیش نظر منع فرمایا گیا ہے کہ مبادا وہ ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑے اور کسی کے جا لگے یا لوگ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار دیکھ کر خوف و دہشت میں پڑ جائیں۔

انگلیوں کے درمیان تسمہ چیرنے کی ممانعت

⑲ وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يُقَدَّ السَّيْرُ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت حسنؒ حضرت سمرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ تسمہ کو دونوں انگلیوں کے درمیان چیرا جائے۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اس طرح تسمہ چیرنے سے انگلیاں زخمی نہ ہو جائیں۔ یہ حدیث اور اس سے پہلی حدیث دونوں میں مذکور ممانعت تنزیہی ہے اور از راہ شفقت و ہمدردی ہے۔

اپنے دین، اپنی جان، اپنے مال اور اپنے اہل و عیال کی محافظت میں مارا جانے والا شہید ہے

⑳ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِيْنِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ اَهْلِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت سعید ابن زید راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنے دین کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے گا وہ شہید ہے جو شخص اپنی جان کی حفاظت کرتا ہوا مارے جائے گا وہ شہید ہے جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے گا وہ شہید ہے اور جو شخص اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے گا وہ شہید ہے۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: دین کی محافظت میں مارے جانے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی مسلمان کے سامنے کسی کافر یا کسی مبتدع نے اس کے دین کی توہین و حقارت کی اور وہ مسلمان اس سے لڑ پڑا اور مارا گیا۔ تو اس کو شہادت کا درجہ ملے گا۔

اکثر علماء کا مسلک یہ ہے کہ اگر مثلاً زید کا مال کوئی شخص لوٹنے کا ارادہ کرے یا اس کو قتل کرنے پر اتر آئے اور یا اس کے اہل و عیال کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچانے کا قصد کرے تو زید کو چاہئے کہ وہ اس طرح کا برا ارادہ رکھنے والوں کی مدافعت کرے یعنی پہلے تو اس کو اچھے اور نرم انداز میں اس کے برے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کرے لیکن اگر وہ بغیر لڑائی جھگڑے کے اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور زید اس کو مار ڈالے تو زید پر (بطور تاوان) کوئی چیز نہیں ہوگی۔ اور اگر زید مارا گیا تو وہ شہید کا درجہ پائے گا۔

مسلمان پر تلوار اٹھانے والے کے بارہ میں وعید

㉑ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِجَهَنَّمَ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ بَابٌ مِنْهَا لِمَنْ سَلَّ السَّيْفَ عَلٰى اُمَّتِيْ اَوْقَالَ عَلٰى اُمَّةِ مُحَمَّدٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "دوزخ کے سات دروازے ہیں، ان میں سے ایک دروازہ اس شخص کے لئے ہے جو میری اُمت (کے لوگوں) پر۔ یا یہ فرمایا۔ اُمت محمدیہ پر (ناحق) تلوار اٹھائے" اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور

کہا ہے کہ حدیث غریب ہے۔"

وَحَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ الرَّجُلُ جُبَارٌ ذُكِرَ فِيْ بَابِ الْغَصَبِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث الرجل جبار الخ باب الغصب میں نقل کی جاچکی ہے۔"

بَابُ الْقَسَامَةِ

قسامت کا بیان

"قسامت" ق کے زبر کے ساتھ قسم کے معنی میں ہے یعنی سوگند کھانا۔ شرعی اصطلاح میں "قسامت" کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی آبادی و محلہ میں یا اس کی آبادی و محلہ کے قریب میں کسی شخص کا قتل ہو جائے اور قاتل کا پتہ نہ چلے تو حکومت واقعات کی تحقیق کرے اگر قاتل کا پتہ چل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس آبادی یا محلہ کے باشندوں میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے اس طرح کہ ان میں سے ہر آدمی یہ قسم کھائے کہ "خدا کی قسم! نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کا مجھے علم ہے" یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے جس کی بنیاد یہ مشہور حدیث ہے کہ اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ چنانچہ اس باب کی تیسری فصل میں حضرت رافع ابن خدیج سے منقول روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک "قسامت" کا مفہوم یہ ہے کہ جس آبادی و محلہ میں یا جس آبادی و محلہ کے قریب میں لاش پائی گئی ہے اگر اس کے باشندوں اور مقتول کے درمیان کوئی عداوت و دشمنی رہی ہو یا کوئی ایسی علامت پائی گئی ہو۔ جس سے یہ ظن غالب ہو کہ اس آبادی و محلہ کے لوگوں نے اس کو قتل کیا ہے جیسے اس آبادی یا محلہ میں لاش کا پایا جانا، تو مقتول کے وارثوں سے قسم لی جائے یعنی ان سے کہا جائے کہ وہ یہ قسم کھائیں کہ "خدا کی قسم! تم نے (یعنی اس آبادی یا محلہ کے لوگوں نے) اس کو قتل کیا ہے" اگر مقتول کے وارث یہ قسم کھانے سے انکار کر دیں تو پھر ان لوگوں سے قسم لی جائے جن پر قتل کا شبہ کیا گیا ہے" چنانچہ اس باب کی پہلی حدیث جو حضرت رافعؓ سے منقول ہے اسی پر دلالت کرتی ہے۔

قسامت میں قصاص واجب نہیں ہوتا اگرچہ قتل عمد کا دعوی ہو بلکہ اس میں دیت واجب ہوتی ہے خواہ قتل عمد کا دعوی ہو یا قتل خطاء کا۔ لیکن حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر قتل عمد کا دعوی ہو تو پھر قصاص کا حکم نافذ کرنا چاہئے اور حضرت امام شافعیؒ کا قدیم قول بھی یہی ہے۔

قسامت کے بارہ میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ قسامت کا یہ طریقہ زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس طریقہ کو باقی رکھا اور اسی کے مطابق انصاریوں میں اس مقتول کا فیصلہ کیا جس کے قتل کا انہوں نے خیبر کے یہودیوں پر دعوی کیا تھا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

قسامت میں مدعی سے قسم لی جائے یا مدعا علیہ سے

① وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ وَسَهْلِ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ اَنَّهُمَا حَدَّثَا اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُوْدٍ اَتَيَا خَيْبَرَ فَتَفَرَّقَا فِي النَّخْلِ فَقُتِلَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَهْلٍ فَجَاءَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ وَحُوَيِّصَةُ وَمُحَيِّصَةُ ابْنَا مَسْعُوْدٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَكَلَّمُوْا فِيْ اَمْرِ صَاحِبِهِمْ فَبَدَاَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ وَكَانَ اَصْغَرَ الْقَوْمِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبِّرِ الْكُبْرَ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ يَعْنِيْ لِيَلِيَ الْكَلَامَ الْاَكْبَرُ فَتَكَلَّمُوْا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَحِقُّوْا

قَتِيْلَكُمْ اَوْقَالَ صَاحِبَكُمْ بِاَيْمَانِ خَمْسِيْنَ مِنْكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمْرٌ لَمْ نَرَهُ قَالَ فَتُبْرِئُكُمْ يَهُوْدُ فِيْ اَيْمَانِ خَمْسِيْنَ مِنْهُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَوْمٌ كُفَّارٌ فَفَدَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ تَحْلِفُوْنَ خَمْسِيْنَ يَمِيْنًا وَتَسْتَحِقُّوْنَ قَاتِلَكُمْ اَوْصَاحِبَكُمْ فَوَدَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهٖ بِمِائَةِ نَاقَةٍ۔ (متفق علیہ)

"حضرت رافعؓ ابن خدیج اور حضرت سہلؓ ابن حثمہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ عبداللہؓ ابن سہل اور محیصہؓ ابن مسعود خیبر آئے تو (ایک دن سیر کرتے ہوئے) دونوں کھجور کے درختوں میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے (یعنی ایک کسی اور سمت کو نکل گیا اور دوسرا کسی اور سمت چلا گیا) چنانچہ عبداللہ ابن سہل کو (اکیلا پاکر) کسی نے قتل کر دیا (اس حادثہ کے بعد (عبدالرحمٰنؓ ابن سہل (جو مقتول کے حقیقی بھائی تھے) اور مسعود کے دونوں بیٹے حویصہؓ اور محیصہؓ (جو مقتول کے چچازاد بھائی تھے) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے عزیز مقتول کے بارہ میں مقدمہ پیش کیا، جب عبدالرحمٰن نے گفتگو کی ابتداء کی (جو مقتول کے حقیقی بھائی تھے اور) تینوں میں سب سے چھوٹے تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنے بڑے کی بڑائی کو ملحوظ رکھو، یعنی تم تینوں میں جو شخص سب سے بڑا ہے اس کو گفتگو کی ابتداء کرنے دو) حضرت یحییٰ ابن سعید (جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں) کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جو شخص سب سے بڑا ہو وہ گفتگو کا ذمہ دار ہو۔ چنانچہ (اس کے بعد) انہوں نے (یعنی ان کے بڑے نے) گفتگو کی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اگر تم میں سے پچاس آدمی قسم کھالیں تو تم اپنے مقتول یا (اپنے مقتول کی بجائے) یہ فرمایا کہ اپنے ساتھی کا خون بہا یا قصاص لینے کے مستحق ہو۔" انہوں نے عرض کیا" یارسول اللہ! یہ تو ایسی چیز ہے جس کو ہم نے نہیں دیکھا ہے (یعنی ہم یہ قطعاً نہیں جانتے کہ مقتول کو کس شخص نے قتل کیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا، پچاس یہودی قسم کھا کر (تمہارے اس شبہ سے) تمہیں پاک کر دیں گے (یعنی وہ یہ قسم کھالیں گے کہ مقتول کو ہم نے قتل نہیں کیا ہے اور اس طرح ان پر جو قتل کا شبہ یا الزام ہے اس کو وہ ختم کر دیں گے) انہوں نے عرض کیا" یارسول اللہ وہ تو کافر ہیں (ان کی قسموں کا کیا اعتبار) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے (فتنہ دفع کرنے کے لئے) مقتول کے ورثاء کو اپنی طرف سے خون بہا ادا کر دیا" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) تم پچاس قسمیں کھاؤ اور اپنے مقتول۔ یا یہ۔ فرمایا کہ اپنے ساتھی کے خون بہا کے مستحق ہو جاؤ (اس کے بعد) آپ ﷺ نے اپنی طرف سے سو اونٹ خون بہا میں ادا کر دیئے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "جو شخص سب سے بڑا ہو وہ گفتگو کا ذمہ دار ہو" سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جو شخص عمر میں سب سے بڑا ہو اس کا اکرام و احترام ضروری ہے اور گفتگو کی ابتداء اسی کی طرف سے ہونی چاہئے۔

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حدود میں وکالت جائز ہے، نیز اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ حاضر کی وکالت بھی جائز ہے کیونکہ مقتول کے خون کے ولی ان کے حقیقی بھائی یعنی عبدالرحمٰن ابن سہلؓ تھے اور حویصہؓ اور محیصہؓ ان کے چچازاد بھائی تھے۔ اس حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قسامت میں پہلے مدعی سے قسم لی جائے جب کہ حنفی مسلک یہ ہے کہ پہلے مدعا علیہ سے قسم لی جائے۔

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِيْ۔

"اور اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

قسم کی ابتداء مدعا علیہ سے ہونی چاہئے

(۴) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ اَصْبَحَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ مَقْتُوْلًا بِخَيْبَرَ فَانْطَلَقَ اَوْلِيَاؤُهٗ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ اَلَكُمْ شَاهِدَانِ يَشْهَدَانِ عَلٰى قَاتِلِ صَاحِبِكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ يَكُنْ ثَمَّ اَحَدٌ مِنَ

الْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّمَا هُمْ یَهُوْدُ وَقَدْ یَجْتَرِئُوْنَ عَلٰی اَعْظَمَ مِنْ هٰذَا قَالَ فَاخْتَارُوْا مِنْهُمْ خَمْسِیْنَ فَاسْتَحْلِفُوْا هُمْ فَاَبَوْا فَوَدَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت رافع ابن خدیج کہتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص (یعنی عبداللہ ابن سہل) خیبر میں قتل کردیئے گئے چنانچہ ان کے ورثاء (یعنی ان کے بیٹے اور چچازاد بھائی) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا، آنحضرت ﷺ نے (ان سے) فرمایا کہ "کیا تمہارے پاس دو گواہ ہیں جو تمہارے مقتول کے قاتل کے بارہ میں گواہی دیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہاں کوئی مسلمان تو موجود نہیں تھا البتہ یہود تھے (جو ظلم کرنے، فتنہ و فساد پھیلانے اور حیلہ گری میں بہت مشہور ہیں) وہ تو اس سے بھی بڑے کام کی جرأت رکھتے ہیں (جیسے انبیاء کو قتل کردینا، کلام اللہ میں تحریف کرنا اور احکام خداوندی سے صریحاً سرکشی کرنا) آپ نے فرمایا "اچھا تم ان میں پچاس آدمیوں کو منتخب کرلو اور ان سے قسمیں لو" لیکن مقتول کے ورثاء نے یہودیوں سے قسم لینے سے انکار کردیا (کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ اتنے مکار ہیں کہ جھوٹی قسمیں کھالیں گے) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس مقتول کا خون بہا اپنے پاس سے دے دیا"۔ (ابوداؤد)

تشریح: ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہری مفہوم حنفیہ کے اس مسلک کی واضح دلیل ہے کہ قسامت میں پہلے مدعا علیہ سے قسم لینی چاہئے۔

ملا علی قاری نے اس موقع پر تمام ائمہ کے مسلک کو نقل کرنے کے بعد حنفیہ مسلک کے دلائل بڑی عمدگی کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

بَابُ قَتْلِ اَهْلِ الرِّدَّةِ وَالسُّعَاةِ بِالْفَسَادِ

مرتدوں اور فساد برپا کرنے والوں کو قتل کردینے کا بیان

مرتد کسے کہتے ہیں؟: "مرتد" اس شخص کو کہتے ہیں جو دین اسلام سے پھر جائے یعنی ایمان و اسلام کے نورانی دائرہ سے نکل کر کفر و شرک کے ظلمت کدوں میں چلا جائے۔

مرتد کے بارہ میں حکم: جب کوئی مسلمان نعوذ باللہ، اسلام سے پھر جائے تو اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے اگر وہ اسلام کے بارہ میں کسی شک و شبہ کا شکار ہو تو اس کا شک و شبہ رفع کیا جائے گا، اگرچہ اسلام کی دعوت دینا اور اس کا شک و شبہ دور کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ اسلام کی دعوت اس کو پہلے ہی پہنچ چکی ہے اب اس کی تجدید دعوت کی احتیاج نہیں ہے۔ نیز مستحب یہ ہے کہ ایسے شخص کو تین دن کے لئے قید میں ڈال دیا جائے اگر وہ ان تین دنوں میں توبہ کرکے دائرہ اسلام میں لوٹ آئے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قتل کردیا جائے کیونکہ اسلام نے مرتد کی سزا قتل مقرر کی ہے اور بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اگر وہ مہلت طلب کرے تب اس کو مہلت دی جائے ورنہ مہلت دینے کی ضرورت نہیں لیکن امام شافعی کے نزدیک امام وقت (حکومت) پر تین دن کی مہلت دینی واجب ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ (مشرکوں کو قتل کردو) اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد من بدل دینہ فاقتلوہ (جس شخص نے اپنا دین اسلام تبدیل کردیا اس کو قتل کردو) سے یہی ثابت ہوتا کہ مرتد کو مہلت دینا واجب نہیں ہے۔

فساد برپا کرنے والے کون ہیں؟: حدیث کے دوسرے جزو کا تعلق فساد برپا کرنے والوں سے ہے یوں تو عام طور پر فساد برپا کرنے والے سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو زمین پر فتنہ و فساد اور لوٹ مچاتے ہیں اور قتل و غارت گری کے ذریعہ لوگوں کے امن و سکون کو تباہ و برباد کرتے ہیں لیکن یہاں بطور خاص قطاع الطریق یعنی قزاق مراد ہیں کہ انکی سزا بھی قتل ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا۔

"جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور زمین پر فساد برپا کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کردیا جائے۔"

ارتداد اور مرتد کے بارہ میں کچھ تفصیلی مسائل واحکام: آج کل ہماری روزمرہ زندگی بڑی بے اعتدالیوں کی شکار ہے نہ ہمیں اپنی زبان پر قابو رہتا ہے، نہ ہم اپنے اعتقادات ونظریات کے دائرہ میں پوری طرح رہتے ہیں اور نہ ہمارے افعال و اعمال پابند احتیاط ہوتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی بہت سی باتیں ہماری زبانوں سے نکلتی رہتی ہیں جنہیں ہم بظاہر بالکل غیر اہم سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ باتیں ہمیں کفر کے دائرہ تک پہنچادیتی ہیں اسی طرح ایسے بہت سے افعال و اعمال ہم سے سرزد ہوتے رہتے ہیں جنہیں ہم بہت معمولی سمجھتے ہیں لیکن مال کار وہ ہمارے لئے سخت خسران آخرت کا ذریعہ بن جاتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ اس موقع پر اس بارہ میں تفصیل کے ساتھ کچھ عرض کیا جائے۔

فتاویٰ عالمگیری" کے ایک باب میں مرتد کے احکام ومسائل بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اس پورے باب کو علاوہ چند نادر الوجود مسائل کو یہاں نقل کیا جاتا ہے اس میں جو مسائل ہیں ان کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے تاکہ مرتد کے بارہ میں احکام ومسائل ہونے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوجائے کہ وہ کون سے الفاظ ہیں جو زبان سے ادا ہونے پر کفر تک پہنچادیتے ہیں یا وہ کون سے عقائد واعمال ہیں جن کو اختیار کرنے والا کفر تک پہنچ جاتا ہے۔

"مرتد" عرف عام میں اس شخص کو کہتے ہیں جو دین اسلام سے پھر جائے۔ وجود ایمان کے بعد کلمہ کفر کا زبان سے ادا ہونا مرتد ہونے کا رکن ہے اور مرتد کا حکم صحیح ہونے کے لئے عقل کا ہونا شرط ہے لہٰذا مجنوں اور بے عقل بچے پر مرتد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے اور جس شخص پر جنون کی کیفیت مستقل طور پر طاری رہتی ہو تو اس پر مرتد کا حکم اس صورت میں لگے گا جب کہ وہ اپنے صحیح الدماغ ہونے کی حالت میں ارتداد کا مرتکب ہو، اگر وہ اس وقت ارتداد کا مرتکب ہو جب کہ اس پر جنون کی کیفیت طاری تھی تو اس پر مرتد کا حکم نہیں لگے گا اسی طرح اس شخص پر بھی مرتد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہوگا جو ہر وقت نشے کی حالت میں رہتا ہو اور اس کی عقل ماؤف ہو چکی ہو۔

مرتد کا حکم نافذ ہونے کے لئے بالغ ہونا شرط نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ جو شخص حالت بلوغ میں ارتداد کا مرتکب ہو، اسی کو مرتداد قرار دیا جائے جب کہ نابالغ پر بھی مرتد کا حکم لگ سکتا ہے اسی طرح مرد ہونا بھی مرتد کے حکم نافذ ہونے کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ اگر عورت ارتداد کی مرتکب ہوگی تو اس پر بھی مرتد کا حکم لگے گا۔

مرتد کا حکم نافذ ہونے کے لئے رضا ورغبت شرط ہے لہٰذا اس شخص پر مرتد ہونے کا حکم نافذ نہیں ہوسکتا جس کو مرتد ہوجانے پر مجبور کیا گیا ہو۔

جس شخص کو برسام کی بیماری ہو اس کو کوئی ایسی چیز کھلادی جائے جس سے اس کی عقل جاتی رہی اور ہزیان بکنے لگے، اور پھر اسی حالت میں وہ مرتد ہوجائے تو اس پر مرتد کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اسی طرح جو شخص مجنوں ہو یا وسواسی ہو یا کسی بھی قسم کا مغلوب العقل ہو تو اس پر بھی مرتد کا حکم نہیں لگے گا۔

جیسا کہ ابتداء باب میں بیان کیا گیا، جو شخص مرتد ہوجائے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے اور اگر اس کو کوئی شک و شبہ ہو تو اسے دور کیا جائے۔ اور پھر جب وہ دائرہ اسلام میں آنا چاہے تو کلمہ شہادت پڑھے اور مذہب اسلام کے سوا اور سب مذاہب سے بیزاری کا اظہار کرے، اور اگر اسی مذہب سے بیزاری کا اظہار کرے جس کے دائرہ میں وہ اسلام کو چھوڑ کر گیا تھا تو یہ بھی کافی ہوگا۔

اگر کوئی شخص مرتد ہونے کے بعد پھر اسلام میں لوٹ آئے اور پھر کفر کی طرف لوٹ جائے، اسی طرح تین مرتبہ کرے اور ہر مرتبہ امام وقت سے مہلت چاہے تو امام وقت اس کو تین تین دن کی تینوں مرتبہ تو مہلت دے دے لیکن اگر وہ پھر چوتھی بار کفر کی طرف لوٹے اور مہلت طلب کرے تو اب چوتھی بار امام وقت اس کو مہلت نہ دے بلکہ اگر وہ آخری طور پر دائرہ اسلام واپس آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

اگر کوئی صاحب عقل لڑکا مرتد ہوجائے تو اس کا مرتد ہونا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ" اور حضرت امام محمد کے نزدیک معتبر ہوگا لہٰذا اس

کو دائرہ اسلام میں آجانے پر مجبور کیا جائے اور اس کو قتل نہ کیا جائے یہی حکم اس لڑکے کا ہے جو قریب البلوغ ہو۔ صاحب عقل لڑکے سے مراد ایسی عمر کا لڑکا ہے جو یہ سمجھتا ہو کہ اسلام نجات کا ذریعہ ہے اور وہ اچھے اور برے میں اور میٹھے اور کڑوے میں تمیز کر سکتا ہو۔ بعض حضرات کے نزدیک وہ لڑکا مراد ہے جو سات سال کی عمر کو پہنچ گیا ہو۔

اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے اس کو قید میں ڈالے رکھا جائے اور ہر تیسرے دن اس کو بطور تنبیہ مارا جائے تاکہ وہ اپنے ارتداد سے توبہ کر کے دائرہ اسلام میں آجائے لیکن اگر کوئی شخص کسی مرتد عورت کو قتل کر دے تو قاتل پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

کوئی باندی مرتد ہو جائے تو اس کا مالک اس کو اسلام قبول کرنے پر بایں طور مجبور کرے کہ اس کو اپنے گھر میں محبوس کر دے اس سے اپنی خدمت لینے کے ساتھ ساتھ سزاءً کچھ دوسرے کام بھی اس کے سپرد کر دے اور وہ مالک اس کے ساتھ صحبت نہ کرے۔

عاقلہ لڑکی کا وہی حکم ہے جو بالغہ کا ہے اسی طرح خنثیٰ مشکل بھی عورت کے حکم میں ہے۔ آزاد عورت جو مرتد ہو جائے اس کو اس وقت تک بطور باندی گرفتار نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ وہ دارالاسلام میں ہے ہاں اگر وہ دار الحرب میں چلی جائے اور پھر وہاں سے وہ (اسلامی لشکر کے) قیدیوں میں آئے تو اس کو باندی بنایا جاسکتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے نوادر میں سے ایک قول یہ ہے کہ مرتدہ کو دارالاسلام میں بھی بطور باندی گرفتار کیا جاسکتا ہے چنانچہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر اس قول پر اس عورت کے بارہ میں فتویٰ دیا جائے جو خاوند والی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس عورت کا خاوند حکومت وقت سے اس کو باندی بنا لینے کی درخواست کرے یا اگر وہ خاوند اس کا مصرف (یعنی مسلمان) ہو تو حکومت وقت اس عورت کو خاوند کے تئیں ہدیہ کر دے۔ اس صورت میں خاوند اس عورت کو محبوس کرنے اور اسلام لانے کے لئے اس کو سزاءً مارنے کا ذمہ دار ہوگا۔

جب کوئی مرتد اپنے ارتداد سے انکار کر دے تو اللہ تعالیٰ کی واحدانیت محمد ﷺ کی رسالت اور دین اسلام کی حقانیت کا اقرار کرے تو یہ گویا اس کی طرف سے توبہ کا مظہر ہوگا اور اس صورت میں وہ مسلمان سمجھا جائے گا۔

جب کوئی شخص مرتد ہو جاتا ہے تو اس کے مال سے اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے لیکن یہ ملکیت کا زائل ہونا موقوف رہتا ہے اگر اس شخص کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے اور پھر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کی ملکیت بھی واپس آجاتی ہے اور اگر وہ اسی حالت ارتداد میں مر جائے یا اس کو قتل کر دیا جائے تو اس کے اس مال کے جو اس نے اسلام کی حالت میں کمایا تھا اس کے مسلمان وارث اور حقدار ہوں گے اور ان کو اس مال کا وہی حصہ ملے گا جو اس زمانہ میں اس کے دین (قرض وغیرہ) کی ادائیگی کے بعد بچے گا اور جو مال اس نے حالت ارتداد میں کمایا ہوگا اس میں سے اس کے زمانہ ارتداد کے دین کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بچے گا وہ فئی شمار ہوگا۔ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول ہے، صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مرتد کی ملکیت زائل نہیں ہوتی۔

مرتد کی میراث پانے والے کے بارہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مختلف اقوال بیان کئے جاتے ہیں، چنانچہ حضرت امام محمدؒ نے، حضرت امام اعظم سے نقل کیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ جب مرتد مر جائے یا اس کو قتل کر دیا جائے اور یا وہ دار الحرب بھاگ جائے تو اس کا مسلمان وارث اس کی میراث پائے گا اسی طرح اس کے مر جانے یا قتل کئے جانے یا دار الحرب بھاگ جانے کے بعد اس کی مسلمان بیوی بھی اس کے مال کی وارث ہوگی بشرطیکہ اس (مرتد کی وفات یا قتل یا دار الحرب بھاگ جانے کے) وقت وہ وہ بیوی عدت میں ہو کیونکہ وہ مرتد اپنے ارتداد کے ذریعہ گویا (اپنی بیوی کو اپنی میراث دینے سے) راہ فرار اختیار کرنے والا ہوا لہٰذا اس کا ارتداد مرض الموت کی مانند ہوا (کہ جس طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے مرض الموت میں طلاق مغلظہ دے دے تو شریعت اس امر کے پیش نظر کہ اس کے شوہر نے اس کو اپنی میراث سے محروم رکھنے ہی کے لئے مرض الموت میں طلاق دی ہے اس کو اس کے شوہر کی میراث کی حقدار تسلیم

کرتی ہے اسی طرح مرتد بھی اپنے ارتداد کے ذریعہ گویا اپنی بیوی کو اپنی میراث سے محروم رکھنا چاہتا ہے اس لئے شریعت اس کے علی الرغم اس کی بیوی کو اس کی میراث کا حقدار تسلیم کرتی ہے، اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو (اس کے مرنے کے بعد) اس کا خاوند اس کی میراث کا حقدار نہیں ہوتا، ہاں اگر بیوی بیماری کی حالت میں مرتد ہوئی (پھر مر گئی) تو اس کا شوہر اس کی میراث پائے گا اسی طرح تمام اقرباء اس کے سارے مال کے وارث ہوں گے یہاں تک کہ اس نے حالت ارتداد میں جو مال جمع کیا ہو گا وہ بھی ان وارثوں کو ملے گا۔

اگر کوئی شخص مرتد ہو کر دارالحرب میں چلا گیا یا حاکم نے اس کے دارالحرب چلے جانے کا حکم نافذ کر دیا تو اس کا مدبر غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کی امہات اولاد بھی آزاد ہو جائیں گی اور اس کے جو دیون موجلہ ہوں گے وہ فوری طور پر قابل ادائیگی ہوں گے اور اس نے حالت اسلام میں جو مال پیدا کیا تھا وہ سب اس کے مسلمان ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا اور اگر کسی مرتد نے اپنے زمانہ اسلام میں کوئی وصیت کی ہو گی تو مبسوط وغیرہ کی ظاہری روایت کے بموجب وہ وصیت مطلقاً باطل ہو گی یعنی اس کی وصیت کا اجراء نہیں ہو گا خواہ وہ اس وصیت کا تعلق کسی قرابت دار سے ہو یا غیر قرابت دار سے۔

مرتد جب تک دارالسلام میں گھومتا پھرتا نظر آئے اس کے بارہ میں قاضی ان احکام میں سے کوئی بھی حکم نافذ نہ کرے جو ذکر کئے گئے ہیں۔

جو شخص مرتد ہو جائے، معاملات و عقودات میں اس کے تصرف کرنے کی چار قسمیں ہیں۔ اول تو وہ تصرف ہے جو سب کے نزدیک پوری طرح جاری و نافذ ہوتا ہے جیسے اگر اس کو کوئی چیز ہبہ کی جائے اور وہ اس ہبہ کو قبول کر لے، یا وہ اپنی لونڈی کو اُم ولد بنا دے، یا جب اس کی لونڈی کسی بچے کو جنم دے اور وہ مرتد اس بچے کے نسب کا دعوی کرے (یعنی یہ کہے کہ یہ میرا بچہ ہے) تو اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور وہ بچہ اس کے دوسرے وارثوں کے ساتھ اس کی میراث کا حقدار ہو گا اور وہ لونڈی (جس کے بطن سے بچہ پیدا ہوا ہے) اس مرتد کی اُم ولد ہو گی نیز مرتد کی طرف سے تسلیم شفعہ کو قبول و نافذ کیا جائے گا، اسی طرح اگر مرتد اپنے ماذون غلام پر "حجر" نافذ کرے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

دوسرا تصرف وہ ہے جو بالاتفاق باطل ہوتا ہے یعنی شریعت کی نظر میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا جیسے نکاح کرنا کہ یہ مطلقاً جائز نہیں ہے کہ کوئی مرتد کسی عورت سے نکاح کرے خواہ وہ مسلمان ہو، مرتد ہو، ذمیہ ہو یا مملوکہ ہو اسی طرح مرتد کا ذبیحہ بھی حرام ہے اور اگر اس نے کوئی شکار پکڑا خواہ وہ شکار کتے کے ذریعہ پکڑا گیا ہو یا باز کے ذریعہ اور یا بندوق کے ذریعہ مارا گیا ہو تو وہ بھی حرام ہو گا۔

تیسرا تصرف وہ ہے جو سب کے نزدیک موقوف رہتا ہے جیسے شرکت مفاوضت چنانچہ اگر کوئی مرتد کسی مسلمان سے شرکت و مفاوضت کرے تو اس کا حکم موقوف (معلق) رہتا ہے کہ اگر وہ مرتد مسلمان ہو گیا تو وہ شرکت مفاوضت بھی نافذ ہو جائے گی اور اگر وہ ارتداد کی حالت میں مر گیا یا اس کو قتل کر دیا گیا یا وہ دارالحرب چلا گیا اور قاضی و حاکم نے اس کے دارالحرب چلے جانا کا حکم نافذ کر دیا تو اس صورت میں وہ شرکت مفاوضت شروع سے شرکت عنان میں تبدیل ہو جائے گی، یہ صاحبین کا مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظم ؒ کے نزدیک شرکت مفاوضت سرے سے باطل ہی نہیں ہوتی۔

چوتھا تصرف وہ ہے جس کے موقوف رہنے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں جیسے خرید و فروخت کے معاملات اجارہ کرنا، غلام کو آزاد کرنا، مدبر کرنا یا مکاتب کرنا، وصیت کرنا اور قبض دیون وغیرہ، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کا قول یہ ہے کہ ان سب معاملات میں مرتد کے تصرفات موقوف رہتے ہیں اگر وہ اسلام قبول کرے تو نافذ ہو جاتے ہیں، اور اگر مر جائے، یا قتل کر دیا جائے یا قاضی و حاکم اس کے دارالحرب چلے جانے کا حکم نافذ کر دے تو یہ سارے تصرفات باطل ہو جاتے ہیں۔

ارتداد کے دوران مکاتب کے سارے تصرفات نافذ ہوتے ہیں، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے مرتد غلام یا باندی کو فروخت کرے تو اس کی بیع جائز ہوتی ہے۔

اگر کوئی مرتد اپنے ارتداد سے تائب ہو کر دار الاسلام واپس آجائے اور یہ واپسی قاضی و حاکم کی طرف سے اس کے دار الحرب چلے جانے کے حکم کے نفاذ سے پہلے ہو تو اس کے مال و اسباب کے بارہ میں اس کے مرتد ہو جانے کا حکم باطل ہو جاتا ہے اور وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا کہ مسلمان ہی تھا اور نہ اس کی کوئی اُمّ ولد آزاد ہوتی ہے اور نہ اس کا کوئی مدبر آزاد ہوتا ہے اور اگر اس کی واپسی قاضی و حاکم کے حکم کے نفاذ کے بعد ہوتی تو وہ اپنے وارثوں کے پاس اپنی جو چیز پائے اس کو لے لے اور جو مال و اسباب اس کے وارثوں نے بیع ہبہ اور عتاق وغیرہ کے ذریعہ اپنی ملکیت سے نکال دیا ہے اس کے مطالبہ کا حق اس کو نہیں پہنچے گا اور اپنے وارثوں سے اس کو ایسے مال کا بدلہ و معاوضہ لینے کا حق حاصل ہو گا۔

جو شخص اپنے ماں باپ کی اتباع میں مسلمان تھا (یعنی وہ بچہ تھا اور اپنے مسلمان ماں باپ کی وجہ سے مسلمان کے حکم میں تھا) اور پھر ارتداد کے ساتھ بالغ ہوا تو اگرچہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے مگر اس کے بارہ میں ازراہ استحسان یہ حکم ہے کہ اس کو قتل نہ کیا جائے (کیونکہ بلوغ سے پہلے وہ مستقل بالذات مسلمان نہیں تھا بلکہ اپنے ماں باپ کی اتباع میں مسلمان کے حکم میں تھا) اسی طرح یہی حکم اس شخص کے بارہ میں ہے جو چھوٹی عمر میں مسلمان ہو گیا تھا مگر جب بالغ ہوا تو مرتد تھا، نیز اگر کسی شخص کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تھا اور پھر وہ اسلام سے پھر گیا تو اس کو بھی ازراہ استحسان قتل نہ کیا جائے لیکن ان تمام صورتوں میں حکم یہ ہے کہ اس کو اسلام قبول کر لینے پر مجبور کیا جائے اور اگر اسلام قبول کرنے سے پہلے کسی نے اس کو مار ڈالا تو مارنے والے پر کچھ واجب نہیں ہو گا۔

لقیط (وہ بچہ جو کہیں پڑا ہو پایا جائے) اگر دار الاسلام میں ہو تو اس کے مسلمان ہونے کا حکم نافذ کیا جائے اور اگر کفر کی حالت میں بالغ ہو تو اس کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے لیکن اس کو قتل نہ کیا جائے۔

یہاں تک تو مرتد کے بارہ میں کچھ احکام و مسائل کا ذکر تھا، اب کچھ ان باتوں کو بیان کر دینا ضروری ہے جن کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے چنانچہ ان میں سے بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق ایمان و اسلام سے ہے بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات وغیرہ سے ہے، بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق نماز، روزے اور زکوۃ سے ہے، بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق علم اور علماء سے ہے بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق حلال و حرام وغیرہ سے ہے، بعض باتیں وہ جن کا تعلق قیامت وغیرہ سے ہے اور بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق کفر کی تلقین کرنے سے ہے۔ چونکہ یہ ایک طویل سلسلہ ہے اس لئے ان باتوں کو یعنی موجبات کفر کو ترتیب کے ساتھ الگ الگ عنوان کے ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق ایمان و اسلام سے ہے: ایمان و اسلام کے بارہ میں وہ باتیں جن کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے، یہ ہیں۔

اگر کوئی شخص یوں کہے کہ "مجھے نہیں معلوم، میرا ایمان ہے یا نہیں؟" تو یہ خطائے عظیم ہے، ہاں اور اس بات کا مقصد اپنے شک کی نفی کرنا ہو تو خطائے عظیم نہیں ہے۔ جس شخص نے اپنے ایمان میں شک کیا اور یہ کہا کہ "میں مؤمن ہوں انشاء اللہ" تو وہ کافر ہے ہاں اگر وہ یہ تاویل کرے کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس دنیا سے ایمان کے ساتھ اٹھوں گا یا نہیں؟ تو اس صورت میں وہ کافر نہیں ہو گا جس شخص نے یہ کہا کہ "قرآن مخلوق ہے، یا ایمان مخلوق ہے" تو وہ کافر ہو گیا۔ جس شخص نے یہ عقیدہ رکھا کہ ایمان و کفر ایک ہیں تو وہ کافر ہے۔ جو شخص ایمان پر راضی و مطمئن نہ ہوا وہ کافر ہے جو شخص اپنے نفس کے کفر پر راضی ہوا وہ کافر ہے، اور جو شخص اپنے غیر کے کفر پر راضی ہوا اس کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں اور فتویٰ اس قول پر ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غیر کے کفر پر اس لئے راضی ہوا تاکہ وہ (کافر) ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے تو وہ کافر نہیں ہو گا، اور اگر وہ اس کے کفر پر اس لئے راضی ہوا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں اس چیز کا اظہار کرے جو اس کی صفات کے لائق نہیں ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ جس شخص نے یہ کہا کہ اسلام کی صفت نہیں جانتا، تو وہ کافر ہو گیا۔ شمس الائمہ حلوائی نے اس مسئلہ کو بڑے سخت انداز میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس طرح کہنے والا ایسا شخص ہے جس کے لئے نہ دین ہے، نہ نماز ہے، نہ روزہ، نہ طاعت و عبادت ہے نہ نکاح ہے اور اس کی اولاد زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد ہے۔

• ایک مسلمان نے کسی عیسائی لڑکی سے نکاح کیا جس کے ماں باپ بھی عیسائی ہیں اور پھر وہ اس حال میں بڑی ہوئی کہ وہ کسی مذہب اور دین کو نہیں جانتی یعنی نہ تو وہ دین کو دل سے پہچانتی ہے اور نہ اس کو زبان سے بیان کر سکتی ہے اور وہ دیوانی بھی نہیں ہے تو اس صورت میں اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان تفریق ہو جائے گی۔ اسی طرح کسی مسلم بچی سے نکاح کیا، اور پھر جب وہ حالت عقل میں بالغ ہوئی تو نہ وہ اسلام کو دل سے جانتی پہچانتی ہے اور اس کو زبان سے بیان کر سکتی ہے اور وہ دیوانی بھی نہیں ہے تو اس صورت میں بھی اس کے شوہر کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔

اگر کسی عورت سے پوچھا گیا کہ "توحید کیا ہے" اس نے جواب میں کہا "میں نہیں جانتی" تو اس جواب سے اس امر کی مراد اگر یہ ہو کہ مجھے وہ توحید (یعنی کلمۂ توحید) یاد نہیں ہے جو بچے مکتب میں پڑھا کرتے ہیں، تو اس میں اس کا کوئی نقصان نہیں۔ لیکن اگر وہ اس جواب سے یہ مراد رکھتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو نہیں پہچانتی تو اس صورت میں وہ مؤمنہ نہیں رہے گی، اور اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔

اگر کوئی شخص اس حالت میں مرا کہ وہ یہ نہیں پہچانتا تھا کہ کوئی میرا خالق ہے، اس کے گھر کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک اور گھر بھی ہے اور یہ کہ ظلم حرام ہے تو وہ مؤمن نہیں تھا۔ ایک شخص گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ (گناہ کے ذریعہ) اپنے اسلام کو ظاہر کرنا چاہئے تو وہ کافر ہے۔ ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میں مسلمان ہوں تو اس نے جواب میں کہا کہ تجھ پر بھی لعنت اور تیری مسلمانی پر بھی لعنت، تو وہ کافر ہو گیا۔ ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا، اس کے بعد اس کا (عیسائی) باپ مر گیا، اس نے کہا کہ کاش میں اس وقت مسلمان نہ ہوتا تو اپنے باپ کا مال پا جاتا، وہ کافر ہو گیا۔ ایک عیسائی کسی مسلمان کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ میرے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرو تاکہ میں تمہارے ہاتھ پر اسلام قبول کر لوں اس مسلمان نے جواب دیا کہ "تم فلاں عالم کے پاس چلے جاؤ تاکہ وہ تمہارے سامنے اسلام پیش کرے۔ اور تم اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کرو" اس طرح کہنے والے کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ اس طرح کہنے والا کافر نہیں ہوگا۔

ایک کافر نے اسلام قبول کیا تو ایک مسلمان نے اس سے کہا کہ تمہیں اپنے دین میں کیا برائی نظر آئی تھی (جو تم نے اسلام قبول کر لیا؟) یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے ہے: وہ شخص کافر ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی ایسے وصف کی نسبت کرے جو اس کی شان کے لائق نہیں، یا کسی کو اس کا شریک یا بیٹا اور یا بیوی ٹھہرائے، یا اس کی طرف جہل کی یا عجز کی یا کسی اور خرابی کی نسبت کرے۔ یہ کہنے والا بھی کافر ہے کہ "یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا کام کرے جس میں کوئی حکمت نہ ہو" جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کفر پر راضی ہوتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اور کوئی شخص یوں کہے کہ "اگر اللہ تعالیٰ مجھے یہ کام کرنے کا حکم دے تو میں جب بھی یہ کام نہ کروں" تو وہ کافر ہو جائے گا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو "ید" اور "وجہ" کی نسبت کی گئی ہے درآنحالیکہ وہ جارحہ نہیں، تو کیا کسی دوسری زبان میں ان چیزوں کا اطلاق جائز ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں بعض علماء نے فرمایا کہ جائز ہے بشرطیکہ ان چیزوں سے (ان کے حقیقی مفہوم یعنی) اعضاء مرادنہ ہوں، اور اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں اور یہی معتمد علیہ قول ہے۔

اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ "فلاں شخص میری آنکھ میں ایسا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی آنکھ میں یہودی، تو جمہور علماء کے نزدیک وہ شخص کافر ہو جائے گا (کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف آنکھ کے اصل معنی یعنی ایک انسانی عضو کی نسبت کی ہے) لیکن بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس جملہ سے کہنے والے کی مراد اس فلاں شخص کے افعال کی برائی کو ظاہر کرنا مقصود ہو تو کافر نہیں ہوگا۔

ایک انسان کی وفات ہو گئی ایک دوسرے شخص نے کہا کہ خدا کو ایسا نہیں چاہئے تھا۔ تو یہ کفر ہے۔

ایک شخص نے اپنے دشمن سے کہا کہ "میں خدا کے حکم سے تیرے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہوں" دشمن نے جواب میں کہا کہ "میں خدا کا حکم نہیں جانتا یا یہ کہا کہ اس جگہ خدا کا حکم نہیں چلتا یا یہ کہا کہ۔ اس جگہ کوئی حکم نہیں ہے۔ یا یہ کہا کہ خدا حکم کرنے کے لائق نہیں ہے۔ یا یہ کہا کہ اس جگہ تو دیو ہی کا حکم چلے گا"۔ یہ سب جملے کفر کو لازم کرتے ہیں۔

حاکم عبدالرحمٰنؒ سے اس شخص کے بارہ میں پوچھا گیا جو یہ کہے کہ "میں فلاں کام رواج کے مطابق کر رہا ہوں خدا کے حکم سے نہیں کرتا" تو کیا ایسا شخص کافر ہو جائے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر اس جملہ سے اس کی مراد صرف فساد حق، ترک شریعت، اور اتباع رسم ہے نہ کہ اس کا مقصد خدا کے حکم کو رد کرنا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

اگر کوئی شخص کسی ایسے آدمی کے بارہ میں جو کبھی بیمار نہ ہوتا ہو یہ کہے کہ "اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھول گیا ہے" یا یہ کہا کہ یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ بھول گیا ہے" تو یہ کفر ہے۔ اگر کسی شخص نے کسی سے یوں کہا کہ "تیری زبان سے تو خدا بھی بس میں نہیں آتا میں کس طرح بس میں آؤں گا"۔ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ "تم تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبوب ہو" تو وہ کافر ہو جائے گا۔ یہ کہنا کہ "فلاں شخص بری تقدیر میں پھنس گیا ہے" خطائے عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے مکان کو ثابت کرنا کفر ہے چنانچہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ "اللہ تعالیٰ سے کوئی مکان خالی نہیں ہے" تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر کسی نے یوں کہا کہ "اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے" تو دیکھا جائے گا کہ یہ بات اس نے کس مقصد سے کہی ہے، اگر اس کا مقصد اس چیز کی حکایت کرنا ہے جو ظاہری طور پر منقول ہے تو کافر نہیں ہوگا اور اگر اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف مکان کی نسبت کرنا ہے تو پھر کافر ہو جائے گا اور اکثر علماء کے نزدیک اگر اس کی نیت کچھ بھی نہ ہو تو بھی کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح یہ کہنے والا بھی کافر ہو جائے گا کہ "اللہ تعالیٰ انصاف کے لئے بیٹھا یا اللہ تعالیٰ انصاف کے لئے کھڑا ہوا" کیونکہ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف فوق اور تحت کی نسبت کی گئی ہے۔ یہ کہنا بھی کفر ہے کہ "(میرا حامی و مددگار) آسمان پر خدا ہے اور زمین پر فلاں شخص ہے۔

اکثر علماء کے نزدیک یہ کہنا بھی کفر ہے کہ "خدا آسمان پر سے نیچے دیکھ رہا ہے" یا صرف یہ کہا کہ "خدا آسمان پر سے دیکھ رہا ہے۔ یا یہ کہا کہ "خدا عرش پر سے دیکھ رہا ہے"۔

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کی وہ کافر ہو گیا۔ اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ "اے اللہ! یہ ظلم مت پسند کر"، تو بعض علماء کے نزدیک وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص سے یوں کہا کہ "اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے انصاف کیا تو مجھے تم سے انصاف ملے گا" تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ہاں لفظ "اگر" کی بجائے "جس وقت" کہا تو کافر نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی سے یوں کہا کہ "اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن حق اور عدل کے ساتھ حکم کیا تو میں تم سے اپنا حق لے لوں گا" کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی نے یوں کہا کہ "اے اللہ! جب ایک ظالم ظلم کرتا ہے تو اس کا ظلم قبول مت کر، اگر تو نے اس کا ظلم قبول کیا تو میں قبول نہیں کروں گا" یہ کفر ہے، کیونکہ اس شخص نے گویا یہ کہا کہ اے اللہ! اگر تو اس کے ظلم پر راضی ہوگا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ "جھوٹ مت کہو" اس شخص نے جواب میں کہا کہ "جھوٹ کس لئے ہے، کہنے ہی کے لئے تو ہے" یہ کفر ہے۔

کسی شخص سے کہا گیا کہ "اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرو" اس نے کہا کہ "مجھے نہیں چاہئے" یا کسی نے کہا کہ "اگر اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کرے، غارت کروں" یا کسی سے کہا گیا کہ "اللہ تعالیٰ کی نافرمانی مت کرو کیونکہ اگر تم نافرمانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دوزخ میں داخل کرے گا" اس نے کہا کہ "میں دوزخ سے نہیں ڈرتا" یا کسی سے یہ کہا کہ "زیادہ مت کھاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں دوست نہیں رکھے گا" اس نے کہا کہ "میں تو کھاؤں گا چاہے دشمن رکھے چاہے دوست رکھے" یہ باتیں کفر کو لازم کرتی ہیں۔ اسی طرح اگر کسی سے یہ کہا گیا کہ "زیادہ مت ہنسو۔ یا زیادہ مت سوؤ" اس کے جواب میں اس نے کہا کہ "میں اتنا کھاؤں گا، اتنا سوؤں گا اور اتنا ہنسوں گا کہ جتنا

چاہوں گا" یہ کفر ہے۔

ایک شخص سے یہ کہا کہ "گناہ مت کرو کیونکہ خدا کا عذاب بہت سخت ہے" اس نے کہا کہ "میں عذاب کو ایک ہاتھ پر اٹھالوں گا" یہ کفر ہے۔

اگر کسی شخص سے یہ کہا گیا کہ "اپنے ماں باپ کو مت ستاؤ" اس نے کہا کہ "ان کا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے" یہ اگرچہ کفر نہیں ہے لیکن سخت گناہ کی بات ہے۔ ایک شخص نے ابلیس لعین سے کہا کہ "اے ابلیس! تو میرا فلاں کام کر دے تاکہ میں تیرا کہنا مانوں اور اپنے باپ کو ستاؤں اور تو جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہوں" یہ کفر ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی سے یہ کہا کہ "اگر خدا یہ دونوں جہاں نہ بناتا تو میں تم سے اپنا حق لے لیتا" یہ کفر ہے۔ ایک شخص نے کوئی جھوٹی بات کہی اور ایک سننے والے نے کہا کہ "میرا خدا تمہارے اس جھوٹ کو سچ کر دے۔ یا یہ کہا کہ خدا تمہارے اس جھوٹ کے ساتھ برکت دے۔" تو یہ کفر کے قریب ہے اسی طرح ایک شخص نے جھوٹ بولا اور سننے والے نے کہا کہ "خدا تمہارے جھوٹ میں برکت دے" تو وہ کافر ہو گیا۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ "فلاں شخص تمہارے ساتھ سیدھا نہیں چلتا" اس نے جواب میں کہا کہ "اس کے ساتھ تو خدا بھی سیدھا نہیں چلے گا" تو یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی نے یہ کہا کہ "اللہ تعالیٰ زر کو محبوب رکھتا ہے اس لئے اس نے مجھے زر نہیں دیا" تو وہ کافر ہو جائے گا بشرطیکہ اس کہنے سے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف بخل کی نسبت کرنا ہو۔ ہاں صرف اتنا کہنا کفر کو لازم نہیں کرتا کہ "اللہ تعالیٰ زر کو پسند نہیں کرتا ہے"۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ "انشاء اللہ تم یہ فلاں کام کرو" اس نے جواب دیا کہ "میں ان شاء اللہ کے بغیر یہ کام کروں گا" تو یہ کفر ہے۔

ایک مظلوم نے کہا کہ "(میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے) تقدیر الٰہی کے مطابق ہے" ظالم نے یہ سن کر کہا کہ "میں جو کچھ کر رہا ہوں تقدیر الٰہی کے بغیر کر رہا ہوں" یہ کفر ہے۔ اگر کسی نے یہ کہا کہ "اے خدا! مجھ پر رحمت کرنے سے دریغ نہ کیجئے" تو یہ کفریہ الفاظ میں سے ہے۔

میاں بیوی آپس میں گفتگو کر رہے تھے (بیوی کی طرف سے) جب گفتگو کا سلسلہ دراز ہوا تو میاں نے کہا کہ "خدا سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو" بیوی نے جواب میں کہا کہ "میں اللہ سے نہیں ڈرتی" یہ کہنے سے بیوی مرتد ہو جائے گی۔ اور ان دونوں (میاں بیوی) کے درمیان جدائی واقع ہو جائے گی بشرطیکہ میاں نے بیوی کو اس کی کسی صریح معصیت پر ٹوکا ہو اور اس کو خدا سے ڈرایا ہو اور اس کے جواب میں بیوی نے مذکورہ جملہ کہا ہو، ہاں اگر میاں نے بیوی کو اس کی کسی ایسی بات پر ٹوکا ہو جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا کوئی موقع نہ ہو (یعنی بیوی نے کوئی معصیت نہ کی ہو) تو اس صورت میں وہ کافر نہیں ہوگی۔ البتہ اگر اس صورت میں بھی اس جملہ سے بیوی کا مقصد خوف خدا اور تقویٰ کی اہانت ہو تو دونوں کے درمیان جدائی واقع ہو جائے گی۔

ایک شخص نے کسی کو مارنے کا ارادہ کیا اور اس سے کہا کہ "تم خدا سے نہیں ڈرتے" اس نے مارنے والے سے کہا کہ "نہیں" یہ کفر نہیں ہے کیونکہ اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کہے کہ خدا سے ڈرنے کا سوال تو اس چیز میں پیدا ہوتا ہے جس کو میں کروں۔

ایک شخص کسی گناہ کا ارتکاب کر رہا تھا کہ کسی نے اس کو ٹوکا اور کہا کہ "کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟" اس نے جواب دیا کہ "نہیں" وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے، اسی طرح کسی اور شخص سے کہا گیا کہ "کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے" اور اس نے غصہ کی حالت میں جواب دیا کہ "نہیں" تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر کوئی شخص خدا کے کسی حکم کو یا پیغمبر کی شریعت کو پسند نہ کرے مثلاً زید سے بکر نے کہا کہ خدا نے چار بیویاں حلال کی ہیں اور زید کہے

کہ میں اس حکم کو پسند نہیں کرتا تو یہ کفر ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ "صرف خدا کا وجود ہونا چاہئے اور کسی چیز کا وجود نہیں ہونا چاہئے" تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ "میرے حق میں تمام نیکیاں خدا نے پیدا کی ہیں اور برائی کا خالق میں ہوں" تو وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص سے کہا گیا کہ "یارا تم اپنی بیوی کے بس میں نہیں آئے" اس نے جواب دیا کہ "عورتوں کے بس میں خدا بھی نہیں آتا میں کیونکر بس میں آجاؤں گا" یہ کفر ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی سے یہ کہا کہ "خدا کی طرف سے دیکھتا ہوں اور تمہاری طرف سے دیکھتا ہوں (یعنی جو چیز مجھے ملی ہے وہ خدا کی جانب سے ہے اور تمہاری جانب سے ہے) یا یہ کہا کہ "میں خدا سے امید رکھتا ہوں اور تم سے امید رکھتا ہوں" تو یہ برا ہے ہاں اگر یوں کہے کہ "میں خدا کی طرف سے دیکھتا ہوں اور اس کا ظاہری سبب تمہیں سمجھتا ہوں" تو یہ ایک اچھی بات ہے۔

ایک شخص نے اپنے کسی مخالف سے کسی بات میں قسم کھلوانی چاہی، اس مخالف نے کہا کہ "میں خدا کی قسم کھاتا ہوں" لیکن قسم کھلوانے والے نے کہا کہ "میں خدا کی قسم نہیں چاہتا بلکہ طلاق یا عتاق کی قسم لینا چاہتا ہوں" تو وہ بعض علماء کے نزدیک کافر ہو جائے گا لیکن اکثر علماء کے نزدیک کافر نہیں ہوگا اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی سے کہا کہ "خدا جانتا ہے کہ میں تمہیں ہمیشہ دعا کے ساتھ یاد رکھتا ہوں" تو اس کے کفر کے بارے میں مشائخ کے اختلافی اقوال ہیں۔

اگر کسی شخص نے بطور ہنسی مزاق فارسی میں کہ "من خدایم" یعنی اس کا مطلب یہ کہنا تھا کہ خدا آئیم تو وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ "تمہیں ہمسایہ کے حق کی پرواہ نہیں" بیوی نے کہا "نہیں" شوہر نے کہا "تمہیں خاوند کے حق کی پرواہ نہیں؟ بیوی نے کہا" نہیں! پھر شوہر نے کہا "تمہیں خدا کے حق کی پرواہ نہیں" بیوی نے اس کے جواب میں بھی کہا "نہیں" تو وہ کافر ہو جائے گی۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیماری سے پریشان ہو کر یا تنگی معاش کے ابتلاء کی وجہ سے کہا کہ "نہ معلوم خدا نے مجھے پیدا کیوں کیا ہے جب کہ دنیا کی لذتوں اور راحتوں سے میں محروم ہوں" تو اس کے بارہ میں بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوگا لیکن اس کی یہ بات ایک خطائے عظیم ہے۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ "تم نے جو برائیاں کی ہیں ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب میں مبتلا کرے گا"۔ اس نے جواب میں کہا کہ "کیا خدا تم نے مقرر کر رکھا ہے کہ خدا وہی کرے گا جو تم کہو" وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ "خدا دوزخ بنانے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے" تو وہ کافر ہو جائے گا، اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی بد نما جانور یا بد نما انسان کو دیکھ کر کہا کہ "کیا کوئی خدا کا کارپرداز نہیں ہے کہ اس نے اس قسم کا جانور یا انسان پیدا کیا" تو وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک مفلس نے شدت افلاس میں کہا کہ "فلاں شخص بھی اللہ کا بندہ ہے اور اس کو اس قدر نعمتیں حاصل ہیں اور میں بھی اللہ کا بندہ ہوں اور اتنے رنج و آلام میں مبتلا ہوں، کیا یہ انصاف ہے" یہ کہنے سے وہ کافر ہو گیا۔ اسی طرح ایک شخص سے کہا گیا کہ خدا سے ڈرو، اس نے جواب دیا کہ "خدا کہاں ہے" تو وہ کافر ہو گیا۔ نیز اگر کسی نے یہ کہا کہ "پیغمبر اپنی قبر میں نہیں ہیں" یا یہ کہا کہ "خدا کا علم قدیم نہیں ہے" یا یہ کہا کہ "معدوم کا علم اللہ کو نہیں ہے" تو وہ بھی کافر ہو گیا۔

اگر کسی شخص کا نام عبداللہ ہو اور ایک اور شخص اس کو پکارتے وقت لفظ اللہ کے بجائے حرف کاف کا اضافہ کر دے تو وہ کافر ہو جائے گا بشرطیکہ وہ پکارنے والا عالم ہو۔ اسی طرح اگر کوئی عالم لفظ خالق کی عمداً تصغیر کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ "خدا تمہارے دل پر رحم کرے میرے دل پر نہیں" تو وہ کافر ہو جائے گا بشرطیکہ اس نے یہ بات رحمت الٰہی

سے بے نیازی کے پیش نظر کہی ہو۔ اور اگر اس بات سے اس کا مطلب یہ ہو کہ میرا دل ثابت باثبات اللہ ہے مضطرب نہیں ہے، تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے یوں قسم کھائی کہ "خدا کی قسم اور تیری خاک پاک کی قسم" تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ہاں اگر کسی نے یوں قسم کھائی کہ خدا کی قسم اور تیرے سر، تیری جان کی قسم، تو اس کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے: جو شخص انبیاء میں سے کسی بھی نبی کا اقرار نہیں کرے گا یا رسولوں میں سے کسی بھی رسول کی کسی بھی سُنّت پر ناراضگی یا عدم اعتقاد و اطمینان کا اظہار کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ابن مقاتلؒ سے اس شخص کے بارہ میں پوچھا گیا جو حضرت خضر یا حضرت ذی الکفل کی نبوت کا انکار کرے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ کسی ایسے نبی کی نبوت کا انکار کہ جس کی نبوت پر اس کی اُمت کے لوگ متفق نہ ہوئے ہوں، نقصان دہ نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ اگر فلاں نبی ہوتا تو میں اس پر ایمان لاتا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور حضرت جعفرؒ سے منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ "میں اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء پر ایمان لایا اور مجھے نہیں معلوم کہ آدم علیہ السلام نبی تھے یا نہیں" تو وہ کافر ہو جائے گا۔

حضرت جعفرؒ سے اس شخص کے بارہ پوچھا گیا جو انبیاء کی طرف فواحش کی نسبت کرے جیسے کسی نبی کی طرف عزم زنا کی نسبت کرنا یا اسی طرح کی کوئی اور بات کہنا جیسا کہ حشویہ (ایک باطل فرقہ) حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ میں اس قسم کا اظہار کرتے ہیں، تو انہوں نے فرمایا کہ ایسا شخص کافر ہے، کیونکہ یہ انبیاء کے حق میں بدگوئی ہے اور ان کی اہانت کے مترادف ہے۔

ابوذر کہتے ہیں کہ جس شخص نے یہ کہا کہ "ہر نافرمانی کفر ہے" اور پھر یہ کہا کہ انبیاء علیہم السلام نے نافرمانی کی" تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے انبیاء کے حق میں بدگوئی کی، اور اگر یہ کہا کہ "انبیاء علیہم السلام نے کبھی کوئی نافرمانی نہیں کی نہ حالت نبوت میں اور نہ اس سے پہلے" تو بھی وہ کافر ہے کیونکہ اس نے یہ بات کہہ کر گویا نصوص (قرآن کریم کی آیات عصی ربہ الایہ وغیرہ) کی تردید کی۔

بعض علماء سے یہ منقول ہے کہ "جس شخص نے یہ نہیں جانا کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں، وہ مسلمان نہیں ہے، جو شخص اپنے قلب میں کسی بھی نبی کے بارہ میں بغض رکھے وہ کافر ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ "اگر فلاں اللہ کا رسول ہوتا تو میں اس پر ایمان نہ لاتا" تو وہ کافر ہو جائے گا جیسا کہ یہ کہنے والا کافر ہو جاتا ہے کہ "اگر اللہ تعالیٰ بھی مجھے فلاں کام کا حکم دیتا تو میں نہ کرتا"۔

جس شخص نے یہ کہا کہ "انبیاء نے جو کچھ فرمایا ہے اگر وہ سچ اور مبنی بر حقیقت ہوتا تو ہم نجات پا جاتے" وہ کافر ہو گیا۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ "میں اللہ کا رسول ہوں" یا فارسی میں کہا کہ "من پیغمبرم" اور اس سے اس کی مراد بھی یہ ہے کہ "میں اللہ کا پیغام پہنچانے والا ہوں" تو وہ کافر ہو جائے گا اور جس وقت اس نے یہ بات کہی اور کسی دوسرے شخص نے اس سے معجزہ کا مطالبہ کیا تو بعض علماء کے نزدیک معجزہ کا مطالبہ کرنے والا بھی کافر ہو جائے گا۔ جب کہ متاخرین علماء کہتے ہیں کہ اگر معجزہ طلب کرنے والے کا مقصد اس شخص کو ذلیل کرنا اور اس کو عاجز کرنا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے آنحضرت ﷺ کے بال مبارک کو "چھوٹا سا بال" کہا تو وہ بعض علماء کے نزدیک کافر ہو جائے گا اور بعض علماء کے نزدیک کافر نہیں ہوگا۔ ہاں اگر اس نے یہ بات اہانت کے طور پر کہی ہے تو ان کے نزدیک بھی کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ "میں نہیں جانتا کہ محمد ﷺ انسان تھے یا جن" تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی نے یوں کہا کہ "اگر فلاں شخص پیغمبر ہے تو میں اس سے اپنا حق لوں گا" وہ کافر نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی نے یہ کہا کہ محمد درویشک بود (یعنی محمدؐ ایک چھوٹے فقیر تھے) یا یہ کہا کہ "پیغمبر کا کپڑا بدبودار اور میلا کچیلا تھا۔ یا یہ کہ آنحضرت ﷺ کے ناخن بڑھ رہے تھے" تو بعض علماء کے نزدیک وہ بلا کسی قید کے کافر ہو جائے گا جب کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ اس صورت میں کافر ہو گا جب کہ وہ یہ بات بطریق اہانت کہے۔

اگر کسی نے کسی ایسے شخص کو گالی دی جس کا نام محمد یا احمد تھا یا اس کی کنیت ابوالقاسم تھی اور وہ اس کو یوں مخاطب کیا کہ "اے زانیہ کی اولاد، تو وہ کافر ہو گیا بشرطیکہ (اس کا مقصد ہر اس شخص کو یہ گالی دینا ہو جس کا نام محمد اور یا اس کی کنیت ابوالقاسم ہو اور اس طرح) نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی بھی اس کے پیش نظر ہو۔

یہ کہنے سے کوئی کافر نہیں ہوتا کہ "ہر گناہ کبیرہ ہے لیکن انبیاء کے گناہ صغیرہ ہیں" اور اگر کسی نے یہ کہا کہ "ہر برائی کا کام جو قصداً کیا جائے گناہ کبیرہ ہے اس کام کا کرنے والا فاسق ہے" اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ "انبیاء کے معاصی قصداً تھے" تو وہ کافر ہو گیا کیونکہ اس نے انبیاء کی شان میں بدگوئی کی۔ ہاں اگر اس نے یہ کہا کہ "انبیاء کے معاصی قصداً نہیں تھے" تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

جو رافضی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی شان میں بدزبانی کرے اور نعوذ باللہ ان پر لعنت بھیجے تو وہ کافر ہے ہاں اگر اس نے حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ پر فضیلت دی تو وہ کافر نہیں ہوگا لیکن اس کو مبتدع کہا جائے گا، معتزلی بھی مبتدع ہے لیکن اگر وہ یہ کہے کہ خدا کا دیدار محال ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگانے والے اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا ہے ہاں اگر کسی نے آنحضرت ﷺ کی دوسری ازواج مطہرات پر زنا کی تہمت لگائی تو وہ کافر نہیں ہوتا لیکن مستحق لعنت ہوتا ہے اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ رسول کریم ﷺ کے صحابہ نہیں تھے تو وہ کافر نہیں ہوگا لیکن مستحق لعنت ہوگا۔

حضرت ابوبکرؓ کی امامت و خلافت کا انکار کرنے والا بعض علماء کے نزدیک تو کافر ہو جاتا ہے اور بعض علماء کے نزدیک کافر نہیں ہوتا بلکہ مبتدع ہوتا ہے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ کی خلافت کا انکار کرنے والا بھی صحیح قول کے مطابق کافر ہو جاتا ہے۔

جو لوگ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کو نعوذ باللہ کافر کہیں، خود ان کو کافر کہنا لازم ہے، اسی طرح فرقہ زیدیہ کے تمام لوگوں کو بھی کافر کہنا واجب ہے کیونکہ وہ یہ باطل اعتقاد رکھتے ہیں کہ نعوذ باللہ کسی عجمی ملک میں ایک نبی کا ظہور ہوگا جو ہمارے نبی ﷺ کے دین کو منسوخ کرے گا اور ہمارے سردار محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو کالعدم کرے گا۔

ان روافض کو بھی کافر کہنا واجب ہے جو تناسخ ارواح کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مر جانے والا دوبارہ دنیا میں لوٹ آئے گا اور ائمہ میں اللہ تعالیٰ کی روح حلول کئے ہوئے ہے، امام باطن کا ظہور ہوگا، جب تک اس امام باطن کا ظہور نہ ہو اوامر و نواہی معطل ہیں اور یہ کہ جبرئیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی کیونکہ انہیں محمد ﷺ کی بجائے حضرت علیؓ کے پاس وحی لانی چاہئے تھی: یہ فرقہ ملت اسلامیہ سے خارج ہے اور جو احکام مرتدوں کے بارہ میں ہیں وہی اس فرقہ کے لوگوں پر نافذ ہوتے ہیں۔

جس شخص کو آنحضرت ﷺ کی شان میں بدزبانی کرنے پر مجبور کیا گیا ہو اس کی تین صورتیں ہیں۔

① اگر وہ یہ اقرار کرے کہ میرے دل میں محمد ﷺ کی برائی کا کوئی خطرہ بھی نہیں گزرا بلکہ میں نے اپنی زبان سے صرف وہی الفاظ ادا کئے جن کو ادا کرنے پر مجھے مجبور کیا گیا تھا درانحالیکہ ان الفاظ کی ادائیگی بھی مجھ پر سخت شاق تھی، تو وہ کافر نہیں ہوگا اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہوگی جس کو اپنی زبان سے کلمۂ کفر کی ادائیگی پر مجبور کیا گیا ہو اور اس نے وہ کلمۂ کفر اپنی زبان سے ادا کیا ہو مگر اس کا قلب ایمان پر ثابت و مطمئن رہا ہو۔

② اگر وہ اقرار کرے کہ (جب مجھے محمد کو برا کہنے پر مجبور کیا گیا تو) میرے دل میں اس عیسائی کا خیال آ گیا جس کا نام محمد تھا چنانچہ جب میں نے اپنی زبان سے محمد کے بارہ میں برے الفاظ کہے تو میری مراد وہی عیسائی تھا، اس صورت میں بھی وہ کافر نہیں ہوگا۔

③ اور اگر وہ یہ اقرار کرے کہ (جب مجھے محمد کے بارہ میں برے الفاظ کہنے پر مجبور کیا گیا تو) میرے دل میں اس عیسائی کا بھی خیال آ گیا جس کا نام محمد ہے لیکن میں نے اپنی زبان سے جو برے الفاظ ادا کئے وہ اس عیسائی کے بارہ میں نہیں تھے بلکہ محمد ﷺ کے بارہ میں تھے، اس

صورت میں وہ کافر ہو جائے گا قانوناً بھی اور عند اللہ بھی۔

جس شخص نے یہ کہا کہ محمد ﷺ مجنوں تھے، وہ کافر ہے، ہاں یہ کہنے والا کہ محمد ﷺ بیہوش ہوگئے تھے، کافر نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ "اگر حضرت آدم علیہ السلام (جنت میں) گیہوں نہ کھاتے تھے تو ہم اشقیاء نہ ہوتے" تو وہ کافر ہو جائے گا۔

جس شخص نے حدیث متواتر کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا، جس شخص نے حدیث مشہور کا انکار کیا وہ بعض علماء کے مطابق تو کافر ہو گیا لیکن بعض علماء کے مطابق گمراہ ہوا کافر نہیں ہوا، اور جس شخص نے خبرو احد کا انکار کیا وہ بھی کافر نہیں ہوتا مگر اس کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی نبی کے بارہ میں اپنی اس خواہش کا اظہار کرے کہ "وہ نبی نہ ہوتا" تو اس کے متعلق علماء کہتے ہیں کہ اگر اس کی مراد یہ ہو کہ اس نبی کا مبعوث ہونا خارج از حکمت نہ ہوتا تو وہ کافر نہیں ہوگا اور اگر اس کی مراد اس نبی کی توہین اور اپنے کسی بغض کا اظہار ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص نے کسی کے سامنے کہا کہ "آنحضرت ﷺ فلاں چیز مثلاً کدو کو بہت پسند فرماتے تھے" اگر سننے والے نے جواب میں کہا کہ "میں اس کو پسند نہیں کرتا" تو یہ کفر ہے، حضرت امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی منقول ہے لیکن بعض متاخرین علماء فرماتے ہیں کہ اگر اس نے یہ بات کہ "میں اس کو پسند نہیں کرتا" بطور اہانت کہی ہے تو وہ کافر ہو جائے گا ورنہ کافر نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ "حضرت آدم علیہ السلام نے کپڑا بنا تھا اس لئے ہم سب جولاہے زادے ہیں" یہ کفر ہے۔ ایک شخص نے کسی کے سامنے کہا کہ "آنحضرت ﷺ جب کھانا کھاتے تھے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیتے تھے" اگر سننے والے نے یہ کہا "یہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے" تو وہ کافر ہو گیا۔

جس شخص نے یہ کہا کہ "گنواروں میں عجیب رواج ہے کہ کھانا کھاتے ہیں اور ہاتھ نہیں دھوتے" تو اگر اس نے یہ بات آنحضرت ﷺ کے عمل کی حقارت کے پیش نظر کہی ہے تو وہ کافر ہو گیا اسی طرح جس شخص نے یہ کہا کہ "مونچھیں پست (ہلکی) کرانے اور عمامہ (کا سرا یعنی شملہ) گلے کے نیچے تک لٹکانے کا نہ معلوم کیسا رواج ہے؟" تو اگر اس نے یہ بات رسول کریم ﷺ کی سنت پر طنز کے طور پر کہی ہے تو وہ کافر ہو گیا۔

ایک شخص نے کوئی بات کہی اس پر دوسرے نے اس سے کہا کہ "جھوٹ کہتا ہے اگرچہ ساری بات پیغمبرانہ ہے" اس کہنے سے اس پر کفر لازم ہو جائے گا ایسے ہی اگر یہ کہا کہ میں اس کی بات کو نہیں مانوں گا اگرچہ اس کی ساری بات پیغمبرانہ ہے تو اس سے بھی کفر لازم آئے گا۔

ایک شخص نے اپنے غلام کو مارنے پیٹنے کا ارادہ کیا، اس سے دوسرے نے کہا کہ اسے مت مارو، اس نے کہا کہ تم تو تم، اگر محمد مصطفیٰ ﷺ بھی کہیں تو بھی نہیں چھوڑ سکتا، یا یہ کہا کہ اگر آسمان سے آواز آئے کہ "اس کو مت مارو" تو بھی میں نہیں چھوڑ سکتا، ماروں گا، یہ کہنے سے اس پر کفر لازم آئے گا۔

کسی نے احادیث نبوی ﷺ سے کوئی حدیث پڑھی جس کو سن کر ایک شخص نے کہا کہ "ہمہ روز خلشبا خواند" یعنی ہر روز الجھن کی چیز پڑھتا ہے تو اگرچہ اس نے اس کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف نہ کی ہو بلکہ پڑھنے والے کی طرف کی ہو لیکن وہ کافر ہو جائے گا بشرطیکہ اس حدیث کا تعلق احکام شریعت میں سے کسی حکم کے ساتھ ہو یا دین کے ساتھ ہو، اور اگر وہ ایسی حدیث تھی کہ جس کا تعلق دین و شریعت سے نہیں تھا تو اس کی تکفیر نہیں ہوگی، اور اس کے اس قول کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ وہ اس کا پڑھنا غیر اولیٰ بتا رہا تھا۔

اگر کسی نے کہا "بحرمت جوانک عربی" اور اس جملہ سے اس کی مراد آنحضرت ﷺ تھے تو اس کی تکفیر کی جائے گی کسی نے کہا کہ "نبی کریم ﷺ ایک وقت پیغمبر تھے۔ اور ایک وقت ایسا تھا کہ پیغمبر نہ تھے" یا اس طرح کہا کہ "میں نہیں جانتا کہ آنحضرت ﷺ قبر میں

مؤمن ہیں یا کافر" تو یہ کہنے سے کافر ہو جائے گا۔

کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ "خلاف بات نہ کہو" اس عورت نے کہا کہ "پیغمبروں نے خلاف کہا ہے" تو اس کا یہ کہنا کفر ہے توبہ کرے اور پھر نکاح کی تجدید کرے! کسی نے کسی سے کہا کہ مجھے تیرا دیکھنا گویا ملک الموت کا دیکھنا معلوم ہوتا ہے، تو اس کا ایسا کہنا بہت بڑی غلطی ہے اور اس کے کفر میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا کہ کافر ہو جائے گا اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ اس کہنے سے وہ کافر نہیں ہوگا۔

اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ بعضوں نے یہ کہا ہے کہ اگر اس نے یہ جملہ ملک الموت سے عداوت کی بنیاد پر کہا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر موت سے ناگواری کی بناء پر کہا ہے تو کافر نہیں ہوگا، اور اگر یہ کہا کہ فلاں کے منہ کو ملک الموت کی طرح دشمن سمجھتا ہوں تو اکثر مشائخ کا کہنا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا، کسی نے کہا کہ میں فلاں کی گواہی نہیں سنتا خواہ وہ جبرئیل ومیکائیل ہو تو اس صورت میں اس کی تکفیر کی جائے گی۔ اگر کسی نے فرشتوں میں سے کسی فرشتے کو عیب لگایا تو اس کی تکفیر کی جائے گی، اگر کوئی کہے کہ میں فرشتہ ہوں تو اس کہنے سے وہ کافر نہیں ہوتا، اور اگر یہ کہے کہ میں نبی ہوں تو اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص نے ایک عورت سے بغیر کسی شخص کی موجودگی کے نکاح کیا اور کہا کہ میں نے خدا اور رسول کو گواہ بنایا، یا یہ کہ کہا کہ خدا اور فرشتہ کو گواہ بنایا تو اس صورت میں وہ کافر ہو جائے گا، اور اگر کہا کہ دائیں اور بائیں والے فرشتوں کو گواہ بنایا تو اس صورت میں کافر نہ ہوگا۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق قرآن پاک سے ہے: اگر کسی نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے تو وہ کافر ہو جائے گا، اسی طرح اگر کسی نے کسی آیت قرآنی کا انکار کیا یا اس کے ساتھ ٹھٹھا مخول کیا، یا عیب لگایا تو ان تمام صورتوں میں وہ کافر ہو جائے گا۔ کسی نے دف کی تھاپ پر یا بانسری کی لے پر قرآن پڑھا تو اس نے کفر کیا، ایک شخص قرآن پڑھ رہا تھا دوسرے نے سن کر کہا کہ "یہ کیا طوفان کی آواز ہے" تو اس کا یہ کہنا کفر ہے، اور اگر کسی نے کہا کہ میں نے بہت قرآن پڑھا اور مجھ سے گناہ معاف نہیں کیا گیا تو اس کہنے سے وہ کافر ہو گیا۔

کسی نے کسی سے کہا کہ تونے قل ھو اللہ کی کھال کھینچ لی، یا یہ کہا کہ تونے الم نشرح کا گریبان پکڑ لیا، یا اس شخص سے جو کسی بیمار کے پاس سورۂ یٰس پڑھ رہا تھا کہا "یٰس مردہ کے منہ میں مت رکھو" یا کسی سے کہا اے انا اعطینک الکوثر سے بھی زیادہ کوتاہ۔ یا ایک شخص قرآن پڑھ رہا تھا اور اس کو کوئی کلمہ یاد نہیں آرہا تھا اس سے کہا و التفت الساق بالساق یا کسی کے پاس بھرا ہوا پیالہ لایا اور کہا کاسا دھاقا یا کسی سے مذاق کے طور پر کہا فکانت سرابا یا ناپ تول کے وقت مذاق کے طور پر کہا و اذا کالوھم او وزنوھم یخسرون یا کسی سے یہ کہا کہ تونے الم نشرح کی پگڑی باندھ لی ہے اور اس کی مراد یہ تھی کہ تونے علم کا اظہار کیا ہے یا کسی نے کسی جگہ کے لوگوں کو جمع کیا اور کہا فجمعناھم جمیعا یا یہ کہا و حشرناھم فلم نغادر منھم احدا یا کسی سے کہا کہ تو و النازعات نزعا کیونکر پڑھتا ہے نون کے پیش کے ساتھ یا اسے زیر دے کر اور مراد اس کی طنز کرنا تھی، یا کسی گنجے شخص سے کہا میں تو تجھ کو اس لئے بڑا کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کلا بل ران یا کسی سے کہا گیا کہ نماز پڑھنے چلو یا جماعت کی نماز میں چلو، اس نے جواب میں کہا کہ میں تنہا پڑھتا ہوں اللہ تعالیٰ کا قول ہے ان الصلوۃ تنھا تو ان تمام صورتوں میں کافر ہوگا۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ تونے ایسا گھر پاک صاف کیا ہے جیسے و السماء و الطارق تو بعضوں نے کہا کہ اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا، اور امام ابوبکر اسحاق نے کہا کہ یہ کہنے والا اگر جاہل ہے تو کافر نہیں ہوگا اور اگر وہ عالم ہے تو کافر ہوگا۔ اور اگر کسی نے کہا قاعا صفصفا ہو گیا ہے تو اس جملہ میں بڑا خطرہ ہے کہ وہ کافر ہو جائے، یا دیگ میں کچھ لگا رہ گیا اس وقت کہا و الباقیات الصالحات تو یہ بھی بڑے خطرے کی چیز ہے۔

اور جب کسی نے یہ کہا کہ قرآن عجمی ہے تو وہ کافر ہو گیا، اور اگر یہ کہا کہ قرآن میں ایک کلمہ عجمی ہے تو اسے کافر کہنے میں عجلت نہ کرنی

چاہئے یہ قابل غور ہے، کسی سے کسی نے کہا تو قرآن پاک کیوں نہیں پڑھتا ہے، اس نے جواب میں کہا کہ میں قرآن سے بیزار ہو چکا تو اس کی تکفیر کی جائے گی، ایک شخص کو قرآن پاک کی کوئی ایسی سورت یاد ہے جسے وہ بکثرت پڑھتا رہتا ہے، دوسرے نے اس پڑھنے والے سے کہا کہ تو نے اس سورت کو کمزور وزبوں پالیا ہے تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، اگر کسی نے قرآن پاک کو مثلاً فارسی میں نظم کیا، تو اس کو قتل کیا جائے گا اس لئے کہ وہ کافر ہو گیا۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق نماز روزہ اور زکوٰۃ سے ہے: کسی نے کسی بیمار مسلمان سے کہا کہ تو نماز پڑھ لے اس نے اس کے جواب میں کہا خدا کی قسم میں کبھی نماز نہیں پڑھوں گا اور اس نے پھر کبھی نماز پڑھی بھی نہیں یہاں تک کہ مر گیا تو وہ کافر کہا جائے گا، اور اگر صرف یہ کہا کہ نہیں پڑھوں گا تو اس کے اس کہنے میں چار احتمال ہیں۔ ① ایک تو یہ کہ نماز نہیں پڑھتا اس لئے کہ پڑھ چکا۔ ② دوسرے یہ کہ نماز نہیں پڑھتا یعنی تیرے حکم سے نہیں پڑھتا اس لئے کہ تجھ سے جو بہتر ہے وہ حکم کر چکا ہے۔ ③ تیسرے یہ کہ نہیں پڑھتا یعنی بے باکی اور فسق کے طور پر کہا، ان تینوں صورتوں میں وہ کافر نہیں ہوگا۔ ④ چوتھے یہ کہ نماز نہیں پڑھتا اس وجہ سے کہ مجھ پر نماز واجب نہیں ہے اور نہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے، اس چوتھی صورت میں وہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس نے جواب میں مطلقاً یہ کہا کہ میں نماز نہیں پڑھتا تو وہ ان وجوہ کی وجہ سے کافر نہیں ہوگا۔ کسی سے کہا گیا کہ نماز پڑھ لے اس نے جواب میں کہا کہ میں پاگل ہوں جو نماز پڑھوں اور اپنے اوپر کام بڑھاؤں یا اس طرح کہ مدت گزری کہ میں نے بیگار نہیں کی، یا یہ کہا کہ یہ کام کون آخر تک پورا کر سکتا ہے، یا یہ کہ عقل مند کو ایسے کام میں نہ پڑنا چاہئے جس کو آخر تک نباہ نہ سکے، یا یہ کہا کہ میرے واسطے اور لوگ کر لیتے ہیں یا یہ کہا کہ نماز پڑھنے سے مجھے کوئی سرفرازی نہیں مل جاتی ہے، یا کہا کہ تو نے نماز پڑھ لی تو کیا سربلندی حاصل کر لی، یا کہا کہ میں نماز کس لئے پڑھوں میرے ماں باپ تو مر چکے ہیں، یا کہا کہ نماز پڑھنی نہ پڑھنی دونوں برابر ہے یا کہا کہ اس قدر نماز پڑھ چکا کہ دل اکتا گیا، یا کہا کہ نماز ایسی چیز نہیں ہے کہ وہ باقی رہے گی تو سڑ جائے گی۔ یہ تمام جوابات کفریہ ہیں۔

اسی طرح ایک شخص نے کسی سے کہا کہ آؤ فلاں کام کے لئے نماز پڑھیں، اس نے کہا میں نے بہت نماز پڑھی میری کوئی حاجت پوری نہیں ہوئی اور جواب میں یہ بات بطور طنز و استخفاف کہی تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا، ایک فاسق نمازیوں کو مخاطب کر کے کہے آؤ مسلمانی دیکھو اور اس کے بعد وہ فسق کی مجلس کی طرف اشارہ کرے تو وہ کافر ہو جائے گا، اور اگر کسی نے کہا کہ بے نمازی ہونا کیا ہی بہتر ہے تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، ایک شخص نے کسی سے کہا کہ نماز پڑھو تاکہ تمہیں بندگی کا مٹھاس حاصل ہو، یا فارسی میں کہے نماز بخوان تا حلاوت نماز یابی۔ اس کے جواب میں اس نے کہا کہ "تو مکن کہ حلاوت بے نمازی بہ بینی" یعنی تم نماز نہ پڑھو تاکہ نماز نہ پڑھنے کی لذت محسوس کر سکو، تو اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔

غلام سے کسی نے کہا کہ نماز پڑھ اس نے کہا میں نہیں پڑھتا اس لئے کہ اس کا ثواب میرے آقا کو حاصل ہوگا وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا۔ ایک شخص سے کسی نے کہا کہ نماز پڑھ لے اس نے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے مال میں نقصان دیا لہٰذا میں اس کے حق میں نقصان کروں گا تو یہ جواب بھی کفر ہے۔

ایک شخص صرف رمضان میں نماز پڑھتا ہے پھر بعد میں نہیں پڑھتا اور کہتا ہے کہ یہی بہت ہے، یا کہتا ہے یہی بہت زیادہ ہوگی اس لئے کہ رمضان کی ہر نماز ستر نمازوں کے برابر ہے تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، کوئی جان بوجھ کر قبلہ کے سوا کسی اور طرف منہ کر کے نماز پڑھے مگر اتفاق سے وہ قبلہ نکل گیا تو امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ وہ کافر ہو گیا اور اسی پر فقیہ ابو اللیث نے عمل کیا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی نماز بغیر وضو پڑھے یا ناپاک کپڑوں میں پڑھے تو کافر ہو جائے گا، اور اگر کوئی جان بوجھ کر اس طرح نماز پڑھا کرتا ہے تو وہ بھی کافر ہے۔ ایک شخص کو قبلہ کا پتہ نہیں چلا اس نے تحری کی یعنی غور و فکر کیا کہ قبلہ کس طرف ہے، دل نے یہ مان لیا کہ اس طرف قبلہ ہے، پھر اس نے اس طرف کو چھوڑ کر دوسری طرف منہ کر کے نماز پڑھی، امام ابو حنیفہؒ ایسے شخص کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں

اس کے حق میں کفر کا خوف رکھتا ہوں اس لئے کہ اس نے قبلہ سے اعراض کیا اور دوسرے مشائخ کا اس کے کفر میں اختلاف ہے شمس الائمہ حلوائیؒ فرماتے ہیں کہ جب اس نے قبلہ چھوڑ کر بطور استہزاء و اہانت دوسری طرف نماز پڑھی تو ظاہر یہ ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا۔

اور اگر کوئی ایسی صورت میں کسی وجہ سے مبتلا ہو گیا مثلاً چند لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ اسے حدث ہو گیا اور شرم کی وجہ سے اس نے سوچا کہ ظاہر نہ ہونے پائے چنانچہ چھپانے کے لئے بغیر وضو نماز پڑھتا رہا یا دشمن کے پاس تھا اور کھڑے ہو کر اس حالت میں نماز پڑھی کہ وہ پاک نہ تھا، بعض مشائخ نے یہ کہا کہ اس صورت میں وہ کافر نہیں ہو گا اس لئے کہ اس نے ایسا استہزاء کے طور پر نہیں کیا ہے لیکن اگر کوئی ضرورت یا حیا کی وجہ سے ایسی صورت میں مبتلا ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ اپنے اس قیام سے نماز کے قیام کا ارادہ نہ کرے اور نہ کچھ پڑھے اور جب ان کے ساتھ رکوع میں جائے تو وہ رکوع کا قصد نہ کرے اور نہ اس کی تسبیح پڑھے تاکہ وہ کسی کے نزدیک کافر نہ ہونے پائے اور ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھنے سے بعض علماء کہتے ہیں کہ کافر نہیں ہوتا۔

کسی نے کہا کہ نماز فرض ہے لیکن رکوع اور سجدہ فرض نہیں تو اس کہنے سے کافر نہ ہو گا، اس لئے اس کو تاویل کی گنجائش ہے کہ نماز سے میری مراد جنازہ کی نماز تھی جس میں رکوع سجدے فرض نہیں ہیں۔ اگر کوئی رکوع اور سجدوں کی فرضیت کا بالکلیہ انکار کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر صرف دوسرے سجدے کی فرضیت کا بھی انکار کرے گا تو وہ کافر ہو گا اس لئے کہ اس نے اجماع اور تواتر کا رد کیا۔

کسی نے کہا کہ اگر کعبہ مکرمہ قبلہ نہ ہوتا اور اس کی جگہ بیت المقدس قبلہ ہوتا تو بھی میں کعبہ ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نہ پڑھتا، یا اس طرح کہا کہ اگر فلاں قبلہ ہوتا تو اس کی طرف میں منہ نہ کرتا، یا یوں کہا کہ اگر فلاں جانب کعبہ ہوتا تو میں اس طرف منہ نہ کرتا، یا یہ کہا کہ قبلے دو ہیں ایک کعبہ، دوسرا بیت المقدس، تو ان تمام صورتوں میں وہ کافر ہو جائے گا۔

ابراہیم بن یوسفؒ نے کہا ہے کہ اگر کسی نے دکھلانے کے لئے نماز پڑھی تو اس کو ثواب نہیں ملے گا بلکہ اس کے نامہ اعمال میں گناہ لکھا جائے گا، اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے کافر ہو جاتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ اس صورت میں اس پر نہ گناہ ہے اور نہ اس کے لئے ثواب ہی ہے اور وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے نماز نہیں پڑھی۔

ایک شخص کسی کافر کے پاس آیا اور ایک دو وقت کی نماز چھوڑ دی نہیں پڑھی، اگر اس نے ایسا اس کافر کی تعظیم کی وجہ سے کیا ہے تو کافر ہو گا اور اس پر ان نمازوں کی قضا نہیں ہے، اور اگر ایسا فسق و فجور کی وجہ سے کیا ہے تو کافر نہ ہو گا اور اس کو ان نمازوں کی قضاء کرنی ہو گی۔ ایک شخص نے دارالاسلام میں اسلام قبول کیا ایک ماہ کے بعد اس سے پنج وقتہ نماز کے متعلق سوال کیا گیا، اس نے جواب میں کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ مجھ پر فرض ہے تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا، ہاں اگر وہ نو مسلموں میں رہتا ہے تو کافر نہ ہو گا۔

اگر کوئی مؤذن سے اذان دیتے وقت کہے کہ تو نے جھوٹ کہا تو وہ کافر ہو جائے گا، اگر کوئی اذان سن کر یہ کہے کہ گھنٹے کی آواز ہے تو وہ کافر ہے ایک شخص سے کہا گیا کہ تم زکوٰۃ ادا کرو، اس نے یہ سن کر کہا کہ میں ادا نہیں کرتا تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، بعض حضرات علماء نے کہا کہ مطلقاً اس جواب سے کافر ہو جائے گا، اور بعض کہتے ہیں کہ احوال ظاہرہ میں اس جواب سے کافر ہو گا لیکن احوال باطنہ میں اس جواب سے کافر نہ ہو گا، اور مناسب یہ ہے کہ یہاں بھی نماز کی طرح چار احتمال ہونے چاہئیں اور تین صورتوں میں کافر نہ ہو گا اور ایک صورت میں ہو جائے گا، اگر کوئی کہے کہ کاش رمضان فرض نہ ہوتا تو اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ کہنے والے کی نیت پر موقوف ہو گا۔ اگر اس نیت سے یہ کہا کہ رمضان کے حقوق اس سے ادا نہیں ہو سکتے تو کافر نہ ہو گا، اگر کوئی رمضان آتے وقت یہ کہے کہ بھاری مہینہ یا بھاری مہمان آیا تو کافر ہو گا، جب رجب کا مہینہ آیا اور کسی نے کہا کہ اس کے بعد خرابی میں مبتلا ہوں گے تو اگر اس نے یہ محترم مہینوں کے لئے حقارت کے طور پر کہا ہے تو کافر ہو گا اور اگر اپنے نفس پر گرانی کو ظاہر کرنے کے لئے کہا ہے تو کافر نہ ہو گا اور اس سے پہلے مسئلہ میں بھی جواب اسی تفصیل کے ساتھ ہونا چاہئے۔

ایک شخص نے کہا کہ "رمضان کا روزہ جلد گزر جائے" تو بعض کہتے ہیں کہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا اور بعض کہتے ہیں کہ کافر نہیں

ہو گا، اور اگر کوئی کہے چند ازیں روزہ کہ مرادل بہ گرفت یعنی اتنے روزے کب تک؟ میرا تو اس سے دل اکتا گیا تو اس کا یہ کہنا کفر ہے، اور اسی طرح کوئی کہے کہ "اللہ تعالیٰ نے طاعات کو ہمارے لئے عذاب بنا دیا ہے" اس جملہ کی اگر تاویل کی تو کافر نہ ہو گا، یا اسی طرح یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اگر ان طاعات کو فرض نہ کرتا تو ہمارے لئے بہتر ہوتا، اگر اس جملہ کی کوئی تاویل کرے تو کافر نہ ہو گا۔

کوئی کہے کہ "نماز میرے لائق نہیں ہے" یا "حلال میرے مناسب نہیں ہے" یا یہ کہا کہ "کس لئے نماز پڑھوں بیوی بچے تو میں رکھتا ہی نہیں" یا اس طرح کہا کہ "نماز کو میں نے طاق پر رکھ دیا" تو ان تمام صورتوں میں کافر ہو جائے گا۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق علم اور علماء سے ہے: اگر کوئی بغیر کسی ظاہر سبب کے کسی عالم دین سے بغض رکھے تو اس کے کافر ہو جانے کا خوف ہے، ایک شخص نے باہم صلح کروانے والے کے متعلق کہا کہ اس کا دیکھنا میرے لئے ایسا ہے جیسے خنزیر (سور) کا دیکھنا، تو اس کے کافر ہو جانے کا بھی خوف ہے، اور اس پر بھی کفر کا خوف ہے جو کسی عالم یا فقیہ کو بغیر سبب برا کہے، اور وہ کافر ہو جاتا ہے جو کسی کو اس طرح کہے کہ "تیرے علم کے مقعد میں گدھے کا ذکر" اور اس علم سے اس کی مراد علم دین ہو۔

ایک جاہل نے علم سیکھنے والے کو اس طرح کہا کہ "یہ جو کچھ سیکھتے ہیں وہ کہانیاں اور داستانیں ہیں" یا یہ کہا کہ یہ سب فریب ہے یا یہ کہا کہ میں علم حیلہ کا منکر ہوں۔ تو واضح رہے کہ یہ سب جملے کفریہ ہیں۔

ایک شخص اونچی جگہ پر بیٹھ جائے اور پھر لوگ اس سے بطور مذاق اور استہزاء مسائل پوچھنے لگیں اور اس کے بعد اس کو تکیوں سے مارنے لگیں اور سب ہنسنے لگیں تو وہ سب اس فعل کی وجہ سے کافر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی علم کی مجلس میں واپس آرہا تھا اس کو کسی نے کہا کہ تو بت خانہ سے آرہا ہے تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے، یا اسی طرح یہ کہا کہ مجھے علم کی مجلس سے کیا کام، یا یہ کہا کون شخص ان چیزوں کے ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہے جو علماء کہتے ہیں تو وہ کافر ہو گا۔

اگر کوئی کہے کہ علم کو کاسہ اور کیسہ میں نہیں رکھ سکتے یعنی یہ علم نہ کھانے کے پیالہ میں رکھنے کے لائق ہے اور نہ روپے کی تھیلی میں اور ضرورت انہی دونوں کی ہے، یا یہ کہا کہ علم کا کیا کروں گا مجھے جیب میں چاندی چاہئے تو اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر کوئی کہے کہ مجھے بال بچوں کی اتنی مصروفیات ہے کہ علم کی مجلس میں نہیں پہنچ سکتا اور اس نے اس سے علم کی اہانت کا ارادہ کیا تو اس جملہ سے بھی کفر کا خطرہ ہے۔

کوئی عالم فقیہ، علم کا تذکرہ کر رہا تھا یا کوئی صحیح حدیث بیان کر رہا تھا کسی نے اسے سن کر کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے اور اسے رد کر دیا یا کہا کہ یہ بات کیا کام آوے گی روپیہ چاہئے، کہ آج اسی کو عظمت حاصل ہے علم کیا کام آتا ہے، تو یہ کفر ہے۔

اگر کسی نے کہا کہ دانشمندی سے بہتر فساد برپا کرنا ہے تو یہ کفر ہے، کوئی عورت جس کا شوہر عالم ہو اگر یوں کہے کہ عالم شوہر کے اوپر لعنت ہو تو وہ کافر ہو جائے گی کسی نے کہا کہ عالموں کا فعل وہی ہے جیسے کافروں کا تو وہ اس کہنے سے اس وقت کافر ہو جائے گا جب تمام افعال میں برابری ظاہر کرے کہ اس طرح حق و باطل میں اس نے برابری کو ظاہر کیا۔

ایک شخص کا کسی فقیہ سے کسی بات میں جھگڑا ہو گیا، اس فقیہ نے اس کی کوئی شرعی وجہ بیان کی، اسے سن کر جھگڑنے والے نے کہا، یہ عالمانہ پن نہ کر، یہاں کچھ نہیں چل سکتی، تو ایسے شخص پر کفر کا خوف ہے، اگر کسی نے فقیہ سے کہا "اے دانشمندک" "یا اے علویک" تو اس سے کافر نہ ہو گا اگر اس کی نیت اہانت دین کی نہیں ہے۔

ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک فقیہ عالم نے اپنی کتاب ایک دوکاندار کی دوکان میں رکھ دی اور کسی کام سے چلا گیا پھر جب وہ دوکان سے گزرا تو دوکاندار نے اس کو مخاطب کر کے کہا کہ تم بسولہ بھول گئے، فقیہ نے کہا تیری دوکان میں میری کتاب ہے بسولہ نہیں، دوکاندار نے کہا کہ بڑھئی بسولہ سے لکڑی کاٹتا ہے اور تم کتاب سے لوگوں کی گردن کاٹتے ہو۔ فقیہ نے شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل سے اس واقعہ کا شکوہ کیا۔ انہوں نے اس شخص کے قتل کا حکم کیا۔

ایک شخص نے بیوی پر غصہ کیا اور کہا کہ تو خدا کی اطاعت کر، اور ساتھ ہی گناہ سے منع کیا، بیوی نے جواب میں کہا میں اللہ اور علم کیا جانوں میں نے اپنے کو دوزخ میں رکھ چھوڑا ہے تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو گئی، ایک شخص سے کہا گیا کہ علم دین کے طلب کرنے والے فرشتوں کے بازوؤں پر چلتے ہیں، اس نے کہا یہ جھوٹ ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر کوئی کہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا قیاس صحیح نہیں تو وہ کافر ہو جائے گا اس لئے کہ اس نے مطلقاً قیاس کی صحت کا انکار کیا کسی نے کہا کہ ثرید پلاؤ کا پیالہ علم سے بہتر ہے تو وہ کافر ہو جائے گا، اور کہا کہ پلاؤ کا پیالہ اللہ سے بہتر ہے تو وہ کافر نہ ہو گا۔ یہ اس وجہ سے کہ "اللہ سے" کا مطلب "اللہ کی طرف سے" ہو سکتا ہے اور علم میں یہ تاویل نہیں ہو سکتا۔

ایک شخص نے اپنے دشمن سے کہا کہ "میرے ساتھ شریعت کی طرف چلو" اس نے کہا کہ کوئی سپاہی بلاؤ تو چلوں بے جبر و اکراہ نہیں جا سکتا تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے شریعت کا مقابلہ کیا، اور اگر اس نے یہ کہا کہ میرے ساتھ قاضی کے پاس چل اور اس نے یہی جواب دیا تو کافر نہ ہو گا، اور اگر اس نے یہ کہا کہ میرے ساتھ شریعت اور حیلہ مفید نہیں ہو گا، یا یہ کہا کہ "یہ پیش نہ جاویں گے۔ یا یہ کہا کہ میرے لئے کھجور کا حلوہ ہے شریعت کیا کروں گا، یہ ساری صورتیں کفر کی ہیں، اور اگر یہ کہا کہ "جس وقت تو نے چاندی لی تھی اس وقت شریعت اور قاضی کہاں تھا" تو اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔ اور علماء متاخرین میں سے بعض نے کہا کہ اگر اس نے قاضی سے شہر کے قاضی کو مراد لیا ہے۔ تو کافر نہ ہو گا۔

کسی شخص سے کہا گیا کہ "اس بارہ میں شریعت کا حکم یہ ہے" اس نے جواب دیا کہ "میں رسم پر عمل کرتا ہوں نہ کہ شریعت پر" تو اس کہنے سے بعض کے نزدیک کافر ہو جائے گا، ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ "تو کیا کہتی ہے شریعت کا کیا حکم ہے" بیوی نے بلند آواز سے ڈکارلی اور کہا "اینک شرع را" تو وہ کافر ہو جائے گی اور اس کا نکاح جاتا رہے گا۔ ایک شخص نے اپنے مخالف کے سامنے ائمہ کا فتویٰ پیش کیا، اس نے اس فتویٰ کو رد کر دیا اور کہا "یہ فتوؤں کا انبار تو کیا لے آیا ہے؟" بعضوں نے کہا کہ وہ کافر ہو جائے گا اس لئے اس نے شریعت کا حکم رد کر دیا۔ اسی طرح اگر اس فتویٰ کے بارے میں کچھ نہ کہا مگر فتویٰ لے کر زمین پر ڈال دیا اور کہا "یہ کیا شریعت ہے؟" تو بھی کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص نے ایک عالم سے اپنی بیوی کے متعلق کا مسئلہ دریافت کیا، اس نے جواب دیا کہ تمہاری بیوی پر طلاق واقع ہو گئی پوچھنے والے نے کہا "میں طلاق ملاق کو کیا جانوں ماں بچے گھر میں ہونے چاہئیں" تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا۔ دو شخصوں میں جھگڑا ہوا، اس میں سے ایک دوسرے کے پاس علماء کا فتویٰ لے کر آیا اس نے کہا "ایسا نہیں جیسا کہ فتویٰ دیا" یا یہ کہا کہ میں اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کو تعزیر (سزا) دی جائے گی۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق حلال و حرام اور فاسق و فاجر وغیرہ کے کلام سے ہے: جو کوئی حلال کے حرام ہونے کا یا حرام کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ لیکن اگر کوئی حرام و حلال اس لئے بتائے کہ یہ سامان رائج ہو جائے یا ایسا جہالت کی وجہ سے کیا تو وہ کافر نہ ہو گا، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ وہ حرام حرام لعینہ ہو، اور وہ اس کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھے تب کافر ہو گا اور اگر حرام، حرام لغیرہ ہو اور اس کو حلال بتائے تو کافر نہ ہو گا، اور اس حرام لعینہ کو حلال سمجھنے میں کافر ہو گا جب اس کی لعینہ حرام کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو، لیکن اگر حرام لعینہ کی حرمت خبر احاد سے ثابت ہو گی تو اس کے حلال کا عقیدہ رکھنے میں کافر نہ ہو گا۔

ایک شخص سے کہا گیا کہ ایک حلال تم کو زیادہ پسند ہے یا دو حرام، اس نے کہا دونوں میں سے جو جلد پہنچ جائے، تو اس کے بارہ میں کفر کا خوف ہے، اسی طرح اس وقت بھی خوف کفر ہے جب کہے کہ ہمیں مال چاہئے خواہ حلال ہو خواہ حرام ہو، اور اگر یہ کہا کہ جب تک میں حرام پاؤں گا حلال کے پاس نہیں پھٹکوں گا تو اس کہنے سے کافر نہ ہو گا۔

اگر کوئی شخص حرام مال کسی فقیر کو ثواب کی نیت سے دے اور ثواب کی امید رکھے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، اور اگر فقیر کو یہ معلوم تھا کہ یہ

مال حرام ہے اور اس کے باوجود اس نے وہ مال لے لیا اور دینے والے کو دعا دی اور اس دینے والے نے آمین کہی تو وہ کافر ہو گا، ایک شخص سے کہا گیا کہ "حلال مال کھاؤ" اس نے کہا کہ "مجھے تو حرام مال بہت پیارا ہے" تو وہ کافر ہو جائے گا، اور اگر اس کے جواب میں یہ کہا کہ "اس دنیا میں کسی ایک حلال کھانے والے کو لاؤ تاکہ میں اسے سجدہ کروں" تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، کسی نے ایک شخص سے کہا کہ "حلال کھایا کرو" جواب میں اس نے کہا کہ "مجھے تو حرام چاہئے" تو وہ کافر ہو گیا۔

کسی فاسق کے لڑکے نے شراب پی۔ پھر اس کے عزیز و اقارب آ کر اس پر روپے نچھاور کرنے لگے تو وہ سب کافر ہو گئے، اور اگر نچھاور نہیں کیا بلکہ کہا کہ "تمہیں مبارک ہو" تو بھی کافر ہو جائیں گے۔ اگر کسی نے کہا کہ شراب کی حرمت قرآن سے نہیں ثابت ہوتی تو وہ کافر ہو جائے گا۔

کسی نے شراب پینے والے سے کہا کہ قرآن سے شراب کی حرمت ثابت ہے پھر تو شراب کیوں پیتے ہو توبہ کیوں نہیں کرتے؟ تو اس کے جواب میں شرابی نے کہا کہ "از شیر مادر شکیبد" یعنی کیا ماں کے دودھ سے صبر ہو سکتا ہے؟ تو وہ اس کہنے سے کافر نہیں ہو گا، اس وجہ سے کہ یا تو یہ استفہام ہے یا شراب اور دودھ میں شغف کے اندر برابری ظاہر کرنا ہے۔

اگر کوئی حالت حیض میں اپنی بیوی سے جماع (صحبت) کو حلال سمجھے گا تو وہ کافر ہو جائے گا، اسی طرح وہ بھی کافر سمجھا جائے گا جو اپنی بیوی سے اغلام (لواطت) کو جائز جانے، اور نوادر میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ان دونوں صورتوں میں کافر نہیں ہوتا اور اس حکم کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

ایک شخص نے شراب پی اور پھر کہا کہ "جو شخص ہمارے اس کیف میں ہمارا شریک مسرت ہے اصل مسرت اسی کی ہے اور جو شخص ہمارے اس کیف و مسرت سے ناراض ہے وہ گھاٹے میں ہے" تو وہ کافر ہو گیا۔ اسی طرح جب وہ شراب پینے میں مشغول تھا تو اس نے کہا کہ مسلمان ہونے کو آشکارا کر رہا ہوں یا مسلمان ہونا ظاہر ہو رہا ہے تو اس سے کافر ہو جائے گا۔ اگر کسی بدکار اور شرابی نے یہ کہا کہ اگر شراب کا کوئی قطرہ گر جائے گا۔ تو جبرئیل علیہ السلام اپنے پیروں سے اٹھائیں گے تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک فاسق سے کسی نے کہا کہ تو ہر دن اس طرح صبح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق خدا کو تکلیف دیتا ہے، اس نے کہا خوب کرتا ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ گناہوں کے متعلق کسی نے کہا کہ یہ بھی ایک مذہب ہے تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔ محیط میں ایسا ہی ہے اور تجنیس ناطقی میں ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ کہنے والا کافر نہیں ہوتا،

اسی طرح وہ بھی کافر ہو گا جو تسبیح و تہلیل کے وقت یہ جملے کہے۔ ایک شخص نے سبحان اللہ کہا، دوسرے نے کہا کہ تو نے سبحان اللہ کی رونق ختم کر دی، یا کہا کہ تو نے اس کی کھال ادھیڑ دی تو وہ کافر ہو جائے گا کسی سے کہا گیا کہ تم لا الہ الا اللہ کہو اس نے کہا میں نہیں کہتا بعض مشائخ کہتے ہیں کہ یہ کفر ہے، اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ اگر اس کی مراد اس سے یہ تھی کہ ترے حکم سے میں لا الہ الا اللہ نہیں کہتا تو وہ کافر نہیں ہو گا، اور بعضوں نے کہا کہ مطلقاً کافر ہو جائے گا اور اگر جواب میں یہ کہا کہ تو نے یہ کلمہ پڑھ کر کیا بلندی حاصل کر لی کہ میں کہوں، تو بھی کافر ہو جائے گا، ایک بادشاہ کو چھینک آئی، اس کی چھینک پر کسی نے کہا یرحمک اللہ۔ دوسرے نے یرحمک اللہ کہنے والے سے کہا کہ بادشاہ کے لئے اس طرح مت کہو تو یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق یوم قیامت اور قیامت سے متعلق چیزوں سے ہے: جو کوئی قیامت یا جنت دوزخ یا میزان و پل صراط اور نامہ اعمال کا انکار کر دے تو وہ کافر ہو جائے گا، اسی طرح کوئی مرنے کے بعد پھر جی اٹھنے کا انکار کر دے تو وہ بھی کافر ہے۔

کوئی شخص یہ کہے "میں یہ نہیں جانتا کہ یہود و انصاری قیامت میں جب اٹھائے جائیں گے تو وہ آگ کے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے یا نہیں تو اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہو جاتا ہے جو جنت میں داخل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے دیدار کا انکار کر دے۔ یا مرنے کے بعد عذاب قبر کا انکار کرے یا انسان کے حشر و نشر کا انکار کر لے، لیکن انسان کے علاوہ دوسری مخلوق کے حشر کا

انکار کرنے والا کافر نہیں ہوتا اسی طرح وہ بھی کافر نہیں ہوتا جو یہ کہے کہ عذاب اور ثواب کا تعلق صرف روح سے مخصوص ہے۔

ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ گناہ نہ کرو اس لئے کہ ایک دوسری دنیا بھی ہے جہاں حساب وکتاب ہوگا اس نے جواب دیا کہ اس دنیا کی کس کو خبر ہے تو کافر ہو جائے گا ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ قرض باقی تھا، اس نے اس کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر یہاں تم نہیں دیتے ہو تو قیامت میں تم سے وصول کرلوں گا اس نے جواب میں کہا جی ہاں قیامت قائم ہوگی؟ تو اگر اس نے قیامت کی توہین کے ارادہ سے ایسا کہا تو کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص نے دوسرے پر ظلم وستم ڈھایا، اس پر مظلوم نے کہا آخر قیامت کا دن آنے والا ہے اس لئے ڈرو اس نے جواب میں کہا فلاں گدھا قیامت میں ہوگا تو اس سے کافر ہو جائے گا ایک شخص نے اپنے قرضدار سے کہا میرے روپے دنیا میں دیدے قیامت میں روپیہ نہ ہوگا اس نے کہا کہ اچھا دس روپے اور دیدو اس دنیا میں لے لینا یا میں تمہیں وہاں دے دوں گا تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا کسی نے کہا کہ مجھے حشر سے کیا کام ہے، یا یہ کہا کہ میں قیامت سے نہیں ڈرتا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

کسی نے اپنے دشمن سے کہا کہ میں اپنا حق تجھ سے قیامت میں وصول کرلوں گا اس نے کہا اس دن اس بھیڑ میں مجھے کہاں پائے گا؟ مشائخ کو اس کے کفر میں اختلاف ہے فقیہ ابو اللیث کہتے ہیں کہ وہ اس کہنے سے کافر نہ ہوگا۔

کسی نے کہا اس دنیا میں سب اچھا رہنا چاہئے اس دنیا میں جو ہوگا سو ہوگا تو وہ کافر ہو جائے گا ایک شخص سے کہا گیا کہ تم آخرت کے پیش نظر دنیا سے گریز کرو اس نے کہا کہ نقد چھوڑ کر ادھار پر کون بھروسہ کرے؟ تو وہ کافر ہو جائے گا۔

کسی نے کہا کہ جو اس دنیا میں بے عقل و خرد ہوگا وہ اس دنیا میں اس شخص کی طرح ہوگا جس کی تھیلی پھٹی ہوئی ہے یعنی ناکارہ ہوگا امام ابوبکر محمد بن الفضل نے کہا کہ اگر اس سے اس کا منشا آخرت کے ساتھ تمسخر اور طنز ہے تو یہ باعث تکفیر ہوگا۔ کسی نے کسی سے کہا کہ میں تیرے ساتھ دوزخ میں جاؤں گا لیکن اندر نہیں آسکتا تو کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی نے کہا کہ جب تک تم رضوان جنت کے لئے کچھ نہیں لے جاؤ گے تو وہ جنت کا دروازہ نہیں کھولے گا تو اس کہنے سے کافر ہو جائے گا۔ کسی نے بھلائی کا حکم دینے والوں سے کہا کہ یہ کیا ہنگامہ مچا رکھا ہے اگر یہ انکار ورد کے طور پر کہا ہے تو اس کے کافر ہو جانے کا خوف ہے کسی نے ایک شخص سے کہا کہ فلاں کے گھر جا کر بھلی بات کا حکم کرو، جواب میں کہا کہ اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے یا مجھے اس کو اذیت دینے کی کیا وجہ ہے؟ یا کہا میں الگ تھلگ ہوں اس فضول کام سے کیا واسطہ؟ تو یہ سب کفریہ الفاظ ہیں۔

کسی نے ایک شخص سے تعزیت کرتے ہوئے کہا جو اس کی جان سے کم ہوا وہ تم پر زیادہ ہو تو اس سے بھی کفر کا خوف ہے۔ یا کہا کہ تم پر زیادہ کیا جائے تو یہ جہالت اور غلطی ہے یا کہا کہ فلاں کی جان کم ہو کر تیری جان پر آگیا، تو یہ بھی جہالت ہے اور اگر یہ کہا کہ وہ مر گیا لیکن اپنی جان تیرے سپرد کر گیا تو کافر ہو جائے گا۔ ایک شخص بیمار تھا وہ اچھا ہوا دوسرے نے اس سے کہا فلاں گدھا پھر بھیجدیا تو یہ بھی کفر ہے۔ ایک شخص بیمار ہوا اور اس کی بیماری بہت بڑھ گئی اور اس نے طول کھینچا بیمار نے اکتا کر خدا کو خطاب کر کے کہا کہ خواہ تو حالت اسلام پر موت دے یا حالت کفر پر تو یہ بھی باعث کفر ہے۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق تلقین کفر وارتداد وغیرہ سے ہے: جب کوئی کسی کو کلمہ کفر کی تلقین کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا خواہ یہ کھیل کود اور ہنسی مذاق ہی کے طور پر کیوں نہ ہو اسی طرح وہ بھی کافر ہو جائے گا جو کسی کی بیوی کو حکم دے کہ تو مرتد ہو جا اور اس طرح اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرلے، امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ سے یہی روایت ہے ایک شخص نے کسی کو حکم دیا کہ تو کافر ہو جا تو حکم دینے والا کافر ہو جائے گا خواہ جس کو حکم دیا گیا ہے وہ کافر ہو یا نہ ہو۔ امام ابو اللیثؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت کوئی شخص کسی کو کلمہ کفر کی تعلیم دے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی مرد یا عورت کو مرتد ہونے کا حکم دے گا تو بھی وہ کافر ہوگا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو مجبور کیا گیا کہ وہ کلمہ کفر زبان سے نکالے ورنہ اس کے ساتھ ایسا ایسا کرے گا یعنی جان یا کسی عضو

کے تلف کرنے کی دھمکی دی گئی اس نے اس خوف سے کلمہ کفر زبان سے کہدیا تو اس کی چند صورتیں ہوں گی اگر اس نے کلمہ کفر اس طرح زبان سے ادا کیا کہ اس کا دل ایمان پر بالکل مطمئن ہے دل میں کفر کا کھٹکا تک بھی نہیں گذرا صرف زبان سے کلمہ کفر سرزد ہوا ہے تو اس صورت میں نہ قضاءً اس کی تکفیر کی جائے گی اور نہ وہ عند اللہ کافر ہوگا، اور اگر کلمہ کفر زبان سے کہنے والا کہے کہ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ اپنے بارہ میں زمانہ ماضی میں کفر کی جھوٹی خبر دے کر چھٹکارا حاصل کرلوں میں نے مستقبل کفر کا ارادہ نہیں کیا تھا تو اس صورت میں قضا یعنی قانونا اس کے کفر کا فیصلہ دیا جائے گا اور قاضی اس میں اور اس کی بیوی میں تفریق کردے گا اور اگر وہ یہ کہے کہ کلمہ کفر کہتے وقت میرے دل میں یہ بات گذری کہ گذرے ہوئے زمانہ میں کفر کی جھوٹی خبر دے دوں لیکن زمانہ ماضی میں جھوٹے کفر کا میں نے ارادہ نہیں کیا بلکہ ایام مستقبل میں ارادہ کیا تو اس صورت میں خدا کے نزدیک بھی کافر ہو جائے گا اور دنیا کے حکم میں بھی۔

ایک شخص کو مجبور کیا گیا کہ وہ صلیب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے چنانچہ اس نے پڑھی تو اس کی تین صورتیں ہوں گی۔ ① اگر وہ یہ کہتا ہے کہ زبردستی کی وجہ سے صلیب کی طرف نماز پڑھ لی ہے لیکن دل میں کوئی وہم اس کی عقیدت کا نہیں گذرا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا نہ قضاءً اور نہ فی مابینہ وبین اللہ۔ ② اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میرے دل میں یہ بات گذری کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھ رہا ہوں نہ کہ صلیب کے لئے تو اس صورت میں بھی وہ کافر نہیں ہوگا۔ ③ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میرے دل میں یہ بات گذری کہ میں اللہ کے لئے نماز پڑھوں لیکن میں نے اس کو چھوڑ دیا اور صلیب کے لئے نماز پڑھی تو اس صورت میں وہ قضاء بھی کافر ہوگا اور فی مابینہ وبین اللہ بھی۔

ایک مسلمان سے کہا گیا کہ تم بادشاہ کو سجدہ کرو ورنہ ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے تو افضل یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے ایک شخص نے کلمہ کفر زبان سے جان بوجھ کر نکالا لیکن کفر کا اعتقاد پیدا نہیں ہوا تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوگا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ کافر ہو جائے گا اور یہی صحیح ہے۔ ایک شخص نے کلمہ کفر زبان سے ادا کیا لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کفر کا کلمہ ہے مگر اس نے یہ اپنے اختیار سے کہا ہے تو تمام علماء کے نزدیک وہ کافر ہو جائے گا۔ اور جہالت عذر شمار نہ ہوگی اور بعض لوگوں نے کہا کہ کافر نہیں ہوگا مذاق کرنے والا یا ٹھٹھا مخول کرنے والا جب کلمہ کفر استخفاف کے طور پر بالذات آفرینی کے طور پر بکے گا تو وہ تمام کے نزدیک کافر قرار دیا جائے گا اگرچہ اس کا اعتقاد اس کے خلاف ہو۔

ایک شخص کی زبان سے کلمہ کفر غلطی سے جاری ہوگیا اس طرح کہ وہ دوسرا کلمہ بولنا چاہئے تھا لیکن آگیا کفر کا کلمہ تو وہ کافر نہیں ہوگا مجوسیوں کی ٹوپی سر پر رکھنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے البتہ گرمی یا سردی سے بچنے کے لئے ایسا کرے تو کافر نہ ہوگا زنار یعنی جینو پہننے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے لیکن اگر لڑائی میں جاسوسی کے لئے ایسا کرے تو کافر نہ ہوگا۔

کسی نے کہا کہ تو جو کچھ کر رہا ہے اس سے بہتر کفر کرنے والا ہے، اگر اس سے اس کی نیت کفر کا اچھا جاننا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اور بعض علماء جیسے فقیہ ابواللیث کہتے ہیں کہ صرف اس جملہ سے آدمی کافر ہو جاتا ہے خواہ اس کی نیت کچھ بھی ہو۔ مجوس نوروز کے دن جو کچھ کرتے ہیں اگر کوئی مسلمان اس کی موافقت میں ان کے ساتھ نکلے گا تو کافر ہو جائے گا، اسی طرح اگر اس نوروز کے دن ایسی چیز خریدے گا جو کبھی نہ خریدتا تھا اور یہ خریدنا نوروز کی تعظیم کے لئے ہو تو کافر ہو جائے گا، کھانے پینے اور ضروریات زندگی کی چیز خریدنے سے کافر نہیں ہوگا، اس دن اگر کوئی مسلمان مشرکوں کو اس دن کی تعظیم کے اظہار کے لئے کوئی تحفہ بھیجے خواہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہو تو وہ کافر ہو جائے گا ہاں اگر ان کے بچوں کی رسم مونڈن میں دعوت قبول کرے تو اس سے کافر نہ ہوگا۔

کفار کی باتوں اور معاملہ کو اچھا جاننے والا کافر ہو جاتا ہے مثلاً یہ کہے کہ کھانے کے وقت مجوس کا یہ مذہب بہتر ہے کہ اس وقت گفتگو نہ کی جائے یا مجوس کے یہاں یہ اچھا ہے کہ حالت حیض میں بیوی کو ساتھ لیٹنے بھی نہ دیا جائے، اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، کسی نے کسی شخص کی عزت و جاہ کی وجہ سے اس کے جوڑے پہننے کے وقت جانور ذبح کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور یہ ذبیحہ مردار ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔ اسی طرح غیر اللہ کی عظمت کے اظہار کے لئے گائے، اونٹ یا کسی جانور کا ذبح کرنا یا غازیوں اور حاجیوں کی واپسی پر اس کی عظمت

کے اظہار کے لئے ایسا کرنا باعث کفر ہے۔

جو جانور کسی دیوی دیوتا یا بزرگ کے نام پر چھوڑا گیا اور نامزد کر کے اس کو شہرت دیدی گئی جیسے جاہل اور بدعقیدہ لوگ کوئی جانور مثلاً بکرا چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ یہ بکرا شیخ سدو کے نام پر ہے یا یہ گائے احمد کبیر کی ہے یا یہ مرغا مدار صاحب کا ہے وغیرہ وغیرہ یا کسی غیر اللہ کے نام کی عظمت اور تقریب کے لئے ایسا کیا گیا تو یہ سب کفر کی باتیں ہیں، اسی طرح بزرگوں کی قبر پر یا دریا کے کنارے جانور ذبح کرنا یا کسی دیوی دیوتا کو بھوگ دینا یہ سب کام ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اور ایسا ذبیح مردار کے حکم میں ہے اس کا کھانا درست نہیں اس سے کوئی فرق نہیں ہوتا کہ ان مواقع پر جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو دونوں صورتوں میں وہ حرام ہے کیونکہ جب غیر اللہ کے نام پر نامزد ہو چکا ہے تو بسم اللہ پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا ایسا ہی الاشباہ والنظائر، تنویر الابصار، در مختار، منح الغفار، فتاوی عالمگیری اور مطالب المومنین وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے۔

ان میں سے بعض کتابوں میں یہ بھی صراحت ہے کہ ایسے غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا ذبح کرنے والا کافر ہے اور یہ ذبیحہ حرام ہے علماء میں ابو حفص کبیر ابو علی وقاق ؒ عبد اللہ کاتب ؒ، عبد الواحد ؒ، اور ابو الحسن نووی ؒ وغیرہ مشہور علماء نے یہی لکھا ہے۔ اور اس کو صحیح کہا ہے اور تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ تمام علما کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ جو مسلمان کسی جانور کو اللہ کے سوا کسی اور کے تقرب و تعظیم کے لئے ذبح کرے وہ مرتد ہے اور اس کے ذبح کئے ہوئے جانور کا وہی حکم ہے جو ایک مرتد کے ذبح کئے ہوئے جانور کا ہے اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو غیر اللہ کے تقرب و تعظیم کے لئے جانور ذبح کرے جیسا کہ حدیث کی مشہور کتاب مشکوۃ شریف میں ہے اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ؒ نے اپنی کتاب تفسیر عزیزی میں آیت وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ جانور جو غیر اللہ کے نام کے ساتھ شہرت دیا گیا ہے وہ خنزیر سے بدتر ہے اور مردار ہے جن حضرات کو تفصیل مطلوب ہو ان کو چاہیئے کہ وہ تفسیر عزیزی کے مطالعہ کریں انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے یہ مسئلہ منقح ہو کر ان کے ذہن نشین ہو جائے گا۔

ایک عورت نے اپنی کمر پر رسی باندھ کر کہا کہ یہ زنار (جینئو) ہے تو وہ کافر ہو گئی ایک شخص نے اس طرح کہا کہ خیانت کرنے سے بہتر کافر ہی ہے تو اکثر علماء کہتے ہیں کہ وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا اس اور اسی پر ابو القاسم صغار کا فتوی ہے ایک شخص نے کسی عورت کو مارا اس عورت نے کہا تو مسلمان نہیں ہے مرد نے یہ سن کر کہا ہاں میں مسلمان نہیں ہوں تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا ایک شخص نے کہا کیا تو مسلمان نہیں ہے اس نے کہا نہیں تو یہ بھی کفر ہے ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ تمہارے اندر دینی حمیت اور اسلامی غیرت نہیں کہ تم اسے پسند کرلے ہو کہ میں اجنبی مردوں کے ساتھ خلوت کروں؟ خاوند نے جواب میں کہا ہاں مجھ میں دینی حمیت اور اسلامی غیرت نہیں ہے تو وہ اس سے کافر ہو جائے گا۔

ایک مرد نے اپنی بیوی کو اس طرح مخاطب کیا اے یہودیہ، اے مجوسیہ اے کافرہ! عورت نے یہ سن کر کہا کہ میں ایسی ہی ہوں یا کہا ایسی ہوں تو مجھے طلاق دے دو یا یہ کہا کہ اگر ایسی نہ ہوتی تو تمہارے ساتھ کیسی رہتی یا نہ رہتی یا یہ کہا کہ اگر ایسی نہ ہوتی تو تمہارے ساتھ صحبت نہ کرتی یا تم مجھے نہ رکھتے تو اس کہنے سے وہ عورت کافر ہو جائے گی، اور اگر اس کے جواب میں یہ کہا کہ اگر میں ایسی ہوں تو تم مجھے نہ رکھو تو اس سے کافر نہ ہوگی۔ اور اگر کسی بیوی نے اپنے شوہر کو مخاطب کیا اے کافر اے یہودی، اے مجوسی! پس شوہر نے اس کے جواب میں کہا اگر ایسا نہ ہوتا تو تم کو نہ رکھتا تو وہ اسی کی وجہ سے کافر ہو گیا، اور اگر کہا کہ اگر میں ایسا ہوں تو تم میرے ساتھ نہ رہو تو اس صورت میں وہ کافر نہ ہوگا۔

اور اگر کسی اجنبی سے کہا اے کافر یہودی! اس نے کہا کہ میں ایسا ہی ہوں میرے ساتھ تم مت رہو یا کہا اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہارے ساتھ نہ رہتا یا اسی طرح کا کوئی جملہ کہا تو وہ کافر ہو جائے گا ایک شخص نے ایک کام کا ارادہ کیا اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ اگر تم یہ کام کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے اس شوہر نے وہ کام کیا اور عورت کی بات پر توجہ نہ دی تو وہ شوہر کافر نہ ہو گا۔ اپنی بیوی کو کسی نے مخاطب کر کے کہا اے کافرہ! بیوی نے کہا میں نہیں تم ہو، کسی عورت نے اپنے شوہر سے کہا اے کافر! شوہر نے کہا کہ میں نہیں بلکہ تم کافرہ ہو تو اس سے میاں بیوی میں جدائی واقع نہیں ہوگی اور اگر کسی اجنبی مسلمان سے کہا اے کافر یا اجنبی عورت کو کہا اے کافرہ اور مخاطب مرد و عورت نے

جواب میں کچھ نہیں کہا یا کسی شوہر نے اپنی بیوی کو کہا اے کافرہ! اور عورت نے کچھ جواب نہ دیا یا بیوی نے اپنے شوہر کو کافر کے ساتھ خطاب کیا اور شوہر نے کچھ جواب نہ دیا تو اس صورت میں ابوبکر اعمش بلخی کا قول ہے کہ کہنے والا کافر ہے اور بقیہ دوسرے علماء بلخ کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوتا، اور صحیح جواب یہ ہے کہ اگر کہنے والے کا ارادہ صرف برا بھلا کہنا مقصد ہے تو وہ کافر نہیں ہوتا اور اگر وہ اعتقاد بھی یہ ہی رکھتا ہے کہ یہ مسلمان کافر ہے اور پھر اس کو کافر سے خطاب کرتا ہے تو البتہ وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

اگر کوئی عورت اپنے بچے کو کافر بچہ کے ساتھ خطاب کرے تو یہ باعث کفر نہیں ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ کفر ہے اسی طرح کوئی مرد اپنے بچہ کو ان الفاظ سے خطاب کرے تو وہ بھی کافر نہیں ہے اور اگر اپنے جانور کو کہا اے کافر تو اس سے کافر نہ ہوگا اور کسی شخص نے کسی مسلمان کو اے کافر اے یہودی یا اے مجوسی کہہ کر خطاب کیا اور اس مسلمان نے جواب میں لبیک کہا تو وہ کافر ہوگا۔ اگر یوں کہے کہ میں ڈر گیا کہ کہیں کافر نہ ہو جاؤں تو اس سے کافر نہ ہوگا اگر کسی نے کسی سے کہا کہ تو نے مجھے اتنا ستایا کہ میرا جی چاہا کہ کافر ہو جاؤں تو وہ کافر ہو جائے گا کسی نے کہا کہ یہ زمانہ مسلمان رہنے کا نہیں ہے بلکہ یہ زمانہ کافری کا ہے۔ بعضوں نے کہا اس سے کافر ہو جائے گا اور صاحب محیط نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ کافر نہ ہوگا۔

ایک مجوسی اور ایک مسلمان ایک جگہ ساتھ ساتھ تھے ایک شخص نے مجوسی کو پکارا کہ اے مجوسی اب اگر مسلمان نے یہ سمجھ کر جواب دیا کہ مجھے پکار رہا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا بشرطیکہ وہ دونوں اس پکارنے والے کے کسی ایک کام میں مشغول تھے، اور اگر دونوں کسی ایک کام میں مشغول نہ تھے بلکہ الگ الگ کاموں میں مشغول تھے تو اس پر کفر کا خوف ہے۔ اگر کوئی مسلمان کہے کہ میں ملحد ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر وہ یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس جملہ سے آدمی کافر ہو جاتا ہے تو اسے اس کی وجہ سے معذور قرار نہیں دیا جائے گا ایک شخص نے ایک جملہ زبان سے نکالا جسے لوگوں نے کفر یہ کلمہ سمجھا حالانکہ در حقیقت وہ کلمہ کفر نہ تھا مگر اس سے ان لوگوں نے کہا کہ تو کافر ہو گیا اور تیرے اور تیری بیوی کے درمیان جدائی واقع ہو گئی، اس کے جواب میں اس نے کہا کافر شدہ گیر، وزن طلاق شدہ گیر، تو کافر ہو جائے گا اور اس کی بیوی اور اس کے درمیان جدائی واقع ہو جائے گی۔

ایک شخص نے کہا کہ میں فرعون ہوں یا کہا کہ میں ابلیس ہوں تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا ایک شخص نے ایک بدکار کو نصیحت کی اور توبہ کی ترغیب دی اس کے جواب میں اس نے کہا از پس ایں ہمہ کلاہ مغاں بر سر نہم تو وہ اس سے کافر ہو جائے گا ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ تمہارے ساتھ رہنے سے کافر ہونا بہتر ہے تو وہ کافر ہو جائے گی ایک عورت نے کہا کہ اگر میں ایسا کام کروں تو کافر ہوں ابوبکر محمد بن الفضل کہتے ہیں کہ اس کہنے سے وہ عورت کافر ہو گئی اور اس کا نکاح ٹوٹ گیا اور قاضی علی السعدی کا کہنا ہے کہ یہ جملہ تعلیق ویمین ہے کفر نہیں ہے ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ تم اس کے بعد مجھ پر ظلم کرو گے یا یہ کہا کہ اگر تم میرے لئے ایسی چیز نہ خریدو گے تو میں کافر ہو جاؤں گی تو وہ فوراً یہ کہتے ہی کافر ہو گئی۔

ایک شخص نے تمثیل کے طور پر کہا کہ میں مجوسی تھا مگر مسلمان ہو گیا یہ صرف زبان سے بطور حکایت کہا اعتقاداً نہ کہا تو بھی وہ کافر ہو جائے گا اگر کوئی مسلمان کسی آدمی کو سجدہ تحیتہ کریگا تو وہ اس سے کافر نہ ہوگا ایک شخص نے کسی مسلمان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارا ایمان چھین لے اس نے اس کے جواب میں آمین کہا تو وہ دونوں کافر ہو جائیں گے کسی شخص نے کسی کو تکلیف دی اس نے کہا کہ مجھے مت ستاؤ میں مسلمان ہوں ستانے والے نے جواب دیا چاہے کافر رہو چاہے مسلمان رہو تو وہ ایذا دینے والا کافر ہو جائے گا یا کہا کہ اگر تو کافر بھی ہو جائے تو میرا کیا نقصان تو اس سے بھی کافر ہو جائے گا۔

ایک کافر نے اسلام قبول کیا لوگوں نے اس کو تحفے ہدیئے دیئے ایک مسلمان نے یہ دیکھ کر کہا کہ کاش میں بھی کافر ہوتا اور پھر مسلمان ہوتا تو لوگ مجھ کو بھی تحفے ہدیئے دیتے یا اس نے یہ بات کہی نہیں لیکن دل میں اس کی آرزو کی تو وہ کافر ہو گیا۔ ایک شخص نے آرزو کی کہ اللہ تعالیٰ شراب کو حرام نہ کرتا تو اس سے وہ کافر نہ ہوگا۔ اور اگر کسی نے یہ آرزو کی کہ اللہ تعالیٰ ظلم و زنا کو حرام نہ کرتا یا ناحق قتل و خوں ریزی کو حرام نہ کرتا تو وہ کافر ہو جائے گا اس لئے کہ یہ وہ چیزیں ہیں کہ کبھی بھی حلال نہ رہیں گویا پہلی صورت میں ایسی چیز کی آرزو کی:

محال نہیں اور دوسری میں ایسی چیز کی آرزو کی جو محال ہے اسی طرح اگر کوئی آرزو کرے کہ بھائی بہن کے درمیان نکاح حرام نہ ہوتا تو اس سے کافر نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ شروع میں حلال رہ چکا ہے لہٰذا محال نہیں کہا جائے گا۔ ماحصل یہ ہوا کہ جو چیز کبھی حلال تھی اور بعد میں حرام ہوگئی اس کے حلال ہونے کی تمنا کرنا موجب کفر نہیں ہے۔

ایک مسلمان نے کسی خوبصورت گدازبدن عیسائی عورت کو دیکھ کر آرزو کی کہ کاش میں عیسائی ہوتا کہ اس سے بیاہ کرسکتا، تو وہ کافر ہوجائے گا ایک شخص نے کسی سے کہا حق بات پر میری مدد کرو اس نے کہا کہ کہیں مدد حق پر کی جاتی ہے میں ناحق پر البتہ تیری مدد کروں گا تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہوجائے گا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے اس درخت کو پیدا کیا ہے تو وہ اس کہنے سے کافر نہیں ہوا اس لئے کہ اس کی مراد درخت لگانا سمجھی جائے گی ہاں اگر کوئی حقیقتاً پیدا کرنا مراد لے تو کافر ہوجائے گا ایک شخص نے کہا کہ جب تک میرے یہ بازو موجود ہیں میری روزی کم نہ ہوگی تو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ کافر ہوجائے گا اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس پر کفر کا خوف ہے! اگر کوئی یہ کہے کہ درویشی یا تصوف بدبختی ہے تو یہ بہت بری بات ہے۔

کسی نے چاند کے گرد کوئی دائرہ دیکھا اور دعویٰ کیا کہ بارش ہوگی اور اس طرح اس نے غیب کا دعویٰ کیا تو وہ کافر ہوجائے گا ایک نجومی نے کسی سے کہا کہ تیری بیوی حاملہ ہے اور اس نے اس پر اعتقاد جمالیا تو وہ کافر ہوگیا۔ ایک شخص نے الو کی آواز سنی اور پھر کسی سے کہا کہ بیمار مرجائے گا یا کوئی مصیبت آئے گی یا اسی طرح کوا بولا اور اس کی آواز سن کر کسی نے کہا کہ کوئی سفر سے آرہا ہے تو ایسے شخص کے کفر میں مشائخ کے اختلافی اقوال ہیں۔ کسی نے کوئی ناجائز بات کہی دوسرے نے اس سے کہا کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اس کہنے سے تم کافر ہوجاؤ گے! اس نے کہا کہ پھر میں کیا کروں کافر ہوتا ہوں گا تو ہوجاؤں گا تو وہ کافر ہوجائے گا۔

ایک شخص نے قرات کے دوران حرف ضاد کی جگہ زا پڑھا یا اصحاب الجنۃ کی جگہ اصحاب النار پڑھا تو ایسے شخص کی امامت جائز نہیں ہے اگر کوئی قصداً ایسا پڑھے گا تو کافر ہوجائے گا۔ جو شخص کہے قسم ہے تیری زندگانی کی یا میری زندگانی کی یا اسی طرح کی کوئی اور قسم کھائے تو اس پر کفر کا خوف ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ رزق تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے مگر وہ بندے سے حرکت چاہتا ہے تو بعضوں نے کہا یہ شرک ہے ایک شخص نے کہا کہ میں ثواب وعذاب سے بری ہوں تو کہا گیا کہ وہ اس سے کافر ہوجائے گا اگر کسی نے کہا کہ فلاں شخص جو کچھ بھی کہے گا میں کروں گا اگرچہ وہ کفر ہی کیوں نہ ہو تو وہ کافر ہوجائے گا اگر کوئی کہے کہ میں مسلمان ہونے سے بیزار ہوں تو وہ کافر ہوجائے گا۔

مامون رشید کے زمانے کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ خلیفہ وقت نے ایک فقیہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جس نے کسی کپڑا بننے والے کو قتل کردیا تھا کہ اس قاتل پر کیا واجب ہوگا فقیہ نے کہا تعزیر واجب ہے مامون نے حکم دیا کہ فقیہ کو پیٹا جائے چنانچہ اسے پیٹا گیا یہاں تک کہ وہ مرگیا، پھر مامون نے کہا کہ میں نے یہ حکم اس لئے دیا تھا کہ اس نے شریعت کے ساتھ استہزا کیا اور شریعت کے ساتھ اس طرح کا مذاق کفر ہے ایک فقیر کالی کملی اوڑھے ہوئے تھا کسی نے اس کو دیکھ کر ندڑ کہا تو یہ کفر ہے۔

جو ظالم بادشاہ کو عادل کہے وہ کافر ہے اور بعضوں نے کہا کہ وہ کافر نہیں ہوتا ہے اگر کوئی کسی ظالم کو اے خدا سے خطاب کریگا تو وہ کافر ہوجائے گا اور اگر کہے اے بار خدا تو اکثر مشائخ کہتے ہیں اس سے کافر نہیں ہوگا ایک عالم صغارؒ نامی سے ان خطیبوں کے متعلق سوال کیا گیا جو جمعہ کے دن منبروں پر خطبہ پڑھتے ہیں اور سلطان کو العادل الاعظم یا شہنشاہ الاعظم یا مالک رقاب الامم یا سلطان ارض اللہ یا مالک بلاد اللہ یا معین خلیفۃ اللہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں کیا بادشا ہوں کو خطبہ میں ان القاب کے ساتھ یاد کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ تحقیق اس مسئلہ میں کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ ان القاب کے بعض الفاظ کفر ہیں اور بعض معصیت اور کذب ہیں۔ اور شہنشاہ کا لفظ بغیر اعظم کی صفت کے اللہ تعالیٰ کے اسماء کے لئے مخصوص ہے اس کے ساتھ بندوں کی صفت بیان کرنا جائز نہیں ہے اور مالک رقاب الامم کا جملہ بادشاہ کے لئے صریح جھوٹ ہے اسی طرح بادشاہ کو سلطان ارض اللہ یا اس طرح کے لقب سے یاد کرنا بھی

جھوٹ ہے۔

امام ابومنصور نے کہا کہ اگر کوئی کسی کے آگے زمین بوسی کرے یا اس کے سامنے جھکے، یا اپنا سر جھکائے تو وہ کافر نہیں ہوگا اس لئے کہ اس کا منشا تعظیم و تکریم ہے عبادت نہیں ہے اور دوسرے مشائخ نے کہا کہ جابروں کے سامنے سجدہ ریز ہونا گناہ کبیرہ ہے اور بعض عالموں نے کہا کہ اس سے وہ مطلقاً کافر ہوجاتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ اس میں تفصیل ہے اگر عبادت کا ارادہ کیا تو کافر ہوجائے گا اور اگر تعظیم کا ارادہ کیا تو کافر نہ ہوگا مگر اس کا یہ فعل حرام ہوگا اور اگر کوئی ارادہ سرے سے پایا ہی نہ جائے تو بھی اکثر کے نزدیک کافر ہوگا زمین چومنا سجدہ کرنے کے برابر ہے ہاں زمین پر پیشانی یا رخسار رکھنے سے ہلکا جرم ہے، اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ خراج، سلطان کی ملکیت ہے تو یہ کفر ہے! اگر کوئی کسی کے ساتھ برائی سے پیش آئے اور وہ یہ کہے کہ یہ سب تیری لائی ہوئی مصیبت ہے خدا کو اس میں دخل نہیں ہے تو یہ بھی کفر ہے اگر کوئی بادشاہ کے خلعت زیب تن کرتے وقت اس کی خوشنودی اور مبارکبادی کے لئے قربانی کرے گا تو کافر ہوگا اور یہ قربانی مردار کے حکم میں ہوگی اور اس کا کھانا درست نہ ہوگا۔

کہیں کہیں یہ جو ہندوانہ رواج ہے کہ جب کسی کے چیچک نکلتی ہے تو عورتیں کسی پتھر کا نام چیچک رکھ دیتی ہیں اور اس کی پوجا کرکے بچوں کی چیچک سے شفا چاہتی ہیں اور اعتقاد رکھتی ہیں کہ اس سے بچہ اچھا ہوجائے گا یہ باعث کفر ہے اور وہ عورتیں کافر ہوجاتی ہیں اور اگر ان کے شوہر بھی اسے پسند کریں تو وہ بھی کافر ہیں۔ اسی طرح دریا کے کنارے جاکر پانی کو پوجنا اور وہاں بکری وغیرہ ذبح کرنا بھی خالص مشرکانہ رسم ہے اور باعث تکفیر ہے اور وہ بکری مردار کے حکم میں ہے اور اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے ایسے ہی گھر میں تصویر بنا کر رکھنا اور اس کی پرستش کرنا جیسا کہ آتش پرست کرتے ہیں۔ یا بچہ پیدا ہونے کے وقت شنگرف سے نقشہ بنانا اور اس میں تیل ڈالنا اور پھر بھوانی بت کے نام سے اس کی پوجا کرنا یا اس طرح اور جو دوسرے کام کئے جاتے ہیں یہ سب مشرکانہ رسم اور کفر کا باعث ہیں چنانچہ جو عورتیں یہ سب کچھ کرتی ہیں وہ کافر ہوجاتی ہیں اور ان کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ آجکل جب تک خیانت نہ کرو اور جھوٹ نہ بولو گزارہ نہیں ہوسکتا، یا کہتا ہے کہ جب تک خرید و فروخت میں تم جھوٹ نہ بولو گے روٹی نہیں ملے گی، یا کسی سے کوئی کہے کہ تم کیوں خیانت کرتے ہو، یا کیوں جھوٹ بولتے ہو، وہ جواب دے کہ اس کے علاوہ چارہ نہیں ہے تو ان الفاظ سے وہ کافر ہوجائے گا! اگر کوئی کسی سے کہے کہ تم جھوٹ نہ بولا کرو اور وہ اس کے جواب میں کہے کہ یہ بات تو کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے زیادہ درست ہے تو وہ کافر ہوجائے گا اگر کسی کو غصہ آئے اور دوسرا اس کا غصہ دیکھ کر کہے کہ غصہ سے بہتر تو کافر ہی ہے تو وہ کافر ہوجائے گا۔ اگر کوئی شخص ایک ناجائز بات کہنے لگے دوسرا کہے یہ تم کیا کہہ رہے ہو اس سے تو تم پر کفر لازم آرہا ہے وہ جواب میں کہے کہ اگر مجھ پر کفر لازم آتا ہے تو تم کیا کرو گے۔ تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہوجائے گا کسی کے دل میں ایسی چیز کا خطرہ گذرا جو باعث کفر ہے اگر وہ اس کو اس حالت میں زبان پر لایا کہ وہ اسے برا جانتا ہے تو یہ ایمان کی علامت ہے اور اگر کفر کے ارادہ سے اس کو زبان پر لایا تو اسی وقت وہ کافر ہوجائے گا اگرچہ سو برس کے بعد کفر اختیار کرے اگر کوئی شخص بخوشی اپنی زبان پر کلمہ کفر لایا مگر اس کا دل ایمان پر قائم ہے تو وہ کافر ہوجائے گا

اور عند اللہ مؤمن باقی نہ رہے گا اور جو شخص بھول کر ایسے الفاظ زبان پر لائے جو باعث کفر نہیں ہیں تو وہ علی حالہ مؤمن ہے اور اس کو نہ توبہ کا حکم دیا جائے گا اور نہ تجدید نکاح کا اگر کسی شخص نے کوئی ایسی بات کہی یا کوئی ایسا عمل کیا جس میں کئی صورتیں کفر کی ہوں اور ایک صورت ایسی ہو کہ کفر لازم نہ آتا ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ اسی عدم کفر کی طرف رجحان رکھے ہاں اگر وہ شخص صراحت کے ساتھ اس صورت کو اختیار کرے جو باعث کفر ہے تو اس وقت کوئی تاویل مفید نہیں ہوگی، لیکن اگر کہنے والے کی نیت میں وہ صورت ہو جس سے آدمی کافر نہیں ہوتا ہے تو وہ مسلمان ہے اور اگر وہ صورت اختیار کرے جو باعث کفر ہے تو کسی قسم کا فتویٰ اس کے لئے کارآمد نہ ہوگا اور اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ توبہ کرے اور اس بات سے رجوع کرے اور اپنی بیوی سے دوبارہ نکاح کرے۔

مسلمان کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ صبح و شام ذیل کی دعا پڑھتا رہے انشاء اللہ وہ کفر و شرک کی ہر صورت سے محفوظ رہے گا اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے وہ دعا یہ ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَیْئًا وَّ اَنَا اَعْلَمُ بِهٖ وَ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَالَا اَعْلَمُ بِهٖ فتاوٰی عالمگیری سے سو باتیں کفر کی جو بحث نقل کی جا رہی تھی الحمدللہ وہ پوری ہوئی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

مرتد کی سزا قتل ہے

① عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ اُتِيَ عَلِيٌّ بِزَنَادِقَةٍ فَاَحْرَقَهُمْ فَبَلَغَ ذٰلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ اَنَا لَمْ اُحْرِقْهُمْ لِنَهْيِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللّٰهِ وَلَقَتَلْتُهُمْ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت عکرمہؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ زندیق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں لائے گئے تو انہوں نے ان کو جلا ڈالا پھر جب اس بات کی خبر حضرت ابن عباسؓ کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا کیونکہ رسول کریم ﷺ نے یہ ممانعت فرمائی ہے کہ کسی شخص کو ایسے عذاب میں مبتلا نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح ہو جیسے کسی کو آگ میں جلانا بلکہ میں ان کو قتل کر دیتا کیونکہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر دو۔" (بخاریؒ)

تشریح: اصل میں "زندیق" مجوسیوں کی ایک قوم کا نام ہے جو زردشت مجوس کی اختراع کی ہوئی کتاب زند کے پیروکار ہیں لیکن اصطلاح عام میں ہر ملحد فی الدین کو زندیق کہا جاتا ہے، چنانچہ یہاں بھی زندیق سے وہ لوگ مراد ہیں جو دین اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گئے تھے۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں جن لوگوں کو زندیق کہا گیا ہے وہ دراصل عبداللہ ابن سبا کی قوم میں سے کچھ لوگ تھے جو حدود اسلام میں فتنہ و فساد برپا کرنے اور اُمت کو گمراہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں خدائی کا دعویٰ کرتے تھے، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کے اس عظیم فتنہ کا سر کچلنے کے لئے ان سب کو پکڑوا بلایا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ سب توبہ کریں اور یہ فتنہ پھیلانے سے باز رہیں لیکن جب انہوں نے اس سے انکار کر دیا تو حضرت علیؓ نے ایک گڑھا کھدوا کر اس میں آگ جلوائی اور ان سب کو آگ کے اس گڑھے میں ڈلوا دیا۔

منقول ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ کا مذکورہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ بیشک ابن عباسؓ نے سچ کہا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے اس مسئلہ میں اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور اس مصلحت کے پیش نظر ان سب کو جلوا دیا کہ یہی لوگ نہیں بلکہ ان کا عبرتناک انجام دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس قسم کی مفسدہ پردازی سے باز رہیں۔

کسی کو آگ میں جلانے کی سزا نہ دو

② وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا اِلَّا اللّٰهُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا آگ کے عذاب میں تو صرف اللہ تعالیٰ مبتلا کرتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی انسان کو اس کے کسی جرم کی وجہ سے آگ میں جلانے کی سزا دے۔" (بخاریؒ)

فرقہ خوارج کی نشاندہی

③ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ حُدَّاثُ الْاَسْنَانِ

سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ يَقُوْلُ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ لَا يُجَاوِزُ اِيْمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَاَيْنَمَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ فَاِنَّ فِيْ قَتْلِهِمْ اَجْرًا لِّمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب اس زمانہ کے آخر میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو نوجوان ہوں گے ہلکی عقل والے ہوں گے لوگوں کی اچھی باتیں بیان کریں گے لیکن ان کا ایمان ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا ایمان سے مراد نماز ہے یعنی ان کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی اور وہ لوگ دین یعنی امام وقت اور علماء حق کی اطاعت سے اس طرح نکل بھاگیں گے جس طرح تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے لہٰذا تم میں سے جس شخص کی ایسے لوگوں سے مڈبھیڑ ہو جائے وہ انہیں قتل کر دے کیونکہ ان کے قتل کرنے کا اس شخص کو قیامت کے دن انعام ملے گا جو انہیں قتل کرے گا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: لوگوں کی اچھی باتیں بیان کریں گے اس سے مراد یہ ہے کہ مذکورہ لوگ وہ بہترین اقوال اور اچھی باتیں بیان کریں گے جو عام طور پر خدا کے نیک بندوں کی زبانوں پر رہتی ہیں یعنی قرآن کریم کی آیات لیکن ملحوظ رہے کہ مشکوۃ کے نسخوں میں تو من خیر قول البریہ ہے یعنی خیر کا تعلق قول سے ہے چنانچہ یہاں اسی کے مطابق ترجمہ و مطلب بیان کیا گیا ہے جب کہ مصابیح میں من قول خیر البریہ ہے یعنی اس میں خیر کا تعلق البریہ سے ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ بہترین انسان کے اقوال بیان کریں گے اس صورت میں قرآن کریم کی آیات کی بجائے رسول کریم ﷺ کی احادیث مراد ہوں گی۔ لیکن علماء کہتے ہیں کہ جملہ کی زیادہ مناسب اور موزوں ترکیب وہی ہے جو یہاں مشکوۃ میں نقل کی گئی ہے کیونکہ احادیث میں خوارج کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ قرآن کریم کی آیات پڑھیں گے اور ان سے اپنے غلط عقائد و نظریات پر استدلال کریں گے اور ان آیات کی غلط سلط تاویل کریں گے۔

جس طرح تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی تیر شکار کے درمیان نکل جاتا ہے اور شکار میں جلدی پیوست ہو کر فوراً نکل جانے کی وجہ سے وہ تیر شکار کے خون وغیرہ سے آلودہ نہیں ہوتا اسی طرح وہ لوگ بھی امام وقت اور علماء حق کی اطاعت سے نکل جائیں گے! طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس تمثیل کی مراد ان لوگوں کا دین کے دائرہ میں داخل ہونے پھر دین کے دائرہ سے نکل جانے اور اس تیر کی مانند کہ جو شکار میں پیوست ہو کر نکل جائے اور آلودہ نہ ہو ان لوگوں پر دین کی کسی بات کے اثر نہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے نیز اس کا منشاء ان خوارج کی نشان دہی کرنا ہے جو امام وقت اور اسلامی حکومت کے اطاعت گذار نہیں ہوتے اور لوگوں پر ہتھیار اٹھاتے ہیں چنانچہ ابتداء میں ان خوارج کا ظہور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں ہوا جن میں سے اکثر کو حضرت علی کرم وجہہ نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

خوارج کے بارہ میں علماء کا فیصلہ: خطابیؒ کہتے ہیں کہ علمائے اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خوارج کی جماعت باوجود گمراہی کے مسلمانوں ہی کے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے ان کے ہاں نکاح کرنا بھی جائز ہے اور ان کا ذبیحہ کھانا بھی درست ہے نیز ان کی گواہی بھی معتبر ہے چنانچہ منقول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان لوگوں کے بارہ میں پوچھا گیا کہ کیا وہ لوگ کافر ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ تو کفر سے بھاگ کر آئے ہیں پھر ہم ان کو کافر کس طرح کہہ سکتے ہیں اس کے بعد پوچھا گیا کہ کیا وہ منافق ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ منافق تو اللہ تعالیٰ کو بہت تھوڑا یاد کرتے ہیں اس لئے انہیں منافق بھی نہیں کہا جا سکتا پھر پوچھا گیا کہ تو آخر وہ کیا ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں میں سے ایک فرقہ کے لوگ ہیں فتنہ و گمراہی نے ان کو گھیر لیا ہے چنانچہ وہ اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں۔

جیسا کہ بتایا گیا خوارج مسلمانوں کے ایک فرقہ کا نام ہے جو گمراہی میں مبتلا ہے اس فرقہ کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ بندہ نہ صرف گناہ کبیرہ بلکہ صغیرہ گناہوں کے ارتکاب سے بھی کافر ہو جاتا ہے۔

خوارج کے بارہ میں آنحضرت کی پیش گوئی

④ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ اُمَّتِیْ فِرْقَتَيْنِ فَيَخْرُجُ مِنْ بَيْنِهِمَا

مَارِقَةٌ يَلِىْ قَتْلَهُمْ اَوْلَاهُمْ بِالْحَقِّ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کچھ دنوں بعد میری اُمت دو فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی ان دونوں فرقوں میں سے ایک ایسی جماعت پیدا ہوگی جو حق کی اطاعت سے نکلنے والی ہوگی اس جماعت کو موت کے گھاٹ اتارنے کی ذمہ داری ان دونوں فرقوں میں سے وہ شخص پورا کرے گا جو حق سے زیادہ قریب ہوگا۔" (مسلمؒ)

تشریح: دو فرقوں سے مراد ایک تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حامیوں کی جماعت ہے اور دوسری حضرت امیر معاویہؓ کے حامیوں کی جماعت ہے ان دونوں کے درمیان سے جو ایک تیسری جماعت پیدا ہوئی اسی کو خوارج کہا گیا ہے خوارج کو فنا کے گھاٹ اتارنے اور ان کے فتنہ و فساد کا دفعیہ کرنے کی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ متوجہ ہوئے کیونکہ اس وقت انہی کی شخصیت حق سے زیادہ قریب کا سب سے بڑا مصداق تھی۔

مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا کفر کے قریب پہنچ جانا ہے

(۵) وَعَنْ جَرِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ لَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِىْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خبردار میرے بعد کفر کے ذریعہ پیچھے نہ پھر جانا کہ تم میں سے ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: تم میں سے ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے یہ استیناف ہے یعنی ایک الگ جملہ ہے جو اس ممانعت کفر کے ذریعہ پیچھے نہ پھر جانا کی وضاحت اور بیان ہے گویا سوال کرنے والے نے سوال کیا کہ کفر کے ذریعہ پیچھے پھر جانا کیونکر ممکن ہے؟ تو جواب میں فرمایا گیا کہ مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کی گردن مارنا یعنی یہ ایک ایسا عمل ہے جو کافروں کے عمل کے مشابہ ہے یا یہ عمل کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے۔

(۶) وَعَنْ اَبِىْ بَكْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ حَمَلَ اَحَدُهُمَا عَلٰى اَخِيْهِ السِّلَاحَ فَهُمَا فِىْ جُرْفِ جَهَنَّمَ فَاِذَا قَتَلَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ دَخَلَاهَا جَمِيْعًا وَفِىْ رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِى النَّارِ قُلْتُ هٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ قَالَ اِنَّهُ كَانَ حَرِيْصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوبکرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جب دو مسلمانوں کی آپس میں اس طرح مڈبھیڑ ہو کہ ان میں کا ایک اپنے دوسرے (مسلمان) بھائی پر ہتھیار اٹھائے تو وہ دونوں دوزخ کے کنارے پر پہنچ جاتے ہیں اور پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دے تو دونوں ایک ساتھ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ ایک روایت میں ابوبکرہؓ ہی سے یوں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر دو مسلمانوں کی آپس میں تلوار کے ساتھ مڈبھیڑ ہو اور ان میں کا ایک دوسرے کو قتل کر دے تو قاتل و مقتول دونوں ہی دوزخ کی آگ میں ڈالے جائیں گے میں نے عرض کیا کہ قاتل کا دوزخ میں جانا تو ظاہر ہے کہ اس نے چونکہ ظلم کیا ہے اس لئے وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا مگر مقتول کے بارہ میں ایسا کیوں ہے؟ کہ وہ تو مظلوم ہے اس کو دوزخ میں کیوں ڈالا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس لئے کہ وہ بھی تو اپنے ساتھی یعنی حریف کو قتل کرنے پر آمادہ تھا یہ اور بات ہے کہ اس کا وار خالی گیا اور دوسرے کا وار بھرپور پڑا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: دونوں ایک ساتھ دوزخ میں ڈالے جائیں گے کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ ان دونوں میں سے ایک بھی حق پر نہ ہو، ہاں اگر ان میں سے ایک حق پر ہو گا تو دوزخ کی آگ میں اسی کو ڈالا جائے گا جو ناحق پر ہوگا، لیکن یہ بھی اسی

صورت میں ہے جب کہ اشتباہ، التباس اور تادیل سے قتل سرزد نہ ہو۔

وہ بھی تو اپنے ساتھی کو قتل کرنے پر آمادہ تھا اور ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ کسی حرام چیز کے ارتکاب کی محض آمادگی پر بھی مواخذہ ہوتا ہے چنانچہ صورت مذکورہ میں یہی نوعیت ہے کہ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی جان کے طلب گار ہوتے ہیں ہاں اگر مقتول محض اپنے دفاع کا ارادہ رکھتا ہو اور اس کی نیت میں دوسرے کے قتل کی خواہش وارادہ کا دخل نہ ہوتا تو اس سے مواخذہ نہ ہوتا کیونکہ شریعت نے "دفاعی کاروائی" کی اجازت دی ہے۔

مرتد اور قزاقوں کی سزا

⑦ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَرٌ مِنْ عُكْلٍ فَاَسْلَمُوْا فَاجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ فَاَمَرَهُمْ اَنْ يَّاْتُوْا اِبِلَ الصَّدَقَةِ فَيَشْرَبُوْا مِنْ اَبْوَالِهَا وَاَلْبَانِهَا فَفَعَلُوْا فَصَحُّوْا فَارْتَدُّوْا وَقَتَلُوْا رُعَاتَهَا وَاسْتَاقُوا الْاِبِلَ فَبَعَثَ فِيْ اٰثَارِهِمْ فَاُتِيَ بِهِمْ فَقَطَعَ اَيْدِيَهُمْ وَاَرْجُلَهُمْ وَسَمَلَ اَعْيُنَهُمْ ثُمَّ لَمْ يَحْسِمْهُمْ حَتّٰى مَاتُوْا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَسَمَرُوْا اَعْيُنَهُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَمَرَ بِمَسَامِيْرَ فَاُحْمِيَتْ فَكَحَلَهُمْ بِهَا وَطَرَحَهُمْ بِالْحَرَّةِ يَسْتَسْقُوْنَ فَمَا يُسْقَوْنَ حَتّٰى مَاتُوْا (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں قبیلہ عکل کے کچھ لوگ آئے اور اسلام قبول کیا لیکن ان کو مدینہ کی آب وہوا موافق نہیں آئی جس کی وجہ سے وہ اس مرض میں مبتلا ہوگئے کہ ان کے پیٹ پھول گئے اور رنگ زرد ہوگیا آنحضرت ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ شہر سے باہر زکوٰۃ کے اونٹوں کے رہنے کی جگہ چلے جائیں اور وہاں ان اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیا کریں، چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا اور اچھے ہوگئے پھر وہ ایسی گمراہی میں مبتلا ہوئے کہ مرتد ہوگئے اور مستزاد یہ کہ ان اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کو ہانک کر لے گئے جب رسول کریم ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے پیچھے چند سواروں کو بھیجا جو ان سب کو پکڑ لائے۔ ان کے اس جرم کی سزاء کے طور پر آنحضرت ﷺ کے حکم سے ان کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں اور پیروں کو گرم تیل میں داغا بھی نہیں گیا یعنی جیسا کہ قاعدہ ہے کہ ان اعضاء کو کاٹنے کے بعد گرم تیل میں داغ دیا جاتا ہے تاکہ خون بند ہو جائے لیکن ان کے ساتھ یہ بھی نہیں کیا گیا) آخر کار وہ سب مر گئے!۔"

تشریح: ان اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیا کریں اس ارشاد گرامی سے حضرت امام محمدؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا پیشاب بھی پاک ہے یہی قول امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا ہے، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک ان جانوروں کا پیشاب نجس (ناپاک) ہے ان کی طرف سے اس ارشاد گرامی کی یہ تاویل کی جاتی ہے کہ ان لوگوں کے مرض کی نوعیت کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہوا ہوگا کہ ان کے مرض کا علاج صرف اونٹ کا پیشاب ہے اس لئے آپ ﷺ نے مخصوص طور پر ان لوگوں کو اس کا حکم دیا۔ پھر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح اونٹ کا پیشاب پینا دوا کے علاوہ حلال نہیں ہے اسی طرح دوا کے طور پر پینا بھی حلال نہیں ہے، کیونکہ اس بات پر کوئی بھی متفق نہیں ہے کہ پیشاب میں کسی مرض کی شفا ہے، لیکن حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک کسی مرض کے علاج کے لئے پینا حلال ہے۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ باوجودیکہ آنحضرت ﷺ نے مثلہ سے منع فرمایا ہے لیکن آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اس طرح کی سزادی، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے اونٹوں کے چرواہوں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا تھا اس لئے آنحضرت نے بطور قصاص ان لوگوں کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ کیا یا یہ وجہ تھی کہ چونکہ ان مفسدوں نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا تھا یعنی مرتد بھی ہوئے، چرواہوں کو قتل بھی کیا ہے اور قزاقی بھی کی کہ لوٹ مار کر کے سارے اونٹ لے گئے اور امام وقت کو حق پہنچتا ہے کہ اس قسم کے جرم کی صورت میں بطور زجر و تنبیہ اور بمصلحت امن وانتظام مجرم کو مختلف طرح کی سزائیں دے چنانچہ آپ ﷺ نے اسی کے پیش نظر ان لوگوں کے ساتھ اس

طرح کا معاملہ کیا۔

نوویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی و منشاء کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے جن میں حدود کی شرعی سزاؤں اور قزاقوں کی سزا کے بارہ میں صریح احکام بیان کئے گئے ہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ نے مثلہ کی جو ممانعت فرمائی ہے وہ بھی اس واقعہ کے بعد کا حکم ہے اس اعتبار سے یہ حدیث منسوخ ہے، لیکن دوسرے بعض حضرات کا قول یہی ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے، بلکہ اسی موقعہ پر وہ آیت نازل ہوئی تھی جس میں قزاقوں کی یہ سزا بیان کی گئی ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا سولی دے دی جائے اور یا ان کا ایک ہاتھ اور پیر کاٹ دیا جائے، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو جو سزا دی وہ بطور قصاص تھی کہ انہوں نے اونٹوں کے چرواہوں کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا گیا۔

اب رہی یہ بات کہ آخری وقت میں ان مفسدوں کو پانی کیوں نہیں دیا گیا، تو اس کے بارہ میں بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ یہ بھی قصاص کے طور پر تھا کہ ان مفسدوں نے بھی اونٹوں کے چرواہوں کو اسی طرح بغیر پانی کے تڑپا تڑپا کر مار ڈالا تھا چنانچہ ان کے ساتھ بھی یہی کیا گیا کہ جب انہوں نے پانی مانگا تو انہیں پانی نہیں دیا گیا، لیکن بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ان کو پانی نہ دینے کا حکم آنحضرت ﷺ نے نہیں دیا تھا بلکہ لوگوں نے ان مفسدوں کے تئیں انتہائی نفرت اور غصہ کے اظہار کے طور پر از خود ان کو پانی نہیں دیا۔ اس بارہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص سزا موت کا مستوجب ہو چکا ہو اور اس کو قتل کرنا واجب ہو وہ اگر پانی مانگے تو پانی دینے سے انکار نہ کرنا چاہئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

مثلہ کی ممانعت

(۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحُثُّنَا عَلَی الصَّدَقَۃِ وَیَنْھَانَا عَنِ الْمُثْلَۃِ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَرَوَاہُ النَّسَائِیُّ عَنْ اَنَسٍ۔

"حضرت عمران ابن حصین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صدقہ خیرات دینے پر ہمیں رغبت دلاتے تھے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے (ابوداؤد) نسائی نے اس روایت کو حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: جسم کے کسی عضو جیسے ناک، کان، ستر یا کسی اور حصہ جسم کے کاٹ ڈالنے کو مثلہ سے منع فرمانا بعض حضرات کے نزدیک تو بطور تحریم ہے یعنی یہ مکروہ تحریمی ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ بطور تنزیہی ہے یعنی یہ مکروہ تنزیہی ہے لیکن زیادہ صحیح قول تحریم ہی کا ہے جہاں تک اس سے پہلی حدیث میں مذکور واقعہ کا تعلق ہے تو یہ بات وہاں بھی بتائی جا چکی ہے کہ آپ کی طرف سے ان مفسدوں کے اعضاء جسم کا کاٹا جانا قصاص کے طور پر تھا۔

جانوروں کے ساتھ آنحضرت کا جذبہ رحمت

(۹) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِہٖ فَرَاَیْنَا حُمَّرَۃً مَعَھَا فَرْخَانِ فَاَخَذْنَا فَرْخَیْھَا فَجَاءَتِ الْحُمَّرَۃُ فَجَعَلَتْ تُفَرِّشُ فَجَاءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ فَجَعَ ھٰذِہٖ بِوَلَدِھَا رُدُّوْا وَلَدَھَا اِلَیْھَا وَرَاٰی قَرْیَۃَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاھَا قَالَ مَنْ حَرَّقَ ھٰذِہٖ فَقُلْنَا نَحْنُ قَالَ اِنَّہٗ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبدالرحمن ابن عبداللہؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایک مرتبہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے جب ایک موقع پر آنحضرت ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک حمرہ کو دیکھا جس کے ساتھ دو بچے تھے ہم نے ان دونوں بچوں کو پکڑ لیا، اس کے بعد حمرہ آئی اور اپنے بچوں کی گرفتاری پر احتجاج شروع کیا جبھی نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے جب حمرہ کو اس طرح بیتاب دیکھا تو فرمایا کہ کس نے اس کے بچوں کو پکڑ کر اس کو مضطرب کر رکھا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو پھر آپ ﷺ نے ان چیونٹیوں کے رہنے کی جگہ کو دیکھا جس کو ہم نے جلا دیا تھا اور فرمایا کہ ان چیونٹوں کو کس نے جلایا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم نے جلایا ہے آپ ﷺ نے فرمایا پروردگار کے علاوہ کہ جو آگ کا بھی مالک ہے اور کسی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی کو آگ کے عذاب میں مبتلا کرے۔" (ابوداؤد)

تشریح: "حمرہ" ح پر پیش اور میم پر تشدید و زبر ایک پرندے کا نام ہے جو سرخ رنگ کا اور چڑیا کی مانند چھوٹا ہوتا ہے، حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ آگ کے ذریعہ کسی کو عذاب دینا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے شایاں ہے اور چونکہ یہ سب سے بڑا عذاب ہے اس لئے کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کو آگ میں جلائے۔

چیونٹیوں کے بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر چیونٹیاں تکلیف پہنچانے میں ابتدا کریں یعنی از خود کسی کو کاٹنے لگیں تو ان کو مار ڈالنا چاہئے ورنہ ان کو مارنا مناسب نہیں ہے، اسی طرح چیونٹیوں کے بلوں کو آگ سے جلانا بھی ممنوع ہے، نیز چیونٹیوں کو پانی میں ڈالنا مکروہ ہے اگر ایک چیونٹی کاٹے تو صرف اسی کو مارا جائے اس کے ساتھ اور چیونٹیوں کو مار ڈالنے کی ممانعت ہے۔

ایک باطل فرقہ کے بارہ میں پیش گوئی

(۱۰) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ اِخْتِلَافٌ وَ فُرْقَةٌ قَوْمٌ يُحْسِنُوْنَ الْقِيْلَ وَيُسِيْئُوْنَ الْفِعْلَ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَايُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ لَايَرْجِعُوْنَ حَتّٰى يَرْتَدَّ السَّهْمُ عَلٰى فُوْقِهٖ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيْقَةِ طُوْبٰى لِمَنْ قَتَلَهُمْ وَقَتَلُوْهُ يَدْعُوْنَ اِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَلَيْسُوْا مِنَّا فِيْ شَيْءٍ مَنْ قَاتَلَهُمْ كَانَ اَوْلٰى بِاللّٰهِ مِنْهُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا سِيْمَاهُمْ قَالَ التَّحْلِيْقُ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت انسؓ ابن مالک رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "عنقریب میری اُمت میں اختلاف و افتراق پیدا ہوگا ایک فرقہ جو باتیں تو اچھی کرے گا مگر اس کا عمل برا ہوگا اس فرقہ کے لوگ قرآن کریم پڑھیں گے لیکن ان کا وہ پڑھنا ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گا یعنی قبول نہیں ہوگا اور وہ لوگ دین یعنی امام وقت اور علماء حق کی اطاعت سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر، شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے اور وہ دین کی طرف اس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک کہ تیر اپنے سوفار کی طرف نہ لوٹ آئے اور وہ لوگ آدمیوں اور جانوروں میں سب سے بدترین ہوں گے۔ خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جو ان لوگوں کو قتل کردے یا وہ لوگ اس کو قتل کردیں۔ یعنی جو شخص ان لوگوں کے فتنہ اور ان کی گمراہی کا سر کچلنے کے لئے ان کا مقابلہ کرے یہاں تک کہ یا تو وہ ان لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتار دے یا وہ ان لوگوں سے حق کے لئے لڑتا ہوا خود قتل ہوجائے تو دونوں صورتوں میں اس کے لئے حق تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی سعادتوں کی خوشخبری ہے کہ پہلی صورت میں تو وہ غازی کا لقب پائے گا اور دوسری صورت میں شہادت کا عظیم مرتبہ حاصل کرے گا وہ لوگ بظاہر تو انسانوں کو کتاب اللہ کی دعوت دیں گے لیکن رسول کریم ﷺ کی سُنّت اور ان کی احادیث کو ترک کرنے پر اکسائیں گے حالانکہ احادیث نبوی ﷺ قرآن کریم کی تفسیر و تشریح ہیں کہ احادیث کے بغیر قرآن کریم کو سمجھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ناممکن ہے وہ لوگ کسی معاملہ میں ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہیں یعنی وہ کسی بات میں مسلمان شمار نہیں ہوں گے جو

شخص ان لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتارے گا وہ اپنی جماعت میں خدا کے سب سے زیادہ قریب ہوگا صحابہؓ نے یہ سن کر عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! ان لوگوں کی پہچان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "سر منڈانا۔" (ابوداؤد)

تشریح: میری اُمت میں اختلاف و افتراق پیدا ہوگا کا مطلب یہ ہے کہ میری اُمت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو آپس میں اختلاف و افتراق کو ہوا دیں گے اور اپنی اغراض کے لئے اُمت کے اتحاد کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے! یہ جملہ ایک فرقہ باتیں تو اچھی کرے گا ماقبل کے جملہ کی وضاحت اور بیان ہے یعنی اُمت میں جو لوگ اختلاف و افتراق پیدا کرنے کی کوشش کریں گے ان کی ایک خاص علامت یہ ہوگی کہ وہ باتیں تو بڑی اچھی اچھی کریں گے لیکن ان کا عمل بہت ہی برا ہوگا ان کی زبان سے تو یہ ظاہر ہوگا کہ پوری امت میں یہی لوگ ہیں جو دین کے شیدائی ہیں، خدا اور رسول ﷺ کے سچے اطاعت گذار ہیں، اور مسلمانوں کے بہی خواہ ہیں لیکن ان کے عمل و کردار کا یہ حال ہوگا کہ وہ اپنی اغراض کے لئے مسلم دشمن طاقتوں کا آلۂ کار، اپنے نفس کے غلام اپنی خواہشات کے بندے اور مال و جاہ کی حرص میں مبتلا ہوں گے اور ان کا بنیادی مقصد اتحاد اُمت کی جڑیں کھوکھلی کرنا ہوگا۔

یہ جملہ یَقْرَؤُوْنَ الْقُرْاٰنَ اس فرقہ کے لوگ قرآن پڑھیں گے یا تو استیناف یعنی ایک الگ جملہ ہے جو ماقبل کی عبارت کی توضیح و بیان ہے یا شاطبیؒ کے مسلک کے مطابق بدل ہے یا پھر اس سے نفس اختلاف کی وضاحت مراد ہے کہ عنقریب میری اُمت کے لوگوں میں اختلاف و افتراق پیدا ہو جائے گا اور وہ دو فرقوں میں تقسیم ہو جائیں گے ان میں سے ایک فرقہ حق پر ہوگا اور ایک فرقہ باطل پر ہوگا طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس تاویل کی تائید آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے جو اسی باب کی پہلی فصل میں نقل ہو چکا ہے کہ تَكُوْنُ اُمَّتِيْ فِرْقَتَيْنِ فَتَخْرُجُ مِنْ بَيْنِهِمَا مَارِقَةٌ يَلِيْ قَتْلَهُمْ اَوْلَاهُمْ بِالْحَقِّ اس صورت میں کہا جائے گا کہ لفظ قَوْمٌ مابعد کے جملہ کا موصوف ہے اور اس کی خبر جملہ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ ہے اور اس جملہ کا مقصد ان دونوں فرقوں میں سے ایک فرقہ کی (جو باطل ہے) نشان دہی کرنا ہے جب کہ دوسرے فرقہ کے ذکر کو اس لئے چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ خود بخود مفہوم ہو جاتا ہے۔

لا یجاوز تراقیھم ان کا پڑھنا ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گا کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ لوگ بنیادی طور پر گمراہی میں مبتلا ہوں گے اور محض آلۂ کار کے طور پر قرآن کریم کو پڑھیں گے اس لئے ان کی قرات کا اثر ان مخارج حروف اور ان کی آوازوں سے آگے نہیں جائے گا جس کی وجہ سے قرآن کریم کی آیات کا کوئی بھی اثر نہ ان کے دل پر ہوگا اور نہ ان کے دوسرے اعضاء حرکت و عمل اثر پذیر ہوں گے چنانچہ قرآن کریم کی جن باتوں پر یقین و اعتقاد کرنا لازم ہے ان پر وہ اعتقاد و یقین نہیں رکھیں گے اور قرآن کریم کی جن باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے وہ ان پر عمل نہیں کریں گے۔ یا اس جملہ کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی قرات کو اس دنیا سے اوپر نہیں اٹھائے گا یعنی اس کو قبول نہیں کرے گا گویا ان کی قرات ان کے حلقوم سے آگے نہیں بڑھے گی۔

حَتّٰی یرتد السھم علی فوقہ جب تک کہ تیر اپنے سوفار کی طرف نہ لوٹ آئے یہ تعلیق بالمحال ہے یعنی جس طرح تیر کا اپنے سوفار اپنی چٹکی کی جگہ واپس آنا محال ہے اسی طرح ان لوگوں کا دین کی طرف پھر آنا بھی محال ہے گویا یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ کی مانند ہے اور اس جملے کا منشاء اس بات کو تاکید اور شدت کے ساتھ بیان کرنا ہے کیونکہ وہ لوگ سخت قسم کی جہالت اور گمراہی میں مبتلا ہوں گے اور یہ غلط گمان ان کے قلب و دماغ میں بیٹھ چکا ہوگا کہ ہم حق اور ہدایت پر ہیں اس لئے ان کا دین کے دائرہ میں لوٹ آنا ناممکن ہوگا۔

"سر منڈانا" آپ ﷺ نے یہ بات شائد اس لئے فرمائی کہ اس زمانہ میں عرب میں سر منڈانے کا رواج نہیں تھا، بلکہ اکثر لوگ سروں پر بال رکھا کرتے تھے، اس ارشاد کا مقصد سر منڈانے کی برائی یا تحقیر کرنا نہیں ہے کیونکہ سر منڈانا تو خدا کے شعار اور اس کی طاعت میں سے ایک عمل ہے اور ان لوگوں کی عادات میں سے ہے جو خدا کے نیک و صالح بندے ہیں۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ تحلیق سے مراد سر منڈانا نہیں ہے بلکہ لوگوں کو "حلقہ در حلقہ بٹھانا" مراد ہے جو ان لوگوں کی طرف سے محض نمائش اور تکلف کے طور

پر ہوگا۔

وہ تین صورتیں جن میں ایک مسلمان کو سزائے موت دی جاسکتی ہے

⑪ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلَاثٍ زِنًى بَعْدَ اِحْصَانٍ فَاِنَّهُ يُرْجَمُ وَرَجُلٌ خَرَجَ مُحَارِبًا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّهُ يُقْتَلُ اَوْ يُصَلَّبُ اَوْ يُنْفٰى مِنَ الْاَرْضِ اَوْ يَقْتُلُ نَفْسًا فَيُقْتَلُ بِهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا نفس مسلمان کہ جو اس امر کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اس کا خون حلال نہیں ہے ہاں ان تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت واقع ہوجانے کی وجہ سے اس کا خون حلال ہوجاتا ہے ایک تو یہ کہ وہ محصن ہونے کے بعد زنا کرے تو اس کو سنگسار کردیا جائے دوسری صورت یہ کہ کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے نکلے یعنی جو مسلمان قزاقی کرے یا بغاوت کی راہ پر لگ جائے تو اس کو قتل کردیا جائے یا سولی دے دی جائے اور یا اس کو قید میں ڈال دیا جائے اور تیسری صورت قتل نفس کی ہے کہ جو مسلمان کسی کو عمداً قتل کردے تو اس کے بدلے میں اس کو قتل کردیا جائے۔" (ابوداؤد)

تشریح: "محصن" ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ مسلمان جو آزاد ہو مکلّف ہو اور نکاح صحیح کے ساتھ صحبت کرچکا ہو یعنی شادی شدہ ہو اور پھر اس کے بعد زنا کا مرتکب ہو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو سنگسار کرکے ختم کردیا جائے۔

قزاقی کرنے والے کے بارہ میں تین سزائیں بیان کی گئی ہیں ① قتل کردیا جائے ② سولی دیا جائے۔ ③ قید میں ڈالا جائے ان تینوں میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ قزاق مال تو نہ لوٹ سکا ہو مگر اس نے کسی کو جان سے مار ڈالا ہو تو اس صورت میں اس کو قتل کیا جائے گا اور اگر اس نے مال بھی لوٹا ہو اور کسی کو قتل بھی کیا ہو تو اس صورت میں اس کو سولی دی جائے گی۔ اب اس کے متعلق حضرت امام مالکؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس کو زندہ سولی پر لٹکا دیا جائے تاکہ وہ مرجائے لیکن حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس کو قتل کرکے اس کی لاش سولی پر لٹکا دی جائے تاکہ دوسرے لوگوں کو اس کے انجام سے عبرت ہو۔

تیسری سزا قید کی ہے اس کے لئے حدیث میں يُنْفٰى فِي الْاَرْضِ کے الفاظ ہیں اس کے معنی حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو یہ ہیں کہ اس کو مسلسل شہر بدر کیا جاتا رہے یعنی اسے کسی ایک شہر میں ٹھہرنے اور رہنے نہ دیا جائے بلکہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکالا جاتا رہے تاکہ اسے قرار و آرام نہ مل سکے۔ لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ اس کو قید میں ڈال دیا جائے اور یہ قید کی سزا اس صورت میں ہے جب کہ اس نے نہ تو مال لوٹا ہو اور نہ کسی کو قتل کیا ہو بلکہ راہگیروں کو ڈرایا دھمکایا ہو اور اس طرح اس نے راستے کے امن و عافیت کی طرف سے لوگوں کو خوف و تشویش میں مبتلا کیا ہو حدیث کا یہ جز جس میں قزاقوں اور راہزنوں کی مذکورہ بالا سزاؤں کا حکم ہے؟ دراصل قرآن کریم کی اس آیت سے مستنبط ہے کہ:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ۔ (المائدہ ۵:۳۳)

"جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد یعنی بدامنی پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں، یا ان میں سے ہر ایک کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے یا زمین سے نکال کر جیل خانہ بھیج دیئے جائیں اس اعتبار سے بظاہر حدیث میں اَوْ يُنْفٰى فِي الْاَرْضِ سے پہلے یہ عبارت اَوْ يُقْطَعَ يَدُهٗ وَرِجْلُهٗ مِنْ خِلَافٍ بھی ہونی چاہئے تھی تاکہ یہ حدیث مذکورہ آیت کے پوری مطابق ہوجاتی لیکن یہ قوی احتمال ہے کہ اصل حدیث میں تو یہ عبارت رہی ہو البتہ یہاں حدیث کے

راوی کی بھول سے نقل ہونے سے رہ گئی ہو یا راوی نے اختصار کے پیش نظر اس کو قصداً حذف کر دیا ہے۔"

حرف اَوْ حدیث میں بھی قرآن کی آیت میں بھی اظہار تفصیل کے لئے ہے لیکن بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ تخییر کے لئے ہے یعنی یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ امام وقت اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ وہ مذکورہ تفصیل کا لحاظ کئے بغیر ان سزاؤں میں سے جو سزا مناسب جانے قزاق کو دے۔

کسی مسلمان کو خوف و دہشت میں مبتلا کرنے کی ممانعت

(۱۲) وَعَنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ حَدَّثَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُمْ کَانُوْا یَسِیْرُوْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَنَامَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ فَانْطَلَقَ بَعْضُهُمْ اِلٰی حَبْلٍ مَعَهٗ فَاَخَذَهٗ فَفَزِعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یُّرَوِّعَ مُسْلِمًا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن ابی لیلی (تابعی) کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کے صحابہؓ نے ہم سے یہ حدیث بیان کی کہ وہ کسی موقع پر رات میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے ان میں سے ایک شخص جب کسی پڑاؤ پر سو گیا تو ان میں کا ایک دوسرا شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر چلا اور سونے والا اس سے ڈر گیا، آنحضرت ﷺ نے بھی اس کی یہ حرکت دیکھ لی یا آپ ﷺ نے اس کے بارہ میں سنا تو فرمایا کہ کسی مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو ڈرائے۔" (ابوداؤد)

اسلام کی عزت کا کفر کی ذلت سے سودا نہ کرو

(۱۳) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَرْضًا بِجِزْیَتِهَا فَقَدِ اسْتَقَالَ هِجْرَتَهٗ وَمَنْ نَزَعَ صَغَارَ کَافِرٍ مِنْ عُنُقِهٖ فَجَعَلَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ فَقَدْ وَلَّی الْاِسْلَامَ ظَهْرَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابو درداءؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی جزیہ والی زمین کو خریدا اس نے اپنی ہجرت کو توڑ دیا اور جس نے کافر کی ذلت کو اس کی گردن سے نکال کر اپنی گردن میں ڈال لیا اس نے اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔" (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی سے کوئی خراجی جزیہ والی زمین خریدی تو اس مسلمان پر اس زمین کا وہ جزیہ عائد ہوگا جو اس زمین کے پہلے مالک ذمی پر عائد تھا۔ اور طرح گویا وہ مسلمان دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے جن حقوق اور جس شرف و عزت کے دائرہ میں تھا اس سے نکل جائے گا اور ایک کافر کی ذلت یعنی جزیہ کی تختی کو اپنے ہاتھوں اپنے گلے میں ڈالنے والا ہوگا۔

اور جس نے کافر کی ذلت کو اس کی گردن سے نکال کر... الخ حدیث کا یہ جزء دراصل پہلے جزء کا بیان اور اس کی وضاحت ہے کہ جس مسلمان نے ایک کافر کے جزیہ کو اپنے ذمہ لے لیا اس نے گویا اسلام کی عطا کی ہوئی عزت دے کر کفر کی ذلت و رسوائی مول لے لی اور اس طرح اس نے کفر کو اسلام کا بدل قرار دیا۔

خطابیؒ کہتے ہیں کہ یہاں "جزیہ" سے مراد "خراج" ہے یعنی اگر کوئی مسلمان کسی کافر سے کوئی خراجی زمین خریدے گا تو اس زمین کا خراج ساقط نہیں ہوگا بلکہ اب وہ اس مسلمان پر عائد ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا یہی مسلک ہے۔

مسلمان، کافروں میں مخلوط نہ رہیں

(۱۴) وَعَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَرِیَّةً اِلٰی خَثْعَمَ فَاعْتَصَمَ نَاسٌ مِنْهُمْ بِالسُّجُوْدِ فَاَسْرَعَ فِیْهِمُ الْقَتْلُ فَبَلَغَ ذٰلِکَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ لَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَقَالَ اَنَا بَرِیْءٌ مِنْ کُلِّ مُسْلِمٍ مُقِیْمٍ بَیْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِکِیْنَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ؟ قَالَ لَا تَتَرَاءٰی نَارَاهُمَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جریر ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قبیلہ خثعم کے مقابلہ پر ایک لشکر بھیجا تو اس قبیلہ کے کچھ لوگ (جو اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ان کا رہن سہن قبیلہ کے کافروں ہی کے ساتھ تھا) نماز کی پناہ پکڑنے لگے (یعنی لشکر والوں کو علم ہو جائے کہ یہ مسلمان ہیں اور اس طرح وہ حملہ سے بچ جائیں لیکن ان کے قتل میں عجلت سے کام لیا گیا یعنی لشکر والوں نے ان کے سجدوں کا اعتبار نہ کیا اور یہ گمان کر کے کہ یہ بھی کافر ہیں اور محض قتل سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہے ہیں ان کو بھی قتل کر دیا جب اس واقعہ کی اطلاع رسول کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے ان مسلمان مقتولین کے ورثاء کو آدھی دیت دیئے جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں اس مسلمان سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جو مشرکوں کے درمیان اقامت اختیار کرے صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کی بیزاری کا سبب کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کو کافروں سے اتنی دور رہنا چاہئے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھ سکیں (لیکن اگر کوئی مسلمان کافروں میں مخلوط رہا تو گویا اس نے حکم کی پرواہ نہیں کی)۔" (ابوداؤد)

تشریح: رسول کریم ﷺ نے ان مقتولین کے مسلمان ہونے کا علم ہو جانے کے باوجود ان کے ورثاء کو پوری دیت کا حقدار قرار نہیں دیا بلکہ آدھی دیت دیئے جانے کا حکم فرمایا اس کا سبب یہ تھا کہ ان لوگوں نے مشرکین کے درمیان اقامت اختیار کر کے گویا خود اپنے قتل میں معاونت کی جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کا اظہار بھی فرمایا کہ میں ہر اس مسلمان سے اپنی بیزاری اور برات کا اظہار کرتا ہوں جو مشرکین اور کفار کے درمیان اقامت پذیر ہو۔

"وہ آپس میں ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھ سکیں۔" کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اور کافر ایک دوسرے سے اتنی دور اقامت اختیار کریں کہ اگر دونوں طرف آگ جلائی جائے تو مسلمانوں کی آگ کافر نہ دیکھ سکیں اور کافروں کی آگ مسلمان نہ دیکھ سکیں۔ جیسا کہ ترجمہ میں وضاحت کی گئی ہے اس جملہ میں آنحضرت ﷺ کی اس بیزاری کی علت مذکور ہے جو آپ ﷺ نے کافروں کے درمیان رہنے والے مسلمانوں کے متعلق ظاہر فرمائی ہے۔

بلا تحقیق حال کسی کو قتل نہ کرو

(۱۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِیْمَانُ قَیَدَ الْفَتْكَ لَا یَفْتِكُ مُؤْمِنٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ایمان اپنے حامل یعنی مؤمن کو اس بات سے روکتا ہے کہ وہ کسی کو ناگہاں قتل کر دے، لہٰذا کوئی مؤمن ناگہاں قتل نہ کرے۔" (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی مسلمان کو یہ نہ چاہئے کہ وہ غفلت میں کسی کی جان لے لے اور کسی کو اس کے حال کی تحقیق کے بغیر کہ وہ مسلمان ہے یا کافر، قتل کر دے۔ چونکہ ذمی کافر، اسلامی حکومت کی طرف سے جان و مال کی حفاظت کے عہد و یقین دہانی کے زیر سایہ ہوتا ہے اس لئے اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کو بھی قتل نہ کیا جائے ہاں اگر کوئی مفسد و غدار ہو کہ وہ مسلمانوں کے درپے آزار ہو اور فتنہ و فساد اور بدامنی پھیلاتا ہو تو اس کی بات دوسری ہے، جیسا کہ کعب ابن اشرف یہودی یا ابورافع کو ناگہاں قتل کیا گیا، علاوہ ازیں ان دونوں کو آنحضرت ﷺ نے جو قتل کیا وہ خاص بحکم الٰہی تھا۔ نیز بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان دونوں کا قتل، اس ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

دارالحرب بھاگ جانے والے غلام کو قتل کر دینے والا مستوجب مواخذہ نہیں

(۱۶) وَعَنْ جَرِیْرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَبَقَ الْعَبْدُ اِلَی الشِّرْكِ فَقَدْ حَلَّ دَمُهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جریرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جب کوئی غلام، شرک یعنی دارالحرب کی جانب بھاگ

جائے تو اس کا خون حلال ہوگا۔" (ابوداؤد)

تشریح: "اس کا خون حلال ہوگا" کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسے غلام کو کوئی قتل کر دے تو قاتل سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اور نہ اس پر کچھ واجب ہوگا بایں سبب کہ اس غلام نے مشرکوں کی محافظت اختیار کی اور دارالاسلام کو ترک کیا۔ اور اگر کوئی غلام نہ صرف یہ کہ دارالحرب بھاگ جائے بلکہ مرتد بھی ہو جائے تو اس کا خون بطریق اولی حلال ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا ذمی مباح الدم ہے یا نہیں؟

(١٧) وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً كَانَتْ تَشْتِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقَعُ فِيْهِ فَخَنَقَهَا رَجُلٌ حَتّٰى مَاتَتْ فَاَبْطَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَمَهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نبی کریم ﷺ کو برا بھلا کہا کرتی تھی اور آپ میں عیب نکال کر طعن کیا کرتی تھی، چنانچہ آپ ﷺ کی شان اقدس میں یہ گستاخی ایک شخص برداشت نہ کر سکا اور اس نے اس عورت کا گلا گھونٹ ڈالا جس سے وہ مرگئی، نبی کریم ﷺ نے اس کا خون معاف کر دیا۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی ذمی کافر آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے لگے تو وہ اس عہد و ذمہ کو توڑ دیتا ہے جس کی وجہ سے اسلامی حکومت میں اس کو اپنی جان و مال کی حفاظت حاصل تھی، اور وہ مباح الدم حربی وہ کافر جس کا خون مباح ہو اس کی مانند ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ سے اس ذمی کا عہد و ذمہ نہیں ٹوٹتا چنانچہ یہ مسلک فقہ کی کتابوں میں "کتاب الجزیہ" کے آخر میں مذکور ہے اور ہدایہ میں اس کے دلائل بھی لکھے ہوئے ہیں۔

ساحر کو قتل کر دیا جائے

(١٨) وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جادوگر کی حد (شرعی سزا) یہ ہے کہ اس کو تلوار سے قتل کر دیا جائے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: علماء کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ جادو کرنا حرام ہے۔ ویسے جادو کے مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، حضرت امام شافعیؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ جادوگر کو قتل کر دیا جائے بشرطیکہ اس کا جادو موجب کفر ہو اور وہ توبہ نہ کرے۔ حضرت امام مالکؒ اور بعض دوسرے علماء کا قول یہ ہے کہ ساحر کافر ہے، سحر کفر ہے، سحر سیکھنا سکھانا بھی کفر ہے ساحر کو قتل کر دیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے خواہ اس نے کسی مسلمان پر سحر کیا ہو یا کسی ذمی پر۔

اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ساحر کا یہ عقیدہ ہو کہ کارساز، شیطان کی ذات ہے کہ وہ میرے لئے جو چاہتا ہے کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ سحر، مجرد خیال ہے تو وہ کافر نہیں ہے بلکہ فاسق ہے اور سحر کا سیکھنا حرام ہے۔

درمختار کے حاشیہ طحطاوی میں یہ لکھا ہے کہ سحر کی تین قسمیں ہیں ① فرض ② حرام ③ جائز اگر کوئی شخص اہل حرب کے ساحر کے توڑ کے لئے سحر سیکھے تو وہ فرض ہے، اگر کوئی شخص اس مقصد کے لئے سیکھے کہ اس کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان تفریق کرا دے گا تو حرام ہے، اور اگر اس مقصد کے لئے سیکھے کہ اس کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان پیار و محبت پیدا کرے گا تو جائز ہے۔

سحر کے کفر ہونے میں اگرچہ حنبلی علماء کے اختلافی اقوال ہیں لیکن تنقیح میں ان کی کتابوں کے حوالہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ساحر کی توبہ

کا اعتبار نہ کیا جائے، ساحر اپنے سحر کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان پر سحر کرے اس کو قتل کر دیا جائے۔
سحر کی طرح کہانت، نجوم، رمل اور علم شعبدہ کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہے اور اس کے ذریعہ کمایا ہوا مال بھی حرام ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۹) عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ خَرَجَ يُفَرِّقُ بَيْنَ اُمَّتِيْ فَاضْرِبُوْا عُنُقَهٗ۔ (رواہ النسائی)

"حضرت اسامہؓ ابن شریک کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص امام وقت کے خلاف خروج کرے اور اس طرح وہ میری اُمت میں تفرقہ ڈالے تو اس کی گردن اڑا دو۔" (نسائیؒ)

تشریح: امام وقت، اُمت کے اتحاد و اجتماعیت کا بنیادی محور ہوتا ہے اس کی اطاعت و فرمانبرداری ہر مسلمان پر اسی لئے لازم ہے کہ اس کی وجہ سے نہ صرف اسلام کی تعلیم اجتماعیت کا تقاضہ پورا ہوتا ہے بلکہ مسلمان ایک جھنڈے کے نیچے متفق و متحد رہ کر اسلام دشمن و مسلم مخالف طاقتوں کے مقابلہ پر ایک مضبوط چٹان بن جاتے ہیں اور اس طرح وہ اسلام کی شان و شوکت کو باقی رکھنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص اس اجتماعی دائرہ سے نکلتا ہے تو وہ صرف ایک برائی کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ پوری اُمت کے اتفاق و اتحاد کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی اعتراض ہو تو اس کے اس شک و شبہ اور اعتراض کو دور کیا جائے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے اور اصلاح کی کوئی کوشش اس کو سرکشی و بغاوت کی راہ سے واپس نہ لا سکے تو پھر اس کو مار ڈالا جائے جیسا کہ حضرت علیؓ نے خوارج کے ساتھ کیا۔

خوارج کے متعلق پیشین گوئی

(۲۰) وَعَنْ شَرِيْكِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ كُنْتُ اَتَمَنّٰى اَنْ اَلْقٰى رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْاَلُهٗ عَنِ الْخَوَارِجِ فَلَقِيْتُ اَبَابَرْزَةَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فِيْ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَقُلْتُ لَهٗ هَلْ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ الْخَوَارِجَ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاُذُنَيَّ وَرَاَيْتُهٗ بِعَيْنَيَّ اُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ فَقَسَمَهٗ فَاَعْطٰى مَنْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَمَنْ عَنْ شِمَالِهٖ وَلَمْ يُعْطِ مَنْ وَرَاءَهٗ شَيْئًا فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ وَرَائِهٖ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ مَا عَدَلْتَ فِي الْقِسْمَةِ رَجُلٌ اَسْوَدُ مَطْمُوْمُ الشَّعْرِ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ اَبْيَضَانِ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَضَبًا شَدِيْدًا وَقَالَ وَاللّٰهِ لَا تَجِدُوْنَ بَعْدِيْ رَجُلًا هُوَ اَعْدَلُ مِنِّيْ ثُمَّ قَالَ يَخْرُجُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ كَانَ هٰذَا مِنْهُمْ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ سِيْمَاهُمُ التَّحْلِيْقُ لَا يَزَالُوْنَ يَخْرُجُوْنَ حَتّٰى يَخْرُجَ اٰخِرُهُمْ مَعَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ فَاِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيْقَةِ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت شریکؒ ابن شہاب تابعی کہتے ہیں کہ میری ایک یہ بڑی آرزو تھی کہ میں نبی کریم ﷺ کے کسی صحابیؓ سے ملاقات کی سعادت حاصل کروں اور ان سے خوارج کے بارہ میں پوچھوں کہ آج کل جو خوارج پیدا ہو رہے ہیں کیا آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق کوئی پیشین گوئی کی تھی؟ چنانچہ میں ایک صحابی حضرت ابوبرزہؓ سے عید کے دن ان کے دوستوں کی موجودگی میں ملا اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول کریم ﷺ کو خوارج کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! میں نے اپنے کانوں سے رسول کریم ﷺ کو خوارج کا ذکر کرتے ہوئے بھی سنا ہے اور اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ بھی دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں کچھ مال لایا گیا، آپ ﷺ نے اس مال کو حاضرین مجلس میں اس طرح تقسیم فرمایا کہ جو لوگ آپ کی داہنی جانب بیٹھے ہوئے تھے ان کو دیا اور جو لوگ

بائیں جانب بیٹھے تھے ان کو دیا لیکن جو لوگ آپ کے پیچھے تھے ان کو کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) آپ (ﷺ) نے تقسیم میں انصاف نہیں کیا۔ وہ شخص کالے رنگ کا تھا، اس کے سر کے بال منڈے ہوئے تھے اور دو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ (اس کی بات سن کر) رسول کریم ﷺ سخت غضبناک ہوگئے اور فرمایا کہ "خدا کی قسم" !تم میرے بعد کسی شخص کو مجھ سے زیادہ انصاف کرنے والا نہیں پاؤ گے اور پھر فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک گروہ پیدا ہوگا اور یہ شخص گویا اسی گروہ کا ایک فرد ہے اس گروہ کے لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کا پڑھنا ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا اور وہ لوگ امام وقت کے خلاف خروج و سرکشی کے ذریعہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے ان لوگوں کی علامت یہ ہے کہ ان کے سر منڈے ہوئے ہوں گے اس گروہ کے لوگ ہر زمانہ میں پائے جائیں گے اور ہمیشہ خروج کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری شخص مسیح دجال یعنی حضرت عیسی علیہ السلام کے خلاف خروج کرے گا جب کہ وہ قیامت کے قریب دنیا میں نازل ہوں گے، لہٰذا جب بھی تمہارا ان سے سامنا ہو جائے ان کو قتل کر ڈالو، وہ لوگ آدمیوں اور جانوروں میں بدترین مخلوق ہیں۔" (نسائی)

قیامت کے دن اہل حق کے چہرے منور اور اہل باطل کے چہرے سیاہ ہوں گے

(۲۱) وَعَنْ اَبِیْ غَالِبٍ رَاٰی اَبُوْاُمَامَةَ رُءُوْسًا مَنْصُوْبَةً عَلٰی دَرَجِ دِمَشْقَ فَقَالَ اَبُوْاُمَامَةَ کِلَابُ النَّارِ شَرُّ قَتْلٰی تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ خَیْرُ قَتْلٰی مَنْ قَتَلُوْهُ ثُمَّ قَرَأَ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ الْاٰیَةَ قِیْلَ لِاَبِیْ اُمَامَةَ اَنْتَ سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَمْ اَسْمَعْهُ اِلَّا مَرَّةً اَوْمَرَّتَیْنِ اَوْثَلَاثًا حَتّٰی عَدَّ سَبْعًا مَا حَدَّثْتُکُمُوْهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

"اور حضرت ابوغالب (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت ابوامامہ (صحابی) نے (ایک دن) دمشق کی شاہراہ پر (خوارج کے) سر پڑے ہوئے دیکھے یا وہ سولی پر لٹکے ہوئے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ دوزخ کے کتے ہیں اور آسمان کے نیچے بدترین مقتول ہیں اور بہترین مقتول وہ ہے جس کو انہوں نے قتل کیا ہو۔ اور پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ اس قیامت کے دن کہ بہت سے منہ سفید منور ہوں گے اور بہت سے منہ سیاہ ہوں گے ابوغالب نے حضرت ابوامامہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ بات رسول کریم ﷺ سے سنی ہے؟ ابوامامہ نے فرمایا اگر میں نے یہ بات ایک بار دو بار تین بار یہاں تک کہ انہوں نے سات بار گنا نہ سنی ہوتی تو تمہارے سامنے بیان نہ کرتا یعنی اگر میں اس بات کو آنحضرت ﷺ سے اتنی کثرت سے بار بار نہ سنتا تو میں تمہارے سامنے بیان نہ کرتا۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔"

تشریح: حضرت ابوامامہ نے جو آیت پڑھی وہ پوری یوں ہے:

یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ۔ (آل عمران ۳:۱۰۶)

"اس دن کو بہت سے منہ سفید (منور) ہوں گے اور بہت سے منہ کالے ہوں گے پس جن کے منہ کالے ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو گئے تھے؟ تو تم نے جو کچھ کفر کیا ہے اس کے بدلے میں عذاب چکھو۔"

حدیث میں جن لوگوں کے سروں کا ذکر ہے ان کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ وہ مرتد تھے، بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ بدعتی تھے، جب کہ حضرت ابوامامہ سے منقول ہے کہ وہ خوارج تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الحدود

حدود کا بیان

حد کے معنی: حدود حد کی جمع ہے اور حد کے اصل معنی ہیں ممنوع نیز اس چیز کو بھی حد کہا جاتا ہے جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اصطلاح شریعت میں "حدود" ان سزاؤں کو کہتے ہیں جو کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ سے ثابت ہیں اور ساتھ ہی متعین ہیں جیسے چوری، زنا، شراب نوشی کی سزائیں۔ لفظ حد کے اصل معنی ممنوع یا حائل اگر پیش نظر ہوں تو واضح ہو گا کہ شرعی سزاؤں کو "حدود" اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ سزائیں بندوں کو گناہوں میں مبتلا ہونے سے روکتی ہیں اور ان کا خوف انسان اور جرم کے درمیان حائل رہتا ہے۔

"حدود اللہ" محارم کے معنی میں بھی منقول ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا اسی طرح مقادیر شرعی یعنی تین طلاقوں کا مقرر ہونا وغیرہ کے معنی میں بھی منقول ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا لیکن واضح رہے کہ ان دونوں میں بھی "حدود" کا اطلاق اصل معنی "ممنوع" ہی کے اعتبار سے ہے کہ محارم کی قربت (یعنی ان سے نکاح و خلوت) بھی ممنوع ہے اور مقادیر شرعی سے تجاوز کرنا بھی ممنوع ہے۔

سزا کی تفصیل: شرعی قانون نے "جرم و سزاء" کا جو ضابطہ مقرر کیا ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں سزائیں تین طرح کی ہیں۔

① وہ سزائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے متعین کر دیا ہے مگر ان کے اجراء کو خود بندوں پر چھوڑ دیا ہے ان میں کسی خارجی طاقت جیسے حاکم یا حکومت کو دخل انداز ہونے کا حکم نہیں ہے، شریعت نے اس طرح کی سزا کا نام کفارہ رکھا ہے جیسے قسم کی خلاف ورزی یا رمضان میں بلاعذر شرعی روزہ توڑ دینے کا کفارہ! ② وہ سزائیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہیں اور ساتھ ہی متعین ہیں، ان سزاؤں کو جاری کرنے کا اختیار تو حاکم یا حکومت کو ہے مگر ان میں قانون سازی کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے، اس طرح کی سزا کو شریعت میں حد کہتے ہیں جیسے چوری، زنا، اور شراب نوشی کی سزائیں۔ ③ وہ سزائیں جنہیں کتاب و سُنّت نے متعین تو نہیں کیا ہے مگر جن برے کاموں کی یہ سزائیں ہیں ان کو جرائم کی فہرست میں داخل کیا ہے اور سزا کے تعین کا مسئلہ حاکم یا حکومت کے سپرد کر دیا ہے کہ وہ موقع و محل اور ضرورت کے مطابق سزا خود متعین کریں گویا اس قسم کی سزاؤں میں حکومت کو قانون سازی کا حق بھی حاصل ہے مگر اس دائرہ کے اندر رہ کر جو شریعت نے متعین کر رکھا ہے اس طرح کی سزا شریعت میں "تعزیر" کہلاتی ہے۔

حد اور تعزیر میں فرق: حد اور تعزیر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ حد تو شریعت میں "عقوبت" ہے جو اللہ کا حق قرار دی گئی ہے اسی لئے اس کو حق اللہ کہا جاتا ہے بایں وجہ کہ اس میں کوئی بندہ تصرف نہیں کر سکتا، اور تعزیر کو حق اللہ کہا جاتا ہے بایں وجہ کہ بندہ اس میں تصرف

کر سکتا ہے یعنی اگر وہ کوئی مصلحت دیکھے تو قابل تعزیر مجرم کو معاف بھی کر سکتا ہے اور موقع و محل اور جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سزا میں کمی زیادتی اور تغیر و تبدل بھی کر سکتا ہے، حاصل یہ کہ حد تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہے جس میں کوئی تصرف ممکن نہیں اور تعزیر قاضی یا حکومت کے سپرد ہے اسی عدم تقدیر و تحقیق کی بنا پر تعزیر کو حد نہیں کہا جاتا۔

چونکہ "قصاص" بھی بندہ کا حق ہے کہ وہ اپنے اختیار سے مجرم کو معاف کر سکتا ہے اس لئے اس کو بھی "حد" نہیں کہا جاتا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

بارگاہ نبوت سے زنا کے ایک مقدمہ کا فیصلہ

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَزَیْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَجُلَیْنِ اِخْتَصَمَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحَدُهُمَا اقْضِ بَیْنَنَا بِکِتَابِ اللّٰهِ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَجَلْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاقْضِ بَیْنَنَا بِکِتَابِ اللّٰهِ وَائْذَنْ لِیْ اَنْ اَتَکَلَّمَ قَالَ تَکَلَّمْ قَالَ اِنَّ ابْنِیْ کَانَ عَسِیْفًا عَلٰی هٰذَا فَزَنٰی بِامْرَاَتِهٖ فَاَخْبَرُوْنِیْ اَنَّ عَلٰی ابْنِی الرَّجْمَ فَافْتَدَیْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَبِجَارِیَةٍ لِّیْ ثُمَّ اِنِّیْ سَاَلْتُ اَهْلَ الْعِلْمِ فَاَخْبَرُوْنِیْ اَنَّ عَلٰی ابْنِیْ جَلْدَ مِائَةٍ وَ تَغْرِیْبَ عَامٍ وَاِنَّمَا الرَّجْمُ عَلَی امْرَاَتِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَاَقْضِیَنَّ بَیْنَکُمَا بِکِتَابِ اللّٰهِ اَمَّا غَنَمُكَ وَجَارِیَتُكَ فَرَدٌّ عَلَیْكَ وَاَمَّا ابْنُكَ فَعَلَیْهِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِیْبُ عَامٍ وَاَمَّا اَنْتَ یَا اُنَیْسُ فَاغْدُ عَلَی امْرَاَةِ هٰذَا فَاِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا۔
(متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت زید ابن خالدؓ کہتے ہیں ایک دن رسول کریم ﷺ کی خدمت میں دو آدمی اپنا قضیہ لے کر آئے، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے دوسرے نے بھی عرض کیا کہ ہاں، یا رسول اللہ (ﷺ) ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں بیان کروں کہ قضیہ کی صورت کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا بیان کرو اس شخص نے بیان کیا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے بیٹے کی سزا سنگساری ہے لیکن میں نے اس کو سنگسار کرنے کے بدلے میں سو بکریاں اور ایک لونڈی دیدی، پھر جب میں نے اس بارہ میں علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا بیٹا چونکہ محصن یعنی شادی شدہ نہیں ہے اس لئے اس کی سزا سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اس شخص کی عورت کی سزا سنگساری ہے کیونکہ وہ شادی شدہ ہے رسول کریم ﷺ نے یہ قصہ سن کر فرمایا کہ آگاہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ یعنی قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ ہی کے موافق فیصلہ کرونگا تو سنو کہ تمہاری بکریاں اور تمہاری لونڈی تمہیں واپس مل جائے گی اور اگر خود ملزم کے اقرار یا چار گواہوں کی شہادت سے زنا کا جرم ثابت ہے تو تمہارے بیٹے کو سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا پھر آپ ﷺ نے حضرت انیسؓ کو فرمایا کہ انیس تم اس شخص کی عورت کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اقرار کرلے تو اس کو سنگسار کر دو چنانچہ اس عورت نے زنا کا اقرار کرلیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "کتاب اللہ" سے مراد قرآن کریم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے کیونکہ قرآن کریم میں رجم و سنگساری کا حکم مذکور نہیں ہے، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب اللہ سے قرآن کریم ہی مراد ہو اس صورت میں کہا جائے گا کہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آیت رجم کے الفاظ قرآن کریم سے منسوخ التلاوت نہیں ہوئے تھے۔

ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا کے بارہ میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی بھی حد میں داخل ہے یعنی ان کے نزدیک غیر شادی شدہ زنا کار کی حد شرعی سزا یہ ہے کہ اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن

بھی کردیا جائے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ؒ ایک سال کی جلاوطنی کے حکم کو مصلحت پر محمول فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایک سال کی جلاوطنی حد کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطور مصلحت ہے کہ اگر امام وقت اور حکومت کسی سیاسی اور حکومتی مصلحت کے پیش نظر ضروری سمجھے تو ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کیا جاسکتا ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم نافذ جاری تھا مگر جب یہ آیت کریمہ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ (یعنی زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

فاعترفت فرجمھا چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا اور حضرت انیس ؓ نے اس کو سنگسار کردیا اس سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدزنا کے جاری ہونے کے لئے ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے جیسا کہ امام شافعی ؒ کا مسلک ہے، لیکن حضرت امام حنیفہ ؒ یہ فرماتے ہیں کہ چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا ضروری ہے، یہاں حدیث میں جس "اقرار" کا ذکر کیا گیا ہے اس سے امام اعظم ؒ وہی اقرار یعنی چار مرتبہ مراد لیتے ہیں جو اس سلسلہ میں معتبر و مقرر ہے چنانچہ دوسری احادیث سے یہ صراحۃ ثابت ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

غیر محصن زانی کی سزا

(۲) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ فِيْمَنْ زَنٰى وَلَمْ يُحْصِنْ جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبَ عَامٍ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت زید ابن خالد ؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو غیر محصن زانی کے بارہ میں یہ حکم دیتے سنا ہے کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے۔" (بخاری ؒ)

تشریح: "محصن" اس عاقل بالغ مسلمان کو کہتے ہیں جس کی شادی ہوچکی ہو اور اپنی بیوی سے ہمبستری کرچکا ہو۔ غیر محصن اگر زنا کا مرتکب ہو تو اس کی سزا اس حدیث کے مطابق سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، جلاوطنی کے بارہ میں جو تفصیل ہے وہ پہلے بیان ہوچکی۔ کوڑے مارنے کے سلسلہ میں یہ حکم ہے کہ سر، منہ اور ستر پر کوڑے نہ مارے جائیں۔

محصن زانی کی سزا

(۳) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) بِالْحَقِّ وَاَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى اٰيَةُ الرَّجْمِ رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهٗ وَالرَّجْمُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنٰى اِذَا اَحْصَنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ اِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ اَوْ كَانَ الْحَبَلُ اَوِ الْاِعْتِرَافُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عمر ؓ کہتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر اپنی کتاب نازل کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں جو کچھ نازل کیا ہے اس میں آیت رجم بھی ہے۔ اور کتاب اللہ میں اس شخص کو رجم کرنے کا حکم ثابت ہے جو محصن ہونے کے باوجود زنا کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اور یہ رجم کی سزا اس وقت دی جائے گی، جب کہ زنا کا جرم گواہوں کے ذریعہ یا حمل کے ذریعہ اور یا اعتراف و اقرار کے ذریعہ ثابت ہو۔" (بخاری ؒ و مسلم ؒ)

تشریح: اوپر کی حدیث میں اس زانی کی سزا بیان کی گئی تھی جو غیر محصن ہو۔ اس حدیث میں اس زانی کی سزا بیان کی گئی ہے جو محصن ہو۔ محصن کی وضاحت اوپر کی حدیث کے ضمن میں کی جاچکی ہے چنانچہ جو شخص محصن ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب ہو اور اس کا جرم ثابت ہوجائے اس کی سزا رجم یعنی سنگساری ہے کہ اس شخص کو پتھروں سے مار مار کر ہلاک کردیا جائے۔

جس آیت سے رجم کا حکم ثابت ہے وہ پہلے قرآن کریم میں موجود تھی لیکن بعد میں اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی یعنی اس کے الفاظ قرآن

میں باقی نہیں رکھے گئے لیکن اس کا حکم بحالہ باقی رہا، وہ آیت یہ ہے:

اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا اَلْبَتَّۃَ نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔

حدیث کے آخر میں زنا کے ثبوت جرم کے لئے تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو ضروری قرار دیا گیا ہے یعنی ① گواہ ② حمل ③ اقرار، ان تینوں میں سے حمل کا تعلق اس عورت سے ہے جو بغیر خاوند والی ہو لیکن اس کا حکم بھی منسوخ ہو گیا ہے، گواہوں اور اقرار کا حکم جوں کا توں ہے کہ محصن زانی کو اسی وقت رجم (سنگسار) کیا جائے گا جب کہ اس کا جرم یا تو گواہوں کے ذریعہ ثابت ہو یا وہ خود اپنے جرم کا اعتراف و اقرار کرے۔

شادی شدہ زانی اور زانیہ کو سنگسار کیا جائے

④ عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خُذُوْا عَنِّیْ خُذُوْا عَنِّیْ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا اَلْبِکْرُ بِالْبِکْرِ جَلْدُ مِائَۃٍ وَ تَغْرِیْبُ عَامٍ وَالثَّیِّبُ بِالثَّیِّبِ جَلْدُ مِائَۃٍ وَالرَّجْمُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبادہؓ ابن صامت راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا زانیہ کے بارہ میں مجھ سے یہ حکم حاصل کرو، مجھ سے یہ حکم حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے راہ مقرر کر دی ہے، جو غیر محصن مرد کسی غیر محصنہ عورت سے زنا کرے تو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے۔ اور جو محصن مرد کسی محصنہ عورت سے زنا کرے تو سو کوڑے مارے جائیں اور سنگسار کیا جائے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے راہ مقرر کر دی ہے" یہ دراصل اس آیت کریمہ تا اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا ۝ کی وضاحت ہے۔

علامہ توربشتیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا تھا جب زانی اور زانیہ کے لئے "حد" مشروع ہوئی تھی چنانچہ آپ ﷺ کے اس ارشاد میں "راہ سے مراد حد ہے جو اس سے پہلے تک مشروع نہیں تھی بلکہ اس بارہ میں وہ حکم مشروع تھا جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہے"۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْھِدُوْا عَلَیْھِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ فَاِنْ شَھِدُوْا فَاَمْسِکُوْھُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا ۝۔ (النساء ۴:۱۵)

"تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کو گواہ کر لو، سو اگر وہ گواہی دے دیں تو تم ان کو گھروں کے اندر مقید رکھو۔ یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راہ مقرر کر دے۔"

حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اگر عورتیں زنا کی مرتکب ہوں اور گواہوں کے ذریعہ ان کا یہ جرم ثابت ہو جائے تو ان کو گھر میں قید کر دیا جائے یا آنکہ اسی قید کی حالت میں وہ مر جائیں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے کوئی راہ یعنی حد مقرر کی جائے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے "حد" کا حکم نازل فرمایا تو آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے یہ راہ یعنی حد مقرر فرما دی ہے اور پھر اس کے بعد آپ نے "حد" کی وضاحت فرمائی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی محصن (شادی شدہ) زنا کا ارتکاب کرے تو اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں اور سنگسار بھی کیا جائے، چنانچہ علماء ظواہر نے اور صحابہ و تابعین میں سے بعض نے اس پر عمل کیا ہے جب کہ جمہور علماء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ جو زانی سنگساری کا مستوجب قرار پا چکا ہو اس کے حق میں سو کوڑے مارے جانے کی سزا کالعدم ہو گی یعنی اس کو صرف سنگسار کیا جائے گا۔ سو

کوڑے نہیں مارے جائیں گے کیونکہ یہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص ماعز کو جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کے مرتکب قرار دیئے گئے تھے صرف سنگسار کیا تھا ان کو سو کوڑے مارنے کا حکم نہیں تھا، اسی طرح آگے آنے والی ایک حدیث میں ایک غامدیہ عورت کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے یا حضرت انیسؓ کی جو حدیث پیچھے گذری ہے ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

۵ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ الْيَهُوْدَ جَاءُوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوْا لَهٗ اَنَّ رَجُلًا مِنْهُمْ وَامْرَاَةً زَنَيَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَجِدُوْنَ فِى التَّوْرَاةِ فِيْ شَاْنِ الرَّجْمِ قَالُوْا نَفْضَحُهُمْ وَيُجْلَدُوْنَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ كَذَبْتُمْ اِنَّ فِيْهَا الرَّجْمَ فَاَتَوْا بِالتَّوْرٰةِ فَنَشَرُوْهَا فَوَضَعَ اَحَدُهُمْ يَدَهٗ عَلٰى اٰيَةِ الرَّجْمِ فَقَرَأَ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ اِرْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ فَاِذَا فِيْهَا اٰيَةُ الرَّجْمِ فَقَالُوْا صَدَقَ يَا مُحَمَّدُ فِيْهَا اٰيَةُ الرَّجْمِ فَاَمَرَ بِهِمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُجِمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِرْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ فَاِذَا اٰيَةُ الرَّجْمِ تَلُوْحُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ فِيْهَا اٰيَةَ الرَّجْمِ وَلٰكِنَّا نَتَكَاتَمُهٗ بَيْنَنَا فَاَمَرَ بِهِمَا فَرُجِمَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن یہودیوں کی ایک جماعت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہوں نے آپ کے سامنے یہ بیان کیا کہ ان کی قوم میں سے یک عورت اور ایک مرد نے جو دونوں محصن یعنی شادی شدہ تھے نے زنا کیا؟ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے تورات میں رجم کے بارہ میں کیا پڑھا ہے؟ یہودیوں نے کہا کہ ہم زنا کرنے والوں کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں اور ان کو کوڑے مارے جاتے ہیں ان کی یہ بات سن کر حضرت عبداللہ ابن سلام نے کہا کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو، تورات میں بھی رجم کا حکم مذکور ہے تورات لاؤ میں تمہیں رجم کا حکم دکھاتا ہوں چنانچہ جب تورات لائی گئی اور اس کو کھولا گیا تو یہودیوں میں سے ایک شخص نے جھٹ سے اس جگہ اپنا ہاتھ رکھ دیا جہاں رجم کے بارہ میں آیت تھی یعنی اس نے اپنے ہاتھوں سے رجم کی آیت کو چھپانے کی کوشش کی اور اس کے آگے پیچھے کی آیتیں پڑھنے لگا یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ ابن سلام نے اس سے کہا کہ اپنا ہاتھ ہٹاؤ اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو دیکھا گیا کہ وہاں رجم کی آیت موجود تھی، اس آیت کو چھپانے والے نے کہا کہ اے محمدؐ! تورات میں رجم کی آیت موجود ہے مگر ہم آپس میں اس کو ظاہر نہیں کرتے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ دونوں سنگسار کر دیئے گئے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے اس شخص سے (کہ جس نے رجم کی آیت کو اپنے ہاتھ کے نیچے چھپانے کی کوشش کی تھی) کہا کہ اپنا ہاتھ ہٹاؤ، اور پھر جب اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو دیکھا گیا کہ وہاں رجم کی آیت موجود تھی، اس آیت کو چھپانے والے نے کہا کہ "اے محمدؐ! تورات میں رجم کی آیت موجود ہے مگر ہم آپس میں اس کو ظاہر نہیں کرتے۔" اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کر دیئے گئے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: حضرت عبداللہ ابن سلام پہلے یہودی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو راہ ہدایت پر گامزن کیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ ان کا شمار بڑے اونچے درجہ کے علماء یہود میں ہوتا تھا تورات پر عبور رکھتے تھے، چنانچہ مجلس نبوی میں جب یہودیوں نے اپنی روایتی تلبیس و تحریف سے کام لیا اور آنحضرت ﷺ سے یہ کہا کہ تورات میں زنا کے مرتکب کو سنگسار کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ ہم نے تورات میں یہ پڑھا ہے کہ جو شخص زنا کا ارتکاب کرے اس کو تعزیر کے ذریعہ ذلیل و رسوا کیا جائے اور کوڑے مارے جائیں تو حضرت عبداللہ ابن اسلام نے اس کی تکذیب کی اور یہ بتایا کہ تم جو بات کہہ رہے ہو وہ سراسر تحریف ہے تورات میں رجم کا حکم موجود ہے اور پھر جب انہوں نے تورات منگائی اس میں مذکور رجم کی آیت دکھانی چاہی تو اس موقع پر بھی یہودیوں نے اپنی عیاری و مکاری دکھانی چاہی اور ان میں سے ایک شخص نے ایک روایت کے مطابق جس کا نام عبداللہ ابن صوریا تھا، اس جگہ اپنا ہاتھ رکھ دیا جہاں رجم کی آیت مذکور تھی۔ اور اس کے آگے پیچھے کی آیتیں پڑھنے لگا مگر عبداللہ ابن سلام نے ان کی اس عیاری کا راز بھی طشت ازبام کر دیا۔

اگر یہاں یہ اشکال پیدا ہو کہ رجم (سنگساری) کا سزاوار ہونے کے لئے محصن شادی شدہ ہونا شرط ہے اور محصن ہونے کے لئے مسلمان

ہونا شرط ہے یعنی سنگساری کی سزا اسی زانی کو دی جاسکتی ہے جو محصن ہو اور محصن کا اطلاق اسی شخص پر ہو سکتا ہے جو مسلمان ہو تو آنحضرت ﷺ نے ان یہودیوں کو جو مسلمان نہیں تھے رجم کا حکم کیوں دیا؟

اس کا جواب ہے یہ کہ آنحضرت ﷺ نے ان یہود کو رجم کا جو حکم دیا وہ تورات کے حکم کے تحت تھا اور یہودیوں کے مذہب میں رجم کے سزاوار کے لئے محصن ہونا شرط نہیں تھا، پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ اس بارہ میں پہلے تورات کے حکم پر عمل کرتے تھے مگر جب قرآن میں اس کا حکم نازل ہو گیا تو تورات کا حکم منسوخ ہو گیا۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک محصن ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے یعنی ان کے مسلک کے مطابق "محصن" کا اطلاق اس شادی شدہ آدمی پر بھی ہو سکتا ہو جو مسلمان نہ ہو، نیز حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

ایک اشکال یہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے محض یہودیوں کے کہنے پر ان دونوں کو کیسے سنگسار کرا دیا کیونکہ یہودیوں کی گواہی سرے سے معتبر ہی نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف ان یہودیوں کے کہنے پر ہی حکم نافذ کیا ہو، بلکہ بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ یا تو خود ان دونوں نے زنا کا اقرار کیا ہو گا یا ان کے زنا کی چار مسلمانوں نے گواہی دی ہو گی اور اسی پر آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو سنگسار کرایا ہو گا۔

اس موقع پر ملا علی قاری نے بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے یہاں اس کا خلاصہ نقل کیا گیا ہے اہل علم ان کی کتاب "مرقات" سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

زنا کے اقراری مجرم کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کا فیصلہ رجم

(۲) وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ وَهُوَ فِى الْمَسْجِدِ فَنَادَاهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ زَنَيْتُ فَاَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَنَحّٰى لِشِقِّ وَجْهِهِ الَّذِىْ اَعْرَضَ قِبَلَهُ فَقَالَ اِنِّىْ زَنَيْتُ فَاَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا شَهِدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ دَعَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبِكَ جُنُوْنٌ قَالَ لَا فَقَالَ اَحْصَنْتَ؟ قَالَ نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اذْهَبُوْا بِهٖ فَارْجُمُوْهُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَاَخْبَرَنِىْ مَنْ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ فَرَجَمْنَاهُ بِالْمَدِيْنَةِ فَلَمَّا اَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ هَرَبَ حَتّٰى اَدْرَكْنَاهُ بِالْحَرَّةِ فَرَجَمْنَاهُ حَتّٰى مَاتَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِىِّ عَنْ جَابِرٍ بَعْدَ قَوْلِهٖ قَالَ نَعَمْ فَاَمَرَبِهٖ فَرُجِمَ بِالْمُصَلّٰى فَلَمَّا اَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ فَرَّ فَاُدْرِكَ فَرُجِمَ حَتّٰى مَاتَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرًا وَصَلّٰى عَلَيْهِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا جب کہ آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، اس شخص نے آواز دی "یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے" آپ ﷺ نے یہ سن کر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا وہ شخص پھر اس سمت آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا جدھر آپ ﷺ نے اپنا منہ پھیرا تھا اور کہا کہ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے آپ ﷺ نے پھر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا، یہاں تک کہ جب اس نے اس طرح چار مرتبہ اپنے جرم کا اقرار کیا تو آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ کیا تو دیوانہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں! پھر آپ ﷺ نے پوچھا کیا تو محصن ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اس شخص کو لے جاؤ اور اس کو سنگسار کر دو۔ اس حدیث کے ایک راوی ابن شہاب کا بیان ہے کہ جس شخص نے اس حدیث کو حضرت جابرؓ ابن عبد اللہ سے سنا تھا، اس نے مجھے بتایا کہ حضرت جابرؓ نے کہا کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کے اس حکم کے بعد اس شخص کو مدینہ میں سنگسار کیا چنانچہ جب ہم نے اس کو پتھر مارنے شروع کئے اور

اس کو پتھر لگنے لگے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ ہم نے اس کو "حرہ" میں جا کر پکڑا مدینہ کا وہ مضافاتی علاقہ جو کالے پتھروں والا تھا حرہ کہلاتا تھا اور پھر اس کو سنگسار کیا تا آنکہ وہ مر گیا۔" (بخاری ومسلم)

اور امام بخاری کی ایک اور روایت میں جو حضرت جابرؓ سے منقول ہے آنحضرت ﷺ کے پوچھنے پر کہ کیا تو محصن ہے؟ اس شخص کے جواب "ہاں" کے بعد یہ الفاظ ہیں کہ اس کے بعد آپ نے اس شخص کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیا چنانچہ اس کو عید گاہ میں سنگسار کیا گیا، جب اس کو پتھر لگنے لگے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا مگر پھر پکڑ لیا گیا اور سنگسار کیا گیا یہاں تک کہ مر گیا، اس کے مرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے بھلائی بیان کی یعنی اس کی تعریف وتوصیف کی اور اس کی نماز جنازہ پڑھی یا وصلی علیہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے دعا کی)۔

تشریح: اور اس نے چار مرتبہ اقرار کیا یعنی اس شخص نے چاروں طرف سے آپ ﷺ کے سامنے آکر اپنے جرم کا اقرار کر کے اور گویا ہر دفعہ میں تبدیل مجلس کر کے اس طرح چار مجلسوں میں چار مرتبہ اپنے جرم کا اقرار کیا۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس کے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کے سامنے چاروں طرف سے آکر اقرار کرنے سے یہ استدلال کیا ہے کہ زنا کے ثبوت جرم کے لئے ملزم کا چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا شرط ہے۔

"کیا تو دیوانہ ہے؟" یعنی کیا تم پر دیوانگی طاری ہے کہ تم اپنے گناہ کا خود افشاء کر رہے ہو اور سنگساری کے ذریعہ خود اپنی ہلاکت کا باعث بن رہے ہو حالانکہ چاہئے تو یہ کہ تم خدا سے توبہ استغفار کرو اور آئندہ کے لئے ہر برائی سے بچنے کا پختہ عہد وعزم کرو۔ نوویؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد اس شخص کے حال کی تحقیق تھا کیونکہ عام طور پر کوئی بھی انسان اپنے کسی بھی ایسے جرم و گناہ کے اقرار پر مصر نہیں ہوتا جس کی سزا میں اس کو موت کا منہ دیکھنا پڑے بلکہ وہ اسی میں اپنی راہ نجات دیکھتا ہے کہ اپنے جرم وگناہ پر شرمسار ونادم ہو کر خدا سے توبہ واستغفار کرے اور اس کے ذریعہ اپنے گناہ کو ختم کرائے۔

حاصل یہ کہ یہ ارشاد جہاں اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ایسے معاملات میں مسلمان کی حالت کی تحقیق وتفتیش میں پوری پوری سعی کرنی چاہئے تاکہ فیصلہ میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہ رہے وہیں اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کسی جرم کی سزا میں ایک مسلمان کی جان بچانے کے لئے اس کو جو بھی قانونی فائدہ پہنچایا جاسکتا ہو اس سے صرف نظر نہ کیا جائے، نیز یہ جملہ اس طرف بھی ارشارہ کرتا ہے کہ اگر کوئی دیوانہ یہ کہے کہ میں نے زنا کیا ہے تو اس کے اقرار کا اعتبار نہیں ہوگا اور نہ اس پر حد جاری کی جائے گی۔

"کیا تو محصن ہے؟" امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ امام وقت وحاکم یا قاضی پر لازم ہے کہ وہ ان چیزوں کے بارہ میں تحقیق کر لے جو سزا رجم (سنگساری) کے نفاذ کے لئے شرط ہیں جیسے محصن ہونا وغیرہ، خواہ زنا کا جرم خود اس کے اقرار سے ثابت ہو چکا ہو یا گواہوں کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہو۔ نیز اس ارشاد سے کنایۃً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایسا شخص اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو اس کو معافی دے کر زنا کی حد ساقط کر دی جائے۔

"وہ بھاگ کھڑا ہوا۔" ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مرد کو کسی بھی حد یا تعزیر میں مارا جائے تو کھڑا کر کے مارا جائے لٹکا کر نہ مارا جائے اور عورت کو بٹھا کر مارا جائے بلکہ اگر کسی عورت کو رجم کی سزا دی جارہی ہو تو بہتر یہ ہے کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کو (سینہ تک) گاڑ کر سنگسار کیا جائے کیونکہ اس میں اس کے ستر (پردہ پوشی) کی زیادہ رعایت ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے غامدیہ کے لئے گڑھا کھدوایا تھا۔

"یہاں تک کہ ہم نے اس کو حرہ میں جا کر پکڑا" اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر سنگسار کیا جانے والا سنگساری کے دوران بھاگ کھڑا ہو تو اس کا پیچھا نہ کیا جائے بشرطیکہ اس کے جرم زنا خود اس کے اقرار سے ثابت ہوا ہو اور اگر اس کا جرم زنا گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوا ہو تو پھر اس کا پیچھا کیا جائے اور اس کو سنگسار کیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے کیونکہ اس کا بھاگنا دراصل اس کے رجوع

(جرم سے انکار) کو ظاہر کرتا ہے اور یہ رجوع کارآمد نہیں ہوگا۔

نووی کہتے ہیں کہ علماء نے لکھا ہے کہ اس جملہ فرجم بالمصلی (چنانچہ اس کو عیدگاہ میں سنگسار کیا گیا) میں مصلی سے مراد وہ جگہ ہے جہاں جنازے کی نماز پڑھی جاتی تھی، چنانچہ ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

بخاری وغیرہ کہتے ہیں کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس جگہ جنازے اور عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہو اگر اس کو مسجد قرار نہ دیا گیا ہو تو وہ جگہ مسجد کے حکم میں نہیں ہوتی کیونکہ جنازہ یا عیدین کی نماز پڑھنے کی جگہ کا وہی حکم ہوتا جو مسجد کا ہوتا ہے تو اس جگہ کو خون سے آلودہ ہونے سے بچانے کے لئے اور اس کی تقدیس و احترام کے پیش نظر وہاں زانی کو سنگسار نہ کیا جاتا۔

مساجد میں حد و تعزیر جاری نہ کی جائیں: علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مسجد میں کسی پر کوئی حد جاری کی جائے اور نہ کسی کو کوئی تعزیر دی جائے کیونکہ اس پر تمام علماء کا اجماع و اتفاق ہے اور اس کی بنیاد آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

قال جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم ورفع اصواتکم وشرائکم وبیع واقامة حدودکم وجمروھافی جمعکم وضعوا علی ابوابھا المطاھر۔

"آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں سے، دیوانوں سے، شور مچانے سے، خرید و فروخت کرنے سے اور حد قائم کرنے سے بچائے رکھو، اور جمعہ کے دن مسجدوں کو اگر کی دھونی دو نیز مسجدوں کے دروازوں پر طہارت (وضو) کی جگہ بناؤ۔"

جب تک زانی کے بارہ میں پوری تحقیق نہ کرلو اس کی سزا کا فیصلہ نہ کرو

(۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اَتٰى مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ اَوْغَمَزْتَ اَوْنَظَرْتَ قَالَ لَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَنِكْتَهَا لَا يَكْنِيْ قَالَ نَعَمْ فَعِنْدَ ذٰلِكَ اَمَرَ بِرَجْمِهٖ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ جب ماعز ابن مالک، نبی کریم ﷺ کے پاس (مسجد نبوی میں) آئے اور کہا کہ "مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے" تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ شائد تم نے اجنبیہ کا بوسہ لیا ہوگا، یا اس کو شہوت کے ساتھ چھوا ہوگا یا دیکھا ہوگا یعنی یہ چیزیں زنا کا باعث بنتی ہیں تم ان میں سے کوئی حرکت کر گذرے ہوں گے اور اب اسی کو زنا سے تعبیر کر رہے ہو!" انہوں نے عرض کیا کہ "نہیں" یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے جماع کیا ہے۔ اور راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ بات اشارے میں نہیں پوچھی بلکہ صاف لفظوں میں پوچھا کہ کیا واقعی تم نے زنا کیا ہے؟ ماعز نے کہا کہ ہاں میں نے جماع کیا ہو۔" اس (تحقیق و تفتیش) کے بعد آپ ﷺ نے ماعز کو سنگسار کئے جانے کا حکم فرمایا۔" (بخاری)

اقامت حد گناہ کو ساقط کر دیتی ہے

(۸) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ جَاءَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ طَهِّرْنِيْ فَقَالَ وَيْحَكَ اِرْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ اِلَيْهِ قَالَ فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ طَهِّرْنِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى اِذَا كَانَتِ الرَّابِعَةُ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَ اُطَهِّرُكَ قَالَ مِنَ الزِّنَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبِهٖ جُنُوْنٌ فَاُخْبِرَ اَنَّهٗ لَيْسَ بِمَجْنُوْنٍ فَقَالَ اَشَرِبَ خَمْرًا فَقَامَ رَجُلٌ فَاسْتَنْكَهَهٗ فَلَمْ يَجِدْ مِنْهُ رِيْحَ خَمْرٍ فَقَالَ اَزَنَيْتَ قَالَ نَعَمْ فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ فَلَبِثُوْا يَوْمَيْنِ اَوْثَلَاثَةً ثُمَّ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ اُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ ثُمَّ جَاءَتْهُ امْرَاَةٌ مِّنْ غَامِدٍ مِنَ الْاَزْدِ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ طَهِّرْنِيْ فَقَالَ وَيْحَكِ ارْجِعِيْ فَاسْتَغْفِرِي اللّٰهَ وَتُوْبِيْ اِلَيْهِ فَقَالَتْ تُرِيْدُ اَنْ تُرَدِّدَنِيْ كَمَا رَدَّدْتَ مَاعِزَ بْنَ

مَالَكِ اِنَّهَا حُبْلٰى مِنَ الزِّنٰى فَقَالَ اَنْتِ؟ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَهَا حَتّٰى تَضَعِيْ مَافِيْ بَطْنِكِ قَالَ فَكَفَلَهَا رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ حَتّٰى وَضَعَتْ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَدْ وَضَعَتِ الْغَامِدِيَّةُ فَقَالَ اِذًا لَا نَرْجُمُهَا وَنَدَعُ وَلَدَهَا صَغِيْرًا لَيْسَ لَهُ مَنْ يُرْضِعُهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ اِلَيَّ رَضَاعُهُ يَانَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ فَرَجَمَهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهُ قَالَ لَهَا اذْهَبِيْ حَتّٰى تَلِدِيْ فَلَمَّا وَلَدَتْ قَالَ اذْهَبِيْ فَاَرْضِعِيْهِ حَتّٰى تَفْطِمِيْهِ فَلَمَّا فَطَمَتْهُ اَتَتْهُ بِالصَّبِيِّ وَفِيْ يَدِهٖ كِسْرَةُ خُبْزٍ فَقَالَتْ هٰذَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَدْ فَطَمْتُهُ وَقَدْ اَكَلَ الطَّعَامَ فَدَفَعَ الصَّبِيَّ اِلٰى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَحُفِرَ لَهَا اِلٰى صَدْرِهَا وَاَمَرَ النَّاسَ فَرَجَمُوْهَا فَيُقْبِلُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ بِحَجَرٍ فَرَمٰى رَأْسَهَا فَتَنَضَّحَ الدَّمُ عَلٰى وَجْهِ خَالِدٍ فَسَبَّهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْلًا يَا خَالِدُ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَ بِهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهٗ ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَصَلّٰى عَلَيْهَا وَدُفِنَتْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کی خدمت ماعز ابن مالک آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے یعنی (مجھ سے جو گناہ سرزد ہو گیا ہے اس کی حد جاری کر کے میرے اس گناہ کی معافی کا سبب بن جائے) آپ ﷺ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے واپس جا یعنی زبان کے ذریعہ استغفار کر اور دل سے توبہ کر راوی کہتے ہیں وہ چلا گیا اور تھوڑی دور جا کر پھر واپس آگیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے، نبی کریم ﷺ نے وہی الفاظ فرمائے جو پہلے فرمائے تھے، چار مرتبہ اسی طرح ہوا، اور (جب چوتھی بار ماعز نے کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے) تو رسول کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے کس چیز سے اور کس وجہ سے پاک کروں؟ اس نے کہا کہ (حد جاری کر کے) زنا کے گناہ سے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی بات سن کر صحابہؓ سے فرمایا کہ کیا یہ دیوانہ ہے؟ (صحابہؓ کی طرف سے) آنحضرت ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ دیوانہ نہیں ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ (یہ سن کر ایک شخص نے کھڑے ہو کر اس کا منہ سونگھا تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس نے شراب پی رکھی ہے یا نہیں) لیکن شراب کی بو نہیں پائی گئی، آنحضرت ﷺ نے پھر ماعز سے پوچھا کہ کیا (واقعی) تو نے زنا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیا چنانچہ اس کو سنگسار کر دیا گیا دو یا تین روز اسی طرح گذر گئے یعنی مجلس نبوی میں ماعز کی سنگساری کے بارے میں دو تین دن تک کوئی ذکر نہیں ہوا پھر (ایک دن) رسول کریم ﷺ تشریف لائے تو فرمایا کہ تم لوگ ماعز کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کرو بلاشبہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کے ثواب کو پوری اُمت پر تقسیم کیا جائے تو وہ سب کے لئے کافی ہو جائے۔ پھر اس کے بعد (ایک دن) ایک عورت جو قبیلہ ازد کے ایک خاندان غامد میں سے تھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے، واپس جا اور اللہ سے استغفار توبہ کر۔ اس عورت نے عرض کیا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ جس طرح آپ ﷺ نے ماعز ابن مالک کو پہلی دفعہ واپس کر دیا تھا اسی طرح مجھ کو بھی واپس کر دیں؟ اور درانحالیکہ (میں) وہ عورت (ہوں جو) زنا کے ذریعہ حاملہ ہے لہٰذا اس اقرار کے بعد میرے انکار کی گنجائش تھی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تو! (یعنی آنحضرت ﷺ نے ایک طرح سے اپنے تغافل کو ظاہر کرنے اور اس کو اقرار زنا سے رجوع کرنے کا ایک اور موقع دینے کے لئے فرمایا کہ یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ کیا تو زنا کے ذریعہ حاملہ ہے!) اس عورت نے اس کے باوجود اپنے اقرار پر اصرار کیا اور کہا کہ "ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تو اس وقت تک انتظار کر جب تک کہ تو اپنے بچہ کی ولادت سے فارغ نہ ہو جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے بعد ایک انصاری نے اس عورت کی خبر گیری اور کفالت کا اس وقت تک کے لئے ذمہ لے لیا جب تک کہ وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ وہ غامدیہ عورت ولادت سے فارغ ہو گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہم ابھی اس کو سنگسار نہیں کریں گے اور اس کے کمسن بچے کو اس حالت میں نہیں چھوڑیں گے کہ کوئی اس کو دودھ پلانے والا نہ ہو۔ یعنی اگر ہم نے اس کو ابھی سنگسار کر دیا تو اس کا بچہ جو شیر خوار اور بہت چھوٹا ہے ہلاک ہو جائے گا

کیونکہ اس کی ماں کے بعد اس کی خبرگیری کرنے والا کوئی نہیں ہے اس لئے ابھی اس کو سنگسار کرنا مناسب نہیں ہے۔) ایک اور انصاری (یہ سن کر) کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! اس بچہ کے دودھ پلانے اور اس کی خبرگیری کا میں ذمہ دار ہوں" راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو سنگسار کیا یعنی اس کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کی گئی)۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت سے فرمایا کہ جا جب تک کہ تو ولادت سے فارغ نہ ہو جائے (انتظار کر) پھر جب وہ ولادت سے فارغ ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا جا اس بچہ کو دودھ پلا تا آنکہ تو اس کا دودھ چھڑائے اور پھر جب اس نے بچہ کا دودھ بھی چھڑا دیا تو اس بچہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئی اس وقت اس کے بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اس بچہ کا دودھ چھڑا دیا ہے یہ اب روٹی کھانے لگا ہے! آنحضرت ﷺ نے اس بچہ کو ایک مسلمان کے حوالے کیا اور اس عورت کے لئے حکم فرمایا کہ ایک گڑھا کھودا جائے جو اس کے سینہ تک کھودا جائے جب اس کے سینہ تک گڑھا کھود دیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور اس کو سنگسار کیا گیا اس کی سنگساری کے دوران جب حضرت خالد ابن ولیدؓ نے ایک پتھر اس کے سر پر مارا اور اس کے سر کا خون حضرت خالدؓ کے منہ پر آ کر پڑا تو حضرت خالدؓ اس کو برا بھلا کہنے لگے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خالد! اس کی بخشش ہو چکی ہے اس کو برا بھلا مت کہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ (ناروا) ٹیکس لینے والا کرے تو اس کی مغفرت و بخشش ہو جائے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا چنانچہ اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور وہ دفن کی گئی۔" (مسلم)

تشریح: بلاشبہ ماعز نے ایسی توبہ کی اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے ماعزؓ کی سعادت اور اس کی توبہ کی فضیلت کو ظاہر فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے جو اس مغفرت اور رحمت کو لازم کرتی ہے جس کا دامن، مخلوق خدا کی ایک بہت بڑی جماعت پر سایہ فگن ہو سکتا ہے۔

یہاں اقامت حد (حد کے قائم ہونے) کو توبہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ جس طرح توبہ کے ذریعہ گناہ دھل جاتے ہیں اسی طرح حد جاری ہونے سے بھی گناہ ختم ہو جاتا ہے۔

جب تک کہ تو اپنے بچہ کی ولادت سے فارغ نہ ہو جائے "ابن مالک" کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ حاملہ جب تک کہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے اس پر حد قائم نہ کی جائے تاکہ ایک بے گناہ کو جو اس کے پیٹ میں ہے ہلاک کرنا لازم نہ آئے۔

میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ زانیہ کو سنگسار کرنے میں اس وقت تک کی مہلت دی جائے جب تک کہ اس کا وہ بچہ جو اس کے زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے اس سے مستغنی نہ ہو جائے بشرطیکہ اس کی پرورش اور دیکھ بھال کرنے والا اور کوئی نہ ہو، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے۔

اگر ایسی توبہ (ناروا) ٹیکس لینے والا کرے اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ غیر شرعی طور پر اور نامناسب طریقوں سے لوگوں سے محصول ٹیکس وصول کرتے ہیں وہ بڑے گناہگار ہیں کیونکہ اس طرح کے محصول و ٹیکس وصول کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کا مال زور زبردستی سے اور ظلم کر کے چھین لیا جائے۔

حدیث کے آخری جملہ میں لفظ صلی مسلم کے تمام راویوں سے صاد اور لام کے زبر یعنی صیغہ معروف کے ساتھ منقول ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کی نماز جنازہ پڑھی تھی جب کہ طبری کے نزدیک اور ابن ابی شیبہ اور ابوداؤد کی روایت میں یہ لفظ صاد کے پیش اور لام کے زیر یعنی صیغہ مجہول کے ساتھ منقول ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی نماز جنازہ دوسرے لوگوں نے پڑھی آنحضرت ﷺ نے نہیں پڑھی چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں تو صراحت کے ساتھ یہ منقول ہے کہ لم یصل علیہا یعنی آنحضرت ﷺ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی بلکہ آپ ﷺ نے لوگوں کو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا، اسی وجہ سے ائمہ کے ہاں سنگسار کئے جانے والے کی نماز جنازہ پڑھنے کے بارہ میں اختلافی اقوال ہیں۔ چنانچہ امام مالکؒ کے ہاں اس کی نماز جنازہ

پڑھنا مکروہ ہے اور حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ امام وقت اور اہل فضل نہ پڑھیں دوسرے لوگ پڑھ سکتے ہیں لیکن حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے بلکہ ہر اس شخص کی نماز جنازہ پڑھی جائے جو کلمہ گو اور اہل قبلہ ہو اگرچہ وہ فاسق وفاجر ہو یا اس پر حد قائم کی گئی ہو نیز ایک روایت میں حضرت امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم کے تمام راویوں نے لفظ "صلی" کو صاد اور لام کے زبر یعنی صیغہ معروف کے ساتھ نقل کیا ہے جب کہ طبریؒ کے نزدیک یہ لفظ صاد کے پیش یعنی صیغہ مجہول کے ساتھ ہے نیز ابن ابی شیبہ ابوداؤد اور امام نوویؒ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے لہٰذا اس بارہ میں یہ بات کہنی زیادہ مناسب ہے کہ یہ لفظ اصل میں تو صیغہ معروف ہی کے ساتھ ہے البتہ ماقبل کے الفاظ ثم امر بہا اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو اس عورت کے جنازہ کو نہلانے کفنانے اور نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ لانے کا حکم دیا، چنانچہ اس کی تائید اس عبارت سے ہوتی ہے جو مسلم کی روایت میں ہے کہ امر بہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرجمت ثم صلی علیہا فقال لہ عمر تصلی علیہا یانبی اللہ وقد زنت یہ روایت صراحت کے ساتھ یہ ثابت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اس کے جنازہ کی نماز پڑھی تھی۔ اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ثم امرھم یصلوا علیہا (یعنی پھر آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، قاضی عیاض نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اگرچہ مسلمؒ نے اپنی روایت میں آنحضرت ﷺ کا معاذ ابن مالک کے جنازے کی نماز پڑھنا ذکر نہیں کیا ہے لیکن بخاریؒ نے اس کو ذکر کیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ جب مسلم کے اکثر راویوں نے لفظ "صلی" صیغہ معروف کے ساتھ نقل کیا ہے تو یہاں صاحب مشکوٰۃ نے اس لفظ کو صیغہ مجہول کے ساتھ کیوں نقل کیا؟ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اگرچہ اثبات، نفی پر مقدم ہوتا ہے اس اعتبار سے صاحب مشکوٰۃ کو یہ لفظ صیغہ معروف کے ساتھ نقل کر کے اثبات کو ترجیح دینا چاہئے تھا لیکن جب انہوں نے معتمد وصحیح نسخوں میں دیکھا کہ اس بارہ میں مختلف روایات ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کے جنازے کی نماز پڑھی یا نہیں پڑھی تو انہوں نے لفظ صلی کو صیغہ مجہول کے ساتھ نقل کرنے کو ترجیح دی تاکہ اس صورت میں دونوں ہی احتمال ملحوظ رہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ صورت ابہام سے خالی نہیں ہے اس لئے اس بارہ میں اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ جمہور کی متابعت اور نقل مشہور کی موافقت کے پیش نظر اس لفظ کو صیغہ معروف ہی کے ساتھ قبول کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔

بہرکیف یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حد، اس گناہ کو ختم کر دیتی ہے جس کی سزا میں اس کا نفاذ و اجراء ہوتا ہے مثلاً اگر زید زنا کا مرتکب ہوا اور اس کے اس جرم کی سزا میں اس پر حد جاری کی جائے تو وہ زنا کے گناہ سے بری ہو جائے گا اور آخرت میں اس سے اس زنا پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

ایک بات اور نوویؒ کہتے ہیں کہ (یہاں اس عورت کے بارے میں دو روایتیں نقل کی گئی ہیں اور) بظاہر دوسری روایت پہلی روایت کے مخالف ہے کیونکہ دوسری روایت سے تو صراحۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کو اس وقت سنگسار کیا گیا جب اس عورت نے اپنے بچے کا دودھ چھڑا دیا تھا اور وہ روٹی کھانے لگا تھا لیکن پہلی روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بچے کی ولادت کے بعد ہی سنگسار کر دیا گیا تھا، لہٰذا دوسری روایت کے صریح مفہوم کے پیش نظر پہلی روایت کی تاویل کرنی ضروری ہوئی تاکہ دونوں روایتوں کا مفہوم یکساں ہو جائے کیونکہ دونوں روایتوں کا تعلق ایک ہی واقعہ سے ہے اور دونوں ہی روایتیں صحیح ہیں۔ پس تاویل یہ ہے کہ پہلی روایت میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک انصاری نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں اس بچے کو دودھ پلانے کا ذمہ دار ہوں تو انہوں نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب کہ اس عورت نے اپنے بچے کا دودھ چھڑا دیا تھا، اور دودھ پلانے کا ذمہ دار ہونے سے اس کی مراد یہ تھی کہ میں اس بچہ کی کفالت اور پرورش کی ذمہ داری لیتا ہوں اور اپنے اس مفہوم کو انہوں نے مجازاً دودھ پلانے سے تعبیر کیا۔

بدکار لونڈی کی سزا

⑨ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا زَنَتْ اَمَةُ اَحَدِکُمْ فَتَبَیَّنَ زِنَاهَا فَلْیَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا یُثَرِّبْ عَلَیْهَا ثُمَّ اِنْ زَنَتْ فَلْیَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا یُثَرِّبْ ثُمَّ اِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَتَبَیَّنَ زِنَاهَا فَلْیَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعَرٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم میں سے کسی شخص کی لونڈی، زنا کی مرتکب ہو اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے (یعنی اس کی زنا کاری ثابت ہو جائے) تو وہ اس پر حد جاری کرے اور اس کو عار نہ دلائے اگر وہ پھر زنا کی مرتکب ہو تو اس پر حد جاری کرے اور اس کو عار نہ دلائے، اور اگر وہ تیسری مرتبہ زنا کی مرتکب ہو اور اس کی زنا کاری ظاہر ثابت ہو جائے تو اب اس کو چاہئے کہ وہ اس لونڈی کو بیچ ڈالے اگرچہ بالوں کی رسی (یعنی حقیر ترین چیز) ہی کے بدلے کیوں نہ بیچنا پڑے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: تو وہ اس پر حد جاری کرے، یعنی اس کو پچاس کوڑے مارے! یہ واضح رہے کہ لونڈی غلام کی حد، آزاد مرد عورت کی بہ نسبت آدھی حد ہے اور لونڈی غلام کے لئے سنگساری کی سزا مشروع نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ آقا کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مملوک پر خود بخود حد جاری کرے جب کہ حنفی علماء کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، ان کے نزدیک یہ حکم وہ اس پر حد جاری کرے دراصل سبب پر محمول ہے یعنی اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ آقا اپنی زنا کار لونڈی پر حد جاری ہونے کا سبب اور واسطہ بنے بایں طور کہ وہ اس لونڈی کو حاکم کے سامنے پیش کر دے تاکہ وہ اس پر حد جاری کرے۔

اور اس کو عار نہ دلائے کا مطلب یہ ہے کہ حد جاری ہو جانے کے بعد اس لونڈی پر لعن طعن نہ کرے اور نہ اس کو حد جاری ہونے کی عار وغیرہ دلائے کیونکہ جب اس نے حد کی صورت میں اپنے گناہ کا کفارہ بھر دیا اور وہ گناہ سے پاک ہو گئی تو اب اس پر لعن طعن کیسا اور اسے عار کیوں دلائی جائے! اور یہ حکم خاص طور پر لونڈی ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ آزاد کا بھی یہی حکم ہے لیکن لونڈیاں چونکہ توبیخ و سرزنش کا محل ہوتی ہیں اس لئے خاص طور پر لونڈی کے بارہ میں یہ حکم بیان کیا گیا۔

وہ اس لونڈی کو بیچ ڈالے کا مطلب یہ ہے کہ چاہے تو حد جاری کرنے کے بعد اس کو بیچے اور چاہے حد جاری کرنے سے پہلے ہی بیچ دے لیکن حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حد جاری کرنے سے پہلے ہی بیچ دینا چاہئے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ فاسق و فاجر اور اہل معاصی کے ساتھ رہن سہن کو ترک کر دینا اور اس طرح کی لونڈی کو بیچ دینا مستحب ہے لیکن علماء ظواہر کے نزدیک واجب ہے۔

مریض پر حد جاری کرنے کا مسئلہ

⑩ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اَقِیْمُوْا عَلٰی اَرِقَّائِکُمُ الْحَدَّ مَنْ اُحْصِنَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ یُحْصِنْ فَاِنَّ اَمَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ زَنَتْ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اَجْلِدَهَا فَاِذَا هِیَ حَدِیْثُ عَهْدٍ بِنِفَاسٍ فَخَشِیْتُ اِنْ اَنَا جَلَدْتُّهَا اَنْ اَقْتُلَهَا فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنْتَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ قَالَ دَعْهَا حَتّٰی یَنْقَطِعَ دَمُهَا ثُمَّ اَقِمْ عَلَیْهَا الْحَدَّ وَاَقِیْمُوا الْحُدُوْدَ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔

"اور حضرت علیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا "لوگو! اپنے غلام لونڈیوں پر حد جاری کرو یعنی اگر وہ زنا کے مرتکب ہوں تو پچاس کوڑے مارو خواہ وہ محصن یعنی شادی شدہ ہوں یا غیر محصن۔" رسول کریم ﷺ کی ایک لونڈی نے زنا کا ارتکاب کیا تو آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس پر حد جاری کروں مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ ابھی حال ہی میں اس کے ولادت ہوئی ہے تو مجھے

اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس کے پچاس کوڑے مارتا ہوں تو وہ مرجائے گی چنانچہ میں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا کہ اس حالت میں اس پر حد جاری نہیں کی۔" (مسلمؒ)

اور ابوداؤدؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (جب حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس بارہ میں ذکر کیا تو) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تک کہ اس کا نفاس کا خون بند نہ ہو جائے اس وقت تک کے لئے اسے چھوڑ دو اس کے بعد اس پر حد جاری کرو اور اپنے بردوں غلام لونڈیوں پر حد جاری کیا کرو۔"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد کی سزا اور عورت اگر نفاس کی حالت میں ہو تو اس پر اس وقت تک حد جاری نہ کی جائے جب تک کہ وہ نفاس سے فارغ نہ ہو جائے کیونکہ نفاس ایک طرح کا مرض ہے اور مریض کو اس کے اچھا ہونے تک مہلت دینی چاہئے۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مریض، زنا کا مرتکب ہو اور اس کے محصن شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اس کو رجم سنگساری کا سزا اور گردانا جاچکا ہو تو اس کو اسی مرض کی حالت میں رجم کیا جائے اور اگر اس کے غیر محصن غیر شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اس کو کوڑے مارے جانے کا سزاوار گردانا گیا ہو تو پھر اس کو اس وقت تک کوڑے نہ مارے جائیں جب تک کہ وہ اچھا نہ ہو جائے ہاں اگر وہ کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے بچنے کی امید نہ کی جاتی ہو جیسے دق وسل وغیرہ یا وہ ناقص وضعیف الخلقت ہو تو اس صورت میں حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ سزا پوری کرنے کے لئے اس کو کھجور کی کسی ایسی بڑی شاخ سے مارا جائے جس میں چھوٹی چھوٹی سو ٹہنیاں ہوں اور وہ شاخ اس کو ایک دفعہ اس طرح ماری جائے کہ اس کی ایک ایک ٹہنی اس کے بدن پر لگ جائے اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس مقصد کے لئے پھیلی ہوئی شاخ استعمال کرنا ضروری ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ تلف کے خوف سے کوڑے مارنے کی حد نہ تو شدید گرمی میں جاری کی جائے اور نہ سخت جاڑے میں بلکہ اس کے لئے معتدل موسم کا انتظار کیا جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

اگر زنا کا اقراری مجرم اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو حد ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟

(۱۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَآءَ مَاعِزٌ الْاَسْلَمِیُّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهٗ قَدْ زَنٰی فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَآءَ مِنْ شِقِّهِ الْاٰخَرِ فَقَالَ اِنَّهٗ قَدْ زَنٰی فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَآءَ مِنْ شِقِّهِ الْاٰخَرِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ قَدْ زَنٰی فَاَمَرَ بِهٖ فِی الرَّابِعَةِ فَاُخْرِجَ اِلَی الْحَرَّةِ فَرُجِمَ بِالْحِجَارَةِ فَلَمَّا وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ فَرَّ يَشْتَدُّ حَتّٰی مَرَّ بِرَجُلٍ مَعَهٗ لَحْیُ جَمَلٍ فَضَرَبَهٗ بِهٖ وَضَرَبَهُ النَّاسُ حَتّٰی مَاتَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ فَرَّ حِيْنَ وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ وَمَسَّ الْمَوْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَّا تَرَكْتُمُوْهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِیْ رِوَايَةٍ هَلَّا تَرَكْتُمُوْهُ لَعَلَّهٗ اَنْ يَّتُوْبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ماعز اسلمیؓ نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اس نے (یعنی میں نے) زنا کیا ہے، یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا وہ دوسری جانب سے گھوم کر یعنی تبدیل مجلس کر کے پھر آپ ﷺ کے سامنے آیا اور کہا کہ اس نے زنا کیا ہے آنحضرت ﷺ نے پھر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور وہ بھی پھر دوسری جانب سے گھوم کر آپ ﷺ کے سامنے آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! اس نے زنا کیا ہے! آخر کار چوتھی مرتبہ میں آنحضرت ﷺ نے اس کی سنگساری کا حکم صادر فرمایا، چنانچہ اس کو حرہ میں لایا گیا جو مدینہ کا کالے پتھروں والا مضافاتی علاقہ ہے اور اس کو پتھر مارے جانے لگے جب اسے پتھروں کی چوٹ لگنے لگی تو بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ وہ ایک شخص کے پاس سے گذرا جس کے ہاتھ میں اونٹ کے جبڑے کی ہڈی تھی، اس شخص نے اسی جبڑے کی ہڈی

سے اس کو مارا اور دوسرے لوگوں نے بھی دوسری چیزوں سے اس کو مارا تا آنکہ وہ مرگیا۔ جب صحابہؓ نے رسول کریم ﷺ سے یہ ذکر کیا کہ وہ پتھروں کی چوٹ کھا کر اور موت کی سختی دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا تھا لیکن ہم نے اس کا پیچھا کر کے سنگسار کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا؟۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ ذکر سن کر فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا، بہت ممکن تھا کہ وہ توبہ کر لیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا۔

تشریح : يَتُوبَ فَيَتُوبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کا مطلب یہ ہے کہ وہ تو اپنے اس برے فعل سے رجوع کرتا (یعنی ندامت و شرمساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہتا اور اللہ تعالیٰ قبولیت توبہ کے ساتھ اس پر رجوع کرتا یعنی بنظر رحمت اس کی طرح متوجہ ہوتا اور اس کے گناہ کو معاف کر دیتا۔)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے اپنے ارتکاب زنا کا خود اقرار کرے۔ اور پھر بعد میں یہ کہے کہ میں نے زنا کا ارتکاب نہیں کیا ہے یا میں نے جھوٹ بولا ہے یا میں اب اپنے اقرار سے رجوع کرتا ہوں تو اس صورت میں اس سے حد ساقط ہو جائے گی، اسی طرح اگر وہ حد قائم ہونے کے درمیان اپنے اقرار سے رجوع کرے تو حد کا جو حصہ باقی رہ گیا ہے وہ ساقط ہو جائے گا جب کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس سے حد ساقط نہیں ہوگی۔

ماعزؓ کا اعتراف جرم

(۱۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ اَحَقٌّ مَابَلَغَنِي عَنْكَ قَالَ وَمَا بَلَغَكَ عَنِّي قَالَ بَلَغَنِي اَنَّكَ قَدْ وَقَعْتَ عَلٰى جَارِيَةِ اٰلِ فُلَانٍ قَالَ نَعَمْ فَشَهِدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ماعزؓ ابن مالک سے فرمایا کہ تمہارے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے فلاں شخص کی لونڈی سے زنا کیا ہے؟ ماعزؓ نے عرض کیا کہ ہاں (یہ سچ ہے) اور اس نے یہ (چار مجلسوں میں) چار مرتبہ اقرار کیا۔ لہٰذا رسول کریم ﷺ نے اس کی سنگساری کا حکم فرمایا اور ان کو سنگسار کر دیا گیا!۔" (مسلمؒ)

تشریح : اس حدیث کے بارے میں صاحب مصابیح پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو پہلی فصل کے بجائے یہاں دوسری فصل میں کیوں نقل کیا؟

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ماعزؓ کے ارتکاب زنا کا علم تھا اور پھر آپ ﷺ نے اس سے اعتراف جرم کرایا جب کہ دوسری احادیث سے اس کے برخلاف ثابت ہوتا ہے؟ گویا اس اعتبار سے ان احادیث میں باہم تضاد نظر آتا ہے لہٰذا ان کے درمیان وجہ تطبیق یہ ہوگی کہ دراصل اس حدیث میں اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور پورا واقعہ نقل کئے بغیر صرف رجم کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ دوسری احادیث میں واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا چنانچہ یہ اغلب ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ماعزؓ کے ارتکاب زنا کا علم پہلے سے ہو گا پھر بعد میں آپ ﷺ نے خود ماعزؓ سے اس کا اقرار کرایا اور صورت وہ اختیار کی جو دوسری احایث میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ جب ماعزؓ اپنے ارتکاب زنا کا اقرار کرتا تو آپ ﷺ اس کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیتے تھے، اس طرح آپ ﷺ نے جب گویا چار مجلسوں میں چار مرتبہ اقرار کرا لیا تب سنگساری کا حکم صادر فرمایا، اس اعتبار سے ان احادیث میں باہم کوئی تضاد نہیں رہا۔

دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی کرو

(۱۳) وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ نُعَيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ مَاعِزًا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَرَّ عِنْدَهٗ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَاَمَرَ بِرَجْمِهٖ وَقَالَ

لِهَزَّالٍ لَوْسَتَرْتَهٗ بِثَوْبِكَ كَانَ خَيْرًا لَّكَ قَالَ ابْنُ الْمُنْكَدِرِ اِنَّ هَزَّالًا اَمَرَ مَاعِزًا اَنْ يَّاتِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُخْبِرَهٗ۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت یزید ابن نعیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ماعزؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے (چار مجلسوں) چار مرتبہ (اپنے زنا) کا اقرار کیا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور اس کو سنگسار کر دیا گیا نیز آنحضرت ﷺ نے ہزالؓ سے فرمایا کہ اگر تم ماعزؓ کو اپنے کپڑے سے چھپا لیتے یعنی اس کے زنا کے واقعہ پر پردہ ڈال دیتے اور اس کو ظاہر نہ کرتے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا ابن منکدرؒ جو تابعی اور اس حدیث کے ایک راوی ہیں کہتے ہیں کہ ہزالؓ ہی نے ماعزؓ سے کہا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو اپنے واقعہ سے آگاہ کر دو۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: ہزالؓ کی ایک لونڈی تھی جس کا نام فاطمہ تھا اس کو انہوں نے آزاد کر دیا تھا اسی فاطمہ سے ماعزؓ نے زنا کا ارتکاب کیا اور جب ہزالؓ کو اس کا علم ہو گیا تو انہوں نے ماعزؓ کو آمادہ کیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر واقعہ کی اطلاع دے اور اپنے جرم کا اعتراف کر لے اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ہزالؓ سے فرمایا کہ اگر تم اس کے گناہ کا افشاء نہ کرتے بلکہ اس پر پردہ ڈال دیتے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا کہ اس کے سبب اللہ تعالیٰ تمہیں خیر و بھلائی سے نوازتا اور تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کرتا۔

کسی حاکم کو حد معاف کرنے کا اختیار حاصل نہیں

⑭ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَافَوُا الْحُدُوْدَ فِيْمَا بَيْنَكُمْ فَمَا بَلَغَنِيْ مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ۔ (رواه ابوداؤد و النسائی)

"اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم آپس میں اپنی حدود کو معاف و محو کر دیا کرو اس سے پہلے کہ ان کی خبر مجھ تک پہنچے ہاں اگر جرم کی اطلاع مجھ تک پہنچ جائے گی اور وہ ثابت ہو جائے گا تو پھر اس پر حد جاری کرنا واجب یعنی فرض ہو جائے گا۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: حدود کو معاف و محو کر دیا کرو یہ دراصل عوام سے خطاب ہے چنانچہ ان کو اس احسان کی تلقین کی جا رہی ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص سے کوئی گناہ جرم سرزد ہو جائے تو اس کا قضیہ حاکم کے سامنے نہ لے جاؤ بلکہ اس سے درگذر کرو۔ ہاں اگر وہ قضیہ حاکم کے پاس پہنچ جائے گا تو پھر حاکم کے لئے یہ جائز نہیں ہوتا کہ وہ اس کو معاف کر دے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اپنے ارشاد اگر جرم کی اطلاع مجھ تک پہنچ جائے گی کے ذریعہ اسی کو واضح کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اگر وہ قضیہ حاکم کے پاس پہنچ جائے اور اس میں حد واجب ہوتی ہو تو اس حد کو معاف کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

حدیث کا مطلق مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر کسی مملوک (غلام یا لونڈی) سے اس قسم کا کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے آقا کو نہ تو خود اس مملوک پر حد جاری کرنا چاہئے اور نہ اس کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اس مملوک کو حاکم کے سامنے پیش کرے بلکہ چاہئے کہ وہ اس کو معاف کر دے۔

یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ حدیث میں "معاف کرنے" کا حکم دیا گیا ہے وہ وجوب کے طور پر نہیں ہے بلکہ استحباب کے طور پر ہے۔

عزت داروں کی لغزشوں سے درگذر کرنا چاہئے

⑮ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقِيْلُوْا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ اِلَّا الْحُدُوْدَ۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عزت داروں کی خطائیں معاف کرو علاوہ حدوں کے کہ ان کی معافی جائز نہیں

ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر ان سے بھول چوک میں کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور ناگہانی طور پر کسی لغزش میں مبتلا ہو جائیں تو ان کو معاف کر دیا جائے، سزا و عقوبت میں مبتلا کر کے ظاہری طور پر ان کو ذلیل و رسوا مت کرو خواہ ان کی اس لغزش و گناہ کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے ہاں اگر ان سے کوئی ایسا جرم صادر ہو جس کی وجہ سے ان پر حد جاری کرنا واجب ہوتا ہو تو اس جرم کو معاف کرنے کی اجازت نہیں ہے خواہ اس جرم کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے۔ گویا اس حکم کے مخاطب دوسرے لوگ بھی ہیں نیز یہ حکم بھی استحباب کے طور پر ہے۔

شبہ کا فائدہ ملزم کو ملنا چاہئے

(۴) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدْرَأُوا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنْ كَانَ لَهٗ مَخْرَجٌ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهٗ فَاِنَّ الْاِمَامَ اَنْ يُخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِنْ اَنْ يُخْطِئَ فِي الْعُقُوْبَةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ قَدْرُوِيَ عَنْهَا وَلَمْ يُرْفَعْ وَهُوَ اَصَحُّ۔

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو حد کی سزا سے بچاؤ، اگر مسلمان (ملزم) کے لئے بچاؤ کا ذرا بھی کوئی موقع نکل آئے تو اس کی راہ چھوڑ دو یعنی اس کو بری کر دو کیونکہ امام یعنی حاکم و منصف کا معاف کرنے میں خطا کرنا، سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے روایت کی گئی ہے اور اس کا سلسلہ رواۃ آنحضرت ﷺ تک نہیں پہنچایا گیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہؓ کا اپنا ارشاد ہے حدیث نبوی ﷺ نہیں ہے کیونکہ جس سلسلہ سند سے یہ حدیث موقوف ثابت ہوتی ہے وہ اس سلسلہ سند سے زیادہ صحیح اور قوی ہے جس سے اس کا حدیث مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔"

تشریح: اس ارشاد کے مخاطب دراصل حکام ہیں جنہیں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے بارے میں کوئی ایسا قضیہ ان کے پاس آئے جس کی سزا حد ہے مثلاً زنا کا قضیہ، تو انہیں چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اس مسلمان کو "حد" سے بچانے کی کوشش کریں اور شبہ کا جو بھی موقع نکلتا ہو اس کا فائدہ ملزم کو پہنچائیں، یہی نہیں بلکہ وہ ملزم کو عذر کی تلقین کریں یعنی اس سے پوچھیں کہ کیا تم دیوانے ہو؟ کیا تم نے شراب پی رکھی ہے؟ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ تم نے اس عورت سے زنا کے ارتکاب کی بجائے اس کا بوسہ لے لیا ہو یا شہوت کے ساتھ اس کو چھو لیا ہو۔ اور اب تم اس کو اپنے اقرار میں زنا سے تعبیر کر رہے ہو غرضیکہ اس سے اس قسم کے سوالات کئے جائیں تاکہ وہ اس تلقین عذر کی بنا پر کوئی عذر بیان کر دے جس سے حد کا اجراء نہ ہو سکے اور وہ بری ہو جائے، چنانچہ ماعزؓ وغیرہ سے آنحضرت ﷺ نے جو اس قسم کے سوالات کئے ان کا مقصد بھی تلقین عذر تھا۔

آخر میں نے جو یہ فرمایا کہ امام کے معاف کرنے میں خطاء سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے تو اس کا منشاء بھی مذکورہ بالا بات کو مبالغہ و تاکید کے ساتھ بیان کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ اگر کوئی حاکم کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے ملزم کو بری کر دے اور اس کے اس فیصلہ میں کوئی غلطی ہو جائے یا وہ ملزم کو سزا دینے کا فیصلہ کرے اور اس میں کوئی غلطی ہو جائے تو اگرچہ غلطی کے اعتبار سے دونوں ہی فیصلے محل نظر ہوں گے اور انصاف کے معیار پر پورے نہیں اتریں گے لیکن چونکہ ملزم کی برآت میں بہرحال ایک مسلمان کی جان و عزت بچ جائے گی۔ اس لئے یہ غلطی اس غلطی سے بہتر ہوگی جو سزا کے فیصلہ میں سرزد ہو اور جس کے نتیجے میں ایک مسلمان کو اپنی جان اور عزت سے ہاتھ دھونا پڑے۔

زنا بالجبر میں صرف مرد پر حد جاری ہوگی

⑰ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ اسْتُكْرِهَتِ امْرَأَةٌ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَرَأَ عَنْهَا الْحُدُوْدَ وَاَقَامَهُ عَلَى الَّذِي اَصَابَهَا وَلَمْ يَذْكُرْ اَنَّهُ جَعَلَ لَهَا مَهْرًا۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت وائلؓ ابن حجر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت کے ساتھ زبردستی کی گئی یعنی ایک مرد نے اس سے زبردستی زنا کیا اس عورت کو تو حد سے برات دی گئی لیکن اس زنا کرنے والے پر حد جاری کی گئی۔ راوی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو زنا کرنے والے سے مہر بھی دلوایا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: راوی کے ذکر نہ کرنے سے لازم نہیں آتا کہ ایسی صورت میں مہر واجب نہیں ہوتا کیونکہ دوسری احادیث سے یہ ثابت ہے کہ جس عورت سے زنا بالجبر کیا گیا ہو اس کے لئے مہر واجب ہوتا ہے اور یہاں "مہر" سے مراد "عقر" ہے اور "عقر" صحبت حرام اور صحبت تشبہ کے مابین (عوض اور بدلہ) کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق ایک ایسی مقدار پر ہوتا ہے کہ اگر حرام صحبت کی اجرت یعنی حلال ہوتی تو وہ مقدار واجب ہوتی۔ برجندی فتاویٰ عالمگیری میں یہ لکھا ہے کہ "عقر" مہر مثل کو کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ زنا بالجبر کی صورت میں زنا کرنے والے مرد سے عورت کو جو رقم دلوائی جائے گی اس کی مقدار اس عورت کے مہر مثل کے برابر ہونی چاہئے۔

⑱ وَعَنْهُ اَنَّ امْرَأَةً خَرَجَتْ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرِيْدُ الصَّلٰوةَ فَتَلَقَّهَا رَجُلٌ فَتَجَلَّلَهَا فَقَضٰى حَاجَتَهُ مِنْهَا فَصَاحَتْ وَانْطَلَقَ وَمَرَّتْ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَتْ اِنَّ ذٰلِكَ الرَّجُلَ فَعَلَ بِيْ كَذَا وَكَذَا فَاَخَذُوا الرَّجُلَ فَاَتَوْا بِهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهَا اذْهَبِيْ فَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكِ وَقَالَ لِلرَّجُلِ الَّذِيْ وَقَعَ عَلَيْهَا اُرْجُمُوْهُ وَقَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت وائلؓ ابن حجر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک دن ایک عورت نماز کے لئے گھر سے نکلی تو راستہ میں اس کو ایک شخص ملا جس نے اس پر کپڑا ڈال کر اس سے اپنی حاجت پوری کر لی یعنی اس کے ساتھ زبردستی زنا کیا وہ عورت چلائی اور وہ مرد اس کو وہیں چھوڑ کر چلا گیا، جب کچھ مہاجر صحابہؓ ادھر سے گزرے تو اس عورت نے ان سے بتایا کہ اس شخص نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا ہے یعنی میرے اوپر کپڑا ڈال کر مجھے بے بس کر دیا اور پھر مجھ سے بدکاری کی لوگوں نے اس شخص کو پکڑ لیا اور رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لائے اور سارا واقعہ بیان کیا آنحضرت ﷺ نے اس عورت سے تو یہ فرمایا کہ جاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ (کیونکہ اس بدکاری میں نہ صرف یہ کہ تمہاری خواہش و رضا کا دخل نہیں تھا بلکہ تمہیں مجبور و بے بس بھی کر دیا گیا تھا) اور جس شخص نے اس عورت سے بدکاری کی تھی اس کے حق میں یہ فیصلہ دیا کہ اس کو سنگسار کر دیا جائے یعنی اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور چونکہ وہ محصن تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو سنگسار کر دو چنانچہ اس کو سنگسار کر دیا گیا۔ اس سنگسار کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے اپنے اوپر حد جاری کرا کر ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس طرح کی توبہ مدینہ والے کرتے تو ان کی توبہ قبول کی جاتی۔"

(ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے اپنے جرم کی سزا بھگت کر ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کو اہل مدینہ کے درمیان تقسیم کیا جاتا تو نہ صرف یہ کہ ان سب کی توبہ قبول کی جاتی بلکہ اس کا ثواب سارے مدینے والوں کے لئے کافی ہو جاتا۔ گویا اس ارشاد کے ذریعہ آپ نے یہ واضح کیا کہ اس شخص نے اگرچہ شروع میں ایک بڑی بے حیائی کا ارتکاب کیا اور سخت برا کام کیا مگر جب اس پر حد جاری کر دی گئی تو وہ اپنے جرم سے پاک ہو گیا اور بخش دیا گیا۔

ایک زنا کی دو سزائیں

(۱۹) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلاً زَنٰی بِامْرَاَةٍ فَاَمَرَبِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَجُلِدَ الْحَدَّ ثُمَّ اُخْبِرَ اَنَّهٗ مُحْصَنٌ فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کو کوڑے مارے جانے کا حکم دیا، چنانچہ اس کو بطور حد، کوڑے مارے گئے، اس کے بعد جب آپ کو بتایا گیا کہ وہ شخص محصن ہے تو آپ ﷺ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کر دیا گیا۔" (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے پہلے کوڑے مارنے کا جو حکم دیا اس کے بارے میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کو یہ بتایا گیا ہوگا کہ وہ شخص غیر محصن غیر شادی شدہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کو بتایا نہیں گیا ہوگا بلکہ خود آپ ﷺ نے ہی گمان کیا ہوگا کہ یہ غیر محصن ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس کو کوڑے کی سزا دی، لیکن جب بعد میں یہ ثابت ہوا کہ یہ شخص محصن ہے اور محصن ہونے کی وجہ سے سنگساری کا سزاوار ہے تو اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر امام وقت (حاکم شرعی) کسی کو حد کی کوئی سزا دے اور پھر بعد میں اسے معلوم ہو کہ یہ مجرم حد کی اس سزا کا نہیں بلکہ حد کی کسی دوسری سزا کا مستوجب ہے مثلاً اس کو کوڑے مارنے کی سزا دی مگر بعد میں ثابت ہوا کہ حقیقت میں یہ سنگساری کا سزاوار ہے تو اس حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوبارہ اس سزا کو جاری کرے جس کا وہ مجرم شرعی طور پر مستوجب ہے۔

بیمار مجرم پر حد جاری کرنے کا طریقہ

(۲۰) وَعَنْ سَعِیْدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ کَانَ فِی الْحَیِّ مُخْدَجٍ سَقِیْمٍ فَوُجِدَ عَلٰی اَمَةٍ مِنْ اِمَائِهِمْ یَخْبُثُ بِهَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا لَهٗ عِثْکَالاً فِیْهِ مِائَةُ شِمْرَاخٍ فَاضْرِبُوْهُ ضَرْبَةً۔ رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِیْ رِوَایَةِ ابْنِ مَاجَةَ نَحْوُهٗ۔

"اور حضرت سعید بن سعد ابن عبادہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت سعد ابن عبادہ ایک ایسے شخص کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لائے جو اپنے محلّہ کا ایک ناقص الخلقت کمزور اور بیمار شخص تھا (اور ایسا بیمار تھا کہ اس کے اچھا ہونے کی کوئی امید نہ تھی اس شخص کو اہل محلّہ کی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی کے ساتھ زنا کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا)، نبی کریم ﷺ نے اس کے بارہ میں یہ حکم صادر فرمایا کہ کھجور کی ایک ایسی (بڑی) ٹہنی لو جس میں سو چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں ہوں اور پھر اس ٹہنی سے اس شخص کو ایک دفعہ مارو (شرح السنۃ) ابن ماجہؒ نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔"

تشریح: "ایک دفعہ مارو" کا مطلب یہ ہے کہ اس بڑی ٹہنی کو اس طرح ایک دفعہ مارو کہ اس کی ساری سو ٹہنیوں کی چوٹ اس کے جسم کو پہنچ جائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام حاکم کو اس بات کی نگہبانی کرنی چاہئے کہ جس شخص کو کوڑے مارنے کی سزا دی جارہی ہو وہ مر نہ جائے۔ اور یہ مسئلہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر کوئی مریض کسی حد کا مستوجب ہو تو اس پر اس وقت تک حد جاری نہ کی جائے جب تک کہ وہ اچھا نہ ہو جائے اور جس مریض کے اچھا ہونے کی توقع ہی نہ ہو اس پر اس طرح حد جاری کی جائے جس طرح اس حدیث میں مذکور ہے۔

اغلام کی سزا

(۲۱) وَعَنْ عِکْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدْتُّمُوْهُ یَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ

فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهٖ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر تم کسی شخص کو قوم لوط کا سا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو مار ڈالو۔" (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اغلام کی حد کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول اور صاحبینؒ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ فاعل غلام کرنے والے کی حد وہی ہے جو زانی کی حد ہے یعنی اگر وہ محصن ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے اور اگر غیر محصن ہو تو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے خواہ وہ مرد ہو یا عورت جب کہ ایک جماعت کا رجحان اس طرف ہے کہ اغلام کرنے والے کو بہر صورت سنگسار کیا جائے خواہ وہ محصن ہو یا غیر محصن ہو حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا قول بھی یہی ہے حضرت امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ فاعل ومفعول اغلام کرنے والے اور غلام کرانے والے دونوں ہی کو قتل کر دیا جائے جیسا کہ اس حدیث کے ظاہر مفہوم سے معلوم ہوتا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ان کے قتل کا طریقہ کیا ہو تو بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں پر مکان گرا دیا جائے تاکہ وہ اس کے نیچے دب کر مر جائیں اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان کو پہاڑ کے اوپر لے جا کر وہاں سے نیچے پھینک دیا جائے۔

اس بارہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اغلام کی سزا کے تعین کا اختیار حاکم وقت کے سپرد ہے کہ اگر وہ چاہے تو اغلام کرنے والے کو قتل کر دے جب کہ یہ برائی اس کی عادت بن چکی ہو، نیز چاہے اس کو مارے اور چاہے قید خانہ میں ڈال دے۔

جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کی سزا

(۲۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى بَهِيْمَةً فَاقْتُلُوْهُ وَاقْتُلُوْهَا مَعَهٗ قِيْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَاشَأْنُ الْبَهِيْمَةِ قَالَ مَاسَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ شَيْئًا وَلٰكِنْ اَرَاهُ كَرِهَ اَنْ يُؤْكَلَ لَحْمُهَا اَوْيُنْتَفَعَ بِهَا وَقَدْ فُعِلَ بِهَا ذٰلِكَ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کرے اس کو قتل کر دو اور اس کے ساتھ اس جانور کو بھی قتل کر دو۔ حضرت ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ جانور کے بارہ میں یہ حکم کیوں ہے یعنی جانور نہ تو عقل رکھتا ہے اور نہ وہ مکلف ہے تو اس کو قتل کرنے کا کیوں حکم ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے اس کی حکمت و مصلحت کے بارہ میں رسول کریم ﷺ سے تو کچھ نہیں سنا ہے البتہ میرا گمان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ جس جانور کے ساتھ بدفعلی کی گئی ہے اس کا گوشت کھایا جائے یا اس کے دودھ بالوں اور اس کی افزائش نسل سے فائدہ اٹھایا جائے اور جب اس جانور سے کسی قسم کا کوئی فائدہ اٹھانا مکروہ ہوا تو پھر اس کو قتل کر دینا ہی ضروری ہے۔" (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد)

تشریح: اس کو قتل کر دو سے مراد یہ ہے کہ اس کی بہت سخت پٹائی کرو۔ گویا اس کو قتل کر دینے کا حکم سخت زجر و تہدید کے طور پر ہے اس کو واقعۃً قتل کر دینا مراد نہیں ہے۔

"اس کے جانور کو بھی قتل کر دو" اس حکم کی حکمت و علت بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ اگر وہ جانور زندہ رکھا گیا تو ہو سکتا ہے کہ جس شخص نے اس کے ساتھ بدفعلی کی ہے اس کا نطفہ اس کے رحم میں قرار پا جائے اور اس کے نتیجہ میں ایک حیوان بصورت انسان پیدا ہو جائے اس لئے اس صورت حال سے بچنے کے لئے اس کو مار ڈالنا ہی ضروری ہے یا یہ کہ اس جانور کی موجودگی اس کے مالک کو دنیاوی ذلت و رسوائی سے دوچار کر سکتی ہے لہٰذا اس کو مار ڈالا جائے۔

شرح مظہر میں لکھا ہے کہ چاروں امام اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کرے اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ

تعزیرًا کوئی دوسری سزا دی جائے اور یہ حدیث زجر و توبیخ پر محمول ہے رہی جانور کی بات تو بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ جانور ایسا ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو اس کے بارہ میں دونوں صورتیں ہیں کہ اگر اس حدیث کا ظاہری مفہوم پیش نظر ہو تو اسکو قتل کر دیا جائے اور اگر اس کو ملحوظ رکھا جائے کہ جانور کا گوشت کھانا مقصود یا حلال نہ ہو اس کو ذبح کرنے کی ممانعت منقول ہے تو اس جانور کو قتل نہ کیا جائے۔

اغلام، بدترین برائی ہے

(۲۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِىْ عَمَلُ قَوْمِ لُوْطٍ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اپنی اُمت کے بارے میں مجھے سب سے زیادہ جس چیز کا خوف ہے وہ قوم لوط کا عمل (یعنی اغلام) ہے۔" (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: یعنی مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں میری اُمت کے لوگ خواہشات نفسانی کا شکار ہو کر بے صبری نہ کر بیٹھیں اور اس برائی میں مبتلا ہو جائیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ کام نہایت برا اور سخت قبیح ہے اور اس کی حرمت بڑی شدید ہے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میری اُمت کے لوگ اس میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اس کی وجہ سے انہیں عذاب الٰہی میں گرفتار ہونا پڑے۔

ایک ہی شخص کو پہلے زنا کی سزا اور پھر تہمت زنا کی سزا

(۲۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِىْ بَكْرِ بْنِ لَيْثٍ اَتَى النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَرَّ اَنَّهٗ زَنٰى بِامْرَاَةٍ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَجَلَدَهٗ مِائَةً وَكَانَ بِكْرًا ثُمَّ سَاَلَهُ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمَرْاَةِ فَقَالَتْ كَذَبَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَجُلِدَ حَدَّ الْفِرْيَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دن بکر بن لیث کے خاندان کا ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اقرار کیا کہ اس نے (یعنی میں نے) ایک عورت کے ساتھ چار بار یعنی چار مجلسوں میں زنا کیا ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس کو سو کوڑے لگوائے اور وہ شخص غیر محصن یعنی کنوارا تھا پھر آنحضرت ﷺ نے اس سے اس عورت کی زنا کاری پر گواہ طلب کئے، عورت نے عرض کیا کہ "خدا کی قسم یا رسول اللہ! یہ شخص جھوٹ بولتا ہے" اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس شخص پر تہمت لگانے کی حد جاری کی۔" (ابوداؤد)

تشریح: "گواہ طلب کئے" کا مطلب یہ ہے کہ جب اس شخص نے ایک عورت کے ساتھ زنا کا اقرار کیا تو اس کے اس اقرار پر اس کو زنا کی سزا دی گئی یعنی اس کے سو کوڑے مارے گئے اور چونکہ یہ بات اس عورت کو بھی زنا کا مرتکب گردانتی تھی اس لئے آنحضرتؐ نے اس شخص سے کہا کہ اب تم ایسے گواہوں کو پیش کرو جو اس عورت کے ساتھ تمہارے زنا کو ثابت کریں مگر جب وہ شخص گواہ پیش کرنے سے عاجز رہا تو اس عورت نے کہا کہ خدا کی قسم یہ شخص جھوٹا ہے یہ میری طرف زنا کی نسبت کر رہا ہے حالانکہ میں اس برائی سے پاک ہوں اس طرح اس عورت نے یہ ثابت کیا کہ اس مرد نے اس پر تہمت لگائی ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو دوسری سزا تہمت لگانے کی دی یعنی اسی کوڑے مارے۔

حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں کو سزا

(۲۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَ عُذْرِىْ قَامَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ فَلَمَّا نَزَلَ مِنَ الْمِنْبَرِ اَمَرَ بِالرَّجُلَيْنِ وَالْمَرْاَةِ فَضُرِبُوْا حَدَّهُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب میری برات نازل ہوئی یعنی عفت و پاکدامنی کے ثبوت میں آیتیں نازل ہوئیں تو نبی کریم ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا اور اس کا ذکر کیا اور پھر جب آپ ﷺ منبر سے اترے تو دو مردوں اور ایک عورت کو سزا دینے کا فیصلہ کیا چنانچہ تہمت لگانے کی ان پر حد جاری کی گئی۔" (ابوداؤد)

تشریح: بعض لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر نعوذ باللہ زنا کا بہتان لگایا تھا اور آنحضرت ﷺ کے دل میں بھی ان کی طرف سے کچھ شک پڑ گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی برات نازل کی جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ ان کے دامن عفت و عصمت پر تہمت کے جو چھینٹے ڈالے گئے ان کا تعلق محض ایک سازش اور چند لوگوں کی مفسدہ پردازی سے تھا، چنانچہ جب حضرت عائشہؓ کی عفت و پاکدامنی کے ثبوت میں آیتیں نازل ہوئیں جو سورہ نور میں ہیں تو آنحضرت ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حرم نبوی ﷺ کی تقدیس و حرمت کی لاج رکھ لی ہے اور عائشہ کو عفت مآب و پاک دامن قرار دیا ہے اور اس کے ثبوت میں آپ نے نازل ہونے والی آیتوں کا ذکر کیا پھر منبر سے اترتے ہی آپ نے ان لوگوں پر حد قذف تہمت لگانے کی شرعی سزا کہ وہ اسی کوڑے ہیں جاری کرنے کا حکم دیا جنہوں نے اس ناپاک سازش میں حصہ لیا تھا، ان میں دو مرد تھے جن کا نام مسطح اور حسان ابن ثابت تھا اور ایک عورت تھی جس کا نام حمنہ بنت جحش تھا اور جو اس واقعہ میں سب سے بڑی فتنہ پرداز تھی ان سب کو اسی اسی کوڑے مارے گئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

زنا بالجبر میں صرف زانی حد کا سزاوار ہوگا

(۲۶) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ اَبِيْ عُبَيْدٍ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ عَبْدًا مِنْ رَقِيْقِ الْاِمَارَةِ وَقَعَ عَلٰى وَلِيْدَةٍ مِنَ الْخُمُسِ فَاسْتَكْرَهَهَا حَتّٰى اقْتَضَّهَا فَجَلَدَهُ عُمَرُ وَلَمْ يَجْلِدْهَا مِنْ اَجْلِ اَنَّهُ اسْتَكْرَهَهَا۔ (رواہ البخاری)

"حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ حضرت صفیہؒ بنت ابوعبید نے ان سے بیان کیا کہ امارت و خلافت یعنی حضرت عمرؓ کی حکومت کے ایک غلام نے ایک ایسی لونڈی سے زنا کرنا چاہا جو مال غنیمت کے خمس میں سے تھی اور جب وہ لونڈی اس بدکاری کے لئے تیار نہیں ہوئی تو اس نے اس کے ساتھ زبردستی جماع کیا یہاں تک کہ اس کی بکارت یعنی اس کے کنوارپنے کو زائل کر دیا چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کو پچاس درے لگوائے اور اس لونڈی کے درے نہیں لگوائے یعنی اس کو اس بدکاری کی سزا نہیں دی کیونکہ اس غلام نے اس کے ساتھ زبردستی جماع کیا تھا۔" (بخاری)

ماعز کے واقعہ زنا کی ایک اور تفصیل

(۲۷) وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ نُعَيْمِ بْنِ هَزَّالٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ يَتِيْمًا فِيْ حَجْرِ اَبِيْ فَاَصَابَ جَارِيَةً مِنَ الْحَيِّ فَقَالَ لَهُ اَبِي ائْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبِرْهُ بِمَا صَنَعْتَ لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ لَكَ وَاِنَّمَا يُرِيْدُ بِذٰلِكَ رَجَاءَ اَنْ يَكُوْنَ لَهُ مَخْرَجًا فَاَتَاهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ زَنَيْتُ فَاَقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ اللّٰهِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ فَعَادَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ زَنَيْتُ فَاَقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ اللّٰهِ حَتّٰى قَالَ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ قَدْ قُلْتَهَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَبِمَنْ قَالَ بِفُلَانَةٍ قَالَ هَلْ ضَاجَعْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ بَاشَرْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ جَامَعْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَمَرَ بِهِ اَنْ يُرْجَمَ فَاُخْرِجَ بِهِ اِلَى الْحَرَّةِ فَلَمَّا رُجِمَ فَوَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ فَجَزِعَ فَخَرَجَ يَشْتَدُّ فَلَقِيَهُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اُنَيْسٍ وَقَدْ عَجَزَ اَصْحَابُهُ فَنَزَعَ لَهُ بِوَظِيْفِ بَعِيْرٍ فَرَمَاهُ بِهِ فَقَتَلَهُ ثُمَّ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ هَلَّا تَرَكْتُمُوْهُ لَعَلَّهُ اَنْ يَتُوْبَ فَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت یزید ابن نعیم ابن ہزال اپنے والد حضرت نعیم ابن ہزال سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے یعنی حضرت نعیم نے کہا کہ ماعز ابن مالک یتیم تھا اور میرے والد حضرت ہزال کی پرورش میں تھا اس نے جوان ہو کر محلہ کی ایک لونڈی سے زنا کر لیا جب میرے والد کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس سے کہا کہ تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں چلا جا اور جو کچھ تو نے کیا ہے وہ آپ ﷺ کو بتادے شاید آنحضرت ﷺ تیری مغفرت کی دعا کریں اور میرے والد کے اس کہنے کا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں تھا کہ استغفار گناہ سے اس کی نجات کا سبب بن جائے یعنی میرے والد کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس جائے اور آنحضرت ﷺ اس کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیں جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے ماعزؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے آپ مجھ پر کتاب اللہ کا حکم جاری کیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی یہ بات سن کر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا وہ وہاں سے ہٹ گیا اور پھر آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے آپ مجھ پر کتاب اللہ کا حکم جاری کیجئے یہاں تک کہ اس نے یہ بات چار بار یعنی چار مجلسوں میں کہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے یہ بات چار بار کہی ہے یعنی چار بار اقرار کرنے سے تیرا جرم زنا ثابت ہو گیا ہے اب یہ بتا کہ تو نے کس کے ساتھ زنا کیا ہے اس نے نام لے کر کہا کہ فلاں عورت کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو اس کے ساتھ ہمخواب یعنی ہم آغوش ہوا تھا اس نے کہا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس کے بدن کو اپنے بدن سے لپٹایا تھا؟ اس نے کہ ہاں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس کے ساتھ جماع کیا تھا؟ اس نے کہا ہاں اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کو حرہ لے جایا گیا اور جب وہاں سنگسار کیا جانے لگا اور اسے پتھروں کی چوٹ لگنے لگی تو وہ بدحواس ہو گیا یعنی وہ پتھروں کی چوٹ برداشت نہ کر سکا اور جہاں سنگسار کیا جارہا تھا وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا راستہ میں اس کو عبداللہؓ ابن انیس ملے جن کے ساتھی یا ماعزؓ کو سنگسار کرنے والے تھک گئے تھے عبداللہؓ نے اونٹ کے پاؤں کی ہڈی اٹھائی اور اس سے ماعزؓ کو مارا یہاں تک کہ انہوں نے اس کو ختم کو ڈالا اس کے بعد عبداللہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا شاید وہ اپنے اقرار سے رجوع کر لیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر کے سنگساری کئے بغیر ہی اس کا گناہ معاف کر دیتا۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس کو حرہ لے جایا گیا۔ ابن ہمام کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی روایت میں تو یہ ہے کہ ماعزؓ کو مصلی میں سنگسار کیا گیا اور مسلم اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کو بقیع غرقد لے جایا گیا ان دونوں روایتوں میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے لیکن اگر یہ بات ملحوظ رہے کہ مصلی سے نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ مراد ہے اور نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ وہیں بقیع غرقد میں تھی تو پھر کوئی تضاد نہیں رہے گا رہی یہ بات کہ ترمذی کی روایت میں جو یہ منقول ہے کہ ماعزؓ کے چوتھی بار اقرار کرنے کے بعد اس کی سنگساری کا حکم جاری کیا گیا چنانچہ اس کو حرہ لے جایا گیا اور وہاں سنگسار کیا گیا جیسا کہ یہاں ابوداؤد کی روایت میں بھی یہی ہے کہ اس کو حرہ لے جایا گیا تو اس کی تاویل یہ کی جائے گی کہ جب وہ پتھروں کی چوٹ کھا کر بھاگا تو اس کا پیچھا کیا گیا تا آنکہ اس کو حرہ لے جایا گیا یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ پھر یہ بات صحیح ثابت نہیں ہوگی کہ ماعزؓ کو سنگسار کرنے کے لئے حرہ لے جایا گیا تھا کیونکہ صحاح اور حسان کی روایتیں اس بات کی مؤید ہیں کہ شروع میں ماعزؓ کو سنگسار کرنے کے لئے حرہ کی طرف نہیں لے جایا گیا تھا بلکہ جب اس کو سنگسار کیا جانے لگا تو وہ خود بھاگ کر حرہ چلا گیا تھا یا یہ توجیہ کی جائے کہ مصلی جہاں ماعز کو سنگسار کیا گیا حرہ ہی کے آس پاس ہوگا لہٰذا کسی راوی نے تو مصلی کا ذکر کیا اور کسی راوی نے حرہ کا اس صورت میں دونوں احادیث کے مفہوم میں یکسانیت پیدا ہو جائے گی۔

زنا کی کثرت کا وبال

(۲۸) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَامِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيْهِمُ الزِّنَا اِلَّا

اُخِذُوْا بِالسَّنَةِ وَمَامِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيْهِمُ الرُّشَا اِلاَّ اُخِذُوْا بِالرُّعْبِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت عمروؓ ابن العاص کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس قوم میں زنا کی کثرت ہو جاتی ہے اس کو قحط اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور جس قوم میں رشوت کی وبا عام ہو جاتی ہے اس پر رعب (وخوف) مسلط کر دیا جاتا ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: "رشوت" اس مال کو کہتے ہیں جو کسی شخص کو اس شرط کے ساتھ دیا جائے کہ وہ اس کے کام میں مدد کرے۔ بعض حضرات نے اس تعریف میں اس قید کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اس کام میں اتنی مشقت و محنت نہ ہو جس کی اجرت عام طور پر دیئے گئے مال کے بقدر دی جاتی ہو جیسے کسی بادشاہ یا حاکم کے سامنے کوئی بات سفارش کے طور پر کہہ دینی یا اس میں سعی و کوشش کرنی اس سے معلوم ہوا کہ محنت و مشقت کے بقدر مال دینا رشوت نہیں کہلائے گا اسی طرح اگر بلا شرط مال دیا جائے تو بھی رشوت کے حکم میں نہیں ہوگا۔

بہر کیف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رشوت محض ایک سماجی برائی اور ایک شرعی گناہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک اخلاقی ظلم بھی ہے کہ جس کی سزا آخرت میں تو ملے ہی گی اس کا وبال مختلف صورتوں میں اس دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے چنانچہ یہاں حدیث میں اسی ذکر کیا گیا ہے کہ رشوت کی نحوست ساری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور اسے بزدل بنا کر غیروں کی ہیبت میں اور اپنوں کے خوف میں مبتلا کر دیتی ہے۔

غیروں کی ہیبت تو یوں مسلط ہو جاتی ہے کہ راشی رشوت لینے والا اپنا ضمیر و ایمان بیچ ڈالتا ہے اور جب وہ ضمیر و ایمانداری کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کے اندر سے وہ ساری توانائی اور قوت ختم ہو جاتی ہے جو اس کو غیروں کے مقابلہ پر عظمت و برتری کا احساس دلاتی ہے۔ اپنوں کا خوف اس طرح مسلط ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی حاکم و کارکن رشوت نہیں لیتا تو وہ اپنا حکم اپنے ہر ادنی و اعلی پر جاری کرتا ہے اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا لیکن جب وہ رشوت سے آلودہ ہو جاتا ہے تو پھر اس پر ایک خوف مسلط ہو جاتا ہے جو اسے قدم قدم پر اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی اور اجرائے احکام سے جھجکاتا رہتا ہے کہ اس کے کسی حکم یا کسی کاروائی سے کوئی ایسا شخص ناراض نہ ہو جائے جس سے کہ اس کو رشوت کی صورت میں ناجائز مالی فائدے حاصل ہیں یا جو اس کو رشوت ستانی کے جرم کا رازدار ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب رشوت کی وبا عام ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے ہر حاکم و کارکن ہیبت و خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پورا نظام حکومت، بہت خوفناک قسم کی بدحالی و بے اعتمادی اور لاقانونیت کا شکار ہو جاتا ہے اور ساری قوم بے اطمینانی اور مصائب و پریشانیوں میں گھر کر رہ جاتی ہے۔

اغلام لعنت کا باعث ہے

(۲۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَلْعُوْنٌ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ۔ رَوَاهُ رَزِيْنٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ عَلِيًّا اَحْرَقَهُمَا وَاَبَا بَكْرٍ هَدَمَ عَلَيْهِمَا حَائِطًا۔

"اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص قوم لوط کا سا عمل یعنی اغلام کرے وہ ملعون ہے۔" (رزین)

اور رزینؒ ہی کی ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ "حضرت علیؓ نے بطور سزا اغلام کرنے والے اور کرانے والے دونوں کو جلوا دیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ نے ان پر دیوار گروا دی تھی۔"

تشریح: جامع صغیر میں امام احمدؒ نے حضرت حسنؒ کی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص اپنی ماں کو برا کہے وہ ملعون ہے جو شخص غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرے وہ ملعون ہے جو شخص اسلامی سلطنت کی زمین کی سرحدوں میں رد و بدل کرے وہ ملعون ہے جو شخص کسی اندھے کو غلط راستہ بتائے وہ ملعون ہے جو شخص جانور سے بدفعلی کرے وہ ملعون ہے

اور جو شخص قوم لوط کا سا عمل کرے یعنی اغلام کرے وہ ملعون ہے۔

(۳۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی رَجُلٍ اَتٰی رَجُلًا اَوِ امْرَأَۃً فِیْ دُبُرِھَا۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ عزوجل اس شخص پر نظر رحمت نہیں کرتا جو کسی مرد یا عورت کے ساتھ بدفعلی کرے۔" اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والا حد کا سزاوار نہیں ہوتا

(۳۱) وَعَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ مَنْ اَتٰی بَھِیْمَۃً فَلَا حَدَّ عَلَیْہِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ عَنْ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ اَنَّہٗ قَالَ وَھٰذَا اَصَحُّ مِنَ الْحَدِیْثِ الْاَوَّلِ وَھُوَ مَنْ اَتٰی بَھِیْمَۃً فَاقْتُلُوْہُ وَالْعَمَلُ عَلٰی ھٰذَا عِنْدَ اَھْلِ الْعِلْمِ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے (بطریق مرفوع) کہا کہ جو شخص جانور کے ساتھ بدفعلی کرے وہ حد کا سزاوار نہیں لیکن قابل تعزیر ہے اس روایت کو ترمذیؒ اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے نیز ترمذیؒ سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی سفیان نے) کہا کہ یہ حدیث ابن عباسؓ کی اس پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے جو دوسری فصل میں ان سے نقل کی گئی ہے اور وہ پہلی حدیث یہ ہے کہ جو شخص جانور سے بدفعلی کرے اس کو مار ڈالو چنانچہ علماء نے اسی پر عمل کیا ہے کہ جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والا حد کا سزاوار نہیں ہوتا البتہ بطور تعزیر اس کو کوئی سزا دی جا سکتی ہے۔"

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کا اپنا قول ہے لیکن اس صورت میں سفیان ثوریؒ کے اس قول کہ یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے کے کوئی معنی نہیں رہیں گے لہذا صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباسؓ کا اپنا قول نہیں ہے بلکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

حد جاری کرنے میں کوئی فرق و امتیاز نہ کرو

(۳۲) وَعَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقِیْمُوْا حُدُوْدَ اللّٰہِ فِی الْقَرِیْبِ وَالْبَعِیْدِ وَلَا تَاْخُذْکُمْ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃُ لَائِمٍ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت عبادہؓ ابن صامت راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قریب و بعید سب پر حدود اللہ جاری کرو اور خبردار اللہ کا حکم یعنی حد جاری کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمہارے آڑے نہ آئے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: قریب و بعید سے نزدیک کے اور دور کے رشتے دار مراد ہیں کہ اگر مجرم تمہارا دور کا جاننے والا ہے تو اس پر بھی حد جاری کرو اور اگر نزدیکی رشتہ دار ہے تو اس پر بھی حد جاری کرو ایسا نہ ہو کہ دور کے جاننے والے پر تو حد جاری کر دو اور نزدیکی رشتہ دار پر حد جاری کرنے سے باز رہو یا یہ کہ قریب سے مراد کمزور ہے کہ اس تک پہنچنا نزدیک اور اس پر حد جاری کرنا آسان ہوتا ہے اور بعید سے مراد قوی ہے کہ اس تک پہنچنا بعید اور اس پر حد جاری کرنا دشوار ہوتا ہے اور یہی مراد حدیث کی منشاء کے زیادہ قریب ہے کیونکہ یہاں بھی ہدایت دینا مقصد ہے کہ حد ہر مجرم پر جاری کرو خواہ وہ امیر ہو یا غریب، شاہ ہو یا گدا کمزور ہو یا قوی اور اپنا عزیز ہو یا غیر عزیز ہو۔

حد جاری کرنے کے دور رس فوائد

(۳۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِقَامَۃُ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنْ مَّطَرِ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً فِیْ

بِلَادِ اللّٰهِ۔ رَوَاهُ بْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ النَّسَائِي عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ حدود اللہ میں سے کسی ایک حد کا جاری کرنا خدا کے تمام شہروں پر چالیس رات تک بارش برسنے سے بہتر ہے (ابن ماجہؒ) نسائی نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: اس کی وجہ یہ ہے کہ حد جاری کرنا گویا مخلوق کو گناہ اور معاصی کے ارتکاب سے روکنا ہے اور یہ آسمان کے دروازوں کے کھلنے یعنی نزول برکات کا سبب ہے، اس کے برخلاف حدود کو معاف کرنا یا ان کو جاری کرنے میں سستی کرنا گویا مخلوق کو گناہ و معاصی میں مبتلا ہونے کا موقع دینا ہے اور یہ چیز یعنی گناہ و معاصی کا پھیل جانا قحط سالی میں گرفتار ہونے کا سبب اور انسان ہی نہیں بلکہ غیر انسانی مخلوق کو بھی ہلاکت و بربادی کے دروازے پر پہنچانے کا ذریعہ ہے جیسا کہ منقول ہے کہ حباری بنی آدم کے گناہوں کے سبب مارے وبلاپے کے مرجاتا ہے یعنی انسان عمومی طور پر برائیوں کی راہ پر لگ جاتا ہے اور گناہ و معاصی کے ارتکاب کی کثرت ہو جاتی ہے تو اس کی نحوست سے اللہ تعالیٰ بارش نہیں برساتا اور جب بارش نہیں ہوتی تو صرف انسانوں ہی کے لئے قحط نہیں پھیلتا بلکہ اس کی وجہ سے چرند و پرند بھی اپنے رزق سے محروم ہو جاتے ہیں اور وہ مرنے لگتے ہیں۔

"حباری" ایک جانور کا نام ہے یہاں خاص طور پر اس کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ دور دور سے اپنے چارہ تلاش کر کے لاتا ہے۔

بَابُ قَطْعِ السَّرِقَةِ
چور کے ہاتھ کاٹنے کا بیان

طیبیؒ نے کہا ہے کہ قطع السرقۃ میں اضافت بحذف مضاف مفعول کی طرف ہے یعنی معنی کے اعتبار سے یہ عنوان یوں ہے باب قطع اہل السرقۃ۔

سرقہ کے معنی: سرقہ سین کے زبر اور را کے زیر کے ساتھ چوری کے معنی میں ہے اور اصطلاح شریعت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی مکلف کسی کے ایسے محرز مال میں سے کچھ یا سب خفیہ طور پر لے لے جس میں نہ تو اس کی ملکیت ہو اور نہ شبہ ملکیت۔

چوری کی سزا اور اس کا نصاب: یہ بات تو عنوان ہی سے معلوم ہوگئی کہ اسلامی قانون میں چور کی سزا قطع ید ہاتھ کاٹ دینا ہے لیکن اس بارہ میں فقہا کا باہم اختلاف ہے کہ کتنی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نصاب سرقہ مال کی وہ مقدار جس پر قطع ید کی سزا دی جائے گی کم از کم دس درہم تقریباً ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے اس سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی اور حضرت امام شافعیؒ چوتھائی دینار سونا یا تین درہم چاندی اور یا اس قیمت کی کسی بھی چیز کو نصاب سرقہ قرار دیتے ہیں ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں چوتھائی دینار چرانے والے کو قطع ید کی سزا دینا مذکور ہے اور اس وقت چوتھائی دینار تین درہم کے برابر تھا اور ایک دینار کی مالیت بارہ درہم کے برابر تھی۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ:

لَاقَطْعَ اِلَّا فِي دِيْنَارٍ اَوْعَشَرَةِ دَرَاهِمَ

"ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری پر قطع ید نہیں ہے۔"

نیز ہدایہ کے قول کے مطابق اس بارہ میں "اکثر" پر عمل کرنا "اقل" پر عمل کرنے سے بہتر ہے کیونکہ معاملہ ایک انسانی عضو کے کاٹنے کا ہے اور "اقل" میں عدم جنایت کا شبہ ہو سکتا ہے۔

واضح رہے کہ فقہاء کے اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ایک ڈھال کی چوری پر دی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کی طرف سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ایک ڈھال کی قیمت تین درہم تھی جب کہ حنفیہ کی طرف سے شمنیؒ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں اس کی قیمت دس درہم تھی حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاصؓ سے ابن ابی شیبہؒ نے یہی نقل کیا ہے نیز کافی میں بھی یہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جس ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی گئی تھی تو اس کی قیمت دس درہم تھی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نصاب سرقہ کے بارہ میں امام شافعیؒ کی مستدل حدیث

① عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ إِلَّا بِرُبْعِ دِيْنَارٍ فَصَاعِدًا۔ (متفق علیہ)

"حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "چور کا ہاتھ اسی صورت میں کاٹا جائے جب کہ اس نے چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی مالیت کی چوری کی ہو۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ چوتھائی دینار سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گویا ان کے نزدیک نصاب سرقہ کی کم سے کم مقدار چوتھائی دینار ہے ملا علی قاریؒ نے اپنی کتاب میں اس حدیث کے تحت بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور اس مسئلہ میں علماء کے جو اختلافی اقوال ہیں ان کو نقل کر کے حنفیہ کے مسلک کو بڑی مضبوط دلیلوں سے ثابت کیا ہے۔

ڈھال کی قیمت کے تعین میں اختلافی اقوال

② وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَطَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ سَارِقٍ فِيْ مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک ڈھال کے چرانے پر جس کی قیمت تین درہم تھی، چور کا داہنا ہاتھ کٹوا دیا تھا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: شمنیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس روایت کے معارض ہے جو ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہؓ ابن عمرو ابن العاص سے نقل کی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی حضرت ابن عباسؓ اور عمرو ابن شعیب سے بھی اسی طرح منقول ہے نیز شیخ ابن ہمامؒ نے بھی ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے یہی بات نقل کی ہے کہ اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی اور عینیؒ نے ہدایہ کے حاشیہ میں بھی یہی لکھا ہے چنانچہ اسی بنیاد پر حنفیہ کا یہ مسلک ہے کہ قطع ید ہاتھ کاٹنے کی سزا اسی چور پر نافذ ہوگی جس نے کم سے کم دس درہم کے بقدر مال کی چوری کی ہو اس سے کم مالیت کی چوری پر یہ سزا نہیں دی جائے گی جہاں تک ابن عمرؓ کی اس روایت کا تعلق ہے جس سے اس ڈھال کی قیمت تین درہم متعین کی حالانکہ حقیقت میں وہ ڈھال دس درہم کی مالیت کی تھی جیسا کہ اکثر روایتوں سے ثابت ہوا اس موقع پر شیخ عبدالحقؒ اور ملا علی قاریؒ نے اپنی اپنی شرح میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اہل علم ان کی کتابوں سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

تمام ائمہ کے مسلک کے خلاف ایک حدیث اور اس کی وضاحت

③ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ وَيَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا چور پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ وہ بیضہ چراتا ہے اور اس کا

ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح : امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بلا تعین گنہگاروں پر لعنت بھیجنا جائز ہے اور یہی بات اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ سے بھی ثابت ہوتی ہے ہاں کسی شخص کو متعین کر کے یعنی اس کا نام لے کر اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے۔

نصاب سرقہ کے سلسلے میں یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ چوتھائی دینار یا تین درہم سے بھی کم مالیت کی چوری پر قطع ید کی سزا جاری ہو سکتی ہے جب کہ چاروں ائمہ میں سے کسی کے بھی مسلک میں چوتھائی دینار یا تین درہم سے کم میں قطع ید کی سزا نہیں ہے اس اعتبار سے یہ حدیث تمام ائمہ کے مسلک کے خلاف ہے لہٰذا ان سب کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں بیضہ سے بیضہ آہن مراد ہے کہ جسے خود کہا جاتا ہے اور جس کو مجاہدین اور فوجی اپنے سروں پر پہنتے ہیں اسی طرح رسی سے کشتی کی رسی مراد ہے جو بڑی قیمتی ہوتی ہے علاوہ ازیں بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں انڈے اور رسی کے چرانے پر قطع ید کی سزا دی جاتی تھی مگر بعد میں اس کو منسوخ قرار دے دیا گیا۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ اس کو چوری کی عادت اسی طرح پڑتی ہے کہ چھوٹی چھوٹی اور کمتر چیزیں چراتے چراتے بڑی بڑی اور قیمتی چیزیں چرانے لگتا ہے جس کے نتیجے میں اس کو قطع ید کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

پھل وغیرہ کی چوری میں قطع ید کی سزا ہے یا نہیں؟

④ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَطْعَ فِيْ ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ۔

(رواہ مالک والترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی وابن ماجۃ)

"حضرت رافع ابن خدیج نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا درخت پر لگے ہوئے میوے اور کھجور کے سفید گابھے کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے۔" (مالکؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائی، دارمیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح : یہ حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مستدل ہے وہ اس کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ تر میوہ پھل چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا خواہ وہ میوہ محرز ہو یا غیر محرز ہو محرز کی تعریف پیچھے گذر چکی ہے اسی طرح خشک میوہ جو درخت پر لگا ہوا ہو اور وہ کھیتی جو کاٹ کر کھلیان میں جمع نہ کی گئی ہو ان کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے اسی پر گوشت دودھ اور ان چیزوں کو بھی قیاس کیا گیا ہے جو دیر پا نہ ہوں اور جلدی ہی خراب و متغیر ہو جاتی ہوں کہ ان کی چوری میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا امام اعظم کے علاوہ دوسروں نے ان سب چیزوں کی چوری میں قطع ید کی سزا کو واجب کیا ہے چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ چیزیں جو بہت معمولی اور حقیر ہوں اور جو دار اسلام میں ہر شخص کے لئے مباح کے درجہ میں ہوں جیسے گھاس لکڑی نرسل مچھلی پرندہ ہڑتال اور چونا وغیرہ ان کی چوری کرنے والا بھی قطع ید کا سزاوار نہیں ہوگا۔

⑤ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ قَالَ مَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ اَنْ يُّؤْوِيَهُ الْجَرِيْنُ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے

ہیں کہ آپ ﷺ سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ان پھلوں میں سے کچھ اس وقت چرائے جب کہ ان کو درختوں سے توڑ کر جمع کر لیا گیا ہو اور ان (چرائے ہوئے پھلوں) کی قیمت ایک ڈھال کی قیمت کے برابر ہو تو وہ قطع ید کا سزاوار ہوگا۔" (ابو داود، نسائی)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے کیونکہ وہ محرز نہیں ہے ہاں جب وہ پھل درخت پر سے توڑ لئے گئے اور ان کو خشک ہونے کے لئے کھلیان میں جمع کر دیا گیا تو اب ان کی چوری میں قطع ید کی سزا واجب ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ محرز ہو گئے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ حدیث امام ابوحنیفہؒ کے سوا جمہور علماء کی دلیل ہے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ پھل جب تک خشک نہیں ہوا ہے اس کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے خواہ وہ پھل محرز ہو یا غیر محرز۔ اس حدیث کے بارہ میں حنفیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ حدیث میں "جب کہ ان کو توڑ کر جمع کر لیا گیا ہو" کی قید کا تعلق ان پھلوں کے خشک ہو جانے کے بعد سے ہے جیسا کہ عرب میں رواج تھا (کہ جس طرح درخت سے پھلوں کو توڑ کر خشک ہونے کے لئے ان کو کھلیان وغیرہ میں پھیلا دیا جاتا تھا اس طرح پھلوں کو ان کے خشک ہونے کے بعد کسی جگہ جمع بھی کر دیا جاتا تھا) اور حنفیہ کے نزدیک بھی ان پھلوں کی چوری میں قطع ید کی سزا جاری ہوگی جو خشک ہونے کے بعد کھلیان وغیرہ میں جمع کئے گئے ہیں۔ پھل جب تک خشک نہ ہوں اس وقت تک ان کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہوگی خواہ وہ درخت پر لگے ہوئے ہوں یا ان کو توڑ کر کھلیان وغیرہ میں جمع کر دیا گیا ہو جیسا کہ "ثمر" (تازہ پھل) کے بارہ میں پچھلی حدیث میں بیان کیا جا چکا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات مد نظر رہنی چاہئے کہ یہ حدیث نہ صرف پچھلی حدیث لاقطع فی ثمر ولا کثر کے مطلق مفہوم کے معارض ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد ولا قطع فی الطعام (کھانے کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے) کے بھی معارض ہے چونکہ حدود کے باب میں ضروری ہے کہ مسلمان کی جان اور اس کے اعضاء کے تحفظ کے پیش نظر حد جاری کرنے میں حتی الامکان احتیاط و رعایت کے تمام گوشوں کو ملحوظ رکھا جائے اور ہر ایسے نکتہ و پہلو کو ترجیح دی جائے جس سے نفاذ حد، کم سے کم قابل عمل رہے اس لئے ان احادیث کے تعارض کی صورت میں اس حدیث کو ترجیح دی جانی چاہئے جس کا مفہوم پھل کی چوری کے سلسلے میں بالکل مطلق ہے۔ اس موقع پر بھی ملا علی قاری نے اپنی کتاب مرقات میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اہل علم ان کی کتاب سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

غیر مملوکہ پہاڑی جانوروں پر چوری کا اطلاق نہیں ہوگا

(۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ حُسَیْنِ الْمَکِّیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاقَطْعَ فِیْ ثَمَرٍ مُعَلَّقٍ وَلَا فِیْ حَرِیْسَةِ جَبَلٍ فَاِذَا اٰوَاهُ الْمُرَاحُ وَالْجَرِیْنُ فَالْقَطْعُ فِیْمَا بَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت عبداللہ ابن عبدالرحمن ابن ابوحسین مکی سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "درخت پر لگے ہوئے میوے اور پہاڑوں پر چرنے والے جانوروں کے مقدمہ میں قطع ید کی سزا نہیں ہے ہاں اگر کوئی شخص کسی پہاڑی جانور کو جانوروں کے بندھنے کی جگہ لاکر باندھ دے یا میوے کو (خشک ہونے کے بعد) کھلیان میں جمع کر دے تو اس کی چوری میں قطع ید کی سزا دی جائے گی بشرطیکہ شئے مسروقہ کی مالیت ایک ڈھال کی قیمت کے بقدر یا اس سے زائد ہو" (مالکؒ)

تشریح: طیبیؒ کہتے ہیں کہ لفظ حَرِیْسَةِ دراصل مفعول کے معنی میں ہے گویا حریسة جبل معنی کے اعتبار سے محروسة جبل ہے اور محروسة جبل اس جانور کو کہتے ہیں جو پہاڑوں پر چرتا پھرتا ہو اور کوئی شخص اس کی حفاظت نہ کرتا ہو یعنی وہ کسی کی ملکیت میں نہ ہو، ایسے ہی جانور کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو پکڑ لائے تو اس پر چوری کا اطلاق نہیں ہوگا کیونکہ نہ تو وہ جانور محرز ہے اور نہ کسی کی ملکیت میں ہے، ہاں اگر پہلے سے کسی شخص نے اس جانور کو پکڑ کر اپنے یہاں باندھ رکھا ہے تو چونکہ اب وہ جانور ایک شخص کی

ملکیت میں آگیا ہے اس لئے اگر کوئی دوسرا شخص اس کو وہاں سے چرائے گا اور اس کی قیمت ایک ڈھال کی قیمت کے بقدر رہا اس سے زائد ہوگی تو چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

لٹیرے کی سزا قطع ید نہیں ہے

⑦ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُنْتَهِبِ قَطْعٌ وَمَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً مَشْهُوْرَةً فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "لٹیرے کی سزا قطع ید نہیں ہے اور جو شخص لوگوں کو لوٹے وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی ہمارے بتائے ہوئے راستے پر چلنے والا نہیں ہے)۔" (ابوداؤد)

تشریح: "لٹیرا" (لوٹنے والا) اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کا مال زبردستی حاصل کرے اس طرح لوگوں کا مال لوٹنا اگرچہ چوری چھپے مال اڑانے سے بدتر ہے لیکن ایسے شخص پر "چور" کا اطلاق نہ ہونے کی وجہ سے اس کو قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ چور اس شخص کو کہتے ہیں جو چھپ چھپا کر لوگوں کا مال اڑائے۔

خائن قطع ید کا سزاوار نہیں

⑧ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَلَا مُنْتَهِبٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ صَفْوَانَ بْنَ اُمَيَّةَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَنَامَ فِي الْمَسْجِدِ وَتَوَسَّدَ رِدَاءَهُ فَجَاءَ سَارِقٌ وَاَخَذَ رِدَاءَهُ فَاَخَذَهُ صَفْوَانُ فَجَاءَ بِهِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ اَنْ تُقْطَعَ يَدُهُ فَقَالَ صَفْوَانُ اِنِّيْ لَمْ اُرِدْ هٰذَا هُوَ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلَّا قَبْلَ اَنْ تَاْتِيَنِيْ بِهِ وَرَوَى نَحْوَهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ اَبِيْهِ وَالدَّارِمِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ "خیانت کرنے والے، لوٹنے والے اور اچکّے کا ہاتھ کاٹنا مشروع نہیں ہے۔" (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) اور صاحب مصابیح نے شرح السنۃ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ (ایک دن) حضرت صفوان ابن امیہ مدینہ تشریف لائے اور مسجد میں سر کے نیچے اپنی چادر رکھ کر سو گئے اسی (دوران) ایک چور آیا اور اس نے ان کی وہ چادر (آہستہ سے کھینچ لی (اور بھاگنا چاہا) مگر صفوانؓ نے اس کو پکڑ لیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لائے (اور واقعہ بیان کیا، آنحضرت ﷺ نے (خود مجرم کے اقرار یا گواہوں کے ذریعہ چوری ثابت ہو جانے پر) اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ (یہ فیصلہ سن کر) حضرت صفوانؓ (کو رحم آگیا اور انہوں نے کہا کہ "اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں لانے سے میرا یہ ارادہ نہیں تھا (کہ صرف میری چادر کی وجہ سے اس کے ہاتھ کاٹے جائیں اس لئے میں سفارش کرتا ہوں کہ آپ ﷺ اس کو معاف فرمادیں) میں نے اپنی چادر اس کو صدقہ کر دی۔" رسول کریم ﷺ نے فرمایا "پھر اس کو میرے پاس لانے سے پہلے ہی تم نے اپنی چادر اس کو صدقہ کیوں نہ کر دی تھی اور اس کو معاف کیوں نہیں کر دیا تھا۔" اسی طرح کی روایت ابن ماجہ نے عبداللہ ابن صفوان سے اور انہوں نے اپنے والد (حضرت صفوانؓ سے) اور دارمیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی۔"

تشریح: "خائن" اس شخص کو کہتے ہیں جس کو کوئی چیز بطور عاریت کے یا امانت رکھنے کے لئے دی جائے اور وہ اس کی چیزیں کچھ یا سب ہضم کر جائے اور یہ دعوی کرے کہ وہ چیز ضائع ہوگئی ہے یا سرے سے اس کا انکار کر دے یعنی یہ کہے کہ وہ چیز مجھے نہیں دی گئی ہے۔ اگرچہ ایسا شخص بہت گنہ گار ہوتا ہے مگر قطع ید کا مستوجب نہیں ہوتا کیونکہ خائن جس چیز کو ہتھیاتا ہے وہ پوری طرح "محرز" یعنی محفوظ مال کے حکم میں نہیں ہوتی ہدایہ میں یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح لٹیرے اور اچکے کو بھی قطع ید کی سزا اس لئے نہیں دی جاتی کہ وہ غیر کا مال چھپ چھپا کر نہیں لیتے جیسا کہ پچھلی حدیث کی تشریح میں اس کی وضاحت کی گئی۔ ابن ہمامؒ کہتے ہیں کہ چاروں ائمہ کا یہی مسلک ہے۔

"سر کے نیچے چادر رکھنے" کے بارے میں ہدایہ میں لکھا ہے کہ صحیح تر بات یہ ہے کہ کسی چیز کا اپنے سر کے نیچے رکھنا "حرز" ہے حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اس کو پہلے ہی کیوں نہ معاف کر دیا تھا اور اپنا حق کیوں نہیں چھوڑ دیا تھا اب جب تم اس کو میرے پاس لے آئے اور اس کا جرم ثابت ہو جانے پر میں نے اس کا ہاتھ کاٹے جانے کا حکم دے دیا تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہو گیا ہے، اب اس معاملہ میں تمہارا کوئی حق باقی نہیں رہ گیا ہے بلکہ یہ اللہ کا حق ہو گیا ہے لہٰذا تمہارے معاف کرنے سے اس کا جرم معاف نہیں ہو گا! اس سے معلوم ہوا کہ چور جب حاکم کے سامنے پیش ہو جائے اور اس کا جرم ثابت ہو جائے تو پھر اسے کوئی بھی سزا سے نہیں بچا سکتا، خود مدعی اور صاحب مال کے معاف کرنے سے بھی اس کی سزا معاف نہیں ہو گی، ہاں حاکم کے پاس قضیہ پہنچنے سے پہلے اس کو معاف کر دینا جائز ہے۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو چوری کی وجہ سے اس کے ہاتھ کاٹنے کی سزا سنا دی جائے اور پھر اسے چوری کی ہوئی چیز کو اس کا مالک اس شخص (چور) کو ہبہ کر کے اس کے سپرد کر دے یا اس چیز کو اس کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس صورت میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن امام زفرؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور حضرت امام ابویوسفؒ کا بھی ایک قول یہی ہے اور حضرت صفوانؓ کی مذکورہ حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے چنانچہ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک روایت میں تو یہ حدیث اسی طرح ہے جس طرح یہاں نقل کی گئی لیکن حاکم وغیرہ کی روایت میں اس طرح نہیں ہے بلکہ کچھ اضافہ و زیادتی کے ساتھ ہے لہٰذا اس اضافہ و زیادتی کی وجہ سے اضطراب واقع ہو گیا اور اضطراب حدیث کے ضعیف ہونے کا موجب ہو جاتا ہے۔

سفر جہاد میں چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے

(۹) وَعَنْ بُسْرِ بْنِ اَرْطَاةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُقْطَعُ الْاَيْدِيْ فِي الْغَزْوِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ اِلَّا اَنَّهُمَا قَالَا فِي السَّفَرِ بَدَلَ الْغَزْوِ۔

"اور حضرت بسرؓ ابن ارطاۃ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "غزوہ میں قطع ید کی سزا نافذ نہیں ہوگی۔" (اس روایت کو ترمذی، دارمی، ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا ہے لیکن ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں "غزوہ" کی بجائے "سفر" کا لفظ ہے۔"

تشریح: ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب ہے کہ جب اسلامی لشکر دار الحرب میں کفار سے برسر جہاد ہو اور امام وقت ان میں موجود نہ ہو بلکہ امیر لشکر ان کا کارپرداز ہو اور اس وقت (جہاد میں) کوئی شخص چوری کا مرتکب ہو جائے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، اس طرح دوسری حدود بھی جاری نہ کی جائیں۔ چنانچہ بعض فقہا نے اس پر عمل کیا ہے اور اس کی بنیاد یہ احتمال ہے۔ کہ مبادا وہ شخص (اس سزا کے خوف سے) دار الحرب ہی کو اپنا مستقل مسکن بنا لے اور اس طرح وہ فتنہ و گمراہی میں مبتلا ہو جائے یا یہ خوف بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے مجاہدین میں بددلی اور تفرقہ نہ پیدا ہو جائے۔ طیبیؒ نے وضاحت کی ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہ مسلک ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ "غزوہ میں قطع ید کی سزا نافذ نہ ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر اسلامی لشکر کا کوئی فرد مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کچھ چرائے تو اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں کیونکہ اس مال غنیمت میں اس کا بھی حق ہے۔

طیبیؒ کہتے ہیں ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں "سفر" کا جو لفظ مطلق نقل کیا گیا ہے اس کو مقید پر محمول کیا جائے یعنی "سفر" سے "سفر جہاد" مراد لیا جائے۔

دوبارہ اور سہ بارہ چوری کرنے کی سزا

(۱۰) وَعَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي السَّارِقِ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا يَدَهٗ ثُمَّ اِنْ

سَرَقَ فَاقْطَعُوْا رِجْلَهٗ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا یَدَهٗ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا رِجْلَهٗ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت ابو سلمہؓ حضرت ابوہریرہؓ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے چور کے بارے میں فرمایا کہ "جب وہ چوری کرے تو اس کا (دایاں) ہاتھ کاٹا جائے، پھر اگر چوری کرے تو اس کا (بایاں) ہاتھ کاٹا جائے اور پھر اگر چوری کرے تو اس کا (دایاں) پیر کاٹا جائے۔" (شرح السنۃ)

تشریح: پہلی مرتبہ چوری کرنے پر دایاں ہاتھ کاٹنا اور پھر دوبارہ چوری کرنے پر بایاں پیر کاٹنا تو علماء کا متفقہ مسلک ہے لیکن پھر تیسری مرتبہ چوری کرنے پر بایاں ہاتھ کاٹنے اور چوتھی مرتبہ چوری کرنے پر دایاں پیر کاٹنے کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے مطابق تیسری اور چوتھی مرتبہ چوری کرنے پر دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا جائے، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ تیسری مرتبہ چوری کرنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا تاآنکہ وہ اسی میں مرجائے یا توبہ کرے امام اعظمؒ کے اس مسلک کی دلیل یہ ہے کہ اول تو اس بات پر صحابہؓ کا اجماع و اتفاق ہو گیا تھا، دوم یہ کہ کسی شخص کو اس کے چاروں ہاتھ پیر سے محروم کر دینا گویا اس کو اپنے وجود کی بقاء کے سارے ذرائع و اسباب سے محروم کر دینا ہے جو اس کے حق میں "سزا" سے بڑھ کر ایک قسم کی "زیادتی" ہے جہاں تک اس حدیث کا سوال ہے تو پہلی بات یہ ہے کہ اصل میں یہ حدیث تہدید و سیاسی مصالح پر محمول ہے، دوسری بات یہ کہ محدثین نے اس کے صحیح ہونے میں کلام کیا ہے چنانچہ طحاویؒ نے اس حدیث پر ان الفاظ میں طعن کیا ہے کہ میں نے صحابہؓ کے بہت سارے آثار و قضایا (اور نظائر و فیصلے) دیکھے لیکن انتہائی تلاش کے باوجود مجھے اس حدیث کی کوئی بنیاد نہیں مل سکی، علاوہ ازیں میں نے بہت سے حفاظ حدیث سے ملاقات کی وہ سب اس حدیث (کی واقفیت) سے انکار کرتے تھے۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ پیر کاٹنے کے بارے میں اکثر علما کا قول یہ ہے کہ گھٹنے کے پاس سے پاؤں کاٹا جائے۔

(۱۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جِیْءَ بِسَارِقٍ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِیْءَ بِهِ الثَّانِیَةَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ ثُمَّ جِیْءَ بِهِ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِیْءَ بِهِ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ فَاُتِیَ بِهِ الْخَامِسَةَ فَقَالَ اقْتُلُوْهُ فَانْطَلَقْنَا بِهِ فَقَتَلْنَاهُ ثُمَّ اجْتَرَرْنَاهُ فَاَلْقَیْنَاهُ فِیْ بِئْرٍ وَرَمَیْنَا عَلَیْهِ الْحِجَارَةَ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَرَوٰی فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ فِیْ قَطْعِ السَّارِقِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اقْطَعُوْهُ ثُمَّ احْسِمُوْهُ۔

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک چور کو لایا گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا (دایاں) ہاتھ کاٹ دو، چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، دوبارہ اس کو پھر لایا گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ (اس کا بایاں پیر) کاٹ دو، چنانچہ (اس کا بایاں پاؤں) کاٹ دیا گیا، پھر تیسری مرتبہ اس کو لایا گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا (اس کا بایاں ہاتھ) کاٹ دو، چنانچہ اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر چوتھی مرتبہ لایا گیا تو فرمایا کہ (اس کا دایاں پیر) کاٹ دو، چنانچہ (اس کا دایاں پیر) کاٹ دیا گیا، اور پھر جب پانچویں مرتبہ اس کو لایا گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو مار ڈالو، چنانچہ ہم اس کو (پکڑ کر) لے گئے اور مار ڈالا، اس کے بعد ہم اس کی لاش کو کھینچتے ہوئے لائے اور کنوئیں میں ڈال کر اوپر سے پتھر پھینک دیئے (ابوداؤدؒ، نسائی) اور بغویؒ نے شرح السنۃ میں چور کے ہاتھ کاٹنے کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ "اس کا ہاتھ کاٹو اور پھر اس (ہاتھ کو داغ دو۔"

تشریح: "اور پھر اس کو داغ دو" کا مطلب یہ ہے کہ جس ہاتھ کو کاٹا گیا ہے اس کو گرم تیل یا گرم لوہے سے داغ دو تاکہ خون بند ہو جائے اگر داغا نہ جائے گا تو جسم کا تمام خون بہہ جائے گا اور چور ہلاک ہو جائے گا۔

خطابیؒ فرماتے ہیں کہ میرے علم میں ایسا کوئی فقیہ و عالم نہیں ہے جس نے چور کو مار ڈالنا مباح رکھا ہو خواہ وہ کتنی ہی بار چوری کیوں نہ کرے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی لا یحل دم امرء الا باحدی ثلث کے ذریعہ منسوخ ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس چور کو مار ڈالنے کا جو حکم دیا وہ سیاسی وانتظامی مصالح کی بناء پر تھا، چنانچہ امام وقت (حاکم) کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مفسدہ پردازوں، چور اچکوں اور ملکی امن وقانون کے مجرموں کی تعزیر میں اپنی رائے واجتہاد پر عمل کرے اور جس طرح چاہے ان کو سزا دے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہوا ہوگا کہ یہ شخص مرتد ہوگیا ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس کا خون مباح کردیا اور اس کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔
اسی طرح بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو اس بات پر محمول کرنا اولی ہے کہ وہ شخص چوری کو حلال جانتا تھا اس لئے بار بار اس کا ارتکاب کرتا تھا اسی وجہ سے اس کو اتنی سخت سزا دی گئی بہرکیف ان تاویلات میں سے کسی بھی ایک تاویل کو اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس کو مار ڈالنے کے بعد اس کی لاش کو اس طرح کھینچ کر کنویں میں ڈال دینا ہرگز مباح نہ ہوتا۔

چور کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دینے کا مسئلہ

⑫ وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ اُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَارِقٍ فَقُطِعَتْ يَدُهٗ ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَعُلِّقَتْ فِيْ عُنُقِهٖ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت فضالہ ابن عبیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا چنانچہ (آنحضرت ﷺ کے حکم سے) اس کا ہاتھ کاٹا گیا پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے (تاکہ اس سے دوسرے عبرت پکڑیں) چنانچہ وہ ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا۔" (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ سے یہ منقول ہے کہ چور کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دینا سنت ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ امام (حاکم) کی مرضی پر موقوف ہے کہ اگر وہ مناسب جانے تو چور کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دے، یہ سُنّت نہیں ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چور کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکایا ہو۔

جو غلام چوری کرنے لگے اس کو بیچ ڈالو

⑬ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَرَقَ الْمَمْلُوْكُ فَبِعْهُ وَلَوْ بِنَشٍّ۔
(رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا "اگر غلام چوری کرے تو اس کو بیچ ڈالو اگرچہ نش کے بدلے میں اس کو بیچنا پڑے۔" (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: نش نون کے زبر اور شین کے پیش کے ساتھ) نصف اوقیہ یعنی بیس درہم کو کہتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ چوری کرنے والے غلام کو بیچ ڈالو اگرچہ اس کو کتنی ہی کم قیمت میں کیوں نہ بیچنا پڑے کیونکہ چوری کا ارتکاب کرکے وہ "عیب دار" ہوگیا ہے اور عیب دار غلام کو اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں ہے۔
حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور اکثر اہل علم یہ فرماتے ہیں کہ اگر غلام چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے خواہ وہ بھگوڑا ہو یا غیر بھگوڑا۔ اس بارہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ اگر خاوند بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کا مال چرائے یا کوئی غلام اپنے مالک یا اپنے مالک کی بیوی اور یا اپنی مالکہ کے خاوند کے مال کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ عام طور پر خاوند بیوی کو ایک دوسرے کے مال پر اور غلام کو اپنے آقا اور اس کے گھروالوں کے مال واسباب پر خود ان کی اجازت سے دسترس حاصل ہوتی

ہے اس صورت میں "حرز" کی شرط پوری طرح نہیں پائی جاتی جو قطع ید کی سزا کے لئے ضروری ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

مجرم کو معاف کر دینے کا حق حاکم کو حاصل نہیں ہے

(۱۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَارِقٍ فَقَطَعَهُ فَقَالُوْا مَا كُنَّا نَرَاكَ تَبْلُغُ بِهٖ هٰذَا قَالَ لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةُ لَقَطَعْتُهَا۔ (رواه النسائی)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا اور جب آنحضرت ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمیں یہ خیال نہ تھا کہ آپ ﷺ اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمائیں گے (بلکہ ہمارا گمان تو یہ تھا کہ آپ اس کو معاف کر دیں گے) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا "اگر فاطمہ (بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کٹوا دیتا۔" (نسائی)

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ چور کوئی ایسا شخص تھا جس سے آنحضرت ﷺ کی کوئی قرابت تھی، یا آپ ﷺ کے متعلقین میں سے کوئی فرد تھا اور اسی وجہ سے صحابہؓ کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ نرمی اور رعایت کئے جانے کا امکان تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے واضح کر دیا کہ قطع ید کی سزا اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس کو نافذ کرنا مجھ پر واجب ہے، اس میں چشم پوشی کرنا نہ صرف یہ کہ عدل وانصاف کے منافی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور اس کے حق میں بے جا مداخلت کے مترادف بھی ہے اگر بالفرض میرے جگر کا ٹکڑا فاطمہؓ سے بھی یہ فعل صادر ہوتا تو میں اس پر بھی یہ سزا نافذ کرتا اور اس کے ہاتھ کٹوا دیتا۔

اگر غلام اپنے مالک کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى عُمَرَ بِغُلَامٍ لَهٗ فَقَالَ اقْطَعْ يَدَهٗ فَاِنَّهٗ سَرَقَ مِرْآةً لِامْرَأَتِيْ فَقَالَ عُمَرُ لَا قَطْعَ عَلَيْهِ وَهُوَ خَادِمُكُمْ اَخَذَ مَتَاعَكُمْ۔ (رواه مالک)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر فاروقؓ کے پاس اپنے غلام کو لے کر آیا اور کہا کہ اس کے ہاتھ کٹوا دیجئے کیونکہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرا لیا ہے، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "یہ قطع ید کا مستوجب نہیں ہے کیونکہ یہ تمہارا خدمت گار ہے اور تمہاری ہی چیز اس نے لی ہے۔" (مالکؒ)

تشریح: گویا حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلہ کے ذریعہ اس پر قطع ید کی سزا نافذ نہ کرنے کی علت و وجہ کی طرف اشارہ کیا اور وہ اذن (یعنی اجازت) کا پایا جانا ہے کہ تمہارے خادم ہونے کی حیثیت سے جب اس کو تمہارے ساتھ رہنے سہنے اور تمہارے مال واسباب کی دیکھ بھال کرنے کی اجازت حاصل ہے اور اس اعتبار سے تمہارے اور تمہارے گھر کا مال خود تمہاری مرضی سے اس کی دسترس میں ہے تو اس صورت میں "احراز یعنی مال کا غیر کی دسترس سے محفوظ ہونا" نہ رہا اور جب "احراز" نہ رہا تو پھر یہ قطع ید کا سزاوار بھی نہیں ہوگا چنانچہ حنفیہ اور حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے جب کہ دوسرے علماء کا مسلک اس کے برخلاف ہے۔

کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے یا نہیں؟

(۱۶) وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ كَيْفَ اَنْتَ اِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ يَكُوْنُ الْبَيْتُ فِيْهِ بِالْوَصِيْفِ يَعْنِي الْقَبْرَ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّبْرِ قَالَ

حَمَّادُ بْنُ اَبِی سُلَیْمَانَ تُقْطَعُ یَدُ النَّبَّاشِ لِاَنَّهٗ دَخَلَ عَلَی الْمَیِّتِ بَیْتَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا "اے ابوذرؓ!" میں نے عرض کیا "میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! اور فرمانبردار ہوں، فرمایئے کیا ارشاد ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "تم اس وقت کیا کرو گے جب لوگوں کو موت (یعنی کوئی وبا) اپنی لپیٹ میں لے لے گی (کیا) اس وقت تم موت سے بھاگ کھڑے ہوگے یا صبرواستقامت کی راہ اختیار کرو گے؟" اور گھر یعنی قبر کی جگہ ایک غلام کے برابر ہو جائے گی (یعنی اس وقت وبا کی وجہ سے اتنی کثرت سے اموات ہوں گی کہ ایک ایک قبر کی جگہ ایک ایک غلام کی قیمت کے برابر خریدی جائے گی میں نے عرض کیا اس کے بارے میں اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں (یعنی میں نہیں جانتا کہ اس وقت میرا کیا ہوگا، آیا میں صبرواستقامت کی راہ اختیار کروں یا اپنا مسکن چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "اس وقت تم پر صبر لازم ہے" حضرت حماد ابن سلمہ کہتے ہیں کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے کیونکہ وہ میت کے گھر میں داخل ہوا ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: حضرت حماد ابن ابوسلیمان نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے بظاہر بڑا لطیف نکتہ پیدا کیا اور یہ استدلال کیا کہ آنحضرت ﷺ نے چونکہ قبر کو گھر" کہا ہے اس طرح گھر کی طرح قبر بھی "حرز" ہوئی جیسے اور کوئی شخص گھر میں سے کوئی چیز چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے ایسے ہی اگر کوئی شخص قبر میں سے کفن چرائے گا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت حمادؓ کا یہ استدلال مضبوط نہیں ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جگہ "حرز" کے حکم میں ہو جس پر "گھر" کا اطلاق ہوتا ہو مثال کے طور پر فرض کیجئے اگر کوئی شخص کسی ایسے گھر میں سے کچھ مال چراتا ہے جس کا دروازہ بند نہ ہو یا جس میں کوئی نگہبان موجود نہ ہو تو متفقہ طور پر تمام علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اگرچہ اس نے ایک گھر کے اندر سے مال کی چوری کی ہے مگر اس گھر کے عدم محفوظ ہونے کی وجہ سے وہ "حرز" نہیں رہا، اور جب اس صورت میں "حرز" کی شرط نہیں پائی گئی تو اس پر قطع ید کی سزا بھی نافذ نہیں ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح "قبر" کو اگرچہ "گھر" فرمایا گیا ہے لیکن چونکہ وہ "حرز" یعنی محفوظ نہیں ہے اس لئے اس میں سے کفن چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا کفن چور پر نافذ نہیں ہوگی جب کہ تینوں ائمہ اور حنفیہ میں سے) حضرت امام ابویوسفؒ کا قول یہ ہے کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا اس مسئلہ کی باقی تفصیل "مرقات" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

بَابُ الشَّفَاعَةِ فِی الْحُدُوْدِ

حدود کے مقدمہ میں سفارش کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے یہ معلوم ہوگا کہ امام یعنی حاکم کو سفارش کرنا کہ وہ فلاں مجرم کو معاف کردے اور اس پر حد جاری نہ کرے، جائز ہے یا نہیں اور یہ کہ حاکم اس سفارش کو قبول کرنے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حدود میں سفارش نہیں قبول کی جا سکتی

(۱) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ قُرَیْشًا اَهَمَّهُمْ شَانُ الْمَرْاَةِ الْمَخْزُوْمِیَّةِ الَّتِیْ سَرَقَتْ فَقَالُوْا وَمَنْ یُّکَلِّمُ فِیْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا وَمَنْ یَّجْتَرِئُ عَلَیْهِ اِلَّا اُسَامَةُ بْنُ زَیْدٍ حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَکَلَّمَهٗ اُسَامَةُ فَقَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَاِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَتْ كَانَتِ امْرَاَةٌ مَخْزُوْمِيَّةٌ تَسْتَعِيْرُ الْمَتَاعَ وَتَجْحَدُهُ فَاَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَطْعِ يَدِهَا فَاَتٰى اَهْلُهَا اُسَامَةَ فَكَلَّمُوْهُ فَكَلَّمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا ثُمَّ ذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِنَحْوِ مَا تَقَدَّمَ۔

"حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ (ایک مرتبہ) قریشی صحابہؓ ایک مخزومی عورت کے بارے میں بہت فکر مند تھے جس نے چوری کی تھی (اور لوگوں سے عاریۃً) سامان لے کر مکر بھی جاتی تھی اور آنحضرت ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا) ان قریشی صحابہؓ نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اس عورت کے مقدمہ میں کون شخص آنحضرت ﷺ سے گفتگو (یعنی سفارش) کر سکتا ہے، اور پھر انہوں نے یہ کہا کہ حضرت اسامہ ابن زیدؓ سے رسول کریم ﷺ کو بہت محبت و تعلق ہے اس لئے اس بارہ میں آپ سے کچھ کہنے کی جرأت اسامہ کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہو سکتی (چنانچہ ان سب نے حضرت اسامہؓ کو اس پر تیار کیا کہ وہ اس عورت کے بارہ میں آنحضرت ﷺ سے گفتگو کریں) حضرت اسامہؓ نے (ان لوگوں کے کہنے پر) آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی، رسول کریم ﷺ نے (ان کی بات سن کر) فرمایا کہ "تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو!؟" اور پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور (حمد و ثنا کے بعد اس خطبہ میں) فرمایا کہ "تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں ان کو اسی چیز نے ہلاک کیا کہ ان میں سے اگر کوئی شریف آدمی (یعنی دنیاوی عزت و طاقت رکھنے والا) چوری کرتا تو وہ اس کو (سزا دیئے بغیر) چھوڑ دیتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی کمزور و غریب آدمی چوری کرتا تو سزا دیتے تھے، قسم ہے خدا کی! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں۔" (بخاری و مسلم) اور مسلمؒ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا "ایک مخزومی عورت (کی یہ عادت) تھی کہ وہ لوگوں سے عاریۃً کوئی چیز لیتی اور پھر اس سے انکار کر دیتی تھی، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنے کا حکم دے دیا (جب) اس عورت کے اعزا (کو اس کا علم ہوا تو وہ) حضرت اسامہؓ کے پاس آئے اور ان سے اس بارے میں گفتگو کی (کہ وہ آنحضرت ﷺ سے سفارش کریں) اور پھر حضرت اسامہؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس کے متعلق عرض کیا۔" اس کے بعد حدیث کے وہی الفاظ مذکور ہیں جو اوپر کی حدیث میں نقل کئے گئے ہیں"

تشریح: حدیث میں جس عورت کا ذکر کیا گیا ہے اس کا نام فاطمہ بنت اسود ابن عبد الاسد تھا اور وہ حضرت ابو سلمہؓ کے بھائی کی بیٹی تھی، چونکہ وہ بنی مخزوم سے تھی جو قریش کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔ اس لئے قبیلہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کو "مخزومیہ" کہا گیا ہے۔

اس حدیث کے بموجب تمام علماء کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ جب حد کا کوئی قضیہ امام (حاکم) کے پاس پہنچ جائے تو اس کے بعد مجرم کے حق میں امام سے سفارش کرنا بھی حرام ہے اور کسی دوسرے سے سفارش کرانا بھی حرام ہے۔ ہاں امام کے پاس قضیہ پہنچنے سے پہلے سفارش کرنے کرانے کی اکثر علماء نے اجازت دی ہے بشرطیکہ جس شخص کے حق میں سفارش کی جائے وہ شریف اور لوگوں کو ایذا پہنچانے والا نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی ایسے جرم و گناہ کا ارتکاب کیا ہو جس میں حد جاری نہ ہوتی ہو بلکہ "تعزیر" نافذ ہوتی ہو تو اس کے حق میں سفارش کرنا اور سفارش کرانا بہر صورت جائز ہے خواہ اس کا قضیہ امام کے پاس پہنچ چکا ہو یا نہ پہنچا ہو کیونکہ ایسی صورت میں سفارش کرنا نہ صرف یہ کہ آسان ہے بلکہ مستحب بھی ہے بشرطیکہ جس شخص کے حق میں سفارش کی جائے وہ کوئی شریف اور لوگوں کو ایذا پہنچانے والا نہ ہو۔

مسلمؒ کی جو دوسری روایت نقل کی گئی ہے اس کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو اس جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا دی تھی کہ وہ لوگوں سے عاریۃً چیزیں لے کر مکر جاتی تھی حالانکہ یہ واقعہ کے بھی خلاف ہے اور شرعی مسئلہ کے بھی منافی ہے، چنانچہ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری روایت میں "انکار کا ذکر محض اس عورت کا حال بتانے کے لئے ہے کہ وہ عورت اس قسم کی تھی

اور اس کو قطع ید کی جو سزا دی گئی اس کا تعلق اس کے چوری کے جرم سے تھا جیسا کہ پہلی روایت (جس کو بخاری و مسلم دونوں نے نقل کیا ہے) میں بیان ہوا۔ گویا حاصل یہ نکلا کہ دوسری روایت لفظ و تجحده کے بعد لفظ فسرقت مقدر ہے، یعنی یہ لفظ "فسرقت" اگرچہ عبارت میں نہیں ہے مگر اس کے معنی مراد لئے جائیں گے۔ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص کسی سے عاریۃً کوئی چیز لے کر اس سے مکر جائے اس کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی جب کہ حضرت امام احمدؒ اور اسحقؒ کا قول یہ ہے کہ ایسے شخص کا بھی ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔

هٰذا الباب خالٍ عن الفصل الثاني۔ اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حد میں سفارش کرنے والا گویا خدا کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہے

(۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُوْنَ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ وَمَنْ خَاصَمَ فِيْ بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُهُ لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ تَعَالٰى حَتّٰى يَنْزِعَ وَمَنْ قَالَ فِيْ مُؤْمِنٍ مَالَيْسَ فِيْهِ اَسْكَنَهُ اللّٰهُ رَدْغَةَ الْخَبَالِ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبَيْهَقِيِّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مَنْ اَعَانَ عَلٰى خُصُوْمَةٍ لَا يَدْرِيْ اَحَقٌّ اَمْ بَاطِلٌ فَهُوَ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ۔

"حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جس شخص کی سفارش اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے درمیان حائل ہو (یعنی جو شخص اپنی سفارش کے ذریعہ حاکم کو نفاذ حد سے روکے) اس نے اللہ تعالیٰ سے ضد کی (اور گویا اس طرح اس نے اللہ تعالیٰ کی خلاف ورزی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ حد جاری کی جائے) اور جو شخص جانتے ہوئے بھی کسی ناحق اور جھوٹی بات میں کسی سے جھگڑتا ہے) تو وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے غضب میں رہتا ہے جب تک کہ اس سے باز نہ آجائے۔ اور جس نے کسی مؤمن کے بارے میں کوئی ایسی بات کہی جو اس میں نہیں پائی جاتی (یعنی کسی مؤمن کو کوئی عیب لگائے یا اس کی طرف کسی غلط بات کی تہمت کر کے اس کو نقصان پہنچائے) تو اس کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک دوزخیوں کے کیچڑ، پیپ اور خون میں رکھے گا جب تک کہ وہ اپنی کہی ہوئی بات سے نہ نکل آئے یعنی جب تک کہ وہ توبہ کر کے اس گناہ سے نہ نکل آئے وہ دوزخیوں کی سی حالت میں رہے گا، یا یہ کہ جب تک کہ وہ اس گناہ کا عذاب کو بھگت کر پاک نہ ہو جائے دوزخیوں کے درمیان رہے گا) اس روایت کو احمدؒ اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "جو شخص کسی ایسے جھگڑے میں مدد کرے جس کے حق و ناحق ہونے کا اس کو علم نہیں تو جب تک کہ وہ اپنی مدد سے باز نہ آجائے اللہ تعالیٰ کے غضب میں رہے گا۔"

اقرار جرم پر چوری کی سزا

(۳) وَعَنْ اَبِيْ اُمَيَّةَ الْمَخْزُوْمِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِلِصٍّ قَدِ اعْتَرَفَ اعْتِرَافًا وَلَمْ يُوْجَدْ مَعَهُ مَتَاعٌ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اِخَالُكَ سَرَقْتَ قَالَ بَلٰى فَاَعَادَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا كُلَّ ذٰلِكَ يَعْتَرِفُ فَاَمَرَ بِهٖ فَقُطِعَ فَجِيْئَ بِهٖ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ اِلَيْهِ فَقَالَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ ثَلَاثًا۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ هٰكَذَا وَجَدْتُ فِي الْاُصُوْلِ الْاَرْبَعَةِ وَجَامِعِ الْاُصُوْلِ وَشُعَبِ الْاِيْمَانِ وَمَعَالِمِ السُّنَنِ عَنْ اَبِيْ اُمَيَّةَ وَفِيْ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ اَبِيْ رِمْثَةَ بِالرَّاءِ وَالثَّاءِ الْمُثَلَّثَةِ بَدَلَ الْهَمْزَةِ وَالْيَاءِ۔

"اور حضرت ابوامیہ مخزومیؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک چور کو پیش کیا گیا جس نے اپنے جرم کا صریح

اعتراف واقرار کیا لیکن (چوری کے مال میں سے) کوئی چیز اس کے پاس نہیں نکلی چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ "میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چوری کی ہے" انہوں نے کہا کہ "ہاں! میں نے چوری کی ہے" آنحضرت نے دو بار یا تین بار یہ کہا (کہ میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چوری کی ہے) مگر وہ ہر بار یہ اعتراف و اقرار کرتا تھا (کہ میں نے چوری کی ہے) آخر کار آنحضرت ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم جاری کیا پھر کٹنے کے بعد) اس کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو رسول کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ "(اپنی زبان کے ذریعہ) اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو (اور اپنے دل کے ذریعہ) اس کی طرف متوجہ ہو۔" اس نے کہا میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں (یعنی توبہ کرتا ہوں) رسول کریم ﷺ نے تین بار فرمایا "اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔" (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ دارمی) اور (صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس روایت کو ان چاروں اصل کتابوں (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) میں جامع الاصول میں، اور بیہقیؒ کی شعب الایمان میں، اور خطابی کی معالم السنن میں اسی طرح یعنی ابوامیہؓ سے منقول پایا ہے لیکن مصابیح کے بعض نسخوں میں اس روایت میں ابورمثہ (ہمزہ اور یا کی بجائے را مکسورہ اور ثا مثلثہ کے ساتھ) منقول ہے مگر حضرت شیخ حافظ ابن حجر عسقلانی نے وضاحت کی ہے کہ اس روایت کا ابورمثہ سے منقول ہونا غلط ہے، اور ابورمثہؓ اگرچہ صحابی ہیں لیکن یہ روایت ان سے منقول نہیں ہے۔"

تشریح: "اس ارشاد میں "میں خیال نہیں کرتا الخ" سے آنحضرت ﷺ کا منشاء یہ تھا کہ وہ شخص اپنے اعتراف سے رجوع کرے تاکہ اس پر سے حد ساقط ہو جائے اور اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ زنا کا اقرار کرنے والوں کے سامنے اس طرح کے جملے ارشاد فرماتے تھے جن کا مقصد "تلقین عذر" ہوتا تھا۔ یہ حضرت امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اس طرح کی "تلقین عذر" اور "تلقین رجوع" صرف زنا کی حد کے ساتھ مخصوص ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو جو استغفار کا حکم دیا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص پر حد جاری ہوئی ہے اس کو وہ حد بالکل (یعنی تمام گناہوں سے) پاک نہیں کرتی بلکہ اس کے اسی اصل گناہ کو ختم کرتی ہے جس کی وجہ سے اس پر حد جاری ہوئی ہے کہ حد جاری ہو جانے کے بعد وہ پروردگار کی جانب سے اس کے سبب دوبارہ عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔

بَابُ حَدِّ الْخَمْرِ
شراب کی حد کا بیان

شراب کی حرمت: شراب جس کو "ام الخبائث" کہا گیا ہے، بعثت نبوی ﷺ سے پہلے ہی جزو زندگی کا درجہ رکھتی تھی اس لئے بعثت نبوی کے بعد ابتداء اسلام میں بھی اس کا رواج برقرار رہا، اور عام طور پر لوگ اس کو پینے پلانے میں مبتلا رہے لیکن اس کی برائی اور اس کے نقصان کی وجہ سے مسلمانوں کے دل میں کھٹک بھی پیدا ہوتی تھی، اور حضرت عمرؓ کے قول انها تذهب المال و تذهب العقل (یہ شراب مال کو بھی برباد کرتی ہے اور عقل کو بھی ختم کرتی ہے) کے پیش نظر لوگوں میں یہ احساس تمنا بھی روز بروز بڑھتا جاتا تھا کہ اس کی اباحت جتنی جلد ختم ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے، ادھر چونکہ پوری سوسائٹی اس لعنت میں گرفتار تھی اور یہ ایک ایسی عادت تھی جس کی جڑیں پورے معاشرہ میں بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں اس لئے مصلحت شریعت یہ تھی کہ اس کی حرمت کا نفاذ دفعتاً کرنے کی بجائے بتدریج روبہ عمل لایا جائے اور عام لوگوں کے دلوں میں اس کی نفرت اس طرح جاگزیں کی جائے کہ شریعت کا مقصد بھی پورا ہو جائے اور لوگ اس لعنت سے بھی نجات پا جائیں، چنانچہ جب کچھ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے شراب کے بارے میں دریافت کیا تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔

"(اے محمد ﷺ) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور (بظاہر) ان میں لوگوں کے لئے کچھ فائدے ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدوں سے بہت بڑھا ہوا ہے۔"

جو سعید روحیں پہلے ہی سے شراب کے مضر اثرات کا احساس رکھتی تھیں اور جو لوگ اس کی برائی سے طبعاً بیزار تھے ان کے لئے تو بس اتنا ہی کافی تھا کہ قرآن کریم نے "شراب" کو گناہ کہہ دیا لہٰذا انہوں نے شراب نوشی قطعاً ترک کر دی، لیکن چونکہ اس آیت میں شراب کی حرمت کا کوئی واضح اور قطعی حکم نہیں ہے اس لئے لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے مے نوشی کا مشغلہ بدستور جاری رکھا۔ اور پھر اس سلسلہ میں یہ دوسری آیت نازل ہوئی:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔

"اے ایمان والو! تم ایسی حالت میں نماز کے پاس مت جاؤ کہ تم نشہ کی حالت میں مست ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔"

اس آیت نے شراب نوشی کے جاری مشغلہ پر ایک اور ضرب لگائی، اور نماز کے اوقات میں شراب نوشی بالکل ترک کر دی گئی البتہ نماز کے علاوہ اوقات میں بعض لوگوں کے یہاں اب بھی شراب نوشی کا مشغلہ بند نہیں ہوا اور آخر کار ۳ھ میں یہ تیسری آیت نازل ہوئی جس میں حرمت شراب کو واضح کر دیا گیا:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

"اے ایمان والو! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شراب اور جوا اور بت اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی چیزیں شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد شراب نوشی بالکل بند ہو گئی، شراب کے مٹکے توڑ ڈالے گئے اور شراب مدینہ کی گلیوں میں پانی کی طرح بہنے لگی اور اس شراب کی حرمت کا حکم نافذ ہو گیا۔

شراب نوشی کی سزا: تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن و سنت کے حکم اور اجماع اُمت کے مطابق شراب حرام ہے اور جو شخص شراب پئے وہ "حد" (شرعی سزا) کا مستوجب ہے جو جمہور علماء کے قول کے مطابق "اسی ۸۰ کوڑے مارنا" ہے حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے اور حضرت امام شافعیؒ اور کچھ دوسرے علماء کے قول کے مطابق "چالیس کوڑے مارنا" ہے

سزا کا نفاذ: اگر کوئی شخص شراب پئے اگرچہ اس نے ایک ہی قطرہ پی ہو اور پھر اس کو حاکم وقاضی کے سامنے پیش کیا جائے اور اس وقت شراب کی بو موجود ہو یا اس کو نشے کی حالت میں پیش کیا گیا ہو اگرچہ وہ نشہ نبیذ پینے کی وجہ سے ہو اور دو شخص اس کی شراب نوشی کی گواہی دیں یا وہ خود اپنی شراب نوشی کا ایک مرتبہ اور امام ابویوسفؒ کے قول کے مطابق دو مرتبہ اقرار کرے نیز یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنی خوشی سے شراب پی ہے کسی کی زبردستی سے نہیں پی ہے تو اس پر حد جاری کی جائے یعنی اگر وہ شخص آزاد ہو تو اس کو اسی ۸۰ کوڑے مارے جائیں اور اگر غلام ہو تو چالیس کوڑے مارے جائیں اور یہ کوڑے اس وقت مارے جائیں جب کہ اس کا نشہ ختم ہو جائے نیز زنا کی حد اور اس حد میں بھی اس طرح کوڑے مارے جائیں کہ بدن کے مختلف حصوں پر چوٹ آئے یعنی پورے کوڑے بدن کے کسی ایک ہی حصہ پر نہ مارے جائیں بلکہ مختلف حصوں پر مارے جائیں۔

اگر کسی شخص نے اپنی شراب نوشی کا اقرار اس وقت کیا جب کہ شراب کی بو ختم ہو گئی ہو یا دو آدمیوں نے کسی کی شراب نوشی کی گواہی اس وقت دی جب کہ بو ختم ہو گئی ہو تو اس پر حد جاری نہ کی جائے اس طرح اگر کسی شخص میں صرف شراب کی بو پائی گئی یا اس نے صرف شراب کی قے کی، یا اس نے پہلے تو اپنی شراب نوشی کا اقرار کیا مگر بعد میں مکر گیا۔ اور یا اس نے نشے کی حالت میں اقرار کیا تو ان صورتوں میں بھی اس پر حد جاری نہ کی جائے۔

واضح رہے کہ جو نشہ حد کو واجب کرتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ شخص مرد و عورت اور زمین و آسمان کے درمیان امتیاز نہ کر سکے۔ لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ "نشہ" سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص ہزیان اور واہی تباہی باتیں بکنے لگے۔ حنفی مسلک میں فتویٰ اسی قول پر ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں شراب نوشی کی سزا

① وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ فِی الْخَمْرِ بِالْجَرِیْدِ وَالنِّعَالِ وَجَلَدَ اَبُوْبَکْرٍ اَرْبَعِیْنَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَضْرِبُ فِی الْخَمْرِ بِالنِّعَالِ وَالْجَرِیْدِ اَرْبَعِیْنَ۔

"حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شراب نوشی کی حد (سزا میں کھجور کی ٹہنیوں (چھڑیوں) اور جوتوں سے مارا (یعنی مارنے کا حکم دیا) اور حضرت ابوبکرؓ نے (اپنے دور خلافت میں شراب پینے والے کو چالیس کوڑے مارے۔" (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں حضرت انسؓ ہی سے یوں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ شراب نوشی کی حد (سزا) میں چالیس کھجور کی ٹہنیوں اور جوتوں سے مارتے تھے یعنی مارنے کا حکم دیتے تھے۔"

تشریح: پہلی روایت میں تو حد کا ذکر عدد کے تعین کے بغیر ہے اس اعتبار سے وہ مجمل ہے جس کی وضاحت دوسری روایت نے کی ہے۔ جس میں عدد کا تعین کیا گیا ہے اور وہ چالیس ہے چنانچہ یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی دلیل ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں مے نوشی کی شرعی سزا اسی کوڑے مارنا بیان کیا گیا ہے ملا علی قاریؒ نے ان احادیث کو اپنی کتاب مرقات میں نقل کیا ہے۔

اسی کوڑے کی سزا عہد صحابہ میں متعین ہوئی ہے

② وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ یُؤْتٰی بِالشَّارِبِ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِمْرَۃِ اَبِیْ بَکْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَۃِ عُمَرَ فَنَقُوْمُ عَلَیْہِ بِاَیْدِیْنَا وَنِعَالِنَا وَاَرْدِیَتِنَا حَتّٰی کَانَ اٰخِرُ اِمْرَۃِ عُمَرَ فَجَلَدَ اَرْبَعِیْنَ حَتّٰی اِذَا عَتَوْا وَفَسَقُوْا جَلَدَ ثَمَانِیْنَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت سائب ابن یزید کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک میں حضرت ابوبکرؓ کے ایام خلافت میں اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت کے ابتدائی دور میں یہ معمول تھا کہ جب کوئی شراب پینے والا لایا جاتا تو ہم اٹھ کر اس کو اپنے ہاتھوں اپنے جوتوں اور اپنی چادروں سے یعنی چادروں سے کوڑے بنا کر اس کی پٹائی کرتے پھر حضرت عمر فاروقؓ اپنی خلافت کے آخری دور میں، چالیس کوڑے مارنے کی سزا دینے لگے یہاں تک کہ جب شراب پینے والوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا اور سرکشی بڑھ گئی تو حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے کی سزا متعین کی۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت سائب ابن یزید کی مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس وقت شراب نوشی کی حد کا نفاذ عدد کے تعین کئے بغیر ہوتا تھا لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان کی مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس زمانہ میں شراب پینے کی سزا چالیس کوڑوں سے بھی کم تھی جیسا کہ ان کے قول پھر حضرت عمر فاروقؓ اپنی خلافت کے دور میں چالیس کوڑے مارنے کی سزا دینے لگے سے ثابت ہوتا ہے۔

بہر کیف اس حدیث سے واضح ہوا کہ شراب کی حد کے طور پر اسی کوڑے کی سزا عہد نبوی ﷺ میں نافذ نہیں تھی بلکہ عہد صحابہ میں طے پائی ہے چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے شراب کے معاملہ میں بڑھتی ہوئی سرکشی کو دیکھتے ہوئے اور قانونی و انتظامی مصالح کے پیش نظر

شراب پینے والے کو اسی ۸۰ کوڑے مارنے کی سزا متعین کی اور اسی پر تمام صحابہ کا اجماع و اتفاق ہو گیا لہٰذا اب کسی کے لئے جائز نہیں ہے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شراب پینے والے کو چالیس کوڑے کی سزا دی اور اس سزا کو حضرت عمر فاروقؓ نے کامل کیا بایں طور کہ انہوں نے اسی کوڑے کی سزا متعین کی اور اگرچہ سب سُنّت ہے لیکن اسی کوڑے ہی پر اجماع و اتفاق ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

شرابی کو قتل کردینے کا حکم منسوخ ہے

(۳) عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ قَالَ ثُمَّ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ فِي الرَّابِعَةِ فَضَرَبَهُ وَلَمْ يَقْتُلْهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ وَفِيْ أُخْرٰى لَهُمَا وَلِلنَّسَائِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيِّ عَنْ نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ ابْنُ عُمَرَ وَمُعَاوِيَةُ وَأَبُوْهُرَيْرَةَ وَالشَّرِيْدُ إِلٰى قَوْلِهٖ فَاقْتُلُوْهُ۔

"حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص شراب پئے اس کو کوڑے مارو اور جو شخص بار بار پئے یہاں تک کہ چوتھی مرتبہ پیتا ہوا پایا جائے تو اس کو قتل کر ڈالو حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کے بعد ایک دن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کیا گیا جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تھی تو آپ ﷺ نے اس کی پٹائی کی اور اس کو قتل نہیں کیا۔ (ترمذی) ابوداؤد کی ایک اور روایت میں اور نسائی، ابن ماجہ اور داری کی روایت میں جو انہوں نے رسول کریم ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت سے نقل کی ہے جس میں حضرت ابن عمرو، حضرت معاویہ، حضرت ابوہریرہ اور حضرت شریدؓ بھی شامل ہیں یہ حدیث لفظ فاقتلوہ تک منقول ہے یعنی ان روایتوں میں ثُمَّ أُتِيَ الخ کی عبارت نہیں ہے۔"

تشریح: تو اس کو قتل کر ڈالو اس حکم سے یا تو یہ مراد ہے کہ اس شخص کی بہت پٹائی کرو اور خوب مارو، یا پھر یہ کہ آپ ﷺ نے یہ حکم زجر تہدید کے طور پر اور قانونی و انتظامی مصالح کے پیش نظر دیا تھا اس کا تعلق کسی مستقل قانون اور وجوب سے نہیں تھا نیز بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم تھا مگر بعد میں منسوخ ہو گیا۔

اس کو قتل نہیں کیا اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قتل کردینے کا حکم یا تو زجر و تہدید اور قانونی و انتظامی مصلحتوں کی بناء پر تھا یا پہلے تو یہی حکم تھا مگر بعد میں آپ نے خود اپنے اس عمل سے کہ اس کو قتل نہیں کیا یہ حکم منسوخ قرار دے دیا۔

نوویؒ نے امام ترمذی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میری کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ اور کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس کو متروک العمل قرار دینے پر پوری اُمت کا اجماع و اتفاق ہو ان دونوں میں سے ایک حدیث تو وہ ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی خوف و دہشت یا بارش نہ ہو تب بھی جمع بین الصلوتین کی اجازت ہے اور دوسری حدیث یہ ہے جس میں چوتھی بار شراب پینے والے کو قتل کردینے کا حکم ہے گویا امام ترمذی کے اس قول کو نقل کرنے کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ یہ حدیث جس میں چوتھی بار شراب پینے والے کو قتل کردینے کا حکم ہے منسوخ ہے اور اس کی منسوخی پر سب کا اتفاق و اجماع ہے۔

شرابی کی تحقیر

(۴) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَزْهَرَ قَالَ كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَقَالَ لِلنَّاسِ اضْرِبُوْهُ فَمِنْهُمْ مَنْ ضَرَبَهُ بِالنِّعَالِ وَمِنْهُمْ مَنْ ضَرَبَهُ بِالْعَصَا وَمِنْهُمْ مَنْ ضَرَبَهُ بِالْمِيْتَخَةِ قَالَ ابْنُ

وَهْبٍ يَعْنِي الْجَرِيدَةَ الرَّطْبَةَ ثُمَّ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرَابًا مِنَ الْاَرْضِ فَرَمٰى بِهٖ فِيْ وَجْهِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن ازہر کہتے ہیں کہ گویا وہ منظر اس وقت بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ ایک دن رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کیا گیا جس نے شراب پی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی پٹائی کرو چنانچہ ان لوگوں میں سے بعض نے اس کو جوتوں سے مارا اور بعض نے کھجور کی ٹہنی (چھڑی) سے مارا۔ حضرت ابن وہبؒ جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن نے میتخہ سے کھجور کی ہری ٹہنی جس پر پتے نہ ہوں یعنی چھڑی مراد لی تھی۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ جب سب لوگ اس شرابی کی پٹائی کر چکے تو آنحضرت ﷺ نے زمین سے مٹی اٹھائی اور اس کے منہ پر پھینک دی اس کے منہ پر مٹی پھینک کر گویا آپ ﷺ نے اس کے تئیں حقارت کا اظہار کیا کیونکہ اس نے شراب پی کر ایک بہت ہی شنیع فعل کا ارتکاب کیا تھا۔" (ابوداؤد)

شرابی کو سزا دو اس کو عار دلاؤ لیکن اس کے حق میں بددعا نہ کرو

(۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَقَالَ اضْرِبُوْهُ فَمِنَّا الضَّارِبُ بِيَدِهٖ وَالضَّارِبُ بِثَوْبِهٖ وَالضَّارِبُ بِنَعْلِهٖ ثُمَّ قَالَ بَكِّتُوْهُ فَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِ يَقُوْلُوْنَ مَا اتَّقَيْتَ اللّٰهَ مَا خَشِيْتَ اللّٰهَ وَمَا اسْتَحْيَيْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ اَخْزَاكَ اللّٰهُ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا هٰكَذَا لَا تُعِيْنُوْا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی آنحضرت ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ اس کی پٹائی کرو۔ چنانچہ ہم میں سے بعض نے اپنی جوتیوں سے اس کی پٹائی کی پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب زبان سے اس کو تنبیہ کردو اور عار دلاؤ۔ چنانچہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے کہنا شروع کیا کہ تو نے اللہ کی مخالفت سے اجتناب نہیں کیا تو خدا سے نہیں ڈرا اور تو رسول اللہ ﷺ کی متابعت ترک کرنے یا اس حالت میں آپ کے سامنے آنے سے بھی نہیں شرمایا۔ اور پھر جب بعض لوگوں نے یہ کہا اللہ تعالیٰ تجھ کو (دنیا و آخرت دونوں جگہ یا آخرت میں) ذلیل و رسوا کرے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح نہ کہو اور اس پر شیطان کے غالب ہو جانے میں مدد نہ کرو بلکہ یوں کہو کہ اے اللہ! اس کا گناہ مٹا کر اس کو بخش دے اور اس کو طاعت و نیکی کی توفیق عطا فرما کر اس پر رحم کر یا اس کو دنیا میں بخش دے اور عاقبت میں اس پر اپنا رحم فرما۔" (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے زبان سے تنبیہ کرنے کا جو حکم دیا وہ استحباب کے طور پر تھا جب کہ آپ ﷺ کا پہلا حکم کہ اس کی پٹائی کرو وجوب کے طور پر تھا۔

اس پر شیطان کے عذاب ہو جانے میں مدد نہ کرو کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی بددعا کر کے شیطان کی اعانت نہ کرو کیونکہ جو اللہ تعالیٰ اسکو ذلیل و رسوا کر دے گا تو اس پر شیطان کا تسلط ہو جائے گا یا جب وہ تم کو یہ بددعا کرتے ہوئے سنے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید و مایوس ہو جائے گا اور یہ مایوسی و ناامیدی اس کو گناہوں میں منہمک رکھے گی اس طرح اس پر اپنا غلبہ رکھنے کا شیطان کا مقصد بھی پورا ہو گا اور اس کا گناہوں پر اصرار و تکرار اللہ کے غضب کا سبب بھی ہو گا لہٰذا اس اعتبار سے تمہاری بددعا شیطان کے بہکانے میں مددگار ہوگی۔

بلکہ یوں کہو اس حکم کا مطلب یا تو یہ تھا کہ شروع ہی میں اس کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کرنی چاہئے یا یہ کہ اب اس کے لئے دعاء مغفرت و رحمت کرو، اور زیادہ صحیح یہی بات ہے کیونکہ شروع میں تو اس کو عار دلانا مطلوب تھا اور ظاہر ہے کہ اس دعا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ کے ساتھ عار دلانے یا اس کو تنبیہ کرنے کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

ثبوت جرم کے بغیر سزا نہیں

⑥ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَرِبَ رَجُلٌ فَسَكِرَ فَلُقِيَ يَمِيْلُ فِي الْفَجِّ فَانْطُلِقَ بِهِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا حَاذٰى دَارَ الْعَبَّاسِ اِنْفَلَتَ فَدَخَلَ عَلَى الْعَبَّاسِ فَالْتَزَمَهٗ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ فَقَالَ اَفَعَلَهَا وَلَمْ يَاْمُرْ فِيْهِ بِشَيْءٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے شراب پی اور بدمست ہو گیا یہاں تک کہ لوگوں نے اس کو راستہ میں اس حال میں پایا کہ وہ جھومتا چلا جاتا تھا جیسا کہ شرابیوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ نشہ کی حالت میں لڑکھڑاتے جھومتے راستہ چلتے ہیں، چنانچہ لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لے چلے، لیکن جب وہ حضرت عباسؓ کے مکان کے قریب پہنچا تو لوگوں کے ہاتھ سے چھٹ گیا اور حضرت عباسؓ کے پاس پہنچ کر ان سے چمٹ گیا یعنی اس نے اس طرح حضرت عباسؓ سے سفارش اور پناہ چاہی جب نبی کریم ﷺ سے یہ بیان کیا گیا تو آپ ﷺ ہنس دیئے اور فرمایا کیا اس نے ایسا کیا اور پھر آپ ﷺ نے اس کے بارہ کوئی حکم نہیں دیا۔"

(ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے نہ تو اس شخص پر حد جاری کرنے کا حکم دیا اور نہ اس کو کوئی دوسری سزا دی اس کا سبب یہ تھا کہ اس کا شراب پینا نہ تو خود اس کے اقرار سے اور نہ عادل گواہوں کی گواہی کے ذریعہ ثابت ہوا۔ اگر وہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر اپنی شراب نوشی کا اعتراف و اقرار کرتا یا گواہوں کے ذریعہ اس کی شراب نوشی کا جرم ثابت ہوتا تو یقیناً اس پر حد جاری کرنے کا حکم دیا جاتا۔ اور جہاں تک اس شخص کا راستہ میں نشہ کی حالت میں پائے جانے کا تعلق ہے تو یہ مسئلہ ہے کہ شرعی قانون کی نظر میں کسی شخص کا محض راستہ میں لڑکھڑاتے اور جھومتے ہوئے چلنا اس نشہ کے ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے جو اس پر حد کے جاری ہونے کو واجب کرے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

جو شخص سزاء کوڑے کھاتے ہوئے مرجائے اس کی دیت واجب نہیں ہوگی

⑦ عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعِيْدٍ النَّخْعِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ يَقُوْلُ مَا كُنْتُ لِاُقِيْمَ عَلٰى اَحَدٍ حَدًّا فَيَمُوْتُ فَاَجِدُ فِيْ نَفْسِيْ مِنْهُ شَيْئًا اِلَّا صَاحِبَ الْخَمْرِ فَاِنَّهٗ لَوْ مَاتَ وَدَيْتُهٗ وَذٰلِكَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسُنَّهٗ۔

(متفق علیہ)

"حضرت عمیر ابن سعید نخعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر میں کسی شخص پر حد جاری کروں اور وہ شخص حد مارے جانے کی وجہ سے مرجائے تو مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا یعنی مجھے کوئی غم نہیں ہوگا کیونکہ اس پر حد جاری کرنا شریعت کے حکم کے مطابق ہوگا اور شریعت کے حکم کے نفاذ میں رحم و شفقت کا کوئی محل نہیں ہے ہاں شراب پینے والے کی بات دوسری ہے کہ اگر وہ چالیس سے زیادہ کوڑے مارے جانے کی وجہ سے مرجائے تو میں اس کی دیت بھروں گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شراب پینے کی حد سزا متعین نہیں فرمائی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حد مقرر نہیں فرمائی ہے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شراب پینے کی حد سزا کو متعین نہیں کیا ہے کہ اتنے کوڑے مارنے چاہئیں اگرچہ بعض احادیث میں چالیس یا چالیس کے مانند کے عدد کا ذکر ہے اس لئے اگر میں نے کسی شراب پینے والے کو اسی ۸۰ کوڑے مارے اور وہ مر گیا تو میں ڈرتا ہوں کہ شاید یہ زیادتی میری طرف سے منسوب ہو جائے اس اعتبار سے میں اس مرنے والے کی دیت ادا کروں گا۔ حضرت علیؓ کی یہ بات محض احتیاط پسندی پر محمول ہے حالانکہ جب عمرؓ نے شراب پینے والے کو سزاء مارے جانے والے

کوڑوں کی تعداد متعین کرنی چاہی اور صحابہؓ نے اس بارہ میں مشورہ کیا تو خود حضرت علیؓ نے یہ فرمایا کہ شرابی کو اسی کوڑے مارنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضرت عمرؓ کی طرف سے شراب نوشی کا سزا کا تعین

⑧ وَعَنْ ثَوْرِبْنِ زَيْدٍ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ إِنَّ عُمَرَ اسْتَشَارَ فِي حَدِّ الْخَمْرِ فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ أَرٰى أَنْ تَجْلِدَهُ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً فَإِنَّهُ اِذَا شَرِبَ سَكِرَ وَإِذَا سَكِرَ هَذٰى وَإِذَا هَذٰى افْتَرٰى فَجَلَدَ عُمَرُ فِي حَدِّ الْخَمْرِ ثَمَانِيْنَ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت ثور ابن زید دیلمی کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے شراب کی حد سزا کے تعین کے بارے میں صحابہؓ سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ شرابی کو اسی کوڑے مارے جائیں کیونکہ جب وہ شراب پیتا ہے تو بدمست ہو جاتا ہے اور ہذیان بکتا ہے اور جب ہذیان بکتا ہے تو بہتان لگاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حکم جاری کیا کہ شراب پینے والے کو اسی کوڑے مارے جائیں۔" (مالکؒ)

تشریح: حضرت علیؓ نے اپنی رائے کی دلیل میں بڑی جاندار بات فرمائی کہ شراب پینے والے کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے اور وہ نشہ کی حالت میں اول فول بکتا ہے اور خواہ مخواہ کسی پر الزام لگاتا پھرتا ہے یہاں تک کہ نیک پارسا اور پاکدامن عورتوں پر زنا کا بہتان لگانے سے بھی باز نہیں رہتا، اس اعتبار سے اس کا نشہ گویا قذف وافتراء پردازی پاکدامن پر زنا کی تہمت لگانے کا باعث ہوتا ہے اور چونکہ قذف بہتان تراشی کی سزا اسی کوڑے ہے لہٰذا قذف پر قیاس کرتے ہوئے شرابی کی سزا بھی زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتی ہے گویا حضرت علیؓ نے یہ بات اغلب کا اعتبار کرتے ہوئے فرمائی کہ زیادہ تر شرابی اپنے نشے کی حالت میں اول فول بکتے ہیں اور دوسروں پر الزام لگاتے ہیں اور چونکہ حکم کا انحصار اغلب پر ہوتا ہے اس لئے ہر شرابی کے لئے یہ ایک ہی سزا مقرر ہوگی خواہ نشہ کی حالت میں اول فول بکے یا نہ بکے اور کسی پر الزام لگائے یا نہ لگائے بہر حال حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی اس رائے کو تسلیم کیا اور شراب پینے کی سزا اسی کوڑے متعین فرمائی جس پر تمام صحابہؓ نے اجماع و اتفاق کیا۔

بَابُ مَالَا يُدْعٰى عَلَى الْمَحْدُوْدِ

جس پر حد جاری کی جائے اس کے حق میں بددعا نہ کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کرے جس کی وجہ سے وہ حد (شرعی سزا) کا مستوجب ہوتا ہو اور پھر اس پر وہ حد جاری ہو جائے تو اس کے حق میں کسی طرح کی بددعا نہ کی جائے جیسا کہ جب ایک شخص نے ایک شراب پینے والے کے حق میں یہ بددعا کی اخزاک اللہ یعنی اللہ تعالیٰ تجھ کو ذلیل و رسوا کرے تو آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا کہ یوں نہ کہو بلکہ اس کے حق میں مغفرت و رحمت کی دعا کرو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

کسی گناہگار پر لعنت بھیجنا ناجائز ہے

① عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رَجُلًا اسْمُهُ عَبْدُ اللّٰهِ يُلَقَّبُ حِمَارًا كَانَ يُضْحِكُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَلَدَهُ فِي الشَّرَابِ فَأُتِيَ بِهِ يَوْمًا فَأَمَرَ بِهِ فَجُلِدَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اللّٰهُمَّ الْعَنْهُ مَا

اَکْثَرَ مَایُؤْتٰی بِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَلْعَنُوْہُ فَوَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ اَنَّہٗ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا جس کا نام تو عبداللہ تھا مگر اس کی بیوقوفی کی وجہ سے اس کو حمار یعنی گدھا کہا جاتا تھا وہ اپنی حماقت آمیز باتوں سے نبی کریم ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ شراب پینے کے جرم میں اس پر حد جاری فرما چکے تھے پھر وہ ایک اور دن آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور اس کو کوڑے مارے گئے حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے کہا اے اللہ اس پر تیری لعنت ہو، اس کو کتنی کثرت کے ساتھ بار بار شراب پینے کے جرم میں پکڑ کر لایا جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو خدا کی قسم میں یہ جانتا ہوں کہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی گنہگار کو مخصوص کر کے اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت قرب الٰہی کا سبب ہے لہٰذا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت رکھنے والے پر لعنت بھیجنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے کیونکہ لعنت کے معنی ہیں اللہ کی رحمت سے دور کرنا۔

(۲) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ فَقَالَ اضْرِبُوْہُ فَمِنَّا الضَّارِبُ بِیَدِہٖ وَالضَّارِبُ بِنَعْلِہٖ وَالضَّارِبُ بِثَوْبِہٖ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ اَخْزَاکَ اللّٰہُ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا ھٰکَذَا لَا تُعِیْنُوْا عَلَیْہِ الشَّیْطَانَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کیا گیا جس نے شراب نوشی کا ارتکاب کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا اس کی پٹائی کرو چنانچہ ہم میں سے بعض نے اس کو اپنے ہاتھ سے مارا بعض نے اپنے جوتوں سے مارا اور بعض نے اپنے کپڑے کا کوڑا بنا کر اس سے مارا جب وہ شخص واپس جانے لگا تو بعض لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو ذلیل و رسوا کرے آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس طرح نہ کہو اور اس پر غالب ہونے میں شیطان کی مدد نہ کرو۔" (بخاریؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

جو مجرم سزا پا چکا ہے اس کی آبروریزی مردار کھانے کے مترادف ہے

(۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ جَاءَ الْاَسْلَمِیُّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَشَھِدَ عَلٰی نَفْسِہٖ اَنَّہٗ اَصَابَ امْرَاَۃً حَرَامًا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ کُلَّ ذٰلِکَ یُعْرِضُ عَنْہُ فَاَقْبَلَ فِی الْخَامِسَۃِ فَقَالَ اَنِکْتَھَا؟ قَالَ نَعَمْ وَقَالَ حَتّٰی غَابَ ذٰلِکَ مِنْکَ فِیْ ذٰلِکَ مِنْھَا قَالَ نَعَمْ قَالَ کَمَا یَغِیْبُ الْمِرْوَدُ فِی الْمُکْحَلَۃِ وَالرِّشَاءُ فِی الْبِئْرِ قَالَ نَعَمْ قَالَ ھَلْ تَدْرِیْ مَا الزِّنَا قَالَ نَعَمْ اَتَیْتُ مِنْھَا حَرَامًا مَا یَاْتِی الرَّجُلُ مِنْ اَھْلِہٖ حَلَالًا قَالَ فَمَا تُرِیْدُ بِھٰذَا الْقَوْلِ قَالَ اُرِیْدُ اَنْ تُطَھِّرَنِیْ فَاَمَرَ بِہٖ فَرُجِمَ فَسَمِعَ النَّبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلَیْنِ مِنْ اَصْحَابِہٖ یَقُوْلُ اَحَدُھُمَا لِصَاحِبِہٖ اُنْظُرْ اِلٰی ھٰذَا الَّذِیْ سَتَرَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فَلَمْ تَدَعْہُ نَفْسُہٗ حَتّٰی رُجِمَ رَجْمَ الْکَلْبِ فَسَکَتَ عَنْھُمَا ثُمَّ سَارَ سَاعَۃً حَتّٰی مَرَّ بِجِیْفَۃِ حِمَارٍ شَائِلٍ بِرِجْلِہٖ فَقَالَ اَیْنَ فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَقَالَا نَحْنُ ذَانِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ انْزِلَا فَکُلَا مِنْ جِیْفَۃِ ھٰذَا الْحِمَارِ فَقَالَا یَا نَبِیَّ اللّٰہِ مَنْ یَاْکُلُ مِنْ ھٰذَا قَالَ فَمَا نِلْتُمَا مِنْ عِرْضِ اَخِیْکُمَا اٰنِفًا اَشَدُّ مِنْ اَکْلٍ مِنْہُ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّہُ الْاٰنَ لَفِیْ اَنْھَارِ الْجَنَّۃِ یَنْغَمِسُ فِیْھَا۔

(رواہ ابوداؤد)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ماعز اسلمیؓ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بارہ میں چار بار یعنی چار مجلسوں میں یہ گواہی دی (یعنی یہ اقرار کیا) کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ بطریق زنا، جماع کیا ہے، اور آنحضرت ﷺ ہر بار (اس کے اقرار کرنے پر) منہ پھیر لیتے

تھے (تاکہ وہ اپنے اقرار سے رجوع کرے اور حد سے بچ جائے) اور پھر پانچویں بار اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ "کیا تو نے اس عورت کے ساتھ صحبت کی ہے؟" اس نے کہا کہ "ہاں!" آپ ﷺ نے فرمایا (کیا تو نے اس طرح صحبت کی کہ وہ (یعنی تیرا عضو مخصوص) اس (عورت کے حصّہ مخصوص) میں غائب ہو گیا؟" اس نے کہا کہ "ہاں!" آپ ﷺ نے فرمایا "(کیا اس طرح) جس طرح سلائی، سرمہ دانی میں اور رسی کنویں میں غائب ہو جاتی ہے؟" اس نے کہا کہ "ہاں! آپ نے پوچھا جانتے ہو زنا کیا ہے کہا "ہاں! میں نے اس عورت کے ساتھ حرام طور پر وہ کام کیا ہے جو ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ حلال طور پر کرتا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "(اچھا یہ بتا) یہ جو کچھ تو نے کہا ہے اس سے تیرا مقصد کیا ہے؟" اس نے کہا کہ "میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ (مجھ پر حد جاری فرما کر) مجھ کو (اس گناہ سے) پاک کر دیجئے۔" چنانچہ (اتنی جرح کرنے کے بعد جب اس کا جرم زنا بالکل ثابت ہو گیا تو) آنحضرت ﷺ نے (اس کی سنگساری کا) حکم جاری فرمایا اور اس کو سنگسار کر دیا گیا پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے دو آدمیوں کو یہ گفتگو کرتے ہوئے سنا کہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے یہ کہہ رہا تھا "اس شخص کو دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی لیکن اس کے نفس نے اس کو (اپنے اقرار گناہ سے) باز نہ رکھا یہاں تک کہ وہ ایک کتے کی مانند سنگسار کیا گیا۔" آپ ﷺ نے (یہ سن کر اس وقت) تو ان دونوں سے کچھ نہیں کہا البتہ کچھ دیر تک چلنے کے بعد ایک مرے ہوئے گدھے کے قریب سے گذرے جس کے پاؤں (اس کا جسم بہت زیادہ پھول جانے کے سبب) اوپر اٹھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ فلاں فلاں (یعنی وہ دونوں) شخص کہاں ہیں (جنہوں نے ماعزؓ کی اس وجہ سے تحقیر کی تھی کہ اس کو سنگسار کیا گیا تھا) انہوں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ہم دونوں (حاضر) ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا تم دونوں اترو اور اس گدھے کا مردار گوشت کھاؤ۔" انہوں نے (بڑی حیرت کے ساتھ) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس کا گوشت کون کھاتا ہے؟ (یعنی اس کا گوشت کھائے جانے کے قابل نہیں ہے آپ ہم سے اس کے کھانے کو کیوں فرماتے ہیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ابھی اپنے بھائی کی جو آبرو ریزی کی ہے وہ اس گدھے کا گوشت کھانے سے بھی زیادہ سخت (بری بات) ہے، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بلاشبہ وہ (ماعزؓ) جنّت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

(۴) وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَ ذَنْبًا اُقِيْمَ عَلَيْهِ حَدُّ ذٰلِكَ الذَّنْبِ فَهُوَ كَفَّارَتُهُ۔ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ۔

"اور حضرت خزیمہؓ ابن ثابت کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی ایسے گناہ کا مرتکب ہو جو حد کو واجب کرنے والا ہو اور پھر اس پر اس گناہ کی حد جاری کی جائے مثلاً کسی شخص نے زنا کیا اور اس کو کوڑے مارے گئے، یا کسی شخص نے چوری کی اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا) تو وہ حد اس کے اس گناہ کا کفارہ ہے (یعنی حد جاری ہونے کے بعد وہ شخص اس گناہ سے پاک و صاف ہو جائے گا) (شرح السنۃ)

جس گناہ پر سزا جاری ہو چکی ہے اس پر آخرت میں مواخذہ نہیں ہو گا

(۵) وَعَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَصَابَ حَدًّا فَعُجِّلَ عُقُوْبَتُهُ فِي الدُّنْيَا فَاللّٰهُ اَعْدَلُ مِنْ اَنْ يُثَنِّيَ عَلٰى عَبْدِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الْاٰخِرَةِ وَمَنْ اَصَابَ حَدًّا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَفَا عَنْهُ فَاللّٰهُ اَكْرَمُ مِنْ اَنْ يَعُوْدَ فِيْ شَيْءٍ قَدْ عَفَا عَنْهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص، حد کا سزاوار ہو (یعنی کوئی ایسا گناہ کرے جس پر حد متعین ہے) اور پھر اسی دنیا میں اس کو اس کی سزا دے دی گئی (یعنی اس پر حد جاری کی گئی یا تعزیری یعنی کوئی اور سزا دی گئی تو) (آخرت میں اس کو اس گناہ کی کوئی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ) اللہ تعالیٰ کی شان عدل سے یہ بعید ہے کہ وہ آخرت میں اپنے بندے کو دوبارہ سزا دے، اور جو شخص کسی حد (یعنی گناہ) کا مرتکب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کو چھپا لیا اور اس کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ

کی شان کریمی سے یہ بعید ہے کہ وہ اس چیز پر دوبارہ مواخذہ کرے جس کو وہ معاف کر چکا ہے (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کو چھپالیا الخ کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے ندامت و شرم ساری کے ساتھ اپنے گناہ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش کا طلب گار ہوا یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کی پردہ پوشی فرمائی اور اس طرح اس کو اسی دنیا میں معاف کر دیا تو اللہ اس کی شان کریمی سے یہ امید ہے کہ آخرت میں بھی اس کو معاف کر دے۔

اپنے گناہ کی پردہ پوشی کرنا اس کو ظاہر کرنے سے بہتر ہے

جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی بندہ کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو (اسی دنیا میں اس کی سزا بھگتنے کے لئے) اس کو ظاہر کرنا (یعنی حاکم کے سامنے خود اپنے گناہ کا اقرار کرنا) اگرچہ اس کے ایمان کی پختگی، اس کے قلب و احساس کی سلامتی اور اس خدا ترسی کا مظہر ہو گا لیکن اس کے حق میں زیادہ بہتر اور اولیٰ بات یہی ہے کہ وہ اپنے گناہ کو چھپا کر اپنے نفس کی پردہ پوشی کرے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ و طلب مغفرت و بخشش کرے۔

بَابُ التَّعْزِيرِ
تعزیر کا بیان

"تعزیر" کی اصل ہے "عزر" جس کے لغوی معنی ہیں منع کرنا، باز رکھنا، ملامت کرنا۔ اصطلاح شریعت میں اس لفظ (تعزیر) کا استعمال اس سزا کے مفہوم میں کیا جاتا ہے جو حد سے کم درجہ کی ہو اور تنبیہ اور تادیب کے طور پر کسی کو دی جائے۔ اور اس سزا کو "تعزیر" اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ آدمی کو اس فعل (گناہ و جرم) کے دوبارہ ارتکاب سے باز رکھتی ہے جس کی وجہ سے اسے وہ سزا (تعزیر) بھگتنی پڑی ہے۔

حد اور تعزیر میں فرق: حد اور تعزیر میں فرق یہ ہے کہ "حد" تو وہ خاص سزا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور ساتھ ہی متعین ہے، حاکم کو صرف اس سزا کے نفاذ کا اختیار حاصل ہے اس کی قانون سازی یا اس میں کسی تغیر و تبدل کا حق اس کو حاصل نہیں ہے، اس کے برخلاف "تعزیر" وہ سزا ہے جس کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ نے متعین نہیں کیا ہے بلکہ اس کا تعین حاکم کی رائے پر موقوف رکھا گیا ہے کہ وہ موقع و محل اور اقتضاء وقت و ضرورت کے مطابق جو سزا چاہے متعین کرے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

بطور تعزیر زیادہ سے زیادہ کتنی سزا دی جاسکتی ہے

(۱) عَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ بْنِ نِیَارٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ اِلَّا فِیْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوبردہؓ ابن نیار، نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ نے جو حدود مقرر کی ہیں ان میں دس کوڑوں سے زیادہ کی سزا نہ دی جائے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بطور تعزیر دس سے زیادہ کوڑے مارنے کی سزا دینا جائز نہیں ہے لیکن علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

اس بارے میں فقہاء کے اختلافی اقوال ہیں کہ بطور تعزیر زیادہ سے زیادہ کتنے کوڑے مارنے کی سزا دی جاسکتی ہے؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ انتالیس سے زیادہ نہ ہو، جب کہ حضرت امام ابویوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ پچھتر کوڑے ہوسکتے ہیں، البتہ کم سے کم تعداد کے بارے میں تین کوڑے پر سب کا اتفاق ہے، اسی طرح اس مسلہ پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ تعزیر میں جو کوڑے مارے جائیں ان کی تعداد حد میں مارے جانے والی تعداد تک نہ پہنچے لیکن سختی و شدت میں اس سے بھی بڑھ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

مجرم کے منہ پر نہ مارو

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا ضَرَبَ اَحَدُكُمْ فَلْیَتَّقِ الْوَجْهَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص (کسی مجرم کو سزاء) مارے تو اس کو چاہئے کہ وہ (اس مجرم کے) منہ کو بچائے۔" (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو بطور حد کوڑے مارے جائیں یا بطور تعزیر و تادیب اس کی پٹائی کی جائے تو بہر صورت یہ ضروری ہے کہ اس کے چہرے کو بچایا جائے یعنی اس کے چہرے پر نہ مارا جائے۔

بدزبانی کی سزا

(۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ یَا یَهُوْدِیُّ فَاضْرِبُوْهُ عِشْرِیْنَ وَاِذَا قَالَ یَا مُخَنَّثُ فَاضْرِبُوْهُ عِشْرِیْنَ وَمَنْ وَقَعَ عَلٰی ذَاتِ مَحْرَمٍ فَاقْتُلُوْهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر کوئی شخص کسی (مسلمان) کو کہے "اے یہودی" تو اس کو بیس کوڑے مارو، اور اگر اے مخنث" کہے تب بھی اس کو بیس کوڑے مارو اور جو شخص محرم عورت سے زنا کا مرتکب ہوا اس کو مار ڈالو۔" ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "مخنث" اس کو کہتے ہیں جس کے اعضاء اور بات چیت کے انداز میں زنانہ پن ہو اور حرکات و سکنات میں عورتوں کے مشابہ ہو جس کو زنخا اور زنانہ بھی کہا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی غلام پر یا کسی کافر پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کو تعزیر (کوئی سزا) دی جانی چاہئے۔ اسی طرح اس شخص کو بھی تعزیر دی جائے جو کسی مسلمان پر زنا کے علاوہ کسی اور برائی کی تہمت لگائے مثلاً ان الفاظ کے ذریعہ اس کو مخاطب کرے اے فاسق، اے فاجر، اے کافر، اے خبیث اے چور، اے منافق، اے لوطی یعنی اغلام باز، اے یہودی، اے لڑکوں کے ساتھ کھیلنے والے، اے سود خوار، اے دیوث اے مخنث، اے خائن، اے رنڈی کی اولاد اے بدکار عورت کے بچے، اے زندیق، اے کتے، اے زانیوں یا چوروں کے پشت پناہ اور اے حرامزادے۔

اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو ان الفاظ کے ذریعہ مخاطب کرے تو وہ قابل تعزیر نہیں ہوگا، اے گدھے، اے کتے، اے بندر، اے بکرے، اے الو، اے سانپ، اے سور، اے بیل، اے بھیڑیئے، اے حجام، اے حجام کی اولاد (درانحالیکہ وہ کسی حجام کی اولاد نہ ہو) اے ولد الحرام، اے ناکس، اے منکوس، اے مسخرے، اے ٹھٹھے باز، عیار اے بیوقوف اور اے وہمی۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ واضح رہے کہ علماء نے اس شخص کو تعزیر دینا پسند کیا ہے جو مذکورہ بالا الفاظ کے ذریعہ کسی ایسے شخص کو مخاطب کرے جو شرفاء میں سے ہو۔

خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو تعزیر (کوئی سزا) دے جب کہ وہ کہنے کے باوجود اس کے سامنے زینت و آرائش کرنے سے اجتناب کرتی ہو یا وہ اس کو اپنے بستر پر (ہمبستری کے لئے) بلائے اور وہ انکار کردے، یا وہ نماز نہ پڑھتی ہو، یا غسل جنابت ترک کرتی ہو اور یا اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے باہر آتی جاتی ہو۔

"جو شخص محرم عورت سے زنا کا مرتکب ہو اس کو مار ڈالو۔" حضرت امام احمدؒ نے اس ارشاد کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے جب کہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صرف زجر تہدید سے ہے۔ بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ یہ ارشاد اس بات پر محمول ہے کہ جو شخص حلال اور بلکا جان کر کسی محرم عورت سے زنا کرے اس کو مار ڈالا جائے ورنہ محرم عورت کے ساتھ زنا کا بھی وہی حکم ہے جو دوسری عورتوں کے ساتھ زنا کا ہے کہ اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے اور اگر غیر محصن (کنوارا) ہو تو کوڑے مارے جائیں۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی سزا

④ وَعَنْ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَجَدْتُّمُ الرَّجُلَ قَدْ غَلَّ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاَحْرِقُوْا مَتَاعَهٗ وَاضْرِبُوْهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت عمر فاروقؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر تم کسی ایسے شخص کو پکڑو جس نے خدا کی راہ میں خیانت کی ہو (یعنی اس نے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کچھ چرا لیا ہو) تو اس کا مال و اسباب جلا ڈالو اور اس کی پٹائی کرو۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "اس کا مال و اسباب جلا ڈالو" کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مال غنیمت میں سے کچھ چرائے بطور سزا اس کا مال و اسباب جلانا جائز نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم کہ "اس کا مال و اسباب جلا ڈالو" اسلام سے ابتدائی زمانہ میں نافذ تھا مگر بعد میں منسوخ قرار دے دیا گیا۔ یا یہ کہ یہ ارشاد دراصل تغلیظ اور تشدید پر محمول ہے حضرت امام احمدؒ نے اس حکم کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس شخص کا تمام مال و اسباب جلا دیا جائے۔ البتہ اگر اس کے سامان میں قرآن کریم، ہتھیار اور جانور بھی ہوں تو ان کو نہ جلایا جائے۔ نیز بطریق تعزیر اس کی پٹائی کی جائے اور یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ مال غنیمت کی چوری کرنے والا قطع ید کا سزاوار نہیں ہوتا۔

بَابُ بَيَانِ الْخَمْرِ وَوَعِيْدِ شَارِبِهَا

شراب کی حقیقت اور شراب پینے والے کے بارے میں وعید کا بیان

اس باب میں ایک تو خمر یعنی شراب کی حقیقت کو بیان کیا جائے گا کہ خمر کس کو کہتے ہیں۔ دوسری چیز یہ بیان ہو گی کہ شراب پینے والے کے بارے میں کس چیز کا خوف ہے اور اس کے حق میں کیا کیا وعیدیں منقول ہیں۔

خمر کسے کہتے ہیں؟: قاموس میں لکھا ہے کہ خمر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے استعمال (یعنی جس کو پینے) سے نشہ و مستی پیدا ہو جائے۔ اور وہ انگور کے شیرے کی صورت میں ہو یا عام کہ وہ انگور کا شیرہ ہو یا اور کسی چیز کا عرق و کاڑھا وغیرہ ہو، زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس کا عام مفہوم مراد لیا جائے) یعنی نشہ لانے والی چیز خواہ وہ انگور کا شیرہ ہو یا کسی دوسری چیز کا شیرہ وغیرہ کیونکہ شراب مدینہ میں حرام ہوئی ہے اور اس زمانہ میں انگور کی شراب کا کوئی وجود نہیں تھا بلکہ وہ کھجور سے بنائی جاتی تھی خمر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لغت میں "خمر" کے معنی ہیں "ڈھانپنا، چھپانا، خلط

کرنا" اور چونکہ شراب انسان کی عقل کو ڈھانپ دیتی ہے اور اس کے فہم و شعور کی قوتوں کو خلط و خبط کر دیتی ہے اس لئے اس کو "خمر" کہا گیا۔

نشہ آور چیزوں کی قسمیں: جو چیزیں نشہ پیدا کرتی ہیں ان کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو شراب کی ہے جو انگور سے اس طرح بنتی ہے کہ انگور کا عرق نکال کر کسی برتن میں رکھ دیتے ہیں، کچھ دنوں کے بعد وہ گاڑھا ہو جاتا ہے اور اس میں ابال پیدا ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ نشہ آور ہو جاتا ہے، صحیح تر اور مختار قول کے مطابق اس میں جھاگ کا پیدا ہونا شرط نہیں ہے اس کو عربی میں "خمر" کہتے ہیں۔

دوسری قسم یہ کہ انگور کے عرق کو قدرے جوش دے کر رکھ دیتے ہیں اس کو عربی میں "باذق" اور فارسی میں "بادہ" کہتے ہیں اور انگور کا وہ عرق جس کو اتنا پکایا جاتا ہے کہ اس کا چوتھائی حصہ جل کر صرف تین چوتھائی حصہ رہ جاتا ہے۔ "طلا" کہلاتا ہے۔

تیسری قسم "نقیع التمر" ہے جس کو "سکر" بھی کہتے ہیں یعنی تر خرما کا وہ شربت جو گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائے اور چوتھی قسم "نقیع الزبیب" ہے یعنی منقی اور کشمش وغیرہ کا وہ شربت جس میں ابال اور جھاگ پیدا ہو جائے۔

ان چاروں قسموں میں سے پہلی قسم تو بلا کسی قید کے حرام ہے اور باقی تین قسمیں اس صورت میں بہ اتفاق حرام ہیں جب کہ ان کو جوش دے کر رکھ دیا جائے اور ان میں گاڑھا پن آجائے کیونکہ اس صورت میں ان چیزوں میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر ان میں مذکورہ چیزیں نہ پائی جائیں تو ان کو حرام نہیں کہیں گے مثلاً کچھ دیر کے لئے پانی میں خرما بھگو کر رکھ دیا جائے یہاں تک کہ وہ پانی شربت کی طرح ہو جائے اور اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر واقع نہ ہو تو اس کا پینا درست ہوگا۔

ان کے علاوہ پینے کے چار مشروب اور ہیں جن کا پینا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک حلال ہے بشرطیکہ ان کو معمولی طور پر اس طرح جوش دیا گیا ان میں نشہ پیدا نہ ہوا ہو اور اگر ان میں نشہ پیدا ہو گیا ہو تو یہ قسمیں بھی حرام ہوں گی، اسی طرح اگر ان کو جوش دیئے بغیر کافی عرصہ کے لئے رکھ دیا گیا ان میں جھاگ پیدا ہو گیا تب بھی ان کا پینا حرام ہوگا۔ ان چاروں میں سے ایک قسم تو "نبیذ" ہے۔ یعنی وہ مشروب جو خرما سے بنایا گیا ہو اور اس کو قدرے جوش دیا گیا ہو، اگر اس میں کچھ گاڑھا پن بھی آگیا ہو تو اس کا پینا جائز ہے۔

دوسری قسم "خلیط" ہے یعنی وہ شربت جو خرما اور منقی کو قدرے جوش دے کر ان سے نکالا گیا ہو۔

تیسری قسم وہ نبیذ ہے جو شہد، گیہوں، جو اور جوار وغیرہ کو پانی میں قدرے جوش دے کر مشروب کی صورت میں بنائی گئی ہو۔

اور چوتھی قسم مثلث یمنی ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انگور کے عرق کو اتنا پکایا جاتا ہے کہ اس کا دو حصہ خشک ہو جاتا ہے اور ایک حصہ شراب کی شکل میں باقی رہ جاتا ہے۔

ان چاروں چیزوں کے بارہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کو عبادت کے لئے طاقت حاصل کرنے کی غرض سے پئے تو جائز ہے اور اگر لہو و لعب کے طور پر اور جنسی لذت کے لئے پئے تو حرام ہے لیکن حضرت امام محمدؒ کے نزدیک عبادت کے لئے طاقت حاصل کرنے کی غرض سے بھی ان کا پینا حرام ہے۔ چنانچہ حنفی مسلک میں اہل تحقیق کا فتویٰ حضرت امام محمدؒ ہی کے قول پر ہے جیسا کہ یمنی شرح کنز میں لکھا ہے کہ "حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اور بد مست بنا دیتی ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے خواہ کسی طرح کا نشہ ہو کیونکہ ابن ماجہ اور دار قطنی کی روایت کے مطابق رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز نشہ آور ہو وہ شراب ہے اور ساری نشہ آور چیزیں حرام ہیں، لہٰذا حنفی مسلک میں فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نشہ آور چیز "شراب" ہے اور حرام ہے خواہ وہ "مشروب" کی صورت میں ہو اور انگور یا کھجور یا منقی یا شہد سے بنے یا گیہوں، جو، باجرہ یا جوار سے بنے اور خواہ وہ کسی درخت کا عرق ہو جیسے تاڑی وغیرہ یا کوئی گھاس ہو جیسے بھنگ وغیرہ اسی طرح وہ ہر مقدار میں حرام ہے خواہ تھوڑی ہو یا بہت ہو، نیز اگر کوئی شخص نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو مفتی بہ قول کے مطابق اس کی طلاق واقع

ہو جائے گی خواہ شراب کا نشہ ہو یا نبیذ وغیرہ کا۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ نیز محدثین کرام کا مسلک یہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے خواہ تھوڑی ہو یا بہت ہو، اور اگرچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ مشروب نجس و حرام اور شراب کے حکم میں ہے جس میں ابال، گاڑھا پن اور جھاگ پیدا ہو گیا ہو، اس کے علاوہ اور چیزیں جب تک کہ ان میں نشہ نہ ہو حرام نہیں ہیں۔ لیکن حنفی مسلک کے احتیاط پسند مصنفین کے ہاں فتویٰ حضرت امام محمدؒ ہی کے قول پر ہے جیسا کہ نہایہ، عینی، ذیلعی، در مختار، الاشباہ والنظائر، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ حمادیہ اور شرح مواہب الرحمٰن میں مذکورہ ہے بلکہ شرح وہبانیہ وغیرہ میں تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول بھی حضرت امام محمدؒ کے قول کے مطابق ہی منقول ہے، اس صورت میں یہ مسلہ تمام ائمہ مجتہدین کا متفقہ ہو جاتا ہے، چنانچہ حضرت مولانا عبدالعلی لکھنوی نے ایک استفتاء کے جواب میں تاڑی اور نان پاؤ (ایک قسم کی خمیری روٹی) کی حرمت کو ظاہر کرتے ہوئے اس مسئلہ پر بڑی تحقیق و تفصیل اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور تیس چالیس حنفی و شافعی علماء نے اپنی تصدیق کی مہریں ثبت کی ہیں۔

نشہ آور چیزوں میں ایک قسم بھنگ، نشہ لانے والی گھاس اور جڑی بوٹیاں اور افیون ہیں کہ ان کو کھانا پینا بھی حرام ہے کیونکہ یہ چیزیں بھی انسان کی عقل کو تباہ کرتی ہیں اور ذکر اللہ و نماز وغیرہ سے باز رکھتی ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص بھنگ وغیرہ کو حلال جانے وہ زندیق و بدعتی ہے، بلکہ فقیہ نجم الدین زاہدیؒ نے تو ایسے شخص پر کفر کا حکم لگایا ہے اور اس کو قتل کو دینا مباح جانا ہے۔

اسی طرح تمبا کو بھی حرام ہے جیسا کہ در مختار میں لکھا ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے حقہ نوشی کو مکروہ تنزیہی کہا ہے کیونکہ حقہ پینے والے کے منہ سے پیاز و لہسن کے مانند بدبو ہی نہیں بلکہ اس میں ایک طرح سے دوزخیوں کی مشابہت بھی ہے۔ کہ جس طرح دوزخیوں کے منہ سے دھواں نکلے گا اسی طرح حقہ پینے والے کے منہ سے بھی دھواں نکلتا ہے، علاوہ ازیں حقہ نوشی ایک ایسی عادت ہے جس کو سلیم طبع، مکروہ جانتی ہے اور حقہ پینے سے بدن میں بہت زیادہ سستی پیدا ہو جاتی ہے اور بعضوں پر غشی بھی طاری ہوتی ہے اور یہ چیز "مفتر" میں داخل ہے اور ایک روایت کے مطابق جس کو حضرت امام احمدؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

جو چیز مفتر یعنی سستی پیدا کرنے والی ہو وہ حرام ہے۔ صاحب صراح اور صحاح نے "مفتر" کے معنی "سستی پیدا کرنے والا" لکھا ہے اور حضرت امام ابوالقاسم حسین ابن محمد ابن مفضل راغب نے اپنی کتاب "مفردات القرآن" میں "فتر" اور "فتور" کے معنی یہ لکھے ہیں کہ "تیزی کے بعد تھم جانا، شدت (چستی) کے بعد نرم (صحت کے بعد کمزور ہو جانا" چنانچہ یہ معنی حقہ پینے والے پر صادق آتے ہیں۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مفتر کے معنی میں "بدن کا گرم ہو جانا" بھی داخل ہے تو یہ شاذ معنی ہے جو اکثر علماء لغت کی تحقیق کے خلاف ہے یا اس سے "اندر کی گرمی" مراد ہے۔ بہر حال حقہ نوشی حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی سے بعید ہے کیونکہ حقہ، مسواک کی سنت کے منافی ہے بایں وجہ کہ مسواک منہ کو بدبو سے پاک کرتی ہے جب کہ حقہ منہ کو بدبودار بناتا ہے اور مسواک کے بارہ میں یہ حدیث صحاح وغیرہ میں منقول ہے کہ:

اَلسِّوَاکُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ وَمَرْضَاتٌ لِلرَّبِّ۔

"مسواک منہ کی صفائی و پاکیزگی کا ذریعہ اور حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا سبب ہے۔"

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

شراب کن چیزوں سے بنتی ہے

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْخَمْرُ مِنْ هَاتَیْنِ الشَّجَرَتَیْنِ: النخلةِ وَالْعِنَبَةِ۔ متفق

علیہ۔

"حضرت ابوہریرہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا"شراب ان دو درختوں یعنی انگور اور کھجور سے بنتی ہے۔"(مسلمؒ)

تشریح: مراد یہ ہے کہ اکثر انہی دو چیزوں سے شراب بنتی ہے، گویا یہاں حصر یعنی یہ ظاہر کرنا مراد نہیں ہے کہ شراب بس انہی دو چیزوں سے بنتی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ کُلُّ مُسْکِرٍ خَمْرٌ یعنی ہر نشہ آور چیز شراب ہے چنانچہ اس ارشاد میں جو عمومیت ہے اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔

② وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ خَطَبَ عُمَرُ عَلٰی مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهُ قَدْ نَزَلَ تَحْرِيْمُ الْخَمْرِ وَهِيَ مِنْ خَمْسَةِ اَشْيَاءَ الْعِنَبِ وَالتَّمْرِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالْعَسَلِ وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ۔(رواه البخاری)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت عمر فاروقؓ نے رسول کریم ﷺ کے منبر پر (کھڑے ہو کر) خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ "شراب کی حرمت نازل ہوگئی ہے اور شراب پانچ چیزوں سے بنتی ہے یعنی انگور سے، کھجور سے، گیہوں، سے جو سے اور شہد سے، اور شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔"(بخاریؒ)

تشریح: علماء نے وضاحت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے "اور شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔" کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا کہ شراب کا انحصار انہی پانچ چیزوں میں نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ کسی بھی چیز سے بنا ہوا ہر وہ مشروب، شراب ہے جس میں نشہ ہو اور اس کے پینے سے عقل و شعور پر پردہ پڑ جاتا ہو۔

پہلے زیادہ تر کھجور سے شراب بنتی تھی

③ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَقَدْ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ حِيْنَ حُرِّمَتْ وَمَا نَجِدُ خَمْرَ الْاَعْنَابِ اِلَّا قَلِيْلًا وَعَامَّةُ خَمْرِنَا الْبُسْرُ وَالتَّمْرُ۔ (رواه البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تھی اسی وقت اس کی حرمت (نافذ) ہوگئی تھی اور (اس وقت) ہمیں انگور کی شراب کم ملتی تھی ہماری شراب زیادہ تر کچی کھجور اور خشک کھجور سے بنتی تھی۔"(بخاریؒ)

تشریح: کھجور کے درخت پر پہلے جو شگوفہ لگتا ہے اس کو عربی میں "طلع" کہتے ہیں اور وہ کھجور کی ابتدائی حالت ہوتی ہے پھر اس کے بعد "خلال" پھر "بسر" پھر (رطب) اور پھر خشک ہو جانے کے بعد اس کی آخری شکل "تمر" ہوتی ہے۔

ہر نشہ آور مشروب حرام ہے

④ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِتْعِ وَهُوَ نَبِيْذُ الْعَسَلِ فَقَالَ كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ۔(متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے بتع یعنی شہد کی نبیذ کے بارہ میں پوچھا گیا (کہ آیا اس کا پینا جائز ہے یا نہیں؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "وہ مشروب جو نشہ لائے، حرام ہے۔"(بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں تو "بتع" کو با کے زیر اور تا کے جزم کے ساتھ یعنی "بتع" نقل کیا گیا ہے جب کہ یہ بعض جگہ تا کے زیر کے ساتھ منقول ہے "شہد کی نبیذ" اس شہد کو کہتے ہیں جس کو کسی برتن میں ڈال کر رکھ چھوڑا جائے تاکہ کھجور کی نبیذ کی طرح اس میں ایک خاص قسم کی تیزی پیدا ہو جائے، چنانچہ اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر شہد کی نبیذ بھی نشہ لائے تو وہ بھی حرام ہے اور

تمر کی نبیذ کا بھی یہی حکم ہے کہا جاتا ہے کہ اہل یمن کی شراب یہی بتع ہوتی ہے۔

جو شخص اس دنیا میں شراب پئے گا وہ شراب طہور سے محروم رہیگا

⑤ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَتُبْ لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو چیز نشہ لائے وہ شراب ہے اور جو چیز نشہ لانے والی ہے وہ حرام ہے (خواہ مقدار میں تھوڑی ہو یا زیادہ ہو) اور جو شخص دنیا میں شراب پئے گا اور ہمیشہ پیتا رہے گا یہاں تک کہ بغیر توبہ کئے مرجائے گا تو اس کو آخرت میں شراب پینا نصیب نہ ہوگا۔" (مسلم)

تشریح: "اس کو آخرت میں شراب پینا نصیب نہ ہوگا" سے مراد یا تو اس شخص کی حالت کو بیان کرنا ہے جو شراب کو حلال جانتے ہوئے ہمیشہ پیتا تھا۔ یا یہ ارشاد زجر و توبیخ اور شراب پینے کی شدید ممانعت پر محمول ہے، اور یا یہ مراد ہے کہ اس شخص کو آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ شراب طہور پینا نصیب نہیں ہوگا جو نجات یافتہ اور جنت میں پہلے داخل ہونے والوں میں ہوں گے۔

شرابی کے بارے میں وعید

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا قَدِمَ مِنَ الْيَمَنِ فَسَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَرَابٍ يَشْرَبُوْنَهُ بِاَرْضِهِمْ مِنَ الذُّرَةِ يُقَالُ لَهُ الْمِزْرُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَ مُسْكِرٌ هُوَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ اِنَّ عَلَى اللّٰهِ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ اَنْ يَّسْقِيَهُ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا طِيْنَةُ الْخَبَالِ قَالَ عَرَقُ اَهْلِ النَّارِ اَوْ عُصَارَةُ اَهْلِ النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ یمن کا ایک شخص (دربار نبوی ﷺ میں آیا اور نبی کریم ﷺ سے جوار کی شراب کے بارہ میں پوچھا جو یمن میں پی جاتی تھی اور جس کو "مزر" کہا جاتا تھا، آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ "کیا وہ نشہ لاتی ہے؟" اس نے کہا کہ "ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا "نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے، اور (یاد رکھو) کہ اللہ تعالیٰ کا یہ عہد ہے کہ جو شخص نشہ لانے والی کوئی بھی چیز پئے گا وہ اس کو طینہ الخبال "پلائے گا۔" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! طینۃ الخبال کیا ہے؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "خبال" دوزخیوں کا پسینہ ہے۔ یا فرمایا کہ۔ خبال وہ پیپ اور لہو ہے جو دوزخیوں کے زخموں سے بہتا ہے۔" (مسلم)

تشریح: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے ترجمہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ دوزخیوں کا پسینہ۔ یا۔ ان کے زخموں سے بہنے والا لہو اور پیپ "خبال" کے معنی ہیں۔ اور "طینت" کے معنی ہیں تلچھٹ۔

نبیذ کے بارے میں ایک حکم

⑦ وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ خَلِيْطِ التَّمْرِ وَالْبُسْرِ وَعَنْ خَلِيْطِ الزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ وَعَنْ خَلِيْطِ الزَّهْوِ وَالرُّطَبِ وَقَالَ انْتَبِذُوْا كُلَّ وَاحِدٍ عَلٰى حِدَةٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خشک کھجور اور کچی کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے، خشک کھجور اور خشک انگور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے اور کچی کھجور اور تر کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے کہ (اگر نبیذ بنانا ہی ہو تو) ان میں سے ہر ایک کی الگ الگ نبیذ بناؤ۔" (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے دو پھلوں کو ملا کر بھگونے (یعنی ان کا نبیذ بنانے) سے منع فرمایا اور الگ الگ کر کے بھگونے (اور اس کی نبیذ بنانے) کو جائز رکھا اس میں حکمت یہ ہے کہ جب دو مختلف طرح کے پھل ایک ساتھ بھگوئے جائیں گے تو ایک پر پانی جلد اثر کرے گا۔ اور دوسرے پر دیر سے، نتیجہ یہ ہوگا جو پانی سے جلد تغیر قبول کرے گا اس میں نشہ پیدا ہو جائے گا اور اس کا اثر دوسرے تک پہنچے گا، اس طرح جو نبیذ تیار ہوگی اس میں ایک نشہ آور چیز کے مخلوط ہو جانے کا قوی امکان ہوگا جس کا امتیاز کرنا ممکن نہیں ہوگا لہٰذا جب اس نبیذ کو پیا جائے گا تو گویا ایک حرام چیز کو پینا لازم آئے گا۔ چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ نے اسی بنیاد پر اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے اور کہا ہے کہ ایسی نبیذ پینا جو دو پھلوں کو باہم بھگو کر بنائی گئی ہو، حرام ہے خواہ اس میں نشہ ہو یا نشہ نہ ہو لیکن جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ ایسی نبیذ کا پینا اسی صورت میں حرام ہوگا جب کہ وہ نشہ آور ہو۔

شراب کا سرکہ بنا کر اس کو کھانے پینے کے کام میں لانا جائز ہے

⑧ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْخَمْرِ یُتَّخَذُ خَلًّا؟ فَقَالَ لَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر شراب (میں نمک و پیاز وغیرہ ڈال کر اس) کا سرکہ بنا لیا جائے تو وہ حلال ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں۔" "(مسلم)

تشریح: حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر شراب، سرکہ میں تبدیل ہو جائے تو اس کو کھانے پینے کے مصرف میں لانا جائز ہوگا خواہ شراب میں کوئی چیز ڈال کر اس کا سرکہ بنا لیا گیا ہو یا اس میں کوئی چیز ڈالے بغیر مثلاً زیادہ دن رکھے رہنے یا دھوپ میں رکھ دینے کی وجہ سے خود بخود اس کا سرکہ بن گیا ہو۔ حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر شراب میں کوئی چیز ڈال کر اس کا سرکہ بنایا تو وہ حلال نہیں ہے۔ اور اگر کچھ ڈالے بغیر مثلاً دھوپ میں رکھ دینے کی وجہ سے اس کا سرکہ بن گیا ہو تو اس کے بارہ میں ان کے دو قول ہیں جس میں سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ شراب، شراب نہیں رہے گی بلکہ اس میں پاکی آجائے گی اور اس کو کھانے پینے کے کام میں لانا جائز ہوگا۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اول تو بلا کسی قید کے یہ فرمایا ہے کہ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ (بہترین سالن، سرکہ ہے) لہٰذا جو چیز بھی سرکہ ہوگی اس کا استعمال حلال ہوگا، دوسرے جب شراب میں سے وہ بری خاصیت نکل گئی جس کی وجہ سے وہ حرام تھی اور اس میں اچھی خاصیت پیدا ہوگئی تو اب وہ ایک مباح چیز کے درجہ میں آگئی لہٰذا اس کا کھانا پینا حلال ہوگا جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو اس کے بارہ میں حنفیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو حلال اس لئے نہیں فرمایا تھا کہ اس وقت شراب کی حرمت نازل ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا اور لوگوں نے بڑی طویل عادت کو ترک کر کے شراب سے منہ موڑا تھا، اور یہ ایک فطری بات ہے کہ انسان جس کو ایک طویل عادت کے بعد چھوڑتا ہے اس کی طرف اس کی طبیعت اور خواہش کا میلان کافی عرصہ تک رہتا ہے، لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس وقت شیطان کی مداخلت سے خوف محسوس فرما کر کہ مبادا شیطان لعین کو اپنا حربہ آزمانے کا موقع مل جائے اور اس کے نتیجہ میں لوگ اس چیز کو شراب پینے کا وسیلہ بنالیں، آپ نے اس کو حلال نہیں فرمایا لیکن شراب کی حرمت پر طویل عرصہ گذر جانے اور شراب کی طرف لوگوں کے میلان کے ہلکے سے بھی شائبے کی جڑیں تک اکھڑ جانے کے بعد جب اس قسم کا کوئی خوف نہ رہا اور اس طرح وہ "مصلحت" ختم ہوگئی جس کی بناء اس کو حلال نہ فرمایا گیا تھا تو وہ حرمت زائل ہوگئی اور پھر شراب سے بنے ہوئے سرکہ کو استعمال کرنا بھی حلال ہوگیا۔ علاوہ ازیں صاحب ہدایہ نے ایک روایت بھی نقل کی ہے جس کو بیہقیؒ نے اپنی کتاب معرفت میں حضرت جابرؓ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ:

خَیْرُ خَلِّکُمْ خَلُّ خَمْرِکُمْ۔ (بیہقی)

"یعنی تمہارے سرکوں میں بہترین سرکہ وہ ہے۔ جو شراب سے بنا ہو۔"

شراب کو دوا کے طور پر بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے

(۹) وَعَنْ وائِلِ الحضرمی اَنَّ طَارِقَ بْنَ سُوَيْدٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَمْرِ فَنَهاهُ فَقَالَ اِنَّما اَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ اِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهُ دَاءٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت وائل حضرمیؓ روایت کرتے ہیں کہ طارق ابن سوید نے نبی کریم ﷺ سے شراب نوشی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ان کو منع فرمایا، پھر طارقؓ نے کہا کہ ہم تو شراب کو دوا کے طور پر استعمال کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "وہ دوا نہیں ہے بلکہ (خود ایک) بیماری ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اکثر علماء نے شراب کو دوا کے طور پر بھی استعمال کرنے سے منع کیا ہے جب کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر حاذق طبیب و معالج کے کہنے کے مطابق شراب ہی کسی مرض کا واحد علاج ہو یعنی معالج یہ کہے کہ اس مرض کی بس شراب ہی دوا ہے اور کوئی دوا نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا استعمال مباح ہوگا۔ اسی طرح اگر حلق میں کوئی لقمہ وغیرہ اٹک جائے اور اس کی وجہ سے جان کی ہلاکت کا خوف ہو نیز اس وقت پانی یا ایسی اور کوئی چیز موجود نہ ہو جس سے وہ لقمہ وغیرہ حلق سے اتر جائے تو اس صورت میں تمام علماء کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ صرف اتنی شراب پی لینا حلال ہے جس سے وہ لقمہ وغیرہ حلق سے نیچے چلا جائے۔

کسی حرام چیز میں اللہ نے شفا نہیں رکھی ہے: پچھلے باب کے ابتداء میں بتایا گیا تھا کہ شراب کی حرمت دفعۃً نازل ہونے کی بجائے بتدریج نازل ہوئی ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں جو پہلی آیت نازل ہوئی ہے وہ بھی اس موقع پر نقل کی گئی ہے، اس آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ و منافع للناس یعنی اس شراب میں لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں۔" وہ فائدے کیا ہیں، اس بارے میں مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن بعض مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ "فائدے" سے مراد انسانی بدن کی صحت ہے کہ شراب انسان کی جسم کو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے یا اس کے ذریعہ کسی مرض سے نجات مل سکتی ہے۔ اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ "اللہ تعالیٰ نے کسی حرام چیز میں شفا نہیں رکھی ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

شراب نوشی کا وبال

(۱۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِنْ عَادَ فِى الرَّابِعَةِ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ لَمْ يَتُبِ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَقَاهُ مِنْ نَّهْرِ الْخَبَالِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو۔

"حضرت عبداللہ ابن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص (پہلی مرتبہ) شراب پیتا ہے (اور توبہ نہیں کرتا) تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا، پھر اگر وہ (خلوص دل سے) توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، پھر اگر وہ (دوسری مرتبہ) شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا اور پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے پھر اگر وہ (تیسری مرتبہ) شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا اور پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ

چوتھی مرتبہ شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ (نہ صرف یہ کہ) چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا (بلکہ) اگر وہ توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ (بھی) قبول نہیں کرتا اور (آخرت میں) اس کو دوزخیوں کی پیپ اور لہو کی نہر سے پلائے گا۔" (ترمذیؒ) نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے اس روایت کو عبداللہ ابن عمرو سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: "اس کی نماز قبول نہیں کرتا" کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو اپنی نماز کا ثواب نہیں ملتا اگرچہ وقت پر نماز کی ادائیگی کا فرض اس پر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ یہاں خاص طور پر نماز کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ جب نماز جیسی عبادت قبول نہیں ہوتی جو تمام بدنی عبادتوں میں سب سے افضل ہے تو دوسری عبادتیں بطریق اولیٰ قبول نہیں ہوں گی نیز "چالیس دن" کی تعداد شائد اس لئے لگائی گئی ہے کہ شراب پینے والے کے باطن میں شراب کا اثر مختلف نوعیتوں سے اتنی ہی مدت تک رہتا ہے۔

یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ چوتھی مرتبہ میں توبہ قبول نہیں کی جاتی دراصل زجر و تشدید اور سخت تنبیہ پر محمول ہے کیونکہ ایک جگہ یہ فرمایا گیا ہے کہ "جس شخص نے گناہ سے توبہ کی اور نادم ہوا اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید رکھی تو اس نے اصرار نہیں کیا (یعنی ایسے شخص کو "مصر" نہیں کہہ سکتے اور اس کی توبہ قبول ہوگی) اگرچہ ایک ہی دن میں وہی گناہ ستر بار کرے" یا یہ مراد ہے کہ جو شخص بار بار شراب پیتا ہے تو اس اُمّ الخبیث کے ارتکاب کی نحوست کی وجہ سے اس کو حقیقی توبہ کی توفیق عطا نہیں ہوتی اور آخر کار وہ "مصر" مر جاتا ہے۔

نشہ آور چیز کی قلیل مقدار بھی حرام ہے

(۱۱) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَسْکَرَ کَثِیْرُہٗ فَقَلِیْلُہٗ حَرَامٌ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

"اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو چیز نشہ لاتی ہو اس کی قلیل ترین مقدار بھی حرام ہے۔"

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر مثلاً شراب کی کوئی ایسی قسم ہے جس کی زیادہ مقدار نشہ لاتی ہے، کم مقدار نشہ نہیں لاتی تو یہ نہیں ہے کہ اس کو کم مقدار میں پینا جائز ہوگا بلکہ اس کی کم مقدار بھی حرام ہوگی کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ پہلے جس چیز کی کم مقدار کو اختیار کرتا ہے وہی کم مقدار اس کو زیادہ مقدار تک پہنچا دیتی ہے لہٰذا اس کم مقدار سے بھی اجتناب کرنا ضروری ہوگا۔

مسکر چیز کا ایک چلو بھی حرام ہے

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَسْکَرَ مِنْہُ الْفَرَقُ فَمِلْءُ الْکَفِّ مِنْہُ حَرَامٌ۔

(رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت عائشہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جس چیز (مثلاً شراب) کا ایک "فرق" (یعنی آٹھ سیر کی مقدار) نشہ لائے اس کا ایک بھرا ہوا چلو بھی حرام ہے۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کہ جس نشہ آور چیز کی زیادہ مقدار حرام ہے۔ اس کی قلیل ترین مقدار بھی حرام ہے۔

شراب کن چیزوں سے بنتی ہے

(۱) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الْحِنْطَۃِ خَمْرًا وَمِنَ الشَّعِیْرِ خَمْرًا وَمِنَ التَّمْرِ خَمْرًا وَمِنَ الزَّبِیْبِ خَمْرًا وَمِنَ الْعَسَلِ خَمْرًا رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ

غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت نعمان ابن بشیر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "گیہوں کی بھی شراب ہوتی ہے، جو کی بھی شراب ہوتی ہے، کھجور کی بھی شراب ہوتی ہے، انگور کی بھی شراب ہوتی ہے اور شہد کی بھی شراب ہوتی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: علماء نے لکھا ہے کہ یہاں حصر مراد نہیں ہے کہ بس انہی چیزوں سے شراب بنتی ہے، بلکہ ان چیزوں کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور پر شراب انہی چیزوں سے بنتی ہے۔ اس ارشاد میں اس بات کی دلیل ہے کہ خمر صرف انگوری شراب کو نہیں کہتے جب کہ ابن ملک" کہتے ہیں کہ یہاں انگوری شراب کے علاوہ دوسری چیزوں کی شراب کو بھی خمر مجازاً کہا گیا ہے اور اس میں مناسبت یہ ہے کہ ان چیزوں کی شراب (یا نشہ آور نبیذ) بھی انسان کی عقل کو زائل کر دیتی ہے۔

شراب مال متقوم نہیں ہے

⑭ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِيَتِيْمٍ فَلَمَّا نَزَلَتِ الْمَائِدَةُ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ وَقُلْتُ اِنَّهُ لِيَتِيْمٍ فَقَالَ اَهْرِيْقُوْهُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب رکھی ہوئی تھی (یعنی ہمارے گھر میں ایک یتیم رہا کرتا تھا جو ہماری پرورش میں تھا اس کی ملکیت میں جہاں اور بہت سامال واسباب تھا وہیں شراب بھی تھی کیونکہ اس زمانہ میں شراب مباح تھی) چنانچہ سورہ مائدہ (کی وہ آیت انما الخمر الایہ نازل ہوئی (جس میں شراب کی حرمت کا بیان ہے اور جو باب حد الخمر کے ابتدا میں نقل کی جاچکی ہے) تو میں نے اس یتیم کی شراب کے بارے میں رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا اور عرض کیا کہ وہ ایک یتیم کا مال ہے (اور چونکہ یتیم کا مال ضائع نہیں کرنا چاہئے اس لئے اب کیا حکم ہے) آپ ﷺ نے فرمایا "اس کو پھینک دو۔" (ترمذیؒ)

تشریح: آپ ﷺ نے اپنے ارشاد کے ذریعہ واضح فرمایا کہ شراب متقوم مال نہیں ہے نہ صرف یہ کہ اس سے کوئی نفع حاصل کرنا کسی بھی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے بلکہ ہمیں اس کی اہانت کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں اس شراب کو پھینک دینا ہی ضروری ہے۔

⑮ وَعَنْ اَنَسٍ عَنْ اَبِيْ طَلْحَةَ اَنَّهُ قَالَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ اِنِّي اشْتَرَيْتُ خَمْرًا لِاَيْتَامٍ فِيْ حِجْرِيْ فَقَالَ اَهْرِقِ الْخَمْرَ وَاكْسِرِ الدِّنَانَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوُدَ اَنَّهُ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَيْتَامٍ وَرِثُوْا خَمْرًا قَالَ اَهْرِقْهَا قَالَ اَفَلَا اَجْعَلُهَا خَلًّا قَالَ لَا۔

"اور حضرت انسؓ حضرت ابوطلحہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی ابوطلحہؓ نے) عرض کیا کہ "یا نبی اللہ! میں نے ان یتیموں کے لئے شراب خریدی تھی جو میری پرورش میں ہیں؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "شراب کو پھینک دو اور اس کے برتن کو توڑ ڈالو۔" ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے۔"

تشریح: حضرت ابوطلحہؓ نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے اپنے زیر پرورش یتیموں کے لئے جو شراب خریدی تھی اس کے بارہ میں پوچھا کہ اب شراب حرام ہوگئی ہے میں اس شراب کا کیا کروں؟ آیا اس کو پھینک دوں یا رہنے دوں؟ آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ اس کو بہا ڈالو۔ اس کے ساتھ ہی اس کے برتن کو توڑ ڈالنے کا حکم اس لئے دیا کہ شراب کی نجاست اس میں سرایت کر گئی تھی اور اس کا پاک کرنا اب ممکن نہیں رہا تھا۔ یا یہ کہ آپ ﷺ نے شراب کی ممانعت میں شدت کو ظاہر کرنے کے لئے یہ حکم دیا کہ جس برتن میں وہ

شراب رکھی ہے اس کو بھی توڑ ڈالو، اسی طرح آپ ﷺ نے اس شراب کا سرکہ بنا لینے سے جو منع فرمایا اس کا تعلق بھی یا تو زجر و تنبیہ سے ہے یا یہ ممانعت "نہی تنزیہی" کے طور پر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

ہر مسکر و مفتر چیز حرام ہے

(۱۶) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ وَمُفْتِرٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہر اس چیز (کو کھانے پینے) سے منع فرمایا ہے جو نشہ آور اور مفتر ہو۔" (ابوداؤد)

تشریح: نہایہ میں لکھا ہے کہ "مفتر" اس چیز کو کہتے ہیں جس کو پینے سے قلب و دماغ میں گرمی سرایت کر جائے اور ان اعضاء رئیسہ میں فتور یعنی ضعف و اضمحلال پیدا ہو جائے چنانچہ "افتر الرجل" کسی شخص کے بارے میں اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ اس کی پلکیں کمزور ہو جاتی ہیں اور گوشہ چشم مضمحل ہو جاتا ہے جیسے جو شخص بہت بوڑھا ہو جاتا ہے اس کی پلکیں کمزور ہو جاتی ہیں یا ٹوٹ ٹوٹ کر گرتی رہتی ہیں جس کی وجہ سے آنکھیں چندھیائی سی رہتی ہیں۔

اس ارشاد گرامی سے بنج (خراسانی اجوائن یا بھنگ) اور دوسری مغیرات اور مفتر چیزوں کی حرمت پر استدلال کیا جاتا ہے۔

شراب نوشی کی کسی حال میں اجازت نہیں ہے

(۱۷) وَعَنْ دَيْلَمِ الْحِمْيَرِيِّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا بِأَرْضٍ بَارِدَةٍ وَنُعَالِجُ فِيْهَا عَمَلًا شَدِيْدًا وَإِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هٰذَا الْقَمْحِ نَتَقَوّٰى بِهِ عَلٰى أَعْمَالِنَا وَعَلٰى بَرْدِ بِلَادِنَا قَالَ هَلْ يُسْكِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوْهُ قُلْتُ إِنَّ النَّاسَ غَيْرُ تَارِكِيْهِ قَالَ إِنْ لَمْ يَتْرُكُوْهُ فَقَاتِلُوْهُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت دیلم حمیریؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ہم لوگ ایک سرد علاقے کے باشندے ہیں جہاں ہمیں سخت محنت کے کام کرنے پڑتے ہیں (اور وہ سخت محنت، بہت زیادہ جسمانی مشقت کے متقاضی ہوتی ہے۔ اس لئے) ہم لوگ گیہوں سے شراب تیار کرتے ہیں جس کے ذریعہ ہم اپنی محنت کے لئے طاقت حاصل کرتے ہیں اور اس کی قوت سے اپنے علاقے کی سردی پر قابو پاتے ہیں۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "کیا وہ شراب نشہ لاتی ہے؟" میں نے عرض کیا "ہاں" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "تو پھر اس سے اجتناب کرو۔" میں نے عرض کیا "لوگ اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اگر لوگ اس کو پینا بند نہ کریں (اور اس کو حلال جانیں) تو ان سے قتال کرو۔" (ابوداؤد)

شراب اور جوئے کی ممانعت

(۱۸) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَالْكُوْبَةِ وَالْغُبَيْرَاءِ وَقَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شراب پینے اور جوا کھیلنے سے منع فرمایا اور کوبہ اور غُبیرا سے بھی منع کیا ہے، نیز فرمایا کہ "جو چیز بھی نشہ لائے وہ حرام ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: قاموس میں لکھا ہے کہ "کوبہ" نرد (ایک کھیل) اور شطرنج کو کہتے ہیں، اسی طرح طبل یعنی نقارے سے اور بربط کو بھی "کوبہ" کہتے ہیں، چونکہ یہ ساری ہی چیزیں ممنوع ہیں اس لئے یہاں کوبہ سے جو بھی چیز مراد لی جائے صحیح ہے۔ "غبیرا" ایک قسم کی شراب کا نام ہے جو چنے سے بنتی تھی اور عام طور پر حبشی بنایا کرتے تھے۔

شرابی جنت میں داخل نہیں ہو گا

(۱۹) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَاقٌّ وَلَا قَمَّارٌ وَلَا مَنَّانٌ وَلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ- رَوَاهُ الدَّارِمِي وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ وَلَا وَلَدُ زِنْيَةٍ بَدَلَ قَمَّارٍ-

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا (جو بندگان خاص نجات پا کر شروع میں جنت میں داخل ہوں گے ان کے ساتھ) جنت میں نہ تو وہ شخص داخل ہو گا جو اپنے ماں باپ کی (بلاوجہ شرع) نافرمانی کرتا ہے، نہ جواری داخل ہو گا، نہ وہ شخص داخل ہو گا جو فقراء کو صدقہ دے کر احسان جتاتا ہے، اور نہ وہ شخص داخل ہو گا جو ہمیشہ شراب پیتا ہے (دارمی) اور دارمی ہی کی ایک روایت میں "نہ جواری داخل ہو گا" کے بجائے یہ ہے کہ "نہ ولد الزنا (جنت میں) داخل ہو گا۔"

تشریح: موجودہ زمانے کے اعتبار سے ہر وہ کھیل جوا ہے جس میں عام طور پر شرط باندھی جاتی ہے کہ جیتنے والا ہارنے والے سے اتنے روپے یا فلاں چیز لے لے گا جیسے تاش و نرد اور شطرنج وغیرہ، اسی طرح "سٹہ" بھی جوئے کے حکم میں داخل ہے۔

طیبیؒ کے قول کے مطابق منان کے ایک معنی تو وہ ہیں جو ترجمہ سے ظاہر ہیں یعنی "کسی فقیر و محتاج کو صدقہ و خیرات دے کر اس پر احسان جتانا" لیکن ایک احتمال یہ بھی ہے کہ مَنَّانٌ دراصل من سے ہو جس کے معنی "قطع" کے ہیں اس طرح منان وہ شخص ہوا جو رشتوں ناتوں کو قطع کرنے والا ہو۔

یہ حدیث کہ "ولد الزنا جنت میں داخل نہیں ہو گا" نہ تو صحیح ہے اور نہ اس کو موضوع ہی قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ یہ ایک ضعیف روایت ہے، تاہم اگر اس کے کسی درجہ میں صحیح ہونے کا احتمال بھی ہو تو اس صورت میں اس کی تأویل اور وضاحت یہ ہے کہ جو اولاد زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے وہ چونکہ باپ کی تربیت و نگرانی سے محروم رہتی ہے اور ماں کی بدکرداری کا سایہ اس کے اوپر ہوتا ہے اس لئے وہ عام طور پر بگڑ جاتی ہے اور ظاہری و باطنی تربیت نہ پانے کی وجہ سے مختلف طرح کی برائیوں اور بداعمالیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اور مآل کار وہ عذاب خداوندی میں گرفتار رہتی ہے، مزید برآں جس طرح حرام ذرائع مثلاً جوئے اور سود سے کمائے جانے والے مال میں ایک طرح کی "نحوست" ہوتی ہے اس طرح ولد الزنا میں بھی ایک طرح کی نحوست ہوتی ہے کیونکہ وہ ایسے نطفے سے وجود میں آتا ہے جو "حرام جگہ" میں "حرام ذریعہ" سے قرار پایا تھا۔ یا یہ کہا جائے کہ اس ارشاد "ولد الزنا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔" کے ذریعہ دراصل زانی پر تعریض و تشدید مقصود ہے جو اس (ولد الزنا) کی پیدائش کا سبب بنا ہے۔

علاوہ ازیں بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہاں "ولد الزنا" سے مراد وہ شخص ہے جو زنا پر مواظبت و مداومت اختیار کرتا ہے اور بدکاری اس کی عادت بن جاتی ہے جیسے بہادروں کو "بنو الحرب" (یعنی جنگ کی اولاد) یا مسلمانوں کو بنو الاسلام (یعنی اسلام کی اولاد) کہہ دیتے ہیں۔ حاصل یہ کہ اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ولد الزنا محض اس وجہ سے کہ وہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے، عذاب خداوندی میں گرفتار ہو گا یا اس کو جنت کی سعادت سے محروم رکھا جائے گا کیونکہ جس برائی نے اس کو جنم دیا ہے اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔

شرابی کے بارے میں ایک وعید

(۲۰) وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِيْ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ وَاَمَرَنِيْ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِيْرِ وَالْاَوْثَانِ وَالصُّلُبِ وَاَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَحَلَفَ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ بِعِزَّتِيْ لَا يَشْرَبُ عَبْدٌ مِنْ عَبِيْدِيْ جُرْعَةً مِنْ خَمْرٍ اِلَّا سَقَيْتُهٗ مِنَ الصَّدِيْدِ مِثْلَهَا وَلَا يَتْرُكُهَا مِنْ مَخَافَتِيْ اِلَّا سَقَيْتُهٗ مِنْ حِيَاضِ الْقُدْسِ-

(رواہ احمد)

"اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پوری دنیا کے لئے رحمت اور تمام عالم کے لئے ہادی بنا کر بھیجا ہے، اور میرے بزرگ وبرتر خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں باجوں، مزامیر، بتوں، سولیوں اور زمانہ جاہلیت (یعنی حالت کفر) کے تمام رسوم وعادات کو مٹادوں، اور میرے بزرگ وبرتر خدا نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ میرے بندوں میں سے جو بھی بندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پئے گا میں اس کو (آخرت میں) اسی کے بقدر دوزخیوں کی پیپ پلاؤں گا، اور جو بندہ میرے خوف سے شراب پینا چھوڑ دیگا میں اس کو (آخرت میں) پاک حوضوں (یعنی جنت کی نہروں) سے (شراب طہور) پلاؤں گا۔" (احمدؒ)

تشریح: "باجوں" سے ڈھول، ڈھولکی، نقارہ، تاشہ، طبلہ، طنبورہ، سارنگی، ستار اور اسی قسم کے دوسرے باجے مراد ہیں۔ اسی طرح "مزامیر" سے شہنائی، چنگ، بانسری اور اس قسم کی دوسری چیزیں مراد ہیں۔

یہ حدیث باجوں اور مزامیر کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ چیزیں زمانہ قدیم سے اہل فسق اور گمراہ لوگوں کے رسوم و عادات میں داخل رہی ہیں۔

فقہاء لکھتے ہیں کہ راگ ونغمہ، باجوں اور مزامیر کے ساتھ تو حرام ہے اور محض آواز کے ساتھ مکروہ ہے، نیز اجنبی عورتوں سے سننا سخت حرام ہے۔

"سولی" سے مراد وہ صلیبی نشان (کراس) ہے جو عیسائیوں کے ہاں ایک مقدس علامت اور قومی ومذہبی نشان ہے جو اس شکل میں ہوتا ہے یعنی ایک خط دوسرے خط کو کاٹتا ہے۔ یہ دراصل اس سولی کا نشان ہے جس پر عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چڑھایا گیا تھا، اسی مناسبت سے عیسائی اس نشان کو بہت ہی مقدس اور بابرکت سمجھتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ ان کے مرد عورت اس نشان کو مختلف صورتوں میں اپنے جسم پر آویزاں رکھتے ہیں بلکہ اپنی اور تمام چیزوں پر بھی یہ نشان بناتے ہیں، اس سے ان کا مقصد حصول برکت بھی ہوتا ہے اور اس واقعہ کی حسرتناکی اور غمگینی کو یاد رکھنا بھی ہوتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کو اس نشان کے نیست ونابود کرنے کا بھی حکم دیا گیا اور مسلمانوں کو سختی کے ساتھ منع کیا گیا کہ وہ کسی بھی ایسی چیز کو استعمال نہ کریں جس پر یہ نشان ہو اور نہ اپنی کسی چیز پر یہ نشان بنائیں کیونکہ اس سے ایک غیر قوم کی مشابہت ہوگی ہے جو اسلام میں سخت حرام ہے۔

زمانہ جاہلیت کی رسوم وعادات سے مراد وہ چیزیں ہیں جو سراسر باطل ہیں اور جو زمانہ اسلام سے قبل کثرت سے رائج تھیں جیسے نوحہ و بین کرنا، اپنی نسل یا اپنے خاندان پر بے جا فخر کرنا اور دوسروں کے نسب میں طعن وطنز کرنا وغیرہ وغیرہ۔

والدین کی نافرمانی کرنے والے، دیوث اور شرابی پر جنت کے دروازے بند ہیں

(۲۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ قَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَالْعَاقُ وَالدَّيُّوْثُ الَّذِیْ يُقِرُّ فِیْ اَهْلِهِ الْخُبْثَ۔ (رواہ احمد والنسائی)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تین طرح کے آدمیوں پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام کردیا ہے (یہ نجات یافتہ بندوں کے ساتھ ابتداءً جنت میں داخل ہونا ان تینوں پر حرام قرار دیا ہے) ایک تو وہ شخص جو ہمیشہ شراب پئے، دوسرا وہ شخص جو اپنے والدین کی نافرمانی کرے، اور تیسرا وہ دیوث کہ جو اپنے اہل وعیال میں ناپاکی پیدا کرے۔" (احمد، نسائی)

تشریح: "جو اپنے اہل وعیال میں ناپاکی پیدا کرے۔" کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اپنی بیوی، اپنی لونڈی یا اپنی کسی اور رشتہ دار کو برائی اور بدچلنی کی راہ پر لگائے یعنی انہیں غیر مردوں کے ساتھ ہم بستر ہونے یا مقدمات زنا جیسے بوس وکنار اور غیر حجابانہ اختلاط وغیرہ پر مجبور کرے، یا انہیں اس کا موقع دے۔ اسی حکم میں اور تمام گناہ جیسے شراب نوشی، اور غسل جنابت کا ترک وغیرہ بھی شامل ہیں، یعنی اگر وہ شخص اپنی بیوی

کو شراب پیتے دیکھے یا اس کو غسل جنابت ترک کرتے دیکھے یا اسی طرح کے کسی اور گناہ میں مبتلا دیکھے اور اس کو اس سے منع نہ کرے تو یہ بھی دیوثی ہے۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ "دیوث" اس بے غیرت شخص کو کہتے ہیں جو اپنے اہل یعنی اپنی عورت کو کسی برائی میں مبتلا دیکھے لیکن نہ تو اس کو اس کی وجہ سے کوئی غیرت محسوس ہو اور نہ اس کو اس برائی سے منع کرے (یعنی اپنی عورت کے پاس غیر مردوں کا آنا گوارا کرے۔

مجمع البحرین میں لکھا ہے کہ "دیوث" کو کشخان" اور "قرنان" بھی کہتے ہیں، لیکن بعض حضرات نے دیوث، کشخان اور قرنان کے مفہوم میں تھوڑا سا فرق و امتیاز پیدا کیا ہے، یعنی دیوث وہ ہے جو غیر مرد کو اپنی عورت کے پاس آنے دے کشخان وہ ہے جو اپنی بہنوں کے پاس غیر مردوں کو آنے دے اور قرنان وہ ہے جو اپنی بیٹیوں کے پاس غیر مردوں کو آنے دے۔

(۲۲) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَۃٌ لَاتَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَقَاطِعُ الرَّحِمِ وَمُصَدِّقٌ بِالسِّحْرِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ "تین طرح کے لوگ جنت میں (ابتداءً) داخل ہونے سے محروم رہیں گے۔ ① ہمیشہ شراب پینے والا۔ ② ناتے کا توڑنے والا۔ ③ سحر پر یقین کرنے والا۔" (احمدؒ)

تشریح: "سحر پر یقین کرنے والا" سے وہ شخص مراد ہے جو سحر کو مؤثر بالذات جانے، ورنہ سحر بایں معنی یقین کرنا صحیح ہے۔ کہ وہ حق تعالیٰ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے اور حق تعالیٰ کے حکم سے اس کا اثر انداز واقع ہونا ثابت ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ اَلسِّحْرُ حَقٌّ یعنی سحر ایک حقیقت ہے۔

شراب نوشی بت پرستی کے مترادف ہے

(۲۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ اِنْ مَاتَ لَقِیَ اللّٰہَ تَعَالٰی کَعَابِدِ وَثَنٍ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَرَوَی ابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ عَنْ اَبِیْہِ وَقَالَ ذَکَرَ الْبُخَارِیُّ فِی التَّارِیْخِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ اَبِیْہِ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص ہمیشہ شراب نوشی میں مبتلا رہے اور پھر مر جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں بت پرست کی طرح حاضر ہوگا۔" (احمدؒ) ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ سے اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں محمد ابن عبداللہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے نیز بیہقی نے کہا ہے کہ امام بخاریؒ نے اس روایت کو اپنی تاریخ میں محمد ابن عبید اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے۔"

(۲۴) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ مَا اُبَالِیْ شَرِبْتُ الْخَمْرَ اَوْعَبَدْتُّ ھٰذِہِ السَّارِیَۃَ دُوْنَ اللّٰہِ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے "میں اس میں کوئی فکر (فرق) نہیں کرتا کہ میں شراب پیوں یا اللہ کے سوا اس ستون (یعنی پتھر کے بت) کو پوجوں۔" (نسائی)

تشریح: اس ارشاد سے حضرت ابو موسیٰؓ کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ میرے نزدیک شراب نوشی اور بت پرستی دونوں ایک ہی حکم رکھتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الامارة والقضاء

امارت وقضاء کا بیان

امارت سے مراد "سرداری و حکمرانی" ہے اور قضا سے مراد "شرعی عدالت" ہے اسلامی نظام حکومت کی عمارت کے یہ دو بنیادی ستون ہیں! امیر وامام (یعنی سربراہ مملکت) اسلام کے قانون اساسی کا محافظ، نظم حکومت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ذمہ دار حفاظتِ مذہب اور اُمت اسلامیہ کی طاقت وقوت کا امین، اور امور عامہ کا نگہبان ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرہ کے افراد کا تعلق جن امور سے ہے ان سب پر امیر وامام ہی کا اختیار کار فرما ہوتا ہے۔

قاضی، اسلامی عدالت کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے شہریوں کے حقوق (امن، آزادی، مساوات) کا محافظ ہوتا ہے اور وہ معاملات کا فیصلہ کرنے میں شریعت کی طرف سے حَکم کی حیثیت رکھتا ہے، اس کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے نزاعی مقدمات کا شریعت کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کا اس سے بڑا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ عدل وانصاف، دیانت داری اور ایمانداری کے تقاضوں کو ہر حالت میں مدنظر رکھے۔

اسلام اور حکومت

اسلام، دنیا کا یگانہ مذہب بھی ہے اور دنیا کی سب سے بڑی طاقت بھی اسلام جس طرح انسانیت عامہ کی دینی، مذہبی اور اخلاقی، اخروی فلاح کا سب سے آخری اور مکمل قانون ہدایت ہے اس طرح وہ ایک ایسی لافانی سیاسی طاقت بھی ہے جو انسانوں کے عام فائدے، عام بہتری اور عام تنظیم کے لئے حکومت وسیاست سے اپنے تعلق کو برملا اظہار کرتی ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ مذہب کی حیثیت سے کچھ اور بھی ہے اس کو حکومت حاکمیت، سیاست اور سلطنت سے وہی تعلق ہے جو اس کائنات کی کسی بھی بڑی حقیقت سے ہو سکتا ہے اس کو محض ایک ایسا نظام نہیں کہا جاسکتا ہے جو صرف باطن کی اصلاح کا فرض انجام دیتا ہے بلکہ اس کو ایسا دینی نظام بھی سمجھنا چاہئے جو خدا ترس وخدا شناس روح کی قوت سے دنیا کے مادی نظام پر عالمگیر غلبہ کا دعوی رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم جو اسلامی تصورات ونظریات کا سرچشمہ ہے اور احادیث نبوی ﷺ جو قرآنی ہدایات کی شارح وترجمان ہیں، ان کا ایک بہت بڑا حصہ اسلام اور حکومت وسیاست کے تعلق کو ثابت کرتا ہے کہیں تاریخی انداز میں، کہیں تعلیمات کے پیرایہ میں اور کہیں نعمت الٰہی کو ظاہری کرتے ہوئے ہم پر یہ واضح کیا جاتا ہے کہ اسلام اور حکومت کے درمیان تعلق ہی نہیں ہے بلکہ اسلام کے بنیادی عقیدے وتصور کے مطابق چونکہ یہ زمین خدا کی ملکیت ہے اور اس زمین میں حکومت خدا کا حق ہے اس لئے اسلام کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ اس زمین پر خدا کی حکومت قائم کی جائے اور اس کا اتارا ہوا قانون نافذ کیا

جائے۔

ہم میں سے جو کج فکر لوگ "مذہب اور سیاست" کے درمیان تفریق کی دیوار حائل کر کے اسلام کو سیاست و حکومت سے بالکل بے تعلق و بے واسطہ رکھنا چاہتے ہیں وہ دراصل مسلم مخالف عناصر کے اس شاطر دماغ کی سازش کا شکار ہیں جو خود تو حقیقی معنے میں آج تک حکومت کو "مذہب" سے آزاد نہ کر سکا لیکن مسلمانوں کی سیاسی پرواز اور ہمہ گیر پیش قدمی کو مضمحل کرنے کے لئے "مذہب" اور سیاست و حکومت" کی مستقل بحثیں پیدا کر کے مسلمانوں کے چشمۂ فکر و عمل میں دین اور دنیا کی پلید گی کا زہر گھول رہا ہے۔

کتاب الامارۃ و القضاء سے اس کتاب کا جو حصہ شروع ہو رہا ہے اور اس میں جو احادیث نقل ہوں گی وہ اس دعویٰ کی واضح دلیل ہیں کہ اسلام اور حکومت و سیاست دو متضاد چیزیں نہیں ہیں ان احادیث میں امیر و خلیفہ قاضی و منصف، عوام او رعایا، ملک و فوج اور نظم مملکت کے دیگر گوشوں سے متعلق جو ہدایات و احکام بیان کئے جائیں گے ان سے واضح ہو گا کہ حکومت و سیاست بھی اسلام کا ایک موضوع ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

امیر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطَاعَنِی فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِی فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَمَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِی وَمَنْ یَّعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِی وَاِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ وَیُتَّقٰی بِهٖ فَاِنْ اَمَرَ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَعَدَلَ فَاِنَّ لَهٗ بِذٰلِكَ اَجْرًا وَاِنْ قَالَ بِغَیْرِهٖ فَاِنَّ عَلَیْهِ مِنْهُ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص میری فرمانبرداری کرتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس شخص نے میری نافرمانی کی اس شخص نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس شخص نے اپنے امیر (سردار) کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس شخص نے اپنے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی! اور یاد رکھو، امام یعنی سربراہ مملکت (مسلمانوں کے لئے) ڈھال کی مانند ہے جس کے پیچھے سے (یعنی اس کی طاقت کے بل بوتہ پر) جنگ کی جاتی ہے اور جس کے ذریعہ (دشمنوں کی آفات و بلیات سے) حفاظت حاصل کی جاتی ہے پس (اگر وہ (امام) اللہ سے ڈر کر (اس کے قانون کے مطابق) فیصلہ کرے اور عدل و انصاف سے کام لے تو اس کی وجہ سے وہ امام بڑے اجر و ثواب کا مستحق ہو گا اور اگر وہ ایسا نہ کرے۔ (یعنی اس کے احکام و فیصلے، اللہ کے خوف، قانون الٰہی کی روح اور عدل و انصاف سے خالی ہوں) تو اس کی وجہ سے وہ سخت گنہ گار ہو گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: امام (سربراہ مملکت) کو ڈھال کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ڈھال جنگ میں (دشمن کے تیر و تلوار سے بچاتی ہے اسی طرح امام کا وجود، مسلمانوں کو دشمنان دین کے حملوں اور ان کی آفات و بلاؤں سے بچانے کا باعث ہے۔

اگر کسی کمتر شخص کو امیر بنایا جائے تو اس کی اطاعت بھی ضروری ہے

② وَعَنْ اُمِّ الْحُصَیْنِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْ اُمِّرَ عَلَیْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ یَقُوْدُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِیْعُوْا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت اُمّ حصینؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر کسی نکٹے اور کن کٹے غلام کو بھی تمہارا حاکم بنایا جائے اور وہ اللہ کے قانون کے مطابق تم پر حکمرانی کرے تو تم اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مقصد اولو الامر کی اطاعت و فرمانبرداری کی اہمیت کو واضح کرنا ہے اور اس اہمیت کو زیادہ سے زیادہ واضح کرنے کے لئے "غلام" کا ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا ہے "جو شخص مسجد بنائے اگرچہ وہ چڑیا کے گھونسلے کی

مانند ہوالخ" سے ظاہر ہے کہ مسجد چڑیا کے گھونسلے کی مانند کبھی نہیں ہو سکتی بلکہ اس ارشاد کا مقصد مسجد بنانے کی اہمیت اور اس کی فضیلت کو زیادہ سے زیادہ بیان کرنا ہے اسی طرح یہاں بھی "غلام" کے ذکر سے مبالغہ مقصود ہے یا پھر یہ مراد ہے کہ وہ غلام جو بادشاہ یا خلیفۂ اعظم (سربراہ مملکت) کا نائب ہو یا اسے کسی خاص علاقہ کا حاکم بنایا گیا ہو۔ اس ساری تاویل کی بنیاد یہ ہے کہ "غلام" کو امیر و امام (سربراہ مملکت) بنانا جائز نہیں ہے۔

واضح رہے کہ ان تمام احادیث میں بھی یہی تاویل کی جائے گی جن میں غلام کی امارت و سرداری کا ذکر ہے۔

"نکٹا اور کن کٹا" کے الفاظ بھی مقصد کو مؤکد کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں اور ان سے مراد "حقیر و کمتر" غلام ہے حاصل یہ کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے امیر و امام کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور اس کے منصب امارت و امت کی پوری عزت و توقیر کریں خواہ وہ امیر اپنی ذاتی حیثیت میں کتنا ہی کمتر کیوں نہ ہوں۔

③ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ حَبَشِیٌّ کَاَنَّ رَأْسَهٗ زَبِیْبَۃٌ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (اپنے امیر و حاکم کا فرمان سنو) اور (اس کے اوامر و نواہی کی) اطاعت کرو۔ تاوقتیکہ اس کا کوئی حکم و فرمان اللہ کے اور اس کے رسول کے خلاف نہ ہو) اگرچہ تم پر کسی ایسے غلام ہی کو حکمران کیوں نہ بنایا گیا ہو جس کا سر (چھوٹے پن اور سیاہی میں) انگور (کی مانند) ہو۔" (بخاریؒ)

غیر شرعی حکم کی اطاعت واجب نہیں

④ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ السَّمْعُ وَالطَّاعَۃُ عَلَی الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِیْمَا اَحَبَّ وَکَرِہَ مَالَمْ یُؤْمَرْ بِمَعْصِیَۃٍ فَاِذَا اُمِرَ بِمَعْصِیَۃٍ فَلَاسَمْعَ وَلَا طَاعَۃَ۔ (متفق علیہ)۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اپنے امیر و حاکم کی بات کو" سننا اور (اس کے احکام کی) فرمانبرداری کرنا ہر حالت میں مرد مسلم پر واجب ہے خواہ (اس کا کوئی حکم اس کو پسند ہو نا پسند ہو۔ تاوقتیکہ کسی گناہ کی بات کا حکم نہ کیا جائے۔ لہٰذا جب حاکم کوئی ایسا حکم دے جس (پر عمل کرنے میں گناہ ہو تو اس کی اطاعت کرنا واجب نہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: امیر و حاکم کی بات کو سننا اور اس کے احکام و فرامین کی اطاعت کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ اس کا حکم و فرمان طبیعت و پسند کے موافق ہو یا غیر موافق ہو لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا کوئی حکم شریعت کی حدود سے متجاوز نہ ہو لہٰذا اگر امیر و حاکم کوئی ایسا حکم و فرمان جاری کرے جس پر عمل کرنے سے گناہ لازم آتا ہو۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری واجب نہیں ہوگی لیکن اس صورت میں بھی امیر و حاکم کے خلاف بغاوت کرنا یا اس سے جنگ و جدال کرنا جائز نہیں ہوگا۔

⑤ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ للّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاطَاعَۃَ فِیْ مَعْصِیَۃٍ اِنَّمَا الطَّاعَۃُ فِی الْمَعْرُوْفِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کسی بھی ایسے حکم کی اطاعت و فرمانبرداری جائز نہیں ہے جس کا تعلق گناہ سے ہو (خواہ وہ حکم امیر و حاکم کی طرف سے ہو یا ماں باپ اور استاد پیر وغیرہ کی جانب سے ہو) اطاعت و فرمانبرداری تو صرف اچھے حکم میں واجب ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

اطاعت و فرمانبرداری کا عہد

⑥ وَعَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ

وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰى اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَعَلٰى اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَعَلٰى اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبادہؓ ابن صامت کہتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی یعنی آپ کے روبرو ان امور کا عہد کیا کہ "ہم (آپ کی ہدایات کو توجہ سے) سنیں گے (اور ہر قسم کے حالات میں آپ ﷺ کے احکام کی) اطاعت کریں گے تنگی اور سخت حالات میں بھی اور آسان و خوش آئند زمانہ میں بھی، خوشی کے موقع پر بھی اور ناخوشی کی حالت میں بھی ہم پر ترجیح دی جائے گی (تو ہم صبر کریں گے۔ ہم امر کو اس کی جگہ سے نہیں نکالیں گے، ہم (جب زبان سے کوئی بات کہیں گے تو) حق کہیں گے خواہ ہم کسی جگہ ہوں (اور کسی حال میں ہوں) اور ہم اللہ کے معاملے میں (یعنی دین پہنچانے اور حق بات کہنے میں) کسی ملامت کرنے والے شخص کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ (ہم نے اس بات کا عہد کیا کہ ہم امر کو جگہ سے نہیں نکالیں گے۔" (چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ امر کو اس کی جگہ سے نہ نکالو) ہاں اگر تم صریح کفر دیکھو جس پر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے (یعنی قرآن کی کسی آیت یا کسی حدیث کی صورت میں، دلیل ہو (اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو تو اس صورت میں امر کو اس کی جگہ سے نکالنے کی اجازت ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "ہم پر ترجیح دی جائے گی" کا مطلب یہ ہے کہ ہم انصار نے یہ بھی عہد کیا کہ اگر ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے گی ہم صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں گے۔ ایک روایت میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انصار سے فرمایا تھا کہ (میرے بعد تم لوگوں سے ترجیحی سلوک ہوگا یعنی بخشش وانعام اور اعزاز مناصب کی تقسیم کے وقت تم پر دوسرے لوگوں کو ترجیح وتفضیل دی جائے گی ایسے موقع پر تم لوگ صبر کرنا" چنانچہ آپ کی یہ پیش گوئی ثابت ہوئی کہ خلفائے راشدین کے زمانے کے بعد جب امراء کا عہد حکومت شروع ہوا تو انصار کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا گیا اور انصار نے بھی آپ کے ارشاد کی تعمیل میں اور اپنا عہد نباہتے ہوئے اس ترجیحی سلوک کے خلاف شکوہ شکایت کرنے کی بجائے صبر وتحمل کی راہ کو اختیار کیا۔

"ہم امر کو اس کی جگہ سے نہیں نکالیں گے" کا مطلب یہ ہے کہ ہم امارت وحکومت کی طلب وخواہش نہیں کرینگے ہم پر جس شخص کو امیر وحاکم بنادیا جائیگا ہم اس کو معزول نہیں کرینگے اور اپنے امیر وحاکم کے خلاف ہنگامہ آرائی کر کے کوئی شورش پیدا نہیں کریں گے۔

روایت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر امیر وحاکم کے قول وفعل میں صریح کفر دیکھو تو اس کو معزول کر دینے کی اجازت ہے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا واجب ہوگا۔

فسق وفجور، عزل منصب کی بنیاد بن سکتا ہے یا نہیں؟

اس ارشاد گرامی سے یہ واضح ہوا کہ امام یعنی سربراہ مملکت کو معزول کرنے کی اسی صورت میں اجازت ہے جب کہ وہ صریح طور پر کفر کا مرتکب ہو اور اس کا کفر قرآن وحدیث کی روشنی میں اتنے واضح طور پر ثابت ہو کہ اس امام کے لئے اس کفر کی کوئی بھی تاویل کرنا ممکن نہ ہو۔ چنانچہ حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر امام فسق وفجور میں مبتلا ہو جائے تو اس کو معزول کیا جا سکتا ہے یہی مسئلہ ہر قاضی وامیر کا ہے۔

واضح رہے کہ اس مسئلہ میں ان ائمہ کے اختلافی اقوال کی بنیاد یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو فاسق شخص اس بات کا اہل نہیں ہوگا کہ اس کو ولایت (کسی کا ولی ہونے) کی ذمہ داری سونپی جائے جب کہ امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ فاسق، ولایت کا اہل ہوسکتا ہے چنانچہ ان کے نزدیک فاسق باپ کے لئے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دینا جائز ہے۔

فرمانبرداری بقدر طاقت

⑦ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا اِذَا بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُوْلُ لَنَا فِيْمَا

اسْتَطَعْتُمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتے (یعنی اس بات کا عہد کرتے) کہ ہم (آپ کی ہدایات کو توجہ سے سنیں گے اور (آپ کے احکام کی) اطاعت کریں گے تو آپ ﷺ ہم سے فرماتے کہ "ان امور میں جن کی تم طاقت رکھتے ہو۔"
(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے یا تو اپنے مذکورہ ارشاد کے ذریعہ صحابہ کو یہ رخصت (یعنی آسانی و سہولت) عطا فرمائی کہ تم سے جس قدر فرمانبرداری ہو سکے اس قدر کرو۔ یا یہ ارشاد اسی بات کی تاکید و تشدید کے لئے تھا کہ تم جتنی فرمانبرداری کر سکو اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی یا قصور واقع نہ ہونا چاہئے۔

ملت کی اجتماعیت میں رخنہ ڈالنے والے کے بارے میں وعید

⑧ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰى مِنْ اَمِيْرِهٖ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ فَاِنَّهُ لَيْسَ اَحَدٌ يُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوْتُ اِلَّا مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر کوئی شخص اپنے امیر و سردار کی طرف سے کوئی ایسی بات دیکھے جو اس کو (شرعاً یا طبعاً) پسند نہ ہو تو اس کو اس پر صبر کرنا چاہئے اور اس کی وجہ سے امام کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند نہ کرنا چاہئے کیونکہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر (بھی) جدا ہوا اور (توبہ کئے بغیر اسی حالت میں) مرگیا تو اس کی موت، اہل جاہلیت کی موت کی مانند ہوگی۔"
(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے امام و امیر کی اطاعت و فرمانبرداری سے اپنے کو آزاد کر لیا اور مسلمانوں کی جماعت (تنظیم) سے علیحدگی اختیار کر لی اور تمام مسلمانوں کے اجتماع و اتحاد کی مخالفت پر کمربستہ رہا اور پھر اسی حالت میں وہ مرگیا تو گویا زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی موت مرا اور اس مشابہت کی بنیاد یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ چونکہ دین سے بے بہرہ تھے اس لئے وہ اپنے امیر و سردار کی اطاعت کرتے تھے نہ اپنے امام (رہنما) کی ہدایت کو مانتے تھے بلکہ ان سے وہ علی الاعلان بیزاری کا اظہار کرتے تھے اسی طرح چونکہ ان کے یہاں ملی شیرازہ بندی اور اجتماعی تنظیم کا کوئی اہتمام نہیں تھا اس لئے وہ نہ کسی چیز پر اجتماع و اتحاد کا مظاہرہ کرتے تھے اور نہ کسی رائے پر متفق ہوتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں ملت کی شیرازہ بندی، مسلمانوں کی مضبوط اجتماعی تنظیم، لیڈر شپ پر مکمل اعتماد اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور ملی امور میں آپس میں اتفاق و اتحاد کی بڑی اہمیت ہے بلکہ یہ چیزیں دین کا مطلوب ہیں اور دین کی سربلندی کا بنیادی عنصر ہیں۔

تعصب کے خلاف تنبیہ

⑨ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِّيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصَبِيَّةٍ اَوْيَدْعُوْ لِعَصَبِيَّةٍ اَوْيَنْصُرُ عَصَبِيَّةً فَقُتِلَ فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ وَمَنْ خَرَجَ عَلٰى اُمَّتِيْ بِسَيْفِهٖ يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا وَلَا يَتَحَاشٰى مِنْ مُؤْمِنِهَا وَلَا يَفِيْ لِذِيْ عَهْدٍ عَهْدَهٗ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص، امام (سربراہ مملکت) کی اطاعت

وفرمانبرداری سے نکل جائے اور اسلام کی جماعت (ملت کی اجتماعی ہیئت) سے علیحدگی اختیار کرے اور پھر اس حالت میں مرجائے تو اس کا مرنا جاہلیت پر مرنے کے مرادف ہوگا، جو شخص کسی ایسے جھنڈے کے نیچے یعنی کسی ایسے مقصد کے لئے) لڑا جس کا حق و باطل ہونا ظاہر نہ ہو درانحالیکہ وہ تعصب سے غضبناک ہوا اور متعصب ہوا اور تعصب کی وجہ سے لوگوں کو اپنی طرف بلایا یا تعصب کی وجہ سے کسی کی مدد کی (یعنی اس کا لڑنا غضبناک ہونا لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بلانا یا کسی کی مدد کرنا اعلاء کلمۃ الحق اور دین سے اظہار کے لئے نہیں تھا بلکہ محض تعصب یعنی اپنی قوم کے ظلم کی حمایت اور اس کی ناروا جانب داری کی بنیاد پر تھا) اور اسی حالت میں) وہ مارا گیا تو اس کا مرنا جاہلیت پر مرنے کے مترادف ہوگا اور جس شخص نے میری اُمت کے خلاف تلوار اٹھائی اور اس کے ذریعہ میری اُمت کے اچھے اور برے آدمیوں کو مارا اور میری اُمت کے مسلمان کی پرواہ نہیں کی (یعنی اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ ایک مسلمان کو مارنا کتنا بڑا جرم ہے اور اس کا وبال وعذاب کتنا سخت ہے) اور نہ اس نے عہد والے کے عہد کو پورا کیا تو نہ وہ میری اُمت میں سے ہے (یعنی میرے راستے پر چلنے والوں میں سے نہیں ہے اور نہ میرا اس سے کوئی تعلق ہے۔" (مسلمؒ)

بہترین اور بدترین حاکم

⑩ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ وَشِرَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ قَالَ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَانُنَابِذُهُمْ عِنْدَ ذٰلِكَ قَالَ لَا مَا اَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلَاةَ لَا مَا اَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلَاةَ اِلَّا مَنْ وُلِّيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَآهُ يَاتِيْ شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ فَلْيَكْرَهُ مَا يَاتِيْ مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عوف ابن مالک اشجعیؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "تمہارے حاکموں میں سے بہترین حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور تم ان کے لئے اور وہ تمہارے لئے دعا کریں اور اس کی وجہ سے آپس میں ربط وتعلق اور محبت پیدا ہو) اور تمہارے حاکموں میں سے بدترین حاکم وہ ہیں جن سے تم بغض وعداوت رکھو اور وہ تم سے بغض وعداوت رکھیں اور تم ان پر اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔" حضرت عوف کہتے ہیں کہ ہم (صحابہؓ) نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! کیا اس صورت میں ہم ان سے کئے ہوئے عہد وفاداری کو توڑ نہ ڈالیں (یعنی کیا ان بدترین حاکموں کو معزول نہ کردیں اور ان کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کردیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں! جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کریں، نہیں! جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کریں! خبردار! جس شخص کو تم پر حاکم مقرر کیا جائے اور تم اس کا کوئی ایسا فعل دیکھو۔ جو خدا کی نافرمانی (گناہ) پر مبنی ہو تو اس کے اس گناہ کے فعل کو برا سمجھنا چاہئے۔ لیکن اس کی اطاعت وفرمانبرداری سے دست بردار نہ ہونا چاہئے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کریں" اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اسلامی مملکت کے سربراہ کا نماز کو ترک کردینا مسلمانوں کے کئے ہوئے عہد وفاداری کو توڑ ڈالنے کا موجب اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری سے دست بردار ہوجانے کا سبب ہے کہ جس طرح اگر سربراہ مملکت صریح کفر کا مرتکب ہوجائے تو مسلمان اپنا عہد وفاداری توڑ کر اس کو معزول کرسکتے ہیں اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری سے دست بردار ہوسکتے ہیں، اسی طرح اگر وہ نماز پڑھنا چھوڑ دیں تو مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کے تئیں اپنا عہد وفاداری توڑ دیں اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری سے انکار کردیں! کیونکہ نماز دین کا ستون ہے اور کفر وایمان کے درمیان فرق وامتیاز کرنے والی ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے گناہ چونکہ ترک نماز کی طرح نہیں ہیں اس لئے ان کا ارتکاب عہد وفاداری کو توڑنے اور اطاعت وفرمانبرداری سے دست بردار ہونے کا موجب نہیں ہوسکتا۔ اس ارشاد گرامی میں ترک نماز پر سخت ترین زجر وتنبیہ اور عظیم تہدید ہے۔

حاکم کی بے راہ روی پر اس کو ٹوکنا ہر مسلمان کی ایک ذمہ داری ہے

(۱۱) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ عَلَيْكُمْ اُمَرَاءُ تَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ فَمَنْ اَنْكَرَ فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ سَلِمَ وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَالُوْا اَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ قَالَ لَا مَاصَلُّوا الا ما صلّوا اى مَنْ كَرِهَ بِقَلْبِهٖ وَاَنْكَرَ بِقَلْبِهٖ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ایسے لوگ بھی تم پر حاکم مقرر کئے جائیں گے جو اچھے برے دونوں قسم کے کام کریں گے لہٰذا جس شخص نے انکار کیا (یعنی جو شخص اپنے حاکم کے سامنے زبان سے یہ کہنے پر قادر ہو کہ تمہارا یہ فعل برا ہے اور اس نے اس طرح کہہ بھی دیا) تو وہ نفاق اور مداہنت سے پاک اور (اپنی ذمہ داری سے) بری ہو گیا، اور جس شخص نے مکروہ جانا (یعنی جو شخص حاکم کے منہ پر اس کے کسی برے فعل کو بیان کر دینے پر قادر نہ ہو لیکن اپنے دل سے اس کے اس فعل کو برا سمجھے) تو وہ سالم رہا (یعنی اس فعل کی برائی و گناہ اور اس کے وبال میں شریک ہونے سے محفوظ رہا) لیکن جو شخص (حاکم کے برے افعال پر دل سے) خوش ہوا اور (خود بھی ان برے افعال میں مبتلا ہو کر گویا حاکم کی اتباع کی (تو وہ گناہ اور اس کے وبال میں شریک ہوا) صحابہؓ نے عرض کیا کہ "(ایسی صورت میں جب کہ حکام برائیوں میں مبتلا ہو جائیں اور ان کی بے راہ روی کا اثر عوام پر بھی پڑنے لگے تو) کیا ہم ان کے خلاف جنگ نہ کریں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں!" جب تک وہ نماز پڑھیں، نہیں! جب تک وہ نماز پڑھیں۔" یعنی جس شخص نے اپنے دل سے برا سمجھا اور اپنے دل سے انکار کیا۔" (مسلمؒ)

تشریح: روایت کے آخری الفاظ "یعنی جس شخص نے اپنے دل سے برا سمجھا اور اپنے دل سے انکار کیا" کے بارہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تو یہ لکھا ہے کہ راوی کی عبارت ہے جس کے ذریعہ انہوں نے حدیث کے الفاظ و من کرہ فقد سلم کی توضیح کی ہے، جب کہ ملا علی قاریؒ نے یہ لکھا ہے کہ راوی نے اس عبارت کے ذریعہ حدیث کے ان دونوں جملوں فمن انکر اور و من کرہ الخ کی توضیح کی ہے۔

اگر حاکم کی طرف سے کسی کی حق تلفی ہو تب بھی اس کی فرمانبرداری کی جائے

(۱۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِيْ اَثَرَةً وَاُمُوْرًا تُنْكِرُوْنَهَا قَالُوْا فَمَا تَامُرُنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَدُّوْا اِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَسَلُوا اللّٰهَ حَقَّكُمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ "تم میرے بعد اپنے ساتھ ترجیحی سلوک اور بہت سی ایسی چیزوں کو دیکھو گے جس کو تم برا سمجھو گے۔" صحابہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! پھر آپ ہمیں کیا ہدایت دیتے ہیں (کہ اس وقت ہمارا رویہ کیا ہو؟) آپ ﷺ نے فرمایا "تم ان (حاکموں) کا حق ادا کرو اور اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے حاکم تمہارے ساتھ ترجیحی سلوک کریں بایں طور کہ تمہاری حق تلفی کریں تو ایسی صورت میں بھی ان کے تئیں تمہارا رویہ یہی ہونا چاہئے کہ تم ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرو یعنی ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرو اور ان کے مددگار و معین بنے رہو اور وہ تمہارے حق کی ادائیگی میں جو کوتاہی کریں ان پر صبر کرو اور بارگاہ کبریائی میں التجا کرو کہ وہ تمہیں تمہارے حق کا نعم البدل عطا کرے۔

(۱۳) وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَاَلَ سَلَمَةُ بْنُ يَزِيْدَ الْجُعْفِيُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا اُمَرَاءُ يَسْاَلُوْنَا حَقَّهُمْ وَيَمْنَعُوْنَا حَقَّنَا فَمَا تَامُرُنَا قَالَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَاحُمِّلُوْا

وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت وائلؓ ابن حجر کہتے ہیں کہ حضرت سلمہ ابن یزید جعفی نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا اور کہا کہ "یارسول اللہ! اس بارہ میں ہمارے لئے آپ (ﷺ) کی کیا ہدایت ہے کہ اگر ہم پر ایسے حاکم مقرر ہوں جو ہم سے تو اپنے حق (یعنی اطاعت و فرمانبرداری کا مطالبہ کریں لیکن ہمیں ہمارا حق (یعنی عدل و انصاف اور مال غنیمت کا حصہ نہ دیں؟ آپ نے فرمایا "تم ظاہر میں ان کی بات سنو اور باطن میں) ان کی فرمانبرداری کرو (یعنی ان کی بات اور ان کے احکام کو سننا ظاہری اطاعت ہے) اور ان احکام پر عمل کرنا باطنی فرمانبرداری ہے) یاد رکھو! ان پر وہ چیز فرض ہے جو ان کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے (یعنی رعایا کو عدل و انصاف دینا اور ان کے حقوق ادا کرنا اور تم پر وہ چیز فرض ہے جو تمہارے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے (یعنی اپنے حاکم و سردار کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا اور اگر ان حاکموں کی طرف سے تمہاری حق تلفی ہو یا اور کوئی مصیبت پیش آئے تو اس پر صبر کرنا۔" (مسلمؒ)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حاکم و رعایا میں سے ہر ایک کے سپرد جو ذمہ داریاں ہیں ان کو پورا کرنا ہر ایک پر واجب ہے جس طرح حاکم کے کاندھوں پر عوام کے حقوق کا تحفظ اور ان کو عدل و انصاف دینے کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنا اس پر واجب ہے، اسی طرح رعایا کے کاندھوں پر اپنے حاکم کی مدد و اعانت اور اس اطاعت کی فرمانبرداری ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنا رعایا پر واجب ہے لہٰذا دونوں ہی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی حدود سے تجاوز نہ کریں۔

امام کی اطاعت سے دست بردار ہونے والے کے بارے میں وعید

(۱۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا حُجَّةَ لَهُ وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص امام یعنی اسلامی مملکت کے سربراہ کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے وہ قیامت کے دن بارگاہ رب العزت میں اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے پاس (ایمان کی) دلیل نہیں ہوگی اور جو شخص اس حال میں مرے کہ اس کی گردن امام کی بیعت (یعنی امام برحق کی اطاعت) سے آزاد ہو (یعنی وہ امام برحق کا باغی ہو کر مرا جائے) تو اس کی موت جاہلیت پر مرنے کے مرادف ہوگی۔" (مسلمؒ)

خلیفہ و امیر کی موجودگی میں اگر کوئی دوسرا شخص خلافت و امارت کا دعویٰ کرے تو اس کو تسلیم نہ کرو

(۱۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ نَبِيٌّ وَاِنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُوْنَ قَالُوْا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ فُوْا بَيْعَةَ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ اَعْطُوْهُمْ حَقَّهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "بنی اسرائیل کو انبیاء ادب و تہذیب سکھایا کرتے تھے چنانچہ جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو اس کا جانشین کوئی دوسرا نبی ہو جاتا (اس طرح یکے بعد دیگرے انبیاء اپنی قوم کی تربیت کیا کرتے تھے۔) لیکن میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے البتہ میرے بعد امراء و خلفاء ہونگے اور بہت ہوں گے (جن کے ذمے) اُمت کی راہنمائی و نگہبانی ہوگی صحابہؓ نے عرض کیا کہ "جب بیک وقت متعدد امراء ملک و امت کی سیادت کے دعویدار ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت کریں گے تو) اس وقت کے لئے آپ ہمیں کیا ہدایت فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "پہلے امیر کی بیعت پوری کرو (پھر دوسرے زمانہ میں) پہلے امیر کی (یعنی جب بھی بیک وقت مثلاً دو امیر اپنی سیادت کا دعویٰ کریں تو اس امیر کی بیعت و طاعت کرو جو پہلے

مقرر ہوا ہو اور دوسرے کی مطلق پیروی نہ کرو) اور ان کے حقوق ادا کرو اور جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی مخلوق کی نگہداشت و حکومت کی ذمہ داری سونپی ہے اس کے بارہ میں وہ خود ان سے پوچھ لے گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: فوا ببیعۃ الاول فالاول کا مطلب یہ کہ اس خلیفہ و امیر کی بیعت پوری کرو جو پہلے مقرر ہوا پھر اس خلیفہ و امیر کی واطاعت کرو جو اس کے بعد مقرر ہوا! اور اس دوسرے خلیفہ و امیر کو "اول" اس امیر و خلیفہ کی نسبت سے فرمایا گیا ہے جو اس کے بعد مقرر ہوگا۔ گویا حاصل یہ ہے کہ جس طرح علی الترتیب ایک کے بعد دوسرا خلیفہ مقرر ہو اسی طرح تم بھی ترتیب کے ساتھ ایک کے بعد دوسرے خلیفہ کی بیعت واطاعت کرنا۔ ہاں اگر ایک ہی وقت میں دو شخص امارت و خلافت کا دعویٰ کریں تو تم اس شخص کی بیعت و طاعت کرو جو پہلے مقرر ہوا ہے اور دوسرے کے بارہ میں یہ سمجھو کہ یہ شخص حکومت و سیاست کے لالچ میں غلط دعویٰ کررہا ہے لہٰذا اس کو اپنا خلیفہ و امیر ماننے سے انکار کردو، چنانچہ آگے جو حدیث آرہی ہے اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔

اعطوھم حقھم (ان کے حقوق ادا کرو) گویا پہلے جملہ فوا ببیعۃ الاول (پہلے امیر کی اطاعت پوری کرو) کا بدل ہے اور حدیث کے آخری الفاظ یعنی فَاِنَّ اللّٰہَ سائلھم الخ دراصل پہلے جملہ کی علت کو بیان کرتے ہیں جس میں خلیفہ و امیر کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، گویا اس جملہ میں اختصار کو اختیار کیا گیا ہے، پورا مفہوم یہ ہے کہ تم ان کے حقوق ادا کرو اگرچہ وہ تمہارے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کریں۔

حدیث کے آخر میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ خلیفہ و امیر (سربراہ مملکت) کو رعایا کے حقوق کی حفاظت و ادائیگی کی جو (ذمہ داری) سونپی گئی ہے وہ اس کے لئے قیامت کے دن احکم الحاکمین کی بارگاہ میں جواب دہ ہوگا، اس نے دنیا میں جن لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہوگی اس سے ان لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کرائی جائے گی اور وہ اس پر قادر نہ ہوسکے گا تو سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

(۱۶) وَعَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا بُوْيِعَ لِخَلِيْفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الْاٰخَرَ مِنْهُمَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان میں سے جو بعد کا ہے اس کو قتل کر ڈالو۔" (مسلمؒ)

تشریح: اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ پہلے سے مقرر خلیفہ و امیر کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص اپنی خلافت و امارت کا اعلان کردے اور لوگوں سے بیعت لینے لگے تو اس سے جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ راہ راست پر آجائے اور خدا کے حکم کے مطابق پہلے سے مقرر خلیفہ و امیر کی اطاعت قبول کرلے یا اسی حالت میں مارا جائے کیونکہ وہ خدا کے حکم اور اسلامی مملکت کا باغی ہے اور باغی کی یہی سزا ہے کہ اگر وہ اپنی بغاوت سے باز نہ آئے تو اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

بعض حضرات نے "اس کو قتل کر ڈالو" کی مراد یہ بیان کی ہے کہ جن لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کا عہد کرلیا ہے اور وہ اپنی بیعت اور اپنا عہد فسخ کردیں اور اس شخص کو اس طرح کمزور کردیں کہ وہ خلیفہ کے خلاف شورش نہ پھیلا سکے۔

جو شخص اُمت میں تفرقہ پیدا کرے اس کو موت کے گھاٹ اتار دو

(۱۷) وَعَنْ عَرْفَجَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهُ سَيَكُوْنُ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ يُفَرِّقَ اَمْرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَهِيَ جَمِيْعٌ فَاضْرِبُوْهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عرفجہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "عنقریب تخریب و فساد رونما ہوں گے، لہٰذا جو شخص اس

اُمت میں تفریق پیدا کرنا چاہے درانحالیکہ اُمت آپس میں متحد و متفق ہو تو اس شخص کو تلوار سے اڑا دو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔" (مسلمؒ)

تشریح: "عنقریب تخریب و فساد رونما ہوں گے" کا مطلب یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ گذرتا جائے گا توں توں دین کے مخالف اور دشمن طاقتوں کی فتنہ پردازیاں بڑھتی جائیں گی، وہ مختلف طریقے سے اُمت میں انتشار پیدا کر کے تخریب و فساد کے شعلے بھڑکائیں گے وہ کوشش کریں گے کہ ملت اسلامیہ کے درمیان سے اتحاد و اتفاق کی روکو نکال لیں اور چونکہ "امارت و سیادت انسان کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے اس لئے کچھ مسلمان اس انسانی کمزوری سے مجبور ہو کر ان کی سازشوں کا شکار ہو جائیں گے اور طلب امارت و حصول جاہ کے لئے مسلم مخالف طاقتوں کا آلہ کار بن کر طرح طرح کے فتنوں کو جگائیں گے۔ جس کا انجام یہ ہوگا کہ تمام بدامنی و انتشار کی فضا پیدا ہو جائے گی اور اُمت گروہ بندیوں اور تفرقوں کا شکار ہو جائے گی۔ ایسے وقت میں مسلمانوں کو چاہئے کو جو شخص پہلے سے ان کی قیادت کے مرتبہ پر فائز ہے اور جس کو وہ شروع میں اپنا مرجع اطاعت بنا چکے ہیں اسی کے جھنڈے کے نیچے جمع رہیں اور اس کی قیادت میں ہر اس طبقہ اور فرد کے فتنوں کی سرکوبی کریں جو اُمت کے اتحاد و اتفاق میں رخنہ اندازی کر رہا ہو، کیونکہ (اصل میں امیر و خلیفہ وہی شخص ہے اور اسی کی قیادت قابل اطاعت ہے۔

"خواہ وہ کوئی بھی ہو" کے ذریعے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ اُمت کا اتحاد، فرد کی حیثیت و شخصیت پر مقدم ہے اگر اُمت۔ کے اتحاد اور ملت کی اجتماعی حیثیت کو بچانے کے لئے کسی بھی بڑے سے بڑے فرد کو راستہ سے ہٹانا پڑے تو اس میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرنی چاہئے خواہ وہ شخص کتنا ہی کوئی بڑا عالم کیوں نہ ہو۔ اور دیکھنے میں کتنا ہی بڑا شیخ طریقت اور کتنا ہی معزز و حیثیت دار کیوں نہ ہو بلکہ یہاں تک ملحوظ رہنا چاہئے کہ اگر کوئی ایسا شخص امارت و سیادت کا دعویٰ کرے جو حقیقت میں بھی اس منصب کا زیادہ اہل ہے تو علماء لکھتے ہیں کہ اس کو بھی قتل کر دینا چاہئے کیونکہ فتنہ و فساد اور اُمت میں تفریق پیدا کرنے کا باعث ہونے کی وجہ سے وہ قتل ہی کا مستحق ہے بشرطیکہ جو شخص پہلے منصب امارت و امامت پر فائز ہے وہ اپنے منصب کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا اہل ہو اور اس کو معزول کرنے کی کوئی وجہ نہ ہو۔

(۱۸) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَتَاكُمْ وَاَمْرُكُمْ جَمِيْعٌ عَلٰى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيْدُ اَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ اَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوْهُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عرفجہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص (امام وقت کے خلاف بغاوت کر کے اور اپنی خلافت و امارت کا اعلان کر کے) تمہارے پاس آئے درآنحالیکہ تم سب (پہلے سے) ایک شخص پر متفق اور ایک خلیفہ پر متحد ہو اور وہ شخص تمہاری لاٹھی کو چیرے یا تمہاری اجتماعی تنظیم میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا ہو تو تم اس کو قتل کر دو۔" (مسلمؒ)

تشریح: "لاٹھی چیرنے" کو کنایۃ "مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے" کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے، گویا مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد اور کسی ایک رائے پر مجتمع ہو جانے کو "لاٹھی" سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس، اتفاق و اتحاد اور اجتماعیت میں رخنہ اندازی کو "چیرنے" کا مفہوم دیا گیا ہے۔

اَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ (یا تمہاری اجتماعی تنظیم میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا ہو) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں راوی نے اپنے شک کو ظاہر کیا ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے یا تو پہلا جملہ ان یشق عصاکم ارشاد فرمایا تھا یا یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں ہی جملے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائے تھے، اس صورت میں پہلے جملہ کو دنیاوی امور یعنی مسلمانوں کی سیاسی طاقت میں انتشار پیدا کرنے پر محمول کیا جائے اور دوسرے جملہ کو دینی احکام یعنی مسلمانوں کی دینی زندگی اور ان کے مذہبی معاملات میں فتنہ پردازی پر محمول کیا جائے۔

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَايَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهٖ وَثَمَرَةَ قَلْبِهٖ

فَلْيُطِعْهُ اِنِ اسْتَطَاعَ فَاِنْ جَاءَ اٰخَرُ يُنَازِعُهٗ فَاضْرِبُوا عُنُقَ الْاٰخَرِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے امام سے بیعت کی بایں طور کہ اس کو اپنا ہاتھ دے کر اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کیا اور خلوص دل سے بھی اس کی حاکمیت و قیادت کو قبول کیا) تو اس کو چاہئے کہ وہ (حتی المقدور) اس امام کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور پھر اگر کوئی دوسرا شخص اپنی امامت کا اعلان کردے اور اپنے امام کے خلاف بغاوت کرے تو اس کی گردن اڑا دو۔" (مسلمؒ)

حکومت وامارت کے طلب گار نہ بنو

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْأَلِ الْاِمَارَةَ فَاِنَّكَ اِنْ اُعْطِيْتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وُكِلْتَ اِلَيْهَا وَاِنْ اُعْطِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَيْهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبدالرحمنؓ ابن سمرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم حکومت وسیادت کو طلب نہ کرو کیونکہ اگر تمہاری خواہش اور طلب پر تم کو حکومت وسیادت دی گئی تو تمہیں اسی کے سپرد کر دیا جائے گا (تاکہ تم اس منصب کی ذمہ داریوں کو انجام دو درآنحالیکہ منصب وامارت کی ذمہ داریاں اتنی دشوار اور مشقت طلب ہیں کہ بغیر مدد الٰہی کے کوئی شخص ان کو انجام نہیں دے سکتا اور اگر تمہاری خواہش وطلب کے بغیر تمہیں حکومت وسیادت ملے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائیگی (یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے تمہیں یہ توفیق بخشی جائے گی کہ تم عدل وانصاف اور نظم وضبط کے ساتھ اس کی ذمہ داریوں کو انجام دے سکو۔" (مسلمؒ)

(۲۱) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْاِمَارَةِ وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "(میں دیکھ رہا ہوں کہ) تم آنے والے زمانہ میں) حکومت وسیادت کی حرص میں مبتلا ہو گے حالانکہ وہ حکومت وسیادت (جو حرص وطلب کے ساتھ ملے) قیامت کے دن پشیمانی کا موجب ہے (یاد رکھو) حکومت وسیادت دودھ پلانے والی بھی ہے اور دودھ چھڑانے والی بھی ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: حکومت وسیادت کی ابتداء دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ اور اس کی انتہا کو دودھ چھڑانے والی عورت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جب کسی شخص کے پاس حکومت وسیادت آتی ہے تو وہ دودھ پلانے والی عورت کی طرح بہت اچھی لگتی ہے اور جب موت کا آہنی پنجہ اس کو حکومت وسیادت سے جدا کر دیتا ہے یا اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص راج گدی سنبھال لیتا ہے تو وہی حکومت وسیادت اس وقت دودھ چھڑانے والی عورت کی طرح بری لگتی ہے لہٰذا یہ بات مرد دانا کے لائق نہیں ہے کہ وہ ایسی لذت کے حصول کی خواہش و کوشش کرے جس کا انجام حسرت وغم ہے۔

(۲۲) وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا تَسْتَعْمِلُنِيْ قَالَ فَضَرَبَ بِيَدِهٖ عَلٰى مَنْكِبِيْ ثُمَّ قَالَ يَا اَبَاذَرٍّ اِنَّكَ ضَعِيْفٌ وَاِنَّهَا اَمَانَةٌ وَاِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَاَدَّى الَّذِيْ عَلَيْهِ فِيْهَا، وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ لَهٗ يَا اَبَاذَرٍّ اِنِّيْ اَرَاكَ ضَعِيْفًا وَاِنِّيْ اُحِبُّ لَكَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِيْ لَا تَاَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيْمٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) مجھے (کسی جگہ کا) عامل (حاکم) کیوں نہیں بنا دیتے؟

حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے (میری یہ بات سن کر) آنحضرت ﷺ نے (از راہ لطف وشفقت) میرے مونڈھے پر اپنا ہاتھ مارا اور پھر فرمایا کہ "ابوذرؓ! تم ناتواں ہو اور یہ سرداری (خدا کی طرف سے) ایک امانت ہے) جس کے ساتھ بندوں کے حقوق متعلق ہیں اور اس میں خیانت نہیں کرنی چاہئے) اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) سرداری قیامت کے دن رسوائی وپشیمانی کا باعث ہو گی الا یہ کہ جس شخص نے اس

(سرداری کو حق کے ساتھ حاصل کیا اور اس حق کو ادا کیا جو اس سرداری کے تئیں اس پر ہے (یعنی جو شخص مستحق ہونے کی وجہ سے سردار بنایا گیا اور پھر اس نے اپنے زمانہ میں حکومت میں عدل و انصاف کا نام روشن کیا اور رعایا کے ساتھ احسان و خیر خواہی کا برتاؤ کیا تو وہ سرداری اس کے لئے رسوائی اور وبال کا باعث نہیں ہوگی) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ابوذر! میں تمہیں ناتواں دیکھتا ہوں (کہ سرداری کا بار برداشت نہیں کر سکو گے) اور میں تمہارے لئے اس چیز کو پسند کرتا ہوں جو میں اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہوں۔ تم دو آدمیوں کا بھی سردار و عامل نہ بننا اور کسی یتیم کے بھی مال کی کارپردازی و نگرانی نہ کرنا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "جو میں اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں تمہاری طرح ضعیف و ناتواں ہوتا تو میں اس سرداری و حاکمیت کے بوجھ کو نہ اٹھاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے قوت بھی دی ہے اور پھر تحمل بھی عطا کیا ہے۔ اگر حق تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو تحمل عطا نہ ہوتا تو میں ہرگز اس بار کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حکومت و سیادت سے پرہیز کرنے کے بارے میں یہ حدیث اصل عظیم اور سب سے بڑی رہنما ہے بطور خاص اس شخص کے لئے جو اس منصب کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی قوت نہ رکھتا ہو۔"

جو شخص خود کسی عہدہ و منصب کا طلب گار ہو اس کو اس منصب پر فائز نہ کرو

(۲۳) وَعَنْ اَبِی مُوْسٰی قَالَ دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ بَنِی عَمِّی فَقَالَ اَحَدُهُمَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمِّرْنَا عَلٰی بَعْضِ مَا وَلَّاكَ اللّٰهُ وَقَالَ الْاٰخَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّا وَاللّٰهِ لَا نُوَلِّی عَلٰی هٰذَا الْعَمَلِ اَحَدًا سَأَلَهُ وَلَا اَحَدًا حَرَصَ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ لَا نَسْتَعْمِلُ عَلٰی عَمَلِنَا مَنْ اَرَادَهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں اور میرے چچا کی اولاد میں سے دو شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو (تمام مسلمانوں اور روئے زمین کا) حاکم بنایا ہے، مجھ کو کسی جگہ یا کسی کام کا حاکم و والی مقرر فرما دیجئے۔" دوسرے نے بھی اسی طرح کی خواہش کا اظہار کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا "خدا کی قسم! ہم (دین و شریعت کے) ان امور میں کسی بھی ایسے شخص کو والی اور ذمہ دار نہیں بناتے جو ہم سے ولایت و ذمہ داری کا طلب گار ہو یا اس کی حرص رکھتا ہو۔" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "ہم اپنے کام پر اس شخص کو (عامل کارپرداز) مقرر نہیں کرتے جو اس کا ارادہ (یعنی عامل ہونے کی خواہش رکھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جو شخص کسی خدمت و ذمہ داری کا طالب ہوتا اور آپ ﷺ سے اس کی درخواست کرتا تو آپ ﷺ اس کو اس کام پر مقرر نہ فرماتے کیونکہ کسی منصب کا طالب ہونا حب جاہ پر دلالت کرتا ہے جو آخر کار طالب کے حق میں خرابی کا باعث ہوتا ہے۔

حکومت و امارت سے انکار کرنے والا بہترین شخص ہے

(۲۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ مِنْ خَیْرِ النَّاسِ اَشَدَّهُمْ كَرَاهِیَةً لِهٰذَا الْاَمْرِ حَتّٰی یَقَعَ فِیْهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "لوگوں میں بہتر تم اس شخص کو پاؤ گے جو اس چیز (یعنی حکومت و سیادت) کو ناپسند کرنے کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت ہو یہاں تک کہ وہ اس میں مبتلا ہو جائے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص حکومت و سیادت کے منصب و اختیارات کو قبول کرنا سخت ناپسند کرے اس کو لوگوں میں کا بہترین شخص

جانو یہاں تک کہ وہ اگر کسی وجہ سے اس منصب کو قبول کر بیٹھا تو اس کو بھی آخر کار وہی ندامت و پشیمانی ہوگی جو اس منصب کا آخری انجام ہے۔

طیبیؒ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ایسے شخص کو جو حکومت وسیادت سے سخت متنفر ہو) تم ایک بہترین شخص پاؤ گے یہاں تک کہ اگر وہ اپنی اس نفرت پر قائم نہ رہ سکا اور حکومت وسیادت کی طلب میں مبتلا ہو گیا تو اس وقت وہ لوگوں میں کا بہترین نہیں بلکہ بدترین شخص ہوگا۔

قیامت کے دن ہر شخص کو اپنی ذمہ داری کی جواب دہی کرنی ہوگی

(۲۵) وعن عبداللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامام الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیتہ والرجل راع علی اھل بیتہ وھو مسئول عن رعیتہ والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وولدہ وھی مسئولۃ عنھم وعبد الرجل راع علی مال سیدہ وھو مسئول عنہ الا فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "خبردار تم میں سے ہر شخص اپنی رعیت کا نگہبان ہے اور (قیامت کے دن) تم میں سے ہر شخص کو اپنی رعیت کے بارہ میں جوابدہ ہونا پڑے گا، لہٰذا امام یعنی سربراہ مملکت وحکومت جو لوگوں کا نگہبان ہے اس کو اپنی رعیت کے بارہ میں جوابدہی کرنا ہوگی، مرد جو اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اس کو اپنے گھر والوں کے بارہ میں جواب دہی کرنا ہوگی عورت جو اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے، اس کو ان کے حقوق کے بارہ میں جوابدہی کرنی ہوگی اور غلام مرد جو اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اس کو اس کے مال کے بارے میں جوابدہی کرنا ہوگی لہٰذا آگاہ رہو! تم میں سے ہر ایک شخص نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک شخص اپنی رعیت کے بارہ میں جواب دہ ہوگا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "رعیت" اس چیز کو کہتے ہیں جو نگہبان کی حفاظت ونگرانی میں ہو، چنانچہ کسی ملک کے باشندوں کو اس ملک کے حکمران کی رعیت اور رعایا اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سب حکمران کی حفاظت ونگرانی میں ہوتے ہیں اور اسی اعتبار سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اپنی اپنی جگہ پر ہر شخص نگہبان ہے کہ مرد کے لئے گھر والے اس کی رعیت ہیں، عورت کے لئے خاوند کا گھر بار اور اس کے بچے اس کی رعیت ہیں اور غلام کے مالک کا مال اس کی رعیت ہے۔ یہاں تک کہ علماء نے لکھا ہے کہ ہر شخص اپنے جسم کے اعضاء حواس کا نگہبان ہے اور وہ اعضاء اس کی رعیت ہیں لہٰذا قیامت کے دن ہر شخص سے اس کے اعضاء حواس کے بارے میں بھی جواب طلب کیا جائے گا کہ تم نے ان اعضاء کو کہاں کہاں اور کس کس طرح استعمال کیا؟ اور اس کو حدیث میں اس لئے نقل نہیں کیا گیا کہ یہ بالکل ظاہر بات ہے۔

خائن وظالم حاکم کے بارے میں وعید

(۲۶) وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ وَالٍ يَلِي رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت معقلؓ ابن یسار کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو بھی شخص حکومت وسیادت حاصل کر کے اپنی رعیت پر حکمرانی کرے اور پھر اس حالت میں مرجائے کہ وہ اپنی رعیت پر ظلم اور ان کے حقوق میں خیانت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: جنت کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ ابتداء میں جنت میں داخل ہونے سے محروم کر دیا جائے گا۔ یا یہ ارشاد گرامی "مستحل" یعنی اس حاکم پر محمول ہے جو خیانت اور ظلم کو حلال جان کر ظالم وخائن بنا ہو اور یا یہ کہ آپ نے

زجر و تنبیہ اور تحت وعید کے طور پر یہ فرمایا ہو۔

رعایا کے حق میں بھلائی و خیر خواہی نہ کرنے والا حاکم جنت کی بو سے محروم رکھا جائے گا

(۲۷) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَامِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيْحَةٍ اِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت معقل ابن یسارؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ تعالیٰ جس شخص سے رعیت کی نگہبانی کرائے یعنی جس شخص کو رعیت کا حاکم و نگہبان بنائے) اور وہ بھلائی و خیر خواہی کے ساتھ نگہبانی نہ کرے تو وہ بہشت کی بو نہ پائے گا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "تو وہ جنت کی بو نہ پائے گا۔" کا مطلب یا تو یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن بہشت کی بو پانے والوں کے ساتھ بو نہ پائے گا حالانکہ بہشت کی بو پانچ سو برس کی مسافت کے فاصلے سے بھی آئے گی یا یہ مطلب ہے کہ وہ نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ بہشت کی بو نہیں پائے گا اور یا یہ کہ اگر وہ کفر پر مرے گا یا رعایا پر ظلم کرنے کو حلال جانے اور اسی عقیدے پر مر جائے تو اس کو مطلق بہشت کی بو میسر نہیں ہوگی۔

بدترین حاکم وہ ہے جو اپنی رعایا پر ظلم کرے

(۲۸) وَعَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْحُطَمَةُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (بارگاہ قاضی الحاجات میں یہ عرض کی "اے میرے پروردگار! جس شخص کو میری امت کے (دینی و دنیاوی) امور میں سے کسی کا ولی و متصرف بنایا گیا اور پھر اس نے (اپنے اختیار ولایت و تصرف کے ذریعہ) میری اُمت کے لوگوں پر مشقت و سختی مسلط کر دی تو اس شخص پر تو بھی، مشقت و سختی مسلط کر دے اور جس شخص کو میری اُمت کے امور میں کسی چیز کا والی و متصرف بنایا گیا اور اس نے میری اُمت کے لوگوں کے ساتھ نرمی و بھلائی کا برتاؤ کیا تو اس شخص کے ساتھ تو بھی نرمی و عنایت کا معاملہ فرما۔" (مسلمؒ)

عادل حکمران کا مرتبۂ عظیم

(۳۰) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ الَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہؓ ابن عمرو ابن العاص کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بلاشک عادل حکمران، اللہ کے ہاں نور کے منبروں پر جگہ پائیں گے جو رحمٰن (اللہ) کے داہنے ہاتھ کی طرف ہوں گے اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں (اور عادل حکمران وہ ہیں) جو اپنے احکام اپنے اہل اور اپنے زیر تصرف معاملات میں عدل و انصاف کرتے ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: "داہنے ہاتھ کی طرف الخ" یہ اللہ کے نزدیک عادل حکمران کے مرتبۂ عظیم اور جلالت قدر کا کنایہ پیرایہ بیان ہے کیونکہ جو شخص عظیم قدر ہوتا ہے۔ وہ دائیں طرف کھڑا ہوتا یا بیٹھتا ہے۔

"اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں" یہ دفع توہم کے لئے فرمایا گیا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ داہنا ہاتھ، بائیں ہاتھ کے مقابل میں کہا گیا ہے کیونکہ بایاں ہاتھ نسبتاً کمزور ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی کمزوری اور نقصان سے پاک و منزہ ہے واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ کی نسبت متشابہات میں سے ہے کہ اس کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تاہم ظاہری طور پر "ہاتھ" سے مراد قوت و غلبہ ہے۔

"حکام میں عدل و انصاف" کا مطلب یہ ہے کہ حکومت و امارت کے تعلق سے ان کے ذمے جو امور ہیں ان کی انجام دہی میں وہ انصاف، ایمان داری اور دیانت کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اہل میں عدل وانصاف کا مطلب یہ ہے کہ ان کے زیر تسلط جو لوگ ہیں خواہ وہ ان کے اہل و عیال ہوں یا رعیت کے عام لوگ ہوں سب کے حقوق کی ادائیگی میں جو ان پر واجب ہیں پورا پورا انصاف کرتے ہیں۔

اسی طرح "زیر تصرف معاملات میں عدل و انصاف" کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں ان کی ولایت و نگہبانی میں ہیں جیسے یتیم اور غربا کی پرورش اور وقف کے مال کی خبر گیری وغیرہ، ان میں وہ پوری دیانت داری اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔

ایک مرد حق گو کا قول ہے کہ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کے بارے میں بھی عدل و انصاف کرے باین طور کہ اپنے اوقات ایسی چیزوں میں ضائع نہ کرے جن میں اپنا وقت صرف کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا ہے بلکہ اپنے تمام اوقات کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی چیزوں اور مخلوق خدا کے حقوق کی ادائیگی میں مشغول رکھے اور حق تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری اور ممنوع چیزوں سے اجتناب پر مداومت اختیار کرے جیسا کہ اولیاء کرام اور اہل اللہ کا طریقہ ہے، یا اپنے وقت کا اکثر حصہ ان چیزوں میں مشغول رکھے جیسا کہ مؤمنین و صالحین کا معمول ہے۔

ہر حاکم و امیر کے ہمراہ ہمیشہ دو متضاد طاقتیں رہتی ہیں

(۳۱) وَعَنْ اَبِی سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَابَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَبِیٍّ وَلَا اسْتَخْلَفَ مِنْ خَلِیْفَةٍ اِلاَّ کَانَتْ لَهُ بِطَانَتَانِ بِطَانَةٌ تَامُرُهُ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَحُضُّهُ عَلَیْهِ وَبِطَانَةٌ تَامُرُهُ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّهُ عَلَیْهِ وَالْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نبی نہیں بھیجا اور ایسا کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا جس کے لئے دو چھپے ہوئے رفیق نہ ہوں، ایک چھپا ہوا رفیق تو نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور نیکی کی طرف راغب کرتا ہے اور دوسرا چھپا ہوا رفیق برائی کا حکم دیتا ہے اور برائی کی طرف راغب کرتا ہے اور معصوم (بے گناہ) وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے محفوظ رکھا۔" (بخاریؒ)

تشریح: دو چھپے ہوئے رفیقوں سے مراد فرشتہ اور شیطان ہیں یہ دونوں انسان کے باطن میں رہتے ہیں چنانچہ فرشتہ تو نیک کام کرنے کی ہدایت کرتا رہتا ہے اور نیکی کی ترغیب دیتا ہے جب کہ شیطان برے کام کرنے پر اکساتا رہتا ہے اور برائی کی طرف ڈھکیلتا رہتا ہے۔

"اور معصوم وہ ہے الخ" کے ذریعہ انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین، خلفاء راشدین اور بعض دوسرے خلفاء و امراء کا حال بیان کیا گیا ہے جن کو اللہ نے شیطان کے شر و فتنہ سے محفوظ رکھا ہے۔

"دو رفیقوں" سے مراد وزیر و مشیر ہو سکتے ہیں جو خلیفہ کے ساتھ ہر دم رہنے کی وجہ سے بطانہ (استر) سے مشابہ ہو گئے ہیں، چنانچہ ہر نبی اور خلیفہ کے ساتھ جو مشیر کار اور مصاحب رہتے تھے ان میں دو مختلف خیالات کے حامل افراد بھی ہوتے تھے یا ان کے ساتھ دو جماعتیں ہوتی تھیں جو آپس میں مختلف الرائے ہوتی تھیں جیسا کہ عام طور پر امراء و سلاطین اور والیان ریاست کے یہاں دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ ان کے مصاحب، مشیران کار اور کار پرداز ہوتے ہیں ان کے خیالات اور آراء کا بعد بین المشرقین ہوتا ہے، چنانچہ ان میں سے جو لوگ اچھے خیالات کے اور صائب الرائے ہوتے ہیں وہ اپنے والی و امیر کو اچھے مشورے دیتے ہیں اور جن کے خیالات فاسد ہوتے ہیں یا جن کے طبائع میں برائی کا مادہ ہوتا ہے وہ اپنے والی و امیر کو غلط مشورے دیتے ہیں اور ان کو برائی کی راہ پر چلانا چاہتے ہیں آگے اللہ کی مصلحت کار فرما ہوتی ہے کہ وہ جس والی و امیر کو چاہتا ہے برے مصاحبین کے خیالات اور ان کے مشورے قبول کرنے سے بچاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے ہاں حضرت قیس ابن سعدؓ کا منصب

(۳۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْزِلَةِ صَاحِبِ الشُّرَطِ مِنَ الْاَمِيْرِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ہاں حضرت قیسؓ ابن سعد کے سپرد وہ خدمت تھی جو امراء و سلاطین کے ہاں کوتوال انجام دیتے ہیں۔" (بخاریؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضرت قیسؓ ابن سعد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے تاکہ آنحضرت ﷺ جو احکام دیں وہ ان کو جاری و نافذ کریں جیسا کہ امراء و سلاطین کے ہاں کوتوال اس خدمت پر مقرر رہتے ہیں۔

عورت کو اپنا حاکم بنانے والی قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی

(۳۳) وَعَنْ اَبِي بَكْرَةَ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اَهْلَ فَارِسَ قَدْ مَلَّكُوْا عَلَيْهِمْ بِنْتَ كِسْرٰى قَالَ لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ امْرَاَةً۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کے پاس یہ خبر پہنچی کہ فارس والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حکمران بنالیا ہے تو فرمایا کہ "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے (ملک کے) امور کا حاکم و والی کسی عورت کو بنایا ہو۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولایت و حکمرانی کا اہل مرد ہی ہو سکتا ہے عورت حکمرانی و سربراہی کے منصب کی اہل نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

ملت کی اجتماعی ہیئت سے علیحدگی اختیار کرنے والے کے بارے میں وعید

(۳۴) عَنِ الْحَارِثِ الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ اِلَّا اَنْ يُّرَاجِعَ وَمَنْ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ مِنْ جُثَى جَهَنَّمَ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ۔ (رواہ احمد والترمذی)

"حضرت حارث اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں۔ (۱) مسلمانوں کی جماعت کا (قول و عمل اور اعتقاد میں) اطاعت کرو یعنی ملت کی اجتماعی ہیئت کو بہر صورت برقرار کرو اور سربراہان ملت کی طرف سے جو احکام جاری ہوں ان کو ہر حالت میں تسلیم کرو اور ان کی اطاعت کرو (۲) امراء علماء (شریعت کے مطابق) جو ہدایت دیں ان کو سنو اور تسلیم کرو (۳) علماء کے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری کرو (۴) ہجرت کرو (۵) اللہ کی راہ میں جہاد کرو! اور یاد رکھو) جو شخص ملت کی اجتماعی ہیئت سے بالشت بھر بھی الگ ہوا اس نے (گویا) اسلام کی رسی کو اپنی گردن سے نکال دیا الایہ کہ وہ واپس آجائے اور جس شخص نے پکارا جاہلیت کا سا پکارنا، وہ (گویا) دوزخیوں کی جماعت کا فرد ہے اگرچہ وہ روزے رکھے، نماز پڑھے اور یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں۔" (احمدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: "ہجرت کرو" اس حکم میں "ہجرت" سے مراد ہے کہ دار الکفر میں رہنے والا مسلمان ترک وطن کر کے دار الاسلام چلا جائے یا اگر کسی ایسے مسلم ملک یا شہر میں ہو جو بدعات و منہیات کا گڑھ ہونے کی وجہ سے "دار البدعۃ" کے حکم میں ہو تو اس کو چھوڑ کر ملک یا ایسے شہر میں چلا جائے جو سنت دین کا مرکز ہونے کی وجہ سے دار السنۃ کے حکم میں ہو! اسی طرح گناہ معصیت کی زندگی کو چھوڑ کر توبہ و انابت الی اللہ کی راہ کو اختیار کر لینا بھی "ہجرت" کے حکم میں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ۔

"وہ شخص (بھی) مہاجر ہے جس نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا جس سے اللہ نے روکا۔"

"اللہ کی راہ میں جہاد کرو" اس حکم میں "جہاد" سے مراد یہ ہے کہ اسلام کی ترقی وشوکت، دین کی سربلندی اور روئے زمین پر قانون الٰہی کے غلبہ کے لئے اسلام دشمن طاقتوں اور کافروں سے جنگ کرو، نیز اپنے نفس کو اس کی خواہشات سے باز رکھ کر اس کو مارنا بھی "جہاد" ہے کیونکہ انسان کے ساتھ اس کے نفس کی دشمنی سے زیادہ سخت اور نقصان دہ اور چیز نہیں ہے۔

"جو شخص ملت کی اجتماعی ہیئت سے بالشت بھر بھی الگ ہوا الخ" یعنی جس مسلمان نے اس چیز کو ترک کیا جس پر پوری ملت عمل پیرا ہے جیسے سُنّت کو اختیار کرنا، بدعات سے اجتناب کرنا، امام وامیر کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا اور اگرچہ اس نے ان چیزوں کو بہت معمولی درجے میں ترک کیا ہو تو اس نے گویا اسلام کی فرمانبرداری کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دیا یعنی اس نے اسلام کے تئیں اپنے کئے ہوئے عہد کو توڑ دیا اور اپنی اس ذمہ داری کو ختم کر دیا جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس پر واجب تھی۔ یا یہ کہ خود (اسلام اس سے بری الذمہ ہو گیا۔ ہاں اگر وہ اپنے اس (فعل) (ملت کی اجتماعی ہیئت سے علیحدگی) سے باز آ گیا اور اس نے اپنی بدعملی سے رجوع کر لیا تو پھر وہ پہلے ہی کی طرح اسلام کا ایک فرمانبردار فرد ہو جائے گا۔

"اور جس شخص نے پکارا جاہلیت کا سا پکارنا الخ" سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے زمانہ جاہلیت کے رسم ورواج کی طرف بلایا اور اس طرح وہ مخلوق کو اسلام مخالف عقائد ونظریات اور باطل رسوم وعادات میں مبتلا کرنے کا باعث ہوا اور بعض حضرات یہ مراد بیان کرتے ہیں کہ اس نے کسی حادثہ وحملہ کے وقت اس طرح لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بلایا جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ جب کسی شخص پر دشمن غالب آ جاتا تھا تو اپنی مدد کے لئے لوگوں سے بآواز بلند یوں فریاد کرتا "اے فلاں شخص کے خاندان والو! اے فلاں شخص کے خاندان والو۔ چنانچہ وہ لوگ اس کی مدد کے لئے دوڑ پڑتے قطع نظر اس بات کے وہ شخص ظالم ہے یا مظلوم ہے۔"

امیر ووالی کی اہانت کرو

(۳۵) وَعَنْ زِيَادِ بْنِ كُسَيْبٍ الْعَدَوِيِّ قَالَ كُنْتُ مَعَ اَبِي بَكْرَةَ تَحْتَ مِنْبَرِ ابْنِ عَامِرٍ وَهُوَ يَخْطُبُ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَقَالَ اَبُو بِلَالٍ اُنْظُرُوْا اِلَى اَمِيْرِنَا يَلْبَسُ ثِيَابَ الْفُسَّاقِ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرَةَ اسْكُتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَهَانَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ اَهَانَهُ اللّٰهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت زیاد ابن کسیبؓ عدوی (تابعی) کہتے ہیں (ایک دن) میں حضرت ابوبکرہؓ (صحابی) کے ہمراہ حضرت عامرؓ کے منبر کے نیچے بیٹھا تھا جب کہ وہ (ابن عامر) خطبہ دے رہے تھے اور انہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے (اسی موقع پر ایک تابعی) ابوبلالؒ نے کہا کہ "ذرا تم ہمارے اس امیر کو تو دیکھو، اس نے فاسقوں کے سے کپڑے پہن رکھے ہیں!؟ حضرت ابوبکرہؓ نے کہا "خاموش! میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جو شخص بادشاہ کی اہانت کرے گا جس کو اللہ نے (اپنی مخلوق کے کاموں کی انجام دہی کے لئے) زمین پر مقرر کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو سبک وخوار کرے گا اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: "اس نے فاسقوں کے سے کپڑے پہن رکھے ہیں۔" بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت ابن عامر نے کسی ایسے کپڑے کا لباس زیب تن کر رکھا تھا جس کا پہننا مردوں کے لئے حرام ہے جیسے حریر یا کوئی دوسرا ریشمی کپڑا۔، حضرت ابوبکرہؓ نے حضرت بلال کو اس بات سے منع کیا کہ وہ حضرت ابن عامر کو مطعون نہ کریں تو اس کی بنیاد یہ تھی کی ایسے موقع پر ابوبلالؒ کی نصیحت کہیں تکا فضیحتی اور مسلمانوں میں فتنہ وفساد پیدا ہو جانے کا باعث نہ بن جائے۔

یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے کپڑے ریشمی نہ رہے ہوں بلکہ بہت اعلیٰ قسم کے اور بہت زیادہ باریک رہے ہوں جو عام طور پر اہل

عیش و تنعم کا لباس ہوتا ہے اور زاہد و عابد لوگ جس سے پرہیز کرتے ہیں اس لئے حضرت ابو بلالؓ نے اس کپڑے کو فاسقوں کے لباس سے تشبیہ دی ہے بعض عارفین کا یہ قول ہے کہ مَنْ رَقَّ ثَوْبُهٗ رَقَّ دِیْنُهٗ
"جس شخص نے بہت باریک کپڑے پہنے اس نے اپنے دین کو باریک کیا۔"

اگر امیر و حاکم کسی گناہ کا حکم دے تو اس کی اطاعت نہ کرو

(۳۶) وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ۔

"اور حضرت نواسؓ ابن سمعان کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مخلوق کے کسی ایسے حکم کی بھی تابعداری جائز نہیں جس سے خالق کی نافرمانی ہو۔" (شرح السنۃ)

تشریح: مطلب یہ ہے اگر مخلوق (کوئی انسان) خواہ وہ امیر و حاکم ہی کیوں نہ ہو، کوئی ایسا حکم دے جس پر عمل کرنے سے خالق (یعنی اللہ تعالیٰ) کی نافرمانی ہوتی ہو اور گناہ لازم آتا ہو تو اس حکم کو مطلقاً نہ ماننا چاہئے۔ ہاں اگر کسی شخص کو اس کی اطاعت پر بزور طاقت مجبور کیا گیا ہو تو اس صورت میں گناہ نہیں۔

امیر و حاکم کا انجام

(۳۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَمِیْرِ عَشَرَةٍ اِلَّا یُؤْتٰی بِهٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَغْلُوْلًا حَتّٰی یَفُکَّ عَنْهُ الْعَدْلُ اَوْ یُوْبِقَهُ الْجَوْرُ۔ (رواه الدارمی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہر امیر و حاکم، خواہ وہ دس ہی آدمیوں کا امیر و حاکم کیوں نہ ہو قیامت کے دن اس طرح لایا جائے گا اس کی گردن میں طوق ہوگا یہاں تک کہ اس کو اس طوق سے یا تو اس کا عدل نجات دلائے گا یا اس کا ظلم ہلاک کرے گا۔" (دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایک بار تو ہر حاکم خواہ وہ عادل ہو یا ظالم، بارگاہ رب العزت میں باندھ کر لایا جائے گا اور پھر تحقیق کے بعد اگر وہ عادل ثابت ہوگا اس کو نجات دے دی جائے گی اور اگر ظالم ثابت ہوگا تو ہلاکت یعنی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

قیامت کے دن امراء و حکام کی حسرت ناکی

(۳۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَیْلٌ لِّلْاُمَرَاءِ وَیْلٌ لِّلْعُرَفَاءِ وَیْلٌ لِّلْاُمَنَاءِ لَیَتَمَنَّیَنَّ اَقْوَامٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَنَّ نَوَاصِیَهُمْ مُعَلَّقَةٌ بِالثُّرَیَّا یَتَجَلْجَلُوْنَ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَاَنَّهُمْ لَمْ یَلُوْا عَمَلًا۔ رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَفِیْ رِوَایَتِهٖ اَنَّ ذَوَائِبَهُمْ کَانَتْ مُعَلَّقَةً بِالثُّرَیَّا یَتَذَبْذَبُوْنَ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَکُوْنُوْا عُمِّلُوْا عَلٰی شَیْءٍ۔

"اور حضرت ابوہرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "افسوس ہے امراء و حکام پر، افسوس ہے چودھریوں پر، افسوس ہے امینوں پر! بہت سے لوگ قیامت کے دن آرزو کریں گے کہ (کاش دنیا میں) ان کی پیشانیوں کے بال ثریا میں باندھ کر ان کو لٹکا دیا جاتا اور زمین و آسمان کے درمیان جھولتے رہتے لیکن ان کو کسی کام کی ولایت و سرداری نہ ملتی۔" (شرح السنۃ)

تشریح: لفظ "ویل" کے معنی ہیں "وہ غم، ہلاکت اور دکھ و تکلیف جو عذاب کی وجہ سے ہو۔" اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ "ویل" دوزخ کے ایک (نالے) کھائی کا نام ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ "ویل" دوزخ کا ایک نالا ہے جس میں کافر چالیس برس تک گرتا لڑھکتا چلا جائے گا۔ مگر تہ تک نہیں پہنچے گا۔"

"امین" اس کار پرداز کو کہتے ہیں جس کو حاکم نے صدقات اور خراج محصولات لینے پر مقرر کیا ہو۔ یا وہ مسلمانوں کے دوسرے قسم کے مال و اسباب کا نگران و محافظ بنایا گیا ہو۔ اور یا حاکم کے علاوہ کسی اور شخص نے اس کو اپنے مال کا امانت دار بنایا ہو۔

"ثریا" ان پانچ ستاروں کا مجموعہ کا نام ہے جو پاس پاس رہتے ہیں اور جن میں روشنی کم ہوتی ہے۔ پیشانی کے بل دریا میں باندھ کر لٹکانا دراصل ذلت و خواری کی تمثیل ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب امراء و حکام قیامت کے دن یہ دیکھیں گے کہ دنیا میں ہمیں لوگوں میں جو برتری و حاکیت، شان و شوکت اور عزت و ریاست حاصل تھی آج اس کے بدلے میں ہمیں یہاں کی ذلت و خواری اور سبکی و سزا مل رہی ہے تو وہ آرزو کریں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں لوگوں پر وہ برتری و فوقیت اور عزت اور ریاست حاصل نہ ہوتی بلکہ ان کے مقابلہ میں ذلت و خواری اور کمتری ملتی جو یہاں کی ذلت و خواری سے کہیں کم و ہلکی ہوتی، یہاں تک کہ ہمارے سر کے بالوں کو کسی بلند چیز سے باندھ کر ہمیں معلق کر دیا جاتا اور لوگ ہماری عزت و ریاست اور رفعت کی بجائے اس ذلت و کمتری کا مشاہدہ کرتے۔

حدیث کا مقصد یہ تلقین کرنا ہے کہ اگر کسی شخص کے ذمہ کوئی خدمت سپرد کی جائے یا اس کو کسی جگہ کا یا کچھ لوگوں کا امیر و والی بنایا جائے تو وہ عدل انصاف کرے کہ عادل و منصف امیر و حاکم کے حق میں بہت زیادہ ثواب کی بشارتیں ہیں اور نہ کسی کے ساتھ ظلم و جور کا معاملہ کرے اور نہ کسی کی حق تلفی کرے کہ ظلم و جبر اور حق تلفی کرنے والوں کا یہ حشر ہوگا جو حدیث میں مذکور ہوا۔

امیر و چودھریوں اور امینوں پر افسوس کا اظہار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مناصب اور ذمہ داریاں عام طور پر لغزش میں مبتلا کر دیتی ہیں اور باطل کی طرف مائل کرتی ہیں اور ان کے امور کی انجام دہی میں عدل و انصاف اور راہ راست پر جمے رہنے کے تقاضے کم ہی پورے ہوتے ہیں۔ ہاں جن کو حق تعالیٰ کی حفاظت و مدد اور توفیق نیک حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے مناصب کی ذمہ داریوں کو ان کے شرائط کے مطابق پورا کرتے ہیں۔

اکثر چودھری دوزخ میں جائیں گے

(۳۹) وَعَنْ غَالِبِ الْقَطَّانِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعِرَافَةَ حَقٌّ وَلَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ عُرَفَاءَ وَلٰكِنَّ الْعُرَفَاءَ فِي النَّارِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت غالب قطان ایک شخص سے اور وہ شخص اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "چودھرائت ایک حقیقت ہے اور لوگوں کے لئے چودھریوں کا ہونا ضروری ہے لیکن چودھری دوزخ میں جائیں گے۔" (ابوداؤد)

تشریح: "چودھرایت ایک حقیقت ہے" کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لئے چودھری ہونا ایک امر واقع ہے اور ان کی طرف لوگوں کی احتیاج مسلم ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ (اکثر) چودھری دوزخ میں جائیں گے کیونکہ وہ اپنی چودھرائیت میں حق و انصاف سے کام نہیں لیں گے اور عدل و ایمانداری کے تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھیں گے۔ اس اعتبار سے چودھرائت کو قبول کرنا ہلاکت و عذاب کا سخت خطرہ مول لینا ہے لہٰذا عاقل و دانا کو چاہئے کہ وہ اس بارے میں ہوشیار رہے اور اس منصب کو قبول کرنے سے حتی الامکان پرہیز کرے تاکہ وہ کسی ایسے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے جو اس کو دوزخ کے عذاب کا مستوجب بنا دے۔"

احمق سردار و حاکم سے خدا کی پناہ چاہو

(۴۰) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُعِيْذُكَ بِاللّٰهِ مِنْ اِمَارَةِ السُّفَهَاءِ قَالَ وَمَاذَاكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اُمَرَاءُ سَيَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ مَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَاَعَانَهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسُوْا مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُمْ وَلَنْ يَرِدُوْا عَلَيَّ الْحَوْضَ وَمَنْ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَاُولٰئِكَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُمْ وَاُولٰئِكَ يَرِدُوْنَ عَلَيَّ الْحَوْضَ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

"اور حضرت کعبؓ ابن عجرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا "میں تمکو بیوقوف لوگوں کی سرداری کے طور طریقوں سے یا ان کی مصاحبت وحمایت) سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔" کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ (یعنی اس طرح کی سرداری کب ہوگی اور کیونکر ہوگی اور وہ کون لوگ ہوں گے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "میرے بعد (بعض زمانوں میں) جو لوگ امیر و حاکم ہوں گے (وہ احمق و نادان آئین جہانبانی سے نابلد اور جھوٹے اور ظالم ہوں گے، لہٰذا جو لوگ ان (احمق و نادان اور کذاب و ظالم امیروں وحاکموں) کے پاس گئے (یعنی ان کی مصاحبت اختیار کی اور ان کے جھوٹ کو سچ کہا (اور اپنے قول و فعل کے ذریعہ) ان کے ظلم کی امداد وحمایت کی تو نہ ان کا مجھ سے کوئی تعلق ہے اور نہ میں ان سے کوئی تعلق رکھتا ہوں (بلکہ ان سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہوں) اور نہ وہ لوگ حوض پر میرے پاس آئیں گے اور جو لوگ نہ تو ان امیروں اور حاکموں کے پاس گئے اور نہ ان کے جھوٹ کو سچ کہا اور نہ ان کے ظلم کی امداد وحمایت کی تو وہ لوگ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں اور وہ حوض پر میرے پاس آئیں گے۔" (ترمذیؒ ونسائیؒ)

تشریح: "اور نہ وہ لوگ میرے پاس حوض پر آئیں گے" میں "حوض" سے مراد یا تو "حوض کوثر" ہے کہ ان لوگوں کو حوض کوثر پر میرے پاس آنے کی اجازت نہیں ہوگی یا "جنت" مراد ہے کہ ان لوگوں کو جنت میں میرے پاس نہیں آنے دیا جائے گا۔ یہ ارشاد گرامی گویا اس بات کو سخت وعید کے طور پر واضح کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی حکومت اور نظام مملکت کی رکنیت اختیار کرتا ہے یا اس کی امداد وحمایت کو اپنا شیوہ بناتا ہے جس کی باگ ڈور کم ظرف اور احمق لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور جس کا سایہ میں خدا کے بندوں پر ظلم وجور کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص میں ایمان کا فقدان ہے اور وہ شخص مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

سربراہان حکومت کی حاشیہ نشینی دین ودنیا کی تباہی کا باعث ہے

(۴۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ وَمَنْ اَتَى السُّلْطَانَ افْتُتِنَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوُدَ مَنْ لَزِمَ السُّلْطَانَ افْتُتِنَ وَمَا ازْدَادَ عَبْدٌ مِنَ السُّلْطَانِ دُنُوًّا اِلَّا ازْدَادَ مِنَ اللّٰهِ بُعْدًا۔

"اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص جنگل (دیہات) میں رہتا ہے وہ جاہل ہوتا ہے، جو شخص شکار کے پیچھے پڑا رہتا ہے وہ غافل ہوتا ہے اور جو شخص بادشاہ کے پاس آتا جاتا ہے وہ فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے (احمدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ) اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ (جو شخص بادشاہ کی ملازمت میں رہتا ہے (یعنی اس کے ہاں ہر وقت حاضر باش وحاشیہ نشین اور مددگار رہتا ہے وہ فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے اور جو شخص بادشاہ کا جتنا زیادہ قرب چاہتا ہے اتنا ہی اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔

تشریح: "جو شخص جنگل (دیہات) میں رہتا ہے الخ" سے دیہات میں رہنے والوں کی ہتک وتضحیک مراد نہیں ہے اور نہ ان کو کمتر بنانا مقصود ہے بلکہ یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ دیہات وگاؤں میں رہنے والے لوگوں کو چونکہ علماء وصلحاء اور اولیاء اللہ کی صحبت میسر نہیں ہوتی اس لئے ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں اور ان میں علم و معروفت عقل و دانش اور فہم وذکاوت کی روشنی پیدا نہیں ہو پاتی۔

"جو شخص شکار کے پیچھے پڑا رہتا ہے الخ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص از راہ لہو ولعب اور حصول لذت وخوشی کی خاطر ہر وقت شکار کی دھن میں رہتا ہے وہ طاعات وعبادت اور جمعہ اور جماعت نماز کے التزام سے غافل ہو جاتا ہے نیز اس میں شفقت ومحبت اور نرم خوئی کی صفات ختم ہو جاتی ہیں۔

واضح رہے کہ اس ارشاد کے ذریعہ ان لوگوں کو متنبہ کرنا مقصود ہے جو شکار کو عادت بنا لیتے ہیں اور حلال رزق حاصل کرنے کی نیت سے نہیں بلکہ محض تفریح اور وقت گزاری کے لئے اپنے اوقات کا اکثر حصہ اس میں مصروف رکھتے ہیں، ورنہ تو جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے مطلق شکار کے مباح وحلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور بعض صحابہؓ نے شکار کیا ہے البتہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں علماء

نے لکھا ہے کہ آپ نے خود بہ نفس نفیس کبھی شکار نہیں کیا ہے لیکن کسی کو شکار کرنے سے منع نہیں کیا ہے۔
حدیث کے آخر میں بادشاہ و حاکم کی حاشیہ نشینی اور دربار حکومت میں حاضرباشی کی خرابی کو واضح کیا گیا ہے کہ جو شخص بغیر کسی ضرورت و حاجت کے بادشاہ و حاکم کی چوکھٹ پر گیا وہ فتنہ میں مبتلا ہو گیا کیونکہ اگر وہ بادشاہ و حاکم کے ان افعال و اعمال کی موافقت و حمایت کرے گا جو خلاف شرع ہوں تو اس کا دین خطرہ میں پڑے گا اور اگر ان کی مخالفت کرے گا تو اپنی دنیا خراب کرے گا مظہرؒ کہتے ہیں کہ جو شخص بادشاہ و حاکم کے دربار میں حاضر ہوا اور وہاں مداہنت اختیار کی (یعنی ان کے خلاف شرع امور پر ان کو ٹوکا نہیں) تو اس نے فتنہ میں اپنے آپ کو مبتلا کیا (یعنی اپنا دین خطرے میں ڈالا) اور اگر اس نے مداہنت اختیار نہیں کی بلکہ انکو نصیحت کی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا تو اس صورت میں دربار حکومت میں اس کی حاضری جہاد سے بھی افضل ہوگی۔
دہلویؒ نے مسند فردوس میں حضرت علیؓ سے بطریق مرفوع یہ روایت نقل کی ہے کہ:

مَنِ ازْدَادَ عِلْمًا وَلَمْ یَزْدَدْ فِی الدُّنْیَا زُھْدًا لَمْ یَزْدَدْ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا بُعْدًا۔

"جس شخص نے اپنا علم تو زیادہ کیا لیکن دنیا کے (مال و متاع) میں بے رغبتی کو زیادہ نہیں کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دوری کو زیادہ کیا۔"

گمنامی راحت کا باعث ہے اور شہرت، آفت کا باعث

(۴۲) وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیکَرِبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ عَلٰی مَنْکِبَیْہِ ثُمَّ قَالَ اَفْلَحْتَ یَاقُدَیْمُ اِنْ مُتَّ وَلَمْ تَکُنْ اَمِیْرًا وَلَا کَاتِبًا وَلَا عَرِیْفًا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت مقدامؓ ابن معدیکرب روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ان (یعنی مقدامؓ) کے مونڈھے پر اپنے ہاتھ) مار کر فرمایا اے قُدَیم! اگر اس حالت میں تمہاری موت ہو کہ نہ تو تم امیر و حاکم ہو، نہ منشی ہو اور نہ چودھری تو تم نے فلاح پائی۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ گمنامی و بے منصبی راحت ہے اور شہرت و منصب آفت ہے۔

لوگوں سے خلاف شرع محصول و ٹیکس وصول کرنے والا حاکم جنت سے محروم رہے گا

(۴۳) وَعَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ صَاحِبُ مَکْسٍ یَعْنِی الَّذِیْ یُعَشِّرُ النَّاسَ۔ (رواہ احمد وابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت عقبہؓ ابن عامر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "صاحب مکس جنت میں داخل نہیں ہوگا" صاحب مکس سے آنحضرت ﷺ کی مراد (حاکم کا کارپرداز) ہے جو لوگوں سے خلاف شرع محصولات و ٹیکس وصول کرتا ہے۔" (احمد، ابوداؤد، دارمی)

امام عادل کی فضیلت

(۴۴) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاَقْرَبَھُمْ مِنْہُ مَجْلِسًا اِمَامٌ عَادِلٌ وَاِنَّ اَبْغَضَ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاَشَدَّھُمْ عَذَابًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَاَبْعَدَھُمْ مِنْہُ مَجْلِسًا اِمَامٌ جَائِرٌ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اور مجلس (یعنی مرتبہ) کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب جو شخص ہوگا وہ عادل امام و حاکم ہے اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ نفرت کا مستحق اور سب سے زیادہ عذاب کا سزاوار! اور ایک روایت میں یہ ہے کہ۔ اللہ سے سب سے زیادہ دور جو شخص

ذ ظالم امام و حاکم ہے۔" امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

ظالم حاکم کے سامنے حق گوئی سب سے بہتر جہاد ہے

(۴۵) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْجِھَادِ مَنْ قَالَ کَلِمَۃَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَۃَ وَرَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِھَابٍ۔

"اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سب سے بہتر جہاد اس شخص کا ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہے۔" (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور احمد و نسائی نے اس روایت کو طارق ابن شہابؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح : جابر و ظالم حکمران کے سامنے حق گوئی کو بہترین جہاد اس لئے فرمایا گیا کہ جو شخص کسی دشمن سے جہاد کرتا ہے وہ خوف و امید دونوں کے درمیان رہتا ہے اگر اس کو یہ خوف ہوتا کہ شاید دشمن مجھ پر غالب آجائے اور میں مجروح یا شہید ہو جاؤں تو اس کے ساتھ ہی اس کو یہ امید ہوتی ہے کہ میں اس دشمن کو زیر کر کے اپنی جان کو پوری طرح بچالوں گا۔ اس کے برخلاف جو شخص ظالم و جابر حکمران کے سامنے حق بات کہنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کے لئے امید کی کوئی ہلکی سی کرن بھی نہیں ہوتی بلکہ خوف ہی خوف ہوتا ہے چنانچہ وہ اس حکمران کے مکمل اختیار و قبضہ میں ہونے کی وجہ سے اس یقین کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ادا کرتا ہے کہ اس کا انجام دنیا میں نری تباہی و نقصان کے علاوہ اور کچھ نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جس مہم میں انسان کو اپنی زندگی اور اپنے مال و متاع کے باقی رہنے کی ہلکی سی امید بھی نہ ہو اس کو انجام دینا اس مہم کو انجام دینے سے کہیں زیادہ صبر آزما، ہمت طلب اور مردانگی کا کام اور بدرجہا افضل ہوگا جس کی انجام دہی میں اپنی زندگی اور اپنے مال و متاع کے باقی رہنے کی بہتر حد تک امید ہو۔ اس کو بہترین جہاد اس لئے فرمایا گیا ہے کہ حکمران کا ظلم و جور ان تمام لوگوں کو متاثر کرتا ہے جو اس کی رعیت میں ہوتے ہیں وہ کوئی دو چار دس آدمی نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں بندگان خدا ہوتے ہیں لہٰذا جب کوئی شخص اس حکمران کو اس کے ظلم و جور سے روکے گا وہ اپنے اس عمل سے خدا کی کثیر مخلوق کو فائدہ پہنچائے گا۔ جب کہ دشمن سے جہاد کرنے میں یہ بات نہیں۔

ظالم حکمران کے سامنے حق گوئی کا انداز

شیخ ابوحامد نے احیاء میں لکھا ہے کہ بادشاہ و حکمران کو امر بالمعروف یہ ہے کہ اس کو اس کی بے راہ روی سے روکا جائے اور اس کے جو اعمال و افعال مبنی بر غلط ہوں۔ ان کو اس پر واضح کیا جائے یعنی اسے یہ بتایا جائے کہ تمہارا یہ کام عدل و انصاف کے خلاف ہے، تمہارا یہ فیصلہ یا یہ فرمان، قانون اور نظام حکمرانی کے مطابق نہیں ہے اور تمہارا یہ فعل دین و اخلاق اور خدا کے حکم کے منافی ہے، لیکن رعایا کے کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ حکمران کو اس کے کسی غلط کام و فعل سے تشدد کے ذریعہ روکے کیونکہ یہ ملک میں فتنہ و فساد اور قوم میں انتشار و افتراق کا باعث ہوگا اب رہی یہ بات کہ اگر کوئی شخص کسی حکمران کو اس کی غلط روی سے روکنے کے لئے تند و تیز الفاظ، درشت و غضبناک لب و لہجہ اور سخت کلامی اختیار کرے مثلاً وہ اس کو "ظالم" کہہ کر مخاطب کرے یا یوں کہے مَنْ لَا یَخَافُ اللّٰہَ (اے خدا سے نہ ڈرنے والے شخص) وغیرہ وغیرہ، تو اس بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر اس شخص کا درشت لب و لہجہ اور اس کے تند و تیز الفاظ اس شخص کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی اس حکمران کے عتاب کا نشانہ بن جانے کا باعث ہوں تو یہ (سخت کلامی) جائز نہیں۔ اور اگر اس شخص کو اس کا خوف نہیں کہ میری سخت کلامی کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی حکمران کے عتاب کا نشانہ بن جائیں گے بلکہ صرف میری ہی جان پر بنے گی تو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ سلف (پہلے زمانوں کے مردان حق آگاہ) کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنی جان کی ہلاکت کا خوف لئے بغیر حکمرانوں کو ان کی غلط روی سے پوری پوری سختی سے ٹوکا کرتے تھے اس لئے وہ جانتے تھے کہ اگر اس کے نتیجہ میں حکمران کا عتاب جان کی ہلاکت کا باعث بن گیا تو اس سے بڑی سعادت کیا ہو سکتی ہے۔ کہ جہاد میں شہادت کا درجہ نصیب ہوگا۔

حکمران کے صالح مشیر کار اس کی فلاح کا باعث ہوتے ہیں

(۴۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِالْاَمِيْرِ خَيْرًا جَعَلَ لَهٗ وَزِيْرَ صِدْقٍ اِنْ نَسِيَ ذَكَّرَهٗ وَاِنْ ذَكَرَ اَعَانَهٗ وَاِذَا اَرَادَ بِهٖ غَيْرَ ذٰلِكَ جَعَلَ لَهٗ وَزِيْرَ سُوْءٍ اِنْ نَسِيَ لَمْ يُذَكِّرْهُ وَاِنْ ذَكَرَ لَمْ يُعِنْهُ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ" کسی امیر (حکمران) کی (دینی و دنیاوی) بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے سچا (یعنی راست گفتار و راست کردار) وزیر و مشیر مقرر فرما دیتا ہے کہ جب وہ امیر (خدا کے احکام کو) بھول جاتا ہے تو وہ وزیر اس کو یاد دلاتا ہے (اور اگر وہ یاد رکھتا ہے تو وہ وزیر اس کو (یاد رکھنے میں) مدد دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی امیر کی بھلائی کا ارادہ نہیں کرتا تو اس پر بدوزیر و مشیر مسلط کر دیتا ہے۔ اور اگر امیر خدا کے احکام کو فراموش کر دیتا ہے تو وہ وزیر اس کو یاد نہیں دلاتا اگر وہ فراموش نہیں کرتا تو وہ وزیر اس کی مدد نہیں کرتا۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

رعایا کے تئیں حکمران کا شک و شبہ عام انتشار و بددلی کا باعث ہے

(۴۷) وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْاَمِيْرَ اِذَا ابْتَغَى الرِّيْبَةَ فِي النَّاسِ اَفْسَدَهُمْ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "حکمران جب لوگوں میں شک و شبہ کی بات ڈھونڈتا ہے تو لوگوں کو خراب کر دیتا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی کے ذریعہ آئین جہانبانی کے ایک بڑے اہم نکتہ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ ملک و قوم کی سالمیت عوام کی فلاح و بہبودی اور عام اطمینان و امن کے لئے یہ ضروری ہے کہ حکمران اور رعایا کے درمیان مکمل اعتماد ہو بطور خاص حکمران کو یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اس کو اپنی رعایا کے تئیں اپنے اعتماد کا اظہار کرنا ہے! جو تنگ نظر اور کم ظرف حکمران اپنی مملکت کے عام لوگوں یا کسی خاص طبقے کے بارے میں مستقل طور پر شک و شبہ میں مبتلا رہتے ہیں اور ان کی وفاداری پر یا ان کی حرکات و سکنات پر بدگمانی کرتے ہیں اور ان پر طرح طرح کے الزامات عائد کر کے ان سے مواخذہ کرتے ہیں اور ان کو مختلف قسم کی سزاؤں اور عقوبتوں میں گرفتار کرتے ہیں وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنی حکمرانی کی جڑیں کھودتے ہیں کیونکہ اس صورت حال سے نہ صرف یہ کہ جن طبقوں پر مستقل شک و شبہ کا اظہار کیا جاتا ہے ان کے حالات دگرگوں ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ملک و قوم میں بے اطمینانی اور اضطراب و انتشار کی عام فضا پیدا ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کا مقصد جہاں لوگوں کے احوال کے تجسس اور ان کے عیوب تلاش کرنے سے منع کرنا ہے وہیں اس بات کا حکم دینا بھی ہے کہ اگر لوگوں میں کچھ عیوب ہوں تو ان کی پردہ پوشی کی جائے اور ان سے جو گناہ و لغزشیں سرزد ہوں ان سے درگزر کیا جائے۔

(۴۸) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّكَ اِذَا اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدْتَهُمْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ "جب تم لوگوں کے (پوشیدہ) عیوب کو تلاش کرو گے تو ان کو خرابی میں مبتلا کرو گے۔" (بیہقیؒ)

حق تلفی کرنے والے حاکم کے خلاف تلوار اٹھانے سے صبر کرنا بہتر ہے

(۴۹) وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ اَنْتُمْ وَاَئِمَّةٌ مِنْ بَعْدِيْ يَسْتَاْثِرُوْنَ بِهٰذَا الْفَيْءِ قُلْتُ اَمَا وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ اَضَعُ سَيْفِيْ عَلٰى عَاتِقِيْ ثُمَّ اَضْرِبُ بِهٖ حَتّٰى اَلْقَاكَ قَالَ اَوَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى خَيْرٍ مِنْ ذٰلِكَ

تَصْبِرُ حَتّٰى تَلْقَانِي۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ہمیں مخاطب کر کے) فرمایا "میرے بعد تم حاکموں اور سرداروں کے ساتھ اس وقت کیا برتاؤ کرو گے جب کہ وہ اس فئی کو خود رکھ لیں گے (آیا صبر کی راہ اختیار کرو گے یا ان کے خلاف تلوار اٹھاؤ گے؟) میں نے عرض کیا "سن لیجئے، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں! اپنی تلوار کاندھے پر رکھوں گا اور پھر اس کے سبب) آپ سے جا ملوں گا۔" آپ ﷺ نے فرمایا "کیا میں تمہیں اس (تلوار اٹھانے) سے بہتر بات نہ بتادوں؟ (تو سنو) تم اس وقت صبر کی راہ اختیار کرنا یہاں تک کہ تم مجھ سے آملو! (کیونکہ کسی دنیاوی حق کے تلف ہونے کی صورت میں تلوار اٹھانے سے صبر کرنا اور خاموش رہنا بہتر بھی ہے اور دنیا کی چیزوں سے بے رغبتی اور زہد کے شایان شان بھی ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: فئی اس مال کو کہتے ہیں جو کفار سے بغیر جنگ وجدل کے حاصل ہو جیسے خراج وجزیہ یا اس قسم کے وہ دوسرے ٹیکس جو اسلامی مملکت میں غیر مسلموں سے وصول کئے جاتے ہیں اور کفار سے جو مال جنگ وجدل سے حاصل ہوتا ہے اس کو "غنیمت" کہتے ہیں۔ فئی کا حکم یہ ہے کہ حاصل شدہ مال کے چار حصے تو تمام مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ ان کے درمیان تقسیم کیا جائے اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے جب کہ غنیمت میں جو مال حاصل ہوتا ہے اس کے چار حصے بیت المال میں داخل ہوتے ہیں اور پانچواں حصہ مسلمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اس فئی کے بارے میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ اگر کوئی حکمران اس کو اپنے تصرف میں لے آئے اور مستحقین میں تقسیم نہ کرے تو اگرچہ یہ حق تلفی ہے اور مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس حکمران سے اپنا اپنا حصہ وصول کریں لیکن محض اس مال کے لئے اس حکمران کے خلاف تلوار اٹھانے اور تشدد کی راہ اختیار کرنے سے بہتر یہ ہے کہ صبر کی راہ اختیار کی جائے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس ارشاد گرامی کے مفہوم میں فئی اور غنیمت دونوں شامل ہیں، نیز اس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ جو حکمران فئی یا غنیمت کے سارے مال کو اپنے تصرف میں لا کر بیت المال کو نقصان پہنچائے گا اور مسلمانوں کی حق تلفی کرے گا وہ ظالم ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

امام عادل کی فضیلت

(۵۰) عَنْ عَآئِشَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَنِ السَّابِقُوْنَ اِلٰى ظِلِّ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالُوا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ الَّذِيْنَ اِذَا اُعْطُوا الْحَقَّ قَبِلُوْهُ وَاِذَا سُئِلُوْهُ بَذَلُوْهُ وَحَكَمُوْا لِلنَّاسِ كَحُكْمِهِمْ لِاَنْفُسِهِمْ۔

"حضرت عائشہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے (صحابہؓ سے) فرمایا "جانتے ہو قیامت کے دن اللہ عزوجل (کے عرش یا اس کے لطف وکرم) کے سایہ کی طرف سبقت لے جانے والے کون لوگ ہیں؟ (یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے کون لوگ اللہ تعالیٰ کے عرش یا اس کے فضل وکرم کے سایہ میں جائیں گے؟") صحابہؓ نے عرض کیا "اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جاننے والے ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "سبقت لے جانے والے وہ لوگ ہیں جن کے سامنے حق بات رکھی جاتی ہے تو وہ قبول کرتے ہیں، جب ان سے حق کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ خرچ کرتے ہیں اور لوگوں کے حق میں وہی فیصلہ کرتے ہیں جو اپنی ذات کے بارے میں کرتے ہیں۔"

تشریح: اس حدیث میں عادل حکمرانوں کے تین اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ان کی وجہ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عنایات وکرم اور اس کے سایہ کے سب سے پہلے مستحق ہوں گے عادل حکمرانوں کا پہلا وصف تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب ان کے سامنے رعایا کی بھلائی و بہتری اور عدل ومساوات کے تعلق سے کوئی صحیح اور حق بات پیش کی جاتی ہے تو وہ اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

دوسرا وصف یہ ہے کہ جب رعایا ان سے اپنا حق مانگتی ہے تو وہ اس کا حق دیتے ہیں اور لوگوں کی بھلائی اور بہتری اور ان کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتے اور تیسرا وصف یہ ہے کہ وہ جس چیز کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اسی کو رعایا کے لئے بھی پسند کرتے ہیں اگر وہ اپنی راحت اور اپنا چین چاہتے ہیں تو رعایا کے حق میں بھی وہ یہی چاہتے ہیں کہ عام لوگ راحت و چین اور امن و سکون کے ساتھ رہیں، خود غرض اور عیش کوش حکمرانوں کی طرح کا شیوہ یہ نہیں ہوتا کہ خود تو عیش و عشرت اور شہوت رانیوں میں مبتلا رہیں اور رعایا کو سختی اور تنگی اور بدحالی میں رہنے دیں۔

حکمرانوں کے ظلم سے آنحضرت ﷺ کا خوف

(۵۱) وَعَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ثَلَاثٌ اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِي الْاِسْتِسْقَاءُ بِالْاَنْوَاءِ وَحَيْفُ السُّلْطَانِ وَتَكْذِيْبٌ بِالْقَدْرِ۔

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "میں اپنی اُمت کے حق میں تین باتوں سے ڈرتا ہوں کہ (کہیں وہ ان کو اختیار کر کے گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائے) ایک تو چاند کی منازل کے حساب سے بارش مانگنا، دوسرے بادشاہ کا ظلم کرنا اور تیسرے تقدیر کا جھٹلانا (یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ تقدیر الٰہی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ انسان جو بھی فعل کرتا ہے وہ خود اس کا خالق ہوتا ہے جیسا کہ ایک جماعت قدریہ کا مسلک ہے۔"

تشریح: اَنْوَاءُ۔ نَوءٌ۔ کی جمع ہے جس کے لغوی معنی تو "اٹھنا" اور (گرنا) ہیں لیکن عام طور پر اس کا استعمال چاند کی منازل کے مفہوم میں ہوتا ہے اقدیم علماء فلکیات کے مطابق چاند کی اٹھائیس منزلیں ہوتی ہیں کہ وہ ہر شب ایک منزل میں رہتا ہے غالباً اسی لئے "اٹھنے اور گرنے" سے "طلوع اور غروب" مراد لے کر "انواء" کو چاند کی منازل کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ بہر حال عرب کے مشرکین بارش کو ان منازل کی طرف منسوب کرتے تھے اور جب بارش ہوتی تو وہ یہ کہتے کہ چاند کی فلاں منزل کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔ چونکہ یہ ایک باطل عقیدہ ہے اس لئے دوسری احادیث میں یہ عقیدہ رکھنے سے صریح ممانعت مذکور ہے۔ توحید کی اہمیت کو واضح کرنے اور شرک کے ایہام سے دور رکھنے کے لئے اس پر لفظ "کفر" کا اطلاق کیا گیا ہے۔

بلاوجہ نہ تو امین بنو اور نہ حاکم بنو

(۵۲) وَعَنْ اَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ اَيَّامٍ اَعْقِلْ يَا اَبَا ذَرٍّ مَا يُقَالُ لَكَ بَعْدُ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ السَّابِعُ قَالَ اُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ فِي سِرِّ اَمْرِكَ وَعَلَانِيَتِهِ وَاِذَا اَسَاءْتَ فَاَحْسِنْ وَلَا تَسْاَلَنَّ اَحَدًا شَيْئًا وَاِنْ سَقَطَ سَوْطُكَ وَلَا تَقْبِضْ اَمَانَةً وَلَا تَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ۔

"اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ چھ دن تک مجھ سے یہ فرماتے رہے کہ "ابوذر! بعد میں جو بات تم سے کہی جانے والی ہے اس کے لئے تیار رہو (یعنی آنحضرت ﷺ چھ دن تک مجھے آگاہ کرتے رہے کہ میں تمہیں ایک ہدایت دوں گا تم اس پر خوب غور کرنا اس کو یاد رکھنا اور اس پر عمل کرنا) چنانچہ جب ساتواں دن ہوا تو آپ نے فرمایا "میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرتے رہنا، جب تم سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو ساتھ ہی نیکی بھی کرنا کیونکہ وہ برائی کو مٹاتی ہے یا یہ مقصد ہے کہ اگر تم کسی کے ساتھ کوئی برا سلوک کر بیٹھو تو اس کے ساتھ (نیکی کا) سلوک بھی کرو) کسی (مخلوق) کے آگے دست سوال دراز نہ کرنا اگرچہ تمہارا کوڑا ہی کیوں نہ گر پڑا ہو (یعنی اگر کوڑا گرے تو اس کو اٹھانے کے لئے بھی کسی سے نہ کہو) کسی کی امانت اپنے پاس نہ رکھنا اور دو آدمیوں کے حکم نہ بننا۔"

تشریح: "کسی کی امانت اپنے پاس نہ رکھنا" کا مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت کسی کی امانت اپنے پاس رکھنا احتیاط اور دور اندیشی کے

خلاف ہے کیونکہ نفس کا کوئی بھروسہ نہیں کہ وسوسہ اور شیطان کے فریب میں مبتلا ہو جائے اور امانت میں خیانت کا ارتکاب ہو جائے یا اگر خیانت کا ارتکاب نہ بھی ہو تو یہ چیز تہمت کا محل تو ہے ہی کہ کسی وجہ سے خود امانت کا مالک یا کوئی دوسرا شخص تم پر خیانت کی تہمت لگا دے۔

حکمران کے حق میں حکومت کے تین تدریجی مرحلے

۵۳ وَعَنْ اَبِی اُمَامَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ یَلِی اَمْرَ عَشْرَۃٍ فَمَا فَوْقَ ذٰلِکَ اِلَّا اَتَاہُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ مَغْلُوْلًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَدُہٗ اِلٰی عُنُقِہٖ فَکَّہٗ بِرُّہٗ اَوْ اَوْبَقَہٗ اِثْمُہٗ اَوَّلُھَا مَلَامَۃٌ وَ اَوْسَطُھَا نَدَامَۃٌ وَاٰخِرُھَا خِزْیٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

"اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے (دس آدمیوں کی (بھی) یا اس سے زائد لوگوں کی حکمرانی قبول کی اس کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس طرح طوق میں جکڑا ہوا حاضر کرے گا (یعنی میدان حشر میں اٹھائے گا) کہ اس کے ہاتھ نے اس کی گردن کو جکڑ رکھا ہو گا یہاں تک کہ یا تو اس کی نیکی اس کو چھڑائے گی (یعنی اگر اس نے دنیا میں اپنے زیر دستوں کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ اور حسن سلوک کیا ہو گا تو یہ اس کی نجات کا باعث بنے گا) یا اس کا گناہ (یعنی اپنے زیر دستوں پر اس کا کیا ہوا ظلم وغیرہ) اس کو ہلاکت (عذاب) میں مبتلا کر دیگا۔ (یاد رکھو) سرداری و حکمرانی کی ابتداء ملامت ہے اس کا درمیان پشیمانی و ندامت ہے اور اس کا آخر قیامت کے دن کی ذلت و رسوائی ہے۔"

تشریح: حکومت و سرداری اگرچہ انسان کی طبعی خواہش ہے اور کم ہی انسان ایسے ہوں گے جن کو اس کے حصول کی تمنا نہیں ہو گی لیکن اس حکومت و سرداری کی حقیقت اور اس کا مآل کیا ہے؟ اس کو یہ حدیث واضح کر رہی ہے کہ جب کوئی شخص حکومت و سیادت کی مسند پر فائز ہوتا ہے تو اس کا ابتدائی مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو ہر طرف سے ملامت کے تیر کا نشانہ بننا پڑتا ہے، لوگ مطعون کرتے ہیں کہ اس نے ایسا کیا ویسا کیا، کوئی اختیارات کے ناجائز استعمال کا الزام عائد کرتا ہے، کوئی خویش پروری اور جنبہ داری کی تہمت لگاتا ہے تو کوئی فرائض حکومت کی انجام دہی میں غفلت کا ملزم گردانتا ہے غرضیکہ ہر طرف سے طعن و تشنیع، سب و شتم اور اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی ہے اس کے بعد درمیانی مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ حکمران حکومت کی سخت کوشیوں اور لوگوں کے طعن و تشنیع سے بددل ہو کر سخت ندامت و پشیمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اس منصب کو کیوں قبول کیا اور اس محنت و مصیبت میں اپنے آپ کو کیوں مبتلا کیا اور پھر اس کا آخری حصہ ذلت و رسوائی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ دنیا کی ذلت و رسوائی بھی اور آخرت کی ذلت و رسوائی بھی! دنیا کی ذلت و رسوائی تو یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے اس کو اس منصب سے معزول کر دیا جاتا ہے تو اس کی خواری و تحقیر ہوتی ہے یا اگر رعایا اس کے طرز حکومت اور انتظام سلطنت سے مطمئن نہیں ہوتی تو ان کے دلوں میں اس کے تئیں سخت قسم کی نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک حکمران کے لئے اس سے بڑھ کر دنیا میں ذلت و رسوائی اور کیا ہو سکتی ہے اور آخرت کی ذلت و رسوائی یہ ہے کہ وہ اپنے دور حکومت میں جو کچھ کرتا ہے اس کی جوابدہی احکم الحاکمین کی بارگاہ میں کرنی ہوتی ہے یہاں تک کہ اس سے جو کوتاہیاں، جو ظلم اور جو غلط افعال سرزد ہوئے ہیں ان کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہونا پڑتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

یہاں حدیث میں صرف قیامت کے دن کی ذلت و رسوائی کا ذکر کیا گیا ہے دنیا کی خواری مذکور نہیں ہے اس کی وجہ یہ کہ قیامت کے دن کی ذلت و رسوائی دنیا کی ذلت و رسوائی سے کہیں زیادہ سخت ہے اسی لئے اس کے ذکر پر اکتفا کیا گیا۔

حضرت معاویہؓ کے حق میں آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی

۵۴ وَعَنْ مُعَاوِیَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا مُعَاوِیَۃُ اِنْ وُلِّیْتَ اَمْرًا فَاتَّقِ اللّٰہَ وَاعْدِلْ قَالَ فَمَا زِلْتُ

اَظُنُّ اَنِّی مُبْتَلٰی بِعَمَلٍ لِقَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی ابْتُلِیْتُ۔

"اور حضرت امیر معاویہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا "معاویہ! اگر تمہیں کسی کام (یا کسی جگہ) امیر و حاکم بنایا جائے تو امور حکومت کی انجام دہی میں) اللہ سے ڈرتے رہنا اور عدل و انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔" حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ برابر خیال کرتا رہا کہ آنحضرت ﷺ کے فرمانے کے بموجب میں کسی کام (یعنی امارت و سرداری میں مبتلا کیا جاؤں گا۔ یہاں تک کہ میں مبتلا کیا گیا (یعنی آنحضرت ﷺ کا فرمان صحیح ہوا اور امارت و سرداری میرا نصیب ہوئی۔"

آنے والے زمانے کے بارے میں پیشین گوئی

(۵۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰہِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِیْنَ وَاِمَارَةِ الصِّبْیَانِ۔ رَوَی الْاَحَادِیْثَ السِّتَّةَ اَحْمَدُ وَرَوَی الْبَیْهَقِیُّ حَدِیْثَ مُعَاوِیَةَ فِیْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ۔

"اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ستر سال کی ابتداء سے اور بچوں کی حکومت سے اللہ کی پناہ مانگو۔ مذکورہ بالا چھ حدیثوں کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو بیہقی نے بھی دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: "ستر سال کی ابتداء" سے مراد سن ہجری کی ساتویں دہائی ہے جس کی ابتداء ۶۱ھ سے ہوجاتی ہے ۶۰ھ کے آخر میں حضرت معاویہؓ کا دور حکومت ان کی وفات پر پورا ہوا اور یزید ابن معاویہؓ کی امارت قائم ہوئی اس کے ساتھ ہی حکومت پر سے "صحابیت" کا بابرکت سایہ اقتدار مکمل طور پر اٹھ گیا اور اس کے بعد سے اُمت کی تاریخ حکومت کا وہ دور شروع ہوگیا جو افتراق اور انتشار، فتنہ و فساد، ظلم و جور، حصول اقتدار کی کشمکش اور ملوکیت کی فتنہ سامانیاں اپنے دامن میں لے کر آیا۔ یزید کل تین سال آٹھ ماہ تخت حکومت پر رہا اس دوران میں اس کی حکومت کا سب سے شرمناک واقعہ "سانحہ کربلا" ہے۔ یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ ابن یزید ابن معاویہ برائے نام تخت نشین ہوا اور آخر میں حکومت کی باگ ڈور بنو امیہ کے سفیانی خاندان سے نکل کر بنی مروان کے ہاتھ آگئی۔

حدیث میں انہی بنی مروان کی حکومت کو "بچوں کی حکومت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بنی مروان کے زمانہ حکومت میں اقتدار کی رسہ کشی، استبداد و جبر، مذہبی انتشار و تشتت، دین سے برگشتگی، خاندانی و قبائلی عصبیت، اسلامی شعائر سے لاپرواہی اور بزرگان حق کے ساتھ سختی و تشدد کا جو مظاہرہ ہوا اس نے پورے نظام حکومت و مملکت کو "بازیچہ اطفال" بنا کر رکھ دیا تھا۔ رسوائے تاریخ ظالم حجاج ابن یوسف، بنی مروان ہی کے عہد حکومت کا سب سے بڑا معتمد والی تھا جو اپنے ظلم و ستم میں چنگیز و ہلاکو سے کم بدنام نہیں ہے۔

سن ہجری کی ساتویں دہائی کی ابتداء سے یزید ابن معاویہ کی امارت کی صورت میں رونما ہونے والی ہولناکیوں اور اس کے بعد کے عرصہ میں بنی مروان کی حکومت کی ستم رانیاں وقوع پزیر ہونے سے سالہا سال پہلے نگاہ نبوت کے سامنے ایک کھلی کتاب کی مانند تھیں اور آپ ﷺ کی فراست محکم آنے والے اس زمانہ کا ادراک کر رہی تھی جس میں اُمت کی اجتماعی ہیئت اور اس کی ملی خصوصیات کو چند خود غرض، مفاد پرست اور دنیادار حکمران اپنے اقتدار طلبی اور عیش رانیوں پر قربان کرنے والے تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا اس وقت پیش آنے والے سخت ترین حالات اور عاقبت نااندیش حکمرانوں کے عہد حکومت سے خدا کی پناہ مانگو کہ خدا تم میں سے کسی کو وہ زمانہ نہ دکھلائے۔

جیسے عمل کروگے ویسے ہی حکمران مقرر ہوں گے

(۵۶) وَعَنْ یَحْیَی بْنِ هَاشِمٍ عَنْ یُوْنُسَ ابْنِ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

كَمَا تَكُونُونَ كَذٰلِكَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ۔

"اور حضرت یحییٰ بن ہاشم، حضرت یونس ابن اسحاق سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔ کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جیسے تم ہوگے ویسے ہی تمہارے اوپر حکمران مقرر کئے جائیں گے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تمہارے طور طریقے اور تمہارے اعمال جیسے ہوں گے ویسے ہی تم پر حاکم وعامل مقرر ہوں گے اگر تمہارے اعمال اچھے ہوں گے تو تمہارے حاکم بھی اچھے ہوں گے اور اگر تم برے اعمال کرو گے تو تمہارے حاکم بھی برے ہوں گے۔

بادشاہ روئے زمین پر خدا کا سایہ ہوتا ہے

۵۷ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ السُّلْطَانَ ظِلُّ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ يَأْوِي اِلَيْهِ كُلُّ مَظْلُوْمٍ مِنْ عِبَادِهِ فَاِذَا عَدَلَ كَانَ لَهُ الْاَجْرُ وَعَلَى الرَّعِيَّةِ الشُّكْرُ وَاِذَا جَارَ كَانَ عَلَيْهِ الْاِصْرُ وَعَلَى الرَّعِيَّةِ الصَّبْرُ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "بادشاہ، روئے زمین پر خدا کا سایہ ہے جس کے نیچے خدا کے بندوں میں سے مظلوم بندہ پناہ حاصل کرتا ہے لہٰذا جب بادشاہ عدل وانصاف کرتا ہے تو اس کو ثواب ملتا ہے اور رعایا پر اس کا شکر واجب ہوتا ہے اور جب وہ ظلم وطغیانی کرتا ہے تو وہ گنہ گار ہوتا ہے اور رعایا پر صبر لازم ہوتا ہے۔"

تشریح: بادشاہ کے وجود کو "خدا کا سایہ" اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے جس طرح کسی چیز کا سایہ سورج کی تپش وگرمی کی ایذا سے بچاتا ہے اسی طرح بادشاہ اپنی رعیت کے لوگوں کو مختلف قسم کی ایذاؤں اور سختیوں سے بچاتا ہے! نیز بسا اوقات "لفظ سایہ" سے کنایتہ "محافظت وحمایت" کا مفہوم بھی مراد لیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے بھی اگر دیکھا جائے تو بادشاہ کے وجود کا بجا طور پر اپنی رعایا کے لئے "محافظت وحمایت" کا سب سے بڑا ذریعہ ہونا بالکل ظاہر ہے۔

طیبیؒ نے یہ وضاحت کی ہے کہ لفظ "ظل اللّٰہ" ایک تشبیہ ہے اور عبارت يَأْوِي اِلَيْهِ كُلُّ مَظْلُوْمٍ الخ اس تشبیہ کی وضاحت اور مراد بیان کرتی ہے یعنی لوگ جس طرح سایہ کی ٹھنڈک میں سورج کی گرمی سے راحت پاتے ہیں اسی طرح بادشاہ کے عدل کی ٹھنڈک میں ظلم وجور کی گرمی سے راحت پاتے ہیں۔

"ظل اللہ" میں اللہ کی طرف ظل (سایہ) کی نسبت اس (سایہ) کی عظمت وبرتری کے اظہار کے لئے ہے جیسا کہ بیت اللہ میں اللہ کی طرف بیت کی نسبت اس (بیت) کی عظمت وبرتری کو ظاہر کرنے کے لئے ہے، اور اس سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ وہ سایہ (یعنی بادشاہ) دوسرے سایوں کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کے تعلق سے اپنی الگ شان اور خصوصیت وبرتری رکھتا ہے کیونکہ اس کو روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ (نائب) قرار دیا گیا ہے کہ اس کا فریضہ اللہ تعالیٰ کے عدل واحسان کو اس کے بندوں پر پھیلاتا ہے۔

قیامت کے دن سب سے بلند مرتبہ نرم خو اور عادل حکمران ہوگا

۵۸ وَعَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَفْضَلَ عِبَادِ اللّٰهِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِمَامٌ عَادِلٌ رَفِيْقٌ وَاِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِمَامٌ جَائِرٌ خَرِقٌ۔

"اور حضرت عمرؓ ابن خطاب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بندوں میں بلند مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بہتر جو شخص ہوگا وہ عادل اور نرمی کرنے والا حاکم ہے اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بندوں میں مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بدتر جو شخص ہوگا وہ ظالم اور سختی کرنے والا حاکم ہے۔"

کسی مسلمان کو محض ڈرانا دھمکانا بھی عذاب کا سزاوار کرتا ہے

(۵۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَظَرَ اِلٰى اَخِيْهِ نَظْرَةً يُخِيْفُهُ اَخَافَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ رَوَى الْاَحَادِيْثَ اَرْبَعَةَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ فِيْ حَدِيْثِ يَحْيٰى هٰذَا مُنْقَطِعٌ وَرِوَايَتُهُ ضَعِيْفٌ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنے کسی بھائی کی طرف ڈرا دے والی نظر سے دیکھے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ڈرائے گا۔" مذکورہ چاروں روایتوں کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور یحیٰ ابن ہاشم کی روایت کے بارے میں کہا ہے کہ یہ منقطع ہے اور یحیٰ کی روایت ضعیف (بھی جاتی) ہے۔"

تشریح: اس حدیث کو اس باب میں نقل کرنے سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ جب کسی مسلمان کو محض ڈرانا دھمکانا قیامت کے دن عذاب کا سزاوار بنائے گا تو مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے والے کا کیا حشر ہوگا۔؟

حکمران کے ظلم پر اس کو برا بھلا کہنے کی بجائے اپنے اعمال درست کرو

(۶۰) وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا مَالِكُ الْمُلُوْكِ وَ مَلِكُ الْمُلُوْكِ قُلُوْبُ الْمُلُوْكِ فِيْ يَدِيْ وَ اِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِيْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْكِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَالرَّاْفَةِ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا عَصَوْنِيْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَهُمْ بِالسَّخْطَةِ وَالنِّقْمَةِ فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَلَا تَشْغَلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوْكِ وَلٰكِنِ اشْغَلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ كَيْ اَكْفِيَكُمْ مُلُوْكَكُمْ۔ رَوَاهُ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ۔

"اور حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ (حدیث قدسی) میں ارشاد فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں بادشاہوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ (یعنی میرے قبضۂ قدرت) میں ہیں لہٰذا جب میرے (اکثر) بندے میری اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں تو میں ان کے حق میں (ظالم) بادشاہوں کے دلوں کو رحمت و شفقت کی طرف پھیر دیتا ہوں اور جب میرے بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے حق میں (عادل و نرم خو) بادشاہوں کے دلوں کو غضبناکی اور سخت گیری کی طرف پھیر دیتا ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ (بادشاہ) ان کو سخت عقوبتوں میں مبتلا کرتے ہیں، اس لئے (ایسی صورت میں، تم اپنے آپ کو ان بادشاہوں کے لئے بددعا کرنے میں مشغول نہ کرو بلکہ (میری بارگاہ میں تضرع و زاری کر کے اپنے آپ کو (میرے) ذکر میں مشغول کرو تاکہ میں تمہارے ان بادشاہوں کے شر سے تمہیں بچاؤں۔" اس روایت کو ابونعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: اس حدیث میں اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ رعایا کے تئیں حکمرانوں کے رویہ کا تعلق باطنی طور پر لوگوں کے اعمال و کردار سے ہوتا ہے کہ اگر رعایا کے لوگ خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں اور ان کے اعمال و معاملات بالعموم راست بازی و نیک کرداری کے پابند ہوتے ہیں تو ان کا ظالم حکمران بھی ان کے حق میں عادل، نرم خو اور شفیق و کرم گستر بن جاتا ہے اور اگر رعایا کے لوگ خدا کی سرکشی و طغیانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان کے اعمال و معاملات عام طور پر بدخوئی و بدکرداری کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں تو پھر ان کا عادل و نرم خو حکمران بھی ان کے حق میں غضبناک اور سخت گیر ہو جاتا ہے لہٰذا حکمران کے ظلم و ستم اور اس کی سخت گیری و ناانصافی پر اس کو برا بھلا کہنے اور اس کے لئے بددعا کرنے کی بجائے یہ راہ اختیار کرنی چاہئے کہ اللہ کی طرف رجوع کیا جائے، اپنی بداعمالیوں پر ندامت کے ساتھ توبہ و استغفار کیا جائے، اللہ کے دربار میں عاجزی و زاری کے ساتھ التجا و فریاد کی جائے اور اپنے اعمال و اپنے معاملات کو مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع کر دیا جائے تاکہ رحمت خداوندی متوجہ ہو اور ظالم حکمران کے دل کو عدل و انصاف اور نرمی و شفقت کی طرف پھیر دے۔

بَابُ مَا عَلَى الْوُلَاةِ مِنَ التَّيْسِيْرِ

حاکموں پر آسانی و نرمی کے واجب ہونے کا بیان

گزشتہ باب میں اس بات کا ذکر تھا کہ رعایا کو اپنے حاکموں کی اطاعت و فرمانبرداری کرنی چاہئے اب اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ حاکموں کو بھی اپنی رعایا کے لوگوں پر نرمی و شفقت کرنی چاہئے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حکمران کو اپنی رعایا کے تئیں نرم روی اختیار کرنی چاہئے

(۱) عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا بَعَثَ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِهٖ فِيْ بَعْضِ اَمْرِهٖ قَالَ بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں رسول کریم ﷺ جب اپنے کسی صحابیؓ کو اپنے کسی کام پر مامور کر کے (یعنی کسی جگہ کا حاکم بنا کر) بھیجتے تو ان کو یہ ہدایت فرماتے کہ لوگوں کو طاعات و عبادات اور نیک کام کرنے پر اجر و ثواب کی بشارت دیتے رہنا اور ان کو ان کے گناہوں پر خدا کے عذاب سے (اتنا زیادہ) مت ڈرانا کہ وہ رحمت خداوندی سے مایوس ہو جائیں) نیز (لوگوں کے ساتھ) آسانی کا برتاؤ کرنا (یعنی ان سے زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی میں نرمی و آسانی کا طریقہ اختیار کرنا) اور (لوگوں سے زکوٰۃ وغیرہ کا مال واجب مقدار سے زیادہ وصول کر کے) ان کو دشواری و تنگی میں مبتلا نہ کرنا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

(۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَسَكِّنُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (حاکموں اور عاملوں کے لئے) فرمایا "(لوگوں کے ساتھ) آسانی کا برتاؤ کرو (ان کو مشکلات اور سختیوں میں مبتلا نہ کرو (ان کو خدا کی نعمتوں کی بشارت کے ذریعہ) تسکین و تسلی دو، اور ان کو خدا کے عذاب سے بہت زیادہ ڈرانے کے ذریعہ یا ان پر ایسے دشوار اور سخت بوجھ ڈال کر کہ جو ان کو خدا کی نافرمانی پر مجبور کر دے) نفرت و خوف میں مبتلا نہ کرو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

(۳) وَعَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَدَّهٗ اَبَا مُوْسٰى وَمُعَاذًا اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوبردہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان کے دادا یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا اور ان سے "فرمایا کہ آسانی کا برتاؤ کرنا، مشکلات اور سختیوں میں مبتلا نہ کرنا بشارت دیتے رہنا، خوف و مایوسی میں مبتلا نہ کرنا، باہم اتفاق و اتحاد کے ساتھ کام کرنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: صحیح یہ ہے کہ مؤلف مشکوٰۃ یہاں یوں نقل کرتے ہیں عن ابن ابی بردۃ الخ یعنی ابی بردہ کے ساتھ "ابن" کا لفظ بھی لاتے کیونکہ ابوبردہؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے بیٹے ہیں نہ کہ پوتے، اور ان (ابوبردہ) سے ان کے صاحبزادگان عبداللہ، یوسف، سعید اور بلال روایت حدیث کرتے ہیں، چنانچہ یہاں جو حدیث نقل ہوئی ہے سعید ابن ابوبردہ سے مروی ہے جیسا کہ صحیح بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت سعید ابن ابوبردہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ (حضرت ابوبردہؓ) سے سنا وہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے میرے باپ یعنی

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا۔"

قیامت کے دن عہد شکن کی رسوائی

④ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْغَادِرَ یُنْصَبُ لَہٗ لِوَاءٌ یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ فَیُقَالُ ھٰذِہٖ غَدْرَۃُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن عہد شکن (کی فضیحت ورسوائی کے لئے) ایک نشان کھڑا کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں کی عہد شکنی کی علامت ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

⑤ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ یُعْرَفُ بِہٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے ایک نشان (مقرر) ہوگا جس کے ذریعہ وہ پہچانا جائے گا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

⑥ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ عِنْدَ اِسْتِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ یُرْفَعُ لَہٗ بِقَدْرِ غَدْرِہٖ اَلَا وَلَا غَادِرَ اَعْظَمُ غَدْرًا مِنْ اَمِیْرِ عَامَّۃٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعیدؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "قیامت کے دن ہر عہد شکن (کی رسوائی وفضیحت کی تشہیر) کے لئے اس کے مقعد کے قریب ایک نشان ہوگا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ "قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے ایک نشان ہوگا جو اس کی عہد شکنی کے بقدر بلند کیا جائے گا (یعنی اس کی جتنی زیادہ عہد شکنی ہوگی اسی قدر وہ نشان اور اس کی تشہیر زیادہ ہوگی) خبردار! کوئی عہد شکن، عہد شکنی کے اعتبار سے امام عام (یعنی حکمران وقت) سے بڑا نہیں (یعنی حکمران کی عہد شکنی سب سے بڑی عہد شکنی ہے۔" (مسلمؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

رعایا کی ضروریات پوری نہ کرنے والے حکمران کے بارے میں وعید

⑦ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّۃَ اَنَّہٗ قَالَ لِمُعَاوِیَۃَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ وَلَّاہُ اللّٰہُ شَیْئًا مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَاحْتَجَبَ دُوْنَ حَاجَتِہِمْ وَخَلَّتِہِمْ وَفَقْرِہِمْ اِحْتَجَبَ اللّٰہُ دُوْنَ حَاجَتِہٖ وَخَلَّتِہٖ وَفَقْرِہٖ فَجَعَلَ مُعَاوِیَۃُ رَجُلًا عَلٰی حَوَائِجِ النَّاسِ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَّہٗ وَلِاَحْمَدَ اَغْلَقَ اللّٰہُ لَہٗ اَبْوَابَ السَّمَاءِ دُوْنَ خَلَّتِہٖ وَحَاجَتِہٖ وَمَسْکَنَتِہٖ۔

"حضرت عمرو بن مرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ سے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے کسی کام کا ولی وحاکم بنایا اور اس نے (مسلمانوں کی حاجت، عرضداشت اور محتاجگی سے حجاب کیا (یعنی اس کی ضرورت وحاجت کو پورا نہیں کیا) تو اللہ تعالیٰ اس (والی وحاکم) کی حاجت عرضداشت اور محتاجگی سے حجاب فرمائے گا یعنی اس کو اس کے مطلوب سے دور رکھے گا۔ اور اس کی دعا قبول نہیں کرے گا" حضرت امیر معاویہؓ (یہ حدیث سن کر بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے ایک شخص کو (اس کام) پر مقرر کر دیا کہ وہ لوگوں کی ضروریات پر نظر رکھے اور ان کی حاجتوں کو پورا کرتا رہے۔ (ابوداؤد وترمذی) اور ترمذیؒ کی ایک اور روایت میں اور احمدؒ کی روایت میں یوں ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس (والی حاکم) کی حاجت، عرضداشت اور محتاجگی پر آسمان کے دروازے بند کر دے گا۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

رعایا پر اپنے دروازے رکھنے والے حاکم پر رحمت خداوندی کے دروازے بند ہونگے

⑧ عَنْ اَبِي الشَّمَّاخِ الْاَزْدِيِّ عَنِ ابْنِ عَمٍّ لَهٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اَتٰى مُعَاوِيَةَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ النَّاسِ شَيْئًا ثُمَّ اَغْلَقَ بَابَهٗ دُوْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَوِ الْمَظْلُوْمِ اَوْذِي الْحَاجَةِ اَغْلَقَ اللّٰهُ دُوْنَهٗ اَبْوَابَ رَحْمَتِهٖ عِنْدَ حَاجَتِهٖ وَفَقْرِهٖ اَفْقَرَ مَا يَكُوْنُ اِلَيْهِ۔

"حضرت ابوشماخ ازدی سے روایت ہے کہ ان کے چچازاد بھائی جو نبی کریم ﷺ کے ایک صحابیؓ تھے (ایک دن حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آئے! اور جب ان کی خدمت میں باریاب ہوئے تو کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کو لوگوں کے کسی کام کا ولی و والی بنایا گیا اور اس نے مسلمانوں پر یا کسی مظلوم پر، اور یا کسی حاجت مند پر اپنے دروازے بند رکھے (یعنی ان کو ان کی اپنی حاجت و ضرورت کے وقت اپنے پاس نہ آنے دیا یا ان کی حاجت روائی نہ کی) تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کی ضرورت و حاجت اور محتاجگی کے وقت جب کہ وہ اس کی طرف بہت زیادہ حاجت مند محتاج ہو اپنی رحمت کے دروازے بند رکھے گا (یعنی اگر وہ کسی وقت اپنی دنیا یا اپنی عقبی کے بارے میں اللہ کی بارگاہ میں اپنی حاجت و ضرورت کا اظہار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی اس حاجت و ضرورت کو پورا نہیں کرے گا یا اگر وہ دنیا میں کسی مخلوق سے اپنی کسی احتیاج کا اظہار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی اس حاجت و ضرورت کو بھی پورا نہیں ہونے دے گا۔"

اپنے حکام کو حضرت عمر فاروقؓ کی ہدایات

⑨ وَعَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا بَعَثَ عُمَّالَهٗ شَرَطَ عَلَيْهِمْ اَنْ لَاتَرْكَبُوا بِرْذَوْنًا وَلَا تَاْكُلُوْا نَقِيًّا وَلَا تَلْبَسُوا رَقِيْقًا وَلَا تُغْلِقُوا اَبْوَابَكُمْ دُوْنَ حَوَائِجِ النَّاسِ فَاِنْ فَعَلْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَدْ حَلَّتْ بِكُمُ الْعُقُوْبَةُ ثُمَّ يُشَيِّعُهُمْ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت عمر ابن خطابؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جب عمال (حکام) کو روانہ کرتے تو ان سے یہ شرط کر لیتے (یعنی ان کو یہ ہدایات دیتے) کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونا (میدہ و باریک آٹے کی روٹی وغیرہ نہ کھانا باریک کپڑے نہ پہننا اور لوگوں کی حاجت و ضرورت کے وقت ان پر اپنے دروازے بند نہ کرنا (یاد رکھو!) اگر تم نے ان میں سے کوئی چیز اختیار کی تو تم دنیا و عاقبت) میں سزا کے مستحق ہو جاؤ گے، اس کے بعد حضرت عمرؓ ان کو (کچھ دور تک) پہنچانے جاتے۔ یہ دونوں حدیثیں بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں۔" (بیہقی)۔

تشریح: ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونے کی ممانعت کی علت چونکہ تکبر اور اتراہٹ ہے اس لئے عربی گھوڑے پر سوار ہونے کی ممانعت بطریق اولیٰ ہوگی۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ ترکی گھوڑے پر سوار ہونے سے منع کرنا در اصل تکبر و اتراہٹ سے منع کرنا ہے میدہ کھانے اور باریک کپڑے پہننے سے منع کرنا، اسراف اور عیش و عشرت کی زندگی اختیار کرنے سے منع کرنا ہے اور حاجتوں پر اپنے دروازے بند رکھنے سے منع کرنا، مسلمانوں کی حاجت روائی نہ کرنے سے منع کرنا ہے۔

بَابُ الْعَمَلِ فِي الْقَضَاءِ وَالْخَوْفِ مِنْهُ

منصب قضاء کی انجام دہی اور اس سے ڈرنے کا بیان

جیسا کہ کتاب الامارۃ و قضاء کے ابتدائیہ میں بتایا گیا تھا کہ اسلامی نظام حکومت کا اصل محور امام و امیر یعنی سربراہ مملکت اور قاضی

ہوتے ہیں، چنانچہ گزشتہ دونوں ابواب میں امام وامیر کے متعلقات کو بیان کیا گیا اب اس باب میں منصب قضاء کا بیان ہوگا اور اس سلسلہ میں بطور خاص دونوں کا ذکر کیا جائے گا ایک تو یہ کہ قاضی اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں صرف اسلامی قانون کے مآخذ یعنی کتاب وسنت اور اجتہاد کو رہنما بنائے اور اس کا کوئی فیصلہ و حکم ان چیزوں کے خلاف نہیں ہونا چاہئے دوسری بات یہ ہے کہ منصب قضاء اپنی اہمیت وعظمت اور اپنی بھرپور ذمہ داریوں کے اعتبار سے اتنا اونچا ہے۔ کہ نہ صرف یہ کہ ہر شخص کو اس تک پہنچنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے، بلکہ جہاں تک ہو سکے۔ اس منصب کو قبول کرنے سے ڈرنا اور اجتناب کرنا چاہئے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

غصہ کی حالت میں کسی قضیہ کا فیصلہ نہ کیا جائے

① عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَقْضِیَنَّ حَکَمٌ بَیْنَ اثْنَیْنِ وَ ھُوَ غَضْبَانُ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جب کوئی حاکم وقاضی غصہ کی حالت میں ہو تو وہ اس وقت دو آدمیوں (کے نزاعی معاملے) میں فیصلہ نہ دے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: غصہ کی حالت میں چونکہ غور وفکر کی قوت مغلوب ہو جاتی ہے اور ایسی صورت میں مبنی بر انصاف کے فیصلے کا صادر ہونا محل نظر ہو جاتا ہے اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ کوئی حاکم وقاضی غیض وغضب کی حالت میں کسی قضیہ کا فیصلہ نہ کرے تاکہ اس کا غیض وغضب، اس کے غور وفکر اور اجتہاد میں رکاوٹ نہ بنے اور وہ منصفانہ فیصلہ دے سکے اسی طرح سخت گرمی وسخت سردی، بھوک پیاس اور بیماری کی حالت میں بھی کوئی حکم وفیصلہ نہ دے کیونکہ ان اوقات میں بھی حواس پوری طرح قابو میں نہیں ہوتے اور دماغ حاضر نہیں رہتا۔ لہٰذا اگر کوئی حاکم وقاضی ان احوال میں حکم وفیصلہ دے گا تو وہ کراہت کے ساتھ جاری ونافذ ہوگا۔

قاضی کو اجتہاد کا اختیار

② وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو وَاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا حَکَمَ الْحَاکِمُ فَاجْتَھَدَ وَاَصَابَ فَلَہٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَکَمَ فَاجْتَھَدَ وَاَخْطَأَ فَلَہٗ اَجْرٌ وَّاحِدٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابوہریرہؓ دونوں کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب کوئی حاکم فیصلہ دینے کا ارادہ کرے اور اجتہاد کرے یعنی غور وفکر کے ذریعہ حکم وفیصلہ دے) اور پھر اس کا وہ حکم وفیصلہ صحیح یعنی کتاب وسنت کے موافق ہو تو اس کا دوہرا اجر ملے گا (ایک اجر تو اجتہاد کرنے کا اور دوسرا اجر صحیح فیصلہ پر پہنچنے کا) اور اگر اس نے کوئی ایسا حکم وفیصلہ دیا جس میں اس نے اجتہاد کیا لیکن (نتیجہ اخذ کرنے میں) چوک گیا (یعنی صحیح حکم تک پہنچنے میں خطا کر گیا) تو اس کو ایک اجر ملے گا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر حاکم وقاضی کسی سے قضیہ ومعاملہ کا حکم وفیصلہ دینا چاہے جس کے بارے میں کتاب وسنت اور اسلامی فقہ میں کوئی صریح اور واضح ہدایت نہیں ہے اور پھر وہ اجتہاد کرے یعنی کتاب وسنت کے احکام وتعلیمات وفقہ اسلامی کے مسائل اور اسلامی عدالتوں کے نظائر میں پوری طرح غور وفکر کرنے کے بعد وہ کسی ایسے نتیجہ پر پہنچ جائے جس کے بارے میں اس کے ضمیر کی رہنمائی نہ ہو کہ یہ مبنی برحق ہے اور پھر وہی نتیجہ اس کا حکم وفیصلہ بن جائے تو وہ حکم وفیصلہ ظاہری قانون کے اعتبار سے تو بالکل صحیح تسلیم کیا جائے گا البتہ عقبیٰ کے لحاظ سے اس کی دو صورتیں ہوں گی ایک تو یہ کہ اگر حقیقت میں بھی وہ فیصلہ کتاب وسنت کی منشاء کے موافق رہا تو اس کو دو اجر ملیں گے، اور اگر اس کا فیصلہ کتاب وسنت کے موافق نہیں ہوا ہے تو اس کو ایک ہی اجر ملے گا۔ بالکل یہی حکم مجتہد کا ہے کہ اگر وہ

استنباط مسائل کے وقت اپنے اجتہاد کے نتیجے میں کتاب وسُنت کی منشاء تک پہنچ گیا تو اس کو دو اجر ملیں گے اور اگر کتاب وسنت کی منشاء تک پہنچنے میں خطا کر گیا تو اس کو ایک ثواب ملے گا۔ لہٰذا یہ حدیث جہاں اس بات کی دلیل ہے کہ قاضی اسلام کو ایسی جزئیات میں اجتہاد کا اختیار حاصل ہے جو اسلامی قانون کے ماخذ میں صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ہیں اور جن کا کوئی حکم واضح نہیں ہے وہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں کبھی تو صحیح حکم تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی خطا کر جاتا ہے یعنی صحیح حکم تک نہیں پہنچ پاتا لیکن اجر و ثواب اس کو بہر صورت ملتا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی چیز کا حکم و مسئلہ، نصوص یعنی کتاب اللہ، احادیث رسول اللہ اور اجماع اُمت میں مذکور نہ ہونے کی وجہ سے قیاس پر عمل کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہو تو اس صورت میں قیاس پر عمل کرنا تحری قبلہ کی مانند ہوگا (جس طرح اگر کسی شخص کو کسی وجہ سے قبلہ کی سمت کا پتہ نہ چلے اور وہ نماز کے وقت غور و فکر اور تحری کر کے اپنے گمان غالب کے مطابق قبلہ کی کوئی سمت مقرر کرلے اور اس طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز صحیح ہوگی اگرچہ حقیقت میں قبلہ اس سمت نہ ہو اسی طرح) قیاس پر عمل کرنے والا، مصیبت یعنی درست عمل کرنے والا ہوگا اگرچہ اس قیاس میں اس سے خطا (غلطی) ہوگئی ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

منصب قضاء ایک ابتلاء ہے

③ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ جُعِلَ قَاضِیًا بَیْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِکِّیْنٍ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص لوگوں کے درمیان قاضی مقرر کیا گیا (گویا) اس کو بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔" (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: "ذبح" سے اس کے متعارف معنی (یعنی ہلاکت بدن) مراد نہیں ہے بلکہ غیر متعارف معنی "ذہنی و روحانی ہلاکت" مراد ہے۔ چنانچہ جس شخص کو قاضی مقرر کیا جاتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ ہمہ وقت کی الجھن و پریشانی اور روحانی، (اذیت) یا یوں کہئے۔ کہ درد بے دوا اور مفت کی بیماری میں مبتلا رہتا ہے بلکہ اس کو اپنی عاقبت کی خرابی کا خوف بھی رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ چھری سے ذبح ہو جانا صرف لمحہ بھر کے لئے اذیت برداشت کرنا ہے جب کہ یہ اذیت عمر بھر کی ہے بلکہ اس کی حسرت و پشیمانی قیامت تک باقی رہنے والی ہے۔

قاضی بننے کی خواہش نہ کرو

④ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَغَی الْقَضَاءَ وَسَاَلَ وُکِلَ اِلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اُکْرِہَ عَلَیْہِ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْہِ مَلَکًا یُسَدِّدُہٗ۔ (رواہ الترمذی ابوداؤد وابن ماجہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص (اپنے دل میں) منصب قضا کی طلب و خواہش کرے اور پھر (سربراہ مملکت سے) اس کا خواستگار ہو (یہاں تک کہ اس کی خواست گاری پر اس کو قاضی بنا دیا جائے) تو وہ منصب اس کے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے (یعنی اس کو اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق حاصل نہیں ہوتی) اور جس کو (اس کی طلب و خواہش کے بغیر) زبردستی اس منصب پر فائز کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتے کو مقرر کر دیتا جو اس کو گفتار و کردار میں راست و درست رکھتا ہے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

جنتی اور دوزخی قاضی!

⑤ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَاثْنَانِ فِي النَّارِ فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ قَضَى لِلنَّاسِ عَلَى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ۔ (رواہ ابو داؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں ایک طرح کے تو جنت میں جانے والے اور دو طرح کے دوزخ میں جانے والے! لہٰذا جنت میں جانے والا قاضی تو وہ شخص ہے جس نے حق کو جانا (یعنی یہ جانا کہ حق اس بات میں ہے) اور پھر حق ہی کے مطابق فیصلہ کیا اور جس نے حق کو جانا مگر (اس کے باوجود) اپنے حکم و فیصلہ میں ظلم کیا (یعنی اس نے دیدہ دانستہ حق کو پامال کیا تو وہ دوزخی ہے، اسی طرح جو اپنی جہالت کی وجہ سے حق کو نہیں پہچانا اور اسی حالت میں لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ کیا تو یہ بھی دوزخی ہے (کیونکہ اس نے حق رسی میں کوتاہی اور تقصیر کی۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہ)

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ قَضَاءَ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى يَنَالَهُ ثُمَّ غَلَبَ عَدْلُهُ جَوْرَهُ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ غَلَبَ جَوْرُهُ عَدْلَهُ فَلَهُ النَّارُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص مسلمانوں کے منصب قضاء کا طالب اور خواستگار ہوا یہاں تک کہ اس نے اس کو حاصل بھی کر لیا اور پھر اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں) اس کا عدل و انصاف ظلم پر غالب رہا تو وہ جنت کا مستحق ہوگا اور جس شخص کا ظلم اس کے عدل و انصاف پر غالب رہا تو وہ دوزخ کا سزاوار ہوگا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: ظاہری مفہوم کے مطابق ظلم پر عدل کے اور عدل پر ظلم کے غلبہ سے مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے سے زیادہ ہو اور وہ دوسرا بھی وجود رکھتا ہو اور چونکہ حکم غالب کے مطابق ہوتا ہے اس لئے اگر عدل و انصاف غالب ہوگا تو جنت ملے گی اور اگر ظلم غالب ہوگا تو دوزخ ملے گی۔ لیکن علماء نے لکھا ہے کہ دونوں ہی صورتوں میں "غالب" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس درجہ کا ہو کہ دوسرے کے لئے رکاوٹ بن جائے۔ مثلاً اس کے عدل و انصاف کا وصف اس طرح حاوی ہو کہ اس کا ظلم سر نہ اٹھا سکے۔ یا اس کے ظلم کی خصلت اتنی حاوی ہو کہ اس کے مقابلہ پر اس کا عدل ظاہر نہ ہو سکے۔

قیاس و اجتہاد برحق ہے

⑦ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِيْ إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟ قَالَ أَقْضِيْ بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ أَجْتَهِدُ رَأْيِيْ وَلَا آلُوْ قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدْرِهِ وَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا يَرْضَى بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت معاذ ابن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے جب ان (معاذؓ) کو (قاضی و حاکم بنا کر) یمن بھیجا تو ان سے (بطور امتحان) پوچھا کہ جب تمہارے سامنے کوئی قضیہ پیش ہوگا تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ "میں کتاب اللہ (قرآن کریم) کے موافق فیصلہ کروں گا۔" "فرمایا "اگر تمہیں وہ مسئلہ (صراحۃ) کتاب اللہ میں نہ ملا؟" انہوں نے کہا "پھر میں سُنّت رسول اللہ (حدیث نبوی) کے موافق فیصلہ کروں گا" فرمایا "اگر تمہیں وہ مسئلہ سُنّت رسول اللہ (ﷺ) میں بھی نہ ملا؟" انہوں نے کہا تو پھر میں اپنی عقل سے اجتہاد کرونگا اور (اپنے اجتہاد و حقیقت رسی میں) کوتاہی نہیں کروں گا۔" معاذؓ (یا وہ راوی جنہوں نے یہ حدیث معاذ سے روایت کی ہے،

کہتے ہیں کہ آنحضرت نے (یہ سن کر) اپنا دست مبارک معاذؓ کے سینے پر مارا (تاکہ اس کی برکت سے وہ اپنی بات پر ثابت قدم رہیں اور ان کے علم میں اضافہ ہو، اور فرمایا) "تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے رسول اللہ (ﷺ) کے رسول (یعنی معاذؓ) کو اس چیز کی توفیق عطا کی جس سے اس (اللہ) کا رسول (ﷺ) راضی ہو۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، داری)

تشریح: "میں اپنی عقل سے اجتہاد کروں گا" کا مطلب یہ ہے کہ میں اس قضیہ کا حکم ان مسائل پر قیاس کے ذریعہ حاصل کروں گا جو نصوص یعنی کتاب وسنت میں مذکور ہیں بایں طور کہ کتاب وسنت میں اس قضیہ کے مشابہ جو مسائل مذکور ہیں ان کے مطابق اس قضیہ کا حکم وفیصلہ کروں گا۔

مظہرؒ نے بھی اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے۔ کہ پہلے میں غور وفکر کروں گا کہ میرے سامنے جو قضیہ پیش ہوا ہے کہ جس کا کوئی حکم کتاب وسنت میں مذکور نہیں ہے وہ کونسے ایسے مسئلہ سے مشابہ ہے جو کتاب وسنت میں مذکورہ ہے جب میں ان دونوں کے درمیان مشابہت پاؤں گا تو اس کا وہی حکم وفیصلہ کروں گا جو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں مذکور مسئلہ کا ہے، چنانچہ ائمہ مجتہدینؒ کے یہاں اس قیاس پر بہت سے مسائل کا استنباط کیا گیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان ائمہ مجتہدین نے قیاس کی علت وبنیاد میں اختلاف کیا ہے مثلاً گیہوں کے ربو (سود) کے حرام ہونے کے بارے میں نفس (یعنی صریح حکم) ہے جب کہ تربوز کے بارے میں ایسی نص نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت امام شافعیؒ نے تربوز کو گیہوں پر قیاس کرتے ہوئے اس کے ربوا کو بھی حرام قرار دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک گیہوں کے ربو کے حرام ہونے کی علت اس کا "کھائی جانے والی چیز" ہونا ہے اور چونکہ تربوز بھی "کھائی جانے والی چیز ہے" اس لئے گیہوں کے حکم پر قیاس کرتے ہوئے اس کا ربو بھی حرام ہوگا۔ جب کہ حضرت امام اعظمؒ، ابوحنیفہؒ کے نزدیک گیہوں کے ربو کے حرام ہونے کی علت چونکہ اس کا کیل (یا موزون) ہونا ہے اس لئے انہوں نے گیہوں پر چونے کو قیاس کیا اور یہ مسئلہ اخذ کیا کہ چونے کا ربو بھی حرام ہے۔

بہر حال یہ حدیث قیاس واجتہاد کے مشروع ہونے کی بہت مضبوط دلیل ہے اور اصحاب ظواہر (غیر مقلدین) کے مسلک کے خلاف ہے جو قیاس واجتہاد کے منکر ہیں۔

مدعا علیہ کا بیان سنے بغیر مدعی کے حق میں فیصلہ نہ کیا جائے

(٨) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْيَمَنِ قَاضِيًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُرْسِلُنِيْ وَاَنَا حَدِيْثُ السِّنِّ وَلَا عِلْمَ لِيْ بِالْقَضَاءِ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِيْ قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ اِذَا تَقَاضٰى اِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْاَوَّلِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْاٰخَرِ فَاِنَّهٗ اَحْرٰى اَنْ يَّتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ قَالَ فَمَا شَكَكْتُ فِيْ قَضَاءٍ بَعْدُ وسنذكر حديث ام سلمة انما اقضي بينكم برأيي في باب الاقضية والشهادات ان شاء الله تعالى۔ (رواه الترمذي وابوداؤد وابن ماجة)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ (جب) رسول کریم ﷺ نے مجھے قاضی بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا کہ آپ مجھ نوجوان کو (قاضی بنا کر) بھیج رہے ہیں (جو اپنی کم عمری کی وجہ سے ناتجربہ کار بھی ہے اور) جس کو (منصب قضا کی ذمہ داریوں کا پوری طرح علم بھی نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (تم اس بارے میں کچھ فکر نہ کرو) اللہ تمہارے دل کو فہم وفراست کی ہدایت عطا کرے گا اور تمہاری زبان کو صحیح اور برحق حکم وفیصلہ کرنے پر ثابت رکھے گا۔ (پھر آنحضرت ﷺ نے منصب قضاء کی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے سلسلہ میں یہ تعلیم وہدایت دی کہ جب تمہارے پاس دو آدمی اپنا قضیہ لے کر آئیں تو تم پہلے آدمی (یعنی مدعا علیہ) کا بیان نہ سن لو کیونکہ یہ (مدعا علیہ کا بیان تمہیں) صحیح حکم وفیصلہ دینے میں اچھی مدد دے گا۔" حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کی) اس مبارک دعا کی برکت سے اور آپ ﷺ کی اس ہدایت وتعلیم پر عمل کرنے کے بعد میں کسی بھی قضیہ کا حکم وفیصلہ کرنے میں مذبذب نہیں ہوا۔"

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

قیامت کے دن ظالم حاکم کا انجام

(۹) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ حَاكِمٍ يَحْكُمُ بَيْنَ النَّاسِ اِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَلَكٌ اٰخِذٌ بِقَفَاهُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ اِلَى السَّمَاءِ فَاِنْ قَالَ اَلْقِهِ اَلْقَاهُ فِیْ مَهْوَاةٍ اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا۔

(رواہ احمد وابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

"حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہر وہ حاکم جو لوگوں پر اپنا حکم وفیصلہ جاری ونافذ کرتا ہے قیامت کے دن (احکم الحاکمین کی بارگاہ میں) اس طرح پیش کیا جائے گا کہ ایک فرشتہ اس کی گدی پکڑے ہوگا۔ پھر وہ فرشتہ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے (کھڑا رہے گا، یہاں تک کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ حکم دے گا کہ اس کو (دوزخ میں) ڈال دو تو وہ اس کو دوزخ کے) گڑھے میں ڈال دے گا جو چالیس برس کی مسافت) کے بقدر (گہرا) ہوگا۔" (احمدؒ، ابن ماجہ، بیہقیؒ در شعب الایمان)

تشریح: "پھر وہ فرشتہ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے گا" سے مراد فرشتہ کی اس حالت کو بیان کرنا ہے جس میں وہ حکم خداوندی کا منتظر ہوگا، یعنی جس طرح بادشاہ کے ہاں یہ درباری آداب میں سے ہے کہ جب وہاں کوئی ملزم پیش کیا جاتا ہے کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ انتظار کرتا ہے کہ بادشاہ حاکم کی طرف سے کیا حکم وفیصلہ صادر ہوتا ہے، اسی طرح وہ فرشتہ بھی اس حاکم کو بارگاہ رب العزت میں پیش کر کے اس انتظار میں کھڑا رہے گا کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے۔

"چالیس برس کے بقدر" سے مراد اس گڑھے کی گہرائی کو زیادہ سے زیادہ کر کے بیان کرنا ہے نہ کہ اس سے اس مدت کی تعیین وتحدید مراد ہے۔ اس حدیث میں جس حاکم کا انجام بیان کیا گیا ظالم حاکم ہے، عدل وانصاف پرور حاکم کے بارے میں یہ حکم دیا جائے گا کہ اس کو بہشت میں پہنچایا جائے۔ جیسا کہ کتاب الامارۃ والقضاء میں حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے واضح ہو چکا ہے۔"

قیامت کے دن قاضی کی حسرتناک آرزو؟

(۱۰) وَعَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَاْتِيَنَّ عَلَى الْقَاضِی الْعَدْلِ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَتَمَنّٰی اَنَّهٗ لَمْ يَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ فِیْ تَمْرَةٍ قَطُّ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن (جب حاکموں، سرداروں، اور قانون وانصاف کے ذمہ داروں سے سخت مواخذہ ہو رہا ہوگا تو) عادل ومنصف قاضی کے لئے بھی ایک ایسا لمحہ آئے گا جس میں وہ یہ آرزو کرے گا کہ کاش اس کو دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور کے (بھی) قضیہ کا فیصلہ کرنے کی ذمہ داری انجام نہ دینا پڑتی ہو۔" (احمدؒ)

عادل ومنصف کو حق تعالیٰ کی توفیق وتائید حاصل رہتی ہے

(۱۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْقَاضِیْ مَالَمْ يَجُرْ فَاِذَا جَارَ تَخَلّٰی عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ، وَفِیْ رِوَايَةٍ فَاِذَا جَارَ وَكَلَهٗ اِلٰی نَفْسِهٖ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قاضی جب تک ظلم وناانصافی کی راہ اختیار نہیں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے یعنی حق تعالیٰ کی توفیق وتائید اس کے شامل حال ہوتی ہے لیکن جب وہ ظلم وناانصافی کی راہ اختیار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے الگ ہو جاتا ہے (یعنی اس کے اوپر سے حق تعالیٰ کی تائید وتوفیق کا سایہ ہٹ جاتا ہے اور شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے

(ترمذی ؒ، ابن ماجہ ؒ) اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ قاضی جب ظلم و ناانصافی کی راہ اختیار کر لیتا ہے تو (اللہ تعالیٰ) اس کے کام کو اس کے سپرد کر دیتا ہے (یعنی اس کو اپنی توفیق و تائید سے محروم کر دیتا ہے۔"

(۱۲) وَعَنْ سَعِيْدِبْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ مُسْلِمًا وَيَهُوْدِيًّا اخْتَصَمَا اِلٰى عُمَرَ فَرَاَى الْحَقَّ لِلْيَهُوْدِيِّ فَقَضٰى لَهٗ عُمَرُ بِهٖ فَقَالَ لَهُ الْيَهُوْدِيُّ وَاللّٰهِ لَقَدْ قَضَيْتَ بِالْحَقِّ فَضَرَبَهٗ عُمَرُ بِالدِّرَّةِ وَقَالَ وَمَا يُدْرِيْكَ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ وَاللّٰهِ اِنَّا نَجِدُ فِى التَّوْرَاةِ اَنَّهٗ لَيْسَ قَاضٍ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ اِلَّا كَانَ عَنْ يَمِيْنِهٖ مَلَكٌ وَعَنْ شِمَالِهٖ مَلَكٌ يُسَدِّدَانِهٖ وَيُوَفِّقَانِهٖ لِلْحَقِّ مَادَامَ مَعَ الْحَقِّ فَاِذَا تَرَكَ الْحَقَّ عَرَجَا وَتَرَكَاهُ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت سعید ابن مسیب ؒ راوی ہیں کہ (ایک دن) حضرت عمر فاروق ؓ کی خدمت میں ایک مسلمان اور ایک یہودی اپنا جھگڑا لے کر آئے حضرت عمر ؓ نے جب (قضیہ کی تحقیق کے بعد) یہ دیکھا کہ یہودی حق پر ہے تو انہوں نے اس (یہودی) کے حق میں فیصلہ دیا اس یہودی نے (اپنے حق میں فیصلہ سن کر) کہا "خدا کی قسم! آپ نے حق کے مطابق فیصلہ دیا ہے حضرت عمر ؓ نے (یہ سن کر) اس کے ایک درہ مارا اور فرمایا تجھے کیسے علم ہوا کہ میں نے حق کے مطابق فیصلہ دیا ہے؟ یہودی نے کہا "خدا کی قسم! ہم نے توراۃ میں (یہ لکھا ہوا) پایا ہے کہ جو بھی قاضی حق کے مطابق فیصلہ دیتا ہے اس کے دائیں ایک فرشتہ ہوتا ہے اور اس کے بائیں ایک فرشتہ ہوتا ہے وہ دونوں فرشتے اس کو تقویت پہنچاتے ہیں اور حق کی توفیق دیتے ہیں جب تک وہ حق پر رہتا ہے، اور جب قاضی حق کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔" (مالک ؒ)

تشریح : ایک خلجان تو یہ واقع ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے اس یہودی کو اپنے درے سے کیوں مارا در آنحالیکہ اس نے ان کے فیصلہ کے منصفانہ اور برحق ہونے کا اقرار و اعتراف کیا تھا؟ اور ایک اشکال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ عمر ؓ کے سوال "تجھ کو یہ کیسے معلوم ہوا الخ" اور یہودی کے جواب "ہم نے توراۃ میں پایا ہے الخ" میں مطابقت کیا ہوئی۔" پہلے خلجان کا جواب تو یہ ہے کہ حضرت عمر ؓ نے یہودی کو کسی سزا یا غصہ کے طور پر نہیں مارا تھا بلکہ نرمی اور خوش طبعی کے طور پر مارا تھا اور دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس بات کو یہودی سے زیادہ اور کون جان سکتا تھا کہ اس تنازعہ میں حق پر کون ہے، لہٰذا جب اس یہودی نے دیکھا کہ اگر حضرت عمر ؓ حق سے انحراف کرتے تو فریق مخالف یعنی مسلمان کے حق میں فیصلہ کرتے، اس صورت میں ان کا فیصلہ مبنی بر انصاف ہوتا اور نہ ان کا حق پر قائم رہنا ظاہر ہوتا۔ لہٰذا جب انہوں نے مسلمان کے خلاف یہودی کے حق میں فیصلہ دیا تو معلوم ہوا کہ حضرت عمر ؓ حق پر قائم ہیں اور انہوں نے انصاف سے انحراف نہیں کیا ہے۔

منصب قضا قبول کرنے سے حضرت ابن عمر ؓ کا انکار

(۱۳) وَعَنِ ابْنِ مَوْهَبٍ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ اقْضِ بَيْنَ النَّاسِ قَالَ اَوَتُعَافِيْنِىْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ مَاتَكْرَهُ مِنْ ذٰلِكَ وَقَدْ كَانَ اَبُوْكَ يَقْضِىْ قَالَ لِاَنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ قَاضِيًا فَقَضٰى بِالْعَدْلِ فَبِالْحَرِيِّ اَنْ يَنْقَلِبَ مِنْهُ كَفَافًا فَمَا رَاجَعَهٗ بَعْدَ ذٰلِكَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَفِىْ رِوَايَةِ رَزِيْنٍ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ لِعُثْمَانَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا اَقْضِىْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ قَالَ فَاِنَّ اَبَاكَ كَانَ يَقْضِىْ فَقَالَ اِنَّ اَبِىْ لَوْ اَشْكَلَ عَلَيْهِ شَىْءٌ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ اَشْكَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَىْءٌ سَاَلَ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاِنِّىْ لَا اَجِدُ مَنْ اَسْاَلُهٗ وَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ عَاذَ بِاللّٰهِ فَقَدْ عَاذَ بِعَظِيْمٍ وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ مَنْ عَاذَ بِاللّٰهِ فَاَعِيْذُوْهُ وَاِنِّىْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ تَجْعَلَنِىْ قَاضِيًا فَاَعْفَاهُ وَقَالَ لَا تُخْبِرْ اَحَدًا۔

"اور حضرت ابن موہب ؒ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان ابن عفان ؓ نے (اپنے زمانہ خلافت میں حضرت ابن عمر ؓ سے کہا کہ "لوگوں کا قاضی

بن جاؤ (یعنی حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں منصب قضا کی پیش کش کی) حضرت ابن عمرؓ نے کہا "امیرالمؤمنین! مجھ کو تو اس کام سے معاف رکھئے۔" حضرت عثمانؓ نے فرمایا "تم اس منصب کو کیوں ناپسند کرتے ہو حالانکہ تمہارے والد (حضرت عمر فاروقؓ) تو (اپنے دور خلافت کے علاوہ بھی نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں) قضاء کا کام کرتے تھے؟" حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جو شخص منصب قضاء پر فائز ہو اور مبنی بر انصاف فیصلے کرے تو وہ اس لائق ہے کہ وہ اس منصب سے برابر سرابر جدا ہو (یعنی نہ نقصان پہنچائے نہ فائدہ، نہ ثواب پائے نہ عذاب۔") اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عمرؓ سے اس بارہ میں کوئی بات نہیں کی (ترمذیؒ) اور رزین کی روایت میں جو انہوں نے حضرت نافعؒ سے نقل کی ہے یہ الفاظ ہیں "کہ حضرت ابن عمرؓ نے کہا "امیرالمؤمنین" میں (تو) دو آدمیوں کے درمیان (بھی) کوئی حکم و فیصلہ نہیں کروں گا (چہ جائیکہ بہت زیادہ لوگوں کا قاضی بنوں۔" حضرت عثمانؓ نے فرمایا "تمہارے والد (حضرت عمرؓ) تو لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتے تھے؟" حضرت ابن عمرؓ نے کہا "میرے (والد کی بات تو یہ تھی کہ) اگر ان کو کوئی دشواری پیش آتی تھی تو وہ رسول کریم ﷺ سے پوچھ لیا کرتے تھے اور اگر رسول کریم ﷺ کو کوئی دشواری پیش آتی تو آپ ﷺ جبریل علیہ السلام سے پوچھ لیا کرتے تھے جب کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں پاتا جس سے پوچھ لیا کروں گا اور میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی اس نے بڑی ذات کی پناہ مانگی۔" نیز میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ (بھی) فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذریعہ پناہ مانگے اس کو پناہ دو۔" لہٰذا میں اللہ تعالیٰ کے ذریعے اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ آپ مجھے قاضی مقرر کریں" چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو معاف کیا، لیکن ان سے فرمایا کہ "کسی" اور کو آگاہ نہ کرنا کہ وہ منصب قضا قبول نہ کرے ورنہ لوگ عام طور پر اس منصب کو قبول کرنے سے گریز کرنے لگیں گے اور نظام حکومت معطل ہو کر رہ جائے گا۔"

بَابُ رِزْقِ الْوُلَاۃِ وَھَدَایَاھُمْ

حکام کو تنخواہ اور ہدایا و تحائف دینے کا بیان

اس باب میں یہ بیان ہوگا کہ حکام و عمال کے لئے بیت المال سے بطور تنخواہ و اجرت کچھ مقرر کیا جائے یا نہیں اور یہ کہ اگر کوئی شخص حاکم کے لئے بطور ہدیہ و تحفہ کوئی چیز لائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

بارگاہ رسالت سے مال کی تقسیم

① عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اُعْطِیْکُمْ وَلَا اَمْنَعُکُمْ اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَیْثُ اُمِرْتُ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میں نہ تو تمہیں عطا کرتا ہوں اور نہ تمہیں محروم رکھتا ہوں، میں تو صرف بانٹنے والا ہوں کہ جس جگہ مجھے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے میں وہاں رکھ دیتا ہوں۔" (بخاریؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کے درمیان مال تقسیم کرتے ہوئے مذکورہ بالا جملے ارشاد فرمائے تاکہ وہ تقسیم و کمی بیشی کی وجہ سے اپنے دل میں کوئی خیال نہ لائیں، چنانچہ "مَا اُعْطِیْکُمْ الخ" کا مطلب یہ ہے کہ نہ عطا کرنا میرے بس میں ہے اور نہ تمہیں محروم رکھنا میرے اختیار میں ہے کہ اگر میں کسی کو کچھ دیتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے اپنی خواہش اور اپنی مرضی سے اس کو دیا ہے یا اگر کسی کو نہیں

دیتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرا دل اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ اس لئے میں نے اس کو نہیں دیا، بلکہ میں صرف بانٹنے والا ہوں اس لئے جو کچھ بھی دیتا ہوں یا نہیں دیتا ہوں یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر ہے، جہاں اور جس کو دینے کا مجھے حکم دیا گیا ہے وہاں اور اس کو دیتا ہوں اور جہاں اور جس کو نہ دینے کی ہدایت کی گئی ہے میں وہاں اور اس کو نہیں دیتا۔

قومی خزانے اور بیت المال میں ناحق تصرف کرنے والوں کے بارے میں وعید

(۲) وَعَنْ خَوْلَةَ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُوْنَ فِيْ مَالِ اللّٰهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت خولہ انصاریؓ یہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بہت سے لوگ خدا کے مال میں ناحق تصرف کرتے ہیں (یعنی زکوٰۃ، غنیمت اور بیت المال کے مال میں امام وحکمران کی اجازت کے بغیر تصرف کرتے ہیں اور اپنے حق اور اپنی محنت سے زیادہ وصول کرتے ہیں وہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کے سزاوار ہوں گے۔" (بخاریؒ)

امام وقت بیت المال سے اپنی تنخواہ لینے کا حقدار ہے

(۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اسْتُخْلِفَ اَبُوْبَكْرٍ قَالَ لَقَدْ عَلِمَ قَوْمِيْ اَنَّ حِرْفَتِيْ لَمْ تَكُنْ تَعْجِزُ عَنْ مُؤْنَةِ اَهْلِيْ وَشُغِلْتُ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَيَاْكُلُ اٰلُ اَبِيْ بَكْرٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَيَحْتَرِفُ لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب خلیفہ بنائے گئے تو فرمایا کہ "میری قوم کے لوگ (یعنی مسلمان) جانتے ہیں کہ میرا کاروبار میرے اہل عیال کے اخراجات کے لئے کافی تھا، اب میں مسلمانوں کے امور میں مشغول ہو گیا ہوں (اور اس کی وجہ سے ابوبکر کے اہل وعیال بیت المال) کے مال سے کھائیں گے اور ابوبکر اس بیت المال کی آمدنی میں اضافہ کرنے اس کی حفاظت کرنے اور اس کو مسلمانوں کی ضروریات ودیگر مصارف میں اس کو خرچ کرنے کے ذریعہ مسلمانوں کی خدمت کرے گا۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت ابوبکر صدیقؓ بازار میں کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور اس کے ذریعہ اپنے اہل وعیال کے مصارف پورے کرتے تھے، لیکن جب مسلمانوں نے ان کو منصب خلافت پر فائز کیا تو انہوں نے صحابہؓ کو اطلاع دے دی کہ اب میں امور خلافت کی انجام دہی اور مسلمانوں کی خدمت میں مشغول ہو گیا ہوں اس لئے اپنا کاروبار جاری نہیں رکھ سکتا، لہٰذا اپنے اور اپنے اہل وعیال کے اخراجات کے بقدر بیت المال سے تنخواہ لیا کروں گا۔

جلیل القدر صحابہؓ کی تجارتیں

حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں تو معلوم ہوا کہ وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ غلہ کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے ہاں کھجوروں اور کپڑے کا کاروبار ہوتا تھا اور حضرت عباسؓ عطاری کرتے تھے۔

علماء نے لکھا ہے کہ تجارت کی انواع میں سب سے بہتر تجارت کپڑے کی اور پھر عطر کی ہے، نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر جنتی تجارت کرتے تو کپڑے کی تجارت کرتے اور دوزخی تجارت کرتے تو صرف یعنی سونے چاندی کی تجارت کرتے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

تنخواہ سے زیادہ لینا خیانت ہے

(۴) وَعَنْ بُرَيْدَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا اَخَذَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ

غُلُوْلٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت بریدہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مامور کیا اور اس کو رزق دیا یعنی اس کے اس کام کی اجرت و تنخواہ مقرر کردی اس بعد اگر وہ (اپنی تنخواہ سے زائد) کچھ وصول کرے گا تو یہ مال غنیمت میں خیانت ہے۔" (ابوداؤد)

عامل کی اجرت

⑤ وعَنْ عُمَرَ قَالَ عَمِلْتُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِيْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں مجھے عامل بنایا گیا اور اس کی اجرت (تنخواہ) مجھ کو دی گئی۔" (ابوداؤدؒ)

حضرت معاذؓ کو ہدایت

⑥ وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْيَمَنِ فَلَمَّا سِرْتُ اَرْسَلَ فِيْ اَثَرِيْ فَرُدِدْتُ فَقَالَ اَتَدْرِيْ لِمَ بَعَثْتُ اِلَيْكَ تُصِيْبَنَّ شَيْئًا بِغَيْرِ اِذْنِيْ فَاِنَّهُ غُلُوْلٌ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِهٰذَا دَعَوْتُكَ فَامْضِ لِعَمَلِكَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے (عامل) بنا کر یمن بھیجا (جب میں یمن جانے کے لئے روانہ ہوا اور کچھ دور چلا گیا) تو آپ ﷺ نے (مجھے بلانے کے لئے ایک شخص کو) میرے پیچھے بھیجا میں لوٹ کر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم جانتے ہو، میں نے تمہیں بلانے کے لئے (آدمی) کیوں بھیجا تھا؟ (میں نے یہ آگاہی دینے کے لئے تمہیں بلایا ہے کہ) تم (اپنی مدت ملازمت کے دوران) میری اجازت کے بغیر کچھ نہ لینا کیونکہ یہ خیانت ہے، اور جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن وہ چیز لے کر آئے گا جس میں اس نے خیانت کی ہے یہی کہنے کے لئے میں نے تمہیں بلایا تھا، اب تم اپنے کام پر جاؤ۔" (ترمذیؒ)

بلا تنخواہ حاکم کے مصارف کا بیت المال کفیل ہوگا

⑦ وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ لَنَا عَامِلًا فَلْيَكْتَسِبْ زَوْجَةً فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ خَادِمٌ فَلْيَكْتَسِبْ خَادِمًا فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَسْكَنٌ فَلْيَكْتَسِبْ مَسْكَنًا۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنِ اتَّخَذَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَهُوَ غَالٌّ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت مستوردؓ ابن شداد کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جس شخص کو ہم نے عامل (کسی جگہ کا حاکم و کارپرداز) بنایا (اگر اس کے بیوی نہ ہو تو) اس کو چاہئے کہ وہ ایک بیوی بیاہ لے، اگر اس کے پاس کوئی خادم (غلام و لونڈی) نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ ایک خادم خرید لے، اور اگر اس کا کوئی گھر نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ ایک گھر بنالے یا خرید لے۔" اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ "اگر وہ اس کے علاوہ کچھ لے گا تو وہ خیانت کرنے والا ہوگا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عامل کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے زیر تصرف بیت المال سے اپنی بیوی کے مہر، اس کے نان نفقے اور اس کے لباس کے بقدر حاجت (بلا اسراف) روپیہ و مال لے سکتا ہے، اسی طرح وہ اپنی رہائشی ضروریات کے مطابق ایک مکان اور خدمت کے لئے خادم (کی قیمت و اجرت کے بقدر بھی اس بیت المال سے لے سکتا ہے البتہ اگر وہ ان ضرورت و حاجت سے زیادہ لے گا تو وہ اس کے حق میں حرام ہوگا۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس عامل کے لئے کوئی تنخواہ واجرت مقرر نہ کی گئی ہو اور بیت المال اس کی (تنخواہ واجرت کا اور اس کے مذکورہ مصارف) کا کفیل ہو سکتا ہو۔

قومی محاصل و بیت المال میں خیانت نہ کرو

⑧ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ عَمِيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عُمِّلَ مِنْكُمْ لَنَا عَلٰى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِنْهُ مَخِيْطًا فَمَا فَوْقَهُ فَهُوَ غَالٌّ يَاْتِيْ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اقْبَلْ عَنِّيْ عَمَلَكَ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالَ سَمِعْتُكَ تَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا قَالَ وَاَنَا اَقُوْلُ ذٰلِكَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ فَلْيَاْتِ بِقَلِيْلِهٖ وَكَثِيْرِهٖ فَمَا اُوْتِيَ مِنْهُ اَخَذَهُ وَمَا نُهِيَ عَنْهُ انْتَهٰى۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَاللَّفْظُ لَهٗ۔

"اور حضرت عدیؓ ابن عمیرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا "لوگو! تم میں سے جو شخص ہماری طرف سے کسی کام کا عامل بنایا جائے (یعنی جس کو ہم کسی خدمت مثلاً زکوۃ وغیرہ وصول کرنے پر مامور کریں) اور وہ اپنے اس کام کے حاصل (آمدنی) میں سے سوئی برابر یا اس سے زائد ہم سے چھپائے (یعنی وہ جو کچھ وصول تحصیل کرے اس میں سے ہماری اجازت اور ہمارے علم کے بغیر تھوڑا یا بہت لے لے) تو وہ خیانت کرنے والا ہے اور وہ قیامت کے دن اس (خیانت کی ہوئی چیز) کو لے کر آئے گا۔" (یہ سن کر) ایک انصاری شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! آپ نے (وصول تحصیل کا) جو کام میرے سپرد کیا ہے وہ مجھ سے واپس لے لیجئے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "یہ کیوں؟" اس نے عرض کیا کہ میں نے جو آپ کو اس اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے (یعنی آپ ﷺ نے اس کام کے سلسلے میں جو وعید بیان فرمائی ہے اس کی وجہ سے میں بہت خوفزدہ ہو گیا ہوں، کیونکہ یہ کام لغزش سے تو خالی نہیں ہے، اگر میں کسی لغزش میں مبتلا ہو گیا تو قیامت کے دن کیا جواب دوں گا)؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں، میں پھر یہی کہتا ہوں کہ ہم جس شخص کو عامل مقرر کریں اس کو چاہئے کہ وہ جو کچھ وصول کریں، وہ تھوڑا ہو یا زیادہ سب ہمارے پاس لے کر آئے اور اس میں سے اس کو (اس کی اجرت تنخواہ کے طور پر) جس قدر دیا جائے وہ اس کو لے لے اور جو نہ دیا جائے اس سے باز رہے (اب اس واضح ہدایت و تنبیہ کے بعد جو شخص اس کام کو انجام دے سکے وہ اس کی ذمہ داری قبول کرے اور جو شخص ان شرائط کے ساتھ اس کی انجام دہی میں اپنے کو معذور سمجھے وہ اس کی ذمہ داری کو قبول نہ کرے۔" (مسلمؒ وابوداؤدؒ۔ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔"

رشوت دینے، لینے والے پر آنحضرت ﷺ کی لعنت

⑨ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ ثَوْبَانَ وَزَادَ وَالرَّائِشَ يَعْنِي الَّذِيْ يَمْشِيْ بَيْنَهُمَا۔

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے رشوت لینے اور رشوت دینے والے (دونوں) پر لعنت فرمائی ہے۔" ابوداؤد ابن ماجہ۔" ترمذیؒ نے اس روایت کو حضرت عبداللہ ابن عمرو اور حضرت ابوہریرہؓ سے اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت ثوبانؓ سے نقل کیا ہے نیز بیہقیؒ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رائش یعنی وہ شخص جو رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے کے درمیان واسطہ و ذریعہ بنے اس پر بھی لعنت فرمائی ہے۔"

تشریح: رشوت (یا راء کے پیش کے ساتھ یعنی رُشوت) اس مال کو کہتے ہیں جو کسی (حاکم و عامل وغیرہ) کو اس مقصد کے لئے دیا جائے کہ وہ باطل (ناحق) کو حق کردے اور حق کو باطل کردے۔ ہاں اگر اپنا حق ثابت کرنے یا اپنے اوپر ہونے والے کے دفعیہ کے لئے کچھ دیا

جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حلال ذرائع سے کمایا ہوا مال ایک اچھی چیز ہے

(۱۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اَرْسَلَ اِلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِ اجْمَعْ عَلَيْكَ سِلَاحَكَ وَثِيَابَكَ ثُمَّ ائْتِنِي قَالَ فَاَتَيْتُهُ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ يَا عَمْرُو اِنِّي اَرْسَلْتُ اِلَيْكَ لِاَبْعَثَكَ فِي وَجْهٍ يُسَلِّمُكَ اللّٰهُ وَيُغْنِمُكَ وَاَرْغَبُ لَكَ رَغْبَةً مِنَ الْمَالِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا كَانَتْ هِجْرَتِي لِلْمَالِ وَمَا كَانَتْ اِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ قَالَ نِعِمَّا بِالْمَالِ الصَّالِحِ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَى اَحْمَدُ نَحْوَهُ وَفِي رِوَايَتِهِ قَالَ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔

"اور حضرت عمرو بن العاص ؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ نے کسی شخص کے ذریعہ میرے پاس یہ کہلا بھیجا کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے کپڑوں کو اکٹھا کر لو (یعنی سفر کی تیاری کر لو) اور پھر میرے پاس آجاؤ حضرت عمرو ؓ کہتے ہیں کہ میں (آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق سفر کی تیاری کر کے) آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت وضو کر رہے تھے، (مجھے دیکھ کر فرمایا کہ عمرو ؓ! میں نے تمہارے پاس آدمی بھیج کر تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ میں تمہیں ایک طرف (یعنی کسی جگہ کا حاکم یا عامل بنا کر) بھیجوں، اللہ تعالیٰ تمہیں عافیت وسلامتی کے ساتھ رکھے، تمہیں مال غنیمت عطا فرمائے اور میں بھی تمہیں کچھ مال دوں۔" میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میرا ہجرت کرنا (یعنی میرا ایمان قبول کرنا اور اپنا وطن چھوڑ کر آپ ﷺ کے پاس آجانا) مال کی خاطر نہیں تھا (بلکہ میرا ایمان قبول کرنا خالصۃ للہ تھا اور) میری ہجرت صرف اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی و رضا) کے لئے تھی۔" آپ ﷺ نے فرمایا "نیک بخت آدمی کے لئے اچھا مال اچھی چیز ہے۔" (شرح السنۃ) امام احمد ؒ نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے اور ان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (نیک مرد کے لئے اچھا مال اچھی چیز ہے۔"

تشریح: حضرت عمرو بن العاص ؓ نے ۵ھ میں اسلام قبول کیا اور حضرت خالد ابن ولید ؓ کی ہمراہی میں حبشہ سے مدینہ کو ہجرت کی بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ۸ھ میں اسلام قبول کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو عمان کا حاکم مقرر فرمایا تھا، اغلب ہے کہ اس روایت کا تعلق اس وقت سے ہے جب کہ ان کو بطور حاکم عامل عمان بھیجا جا رہا تھا۔

اچھا مال وہ ہے جو حلال ذریعہ سے کمایا گیا ہو اور اچھی جگہوں اور نیک مصارف میں خرچ کیا گیا ہو "اور نیک بخت مرد" وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کو بھی ادا کرے اور بندوں کے حقوق کی بھی ادائیگی کرے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

سفارش کرنے والا کوئی ہدیہ و تحفہ قبول نہ کرے

(۱۱) عَنْ اَبِي اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَفَعَ لِاَحَدٍ شَفَاعَةً فَاَهْدٰى لَهُ هَدِيَّةً عَلَيْهَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ اَتٰى بَابًا عَظِيْمًا مِنْ اَبْوَابِ الرِّبَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت ابوامامہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص (کسی بادشاہ و حاکم سے) کسی (شخص مثلاً زید) کی سفارش کرے اور وہ (زید) اس (سفارش کرنے والے) کے پاس سفارش کے عوض کوئی چیز بطور ہدیہ و تحفہ بھیجے اور وہ سفارش کرنے والا) اس تحفہ کو قبول کرے تو وہ سود کے دروازوں میں سے ایک بڑے دروازہ میں داخل ہوا۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس طرح کا تحفہ ہدیہ اگرچہ "رشوت" کی تعریف میں آتا ہے مگر اس کو "سود" اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ وہ سفارش کرنے والے کو بلا کسی عوض کے حاصل ہوا ہے۔

بَابُ الْاَقْضِيَةِ وَالشَّهَادَاتِ

قضیوں اور شہادتوں کا بیان

"قضیہ" اس نزاعی معاملے کو کہتے ہیں جو حاکم وقاضی کے پاس اس غرض سے لے جایا جائے کہ وہ فریقین کے درمیان کوئی حکم وفیصلہ کرے۔ اور "شہادت" گواہی دینے کو کہتے ہیں اور "گواہی" کا مطلب ہے "دو فریقوں میں سے ایک فریق کے مقابلہ پر دوسرے فریق کے حق کا اقرار واثبات کرنا"

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

مدعی کا دعوی گواہوں کے بغیر معتبر نہیں

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعٰى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَ اَمْوَالِهِمْ وَلٰكِنَّ الْيَمِيْنَ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي شَرْحِهِ لِلنَّوَوِيِّ اَنَّهُ قَالَ وَجَاءَ فِيْ رِوَايَةِ الْبَيْهَقِيِّ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ اَوْصَحِيْحٍ زِيَادَةٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا لٰكِنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ۔

"حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر لوگوں کو محض ان کے دعوی پر (ان کا مدعا) دیا جائے (یعنی اگر مدعی سے نہ تو گواہ طلب کئے جائیں اور نہ مدعا علیہ سے تصدیق کی جائے بلکہ محض اس کے دعوی پر اس کا از قسم مال وجان مدعا کو دے دیا جائے) تو لوگ اپنے آدمیوں کے خون اور اپنے مال کا (جھوٹا) دعوی کرنے لگیں (لہذا صرف مدعی کا بلا گواہی کے بیان معتبر نہیں ہے) لیکن قسم کھانا مدعا علیہ پر ضروری ہے (مسلمؒ) اور نوویؒ اپنی کتاب شرح مسلم میں لکھا ہے کہ بیہقی کی روایت میں جو حسن یا صحیح اسناد سے منقول ہے حضرت ابن عباسؓ سے (مذکورہ بالا حدیث میں بطریق مرفوع ان الفاظ کا اضافہ بھی منقول ہے کہ "گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم کھانا اس شخص کا حق ہے جو انکار کرے یعنی مدعا علیہ۔"

تشریح: "لیکن قسم کھانا مدعا علیہ کا حق ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر فریق دوم یعنی مدعا علیہ، فریق اول یعنی مدعی کے دعوی سے انکار کرے اور مدعی اس سے قسم کا مطالبہ کرے تو اس (مدعا علیہ) پر قسم کھانا ضروری ہے اس (مسلم کی) روایت میں مدعی سے گواہ طلب کرنے کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ یہ یعنی مدعی کا گواہ پیش کرنے کا ذمہ دار ہونا شریعت کا ثابت شدہ اور بالکل ظاہری ضابطہ ہے اس اعتبار سے گویا یہ فرمایا گیا ہے کہ گواہ پیش کرنے کی ذمہ داری مدعی پر ہے، اگر مدعی گواہ پیش نہ کرے تو پھر مدعا علیہ قسم اور جحد (انکار) کے ذریعہ اپنی صفائی پیش کرنے کا حق رکھتا ہے، یہ مفہوم حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت سے ظاہر ہے۔

عدالت میں جھوٹی قسم کھانے والے کے بارے میں وعید

② وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنِ صَبْرٍ وَهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَصْدِيْقَ ذٰلِكَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی چیز پر مقید ہو کر (یعنی حاکم کی مجلس میں) قسم کھائے اور وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہو کہ اس کا مقصد قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا مال حاصل کرنا ہو تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات

کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔" چنانچہ اس ارشاد کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا الی آخر الایۃ۔" (بخاریؒ)

تشریح: پوری آیت اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (ال عمران ٣:٧٧)

"یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ سے (انہوں نے) کیا ہے اور (بمقابلہ اپنی قسموں کے، ان لوگوں کو کچھ حصہ آخرت میں (وہاں کی نعمت کا) نہیں ملے گا اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ ان سے (لطف کا) کلام فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف (نظر محبت سے، دیکھیں گے۔ اور نہ (ان کے گناہوں کو معاف کر کے) ان کو پاک کریں گے۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔"

حدیث کی عبارت من حلف علی یمین "صبر" کے لغوی معنی ہیں "حبس، روکنا، لزوم" اور "یمین صبر" سے مراد یہ ہے کہ حاکم عدالت میں کسی شخص کو اس وقت تک کے لئے محبوس (مقید) کردے جب تک کہ وہ قسم نہ کھائے اس صورت میں مسلم حاکم کی اطاعت میں اس شخص پر قسم کھانا لازم ہے گویا علی یمین صبر میں "علی" حرف با کے معنی میں ہے اور اس سے مراد محلوف علیہ ہے! بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ "یمین صبر" یہ ہے کہ کسی چیز پر قسم کھانے والا اس مقصد سے دیدہ و دانستہ غلط بیانی کرتا ہے کہ ایک مسلمان کا مال تلف کردے یا اس کو ہڑپ کرلے، چنانچہ وَهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ اور وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہو، کے الفاظ سے اسی مفہوم کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

(٣) وَعَنْ اَبِي اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنِهِ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيْرًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاِنْ كَانَ قَضِيْبًا مِنْ اَرَاكٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے اپنی (جھوٹی) قسم کے ذریعہ کسی مسلمان شخص کا حق غصب کیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آگ کو واجب کیا اور اس پر بہشت کو حرام کردیا۔" ایک شخص نے (یہ سن کر) آپ ﷺ سے عرض کیا" اگرچہ وہ حق کوئی معمولی سی چیز ہو۔" آپ ﷺ نے فرمایا" (ہاں) اگرچہ پیلو کے درخت کا ایک ٹکڑا (یعنی مسواک) ہی کیوں نہ ہو۔" (مسلمؒ)

تشریح: "اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آگ کو واجب کیا" اس جملہ کی دو تاویلیں ہیں ایک تو یہ کہ یہ حکم اس شخص پر محمول ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق غصب کرنا حلال جانے اور اسی عقیدہ پر اس کی موت ہو جائے دوسری تاویل یہ ہے کہ ایسا شخص اگرچہ دوزخ کی آگ کا یقیناً سزاوار ہوگا لیکن یہ بھی غیر بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو معاف کردے! اسی طرح "بہشت کو اس پر حرام کردیا۔" کی تاویل یہ ہے کہ ایسا شخص اول وہلہ میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل ہونے سے محروم قرار دیا جائے گا۔

واضح رہے کہ جس طرح جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کے حق کو ہڑپ کرنے والے کے بارے میں مذکورہ وعید ہے اسی طرح وہ شخص بھی اس وعید میں شامل ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی ذمی کا حق مارے۔

مدعی کو ایک ہدایت

(٤) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِيَ لَهُ عَلٰى نَحْوِ مَا اَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَلَا يَاْخُذَنَّهُ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اس میں کوئی شک نہیں کہ میں ایک انسان ہوں اور تم اپنے قضیئے (جھگڑے) لے کر میرے پاس آتے ہو، ممکن ہے تم میں کوئی شخص اپنے دلائل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ فصیح و بلیغ بیان کا حامل ہو اور میں اس کا (مدلل) بیان سن کر اسی کے مطابق فیصلہ کر دوں لہٰذا وہ شخص کہ میں جس کے حق میں کسی ایسی چیز کا فیصلہ کروں جو حقیقت میں اس کے بھائی مسلمان کی ہو، اس چیز کو نہ لے کیونکہ (ایسی صورت میں گویا) میں اس کے حق میں آگ کے ایک ٹکڑے کا فیصلہ کروں گا۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "میں ایک انسان ہوں" کے ذریعہ اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ سہو اور نسیان کسی انسان سے بعید نہیں ہے اور انسان کی فطرت اور وضع بشری کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ کسی معاملہ کے صرف اسی پہلو کو دیکھے جو ظاہری طور پر عیاں ہو اور اس کے متعلق اسی بات کو قبول کرے جو ایک کھلی ہوئی دلیل کی صورت میں اس کے سامنے آئے اور چونکہ میں بھی ایک انسان ہوں اور اس حیثیت سے وہ تمام احکام و عوارض مجھ پر بھی پیش آتے ہیں جو بشریت کا خاصہ ہیں اور جن کا تعلق انسانی جبلت سے ہے، لہٰذا جن معاملات میں مجھے وحی کے ذریعہ براہ راست بارگاہ الوہیت سے حقیقت رسی کی قوت عطا کی جاتی ہے اور حق سبحانہ تعالیٰ کی جانب سے مجھے تعلیم وہدایت دی جاتی ہے ان کے علاوہ دوسرے امور میں مجھے انہی ضابطوں اور قاعدوں کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے جن کی بنیاد انسانی عقل اور بشری تقاضوں پر ہے۔ چنانچہ جب میرے سامنے کوئی قضیہ آتا ہے تو میں اس کے ظاہری پہلوؤں کے مطابق ہی فیصلہ کرتا ہوں۔ اگر مدعی اپنے دلائل، اپنے گواہ اور اپنے زور بیان سے میرے سامنے یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس کا دعویٰ صحیح ہے اور اس نے جس چیز کا مطالبہ کیا ہے وہ اسی کا حق ہے تو میں اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں کہ ظاہری حکم کا تقاضہ یہی ہے اب اس کے بعد مدعی جانے کہ اگر حقیقت میں اس کا دعویٰ صحیح ہے اور جس چیز کا اس نے مطالبہ کیا ہے وہ اسی کا حق ہے تو وہ اپنی مراد پالے۔ لیکن اگر حقیقت میں اس کا دعویٰ صحیح نہ تھا اور جس چیز کا اس نے مطالبہ کیا تھا وہ اس کا حق نہیں تھا بلکہ کسی دوسرے کا حق تھا اور میں نے اس کے ظاہری دلائل و ثبوت اور اس کی چرب زبانی اور قوت لسانی سے یہ سمجھا کہ اس کا دعویٰ صحیح ہے۔ اور اس کا مدعا اس کو دلوا دیا تو اس کو چاہئے کہ وہ اس چیز کو اپنے حق میں حلال نہ جانے بلکہ یہ سمجھ کر کہ یہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو ملا ہے۔ اس سے اجتناب کرے۔

ناحق مقدمہ بازی کرنے والے کے بارے میں وعید

⑤ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبْغَضَ الرِّجَالِ اِلَى اللّٰهِ الْاَلَدُّ الْخَصِمُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں بدترین اور مبغوض ترین وہ شخص ہے جو بہت زیادہ ناحق جھگڑے والا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

کیا مدعی ایک گواہ اور ایک قسم کے ذریعہ اپنا دعویٰ ثابت کر سکتا ہے

⑥ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِيَمِيْنٍ وَشَاهِدٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک قضیہ میں) ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ صادر فرمایا۔" (مسلمؒ)

تشریح: حدیث کا ظاہری مفہوم یہ بتاتا ہے کہ اگر مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں صرف ایک گواہ پیش کر سکے تو اس (مدعی) سے دوسرے گواہ کے بدلے ایک قسم لے لی جائے اور اس قسم کو ایک گواہ کا قائم مقام قرار دے کر اس کا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ تینوں کا یہی مسلک ہے۔ لیکن حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے، اور چونکہ قرآن کے حکم کو خبر واحد

کے ذریعہ منسوخ کرنا جائز نہیں ہے اس لئے اس روایت کی بناء پر ایسے کسی مسلک کی بنیاد صحیح نہیں ہو سکتی جو قرآن کے حکم کے منافی ہو، درآنحالیکہ اس روایت کے بارے میں یہ احتمال بھی ہے جب مدعی اپنا دعوی لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا ہو اور وہ اپنے دعوی کے ثبوت میں صرف ایک گواہ پیش کر سکا ہو تو چونکہ وہ اپنے ثبوت شہادت کی تکمیل نہ کر سکا اور آنحضرت ﷺ نے صرف ایک گواہ کے وجود کا اعتبار نہیں کیا اس لئے مدعاعلیہ کو قسم کھانے کا حکم دیا، مدعاعلیہ کے قسم کھانے کے بعد آپ ﷺ نے اس قضیہ کا فیصلہ دیا۔ اسی کو راوی نے "ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ دینے سے تعبیر کیا۔

طیبیؒ کہتے ہیں ائمہ کا یہ اختلاف بھی اس صورت میں ہے جب کہ قضیہ کا تعلق کسی مالی دعوی سے ہو اگر دعوی کا تعلق مال کے علاوہ کسی اور معاملہ سے ہو تو اس صورت میں متفقہ طور پر تمام ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ گواہ اور قسم (یعنی مدعی) کی طرف سے مثلاً ایک گواہ پیش کرنے اور ایک قسم کھانے کا اعتبار نہ کیا جائے۔

مدعاعلیہ کی قسم کا اعتبار کیا جائے خواہ وہ حقیقت میں جھوٹی قسم کیوں نہ ہو

(۷) وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَ مَوْتَ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا غَلَبَنِيْ عَلٰى اَرْضٍ لِيْ فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ اَرْضِيْ وَفِيْ يَدِيْ لَيْسَ لَهُ فِيْهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِيِّ اَلَكَ بَيِّنَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَلَكَ يَمِيْنُهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِيْ عَلٰى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ اِلَّا ذٰلِكَ فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَدْبَرَ لَئِنْ حَلَفَ عَلٰى مَالِهِ لِيَاْكُلَهُ ظُلْمًا لَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت علقمہ ابن وائلؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حضرموت کا رہنے والا اور ایک شخص کندہ کا۔ دونوں حاضر ہوئے حضرمی (یعنی حضرموت کے رہنے والے) نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! اس شخص نے میری زمین (کو غصب کر کے اس) پر قبضہ کر لیا ہے۔" کندی نے کہا کہ "وہ میری زمین ہے اور میرے ہاتھ (یعنی میرے قبضے) میں ہے، اس شخص کا اس زمین پر کوئی حق نہیں ہے۔" رسول کریم ﷺ نے "دونوں فریق کا بیان سن کر حضرمی سے فرمایا کہ "کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟" اس نے کہا کہ "نہیں!" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "تو اب تمہارے دعوی کا دارومدار اس (مدعاعلیہ کی قسم پر ہے (کہ اگر یہ قسم کھانے سے انکار کر دے گا تو تمہارا دعوی تسلیم کر لیا جائے گا اور اگر اس نے قسم کھالی تو تمہارا دعوی باطل کر دیا جائے گا)" اس (حضرمی) نے کہا کہ "یا رسول اللہ! یہ شخص تو فاجر (جھوٹا ہے) اس کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس نے جس چیز کی قسم کھائی ہے وہ سچ ہے یا جھوٹ اور اس کو کسی چیز سے پرہیز نہیں۔" آپ نے فرمایا۔ "(بہرحال) تمہارے لئے اس شخص کی طرف سے سوائے اس (قسم) کے اور کچھ نہیں ہے۔" (یہ سن کر) وہ (کندی) شخص قسم کھانے کے لئے چلا اور جب اس نے پیٹھ پھیری تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر یہ شخص اس (حضرمی) کے مال پر قسم کھائے گا تاکہ اس کا مال زبردستی ہضم کر جائے تو اللہ تعالی سے اس حال میں ملاقات کرے گے کہ وہ (اللہ) اس سے بیزار ہو گا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "وہ شخص قسم کھانے کے لئے چلا" ممکن ہے کہ اس کا چلنا اس اعتبار سے ہے کہ جیسے شافعیہ کے یہاں یہ مسلک ہے کہ یہ قسم کھانے والا پہلے وضو کرتا ہے اور پھر ایک خاص وقت میں یعنی جمعہ کے روز عصر کے بعد قسم کھاتا ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ وہ مدعی کی طرف سے پیٹھ پھیر کر آنحضرت ﷺ کی طرف چلا، تاکہ آپؐ کے پاس پہنچ کر قسم کھائے۔"

نوویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے نکلتے ہیں کہ ایک تو یہ کہ اس طرح کے قضیئے میں اس اجنبی سے قبضے والا اولی ہے۔ جو اس کے زیر چیز پر دعوی کرے۔

دوسرا یہ کہ مدعاعلیہ پر قسم کھانالازم ہے جب کہ وہ مدعی کے دعوی کو تسلیم نہ کرے۔

اور تیسرا یہ کہ فاجر مدعاعلیہ کی قسم کو بھی اس طرح تسلیم وقبول کیا جائے جس طرح عادل مدعاعلیہ کی قسم تسلیم وقبول کی جاتی ہے نیز اس قسم کھالینے کی وجہ سے اس پر سے مدعی کا مطالبہ ساقط ہوجاتا ہے (لیکن یہ واضح رہے کہ اگر عدالت میں بچی گواہی سے مدعاعلیہ کی قسم کا جھوٹ معلوم ہوجائے تو پھر اس کی قسم کالعدم قرارپائے گی۔)

جھوٹا دعوی کرنے والے کا ٹھکانا دوزخ ہے

⑧ وَعَنْ اَبِی ذَرٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ ادَّعٰى مَا لَيْسَ لَهٗ فَلَيْسَ مِنَّا وَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا "جو شخص کسی ایسی چیز کا دعوی کرے جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈھ لے۔" (مسلمؒ)

بہترین گواہ کون ہے

⑨ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِیْ يَاْتِیْ بِشَهَادَتِهٖ قَبْلَ اَنْ يُسْئَلَهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور زید ابن خالدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کیا میں تمہیں بہترین گواہوں کے بارے میں نہ بتادوں؟ (تو سنو کہ) گواہوں میں بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی طلب کئے جانے سے پہلے گواہی دے دے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ گواہی دراصل "بیان حقیقت" کا دوسرا نام ہے اور حقیقت بیان کرنے کو طلب ودرخواست پر موقوف رکھنا غیر موزوں بات ہے۔ لہٰذا بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی طلب کئے جانے سے پہلے اور قبل اس کے اس سے پوچھا جائے کہ کیا تم وہ ہو اور یہ کہ کیا تم گواہی دینا چاہتے ہو، وہ از خود گواہی دیدے اور اس طرح حق کو ظاہر کرنے کی ذمہ داری پوری کرے۔

بغیر طلب کے گواہی دینی چاہئے یا نہیں؟

لیکن اس کے برعکس ایک دوسری حدیث میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو بغیر طلب کے گواہی دیں۔ چنانچہ حنفی مسلک کی ہدایت یہی ہے کہ جب تک گواہی طلب نہ کی جائے اس وقت تک گواہی نہ دی جائے، گواہی طلب کئے جانے کے بعد گواہی دینا واجب ہے اور حدود میں گواہی کا چھپانا افضل ہے۔

جہاں تک مذکورہ بالا روایت کا تعلق ہے کہ جس سے بغیر طلب کے گواہی دینے والے کا بہترین گواہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو اس کے بارہ میں حنفیہ کی طرف سے دو تاویلیں کی جاتی ہیں ایک تو یہ کہ یہ ارشاد گرامی دراصل اس شخص پر محمول ہے جو کسی کے حق کا گواہ ہے لیکن مدعی کو اس کے گواہ ہونے کا علم نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو چاہئے کہ وہ مدعی کو بتادے کہ میں اس قضیہ میں تمہارا گواہ ہوں۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق حق تعالیٰ کے حقوق میں گواہی دینے سے ہے۔ جیسے زکوٰۃ، کفارہ رویت ہلال اور وصیت اور اسی طرح کی دوسری چیزیں، لہٰذا جو شخص ان میں سے کسی چیز کا شاہد ہو۔ مثلاً اس نے چاند دیکھا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ حاکم وقاضی کے ہاں حاضر ہو اور گواہی دے۔

ان دونوں تاویلوں کے علاوہ ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ ارشاد گرامی اس حکم کو بطور مبالغہ بیان کرنے پر محمول ہے کہ جو شخص کسی قضیہ میں گواہ کی حیثیت رکھتا ہو اور اس سے گواہی طلب کی گئی ہو تو اس طلب گواہی کے بعد اس کو چاہئے کہ وہ گواہی دینے کی اپنی ذمہ

داری کو جلد سے جلد پورا کرے اور بغیر طلب کے گواہی دینے کی جو مذمت منقول ہے وہ اس کے عکس پر محمول ہے۔

جھوٹی گواہی دینے والوں کے بارے میں پیشین گوئی

(۱۰) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ یَجِیْئُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَھَادَۃُ اَحَدِھِمْ یَمِیْنَہٗ وَیَمِیْنُہٗ شَھَادَتَہٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں یعنی صحابہؓ پھر وہ جو ان کے متصل ہیں یعنی تابعین اور پھر وہ لوگ جو ان کے متصل ہیں یعنی تبع تابعین اور پھر (آخر میں) ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ ان میں سے ایک کی گواہی اس کی قسم سے پہلے اور اس کی قسم اس کی گواہی سے پہلے ہوگی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "گواہی قسم سے پہلے اور قسم گواہی سے پہلے ہوگی۔" سے گواہی و قسم میں عجالت پسندی و زیادتی کو بطور کنایہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ عجلت و زیادتی کی وجہ سے گواہی دینے اور قسم کھانے میں اس قدر لاپرواہ ہوگا کہ کبھی گواہی سے پہلے قسم کھائے گا اور کبھی پہلے گواہی دے گا اور پھر قسم کھائے گا۔

مظہرؒ نے کہا ہے کہ یہ جملہ گواہی و قسم میں تیزروی و عجلت پسندی کی تمثیل کے طور پر ہے یعنی وہ گواہی دینے اور قسم کھانے میں اتنی تیزی اور پھرتی دکھایا کرے گا کہ نہ تو اس کو دین کی کوئی پرواہ ہوگی اور نہ وہ ان چیزوں میں کوئی پرواہ کرے گا۔ یہاں تک کہ اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ پہلے قسم کھائے یا پہلے گواہی دے۔ یا یہ کہ اس کو یہ بھی یاد نہیں رہے گا کہ اس نے پہلے قسم کھائی ہے یا پہلے گواہی دی ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی دراصل جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم کے عام ہو جانے کی خبر دینے کے طور پر ہے کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں لوگ گواہی دینے کو پیشہ بنالیں گے اور جھوٹی قسم کھانا ان کا تکیہ کلام بن جائے گا۔ جیسا کہ آجکل عام طور پر رواج ہے کہ پیشہ ور گواہ عدالتوں میں جھوٹی گواہی دیتے پھرتے ہیں اور ان کو اس بات کا ذرہ بھر احساس نہیں ہوتا کہ وہ چند روپوں کی خاطر عدالت میں جھوٹی قسم کھا کر اور جھوٹی گواہی دے کر اپنی آخرت کو کس طرح برباد کر رہے ہیں۔

اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس جملہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ شخص کبھی تو قسم کے ذریعہ اپنی گواہی کو ترویج دے گا یعنی یوں کہے گا کہ "خدا کی قسم! میں سچا گواہ ہوں۔" اور کبھی گواہی کے ذریعہ اپنی قسم کو ترویج دے گا یعنی یہ اعلان کرتا پھرے گا کہ "لوگ میری قسم کے سچے ہونے پر گواہ رہیں۔

قسم کے لئے قرعہ ڈالنے کا ذکر

(۱۱) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلٰی قَوْمٍ الْیَمِیْنَ فَاَسْرَعُوْا فَاَمَرَ اَنْ یُّسْھَمَ بَیْنَھُمْ فِی الْیَمِیْنِ اَیُّھُمْ یَحْلِفُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کچھ لوگوں پر قسم کو پیش کیا (یعنی ان سے کہا کہ قسم کھاؤ کہ مدعی صحیح نہیں ہے) چنانچہ ان لوگوں نے قسم کھانے میں) جلدی دکھائی تو آپ نے فرمایا کہ "قسم کھانے کے لئے ان لوگوں کے درمیان قرعہ ڈالا جائے کہ ان میں سے کون شخص قسم کھائے۔" (بخاریؒ)

تشریح: عبارت کے ظاہری مفہوم سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک شخص نے دربار رسالت میں کچھ لوگوں کے خلاف دعوی دائر کیا۔ ان لوگوں (مدعا علیہم) نے مدعی کو صحیح ماننے سے انکار کیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو قسم کھانے کا حکم دیا ان لوگوں نے قسم کھانے میں جلدی

دکھائی، یعنی ہر شخص قسم کھانے کے لئے مستعد نظر آنے لگا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے سب لوگوں سے قسم نہیں کھلوائی بلکہ یہ حکم دیا کہ تم اپنے درمیان قرعہ ڈالو، قرعہ میں جس کا نام نکلے وہی قسم کھائے۔

لیکن شارحین نے اس مسئلہ کی یہ صورت لکھی ہے کہ مثلاً دو مختلف آدمیوں نے کسی ایسی چیز کا دعوی کیا جو تیسرے شخص کے پاس ہے۔ ان دونوں (مدعیوں) میں سے ہر شخص یہ کہتا ہے کہ وہ چیز میری ہے لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی گواہ نہیں رکھتا، یا یہ کہ دونوں ہی کے پاس گواہ ہیں لیکن وہ تیسرا شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ چیز ان دونوں میں سے کس کی ہے، لہٰذا اس صورت میں ان دونوں مدعیوں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ان کے درمیان قرعہ ڈالا جائے اور ان میں سے جس کے نام قرعہ نکلے اس سے قسم کھانے کے لئے کہا جائے جب وہ قسم کھائے تو وہ چیز اس شخص کے حوالے کرنے کا حکم دیا جائے۔ رہی یہ بات کہ اس صورت میں قسم کھانے کی ذمہ داری مدعی پر عائد ہوتی ہے۔ جب کہ قسم مدعا علیہ کو کھانی چاہئے تو بظاہر اس (مدعی) سے قسم کھلوانا اس اعتبار سے ہے کہ ان دونوں مدعیوں میں سے ہر ایک دوسرے کے حق کا منکر ہوتا ہے اور ضابطہ یہی ہے کہ والیمین علی من انکر یعنی قسم اس شخص کو کھانی چاہئے جو منکر ہو۔"

بہر حال مذکورہ بالا دونوں صورتیں حدیث کے ظاہری مفہوم کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں لیکن جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے تو حضرت علیؓ اس کے قائل تھے جو مذکورہ صورت میں بیان ہوا لیکن حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایسے قضیہ میں حاکم عدالت کو چاہئے کہ وہ چیز اسی تیسرے شخص کے پاس چھوڑ دے اور دونوں مدعیوں میں سے کسی کو بھی نہ دلوائے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس چیز کو ان دونوں مدعیوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کر دیا جائے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امامؒ اور امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک قول حضرت علیؓ کے قول کے مطابق ہے اور دوسرا قول حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔ آگے حضرت ام سلمہؓ کی جو روایت آرہی ہے وہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین کی مؤید ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ اور قسم کھانا مدعا علیہ کے ذمہ ہے

(۱۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "گواہ مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعا علیہ کے ذمہ۔" (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اپنے دعوی کے ثبوت میں گواہ پیش کرنا مدعی کا حق ہے اور اگر مدعا علیہ مدعی کے دعوی کو صحیح ماننے سے انکار کر دے اور مدعی اس سے قسم کھانے کا مطالبہ کرے تو مدعا علیہ پر قسم کھانا لازم ہے۔

اگر ایک ہی چیز کے دو مدعی ہوں تو وہ چیز ان دونوں کے درمیان تقسیم کر دی جائے

(۱۳) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا اِلَيْهِ فِيْ مَوَارِيْثَ لَمْ تَكُنْ لَهُمَا بَيِّنَةٌ اِلَّا دَعْوَاهُمَا فَقَالَ مَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ فَقَالَ الرَّجُلَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَقِّيْ هٰذَا لِصَاحِبِيْ فَقَالَ لَا وَلٰكِنِ اذْهَبَا فَاقْتَسِمَا وَتَوَخَّيَا الْحَقَّ ثُمَّ اسْتَهِمَا ثُمَّ لْيُحَلِّلْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْكُمَا صَاحِبَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّمَا اَقْضِيْ بَيْنَكُمَا بِرَاْيِيْ فِيْمَا لَمْ يُنْزَلْ عَلَيَّ فِيْهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ام سلمہؓ نبی کریم ﷺ سے دو آدمیوں کے قضیہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں جو اپنا ایک میراث کا معاملہ لے کر

آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تھے اور ان دونوں میں سے کسی کا کوئی گواہ نہیں تھا بلکہ صرف دعوی ہی دعوی تھا یعنی ان میں سے ایک شخص نے دربار رسالت میں دعوی کیا کہ فلاں چیز میری ہے جو مجھے میراث میں ملی ہے اور دوسرے شخص نے بھی اسی چیز کے بارے میں یہی دعوی کیا اور دونوں میں سے کوئی بھی اپنے دعوی کے ثبوت میں گواہ نہیں رکھتا تھا) آپ ﷺ نے (ان دونوں کے جواب سن کر) فرمایا۔" (یاد رکھو) میں جس شخص کے لئے کسی ایسی چیز کا فیصلہ کر دوں جو اس کے بھائی کا حق ہو تو وہ چیز اس کے لئے آگ کے ایک ٹکڑے کے علاوہ کچھ نہیں ہوگی (یعنی اگر مثلاً مدعی نے کسی ایسی چیز کا دعوی کیا ہے جس کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی نہیں ہے بلکہ واقعۃً مدعاعلیہ کی ہے لیکن اس نے جھوٹے گواہوں یا جھوٹی قسم کے ذریعہ اپنا دعوی ثابت کر دیا اور میں نے ظاہری قانون کے مطابق اس کی گواہیوں اور قسم پر اعتبار کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا اور وہ چیز اس کو دلوا دی تو اس کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ چیز اس کے حق میں آگ کا ایک ٹکڑا ثابت ہوگی یعنی اس کو دوزخ کی آگ کا سزاوار بنائے گی) ان دونوں میں سے ہر ایک نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میرا حق میرے ساتھی (یعنی فریق مخالف) کے لئے ہے (میں اپنا دعوی ترک کرتا ہوں)" آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں! (یہ کیسے ممکن ہے کہ چیز ایک ہو اور اس کے حق دار دو ہوں) بلکہ تم دونوں جاؤ اس چیز کو (آدھوں آدھ) تقسیم کر لو اور اپنا اپنا حق لے لو (یعنی تقسیم میں عدل و ایمانداری کو ملحوظ رکھو) اور (یہ طریقہ اختیار کرو کہ پہلے اس چیز کے دو حصے کو لو (اور اگر یہ تنازعہ ہو کہ ان دونوں حصوں میں سے کون سا حصہ کس کو ملے تو) ان دونوں حصوں کو قرعہ پر ڈال لو (تاکہ طے ہو جائے کہ ان دونوں حصوں میں کون سا حصہ کس شخص کو ملے گا اس طرح تم دونوں میں سے ہر ایک اس حصہ کو لے لے جس پر اس کا قرعہ نکلا ہے اور پھر تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ وہ اپنا (وہ) حق اپنے ساتھی کو معاف کر دے (جو اس کی طرف سے چلا گیا ہو۔" اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "میں تم دونوں کے درمیان یہ فیصلہ اپنی رائے اور اپنے اجتہاد سے کر رہا ہوں۔ اس معاملہ میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی ہے۔" (ابوداؤدؒ)

قابض کے حق میں فیصلہ

(۱۴) وَعَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَجُلَيْنِ تَدَاعَيَادَابَّةً فَاَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيِّنَةَ اِنَّهَا دَابَّتُهُ نَتَجَهَا فَقَضٰى بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَدِهٖ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت جابر ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں نے دربار رسالت میں) ایک جانور کے بارے میں دعوی کیا اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے گواہ پیش کئے کہ یہ جانور اس کا (یعنی میں نے ہی اس کی ماں پر نر کو چھوڑا تھا جس کے نتیجہ میں یہ پیدا ہوا اور اس طرح اس کے پیدا ہونے کا میں ہی سبب بنا تھا گویا ان دونوں میں سے ہر ایک نے یہی دعوی کیا) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس جانور کو اس شخص کا حق قرار دیا جس کے وہ قبضے میں تھا۔" (شرح السنۃ)

تشریح: بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی ایسا قضیہ ہو جس میں کسی چیز کی ملکیت کو ثابت کرنے لئے دونوں فریق اپنے اپنے گواہ پیش کریں تو دونوں میں سے اس فریق کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی۔ جس کے قبضے میں وہ چیز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حکم اس صورت کے لئے ہے جب کہ وہ قضیہ کسی جانور کے متعلق ہو اور ہر فریق یہ دعوی کرے کہ اس جانور کو اسی نے جنوایا ہے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی ایسا قضیہ پیش ہو جس میں دو آدمیوں نے ایک جانور یا کسی چیز کی ملکیت کا دعوی کیا اور وہ جانور کسی ایک کے قبضے میں ہو تو اس جانور یا اس چیز پر قابض کا حق تسلیم کیا جائے گا اور اس سے قسم کھلوائی جائے گی۔ ہاں اگر فریق مخالف نے اپنے گواہ پیش کر دیئے جنہوں نے یہ گواہی دی کہ یہ جانور یا یہ چیز قابض کی نہیں ہے بلکہ اس فریق کی ہے تو وہ جانور یا وہ چیز قابض سے لے کر دوسرے فریق کے حوالے کرا دی جائے گی اور اگر یہ صورت ہو کہ دونوں ہی فریق اپنے اپنے گواہ پیش کر دیں تو پھر

قابض کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی۔
حنفی مسلک میں یہ مسئلہ اس طرح ہے کہ مذکورہ صورت میں (یعنی جب کہ دونوں فریق اپنے اپنے گواہ پیش کریں) قابض کے گواہوں کا اعتبار نہ کیا جائے بلکہ دوسرے فریق کے گواہوں کا اعتبار کیا جائے اور وہ چیز قابض کے قبضے سے نکلوا کہ دوسرے فریق کے سپرد کردی جائے، لیکن اگر دعوی کا تعلق جانور کے جنوانے سے ہو یعنی ہر فریق یہ دعوی کرے کہ یہ جانور میری ملکیت ہے اور میں نے اس کو جنوایا ہے اور پھر ہر ایک اپنے دعوی پر گواہ پیش کرے تو پھر قابض کے لئے فیصلہ کیا جائے گا اور اگر قضیہ کا تعلق کسی ایسی چیز سے ہو جو دونوں فریق کے قبضے میں ہو اور دونوں فریق اس کے پورے حصے پر اپنی اپنی ملکیت کا دعوی کریں تو دونوں سے قسم کھلوائی جائے اور اس چیز کو دونوں کے درمیان ہر ایک کے قبضے کے مطابق تقسیم کردی جائے اسی طرح اگر وہ چیز ان میں سے کسی ایک کے بھی قبضے میں نہ ہو مگر دونوں ہی اپنے اپنے دعوی کے ثبوت میں گواہ پیش کریں تو اس چیز کو دونوں کے درمیان تقسیم کردیا جائے۔

دو مدعیوں کے درمیان متنازعہ مال کی تقسیم

(۱۵) وَعَنْ اَبِی مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ اَنَّ رَجُلَیْنِ ادَّعَیَا بَعِیْرًا عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا شَاهِدَیْنِ فَقَسَمَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَهُمَا نِصْفَیْنِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهٗ وَلِلنَّسَائِیِّ وَابْنِ مَاجَةَ اَنَّ رَجُلَیْنِ ادَّعَیَا بَعِیْرًا لَیْسَتْ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا بَیِّنَةٌ فَجَعَلَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَهُمَا۔

"اور حضرت ابوموسی اشعری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں دعوی کیا (یعنی ہر ایک نے کہا یہ اونٹ میرا ہے) اور پھر ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے (اپنے دعوی کے ثبوت میں) دو دو گواہ پیش کئے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس اونٹ کو ان دونوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کردیا۔" (ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک اور روایت نیز نسائی وابن ماجہ کی روایت میں یوں ہے کہ دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں دعوی کیا لیکن ان دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تھے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس اونٹ کو دونوں کا مشترکہ حق قرار دیا۔" (ابوداؤد)

تشریح: "اس اونٹ کو ان دونوں میں آدھوں آدھ تقسیم کردیا۔" کے بارے میں خطابی کہتے ہیں کہ شاید وہ اونٹ دونوں کے قبضے میں ہوگا۔ اور ملا علی قاری کہتے ہیں کہ۔ یا وہ اونٹ کسی ایسے تیسرے آدمی کے قبضہ میں ہوگا جو اس اونٹ کے بارے میں ان دونوں سے کوئی تنازعہ رکھتا تھا۔

پہلی روایت میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ دونوں مدعی اپنے اپنے گواہ رکھتے تھے جب کہ دوسری روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہیں تھے؟ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ دونوں روایتوں میں مذکور قضیے الگ الگ ہوں، اور یہ بھی کوئی بعید نہیں ہے کہ روایتوں کا تعلق ایک ہی قضیے سے ہو۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ پہلی روایت میں تو نفس واقعہ کا بیان ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے دعوی کے ثبوت میں گواہ رکھتا ہے اور دوسری روایت میں حقیقت حکم کا بیان ہے کہ جب دونوں نے گواہ پیش کئے تو دونوں کی گواہیاں باہم متعارض ہونے کی بنا پر ساقط قرار پائیں لہٰذا وہ دونوں ہی ایسے دو مدعیوں کی مانند ہوئے جو گواہ نہ رکھتے ہوں۔ "اس اعتبار سے "ان دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تھے۔" کے معنی یہ ہوں گے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے پاس بھی اس طرح کے گواہ نہیں تھے جن کو دوسرے کے گواہوں پر ترجیح دی جا سکتی ہو۔

"اس اونٹ کو ان دونوں کا مشترکہ حق قرار دیا" کے بارے میں ابن ملک کہتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر دو آدمی کسی ایک چیز کی ملکیت کا دعوی کریں اور ان میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہوں یا ان میں سے ہر ایک کے پاس گواہ ہوں اور وہ چیز دونوں کے قبضے میں ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے بھی قبضے میں نہ ہوں تو اس چیز کو ان دونوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کیا

جائے۔

(۱۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلَیْنِ اِخْتَصَمَا فِیْ دَابَّةٍ وَلَیْسَ لَهُمَا بَیِّنَةٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اسْتَهِمَا عَلَی الْیَمِیْنِ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں کا ایک جانور کے بارے میں تنازعہ ہوا (کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اس جانور کو اپنی ملکیت کہتا تھا) اور ان دونوں کے پاس گواہ نہیں تھے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "قسم کھانے پر قرعہ ڈال لو (جس کے نام قرعہ نکل آئے وہ قسم کھا کر کہے کہ یہ جانور میرا ہے اسی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: اس روایت میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ اس روایت کے حکم کی مانند ہے جو پہلی فصل کے آخر میں ذکر کی گئی ہے اور جس کو حضرت ابوہریرہؓ ہی نے نقل کیا ہے۔

مدعاعلیہ کی قسم

(۱۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ حَلَّفَهٗ اِحْلِفْ بِاللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مَالَهٗ عِنْدَكَ شَیْءٌ یَعْنِیْ لِلْمُدَّعِیْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ (ایک قضیہ میں) جس شخص یعنی مدعاعلیہ) سے قسم کھلوائی جاتی تھی اس سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اس بات پر اللہ کی قسم کھاؤ جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اس شخص (یعنی مدعی) کا تم پر کوئی حق نہیں ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: جیسا کہ پہلے بتایا گیا اگر مدعی اپنے دعوی کے ثبوت میں گواہ پیش نہ کر سکے اور مدعاعلیہ اس کے دعوی سے انکار کرے تو اس کے مطالبہ پر مدعاعلیہ کو قسم کھانا ضروری ہوگا اور وہ اس طرح قسم کھائے گا کہ "میں اس خدائے واحد کی قسم کھاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اس شخص (یعنی مدعی) نے مجھ پر اپنے جس حق کا دعوی کیا ہے وہ مبنی بر صداقت نہیں ہے اور اس کا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے۔"

قسم وحلف کے سلسلے میں یہ ضابطہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ حلف، قاضی یعنی حاکم عدالت دے گا مسلمان سے خدائے واحد کا حلف لیا جائے گا، عیسائی کو خدائے انجیل کا، یہودی کو خدائے تورات کا اور مجوسی وغیرہ کو صرف خدا کا حلف دیا جائے گا۔

یہ بات بھی پہلے بتائی جا چکی ہے کہ مدعاعلیہ کی قسم کا بہر صورت اعتبار ہوگا خواہ وہ عادل (سچا) ہو یا فاجر (جھوٹا) ہو ہاں اگر قاضی یعنی حاکم عدالت کو سچی گواہی کے ذریعہ اس کے حلف کا جھوٹ معلوم ہو جائے گا تو اس صورت میں اس کا حلف کالعدم ہو جائے گا۔

مدعاعلیہ کو حلف کا حق دیا جائے گا خواہ وہ جھوٹا ہی کیوں نہ ہو

(۱۸) وَعَنِ الْاَشْعَثِ بْنِ قَیْسٍ قَالَ کَانَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ رَجُلٍ مِنَ الْیَهُوْدِ اَرْضٌ فَجَحَدَنِیْ فَقَدَّمْتُهٗ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَكَ بَیِّنَةٌ قُلْتُ لَا قَالَ لِلْیَهُوْدِیِّ اِحْلِفْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَنْ یَحْلِفُ وَیَذْهَبُ بِمَالِیْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا الْاٰیَةَ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

"اور حضرت اشعثؓ ابن قیس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا "ایک زمین میرے اور ایک یہودی کے درمیان مشترک تھی لیکن یہودی نے (اس زمین پر) میرے حصے (کو تسلیم کرنے) سے انکار کر دیا، چنانچہ میں اس کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور اپنا معاملہ پیش کیا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟" میں نے عرض کیا "نہیں" آنحضرت ﷺ نے یہودی سے فرمایا کہ "تم قسم کھاؤ" میں نے یہ (سن کر) عرض کیا کہ "یارسول اللہ! یہ اس وقت قسم کھالے گا اور میرا مال ہڑپ کر لے گا۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اسی طرح کے ایک قضیہ کے سلسلے میں جس کا ذکر حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں گزر چکا ہے) یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا

قَلِیْلاً (الآیۃ) یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ سے انہوں نے کیا ہے اور (بمقابلہ) اپنی قسموں کے الخ اس روایت کو ابوداؤدؒ اور ابن ماجہؒ نے نقل کیا ہے۔"

تشریح: حدیث میں جو آیت نقل کی گئی ہے وہ دراصل اس قضیہ کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی جو حضرت ابن مسعودؓ کی روایت (نمبر۲) میں بیان ہوا ہے، چونکہ اس روایت میں جو قضیہ ذکر کیا گیا ہے وہ بھی اس قضیہ کی مانند ہے اس لئے یہاں اسی آیت کا حوالہ دیا گیا۔ پوری روایت حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کی تشریح میں نقل کی جاچکی ہے۔

حضرت اشعثؓ کا نقطہ اعتراض یہ تھا کہ اس یہودی کو قسم کھانے کا حکم دیا جارہا ہے اور اس کی قسم پر فیصلہ کا انحصار ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ بطور خاص مالی معاملات میں یہودیوں کی فطرت کیا ہے، اس یہودی کے لئے اس میں کوئی باک نہیں ہے کہ یہ میرا مال ہڑپ کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھالے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کی قسم پر فیصلہ کا انحصار نہ رکھا جائے۔ حضرت اشعثؓ کے اس نقطہ اعتراض کے جواب میں صرف اس آیت کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے جو اس سلسلہ میں نازل ہوئی تھی، لہٰذا اس آیت کو ذکر کرنا گویا آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا ہے کہ شریعت نے اس صورت کے لئے جو ضابطہ مقرر کیا ہے وہ یہی ہے کہ مدعاعلیہ سے قسم لی جائے اور چونکہ اس طرح کے قضیہ میں قسم کھانا مدعاعلیہ کا حق ہے اس لئے کسی نقطۂ اعتراض کی بنا پر مدعاعلیہ کو اس حق سے محروم کرنا اس مقررہ ضابطہ کی خلاف ورزی کرنا ہے جو ہمارے لئے غیر موزوں بات ہے۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کوئی مدعاعلیہ اپنے اس حق سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور اس مقصد سے جھوٹی قسم کھاتا ہے کہ مدعی کا مال ہڑپ کرے تو اس کو آگاہ ہو جانا چاہئے کہ اس کی اس جھوٹی قسم کا وبال اس کی گردن پر ہوگا، اور جیسا کہ قرآن مجید نے اعلان کیا ہے۔ اس شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

جھوٹی قسم کے ذریعہ دوسرے کا مال ہڑپ کرنے والے کے بارے میں وعید

(۱۹) وَعَنْهُ اَنَّ رَجُلاً مِنْ كِنْدَةَ وَرَجُلاً مِنْ حَضْرَ مَوْتَ اخْتَصَمَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ اَرْضٍ مِنَ الْيَمَنِ فَقَالَ الْحَضْرَمِیُّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَرْضِی اِغْتَصَبَنِيْهَا اَبُوْ هٰذَا وَهِیَ فِیْ يَدِهٖ قَالَ هَلْ لَكَ بَيِّنَةٌ قَالَ لَا وَلٰكِنْ اُحَلِّفُهٗ وَاللّٰهِ مَا يَعْلَمُ اَنَّهَا اَرْضِی اِغْتَصَبَنِيْهَا اَبُوْهُ فَتَهَيَّاَ الْكِنْدِیُّ لِلْيَمِيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْطَعُ اَحَدٌ مَالاً بِيَمِيْنٍ اِلَّا لَقِیَ اللّٰهَ وَهُوَ اَجْذَمُ فَقَالَ الْكِنْدِیُّ هِیَ اَرْضُهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت اشعثؓ ابن قیس سے روایت ہے کہ قبیلہ کندہ کا ایک شخص اور حضر موت کا ایک شخص دونوں یمن کی ایک زمین کے بارے میں اپنا قضیہ لے کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرمی نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! اس شخص کے باپ نے میری زمین مجھ سے چھین لی تھی اور اب وہ اس کے قبضہ میں ہے" (میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری وہ زمین مجھ کو واپس دلوائی جائے)" آنحضرت ﷺ نے حضرمی سے فرمایا کہ "کیا تمہارے پاس گواہ ہیں (جو گواہی دے سکیں کہ وہ زمین واقعۃً تمہاری تھی؟) اس نے عرض کیا کہ "نہیں! لیکن میں اس سے خدا کی قسم کھلوا کر یہ اقرار کراؤں گا کہ وہ نہیں جانتا کہ وہ زمین میری (حضرمی کی) ہے جس کو اس کے باپ نے مجھ سے چھین لیا ہے۔" چنانچہ وہ (کندی) قسم کھانے کے لئے تیار ہوگیا (اور جب قسم کھانے چلا) تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "(یاد رکھو) جو بھی شخص (جھوٹی) قسم کھا کر کسی کا مال ہڑپ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا اس کا ہاتھ کٹا ہوگا۔" کندی نے یہ (سن کر) کہا کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ) وہ زمین اسی شخص کی ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: الالقی اللّٰہ وھو اجذم جذام ایک مشہور بیماری کا نام ہے جس میں اعضائے جسمانی سڑگل جاتے ہیں ویسے لغت میں "جذام" کی اصل "جذم" ہے جس کے معنی ہیں "کاٹنا۔ جلدی سے کاٹنا" نیز یہ لفظ قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنے یا کٹے ہوئے ہاتھ" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں حدیث میں یہ لفظ "قطع ید" ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس سے مراد ہے "برکت ہونا اور بھلائی سے

خالی ہونا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا:

مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ نَسِيَهُ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ اَجْذَمُ۔

"یعنی جس شخص نے قرآن سیکھا (یاد کیا) پھر اس کو بھول گیا تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو گا۔ یعنی بے برکت۔"

بعض حضرات یہ کہتے ہیں یہاں اجذم سے مراد "مقطوع الحجۃ" (بے دلیل) ہے یعنی وہ شخص اس حال میں بارگاہ رب العزت میں حاضر ہو گا کہ اس کے پاس نہ تو اپنے دین و دیانت کی اور خدا ترسی و حقوق شناسی کی بظاہر کوئی دلیل ہوگی جس سے وہ اپنی نجات کا راستہ تلاش کر سکے اور نہ اس کے پاس ایسی زبان ہوگی جس کے ذریعہ وہ عرض معروض کی جرأت کر سکے۔

جھوٹی قسم کھانا ایک بڑا گناہ ہے

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَكْبَرِ الْكَبَائِرِ الشِّرْكَ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقَ الْوَالِدَيْنِ وَالْيَمِيْنَ الْغَمُوْسَ وَمَا حَلَفَ حَالِفٌ بِاللّٰهِ يَمِيْنَ صَبْرٍ فَاَدْخَلَ فِيْهَا مِثْلَ جَنَاحِ بَعُوْضَةٍ اِلَّا جُعِلَتْ نُكْتَةً فِيْ قَلْبِهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت عبداللہ بن انیس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "بڑے گناہوں میں سب سے بڑے گناہ یہ ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا (۲) ماں باپ کی نافرمانی کرنا (۳) اور جھوٹی قسم کھانی (یاد رکھو) جس قسم کھانے والے نے بھی مجبوری و قید کی حالت میں خدا کی قسم کھائی اور اس قسم میں مچھر کے بازو کے برابر (یعنی تھوڑا سا) بھی جھوٹ شامل کیا تو اس کے دل میں قیامت تک کے لئے ایک نکتہ پیدا ہو جائے گا (جس کا وبال آخرت میں ظاہر ہو گا)" اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "غموس" دراصل "غمس" سے ہے جس کے معنی ہیں "غوطہ دینا" اور "یمین غموس" کسی گذری بات پر دیدہ و دانستہ جھوٹی قسم کھانے کو کہتے ہیں۔ حنفی مسلک کے مطابق ایسی قسم کھانے والے پر کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ توبہ استغفار کرے اور آیندہ اس طرح جھوٹی قسم نہ کھانے کا پختہ عہد کرے کیونکہ یمین غموس کے بارے میں دوزخ کی آگ سے ڈرایا گیا ہے چنانچہ ایسی قسم "کو غموس" اسی اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ ایسی قسم کھانے والے کو دوزخ کی آگ میں غوطہ دے گی۔ نیز غیر کا حق دوسرے کا مال ہڑپ کرنے کے لئے جو جھوٹی قسم کھائی جاتی ہے وہ اسی قبیل سے (یعنی یمین غموس کی قسم سے) ہے۔

یمین صبر (یعنی مجبوری و قید کی حالت میں قسم کھانا، کی تفصیل پہلی فصل (حدیث نمبر ۲) کی تشریح میں گذر چکی ہے نتیجہ کے اعتبار سے "یمین صبر" بھی "یمین غموس" کے مفہوم میں داخل ہے کہ جس طرح یمین غموس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ آخرت کی سزا (یعنی دوزخ کی آگ) ملتی ہے اسی طرح "یمین صبر" میں بھی کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی سزا بھی آخرت ہی میں ملے گی۔

جعلت نکتۃ فی قلبہ الی یوم القیامۃ (اس کے دل میں قیامت تک کے لئے ایک نکتہ پیدا ہو جائے گا) کا مطلب یہ ہے کہ اس نکتہ (داغ) کا اثر زنگ کی طرح ہے کہ وہ اپنی قسم میں تھوڑے سے بھی جھوٹ کی آمیزش کرنے والے شخص کے دل پر قیامت تک ہو گا پھر قیامت میں اس کا وبال اس طرح ظاہر ہو گا کہ اس کو عذاب خداوندی میں مبتلا کیا جائے گا۔ اس سے عبرت پکڑنی چاہئے جب کہ تھوڑے سے جھوٹ کی آمیزش کرنے کا انجام یہ ہے تو اس صورت میں کیا حشر ہو گا جب کہ جس بات پر قسم کھائی جائے وہ سرے جھوٹ ہو۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں تین چیزوں کو ذکر کیا جو بڑے گناہوں میں سب سے بڑے گناہ ہیں اور پھر ان تینوں میں سے صرف آخر کے بارے میں وعید بیان فرمائی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ بھی سب سے بڑے گناہوں میں داخل ہے اور لوگ یہ گمان کر کے عدالت میں جھوٹی قسم کھانا گناہ کے اعتبار سے شرک اور ماں باپ کی نافرمانی کی طرح نہیں ہے اس کو کمتر نہ جانیں اسی طرح آگے حضرت

خزیمہؓ ابن فاتک کی جو روایت آئے گی اس کے یہ الفاظ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاكِ بِاللّٰهِ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ یہ بھی "اکبر کبائر" میں داخل ہے۔

(۲۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْلِفُ اَحَدٌ عِنْدَ مِنْبَرِي هٰذَا عَلٰى يَمِيْنٍ اٰثِمَةٍ وَلَوْ عَلٰى سِوَاكٍ اَخْضَرَ اِلَّا تَبَوَّأَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ اَوْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ۔ (رواہ مالک وابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو بھی شخص میرے اس منبر کے پاس قسم کھاتا ہے اور اس کی وہ قسم جھوٹی ہوتی ہے اگرچہ وہ ایک سبز مسواک ہی کے لئے کیوں نہ ہو تو وہ (دوزخ کی) آگ میں اپنا ٹھکانہ تیار کرتا ہے۔ یا یہ فرمایا کہ۔ اس کے لئے (دوزخ کی) آگ واجب ہوتی ہے۔" (مالکؒ، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: منبر کے پاس قسم کھانے کی قید اس لئے لگائی کہ وہ ایک مقدس و باعظمت جگہ ہے وہاں جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔ ورنہ مطلق جھوٹی قسم کھانا خواہ جہاں بھی کھائی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب کو واجب کرتا ہے۔

"سبز مسواک" کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ وہ ایک حقیر ترین چیز ہوتی ہے جب کہ خشک ہو جانے کے بعد اس میں قدر و قیمت پیدا ہو جاتی ہے۔ حاصل یہ کہ مسواک بذات خود بہت معمولی و حقیر چیز ہے۔ جب کہ خشک ہونے سے پہلے تو اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہوتی۔ جب اس کے لئے جھوٹی قسم کھانا اتنی بڑی وعید کا محمول ہے تو جو لوگ عدالتوں میں بڑی بے باکی کے ساتھ بڑی سے بڑی چیز کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتے پھرتے ہیں ان کا حشر کیا ہوگا؟

جھوٹی گواہی، شرک کے برابر ہے

(۲۲) وَعَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاكِ بِاللّٰهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ عَنْ اَيْمَنَ بْنِ خُرَيْمٍ اِلَّا اَنَّ ابْنَ مَاجَةَ لَمْ يَذْكُرِ الْقِرَاءَةَ۔

"اور حضرت خریمؓ ابن فاتک کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ جب صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو (صحابہؓ سے خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور تین مرتبہ یہ الفاظ فرمائے کہ "جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر کی گئی ہے۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے (بطور دلیل) یہ آیت تلاوت فرمائی فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ پلیدی (بتوں کی پرستش) سے بچو اور جھوٹ بولنے سے اجتناب کرو، کیونکہ تم باطل سے حق کی طرف رجوع کرنے والے ہو نہ کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ہو۔ اس روایت کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے نیز اس روایت کو احمد و ترمذی نے بھی ایمن ابن خریم سے نقل کیا ہے اور ابن ماجہ کی نقل کردہ روایت میں آیت شریفہ کا تلاوت کرنا مذکور نہیں ہے۔"

تشریح: "جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر کی گئی ہے۔" کا مطلب یہ ہے کہ شرک کرنا اور جھوٹی گواہی دینا دونوں گناہ میں برابر ہیں۔ کیونکہ شرک کا مطلب ہے "اللہ تعالیٰ کی طرف اس چیز کا جھوٹ بولنا جو جائز نہیں ہے۔" اس اعتبار سے چونکہ ان دونوں کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہوتا لہٰذا حکم میں بھی دونوں برابر ہوئے۔

کن لوگوں کی گواہی کا اعتبار نہیں؟

(۲۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا مَجْلُوْدٍ حَدًّا وَلَا ذِيْ غِمْرٍ عَلٰى اَخِيْهِ وَلَا ظَنِيْنٍ فِيْ وَلَاءٍ وَلَا قَرَابَةٍ وَلَا الْقَانِعِ مَعَ اَهْلِ الْبَيْتِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

ویزیدُبنُ زِیَادِ الدِّمَشقِیُّ الرَّاوِیْ مُنکَرُ الحَدِیْثِ۔

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ان لوگوں کی گواہی جائز و معتبر نہیں۔ ① خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت ② جس شخص پر تہمت کی حد جاری کی گئی ہو ③ دشمن، جو اپنے (مسلمان) بھائی کے خلاف ہو ④ وہ شخص جو ولاء کے بارے میں متہم ہو ⑤ وہ شخص جو قرابت کے بارے میں متہم ہو۔ ⑥ وہ شخص جو کسی ایک گھر پر قانع ہو۔" امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے نیز اس حدیث کا ایک راوی یزید ابن زیاد دمشقی منکر الحدیث ہے۔"

تشریح: اسلام کی رو سے گواہ کا عادل ہونا اتنا ہی ضروری ہے جس قدر حاکم کا عادل ہونا کیونکہ گواہی ایک ایسا اہم درمیانی وسیلہ ہے جو عدالت کو عدل تک پہنچنے میں فیصلہ کن مدد دیتا ہے، اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حدیث میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ چونکہ عدل کے معیار پر پورے نہیں اترتے اس لئے ان کی گواہی کو ناقابل اعتبار قرار دیا گیا ہے خیانت کرنے والا مرد الخ میں "خیانت سے "لوگوں کی امانتوں میں خیانت مراد ہے، یعنی ان مردوں اور عورتوں کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جو لوگوں کی امانتوں میں خیانت کرنے والے مشہور ہوں اور ان کا جرم خیانت بار بار سرزد ہونے کی وجہ سے لوگوں پر عیاں ہو۔ ورنہ تو ظاہر ہے کہ (خیانت) ایک ایسا مخفی جرم ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ہوتا ہے مگر عام طور سے بندوں پر عیاں نہیں ہوتا۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہاں "خیانت" سے مراد فسق ہے خواہ وہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور گناہ صغیرہ پر اصرار کی صورت میں ہو یا احکام دین اور فرائض دین کی عدم بجا آوری کی شکل میں ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دین کے حکام کو بھی "امانت" فرمایا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (الاحزاب ۳۳:۷۲)

"تحقیق ہم نے امانت (یعنی اپنے دین کے بار کو) آسمانوں اور زمین پر پیش کیا الخ۔"

اور دین کے احکام کو بجانہ لانے کو "خیانت" فرمایا جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے۔

لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ۔ (الانفال ۸:۲۷)

"نہ تو خدا اور اس کے رسول کی امانت (یعنی دین کے امور) میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔"

اس صورت میں اول تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو مرد و عورت احکام شرع اور فرائض دین کی بجا آوری نہ کرتے ہوں یا گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور گناہ صغیرہ پر اصرار کرتے ہوں ان کی گواہی معتبر نہیں ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آگے آنے والی حدیث میں "خیانت کے بعد "زنا" کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ "تخصیص بعد تعمیم" کے طور پر ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ یہ تاویل (یعنی خیانت سے فسق مراد لینا، اولی ہے ورنہ دوسری صورت میں ان تمام برائیوں اور گناہوں کا ذکر باقی رہ جائے گا۔ جن کا ارتکاب قبول گواہی سے مانع ہے اور ان سب کو چھوڑ کر صرف خیانت کا ذکر کرنا سمجھ میں نہیں آئے گا۔

جس شخص پر تہمت کی حد جاری کی گئی ہو" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی پاکدامن پر زنا کی تہمت لگائی ہو اور اس کی سزا میں اس پر حد قذف جاری کی گئی ہو تو اس شخص کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی اگرچہ وہ اس سے توبہ بھی کرلے۔

اس بارہ میں فقہی مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ حد قذف کے علاوہ اور دوسرے تمام حدود میں یہ رعایت حاصل ہے کہ جس شخص پر حد جاری ہوئی ہو اگر وہ توبہ کرے تو اس کی گواہی قبول ہوگی، توبہ سے پہلے تو اس کی گواہی ناقابل اعتبار قرار پائے گی جب کہ حد قذف میں یہ سزا ہے کہ جس شخص پر یہ حد جاری ہوئی اگر وہ توبہ بھی کرے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی لیکن دوسرے آئمہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ تمام ہی حدود سے متعلق ہے کہ اگر کسی شخص پر حد جاری ہوگئی تو اس کے توبہ کر لینے

کے بعد اس کی گواہی قبول کی جائے گی خواہ وہ حد تہمت کے جرم میں جاری ہوئی ہو یا کسی اور گناہ (جیسے زنا) کی وجہ سے۔

"دشمن جو اپنے خلاف ہو" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص آپس میں ایک دوسرے سے دشمنی وعداوت رکھتے ہوں ان کی ایک دوسرے کے بارے میں گواہی معتبر نہیں ہوگی خواہ وہ دونوں آپس میں نسبی بھائی ہوں یا اجنبی "یعنی دینی بھائی" ہوں۔

"وہ شخص جو ولاء کے بارے میں متہم ہو" کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص زید ایک دوسرے بکر کا غلام تھا اور بکر نے اس کو آزاد کر دیا تھا اب زید اپنی آزادی کو ایک تیسرے شخص کی طرف منسوب کرتا یعنی یوں کہتا ہے کہ میں عمرو کا آزاد کیا ہوا ہوں، حالانکہ وہ اپنی بات میں جھوٹا ہے اور وہ اپنے اس جھوٹ میں مشہور ہے کہ لوگ عام طور پر اس کے جھوٹے انساب پر اس کو متہم کرتے ہیں اور اس کی تکذیب کرتے ہیں ایسے شخص کی گواہی بھی قابل قبول نہیں ہوگی کیونکہ وہ اپنے اس کہنے کی وجہ سے "فاسق" ہے چنانچہ آزاد کرنے والے کے ولاء (یعنی آزاد کرنے پر حاصل ہونے والے حق کو قطع کرنا اور اس کی ولاء کی نسبت کسی ایسے شخص کی طرف کرنا جس نے حقیقت میں اس کو آزاد نہیں کیا ہے گناہ کبیرہ ہے اور اس کے مرتکب کے بارے میں سخت وعید وتنبیہ وارد ہے۔ یہ حکم قرابت کے بارے میں بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی قرابت میں غلط بیانی کرے یعنی یوں کہے کہ میں فلاں شخص مثلاً زید کا بیٹا ہوں لیکن اس کی غلط بیانی پر لوگ اس کو متہم کرتے ہوں اور اس کی تکذیب کرتے ہوئے کہتے ہوں کہ یہ زید کا بیٹا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں بکر کا بیٹا ہے تو اس کی گواہی بھی قابل قبول نہیں ہوگی کیونکہ اس کا یہ جھوٹ بھی "فسق" ہے اور اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کرنے والے کے بارے میں لعنت وارد ہوئی ہے۔

وہ شخص جو کسی ایک گھر پر قانع ہو" ایسا شخص وہ سائل ہے جو کم سے کم پیٹ بھرنے پر قناعت کر لیتا ہو یا جس کی روزی کسی ایک گھر سے متعلق ہو اور یا جو کسی ایک گھر کا ہو رہا ہو۔ لیکن یہاں وہ شخص مراد ہے جو کسی کے زیر نفقہ ہو یعنی جس کا گزر کسی کے دینے پر ہوتا ہو جیسے خادم و تابع۔ ایسے شخص کی گواہی اس کے مخدوم و متبوع کے حق میں قابل قبل نہیں ہوگی کیونکہ اول تو یہ احتمال ہے کہ وہ اپنی محتاجی کی وجہ سے اپنے مخدوم و متبوع کی ناروا طرف داری کرے اور سچی بات نہ کہے اور دوسرے یہ کہ اپنے مخدوم و متبوع کے حق میں گواہی دینے کا مطلب یہ ہے کہ گویا وہ اپنی گواہی کے ذریعہ اس چیز کے منافع کو اپنی ذات سے متعلق کرتا ہے جو اس کی گواہی کے نتیجہ میں اس کے مخدوم و متبوع کو حاصل ہوگی یا بایں طور کہ جب اس کا کھانا پینا اس کے مخدوم و متبوع کے ذمہ ہے جس کے حق میں وہ گواہی دے رہا ہے تو اس مخدوم و متبوع کو اس کی گواہی کے ذریعہ جو مال حاصل ہوگا اس کے منافع اس کی ذات کو بھی حاصل ہوں گے۔ لہٰذا اپنے متبوع و مخدوم کے حق میں تابع و خادم کی گواہی کا وہی حکم ہوگا جو باپ اور بیٹے یا شوہر اور بیوی کی گواہی کا حکم ہے کہ جس طرح اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کے حق میں یا بیٹا اپنے باپ کے حق میں گواہی دے یا شوہر اپنی بیوی کے حق میں یا بیوی اپنے شوہر کے حق میں گواہی دے تو اس کی گواہی درست نہیں ہوگی اور اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان کا آپس میں ایک دوسرے کے حق میں گواہی دینا گویا اپنی ذات کے فائدے کے لئے گواہی دینا ہے اسی طرح مخدوم و متبوع کے حق میں تابع و خادم کی گواہی بھی درست نہیں ہے اور اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا! البتہ یہ واضح رہے کہ بھائی کے حق میں بھائی کی گواہی درست رہے گی اور اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

"نیز اس حدیث کا ایک راوی یزید ابن زیاد دمشقی منکر الحدیث ہے" میں "منکر الحدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حدیث منکر ہے شرح نخبہ میں لکھا ہے کہ جس راوی سے کوئی فحش غلطی صادر ہوئی ہو یا اس پر غفلت و نسیان کا غلبہ ہو اور یا اس کا فسق ظاہر ہو تو اس صورت میں اس کی روایت کردہ حدیث "منکر" کہلائے گی۔"

(۲۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا زَانٍ وَلَا زَانِيَةٍ وَلَا ذِي غِمْرٍ عَلَى أَخِيهِ وَرَدَّ شَهَادَةَ الْقَانِعِ لِأَهْلِ الْبَيْتِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد سے اور ان کے والد اپنے دادا سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نہ تو

خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی گواہی درست ہے اور نہ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورت کی گواہی درست ہے اسی طرح دشمن کی گواہی (اپنے) دشمن کے خلاف مقبول نہیں۔" نیز آنحضرت ﷺ نے (ایک مقدمہ میں) اس شخص کی گواہی کو رد کر دیا جو ایک گھر کی کفالت و پرورش میں تھا اور اس نے وہ گواہی اس کے گھر والوں کے حق میں دی تھی۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کی وضاحت اس سے قبل کی حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔

شہری کے حق میں یا اس کے خلاف جنگلی کی شہادت قبول ہوگی یا نہیں؟

(۲۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ بَدَوِيٍّ عَلٰی صَاحِبِ قَرْيَةٍ۔

(رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "بستی میں رہنے والے کے حق میں یا اس کے خلاف، جنگل میں رہنے والے کی گواہی درست نہیں ہوگی۔" (ابوداؤد، ابن ماجہؒ)

تشریح: جنگل میں رہنے والے کی گواہی اس لئے درست نہیں کہ عام طور پر وہ نہ تو شریعت کے احکام کا علم رکھتا ہے اور نہ گواہی دینے کی شرائط و کیفیت کی واقفیت رکھتا ہے اسی طرح اس پر غفلت و نسیان کا غلبہ زیادہ رہتا ہے لہٰذا اگر جنگل میں رہنے والا گواہی کی ذمہ داریوں کا احساس رکھتا ہو اور دینے کی جو شرائط و کیفیات ہیں ان سے واقف ہو نیز عادل اہل شہادت کے زمرے میں آتا ہو تو اس کی گواہی درست و معتبر ہوگی۔

حضرت امام مالکؒ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے چنانچہ ان کے نزدیک کسی شہری کے حق میں یا اس کے خلاف جنگل میں رہنے والے کی گواہی جائز نہیں ہوگی، جب کہ اکثر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ جنگل میں رہنے والا اگر عادل ہو اور گواہی کے معیار پر پورا اترتا ہو تو شہری کے حق یا اس کے خلاف اس کی گواہی درست و معتبر ہوگی۔ ان ائمہ کے نزدیک حدیث کے الفاظ لایجوز گویا لایحسن کے معنی میں ہیں اور "جنگلی کی گواہی کا جائز نہ ہونا" صفات مذکورہ کے نہ پائے جانے کے ساتھ مقید ہے۔

اپنے معاملے مقدمے میں دانائی و ہوشیاری کو ملحوظ رکھو

(۲۶) وَعَنْ عَوْفِ ابْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰی بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَقَالَ الْمَقْضِيُّ عَلَيْهِ لَمَّا اَدْبَرَ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يَلُوْمُ عَلَی الْعَجْزِ وَلٰكِنْ عَلَيْكَ بِالْكَيْسِ فَاِذَا غَلَبَكَ اَمْرٌ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عوفؓ ابن مالک کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے دو شخصوں کے درمیان ایک مقدمہ کا فیصلہ دیا (جو ایک شخص کے خلاف اور دوسرے شخص کے حق میں تھا۔ چنانچہ مقدمہ کا فیصلہ جس شخص کے خلاف ہوا تھا اس نے مجلس نبوی ﷺ سے اٹھ کر) واپس جاتے ہوئے کہا کہ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ یعنی مجھ کو میرا اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ (سن کر) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نادانی ولاپرواہی پر ملامت کرتا ہے، تم کو چالاکی اور ہوشیاری ضروری ہے اگر تم پر کوئی مصیبت آپڑے تو حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کہو۔" (ابوداؤد)

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص سے کچھ قرض لیا ہوگا اور وہ قرض اس نے ادا بھی کر دیا ہوگا لیکن اس سے یہ نادانی اور حماقت ہوئی کہ اس نے قرض واپس کرتے وقت قرض خواہ سے کوئی رسید نہ لی اور نہ کسی کو گواہ کیا، آخر مدعی (قرض خواہ)

نے بارگاہ رسالت میں اس شخص پر دعوی کر دیا چونکہ اس (مدعی) نے قرض دینے کا ثبوت پیش کر دیا ہو گا لیکن یہ شخص (مدعا علیہ) واپسی قرض کا کوئی ثبوت پیش نہ کر سکا اس لئے مقدمہ فیصلہ اس کے خلاف ہوا اور مدعی نے ڈگری حاصل کر لی۔ جب وہ مقدمہ ہار کر دربار رسالت سے نکلا تو اس نے ازراہ غم وحسرت "حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل" کہا اور اس طرح اس نے یہ اشارہ کیا کہ مدعی نے مجھ سے ناحق مال لے لیا اور میں خواہ مخواہ نقصان اٹھا بیٹھا۔

اس پر رسول کریم ﷺ نے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے کاروبار زندگی اور اپنے معاملات میں لاپرواہی نادانی اور غفلت وکوتاہی کوئی اچھی چیز نہیں ہے بلکہ ایسا کرنے والے پر اللہ تعالیٰ ملامت کرتا ہے، پھر آپ نے تنبیہ فرمائی کہ تم کو لازم ہے کہ اپنے کاروبار اور اپنے معاملات میں ہوشیار وچوکس رہو اور احتیاط ودانائی اختیار کرو۔

حاصل یہ کہ غفلت وکوتاہی سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا کیونکہ حق تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم کی جس دولت سے نوازا ہے اس کا صحیح مقتضٰی یہی ہے کہ بندہ اپنے تمام دینی ودنیاوی معاملات میں دانائی وہوشیاری کو ملحوظ رکھے لہٰذا اس معاملہ میں تم سے جو کوتاہی وغفلت سرزد ہوئی ہے اس کو اپنے عجز پر محمول کر کے حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل نہ کہو بلکہ آئندہ کے لئے اس بات کا عہد کر لو کہ پھر کبھی اس طرح کی غفلت وکوتاہی نہیں کرو گے اور احتیاط وہوشیاری کو بہر صورت ملحوظ رکھو گے۔

طیبیؒ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس شخص پر یہ واضح کیا کہ لازم تو یہ تھا کہ تم اپنے، معاملے میں ہوشیار رہتے اور کسی کو گواہ بنا کر یا اس کے مانند کوئی اور ثبوت رکھ کر کوتاہی وغفلت میں مبتلا نہ ہوتے تاکہ جب تمہارا مقدمہ پیش ہوتا اور تم فیصلے کے لئے یہاں حاضر ہوتے تو گواہوں اور ثبوت کے ذریعہ مدعی کو ناحق ثابت کرنے پر قادر ہوتے مگر اب جب کہ تم اپنی غفلت وکوتاہی کی وجہ سے مدعی کے دعوی کو ناحق ثابت کرنے سے عاجز ہو تو حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل کہتے ہو حالانکہ حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ حصول مقصد کی تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اور اپنی تمام تدابیر واحتیاط کے باوجود کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا، لہٰذا یہ ذہن نشین رہے کہ جب کوئی معاملہ کیا جائے اس میں پوری پوری احتیاط اور ہوشیاری کو ملحوظ رکھا جائے اور جب تمام تر امکانی احتیاط وہوشیاری کے باوجود حصول مقصد کا کوئی راستہ ہاتھ نہ آئے اور اس طرح عجز ومعذوری کے درجہ پر پہنچ جائے تو اس وقت حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل کہے۔

ملزم کو قید کرنا شرعی سزا ہے

(۲۷) وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَبَسَ رَجُلًا فِيْ تُهْمَةٍ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ ثُمَّ خَلّٰى عَنْهُ۔ (ابوداؤد)

"اور حضرت بہز ابن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو تہمت کی بنا پر قید کر دیا تھا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "تہمت کی بنا پر" کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے اس پر اپنے دیئے ہوئے قرض کا دعوی کیا تھا یا اس پر کسی گناہ کا الزام عائد کیا تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس کو قید (حوالات) میں رکھا تاکہ اس دوران میں گواہوں کے ذریعہ مدعی کے دعوی کا صحیح ہونا معلوم ہو جائے۔ لیکن مدعی اپنے دعوی کے ثبوت میں گواہ پیش کرنے سے عاجز رہا تو آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو الزام سے بری قرار دے کر رہا کر دیا۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ملزم کو قید کرنا شرعی حکم کے مطابق ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاکم کے سامنے موجود رہیں

(۲۸) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ الزُّبَیْرِ قَالَ قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْخَصْمَیْنِ یَقْعُدَانِ بَیْنَ یَدَیِ الْحَاکِمِ۔
(رواہ احمد وابوداؤد)

"حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ فرمان (عدالتی ضابطہ) جاری فرمایا کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاکم کے روبرو بیٹھیں۔" (احمدؒ وابوداؤدؒ)

تشریح: طیبیؒ کہتے ہیں کہ قاضی (حاکم عدالت) کے لئے اس سے دشوار اور سخت ترین مرحلہ کوئی نہیں ہے کہ جب اس کے سامنے مقدمہ پیش ہو تو وہ دونوں فریق یعنی مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان پوری برابری رکھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الجہاد

جہاد کا بیان

جہاد کے معنی

جَہْد اور جِہَادْ کے لغوی معنی ہیں مشقت اٹھانا اور طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا" امام راغب نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ:

الجہاد استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو۔

"جہاد کا مطلب ہے، انتہائی قوت سے حملہ آور دشمن کی مدافعت کرنا۔"

اصطلاح شریعت میں "جہاد" کا مفہوم ہے۔"کفار کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ میں اپنی طاقت خرچ کرنا بایں طور کہ خواہ اپنی جان کو پیش کیا جائے یا اپنے مال کے ذریعہ مدد کی جائے اور خواہ اپنی عقل و تدبیر (یعنی اپنی رائے اور مشوروں کا) تعاون دیا جائے یا محض اسلامی لشکر میں شامل ہو کر اس کی نفری میں اضافہ کیا جائے اور یا ان کے علاوہ کسی بھی طریقے سے دشمنان اسلام کے مقابلے میں اسلامی لشکر کی معاونت و حمایت کی جائے۔

جہاد کا نصب العین

جہاد کا نصب العین یہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ خدا کا بول بالا رہے، خدا کی اس سرزمین پر اس کا جھنڈا سربلند اور اس کے باغی منکروں کا دعوی سرنگوں رہے۔

جہاد کا حکم

جہاد فرض کفایہ ہے۔ اگر نفیر عام (اعلان جنگ) نہ ہو اور اگر نفیر عام ہو بایں طور کہ کفار مسلمانوں کے کسی شہر پر ٹوٹ پڑیں یا اسلامی مملکت کے خلاف جنگ شروع کر دیں اور مسلمانوں کی طرف سے جنگ کا عام اعلان کر دیا جائے تو اس صورت میں ہر مسلمان پر جہاد فرض عین ہوگا خواہ نفیر کرنے والا (یعنی اعلان جنگ کرنے والا) عادل ہو یا فاسق، لہٰذا اس صورت میں دشمنوں کا مقابلہ کرنا اور جہاد میں شرکت کرنا اس شہر اور اس مملکت کے تمام باشندوں پر واجب ہوگا اور ایسے ہی ان لوگوں پر بھی واجب ہوگا جو اس شہر یا مملکت کے قریب رہتے ہوں بشرطیکہ اس شہر یا مملکت کے رہنے والے اپنے شہر اور اپنے ملک کی حفاظت اور دشمنوں کے مقابلہ کرنے کے لئے کافی نہ ہوں یا وہ اپنی جنگی و دفاعی ذمہ داریوں کو انجام دینے میں کسل و سستی کریں اور گنہگار ہوں چنانچہ جس طرح میت کا مسئلہ ہے کہ اس کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ پہلے اس کے اہل محلہ پر واجب ہے اگر وہ اس کی انجام دہی سے عاجز ہوں تو پھر یہ چیزیں اس کے شہر والوں پر واجب ہوں گی

اسی طرح جہاد کا بھی مسئلہ ہے کہ جس شہر ملک کے مسلمانوں کو کفار اور دشمنان دین کی جارحیت اور جنگی حملوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو اگر وہ اپنے دفاع سے عاجز ہوں اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں کوتاہ یا ناکام رہے ہوں تو اس وقت ان کے پڑوسی شہر و ملک کے مسلمانوں بلکہ مابین المشرق والمغرب کے تمام مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ وہ جہاد میں شریک ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے وقار کا تحفظ اور دشمنان دین کا دعویٰ سرنگوں کریں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

کون سا جہاد افضل ہے؟

① عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَصَامَ رَمَضَانَ کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّدْخِلَہُ الْجَنَّۃَ جَاھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْجَلَسَ فِیْ اَرْضِہِ الَّتِیْ وُلِدَ فِیْھَا قَالُوْا اَفَلَا نُبَشِّرُ بِہِ النَّاسَ قَالَ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ مِائَۃَ دَرَجَۃٍ اَعَدَّھَا اللّٰہُ لِلْمُجَاھِدِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَابَیْنَ الدَّرَجَتَیْنِ کَمَابَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَاِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰہَ فَسْاَلُوْہُ الْفِرْدَوْسَ فَاِنَّہٗ اَوْسَطُ الْجَنَّۃِ وَاَعْلَی الْجَنَّۃِ وَفَوْقَہٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْہُ تَفَجَّرُ اَنْھَارُ الْجَنَّۃِ۔

(رواہ البخاری)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ذریعہ دنیا میں بھیجی (یعنی شریعت پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر (از راہ فضل و کرم بحسب اپنے وعدے کے) واجب ہے کہ وہ اس شخص کو جنت میں داخل کرے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے (اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اور خواہ ہجرت کرے) اور خواہ اپنے وطن و گھر میں جہاں پیدا ہوا ہے بیٹھا رہے (یعنی نہ جہاد کرے اور نہ ہجرت کرے)" صحابہؓ نے سن کر) عرض کیا کہ "کیا لوگوں کو ہم یہ خوشخبری نہ سنا دیں؟" آنحضرت نے فرمایا "(لیکن جہاد کرنے والے کی یہ فضیلت بھی سن لو کہ) جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کیا ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور ان کے دو درجوں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ لہٰذا جب تم اللہ سے (جہاد پر درجہ عالی) مانگو تو فردوس کو مانگو کیونکہ وہ (فردوس) اوسط جنت ہے (یعنی جنت کے تمام درجات میں سب سے بہتر وافضل ہے) اور سب سے بلند جنت ہے اور اس کے اوپر خدا کا عرش ہے (گویا وہ عرش الٰہی کے سایہ میں ہے) اور وہیں سے جنت کی نہریں بہتی ہیں (یعنی جو چار چیزیں جنت کی نہروں کی اصل ہیں جیسے پانی، دودھ، شراب اور شہد وہ جنت الفردوس ہی سے جاری ہوتی ہیں۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس حدیث میں نماز اور روزے کا تو ذکر کیا گیا ہے لیکن حج اور زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہے اس کی وجہ اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ یہ دو عبادتیں یعنی نماز اور روزہ دیگر عبادتوں کی نسبت اپنی امتیازی اور برتری شان رکھتی ہیں دوسرے یہ کہ ان دونوں عبادات کا تعلق ہر مسلمان سے ہے کہ وہ سب ہی مسلمانوں پر واجب ہیں جب کہ حج اور زکوٰۃ ایسی عبادتیں ہیں جو ہر مسلمان پر واجب نہیں ہیں بلکہ اسی مسلمان پر واجب ہیں جو مالدار صاحب استطاعت ہو۔

خواہ اپنے گھر و وطن میں بیٹھا رہے۔" اس عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث فتح مکہ کے دن ارشاد فرمائی تھی کیونکہ فتح مکہ کے دن سے پہلے ہجرت ہر مؤمن پر فرض تھی۔

② وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُجَاھِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِآیَاتِ اللّٰہِ لَا یَفْتُرُ مِنْ صِیَامٍ وَلَا صَلَاۃٍ حَتّٰی یَرْجِعَ الْمُجَاھِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ روزہ رکھنے والا (نماز اور طاعت و عبادات میں) منہمک رہنے والا اور اللہ کی آیتوں یعنی قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا جو روزہ رکھنے اور نماز پڑھنے (یعنی عبادات میں منہمک رہنے) سے کبھی نہیں تھکتا، یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا اپنے گھر واپس آجائے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: جب مجاہد اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے اور پھر جہاد کر کے گھر واپس آتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس دوران میں وہ ہمہ وقت جہاد ہی میں مصروف نہیں رہتا بلکہ اس کے اوقات کا کچھ حصہ جہاد سے خالی بھی گزرتا ہے کہ جن میں وہ کھاتا پیتا بھی ہے اور سوتا لیٹتا بھی ہے اور ایسے ہی دوسرے کاموں میں بھی وقت گذارتا ہے مگر اس کے باوجود اس کو یہ درجہ عطا کیا گیا ہے کہ گویا وہ کبھی بھی اور کسی وقت بھی عبادت سے خالی نہیں رہتا۔ چنانچہ ہر حرکت و سکون پر اور ہر عیش و آرام پر اس کے نامۂ اعمال میں ثواب ہی لکھا جاتا ہے۔

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْتَدَبَ اللّٰهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيْلِهٖ لَا يُخْرِجُهٗ اِلَّا اِيْمَانٌ بِيْ وَتَصْدِيْقٌ بِرُسُلِيْ اَنْ اُرْجِعَهٗ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْ غَنِيْمَةٍ اَوْ اُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) جو شخص اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلا اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہو گیا، اس کو (جہاد کے لئے) مجھ پر اس کے ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق کے علاوہ اور کسی نے نہیں نکالا (یعنی اس کا جہاد میں جانا دکھاوے سنانے کے لئے یا دنیا میں کسی طلب و خواہش کے پیش نظر نہیں بلکہ وہ محض میری رضا و خوشنودی طلب کرنے کے لئے نکلا ہے) تو میں اس کو (یا تو بغیر غنیمت کے محض) آخرت کے اجر و ثواب کے ساتھ یا مال غنیمت کے ساتھ واپس کروں گا اور یا (اگر شہید ہو گیا تو) میں اس کو (بغیر حساب و عذاب کے سب سے پہلے جنت میں جانے والوں کے ساتھ، جنت میں داخل کروں گا (یا اس کی موت کے بعد ہی قیامت کے دن سے بھی پہلے جنت میں داخل کروں گا جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہو گئے ہیں ان کو مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

آنحضرت ﷺ کا جذبۂ جہاد اور شوق شہادت

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ لَا اَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَطِيْبُ اَنْفُسُهُمْ اَنْ يَتَخَلَّفُوْا عَنِّيْ وَلَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مجھے یہ خوف و لحاظ نہ ہوتا کہ بہت سے (وہ) مسلمان (جو مفلس و نادار ہیں) اپنے بارے میں اس بات سے خوش نہیں ہوں گے کہ وہ مجھ سے پیچھے اور مجھ سے جدا رہیں اور مجھے ایسی کوئی سواری میسر نہیں ہے جس پر ان سب کو سوار کر دوں تو میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کسی بھی لشکر سے پیچھے نہ رہتا! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری خواہش و تمنا تو یہی ہے کہ میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں (یعنی بار بار زندہ کیا جاؤں اور بار بار مارا جاؤں تاکہ ہر بار نیا ثواب پاؤں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی سے جہاں آنحضرت ﷺ کے بے پناہ جذبۂ جہاد اور شوق شہادت کا اظہار ہوتا ہے وہیں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں کفار سے جتنی بھی جنگیں ہوئیں آپ چند کے علاوہ اور سب میں بنفس نفیس شریک کیوں نہ ہوئے۔ چنانچہ آپ نے اس کی علت بیان فرمائی کہ میں کفار سے جنگ کرنے کے لئے جانے والے ہر لشکر اور ہر فوج میں اس لئے

شریک نہیں ہوتا کہ اگر میں جنگ میں شریک ہونے کے لئے ہر لشکر کے ہمراہ جاؤں تو یقیناً وہ بہت سے مسلمان جو نادار اور بے سروسامان ہونے کی وجہ سے اپنی سواریاں نہیں رکھتے جنگ میں شریک ہونے سے محروم بھی رہ جائیں گے اور میری جدائی کا غم بھی اٹھائیں گے۔ اور خود میں اتنی سواریوں کا انتظام کرنے پر قادر نہیں ہوں کہ ان پر سب مسلمانوں کو سوار کر کے اپنے ہمراہ لے جاؤں، اس لئے اگر مجھے یہ لحاظ نہ ہو کہ بہت سے مسلمان جنگ میں شریک ہونے سے محروم رہ جانے اور پھر مجھ سے جدا ہو جانے کی وجہ سے افسردہ دل اور شکستہ خاطر ہوں گے اور وہ اس کا بہت زیادہ غم محسوس کریں گے تو میرے اندر جہاد کا جذبہ اور اللہ کی راہ میں شہید ہو جانے کا شوق اتنا زیادہ ہے کہ میں کسی بھی لشکر کے ہمراہ جانے سے باز نہیں رہنا چاہتا اور اس بات کو بہت زیادہ پسند کرتا ہوں کہ میں بار بار زندہ کیا جاؤں اور ہر بار خدا کی راہ میں مارا جاؤں۔

جہاد میں معمولی درجہ کی شرکت بھی دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر

⑤ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سہل ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ کی راہ میں ایک دن کی چوکیداری دنیا سے اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یا تو یہ مطلب ہے کہ جہاد میں ایک دن کے لئے بھی چوکیداری جیسی معمولی خدمت کو انجام دینا اس مال سے بہتر ہے جو اللہ کے نام پر خرچ کیا جائے، یا یہ مطلب ہے کہ جہاد میں محض ایکدن کی چوکیداری کے عوض جو اجر ملے گا وہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے کہیں زیادہ بہتر اور افضل ہے۔

⑥ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَغَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْرَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "" ایک صبح کے لئے یا ایک شام کے لئے خدا کی راہ میں شرکت جہاد کی غرض سے) جانا دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص محض ایک صبح کے لئے یا ایک شام کے لئے بھی جہاد میں شریک ہوا تو اس پر اس کو جو اجر ملے گا اور اس کی جو فضیلت حاصل ہوگی وہ دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے کیونکہ دنیا کی تمام نعمتیں فنا ہو جانے والی ہیں اور آخرت کی نعمت باقی رہنے والی ہے۔

جہاد میں ایک دن اور ایک رات کی چوکیداری ایک مہینے کے روزے اور شب بیداری سے بہتر ہے

⑦ وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهٖ وَاِنْ مَاتَ جَرٰى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُهٗ وَاُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ وَاَمِنَ الْفَتَّانَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جہاد میں ایک دن اور ایک رات کی چوکیداری کی خدمت انجام دینا ایک مہینے کے روزے اور شب بیداری سے بہتر ہے اور اگر وہ چوکیدار (اس خدمت کی انجام دہی کے دوران) مر جائے تو اس کے اس عمل کا ثواب کہ جس پر وہ (اپنی زندگی میں) عامل تھا، جاری رہتا ہے (یعنی اپنی زندگی میں وہ جس نیک عمل پر عامل تھا اس کا ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی پہنچتا رہے گا) اور اس کے لئے (جنت کے طعام و شراب سے اس کا رزق کر دیا جاتا ہے اور وہ شیطان یا

دجال کے مکروفریب اور یا قبر میں عذاب کے فرشتے کے) فتنے سے محفوظ رہتا ہے۔" (مسلم)

جہاد میں شرکت، دوزخ سے محفوظ رکھنے کی ضامن ہے

⑧ وَعَنْ اَبِی عَبْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَمَسَّہُ النَّارُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابو عبس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس بندے کے پاؤں خدا کی راہ (یعنی جہاد) میں گرد آلودہ ہو جاتے ہیں تو پھر اس کو (دوزخ کی) آگ نہیں چھوتی۔" (بخاری)

تشریح: یہ ارشاد گرامی دراصل راہ جہاد میں سعی و مشقت کے اظہار کا کنایہ پیرایہ بیان ہے اس بات کو زیادہ سے زیادہ بیان کرتا ہے کہ جب جہاد کے راستے میں محض قدموں کا گرد آلودہ ہو جانا دوزخ کی آگ سے حفاظت کا ضامن ہے تو نفس جہاد کے ثواب اور اس شخص کی فضیلت کا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو راہ جہاد کی مشقتیں برداشت کرتا ہوا میدان جنگ میں پہنچے اور جہاد میں شریک ہو۔

کافر کو مارنے والے مجاہد کے بارے میں ایک خاص بشارت

⑨ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَجْتَمِعُ کَافِرٌ وَقَاتِلُہٗ فِی النَّارِ اَبَدًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کافر اور اس کو مارنے والا (مسلمان) کبھی بھی دوزخ میں ایک جا نہیں ہو سکتے۔" (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں بطور خاص اس مسلمان کے لئے بشارت ہے جو جہاد میں کسی کافر کو مارے کہ وہ (مسلمان) ہرگز دوزخ میں نہیں جائے گا۔ اور حقیقت میں یہ ارشاد گرامی جہاد کی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے جو مسلمان جہاد میں شریک ہو گا وہ غالباً کسی کافر کو مارے گا اور جب کافر کو مارے گا تو وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا اگرچہ اس کی جزا بھی جنت ہے جو جہاد میں شریک ہوا اور اس میں پوری جدوجہد کرے لیکن کسی کافر کو قتل نہ کر سکے۔

بہترین زندگی کون سی ہے؟

⑩ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ خَیْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَھُمْ رَجُلٌ مُمْسِکٌ عِنَانَ فَرَسِہٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یَطِیْرُ عَلٰی مَتْنِہٖ کُلَّمَا سَمِعَ ھَیْعَۃً اَوْفَزْعَۃً طَارَ عَلَیْہِ یَبْتَغِی الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مَظَانَّہٗ اَوْ رَجُلٌ فِیْ غُنَیْمَۃٍ فِیْ رَأْسِ شَعَفَۃٍ مِنْ ھٰذِہِ الشَّعَفِ اَوْبَطْنِ وَادٍ مِنْ ھٰذِہِ الْاَوْدِیَۃِ یُقِیْمُ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتِی الزَّکٰوۃَ وَیَعْبُدُ رَبَّہٗ حَتّٰی یَاْتِیَہُ الْیَقِیْنُ لَیْسَ مِنَ النَّاسِ اِلَّا فِیْ خَیْرٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "انسانی زندگی میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو خدا کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ لے اور جب کسی کی خوفزدہ آواز یا کسی کے فریاد کرنے کی آواز سنے تو عجلت کے ساتھ گھوڑے کی پشت پر سوار ہو جائے اور (اس خوفزدہ یا فریاد رس کی آواز کی طرف دوڑتا ہوا چلا جائے اور اپنی موت کو یا اس جگہ کو تلاش کرتا پھرے جہاں موت کا گمان ہو (یعنی جب وہ کسی کی خوفزدہ چیخ و پکار یا فریاد و مدد چاہنے والے کی آواز سنے تو عجلت کے ساتھ چل پڑے اور اس آواز کو تلاش کرتا پھرے تاکہ موقع پر پہنچ کر فریاد کرنے والے کی مدد کرے اور اس بات سے نہ ڈرے کہ کہیں میری جان پر نہ بن جائے اور مجھے اپنی ہی زندگی سے ہاتھ نہ دھونا پڑے یا بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو کچھ بکریوں کے ساتھ ان پہاڑوں میں سے کسی ایک پہاڑ کی چوٹی پر یا ان وادیوں میں سے کسی ایک

وادی میں اقامت گزین ہے اور نماز پڑھتا ہے اور "اگر وہ بکریاں حد نصاب کو پہنچتی ہیں تو ان کی زکوۃ ادا کرتا ہے اور پروردگار کی عبادت وبندگی میں مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو موت آجائے اور یہ شخص انسانوں کا شریک نہیں ہے بلکہ صرف بھلائی کے درمیان زندگی بسر کرتا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص دنیا والوں سے الگ تھلگ رہ کر ان کی برائیوں اور ان کے فتنہ وشر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے اور اپنے فتنہ وشر سے دنیا والوں کو بچاتا ہے۔

اس حدیث کا حاصل دراصل دشمنان دین کے مقابلہ پر جہاد، اپنے نفس وشیطان سے مجاہدہ اور دنیا کی فانی لذتوں اور نفس کی باطل خواہشات وشہوات سے اجتناب کی طرف راغب کرتا ہے نیز اس بات کی آگاہی دیتا ہے کہ اگر دین کی تائید اور شریعت کی تقویت کے لئے لوگوں کے درمیان رہن سہن اختیار کرے تو بہتر ہے ورنہ (اگر دنیا والوں کے درمیان رہنے سہنے سے دین وشریعت کو نقصان پہنچنے اور ایمان کے کمزور ہو جانے کا خوف ہو) تو گوشۂ عافیت اختیار کرے۔

گوشہ گزینی افضل ہے یا مخالطت؟

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان لوگوں کے مسلک کی دلیل ہے جو مخالطت (یعنی دنیا والوں کے درمیان رہن سہن) پر گوشۂ گزینی کو فضیلت دیتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مشہور اختلافی اقوال یہ ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ اور اکثر علماء کے نزدیک اختلاط (یعنی دنیا والوں کے درمیان رہنا سہنا) افضل ہے بشرطیکہ (دین میں) فتنہ فساد سے محفوظ ومامون رہنے کی امید ہو جب کہ زاہد ان طریقت کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ دنیا والوں سے کنارہ کشی کر کے گوشہ گزینی اختیار کرنا افضل ہے۔ انہوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یا تو فتنوں سے بھرپور زمانہ پر محمول ہے۔ یا اس کے علاوہ اس کا تعلق اس شخص سے ہے جو لوگوں کی ایذاء پر صبر نہ کر سکتا ہو۔ یا لوگ خود اس کی وجہ سے سلامت نہ رہتے ہوں، پھر ان کی سب سے بڑی دلیل یہ کہ انبیاء صلوات اللہ علیہم اکثر صحابۂ کرام، تابعین عظام، علماء ومشائخ اور زاہد ان طریقت کا معمول یہی رہا ہے کہ انہوں نے دنیا سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی سے احتراز کر کے اسی دنیا میں اور اسی دنیا والوں کے درمیان رہن سہن کو اختیار کیا اور اس کے ذریعہ وہ بہت سارے دینی فوائد حاصل کرتے رہے جو گوشہ گزینی کی صورت میں ناممکن الحصول تھے جیسے نماز جمعہ وجماعت نماز جنازہ اور عیادت مریض وغیرہ وغیرہ۔

مجاہد کا سامان تیار کرنے والے اور مجاہد کے اہل وعیال کی نگہبانی کرنے والے کی فضیلت

(۱۱) وَعَنْ زَيْدِ ابْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِىْ اَهْلِهٖ فَقَدْ غَزَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت زیدؓ ابن خالد کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جس شخص نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا سامان درست کیا اس نے (گویا) جہاد (ہی) کیا (یعنی وہ بھی جہاد کرنے والوں کے حکم میں داخل ہے اور جہاد کے ثواب میں شریک ہے) اور جو شخص کسی غازی ومجاہد کا اس کے اہل وعیال کے لئے نائب وخلیفہ بنا (یعنی جو شخص کسی غازی ومجاہد کے جہاد میں چلے جانے کے بعد اس کے اہل وعیال کا خدمت گذار ہوا اور نگہبان بنا اس نے بھی گویا) (جہاد ہی) کیا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

مجاہدین کی عورتوں کے احترام کا حکم

(۱۲) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُرْمَةُ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ كَحُرْمَةِ اُمَّهَاتِهِمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ مِنَ الْقَاعِدِيْنَ يَخْلُفُ رَجُلًا مِنَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِىْ اَهْلِهٖ فَيَخُوْنُهٗ فِيْهِمْ اِلَّا وُقِفَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

فَيَاخُذُ مِنْ عَمَلِهِ مَاشَاءَ فَمَا ظَنُّكُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مجاہدین کی عورتوں کی عزت و حرمت (گھروں میں) بیٹھنے والوں (یعنی جہاد کے لئے نہ جانے والوں) پر اسی طرح لازم ہے جس طرح کہ ان کی ماؤں کی عزت و حرمت ان پر لازم ہے (یعنی جو لوگ کسی وجہ سے جہاد پر نہیں جاسکتے ہیں اور اپنے اپنے گھروں میں رہ گئے ہیں ان کو چاہئے کو جو لوگ جہاد میں گئے ہوں ان مسلمانوں کی عورتوں کی عزت و آبرو میں خیانت نہ کریں اور ان کی طرف نظر بد سے نہ دیکھیں بلکہ ان کو اپنے حق میں ایسا حرام جانیں گویا وہ ان کی مائیں ہیں) لہٰذا اس کے اہل و عیال (یعنی اس کی بیوی اور لونڈیوں یا دوسرے قرابتیوں) کے لئے نائب و خلیفہ بنا یعنی ان کا نگران بنا اور پھر اس نے اس (مجاہد) کے اہل و عیال (کی عزت و آبرو) میں خیانت کی تو اس کو قیامت کے دن اس مجاہد کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور مجاہد اس کے (نیک) اعمال میں سے جس قدر چاہے گا لے لیگا" ایسی حالت میں تمہارا کیا خیال ہے؟ " (مسلمؒ)

تشریح: "ایسی حالت میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کا مطلب یہ ہے کہ کیا تم یہ خیال کرسکتے ہو کہ ایسی حالت میں وہ مجاہد قیامت کے دن اس شخص کی نیکیوں کو لے لینے میں کم راغب ہوگا؟ نہیں، بلکہ وہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں چھوڑے گا اور اس کی تمام ہی نیکیاں لے لیگا یا اس شخص نے اس مجاہد کے حق میں جو خیانت کی ہے اس کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ خیانت کرنے والے کے نیکیوں کی صورت میں مجاہد کو جو عوض و بدلہ دے گا اس میں تمہیں کوئی شک ہے؟ اگر تمہیں کوئی شک نہیں ہے اور تم یہ یقین رکھتے ہو کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ قطعی سچ ہے تو پھر تم پر لازم ہے کہ تم مجاہدین کی عورتوں کی عزت و آبرو میں خیانت کرنے سے احتراز نہ کرو مبادا اس کی وجہ سے تمہیں آخرت میں اپنی ساری نیکیوں سے ہاتھ دھونا پڑ جائے۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہد کو جو یہ مرتبہ عظیم عطا فرمایا ہے اور اس کو اس فضیلت کے ساتھ جو مخصوص کیا ہے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ اس مجاہد کو بس یہی مرتبہ ملے گا؟ نہیں بلکہ اس مرتبہ اور اس مخصوص فضیلت کے علاوہ بھی اس کو اور بہت عظمتیں اور بزرگیاں ملیں گی اور اس سے بھی بڑے بڑے درجات اس کو نصیب ہوں گے۔

جہاد میں مالی مدد کرنے کی فضیلت

(۱۳) وَعَنْ اَبِي مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ بِنَاقَةٍ مَخْطُوْمَةٍ فَقَالَ هٰذِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُ مِائَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُوْمَةٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابومسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ (دربار نبوت میں) ایک شخص نکیل پکڑی ہوئی اونٹنی لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اللہ کی راہ کے لئے ہے۔ یعنی میں اس اونٹنی کو اللہ کی رضا کے لئے جہاد میں پیش کرتا ہوں رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "(میں تمہاری اس پیشکش کو بہ تحسین قبول کرتا ہوں اور تمہیں یہ بشارت دیتا ہوں کہ (اس کے بدلے میں قیامت کے دن تمہیں سات سو اونٹنیاں ملیں گی اور سب کے نکیل پڑی ہوگی۔" (مسلمؒ)

مجاہد کے گھربار کی نگہبانی کرنے کی فضیلت

(۱۴) وَعَنْ اَبِي سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا اِلٰى بَنِيْ لِحْيَانَ مِنْ هُذَيْلٍ فَقَالَ لِيَنْبَعِثْ مِنْ كُلِّ رَجُلَيْنِ اَحَدُهُمَا وَالْاَجْرُ بَيْنَهُمَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ بنو لحیان کے مقابلہ پر جہاد (کے لئے) ایک لشکر روانہ کرنے کا ارادہ کیا تو حکم دیا کہ دو شخصوں میں ایک شخص جہاد میں جانے کے لئے نکلے (یعنی ہر قبیلے میں سے آدھے آدمی جہاد میں جائیں اور

آدھے آدمی رہ جائیں تاکہ وہ جہاد میں جانے والوں کے اہل و عیال کی خبر گیری کریں) اور جہاد کا ثواب دونوں کو برابر ملے گا۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ جو لوگ جہاد میں جائیں گے ان کو تو جہاد کا ثواب ملے ہی گا لیکن جو لوگ اپنے گھروں پر رہ کر مجاہدین کے گھربار کی نگرانی اور ان کے اہل و عیال کی پرورش و دیکھ بھال کریں گے۔ تو ان کو بھی مجاہدین جیسا ثواب ملے گا۔

ہمیشہ اُمت محمدی کی کوئی نہ کوئی جماعت برسر جہاد رہے گی

⑮ وَعَنْ جَابِرِبْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَبْرَحَ هٰذَا الدِّيْنُ قَائِمًا يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر ابنؓ سمرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا اور مسلمانوں میں سے ایک نہ ایک جماعت اس دین کی حفاظت کے لئے قیامت (قائم ہونے کے قریب) تک لڑتی رہے گی (یعنی روئے زمین جہاد سے خالی نہیں رہے گی کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی صورت میں ہمیشہ جہاد ہوتا رہے گا۔" (مسلمؒ)

تشریح: طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہ عبارت یقاتل علیہ الخ جملہ مستانفہ ہے جس کا مقصد پہلی عبارت کی وضاحت کرنا ہے اس طرح حاصل یہ ہوگا کہ یہ دین اسی سبب سے قائم رہے گا کہ مسلمانوں میں سے کوئی نہ کوئی جماعت اور کوئی نہ کوئی قوم ہمیشہ دین کے دشمنوں سے لڑتی رہے گی اور خدا کے باغیوں کا دعوی سرنگوں کرتی رہے گی۔

خدا کی راہ میں زخمی ہونے والا مجاہد قیامت کے دن اسی حال میں اٹھے گا

⑯ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُكْلَمُ اَحَدٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِيْ سَبِيْلِهٖ اِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجُرْحُهٗ يَثْعَبُ دَمًا اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّيْحُ الْمِسْكِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" جو شخص خدا کی راہ (یعنی جہاد) میں زخمی کیا جاتا ہے، اور خدا اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ میں زخمی کیا جاتا ہے تو وہ مجاہد قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہتا ہوگا اور اس خون کا رنگ خون کے رنگ کا سا ہوگا اور اس کی بو مشک کی خوشبو کی طرح ہوگی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

شہادت کی فضیلت

⑰ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ اَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا وَلَهٗ مَافِي الْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا الشَّهِيْدُ يَتَمَنّٰى اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا" جنت میں داخل ہونے والا کوئی شخص بھی یہ پسند نہیں کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور (جنت کی نعمتوں کے عوض دنیا کی تمام) چیزوں کو قبول کرے مگر شہید یہ آرزو کرتا ہے کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور دس بار خدا کی راہ میں شہید ہو کیونکہ وہ شہادت کی عظمت اور اس کے ثواب کو جانتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

شہداء کی حیات بعد الموت کے بارے میں آیت کریمہ کی تفسیر

⑱ وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْنَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ الْاٰيَةَ قَالَ اِنَّا قَدْ سَاَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَرْوَاحُهُمْ فِيْ اَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا قَنَادِيْلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ تَاْوِيْ اِلٰى تِلْكَ الْقَنَادِيْلِ فَاطَّلَعَ

اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ اِطِّلَاعَةً فَقَالَ هَلْ تَشْتَهُوْنَ شَیْئًا قَالُوْا اَیَّ شَیْءٍ نَشْتَهِیْ وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ شِئْنَا فَفَعَلَ ذٰلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا رَاَوْا اَنَّهُمْ لَنْ یُتْرَکُوْا مِنْ اَنْ یَسْئَلُوْا قَالُوْا یَا رَبِّ نُرِیْدُ اَنْ تَرُدَّ اَرْوَاحَنَا فِیْ اَجْسَادِنَا حَتّٰی نُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِكَ مَرَّةً اُخْرٰی فَلَمَّا رَاٰی اَنْ لَیْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِکُوْا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت مسروقؒ" (تابعی) کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھی۔ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون (الآیۃ) جو لوگ خدا کی راہ جہاد میں مارے گئے ہیں ان کو تم مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے الخ۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول کریم ﷺ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ (ان شہداء) کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قلب میں ہیں ان کے (رہنے) کے لئے عرش الٰہی کے نیچے (بمنزلہ گھونسلوں) کے قندیلیں لٹکائی گئی ہیں وہ (روحیں) بہشت میں سے جہاں سے ان کا جی چاہتا ہے میوے کھاتی ہیں پھر ان قندیلوں میں جا کر بسیرا کرتی ہیں تب پروردگار ان (شہداء) کی طرف جھانکتا ہے فرماتا ہے کہ "کیا تم کو کسی چیز کی خواہش ہے؟" وہ عرض کرتے ہیں "کہ ہم کس چیز کی خواہش کریں درانحالیکہ ہم بہشت میں سے جہاں سے ہمارا جی چاہتا ہے میوے کھاتے ہیں۔" اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تین مرتبہ یہی معاملہ کرتا ہے (یعنی تین بار ان سے یہی سوال کرتا ہے) اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہمیں پوچھے جانے والے سے چھوڑا نہیں جائے گا (یعنی جب وہ یہ جانتے ہیں کہ پروردگار کی مراد یہ ہے کہ ہم کسی خواہش کا اظہار کریں) تو وہ عرض کرتے ہیں کہ "اے ہمارے پروردگار! ہماری بس یہی خواہش ہے تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں واپس کر دے (اور ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے) تاکہ ہم ایک بار اور تیری راہ میں مارے جائیں" جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ ان کی کوئی (متعین) خواہش و حاجت نہیں ہے (کیونکہ انہوں نے جس خواہش کا اظہار کیا ہے اس کو پورا کرنا اللہ کے ارادہ اور مصلحت کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ ان کو پہلی ہی بار میں جو عظیم ثواب اور عظیم اجر ملا ہے اور اسی وجہ سے ان کی کوئی حاجت و خواہش نہیں ہے اگر وہ دوبارہ دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو وہی اجر و انعام انہیں دوبارہ بھی ملے گا اور اس کی انہیں حاجت ہی نہیں ہے کیونکہ شہید کا اجر و ثواب ایک ہی ہے جو انہیں حاصل ہے) تو ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ان سے پوچھنا چھوڑ دیتا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: کسی کے ذہن میں اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ ترجمہ میں بین القوسین عبارت کے مطابق اگر دوسری بار میں بھی پہلی ہی بار جیسا ثواب ملے تو پھر ان شہداء کی خواہش کا کیا فائدہ کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں واپس کر کے دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ ہم دوبارہ خدا کی راہ میں مارے جائیں۔

علماء نے اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ اس خواہش کے اظہار سے اس کی مراد حقیقت میں اپنی روحوں کو جسموں میں واپس کئے جانے کی درخواست کرنا نہیں ہے بلکہ ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کے ان انعامات و اکرامات کا شکر ادا کرنا ہے جس سے ان کو نوازا گیا "گویا اپنی اس خواہش کے ذریعے وہ یہ واضح کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے ہمیں اپنی جو نعمتیں عطا کی ہیں اور ہمیں جن عظیم درجات سے نوازا ہے اور ان کی وجہ سے ہم پر جو تیرا شکر ادا کرنا واجب ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ایک مرتبہ پھر دنیا میں واپس جائیں اور تیری راہ میں اپنی جان قربان کر دیں۔

یا پھر وہ اپنی اس خواہش کا اظہار اپنے گمان کے مطابق کرتے ہوں کہ ہم چونکہ دوسری مرتبہ میں اور زیادہ مستعدی ہمت اور جاں نثاری کے فزوں تر جذبے کے ساتھ خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کریں گے اس لئے کیا عجب کہ دوسری مرتبہ میں ہمیں اور زیادہ بہتر اور کامل تر جزا ملے لیکن نظام قدرت اور جاری معمول چونکہ اس کے خلاف ہے اور حق تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہے کہ ان کو دوسری مرتبہ میں وہی اجر ملے گا جو پہلی مرتبہ مل چکا ہے اور اس کی انہیں حاجت نہیں ہے تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیا جاتا ہے۔

تنبیہ: علماء نے یہ لکھا ہے کہ شہداء کی ارواح کو پرندوں کے قالب میں رکھنا ان ارواح کی عزت و توقیر اور تکریم کی بنا پر ہے جیسا کہ جواہرات کو ان کی حفاظت و احتیاط کے لئے صندوق میں رکھا جاتا ہے اور ساتھ ہی یہ مقصد ہوتا ہے کہ ان ارواح کو ان کے دنیاوی جسم کے بغیر اس صورت (یعنی پرندوں کے قلب میں جنّت میں داخل کیا جائے، چنانچہ وہ ارواح ان پرندوں کے قالب میں جنّت کے مرغزاروں میں سیر کرتی ہیں، وہاں کی فضاؤں میں گھومتی ہیں جنّت کی پاکیزہ ترین خوشبوؤں اور کیف آور ہواؤں سے لطف اندوز ہوتی ہیں، وہاں کے انوار و برکات کا مشاہدہ کرتی ہیں، وہاں کی نعمتوں اور لذتوں سے بہرہ اندوز ہوتی ہیں اور ان کو صرف ان ہی چیزوں کے ذریعہ ہمہ وقت کی خوش طبعی و آسودہ خاطری حاصل نہیں ہوتی بلکہ حق جل مجدہ کے مقرب ملائکہ کے قرب و جوار کی عظیم ترین سعادت بھی میسر ہوتی ہے جو بجائے خود سب سے بڑی نعمت اور فرحت و انبساط کا سبب ہے چنانچہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے کہ:

يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔

"وہ رزق دیئے جاتے ہیں اور جو کچھ خدا نے ان کو اپنے فضل سے بخش رکھا ہے اس میں خوش ہیں۔"

اس موقع پر یہ بات بطور خاص ملحوظ رہنی چاہئے کہ اس حدیث سے تناسخ (آواگون) کا نظریہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جو لوگ تناسخ کے قائل ہیں ان کے نزدیک تناسخ اس کو کہتے ہیں کہ "اس عالم میں روح کا کسی قالب و بدن میں لوٹنا" گویا ان کے نزدیک کسی قالب و بدن میں روح کے لوٹنے کا نظریہ آخرت سے متعلق نہیں ہے اور یہ یوں بھی ممکن نہیں ہے کہ ان کے نزدیک آخرت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ آخرت کے منکر ہیں۔

ایک بات اور اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ جنّت مخلوق ہے اور موجود ہے۔ جیسا کہ اہل سُنّت والجماعت کا مسلک ہے۔

جہاد، حقوق العباد کے علاوہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے

(۱۹) وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِيْهِمْ فَذَكَرَ لَهُمْ اَنَّ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْاِيْمَانَ بِاللّٰهِ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِيْ سَبِيْلِ يُكَفَّرُ عَنِّيْ خَطَايَايَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ اِنْ قُتِلْتَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ فَقَالَ اَرَأَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَيُكَفَّرُ عَنِّيْ خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَاَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ اِلَّا الدَّيْنَ فَاِنَّ جِبْرِيْلَ قَالَ لِيْ ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے صحابہؓ کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا اور (اس خطبہ میں) ان کو آگاہ کیا کہ "اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا سب سے بہتر اعمال ہیں۔" (یہ سن کر) ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! مجھے یہ بتائیے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے؟ رسول کریم ﷺ نے اس نے فرمایا کہ ہاں۔" بشرطیکہ تم اللہ کی راہ میں اس حال میں مارے گئے کہ تم (سختیوں پر) صبر کرنے والے ہو، ثواب کے طالب ہو اور پیٹھ دکھا کر بھاگنے والے نہ ہو بلکہ دشمن کے مقابلے پر جمے رہنے والے ہو۔" پھر رسول کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ "تم نے کیا کہا تھا؟ اس نے عرض کیا کہ "مجھے یہ بتائیں کہ اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" ہاں! بشرطیکہ تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کے طالب ہو اور پیٹھ دکھا کر بھاگنے والے نہ ہو بلکہ دشمن کے مقابلے پر جمنے والے ہو مگر دین (یعنی وہ قرض معاف نہیں ہوگا جس کی ادائیگی کی نیت ہی نہ ہو) اور مجھ سے جبرئیل علیہ السلام نے یہی فرمایا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: ایمان کا سب سے بہتر عمل ہونا تو ظاہر ہی ہے اس کے لئے کسی توضیح و تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ رہی جہاد کی بات تو اس عمل

(یعنی جہاد) کو اس اعتبار سے سب سے بہتر عمل فرمایا گیا ہے کہ تمام نیک اعمال میں یہی ایک عمل ایسا ہے جس کے ذریعہ اعلاء کلمۃ اللہ (اللہ کے دین کو سربلند کرنے) کا فریضہ سرانجام پاتا ہے، خدا کے باغیوں اور دین کے دشمنوں کی بیخ کنی ہوتی ہے، جان و مال کی قربانی پیش کی جاتی ہے اور مختلف قسم کی تکلیفیں مشقتیں اور پریشانیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں گویا یہ اعمال اللہ کے حضور میں اور اس کی راہ میں بندے کے جذبۂ عبودیت اور بندگی اور کمال ایثار و قربانی کا سب سے بڑا مظہر ہوتا ہے اور جو دوسری احادیث میں نماز کو سب سے بہتر عمل فرمایا گیا ہے تو وہ اس اعتبار سے ہے کہ نماز ہی ایک ایسا عمل ہے جس میں مداومت و ہمیشگی ہے اور جو ایک عمل ہونے کے باوجود عبادات کثیرہ پر مشتمل ہے۔

"مگر دین" کے بارے میں علامہ تورپشتیؒ لکھتے ہیں کہ یہاں "دین" سے مراد "مسلمانوں کے حقوق" ہیں لہٰذا اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جہاد سے حقوق العباد کے علاوہ تمام گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْقَتْلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُکَفِّرُ کُلَّ شَیْءٍ اِلاَّ الدَّیْنَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ "اللہ کی راہ (یعنی جہاد میں) مارا جانا، دین (حقوق العباد) کے علاوہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ بحری جہاز (پانی میں لڑی جانے والی جنگ) کے شہدا اس حکم سے مستثنیٰ ہیں یعنی ان کے ذمے جو حقوق العباد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی معاف کر دیتا ہے۔

وہ قاتل و مقتول جو جنت میں جائیں گے

(۲۱) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَضْحَکُ اللّٰہُ تَعَالٰی رَجُلَیْنِ یَقْتُلُ اَحَدُھُمَا الْاٰخَرَ یَدْخُلاَنِ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُ ھٰذَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیُقْتَلُ ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَی الْقَاتِلِ فَیُسْتَشْھَدُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ان دو شخصوں پر ہنستا ہے (یعنی ان سے ایک تو وہ ہے جو جنت میں داخل ہوتا ہے) پھر اللہ تعالیٰ اس کے قاتل کو توبہ کی توفیق عطا کرتا ہے (اور وہ کفر سے تائب ہو کر ایمان لے آتا ہے) اور پھر خدا کی راہ میں جہاد کر کے شہید ہو جاتا ہے (لہٰذا اس کو بھی جنت میں داخل کیا جاتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

شہادت کی طلب صادق کی فضیلت

(۲۲) وَعَنْ سَھْلِ بْنِ حُنَیْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاَلَ اللّٰہَ الشَّھَادَۃَ بِصِدْقٍ بَلَّغَہُ اللّٰہُ مَنَازِلَ الشُّھَدَاءِ وَاِنْ مَاتَ عَلٰی فِرَاشِہٖ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سہلؓ ابن حنیف کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص سچے دل (یعنی طلب صادق کے جذبے سے) اللہ تعالیٰ سے شہادت کا طالب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے شہیدوں کے درجہ پر پہنچاتا ہے اگرچہ وہ اپنے بستر پر مرے (یعنی وہ صدق نیت اور طلب صادق کی وجہ سے شہیدوں جیسا ثواب پاتا ہے۔" (مسلمؒ)

شہداء کا مسکن فردوس اعلیٰ ہے

(۲۳) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ الرُّبَیِّعَ بِنْتَ الْبَرَاءِ وَھِیَ اُمُّ حَارِثَۃَ بْنِ سُرَاقَۃَ اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَانَبِیَّ اللّٰہِ اَلاَ تُحَدِّثُنِیْ عَنْ حَارِثَۃَ وَکَانَ قُتِلَ یَوْمَ بَدْرٍ اَصَابَہُ سَھْمٌ غَرْبٌ فَاِنْ کَانَ فِی الْجَنَّۃِ صَبَرْتُ وَاِنْ کَانَ غَیْرَ ذٰلِکَ اجْتَھَدْتُ

عَلَیْهِ فِی الْبُکَاءِ فَقَالَ یَا اُمَّ حَارِثَةَ اِنَّهَا جِنَانٌ فِی الْجَنَّةِ وَاِنَّ ابْنَكِ اَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْاَعْلٰی۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (میری پھوپھی) حضرت ربیعؓ بنت براء جو حضرت حارثہؓ بن سراقہ کی ماں ہیں (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ (یا نبی اللہ! کیا آپ مجھ سے میرے بیٹے حارثہؓ کا حال بیان نہیں کریں گے اور حارثہؓ بدر کے دن (یعنی جنگ بدر میں) شہید ہوگئے اور ان کو ایسا تیر لگا تھا جس کا چلانے والا معلوم نہ ہوا کہ کون تھا، اگر وہ جنّت میں ہو تو میں صبر کروں اور اگر وہ کسی اور جگہ ہو تو میں رونے کی کوشش کروں (یعنی خوب رؤوں جیسا کہ عورتوں کی عادت ہے)" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "حارثہؓ کی ماں! حقیقت یہ ہے کہ جنت میں بہت سے باغ ہیں اور تمہارا بیٹا فردوس اعلیٰ میں پہنچا ہوا ہے (جو جنّت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے)۔" (بخاری)

شہید کی منزل جنّت ہے

(۲۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ حَتّٰی سَبَقُوا الْمُشْرِکِیْنَ اِلٰی بَدْرٍ وَجَاءَ الْمُشْرِکُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰی جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ قَالَ عُمَیْرُ بْنُ الْحُمَامِ بَخٍ بَخٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَایَحْمِلُكَ عَلٰی قَوْلِكَ بَخٍ بَخٍ قَالَ لَا وَاللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا رَجَاءَ اَنْ اَکُوْنَ مِنْ اَهْلِهَا قَالَ فَاِنَّكَ مِنْ اَهْلِهَا قَالَ فَاَخْرَجَ تَمَرَاتٍ مِنْ قَرْنِهٖ فَجَعَلَ یَاْکُلُ مِنْهُنَّ ثُمَّ قَالَ لَئِنْ اَنَا حَیِیْتُ حَتّٰی اٰکُلَ تَمَرَاتِیْ اِنَّهَا لَحَیَاةٌ طَوِیْلَةٌ قَالَ فَرَمٰی بِمَا کَانَ مَعَهٗ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتّٰی قُتِلَ۔ (رواہ مسلم)

"اور انسؓ کہتے ہیں (غزوہ بدر کے موقع پر) رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ (مدینہ سے) روانہ ہوئے اور مشرکوں سے پہلے بدر (کے میدان جنگ) میں پہنچ گئے پھر (جب اسلامی مجاہدین کے پہنچنے کے بعد) مشرکین کا لشکر آیا اور (مقابلہ کی تیاری شروع ہوئی) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جنّت کے راستے پر کھڑے ہو جاؤ، وہ جنّت جس کا عرض زمین و آسمان کے عرض کے برابر ہے، (ایک صحابی) حضرت عمیرؓ ابن حمام انصاری نے (یہ ارشاد سن کر کہا کہ "خوب! خوب!" یارسول اللہ ﷺ نے پوچھا، تم نے خوب خوب کیوں کہا؟ عمیرؓ نے کہا کہ "یارسول اللہ! میں نے یہ الفاظ (اظہار تعجب یا کسی اور مطلب سے نہیں کہے بلکہ میں نے (درحقیقت ان الفاظ کے ذریعہ اپنی اس آرزو کا اظہار کیا ہے کہ میں بھی جنّتی بنوں" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اس میں کوئی شک نہیں تم جنّتی ہو۔" راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمیرؓ نے سرکار دوعالمؐ کی زبان مبارک سے یا یہ بشارت سن کر اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان کو کھانا شروع کیا اور پھر کہنے لگے کہ اگر میں ان (ساری کھجوروں کو کھانے تک زندہ رہا تو زندگی طویل ہوگی چنانچہ انہوں نے ان کھجوروں کو جو ان کے پاس تھیں پھینک دیا اور کفار سے لڑنے لگے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "جنّت کے راستے پر کھڑے ہو جاؤ" کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل کی راہ کو اختیار کرو۔ جو جنّت میں لے جانے کا باعث ہے۔ اور وہ جہاد ہے۔

"جس کا عرض زمین و آسمان کے عرض کے برابر ہے" اس ارشاد کے ذریعہ درحقیقت جنّت کی وسعت و کشادگی کو بیان کرنا ہے چنانچہ اس مقصد کے لئے ایسی چیز (یعنی زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس سے زیادہ وسیع و عریض چیز انسان کے فہم میں اور کوئی نہیں آسکتی، نیز اس ارشاد میں صرف عرض کو ذکر کیا گیا ہے طول کو بیان نہیں کیا گیا تاکہ انسانی فہم خود اندازہ کرلے کہ جس چیز کا عرض اتنا ہے اس کے طول کا کیا حال ہوگا۔

"تم نے خوب خوب کیوں کہا" گویا آنحضرت ﷺ نے یہ خیال فرمایا کہ عمیرؓ نے جو یہ الفاظ کہے ہیں وہ بغیر کسی نیت و ارادہ کے اور بغیر سوچے سمجھے ان کی زبان سے ادا ہوئے ہیں جیسا کہ اس قسم کے الفاظ یا تو اس شخص کی زبان سے صادر ہوتے ہیں جو کسی کی کسی بات پر اپنے ہزل و مزاح اور استہزاء کا اظہار کرتا ہے۔ یا اپنے قتل کے خوف میں مبتلا ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جب عمیرؓ سے ان

الفاظ کی وضاحت طلب کی تو انہوں نے ان دونوں باتوں سے انکار کیا اور خدا کی قسم کھا کر اپنا اصل مطلب بیان کیا۔
"تو زندگی طویل ہوگی۔" سے حضرت عمیرؓ کی مراد یہ تھی کہ اگر میں ساری کھجوریں کھانے کا انتظار کروں اور جب تک جیوں تو زندگی طویل ہو جائے گی۔ جب کہ آرزو یہ ہے کہ اب ایک منٹ گنوائے بغیر خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کر دوں اور شہادت کا مرتبہ حاصل کر کے جنت کی راہ پکڑ لوں۔ گویا انہوں نے حصول شہادت کے شوق کی وجہ سے اپنی زندگی کو اور کفار سے نبرد آزمائی میں تاخیر کو اپنے حق میں وبال جانا۔

شہداء کی اقسام

(۲۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَاتَعُدُّوْنَ الشَّهِیْدَ فِیْكُمْ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ قَالَ اِنَّ شُهَدَاءَ اُمَّتِیْ اِذًا لَقَلِیْلٌ مَنْ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِی الطَّاعُوْنِ فَهُوَ شَهِیْدٌ وَمَنْ مات فِی الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِیْدٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو ہریرہ ﷺ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (صحابہؓ) سے پوچھا کہ تم اپنے آپ میں سے کس کو شہید شمار کرتے ہو؟" صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو شخص اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس صورت میں میری امت کے اندر شہیدوں کی تعداد کم ہو جائے گی جو شخص اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ تو (حقیقی شہید ہے) لیکن جو شخص اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں (بغیر قتل و قتال کے خود اپنی موت سے) مر جائے وہ بھی شہید ہے جو شخص وباء میں مرے وہ بھی شہید ہے اور جو شخص پیٹ کی بیماری (یعنی استسقاء اور اسہال وغیرہ) میں مرے وہ بھی شہید ہے یعنی یہ سب بھی حقیقی شہداء کے درجات وثواب میں ہیں نہ یہ کہ ان کے جمیع احکام میں۔ (مسلمؒ)

مجاہد کے اجر کی تقسیم

(۲۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ غَازِیَةٍ اَوْسَرِیَّةٍ تَغْزُوْ فَتَغْنَمُ وَتَسْلَمُ اِلاَّ کَانُوْا اقَدْ تَعَجَّلُوْا ثُلُثَیْ اُجُوْرِهِمْ وَمَامِنْ غَازِیَةٍ اَوْسَرِیَّةٍ تُخْفِقُ وَتُصَابُ اِلاَّ تَمَّ اُجُوْرُهُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جہاد کرنے والی جس جماعت یا جہاد کرنے والے جس لشکر نے جہاد کیا اور مال غنیمت لے کر صحیح و سالم واپس آگیا اس کو اس کا دو تہائی اجر جلدی یعنی اسی دنیا میں) مل گیا اور جہاد کرنے والی جس جماعت یا جہاد کرنے والے جس لشکر نے جہاد کیا اور نہ صرف یہ کہ اس کو مال غنیمت نہیں ملا بلکہ اس جماعت ولشکر کے لوگ زخمی کئے گئے یا شہید کر دیئے گئے تو ان کا اجر پورا باقی رہا۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اسلام کے جو مجاہد کفار سے جنگ کرنے کے لئے نکلیں گے ان کی تین صورتیں ہوں گی ایک تو یہ کہ وہ کفار سے جنگ کے بعد صحیح و سالم لوٹ کر بھی آئیں گے اور جو مال غنیمت ان کو ہاتھ لگے گا اس کے بھی حقدار ہوں گے۔ ایسے ہی مجاہدین کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت و مشقت کا دو تہائی اجر کہ سلامتی کے ساتھ لوٹنا اور مال غنیمت حاصل کرنا ہے اسی دنیا میں حاصل کر لیا ایک تہائی اجر جو باقی رہا ہے یعنی جہاد کا ثواب وہ انہیں قیامت کے دن ملیگا دوسرے یہ کہ جو مجاہد صحیح و سلامت لوٹ کر تو آئے مگر مال غنیمت ان کے ہاتھ نہیں لگا تو انہوں نے گویا اس دنیا میں ایک تہائی اجر پالیا ہے اور جو دو تہائی باقی رہا ہے وہ قیامت کے دن پائیں گے، تیسرے وہ مجاہد ہیں جنہوں نے جہاد کیا اور میدان جنگ میں زخمی ہو گئے یا شہید کر دیئے گئے اور ان کے ہاتھ مال غنیمت بھی نہیں لگا تو ان کا پورا اجر باقی ہے جو انہیں پوری طرح قیامت کے دن ملے گا۔

جس مؤمن کے دل میں جذبہ جہاد نہ ہو وہ منافق کی طرح ہے

(۲۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰی

شُعْبَةٍ مِنْ نَفَاقٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص (مؤمن) مرجائے اور جہاد نہ کرے اور نہ اس کے دل میں جہاد کرنے کا خیال گزرا ہو تو اس کی موت ایک طرح کے نفاق پر ہوگی۔" (مسلمؒ)

تشریح: اور نہ اس کے دل میں جہاد کرنے کا خیال گزرا ہو کا مطلب یہ ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ اپنی پوری زندگی میں کبھی جہاد نہیں کیا بلکہ کبھی جہاد کرنے کا قصد و ارادہ بھی نہیں کیا اور نہ کسی موقع پر یہ کہا کہ کاش! میں بھی جہاد کرتا اور چونکہ یہ منافقین کی خصلت ہے کہ وہ جہاد کے وقت منہ چھپا کر گھروں میں بیٹھ جاتے ہیں اور ان کے دل میں جہاد کرنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کے مطابق ایسا مؤمن بھی منافق کے مشابہ ہوا۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص کوئی واجب عبادت کرنے کی نیت و ارادہ کرے اور پھر اس عبادت کو کرنے سے پہلے مرجائے تو اس عبادت کے نہ کرنے کا وبال اتنا زیادہ اس کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا۔ جتنا اس صورت میں ظاہر ہوتا کہ وہ اس عبادت کے کرنے کی نیت بھی نہ کرتا اور مرجاتا۔

نیز نوویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہمارے علماء شوافع کا اس شخص کے بارے میں اختلاف اقوال ہے جو نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کرنے پر قادر ہو اور اس کو پڑھنے کی نیت بھی رکھتا ہو مگر اس کی ادائیگی میں تاخیر کرے اور اس نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے مرجائے اسی طرح حج کا معاملہ ہے کہ اس پر حج فرض ہو اور وہ شروع ہی میں اس فرض کی ادائیگی پر قادر تھا مگر اس میں تاخیر کی یہاں تک کہ مر گیا تو بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ نماز و حج دونوں صورتوں میں گناہ گار ہوگا۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ دونوں ہی صورتوں میں گناہ گار نہیں ہوگا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ حج کی صورت میں تو گنہ گار ہوگا لیکن نماز کی صورت میں گناہ گار نہیں ہوگا۔ حنفی علماء کا مسلک بھی اسی آخری قول کے مطابق ہے۔

حقیقی مجاہد کون ہے؟

(۲۸) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِلذِّکْرِ وَالرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِیُرٰی مَکَانُهٗ فَمَنْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَکُوْنَ کَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ایک تو وہ شخص ہے جو مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے ایک وہ شخص ہے جو ذکر یعنی آوازہ اور شہرت کہ جس کو سمعہ کہتے ہیں کے لئے جنگ کرتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جو اس لئے جنگ کرتا ہے تاکہ اس کا مرتبہ دیکھا جائے یعنی اپنی شجاعت و بہادری دکھانے کے لئے جنگ کرتا ہے کہ جس کو ریا کہتے ہیں تو ان تینوں میں کون اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اس لئے جنگ کرے تاکہ اللہ کا دین سربلند ہو حقیقت میں وہی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

عذر کی بنا پر جہاد میں نہ جانے والے کا حکم

(۲۹) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجَعَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَدَنَا مِنَ الْمَدِیْنَةِ فَقَالَ اِنَّ بِالْمَدِیْنَةِ اَقْوَامًا مَاسِرْتُمْ مَسِیْرًا وَلَا قَطَعْتُمْ وَادِیًا اِلَّا کَانُوْا مَعَکُمْ وَفِیْ رِوَایَةٍ اِلَّا شَرِکُوْکُمْ فِی الْاَجْرِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهُمْ بِالْمَدِیْنَةِ قَالَ وَهُمْ بِالْمَدِیْنَةِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ جَابِرٍ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آرہے تھے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو فرمایا کہ مدینے میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس سفر جہاد میں بظاہر تمہارے ساتھ نہیں تھے لیکن تم نے ایسا کوئی راستہ طے نہیں کیا اور کسی ایسی وادی و جنگل کو عبور نہیں کیا جس میں وہ تمہارے ساتھ نہ رہے ہوں یعنی ان کے جسم تو ان کے گھروں میں تھے لیکن ان کی دعائیں ان کے دل اور ان کی ہمتیں تمہارے ساتھ تھیں۔ اور ایک روایت میں اِلَّا کَانُوْا مَعَکُمْ یعنی جس میں تمہارے شریک نہ ہوں صحابہؓ نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اور وہ لوگ مدینہ ہی میں ہیں؟ یعنی جب کہ وہ ہمارے ساتھ جہاد میں نہیں گئے اور اپنے گھروں میں موجود رہے پھر وہ ہمارے ساتھ ———— کیسے رہے اور ہمارے اجر و ثواب میں کیسے شریک ہوئے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں وہ مدینہ میں ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اجر و ثواب میں تمہارے شریک ہیں کیونکہ ان کے عذر نے ان کو روکا ہے یعنی وہ اپنے اعذار کے سبب سے تمہارے ساتھ جہاد میں نہیں جاسکے ہیں۔ بخاریؒ اور مسلمؒ نے اس روایت کو حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: جو لوگ عذر کی بنا پر جہاد میں نہیں جاسکے اور مدینہ میں رہ گئے وہ جہاد کرنے والوں کے ثواب میں شریک تھے نہ یہ کہ مرتبہ و درجہ کے اعتبار سے وہ مجاہدین کے برابر تھے کیونکہ جن لوگوں نے بنفس نفیس جہاد میں شرکت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال کی قربانی پیش کی وہ افضل ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَةً۔

"مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ نے درجہ میں فضیلت بخشی ہے۔"

ماں باپ کی خدمت کا درجہ

(۳۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَاْذَنَهٗ فِى الْجِهَادِ فَقَالَ اَحَیٌّ وَالِدَاكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِیْهِمَا فَجَاهِدْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ فَارْجِعْ اِلٰى وَالِدَيْكَ فَاَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا۔ (بخاری و مسلم)

"اور حضرت عبداللہؓ ابن عمرو کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد پر جانے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا پھر تم انہیں کے درمیان رہ کر جہاد کرو یعنی پوری محنت و تندہی کے ساتھ ان کی خدمت کرو کہ تمہارے حق میں یہی جہاد ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ تو پھر اپنے ماں باپ کے پاس جاؤ اور ان کی صحبت کو بہتر بناؤ یعنی ان کی خدمت اور ان کے حقوق کی ادائیگی اچھی طرح کرو۔

تشریح: شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے جو حکم ثابت ہوتا ہے اس کا تعلق نفل جہاد سے ہے کہ جس شخص کے والدین زندہ ہوں اور مسلمان ہوں وہ ان کی اجازت کے بغیر نفل جہاد میں شرکت کے لئے گھر سے نہ جائے ہاں اگر جہاد فرض ہو تو پھر اس صورت میں ان والدین کی اجازت کی حاجت نہیں ہے۔ بلکہ اگر وہ منع بھی کریں اور جہاد میں جانے سے روکیں تو ان کا حکم نہ مانا جائے اور جہاد میں شریک ہو کر اپنا فرض ادء کیا جائے نیز اگر والدین کو خدا نے اسلام کی ہدایت نہ بخشی ہو اور وہ کافر ہوں تو جہاد میں شریک ہونے کے لئے ان کی اجازت کی کسی حال میں بھی حاجت نہیں ہے خواہ جہاد فرض ہو یا نفل اسی طرح علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر مسلمان ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو ناگوار خاطر ہو تو ان کی اجازت کے بغیر کسی بھی نفل عبادت جیسے نفل حج و عمرہ کے لئے نہ جائے اور نہ نفل روزہ رکھے۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت کی فرضیت، ختم ہوگئی

(۳۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ وَاِذَا

اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا اب فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت باقی ہے لہٰذا جب تم کو جہاد کے لئے بلایا جائے تو تم سب فوراً چلے جاؤ۔ کیونکہ نفیر عام کے موقع پر جہاد میں جانا فرض ہے اور اس فرض کی ادائیگی ہر ایک پر ضروری ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "ہجرت نہیں ہے کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے تو مکہ سے بلکہ ہر دار الکفر سے مدینہ کو ہجرت کرنی فرض عین تھی کیونکہ مدینہ میں دین کے نام لیواؤں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ ہر اعتبار سے بہت کمزور و ضعیف تھے لہٰذا ہجرت کو فرض قرار دیا گیا تاکہ ہر طرف سے مسلمان مدینہ پہنچ کر وہاں کے مسلمانوں کی مدد و اعانت کریں اور اس طرح مشرکوں اور خدا کے باغیوں کی طاقت زائل و مفلوج ہو پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے ذریعہ مسلمانوں کو عام غلبہ عطا فرمایا اور ان کی شوکت بڑھائی تو وہ علّت یعنی مدینہ کے مسلمانوں کا کمزور اور قلیل المقدار ہونا" زائل ہوگئی اور اس وقت سے ہجرت کی فرضیت ختم ہوگئی لیکن کچھ صورتوں میں ہجرت کا استحباب باقی ہے جیسے جہاد کے لئے اپنے وطن سے نکلنا حصول علم کی خاطر کسی دوسری جگہ چلے جانا اور دار الکفر و دار الفتنہ سے یا کسی ایسے ملک و شہر سے نکل بھاگنا جہاں بھلائیاں متروک ہوچکی ہوں اور برائیاں مروج ہوگئی ہوں۔

لیکن جہاد اور نیت باقی ہے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے دشمنوں اور خدا کے باغیوں کا دعویٰ سرنگوں کرنے کے لئے جہاد کی نیت رکھنے اور اخلاص عمل پیدا کرنے کا حکم باقی ہے حاصل یہ کہ ہجرت یعنی اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ چلے جانا پہلے ہر مسلمان پر فرض تھا پھر یہ حکم ختم ہوگیا لیکن جہاد کے سبب سے یا نیت صالحہ کی بنا پر کفار کے یا اور جاہل و بدعت اور فتنوں کے گڑھ سے نکل بھاگنے یا طلب علم کے لئے اپنا وطن چھوڑ دینا باقی رہا اور اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دین کی سربلندی کے لئے اُمت محمدی ﷺ کی کوئی نہ کوئی جماعت ہمیشہ برسر جہاد رہے گی

(۳۲) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَۃٌ مِنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ عَلَی الْحَقِّ ظَاھِرِیْنَ عَلٰی مَنْ نَاوَاھُمْ حَتّٰی یُقَاتِلَ اٰخِرُھُمُ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت عمرانؓ ابن حصین کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میری اُمت کی کوئی نہ کوئی جماعت ہمیشہ حق کی حمایت و حفاظت کے لئے برسر جنگ رہے گی اور جو بھی شخص اس جماعت سے دشمنی کریگا وہ اس پر غالب رہے گی، یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ مسیح دجال سے جنگ کریں گے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ اُمت کسی بھی زمانے میں ایسے سرفروشوں اور جانبازوں سے خالی نہیں رہے گی جو دین کی سربلندی حق کی حمایت و حفاظت اور ملت کے تحفظ کے لئے اپنے جان و مال کی قربانی پیش کریں گے اور دشمنان اسلام کا دعویٰ سرنگوں کریں گے وہیں یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ مجاہدین اسلام کے مقابلہ پر آنے والے کو آخر کار ہزیمت اور شکست کی رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا خواہ وہ کوئی فرد ہو یا کوئی جماعتی طاقت، ہوسکتا ہے کہ وقت کی نزاکت اور حالات کی رفتار کسی مرحلہ پر مسلمانوں کے لئے بظاہر کسی پسپائی کا موقعہ پیدا کردے لیکن آخر کار فتح و کامرانی مسلمانوں کا ہی نصیب بنے گی۔

اس اُمت کے آخری لوگ سے حضرت امام مہدیؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور ان کے تابعین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو قرب قیامت میں دجال کے ذریات سے جنگ کریں گے۔ اور آخر کار حضرت عیسیٰ اس کو فنا کے گھاٹ اتاریں گے، دجال کے قتل کے بعد پھر کوئی

جہاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ یاجوج ماجوج کے خلاف تو جہاد اس لئے نہیں ہوگا کہ ان سے جنگ کرنے کی طاقت کسی کو حاصل نہیں ہوں اور جب اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا تو پھر جب تک عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں موجود رہیں گے روئے زمین پر کوئی کافر باقی نہیں رہے گا آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بعض لوگ کافر ہو جائیں گے اور اس وقت تمام مسلمان ایک پاکیزہ ہوا کے ذریعہ وفات پا جائیں گے اور دنیا میں صرف کافر ہی رہ جائیں گے اس طرح جب قیامت آئے گی تو اس وقت روئے زمین پر کوئی بھی اللہ کا نام لیوا باقی موجود نہیں ہوگا۔ اس اعتبار سے بعض احادیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ لا تزال طائفة من امتي ظاهرين على الحق حتى تقوم الساعة یعنی میری اُمت کی کوئی نہ کوئی جماعت ہمیشہ حق کی حمایت و حفاظت کرتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو تو یہ قرب قیامت پر محمول ہے کہ قرب قیامت تک اس روئے زمین پر حق کی حفاظت کرنے والی کوئی نہ کوئی جماعت موجود رہے گی، چنانچہ حق کی حمایت میں حق والوں کا آخری معرکہ دجال سے ہوگا اور دجال کا خروج علامات قیامت میں سے ہے۔

جہاد میں کسی طرح سے بھی شرکت نہ کرنے والے کے بارے میں وعید

(۳۳) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَّمْ يَغْزُ وَلَمْ يُجَهِّزْ غَازِيًا اَوْ يَخْلُفْ غَازِيًا فِیْ اَهْلِهٖ بِخَيْرٍ اَصَابَهُ اللّٰهُ بِقَارِعَةٍ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے نہ تو (بنفس خود) جہاد کیا اور نہ کسی مجاہد کا سامان درست کیا اور نہ کسی غازی کے (جہاد میں ہونے کے دوران اس کے) اہل و عیال کے حق میں بھلائی کے ساتھ اس کا نائب بنا تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے پہلے دن کسی سخت مصیبت میں مبتلا کرے گا۔" (ابوداؤدؒ)

(۳۴) وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ۔

(رواہ ابوداؤد و النسائی والدارمی)

"اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا مشرکین یعنی دشمنان اسلام سے تم اپنی جان اپنے مال اور اپنی زبان کے ذریعہ جہاد کرو۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ، دارمیؒ)

تشریح: جان و مال کے ذریعہ جہاد کرنا تو یہ ہے کہ حق و باطل کے درمیان ہونے والے معرکہ کے موقع پر میدان جنگ میں اپنی جان کو پیش کرے اور زخمی ہو اور اپنے مال کو جہاد کی ضروریات میں خرچ کرے زبان کے ذریعہ جہاد کرنا یہ ہے کہ دشمنان اسلام کے عقائد و نظریات اور ان کے بتوں کی مذمت کرے ان کے حق میں بددعا کرے کہ انہیں حق کے مقابلہ پر ذلت و رسوائی اور شکست کا سامنا کرنا پڑے ان کو قتل و قید کرنے یا اسی طرح کی اور چیزوں سے ڈرائے دھمکائے مسلمانوں کی فتح و کامرانی اور ان کو مال غنیمت ملنے کی دعا کرے اور لوگوں کو جہاد میں شریک ہونے کی ترغیب دلائے۔

جنّت کے وارث

(۳۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاضْرِبُوا الْهَامَ تُوْرَثُوا الْجِنَانَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا سلام کو عام یعنی ہر آشنا و ناآشنا کو سلام کرو اور غریب و محتاج لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور کفار کے فتنہ و فساد کا سر کچلو جنّت کے وارث بنائے جاؤ گے اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

جہاد میں پاسبانی کی فضیلت

(۳۶) عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلٰى عَمَلِهِ اِلَّا الَّذِيْ مَاتَ مُرَابِطًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنَّهُ يُنْمٰى لَهُ عَمَلُهُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَاْمَنُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ۔

"اور حضرت فضالہ ابن عبید رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہر میت اپنے عمل پر اختتام پذیر ہوتی ہے یعنی ہر شخص کا عمل اس کی زندگی تک رہتا ہے مرنے کا بعد اس کا عمل بایں طور باقی نہیں رہتا کہ اس کو نیا ثواب ملتا رہے لیکن جو شخص اللہ کی راہ یعنی جہاد میں پاسبانی کرتا ہوا مرے تو اس کے لئے اس کا عمل قیامت کے دن تک بڑھادیا جاتا ہے اور قبر کے فتنہ و عذاب سے مامون رہتا ہے ترمذی، ابوداؤد اور دارمی نے اس روایت کو عقبہ ؓ ابن عامر سے نقل کیا ہے۔"

تشریح : اس کا عمل قیامت تک کے لئے بڑھادیا جاتا ہے کا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کو ہر لحظہ اس کے اس عمل کا نیا ثواب ملتا رہتا ہے کیونکہ اس نے ایک ایسے عمل پر اپنی جان نذر کی ہے جس کا فائدہ ہمیشہ مسلمانوں کو پہنچتا رہے گا اور وہ عمل ہے دین کو زندہ سربلند رکھنا جو اس شخص نے جہاد میں پاسبانی کے ذریعہ سے مسلمانوں کو دشمنوں سے محفوظ و محتاط رکھ کر انجام دیا۔

جہاد میں شرکت کرنے والے کی فضیلت

(۳۷) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ جُرِحَ جُرْحًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْنُكِبَ نَكْبَةً فَاِنَّهَا تَجِيْئُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَاَغْزَرِ مَا كَانَتْ لَوْنُهَا الزَّعْفَرَانُ وَرِيْحُهَا الْمِسْكُ وَمَنْ خَرَجَ بِهٖ خُرَاجٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنَّ عَلَيْهِ طَابَعَ الشُّهَدَاءِ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت معاذ ؓ ابن جبل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد میں اونٹنی کے فواق کے بقدر (یعنی تھوڑی دیر کے لئے بھی لڑا اس کے لئے ابتداءً ہی جنت واجب ہوگئی جو شخص اللہ کی راہ (جہاد) میں دشمنوں کے ہتھیاروں سے زخمی ہوا یا وہ کسی زخم کی تکلیف میں مبتلا ہوا تو وہ زخم قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا جیسا کہ وہ دنیا میں تھا (یعنی وہ شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا وہ زخم زیادہ تازہ حالت میں ہوگا) اور اس زخم کا رنگ زعفران جیسا اور اس کی بو مشک جیسی ہوگی اور جس شخص کے بدن میں اللہ کی راہ (جہاد) میں پھوڑا نکلا تو قیامت کے دن اس پھوڑے پر یا پھوڑے والے پر شہیدوں کی مہر ہوگی یعنی اس شخص کے ساتھ شہیدوں کی علامت ہوگی تاکہ جانا جائے کہ اس شخص نے دین کی سربلندی و حفاظت کے لئے جدوجہد کی تھی چنانچہ اس کو وہی اجر و انعام دیا جائے گا جو مجاہدین اسلام کو ملے گا۔"

تشریح : فواق اس وقفہ کو کہتے ہیں جو اونٹنی کے دودھ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے یعنی پہلے ایک مرتبہ اونٹنی کا دودھ دوہا اس کے بعد پھر تھوڑی دیر میں پھر دوہا ان دونوں مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان جو وقفہ ہوتا ہے اس کو عربی میں فواق کہتے ہیں یہاں حدیث میں "فواق" سے مراد تھوڑی دیر ہے۔

جہاد میں اپنا مال و اسباب خرچ کرنے کی فضیلت

(۳۸) وَعَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْفَقَ نَفَقَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كُتِبَ لَهُ بِسَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت خریم ؓ ابن فاتک کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص خدا کی راہ یعنی جہاد میں اپنے مال میں سے جو کچھ بھی خرچ

کرے گا اس کے لئے سات سو گنا ثواب لکھا جائے گا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: خدا کی راہ میں اپنے مال و اسباب کو خرچ کرنے کا جو ثواب ہے اس کا ادنیٰ درجہ یہاں ذکر کیا گیا ہے کہ جہاد میں خرچ کیا جانے والا مال اپنے مالک کو سات سو گنا ثواب کا حقدار کرے گا ویسے یہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر موقوف ہے کہ وہ جس کو چاہے گا اس سے بھی زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔

(۳۹) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَاتِ ظِلُّ فُسْطَاطٍ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَنْحَةُ خَادِمٍ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ طَرُوْقَةُ فَحْلٍ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بہترین صدقہ اس خیمہ کا سایہ ہے جو خدا کی راہ میں یعنی کسی مجاہد یا حاجی اور یا طالب علم دین وغیرہ کو دیا جائے اور بہترین صدقہ وہ خادم ہے۔ جو خدا کی راہ میں (کلیۃً یا عاریۃً) دیا جائے اور بہترین صدقہ اللہ کی راہ میں ایسی اونٹنی کا دینا ہے جو نر کی جفتی کے قابل ہو یعنی خدا کی راہ میں ایسی اونٹنی کا دینا افضل ہے جو نر کے ساتھ جفتی کی عمر کو پہنچ گئی ہے تاکہ وہ سواروں کے کام آسکے۔" (ترمذیؒ)

مجاہد کی فضیلت

(۴۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَلِجُ النَّارَ مَنْ بَكٰى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَتّٰى يَعُوْدَ اللَّبَنُ فِی الضَّرْعِ وَلَا يَجْتَمِعُ عَلٰى عَبْدٍ غُبَارٌ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَزَادَ النَّسَائِیُّ فِیْ اُخْرٰى فِیْ مَنْخَرَیْ مُسْلِمٍ اَبَدًا وَفِیْ اُخْرٰى لَهٗ فِیْ جَوْفِ عَبْدٍ اَبَدًا وَلَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِيْمَانُ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا وہ شخص دوزخ میں نہیں جائے گا جو خدا کے خوف سے رویا ہو یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس نہ چلا جائے اور کسی بندے میں اللہ کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں یک جا نہیں ہو سکتے یعنی جس مسلمان کا جسم خدا کی راہ یعنی جہاد میں غبار آلود ہوا اس کو دوزخ کا دھواں چھو بھی نہیں سکتا۔ حاصل یہ کہ مجاہد دوزخ میں نہیں جائے گا۔ (ترمذیؒ) اور نسائی نے ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ اور کسی مسلمان کی ناک کے دونوں نتھنوں میں خدا کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں کبھی بھی یک جا نہیں ہو سکتے اور نسائی ہی کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بندے کے پیٹ میں خدا کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں کبھی بھی یک جا نہیں ہو سکتے اور کسی بندے کے دل میں (کامل) ایمان اور بخل کبھی بھی یک جا نہیں ہو سکتے۔"

تشریح: یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس نہ چلا جائے یہ جملہ تعلیق بالمحال کے طور پر ہے یعنی جس طرح دوہے ہوئے دودھ کا تھنوں میں واپس جانا محال ہے۔ اس طرح اس شخص کا دوزخ میں جانا محال ہے۔

(۴۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو دوزخ کی آگ چھو بھی نہ سکے گی ایک تو وہ آنکھ جو خدا کے خوف سے روئی ہو۔ اور دوسری وہ آنکھ ہے جس نے خدا کی راہ یعنی جہاد میں کفار سے مجاہدین کی نگہبانی کرتے ہوئے رات گزاری ہو۔" (ترمذیؒ)

جہاد کی برتری و فضیلت

(۴۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِعْبٍ فِيْهِ عُيَيْنَةٌ مِنْ مَاءٍ عَذْبَةٍ

فَاَعْجَبَتْهُ فَقَالَ لَوِ اعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَاَقَمْتُ فِيْ هٰذَا الشِّعْبِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَاتَفْعَلْ فَاِنَّ مَقَامَ اَحَدِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ سَبْعِيْنَ عَامًا اَلَاتُحِبُّوْنَ اَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ اُغْزُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران رسول کریم ﷺ کے ایک صحابیؓ پہاڑی کے درہ سے گزرے جس میں شیریں پانی کا ایک چشمہ تھا تو وہ چشمہ ان کو بہت اچھا لگا وہ کہنے لگے کہ کاش میں لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلوں اور اس درے میں آرہا؟ جب رسول کریم ﷺ کے سامنے اس بات کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے ان صحابی سے فرمایا کہ تم ایسا نہ کرنا کیونکہ تم میں سے کسی شخص کا اللہ کی راہ یعنی جہاد میں قیام کرنا اس کا گھر میں ستر برس نماز پڑھنے سے بہتر ہے کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کامل طور پر بخش دے اور تمہیں ابتداءً ہی میں جنت میں داخل کردے خدا کی راہ میں جہاد کرو کیونکہ جس شخص نے خدا کی راہ میں اونٹنی کے فواق کے بقدر (یعنی تھوڑی دیر کے لئے بھی) جہاد کیا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔" (ترمذی)

تشریح: ستر برس سے تحدید مراد نہیں ہے بلکہ کثرت مراد ہے چنانچہ یہ ارشاد گرامی اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

مقام الرجل فی الصف فی سبیل اللّٰہ افضل عند اللّٰہ من عبادۃ الرجل ستین سنۃ۔

"کسی شخص کا اللہ کی راہ میں دشمن کے مقابلہ پر صف میں کھڑا ہونا خدا کے نزدیک کسی شخص کی ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔"

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے چونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے گوشہ گزینی اختیار کرنے اور جنگل و کوہستان میں عبادت خداوندی میں مشغول رہنے سے بخشش و مغفرت حاصل نہیں ہوتی اس لئے علماء اس ارشاد گرامی کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ چونکہ اس زمانے میں جہاد واجب تھا۔ اور کسی نفل کے لئے واجب کو ترک کرنا گناہ ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ ان صحابیؓ پر گویا یہ واضح کیا کہ اگر تم نے دنیا اور دنیا والوں سے ترک تعلق کر کے اس پہاڑی درے میں گوشہ گزینی اختیار کی اور اگرچہ اس کا مقصد محض مکمل تنہائی و خلوت میں خدا کی عبادت میں مشغول رہنا ہو تو اس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ تم ان بہت سی سعادتوں اور فضیلتوں سے محروم رہ جاؤ گے جو دنیا والوں کے درمیان رہ کر دینی فرائض و ذمہ داریوں کو انجام دینے کی صورت میں حاصل ہوتی ہیں بلکہ تمہارا یہ نفل عمل ایک واجب عمل اور ایک اہم دینی فریضہ یعنی جہاد کے ترک کا باعث بھی ہوگا جس سے تم گنہ گاروں کے زمرے میں شامل ہو جاؤ گے۔ علاوہ ازیں جیسا کہ ترجمہ میں واضح کیا گیا ہے اس ارشاد گرامی سے کامل مغفرت اور ابتداءً جنت میں جانے والوں کے ساتھ جنت میں داخل ہونے پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کے درمیان رہنا گوشہ گزینی سے افضل ہے خصوصاً آنحضرت ﷺ کے زمانہ سعادت نشان میں تو یہ افضلیت کہیں زیادہ تھی البتہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے بعد کبھی کبھی گوشہ گزینی ہی کو افضلیت حاصل ہوتی ہے جب کہ لوگوں کے درمیان رہنے سے فتنہ و شر کے غلبہ کا خوف ہو۔

جہاد میں پاسبانی کی فضیلت

(۴۳) وَعَنْ عُثْمَانَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ يَوْمٍ فِيْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

"اور حضرت عثمان رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ یعنی جہاد میں کفر کی سرحدوں پر ایک دن کے

لئے بھی پاسبانی کی خدمت اس (پاسبانی کے) منصب وخدمت کے علاوہ اور عبادتوں کے میں ہزار دن تک مشغول رہنے سے بہتر ہے۔" (ترمذی ونسائی)

تشریح: "اس منصب وخدمت کے علاوہ" کے ذریعہ اقامت دین کے لئے خدا کی راہ میں جدوجہد کرنے کی خدمت کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

بظاہر اس حدیث کا تعلق اس شخص سے ہے جو جہاد میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت ونگہبانی کی خدمت پر مامور کیا گیا ہو اور پاسبانی کی ذمہ داریوں کو انجام دینا اس پر واجب ہو کیونکہ اس شخص کا اس مفوضہ خدمت کے علاوہ کسی اور عبادت وغیرہ میں مشغول ہونا معصیت ہے اگرچہ وہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں مسجد ہی میں کیوں نہ بیٹھے کہ اس عمل کی بھی بہت فضیلت ہے اور اس کو بھی رباط کہا گیا ہے۔

شہداء ابتداءً ہی جنّت میں داخل کئے جائیں گے

(۴۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَیَّ اَوَّلُ ثَلَاثَةٍ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ شَهِیْدٌ وَعَفِیْفٌ مُتَعَفِّفٌ وَعَبْدٌ اَحْسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ وَنَصَحَ لِمَوَالِیْهِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرے سامنے وہ پہلے تین شخص پیش کئے گئے جو شروع ہی میں جنت میں داخل ہوں گے ان میں سے ایک شخص تو شہید ہے دوسرا وہ شخص ہے جو حرام سے بچے اور سوال نہ کرے (یعنی فسق وفجور سے بچنے والا اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے والا) اور تیسرا شخص وہ غلام ہے جس نے اپنے اللہ کی بھی اچھی اطاعت وعبادت کی اور اپنے مالکوں کا بھی خیر خواہ رہا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: پہلے تین شخص سے مراد یہ ہے کہ بالکل شروع میں جنت میں جو تین تین شخص داخل ہوں گے ان میں سے یہ تین شخص پہلے داخل ہوں گے لیکن انبیاء کے بعد کیونکہ انبیاء سب سے مقدم ہوں گے اور وہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے نیز تین تین شخص سے تین تین جماعتیں مراد ہیں۔

افضل مجاہد اور افضل شہید

(۴۵) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حُبْشِیٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقِیَامِ قِیْلَ فَاَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ قِیْلَ فَاَیُّ الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ هَجَرَ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ قِیْلَ فَاَیُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ جَاهَدَ الْمُشْرِکِیْنَ بِمَالِهٖ وَنَفْسِهٖ قِیْلَ فَاَیُّ الْقَتْلِ اَشْرَفُ قَالَ مَنْ اُهْرِیْقَ دَمُهٗ وَعُقِرَ جَوَادُهٗ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَفِیْ رِوَایَةِ النَّسَائِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اِیْمَانٌ لَاشَکَّ فِیْهِ وَجِهَادٌ لَاغُلُوْلَ فِیْهِ وَحَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ قِیْلَ فَاَیُّ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ ثُمَّ اتَّفَقَا فِی الْبَاقِیْ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن حبشی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ نماز کے اعمال (ارکان) میں سے کونسا عمل (رکن) افضل ہے آپ ﷺ نے فرمایا طویل قیام کرنا پوچھا گیا کون سا صدقہ افضل ہے فرمایا مفلس ومحتاج اپنے فقر وافلاس کے باوجود محنت ومشقت کر کے نکالے پوچھا گیا کون سی ہجرت بہتر ہے فرمایا اس شخص کی ہجرت جو اس چیز کو چھوڑ دے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے یعنی اگرچہ ہجرت کے معنی دار الکفر کو چھوڑ کر دار الاسلام میں چلے جانا ہیں لیکن حرام چیزوں کو چھوڑ کر حلال چیزوں کو اختیار کرنا بھی ہجرت ہی کہلاتا ہے بلکہ یہی ہجرت بہتر ہے پوچھا گیا کون سا جہاد بہتر ہے فرمایا اس شخص کا جہاد جو اپنے مال اور اپنی جان کے ذریعہ مشرکین سے جہاد کرے پوچھا گیا جہاد میں

کون سامارا جانا بہتر ہے یعنی کون ساشہید افضل ہے فرمایا اس شخص کا مارا جانا جس کا خون بہایا جائے اور جس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹی جائیں یعنی وہ شہید افضل ہے جو خود بھی مارا جائے اور اس کا گھوڑا بھی مارا جائے ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں یوں ہے کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اعمال میں کون سا عمل افضل ہے آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایمان جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہ ہو۔ وہ جہاد جس میں حاصل شدہ مال غنیمت کے بارے میں کسی طرح کی خیانت نہ کی گئی ہو اور حج مقبول پھر پوچھا گیا کہ نماز میں کونسی چیز افضل ہے؟ فرمایا قیام کو طویل کرنا اس کے بعد حدیث کے الفاظ ابوداؤد و نسائی نے یکساں نقل کئے ہیں۔"

تشریح: جو اپنے جان اور مال کے ذریعہ الخ کا مطلب یہ ہے کہ وہی جہاد افضل ہے جس میں مجاہد نے اپنا مال و اسباب اور اپنا روپیہ پیسہ بھی اپنے اور دوسرے مجاہدین کی ضروریات جہاد میں صرف کیا ہو اور میدان جنگ میں اپنی جان کو بھی پیش کیا ہو یہاں تک کہ زخمی ہوا اور مارا گیا۔

افضل اعمال کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ احادیث میں افضل اعمال کے تعین و بیان کے سلسلے میں مختلف ارشاد منقول ہیں کہیں کسی عمل کو افضل فرمایا گیا ہے اور کہیں کسی عمل کو اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے افضل عمل کے بارے میں کئے جانے والے سوالات کے جوابات سائل کی حیثیت اور اس کے احوال کے مناسب ارشاد فرمائے چنانچہ جس سائل میں تکبر و درشتی کے آثار دیکھے اس کو جواب دیا کہ سب سے بہتر عمل تواضع و نرم خوئی ہے جیسے سلام کو ظاہر کرنا اور نرم گوئی اختیار کرنا ۔ جس سے سائل میں بخل اور خست کے آثار پائے ان سے فرمایا کہ سب سے بہتر عمل سخاوت ہے جیسے محتاجوں اور فقیروں کو کھانا کھلانا وغیرہ اسی طرح جس سائل میں عبادت کے معاملے میں سستی کے آثار پائے اس کو جواب دیا کہ سب سے بہتر عمل تہجد کی نماز ہے غرضیکہ جس سائل کو جس حالت میں پایا اس کا جواب اسی کے مناسب حال دیا۔ اس اعتبار اعمال کی افضلیت کی مراد گویا در حقیقت سائل......کے حق میں ہے کہ مثلاً جس سائل میں بخل و خست کی خصلتیں تھیں اس کے حق میں سب سے بہتر عمل سخاوت ہی تھا یا پھر یہ کہا جائے گا کہ جس موقع پر جس عمل کو سب سے بہتر عمل فرمایا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ عمل افضل اعمال میں سے ایک افضل عمل ہے۔

شہداء پر حق تعالیٰ کے انعامات

(۴۶) وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلشَّهِيْدِ عِنْدَ اللّٰهِ سِتُّ خِصَالٍ يُغْفَرُ لَهٗ فِيْ اَوَّلِ دَفْعَةٍ وَيُرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَيَاْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ وَيُوْضَعُ عَلٰى رَاْسِهٖ تَاجُ الْوَقَارِ اَلْيَاقُوْتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَيُزَوَّجُ ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ زَوْجَةً مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ وَيُشَفَّعُ فِيْ سَبْعِيْنَ مِنْ اَقْرِبَائِهٖ۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

"اور حضرت مقدام ابن معدیکرب ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا حق تعالیٰ کے ہاں شہید کے لئے چھ امتیازی انعامات ہیں۔ ① اس کو پہلی مرتبہ میں ہی (یعنی اس کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی) بخش دیا جاتا ہے ② اس کو جان نکلتے وقت ہی جنت میں اپنا ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے ③ وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے ④ وہ بڑی گھبراہٹ یعنی آگ کے عذاب سے مامون رہے گا ⑤ اس کے سر پر عظمت و وقار کا تاج رکھا جائے گا جس کا یاقوت دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر و گرانمایہ ہو گا ⑥ اس کی زوجیت میں بڑی آنکھوں والی بہتر حوریں دی جائیں گی اور اس کے عزیز و اقرباء میں سے ستر آدمیوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔"

جہاد میں شرکت نہ کرنے والے کے بارے میں وعید

(۴۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ بِغَيْرِ اَثَرٍ مِنْ جِهَادٍ لَقِيَ اللّٰهَ وَفِيْهِ ثُلْمَةٌ۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور اس حال میں حاضر ہو گا کہ اس پر جہاد کا کوئی اثر نہیں ہو گا تو وہ گویا اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کا دین ناقص ہو گا۔" (ترمذیؒ ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "اثر" سے مراد "علامت و نشان" ہے حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اس حال میں اس دنیا سے رخصت ہو گا کہ نہ تو اس کے جسم پر جہاد کی کوئی علامت ہو گی جیسے زخم یا غبار راہ یا کسی اور جسمانی تکلیف کا کوئی نشان۔ اور نہ اس کے نامہ اعمال میں شرکت جہاد کا کوئی ثبوت ہو گا جیسے جہاد اور مجاہدین کی ضرورت میں اپنا مال خرچ کرنا یا مجاہدین کو سامان جہاد مہیا کرنا تو وہ گویا اس حالت پر مرے گا کہ اس کے دین میں رخنہ ہو گا ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق اس شخص سے ہو جس پر جہاد فرض ہوا اور وہ نہ صرف یہ کہ اس فرض کی ادائیگی سے عملی طور پر محروم رہا ہو بلکہ اس نے جہاد میں شریک ہونے اور مستعد رہنے کا ارادہ بھی نہ کیا ہو۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہاں جس "جہاد" کا ذکر کیا گیا ہے اس سے کفار کے مقابلہ میں لڑی جانے والی جنگ بھی مراد ہے اور اپنے نفس و شیطان سے لڑنا بھی مراد ہے جس کو مجاہدہ کہتے ہیں، چنانچہ اس کی تائید حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو آگے آرہی ہے۔

شہید، قتل کی اذیت سے محفوظ رہتا ہے

(۲۸) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الشَّھِیْدُ لَایَجِدُ اَلَمَ الْقَتْلِ اِلَّا کَمَا یَجِدُ اَحَدُکُمْ اَلَمَ الْقَرْصَۃِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا شہید اپنے قتل کی بس اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی تکلیف تم میں سے کوئی شخص چیونٹی کے کاٹنے پر محسوس کرتا ہے ترمذی، نسائی، دارمی، اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہ اس شہید کا حال بیان کیا گیا ہے جو خدا کی راہ میں اپنی جان دینے میں لذت و کیف محسوس کرتا ہے اور اس قربانی پر اس کا نفس خوش و مطمئن ہوتا ہے لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ مراد یہ ہو کہ شہید کو موت کے بعد حق تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں کی وجہ سے جو لذتیں حاصل ہوتی ہیں ان کی بہ نسبت اس کو اپنے قتل کی تکلیف چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف سے زیادہ محسوس نہیں ہوتی لہٰذا دانا مؤمن کو چاہئے کہ وہ خدا کی راہ میں جان دینے سے نہ گھبرائے اور نہ ڈرے بلکہ ہنسی خوشی کے ساتھ شہادت کو گلے لگائے۔

جہاد میں مؤمن کا بہنے والا قطرۂ خون خدا کے نزدیک محبوب ترین چیز ہے

(۲۹) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ قَطْرَتَیْنِ وَاَثَرَیْنِ قَطْرَۃُ دُمُوْعٍ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ وَقَطْرَۃُ دَمٍ یُھْرَاقُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاَمَّا الْاَثَرَانِ فَاَثَرٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاَثَرٌ فِیْ فَرِیْضَۃٍ مِنْ فَرَائِضِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا خدا کے نزدیک دو قطروں اور دو نشانوں سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہے ایک تو خدا کے خوف سے بہا ہوا آنسوؤں کا قطرہ ہے اور دوسرا قطرہ خون ہے جو خدا کی راہ میں بہایا گیا ہو۔ اور دو نشانوں میں سے ایک نشان تو وہ ہے جو اللہ کی راہ میں قائم ہوا ہو۔ اور دوسرا نشان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کی ہوئی چیزوں میں سے کسی فرض چیز کے سلسلے میں پیدا ہوا ہو امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: اللہ کی راہ میں قائم ہونے والے نشان کا مطلب یہ ہے کہ جیسے مجاہد جہاد میں جائے اور راستہ میں اس کے قدم کے نشان پڑ جائیں یا اس کے جسم پر غبار راہ کا اثر قائم ہو جائے یا اس کے بدن پر کوئی زخم آجائے اور یا طلب علم دین کے کپڑوں یا جسم کے کسی حصہ پر روشنائی کے داغ دھبے پڑ جائیں کہ علم دین کی راہ بھی خدا ہی کی راہ ہے اور اس راہ کا راہی بھی مجاہد ہی کی طرح ہے۔

کسی فرض چیز کے سلسلے میں پیدا ہونے والے نشان کا مطلب یہ ہے کہ جیسے جاڑے کے موسم میں وضو کی وجہ سے نمازی کے ہاتھ پیر پھٹ جائیں، نماز میں سجدوں کی وجہ سے پیشانی پر داغ پڑ جائے یا گرمی میں سجدہ کے وقت تپتے ہوئے فرش سے نمازی کی پیشانی جل جائے اور اس کا کوئی دھبہ پڑ جائے، یا روزے میں روزے دار کے منہ سے بو آنے لگے اور یا سفر حج میں حاجی کے بدن پر راستے کی گرد و غبار کی تہیں جم جائیں۔

بلاضرورت شرعی بحری سفر کی ممانعت

(۵۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاتَرْکَبِ الْبَحْرَ اِلَّاحَاجًّا اَوْمُعْتَمِرًا اَوْغَازِیًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا وَتَحْتَ النَّارِ بَحْرًا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم بارادہ حج یا عمرہ اور یا اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے جانے کے علاوہ دریا میں سفر نہ کرو کیونکہ دریا کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے دریا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ پانی میں سفر کرنا ایک خطرناک مہم ہے اور عقلمند آدمی کو چاہئے کہ وہ اس خطرناک مہم کے ذریعہ اپنے آپ کو ہلاکت و خوف میں نہ ڈالے کیونکہ کسی شرعی ضرورت کی بناء پر کہ جو تقرب بارگاہ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے کسی خطرناک و ہلاکت خیز مہم میں اپنے آپ کو ڈالنا ایک مستحسن فعل ہے لیکن بلاضرورت شرعی ایسا کوئی بھی فعل عقل و دانش کے منافی ہے۔

اس حدیث سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ترک حج کے لئے سمندر و دریا ایک عذر شرعی ہے چنانچہ اس سلسلے میں سب سے بہتر اور قابل عمل بات مشہور فقیہ حضرت ابواللیث سمرقندی کی ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ جب دریائی سفر میں سلامتی کا پہلو غالب ہو تو حج پر جانا فرض ہوتا ہے اور اگر سلامتی کا پہلو غالب نہ ہو تو پھر حج کا ارادہ کرنے والا مختار ہے کہ اگر اس کو ہمت ساتھ نہ دے تو نہ جائے اور اگر وہ سلامتی کا ظن غالب نہ ہونے کے باوجود جانا چاہے تو چلا جائے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس موقع پر اس آیت کریمہ:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ۔

"اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی و ہلاکت میں مت ڈالو۔"

کے بارہ میں بھی یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ آیت اس صورت پر محمول ہے جب کہ اس جگہ کوئی شرعی غرض اور دینی کام نہ ہو چنانچہ اسی لئے بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں تباہی و ہلاکت کی کچھ صورتیں بیان کی ہیں کہ جیسے اپنے مال کا اسراف کرنا یا اپنی معاش کے ذریعہ مثلاً نوکری یا تجارت وغیرہ کو اپنے ہاتھوں ضائع و ختم کر دینا اور جہاد میں شرکت کرنے یا اپنا مال خرچ کرنے سے باز رہنا اور اصل دشمن کو قوت پہنچانا اور ان کو اپنی ہلاکت کے لئے اپنے اوپر مسلط کر لینا ہے۔

"دریا کے نیچے آگ ہے" اس جملہ کا مقصد لوگوں کو سمندر و دریا سے ڈرانا اور اس بات کو اہمیت کے ساتھ بیان کرنا ہے کہ سمندر و دریا کے سفر میں بڑا خطرہ ہے کیونکہ سمندر و دریا میں سفر کرنے والا مختلف قسم کے آفات سے دوچار رہتا ہے اور خصوصاً پہلے زمانے میں تو پانی کا سفر اپنے دامن میں بہت ہی خطرے رکھتا تھا اور مسافرں کو یکے بعد دیگرے ایسی مختلف خطرناک صورت حال سے دوچار ہونا پڑتا تھا جس کی وجہ سے ہر لمحے موت و ہلاکت بالکل سامنے کھڑی نظر آتی تھی۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کو اس کے اصل معنی پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

پانی کے سفر میں مرنے والا شہید کا درجہ پائے گا

(۵۱) وَعَنْ اُمِّ حَرَامٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَائِدُ فِی الْبَحْرِ الَّذِیْ یُصِیْبُہُ الْقَیْئُ لَہٗ اَجْرُ شَھِیْدٍ وَالْغَرِیْقُ

لَهٗ اَجْرُ شَهِيْدَيْنِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور اُمّ حرامؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا دریا و سمندر کے سفر میں جس شخص کا سر گھومنے لگے اور اس کی وجہ سے اس کو قے ہو تو اس کو ایک شہید کا ثواب ملے گا اور جو شخص سفر کے دوران دریا میں ڈوب جائے تو اس کو دو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔"
(ابوداؤدؒ)

تشریح: ان دونوں کو شہید کا ثواب اس صورت میں ملے گا جب کہ وہ جہاد کے لئے یا طلب علم اور حج جیسے مقاصد کے لئے کشتی وغیرہ کے ذریعہ دریا و سمندر میں سفر کر رہا ہو نیز اگر اس کے سفر کا مقصد تجارت ہو اور اس تجارت کی غرض محض اپنے جسم کو زندہ و طاقت ور رکھنا اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی کو پورا کرنا ہو اور وہ تجارت اس دریائی سفر کے بغیر ممکن الحصول نہ ہو تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے۔

جہاد میں کسی بھی طرح مرنے والا شہید ہے

(۵۲) وَعَنْ اَبِيْ مَالِكِ نِ الْاَشْعَرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ فَصَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمَاتَ اَوْ قُتِلَ اَوْ وَقَصَهٗ فَرَسُهٗ اَوْ بَعِيْرُهٗ اَوْ لَدَغَتْهُ هَامَّةٌ اَوْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ بِاَيِّ حَتْفٍ شَاءَ اللّٰهُ فَاِنَّهٗ شَهِيْدٌ وَاِنَّ لَهُ الْجَنَّةَ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابومالک اشعریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ یعنی جہاد جیسے مقاصد میں گھر سے نکلا اور زخمی ہو جانے کی وجہ سے مر گیا یا اس کو جان سے مار ڈالا گیا یا اس کے گھوڑے یا اس کے اونٹ نے اس کو کچل ڈالا یا کسی زہریلے جانور جیسے سانپ وغیرہ نے اس کو ڈس لیا اور یا کسی بیماری کی وجہ سے یا اچانک یوں ہی اللہ کی مرضی سے اپنے بستر پر مارا گیا تو وہ ہر صورت میں شہید ہے یعنی یا تو وہ حقیقی شہید ہے یا شہید کے حکم میں ہے اور اس کے لئے جنت ہے یعنی وہ ابتداء ہی میں شہداء و صالحین کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔" (ابوداؤدؒ)

مجاہد اپنے گھر لوٹ آنے پر بھی جہاد کا ثواب پاتا ہے

(۵۳) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَفْلَةٌ كَغَزْوَةٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جہاد سے لوٹ کر آنا بھی جہاد کے مانند ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مجاہد اور غازی جب جہاد سے فارغ ہو کر اپنے گھر لوٹ آتا ہے تو اس کے لوٹنے میں بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا جہاد کرنے میں کیونکہ مجاہد و غازی تو ہر وقت اللہ کی راہ میں اپنی جان پیش کرنے کی نیت رکھتا ہے چنانچہ جب وہ کسی جہاد سے فارغ ہو کر گھر آتا ہے تو اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ کچھ دن راحت لے کر پھر جہاد کرنے کی طاقت و قوت پیدا کروں اور جوں ہی اللہ کی راہ کا بلاوا آجائے فوراً میدان جنگ میں پہنچ کر نئے حوصلوں اور نئی امنگوں کے ساتھ دشمنان دین کے ساتھ نبرد آزمائی کروں۔

جاعل کو جہاد کا دوہرا ثواب ملتا ہے

(۵۴) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْغَازِيْ اَجْرُهٗ وَلِلْجَاعِلِ اَجْرُهٗ وَاَجْرُ الْغَازِيْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جہاد کرنے والے کو اس کا اپنا اجر ملتا ہے یعنی مجاہد کے لئے جہاد کا جو

مخصوص اجر ہے وہ اس کو پورا ملتا ہے اور جاعل (یعنی مال دینے والے) کو اس کا اپنا اجر بھی ملتا ہے اور جہاد کرنے والے کا بھی۔" (ابوداؤد)

تشریح: "جاعل" اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو کسی غازی کو مال دے اور اس کی مدد کرے تاکہ وہ جہاد کرے لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جاعل کو دوہرا ثواب ملتا ہے ایک ثواب تو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا اور دوسرا ثواب اس بات کا ملتا ہے کہ وہ اس غازی کے جہاد کرنے کا سبب و ذریعہ بنا ہے اس اعتبار سے جعل سے مراد ہے غازی کی مالی مدد کرنا اور اس کے لئے جہاد کا سامان و ضرورت مہیا کرنا چنانچہ اس عمل یعنی جعل کے جائز ہونے اور اس کی فضیلت کے بارے میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے اور تمام ہی علماء اس پر متفق ہیں۔

لیکن ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ جاعل سے مراد ہے وہ شخص جو کسی غازی کو اجرت دے کر جہاد کرائے حنفی علماء کے نزدیک یہ بھی جائز ہے اور اس صورت میں غازی کو جہاد میں اس کی جدوجہد اور مشقت کا ثواب ملے گا اور جاعل یعنی اجرت دینے والے کو دوہرا ثواب ملے گا ایک ثواب تو مال دینے کا اور دوسرا ثواب اس غازی کے جہاد کرنے کا سبب و ذریعہ بننے کا مگر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں یہ یعنی کسی شخص کا اجرت دے کر جہاد کرانا منع ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی غازی نے کسی شخص سے اسی طرح کی اجرت لے لی ہے تو اس کو واپس کر دینا واجب ہے۔

بلا اجرت جہاد نہ کرنے والے کے بارے میں وعید

(۵۵) وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ سَتُفْتَحُ عَلَیْکُمُ الْاَمْصَارُ وَسَتَکُوْنُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَۃٌ یُقْطَعُ عَلَیْکُمْ فِیْھَا بُعُوْثٌ فَیَکْرَہُ الرَّجُلُ الْبَعْثَ فَیَتَخَلَّصُ مِنْ قَوْمِہٖ ثُمَّ یَتَصَفَّحُ الْقَبَائِلَ یَعْرِضُ نَفْسَہٗ عَلَیْھِمْ مَنْ اَکْفِیْہِ بَعْثَ کَذَا اَلَا وَذٰلِکَ الْاَجِیْرُ اِلٰی اٰخِرِ قَطْرَۃٍ مِنْ دَمِہٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تمہارے لئے بڑے بڑے شہر فتح ہوں گے اور لشکر کے جدا جدا کئی جھنڈے ہوں گے جن میں تمہارے لئے فوجیں معین کی جائیں گی تو جو شخص امام یعنی سربراہ مملکت کی طرف سے اپنے آپ کو بلامعاوضہ فوج کے ہمراہ جہاد میں بھیجے جانے کو ناپسند کرے گا تو وہ اپنی قوم سے نکل بھاگے گا تاکہ جہاد میں جانے سے بچ جائے اور پھر دوسرے قبیلوں کو تلاش کرتا پھرے گا اور ان کے سامنے اپنی خدمات پیش کرے گا اور کہے گا کہ کون شخص ہے جس کو میں ایسے لشکر سے کفایت کروں یعنی وہ کون ہے جو میری خدمات کو اجرت پر حاصل کرے اور مجھے نوکر رکھے تاکہ میں اس کی طرف سے لشکر میں جا کر لڑائی کی محنت و مشقت اپنے ذمہ لوں حاصل یہ کہ وہ شخص بغیر اجرت کے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے جہاد میں جانے کے لئے تیار نہیں ہو گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ایسے شخص کی مذمت فرماتے ہیں کہ خبردار وہ شخص اپنے آخری قطرہ خون تک مزدور ہی رہے گا یعنی ایسے شخص کو غازی یا مجاہد مت سمجھنا بلکہ وہ کرایہ کا ٹٹو ہو گا جو دوسروں کی طرف سے میدان جنگ میں لڑے گا یہاں تک کہ مارا بھی جائے گا۔" (ابوداؤد)

تشریح: "جن میں تمہارے لئے فوجیں معین کی جائیں گی" کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی مملکت کے سربراہ اس بات کو ضروری قرار دیں گے کہ اپنے ملک کی ہر قوم اور ہر جماعت کے لوگوں کی فوجیں بنا کر انہیں جہاد کے لئے بھیجیں۔

اور مظہرؒ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب اسلام کی آواز دنیا کی ہر سمت میں پہنچ جائے گی تو امام وقت یعنی اسلامی مملکت کا سربراہ اس بات کی ضرورت سمجھے گا کہ وہ اسلامی فوج کے لشکر تیار کرا کر ہر سمت کو بھیجے تاکہ وہ لشکر ان کفار کا قلع قمع کرے جو اسی سمت میں موجود مسلمانوں کے قریب ہوں اور مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے ریشہ دوانیاں کر رہے ہوں۔

اجرت پر جہاد میں جانے والے کا مسئلہ

(۵۶) وَعَنْ یَعْلَی بْنِ اُمَیَّۃَ قَالَ اٰذَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْغَزْوِ وَاَنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ لَیْسَ لِیْ خَادِمٌ فَالْتَمَسْتُ

اجِيْرًا يَكْفِيْنِي فَوَجَدْتُ رَجُلاً سَمَّيْتُ لَهُ ثَلاَثَةَ دَنَانِيْرَ فَلَمَّا حَضَرَتْ غَنِيْمَةٌ اَرَدْتُ اَنْ اُجْرِيَ لَهُ سَهْمَهُ فَجِئْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ لَهُ فَقَالَ مَا اَجِدُ لَهُ فِيْ غَزْوَتِهِ هٰذِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلاَّ دَنَانِيْرَهُ الَّتِيْ تَسَمّٰى۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت یعلیٰؓ ابن امیہ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جہاد پر جانے کے لئے آگاہ کیا تو چونکہ میں بڑا بوڑھا تھا اور میرے پاس کوئی خادم نہیں تھا اس لئے میں نے کوئی ایسا مزدور تلاش کیا جو دوران جہاد میری دیکھ بھال کر سکے چنانچہ مجھ کو ایک شخص مل گیا جس کی اجرت تین دینار میں نے مقرر کردی پھر (جہاد کے فراغت کے بعد) جب مال غنیمت آیا تو میں نے ارادہ کیا کہ اس مال غنیمت میں سے اس شخص کا بھی حصہ لگاؤں اور اس بارے میں مسئلہ دریافت کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے صورت حال بیان کی آپ ﷺ نے فرمایا مجھے شریعت کے حکم میں اس شخص کے لئے اس جہاد کے تعلق سے دنیا و آخرت میں علاوہ اس دینار کے جو متعین کئے گئے ہیں اور کوئی چیز نہیں ملتی۔" (ابوداؤد)

تشریح: آپ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ تھا کہ اس شخص کے لئے نہ تو مال غنیمت میں سے کوئی حصہ ہے اور نہ اس کو جہاد کا کوئی ثواب ملے گا۔ علماء لکھتے ہیں یہ حکم اس اجیر کے حق میں ہے جس کو کسی مجاہد و غازی نے جہاد کے دوران اپنی خدمت و دیکھ بھال کے لئے رکھا ہو ہاں جس اجیر کو جہاد کرنے کے لئے رکھا گیا ہو اس کو مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا اگرچہ بعض علماء کے قول کے مطابق وہ جہاد کے ثواب سے محروم رہے گا۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ علماء کے اس شخص کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں جس کو کام کاج کے لئے یا جانوروں کی حفاظت و دیکھ بھال کے لئے بطور اجیر رکھا گیا ہو اور پھر وہ میدان جنگ میں لڑنے کے لئے بھیجا گیا ہو کہ آیا اس کو مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ اس کے لئے حصہ نہیں ہے خواہ وہ قتال کرے یا نہ کرے بلکہ وہ صرف اپنی خدمات کی مقررہ اجرت کا ہی حقدار ہوگا۔ یہ قول اوزاعیؒ و اسحٰقؒ کا ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول بھی یہی ہے جب کہ حضرت امام مالکؒ اور امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو حصہ دیا جائے گا اگرچہ اس نے قتال نہ کیا ہو مگر قتال کے وقت مجاہدین کے ساتھ رہا ہو۔

کسی دنیاوی غرض سے جہاد کرنے والا ثواب سے محروم رہتا ہے

۵۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلاً قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَجُلٌ يُرِيْدُ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَهُوَ يَبْتَغِيْ عَرَضًا مِنْ عَرَضِ الدُّنْيَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ اَجْرَ لَهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہے حالانکہ وہ اس جہاد کے ذریعہ دنیا کے مال و اسباب کا خواہشمند ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اس کے نصیب میں ثواب نہیں ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس شخص کے ثواب سے محروم رہنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے اس عمل کا ثواب ملتا ہے جو اس نے اخلاص نیت کے ساتھ یعنی محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے کیا ہو اور چونکہ اس شخص نے جہاد میں اس غرض سے شرکت کا ارادہ کیا کہ اس کے ذریعہ مال غنیمت حاصل کرے اور اس اعتبار سے اس کا مقصود اصلی گویا رضا الٰہی نہیں بلکہ مال و متاع تھا اس لئے وہ ثواب سے محروم رہے گا ہاں اگر کوئی شخص جہاد میں شریک ہو تو محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو لیکن مال غنیمت کا حصول بھی اس کا مقصود ہو تو اس کو ثواب ملے گا اگرچہ اس کو بھی اس شخص سے کم ثواب ملے گا جو محض اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے جہاد میں شریک ہوا اور مال غنیمت کا حصول اس کا مقصود نہ ہو۔

حقیقی جہاد کس کا ہے

(۵۸) وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْغَزْوُ غَزْوَانِ فَاَمَّا مَنِ ابْتَغٰی وَجْہَ اللّٰہِ وَاَطَاعَ الْاِمَامَ وَاَنْفَقَ الْکَرِیْمَۃَ وَیَاسَرَ الشَّرِیْکَ وَاجْتَنَبَ الْفَسَادَ فَاِنَّ نَوْمَہٗ وَنَبْھَہٗ اَجْرٌ کُلُّہٗ وَاَمَّا مَنْ غَزَا فَخْرًا وَرِیَاءً وَسُمْعَۃً وَعَصَی الْاِمَامَ وَاَفْسَدَ فِی الْاَرْضِ فَاِنَّہٗ لَمْ یَرْجِعْ بِالْکَفَافِ۔ (رواہ مالک وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جہاد دو طرح کا ہوتا ہے چنانچہ جس شخص نے مولی کی رضا طلب کرنے کے لئے جہاد میں شرکت کی امام یعنی سربراہ مملکت اور قانون حکومت اسلامی کی اطاعت کی اپنے پاک مال اور اپنی پاک جان کو خدا کی راہ صرف کیا اور اپنے شریک کار سے اچھا معاملہ رکھا اور فتنہ فساد کرنے سے بچتا رہا یعنی لوٹ مار کرنے ویرانی پھیلانے اور خیانت کرنے کے ذریعہ حدود شریعت سے تجاوز نہیں کیا تو اس کا سونا اور اس کا جاگنا سب کچھ اجر و ثواب کا موجب ہے اور جس شخص نے بطریق فخر یعنی ناموری اور دکھانے سنانے کے لئے جہاد کیا امام کی نافرمانی کی اور روئے زمین پر فتنہ و فساد پھیلایا تو وہ کوئی بدلہ لے کر واپس نہیں آئے گا یعنی اسطرح کے جہاد سے نہ تو اس کے گناہ بخشے جائیں گے اور نہ اس کو کوئی ثواب ملے گا۔" (مالک، ابوداؤد، نسائی)

ناموری کے لئے جہاد کرنے والے کے بارے میں وعید

(۵۹) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّہٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْجِہَادِ فَقَالَ یَا عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَمْرٍو اِنْ قَاتَلْتَ صَابِرًا مُحْتَسِبًا بَعَثَکَ اللّٰہُ صَابِرًا مُحْتَسِبًا وَاِنْ قَاتَلْتَ مُرَائِیًا مُکَاثِرًا بَعَثَکَ اللّٰہُ مُرَائِیًا مُکَاثِرًا یَا عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَمْرٍو عَلٰی اَیِّ حَالٍ قَاتَلْتَ اَوْ قُتِلْتَ بَعَثَکَ اللّٰہُ عَلٰی تِلْکَ الْحَالِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے جہاد کے بارے میں بتائیے کہ کس طرح کا جہاد موجب ثواب ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا عبداللہ ابن عمرو! اگر تم اس حال میں لڑو کہ صبر کرنے والے اور ثواب چاہنے والے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں (قیامت کے دن) صبر کرنے والا ہی اٹھائے گا یعنی تم جس طرح ان صفات کے ساتھ جہاد کرو گے اور ان صفات پر مرو گے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں ان صفات کے ساتھ اٹھائے گا اور تمہیں ان کا ثواب عطا فرمائے گا جیسا کہ ایک روایت میں ہے کَمَا تَعِیْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ وَکَمَا تَمُوْتُوْنَ تُحْشَرُوْنَ یعنی تم جس حالت پر جیتے ہو اسی حالت پر مرو گے اور جس حالت پر مرو گے اسی حالت پر اٹھائے جاؤ گے اور اگر تم نمائش کی نیت سے اور اپنا زور جتلانے کے لئے لڑو گے یعنی اگر تم لوگوں میں یہ فخر کرنے کے لئے لڑو گے کہ میں مال اور طاقت اور لشکر کے اعتبار سے تم سے بڑھ کر ہوں اور جہاد کے حکم کی اتباع تم سے زیادہ کرنے والا ہوں تو اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن نمائش کرنے والا اور زور جتلانے والا اٹھائے گا یعنی میدان حشر میں تمہارے بارے میں اعلان کیا جائے گا کہ یہ شخص کون ہے جو نمائش کی نیت سے اور فخر کرنے اور زیادہ مال و منال حاصل کرنے کے لئے لڑا تھا۔ اے عبداللہ ابن عمرو یاد رکھو! تم جس حال میں لڑو گے یا جس حال میں مارے جاؤ گے اللہ تعالیٰ تمہیں اسی حال میں اٹھائے گا۔" (ابوداؤدؒ)

امیر کو معزول کر دینا چاہئے

(۶۰) وَعَنْ عُقْبَۃَ بْنِ مَالِکٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَعَجَزْتُمْ اِذَا بَعَثْتُ رَجُلًا فَلَمْ یَمْضِ لِاَمْرِیْ اَنْ تَجْعَلُوْا مَکَانَہٗ مَنْ یَمْضِیْ لِاَمْرِیْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عقبہؓ ابن مالک نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس سے عاجز ہو کہ جب میں کسی شخص کو تمہارا امیر و حاکم بنا کر بھیجوں اور وہ میرے حکم کی فرمانبرداری نہ کرے یعنی وہ میرے کسی حکم یا میری کسی ممانعت کی مخالفت کرے تو تم اس کو

معزول کردو اور اس کی جگہ کسی ایسے شخص کو مقرر کردو جو میرے مفوضہ کام کو انجام دے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ واضح کرنا ہے کہ اگر میں کسی شخص کو کسی کام کے لئے مثلاً حاکم ووالی بنا کر کہیں بھیجوں اور وہ وہاں نہ جائے یا وہاں جا کر میرے حکم کی تعمیل نہ کرے اور میری بتائی ہوئی راہ سے ہٹ کر اپنے بنائے ہوئے راستے پر چلنے لگے تو تم اس کو معزول کر دو اور اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو میرے حکم کے مطابق اپنا حاکم چن لو۔ اس حکم پر قیاس کرتے ہوئے علماء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی امیر و حاکم رعیت پر ظلم کرنے لگے اور عوام کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے تو عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس امیر کو معزول کر کے اور اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو امیر و حاکم چن لیں۔

وَذُكِرَ حَدِيْثُ فَضَالَةَ وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِيْ كِتَابِ الْاِيْمَانِ

اور حضرت فضالہ کی روایت والمجاہد من جاہد نفسہ کتاب الایمان میں نقل کی جا چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اسلام میں رہبانیت کی گنجائش نہیں

(۶۱) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَمَرَّ رَجُلٌ بِغَارٍ فِيْهِ شَيْءٌ مِنْ مَاءٍ وَبَقْلٍ فَحَدَّثَ نَفْسَهُ بِاَنْ يُقِيْمَ فِيْهِ وَيَتَخَلّٰى مِنَ الدُّنْيَا فَاسْتَاْذَنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَمْ اُبْعَثْ بِالْيَهُوْدِيَّةِ وَلَا بِالنَّصْرَانِيَّةِ وَلٰكِنِّيْ بُعِثْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحَةِ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَغَدْوَةٌ اَوْرَوْحَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَلَمُقَامُ اَحَدِكُمْ فِي الصَّفِّ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهٖ سِتِّيْنَ سَنَةً۔ (رواہ احمد)

"حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک لشکر میں نکلے تو دوران سفر جب ہم میں سے ایک شخص ایک ایسے غار (وادی) کے درمیان سے گزرا جس میں کچھ پانی اور سبزہ تھا تو اس نے اپنے دل میں سوچا کہ وہ اپنی غار میں رہ جائے اور دنیا سے کنارہ کشی کرلے۔ چنانچہ اس نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی آپ ﷺ نے فرمایا یاد رکھو نہ تو میں دین یہودیت دے کر اس دنیا میں بھیجا گیا ہوں اور نہ دین عیسائیت دے کر کہ میں تم لوگوں کو رہبانیت کی تعلیم دوں، بیجا مشقت و تکلیف میں مبتلا کروں اور لوگوں کے ساتھ رہن سہن اور لذات دنیا سے مطلقاً کنارہ کشی کی اجازت دوں بلکہ میں تو دین حنفیہ دے کر بھیجا گیا ہوں جو ایک آسان دین ہے جس میں نہ تو انسانیت عامہ کے لئے بیجا تکلیف و حرج ہے اور نہ زائد از ضرورت مشقت و محنت ہے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے دن کے صرف ابتدائی یا آخری حصے میں یعنی صبح و شام کو خدا کی راہ جہاد میں چلے جانا دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے اور تم میں سے کسی کا میدان جنگ کی جماعت نماز کی صف میں کھڑا ہونا اس کی ساٹھ سال کی تنہا پڑھی جانے والی نماز سے بہتر ہے۔" (احمدؒ)

جہاد میں اخلاص نیت کا آخری درجہ

(۶۲) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَزَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَمْ يَنْوِ اِلَّا عِقَالًا فَلَهٗ مَا نَوٰى۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے ایک رسی (کے بھی حصول) کی نیت کے ساتھ اللہ

کی راہ میں جہاد کیا تو اس کو وہی چیز حاصل ہوگی جس کی اس نے نیت کی ہے۔" (نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر جہاد میں دنیا کی کوئی حقیر ترین چیز بھی مدنظر ہو تو یہ اخلاص کے منافی ہے گویا اس ارشاد گرامی کا مقصد اس بات کو زیادہ سے زیادہ کر کے بیان کرنا ہے اور یہ ترغیب دینا ہے کہ جہاد میں مال غنیمت کے حصول سے کلیۃً قطع نظر کیا جائے اور نیت میں اس درجہ اخلاص پیدا کیا جائے کہ اس میں دنیا کی کسی بھی غرض کی ہلکی سی بھی آمیزش نہ ہو لیکن یہ واضح رہے کہ جہاد میں اخلاص نیت کا یہ آخری درجہ ہے۔

چنانچہ یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ جہاد میں رضائے الٰہی اور سربلندی دین کے ساتھ مال غنیمت کے حصول کا مقصد بھی شامل ہو تو یہ جائز ہے اور اس صورت میں بھی جہاد کا ثواب ملتا ہے اسی طرح اگر اس نیت میں نمائش کا جذبہ شامل ہو تو اس کی وجہ سے بھی جہاد کا ثواب کلیۃً باطل نہیں ہوگا۔

جہاد جنت میں ترقی درجات کا باعث ہے

(۷۳) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِ سْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَعَجِبَ لَهَا اَبُوْ سَعِیْدٍ فَقَالَ اَعِدْهَا عَلَیَّ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَعَادَهَا عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ وَاُخْرٰی یَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا الْعَبْدَ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِی الْجَنَّةِ مَابَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ قَالَ وَمَا هِیَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین برحق ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو یعنی دل سے ان سب کو مانا تو اس کے لئے جنت واجب ہو گئی ابوسعیدؓ نے یہ ارشاد سنا تو ان کو اس پر بڑا تعجب ہوا انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ان کلمات کو ایک مرتبہ پھر میرے سامنے ارشاد فرمایئے: آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے پھر یہی کلمات ارشاد فرمائے۔ اور پھر فرمایا کہ ایک چیز اور ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ جنت میں بندے کو سو درجے کی بلندی پر پہنچاتا ہے اور ان میں کے ہر درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان وزمین کے درمیان ہے ابوسعید نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کیا چیز ہے آپ ﷺ نے فرمایا وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔" (مسلمؒ)

جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ میں ہیں

(۷۴) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ فَقَامَ رَجُلٌ رَثُّ الْهَیْئَةِ فَقَالَ یَا اَبَا مُوْسٰی اَنْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ فَرَجَعَ اِلٰی اَصْحَابِهٖ فَقَالَ اَقْرَأُ عَلَیْکُمُ السَّلَامَ ثُمَّ کَسَرَ جَفْنَ سَیْفِهٖ فَاَلْقَاهُ ثُمَّ مَشٰی بِسَیْفِهٖ اِلَی الْعَدُوِّ فَضَرَبَ بِهٖ حَتّٰی قُتِلَ۔ (رواہ مسلمؒ)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مجلس میں یہ بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے جنت کے دروازے تلواروں کے سائے میں ہیں (یہ سن کر) ایک خستہ حال شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ ابوموسیٰ! کیا تم نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ سے تمہارا یہ سننا جزم ویقین کے طور پر ہے؟ انہوں نے کہا ہاں یہ سنتے ہی وہ شخص اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا اور کہا کہ میں تمہیں (آخری) سلام کرتا ہوں اور پھر اس نے اپنی تلوار کا نیام توڑ کر پھینک دیا (یعنی اس کے ذریعہ اس نے اپنے اس ارادہ کا اظہار کیا کہ اب میں لوٹ کر نہیں آؤں گا) یعنی اپنی تلوار لے کر دشمنوں کی طرف روانہ ہوا اور ان سے لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔" (مسلمؒ)

تشریح: جنت کے دروازے تلواروں کے سائے میں ہیں کا مطلب یہ ہے کہ مجاہد وغازی کا میدان جنگ میں اس طرح ہونا

کہ کفار کی تلواریں اس کے اوپر اٹھی ہوئی ہوں اس کے جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے اور وہ حالت گویا اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ جنت کے دروازے اس مجاہد وغازی کے ساتھ ہیں کہ ادھر اس نے کفار کی تلواروں کے ذریعہ جام شہادت نوش کیا اور ادھر جنت میں داخل ہوا۔

شہداء احد کے بارے میں بشارت

(٦٥) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِاَصْحَابِهِ اِنَّهُ لَمَّا اُصِيْبَ اِخْوَانُكُمْ يَوْمَ اُحُدٍ جَعَلَ اللّٰهُ اَرْوَاحَهُمْ فِيْ جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ اَنْهَارَ الْجَنَّةِ تَاْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا وَتَاْوِيْ اِلٰى قَنَادِيْلَ مِنْ ذَهَبٍ مُعَلَّقَةٍ فِيْ ظِلِّ الْعَرْشِ فَلَمَّا وَجَدُوْا طِيْبَ مَاْكَلِهِمْ وَمَشْرَبِهِمْ وَمَقِيْلِهِمْ قَالُوْا مَنْ يُبَلِّغُ اِخْوَانَنَا عَنَّا اَنَّا اَحْيَاءٌ فِي الْجَنَّةِ لِئَلَّا يَزْهَدُوْا فِي الْجَنَّةِ وَلَا يَنْكُلُوْا عِنْدَ الْحَرْبِ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا اُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا جب تمہارے بھائی غزوہ احد میں شہید کئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں جنت منتقل کر دیا، چنانچہ وہ روحیں (ان پرندوں کے قالب) جنت کی نہروں پر آتی ہیں وہاں کے میوے کھاتی ہیں اور پھر ان سونے کی قندیلوں میں جا کر بسیرا کرتی ہیں جو عرش کے سایہ میں لٹکی ہوئی ہیں۔ تو جب ان روحوں نے اپنے کھانے پینے اور اپنے بسیرے کی لطف اندوزی کو پایا تو کہنے لگیں کہ کون ہے جو ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو یہ پیغام پہنچا دے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور حق تعالیٰ کی ایسی ایسی عظیم نعمتوں سے لطف اندوز ہیں تاکہ وہ جنت کو حاصل کرنے میں بے رغبتی وکوتاہی نہ کریں بلکہ جنت کے ان درجات کو حاصل کرنے میں راغب ہوں اور لڑائی کے وقت سستی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ بات سن کر فرمایا گھبراؤ نہیں تمہاری طرف سے میں ان کو پیغام پہنچاؤں گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ آخر آیت تک۔

تشریح: پوری آیت یوں ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (آل عمران ۳: ۱۶۹، ۱۷۰) (ترجمہ) جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ان کو مرے ہوئے نہ سمجھنا وہ مرے ہوئے نہیں ہیں بلکہ وہ خدا کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے جو خدا نے اپنے فضل سے بخش رکھا ہے اس میں خوش ہیں اور جو لوگ ان کے پیچھے رہ گئے ہیں اور شہید ہو کر ان میں شامل نہیں ہو سکے ان کی نسبت خوشیاں منا رہے ہیں کہ قیامت کے دن ان کو بھی نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

مؤمنین کی اعلیٰ جماعت

(٦٦) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُوْنَ فِي الدُّنْيَا عَلٰى ثَلَاثَةِ اَجْزَاءٍ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْ يَاْمَنُهُ النَّاسُ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ الَّذِيْ اِذَا اَشْرَفَ عَلٰى طَمَعٍ تَرَكَهٗ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دنیا میں تین طرح کے مؤمن ہیں ایک تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر کسی شک وشبہ میں مبتلا نہیں ہوئے نیز انہوں نے اپنی جانوں اور اپنے اموال کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا یعنی مؤمنین کی یہ وہ جماعت ہے جس نے اپنے ایمان کو کامل اور اپنے نفس کو مہذب پاکیزہ بنایا اور اس کے ساتھ ہی مخلوق خدا کی فلاح

وبہبودی اور ان کی پاکیزگی کے لئے بھی جد وجہد کی اور یہی وہ جماعت ہے جو مرتبہ کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ واشرف ہے دوسرا مؤمن وہ شخص ہے جس سے لوگوں کے مال اور ان کی جان محفوظ ہیں یعنی اگرچہ اس نے مخلوق خدا کی فلاح وبہبودی کے لئے جد وجہد نہیں کی لیکن اس کے ذریعہ لوگوں کو کسی طرح کا نقصان وضرر بھی نہیں پہنچا نیز نہ تو اس نے اختلاط رکھا اور نہ طمع وحرص میں مبتلا ہوا اور پھر تیسرا مؤمن وہ شخص ہے کہ جب اس کے دل میں طمع پیدا ہو جائے تو اللہ کے خوف سے اس طمع کو چھوڑے۔" (احمدؒ)

تشریح: مؤمنین کی اس آخری جماعت کا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر اس کے دل میں دنیا کی کسی چیز کی طمع وحرص پیدا ہوتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا بلکہ خدا کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس طمع وحرص کو چھوڑ دیتا ہے گویا یہ وہ جماعت ہے جس نے اگرچہ دنیاداروں کے ساتھ اختلاط رکھا اور اس اختلاط کی وجہ سے اس کے دل میں طمع وحرص پیدا ہوئی لیکن عین وقت پر خدا نے اس کو طمع وحرص پر عمل کرنے سے بچا لیا یہ جماعت مرتبہ کے اعتبار سے پہلی دونوں جماعتوں سے ادنیٰ ہے پھر اس تیسری جماعت کے بعد مؤمنین کی اور بھی قسمیں ہیں۔ لیکن وہ سب مرتبہ کے اعتبار سے ساقط ہیں۔

شہید کی تمنا

(۶۷) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِی عَمِیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ نَفْسٍ مُسْلِمَةٍ یَقْبِضُھَا رَبُّھَا تُحِبُّ اَنْ تَرْجِعَ اِلَیْکُمْ وَاَنَّ لَھَا الدُّنْیَا وَمَافِیْھَا غَیْرُ الشَّھِیْدِ قَالَ ابْنُ اَبِی عَمِیْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ یَکُوْنَ لِی اَھْلُ الْوَبَرِ وَالْمَدَرِ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا شہید کے علاوہ اور ایسا کوئی مسلمان شخص نہیں ہے جو اپنے پروردگار کی طرف سے اپنی روح قبض کئے جانے کے بعد اس بات کو پسند کرے کہ وہ لوٹ کر تمہارے پاس آئے اور دنیا و مافیہا کی چیزوں کو حاصل کرے (یعنی شہید حق تعالیٰ کے ہاں پہنچنے کے بعد جب شہادت کے عظیم مرتبہ کی سعادتوں اور عظمتوں کو دیکھتا ہے تو پروردگار سے اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ وہ لوٹ کر دوبارہ دنیا میں آئے اور اللہ کی راہ میں پھر مارا جائے) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ خدا کی قسم! میرا خدا کی راہ میں مارا جانا میرے نزدیک اس چیز سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ خیمے والے اور حویلیوں والے میرے مملوک ومحکوم ہوں۔" (نسائی)

تشریح: "خیمے والے" سے جنگل میں اقامت پذیر لوگ مراد ہیں کیونکہ وہ خیموں میں رہا کرتے ہیں اور "حویلی والے" سے شہر و گاؤں یعنی آبادی میں رہنے والے لوگ مراد ہیں ان دونوں کے مجموعے سے پوری دنیا اور دنیا بھر کے لوگ مراد ہیں؟ اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اگر مجھے پوری دنیا کا امیر و حاکم بنا دیا جائے اور پھر دنیا بھر کے لوگ میری محکومی ورعیت میں آجائیں تو میں اس کے مقابلہ پر اس چیز کو زیادہ پسند کروں گا کہ مجھے جہاد میں جانے کا موقع مل جائے اور میں خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کردوں۔

ہر مؤمن پر شہید کا اطلاق

(۶۸) وَعَنْ حَسْنَاءَ بِنْتِ مُعَاوِیَةَ قَالَتْ حَدَّثَنَا عَمِّیْ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ فِی الْجَنَّةِ قَالَ النَّبِیُّ فِی الْجَنَّةِ وَالشَّھِیْدُ فِی الْجَنَّةِ وَالْمَوْلُوْدُ فِی الْجَنَّةِ وَالْوَئِیْدُ فِی الْجَنَّةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت حسناء بنت معاویہ (ابن سلیم) کہتی ہیں کہ مجھ سے میرے چچا حضرت اسلمؓ ابن سلیم، نے بیان کیا (کہ ایک دن) میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ جنت میں کون کون لوگ ہوں گے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں نبی ہوں گے شہید ہوں گے، جنت میں بچے ہوں گے اور جنت میں وہ ہوں گے جن کو جیتے جی گاڑ دیا گیا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "یہاں شہید" سے مراد صرف وہ شخص نہیں ہے جو خدا کی راہ میں مارا گیا ہو بلکہ "مؤمن" مراد ہے کہ خواہ وہ حقیقۃً شہید ہو یا حکماً شہید ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اس آیت میں ایمان لانے والوں پر شہید کا اطلاق کیا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔

"اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہداء ہیں۔"

"اور جنت میں بچے ہوں گے" یعنی بچہ خواہ مؤمن کا ہو یا کافر کا جنت میں داخل کیا جائے گا اسی طرح وہ کچا بچہ بھی جنت ہی میں داخل کیا جائے گا جو اسقاط حمل کی صورت میں ختم ہو گیا ہے۔

"جن کو جیتے جی گاڑ دیا گیا ہے" یعنی جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی زندہ لڑکیوں کو زمین میں گاڑ دیا کرتے تھے۔ بلکہ بعض لوگ معاشی تنگیوں اور دوسری پریشانیوں کے وقت اپنے زندہ لڑکوں کو بھی گاڑ دیتے تھے تو ایسے لڑکے اور لڑکیاں بھی جنت میں داخل کی جائیں گی۔

حدیث میں بطور خاص صرف چار طرح کے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے تو شاید اول الذکر دونوں کی تخصیص ان کے فضل و شرف کے اعتبار سے ہے اور آخر الذکر دونوں کی تخصیص اس سبب سے ہے کہ یہ کسی کسب و عمل کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔

جہاد میں مال و جان دونوں سے شرکت کرنے والوں کی فضیلت

(۶۹) وَعَنْ عَلِيٍّ وَاَبِي الدَّرْدَاءِ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ وَاُمَامَةَ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ كُلُّهُمْ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ اَرْسَلَ نَفَقَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَقَامَ فِيْ بَيْتِهٖ فَلَهٗ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُمِائَةِ دِرْهَمٍ وَمَنْ غَزَا بِنَفْسِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَنْفَقَ فِيْ وَجْهِهٖ ذٰلِكَ فَلَهٗ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُمِائَةِ اَلْفِ دِرْهَمٍ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ (رواه ابن ماجۃ)

"اور حضرت علیؓ، حضرت ابودرداءؓ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوامامہ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت عبداللہ ابن عمروؓ، حضرت جابر ابن عبداللہ اور حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین یہ سب رسول کریم ﷺ سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی راہ یعنی جہاد میں روپیہ پیسہ اور سامان واسباب بھیجا اور خود اپنے گھر میں بیٹھا رہا یعنی جہاد میں خود شریک نہیں ہوا بلکہ روپے پیسے اور سامان سے جہاد میں مدد کی تو اس کو ہر درہم کے بدلے سات سو درہم کا ثواب ملے گا اور جس شخص نے بنفس خود جہاد بھی کیا اور جہاد میں روپیہ پیسہ اور مال بھی خرچ کیا یعنی لڑائی میں خود شریک بھی ہوا اور مالی مدد بھی پہنچائی تو اس کو ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کا ثواب ملے گا کیونکہ اس نے اپنے نفس کو بھی مشقت و دکھ میں مبتلا کیا اور اپنا مال بھی خرچ کیا پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ یعنی اللہ تعالیٰ جس کے چاہتا ہے اس کے ثواب میں اور اضافہ کرتا ہے۔" (ابن ماجہ)

تشریح: آیت تلاوت فرما کر گویا آپ ﷺ نے اس طرف اشارہ کیا کہ یہاں ثواب کی جو مقدار بیان کی گئی ہے وہ کوئی آخری حد نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے کہ اگر وہ چاہے گا تو اس مقدار سے بھی زیادہ اور کہیں زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔

شہداء کی قسمیں

(۷۰) وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الشُّهَدَاءُ اَرْبَعَةٌ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ اَعْيُنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰكَذَا وَرَفَعَ رَاْسَهٗ حَتّٰى سَقَطَتْ قَلَنْسُوَتُهٗ فَمَا اَدْرِيْ اَقَلَنْسُوَةُ عُمَرَ اَرَادَ اَمْ قَلَنْسُوَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْإِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ كَأَنَّمَا ضُرِبَ جِلْدُهُ بِشَوْكِ طَلْحٍ مِنَ الْجُبْنِ أَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهُ فَهُوَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَاٰخَرَ سَيِّئًا لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ اَسْرَفَ عَلٰى نَفْسِهٖ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ فِي الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت فضالہ ابن عبید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن خطاب ؓ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شہید چار طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ شخص جو کامل الایمان مسلمان تھا اور جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کو سچ کر دکھایا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا گیا تو یہ وہ شخص ہے جس کی طرف قیامت کے دن لوگ اس طرح سرا ٹھا اٹھا کر دیکھیں گے یہ کہہ کر انہوں نے اپنا سرا ٹھایا یہاں تک کہ ان کی ٹوپی گر پڑی حدیث کے وہ راوی جنہوں نے اس روایت کو حضرت فضالہ ؓ سے نقل کیا ہے کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ حضرت فضالہ ؓ کی مراد کس کی ٹوپی تھی یعنی انہوں نے یہ واضح نہیں کیا کہ حضرت عمر ؓ نے حدیث بیان کرتے وقت آنحضرت ﷺ کی طرح سرا ٹھا کر دکھلایا تو ان کی ٹوپی گری تھی یا انہوں نے روایت حدیث کے وقت یہ بتلایا کہ نبی کریم ﷺ کی ٹوپی گری تھی بہر کیف حاصل یہ کہ قیامت کے دن یہ شخص اتنا عالی مرتبہ ہوگا کہ لوگ اس کی طرف اچک اچک کر دیکھیں گے پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اور دوسرا وہ شخص جو جید الایمان مؤمن تھا اور جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو وہ اپنی بزدلی کی وجہ سے ایسا نظر آنے لگا جیسے اس کے بدن میں خاردار درخت کے کانٹے ہوں (یعنی یہ اس شخص کے خوف کی وجہ سے تھرتھر کانپنے اور دہشت سے اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جانے کی کیفیت کو کنایۃ بیان کیا گیا ہے) اور پھر ایک تیر آکر اس کو لگا جس کو چلانے والا نا معلوم تھا اور اس نے اس کو موت کی آغوش میں پہنچا دیا تو یہ شخص پہلے شخص کی بہ نسبت دوسرے درجہ کا ہے اور تیسرا شخص وہ مؤمن تھا جس نے کچھ اچھے اور کچھ برے اعمال کئے تھے اور جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ کو سچ کر دکھایا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا گیا تو یہ شخص تیسرے درجہ کا ہے اور چوتھا شخص وہ مسلمان ہے جس نے اپنی جان پر بہت اسراف کیا تھا (یعنی جس نے بہت زیادہ گناہ کئے تھے) اور جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو اس نے اللہ کو سچ کر کے دکھایا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا گیا تو یہ شخص چوتھے درجے کا ہے۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: اس نے اللہ تعالیٰ کو سچ کر دکھایا کے بارے میں واضح ہو کہ اگر لفظ صدق میں دال پر تشدید نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس شخص نے اپنی شجاعت و بہادری کے ذریعہ اس چیز کو سچا کیا جس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر عائد ہوئی تھی یعنی خدا کی راہ میں ثابت قدم رہنا اور دشمن کو پیٹھ نہ دکھانا اور اگر دال پر تشدید ہو تو اس صورت میں معنی ہوں گے کہ اس شخص نے اپنے عمل اور اپنی شجاعت و بہادری کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راست گو ثابت کیا اور اس کے قول کی تصدیق کی بایں طور کہ اس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا، اور اس راہ کی تمام مشقتوں، تکلیفوں اور مصائب کو برداشت کیا اور حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والے اجر و ثواب کا امیدوار ہوا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے جو مجاہدین اسلام کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ وہ خدا کی راہ میں پیش آنے والی ہر مصیبت و تکلیف پر صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کی طرف سے اجر و ثواب کے طلب گار ہوتے ہیں تو جب وہ شخص لڑا اور طلب ثواب کی خاطر صبر و استقامت کی راہ اختیار کی تو گویا اس نے اپنے اس عمل کے ذریعہ حق تعالیٰ کی بات کی تصدیق کی۔

حدیث میں شہداء کی جو قسمیں بیان کی گئی ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ جس مسلمان نے خدا کی راہ میں شہادت پائی ہے وہ یا تو متقی و پرہیزگار بھی تھا اور شجاع و بہادر بھی اور یہ پہلی قسم ہے یا وہ متقی و پرہیزگار تو تھا لیکن شجاع و بہادر نہیں تھا یہ دوسری قسم ہے اور یا وہ شجاع بہادر تو تھا مگر متقی و پرہیزگار نہیں تھا پھر اس کی بھی دو قسمیں ہوں گی ایک یہ کہ یا تو وہ ایسا غیر متقی و غیر پرہیزگار تھا کہ اس کے اعمال محفوظ تھے۔ لیکن زندگی میں اس سے نیک عمل بھی صادر ہوئے تھے اور برے عمل بھی سرزد ہوئے تھے لیکن اس کے برے اعمال اتنے زیادہ

نہیں تھے کہ اس کو فاسق و مسرف کہا گیا ہو۔ اور یہ حدیث میں بیان کی گئی تیسری قسم ہے اور یا وہ ایسا غیر متقی وغیر پرہیز گار تھا کہ اس کی بدعملیاں اس کی زندگی میں غالب رہی تھیں یعنی اس نے اتنے زیادہ برے اعمال کئے تھے کہ فاسق و مسرف مانا گیا تھا اور یہ چوتھی قسم ہے لہٰذا دوسری قسم کے علاوہ اور ساری قسموں میں اللہ کی راہ کی تصدیق حاصل ہوتی ہے نیز اس وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کی تصدیق کرنے سے "صبر اور طلب ثواب کے وعدے کی تصدیق مراد ہے" کیونکہ وہ دوسری قسم میں بھی حاصل ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اس دوسری قسم کے شہید کے بارے میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو سچ کر دکھایا۔"

منافق اگر جہاد میں شہید بھی ہو جائے تو جنت کا حقدار نہیں ہوگا

(۷۱) وَعَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدِالسُّلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَتْلٰى ثَلَاثَةٌ مُؤْمِنٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ فَذَالِكَ الشَّهِيْدُ الْمُمْتَحَنُ فِيْ خَيْمَةِ اللّٰهِ تَحْتَ عَرْشِهٖ لَايَفْضُلُهُ النَّبِيُّوْنَ اِلَّا بِدَرَجَةِ النُّبُوَّةِ وَمُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَاٰخَرَ سَيِّئًا جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ مُمَصْمِصَةٌ مَحَتْ ذُنُوْبَهٗ وَخَطَايَاهُ اِنَّ السَّيْفَ مَحَّاءٌ لِلْخَطَايَا وَاُدْخِلَ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ وَمُنَافِقٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَاِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ فَذَاكَ فِي النَّارِ اِنَّ السَّيْفَ لَايَمْحُو النِّفَاقَ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت عتبہؓ ابن عبدالسلمی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو لوگ جہاد میں مارے جاتے ہیں وہ تین طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ کامل مؤمن جس نے اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال کے ذریعہ جہاد کیا چنانچہ جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی (تو وہ پوری بہادری اور شجاعت) کے ساتھ لڑا یہاں تک کہ مارا گیا نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ یہ وہ شہید ہے جس کو جہاد کی مشقتوں اور مصائب پر صبر کرنے کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا یہ شہید آخرت میں عرش الٰہی کے نیچے اللہ کے خیمے میں ہوگا یعنی اس کو حق تعالیٰ کا کمال قرب اور اس کے حضور میں درجہ خاص حاصل ہوگا اور انبیاء اس سے صرف درجہ نبوت میں زیادہ ہوں گے اور دوسرا شخص وہ مؤمن ہے جس کے اعمال ملے جلے ہوں کہ اس نے کچھ نیک عمل کئے ہوں اور کچھ برے عمل چنانچہ اس نے اپنی جان اور اپنے مال کے ذریعہ خدا کی راہ میں جہاد کیا اور جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو پوری بہادری اور شجاعت کے ساتھ لڑا یہاں تک کہ مارا گیا نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ شہادت یا خصلت، پاک کرنے والی ہے کہ اس کے گناہوں اور خطاؤں کو مٹاتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تلوار خطاؤں کو بہت زیادہ مٹانے والی ہے یہ وہ شہید ہے کہ جس دروازے سے جانا چاہے گا جنت میں داخل کیا جائے گا اور تیسرا شخص منافق ہے کہ (اگرچہ) اس نے بھی اپنی جان اور اپنے مال کے ذریعہ جہاد کیا اور جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو (خوب) لڑا یہاں تک کہ مارا گیا (لیکن) یہ شخص دوزخ میں جائے گا کیونکہ تلوار نفاق کو نہیں مٹاتی۔" (دارمیؒ)

جہاد میں پاسبانی کی خدمت انجام دینا بدعملیوں کا کفارہ اور نجات ابدی کا ذریعہ ہے

(۷۲) وَعَنِ ابْنِ عَائِذٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جِنَازَةِ رَجُلٍ فَلَمَّا وُضِعَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَاتُصَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ رَجُلٌ فَاجِرٌ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ رَاٰهُ اَحَدٌ مِنْكُمْ عَلٰى عَمَلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَرَسَ لَيْلَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَصَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَثٰى عَلَيْهِ التُّرَابَ وَقَالَ اَصْحَابُكَ يَظُنُّوْنَ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَقَالَ يَا عُمَرُ اِنَّكَ لَاتُسْئَلُ عَنْ اَعْمَالِ النَّاسِ وَلٰكِنْ تُسْئَلُ عَنِ الْفِطْرَةِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت ابن عائذؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ ایک شخص کے جنازے کے ساتھ چلے تاکہ اس کی نماز پڑھیں جب جنازہ

رکھا گیا تو حضرت عمر ابن خطاب ؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) آپ اس جنازے کی نماز نہ پڑھئے کیونکہ یہ ایک فاسق شخص تھا، یہ سن کر رسول کریم ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی شخص نے اس کو اسلام کا کوئی کام کرتے دیکھا ہے؟ (یعنی اگر تم میں سے کسی نے اس کو اپنی زندگی میں کوئی ایسا عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے جو حقیقی اسلام پر دلالت کرے تو وہ ہمیں بتائے) ایک شخص نے عرض کیا "ہاں، یا رسول اللہ! اس شخص نے ایک رات اللہ کی راہ یعنی جہاد میں پاسبانی کی خدمت انجام دی تھی"۔ (یہ سن کر) رسول کریم ﷺ نے اس جنازہ کی نماز پڑھی اور (تدفین کے وقت اس کے قبر پر) مٹی ڈالی اور (گویا میت کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ تیرے ساتھیوں کا تو یہ گمان ہے کہ تو دوزخی ہے اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو جنتی ہے اور پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا عمر! تم سے لوگوں کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا بلکہ تم سے دین اسلام کی بابت پوچھا جائے گا۔" (اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے)

تشریح : "بلکہ تم سے دین اسلام کی بابت پوچھا جائے گا" یعنی اس چیز کے بارے میں پوچھا جائے گا جو شعار دین اور علامات یقین میں سے ہونے کی وجہ سے اسلام پر دلالت کرے۔

اس ارشاد کا مقصد دراصل حضرت عمرؓ کو اس جرات سے باز رکھنا تھا جو انہوں نے اس میت کے فسق کا تذکرہ کر کے کی تھی اور وہ ایک ناپسندیدہ چیز ہے چنانچہ ان الفاظ کے ذریعہ گویا آنحضرت ﷺ نے یہ واضح کیا کہ کسی مسلمان کی محض ظاہری زندگی اور اس کے اعمال کو دیکھ کر اس کی اخروی حیثیت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس چیز کو معیار بنانا چاہئے جو اس کے دین واسلام پر کامل یقین واعتقاد کی غمازی کرے اور یہ ثابت کرے کہ اس کے اصل ایمان میں کوئی کھوٹ اور اس کے بنیادی عقائد میں کوئی کجی نہیں ہے جہاں تک اعمال کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی بے نیاز ہے۔ اور وہ اپنے بندوں پر بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

طیبیؒ نے حدیث کے مذکورہ جملہ کی وضاحت یہ کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو یہ متنبہ کیا کہ عمر! تمہیں اس موقع پر میت کے برے اعمال اور اس کے ظاہری فسق کا ذکر نہیں کرنا چاہئے بلکہ تمہیں یہ چاہئے کہ تم اس کے نیک اعمال اور اس کی اچھی باتوں کو سامنے لاؤ۔ جیسا کہ ایک جگہ یوں فرمایا گیا ہے کہ:

اُذْكُرُوا مَوْتَاكُمْ بِالْخَيْرِ۔

"تم اپنے مرے ہوئے لوگوں کا تذکرہ بھلائی کے ساتھ کرو۔"

نیز حضرت عمرؓ کو ان کے اس اقدام وجرات سے روکنا مقصود تھا جس کا انہوں نے اس موقع پر مظاہرہ کیا تھا۔ یعنی اس کے فسق کا ذکر واظہار کیونکہ کسی انسان کی اخروی فلاح اور ابدی نجات کا دارومدار اصل میں فطرت یعنی اسلام اور اس کے عقائد پر ہے، جب کہ اس شخص نے ایک ایسا عمل بھی کیا تھا۔ جو اعمال اسلام میں سے ہے اور اس کے مسلمان ہونے کو ثابت کرنے کے لئے تنہا وہی عمل کافی ہے۔

بَابُ اِعْدَادِ اٰلَةِ الْجِهَادِ

سامان جہاد کی تیاری کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

جہاد کے لئے بقدر استطاعت، قوت طاقت فراہم کرنیکا حکم

① عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا

اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اور تم کافروں سے جنگ کرنے کے لئے اپنی طاقت وقوت کی جو (بھی) چیز تیار وفراہم کرسکتے ہو کرو۔ یاد رکھو تیر اندازی قوت ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "تیر اندازی قوت ہے" کے ذریعہ اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم میں یہ جو حکم دیا گیا ہے کہ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ یعنی تم کفار سے جنگ کرنے کے لئے اپنی طاقت وقوت کی جو بھی چیز تیار وفراہم کرسکتے ہو کرو، تو اس آیت میں "قوت" سے مراد تیر اندازی ہے۔

اور بیضاوی وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ "قوت" سے مراد ہر وہ چیز جس کے ذریعہ انسان لڑائی میں طاقت وقوت حاصل کرسکتا ہو! اس صورت میں کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کا "قوت" سے تیر اندازی مراد لینا شاید اس بناء پر ہے کہ اس زمانہ میں اور چیزوں کی بہ نسبت یہ چیز یعنی تیر اندازی سب سے زیادہ طاقت وقوت کا ذریعہ بھی تھی اور سہل العمل بھی۔

دشمن جس چیز کو اپنی طاقت کا ذریعہ بنائے تم بھی اس میں مہارت حاصل کرو

(۲) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَتُفْتَحُ عَلَيْكُمُ الرُّوْمُ وَيَكْفِيْكُمُ اللّٰهُ فَلَا يَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَلْهُوَ بِاَسْهُمِهٖ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عقبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تمہارے لئے روم کو فتح کردیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ تمہیں اہل روم کی شرانگیزیوں سے کفایت کرے گا لہٰذا خبردار تم میں سے کوئی شخص اپنے تیروں کے ساتھ کھیلنے میں سستی نہ کرے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں روم والے عام طور پر تیر اندازی ہی کے ذریعہ جنگ کرتے ہیں اور چونکہ تمہیں ان کے ساتھ جنگ کرنی ہے اس لئے ضروری ہے کہ تم لوگ تیر اندازی کو اپنا مشغلہ بنالو اور اس کی مشق کے ذریعہ اس کے گر اور کمالات سیکھتے رہو تا کہ تم ان سے جنگ کرنے پر قادر ہوسکو اور اللہ تمہیں ان سے مڈبھیڑ کے وقت اپنی مدد و نصرت کے ساتھ میں رکھے۔ یا آنحضرت ﷺ کی یہ مراد تھی کہ تیر اندازی کی مشق کو ترک نہ کرو بلکہ جنگ میں فتح کے بعد بھی اس کا مشغلہ جاری رکھو اور اس بات پر غرور اور اطمینان کرکے نہ بیٹھ جاؤ کہ اب تو روم فتح ہوگیا ہے اس مشغلہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی کیونکہ تیر اندازی کی ضرورت ہمیشہ اور ہر جنگ کے وقت پڑنے والی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ ہدایت پیش بندی کے طور پر دی تھی، چنانچہ اس پر پوری طرح عمل کیا گیا اگرچہ اہل روم کے قتال کے موقع پر اس کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو روم پر بڑی آسانی کے ساتھ فتح عطا فرمادی تھی۔

تیر اندازی کی مشق کو "لہو" یعنی کھیل سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ کسی بھی چیز کی مشق صورت کے اعتبار سے کھیل ہی کے درجے کی چیز ہوتی ہے دوسرے اس کے ذریعہ لوگوں کو تیر اندازی کی مشق کی ترغیب دلانا مقصود تھا کہ کسی چیز پر "کھیل" کا نام آجائے تو اس کی طرف جلدی مائل ہوجانا انسانی خصلت میں داخل ہے۔

تیر اندازی کی اہمیت

(۳) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ عَلِمَ الرَّمْيَ ثُمَّ تَرَكَهٗ فَلَيْسَ مِنَّا اَوْ قَدْ عَصٰى۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عقبہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے تیراندازی سیکھی اور پھر اس کو چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی ہمارے طریقہ پر چلنے والوں میں شامل نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہ اسنے نافرمانی کی۔" (مسلمؒ)

تشریح: "وہ ہم میں سے نہیں ہے" کا مطلب یہ ہے، کہ وہ ہم سے قریب نہیں ہے اور ایک ایسے شخص کی مانند ہے جس کا شمار ہمارے زمرے میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک تو یہ کہ تیراندازی سیکھے ہی نہیں لیکن اس کو سیکھ کر پھر چھوڑ دینا نہ سیکھنے کی بہ نسبت کہیں زیادہ برا ہے کیونکہ جس شخص نے تیراندازی نہیں سیکھی وہ تو گویا آپ ﷺ کے زمرے میں داخل ہی نہیں ہوا لیکن یہ تو وہ شخص ہے جو آپ ﷺ کے زمرے میں داخل ہو اور پھر نکل گیا گویا اس نے اس کام میں کوئی نقصان دیکھا یا اس کو کوئی برائی محسوس ہوئی اور یا اس نے ایسا استہزا کے طور پر کیا اور ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں ایک بڑی نعمت کا کفران کرنے کا مرادف ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے تیراندازی کی عملی ترغیب

④ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَوْمٍ مِنْ اَسْلَمَ يَتَنَا ضَلُوْنَ بِالسُّوْقِ فَقَالَ اُرْمُوْا بَنِي اِسْمَاعِيْلَ فَاِنَّ اَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا وَاَنَا مَعَ بَنِيْ فُلَانٍ لِاَحَدِ الْفَرِيْقَيْنِ فَاَمْسَكُوْا بِاَيْدِيْهِمْ فَقَالَ مَالَكُمْ قَالُوْا كَيْفَ نَرْمِيْ وَاَنْتَ مَعَ بَنِي فُلَانٍ قَالَ اُرْمُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت سلمہؓ ابن اکوع کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ بنی اسلم کے ایک قبیلہ میں تشریف لائے اور وہ لوگ اس وقت بازار میں آپس میں تیراندازی (کی مشق) کر رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اے اولاد اسمٰعیل (یعنی اے عربو) تیراندازی کرو، کیونکہ تمہارے باپ (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) تیرانداز تھے۔ اور میں (بھی) فلاں قبیلے کے ساتھ ہوں (یعنی اس وقت بنی اسلم کے جو دو فریق آپس میں تیراندازی کی مشق کر رہے تھے آپ ﷺ نے ان میں ایک کا نام لے کر فرمایا کہ اس مشق میں میں اس فریق کی طرف ہوں) لیکن دوسرے فریق نے اپنے ہاتھ روک لئے (یعنی جب آنحضرت ﷺ ایک فریق کی طرف ہو گئے تو مقابل فریق نے تیراندازی سے اپنے ہاتھ کھینچ لئے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا؟ یعنی تم نے تیر پھینکنے کیوں بند کر دیئے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس صورت میں کیسے تیراندازی کر سکتے ہیں جب کہ آپ فلاں (فریق) کے ساتھ ہیں یعنی ہمیں یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ ﷺ ہمیں چھوڑ کر دوسرے فریق کی طرف ہو جائیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا (اچھا) تم تیراندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔" (بخاریؒ)

حضرت ابوطلحہؓ کی تیراندازی

⑤ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَبُوْطَلْحَةَ يَتَتَرَّسُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتُرْسٍ وَاحِدٍ وَكَانَ اَبُوْطَلْحَةَ حَسَنَ الرَّمْيِ فَكَانَ اِذَا رَمٰى تَشَرَّفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْظُرُ اِلٰى مَوْضِعِ نَبْلِهٖ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابوطلحہؓ (میدان جنگ میں) ایک ڈھال کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کا بچاؤ کر رہے تھے ابوطلحہؓ ایک بہترین تیرانداز تھے چنانچہ (وہ دشمنوں پر بڑی مہارت اور چابکدستی کے ساتھ تیراندازی بھی کر رہے تھے اور آنحضرت ﷺ کی حفاظت بھی) جب وہ تیر پھینکتے تو نبی کریم ﷺ جھانک کر دیکھتے کہ تیر کہاں پڑا ہے اور کس کو لگا ہے۔" (بخاریؒ)

گھوڑوں کی فضیلت

⑥ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَرَكَةُ فِيْ نَوَاصِي الْخَيْلِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: پیشانی سے مراد "ذات" ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں میں ایک خاص قسم کی برکت رکھی ہے کیونکہ گھوڑوں کے ذریعہ جہاد کیا جاتا ہے جس میں دنیا و آخرت کی خیرو بھلائی ہے۔

(۷) وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْوِى نَاصِيَةَ فَرَسٍ بِاَصْبَعِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ الْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْاَجْرُ وَالْغَنِيْمَةُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جریر ابن عبداللہ بجلی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ایک گھوڑے کی پیشانی کے بالوں کو اپنی انگلی سے بل دیتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ گھوڑے (وہ جانور ہیں) جن کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لئے خیرو بھلائی بندھی ہوئی ہے کیونکہ گھوڑوں کے ذریعہ جہاد کرنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے جس میں دنیا کا مال غنیمت حاصل ہوتا ہے۔" (مسلمؒ)

(۸) وعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِيْمَانًا بِاللّٰهِ وَتَصْدِيْقًا بِوَعْدِهٖ فَاِنَّ شِبعَهٗ وَرِيَّهٗ وَرَوْثَهٗ وَبَوْلَهٗ فِىْ مِيْزَانِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے وعدے کو سچ جاننے کی وجہ سے خدا کی راہ میں (کام لینے کے لئے اپنے گھر) گھوڑا باندھا تو اس گھوڑے کی سیری و سیرابی (یعنی اس نے دنیا میں جو کچھ کھایا اور پیا ہے وہ) اور اس کی لید اور اس کا پیشاب قیامت کے دن اس شخص کے اعمال کی ترازو میں تولے جائیں گے۔" (بخاریؒ)

تشریح: "اللہ پر ایمان لانے اور اس کے وعدے کو سچ جاننے کی وجہ سے" کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جہاد میں جانے اور دشمنوں سے لڑائی کے لئے جو گھوڑا اپنے ہاں باندھا ہو اس میں اس کی نیت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول اور اس کے حکم کی فرمانبرداری کی ہو اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لئے جس عظیم اجرت و ثواب کا وعدہ کیا ہے اس کی طلب گاری کی خاطر ہو۔

"سیری اور سیرابی" سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے جانور کا پیٹ بھرتا ہے اور سیراب ہوتا ہے یعنی گھاس، دانہ، پانی وغیرہ لہٰذا یہ ساری چیزیں بھی ثواب ملنے کے اعتبار سے اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی کہ قیامت کے دن یہ چیزیں ثواب کی شکل میں اس کو حاصل ہوں گی اور اس کے میزان اعمال میں تولی جائیں گی۔

اشکل گھوڑا ناپسندیدہ

(۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ الشِّكَالَ فِى الْخَيْلِ وَالشِّكَالُ اَنْ يَكُوْنَ الْفَرَسُ فِىْ رِجْلِهِ الْيُمْنٰى بَيَاضٌ وَفِىْ يَدِهِ الْيُسْرٰى اَوْفِىْ يَدِهِ الْيُمْنٰى وَرِجْلِهِ الْيُسْرٰى۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ گھوڑے میں شکال کو ناپسند کرتے تھے، اور شکال یہ ہے کہ گھوڑے کے دائیں پاؤں اور بائیں ہاتھ پر سفیدی ہو یا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں پر سفیدی ہو۔" (مسلمؒ)

تشریح: راوی نے تو شکال کی وضاحت یہ کی ہے کہ گھوڑا جس کے ایک ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں پر سفیدی ہو لیکن صاحب قاموس اور دوسرے تمام اہل لغت کے نزدیک گھوڑے میں شکال کا مطلب یہ ہے کہ اس گھوڑے کے تین پاؤں تو سفید ہوں اور ایک پاؤں باقی تمام بدن کا ہم رنگ ہو یا اس کے برعکس ہو یعنی ایک پاؤں سفید ہو اور تین پاؤں بدن کے ہم رنگ ہوں۔

اصل میں "شکل" لغت میں اس رسی کو کہتے ہیں جس پر چوپائے کے پیر باندھے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس طرح کے گھوڑے کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور آنحضرت ﷺ ایسے گھوڑے کو ازراہ تفاؤل کے ناپسند فرماتے تھے کہ وہ گھوڑا گویا بصورت شکول ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کو تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہو کہ اس جنس کا گھوڑا اصیل نہیں ہوتا۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر اشکل گھوڑے کی پیشانی پر اتنی سفیدی ہو کہ جو ہاتھ کے انگوٹھے سے نہ چھپ سکے تو اس کا عیب دور

ہو جاتا ہے اور پھر وہ ناپسندیدہ نہیں رہتا۔

گھوڑ دوڑ کا ذکر

(۱۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي اُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْيَاءِ وَاَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ وَبَيْنَهُمَا سِتَّةُ اَمْيَالٍ وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضْمَرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ اِلٰى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ وَبَيْنَهُمَا مِيْلٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان دونوں گھوڑوں کے درمیان مسابقت گھوڑ دوڑ کرائی جو اضمار کئے گئے تھے اور یہ مسابقت حفیاء سے شروع ہوئی اور ثنیۃ الوداع پر ختم ہوئی اور ان دونوں مقامات (یعنی حفیاء اور ثنیۃ الوداع) کے درمیان چھ میل کا فاصلہ تھا اور جن گھوڑوں کا اضمار نہیں کیا گیا تھا ان کے درمیان ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک مسابقت کرائی اور ان دونوں مقامات (یعنی ثنیۃ الوداع اور مسجد بنی زریق) کا درمیانی فاصلہ ایک میل تھا۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح: "گھوڑوں کے درمیان مسابقت" گویا گھوڑ دوڑ کے مفہوم کے مرادف ہے یعنی دو آدمی اپنے گھوڑوں کو اس لئے دوڑائیں کہ دیکھیں کہ کس کا گھوڑا آگے نکل جاتا ہے۔

"اضمار" اس کو کہتے ہیں کہ پہلے تو گھوڑے کو خوب گھاس دانہ کھلا پلا کر بہت قوی اور فربہ کیا جاتا ہے اس کے بعد اس کا گھاس دانہ بتدریج کم کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کو اصلی خوراک پر لے آتے ہیں اور پھر اس کو ایک مکان پر بند کر کے اس پر گردنی ڈال دیتے ہیں اس کی وجہ سے وہ گرم ہو جاتا ہے اور پسینہ چھوڑتا ہے اور جب پسینہ خشک ہو جاتا ہے تو وہ گھوڑا سبک ہو جاتا ہے یعنی اس کا گوشت تو ہلکا ہو جاتا ہے لیکن دوڑنے میں قوی رہتا ہے۔

"حفیاء" ایک جگہ کا نام ہے۔ جو مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے، ثنیۃ الوداع ایک پہاڑ کا نام ہے اہل مدینہ اپنے مسافروں کو پہنچانے کے لئے اس پہاڑ تک جاتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی ایک اونٹنی کا ذکر

(۱۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ نَاقَةٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُسَمَّى الْعَضْبَاءَ وَكَانَتْ لَا تُسْبَقُ فَجَاءَ اَعْرَابِيٌّ عَلٰى قَعُوْدٍ لَهُ فَسَبَقَهَا فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَا يَرْتَفِعَ شَيْءٌ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا وَضَعَهُ۔ (رواہ البخاریؒ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے پاس ایک اونٹنی تھی جس کا نام عضباء تھا اور وہ کبھی پیچھے نہیں رہتی تھی (یعنی اس کا جس اونٹ سے بھی دوڑ میں مقابلہ ہوتا اس کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاتی تھی) لیکن (ایک دن) ایک دیہاتی اپنے اونٹ پر آیا اور (جب اس نے عضباء سے اپنا اونٹ دوڑایا تو) اس کا اونٹ آگے نکل گیا یہ بات مسلمانوں پر سخت گزری تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا یہ ایک ثابت شدہ فیصلہ ہے کہ دنیا کی جو بھی چیز سربلند ہوتی ہے خدا اس کو پست کر دیتا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: اصل میں "عضباء" اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے کان کٹے ہوئے یا چرے ہوئے ہوں۔ آنحضرت ﷺ کی اس اونٹنی کا کان گو کٹا ہوا یا چرا ہوا نہیں تھا مگر اس کا نام "عضباء" تھا البتہ خلقی طور پر اس کے کان چھوٹے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی یہ وہی اونٹنی ہے جس کو "قصواء" بھی کہتے ہیں، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اونٹنی اور تھی اور "عصواء" ایک دوسری اونٹنی تھی۔

"قعود" اس جوان اونٹ کو کہتے ہیں جو نیا نیا سواری میں آیا ہو اور سواری کے لائق ہو گیا ہو ایسا اونٹ دو برس سے چھ برس تک کی

عمر کا ہوتا ہے جس اونٹ کی عمر چھ برس سے زائد ہو اس کو "جمل" کہتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

جہاد میں کام آنے والا ہتھیار اپنے بنانے والے کو بھی جنت میں لے جائے گا

(۱۲) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَةَ نَفَرٍ الْجَنَّةَ صَانِعَهُ يَحْتَسِبُ فِيْ صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِيَ بِهِ مُنْبِلَهُ فَارْمُوْا وَارْكَبُوْا وَاَنْ تَرْمُوْا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ تَرْكَبُوْا كُلُّ شَيْءٍ يَلْهُوْ بِهِ الرَّجُلُ بَاطِلٌ اِلَّا رَمْيَهُ بِقَوْسِهِ وَتَادِيْبَهُ فَرَسَهُ وَمُلَاعَبَتَهُ اِمْرَاَتَهُ فَاِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَمَنْ تَرَكَ الرَّمْيَ بَعْدَ مَا عَلِمَهُ رَغْبَةً عَنْهُ فَاِنَّهُ نِعْمَةٌ تَرَكَهَا اَوْقَالَ كَفَرَهَا۔

"حضرت عقبہؓ ابن عامر کہتے ہیں میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ (کفار پر چلائے جانے والے) ایک تیر کے بدلے میں تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے ایک تو اس تیر کے بنانے والے کو جب کہ وہ اپنے روزگار کے ساتھ ثواب کی بھی امید رکھے (یعنی جب وہ تیر بنائے تو اپنے روزگار کے ساتھ نیت بھی رکھے کہ میں یہ تیر جہاد میں کام آنے کے لئے بنا رہا ہوں) (دوسرے) جہاد میں تیر چلانے والے کو اور (تیسرے) تیر دینے والے کو (یعنی وہ شخص جو تیر انداز کے ہاتھ میں اپنا یا کسی کا تیر دے اور خواہ پہلے ہی دے یا نشانے پر سے اٹھا کر دے) لہٰذا تم تیر اندازی کرو اور گھوڑوں پر سواری کرو یعنی تیر اندازی اور گھوڑ سواری کی مشق کرو اور تمہاری تیر اندازی میرے نزدیک سواری کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے اور یاد رکھو انسان جس چیز کو لہو و لعب (یعنی محض کھیل اور تفریح) کے طور پر اختیار کرے وہ باطل اور ناروا ہے مگر اپنی کمان سے تیر اندازی کرنا اپنے گھوڑے کو سدھارنا اور اپنی بیوی کے ساتھ کھیل و تفریح کرنا یہ سب چیزیں حق ہیں ترمذیؒ ابن ماجہؒ ابوداؤدؒ اور دارمیؒ نے (اپنی روایت میں) یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ اور جو شخص تیر اندازی سیکھنے کے بعد اس کو بے نیازی اور بیزاری کے جذبہ سے چھوڑ دے تو وہ تیر اندازی ایک نعمت ہے جس کو اس نے چھوڑ دیا ہے یا یہ فرمایا کہ اس نے اس نعمت کا کفران کیا۔"

تشریح: "یہ چیزیں حق ہیں" ان چیزوں کے حکم میں ہر وہ چیز داخل ہے جو حق و بھلائی کی راہ میں معاون ہو خواہ وہ علم کے قبیل سے ہو یا عمل کے قبیل سے جب کہ وہ مقابلہ بازی کی قسم سے ہو جیسے پیدل چلنے اور دوڑنے، گھوڑ سواری اور اونٹوں کی دوڑ کا مقابلہ وغیرہ۔

تیر انداز کے ثواب کا ذکر

(۱۳) وَعَنْ اَبِيْ نَجِيْحٍ السُّلَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَلَغَ بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ لَهُ دَرَجَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ رَمٰى بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ لَهُ عِدْلُ مُحَرَّرٍ وَمَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْاِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَوٰى اَبُوْدَاوُدَ اَلْفَصْلَ الْاَوَّلَ وَالنَّسَائِيُّ الْاَوَّلَ وَالثَّانِيَ وَالتِّرْمِذِيُّ الثَّانِيَ وَالثَّالِثَ وَفِيْ رِوَايَتِهِمَا مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بَدَلَ فِي الْاِسْلَامِ۔

"اور حضرت ابو نجیح سلمیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں ایک تیر (نشانے پر) پہنچایا (یعنی اس نے تیر چلا کر کافر کو مار ڈالا تو) اس کے لئے جنت میں ایک بڑا درجہ ہے اور جس شخص نے اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد) میں تیر پھینکا (خواہ وہ کافر کو لگا یا نہ لگا) تو وہ اس کے لئے ایک بردہ (غلام یا لونڈی) آزاد کرنے کے برابر ہے اور جو شخص اسلام (کی حالت) میں بوڑھا ہو گیا اور مر گیا) تو وہ بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لئے نور ہوگا۔ (اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے) ابوداؤد نے (روایت کا صرف) پہلا جزو یعنی من بلغ بسهم فی سبیل اللّٰه فهو له درجة فی الجنة نقل کیا ہے) نسائی نے پہلا اور

دوسرا جزء (کہ جس میں تیر اندازی کی فضیلت بیان کی گئی ہے) نقل کیا ہے اور ترمذی نے دوسرا اور تیسرا جز نقل کیا ہے۔ نیز بیہقی اور ترمذی کی روایت میں "فی الاسلام" یعنی اسلام کی حالت میں کے بجائے "فی سبیل اللہ" یعنی "اللہ کی راہ میں" ہے۔"

تشریح: "جو شخص اسلام کی (حالت) میں بوڑھا ہو گیا الخ" سے واضح ہوا کہ کسی شخص کا ایمان و اسلام کی حالت میں بوڑھا ہو جانا یا اس پر بڑھاپے کی علامات کا ظاہر ہو جانا گویا اس کی اخروی سعادت کی نشانی ہے کیونکہ زندگی آخری منزلوں تک اسلام و ایمان کی حالت پر قائم رہنا اللہ کا ایک بڑا فضل و کرم ہے۔

ایک بڑے بزرگ حضرت ابویزیدؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن انہوں نے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھا تو وہاں ان کو بڑھاپے کی علامات نظر آئیں بے اختیار ان کے منہ سے یہ نکلا کہ ظہر الشیب ولم یظہر العیب و ما ادری مافی الغیب یعنی خدا کا شکر ہے کہ مجھ پر بڑھاپا ظاہر ہوا ہے، کوئی عیب ظاہر نہیں ہوا، اور پردہ غیب میں کیا چیز ہے مجھے کچھ معلوم نہیں۔

ایک بات یہ واضح رہے کہ کتاب کی عبارت میں روایتھا کی ضمیر بظاہر نسائی اور ترمذی کی طرف لوٹنی چاہئے کیونکہ ماقبل کی عبارت میں یہی دونوں پاس پاس مذکور ہیں لیکن حقیقت میں یہ (نسائی اور ترمذی کی طرف ضمیر لوٹانا) اس وجہ سے صحیح نہیں ہوگا کہ نسائی نے تیسرا جزو نقل ہی نہیں کیا، لہٰذا ضمیر بیہقی اور ترمذی کی طرف راجع ہوگی اور فی روایتھما کے یہی معنی ہوں گے۔ کہ "بیہقی اور ترمذی کی روایت میں الخ" البتہ اس صورت میں ایک اشکال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جب اصل روایت میں کہ جس کو بیہقی ہی نے نقل کیا ہے "فی الاسلام" کے لفظ مذکور ہیں تو پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ بیہقی اور ترمذی کی روایت میں "فی الاسلام" کے بجائے فی سبیل اللّٰہ کے الفاظ ہیں؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فی روایتھما اصل میں مفہوم کے اعتبار سے یوں ہے کہ وفی روایۃ للبیھقی و روایۃ الترمذی یعنی بیہقی کی ایک اور روایت میں اور ترمذی کی روایت میں (فی الاسلام کے بجائے فی سبیل اللہ ہے)" اس طرح بات صاف ہو جائے گی کہ بیہقی کی ایک روایت میں جو یہاں متن میں نقل کی گئی ہے فی الاسلام ہے اور ایک دوسری روایت میں فی الاسلام کے بجائے فی سبیل اللّٰہ ہے۔

جہاد کی چیزوں میں شرط کا مال لینا جائز ہے

⑭ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا سَبَقَ اِلَّا فِیْ نَصْلٍ اَوْ خُفٍّ اَوْ حَافِرٍ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مسابقت کی شرط کا مال لینا صرف تین چیزوں (یعنی) تیر چلانے، اونٹ دوڑانے، اور گھوڑ دوڑ میں جائز ہے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: "سَبَق" شرط کی رقم کو کہتے ہیں، یعنی وہ مال جو آگے بڑھ جانے کی شرط جیتنے والے کو دیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے بظاہر یہ واضح ہوتا ہے کہ ان تین چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز میں مسابقت یعنی آگے بڑھ جانے کی بازی لگانا اور اس کا مال لینا جائز نہیں ہے، لیکن فقہاء نے ان تینوں کے حکم میں ان چیزوں کو بھی شامل کیا ہے جو جہاد کا سامان و ذریعہ ہیں جیسے گدھا اور خچر، گھوڑے کے حکم میں ہیں اور ہاتھی، اونٹ کے حکم میں ہے۔ بعض حضرات نے پیدل دوڑنے اور بعض نے پتھر پھینکنے کی مسابقت کو جواز کے حکم میں شامل کیا ہے کیونکہ یہ چیزیں "تیر" کے مفہوم میں داخل ہیں۔

جو چیزیں جہاد کے ذرائع میں شامل ہیں ان کی مسابقت میں شرط باندھنا اور بازی لگانا اور شرط کی رقم لینا دراصل جہاد کی ترغیب دینے کے پیش نظر ہوتا ہے اور اسی لئے اس کا جواز کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ ہاں جو چیزیں جہاد کے اسباب و ذرائع میں سے نہیں ہیں ان میں مسابقت کی بازی لگانا اور شرط باندھنا چونکہ ایسے کسی صالح مقصد کے لئے نہیں ہوتا اس لئے نہ تو ان چیزوں میں مسابقت ہی جائز ہے اور نہ اس کی

شرط کا مال لینا جائز ہے۔

بازی لگانے کا مسئلہ

واضح رہے کہ کسی چیز کی مسابقت اور ہار جیت کے مقابلہ میں رقم کی شرط باندھنا دراصل قمار یعنی جوئے کا مفہوم ہے، کیونکہ اس صورت میں ملکیت بھی مشتبہ رہتی ہے اور نفع ونقصان کے درمیان بھی شک رہتا ہے اور قمار کے یہی معنی ہیں ہاں اگر کسی مسابقت اور ہار جیت کے مقابلہ میں امیر وحاکم یا کسی اور تیسرے شخص کی طرف سے کسی رقم یا کسی مال کی شرط باندھی جائے مثلاً وہ (امیر وحاکم یا تیسرا شخص) یہ کہے کہ ان دونوں میں سے جو شخص آگے بڑھ جائے گا یا جو شخص جیت جائے گا میں اس کو اتنی رقم یا فلاں چیز دوں گا تو یہ جائز ہوگا، اسی طرح دونوں مقابل میں سے صرف کسی ایک کی جانب سے کی رقم یا مال کی شرط باندھی جائے مثلاً ان میں سے کوئی ایک یوں کہے کہ "اگر تم مجھ سے آگے بڑھ گئے یا میرے مقابلہ پر جیت گئے تو میں تمہیں اتنی رقم یا فلاں چیز دوں گا اور اگر میں آگے بڑھ گیا یا میں جیت گیا تو تمہیں کچھ نہ دینا ہوگا۔" تو اس کے جواز میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ ناجائز تو اس صورت میں ہوگا جب کہ دونوں کی طرف سے بازی لگے۔ جیسے یوں کہا جائے کہ اگر میں آگے بڑھ گیا یا میں جیت گیا تو تمہیں اتنی رقم یا فلاں چیز دینی ہوگی اور اگر تم آگے بڑھ گئے یا جیت گئے تو میں اتنی رقم یا فلاں چیز دوں گا۔" کیونکہ حقیقت میں یہی قمار یعنی جوا ہے لیکن یہ صورت بھی اس طرح سے جائز ہو سکتی ہے۔ جب کہ دونوں کے درمیان "محلل" شامل ہو جائے۔ جیسا کہ اگلی حدیث میں بیان ہوگا۔"

مسابقت میں محلل کے شامل ہونے کا مسئلہ

(۱۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ فَاِنْ كَانَ يَاْمَنُ اَنْ يُسْبَقَ فَلَا خَيْرَ فِيْهِ فَاِنْ كَانَ لَا يَاْمَنُ اَنْ يُسْبَقَ فَلَا بَاْسَ بِهٖ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاؤدَ قَالَ مَنْ اَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ يَعْنِيْ وَهُوَ لَا يَاْمَنُ اَنْ يُسْبَقَ فَلَيْسَ بِقِمَارٍ وَمَنْ اَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ وَقَدْ اَمِنَ اَنْ يُسْبَقَ فَهُوَ قِمَارٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جو شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا گھوڑا شامل کرے تو اگر وہ گھوڑا ایسا ہے کہ (جس کے تیز رو ہونے کی وجہ سے) اس کے بارے میں یہ یقین ہے کہ وہ (ان دونوں گھوڑوں سے) آگے نکل جائے گا تو اس میں بھلائی نہیں ہے اور اگر یہ یقین نہیں ہے کہ وہ آگے نکل جائے گا تو پھر اس میں مضائقہ نہیں۔" (شرح السنة) اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا) اگر کوئی شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا گھوڑا شامل کرے یعنی جس کے بارے میں یہ یقین نہیں ہے کہ اگر وہ آگے نکل جائے گا تو یہ قمار (جوا) نہیں ہے اور اگر کوئی شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا (ایسا) گھوڑا شامل کرے جس کے بارے میں یہ یقین ہے کہ وہ آگے نکل جائے گا تو یہ قمار ہے۔"

تشریح: "جو شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا گھوڑا شامل کرے۔" یہ تحلیل کی صورت ہے جو مسابقت (یعنی گھوڑ دوڑ کے ہونے والے مقابلہ) میں بازی لگانے اور شرط باندھنے کو جائز کرتی ہے اور ایسے شخص کو (کہ جو دو گھوڑوں کے درمیان ہونے والے مقابلہ میں اپنا گھوڑا شامل کرے "محلل کہتے ہیں۔ اس صورت کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً دو شخص یعنی زید اور بکر نے مقابلے کے لئے اپنے اپنے گھوڑے دوڑائے اور دونوں نے ہار جیت کی شرط باندھی کہ جس کا گھوڑے آگے نکل جائے گا وہ پیچھے رہ جانے والے گھوڑے کے مالک سے اتنی رقم یا فلاں چیز لے لیگا۔ اس طرح انہوں نے ایک قمار (جوئے) کا معاملہ کیا، اب ایک تیسرا شخص یعنی خالد آتا ہے اور وہ ان دونوں کی گھوڑوں کی دوڑ میں شرط کے ساتھ اپنا گھوڑا بھی شامل کر دیتا ہے کہ اگر یہ تیسرا (میرا) گھوڑا ان دونوں گھوڑوں سے آگے نکل گیا تو میں تم دونوں سے اتنی رقم یا فلاں چیز لے لوں گا اور پیچھے رہ گیا تو مجھے کچھ نہیں دینا ہوگا۔

یہی صورت تحلیل کی ہے اور اس تیسرے شخص یعنی خالد کو "محلل" (حلال کرنے والا) کہیں گے۔ ایسے شخص کو "محلل" اس لئے کہتے

ہیں کہ اس کی وجہ سے وہ "معاملہ" حلال و جائز ہو گیا جو پہلے جانبین کی طرف سے شرط و بازی لگانے کی وجہ سے ایک "حرام" معاملہ "یعنی قمار تھا، چنانچہ مذکورہ صورت میں اگر محلل کا گھوڑا آگے نکل جائے تو وہ ان دونوں سے متعینہ رقم یا مقررہ چیز لے لے اور اگر ان دونوں کے گھوڑے اس کے گھوڑے سے آگے نکل جائیں تو وہ ان کو کچھ نہ دے البتہ جو ان دونوں میں سے ایک کا گھوڑا آگے نکلے گا اس کو دوسرے سے متعینہ رقم یا مقررہ چیز لینا جائز ہوگا۔

واضح رہے کہ علماء نے لکھا ہے اور جیسا کہ اس حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے کہ تحلیل کی صورت میں محلل کو چاہئے کہ وہ اس گھوڑ دوڑ میں ایسے گھوڑے کو شامل کرے جو دوڑنے میں ان دونوں کے گھوڑے کے برابر یا تقریبا برابر ہو، چنانچہ اگر محلل کا گھوڑا ان دونوں کے گھوڑے سے آگے اس طرح کا تیز رو ہو کہ وہ "محلل" جانتا ہے کہ ان دونوں کے گھوڑے میرے گھوڑے سے آگے نہیں نکل سکتے تو نہ صرف یہ کہ یہ جائز نہیں بلکہ اس کا اپنے گھوڑے کو اس گھوڑ دوڑ میں شامل کرنا اور نہ کرنا برابر ہوگا یعنی یہ صورت تحلیل کی نہیں ہوگی۔ ہاں اگر وہ یہ نہیں جانتا کہ میرا گھوڑا ان دونوں کے آگے نکل جائے گا اور نہ یہ جانتا ہے کہ میرا گھوڑا ان دونوں کے گھوڑے سے پیچھے رہ جائے گا تو یہ جائز ہے اور یہ صورت تحلیل کی مانی جائے گی۔ حاصل یہ کہ اگر محلل کا گھوڑا ایسا ہے کہ وہ آگے نکل جانے کا بھی احتمال رکھتا ہے اور پیچھے رہ جانے کا بھی احتمال رکھتا ہے تو جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

گھوڑ دوڑ میں "جلب" اور "جنب" کی ممانعت

(۱۶) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ زَادَ يَحْيٰى فِيْ حَدِيْثِهٖ فِي الرِّهَانِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مَعَ زِيَادَةٍ فِيْ بَابِ الْغَصَبِ۔

"اور حضرت عمران ابن حصین ؓ کہتے ہیں کہ "نہ جلب (جائز) ہے اور نہ جنب اور (ایک راوی) یحییٰ نے اپنی روایت میں لفظ "فی الرہان" بھی نقل کیا ہے (یعنی ان کی روایت میں یہ ہے کہ رہان یعنی گھوڑوں کی شرط و مسابقت میں نہ جلب جائز ہے اور نہ جنب) اس روایت کو ابوداؤد ونسائی نے نقل کیا ہے۔ نیز ترمذی نے بھی اس روایت کو کچھ زائد الفاظ و معانی کے ساتھ باب الغصب میں نقل کیا۔"

تشریح: "جلب اور جنب" یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا زکوٰۃ دینے والوں کی قیام گاہوں سے کہیں دور ٹھہرے اور ان کو یہ حکم دے کہ وہ اپنی زکوٰۃ کا مال جیسے مویشی لے کر یہاں آجائیں۔ اور "جنب" یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والے اپنے زکوٰۃ کے مال جیسے مویشیوں کو لے کر اپنی قیامگاہوں سے کہیں دور چلے جائیں اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کو اس مشقت میں مبتلا کریں کہ وہ ان کے پاس پہنچ کر زکوٰۃ وصول کرے۔ لہٰذا یہ دونوں ہی ممنوع و مکروہ ہیں۔

گھوڑ دوڑ میں "جلب" یہ ہے کہ گھوڑ دوڑ میں شریک ہونے والا کوئی سوار کسی دوسرے شخص کو اس مقصد سے اپنے گھوڑے کے پیچھے لگالے کہ وہ اس کے گھوڑے کو ڈانٹتا اور جھڑکتا رہے تاکہ وہ آگے بڑھ جائے۔ اور "جنب" یہ ہے کہ اپنے گھوڑے کے پہلو بہ پہلو ایک دوسرا گھوڑا رکھے تاکہ جب سواری کا گھوڑا تھک جائے تو اس گھوڑے پر سوار ہو جائے، یہ دونوں باتیں بھی ممنوع ہیں۔"

بہترین گھوڑے کی علامات

(۱۷) وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الْخَيْلِ الْاَدْهَمُ الْاَقْرَحُ الْاَرْثَمُ ثُمَّ الْاَقْرَحُ الْمُحَجَّلُ طَلْقُ الْيَمِيْنِ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ اَدْهَمَ فَكُمَيْتٌ عَلٰى هٰذِهِ الشِّيَةِ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

"اور حضرت ابوقتادہ ؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "بہترین گھوڑا سیاہ گھوڑا ہے جس کی پیشانی پر تھوڑی سی سفیدی ہو اور ناک کی جانب سفیدی ہو پھر وہ گھوڑا بہتر ہے جس کی پیشانی پر تھوڑی سی سفیدی ہو اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں لیکن دایاں ہاتھ

سفید نہ ہو اور اگر سیاہ گھوڑا نہ ہو پھر اسی قسم کا کمیت (بھی بہتر گھوڑا ہے۔" (ترمذی، دارمی)

تشریح: "کمیت" اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی دم اور ایال سیاہ ہوں اور باقی بدن سرخ ہو اور "اسی قسم" کا مطلب یہ ہے کہ جو علامتیں سیاہ گھوڑے میں بیان کی گئی ہیں یعنی پیشانی پر سفیدی وغیرہ۔ وہی "کمیت" میں بھی ہوں تو یہ گھوڑا بھی ایک بہترین گھوڑا ہے۔

(۱۸) وَعَنْ اَبِی وَھْبٍ نِ الْجُشَمِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِکُلِّ کُمَیْتٍ اَغَرَّ مُحَجَّلٍ اَوْ اَشْقَرَ اَغَرَّ مُحَجَّلٍ اَوْ اَدْھَمَ اَغَرَّ مُحَجَّلٍ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابووہب جشمیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تمہارے لئے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والا کمیت گھوڑا ضروری ہے (یعنی اگر تم گھوڑا رکھو تو اس طرح کا گھوڑا رکھو) پھر اشقر گھوڑا ہونا چاہئے جس کی پیشانی بھی سفید ہو اور ہاتھ پاؤں بھی سفید ہوں یا سیاہ سفید پیشانی ہو اور سفید ہاتھ پاؤں ہوں۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: "اشقر سرخ رنگ کے گھوڑے کو کہتے ہیں۔ کمیت اور اشقر میں فرق یہ ہے کہ کمیت کی دم اور ایال سیاہ ہوتی ہے اور اشقر کی سرخ۔

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُمْنُ الْخَیْلِ فِی الشُّقْرِ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "گھوڑوں کی برکت سرخ رنگ کے گھوڑوں میں ہوتی ہے۔"

(ترمذی، ابوداؤد)

گھوڑوں کی پیشانی کے بال اور ان کی ایال ودم نہ کاٹو

(۲۰) وَعَنْ عُتْبَۃَ بْنِ عَبْدٍ نِ السُّلَمِیِّ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تَقُصُّوْا نَوَاصِیَ الْخَیْلِ وَلَا مَعَارِفَھَا وَلَا اَذْنَابَھَا فَاِنَّ اَذْنَابَھَا مَذَابُّھَا وَمَعَارِفَھَا دِفَاءُھَا وَنَوَاصِیْھَا مَعْقُوْدٌ فِیْھَا الْخَیْرُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عتبہؓ ابن عبدالسلمی سے روایت ہے انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "گھوڑوں کی پیشانی کے بال، ان کی ایال اور ان کی دموں کو نہ کاٹو کیونکہ ان کی دمیں، ان کے مورچھل ہیں (کہ جن کو وہ ہلا ہلا کر مکھیوں اور کیڑوں کو اڑاتے ہیں) اور ان کی ایالیں ان کو گرمی پہنچانے کی چیز ہیں، تو ان کی پیشانی کے بالوں میں بھلائی بندھی ہوئی ہے۔" (ابوداؤد)

گھوڑوں کے بارے میں چند ہدایات

(۲۱) وَعَنْ اَبِی وَھْبٍ نِ الْجُشَمِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِرْتَبِطُوا الْخَیْلَ وَامْسَحُوْا بِنَوَاصِیْھَا وَاَعْجَازِھَا اَوْ قَالَ اَکْفَالِھَا وَقَلِّدُوْھَا وَلَا تُقَلِّدُوْھَا الْاَوْتَارَ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت وہب جشمیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "گھوڑوں کو باندھ کر رکھو، ان کی پیشانیوں اور ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا کرو۔ یا (اعجازھا کی جگہ) اکفالھا فرمایا (اور دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں (یعنی پیٹھ) ان کی گردن میں کنڈا (پٹا) باندھو لیکن ان کی گردن میں کمان کی تانت نہ باندھو۔" (ابوداؤدؒ ونسائیؒ)

تشریح: "باندھ رکھو" یہ گھوڑوں کو جہاد کے لئے فربہ اور چاق وچوبند رکھنے سے کنایہ ہے! یعنی اس کے ذریعہ گویا یہ حکم دیا گیا ہے کہ گھوڑوں کی اچھی طرح دیکھ بھال رکھو اور ان کو خوب کھلاؤ پلاؤ تاکہ وہ موٹے تازے رہیں اور جہاد میں اچھی طرح کام آئیں۔

"ہاتھ پھیرنے" کا مقصد یہ ہے کہ ان کو گرد وغبار سے صاف ستھرا رکھا جائے اور ان کی فربہی معلوم ہوتی رہے نیز اس کے ذریعہ گھوڑوں کو انس وراحت بھی حاصل ہوتی ہے۔

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کا معمول تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کی گردنوں میں کمان کے تانت باندھ دیا کرتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ اس کی وجہ سے گھوڑے نظر بد سے محفوظ رہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ چیز تقدیر کو بدل نہیں سکتی۔ یا اس لئے منع فرمایا کہ تانت باندھنے سے ان کا گلا نہ گھٹے۔

اہل بیت رسول ﷺ کو تین مخصوص احکام

(۲۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدًا مَامُوْرًا مَا اخْتَصَّنَا دُوْنَ النَّاسِ بِشَيْءٍ اِلَّا بِثَلَاثٍ اَمَرَنَا اَنْ نُسْبِغَ الْوُضُوْءَ وَاَنْ لَا نَاْكُلَ الصَّدَقَةَ وَاَنْ لَا نُنْزِيَ حِمَارًا عَلٰى فَرَسٍ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ایک مامور بندے تھے آپ ﷺ نے ہم کو (یعنی اپنے اہل بیت کو) دوسرے لوگوں سے الگ کر کے تین باتوں کے علاوہ اور کسی بات کا مخصوص طور پر حکم نہیں دیا اور وہ (تین باتیں جن کا خاص طور پر اہل بیت کو حکم دیا) یہ ہیں کہ (۱) ہم وضو کو پورا کریں (۲) ہم صدقہ کا مال نہ کھائیں (۳) ہم گھوڑیوں پر گدھے نہ چھوڑیں۔" (ترمذی ونسائی)

تشریح: "رسول کریم ایک مامور بندے تھے" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو خدا کی طرف سے جس بات کا حکم ہوتا تھا وہی کرتے تھے اپنی طرف سے نہ کوئی قانون بناتے تھے اور نہ اپنی خواہش نفس کے تحت کوئی حکم دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کسی بھی طبقہ و جماعت یا کسی بھی شخص و خاندان کے لئے خواہ وہ آپ کے نزدیک کتنا ہی محبوب کیوں نہ ہو الگ سے کسی چیز کا حکم دے کر اس کو دوسرے لوگوں پر ترجیح نہیں دیتے تھے، یہاں تک کہ اہل بیت جو اخص واقرب تھے ان کے لئے بھی احکام میں کسی امتیاز و خصوصیت کو روا نہیں رکھتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے وضاحت کی ہے کہ آنحضرت نے ہم اہل بیت کو بھی کسی چیز کا مخصوص طور پر حکم نہیں دیا ہاں تین چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اہل بیت کو بھی خصوصی حکم دیا گیا۔

گھوڑیوں (سے خچر پیدا کرنے کے لئے) پر گدھے چھوڑنے سے اس لئے منع فرمایا کہ اول تو اس سے نسل کو قطع کرنا لازم آتا ہے دوسرے یہ ایک اچھی چیز کے بدلے ایک گھٹیا چیز چاہنا ہے کیونکہ گھوڑے کے مقابلہ میں خچر ایک ادنی جانور ہے جو نہ گھوڑے کی طرح کار آمد ہوتا ہے اور نہ جہاد وغیرہ کے کام آتا ہے، لہٰذا ایسا کرنا مکروہ ہے۔

اس موقع پر ایک سوال اٹھتا ہے کہ صدقے کا مال کھانے کا مسئلہ تو بالکل صاف ہے کہ اس سے صرف اہل بیت کو منع کیا گیا ہے باقی اُمت اس کے حکم میں داخل نہیں ہے لیکن باقی دو حکم (یعنی وضو کو پورا کرنا اور گھوڑیوں پر گدھے نہ چھوڑنا) تو ایسے ہیں جن میں پوری اُمت داخل ہے کہ سارے ہی مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وضو کو پورا کرو (یعنی اچھی طرح) کریں اور اپنی گھوڑیوں پر گدھے نہ چھوڑیں پھر ان دونوں چیزوں کو صرف اہل بیت کے ساتھ مخصوص کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس سے مراد ان دونوں چیزوں کو اہل بیت پر واجب ولازم کرنا ہے، یا یہ کہ ان احکام کو اہل بیت کے حق میں زیادہ سے زیادہ اہمیت اور تاکید کے ساتھ نافذ کرنا مقصد ہے۔

یہ حدیث اپنے مفہوم کے اعتبار سے شیعوں کے اس نظریہ کی واضح تردید کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اہل بیت کو کچھ ایسے مخصوص علوم سے نوازا تھا جن میں باقی اُمت کا کوئی حصہ نہیں تھا! اسی طرح وہ حدیث بھی شیعوں کے اس نظریہ کی تردید میں ایک مضبوط دلیل ہے۔ جو پیچھے گزر چکی ہے۔ اور جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے۔

هل عند كم شيئ ليس في القران فقال والذى فلق الحبّة وبرأ النسمة ماعندنا الا مافى القران الا فهما يعطى الرجل فى كتابه ومافى الصحيفة۔ الحديث۔

"(جب حضرت علیؓ سے یہ پوچھا گیا کہ) کیا آپ کے پاس ایسا کوئی علم ہے جو قرآن میں موجود نہیں ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو چیرا اور جان کو پیدا کیا قرآن میں جو علوم ہیں ان کے علاوہ ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے ہاں مجھے بے شک کتاب اللہ کا وہ فہم

ملا جو کسی انسان کو عطا ہوتا ہے (اور میرے پاس کچھ) وہ چیزیں (مسائل) ہیں جو اس صحیفہ میں لکھے ہوئے ہیں۔ آخر حدیث تک۔"

گھوڑی پر گدھا چھوڑنے کی ممانعت

(۲۳) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَغْلَةٌ فَرَكِبَهَا فَقَالَ عَلِيٌّ لَوْ حَمَلْنَا الْحَمِيْرَ عَلَى الْخَيْلِ فَكَانَتْ لَنَا مِثْلُ هٰذِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ (ایک موقع پر) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک خچر بطور ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے، حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ "اگر ہم گھوڑیوں پر گدھے چھوڑیں تو ہمیں (بھی) ایسے خچر مل جائیں؟" رسول کریم ﷺ نے یہ (سن کر) فرمایا کہ "یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جو ناواقف ہیں۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ یہ غیر دانشمندانہ کام تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ اس (گھوڑیوں پر گدھے چھوڑنے) سے بہتر گھوڑی پر گھوڑا ہی چھوڑنا ہے کیونکہ جو فوائد گھوڑی سے اس کی نسل پیدا ہونے کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں وہ اس کے پیٹ سے خچر پیدا ہونے سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ یا یہ مراد ہے کہ یہ کام وہی نادان کر سکتے ہیں جو شریعت کے احکام سے واقف نہیں ہیں اور ان کو اس چیز کا راستہ نظر نہیں آتا جو ان کے حق میں اولیٰ اور بہتر ہے۔

اس حدیث میں گویا گھوڑی پر گدھا چھوڑنے کی ممانعت مذکور ہے، اور یہ ممانعت "نہی کراہت" کے طور پر ہے۔

تلوار کو تھوڑی بہت چاندی سے مزین کرنا جائز ہے

(۲۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةُ سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار کے قبضے کی ٹوپی چاندی کی تھی۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تلوار کو تھوڑی بہت چاندی کے ساتھ مزین و آراستہ کرنا جائز ہے، یہی حکم پیٹی کا بھی ہے۔ البتہ ان میں سے کسی میں بھی سونے کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔

(۲۵) وَعَنْ هُوْدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ جَدِّهٖ مَزِيْدَةَ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰى سَيْفِهٖ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ہود ابن عبداللہ بن سعد اپنے دادا سے کہ جن کا نام مزیدہ تھا نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فتح کے دن (مکہ میں) داخل ہوئے تو اس وقت آپ کے پاس جو تلوار تھی اس پر سونے اور چاندی کا کام تھا۔" امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے کہا یہ حدیث غریب۔"

تشریح: "اس حدیث کی بنیاد پر ہتھیار و اسلحہ جات میں سونے کے استعمال کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس حدیث کی سند مضبوط نہیں ہے۔"

جنگ میں حفاظت کے زیادہ سے زیادہ سامان استعمال کرنا توکل کے منافی نہیں ہے

(۲۶) وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلَيْهِ يَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ قَدْ ظَاهَرَ بَيْنَهُمَا۔

(رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت سائب ابن یزید سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے دن نبی کریم ﷺ (کے جسم مبارک) پر دو زرہیں تھیں آپ ﷺ نے ایک دوسرے پر پہن رکھا تھا۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جنگ کے کار آمد زیادہ سے زیادہ سامان فراہم کرنا اور میدان جنگ میں اپنی حفاظت کے لئے حتی الوسعت زیادہ سے زیادہ چیزوں کو اختیار کرنا جائز ہے۔ اور یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔"

آنحضرت ﷺ کے جھنڈے کا ذکر

(۲۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ رَايَةُ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوْدَاءَ وَاللِّوَاؤُهُ اَبْيَضُ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

"اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا بڑا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا اور چھوٹا جھنڈا سفید رنگ کا۔" (ترمذی، ابن ماجہ)

(۲۸) وَعَنْ مُوْسَى بْنِ عُبَيْدَةَ مَوْلٰى مُحَمَّدِ بْنِ الْقَاسِمِ قَالَ بَعَثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ اِلَى الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ يَسْأَلُهُ عَنْ رَايَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ سَوْدَاءَ مُرَبَّعَةً مِنْ نَمِرَةٍ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت موسیٰ ابن عبیدہ جو حضرت محمد ابن قاسم (تابعی) کے آزاد کردہ غلام تھے کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت محمد ابن قاسم نے مجھے حضرت براء ابن عازب (صحابی) کے پاس بھیجا تاکہ یہ دریافت ہو سکے کہ رسول کریم ﷺ کا جھنڈا کیسا تھا۔ چنانچہ حضرت براء نے فرمایا کہ (آنحضرت ﷺ کا) جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا (اس کا کپڑا) چوکور اور نمرہ کی طرح تھا۔" (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: چونکہ جھنڈے کے کپڑا کو "نمرہ" کی طرح بیان کیا گیا ہے اس لئے "سیاہ رنگ کا تھا" سے مراد یہ ہے کہ اس کا اکثر حصہ سیاہ رنگ کا تھا جس کی وجہ سے وہ دور سے سیاہ ہی معلوم ہوتا تھا نہ کہ خالص سیاہ رنگ کا تھا۔"

"نمرہ" اس کملی یا چادر کو کہتے ہیں جس میں سیاہ اور سفید دھاریاں اور خط ہوں۔ ویسے لغت میں "نمر" مشہور درندہ چیتے کو کہتے ہیں اسی لئے ایسے کپڑے کو چیتے سے تشبیہ دی ہے کہ اسی کھال پر سیاہ و سفید دھاریاں ہوتی ہیں۔

(۲۹) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ وَلِوَاؤُهُ اَبْيَضُ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

"اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (فتح مکہ کے دن) مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ سفید جھنڈا تھا۔"

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت ﷺ کی نظر میں گھوڑوں کی قدر و قیمت

(۳۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ النِّسَاءِ مِنَ الْخَيْلِ۔ (رواہ النسائی)

"حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی نظر میں عورتوں کے بعد (جہاد کے مقاصد کے لئے) گھوڑوں سے زیادہ محبوب و پسندیدہ اور کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔" (نسائی)

جنگ میں حقیقی طاقت حق تعالیٰ کی مدد و نصرت سے حاصل ہوتی ہے

(۳۱) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَتْ بِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْسٌ عَرَبِيَّةٌ فَرَاٰى رَجُلًا بِيَدِهٖ قَوْسٌ فَارِسِيَّةٌ قَالَ مَا هٰذِهٖ اَلْقِهَا وَعَلَيْكُمْ بِهٰذِهٖ وَاَشْبَاهِهَا وَرِمَاحِ الْقَنَا فَاِنَّهَا يُؤَيِّدُ اللّٰهُ لَكُمْ بِهَا فِي الدِّيْنِ وَيُمَكِّنُ لَكُمْ فِي الْبِلَادِ۔

(رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں (کسی میدان میں یا ویسے ہی کسی موقع پر) رسول کریم ﷺ کے ہاتھ میں عربی کمان تھی، جب آپ ﷺ نے ایک شخص (صحابی) کے ہاتھ میں فارسی (ایرانی کمان دیکھی تو فرمایا کہ "یہ کیا ہے؟ اس کو پھینک دو، تمہیں ایسی (یعنی عربی) کمان رکھنی چاہئے۔ اور اس طرح (یعنی اس وضع کی) رکھنی چاہئے۔ نیز تمہیں کامل نیزے رکھنے چاہئیں، یقیناً ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دین (کو سربلند کرنے) میں تمہاری مدد کرے گا اور (دشمنوں کے) شہروں میں تمہیں جمادے گا۔" (ابن ماجہ)

تشریح: گویا ان صحابی نے جب یہ دیکھا ہوگا کہ فارسی (ایرانی) کمان زیادہ مضبوط اور زیادہ سخت ہوتی ہے تو انہوں نے اس کمان کو عربی کمان پر ترجیح دی، نیز پھر انہوں نے یہ گمان کیا ہوگا کہ ایسی کمان جنگ میں بہت کارآمد ہوتی ہے اور دشمنوں کے شہروں کو فتح کرنے کا مضبوط ذریعہ ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان پر واضح کیا کہ تمہارا جو خیال ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ آلات حرب خواہ کسی قسم کے ہوں اور دیکھنے میں کتنے ہی مضبوط و عمدہ ہوں حقیقت میں میدان جنگ کی کامیابی کا ان پر انحصار نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے اپنے دین کی سربلندی کی جدوجہد میں مدد و نصرت دے کر کامیاب و کامران کرتا ہے۔ حقیقی مدد و نصرت اسی کی طرف سے اور اسی کی قوت و قدرت کے ساتھ ہوتی ہے، نہ تمہاری قوت و طاقت سے دین کی سربلندی میں نصرت حاصل ہوتی ہے اور نہ محض تمہارے ساز و سامان اور آلات حرب کی ... وٹی و عمدگی سے دشمنوں کے مقابلے پر مدد ملتی ہے۔

بَابُ اٰدَابِ السَّفَرِ

آداب سفر کا بیان

اس باب میں احادیث نقل ہوں گی جن سے سفر کے آداب اور طور طریقے معلوم ہوں گے، سفر خواہ جہاد کا ہو یا حج کا اور یا ان کے علاوہ اور کسی طرح کا۔

واضح رہے کہ "سفر کے آداب" بہت ہیں بعض تو اس طرح کے ہیں کہ ان کا تعلق سفر شروع کرنے سے پہلے سے ہے اور بعض آداب اس نوعیت کے ہیں کہ ان کا لحاظ سفر کے دوران ہونا چاہئے اور بعض آداب ایسے ہیں جو سفر سے واپس آنے پر ملحوظ رہنے چاہئیں، ان میں سے کچھ کے بارے میں اس باب میں منقول احادیث اور ان کی تشریحات سے معلوم ہوگا لیکن اس کی سب سے عمدہ تفصیل احیاء العلوم میں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

جہاد کے لئے جمعرات کے دن نکلنا آنحضرت ﷺ کے نزدیک پسندیدہ تھا

① عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَكَانَ يُحِبُّ اَنْ يَّخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت کعبؓ ابن مالک راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ غزوۂ تبوک کے لئے جمعرات کے دن روانہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ اس کو پسند فرماتے تھے کہ جہاد کے سفر کی ابتداء جمعرات کے دن سے کریں۔" (بخاری)

تشریح: "تبوک ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ اور دمشق کے درمیانی راستہ پر خیبر اور العلاء کے خط پر واقع ہے، یہ پہلے شام کے علاقہ میں تھا اب حجاز کی حدود میں ہے۔ مدینہ سے اس کا فاصلہ ۴۶۵ میل ہے، اس وقت یہ جگہ مدینہ سے ایک مہینہ کی مسافت کے بقدر تھی،

آنحضرت ﷺ ۹ھ میں اس جگہ پر فوج لے کر گئے تھے اسی کو غزوۂ تبوک کہا جاتا ہے، یہ آنحضرت ﷺ کا آخری غزوہ تھا۔
ابوداؤد نے حضرت کعب ؓ ابن مالک ؓ کی جو روایت نقل کی ہے اس میں یوں ہے کہ "ایسا کم ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ جہاد کے لئے اپنے سفر کی ابتداء جمعرات کے دن سے نہ کرتے ہوں۔"
آنحضرت ﷺ جہاد کے سفر میں جمعرات ہی کے دن روانہ ہونا کیوں پسند کرتے تھے؟ اس میں کئی احتمال ہیں ایک تو یہ کہ چونکہ بندوں کے نیک اعمال جمعرات ہی کے دن سے اللہ تعالیٰ تک اٹھائے جاتے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ یہ چاہا کرتے تھے کہ جہاد کا عمل آج ہی اللہ تعالیٰ تک اٹھایا جائے کہ وہ افضل اعمال ہے اور دوسرے یہ کہ "خمیس" لشکر کو بھی کہتے ہیں (اور جمعرات کا دن بھی یوم الخمیس کہلاتا ہے) لہٰذا آپ جمعرات کے دن سفر جہاد کی ابتداء کر کے یہ فال نیک لیتے تھے کہ جس لشکر کے مقابلہ پر جا رہے ہیں اس پر فتح حاصل ہوگی۔
بہر کیف اس سلسلے میں سنت نبوی ﷺ کے مطابق جو چیز ہے وہ یہی ہے کہ جب جہاد کے لئے سفر اختیار کیا جائے تو جمعرات کے دن روانگی عمل میں لائی جائے لیکن اصل مدار استخارہ اور تفویض اور توکل پر ہے۔
یہ واضح رہے کہ سلف (صحابہ ؓ) سے یہ قطعاً منقول نہیں ہے کہ وہ سفر کی ابتداء کرنے کے سلسلے میں علم نجوم کا اتباع کرتے ہوں اور روانگی سفر کے لئے وہی ساعت اختیار کرتے ہوں جو نحوست کا حساب ظاہر کرتا ہو! حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن ان کے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے کہا کہ تم سفر میں فلاں روز جانا، فلاں روز روانہ نہ ہونا، یہ سن کر حضرت علی ؓ نے اس شخص سے فرمایا کہ اگر اس وقت میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو میں (اتنی غلط اور خلاف اسلام بات کہنے پر) تمہاری گردن اڑا دیتا، ہم حضرت ابوالقاسم محمد ﷺ کی خدمت میں (برابر) حاضر رہا کرتے تھے، ہم نے تو کبھی بھی آپ کی مجلس میں یہ ذکر ہوتے نہیں سنا کہ فلاں روز سفر کرنا چاہئے اور فلاں روز سفر نہ کرنا چاہئے۔
اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے "قمر در عقرب" اور "محاق" کے سلسلے میں جو کچھ روایت کیا جاتا ہے وہ پایۂ صحت کو پہنچا ہوا نہیں ہے۔

تنہا سفر کرنے کی ممانعت

(۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْيَعْلَمُ النَّاسُ مَافِى الْوَحْدَةِ مَا اَعْلَمُ مَا سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَهٗ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر لوگ اس چیز کو جو تنہا سفر کرنے سے پیش آتی ہے اتنا جان لیں جتنا میں جانتا ہوں تو کوئی سوار رات میں کبھی سفر (کرنے کی ہمت) نہ کرے۔" (بخاری)

تشریح: "اس چیز سے" دینی اور دنیاوی نقصانات" مراد ہیں۔ چنانچہ دینی نقصان تو یہ ہے کہ تنہائی کی وجہ سے نماز کی جماعت میسر نہیں ہوتی اور دنیوی نقصان یہ ہے کہ کوئی غم خوار و مددگار نہیں ہوتا کہ اگر کوئی ضرورت یا کوئی حادثہ پیش آئے تو اس سے مدد مل سکے۔ "سوار" اور "رات" کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ سوار کو پیادہ کی بہ نسبت زیادہ خطرہ رہتا ہے اور خصوصاً رات میں۔

جس قافلہ میں کتا اور گھنٹال ہوتا ہے اس کے ساتھ رحمت کے فرشتے نہیں ہوتے

(۳) وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْحَبُ الْمَلَائِكَةُ رُفْقَةً فِيْهَا كَلْبٌ وَلَا جَرَسٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اس قافلہ کے ساتھ فرشتے نہیں ہوتے جس میں کتا اور گھنٹال ہو۔" (مسلم)

تشریح: "فرشتے" سے کتبہ یعنی اعمال لکھنے والے فرشتے اور حفظ یعنی حفاظت کرنے والے مراد نہیں ہیں بلکہ رحمت کے فرشتے مراد ہیں۔ کتے سے مراد وہ کتا ہے جو پاسبانی کے لئے نہ ہو، لہٰذا پاسبانی اور مویشیوں کی حفاظت کے لئے کتا رکھنا مباح ہے۔

جرس (گھنٹال) ان گھنٹیوں اور گھنگروؤں کو کہتے ہیں جو جانوروں کے گلے میں باندھی جاتی ہے۔ اس (جرس) کے ممنوع ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ ناقوس کی مشابہت رکھتا ہے یا اس لئے ممنوع ہے کہ یہ ان لٹکانے والی چیزوں میں سے ہے جن کی آواز کی ناپسندیدگی و کراہت کی وجہ سے ان کا لٹکانا ممنوع ہے۔ چنانچہ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو آگے آرہی ہے اور جس میں جرس کو مزامیر الشیطان" کہا گیا ہے۔ نیز شرح السنۃ میں یہ روایت مذکور ہے کہ ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لڑکی آئی جس کے پاؤں میں جھانجیں یا گھنگھرو تھے، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میرے پاس سے وہ چیز ہٹاؤ جو ملائکہ کو دور کرنے والی ہے" نیز منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر جرس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔

گھنگھرو اور گھنٹیاں شیطانی باجہ ہیں

④ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَرَسُ مَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ۔ (رواہ مسلمؒ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جرس (یعنی گھنگرو اور گھنٹی) مزامیر شیطان (یعنی شیطانی باجہ) ہے۔" (مسلم)

تشریح: "مزامیر" دراصل "مزمار" کی جمع ہے اور مزمار "بانسری" کو کہتے ہیں جو بجائی جاتی ہے، نیز "زمر" اور "زمیر" بانسری کے ساتھ گانے کو کہتے ہیں۔ مزامیر بلفظ جمع اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس کی آواز میں اس طرح کا تسلسل ہوتا ہے کہ وہ منقطع نہیں ہوتی گویا اس آواز کی ہر لے اور ہر سلسلہ ایک مزمار ہے۔ نیز "جرس" کو مزامیر شیطان اس وجہ سے فرمایا گیا ہے کہ وہ انسان کو ذکر و استغراق اور مشغولیت عبادت سے باز رکھتا ہے۔

اونٹ کے گلے میں تانت کا پٹا باندھنے کی ممانعت

⑤ وَعَنْ اَبِىْ بَشِيْرٍ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ فَاَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا لَاتُبْقَيَنَّ فِىْ رَقَبَةِ بَعِيْرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ اَوْ قِلَادَةٌ اِلَّا قُطِعَتْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوبشیر انصاریؓ سے روایت ہے کہ وہ کسی سفر میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھے، تو (وہ بیان کرتے ہیں کہ اس سفر کے موقع پر) رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو قافلہ کے اندر اس حکم کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں کمان کی تانت کے قلادے (پٹے) کو باقی نہ رکھا جائے۔ فرمایا کہ قلادے کو باقی نہ رکھا جائے بلکہ کاٹ ڈالا جائے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "یا یہ فرمایا کہ "یہ دراصل راوی کا شک ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قلادۃ من وتر یعنی کمان کی تانت کا قلادہ فرمایا تھا یا صرف "قلادہ" فرمایا تھا۔

قلادے کو کاٹ دینے کا حکم اس لئے فرمایا کہ لوگ اس میں گھنگرو اور گھنٹیاں باندھ دیتے تھے اور یہ چیز "مزامیر الشیطان ہے جیسا کہ پچھلی حدیث میں گزرا، یا اس لئے منع فرمایا کہ بعض کمزور عقیدہ لوگ کمان کی تانت میں منکے (مالے کے دانے) وغیرہ باندھ کر اور اس کا قلادہ (پٹا) بنا کر جانوروں کے گلے میں ڈال دیا کرتے تھے اور یہ گمان رکھتے تھے کہ اس کے ذریعہ جانور آفات وغیرہ سے محفوظ رہیں گے، لہٰذا

آنحضرت ﷺ نے اس چیز سے منع فرمایا کیونکہ ایسا کوئی بھی ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم و فیصلہ اور تقدیر کے لکھے کو ٹال نہیں سکتا۔

جانوروں پر سفر کرنے کے بارے میں چند ہدایات

(۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرْتُمْ فِی الْخِصْبِ فَاَعْطُوا الْاِبِلَ حَقَّهَا مِنَ الْاَرْضِ وَاِذَا سَافَرْتُمْ فِی السَّنَةِ فَاَسْرِعُوْا عَلَیْهَا السَّیْرَ وَاِذَا عَرَّسْتُمْ بِاللَّیْلِ فَاجْتَنِبُوا الطَّرِیْقَ فَاِنَّهَا طُرُقُ الدَّوَابِّ وَمَاْوَی الْهَوَامِّ بِاللَّیْلِ وَفِیْ رِوَایَةٍ اِذَا سَافَرْتُمْ فِی السَّنَةِ فَبَادِرُوْا بِهَا نِقْیَهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تم (ارزانی کے زمانے میں (اونٹوں پر) سفر کرو تو ان اونٹوں کو ان کا زمین (سے کھانے) کا حق دو (یعنی ان کو گھاس کھانے کا موقع دو بایں طور کہ سفر کے دوران ان کو تھوڑی دیر کے بعد چرنے کے لئے چھوڑ دیا کرو تاکہ وہ پیٹ بھر کر چر یں اور تیز چلیں) اور جب تم قحط سالی کے زمانے میں سفر کرو تو ان پر جلدی سفر کرو (یعنی سفر کے دوران راستہ میں تاخیر نہ کرو تاکہ اونٹ پوری خوراک نہ ملنے کی وجہ سے ضعف و نقاہت میں مبتلا ہونے سے پہلے تمہیں منزل مقصود پر پہنچا دیں) نیز جب تم کہیں رات میں پڑاؤ ڈالو تو راستے پر پڑاؤ نہ ڈالو کیونکہ ان پر چوپائے چلتے ہیں اور وہ موذی (زہریلے) جانوروں (جیسے سانپ و بچھو وغیرہ) کا مسکن اور ان کی گزرگاہیں ہیں)" اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب تم قحط سالی کے زمانے (اونٹوں پر) سفر کرو تو تیزی کے ساتھ سفر طے کرو جب کہ اونٹوں میں گودا (یعنی بدن کی طاقت) موجود ہو۔" (مسلمؒ)

ضرورت مند رفیق سفر کی خبر گیری کرو

(۷) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ فِیْ سَفَرٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذْجَاءَ رَجُلٌ عَلٰی رَاحِلَةٍ فَجَعَلَ یَضْرِبُ یَمِیْنًا وَشِمَالًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مَعَهٗ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْیَعُدْ بِهٖ عَلٰی مَنْ لَا ظَهْرَ لَهٗ وَمَنْ كَانَ لَهٗ فَضْلُ زَادٍ فَلْیَعُدْ بِهٖ عَلٰی مَنْ لَا زَادَ لَهٗ قَالَ فَذَكَرَ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ حَتّٰی رَاَیْنَا اَنَّهٗ لَا حَقَّ لِاَحَدٍ مِّنَّا فِیْ فَضْلٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر جب کہ ہم ایک سفر میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ اچانک ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس اونٹ پر آیا اور اونٹ کو دائیں بائیں پھیرنے موڑنے لگا، چنانچہ یہ (دیکھ کر) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "جس شخص کے پاس (اپنی ضرورت سے) زائد سواری ہو اس کو چاہئے کہ وہ سواری اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس شخص کے پاس اپنی ضرورت سے زائد کھانے پینے کا سامان ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ کھانے پینے کا سامان اس شخص کو دیدے جس کے پاس کھانے پینے کا سامان نہیں ہے۔" راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے مال اور چیزوں کی اقسام کو ذکر کیا (یعنی آپ نے چیزوں کا نام لے کر فرمایا کہ کسی کے پاس فلاں چیز اور فلاں چیز جیسے کپڑا وغیرہ اپنی حاجت سے زائد ہو تو اس کو اس شخص پر خرچ کیا جانا چاہئے جس کے پاس وہ چیز نہ ہو) یہاں تک کہ (آپ کی ترغیب و نصیحت سے) ہمیں احساس ہو گیا کہ ہم میں سے کسی کا اپنی اس چیز پر کوئی حق نہیں ہے جو اس کے پاس اس کی ضرورت سے زائد ہے (بلکہ اس چیز کا حقیقی مستحق وہ شخص ہے جو اس وقت اس چیز سے محروم ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "دائیں بائیں پھیرنے موڑنے لگا" کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اس کا اونٹ اتنا تھک گیا تھا یا پوری خوراک نہ ملنے کی وجہ سے اتنا لاغر ہو گیا تھا کہ وہ شخص اس اونٹ کو کسی ایک جگہ پر کھڑا کر دینے پر قادر نہیں ہو رہا تھا بلکہ کبھی اس کو دائیں موڑ دیتا تھا اور کبھی بائیں گھما دیتا تھا۔ یا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اپنی آنکھوں کو چاروں طرف پھیرتا تھا اور ان کو دائیں بائیں گھما کر یہ دیکھتا تھا کہ کہیں سے اس کو وہ چیزیں مل جائیں جو اس کی ضروریات اور حاجتوں کو پورا کر دیں۔ اس صورت میں حاصل یہ ہو گا کہ اس شخص کے پاس نہ تو سواری کے لئے کوئی

مناسب انتظام تھا اور نہ اس کے ساتھ کھانے پینے اور اوڑھنے بچھونے کا کوئی سامان تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کی اس بے سروسامانی کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا اور پھر ترغیب دلائی کہ وہ اس ضرورت مند اور درماندہ کی خبر گیری کریں۔

مقصد سفر پورا ہو جانے پر گھر لوٹنے میں تاخیر نہ کرو

(۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ اَحَدَكُمْ نَوْمَهٗ وَطَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ فَاِذَا قَضٰى نَهْمَتَهٗ مِنْ وَجْهِهٖ فَلْيُعَجِّلْ اِلٰى اَهْلِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے جو تمہیں نہ تو (آرام وراحت سے) سونے دیتا ہے اور نہ (ڈھنگ سے) کھانے پینے دیتا ہے، لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص (کہیں سفر میں جائے اور) اپنے سفر کی غرض کو پورا کرے (یعنی جس مقصد کے لئے سفر کیا ہے وہ مقصد پورا ہو جائے) تو اس کو چاہئے کہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس آجانے میں جلدی کرے۔"

(بخاری ومسلمؒ)

تشریح: "سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ سفر اپنی صورت کے اعتبار سے جہنم کے عذاب کی انواع میں سے ایک نوع ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا۔

جیسے بھی جسمانی تکلیف اور روحانی اذیت کے اعتبار سے کسی شخص کے حق میں سفر، پریشانیوں اور صعوبتوں کا ذریعہ ہونے سے کم نہیں ہوتا۔ خصوصاً اس دور میں جب کہ آج کی طرح سفر کے تیز رفتار اور اطمینان بخش ذرائع نہیں تھے، لوگ سفر کے دوران کیسی کیسی مشقتیں برداشت کرتے تھے۔ اور کیسی کیسی مصیبتوں سے دوچار ہوتے تھے اس کا اندازہ بھی آج کے دور میں نہیں لگایا جاسکتا۔

حدیث میں سفر کی بطور خاص دو پریشانیوں کا جو ذکر کیا گیا ہے کہ سفر کے دوران نہ تو وقت پر اور طبیعت کے موافق کھانا پینا ملتا ہے اور نہ آرام و چین کی نیند نصیب ہوتی ہے وہ محض مثال کے طور پر ہے ورنہ سفر میں تو نہ معلوم کتنے ہی دینی اور دنیاوی امور فوت ہوتے ہیں جیسے جمعہ و جماعت کی نماز سے محرومی رہتی ہے، اہل بیت اور دیگر قرابت داروں کے حقوق بروقت ادا نہیں ہوتے اور گرمی سردی کی مشقت و تکلیف اور اسی طرح کی دوسری پریشانیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔

مسافر کا اپنے گھر واپس آنے پر بچوں کے ذریعہ استقبال

(۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ تُلُقِّيَ بِصِبْيَانِ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَاِنَّهٗ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَسُبِقَ بِیْ اِلَيْهِ فَحَمَلَنِیْ بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ جِیْ ءَ بِاَحَدِ ابْنَیْ فَاطِمَةَ فَاَرْدَفَهٗ خَلْفَهٗ قَالَ فَاُدْخِلْنَا الْمَدِيْنَةَ ثَلَاثَةً عَلٰى دَابَّةٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ سفر سے تشریف لاتے تو آپ ﷺ کے اہل بیت کے بچوں کے ذریعہ آپ کا استقبال کیا جاتا (یعنی آپ ﷺ کے اہل بیت اپنے بچوں کو آپ ﷺ کی خدمت میں لے جاتے) چنانچہ (ایک روز) آنحضرت ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لائے (اور مدینہ کے قریب پہنچے) تو مجھ کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے مجھے اٹھالیا اور اپنے آگے سوار کر لیا پھر حضرت فاطمہؓ کے دونوں بیٹوں میں سے ایک بیٹے (یعنی حضرت حسنؓ یا حضرت حسینؓ کو لایا گیا) تو آپ ﷺ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھالیا اور پھر (اس طرح ہم تینوں ایک جانور پر (سوار) مدینہ میں داخل ہوئے۔" (مسلمؒ)

(۱۰) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّهٗ اَقْبَلَ هُوَ وَاَبُوْ طَلْحَةَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَفِيَّةُ مُرْدِفُهَا عَلٰى رَاحِلَتِهٖ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ وہ (انسؓ) اور حضرت طلحہؓ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (خیبر کے سفر سے) واپس آئے تو اس موقع پر حضرت صفیہؓ بنی کریم ﷺ کے ساتھ تھیں اور آپ ﷺ نے ان کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھار کھا تھا۔" (بخاری)

تشریح: یہ خیبر سے واپس ہونے کے وقت کا واقعہ ہے کہ حضرت صفیہؓ خیبر کے مال غنیمت میں سے تھیں اور پہلے حضرت دحیہ کلبیؓ کے ہاتھ لگی تھیں جن سے آنحضرت ﷺ نے ان کو لے لیا اور پھر انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا اور سواری پر اپنے ساتھ بٹھا کر مدینہ لائے۔

سفر سے آنحضرت ﷺ کی واپسی کا وقت

(۱۱) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَطْرُقُ اَهْلَهُ لَيْلًا وَكَانَ لَا يَدْخُلُ اِلَّا غُدْوَةً اَوْ عَشِيَّةً۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنے گھر والوں کے پاس (سفر سے) رات کے وقت واپس نہیں آیا کرتے تھے بلکہ دن کے ابتدائی حصہ میں یعنی صبح کے وقت، یا آخری حصہ میں یعنی شام کے وقت (گھر میں) داخل ہوا کرتے تھے۔" (بخاری، مسلم)

رات کے وقت سفر سے واپس نہ آنے کی ہدایت

(۱۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَطَالَ اَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ فَلَا يَطْرُقْ اَهْلَهُ لَيْلًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی غیر حاضری کا عرصہ طویل ہو جائے (یعنی اس کو سفر میں زیادہ دن لگ جائیں) تو وہ (سفر سے واپسی کے وقت) اپنے (گھر میں) رات کے وقت داخل نہ ہو۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: شرح السنۃ میں ایک یہ روایت منقول ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس ممانعت کے بعد (کا واقعہ ہے کہ) دو آدمیوں نے (آنحضرت ﷺ کے اس حکم پر عمل نہیں کیا اور) اپنے سفر سے واپسی پر گھر میں داخل ہونے کے لئے رات ہی کا وقت اختیار کیا تو (جب وہ اپنے اپنے گھر میں داخل ہوئے تو وہاں) ان میں سے ہر ایک نے اپنی بیوی کے ساتھ غیر مردوں کو پایا۔

(۱۳) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلْتَ لَيْلًا فَلَا تَدْخُلْ عَلٰى اَهْلِكَ حَتّٰى تَسْتَحِدَّ الْمُغِيْبَةُ وَتَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ "اگر تم (سفر سے واپسی پر اپنے شہر و آبادی میں) رات کے وقت پہنچو تو اپنے گھر میں داخل نہ ہو جب تک کہ بیوی زیر ناف بالوں کو صاف نہ کر لے اور وہ بیوی کہ جس کے بال پراگندہ ہوں کنگھی چوٹی نہ کر لے۔"

(بخاری ومسلم)

تشریح: ان احادیث کا مطلب یہ واضح کرنا ہے کہ سفر سے واپسی کے لئے رات کا وقت اختیار کرنا مناسب نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ سفر سے واپسی کی ابتداء ایسے وقت کی جائے کہ اپنے گھر والوں کے پاس رات ہونے سے پہلے پہنچ جائے تاکہ رات کے وقت گھر پہنچنے کی وجہ سے گھر والے بے آرام نہ ہوں اور ان کی نیندوں میں خلل نہ پڑے، اور اگر اپنے شہر اور اپنی آبادی میں پہنچتے رات ہو جائے تو ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ گھر میں داخل ہونے کے لئے اس وقت تک صبر و انتظار کرے جب تک کہ اس کی بیوی کو اس کا آنا معلوم نہ ہو جائے اور وہ بناؤ سنگار کے ذریعہ اپنے آپ کو آراستہ اور جنسی اختلاط کے لئے تیار نہ کر لے تاکہ شوہر جب اس کے پاس پہنچ جائے تو سفر کی تکان اور جدائی کی پژمردگی، جسمانی انبساط و نشاط میں تبدیل ہو جائے۔

نوویؒ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں (یعنی رات کے وقت سفر سے واپسی اور کچھ دیر انتظار و صبر کئے بغیر گھر میں داخل ہو جانا) اس شخص کے حق

میں مکروہ ہیں جو لمبے سفر سے واپس آ رہا ہو، ہاں جو شخص کسی چھوٹے سفر سے واپس آ رہا ہو یا اس کے گھر والوں کو رات کے وقت ان کے پہنچنے کی اطلاع سے ہو تو اس کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر کی ایک حدیث (نمبر ۱۲) سے واضح ہوا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی بڑے لشکر یا بڑے قافلہ میں ہو اور اس لشکر وقافلہ کی واپسی کی خبر مشہور ہو چکی ہو اور اس کی بیوی کو بھی اس کے آنے کا علم ہو (کہ وہ لشکر وقافلہ کے ساتھ فلاں رات میں آئے گا) تو اس کے لئے بھی رات کے وقت آنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لئے کہ اصل مقصد تو بیوی کا اس کے آنے سے پہلے تیار و مستعد رہنا ہے سو وہ اس صورت حال میں حاصل ہے۔ لیکن ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی گھر پہنچ کر پہلے دروازہ کھٹکھٹانا اور جواب کا انتظار کرنا ضروری ہو گا۔

سفر سے واپس آنے پر دعوت کرنے مسنون ہے

(۱۴) وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ نَحَرَ جَزُوْرًا اَوْ بَقَرَةً۔ (رواہ البخاری ومسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اونٹ یا گائیں ذبح کیں۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ سفر سے واپس آنے کے بعد ضیافت کرنا اور لوگوں کو اپنے یہاں کھانے وغیرہ پر مدعو کرنا مسنون ہے۔

آنحضرت ﷺ کا سفر سے واپس آنے کا وقت

(۱۵) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ اِلَّا نَهَارًا فِي الضُّحٰى فَاِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِ لِلنَّاسِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت کعبؓ ابن مالک کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ چاشت کے وقت کے علاوہ اور کسی وقت سفر سے واپس نہیں آیا کرتے تھے، چنانچہ جب آپ (سفر سے) واپس آتے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور وہاں بیٹھنے سے پہلے تحیۃ المسجد یا چاشت کی) دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر لوگوں سے ملاقات کرنے کے لئے وہاں بیٹھتے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "چاشت کے وقت الخ" یہ اکثر کے اعتبار سے کہا گیا ہے یعنی چونکہ آپ اکثر و بیشتر چاشت ہی کے وقت واپس تشریف لاتے تھے اس لئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ چاشت کے وقت کے علاوہ اور وقت واپس نہیں آتے تھے، ورنہ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ دن کے ابتدائی حصہ یعنی صبح اور آخری حصہ شام کے وقت ہی سفر سے آیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ صرف صبح ہی کے وقت واپس نہیں آیا کرتے تھے بلکہ شام کے وقت بھی واپس آجایا کرتے تھے۔

سفر سے واپس آنے پر پہلے مسجد میں جانے کا حکم

(۱۶) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ قَالَ لِيَ ادْخُلِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں (ایک) سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھا، چنانچہ جب ہم مدینہ واپس آئے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ "مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز پڑھو۔" (بخاریؒ)

تشریح: مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کے پیش نظر مسافر کا سفر سے واپس آنے پر پہلے مسجد میں جانا آنحضرت ﷺ سے فعلاً بھی ثابت ہوا اور قولاً بھی نیز مذکورہ بالا حکم میں نہ صرف شعائر اللہ کی تعظیم کی طرف اشارہ ہے بلکہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مسجد گویا اللہ کے گھروں

میں سے ایک گھر ہے اور مسجد میں جانے والا گویا اللہ سبحانہ سے ملاقات کرنے والا ہے لہٰذا جو شخص سفر سے واپس آئے اس کے حق میں اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ کہ وہ سب سے پہلے اللہ کے گھر میں جائے اور اللہ سے ملاقات کرے جس نے اس کو سفر کی آفات سے محفوظ رکھ کر بعافیت اس کے اہل و عیال کے درمیان واپس پہنچایا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

امت کے حق میں صبح کے وقت کے لئے آنحضرت کی دعاء برکت

(۱۷) عَنْ صَخْرِ بْنِ وَدَاعَةَ الْغَامِدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا وَكَانَ اِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً اَوْجَيْشًا بَعَثَهُمْ مِنْ اَوَّلِ النَّهَارِ وَكَانَ صَخْرٌ تَاجِرًا فَكَانَ يَبْعَثُ تِجَارَتَهٗ اَوَّلَ النَّهَارِ فَاَثْرٰى وَكَثُرَ مَالُهٗ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد والدارمی)

"حضرت صخرؓ بن وداعہ الغامدی کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے یہ فرمایا (یعنی یوں دعا فرمائی "اے اللہ! میری اُمت کے لئے دن کے ابتدائی حصہ میں برکت عطا فرما، یعنی اگر میری اُمت کے لوگ دن کے ابتدائی حصہ (صبح) میں طلب علم میں مشغول ہوں یا اپنے ذریعہ معاش میں منہمک اور یا سفر وغیرہ کریں تو اس میں انہیں برکت حاصل ہو۔" چنانچہ آنحضرت ﷺ جب کوئی چھوٹا بڑا لشکر روانہ فرماتے تو اس کو دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ فرماتے۔ اور صخرؓ جو ایک تاجر (سوداگر) تھے (اس دعا کی برکت حاصل کرنے کے پیش نظر) اپنا تجارتی مال دن کے ابتدائی حصہ ہی میں روانہ کرتے تھے، چنانچہ وہ مالدار ہوئے اور ان کے مال میں بہت اضافہ ہوا۔"

(ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

رات کے وقت سفر کرنے کا حکم

(۱۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالدُّلْجَةِ فَاِنَّ الْاَرْضَ تُطْوٰى بِاللَّيْلِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم رات کے وقت چلنا اپنے لئے ضروری سمجھو کیونکہ رات کے وقت زمین لپیٹ دی جاتی ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب تم کسی سفر کے لئے گھر سے نکلو تو محض دن کے وقت چلنے پر قناعت نہ کرو بلکہ تھوڑا سا رات کے وقت بھی چلا کرو کیونکہ رات میں سفر آسانی کے ساتھ طے ہوتا ہے اور اس خیال سے مسافر کی ہمت سفر پر کوئی بار نہیں ہوتا کہ ابھی میں نے بہت تھوڑا فاصلہ کیا ہے جب کہ حقیقت میں وہ کافی فاصلہ طے کر چکا ہوتا ہے ور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اول تو رات کے وقت چلنے کے علاوہ اور کوئی شغل نہیں ہوتا دوسرے فاصلے کی علامات و نشانات پر نظر نہیں پڑتی اور یہ چیزیں راستہ چلنے والے کی نظر میں سفر کو بھاری کر دیتی ہے چنانچہ اسی مفہوم کو زمین کے لپیٹ دیئے جانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہو کہ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ دن کے وقت بالکل چلو ہی مت، چنانچہ دوسری احادیث میں یہ حکم بیان فرمایا گیا ہے کہ اپنا سفر دن کے ابتدائی حصہ اور آخری حصہ میں طے (کرنے کی کوشش) کرو اور کچھ حصہ رات کے وقت بھی چلو۔

سفر میں کم سے کم تین آدمیوں کا ساتھ ہونا چاہئے

(۱۹) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاكِبُ شَيْطَانٌ وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ۔

"اور حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔" ایک سوار ایک شیطان ہے، دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار، سوار ہیں۔" (مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: "تین سوار، سوار ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ تین سوار اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کو سوار کہا جائے کیونکہ وہ شیطان کی فریب کاریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ گویا اس طرح ایک یا دو سوار کو سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ سفر میں کم سے کم تین ساتھیوں کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ تنہا سفر کرنے میں ایک نقصان تو یہ ہے کہ جماعت فوت ہو جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ اگر اس کو کوئی ضرورت و حادثہ پیش آ جائے تو اس کا کوئی مدد گار نہیں ہوتا اور وہ ہر معاملے میں درماندہ رہتا ہے، اسی طرح اگر محض دو ساتھی سفر کریں تو اس صورت میں اگر خدانخواستہ یہ بات پیش آ جائے کہ ایک ساتھی بیمار ہو جائے یا مر جائے تو دوسرا ساتھی سخت مضطر و پریشان ہو گا اور یہ چیز شیطان کی خوشی کا باعث ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ اگر کوئی شخص تنہا سفر کرے یا سفر کے دو ہی ساتھی ہوں تو شیطان کو بڑی آسانی کے ساتھ یہ موقع ملتا ہے کہ وہ ان کو گمراہ کرے اور برائی میں مبتلا کرے، اسی بات کو زیادہ سے زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کرنے کے لئے ایک سوار یا دو سوار کو شیطان فرمایا گیا ہے۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سفر میں کم سے کم تین آدمی ہونے چاہئیں تاکہ اول تو وہ جماعت سے نماز ادا کریں اور دوسرے یہ کہ اگر ایک شخص کو دوران سفر کسی ضرورت سے کہیں جانا پڑے تو دو باقی رہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی دلبستگی و اطمینان کا ذریعہ بنیں اور اگر اس شخص کے آنے میں تاخیر ہو جائے تو ان دونوں میں سے ایک اس کی خبر لینے اور تاخیر کا سبب جاننے کے لئے چلا جائے اور دوسرا سامان وغیرہ کی دیکھ بھال کرتا رہے۔

سفر میں ایک سے زائد لوگ ہونے کی صورت میں کسی ایک رفیق سفر کو امیر بنالیا جائے

(۲۰) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا کَانَ ثَلَاثَۃٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا اَحَدَھُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر (مثلاً سفر میں) تین شخص ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو امیر بنالینا چاہئے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "تین شخص" سے مراد جماعت ہے کہ جس کا ادنیٰ درجہ تین ہے، ویسے یہ حکم اس صورت کے متعلق بھی ہے جب کہ دو آدمی بھی ساتھ سفر کر رہے ہوں، یہاں تین کے ذکر پر اکتفا اس لئے کیا گیا ہے کہ پہلے ایک حدیث میں بیان فرمایا جا چکا ہے کہ دو سوار شیطان ہوتے ہیں۔ بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی سفر میں ایک سے زائد لوگ ہوں تو اس صورت میں ان میں سے ایک شخص کو اپنا امیر و سردار مقرر کر لیا جائے جو سب سے افضل ہو اور کسی کو امیر و سردار بنا لینے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اگر دوران سفر کسی معاملہ میں آپس میں کوئی نزاعی صورت پیدا ہو جائے تو اس امیر و سردار کی طرف رجوع کر لیا جائے اور وہ جو فیصلہ کرے اس کو تسلیم کر کے اپنے نزاع کو ختم کر دیا جائے۔ امیر و سردار کے لئے یہ ضروری ہو گا کہ وہ اپنے تمام رفقاء سفر کے حق میں خیر خواہ، مہربان اور غمگسار ہو اور اپنی سرداری کو اپنے لئے محض وجہ افتخار سمجھ کر کسی بڑائی میں مبتلا نہ ہو بلکہ حقیقی معنی میں اپنے آپ کو اس کا خادم سمجھے جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔ سید القوم خادمھم یعنی کسی جماعت کا سردار اصل میں اپنی جماعت کا خدمت گزار ہوتا ہے۔

بہترین رفقاء سفر

(۲۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَیْرُ الصَّحَابَۃِ اَرْبَعَۃٌ وَخَیْرُ السَّرَایَا اَرْبَعُمِائَۃٍ وَخَیْرُ

الْجُيُوْشِ اَرْبَعَةُ الاٰفٍ وَلَنْ يُغْلَبَ اثْنَا عَشَرَ اَلْفًا مِنْ قِلَّةٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا" (مثلاً کسی سفر کے) بہترین ساتھی اور رفقاء وہ ہیں جو (کم سے کم) چار کی تعداد میں ہوں، چھوٹے لشکروں میں بہترین لشکر وہ ہے جس میں چار سو (مجاہد ہوں) اور بڑے لشکروں میں بہترین لشکر وہ ہے جس میں بارہ ہزار (مجاہد) ہوں اور بارہ ہزار (مجاہد) کم ہونے کی وجہ سے کبھی مغلوب نہیں ہوتے" (ترمذی، ابوداؤد، دارمی) نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: چار رفقاء اور ساتھیوں کو "بہترین" اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ فرض کیجیے اگر ان چاروں میں سے کوئی ایک بیمار ہو جائے اور وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو کر اپنے ان تین ساتھیوں میں سے کسی ایک ساتھی کو کوئی وصیت کرے تو باقی دو ساتھی اس کی وصیت کے گواہ ہو جائیں۔ ویسے علماء نے لکھا ہے پانچ ساتھی، چار ساتھیوں سے بہتر ہوتے ہیں بلکہ پانچ سے بھی جتنے زیادہ ہوں گے اتنے ہی بہتر ہوں گے اور یہاں حدیث میں چار کا ذکر کر کے گویا ادنیٰ درجہ بیان کیا گیا ہے۔

"مغلوب نہیں ہوتے" کا مطلب یہ ہے کہ بارہ ہزار مجاہدین کے لشکر کی طاقت ایک بڑی طاقت ہوتی ہے، اتنے زیادہ مجاہدین دشمن کے مقابلے پر بھی مغلوب نہیں ہوں گے، اور اگر مغلوب بھی ہوں گے تو تعداد کی کمی کی وجہ سے تو ہوں گے نہیں کیونکہ بارہ ہزار کا عدد کمی کی حد سے نکل گیا ہے البتہ کسی اور سبب سے مغلوب ہوں گے۔ جیسے اپنی تعداد و طاقت پر بیجا اتراہٹ اور غرور و تکبر وغیرہ۔

اپنے رفقاء سفر کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا معمول

(۲۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَلَّفُ فِي الْمَسِيْرِ فَيُزْجِي الضَّعِيْفَ وَيُرْدِفُ وَيَدْعُوْلَهُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (سفر کے دوران) چلتے وقت (تواضع وانکسار کی وجہ سے اور دوسروں کی مدد و خبرگیری کے پیش نظر قافلے سے) پیچھے رہا کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ کمزور (کی سواری) کو ہانکا کرتے (تاکہ وہ ہمراہیوں کے ساتھ مل جائے) اور جو کمزور و ضعیف شخص سواری سے محروم ہونے کی وجہ سے پیدل چلتا ہو اس کو اپنے پیچھے سوار کر لیتے اور ان (قافلہ والوں) کے لئے دعا کرتے رہتے۔" (ابوداؤد)

منزل پر پہنچ کر تمام رفقاء سفر کو ایک جگہ ٹھہرنا چاہئے

(۲۳) وَعَنْ اَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ كَانَ النَّاسُ اِذَا نَزَلُوْا مَنْزِلًا تَفَرَّقُوْا فِي الشِّعَابِ وَالْاَوْدِيَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ تَفَرُّقَكُمْ فِيْ هٰذِهِ الشِّعَابِ وَالْاَوْدِيَةِ اِنَّمَا ذٰلِكُمْ مِنَ الشَّيْطَانِ فَلَمْ يَنْزِلُوْا بَعْدَ ذٰلِكَ مَنْزِلًا اِلَّا انْضَمَّ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ حَتّٰى يُقَالَ لَوْ بُسِطَ عَلَيْهِمْ ثَوْبٌ لَعَمَّهُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ثعلبہ خشنیؓ کہتے ہیں کہ (پہلے عام طور پر ایسا ہوتا تھا کہ لوگ یعنی صحابہؓ) جب کسی منزل پر اترتے تو الگ الگ ہو کر پہاڑی دروں اور وادیوں میں پھیل جاتے تھے (یعنی کوئی کہیں اترتا اور کوئی کہیں) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے (اس طریقہ کو ختم کرنے کے لئے بایں طور فرمایا) کہ سمجھ لو تمہارا اس طرح ان دروں اور وادیوں میں الگ الگ ہو کر اترنا محض شیطان کی طرف سے ہے (یعنی یہ شیطان کے فریب کے سبب سے ہے کہ وہ تمہیں الگ الگ کر دینا چاہتا ہے تاکہ دشمن تم پر قابو پالے اور تمہیں نقصان اور آزار پہنچائے اس ارشاد کے بعد لوگ جب بھی کسی منزل پر اترتے تو آپس میں اتنے پاس پاس ٹھہرتے کہ کہا جانے لگا کہ اگر ان سب پر ایک ہی کپڑا پھیلا دیا جائے تو

وہ سب کو ڈھانک لے۔" (ابوداؤد)

آنحضرت ﷺ کے کمال انکسار کا مظہر ایک واقعہ

(۲۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ بَدْرٍ كُلُّ ثَلَاثَةٍ عَلٰى بَعِيْرٍ كَانَ اَبُوْلُبَابَةَ وَعَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ زَمِيْلَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَكَانَتْ اِذَا جَاءَتْ عُقْبَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَا نَحْنُ نَمْشِيْ عَنْكَ قَالَ مَا اَنْتُمَا بِاَقْوٰى مِنِّيْ وَمَا اَنَا بِاَغْنٰى عَنِ الْاَجْرِ مِنْكُمَا۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ بدر کے دن (یعنی جنگ بدر کے موقع پر) ہماری یہ حالت تھی کہ ہم میں سے ہر تین آدمی ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے "یعنی تین تین آدمیوں میں ایک اونٹ تھا کہ وہ تینوں باری باری ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے) اور ابولبابہؓ اور حضرت علیؓ رسول کریم ﷺ کے اونٹ میں شریک سفر تھے (حضرت عبداللہ نے بیان کیا کہ صورت حال یہ تھی کہ جب (اس اونٹ پر) رسول کریم ﷺ کے اترنے کی باری آتی تو ابولبابہؓ اور حضرت علیؓ عرض کرتے کہ آپ ﷺ کے بدلے ہم پیدل چلیں گے۔ (آپ ﷺ اونٹ ہی پر سوار رہیں)" لیکن آنحضرت ﷺ فرماتے کہ "نہ تو تم (اس دنیا کی مجھ سے زیادہ طاقت رکھتے ہو (کہ بس تم پیدل چلنے کی طاقت رکھتے ہو اور میں پیدل نہیں چل سکتا) اور نہ میں (آخرت کا) زیادہ ثواب حاصل کرنے میں تم سے بے پرواہ ہوں (یعنی میں آخرت کے اجر و ثواب کا تم سے کم محتاج نہیں ہوں۔" (شرح السنۃ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کمال انکسار و تواضع کے کس بلند مقام پر تھے اور یہ کہ آپ ﷺ اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے حق میں کس قدر مہربان اور خیر خواہ تھے کہ ان کی راحت کو بھی ترجیح نہیں دیتے تھے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر آنحضرت ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہونے کی حیثیت سے معصوم عن الخطا تھے اور خدا کے محبوب بندے تھے مگر اس کے باوجود آپ ﷺ بارگاہ الوہیت میں اپنی عبدیت کے اقرار کے طور پر خدا کی طرف سے اپنے احتیاج اور اس کے حضور میں اپنی مکمل بیچارگی کو ظاہر فرمایا کرتے تھے۔

سواری کے جانوروں کے بارے میں ایک حکم

(۲۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتَّخِذُوْا ظُهُوْرَ دَوَابِّكُمْ مَنَابِرَ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اِنَّمَا سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُبَلِّغَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَمْ تَكُوْنُوْا بَالِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ وَجَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فَعَلَيْهَا فَاقْضُوْا حَاجَاتِكُمْ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا" جانوروں کی پشت کو منبر نہ بناؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو محض اس لئے تمہارے تابع کیا ہے کہ وہ تمہیں ان شہروں اور علاقوں میں پہنچا دیں جہاں تم (پیدل چلنے کے ذریعہ) جانی مشقت و محنت کے ساتھ ہی پہنچ سکتے تھے) یعنی جانوروں سے مقصود ان پر سواری کرنا اور ان کے ذریعہ اپنے مقصد کو حاصل کرنا ہے لہٰذا ان کو ایذا پہنچانا روا نہیں ہے) اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے (اسی غرض سے) پیدا کیا ہے لہٰذا تم اس پر اپنے کاموں اور اپنی حاجتوں کو پورا کرو۔" (ابوداؤد)

تشریح: "جانوروں کی پشت کو منبر نہ بناؤ" کا مطلب یہ ہے کہ باتیں کرنے کے لئے جانور کی پشت پر سوار ہو کے نہ کھڑے رہو بلکہ اگر کسی سے بات کرنی ہے تو اس کی پشت پر سے اتر کر اپنی حاجت پوری کرو اور پھر اس پر سوار ہو، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ سواری کے علاوہ جانور کی اور کوئی حاجت یا اس کے ساتھ کوئی اور صحیح غرض متعلق نہ ہو، ہاں اگر اس جانور سے کوئی اور صحیح غرض متعلق

ہو گو اس میں کوئی ضائقہ نہیں جیسا کہ یہ ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس لئے پیدا کیا کہ تم اس پر اٹھو بیٹھو اور کھڑے ہو اور ان کے علاوہ اپنی ضرورتیں پوری کرو، لہٰذا اپنے کام زمین پر ہی کرو سواری کے جانور کی پشت پر سوائے سوار ہونے کے، کہ وہ تمہیں منزل مقصود پر پہنچادے اور کوئی کام نہ کرو۔

صحابہؓ کے نزدیک سواری کے جانوروں کی دیکھ بھال کی اہمیت

(۲۶) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا اِذَا نَزَلْنَا مَنْزِلًا لَا نُسَبِّحُ حَتّٰى نَحُلَّ الرِّحَالَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب ہم (دوران سفر یا سفر کے بعد) کسی منزل پر اترتے تو اس وقت تک نفل نماز نہ پڑھتے تھے جب کہ جانوروں پر سے سامان نہ کھول لیا جاتا۔" (ابوداؤد)

تشریح: سبحہ اور تسبیح کا اطلاق اکثر نفل نماز پر ہوتا ہے لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں نماز چاشت ہی مراد ہے کہ اس زمانے میں عام طور پر منزلوں پر اترنے کا وقت یہی چاشت کا وقت ہوتا تھا۔ بہرحال حدیث کا مطلب یہ بتانا ہے کہ باوجودیکہ صحابہؓ نماز کا بہت زیادہ اہتمام وخیال رکھتے تھے لیکن وہ اپنے جانوروں کی دیکھ بھال کے اہتمام کو بھی پہلے ملحوظ رکھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی حق شناسی

(۲۷) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِىْ اِذْجَاءَهُ رَجُلٌ مَعَهُ حِمَارٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ارْكَبْ وَتَاَخَّرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَنْتَ اَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِكَ اِلَّا اَنْ تَجْعَلَهُ لِيْ قَالَ جَعَلْتُهُ لَكَ فَرَكِبَ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت بریدہؓ کہتے کہ رسول کریم ﷺ (ایک سفر میں) پیدل راستہ طے کر رہے تھے کہ اس دوران اچانک ایک شخص اپنے گدھے کے ساتھ، (یعنی اس پر سوار) آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! (میرے گدھے پر) سوار ہو جائیے۔" اور (یہ کہہ کر) وہ شخص گدھے کی پشت پر) پیچھے سرک گیا (تاکہ آنحضرت ﷺ آگے بیٹھ جائیں) لیکن آپ نے فرمایا کہ میں آگے نہیں بیٹھونگا کیونکہ (اپنی سواری کے) جانور پر آگے بیٹھنے کے تم ہی مستحق ہو الا یہ کہ تم مجھے اس کا حقدار بنادو (یعنی اگرچہ اس شخص کا پیچھے سرکنا اسی لئے تھا۔ کہ گویا اس نے آپ کو آگے بیٹھے رہنے کا حقدار بنادیا تھا مگر آنحضرت ﷺ نے کمال احتیاط کے پیش نظر اس پر واضح کیا کہ میں تمہاری سواری پر آگے اسی وقت بیٹھ سکتا ہوں جب کہ تم صریح الفاظ میں مجھ سے آگے بیٹھنے کے لئے کہو، اس شخص نے کہا کہ (میں صراحت کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ) آپ کو میں نے اس کا حقدار بنادیا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ (اس کے آگے بیٹھ گئے۔" (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے جہاں آنحضرت ﷺ کا یہ احساس انصاف وحق شناسی ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ نے اس وقت تک اس شخص کی سواری پر آگے بیٹھنے سے انکار کردیا جب تک کہ اس نے صراحت کے ساتھ اپنی سواری پر آگے بیٹھنے کے اپنے حق کو آپ کی طرف منتقل نہ کردیا وہیں آنحضرت ﷺ کا وصف تواضع وانکسار بھی پورے کمال کے ساتھ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے اس شخص کے پیچھے بیٹھنے میں کوئی عار محسوس نہیں کیا اور اس پر راضی ہوئے۔

شیطانی اونٹ اور شیطانی گھر

(۲۸) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ هِنْدٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ اِبِلٌ لِلشَّيَاطِيْنِ وَبُيُوْتٌ لِلشَّيَاطِيْنِ فَاَمَّا اِبِلُ الشَّيَاطِيْنِ فَقَدْ رَاَيْتُهَا يَخْرُجُ اَحَدُكُمْ بِنَجِيْبَاتٍ مَعَهُ قَدْ اَسْمَنَهَا فَلَا يَعْلُوْ بَعِيْرًا مِنْهَا وَيَمُرُّ بِاَخِيْهِ

قَدِانْقَطَعَ بِهٖ فَلَا يَحْمِلُهُ وَاَمَّا بُيُوْتُ الشَّيَاطِيْنِ فَلَمْ اَرَهَا كَانَ سَعِيْدٌ يَقُوْلُ لَا اُرَاهَا اِلَّا هٰذِهِ الْاَقْفَاصَ الَّتِىْ يَسْتُرُ النَّاسُ بِالدِّيْبَاجِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سعید ابن ابوہند (تابعی) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (کچھ) اونٹ شیطانوں کے لئے ہوجاتے ہیں اور (کچھ) گھر شیطانوں کے لئے ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ جو اونٹ شیطانوں کے لئے ہوجاتے ہیں ان کو میں نے دیکھا ہے (جیسے) تم سے کوئی شخص عمدہ قسم کی اونٹنیوں کو لے کر نکلتا ہے جن کو اس نے خوب فربہ کیا لیکن ان میں سے کسی اونٹ پر سوار نہیں ہوتا ہے اور جب (کسی سفر میں) اپنے اس مسلمان بھائی کے ساتھ راستہ طے کرتا ہے جو (اپنی کمزوری اور سواری سے محرومی کی وجہ سے) چلتے چلتے تھک گیا ہے تو اس کو (بھی) اس اونٹ پر سوار نہیں کرتا۔ اور جو گھر شیطانوں کے لئے ہوجاتے ہیں ان کو میں نے نہیں دیکھا ہے۔" حدیث کے راوی حضرت سعیدؒ کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ گھر (جو شیطانوں کے لئے ہوجاتے ہیں) وہ پنجرے ہیں جن کو لوگ ریشمی کپڑوں (کے پردوں سے) ڈھانکتے ہیں۔" (ابوداؤد)

تشریح: "جو اونٹ شیطانوں کے ہوجاتے ہیں الخ" کا حاصل یہ ہے کہ اونٹوں کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ ان کو اپنی سواری اور بار برداری کے مصرف میں لایا جائے اور خدا نے اس کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے ذریعہ اپنی بھی سفری ضروریات پوری کی جائیں اور دوسرے ضرورت مند مسلمانوں کو بھی ان سے نفع پہنچایا جائے، لیکن اگر کوئی شخص ان کو خوب موٹا تازہ کر کے محض اظہار تفاخر اور نام آوری کے لئے رکھتا ہے اور ان کو اپنے سفر میں اپنی یا اپنے کسی ضرورت مند مسلمان بھائی کے رفع احتیاج کے لئے نہیں بلکہ "کوتل" رکھتا ہے تو اسطرح اس نے اس اونٹ کو نہ تو اپنے مصرف میں لا کر اور نہ کسی تھکے ہوئے مسلمان بھائی کی راحت کا ذریعہ بنا کر گویا شیطان کی اطاعت کی اور شیطان کو خوش کیا اس لئے وہ اونٹ گویا شیطان کے لئے ہوگیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوتل گھوڑا ممنوع ہے اور گویا وہ شیطانی گھوڑا ہوتا ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حدیث کا جزء فَاَمَّا اِبِلُ الشَّيٰطِيْنِ (چنانچہ جو اونٹ شیطانوں کے لئے ہوتے ہیں الخ) دراصل حدیث کے راوی یعنی حضرت ابوہریرہؓ کے اپنے الفاظ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی اصل حدیث صرف ماقبل کی مجمل عبارت ہے یعنی یکون ابل للشیاطین و بیوت للشیاطین اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ (جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہوا) اصل حدیث فلم ارھا (ان کو میں نے نہیں دیکھا ہے) تک ہے! اسی قول کو ملا علی قاری نے بھی پسند کیا ہے۔

شیطانی گھروں سے مراد یا تو عماریاں اور ہودج ہیں جن کو بعض لوگ ریشمی کپڑوں سے آراستہ پیراستہ رکھتے ہیں یا وہ گھر ہیں جن کو ریشمی کپڑوں کی دیوار گیریوں کے ساتھ مزین کیا گیا ہو، ظاہر ہے جہاں خود ان ہودجوں یا گھروں کی ممانعت مقصود نہیں ہے بلکہ ان کو ریشمی کپڑوں کے ساتھ سجانے اور مزین کرنے کے سبب سے ان کی برائی بیان کی گئی ہے جس میں نہ صرف مال کی بربادی اور اسراف ہی ہے بلکہ اظہار تفاخر اور ریا بھی ہے۔

کہیں پڑاؤ ڈالو تو وہاں نہ زیادہ جگہ گھیرو اور نہ راستہ روکو

(۲۹) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَضَيَّقَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ وَقَطَعُوا الطَّرِيْقَ فَبَعَثَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا يُنَادِىْ فِى النَّاسِ اِنَّ مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلًا اَوْقَطَعَ طَرِيْقًا فَلَا جِهَادَ لَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سہل ابن معاذ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ "ایک مرتبہ جب ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ جہاد میں گئے (اور منزل پر قیام کیا) تو لوگوں نے (اس) منزل کی (ساری جگہوں) کو تنگ کر دیا اور راستہ کو کاٹ دیا (یعنی بعض لوگوں نے بلاضرورت یا ضرورت سے زیادہ جگہوں پر قبضہ کر لیا جسکی وجہ سے دوسرے لوگوں کو جگہ کی تنگی ہوگئی اسطرح راستہ بھی تنگ ہوگیا جس سے آنے جانے

والوں کو پریشانی ہونے لگی) چنانچہ (یہ دیکھ کر) نبی کریم ﷺ نے ایک منادی کرنے والے کو لوگوں کے درمیان بھیج کر یہ اعلان کرایا کہ "جس شخص نے منزل کی (جگہوں) کو تنگ کیا یا راستے کو کاٹا تو لوگوں کو ضرر و تکلیف پہنچانے کی وجہ سے) اس کو جہاد کا ثواب نہیں ملے گا۔"

(ابوداؤد)

سفر سے واپسی کا بہترین وقت

(۳۰) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَحْسَنَ مَادَخَلَ الرَّجُلُ اَهْلَهُ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ اَوَّلُ اللَّيْلِ۔
(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "سفر سے واپس آنے والے مرد کے لئے اپنے گھر والوں کے پاس پہنچنے کا بہترین وقت رات کا ابتدائی حصہ ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: یہ اس صورت میں ہے جب کہ قریب کا سفر ہو چنانچہ پہلے جو یہ گذرا ہے کہ سفر سے واپسی میں رات کے وقت اپنے گھر نہ آنا چاہئے تو اس کا تعلق دور کے سفر سے ہے! اور نوویؒ یہ کہتے ہیں کہ اگر دور کا بھی سفر ہو اور اس کے آنے کی اطلاع اس کے گھر والوں کو دن میں مل چکی ہو تو رات کے وقت آنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ "گھر والوں کے پاس پہنچنے" سے گھر والی کے پاس آنا" یعنی جماع مراد ہے کیونکہ مسافر کا جنسی جذبہ بہت زیادہ بیدار ہو جاتا ہے لہٰذا جب وہ سفر سے واپس ہو کر رات کے ابتدائی حصہ ہی میں جماع سے فارغ ہو جائے گا تو پھر سکون و آرام کے ساتھ سوئے گا بھی اور بیوی کا حق بھی جلدی ادا ہو جائے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

سفر کے دوران رات میں آنحضرت ﷺ کے آرام کرنے کی کیفیت

(۳۱) عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ فِيْ سَفَرٍ فَعَرَّسَ بِلَيْلٍ اِضْطَجَعَ عَلٰى يَمِيْنِهٖ وَاِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهٗ وَوَضَعَ رَاْسَهٗ عَلٰى كَفِّهٖ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب سفر میں ہوتے تو (کسی پڑاؤ پر) رات کے آخری حصہ میں (یعنی طلوع سحر سے) پہلے اترتے اور دائیں کروٹ پر لیٹ رہتے اور جب صبح سے کچھ پہلے اترتے تو اپنا (داہنا) ہاتھ کھڑا کر کے اس کی ہتھیلی پر اپنا سر رکھ کر لیٹتے (یعنی کچھ دیر کے لئے اس انداز میں آرام فرماتے تاکہ نیند غالب نہ آجائے۔" (مسلمؒ)

صبح کے وقت سفر شروع کرنے کی فضیلت

(۳۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَوَافَقَ ذٰلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَغَدَا اَصْحَابُهٗ وَقَالَ اَتَخَلَّفُ وَ اُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَلْحَقُهُمْ فَلَمَّا صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰهُ فَقَالَ مَامَنَعَكَ اَنْ تَغْدُوَ مَعَ اَصْحَابِكَ فَقَالَ اَرَدْتُ اَنْ اُصَلِّيَ مَعَكَ ثُمَّ اَلْحَقَهُمْ فَقَالَ لَوْ اَنْفَقْتَ مَافِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَا اَدْرَكْتَ فَضْلَ غَدْوَتِهِمْ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن رواحہؓ (جہاد) کے لئے ایک چھوٹے لشکر کے ساتھ روانہ کیا، اتفاق سے وہ جمعہ کا دن تھا جس (میں آنحضرت ﷺ نے ان کو جہاد کے لئے جانے کا حکم دیا تھا) چنانچہ ان کے ساتھی (یعنی لشکر کے لوگ) صبح کے وقت روانہ ہو گئے لیکن عبداللہؓ نے (اپنے دل میں سوچا یا کسی ساتھی سے کہا کہ "میں بعد میں روانہ ہوں گا میں (پہلے یہاں مدینہ میں) رسول

کریم ﷺ کے ہمراہ جمعہ کی نماز پڑھوں گا پھر لشکر والوں سے جاملوں گا۔ جب عبداللہؓ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ جمعہ کی نماز پڑھ چکے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا (کہ وہ ابھی یہاں ہی موجود ہیں) تو فرمایا کہ تمہیں صبح کے وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ جانے سے کس چیز نے روکا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے یہ چاہا (میں جمعہ کی نماز آپ کے ساتھ پڑھ لوں اور پھر اپنے ساتھیوں سے جاملوں۔" آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا "تم روئے زمین پر ساری چیزوں کو بھی خرچ کرو تو صبح کے وقت جانے والے اپنے ساتھیوں کے برابر ثواب حاصل نہیں کر سکو گے۔" (ترمذی)

چیتے کی کھال استعمال کرنا ممنوع ہے

(۳۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْحَبُ الْمَلَائِکَةُ رُفْقَةً فِیْهَا جِلْدُ نَمِرٍ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اس قافلے کے ساتھ رحمت کے فرشتے نہیں ہوتے جس میں چیتے کی کھال ہو۔ یعنی چیتے کی کھال پر سوار کو بیٹھنا یا اس کو استعمال کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس سے تکبر کی شان پیدا ہوتی ہے۔" (ابوداؤد)

امیر سفر کو رفقاء سفر کا خادم ہونا چاہئے

(۳۴) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَیِّدُ الْقَوْمِ فِی السَّفَرِ خَادِمُهُمْ فَمَنْ سَبَقَهُمْ بِخِدْمَةٍ لَمْ یَسْبِقُوْهُ بِعَمَلٍ اِلَّا الشَّهَادَةَ۔ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

"اور حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا سفر میں جماعت (یعنی سفر کرنے والوں) کا امیر و سردار ان کا خادم ہے۔ لہٰذا جو شخص ان (سفر کرنے والوں کی) خدمت میں سبقت لے گیا اس کے مقابلہ میں کوئی شخص شہادت کے علاوہ اور کسی عمل کے ذریعہ سبقت نہیں لے جا سکتا۔" (بیہقی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ امیر و حاکم کو چاہئے کہ وہ قوم کی خدمت کرے، ان کے مصالح پر نظر رکھے ان کے ظاہری و باطنی حالات کی رعایت ملحوظ رکھے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جو بھی شخص اپنی قوم اور اپنی جماعت کی خدمت میں لگا رہے۔ تو حقیقت میں وہی شخص کثرت ثواب کی بنا پر اس قوم و جماعت کا سردار ہے اگرچہ دیکھنے میں وہ پوری قوم و جماعت میں کتنی ہی کمتر حیثیت کا کیوں نہ ہو کیونکہ خدمت قوم کے علاوہ اور کوئی عمل افضل نہیں الا یہ کہ کوئی شخص خدا کی راہ میں لڑے اور شہادت کا درجہ پائے۔

بَابُ الْکِتَابِ اِلَی الْکُفَّارِ وَدُعَائِهِمْ اِلَی الْاِسْلَامِ

کفار کو خطوط لکھنے اور ان کو اسلام کی دعوت دینے کا بیان

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کا حقیقی مالک و فرمانروا مانتے ہیں اور اس کے اتارے ہوئے قانون کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں ان کو اس بات کا ذمہ دار بنایا گیا ہے کہ وہ پوری کائنات کو خدائے بزرگ و برتر کے احکام کی تبلیغ کریں اور گم کردہ گان راہ ہدایت کو ضلالت و تباہی کے راستوں سے ہٹا کر خدائے واحد کی اطاعت و فرمانبرداری کی صراط مستقیم پر لے آئیں اور اس طرح روئے زمین پر خدا کا نام اور اس کے دین کا جھنڈا سربلند کریں اور جو لوگ (کفار) اس تبلیغ کے باوجود سرکشی و تمرد سے باز نہ آئیں اور خدا کے دین کے جھنڈے کو سرنگوں کرنے کی ناپاک جسارت کریں اور اس روئے زمین پر مالک حقیقی کے احکام کے نفاذ میں رکاوٹ ڈالیں اور گویا دوسرے لفظوں میں وہ اپنے عقائد و کردار کے ذریعہ خدا کی سرزمین پر فتنہ و فساد کا بازار گرم کریں ان کے خلاف تلوار اٹھائی جائے اور ان سے اس وقت تک جنگ کی جائے جب تک کہ وہ اپنے تمرد اور اپنی سرکشی سے باز آ کر خدائے واحد کی حاکمیت اعلیٰ کا اقرار نہ کر لیں۔ یا جزیہ (ٹیکس) ادا کر کے

اسلامی مملکت کا وفادار شہری بننا قبول نہ کرلیں۔

کفار کے خلاف اعلان جنگ سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے: اسلام نے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ مخالفین اسلام کے خلاف اس وقت اعلان جنگ نہ کیا جائے جب تک کہ ان کو اسلام کی دعوت نہ دی جائے۔ چنانچہ اسلامی قانون کے مطابق کفار سے جنگ کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے اور ان کو اسلام کی دعوت دینے سے پہلے ان سے جنگ کرنا حرام ہے بشرطیکہ ان کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ اور اگر ان کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے تو اس صورت میں جنگ سے پہلے ان کو پھر دو بارہ اسلام کی دعوت دینا مستحب ہے۔

اسلام کی دعوت دینے کے مختلف طریقے ہیں انھی میں سے ایک طریقہ خط و کتابت بھی ہے خاص طور پر سربراہان مملکت، سلاطین اور امراء کو عام طور پر خط و کتابت ہی کے ذریعہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مختلف غیر مسلم بادشاہوں اور سربراہان مملکت و قوم جیسے قیصر، کسریٰ اور نجاشی کو مکتوبات گرامی ارسال فرمائے جن میں انہیں ضلالت و تباہی کا راستہ چھوڑ کر اسلام کے سیدھے راستے پر آنے کی دعوت دی گئی۔

منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ تشریف لائے اور قیصر روم کو مکتوب بھیجنے کا ارادہ کیا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ شاہان روم و ایران کا دستور یہ ہے کہ وہ کسی تحریر کو اس وقت تک مستند نہیں مانتے جب تک اس پر مہر نہ لگی ہوئی ہو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مہر کے لئے چاندی کی انگوٹھی تیار کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور اس میں تین سطریں کندہ کرائیں اور ان تینوں سطروں میں اپنا اسم مبارک ﷺ اس طرح نقش کرایا کہ اوپر کی سطر میں "اللہ" درمیانی سطر میں "رسول" اور نیچے کی سطر میں "محمد" تھا! اس طرح آپ ﷺ نے بادشاہوں کے نام جو مکتوب ارسال فرمائے ان پر یہ مہر ثبت فرمائی۔

طبرانی نے یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ کرامۃ الکتاب ختمہ یعنی مکتوب کی عظمت اس کی مہر ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

قیصر روم کے نام مکتوب نبوی ﷺ

① وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى قَيْصَرَ يَدْعُوْهُ اِلَى الْاِسْلَامِ وَبَعَثَ بِكِتَابِهٖ اِلَيْهِ دِحْيَةَ الْكَلْبِيَّ وَاَمَرَهٗ اَنْ يَدْفَعَهٗ اِلٰى عَظِيْمِ بُصْرٰى لِيَدْفَعَهٗ اِلٰى قَيْصَرَ فَاِذَا فِيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَدْعُوْكَ بِدَاعِيَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ وَاَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ وَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْاَرِيْسِيِّيْنَ وَيَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّانَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَانُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَقَالَ اِثْمُ الْيَرِيْسِيِّيْنَ وَقَالَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ۔ (بخاری و مسلم)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قیصر یعنی روم کے بادشاہ کو ایک گرامی نامہ لکھا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی اور آپ ﷺ نے اپنا وہ گرامی نامہ لکھا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی اور آپ ﷺ نے اپنا وہ گرامی نامہ دحیہ کلبیؓ (صحابی) کے ہاتھ روانہ فرمایا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اس گرامی نامہ کو بصریٰ کے حاکم کے پاس پہنچادیں تاکہ وہ حاکم بصریٰ اس کو قیصر کے پاس پہنچادے۔ اس گرامی نامہ میں یہ لکھا تھا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ محمد کی جانب سے جو خدا کا بندہ خاص اور رسول ہے۔ ہرقل کے نام جو روم کا حکمران اعلیٰ ہے۔ اس پر سلامتی ہو (جو قبولیت اسلام اور اپنے نیک کردار و اعمال کے ذریعہ) ہدایت کا پیرو ہے۔ بعد ازاں میں آپ کو اسلام کلمہ شہادت کی دعوت دیتا ہوں آپ اسلام قبول کر لیجئے دنیا کے اور آخرت کے عذاب سے

محفوظ و مامون رہے گا، آپ مسلمان ہو جایئے اللہ تعالیٰ آپ کو دوہرا اجر عطا فرمائے گا کہ ایک اجر تو اپنے نبی علیہ السلام پر ایمان لانے کا اور ایک اجر مجھ (ﷺ) پر ایمان لانے کا اور اگر آپ منہ پھیریں گے یعنی اسلام قبول نہیں کریں گے تو آپ کو واضح رہنا چاہئے کہ اس انکار و اعراض کی وجہ سے آپ پر صرف اپنے ہی گناہ کا وبال نہیں ہوگا بلکہ، آپ کے ملک والوں اور آپ کی رعیت کا گناہ (بھی) آپ پر ہوگا کیونکہ آپ کے اسلام نہ لانے سے وہ بھی کفر میں مبتلا رہیں گے اس لئے ان کی گمراہی کی ذمہ داری بھی آپ ہی پر ہوگی) اے اہل کتاب! ایسے کلمے اور ایسے دین کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں اور مشترک ہے۔ (یعنی اس کلمہ اور دین میں ہمارے اور تمہارے رسولوں اور کتابوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور وہ کلمہ و دین یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا رب نہ بنائے (جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب بنالیا ہے) پس اگر اہل کتاب اس بات کو قبول کرنے سے اعراض و انکار کریں تو (اے مؤمنو) تم یہ اعلان کردو کہ (اے کافرو!) گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

اور مسلم کی ایک روایت میں مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کی جگہ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ ہے اور اِثْمُ الْاَرِيْسِيِّيْنَ کی جگہ اِثْمُ الْيَرِيْسِيِّيْنَ ہے اور بِدَاعِيَةِ الْاِسْلَامِ کی جگہ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت روم (رومن امپائر) کی حکومت اپنی سطوت و جبروت اور طاقت و عظمت کے لحاظ سے دنیا کی ایک بڑی عظیم طاقت اور پر شوکت حکومت تھی۔ روم کی حکومت کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا اور اس وقت یورپ کے مختلف ممالک کے علاوہ شام و فلسطین اور مصر بھی اسی کے زیر اقتدار تھے۔ قیصر روم کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا جیسا کہ فارس (ایران) کے بادشاہ کو کسریٰ حبش کے بادشاہ کو "نجاشی" ترک بادشاہ کو "خاقان" قبط کے بادشاہ کو فرعون مصر کے بادشاہ کے عزیز اور حمیر کے بادشاہ کو تبع کہا جاتا تھا۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت کے زمانے میں روم کا جو قیصر تھا اور جس کو آپ ﷺ نے یہ گرامی نامہ بھیجا تھا اس کا نام ہرقل (ہرل یوس) تھا یہ ہرقل جس طرح اپنی شاہی شان و شوکت میں ممتاز سمجھا جاتا تھا اسی طرح مذہبی علوم یعنی تورات و انجیل کا بھی زبردست عالم تھا۔ دحیہ کلبی ایک صحابی تھے ان کی سب سے بڑی امتیازی شان یہ تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام اکثر انہیں کی صورت میں اترتے تھے۔

"بصریٰ" شام کے ایک شہر کا نام تھا جو ایک بڑا متمدن اور تجارتی مرکز تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی ابتدائی زندگی میں جو دو تجارتی سفر فرمائے تھے اس میں سے ایک سفر میں آپ ﷺ بصریٰ بھی تشریف لے گئے تھے۔

حضرت دحیہ کلبیؓ کا سفارت پر مامور ہو کر قیصر کے نام آنحضرت ﷺ کا مکتوب گرامی لے جانا سنہ ۶ ھ یا سنہ ۷ ھ کے شروع کا واقعہ ہے۔ روایات اور تاریخ سے ثابت ہے کہ قیصر روم نے اس نامہ مبارک سے اس حد تک اثر قبول کیا تھا کہ اس نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی تھی اور اس کے دل میں نور اسلام جلوہ فگن ہو چکا تھا مگر رعایا اور اہل دربار کے خوف سے اور تخت و تاج کی محبت میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی اور مسلمان نہیں ہو سکا۔ چنانچہ منقول ہے کہ اس نے نامہ مبارک پڑھے جانے کے بعد اپنے اہل دربار کی برہمی دیکھ کر حضرت دحیہؓ سے کہا کہ اگر مجھے اپنے لوگوں سے اپنی جان کا خوف نہ ہوتا تو میں ضرور تمہارے نبی کا اتباع کرتا وہ محمد ﷺ بلاشبہ وہی نبی ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ خط لکھنے کا یہ بہترین طریقہ ہے کہ تحریر کی ابتداء بسم اللہ سے ہو اور خط لکھنے والے کا نام بھی پہلے لکھا جائے۔ ملا علی قاریؒ کہتے ہیں یہ بات حدیث ہی سے ثابت نہیں بلکہ قرآن کریم کی اس آیت اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے بھی مفہوم ہوتی ہے۔

ہرقل چونکہ غیر مسلم تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اپنے نامہ مبارک میں اس کو خطاب کرتے ہوئے سَلَامٌ عَلَيْكَ تم پر سلامتی ہو، نہیں لکھا بلکہ یہ بلیغ اسلوب اختیار فرمایا کہ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے اس میں گویا اس طرف

اشارہ ہے کہ غیر مسلم کے ساتھ تخاطب کی ابتداء کنایۃً سلام کے ساتھ کرنا جائز ہے۔

مکتوب نبوی ﷺ کے ساتھ شہنشاہ ایران کا نخوت آمیز معاملہ اور اس پر اس کا وبال

(۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِکِتَابِہٖ اِلٰی کِسْرٰی مَعَ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ حُذَافَۃَ السَّھْمِیِّ فَاَمَرَہٗ اَنْ یَّدْفَعَہٗ اِلٰی عَظِیْمِ الْبَحْرَیْنِ فَدَفَعَہٗ عَظِیْمُ الْبَحْرَیْنِ اِلٰی کِسْرٰی فَلَمَّا قَرَأَہٗ مَزَّقَہٗ قَالَ ابْنُ الْمُسَیَّبِ فَدَعَا عَلَیْھِمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّمَزَّقُوْا کُلَّ مُمَزَّقٍ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کسریٰ کے نام اپنا نامہ مبارک عبداللہ ابن خدافہ سہمیؓ کے ہاتھ روانہ کیا جو تقریباً اسی مضمون پر مشتمل تھا جو قیصر وغیرہ کو بھیجا گیا تھا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اس نامہ مبارک کو بحرین کے حاکم کے پاس لے جائیں تاکہ وہ اس کو کسریٰ تک پہنچا دے چنانچہ عبداللہ ابن حزافہؓ نامہ مبارک بحرین کے حاکم کے پاس لے گئے اور بحرین کے حاکم نے اس کو کسریٰ کے پاس پہنچا دیا جب کسریٰ نے وہ نامہ مبارک پڑھا تو بجائے اس پر عمل کرنے کے اس کو پھاڑ ڈالا۔ حدیث کے ایک راوی ابن مسیب کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کسریٰ اور اس کی رعایا کے لئے یہ بددعا فرمائی کہ وہ پارہ پارہ کر دیئے جائیں بالکل پارہ پارہ۔" (بخاری)

تشریح: روم کی طرح فارس (ایران) بھی قدیم ترین شہنشاہیت کا گہوارہ تھا اور ایشیاء کی ایک عظیم الشان سلطنت تھی اس وقت اس کی حدود سلطنت ایک طرف سندھ تک پھیلی ہوئی تھیں اور دوسری جانب عرق اور عرب کے اکثر حصے یمن، بحرین اور عمان بھی فارس ہی کے زیر اقتدار تھے اس کی اخلاقی حالت بھی گردو پیش کے ممالک کی طرح نہایت ابتر تھی یزدان اور اہرمن نیکی اور بدی کے دو خدا سمجھے جاتے تھے آتش پرستی ملک کا عام مذہب تھا اس سلطنت کے شہنشاہ کا لقب خسرو ہوا کرتا تھا جس کا عربی لفظ کسریٰ بنا لیا گیا تھا آنحضرت ﷺ نے جس خسرو یا کسریٰ کے پاس نامہ مبارک بھیجا تھا اس کا نام پرویز تھا جو ہرمز ابن نوشیرواں کا بیٹا تھا۔ تاریخی روایات میں آتا ہے کہ اس وقت ایران کا دستور یہ تھا کہ بادشاہوں کو جو خطوط لکھے جاتے تھے ان میں سب سے پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا لیکن چونکہ نامہ مبارک کو خدا کے نام (بسم اللہ) سے شروع کیا گیا تھا، پھر سرور کائنات ﷺ کا نام تھا اس لئے جب وہ خسرو پرویز کے سامنے پڑھا گیا تو وہ سخت غضب ناک ہوا اور کہنے لگا کہ میرے غلام کو یہ جرات ہے کہ وہ میرے نام اس طرح خط لکھے۔ اور پھر طیش میں آکر نامہ مبارک کو پرزے پرزے کر دیا۔ قاصد رسول ﷺ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسطرح اس کی حکومت کے بھی پرزے پرزے ہو جائیں گے چنانچہ نامہ مبارک کے ساتھ خسرو پرویز کے اس نخوت آمیز رویہ پر سرکار عالم ﷺ کی بددعا کا یہ نتیجہ نکلا کہ کچھ ہی عرصہ بعد طبری کی روایت کے مطابق ۱۳۔ جمادی الاول ۶۲۹ء کی شب میں پرویز کو اسی کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا اور پھر چھ مہینے کے بعد ہی اس کا بیٹا شیرویہ بھی مر گیا اور اس طرح اس کی حکومت و سلطنت پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایسا وبال پڑا اور ایسی لعنت نازل ہوئی کہ تھوڑی ہی مدت کے بعد ہزاروں برس کی اس عظیم الشان سلطنت کے پرزے پرزے اڑ گئے۔

آنحضور ﷺ نے تمام سربراہان مملکت کو خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی

(۳) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی کِسْرٰی وَاِلٰی قَیْصَرَ وَاِلَی النَّجَاشِیِّ وَ اِلٰی کُلِّ جَبَّارٍ یَدْعُوْھُمْ اِلَی اللّٰہِ وَلَیْسَ بِالنَّجَاشِیِّ الَّذِیْ صَلّٰی عَلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فارس یعنی ایران کے بادشاہ کسریٰ روم کے بادشاہ قیصر اور حبش کے بادشاہ نجاشی اور ہر متکبر و مقتدر بادشاہ کو خطوط لکھے جن میں انہیں اللہ یعنی دین اسلام کی طرف بلایا گیا تھا۔ اور یہ نجاشی کہ جس کو آپ ﷺ نے یہ خط بھیجا تھا وہ نجاشی نہیں ہے جس کے لئے نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی۔" (مسلم)

تشریح: روایت کے آخری جزء کا مقصد ان لوگوں کے خیال کی تردید کرتا ہے جن کے نزدیک یہ نجاشی کہ جس کو مکتوب بھیجا گیا تھا وہی نجاشی ہے جس کا نام اصحمہ تھا اور جو آنحضرت ﷺ کا مطیع و فرمبردار اور آپ ﷺ کے اصحاب ؓ کا اپنے ملک میں خادم و نگہبان تھا جب مدینہ میں اس کے انتقال کی خبر آئی تو آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ مرد صالح اور تمہارا بھائی اصحمہ اللہ کو پیارا ہو گیا ہے، اٹھو اور اس کی نماز جنازہ پڑھو چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی غائبانہ جنازہ پڑھائی۔

لیکن بعض محققین کے نزدیک اس تردید کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دونوں نجاشیوں کو مکتوب بھیجے، پہلے تو اصحمہ کے نام بھیجا تھا اور پھر اصحمہ کے بعد جو شخص نجاشی ہوا اس کے پاس بھی آپ ﷺ نے مکتوب بھیجا۔

اب رہی یہ بات کہ جس طرح پہلا نجاشی یعنی اصحمہ مسلمان ہو گیا تھا اسی طرح دوسرا نجاشی بھی مسلمان ہو گیا تھا یا نہیں؟ اس بارہ میں تحقیقی روایات مختلف ہیں بعض کے نزدیک وہ بھی مسلمان ہو گیا تھا مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔

چونکہ پہلے قیصر اور کسریٰ کے بارے میں ذکر کیا جا چکا ہے اس لئے نجاشی کے بارے میں بھی کچھ باتیں ذکر کر دینا ضروری ہے حبش عرب کی جنوبی سمت میں مشرقی افریقہ میں واقع ایک ملک ہے آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت اس ملک پر جو شخص حکمران تھا اس کا نام "اصحمہ" اور پورا ملک عیسائیت کا پیرو تھا۔

"حبش" اصل میں عربی نام ہے یونانی میں اسے "اتھوپیا" کہتے ہیں اور دنیا کے موجودہ نقشہ میں بھی یہ اتھوپیا ہی کے نام سے موسوم ہے۔ حبشی زبان میں بادشاہ کو نجوس کہتے ہیں نجاشی اسی نجوس کا معرب ہے۔

اسلامی تاریخ میں اس وقت کے حبش کا ذکر نہایت ہی عزت و احترام اور شکر گذاری و ممنونیت کے انتہائی جذبات کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی بعثت کے فوراً بعد دنیا کو اللہ کے آخری دین اسلام کی طرف بلایا اور اپنی رسالت کا اعلان کر کے دنیا والوں کو اپنی اطاعت کی دعوت دی اور رفتہ رفتہ مکہ کے لوگ آپ ﷺ کے حلقہ اطاعت میں داخل ہونے لگے اور اس طرح اللہ کے نام کا جھنڈا سربلند ہونے لگا تو مکہ کے کفار اس کو برداشت نہ کر سکے اور ان کی طرف سے مکہ مکرمہ کی وسیع سرزمین حلقہ بگوشان اسلام پر خدائے واحد کا نام لینے کے جرم میں تنگ کر دی گئی چنانچہ اس وقت جب قریش مکہ کے مظالم انسانیت کی تمام حدوں کو پیچھے چھوڑ گئے اور پرستاران توحید پر ظلم و ستم اور بربریت کی انتہا ہو گئی اور آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کر کے چلے جانے کی اجازت دی تو یہ حبش ہی تھا جس نے اپنے ملک کے دروازے ان مظلوموں کے لئے پوری فراخدلی کے ساتھ کھول دیئے اور ان کو اپنی سرزمین پر انتہائی عزت و احترام کے ساتھ پناہ دی۔

مسلمانوں کا پہلا قافلہ جس نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی حضرت عثمان غنیؓ کی سربراہی میں حبش پہنچا اس کے بعد جب دوسرا قافلہ حبشہ پہنچا اور جس کے قائد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیارؓ تھے تو اس مرتبہ آنحضرت ﷺ نے شاہ حبش کے نام ایک مکتوب گرامی بھی ارسال فرمایا اور بعض مورخین کے قول کے مطابق مکتوبات نبوی ﷺ میں یہ پہلا نامہ مبارک ہے اس میں نجاشی کو صرف اسلام کی دعوت ہی نہیں دی گئی تھی بلکہ اس بات کی نصیحت کی گئی تھی کہ وہ حکومت کے غرور و تکبر کو ترک کر کے حبش میں پناہ لینے کے لئے جانے والے مظلوم مکی مسلمانوں کے ساتھ تواضع سے پیش آئے۔ قریش مکہ کو چونکہ یہ بھی گوارہ نہ تھا کہ مسلمان حبش میں امن و سکون کی زندگی گذار سکیں اس لئے انہوں نے معززین مکہ کا ایک وفد عمرو بن العاص جیسے زبردست موقع شناس اور دانش مند سیاستدان کی سربراہی میں شاہ حبش کے دربار میں بھیجا تاکہ وہ ان مہاجر مسلمانوں کو حبش سے واپس لے آئے اور مکہ میں انہیں پھر سے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جائے اس وفد نے شاہ حبش کے سامنے مسلمانوں کی شکایت کی اور نجاشی کو مشتعل کرنے کے لئے یہ کہا کہ۔

"یہ لوگ عجیب و غریب عقائد رکھتے ہیں جن سے نہ ہم واقف ہیں اور نہ آپ"۔

نجاشی شاہ حبش نے وفد کی اس شکایت پر مہاجرین سے حقیقت حال کی وضاحت کے لئے کہا اور ان سے ان کے عقائد دریافت کئے تو

اس موقع پر حضرت جعفر طیارؓ نے جو معرکۃ الآراء تقریر کی وہ حق گوئی وبے باکی اور ایک شاہی دربار میں اسلامی عقائد و نظریات کا جرات مندانہ ذریعہ تعارف ہونے کی وجہ سے صرف اسلامی تاریخ ہی کا ایک بیش بہا سرمایہ نہیں ہے بلکہ دنیا کی ادبی تاریخ کا ایک زریں ورق اور فن خطابت و تقریر کا ایک انمول شاہکار بھی ہے انہوں نے شاہ حبش کا مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"شاہ ذی جاہ! ہم ایک سخت جاہل قوم تھے، مصنوعی اور خود ساختہ بتوں کی پرستش ہمارا مذہبی شعار تھا مردار خوری، بدکاری اور بے رحمی ہماری معاشرت کا اہم جزو بن گیا تھا ہم نہ ہمسایہ کے حقوق سے واقف تھے اور نہ اخوت و ہمدردی کے جذبہ سے آشنا، ہر طاقتور، کمزوروں کو ہڑپ کر جانے پر فخر کرتا تھا۔ یہ تھا ہمارا معیار زندگی۔

ہماری اس تباہ حالی کا دور عرصہ دراز سے قائم تھا کہ یک بیک خدائے برتر نے ہماری قسمت کا پانسہ پلٹ دیا، اور ہم میں ایک ایسا پیغمبر بھیجا جس کے نسب وحسب سے ہم واقف ہیں جس کی سچائی اور امانت کا حال ہم پر روشن ہے اور جس کی عفت و پاک دامنی ہر وقت ہماری نظروں میں رہی ہے وہ آیا اور اس نے ہمیں ہدایت کی وہ روشن شمع دکھلائی جس نے ہماری آنکھوں سے ہماری بدکرداری اور جہالت کی تاریکی کے تمام پردے چاک کر دیئے۔

اس پیغمبر نے ہمیں بتایا کہ تم صرف خدائے واحد کی پرستش کرو اور اسی کو اپنا خالق و مالک سمجھو، بت پرستی کو چھوڑ دو، تمہارے یہ خود ساختہ معبود نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان! (یاد رکھو) گمراہی کی بنیاد باپ دادا کی کورانہ تقلید ہے

اس نے ہمیں تعلیم دی کہ "ہمیشہ سچ بولو" امانت میں کبھی خیانت نہ کرو، ہمسایہ کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک کو ہمیشہ اپنا شعار بنائے رکھو، خون ریزی اور خدا کی حرام کی ہوئی باتوں سے بچو، فحش کاموں اور جھوٹ کے قریب نہ جاؤ، یتیم کا مال نہ کھاؤ اور پاکدامن کو تہمت نہ لگاؤ، خدائے واحد کی عبادت کرو، روزہ رکھو اور اموال کی زکوۃ دیا کرو۔

بادشاہ سلامت! اس نبی ﷺ نے اس قسم کے اور بہت سے بہترین امور کی ہمیں تعلیم دی ہے ہم نے اس کی تصدیق کی، اس کو خدا کا پیغمبر سمجھا، اور اس پر ایمان لائے اور جو کچھ اس نے خدا کا حکم ہمیں سنایا، ہم نے اس کی پیروی کی، ہم نے خدا کو ایک جانا، شرک سے توبہ کی، حلال کو حلال سمجھا اور حرام کو حرام جانا۔ یہ ہے ہمارا جرم جس پر ہمارے ہم وطنوں نے ہمیں اپنا گھربار چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا اور ہم نے آپ کے ملک میں آکر پناہ لی ہے۔

شاہ حبش اس پر حقائق اور بصیرت افروز تقریر کا بہت اثر ہوا، اس نے قریش کے وفد کے صاف جواب دے دیا کہ "ایسے پاکیزہ عقائد رکھنے والے نیکوکار لوگوں کو میں واپس کر کے ظالموں کے ظلم و ستم کا شکار ہرگز ہرگز نہ بننے دوں گا۔"

۶ھ کے آخر میں آنحضرت ﷺ حدیبیہ کے بعد مدینہ واپس آئے اور محرم ۷ھ = ۶۲۹ء میں آپ ﷺ نے شاہان عالم کے نام نامہ ہائے مبارک روانہ فرمائے تو شاہ حبش کو پھر ایک مکتوب گرامی ارسال فرمایا، بارگاہ رسالت کے سفیر حضرت عمرو ابن امیہ ضمریؓ آپ ﷺ کا نامہ مبارک لے کر شاہ حبش کے دربار میں پہنچے تو پہلے انہوں نے نجاشی کے سامنے ایک اثر انگیز تقریر کی جس میں انہوں نے نجاشی کے اس مشفقانہ رویہ پر اظہار اطمینان کیا جو اس نے مکہ کے مظلوم مسلمانوں کے تئیں اختیار کیا ہوا تھا اور پھر اسلامی عقائد اور آنحضرت ﷺ کی پیروی اختیار کرنے کی مؤثر تبلیغ کرنے کے بعد انہوں نے کہا کہ:

میری طرح رسول اللہ ﷺ کی جانب سے بعض دیگر اشخاص مختلف بادشاہوں کے پاس دعوت اسلام کے لئے قاصد بنا کر بھیجے گئے ہیں مگر سرور کائنات ﷺ کو جو امید آپ کی ذات سے وابستہ ہے دوسروں سے ایسی امید نہیں ہے آپ سے اس بارے میں پورا اطمینان ہے کہ آپ اپنے اور خدا کے درمیان اپنی گذشتہ نیکی اور آئندہ کے اجر و ثواب کا خیال رکھیں گے۔

کچھ عرصہ پہلے حضرت جعفر طیارؓ کی معجز بیانی سے نجاشی اسلام کی دعوت سے واقف ہو چکا تھا اب حضرت عمرو ابن امیہ کی اثر انگیز تبلیغ نے اس کے سینے میں ایمان کی شمع روشن کر دی، وہ تخت شاہی سے نیچے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا، نامہ مبارک کو ہاتھ میں لے کر تعظیماً اس

کو چوما اور دونوں آنکھوں سے لگایا اور پھر ترجمان کو بلوا کر پڑھنے کا حکم دیا، نجاشی فرمان رسالت ﷺ کو سنتا جاتا تھا اور متأثر ہوتا جاتا تھا جوں ہی مضمون ختم ہوا اور وہ اس کے مندرجات پر مطلع ہوا فرط شوق میں نامہ مبارک کو بوسہ دے کر سر پر رکھ لیا اور کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور پھر کہا کہ اگر میں خود جاسکتا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتا پھر اس نے اپنے بیٹے آرہا کو تحفے تحائف دے کر بارگاہ رسالت میں بھیجا مگر بدقسمتی سے آرہا راستہ میں ہی انتقال کر گیا اور بارگاہ رسالت میں نہیں پہنچ سکا۔

اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کو نجاشی کے نام اپنے ایک اور مکتوب گرامی دے کر حبش بھیجا نجاشی نے ان مبارک ناموں کو احتیاط کے ساتھ ہاتھی دانت کے ایک صندوق میں محفوظ کر کے اپنے خزانہ میں ——— رکھ دیئے اور کہا کہ جب تک یہ فرمان موجود ہیں مجھے یقین ہے کہ اہل حبش مامون و محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ یہ مبارک نامے جب تک حبشہ کے خزانے میں موجود رہے ہر والی سلطنت اس مکتوب گرامی کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتا اور پورے ملک کے لوگ اس کے ذریعہ برکت حاصل کرتے۔

جہاد کرنے والوں کے بارے میں چند ہدایات

۴ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّرَ اَمِيْرًا عَلٰى جَيْشٍ اَوْسَرِيَّةٍ اَوْصَاهُ فِيْ خَاصَّتِهٖ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَمَنْ مَّعَهٗ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ اُغْزُوْا بِاسْمِ اللّٰهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ اُغْزُوْا فَلَا تَغُلُّوْا وَلَا تَغْدِرُوْا وَلَا تَمْثُلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا وَاِذَا لَقِيْتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَادْعُهُمْ اِلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ اَوْ خِلَالٍ فَاَيَّتُهُنَّ مَا اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ اِلٰى دَارِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ اِنْ فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِيْنَ فَاِنْ اَبَوْا اَنْ يَّتَحَوَّلُوْا مِنْهَا فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ يَكُوْنُوْنَ كَاَعْرَابِ الْمُسْلِمِيْنَ يَجْرِيْ عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللّٰهِ الَّذِيْ يَجْرِيْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَكُوْنُ لَهُمْ فِي الْغَنِيْمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدُوْا مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِنْ هُمْ اَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ فَاِنْ هُمْ اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ فَاِنْ هُمْ اَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَقَاتِلْهُمْ وَاِذَا حَاصَرْتَ اَهْلَ حِصْنٍ فَاَرَادُوْكَ اَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهٖ وَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَلَا ذِمَّةَ نَبِيِّهٖ وَلٰكِنِ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَّةَ اَصْحَابِكَ فَاِنَّكُمْ اِنْ تُخْفِرُوْا ذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ اَصْحَابِكُمْ اَهْوَنُ مِنْ اَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ رَسُوْلِهٖ وَاِنْ حَاصَرْتَ اَهْلَ حِصْنٍ فَاَرَادُوْكَ اَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ فَلَا تُنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِكَ فَاِنَّكَ لَا تَدْرِيْ اَتُصِيْبُ حُكْمَ اللّٰهِ فِيْهِمْ اَمْ لَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد (حضرت بریدہؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ جب کسی شخص کو کسی چھوٹے یا بڑے لشکر کا امیر مقرر فرماتے تو خاص طور پر اس کی ذات سے متعلق تو اس کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی اور اس کے ساتھ (جہاد میں) جانے والے مسلمانوں کے متعلق اس کو نیکی و بھلائی کرنے کی نصیحت فرماتے (کہ مجاہدین کا جو لشکر تمہاری کمان میں جارہا ہے ہمیشہ ان کے ساتھ خیر و بھلائی کا معاملہ کرنا اور ان کے حق میں حسن سلوک و احسان اور نرمی و ملاطفت کا رویہ اختیار کرنا) اور اس کے بعد یہ فرماتے کہ جاؤ خدا کا نام لے کر خدا کی راہ میں جہاد کرو یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے اور اس کے دین کا جھنڈا سربلند کرنے کی غرض سے اسلام دشمن طاقتوں سے جنگ کرو اس شخص کے خلاف جہاد کرو جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے جہاد کرو، غنیمت کے مال میں خیانت نہ کرنا، عہد شکنی نہ کرنا مثلہ نہ کرنا یعنی کسی کے اعضاء جسم جیسے ناک کان وغیرہ نہ کاٹنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا اور (اے امیر لشکر) جب تم اپنے مشرک دشمنوں کے سامنے پہنچو تو پہلے ان کو تین چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینے کی دعوت دو یا حدیث کے راوی اپنے شک کا اظہار کرتے ہیں کہ آپ نے ثلث خصال کے بجائے ثلث خلال فرمایا (خصال اور خلال دونوں کے ایک ہی معنی ہیں) ان تین چیزوں میں سے وہ مشرک جس چیز کو تم سے اختیار کریں اور اپنے لئے پسند کریں تم اس کو منظور کر لو اور ان کو اس سے زیادہ کسی اور چیز پر مجبور کرنے سے باز

رہو، پھر یعنی ان تین چیزوں میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ اس دعوت کو قبول کریں تو تم بھی اس کو منظور کرلو اور ان سے جنگ کرنے سے باز رہو، (پھر وہ اسلام قبول کریں تو) ان کو اپنے ملک یعنی (دارالحرب سے) مہاجرین کے ملک (یعنی دارالاسلام) کو منتقل ہو جانے یعنی ہجرت کرنے کی دعوت دو اور ان کو یہ بتادو کہ ایسا کریں گے یعنی ہجرت کر کے دارالاسلام آجائیں گے تو ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو مہاجرین پر عائد ہیں، اگر وہ ترک سکونت اختیار کرنے پر تیار نہ ہوں تو ان کو بتادو کہ ایسی صورت میں وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہوں گے اور ان پر خدا کا ایسا حکم کیا جائے گا جو تمام مسلمانوں پر نافذ ہوتا ہے یعنی نماز زکوٰۃ وغیرہ کا واجب ہونا اور قصاص و دیت جیسے احکام کا نافذ ہونا اور غنیمت و فئی کے مال میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا البتہ اس وقت حصہ ملے گا جب کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر جہاد کریں اور اگر وہ اسلام کی دعوت قبول نہ کریں اور مسلمان ہونے سے انکار کریں تو دوسری چیز یہ ہے کہ ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو اگر وہ جزیہ دینا قبول کریں تو تم بھی اس کو منظور کرلو اور ان سے (جنگ کرنے) سے باز رہو اور اگر وہ جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو تیسری چیز یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر کے ان سے جنگ شروع کر دو۔ اور جب تم کسی قلعہ یا بستی کے لوگوں یعنی دشمن کا محاصرہ کرو اور وہ قلعہ یا بستی والے تم سے اللہ اور اس کے نبی ﷺ کا عہد امان لینا چاہیں تو تم ان کو اللہ اور اس کے نبی کی طرف سے امان دینے کا عہد نہ کرنا البتہ اپنے اور اپنے رفقاء جہاد کی طرف سے عہد امان دے دینا کیونکہ اگر تم اپنے اپنے رفقاء کے دیئے ہوئے عہد امان کو توڑ دو گے تو یہ اللہ اور اس کے رسول کے عہد امان کو توڑنے سے زیادہ سہل ہوگا۔ اور جب تم کسی قلعہ کے لوگوں کا محاصرہ کرو اور وہ قلعہ والے تم سے اللہ کے حکم پر اپنا محاصرہ اٹھا لینے کی درخواست کریں تو تم اللہ کے حکم پر ان کا محاصرہ نہ اٹھانا بلکہ اپنے حکم پر ان کا محاصرہ اٹھانا کیونکہ تمہیں یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ تم ان کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت اللہ کے حکم تک پہنچ گئے ہو یا نہیں (یعنی تمہیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ تم نے ان کا محاصرہ اٹھا لینے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ خدا کے نزدیک صحیح بھی ہے یا نہیں اور اس کے حکم کے مطابق بھی ہے یا نہیں اور ہو سکتا ہے کہ تم سے چوک ہو جائے جیسا کہ مجتہد کی شان ہے کہ وہ صحیح حکم تک بھی پہنچ جاتا ہے اور خطاء میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے)۔" (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اس ضابطہ کا اظہار کیا گیا ہے جو اسلام کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے کے سلسلہ میں شریعت نے نافذ کیا ہے اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ جب دشمن (مخالفین اسلام) سامنے آئیں تو سب سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو ان سے یہ مطالبہ کرو کہ جزیہ ادا کر کے اسلامی مملکت کے وفادار شہری بن جاؤ اور اگر اس پر بھی تیار نہ ہوں تو پھر آخری صورت یہ ہے کہ ان کے خلاف جہاد کرو۔

ثُمَّ ادْعُهُمْ (پھر ان کو اسلام کی دعوت دو) اس جملہ سے ان تین چیزوں کا اظہار شروع کیا گیا ہے جن کا تعلق مذکورہ بالا ضابطہ سے ہے اور لفظ ثُمَّ" (پھر) ذکر فرما کر گویا مخاطب امیر لشکر کو آگاہ کرنا مقصود ہے کہ جب تم نے ان تین چیزوں کو اجمالی طور پر جان لیا تو اب ان تینوں چیزوں کا تفصیلی حکم جان لو اور وہ یہ کہ پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو پھر ان کے خلاف جہاد کرو۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ تمام صحیح نسخوں میں ثُمَّ ادْعُهُمْ ہی ہے لیکن قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ روایت کی زیادہ صحت اور موزونیت اسی میں معلوم ہوتی ہے کہ یہ یعنی ابتداء میں ادعھم بغیر لفظ ثُمَّ کے ہو چنانچہ کتاب ابو عبید اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں بھی یہ لفظ "ثم" کے بغیر ہے کیونکہ اس جملہ سے دراصل ثلث خصال (تین چیزوں) کی وضاحت بیان کی جا رہی ہے نہ کہ ان تین چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز کی وضاحت مقصود ہے، مازریؒ یہ کہتے ہیں کہ یہاں لفظ "ثم" معنی کے اعتبار سے تو زائد ہے لیکن جملہ میں اس کا استعمال آگے کی جانے والی بات کے ابتدائیہ کے طور پر ہے اور گویا یہ ان تین چیزوں میں سے پہلی چیز کی توضیح و بیان کے لئے ہے اور لفظ "مع المسلمین" تک اسی کا تتمہ ہے اس کے بعد دوسری چیز یعنی جزیہ کا مطالبہ کرنا اور پھر تیسری چیز یعنی جہاد کرنا کیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جو یہ حکم فرمایا کہ (اگر وہ لوگ اسلام کی دعوت قبول کریں تو) ان کو ہجرت کرنے کی دعوت دو تو بعض حضرات

کے نزدیک اس حکم کی بنیاد یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہجرت کرنا اسلام کا ایک رکن تھا۔
ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے یعنی مدینہ کے مہاجرین کو جو ثواب و فضیلت اور مال فئ کا جو استحقاق حاصل ہے یہی سب کچھ تمہیں بھی حاصل ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مہاجرین کو استحقاق بایں طور حاصل تھا کہ ان کو امام کی طرف سے جہاد کا حکم ہو جانے پر جہاد کے لئے نکلنے کے وقت ہی سے ان پر مال فئ خرچ کیا جاتا تھا اور دشمن کے مقابلہ پر لڑنے والے مسلمانوں کی تعداد کافی ہونے کی صورت میں ان پر جہاد کے لئے نکلنا واجب نہیں تھا چنانچہ اس ارشاد گرامی۔
وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِيْنَ (اور ان پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی)
کا مطلب بھی یہی ہے کیونکہ ذمہ داری سے مراد "جہاد" ہے۔
"دیہاتی مسلمانوں" سے مراد وہ مسلمان ہیں جو دار الاسلام کے دیہات و جنگلات میں رہتے ہوں نہ کہ دار الکفر میں بسنے والے دیہاتی مسلمان۔
"غنیمت اور فئ" کے ایک ہی معنی ہیں یعنی وہ مال جو کفار سے مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ لیکن بعض حضرات نے ان دونوں میں فرق کیا ہے کہ "غنیمت" اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ کے ذریعہ اور محنت و مشقت کے ساتھ کفار سے حاصل ہو اور "فئ" اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ اور مشقت کے بغیر کفار سے ہاتھ لگے۔
اگر تم اپنے اور اپنے رفقاء کے دیئے ہوئے عہد امان کو توڑ دو گے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے عہد امان دو گے اور وہ کفار اس عہد امان کو کسی وقت توڑیں بایں طور کہ وہ ان شرائط کو پورا کرنے سے انکار کریں جن کی بنیاد پر ان کو وہ عہد امان ملا ہے تو اس صورت میں تمہارے لئے ان کے تئیں کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گا تاآنکہ تمہیں وحی یا دربار رسالت ﷺ کے ذریعے ان کے حق میں کوئی فیصلہ کرنے کی اجازت دی جائے جو اس وقت ممکن نہیں ہوگا۔ کیونکہ تم وحی یعنی دربار رسالت سے دور رہو گے اس کے برخلاف اگر تم ان کو اپنی اور اپنے رفقاء جہاد کی طرف سے عہد امان دو گے اور وہ شرائط و معاہدہ کے خلاف ورزی کر کے اس عہد امان کو توڑیں گے تو اس صورت میں تمہارے لئے ان کے تئیں فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہوگا کہ تم ان کا پھر محاصرہ کر کے چاہے تو ان کو قتل کر دو گے، چاہے جزیہ کا مطالبہ کر دو گے، چاہے ان کو قیدی بنا لو گے اور یا ان کے علاوہ ان کے خلاف ازروئے مصلحت جو بھی اقدام کرنا چاہو گے اس میں تمہیں مکمل اختیار حاصل ہوگا۔

سورج ڈھلنے کے بعد جنگ شروع کرنے کی حکمت

⑤ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ اَيَّامِهِ الَّتِيْ لَقِيَ فِيْهَا الْعَدُوَّ انْتَظَرَ حَتّٰى مَالَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَامَ فِي النَّاسِ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْأَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فَاِذَا لَقِيْتُمْ فَاصْبِرُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْاَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ۔

"اور حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنے دنوں میں سے ایک دن جب کہ آپ ﷺ دشمن کے مقابلہ پر تھے (یعنی جہاد کے موقع پر میدان جنگ میں تھے) سورج ڈھلنے تک جنگ شروع کرنے کا انتظار کرتے رہے پھر جب سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ لوگوں کے سامنے (خطبہ دینے کے لئے) کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! تم اپنے دشمن سے مقابلہ کی آرزو نہ کرو (یعنی یہ نہ چاہو کہ کفار سے قتل و قتال کا بازار گرم ہو کیونکہ یہ چاہنا گویا ابتلاء و مصیبت کی خواہش کرنا ہے جو ممنوع ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ سے امن و عافیت کے طالب رہو، ہاں جب دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو پھر پوری بہادری کے ساتھ ڈٹ جاؤ اور صبر و استقامت سے کام لو اور اس بات کو

جان لو کہ جنت، تلواروں کے سائے کے نیچے ہے (یعنی تم جنت کے بالکل قریب ہو) اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔ اے اللہ! کتاب کو نازل فرمانے والے بادلوں کو چلانے والے اور کفار کی جماعت کو شکست دینے والے ان دشمنوں کو شکست دے اور ہم کو ان پر فتح عطا فرما۔" (بخاری ؒ و مسلم ؒ)

تشریح: سورج ڈھلنے تک جنگ کی ابتداء نہ کرنے میں یہ حکمت تھی کہ تپتی ہوئی دوپہر کے بعد جب سورج ڈھل جاتا ہے، تو تمازت و تپش میں کمی آجاتی ہے، ہوا چلنے لگتی ہے جو فرحت پہنچاتی ہے اور اس طرح وہ وقت طبیعت کے انبساط و نشاط کا ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ نماز و دعا کا بھی وقت ہوتا ہے۔

نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور انسانوں کے اعمال اوپر محل قبولیت میں اٹھائے جاتے ہیں لہٰذا ایسے وقت میں جب کہ انوار و برکات اور فتح و نصرت کے نزول کی امید ہوتی ہے آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ جہاد جو افضل ترین عمل ہے اسی بابرکت وقت میں واقع ہو۔

آنحضرت ﷺ صبح ہونے سے پہلے دشمن آبادی پر حملے نہیں کرتے تھے

(۶) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا لَمْ یَکُنْ یَغْزُوْبِنَا حَتّٰی یُصْبِحَ وَیَنْظُرَ اِلَیْھِمْ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا کَفَّ عَنْھُمْ وَاِنْ لَمْ یَسْمَعْ اَذَانًا اَغَارَ عَلَیْھِمْ قَالَ فَخَرَجْنَا اِلٰی خَیْبَرَ فَانْتَھَیْنَا اِلَیْھِمْ لَیْلًا فَلَمَّا اَصْبَحَ وَلَمْ یَسْمَعْ اَذَانًا رَکِبَ وَرَکِبْتُ خَلْفَ اَبِیْ طَلْحَۃَ وَاِنَّ قَدَمِیْ لَتَمَسُّ قَدَمَ نَبِیِّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فَخَرَجُوْا اِلَیْنَا بِمَکَاتِلِھِمْ وَمَسَاحِیْھِمْ فَلَمَّا رَاَوُا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالُوْا مُحَمَّدٌ وَاللّٰہِ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِیْسُ فَلَجَئُوْا اِلَی الْحِصْنِ فَلَمَّا رَاٰھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَۃِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ ہمارے ساتھ کسی (دشمن) قوم سے جہاد کرتے (یعنی جب جہاد کے موقع پر کسی ایسی دشمن آبادی پر حملہ آور ہونے کا ارادہ فرماتے جس کے حالات کا علم نہیں ہوتا اور ہم لوگ آپ ﷺ کے ہمراہ شریک جہاد ہوتے) تو صبح ہونے سے پہلے ہمارے ساتھ ان پر حملہ آور نہیں ہوتے، پھر جب صبح ہو جاتی تو ان (دشمنوں کی آبادی اور ان کے ٹھکانوں) پر نظر ڈالتے (تاکہ مشاہدہ یا قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کون لوگ ہیں) اگر (ان کی طرف سے) اذان کی آواز سنتے تو ان سے (جنگ کرنے سے) باز رہتے اور اگر اذان کی آواز نہیں سنتے (اور اس پر قرینہ سے یہ ثابت ہو جاتا کہ (ان لوگوں میں مسلمان نہیں ہیں) تو ان پر حملہ کر دیتے۔ حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ چنانچہ جب ہم (آنحضرت ﷺ کے ہمراہ جہاد کے لئے) خیبر روانہ ہوئے تو ان کی سرحدوں پر رات کے وقت پہنچے، جب صبح ہوگئی اور (ان کی طرف سے) اذان سنائی نہ دی تو آنحضرت ﷺ سواری پر سوار ہوئے اور میں ابوطلحہ ؓ کی سواری پر ان کے پیچھے بیٹھا اور (ہماری سواری آنحضرت ﷺ کی سواری کے اتنے قریب تھی کہ) میرے پاؤں آنحضرت ﷺ کے قدم مبارک سے لگتے تھے، حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ جب صبح ہونے پر) خیبر والے (ہماری آمد سے بے خبر اپنے کھیتوں میں جانے کے لئے) اپنے پھاوڑے تھیلے (یعنی کھیتی باڑی کا سامان) لئے ہوئے (اپنے گھروں سے نکلے اور ہماری طرف آئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو (چیخ چیخ کر) کہنے لگے، محمد ﷺ آگئے، خدا کی قسم محمد ﷺ اور ان کا لشکر آگئے، یہ کہتے ہوئے وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعہ میں پناہ گزیں ہوگئے، جب رسول کریم ﷺ نے ان کو اس طرح بھاگتے ہوئے دیکھا تو (گویا اس کو ان کی شکست سے تعبیر کرتے ہوئے اور ازراہ تفاؤل) فرمایا" اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، خیبر برباد ہو گیا، اس میں کوئی شک نہیں، ہم (مسلمانوں کی جماعت یا انبیاء) جب کسی قوم کے میدان میں (جنگ کے لئے) اترتے ہیں تو اس ڈرائی گئی قوم کی صبح بڑی خراب ہو جاتی ہے۔" (بخاری ؒ و مسلم ؒ)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کا یہ جنگی معمول بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ جب دشمنوں کی آبادی پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتے تو طلوع فجر کے بعد اس آبادی کے بارے میں غور و تامل فرماتے اور آبادی والوں کی حرکات و سکنات اور ان کے افعال کے ذریعہ ان کے عقائد کا پتہ چلاتے کہ یہ کون لوگ ہیں، اگرچہ آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ کفار کی آبادی ہے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ محض اس احتمال کے پیش نظر یہ تامل فرماتے کہ شاید اس آبادی میں مسلمان بھی ہوں اگر آپ ﷺ کو اس آبادی کی طرف سے (فجر کی) اذان سنائی دیتی تو اس کو اس بات کی علامت اور قرینہ سمجھ کر کہ یا تو یہ آبادی مسلمانوں ہی کی ہے یا اس آبادی میں مسلمان بھی ہیں آپ ﷺ حملہ آور ہونے کا ارادہ موقوف فرما دیتے اور اس آبادی کو جنگی شعلوں کے حوالے نہ کرتے، ہاں اگر اذان نہ سنائی دیتی تو پھر آپ ﷺ اس پر حملہ کر دیتے اور اس کو جنگی میدان میں تبدیل کر دیتے، کیونکہ اس زمانے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ مسلمان اذان ترک کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس آبادی کی طرف سے اذان کی آواز نہ آنا اس بات کی واضح دلیل ہوتی کہ یہ آبادی اللہ کے نام لیواؤں سے بالکل خالی ہے اور یہاں صرف کفر کا ٹھکانا ہے۔

خطابیؒ کہتے ہیں کہ یہ اس بات کی مستحکم دلیل ہے کہ اذان اسلام کے شعار میں سے ہے اور اس کو ترک کرنا قطعاً جائز نہیں ہے بلکہ اگر کسی آبادی و شہر کے لوگ اذان ترک کرنے پر اتفاق کر کے بیٹھ جائیں اور اذان دینا چھوڑ دیں تو اس صورت میں امام وقت (اسلامی مملکت کے سربراہ) پر واجب ہوگا کہ ان سے جنگ و قتال کرے اور ان کو اس عام گمراہی سے بچائے، چنانچہ حنفی فقہاء نے بھی یہی لکھا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہم جب کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں الخ" یہ جملہ مستانفہ ہے، جس کا مقصد ماقبل کی بات "خیبر کی بربادی" کی وضاحت کرنا اور اس کی وجہ بیان کرنا ہے۔

"ڈرائی گئی قوم" سے مراد کفار ہیں۔ اس جملہ سے آنحضرت ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ ان پر قتل و غارت گری کی صورت میں اللہ کی طرف سے نازل ہونے والے عذاب کی وجہ سے ان کی صبح بڑی بھیانک ہوگئی ہے۔ نیز آپ ﷺ نے یہ بات قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے پیدا کی کہ:

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ. فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ۔ (الصافات۔ ۲۳:۱۷۶-۱۷۷)

"کیا یہ (کفار) ہمارے عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہیں؟ پس جب ان کے میدان میں ہمارا عذاب اترے گا تو ان کی صبح بڑی خراب ہوگی جن کو ڈرایا گیا ہے۔"

نوویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دشمن کے مقابلہ پر پہنچنے کے وقت (یعنی میدان جنگ میں) نعرہ تکبیر (اللہ اکبر) بلند کرنا مستحب ہے اور ایسے موقع کے مثل حالات کے امور محققہ میں قرآن کریم کے ذریعہ استشہاد جائز ہے چنانچہ اسی کے مثل وہ صورت تھی جب کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے وقت کہا تھا:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ (الاسراء ۱۷:۸۱)

"حق آیا اور باطل گیا گزرا ہوا۔"

نیز علماء نے کہا ہے کہ قرآن کریم سے ایسا استشہاد جو محاورات میں بطریق ضرب المثل ہو یا لغو و بے فائدہ گفتگو و کلام کے دوران ہو، مکروہ ہے۔ بلکہ ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ کسی شخص کا اپنے کسی مفہوم و ادائیگی کے لئے اپنے الفاظ، استعمال کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآن کریم کی کوئی آیت یا کسی آیت کا ٹکڑا استعمال کرنا کفر ہے جیسے کوئی شخص اپنے مخاطب کو جس کا نام یحیٰی ہو: کوئی کتاب دیتے وقت یوں خطاب کرے۔ یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ (یہ دراصل ایک آیت کا ٹکڑا ہے جس

کا ترجمہ یہ ہے کہ اے یحییٰ! اس کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو) یا کوئی شخص اپنے مخاطب کو مثلاً کھانا کھانے کے لئے یا آگے بڑھنے کے لے کہنا چاہتا ہے مگر اپنے الفاظ "کھاؤ" یا "آگے بڑھو" کی بجائے "بسم اللہ" کہتا ہے اور یا اسی طرح کی کسی بھی صورت میں قرآن کریم کے الفاظ کو استعمال کرنا۔

نیز ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ فرمانا کہ استشہاد کے طور پر نہیں تھا بلکہ دراصل امتثال امر (اطاعت حکم) کے طور پر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا تھا۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ (الاسراء ۱۷:۸۱)

"یعنی (اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے کہ (دین) حق (غالب ہونے کو) آیا اور باطل گیا گزرا ہوا۔"

اسی طرح آپ ﷺ کا رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا کہنا اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق تھا کہ:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ (طٰہٰ ۲۰:۱۱۴)

"یعنی (اے محمد ﷺ) یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب! مجھے زیادہ سے زیادہ علم عطا فرما۔"

غرضیکہ اس طرح کے جتنے منقولات آپ ﷺ سے ثابت ہیں وہ سب دراصل حکم الٰہی کی اطاعت و بجا آوری ہے اور یہ مستحب ہے۔

ظہر کے وقت آنحضرت ﷺ کی طرف سے جنگ کی ابتداء

⑦ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ شَهِدْتُ الْقِتَالَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلِ الْقِتَالَ أَوَّلَ النَّهَارِ انْتَظَرَ حَتّٰى تَهُبَّ الْأَرْوَاحُ وَتَحْضُرَ الصَّلَاةُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت نعمانؓ بن مقرن کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا ہوں، چنانچہ جب (کسی دن) آپ ﷺ صبح کے وقت جنگ شروع نہ کرتے تو اس وقت کا انتظار فرماتے جب کہ ہوا چل پڑے اور (ظہر کی) نماز کا وقت آجائے۔" (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر کی نماز کے وقت جنگ کی ابتداء اس صورت میں ہوتی جب کہ کسی وجہ سے صبح کے وقت جنگ شروع نہ ہو پاتی، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کی ابتداء حالات و مصلحت کے مطابق کی جاتی تھی، اگر حالات کا تقاضہ صبح کے وقت جنگ چھیڑنے کا ہوتا تو صبح کے وقت لڑائی شروع کی جاتی اور اگر کسی وجہ سے صبح کے وقت جنگ چھیڑنا مناسب نہیں ہوتا تو پھر دوپہر ڈھلے جنگ کی ابتداء کی جاتی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوپہر ڈھلے جنگ کی ابتداء

⑧ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ أَوَّلَ النَّهَارِ انْتَظَرَ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ وَتَهُبَّ الرِّيَاحُ وَيَنْزِلَ النَّصْرُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت نعمانؓ ابن مقرن کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (لڑائیوں میں) شریک ہوا ہوں، چنانچہ آنحضرت ﷺ جب دن کے ابتدائی حصہ میں (یعنی صبح کے وقت) جنگ نہ چھیڑتے تو اس وقت تک (جنگ کی ابتداء کرنے کا) انتظار کرتے جب تک کہ سورج نہ ڈھل جاتا ہوا نہ چلنے لگتی، اور نصرت (یعنی فتح کی ہوا) نازل نہ ہو جاتی، (یا نصرت نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ظہر کی نماز کے بعد مجاہدین اسلامؓ کے لئے مسلمانوں کی دعا کی برکت سے فتح کے آثار ظاہر نہ ہو جاتے)۔" (ابوداؤدؒ)

آنحضرت ﷺ کی جنگ کے اوقات

(۹) وَعَنْ قَتَادَةَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ اَمْسَكَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتْ قَاتَلَ فَاِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ اَمْسَكَ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ قَاتَلَ حَتَّى الْعَصْرِ ثُمَّ اَمْسَكَ حَتّٰى يُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ يُقَاتِلُ قَالَ قَتَادَةُ كَانَ يُقَالُ عِنْدَ ذٰلِكَ تَهِيْجُ رِيَاحُ النَّصْرِ وَيَدْعُو الْمُؤْمِنُوْنَ لِجُيُوْشِهِمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت قتادہؓ، حضرت نعمان ابن مقرنؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "میں نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جہاد کیا ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ طلوع فجر کے بعد اس وقت تک (جنگ شروع کرنے سے) رکے رہتے جب تک کہ (آپ ﷺ فجر کی نماز سے فارغ نہ ہو جاتے اور سورج نہ نکل آتا، پھر جب سورج نکل آتا تو جنگ شروع کر دیتے اور جب دوپہر ہو جاتی (یعنی شرعی دوپہر کہ ڈھاشت کا وقت ہے جو دوپہر کے قریب ہوتا ہے) تو دوپہر ڈھلنے تک کے لئے (جنگ سے) رک جاتے۔ پھر جب دوپہر ڈھل جاتی (اور ظہر کی نماز پڑھ لیتے) تو عصر تک جنگ کرتے اور پھر رک جاتے یہاں تک کہ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر جنگ میں مشغول ہو جاتے "قتادہؓ" کہتے ہیں کہ کہا جاتا تھا (یعنی صحابہؓ آنحضرت ﷺ کے اس جنگی نظام الاوقات کی حکمت کے بارے میں کہا کرتے تھے) کہ یہ اس وجہ سے تھا کہ ان اوقات میں نصرت کی ہوائیں چلتی ہیں اور مسلمان اپنی نمازمیں اپنے لشکروں کے لئے (فتح و کامرانی کی) دعائیں کرتے ہیں (یعنی نماز کے بعد دعائیں مانگتے ہیں یا نماز کے دوران ہی دعائیں کرتے ہیں جیسا کہ قنوت پڑھنے کے سلسلہ میں احادیث منقول ہیں)۔" (ترمذیؒ)

مجاہدین اسلام کو ایک خاص ہدایت

(۱۰) وَعَنْ عِصَامٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَقَالَ اِذَا رَاَيْتُمْ مَسْجِدًا اَوْسَمِعْتُمْ مُؤَذِّنًا فَلَا تَقْتُلُوْا اَحَدًا۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت عصام مزنیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں (جہاد کے لئے) ایک چھوٹے لشکر میں روانہ کیا، اور فرمایا کہ "جب (کسی جگہ) تم کوئی مسجد دیکھو یا مؤذن کو اذان دیتے سنو تو وہاں کسی کو قتل نہ کرنا۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر تم کسی جگہ شعار اسلام میں کوئی قولی یا فعلی علامت پاؤ تو اس وقت تک کسی کو قتل نہ کرو جب کہ یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ کون مؤمن ہے اور کون کافر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

زعماء ایرانؓ کے نام حضرت خالد بن ولیدؓ کا مکتوب

(۱۱) عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ قَالَ كَتَبَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ اِلٰى اَهْلِ فَارِسَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ اِلٰى رُسْتَمَ وَمِهْرَانَ فِيْ مَلَاءِ فَارِسَ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّا نَدْعُوْكُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَاَعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَاَنْتُمْ صَاغِرُوْنَ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَاِنَّ مَعِيْ قَوْمًا يُحِبُّوْنَ الْقَتْلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَا يُحِبُّ فَارِسُ الْخَمْرَ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"حضرت ابووائلؓ کہتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے فارس یعنی ایران کے لوگوں (یعنی ان کے زعماء اور سرداروں) کو یہ مکتوب بھیجا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ خالد ابن ولید کی طرف سے رستم و مہران کے نام جو زعماء ایران میں سے ہیں اس شخص پر سلامتی ہو جو حق و

ہدایت کی پیروی کرے۔ بعد ازاں! واضح ہو کہ ہم تمہیں اسلام (قبول کرنے) کی دعوت دیتے ہیں، اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے ہو تو ذلت و خواری کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کرو اور اگر تم اس (جزیہ ادا کرنے) سے (بھی) انکار کرو گے تو تمہیں آگاہ ہو جانا چاہئے کہ ہلاکت و پشیمانی تمہارا مقدر بن چکی ہے کیونکہ) بلاشک وشبہ میرے ساتھ ایسے لوگوں کی جماعت ہے جو خون بہانے کو (یا خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کر دینے کو) اسی طرح پسند کرتے ہیں جس طرح ایران کے لوگ شراب کو پسند کرتے ہیں (یعنی جس طرح تم ایران والوں کو شراب کے نشہ میں کیف و سرور حاصل ہوتا ہے اسی طرح میری جماعت کے لوگوں کو قتل و قتال میں سرمستی و سرشاری حاصل ہوتی ہے یا ان کو جان لینے اور جان دینے میں وہی خوشی اور وہی لذت حاصل ہوتی ہے جو تم شراب میں محسوس کرتے ہو) اور سلامتی ہو اس پر جو حق وہدایت کی پیروی کرے۔" (شرح السنۃ)

بَابُ الْقِتَالِ فِی الْجِهَادِ
جہاد میں لڑنے کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل ہوں گی جن میں آنحضرت ﷺ نے جہاد کی ترغیب دی ہے اور جہاد کے فضائل و ثواب بیان فرمائے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
شہید کی منزل جنت ہے

① عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ اَرَاَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فَاَيْنَ اَنَا قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَاَلْقٰى تَمَرَاتٍ فِيْ يَدِهٖ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ احد کی جنگ کے دن (میدان جنگ میں) ایک شخص، نبی کریم ﷺ سے کہنے لگا کہ "آپ بتائیے! اگر میں مارا جاؤں (یعنی دشمنان اسلام سے لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں) تو میں کہاں ہوں گا یعنی جنت میں جاؤں گا یا دوزخ میں؟ آنحضرت نے فرمایا "جنت میں" (یہ سنتے ہی) اس شخص نے (جنت میں پہنچ جانے کی تمنا میں مرتبہ شہادت جلد سے جلد حاصل کرنے کے لئے) وہ کھجوریں پھینک دیں جو (کھانے کے لئے) اس کے ہاتھ میں تھیں اور لڑائی میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

اعلان جہاد کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی جنگی حکمت عملی

② وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ غَزْوَةً اِلَّا وَرّٰى بِغَيْرِهَا حَتّٰى كَانَتْ تِلْكَ الْغَزْوَةُ يَعْنِيْ غَزْوَةَ تَبُوْكَ غَزَاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَرٍّ شَدِيْدٍ وَاسْتَقْبَلَ سَفَرًا بَعِيْدًا وَمَفَازًا وَعَدُوًّا كَثِيْرًا فَجَلّٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ اَمْرَهُمْ لِيَتَاَهَّبُوْا اُهْبَةَ غَزْوِهِمْ فَاَخْبَرَهُمْ بِوَجْهِهِ الَّذِيْ يُرِيْدُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت کعب ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب کسی غزوہ (یعنی جہاد کرنے) کا ارادہ کرتے تو اس کے بجائے دوسرے کا توریہ فرماتے یہاں تک کہ یہ غزوہ یعنی غزوۂ تبوک واقع ہوا رسول کریم ﷺ نے غزوۂ تبوک سخت ترین گرمی کے زمانے میں کیا، آپ ﷺ نے اس کے لئے دور دراز کا سفر فرمایا اور بے آب وگیاہ جنگلات کو طے کیا۔ نیز اس میں دشمنوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، چنانچہ آنحضرت نے (جب اس غزوے کا ارادہ فرمایا تو) اس کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان صاف صاف اعلان کیا۔ (اور اس

غزوے کے دوران پیش آنے والی مشکلات اور پریشانیوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا) تاکہ وہ لوگ (جنگ کے لئے) اچھی طرح تیار ہو جائیں اور) اپنے سامان جہاد کو درست کر لیں! نیز آپ ﷺ نے صحابہؓ کو ان رستوں اور مقامات کے بارے میں بھی بتادیا تھا جن کو آپ ﷺ (تبوک پہنچنے کے لئے) اختیار کرنا چاہتے تھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: "توریہ" کے معنی ہیں "خبر کو چھپانا بایں طور کہ اصل بات کو چھپایا جائے اور دوسری بات کو ظاہر کیا جائے" چنانچہ آنحضرت ﷺ ارادۂ جہاد کے موقع پر یہ جنگی حکمت عملی اختیار فرماتے تھے کہ آپ ﷺ کو جس مقام پر جہاد کے لئے جانا ہوتا اس کا اعلان نہ کرتے بلکہ اسی دوسرے مقام کے بارے میں مشہور کرا دیتے کہ وہاں جہاد کے لئے جانا ہے اور یہ حکمت عملی آپ ﷺ اس لئے اختیار فرماتے تھے تاکہ دشمن کو آپ ﷺ کے ارادہ کا پتہ نہ چلے اور وہ غافل رہے! اس طرح کی حکمت عملیاں دراصل جنگ جیتنے کے لئے انتہائی ضروری ہوتی ہیں اور دنیا کا ہر قانون ان کو روا رکھتا ہے، اسی لئے اسلام نے بھی "الحرب خدعۃ" (لڑائی مکر و فریب کا نام ہے) کہہ کر جنگ میں اس طرح کے "فریب دینے کو جائز رکھا ہے، چنانچہ آنحضرت کا یہ توریہ بھی اگرچہ "خدعہ" کی قسم سے تھا لیکن آپ ﷺ اس کو صریح قول کے ذریعہ اختیار نہیں فرماتے تھے بلکہ بطریق تعریض و کنایہ اختیار فرماتے تھے جیسے اگر آپ ﷺ کسی مقام پر جہاد کے لئے جانے کا ارادہ فرماتے کہ لوگوں کو آپ ﷺ کے حقیقی ارادے کا علم نہیں ہوتا تھا، آپ ﷺ صریح الفاظ میں کسی دوسرے مقام کا نام لے کر یہ بالکل نہیں کہتے تھے کہ میں فلاں جگہ کے جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، تاکہ جھوٹ بولنا لازم نہ آئے

یہاں تک کہ یہ غزوہ الخ" حضرت کعبؓ ابن مالک نے اس کے ذریعہ اس غزوہ یعنی غزوۂ تبوک کی طرف اشارہ کیا جو ان کی ذات کے تعلق سے مشہور و معروف تھا۔ حضرت کعبؓ ابن مالک بذات خود اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے چنانچہ ان کا واقعہ بہت مشہور ہے جو قرآن کریم میں بھی مذکور ہے۔

"دور دراز کا سفر فرمایا" جہاد کرنے کے لئے تبوک جانے کو دور دراز کا سفر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ تبوک جو دمشق (شام) اور مدینہ کے درمیانی پر خیبر اور البلاد کے خطہ پر واقع ایک جگہ کا نام ہے، مدینہ سے اس زمانہ کی مسافت کے اعتبار سے چودہ منزل اور آج کل کے حساب کے مطابق تقریباً ۴۲۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں جن غزوات میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی ان میں یہ غزوۂ تبوک واقع ۹ھ آخری غزوہ تھا۔ اس غزوہ کے موقع پر صحابہؓ کو بڑی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور انہوں نے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔

جنگ مکر و فریب کا نام ہے

(۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَرْبُ خُدْعَةٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جنگ مکر و فریب (کا نام) ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جنگ میں لشکر کی زیادہ تعداد اور بہت لڑنا اتنا کارآمد و مفید نہیں ہوتا جتنا مکر و فریب مفید ہوتا ہے، جس کو آج کے مہذب الفاظ میں "حکمت عملی" بھی کہتے ہیں۔ اسی مکر و فریب یا حکمت عملی کا کرشمہ ہوتا ہے کہ پوری جنگ ایک ہی داؤ سے ختم ہو جاتی ہے، جو داؤ کھاتا ہے مارا جاتا ہے اور داؤ مارنے والا جنگ پر غالب آجاتا ہے۔ چنانچہ بہترین کمانڈر وہی کہلاتا ہے جو میدان جنگ میں اپنی تدبیر اور حکمت عملی سے دشمن کی بڑی سے بڑی فوج کو پسپا ہونے پر مجبور کر دے۔

اگرچہ علماء اسلام نے متفقہ طور پر کفار کے ساتھ کی جانے والی جنگ میں مکر و فریب کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس بارے میں کچھ حدود بھی مقرر کی ہیں تاکہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر کوئی حرف نہ آئے، چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ مکر و فریب کا رستہ اختیار کرنے کی صورت میں پہلی بات تو یہ ملحوظ ہونی چاہئے کہ کھلا ہوا جھوٹ نہ بولا جائے اور یہ کہ کسی بھی ایسی صورت میں مکر و فریب نہ کیا جائے جس

میں مسلمانوں کی طرف سے دیا ہوا عہد امان توڑا جائے۔ پھر علماء نے "فریب دینے" کی کچھ صورتیں بھی متعین کر دی ہیں مثلاً اس طرح فریب دیا جائے کہ اسلامی لشکر میدان جنگ سے ہٹ جائے یا جنگ بند کر دے تاکہ دشمن غافل ہو جائے اور یہ سمجھ لے کہ اسلامی لشکر جنگ سے بھاگ گیا ہے اور پھر دشمن کی اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس پر یکبارگی حملہ کر دیا جائے، اس طرح کی ایسی کوئی بھی حکمت عملی اختیار کی جائے جس میں مذکورہ بالا دونوں امور کا لحاظ ہو۔

حدیث میں مذکور لفظ "خدعة" اصل میں تو خ کے پیش اور دال کے جزم کے ساتھ یعنی خُدْعَةٌ ہے لیکن زیادہ فصیح خ کے زبر کے ساتھ یعنی خَدْعَةٌ ہے جس کے معنی یہی ہیں کہ لڑائی ایک ہی فریب (داؤ) سے ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ لفظ خ کے زیر کے ساتھ (یعنی لفظ فریب کا اہم نوع خِدْعَةٌ اور خ کے پیش اور دال کے زبر کے ساتھ یعنی خُدَعَةٌ بھی منقول ہے، اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ "جنگ بہت دھوکے میں ڈالنے والی ہے" یعنی جو لوگ دشمن کے مقابلہ پر جاتے ہیں ان کے دل میں طرح طرح کے خیال پیدا ہوتے ہیں لیکن جب وہ میدان جنگ میں پہنچتے ہیں اور لڑائی ہوتی ہے تو ان خیالات کے برعکس نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ کوئی شخص فتح پانے اور دشمن کو مار ڈالنے کا خیال لے کر جاتا ہے مگر میدان جنگ میں شکست کا سامنا کرتا ہے اور خود مارا جاتا ہے اسی طرح کوئی شخص شکست و ناکامی کے مایوس کن خیالات لے کر جاتا ہے مگر وہاں جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا ہے اور وہ کامیاب و کامران ہو کر آتا ہے، غرضیکہ جنگ اسی طرح دھوکے اور فریب میں مبتلا کرنے والی چیز ہے۔

جہاد میں عورتوں کو لے جانے کا مسئلہ

④ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُوْ بِاُمِّ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ مَعَهُ اِذَا غَزَا يَسْقِيْنَ الْمَاءَ وَيُدَاوِيْنَ الْجَرْحٰى۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب (صحابہ کے ہمراہ جہاد میں تشریف لے جاتے تو اپنے ساتھ اُم سلیمؓ اور انصار کی دوسری عورتوں کو بھی لے جاتے، وہ عورتیں (غازیان اسلام کو) پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کرتیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجاہدین کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کرنے کی غرض سے زیادہ عمر والی عورتوں کو اپنے ساتھ لے جانا جائز ہے اور اگر مباشرت و صحبت کی غرض سے لے جانا ہو تو پھر آزاد عورتوں (یعنی اپنی بیویوں) کی بہ نسبت لونڈیوں کو لے جانا بہتر ہے۔ (یہ حکم اس وقت تھا جب کہ ایسی لونڈیاں رکھنے کا رواج تھا جن کے ساتھ صحبت و مباشرت جائز تھی)۔

⑤ وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ اَخْلُفُهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ فَاَصْنَعُ لَهُمُ الطَّعَامَ وَاُدَاوِي الْجَرْحٰى وَاَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت اُم عطیہؓ کہتی ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ سات غزووں میں شریک ہوئی ہوں میں (میدان جنگ میں) ان (مجاہدین) کے پیچھے ان کے ڈیروں میں رہا کرتی تھی جہاد میں ان کے لئے کھانا پکاتی، زخمیوں کی مرہم پٹی اور دوا دارو کرتی اور بیماروں کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی۔" (مسلمؒ)

جہاد میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کا مسئلہ

⑥ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَآءِ وَالصِّبْيَانِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عورتوں اور لڑکوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ہدایہ میں لکھا ہے کہ عورت، لڑکے، جا ماندہ، اندھے اور شیخ فانی (بڈھے کھوسٹ) کو قتل نہ کیا جائے ہاں اگر کوئی لڑکا یا دیوانہ

جنگ میں شریک ہوں اور قتال کر رہے ہوں تو ان کو قتل کیا جاسکتا ہے، اسی طرح ملکہ عورت کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے، نیز اس لڑکے کو بھی قتل کرنا جائز ہے جو بادشاہ و سردار ہو کیونکہ دشمن کے بادشاہ و سردار کے قتل ہو جانے سے ان کی شان و شوکت ٹوٹ جاتی ہے۔

⑦ وَعَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَهْلِ الدِّيَارِ يُبَيَّتُوْنَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَيُصَابُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَذَرَارِيْهِمْ قَالَ هُمْ مِنْهُمْ وَفِي رِوَايَةٍ هُمْ مِنْ اٰبَآئِهِمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت صعب ابن جثامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے ان مشرکین کے بارے میں پوچھا گیا جو گھروں والے ہیں، (یعنی جو آبادیوں میں رہتے ہیں) کہ اگر ان پر شبخون مارا جائے اور اس کے نتیجے میں ان کی عورت اور بچے مارے جائیں (تو کیا حکم ہے؟) آنحضرت ﷺ نے (اس کے جواب میں) فرمایا کہ "وہ بھی انہیں میں سے ہیں۔" اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "وہ اپنے باپوں کے تابع ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جہاد میں عورتوں اور بچوں کو قصداً قتل نہ کیا جائے ہاں اگر وہ شبخون کی صورت میں مارے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ ان کے جو لڑنے والے بڑے مرد ہیں ان سے ان کا امتیاز نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھی قتل کے حکم میں اپنے بڑوں کے مانند ہیں۔

دشمن کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا مسئلہ

⑧ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيْرِ وَحَرَّقَ وَلَهَا يَقُوْلُ حَسَّانُ

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرٌ

وَفِي ذٰلِكَ نَزَلَتْ۔ مَاقَطَعْتُمْ مِنْ لِيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ۔ متفق علیه۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بنی نضیر کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم فرمایا، اسی کے بارے میں (دربار رسالت ﷺ کے صحابی شاعر حضرت حسان ابن ثابت انصاریؓ نے یہ شعر کہا۔"

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرٌ

یعنی بنی لُوَیّ کے سرداروں کے لئے پھیلے ہوئے بویرہ کو جلا ڈالنا آسان ہو گیا۔

نیز اسی کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

مَاقَطَعْتُمْ مِنْ لِيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ۔

"تم نے کھجور کے درخت پر سے جو کچھ کاٹا یا جو کچھ اس کی جڑ پر کھڑا ہوا چھوڑ دیا (یعنی جو کچھ نہیں کاٹا) یہ سب خدا کے حکم سے ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں سے بھی واسطہ پڑا، اس وقت مدینہ میں ان (یہودیوں) کے تین قبائل آباد تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ، اور بنو قینقاع، آنحضرت ﷺ نے ایک باہمی معاہدہ کیا جس کے تحت مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان بہت اہم سماجی اور معاشرتی معاملات سے متعلق اور آپس میں میل ملاپ سے رہنے کے بارے میں کچھ دفعات طے ہوئیں جن میں یہودیوں کو مسلمانوں کے سیاسی اور تمدنی حقوق میں صراحت کے ساتھ مساوات دے کر "پورے حقوق شہریت" عطا کئے گئے اور ان کو مذہبی آزادی دے کر نہایت فیاضانہ رواداری کا رویہ برتا گیا اور مسلمانوں کی طرف سے ان پر عمل بھی کیا گیا، مگر یہودیوں کی طرف سے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی گئی یہاں تک کہ بنو نضیر کے یہودیوں کی طرف سے اس حد تک عہد شکنی کا مظاہرہ ہوا کہ ان کی جانب سے آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش بھی تیار کر لی گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو اس ناپاک سازش پر مطلع کر دیا، چنانچہ ان یہودیوں کو مدینہ سے جلاوطن کر کے خیبر بھگا دیا گیا، ان کے کھجوروں کے باغات جلا ڈالے گئے اور ان کے مکانات کو

تس نہس کر دیا گیا۔

لُؤی لام کے پیش اور ہمزہ کے زبر اور یاء کے تشدید کے ساتھ، نضر ابن کنانہ کی اولاد میں سے ایک شخص کا نام تھا جو آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سے ہیں۔ اور بنی لُؤی سے مراد قریش کے اشراف ہیں، جو آنحضرت ﷺ کے صحابہ تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے۔

"بویرہ" ایک جگہ کا نام تھا جہاں بنو نضیر کے یہودیوں کے باغات تھے اور جن کو صحابہ نے جلاڈالا تھا۔

منقول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے بنو نضیر کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے اور جلاڈالنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ "محمد! آپ تو زمین پر فساد برپا کرنے سے منع کرتے تھے پھر آپ ﷺ نے ہمارے کھجوروں کے ان درختوں کو کیوں کٹوایا اور جلوا ڈالا؟" چنانچہ مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس نے آنحضرت ﷺ نے حکم کی توثیق کر دی اور یہ واضح کر دیا کہ ان یہودیوں کو جو سزا دی گئی ہے وہ حکم الٰہی کے مطابق ہے اور اسلام دشمن لوگوں کے درختوں کو کاٹنا اور جلانا جائز ہے۔

دشمن کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر اس کا قتل اور غارتگری جائز ہے

(۹) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْنٍ اَنَّ نَافِعًا كَتَبَ اِلَيْهِ يُخْبِرُهُ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَخْبَرَهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَغَارَ عَلٰى بَنِي الْمُصْطَلِقِ غَارِّيْنَ فِيْ نَعَمِهِمْ بِالْمُرَيْسِيْعِ فَقَتَلَ الْمُقَاتِلَةَ وَسَبَى الذُّرِّيَّةَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبد اللہ ابن عونؒ سے روایت ہے کہ (حضرت ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام) حضرت نافعؒ نے ان (عبد اللہ ابن عون) کو ایک مکتوب بھیجا جس میں حضرت نافعؒ نے ان کو مطلع کیا کہ حضرت ابن عمرؓ نے ان (نافعؒ) سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ مصطلق پر اس وقت ٹوٹ پڑے تھے جب وہ مریسیع میں اپنے مویشیوں کے درمیان غافل پڑے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کے لڑنے والوں کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا کر لے آئے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "بنی مطلق" قبیلۂ خزاع کی ایک شاخ تھی۔ اور "مریسیع" ایک جگہ کا نام تھا جو مکہ ومدینہ کے درمیان مدینہ منورہ سے تقریبا ستر ۷۰، اسی ۸۰ میل کے فاصلہ پر واقع تھا، یہاں کافی مقدار میں پانی موجود تھا جس پر بنی مصطلق کا تسلط تھا۔

"لڑنے والوں" سے وہ لوگ مراد ہیں جو لڑنے کی صلاحیت واہلیت رکھتے تھے یعنی عاقل وبالغ مرد اور "ذریت" سے ان کی عورتیں اور بچے مراد ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام دشمن اگر کہیں غافل پڑے ہوں تو ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ان پر اچانک ٹوٹ پڑنا اور ان کی حالت غفلت میں ان کو قتل کر دینا، نیز ان کے مال واسباب پر قبضہ کر لینا جائز ہے۔

میدان جنگ سے متعلق ایک فوجی حکم

(۱۰) وَعَنْ اَبِي اُسَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنَا يَوْمَ بَدْرٍ حِيْنَ صَفَفْنَا لِقُرَيْشٍ وَصَفُّوْا لَنَا اِذَا اَكْثَبُوْكُمْ فَعَلَيْكُمْ بِالنَّبْلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِذَا اَكْثَبُوْكُمْ فَارْمُوْهُمْ وَاسْتَبْقُوْا نَبْلَكُمْ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَحَدِيْثُ سَعْدٍ هَلْ تُنْصَرُوْنَ سَنَذْكُرُ فِيْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ وَحَدِيْثُ الْبَرَاءِ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا فِيْ بَابِ الْمُعْجِزَاتِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

"اور حضرت ابو اسیدؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر کے دن (میدان جنگ میں) جب کہ ہم قریش کے خلاف اور قریش مکہ ہمارے خلاف صف آراء ہو گئے تو ہمیں، یہ حکم دیا کہ "جب وہ (دشمن یعنی قریش مکہ) تمہارے (اتنے) قریب آجائیں (کہ تمہارے تیر ان تک پہنچ

سکیں) تو ان پر تیر چلاؤ جب وہ تمہارے قریب آجائیں اور اپنے تیروں کو باقی رکھو یعنی اپنے سب تیر ختم نہ کرڈالو بلکہ ان کو احتیاط کے ساتھ استعمال کرکے کچھ باقی بھی رکھو تاکہ دشمن تمہارے نہتے ہونے کا فائدہ اٹھا کر تم پر غالب نہ آجائے۔" (بخاری)

وَحَدِيْثُ سَعْدٍ هَلْ تُنْصَرُوْنَ سَنَذْكُرُ فِيْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ وَحَدِيْثُ الْبَرَاءِ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا فِيْ بَابِ الْمُعْجِزَاتِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

"اور حضرت سعدؓ کی روایت هَلْ تُنْصَرُوْنَ باب فضل الفقراء میں اور حضرت براء کی روایت بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا باب المعجزات میں ہم انشاء اللہ ذکر کریں گے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

میدان جنگ میں لشکر کی تیاری

(۱۱) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ عَبَّانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَدْرٍ لَيْلًا۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت عبد الرحمٰن ابن عوفؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بدر میں ہمیں رات کو تعبیہ کیا۔" (ترمذی)

تشریح: تَعْبِيَةٌ کے لغوی معنی ہیں "تیار کرنا" لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر جنگ شروع ہونے سے پہلے رات میں اپنے لشکر کو بایں طور تیار و مرتب کیا کہ مجاہدین اسلام کے بدن پر ہتھیار لگائے، ان کی صفیں قائم کیں اور ہر ایک مجاہد کو اپنے اپنے مقام پر جمایا یعنی جس کو جس جگہ مناسب سمجھا وہاں کھڑا کر کے بتایا کہ دن میں جب جنگ شروع ہو تو ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر اسی طرح قائم رہے۔

مجاہدین اسلام کے لئے امتیازی علامات

(۱۲) وَعَنِ الْمُهَلَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنْ بَيَّتَكُمُ الْعَدُوُّ فَلْيَكُنْ شِعَارُكُمْ حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت مہلبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (غزوۂ خندق میں) ہم سے فرمایا کہ اگر دشمن تم پر شبخون مارے تو تمہاری (یعنی مسلمانوں کی) علامت حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ کے الفاظ ہونے چاہئیں۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: فوجی اور جنگی قواعد و ضوابط میں عام طور سے یہ معمول ہوتا ہے کہ فوجیوں کے لئے کچھ مخصوص علامتیں اور نشان متعین کر دیئے جاتے ہیں جن سے موافق و مخالف کے درمیان امتیاز کیا جا سکے، یہ علامتیں غیر لفظی نشانات کی صورتوں میں بھی متعین ہوتی ہیں جو فوجیوں کے بدن اور وردیوں پر لگائے جاتے ہیں اور لفظی اشارات کی صورت میں بھی ہوتی ہیں جن کو زبان سے ادا کر کے اپنی حیثیت و حقیقت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سربراہ لشکر کی طرف سے اپنے لشکر والوں کو پہلے سے یہ بتا دیا جاتا ہے کہ اگر میدان جنگ میں یا کسی اور موقع پر تم سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو تو یہ فلاں لفظ اپنی زبان سے ادا کرنا تاکہ اگر پوچھنے والا اپنے ہی لشکر کا فرد ہو تو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔ خاص طور پر شبخون مارے جانے کے وقت جب کہ عام افراتفری کا عالم ہوتا ہے اور اس موقع پر اپنے اور غیروں کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے اور اکثر اشتباہ ہو جاتا ہے ایسی علامات اور اشاراتی الفاظ کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ آج کل کی رائج الوقت اصطلاحات میں ایسے اشاراتی الفاظ کو انگریزی میں "کوڈ ورڈ" (code werd) کہتے ہیں۔ لہٰذا غزوۂ حنین کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ کو دشمن کی طرف سے شبخون مارے جانے کا خطرہ پیدا ہوا تو آپ نے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا کہ وہ ایسی حالت میں اپنی

علامت حٰمٓ لَا یُنْصَرُوْنَ کے الفاظ کو قرار دیں تاکہ اس کے ذریعہ یہ پہچانا جائے کہ کون مسلمان ہے اور کون کافر ہے۔ ان الفاظ کے معنی یہ ہیں (اے حم کے اتارنے والے) دشمنوں کو کوئی مدد کو نہ ملے۔

(۱۳) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ کَانَ شِعَارُ الْمُهَاجِرِيْنَ عَبْدَ اللّٰهِ وَشِعَارُ الْاَنْصَارِ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ کہتے ہیں کہ (کسی اور غزوے میں) لفظ "عبد اللہ" تو مہاجرین کی علامت تھی اور لفظ "عبد الرحمن" انصار کی علامت تھی۔" (ابوداؤدؒ)

(۱۴) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ اَبِيْ بَكْرٍ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيَّتْنَا هُمْ نَقْتُلُهُمْ وَكَانَ شِعَارُنَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ اَمِتْ اَمِتْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ہم نے (ایک مرتبہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ (یعنی انہی کی سربراہی میں) جہاد کیا، چنانچہ ہم نے ان (دشمنوں) پر شبخون مارا اور ان کو قتل کیا اور اس رات میں ہماری شناختی علامت امت امت کے الفاظ تھے (ان الفاظ کے معنی ہیں "اے اللہ! دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دے۔" (ابوداؤدؒ)

صحابۂ کرامؓ جنگ کے وقت شور و شغب ناپسند کرتے تھے

(۱۵) وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُوْنَ الصَّوْتَ عِنْدَ الْقِتَالِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت قیس ابن عبادؒ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ (میدان جنگ میں) لڑائی کے وقت (اللہ کا نام لینے کے علاوہ) آواز کے (شور و شغب) کو ناپسند کرتے تھے۔" (ابوداؤد)

تشریح: فوجیوں کی عام عادت ہوتی ہے کہ وہ میدان جنگ میں لڑائی کے وقت شور و شغب چیخ و پکار اور بے مقصد نعرہ بازی کرتے ہیں اور اپنی شجاعت و بہادری کے نعرے بلند کرتے ہیں تاکہ دشمن پر ہیبت و رعب پڑے لیکن صحابہؓ اس بات کی کوئی حقیقت نہیں جانتے تھے بلکہ وہ صرف اللہ کا نام بلند کرتے تھے (یعنی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کرتے تھے) اور اگر ان کے منہ سے آواز بلند ہوتی تھی تو وہ صرف ذکر الٰہی پر مشتمل ہوتی تھی کیونکہ در حقیقت صرف اللہ ہی کا نام بلند کرنے میں دنیا و آخرت کی مطلب برآری ہے۔

دشمن کے بڑی عمر والوں کو قتل کرو اور چھوٹوں کو باقی رکھو

(۱۶) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْتُلُوْا شُيُوْخَ الْمُشْرِكِيْنَ وَاسْتَحْيُوْا شَرْخَهُمْ اَيْ صِبْيَانَهُمْ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ، نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "مشرکین (یعنی دشمنوں) کے بڑی عمر والے لوگوں کو قتل کرو اور چھوٹی عمر والوں یعنی ان (دشمنوں) کے بچوں کو زندہ رہنے دو۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: "بڑی عمر والوں" سے مراد یا تو وہ نوجوان ہیں جو بچوں کے مقابلے میں بڑے ہوتے ہیں یا وہ بڈھے مراد ہیں جو مضبوط قویٰ کے مالک ہوں اور لڑنے کی طاقت و قوت رکھتے ہوں۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے، شیخ فانی (یعنی بڈھے کھوسٹ) کو قتل کرنا درست نہیں ہے۔ جو شیخ فانی جنگ میں اپنی عقل اور اپنی رائے کو مؤثر رکھتا ہو اور دشمن، لڑائی میں اس کی بتائی ہوئی تدبیروں پر عمل کرتا ہو تو اس کو قتل کرنا جائز ہے۔

دشمن کے شہر اور ان کے کھیت کھلیان وغیرہ کو جلا ڈالنا جائز ہے

(۱۷) وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ حَدَّثَنِیْ اُسَامَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ عَهِدَ اِلَیْهِ قَالَ اَغِرْ عَلٰی اُبْنٰی صَبَاحًا ثُمَّ حَرِّقْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عروہؒ کہتے ہیں کہ حضرت اسامہؓ نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ (جب رسول کریم ﷺ نے ان (اسامہؓ) کو (ایک لشکر کا امیر بنا کر جہاد کے لئے بھیجا تو) یہ ہدایت و تاکید کی کہ "تم ابنا پر صبح کے وقت دھاوا بول دینا اور (دشمن کے گھربار، کھیت کھلیان، اور درخت و باغات کو) جلا ڈالنا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اُبنا ایک آبادی کا نام ہے۔ جو ملک شام میں واقع تھی، اور جہاں حضرت اسامہؓ ابن زید کو مجاہدین اسلام کا سردار بنا کر جہاد کے لئے بھیجا گیا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کے دشمنوں کے شہروں کو تاخت و تاراج کر دینا، ان کے گھربار، کھیت کھلیان اور درخت و باغات کو جلا دینا جائز ہے۔

دشمن پر اس وقت حملہ کرو جب وہ بالکل قریب آجائے

(۱۸) وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ بَدْرٍ اِذَا اَکْثَبُوْکُمْ فَارْمُوْهُمْ وَلَا تَسُلُّوا السُّیُوْفَ حَتّٰی یَغْشَوْکُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابواسیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ بدر کے دن (مجاہدین اسلام سے) فرمایا کہ (میدان جنگ میں) جب کفار (یعنی دشمن) تمہارے بالکل قریب آجائیں تو ان پر تیر چلانا اور تلوار اس وقت تک نیام سے نہ کھینچنا جب تک کہ وہ تمہارے بالکل قریب نہ پہنچ جائیں۔" (ابوداؤدؒ)

دشمن کے مزدوروں کو قتل کرنے کی ممانعت

(۱۹) وَعَنْ رَبَاحِ بْنِ الرَّبِیْعِ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَةٍ فَرَاَی النَّاسَ مُجْتَمِعِیْنَ عَلٰی شَیْءٍ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ انْظُرْ عَلٰی مَا اجْتَمَعَ هٰؤُلَاءِ فَجَاءَ فَقَالَ عَلَی امْرَأَةٍ قَتِیْلٍ فَقَالَ مَا کَانَتْ هٰذِهٖ لِتُقَاتِلَ وَعَلَی الْمُقَدَّمَةِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ قُلْ لِخَالِدٍ لَا تَقْتُلِ امْرَأَةً وَلَا عَسِیْفًا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت رباح ابن ربیعؓ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک غزوے میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (میدان جنگ میں تھے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ (ایک جگہ) کسی چیز کے پاس جمع ہو رہے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو بھیجا اور فرمایا کہ وہاں جا کر دیکھو، لوگ کس چیز کے پاس جمع ہو رہے ہیں، اس شخص نے واپس آکر عرض کیا کہ ایک عورت کو قتل کر دیا گیا ہے، لوگ اس (کی نعش) کے پاس جمع ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا "وہ عورت تو نہیں لڑ رہی تھی (پھر اس کو کیوں قتل کر دیا گیا؟")، لشکر کی اگلی صفوں کی کمان حضرت خالد ابن ولیدؓ کے سپرد تھی، آپ ﷺ نے پھر اس شخص کو (ان کے پاس) بھیجا کہ وہ جا کر خالدؓ سے یہ کہہ دے کہ "کسی عورت اور مزدور کو قتل نہ کرو۔" (ابوداودؒ)

تشریح: "مزدور" سے مراد وہ مزدور ہے جس کو میدان جنگ میں لڑنے کے لئے نہ لایا گیا ہو بلکہ خدمت اور دوسرے کام کاج کے لئے لایا گیا ہو۔

مجاہدین کو میدان جنگ بھیجتے وقت آنحضرت ﷺ کی ہدایات

(۴۰) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ انْطَلِقُوْا بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا تَقْتُلُوْا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا صَغِيْرًا وَلَا امْرَأَةً وَلَا تَغُلُّوْا وَضُمُّوْا غَنَائِمَكُمْ وَ اَصْلِحُوْا وَاَحْسِنُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجاہدین کو (جہاد کے لئے روانہ کرتے وقت) یہ ہدایت دیں کہ "جاؤ اللہ کا نام لے کر، اللہ کی تائید وتوفیق کے ساتھ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دین پر، یہاں سے کوچ کرو! (یاد رکھو!) شیخ فانی (یعنی بڈھے کھوسٹ) کی جان نہ مارنا، نہ چھوٹے لڑکے اور نہ عورت کو قتل کرنا، مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا، مال غنیمت کو جمع کرنا، آپس میں صلح صفائی رکھنا (اصلحوا کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ ہم مجاہدین اپنے آپس کے تنازعات کو ختم کرکے ایک دوسرے کے ساتھ میل ملاپ سے رہنا یا یہ معنی ہیں کہ اگر تم مصلحت دیکھو تو دشمن سے صلح کر لینا اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم اپنے دینی اور دنیاوی معاملات کو ٹھیک ٹھاک رکھنا) اور آپس میں (ایک دوسرے کے ساتھ) نیکی و بھلائی کرتے رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی اور بھلائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: "شیخ فانی کی جان نہ مارنا" لیکن اگر کوئی بڈھا لڑنے کی صلاحیت رکھتا ہو یا اس کی رائے اور اس کی جنگی تدابیر دشمن کے لئے نفع بخش اور مؤثر ہوں تو اس کی جان مارنا جائز ہے

"طفلا صغیرًا" میں "صغیرًا" بدل اور بیان ہے لفظ "طفلا" یعنی وہ لڑکا جو حد بلوغ کو نہ پہنچا ہو۔ اس حکم سے وہ لڑکا مستثنیٰ ہے جو دشمن کی قوم کا بادشاہ و سردار ہو یا جنگ میں حصہ لیتا ہو، اسی طرح سے عورت کو قتل کرنا ممنوع ہے، جو لڑائی میں شریک نہ ہو اور نہ اپنی قوم کی ملکہ اور جنگی معاملات میں رائے اور تدبیر پیش کرنے والی ہو۔

بدر کے میدان جنگ میں زعماء مکہ کی دعوت مبارزت

(۴۱) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ تَقَدَّمَ عُتْبَةُ بْنُ رَبِيْعَةَ وَتَبِعَهُ ابْنُهُ وَاَخُوْهُ فَنَادٰى مَنْ يُبَارِزُ فَانْتَدَبَ لَهُ شَبَابٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ مَنْ اَنْتُمْ فَاَخْبَرُوْهُ فَقَالَ لَا حَاجَةَ لَنَا فِيْكُمْ اِنَّمَا اَرَدْنَا بَنِيْ عَمِّنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُمْ يَا حَمْزَةُ قُمْ يَا عَلِيُّ قُمْ يَا عُبَيْدَةُ بْنُ الْحَارِثِ فَاَقْبَلَ حَمْزَةُ اِلٰى عُتْبَةَ وَاَقْبَلْتُ اِلٰى شَيْبَةَ وَ اخْتَلَفَ بَيْنَ عُبَيْدَةَ وَالْوَلِيْدِ ضَرْبَتَانِ فَاَثْخَنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ ثُمَّ مِلْنَا عَلَى الْوَلِيْدِ فَقَتَلْنَاهُ وَاحْتَمَلْنَا عُبَيْدَةَ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ جب معرکہ بدر کا دن آیا (اور میدان جنگ میں مجاہدین اسلام اور کفار مکہ، ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہو گئے تو (کفار مکہ میں سے) ابن ربیعہ (لڑنے کے لئے صف میں سے نکل کر) آگے بڑھا، اس کا بھائی (یعنی شیبہ ابن ربیعہ) بھی آیا، عتبہ نے پکار کر کہا "کون ہے جو (ہمارے مقابلہ پر) لڑنے کے لئے میدان میں آئے؟ (مجاہدین اسلام کی جانب سے) اس کا جواب انصار کے کئی جوانوں نے دیا (یعنی وہ عتبہ اور اس کے ساتھیوں سے لڑنے کے لئے صف میں سے نکل کر میدان میں آئے) عتبہ نے (ان کو دیکھا تو) پوچھا کہ "تم کون ہو؟" ان جوانوں نے عتبہ کو بتایا کہ ہم (مدینہ کے) انصار ہیں، عتبہ نے کہا کہ "ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے (یعنی ہم تمہارے ساتھ لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے) بلکہ ہم تو اپنے چچا کے بیٹوں (یعنی مکہ سے ہجرت کرکے چلے جانے والے قریشی مسلمانوں) سے لڑنا چاہتے ہیں۔" (یہ سن کر) رسول کریم ﷺ نے (اپنی صف کی طرف مخاطب ہو کر) فرمایا "حمزہؓ! تم کھڑے ہو جاؤ، علیؓ! تم کھڑے ہو جاؤ، عبیدہ ابن حارث! تم کھڑے ہو جاؤ (اور آگے بڑھ کر ان نشہ طاقت کے سرمستوں کا سر غرور و تکبر کچل دو)" چنانچہ حمزہؓ عتبہ کے مقابلہ پر گئے (اور اس کو مار ڈالا) میں (یعنی علیؓ) شیبہ کے مقابلہ پر گیا (اور اس کو مار ڈالا اور عبیدہؓ و ولید کے درمیان دو سخت وار ہوئے اور ان میں سے ایک

نے اپنے مقابل کو زخمی اور نڈھال کر دیا، پھر ہم نے ولید پر حملہ کیا اور اس کو مار ڈالا اور عبیدہؓ کو (جو ولید کے وار سے سخت زخمی ہو گئے تھے معرکہ کے میدان سے) اٹھا لائے۔" (احمد، ابوداؤد)

نئی کمک لانے کی غرض سے میدان جنگ سے بھاگ آنا جائز ہے

(۲۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَحَاصَ النَّاسُ حَيْصَةً فَاَتَيْنَا الْمَدِيْنَةَ فَاخْتَفَيْنَا بِهَا وَ قُلْنَا هَلَكْنَا ثُمَّ اَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَحْنُ الْفَرَّارُوْنَ قَالَ بَلْ اَنْتُمُ الْعَكَّارُوْنَ وَاَنَا فِئَتُكُمْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ نَحْوَهُ وَقَالَ لَا بَلْ اَنْتُمُ الْعَكَّارُوْنَ قَالَ فَدَنَوْنَا فَقَبَّلْنَا يَدَهٗ فَقَالَ اَنَا فِئَةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اُمَيَّةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ كَانَ يَسْتَفْتِحُ وَحَدِيْثُ اَبِي الدَّرْدَاءِ اَبْغُوْنِيْ فِيْ ضُعَفَائِكُمْ فِيْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے (کسی جگہ جہاد کرنے کے لئے) ہمارا ایک لشکر بھیجا (وہاں پہنچ کر ہمارے لشکر کے) لوگ بھاگ کھڑے ہوئے، چنانچہ ہم مدینہ واپس آئے تو (مارے شرم وندامت کے) اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے اور ہم نے (آپس میں اپنے دل میں) کہا کہ "دشمنوں کے مقابلہ سے بھاگ کر ہم نے جو گناہ کیا ہے اس کی وجہ سے گویا" ہم تو ہلاک ہو گئے پھر ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ (یارسول اللہ ﷺ) ہم تو میدان چھوڑ کر بھاگ آنے والے لوگ ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا کے "(نہیں) بلکہ تم دوبارہ حملہ کرنے والے لوگ ہو اور میں تمہاری جماعت ہوں۔" (ترمذیؒ)

اور ابوداؤد نے بھی ایسی روایت نقل کی ہے۔ اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ "نہیں" بلکہ تم دوبارہ حملہ کرنے والے لوگ ہو۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں (جب ہم نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے ہم سے کوئی جواب طلب کرنے یا کوئی سرزنش کرنے کے بجائے اس شفقت آمیز انداز میں ہماری ہمت بڑھائی ہے تو فرط عقیدت و محبت سے) ہم آپ ﷺ کے قریب پہنچے۔ اور آپ ﷺ کے دست مبارک کا بوسہ لیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا "میں مسلمانوں کی جماعت ہوں۔"

تشریح: "عکر" کے معنی ہیں "لوٹنا" جنگ میں واپس چلے جانا" اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی لشکر اپنی کمزوری محسوس کرتا ہو اور وہ دشمن کے مقابلہ سے اس نیت کے ساتھ بھاگ آئے کہ اپنے مرکز سے نئی کمک اور نئی مدد لے کر پھر میدان جنگ میں آئیں گے تو یہ گناہ نہیں اور چونکہ تم لوگ اسی نیت کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگے ہو اس لئے ندامت اور شرمندگی محسوس کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔

"میں مسلمانوں کی جماعت ہوں" آپ ﷺ نے اپنی عظمت وبرکت کی بناء پر اپنی تنہا ذات شریف کو ایک پوری جماعت قرار دیا جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً، نیز آپ ﷺ نے اس ارشاد گرامی کے ذریعہ گویا اپنی مرکزیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ میری ذات مسلمانوں کے لئے منبع قوت وطاقت ہے، جہاں سے انہیں مدد ونصرت حاصل ہوتی ہے لہٰذا اے ابن عمرؓ تم اس عارضی پسپائی سے ہراساں اور دل گرفتہ نہ ہو، میں تمہارا ابھی مدد گار وحامی اور ناصر ہوں

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اُمَيَّةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ كَانَ يَسْتَفْتِحُ وَحَدِيْثُ اَبِي الدَّرْدَاءِ اَبْغُوْنِيْ فِيْ ضُعَفَائِكُمْ فِيْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

"اور امیہ ابن عبداللہ کی روایت كَانَ يَسْتَفْتِحُ اور ابودرداءؓ کی روایت اَبْغُوْنِيْ فِيْ ضُعَفَائِكُمْ ہم انشاء اللہ فضل الفقراء کے باب میں ذکر کریں گے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

غزوۂ طائف میں منجنیق کا استعمال

(۲۳) عَنْ ثَوْبَانَ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَبَ الْمَنْجَنِيْقَ عَلٰى اَهْلِ الطَّائِفِ۔ (رواہ الترمذی مرسلا)

"اور حضرت ثوبان ابن یزید سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل طائف کے مقابلہ پر منجنیق نصب کی۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔"

تشریح: قدیم آلات حرب میں "منجنیق" کی حیثیت آج کل کی گولے پھینکنے والی توپ کی سی تھی۔ چنانچہ یہ ایک ایسی دستی مشین تھی جس سے بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے تھے۔ بطور خاص جب کسی قلعہ وغیرہ کا محاصرہ کیا جاتا تو اس پر منجنیق کے ذریعہ پتھر برسائے جاتے تھے۔

"طائف" آج بھی حجاز کا ایک بڑا شہر ہے جو مکہ مکرمہ سے اصلا تو ۴۰۔۴۵ میل کے فاصلہ پر جنوب مشرق میں واقع ہے لیکن ابھی کچھ دنوں پہلے تک وہاں پہنچنے کے لئے ایسا کوئی سیدھا راستہ نہیں تھا جس سے گاڑیاں آجا سکیں اور پختہ یا خام سڑک ہو، مکہ مکرمہ سے طائف کے لئے جو سڑک گئی تھی وہ پہاڑوں کا چکر کھاتی ہوئی جاتی تھی اس لئے یہ راستہ طویل ہو جاتا تھا اس راستہ سے مکہ مکرمہ سے طائف کا فاصلہ ۸۵ میل بتایا جاتا ہے، اسی راستہ میں منیٰ وعرفات ملتے ہیں اور محققین کے نزدیک یہی وہ راستہ تھا جس سے آنحضرت ﷺ ابتداء میں تبلیغ کی غرض سے طائف تشریف لے گئے تھے۔

موجودہ طائف سے ڈھائی تین میل کے فاصلے پر جنوب مغرب کی طرف ایک چھوٹی سی بستی "مثناۃ" ہے، یہ طائف ہی کا ایک حصہ سمجھی جاتی ہے، یہ بستی اس جگہ بتائی جاتی ہے جس کے قریب آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اصل طائف آباد تھا۔

یہاں ذوباغوں میں دو چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنی ہوئی ہیں ان میں سے ایک کو مسجد علی کہتے ہیں اور دوسرے کو مسجد الجعشی، ان دونوں مسجدوں کے درمیان ایک وادی ہے جو وادی اوج کہلاتی ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ طائف میں طائف کا محاصرہ اسی جگہ فرمایا تھا اور غالبا یہی وہ جگہ ہے جہاں آپ ﷺ نے منجنیق نصب کی تھی۔

بَابُ حُكْمِ الْاُسَرَاءِ

قیدیوں کے احکام کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

وہ کفار قیدی جو جنت میں داخل ہوں گے

(۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَجِبَ اللّٰهُ مِنْ قَوْمٍ يُدْخَلُوْنَ الْجَنَّةَ فِي السَّلَاسِلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ يُقَادُوْنَ اِلَى الْجَنَّةِ بِالسَّلَاسِلِ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت ابوہریرہؓ، نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ اس قوم پر تعجب کرتا ہے یعنی ان لوگوں سے خوش ہوتا ہے جو زنجیروں میں بندھے ہوئے جنت میں داخل ہوتے ہیں۔" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے خوش ہوتا ہے) جو زنجیروں میں باندھ کر جنت کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔" (بخاریؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کفار (دشمن) کے جو لوگ جہاد وغیرہ کے موقع پر قیدی بنائے جاتے ہیں اور ان کو زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ کر دار الاسلام میں لایا جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ان کو ایمان نصیب فرماتا ہے تو ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا اس اعتبار سے اگرچہ ان کے دخول جنت کا سبب ان کا ایمان قبول کر لینا ہے لیکن ظاہر میں گویا وہ زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ کر جنت میں داخل کئے گئے ہیں۔

دشمن کے جاسوس کو قتل کرنے کا حکم

(۲) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَهُوَ فِيْ سَفَرٍ فَجَلَسَ عِنْدَ اَصْحَابِهٖ يَتَحَدَّثُ ثُمَّ انْفَتَلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اطْلُبُوْهُ وَاقْتُلُوْهُ فَقَتَلْتُهٗ فَنَفَّلَنِيْ سَلَبَهٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) مشرکین، (دشمن) کا ایک جاسوس نبی کریم ﷺ کے پاس آیا جب کہ آپ ﷺ سفر کے دوران تھے، چنانچہ اس جاسوس نے (ٹوہ لینے کے لئے) آنحضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھ کر باتیں کیں اور پھر چلا گیا، نبی کریم ﷺ کو جب اس کے بارے میں معلوم ہوا تو (آپ ﷺ) نے فرمایا "اس کو تلاش کرو اور قتل کر ڈالو" چنانچہ میں نے اس کو ڈھونڈھ نکالا اور قتل کر ڈالا، آنحضرت ﷺ نے اس کا سامان واسباب مجھے مرحمت فرمایا۔" (بخاری و مسلم)

(۳) وَعَنْهُ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَوَازِنَ فَبَيْنَا نَحْنُ نَتَضَحّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلٰى جَمَلٍ اَحْمَرَ فَاَنَاخَهٗ وَجَعَلَ يَنْظُرُ وَفِيْنَا ضَعْفَةٌ وَرِقَّةٌ مِنَ الظَّهْرِ وَبَعْضُنَا مُشَاةٌ اِذْ خَرَجَ يَشْتَدُّ فَاَتٰى جَمَلَهٗ فَاَثَارَهٗ فَاشْتَدَّ بِهِ الْجَمَلُ فَخَرَجْتُ اَشْتَدُّ حَتّٰى اَخَذْتُ بِخِطَامِ الْجَمَلِ فَاَنَخْتُهٗ ثُمَّ اخْتَرَطْتُ سَيْفِيْ فَضَرَبْتُ رَاْسَ الرَّجُلِ ثُمَّ جِئْتُ بِالْجَمَلِ اَقُوْدُهٗ وَعَلَيْهِ رَحْلُهٗ وَسِلَاحُهٗ فَاسْتَقْبَلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ الرَّجُلَ قَالُوا ابْنُ الْاَكْوَعِ قَالَ لَهٗ سَلَبُهٗ اَجْمَعُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سلمہ ابن اکوع کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ (قبیلہ قیس کی ایک شاخ) ہوازن کے خلاف جہاد میں شریک تھے، (ایک دن) اس وقت جب کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے، اچانک ایک شخص جو (دشمن کا جاسوس تھا اور) سرخ اونٹ پر سوار تھا آیا، اس نے اونٹ کو بٹھا دیا اور (ادھر ادھر) دیکھنے لگا (یعنی وہ ہماری حالت و کیفیت کی ٹوہ لینے لگا) اس وقت ہم (اپنی خستہ حالی اور پیادہ پائی کی وجہ سے) بہت نڈھال ہو رہے تھے، ہمارے پاس سواریوں کی کمی تھی اور ہم میں سے بعض لوگ پیدل تھے۔ چنانچہ (جب اس شخص نے ہماری اس کمزوری کا اندازہ لگا لیا کہ ہم سواریوں کی کمی اور اپنی خستہ حالی کی وجہ سے سخت پریشان اور نڈھال ہیں تو دشمن کو اس کی اطلاع دینے کے لئے) وہ اچانک (ہمارے درمیان سے) دوڑتا ہوا نکلا اور اپنے اونٹ کے پاس پہنچ کر (اس پر سوار ہونے کے بعد) اس کو کھڑا کیا اور وہ اونٹ اس کو لے کر تیزی سے دوڑنے لگا، میں (نے جب یہ صورت حال دیکھی تو میں بھی اپنے لوگوں کے درمیان سے نکلا اور (اس شخص کے پیچھے) دوڑا یہاں تک کہ میں نے (اس کو جا لیا اور) اونٹ کی مہار پکڑ لی اور اس کو بٹھا دیا اور پھر اپنی تلوار سونت کر اس شخص کے سر پر (بھرپور) وار کیا (جس سے اس کا کام تمام ہو گیا) اس کے بعد اونٹ کو، جس پر اس شخص کا سامان اور اس کے ہتھیار تھے، کھینچتا ہوا لایا، جب رسول کریم ﷺ اور دوسرے لوگ میرے سامنے آئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اس شخص کو کس نے قتل کیا ہے؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ "سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ نے!" آپ ﷺ نے فرمایا "اس سارے سامان کے حقدار یہی (سلمہ رضی اللہ عنہ) ہیں۔" (بخاری و مسلم)

مدینہ کے عہد شکن یہودیوں کے متعلق فیصلہ

(۴) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَيْظَةَ عَلٰى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ عَلٰى حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ فَجَاءَ فَجَلَسَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰؤُلَاءِ نَزَلُوْا عَلٰى حُكْمِكَ قَالَ فَاِنِّيْ اَحْكُمُ اَنْ تُقْتَلَ الْمُقَاتِلَةُ وَاَنْ تُسْبَى الذُّرِّيَّةُ

قَالَ لَقَدْ حَكَمْتَ فِيْهِمْ بِحُكْمِ الْمَلِكِ وَفِي رِوَايَةٍ بِحُكْمِ اللّٰهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ جب (مدینہ میں آباد) بنو قریظہ (کے یہودی) حضرت سعد ابن معاذؓ کو حکم تسلیم کر لینے پر اتر آئے (یعنی وہ اس پر آمادہ ہوئے کہ سعد ابن معاذؓ جو فیصلہ کریں گے ہم اس کو تسلیم کرلیں گے، تو رسول کریم ﷺ نے حضرت سعد ﷺ کو بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا، سعد ابن معاذؓ ایک گدھے پر سوار ہو کر آئے اور جب وہ قریب پہنچے تو رسول کریم ﷺ نے (حاضرین سے) کہا کہ "تم لوگ اپنے سردار کی تعظیم یا ان کی مدد" کے لئے کھڑے ہو جاؤ" سعد ابن معاذؓ (آپ ﷺ کے قریب) آکر بیٹھ گئے تو رسول کریم ﷺ نے (ان کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ "یہ لوگ (یعنی بنو قریظہ کے یہودی) تمہیں حکم ماننے پر راضی ہو گئے ہیں۔" سعد ابن معاذؓ نے کہا کہ "میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان (یہودیوں) میں سے جو لوگ لڑنے (کی صلاحیت رکھنے) والے ہیں ان کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔" آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا "تم نے ان کے بارے میں بادشاہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے یعنی تم نے ایسا فیصلہ کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہے) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے"۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ بڑے اونچے درجہ کے صحابیؓ اور مشاہیر انصار میں سے ہیں، مدینہ کے انصار ان کو اپنا سردار اور بڑا مانتے تھے۔

"بنو قریظہ" مدینہ کے یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، یہ قبیلہ حضرت سعد ابن معاذؓ کا حلیف اور اس کے یہودی ان کے عہد و امان میں تھے، جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر وہاں کے قبائل یہود سے ایک باہمی معاہدہ کیا تھا جس کے تحت یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان، باہمی میل ملاپ کے ساتھ رہنے اور ایک دوسرے کے شہری اور سیاسی حقوق و مفادات کے تحفظ کے معاملات طے پائے تھے لیکن یہودیوں نے کچھ ہی دنوں بعد اس معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا، اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور ان کو نقصان پہنچانے کے اقدامات میں مشغول ہو گئے، چنانچہ دوسرے یہودی قبائل کی طرح "بنو قریظہ" بھی اس عہد شکنی کے مرتکب ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے ۵ھ میں غزوۂ خندق کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان (بنو قریظہ) کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا اور ان کا محاصرہ کر لیا، اور یہ محاصرہ پچیس ۲۵ روز تک جاری رہا جب بنو قریظہ بالکل مجبور ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ سعد ابن معاذؓ ہمارے بارے میں جو فیصلہ کر دیں گے ہم اس کو منظور کریں گے، ان کا خیال تھا کہ چونکہ ہم سعدؓ کے حلیف اور ان کے عہد و امان میں ہیں اس لئے وہ ہماری رعایت کریں گے اور ہمیں اس محاصرہ سے نجات دلانے کی کوشش کریں گے، لیکن حضرت سعدؓ نے اس تعلق کا لحاظ کئے بغیر وہی فیصلہ دیا جو ان یہودیوں کے حسب حال اور مصلحت و حکمت کے عین مطابق تھا۔

"تم اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ" اس حکم کے بارے میں نوویؒ کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ صاحب فضل کی تعظیم و توقیر کی جائے اور اس کے آنے پر تعظیما کھڑا ہو جانا چاہئے چنانچہ اکثر علماء نے اس مسئلہ میں اس ارشاد گرامی کو دلیل قرار دیا ہے، اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم حضرت سعدؓ کی تعظیم کرنے کی غرض سے نہیں تھا بلکہ اس بنا پر تھا کہ ان (سعدؓ) کی ران پر تیر کا زخم تھا جو غزوۂ خندق میں ان کو لگا تھا اور اس کی وجہ سے وہ سواری پر سے خود اترنے سے مجبور تھے، لہٰذا آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جاؤ اور سواری پر سے اترنے میں سعدؓ کی مدد کرو۔

سردار یمامہ کے اسلام لانے کا واقعہ

⑤ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِيْ حَنِيْفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ اُثَالٍ سَيِّدُ اَهْلِ الْيَمَامَةِ فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِيْ يَا مُحَمَّدُ خَيْرٌ اِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ وَاِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ وَاِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَاشِئْتَ فَتَرَكَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَانَ الْغَدُ فَقَالَ لَهُ مَاعِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِيْ مَا قُلْتُ لَكَ اِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ وَاِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ وَاِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَاشِئْتَ فَتَرَكَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى كَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ لَهُ مَا عِنْدَكَ يَاثُمَامَةُ؟ فَقَالَ عِنْدِيْ مَا قُلْتُ لَكَ اِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ وَاِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ وَاِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ اِلٰى نَخْلٍ قَرِيْبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ يَا مُحَمَّدُ وَاللّٰهِ مَا كَانَ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ وَجْهٌ اَبْغَضَ اِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ فَقَدْ اَصْبَحَ وَجْهُكَ اَحَبَّ الْوُجُوْهِ كُلِّهَا اِلَيَّ وَاللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ دِيْنٍ اَبْغَضَ اِلَيَّ مِنْ دِيْنِكَ فَاَصْبَحَ دِيْنُكَ اَحَبَّ الدِّيْنِ كُلِّهِ اِلَيَّ وَاللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ اَبْغَضَ اِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَاَصْبَحَ بَلَدُكَ اَحَبَّ الْبِلَادِ كُلِّهَا اِلَيَّ وَاِنَّ خَيْلَكَ اَخَذَتْنِيْ وَاَنَا اُرِيْدُ الْعُمْرَةَ فَمَاذَا تَرٰى فَبَشَّرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَهُ اَنْ يَعْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ قَالَ لَهُ قَائِلٌ اَصَبَوْتَ فَقَالَ لَا وَلٰكِنِّيْ اَسْلَمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا وَاللّٰهِ لَا يَاْتِيْكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتّٰى يَاْذَنَ فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ مسلم واختصرہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک لشکر کو (جہاد کرنے کے لئے) نجد کی طرف روانہ کیا، لشکر کے لوگ (قبیلہ) بنوحنیفہ کے ایک شخص کو پکڑ کر (مدینہ) لائے جس کا نام ثمامہ ابن اثال تھا اور جو شہر یمامہ کے لوگوں کا سردار تھا، اس شخص کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا (تاکہ وہ بھاگ نہ سکے) رسول کریم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اس سے پوچھا کہ "کہو ثمامہ! تمہارے پاس (کہنے سننے کو) کیا ہے؟ (یعنی بتاؤ تمہارا کیا حال ہے میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کس طرح کا سلوک کروں گا؟) ثمامہ نے کہا کہ "میرے پاس بھلائی ہی بھلائی ہے یا میرے پاس بہت مال ہے، اگر آپ ﷺ (مجھ کو) قتل کریں گے تو ایک خون والے شخص کو قتل کریں گے (جو قتل ہی کئے جانے کا مستحق ہے، ان الفاظ کے ذریعہ گویا ثمامہ نے اپنی تقصیر کا اعتراف واقرار کیا، یا اس کے ان الفاظ کا یہ مطلب تھا کہ اگر آپ ﷺ مجھے قتل کردیں گے تو ایک ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کا خون رائیگاں نہیں جائے گا کیونکہ میری قوم میرا خون معاف نہیں کرے گی بلکہ آپ سے بدلہ لے گی، اس صورت میں اس نے گویا اپنی امارت اور اپنی ریاست ووجاہت کا دعویٰ کیا) اور اگر آپ (مجھے باعزت رہائی دے کر میرے ساتھ) اچھا سلوک کریں گے تو ایک شخص کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے جو شکر گذار وقدر دان ہے، (یعنی میں بھی اس اچھے سلوک کا آپ ﷺ کو بدلہ دوں گا) اور اگر آپ ﷺ مال چاہتے ہیں تو مانگئے، جتنا مال چاہیں گے دیا جائے گا۔" (یہ باتیں سن کر) آنحضرت ﷺ نے اس کو (اس کے حال پر) چھوڑ دیا جب دوسرا دن آیا تو آنحضرت ﷺ نے پھر اس سے پوچھا کہ (کہو ثمامہ! تمہارے پاس (کہنے سننے کو) کیا ہے؟" اس نے کہا کہ "میرے پاس وہی چیز ہے جو میں کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ اچھا سلوک کریں گے تو ایک ایسے شخص کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے جو شکر گزار وقدر دان ہے، اگر آپ قتل کریں گے تو ایک خون والے شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو مانگئے جتنا مال چاہیں گے دیا جائے گا۔" آنحضرت ﷺ نے (اس دن بھی یہ سن کر) اس کو (اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ اور جب تیسرا دن آیا تو آپ ﷺ نے پھر اس سے پوچھا کہ (کہو ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے؟" اس نے کہا کہ "میرے پاس وہی چیز ہے جو میں کہہ چکا ہوں کہ "اگر آپ اچھا سلوک کریں گے تو ایک ایسے شخص کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے جو شکر گذار وقدر دان ہے، اگر قتل کریں گے تو ایک خون والے شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو مانگئے، جتنا مال چاہیں گے دیا جائے گا، رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) حکم دیا کہ "ثمامہ کو رہا کر دیا جائے۔" چنانچہ (رہائی پانے کے بعد کچھ کہے سنے بغیر) کھجوروں کے ان درختوں (کے جھنڈ) میں چلا گیا جو مسجد نبوی ﷺ کے قریب تھے اور وہاں سے نہا دھو کر پھر مسجد نبوی میں آیا اور (آنحضرت ﷺ کے سامنے) کہا "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ" یعنی میں (سچے دل کے اعتراف واقرار کے

ساتھ) گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور (پھر کہنے لگا کہ) اے محمد (ﷺ)! خدا کی قسم میرے نزدیک روئے زمین پر آپ ﷺ کے چہرے سے زیادہ نفرت انگیز کوئی چہرہ نہیں تھا لیکن اب آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک میرے نزدیک (دنیا کے) سارے چہروں سے زیادہ پیارا ہے، خدا کی قسم! میرے نزدیک آپ ﷺ کے دین سے زیادہ نفرت انگیز کوئی دین نہیں تھا لیکن اب آپ ﷺ کا دین میرے نزدیک سارے دینوں سے زیادہ پیارا ہے اور خدا کی قسم! میرے نزدیک آپ ﷺ کے شہر سے زیادہ نفرت انگیز کوئی شہر نہیں تھے لیکن اب میرے نزدیک آپ ﷺ کا شہر (دنیا کے) سارے شہروں سے زیادہ پیارا ہے۔ پھر (اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ!) آپ (ﷺ) کے لشکر نے مجھے اس وقت گرفتار کیا تھا جب کہ میں عمرہ (کرنے کے لئے مکہ جانے) کا ارادہ کر رہا تھا تو اب آپ (ﷺ) مجھ کو کیا حکم دیتے ہیں (آیا میں عمرہ کے لئے مکہ جاؤں یا نہیں؟)" رسول کریم ﷺ نے (پہلے تو) اس کو بشارت دی (کہ اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے تمہیں شرف و عظمت انسانیت حاصل ہو گئی ہے اور تمہارے پہلے سارے گناہ بخش دیئے گئے ہیں) اور پھر ان کو عمرہ کرنے کا حکم دیا۔

اس کے بعد ثمامہ جب (عمرہ کرنے کے لئے) مکہ پہنچے تو کسی کہنے والے نے ان سے کہا کہ "تم تو بے دین ہو گئے ہو"۔ ثمامہ نے جواب دیا کہ "نہیں! میں نے رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے، میں بے دین نہیں ہوا ہوں اور (یاد رکھو!) خدا کی قسم! اب یمامہ سے تم کو گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں بھیجا جائے گا جب تک کہ رسول کریم ﷺ اس کی اجازت نہ دیں۔" (مسلمؒ) اس روایت کو بخاریؒ نے بھی اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

جبیر ابن مطعمؓ کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے ترغیب اسلام

(۶) وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ اُسَارٰى بَدْرٍ لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِيْ فِيْ هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهٗ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت جبیر ابن مطعمؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا کہ اگر مطعم ابن عدی زندہ ہوتے اور مجھ سے ان ناپاک قیدیوں کے حق میں سفارش کرتے، تو میں ان (قیدیوں) کو ان (مطعم) کی سفارش پر رہا کر دیتا۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت جبیرؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے جنگ بدر کے موقع پر کفار مکہ کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کے مقابلے پر لڑ رہے تھے، جنگ کے بعد ان کفار میں سے جو لوگ قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے ان میں حضرت جبیرؓ بھی تھے اس طرح حضرت جبیرؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ حدیث سنی تو کفر کی حالت میں، مگر اس کو بیان کیا اسلام قبول کرنے کے بعد۔

مطعم ابن عدی، حضرت جبیرؓ کے والد تھے اور نوفل ابن عبد مناف کا پوتا ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے ہم جد قرابتی تھے، ان (مطعم) کا آنحضرت ﷺ پر ایک یہ احسان تھا کہ جب آنحضرت ﷺ تبلیغ اسلام کے لئے طائف تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آئے تو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو پھر اپنے نرغے میں لے کر نقصان پہنچانا چاہا مگر مطعم نے ان مشرکین کو آنحضرت ﷺ سے دور کیا، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے جبیرؓ کے سامنے مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے جس کا ایک بڑا مقصد جبیرؓ کی تالیف قلب اور ان کو اسلام کی طرف راغب کرنا تھا۔

حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ پر حملے کا ارادہ کرنے والے کفار مکہ کو گرفتار کر کے چھوڑ دینے کا واقعہ

(۷) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ ثَمَانِيْنَ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ هَبَطُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَبَلِ التَّنْعِيْمِ

مُتَسَلِّحِيْنَ يُرِيْدُوْنَ غِرَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهٖ فَاَخَذَهُمْ سِلْمًا فَاسْتَحْيَاهُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاعْتَقَهُمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ (صلح حدیبیہ کے سال) نبی کریم ﷺ کے خلاف مکہ کے اسی آدمی ہتھیاروں سے لیس ہو کر تنعیم کے پہاڑ سے اتر آئے جن کا ارادہ یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ پر اچانک حملہ کر کے ان کو نقصان پہنچائیں لیکن آنحضرت ﷺ نے (لڑے بھڑے بغیر) ان سب کو بے بس اور ذلیل کر کے گرفتار کر لیا اور پھر ان کو زندہ چھوڑ دیا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ "اور پھر ان کو رہا کر دیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے نواح مکہ میں ان (کفار) کا ہاتھ تمہارے خلاف اور تمہارا ہاتھ ان کے خلاف بند رکھا۔" (مسلمؒ)

جنگ بدر کے بعد مقتولین مکہ سے آنحضرت ﷺ کا خطاب

⑧ وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ ذَكَرَ لَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْ طَلْحَةَ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ بِاَرْبَعَةٍ وَعِشْرِيْنَ رَجُلًا مِنْ صَنَادِيْدِ قُرَيْشٍ فَقُذِفُوْا فِيْ طَوِيٍّ مِنْ اَطْوَاءِ بَدْرٍ خَبِيْثٍ مُخْبِثٍ وَكَانَ اِذَا ظَهَرَ عَلٰى قَوْمٍ اَقَامَ بِالْعَرْصَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَلَمَّا كَانَ بِبَدْرٍ الْيَوْمَ الثَّالِثَ اَمَرَ بِرَاحِلَتِهٖ فَشُدَّ عَلَيْهَا رَحْلُهَا ثُمَّ مَشٰى وَاتَّبَعَهٗ اَصْحَابُهٗ حَتّٰى قَامَ عَلٰى شَفَةِ الرَّكِيِّ فَجَعَلَ يُنَادِيْهِمْ بِاَسْمَائِهِمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَائِهِمْ يَا فُلَانُ ابْنَ فُلَانٍ وَيَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ اَيَسُرُّكُمْ اَنَّكُمْ اَطَعْتُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا تُكَلِّمُ مِنْ اَجْسَادٍ لَا اَرْوَاحَ لَهَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لَا يُجِيْبُوْنَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ قَالَ قَتَادَةُ اَحْيَاهُمُ اللّٰهُ حَتّٰى اَسْمَعَهُمْ قَوْلَهٗ تَوْبِيْخًا وَتَصْغِيْرًا وَنِقْمَةً وَحَسْرَةً وَنَدَمًا۔

"اور حضرت قتادہؒ کہتے ہیں حضرت انس بن مالکؓ نے حضرت ابوطلحہؓ کے حوالہ سے ہمارے سامنے یہ بیان کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن (مکہ کے) کفار قریش کے چوبیس (مقتولین) سرداروں کے بارے میں حکم دیا (کہ ان کو ٹھکانے لگا دیا جائے) چنانچہ ان کی نعشوں کو بدر کے ایک ایسے کنویں میں ڈال دیا گیا جو ناپاک تھا اور ناپاک کرنے والا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی یہ عادت تھی کہ جب آپ ﷺ (جنگ میں (کسی قوم (یعنی دشمنوں) پر غلبہ اور فتح پالیتے تھے تو اس میدان جنگ میں تین راتیں قیام فرماتے تھے چنانچہ (اسی عادت کے مطابق آپ ﷺ جنگ جیت لینے کے بعد بدر کے میدان جنگ میں بھی تین راتیں قیام فرما رہے اور) جب تین دن گذر گئے تو آپ ﷺ نے اپنی سواری کے اونٹ پر کجاوہ باندھنے کا حکم دیا، چنانچہ کجاوہ باندھ دیا گیا اور وہاں سے روانہ ہوئے اور آپ کے صحابہؓ بھی آپ ﷺ کے پیچھے ہو لئے (جب اس کنوئے پر پہنچے جس میں سرداران قریش کی نعشیں ڈالی گئی تھیں تو) آپ ﷺ اس کنوئیں کے کنارے کھڑے ہو گئے اور ان سرداروں کو ان کا اور ان کے باپوں کا نام لے کر پکارنا شروع کیا کہ "اے فلاں ابن فلاں اور اے فلاں ابن فلاں (اور پھر گویا ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ) (اب) تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے؟ بلاشبہ ہمیں تو وہ چیز حاصل ہو گئی جس کا ہم سے ہمارے رب نے قطعی وعدہ کیا تھا (یعنی تمہارے مقابلہ پر ہماری فتح اور باطل طاقتوں پر ہمارے غلبہ کا) اور کیا تم نے بھی وہ چیز پالی جس کا تم سے تمہارے پروردگار نے قطعی وعدہ کیا تھا یعنی تمہارے عذاب کا (مطلب یہ کہ ہم کو تو خدا کے وعدے کے مطابق فتح و کامیابی حاصل ہو گئی کیا تم کو بھی عذاب ملا جس سے تمہارے پروردگار نے تمہیں ڈرایا تھا؟ گویا آنحضرت ﷺ کا یہ سوال ازراہ توبیخ تھا) حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ! کیا آپ ایسے جسموں کو مخاطب کر رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں!؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، ان (جسموں سے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس کو زیادہ سننے والے نہیں

ہو۔" (اور ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ تم انسے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن (فرق صرف اتنا ہے کہ تم جواب دینے پر قادر ہو اور) یہ جواب نہیں دے سکتے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

بخاریؒ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت قتادہؒ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ان (سرداران قریش) کو آنحضرتؐ کے خطاب کے وقت) زندہ کر دیا تھا تاکہ وہ آنحضرت ﷺ کی بات کو سن لیں جس سے (اسی دنیا میں آنحضرت ﷺ کے سامنے) ان کو سرزنش ہو اور وہ ذلت وخواری، عذاب اور افسوس وپشیمانی کو محسوس کریں۔"

تشریح: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ وغیرہ نے اس حدیث کے ذریعہ سماع موتی کے مسئلہ کو ثابت کیا ہے جب کہ اکثر حنفی علماء نے اس (سماع موتی) کا انکار کیا ہے، ان علماء کی طرف سے مختلف انداز میں جواب دیئے گئے ہیں جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں جیسے فتح القدیر وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

غزوۂ حنین کے قیدیوں کی واپسی

⑨ وَعَنْ مَرْوَانَ وَالْمِسْوَرِبْنِ مَخْرَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ حِيْنَ جَاءَهُ وَفْدُهَوَازِنَ مُسْلِمِيْنَ فَسَأَلُوْهُ اَنْ يَرُدَّ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَسَبْيَهُمْ فَقَالَ فَاخْتَارُوْا اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ اِمَّا السَّبْيَ وَ اِمَّا الْمَالَ قَالُوْا فَاِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَاهُوَاَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ اَمَّابَعْدُ فَاِنَّ اِخْوَانَكُمْ قَدْجَآءُ وْاتَائِبِيْنَ وَاِنِّي قَدْرَأَيْتُ اَنْ اَرُدَّ اِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يُّطَيِّبَ ذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يَكُوْنَ عَلٰى حَظِّهٖ حَتّٰى نُعْطِيَهٗ اِيَّاهُ مِنْ اَوَّلِ مَايُفِيْئُ اللّٰهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ فَقَالَ النَّاسُ قَدْطَيَّبْنَا ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا لَانَدْرِيْ مَنْ اَذِنَ مِنْكُمْ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ فَارْجِعُوْا حَتّٰى يَرْفَعَ اِلَيْنَا عُرَفَاءُكُمْ اَمْرَكُمْ فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاءُهُمْ ثُمَّ رَجَعُوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرُوْهُ اَنَّهُمْ قَدْطَيَّبُوْا وَاَذِنُوْا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت مروان اور حضرت مسور ابن مخرمہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اس وقت (خطبہ ارشاد کرنے کے لئے) کھڑے ہوئے جب قبیلہ ہوازن کے لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ ان کا مال اور ان کے قیدی واپس کر دیئے جائیں، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ دونوں چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کر لو یعنی یا تو قیدیوں کو رہا کرا لے جاؤ یا مال واپس لے لو؟" انہوں نے عرض کیا کہ "ہم اپنے قیدیوں کو رہا کرانا پسند کرتے ہیں" تب رسول کریم ﷺ نے (صحابہؓ کے سامنے) یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ پہلے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی جس کا وہ مستحق ہے اور پھر فرمایا کہ ابعد ازاں! یہ (قبیلہ ہوازن کے لوگ) جو تمہارے (دینی یا نسبی) بھائی ہیں (اپنے کفر وشرک سے) توبہ کر کے (اور مسلمان ہو کر) تمہارے پاس آئے ہیں، میں نے اس چیز کو مناسب سمجھا ہے کہ ان کو ان کے قیدی واپس کر دوں، لہٰذا تم میں سے جو شخص خوشی کے ساتھ قیدیوں کو واپس کرنا چاہے تو وہ ایسا ہی کرے (یعنی اس کے پاس جو قیدی ہے اس کو واپس کر دے) اور جو شخص اپنے حصہ پر قائم رہنا چاہے بایں قتیکہ ہم اس کو اس کا عوض اس پہلے آنے والے مال میں سے نہ دے دیں جو اللہ تعالیٰ ہمیں غنیمت کے طور پر عطا کرے تو وہ ایسا ہی کرے (یعنی جو شخص اپنے حصے کے قیدی کو بغیر معاوضہ نہ دینا چاہے تو وہ ہمیں بتائے کہ وہ کیا معاوضہ لے گا تاکہ ہم یہ انتظام کر دیں کہ اب کہیں سے جو سب سے پہلے مال غنیمت آئے اس میں سے اس کا وہ معاوضہ ادا کر دیا جائے) لوگوں نے (یعنی بعض صحابہؓ یا بلا امتیاز تمام صحابہؓ نے) عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ہم اس پر (یعنی قیدیوں کو واپس کر دینے پر) خوشی کے ساتھ آمادہ ہیں" رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہمیں (اس مجمع میں) یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ تم میں سے کون شخص راضی ہے اور جو شخص راضی نہیں ہے اس کا امتیاز نہیں کیا جاسکتا لہٰذا تم سب لوگ (اپنے اپنے گھر) لوٹ جاؤ (اور اپنے خاندان وقبیلہ کے سرداروں سے اس بارے میں مشورہ کر لو) تاآنکہ تمہارے (وہ)

سردار تفصیل کے ساتھ) ہمارے سامنے تمہارا فیصلہ پیش کریں۔" چنانچہ سب لوگ لوٹ کر چلے گئے اور جب ان کے سرداروں نے ان سے گفتگو کرلی تو وہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واپس آئے اور آپ ﷺ کو بتایا کہ وہ (قیدیوں کو واپس کردینے پر) راضی ہیں اور انہوں نے (اس امر کی) اجازت دے دی ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: مکہ مکرمہ سے شمال مشرقی جانب طائف کے لئے جو راستہ جاتا ہے اس راستے پر ایک وسیع میدان ملتا ہے جس کے اطراف میں پہاڑیاں ہیں اور اس سے گذرنے کے بعد ایک چھوٹی سی بستی ملتی ہے، اس میدان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کے اس پاس قبیلہ ہوازن کے لوگ آباد تھے اور یہیں فتح مکہ کے بعد وہ غزوہ ہوا تھا جس کو غزوۂ حنین یا غزوۂ ہوازن کہتے ہیں۔ اس غزوہ میں غنیمت کا بہت زیادہ مال مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور دشمن کے بے شمار بال بچے قیدی بنا کر دینے لائے گئے تھے جن کو صحابہؓ کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا چنانچہ جب اس غزوہ کے بعد قبیلہ ہوازن کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوگئے تو وہ دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور اپنے مال اور اپنے قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ کیا، چونکہ ان کا مال اور قیدی مجاہدین اسلام (یعنی صحابہؓ) کی ملکیت ہو گئے تھے اور ان کی اجازت کے بغیر ان کی ملکیت کو واپس کرنا جائز نہیں تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس سلسلے میں صحابہؓ کے سامنے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا اور ان سے مذکورہ اجازت طلب کی۔

گرفتاری کے بدلے گرفتاری

(۱۰) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَ ثَقِيْفٌ حَلِيْفًا لِبَنِيْ عُقَيْلٍ فَاَسَرَتْ ثَقِيْفٌ رَجُلَيْنِ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَسَرَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَجُلاً مِنْ بَنِيْ عُقَيْلٍ فَاَوْثَقُوْهُ فَطَرَحُوْهُ فِي الْحَرَّةِ فَمَرَّبِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فِيْمَ اُخِذْتُ قَالَ بِجَرِيْرَةِ حُلَفَائِكُمْ ثَقِيْفٍ فَتَرَكَهٗ وَمَضٰى فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَرَحِمَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَجَعَ قَالَ مَا شَاْنُكَ قَالَ اِنِّيْ مُسْلِمٌ فَقَالَ لَوْ قُلْتَهَا وَاَنْتَ تَمْلِكُ اَمْرَكَ اَفْلَحْتَ كُلَّ الْفَلَاحِ قَالَ فَفَدَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالرَّجُلَيْنِ الَّذَيْنِ اَسَرَتْهُمَا ثَقِيْفٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمرانؓ ابن حصین کہتے ہیں کہ قبیلۂ ثقیف، بنو عقیل کا حلیف تھا، چنانچہ جو قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں کو گرفتار کر لیا تو رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ نے بنو عقیل کے ایک آدمی کو گرفتار کر لیا اور اس کو مضبوطی سے باندھ کر حرہ میں ڈال دیا۔ رسول کریم ﷺ ادھر سے گذرے تو اس (قیدی) نے پکارا "محمد (ﷺ)! محمد (ﷺ)! مجھے کس جرم میں گرفتار کر لیا گیا ہے؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اپنے حلیف، قبیلہ ثقیف (کے لوگوں کے جرم میں یعنی قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے ہمارے دو مسلمانوں کو پکڑ لیا ہے، ان کے بدلے میں تمہیں پکڑ لیا گیا ہے۔" (یہ کہہ کر) آپ ﷺ نے اس کو اس کے حال پر (اس کی جگہ) چھوڑ دیا اور آگے بڑھ گئے، اس نے آنحضرت ﷺ کو پھر پکارا "محمد (ﷺ)! محمد!" رسول کریم ﷺ کو اس پر رحم آگیا، آپ ﷺ اس کے پاس واپس آئے اور فرمایا کہ تم "کس حال میں ہو؟" اس نے کہا کہ "میں مسلمان ہوں" آپ ﷺ نے فرمایا (کاش!) تم یہ بات اس وقت کہتے، جب تم خود اپنے اختیار کے مالک تھے (یعنی جب کہ تم قید ہونے سے پہلے اپنے اوپر اختیار رکھتے تھے اور تم پر کوئی دباؤ نہیں تھا اگر اس وقت بطریق رغبت کے یہ کہتے کہ میں مسلمان ہوں" تو تم نجات پا جاتے کامل نجات (یعنی دنیا میں تو یہ نجات ملتی کہ قید نہ ہوتے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب سے چھٹکارا پاتے)" راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے اس کو ان دونوں آدمیوں کے بدلے میں جن کو ثقیف نے گرفتار کیا تھا چھوڑ دیا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "ثقیف" عرب کے ایک بڑے اور مشہور قبیلہ کا نام ہے۔ جو بنو ہوازن کی ایک شاخ اور طائف میں آباد تھا، اسی طرح "بنو عقیل" بھی ایک قبیلہ تھا، یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ زمانہ جاہلیت کے عرب میں یہ دستور تھا کہ قبائل آپس میں

ایک دوسرے کے درمیان حلف وقسم کے ساتھ یہ عہدو پیمان کیا کرتے تھے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے برے بھلے کام کے ساتھی ہوں گے اور ہم میں سے کسی ایک کا دشمن دوسرے کا بھی دشمن اور کسی ایک کا دوست دوسرے کا بھی دوست ہوگا، لیکن جب اسلام کا زمانہ آیا تو زمانۂ جاہلیت کے دستور کے مطابق وہ قسما قسمی تو جائز رہی جس کا تعلق حق اور جائز باتوں سے تھا لیکن جس کا تعلق ناحق اور ناجائز باتوں سے تھا اس کو ختم کر دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ اسلام کا جو حلف ہے وہ کافی ہے۔

"بنو عقیل کے ایک آدمی کو گرفتار کر لیا" یعنی قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے جن دو صحابہؓ کو پکڑ کر اپنے یہاں قید کر لیا تھا ان کے بدلے میں مسلمانوں نے بنو عقیل کا ایک آدمی پکڑ کر اپنے یہاں باندھ دیا۔ کیونکہ اس وقت قبائل کا باہمی دستور یہی تھا کہ ایک حلیف کے جرم میں دوسرے حلیف کے آدمی کو پکڑ لیا جاتا تھا چنانچہ مسلمانوں نے بھی اسی دستور کے مطابق عمل کیا اور بظاہر اس میں مصلحت بھی تھی۔

"حرہ" مدینہ کے مضافات میں پہاڑی علاقہ کے اس قطعہ کو کہا جاتا تھا جس کی زمین کالی پتھریلی تھی۔

"میں مسلمان ہوں الخ" ان الفاظ کے ذریعہ اس شخص نے گویا یہ بتانا چاہا کہ میں پہلے ہی سے مسلمان ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو غیر مسلم، مسلمانوں کی قید میں ہو اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں مسلمان ہوں تو اس کی بات کو اس وقت تک تسلیم نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا دعویٰ گواہی کے ذریعہ ثابت نہ ہو جائے۔ لیکن یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ اس شخص کی یہ مراد ہو میں اب اسلام قبول کرتا ہوں۔ بہر حال آنحضرت ﷺ نے اس کے دعویٰ اسلام کو قبول نہیں کیا کیونکہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہ یا تو از راہ نفاق اپنے اسلام کا دعویٰ کر رہا ہے یا بطریق اضطرار وہ اس دعوے پر مجبور ہے اسی لئے آپ ﷺ نے اسے جھوٹا سمجھتے ہوئے دار الحرب جانے دیا۔ اس اعتبار سے اس شخص کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا یہ معاملہ گویا آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

جنگ بدر کے قیدیوں میں سے آنحضرت ﷺ کے داماد ابوالعاص کی رہائی کا واقعہ

(۱۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَعَثَ اَهْلُ مَكَّةَ فِيْ فِدَاءِ اُسَرَائِهِمْ بَعَثَتْ زَيْنَبُ فِيْ فِدَاءِ اَبِي الْعَاصِ بِمَالٍ وَبَعَثَتْ فِيْهِ بِقِلَادَةٍ لَهَا كَانَتْ عِنْدَ خَدِيْجَةَ اَدْخَلَتْهَا بِهَا عَلٰى اَبِي الْعَاصِ فَلَمَّا رَآهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَقَّ لَهَا رِقَّةً شَدِيْدَةً وَقَالَ اِنْ رَاَيْتُمْ اَنْ تُطْلِقُوْا لَهَا اَسِيْرَهَا وَتَرُدُّوْا عَلَيْهَا الَّذِيْ لَهَا فَقَالُوْا نَعَمْ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ عَلَيْهِ اَنْ يُخَلِّيَ سَبِيْلَ زَيْنَبَ اِلَيْهِ وَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ وَرَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ كُوْنَا بِبَطْنِ يَاْجِجَ حَتّٰى تَمُرَّ بِكُمَا زَيْنَبُ فَتَصْحَبَاهَا حَتّٰى تَاْتِيَا بِهَا۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

"حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب (جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو کفار مکہ پر غلبہ اور فتح عطا فرمائی اور ان میں سے کچھ تو قتل کر دیئے گئے اور کچھ قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے اور پھر آنحضرت ﷺ نے ان کی رہائی کے بدلے میں مال طلب کیا تو) اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کی رہائی کا معاوضہ روانہ کیا، (آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی) حضرت زینبؓ نے بھی (اپنے شوہر) ابوالعاص کی رہائی کے بدلے میں کچھ مال بھیجا جس میں ان کا وہ ہار بھی تھا جو (پہلے) حضرت خدیجہؓ کے پاس تھا اور اس کو انہوں نے ابوالعاص کے ساتھ زینبؓ کے نکاح کے وقت ان کو (جہیز میں) دیا تھا، جب رسول کریم ﷺ نے وہ ہار دیکھا تو زینبؓ کے لئے آپ ﷺ پر سخت رقت طاری ہو گئی (یعنی) اس وقت اپنی بیٹی حضرت زینبؓ کی غربت و تنہائی کا احساس کر کے اور حضرت خدیجہؓ کی رفاقت کی یاد تازہ ہو جانے کی وجہ سے جن کے گلے میں وہ ہار رہتا تھا آپ ﷺ کا دل امنڈ آیا) اور آپ ﷺ نے (صحابہؓ سے) فرمایا کہ "اگر تم مناسب سمجھو تو زینبؓ کی خاطر اس کے قیدی (ابوالعاص) کو (بلا معاوضہ) رہا کر دو اور اس (زینبؓ) کو اس کی (وہ سب) چیزیں (جو اس نے ابوالعاص کی رہائی کے لئے بھیجی ہیں) واپس کر دو۔" صحابہ نے عرض کیا کہ بہتر ہے (ہم زینبؓ کا مال واپس کر کے ابوالعاص کو بلا معاوضہ رہا کر دیتے ہیں) چنانچہ (ابوالعاص کو رہا کر دیا

گیا اور رہائی کے وقت) آنحضرت ﷺ نے ابوالعاص سے یہ عہد و وعدہ لیا کہ وہ آپ ﷺ کے پاس زینبؓ کے آنے کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالیں (یعنی آپ ﷺ نے ابوالعاص کو رہا کرتے وقت ان سے کہا کہ یہ پختہ وعدہ کرو کہ مکہ پہنچ کر زینبؓ کو میرے پاس مدینہ آنے دو گے اور اس کا راستہ نہیں روکو گے) اور پھر رسول کریم ﷺ نے زید ابن حارثہؓ اور انصار میں سے ایک شخص کو (مکہ) روانہ کیا اور ان سے کہا کہ تم لوگ بطن یاجج میں ٹھہر جانا، جب زینبؓ (مکہ سے روانہ ہو کر) وہاں تمہارے پاس آجائے تو تم اس کے ساتھ ہو جانا اور (مدینہ) لے آنا۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: حضرت زینبؓ آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں، اور ابوالعاص ابن ربیع جو عبدالعزیٰ ابن عبدشمس ابن عبد مناف کے پوتے تھے، اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے اور حضرت زینبؓ کے شوہر ہونے کی وجہ سے داماد بھی تھے۔

حضرت خدیجہؓ، آنحضرت ﷺ کی سب سے پہلی زوجہ مطہرہ ہیں، آپ ﷺ کی ساری اولاد علاوہ ابراہیمؑ کے حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے تھی۔ ابراہیم جن کا کم سنی میں انتقال ہو گیا تھا حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے۔

حضرت زینبؓ جو ایک کافر یعنی ابوالعاص کے نکاح میں تھیں تو اس کا سبب یہ تھا کہ اس وقت مسلمان عورت کا کافر مرد کے ساتھ نکاح جائز تھا، نیز مکہ سے حضرت زینبؓ کو لانے کے لئے آنحضرت ﷺ کی طرف سے ایسے دو آدمیوں کا بھیجا جانا جو حضرت زینبؓ کے شرعی محرم نہیں تھے ایک بالکل مخصوص نوعیت کا معاملہ تھا اور وہ ایک ایسی صورت تھی جو (امن) کی صورت کہلائی جا سکتی ہے کہ حضرت زینبؓ چونکہ صاحبزادیٔ رسول تھیں اس لئے ان کے ساتھ کسی غیر محرم کا ہونا کسی قسم کے شک و شبہ سے بالاتر تھا اور کسی خوف و خطرہ کے پیدا ہونے کا سوال نہیں تھا۔ ویسے یہ ایک عام مسئلہ ہے کہ عورت کو کسی نامحرم کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے

"بطن یاجج" ایک جگہ کا نام تھا جو مکہ سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس لفظ "یاجج" کو صاحب قاموس نے یا اور دونوں جیم کے ساتھ یعنی "یاجج" لکھا ہے، اور علماء نے اس کو نون اور یا و جیم کے ساتھ یعنی "ناجج" بھی نقل کیا ہے، چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح کے اکثر قدیم نسخوں میں یہ لفظ "ناجج" ہی مذکور ہے۔

حضرت زینبؓ جب مکہ سے مدینہ آگئیں تو ابوالعاص مکہ ہی میں رہے اور کفر کی حالت پر قائم رہے، کچھ دنوں کے بعد ان کو تجارت کی غرض سے شام کا سفر کرنا پڑا، جب مدینہ کے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ابوالعاص اس سفر میں مدینہ کے قریب سے گذرنے والے ہیں تو انہوں نے یہ اسکیم بنائی کہ ابوالعاص جیسے ہی مدینہ کے علاقہ میں داخل ہوں ان کا سارا مال چھین لیا جائے، اس اسکیم کی خبر حضرت زینبؓ کو پہنچی تو ان کا دل شوہر کی محبت میں بے تاب ہو گیا، فوراً آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ "یا رسول اللہ (ﷺ) کیا مسلمانوں میں سے کسی ایک کے عہد امان کا اعتبار نہیں ہے؟ یعنی اگر کوئی ایک مسلمان کسی کافر کو عہد امان دے دے تو پھر یہ سارے ہی مسلمانوں کی ذمہ داری ہو گی تاکہ وہ اس کافر کو امان و پناہ دیں؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں! ایک مسلمان کے عہد امان کا اعتبار ہے۔" حضرت زینبؓ نے کہا کہ "تو پھر یا رسول اللہ (ﷺ) آپ (ﷺ) گواہ رہئے کہ میں ابوالعاص کو عہد امان دیتی ہوں۔" جب صحابہؓ نے یہ حال دیکھا تو ان کے لئے اپنی اسکیم پر عمل کرنا قطعاً ممکن نہیں رہا تاہم وہ بغیر ہتھیار و اسلحہ کے مدینہ کے قریب ابوالعاص کی گذرگاہ پر پہنچے اور ان سے ملے تو کہا کہ "ابوالعاص! تم قریش کے ایک معزز و شریف اور صاحب حیثیت فرد ہو اور پیغمبر اسلام ﷺ کے چچا کے بیٹے بھی ہو (اس نسبت سے تمہارے حق میں اس سے بہتر اور کوئی راہ نہیں ہے کہ) تم مسلمان ہو جاؤ تاکہ (تمہیں آخرت کی فلاح و نجات تو ملے ہی گی) تمہارا یہ سب مال بھی تمہارے ہی پاس رہے۔" ابوالعاص نے (یہ سن کر) کہا کہ "تم نے جو یہ کہا ہے (کہ مسلمان ہو جانے کی وجہ سے مال محفوظ رہے گا) تو یہ ایک قطعی نامناسب اور غیر موزوں بات ہے میں اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے اسلام کو مال و دولت (کی کثافت) سے گندہ کروں!" اس کے بعد ابوالعاص مکہ روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر لوگوں کا مال ان کے سپرد کیا اور پھر (سب کو جمع کر کے) کہا کہ مکہ والو! تم لوگوں کے مال تمہارے پاس پہنچ گئے؟ انہوں نے کہا کہ "ہاں، پہنچ گئے۔" پھر ابوالعاص

نے ان کے سامنے اعلان کیا کہ "تم سب گواہ رہو!" میں مسلمان ہو گیا ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰه۔

اس کے بعد حضرت ابوالعاص نے مکہ میں اپنا گھربار، دوست عزیز، اور مال و اسباب سب کچھ چھوڑ کر راہ ہجرت اختیار کی اور مدینہ پہنچ کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے بکمال محبت و الفت ان کو خوش آمدید کہا، اور حضرت زینبؓ کو ان کی سپردگی میں دے دیا۔

اس بارہ میں اختلافی قوال ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ابوالعاصؓ کے مدینہ پہنچنے پر حضرت زینبؓ سے ان کا دوبارہ (از سرنو) نکاح کیا تھا یا پہلا ہی نکاح باقی رکھا تھا۔

آنحضرت ﷺ کو ابوالعاصؓ سے بہت زیادہ تعلق تھا، خاص طور سے ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد تو آپ ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور ان سے بہت خوش رہا کرتے تھے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں جنگ یمامہ کے دوران شہید ہوئے۔

جنگ بدر کے قیدیوں میں سے قتل کئے جانے والے کفار

(۱۲) وَعَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَسَرَ اَهْلَ بَدْرٍ قَتَلَ عُقْبَةَ بْنَ اَبِيْ مُعَيْطٍ وَالنَّضْرَ بْنَ الْحَارِثِ وَمَنَّ عَلٰى اَبِيْ عَزَّةَ الْجُمَحِيِّ۔ (رواه فی شرح السنة)

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بدر (کی جنگ میں مجاہدین اسلام کے خلاف لڑنے) والوں (میں سے جن کفار) کو قید کیا تھا ان میں سے عقبہ ابن ابو معیط اور نضر ابن حارث کو قتل کرا دیا اور ابوعزہ کو (بلا معاوضہ رہا کر کے) ممنون کیا۔" (شرح السنة)

تشریح: امام وقت (یعنی اسلامی مملکت کے سربراہ) کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جو غیر مسلم (دشمن کے لوگ) اس کی قید میں ہوں اور وہ اسلام قبول نہ کریں تو وہ چاہے ان کو موت کے گھاٹ اتار دے، چاہے غلام بنا کر رکھے اور چاہے مسلمانوں کے عہد امان کی بناء پر ان کو آزاد کر کے چھوڑ دے، البتہ ان کو ممنون کرنا یعنی بلا کسی معاوضہ کے ان کو رہا کر دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا جواز منسوخ ہو گیا ہے۔

(۱۳) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَرَادَ قَتْلَ عُقْبَةَ بْنِ اَبِيْ مُعَيْطٍ قَالَ مَنْ لِلصِّبْيَةِ قَالَ النَّارُ۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب عقبہ ابن ابو معیط کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا تو (اس نے) کہا کہ (میرے) بچوں کو کون پالے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "آگ"۔ (ابوداؤدؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ بچوں کو آگ پالے گی، گویا ان بچوں کے ضائع ہو جانے کے مفہوم کا حامل ہے، یعنی اگر آگ اس چیز کی صلاحیت رکھتی کہ وہ کسی کی مددگار و غمخوار ہو سکتی تو یقیناً وہ بچوں کی بھی مددگار و کفیل ہوتی لیکن چونکہ وہ ایسی صلاحیت ہی نہیں رکھتی اس لئے بچوں کا کوئی دوسرا مددگار و کفیل نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تباہی لازمی ہے۔

یا آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ تو اب اپنی فکر کر کہ دوزخ کی آگ تیرا ٹھکانا بننے والی ہے، بچوں کی فکر میں مبتلا نہ ہو کہ ان کی پرورش نہ تجھ پر منحصر ہے اور نہ کسی دوسرے پر، ان کا مددگار و کفیل خدا کی ذات ہے، وہی ان کی پرورش کرائے گا۔

جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں دیا گیا اختیار

(۱۴) وَعَنْ عَلِيٍّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ جِبْرِيْلَ هَبَطَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ خَيِّرْهُمْ يَعْنِيْ اَصْحَابَكَ فِيْ اُسَارٰى بَدْرٍ الْقَتْلَ اَوِ الْفِدَاءَ عَلٰى اَنْ يُّقْتَلَ مِنْهُمْ قَابِلًا مِثْلُهُمْ قَالُوا الْفِدَاءَ وَيُقْتَلُ مِنَّا۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام، آنحضرت کے پاس تشریف لائے اور

کہا کہ آپ (ﷺ) اپنے صحابہؓ کو جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختیار دے دیجئے کہ خواہ وہ ان قیدیوں کو قتل کر دیں یا فدیہ لے لیں (یعنی مال لے کر ان کو چھوڑ دیں) لیکن فدیہ لینے کی صورت میں آئندہ سال ان (صحابہؓ) کے اتنے ہی (یعنی ستر) آدمی مارے جائیں گے۔ صحابہؓ نے (اس اختیار کو سن کر) عرض کیا کہ "ہم فدیہ لینے کو اور اپنے ستر آدمیوں کے مارے جانے کو اختیار کرتے ہیں۔" اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: جنگ بدر میں مکہ کے جو کفار قریش مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے تھے ان میں سے ستر کفار قریش قتل کر دیئے گئے تھے اور ستر ہی کی تعداد گرفتار کر کے مدینہ لائی گئی تھی، جب یہ ستر قیدی مدینہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں صائب الرائے صحابہ سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے، آیا ان کو قتل کر دیا جائے یا فدیہ یعنی مالی معاوضہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے؟ حضرت ابوبکرؓ نے یہ مشورہ دیا کہ آپ ﷺ ان کو قتل نہ کرائیے بلکہ زندہ چھوڑ دیجئے، عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو کفر سے توبہ کی توفیق عطا فرمادے اور یہ مسلمان ہو جائیں، البتہ ان سے فدیہ لے لیجئے تاکہ ان سے فدیہ کے طور پر جو مال حاصل ہو وہ آپ کے رفقاء (یعنی مسلمانوں کی تقویت اور ان کی کچھ دینی و دنیوی ضروریات کے تکمیل کا ذریعہ بن جائے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ "میری رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ ان سب کی گردن اڑا دیجئے کیونکہ یہ کفر و شرک کے پیشوا اور سردار ہیں (ان کی موت سے کفر و شرک پر کاری ضرب لگے گی) اور (جہاں تک ان کی رہائی کے ذریعہ کچھ مالی منفعت حاصل ہو جانے کا سوال ہے تو) اللہ تعالے نے آپ (ﷺ) کو مال حاصل کرنے سے مستغنی و بے نیاز بنا رکھا ہے! آنحضرت ﷺ نے یہ اختلاف آراء دیکھتے ہوئے (حضرت جبرئیل علیہ السلام کے مشورہ پر) صحابہؓ کو اختیار دے دیا کہ تم لوگ دونوں چیزوں میں سے کسی ایک کو منتخب کر لو کہ چاہے تو اپنے قیدیوں کی گردن اڑا دو اور چاہے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دو لیکن یہ واضح رہے کہ فدیہ لینے کی صورت میں یہ مقدر ہو چکا ہے کہ آئندہ سال تم میں ستر آدمی شہید ہوں گے اور فی الجملہ کفار کو فتح بھی حاصل ہوگی۔ صحابہؓ نے اس انتباہ کے باوجود فدیہ لینے کو اختیار کیا۔ جب آئندہ سال غزوۂ احد ہوا اور میدان جنگ میں مسلمانوں کو زبردست مقابلہ کا سامان کرنا پڑا یہاں تک کہ ایک موقع پر پسپائی کی صورت بھی اختیار کرنی پڑی، تو آنحضرت ﷺ نے ایک سال پہلے جس چیز سے متنبہ کیا تھا وہ سامنے آگئی یعنی اس غزوہ میں مسلمانوں کو اپنی ستر قیمتی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا اور ان ستر شہیدوں میں حضرت حمزہؓ ابن عبدالمطلب اور حضرت مصعبؓ ابن عمیر جیسے جلیل القدر صحابہؓ بھی شامل تھے۔

ہنگامۂ جنگ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ، دونوں رو رہے ہیں، انہوں نے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ مجھے بھی بتائیے تاکہ میں بھی رووں! آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھیوں پر روتا ہوں جنہوں نے فدیہ لینے کو اختیار کیا تھا اور (آپ کے نزدیک ایک درخت کھڑا تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ) مجھے اس درخت سے بھی زیادہ قریب سے ان کا عذاب دکھایا گیا ہے۔" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر ان پر عذاب نازل کیا جاتا تو اس عذاب سے عمرؓ اور سعدؓ ابن معاذ کے علاوہ اور کسی کو نجات نہ ملتی (حضرت سعدؓ ابن معاذ بھی حضرت عمرؓ کی اس رائے کے حامی تھے کہ ان قیدیوں سے فدیہ نہیں لینا چاہئے بلکہ ان کو قتل کر دینا ہی مناسب ہے)۔

بہر حال۔ صحابہ کرامؓ نے فدیہ لینے کو جو اختیار کیا تو اس کی بنیاد ان قیدیوں کے تئیں ان (صحابہؓ) کی یہ انتہائی خواہش اور رغبت تھی کہ اگر یہ قتل ہونے سے بچ گئے تو شاید کبھی نہ کبھی مسلمان ہو جائیں نیز آئندہ سال خود اپنے شہید ہو جانے کی تمنا بھی اس کا محرک بنی اس کے ساتھ ہی ان قیدیوں کے اہل و عیال اور ان کے اقرباء کے ساتھ ان (صحابہ) کا جذبہ ترحم بھی اس کا متقاضی ہوا کہ یہ قیدی قتل نہ کئے جائیں۔

اس موقع پر ایک یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کو دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو پسند کرنے کا اختیار دے دیا گیا تھا اور

اسی اختیار کی بناء پر انہوں نے ایک چیز کو پسند کر لیا تو پھر ان پر عتاب کیوں ہوا، یہ عتاب اس اختیار کے منافی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختیار دینا در اصل بطریق امتحان و آزمائش تھا کہ دیکھیں یہ لوگ (مسلمان) اس چیز کو اختیار کرتے ہیں جو پسندیدۂ حق ہے یا اس چیز کو اختیار کرتے ہیں جو ان کے دل کی خواہش کے مطابق ہے۔ اسی اعتبار سے وہ لوگ گویا اس امتحان و آزمائش میں کامیاب نہیں رہے کیونکہ انہوں نے اس چیز کو اختیار کیا جس کو ان دل نے چاہا، لہٰذا ان پر عذاب ہوا۔

علامہ تورپشتیؒ نے اس (اختیار دینے والی) حدیث کو بعید جانا ہے کیونکہ یہ بظاہر اس بات کے مخالف ہے جو قرآن کریم سے مفہوم ہوتی ہے نیز ترمذیؒ نے اس روایت پر "غرابت" کا حکم لگایا ہے، لیکن میں نے کہا ہے کہ غریب روایت کے ذریعہ کوئی بات ثابت کرنا موجب طعن نہیں ہے کیونکہ غریب روایت کبھی صحیح بھی ہوتی ہے

قیدیوں کی تحقیق و تفتیش

(۱۵) وَعَنْ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ قَالَ كُنْتُ فِيْ سَبْيِ قُرَيْظَةَ عُرِضْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانُوْا يَنْظُرُوْنَ فَمَنْ اَنْبَتَ الشَّعْرَ قُتِلَ وَمَنْ لَمْ يُنْبِتْ لَمْ يُقْتَلْ فَكَشَفُوْا عَانَتِيْ فَوَجَدُوْهَا لَمْ تُنْبِتْ فَجَعَلُوْنِيْ فِي السَّبْيِ۔

(رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت عطیہ قرظیؓ کہتے ہیں کہ بنو قریظہ کے جو لوگ قیدی بنا کر لائے گئے تھے ان میں میں بھی تھا، ہمیں نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا، اس وقت صحابہؓ نے (یہ طریقہ اختیار کیا کہ قیدیوں میں جو چھوٹی عمر والے تھے ان کے زیر ناف حصے کو کھول کھول کر دیکھ رہے تھے جس کے (زیر ناف حصے پر) بال اگ آئے تھے اس کو قتل کر دیا جاتا، کیونکہ زیر ناف حصے پر بال اگ آنا، بلوغ کی علامت ہے، لہٰذا ایسے شخص کو مسلمانوں سے لڑنے والا شمار کیا جاتا تھا) اور جس کے بال نہ اگے ہوئے تھے اس کو قتل نہیں کیا جاتا تھا (کیونکہ اس کو "ذریت" یعنی بچوں میں شمار کیا جاتا تھا چنانچہ میرے زیر ناف حصے کو بھی کھولا گیا اور جب وہاں اگے ہوئے بال نہیں پائے گئے تو مجھ کو قیدیوں ہی میں (زندہ) رکھا گیا۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ زیر ناف حصے پر بالوں کے اگ آنے کو بلوغ کی علامت قرار دینا ضروری مصلحت کی بناء پر تھا کیونکہ اگر ان قیدیوں سے بلوغ کی واقعی علامت یعنی احتلام اور عمر بلوغ کو پوچھا جاتا تو وہ اپنی ہلاکت کے خوف سے یقیناً صحیح بات نہ بتاتے۔

کفار مکہ کے مسلمان ہو جانے والے غلاموں کو واپس کرنے سے آنحضرت ﷺ کا انکار

(۱۶) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ خَرَجَ عُبْدَانٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ قَبْلَ الصُّلْحِ فَكَتَبَ اِلَيْهِ مَوَالِيْهِمْ قَالُوْا يَا مُحَمَّدُ وَاللّٰهِ مَا خَرَجُوْا اِلَيْكَ رَغْبَةً فِيْ دِيْنِكَ وَاِنَّمَا خَرَجُوْا هَرَبًا مِنَ الرِّقِّ فَقَالَ نَاسٌ صَدَقُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رُدَّهُمْ اِلَيْهِمْ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ مَا اَرَاكُمْ تَنْتَهُوْنَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ حَتّٰى يَبْعَثَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مَنْ يَضْرِبُ رِقَابَكُمْ عَلٰى هٰذَا وَاَبٰى اَنْ يَرُدَّهُمْ وَقَالَ هُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے دن (مسلمانوں اور کفار مکہ کے درمیان) معاہدہ لکھے جانے سے پہلے کچھ غلام (مکہ سے آ کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، ان کے مالکوں نے آنحضرت ﷺ کو لکھا کہ "محمد ﷺ! خدا کی قسم یہ غلام تمہارے پاس اس لئے نہیں پہنچے ہیں کہ وہ تمہارے دین کی طرف رغبت رکھتے ہیں بلکہ یہ لوگ غلامی (سے نجات پانے کی غرض سے بھاگ کر گئے ہیں" (جب صحابہؓ میں سے) چند لوگوں نے (یہ مکتوب دیکھا تو) عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ان کے مالکوں نے بالکل صحیح لکھا ہے،

آپ ﷺ ان غلاموں کو ان کے مالکوں کے پاس واپس بھیج دیجئے" (یہ سن کر) رسول کریم ﷺ غضب ناک ہوگئے اور فرمایا کہ "قریش والو! میں دیکھتا ہوں کہ تم (اپنی سرکشی اور نافرمانی سے) باز نہیں آؤ گے تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ تم پر اس شخص کو مسلط نہ کر دے جو تمہارے اس فیصلے (کہ ان غلاموں کو ان کے مالکوں کے پاس واپس بھیج دیا جائے اور اس طرح ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد ان کو دارالحرب کے حوالے کر دیا جائے) کی بناء پر تمہاری گردن اڑا دے" اور پھر آپ ﷺ نے ان غلاموں کی واپسی کے مطالبہ کو رد کر دیا اور فرمایا کہ "یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں"۔ (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ اس لئے غضبناک ہوئے کہ صحابہؓ نے ان غلاموں کے حق میں اپنی ذاتی رائے کو شرعی حکم کے مقابل کیا اور گویا ان کے مالکوں کے دعوے کی گواہی دی، چنانچہ ان غلاموں کے حق میں شرعی حکم یہ تھا کہ وہ چونکہ دارالحرب سے نکل آنے کے سبب محض اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے معصوم اور آزاد ہو گئے تھے، ان کو ان کے پاس دارالحرب واپس کر دینا جائز نہیں تھا، لہٰذا صحابہؓ کا ان کی واپسی کے مطالبہ کی تائید کرنا، جبر و زیادتی پر ان کے مالکوں کی مدد کرنے کے مترادف تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حضرت خالدؓ کی طرف سے عدم احتیاط کا ایک واقعہ

(۱۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَبْنَ الْوَلِيْدِ اِلٰى بَنِي جَذِيْمَةَ فَدَعَاهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَلَمْ يُحْسِنُوْا اَنْ يَقُوْلُوْا اَسْلَمْنَا فَجَعَلُوْا يَقُوْلُوْنَ صَبَأْنَا صَبَأْنَا فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ وَيَأْسِرُ وَدَفَعَ اِلٰى كُلِّ رَجُلٍ مِنَّا اَسِيْرَهُ حَتّٰى اِذَا كَانَ يَوْمٌ اَمَرَ خَالِدٌ اَنْ يَقْتُلَ كُلُّ رَجُلٍ مِنَّا اَسِيْرَهُ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَا اَقْتُلُ اَسِيْرِيْ وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِيْ اَسِيْرَهُ حَتّٰى قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَاهُ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَبْرَأُ اِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَيْنِ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خالدؓ ابن ولید کو (ایک قبیلہ) بنی جذیمہ میں بھیجا، خالدؓ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، وہ لوگ اضطراب و سراسیمگی کے عالم میں یہ اچھی طرح سے نہیں کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے (یعنی وہ اپنی زبانوں سے اسلام کا کلمہ پوری طرح ادا نہیں کر سکے) بلکہ انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ صبانا صبانا یعنی ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا، اپنا دین چھوڑ دیا" خالدؓ نے (جب ان کی زبان سے یہ سنا تو) ان (کے بعض لوگوں) کو قتل کرنا اور (بعض کو) گرفتار کرنا شروع کر دیا اور پھر ہم (لوگ جو ان کے ساتھ تھے ان) میں سے ہر شخص کو اس کا قیدی سپرد کر دیا (یعنی جو لوگ قیدی بنائے گئے ان کو ہمارے درمیان تقسیم کر کے ایک ایک قیدی ہر ایک کے سپرد کر دیا اور یہ حکم دیا کہ ہم ان قیدیوں کی اس وقت تک حفاظت و نگرانی کریں جب تک کہ ہمیں ان کو قتل کر دینے کا حکم نہ دیا جائے) چنانچہ جب ایک (وہ) دن آیا (جس میں خالدؓ نے ان قیدیوں کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا) تو انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے (یہ حکم سن کر) میں (یعنی ابن عمرؓ) نے کہا کہ "خدا کی قسم! میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی شخص اپنے قیدی کو قتل کرے گا (بلکہ ہم لوگ اپنے قیدیوں کو اس وقت تک اپنی حفاظت میں رکھیں گے جب تک کہ ہم دربار رسالت میں نہ پہنچ جائیں اور اس بارے میں کوئی آخری حکم حاصل نہ کریں چنانچہ ہم نے اپنے قیدیوں کو اپنی حفاظت میں رکھا) یہاں تک کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے پورا واقعہ بیان کیا، آنحضرت ﷺ نے (واقعہ کی تفصیل سن کر) اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے یہ کہا کہ "اے اللہ! میں تیرے حضور میں خالد کے عمل سے اپنی بیزاری و بے رضائی کا اظہار کرتا ہوں۔" آپ نے یہ الفاظ دو مرتبہ ارشاد فرمائے۔" (بخاریؒ)

تشریح: خطابیؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بارگاہ رب العزت میں حضرت خالدؓ کے عمل سے اس لئے اظہار بیزاری فرمایا کہ خالدؓ نے اس موقع پر احتیاط کی راہ اختیار نہیں کی اور اس بات میں غور و تأمل نہیں کیا کہ وہ لوگ "صبأنا" سے کیا مراد رکھتے تھے کیونکہ یہ لفظ "صبأنا" دین اسلام اختیار کر لینے کے مفہوم کا بھی احتمال رکھتا تھا لیکن خالدؓ نے محض یہ دیکھ کر کہ ان لوگوں نے قبولیت اسلام کے مفہوم کو واضح طور پر ظاہر کرنے والے الفاظ "اسلمنا" استعمال کرنے سے روگردانی کی ہے اس لئے انہوں نے ان لوگوں کی بات کو تسلیم نہیں کیا اور ان کے کہے ہوئے مذکورہ الفاظ کو ان کے بددین ہو جانے پر محمول کر کے ان کو قتل کرنا اور قیدی بنانا شروع کر دیا۔

بَابُ الْاَمَانِ

امان دینے کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

ام ہانیؓ کی طرف سے اپنے ایک عزیز کو امان دینے کا واقعہ

(۱) عَنْ اُمِّ هَانِيٍ بِنْتِ اَبِي طَالِبٍ قَالَتْ ذَهَبْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُّهٗ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهٗ تَسْتُرُهٗ بِثَوْبٍ فَسَلَّمْتُ فَقَالَ مَنْ هٰذِهٖ فَقُلْتُ اَنَا اُمُّ هَانِيٍ بِنْتُ اَبِي طَالِبٍ فَقَالَ مَرْحَبًا بِاُمِّ هَانِيٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهٖ قَامَ فَصَلّٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِيْ ثَوْبٍ ثُمَّ انْصَرَفَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَعَمَ ابْنُ اُمِّيْ عَلِيٌّ اَنَّهٗ قَاتِلٌ رَجُلًا اَجَرْتُهٗ فُلَانَ بْنَ هُبَيْرَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَجَرْنَا مَنْ اَجَرْتِ يَا اُمَّ هَانِيٍ قَالَتْ اُمُّ هَانِيٍ وَذٰلِكَ ضُحًى۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ قَالَتْ اَجَرْتُ رَجُلَيْنِ مِنْ اَحْمَائِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَمَّنَّا مَنْ اَمَّنْتِ۔

"حضرت اُمّ ہانیؓ بنت ابو طالب کہتی ہیں کہ فتح مکہ کے سال (یعنی فتح مکہ کے موقع پر) میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آنحضرت ﷺ اس وقت غسل فرما رہے تھے اور آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کپڑے سے آپ ﷺ کا پردہ کئے ہوئے تھیں۔ میں نے سلام عرض کیا، آپ ﷺ نے پوچھا "کون ہے؟" میں نے عرض کیا کہ "میں ہوں، اُمّ ہانی بنت ابو طالب!" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "ام ہانی کو خوش آمدید!" پھر جب آپ ﷺ غسل سے فارغ ہوئے تو جسم پر کپڑا لپیٹے ہوئے آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور (نماز چاشت کی) آٹھ رکعتیں پڑھیں اور جب نماز پڑھ چکے تو میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میری ماں کے بیٹے یعنی حضرت علیؓ نے بتایا ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کرنے والے ہیں جس کو میں نے اپنے گھر میں پناہ دی ہے یعنی فلاں شخص کو جو ہبیرہ کا بیٹا ہے؟" رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ام ہانیؓ، جس کو تم نے پناہ دی ہے (گویا) اس کو ہم نے پناہ دی۔" حضرت اُمّ ہانیؓ کہتی ہیں کہ "یہ واقعہ چاشت کے وقت کا ہے!"

اور ترمذیؒ کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت اُمّ ہانیؓ نے (آنحضرت ﷺ سے) عرض کیا کہ "میں نے دو آدمیوں کو پناہ دی ہے جو میرے خاوند کے رشتہ دار ہیں!؟" رسول کریم ﷺ وسلم نے فرمایا "ہماری طرف سے اس شخص کے لئے امان ہے جس کو تم نے امان دی ہے۔"

تشریح: حضرت اُمّ ہانیؓ کا اصل نام "فاختہ" تھا اور بعض نے "عاتکہ" بیان کیا ہے۔ یہ ابو طالب کی بیٹی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حقیقی بہن ہیں، ہبیرہ ان کے خاوند کا نام ہے، جب اُمّ ہانیؓ نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا تو ہبیرہ سے ان کی جدائی واقع ہو گئی کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہوا۔

جس شخص کو حضرت اُم ہانیؓ نے پناہ دی تھی وہ ان کے خاوند ہبیرہ کی اولاد میں سے تھا، اغلب یہ ہے کہ وہ اُم ہانیؓ کے علاوہ ہبیرہ کی کسی اور بیوی کے بطن سے تھا، حضرت علیؓ نے ان کی پناہ کو قبول نہ کرتے ہوئے اس شخص کو قتل کر ڈالنا چاہا تو اُم ہانیؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال بیان کی، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی پناہ کو قبول کیا اور وہ شخص حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گیا۔

ترمذیؒ نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس وقت اُم ہانیؓ ہی کے مکان میں غسل فرما رہے تھے، لیکن یہاں بخاریؒ و مسلمؒ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس کے ظاہری مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے مکان میں یا حضرت فاطمہؓ کے گھر میں نہا رہے تھے، اس صورت میں دونوں روایتوں کے درمیان یوں مطابقت ہوگی کہ بخاریؒ و مسلمؒ کی روایت میں یہ عبارت مقدر مانی جائے کہ "آنحضرت ﷺ میرے گھر میں غسل فرما رہے تھے" یا پھر یہ کہا جائے کہ ترمذیؒ کی روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ کسی اور موقع کا ہے اور بخاریؒ و مسلمؒ کی روایت کسی اور موقع سے متعلق ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عورت کے عہد امان کی پاسداری سارے مسلمانوں پر لازم ہے

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَرْاَةَ لَتَاْخُذُ لِلْقَوْمِ یَعْنِیْ تُجِیْرُ عَلَى الْمُسْلِمِیْنَ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے فرمایا "عورت کسی قوم کے لئے (عہد) لیتی ہے یعنی وہ مسلمانوں کی طرف سے پناہ دے سکتی ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان عورت، کسی کافر کو یا کافروں کی کسی جماعت کو امان و پناہ دے دے تو یہ سارے مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس عورت کے عہد امان کو ملحوظ رکھ کر اس کافر کو یا کافروں کی اس جماعت کو امان و پناہ دیں اور اس عہد امان کو توڑیں نہیں۔

اپنے عہد امان کو توڑنے والے کے بارے میں وعید

(۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَمِقِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ اٰمَنَ رَجُلًا عَلٰى نَفْسِهٖ فَقَتَلَهٗ اُعْطِیَ لِوَاءَ الْغَدْرِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت عمرو بن حمق کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص کسی کو اس کی جان کی امان دے اور پھر اس کو مار ڈالے تو قیامت کے دن اس کو بد عہدی کا نشان دیا جائے گا۔" (شرح السنۃ)

تشریح: "اس کو بد عہدی کا نشان دیا جائے گا" اس جملہ کے ذریعہ کنایۃً یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس شخص کو میدان حشر میں تمام مخلوق کے سامنے ذلیل و رسوا کیا جائے گا۔ دوسری حدیثوں میں یہ بیان کیا گیا ہے قیامت کے دن عہد شکن کو ایک ایسا نشان دیا جائے گا جس کے ذریعہ اس کو پہچانا جائے گا کہ یہی وہ شخص ہے جس نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا تھا۔

معاہدہ کی پوری طرح پابندی کرنی چاہئے

(۴) وَعَنْ سُلَیْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كَانَ بَیْنَ مُعَاوِیَةَ وَبَیْنَ الرُّوْمِ عَهْدٌ وَكَانَ یَسِیْرُ نَحْوَ بِلَادِهِمْ حَتّٰى اِذَا انْقَضَى الْعَهْدُ اَغَارَ

عَلَيْهِمْ فَجَاءَ رَجُلٌ عَلٰى فَرَسٍ اَوْبِرْ ذَوْنٍ وَهُوَ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ فَنَظَرُوْا فَاِذَا هُوَ عَمْرُو بْنُ عَبَسَةَ فَسَأَلَهُ مُعَاوِيَةُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَّ عَهْدًا وَلَا يَشُدَّنَّهُ حَتّٰى يَمْضِىَ اَمَدُهُ اَوْيَنْبِذَ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ قَالَ فَرَجَعَ مُعَاوِيَةُ بِالنَّاسِ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت سلیمؒ ابن عامر (تابعی) کہتے ہیں کہ امیر معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان (یہ) معاہدہ ہوا تھا کہ (اتنے دنوں تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے) اور حضرت معاویہؓ (اس معاہدہ کے زمانہ میں) رومیوں کے شہروں میں گشت (کر کے حالات کا اندازہ) لگایا کرتے تھے تاکہ جب معاہدہ کی مدت گذر جائے تو وہ ان (رومیوں) پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں (اور ان کے ٹھکانوں کو تاخت وتاراج کر دیں جب کہ اگر وہ گشت کے ذریعہ ان کے حالات اور ٹھکانوں کا جائزہ لینے کی بجائے اطمینان کے ساتھ اپنے کیمپ میں پڑے رہتے اور پھر معاہدہ کی مدت ختم ہونے پر حملہ کرتے تو ان رومیوں کے چوکنا ہونے کی وجہ سے خاطر خواہ جنگی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا پھر (انہی دنوں میں جب کہ امیر معاویہؓ اپنے لشکر والوں کے ساتھ رومیوں کے شہر میں پھر رہے تھے) ایک شخص عربی یا ترکی گھوڑے پر سوار یہ کہتے ہوئے آئے کہ "اللہ اکبر، اللہ اکبر، وفا کو ملحوظ رکھو نہ کہ بد عہدی کو (یعنی تم پر معاہدہ کو پورا کرنا لازم ہے نہ کہ تم معاہدہ کی خلاف ورزی کرو (گویا انہوں نے یہ واضح کیا کہ تم لوگ معاہدہ کے زمانے میں دشمنوں کے شہروں میں گشت لگاتے پھرتے ہو تو یہ اپنے عہد کی پاسداری کی علامت نہیں ہے بلکہ یہ عہد شکنی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کے حکم میں داخل ہے) جب لوگوں نے دیکھا تو معلوم ہو کہ یہ شخص (ایک صحابیؓ) حضرت عمرو ابن عبسہؓ ہیں، حضرت امیر معاویہؓ نے ان سے اس بات کو پوچھا (کہ رومیوں کے شہروں میں ہمارا پھرنا، عہد شکنی کے مرادف کیسے ہے؟) تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جس شخص اور کسی قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے عہد کو نہ توڑے اور نہ باندھے، تاآنکہ اس معاہدہ کی مدت گذر جائے یا وہ ان کو مطلع کر کے برابری کی بنیاد پر اپنا عہد توڑ دے (یعنی اس معاہدہ کے خلاف کرنا، یا تو اس صورت میں جائز ہے جب کہ اس معاہدہ کی مدت ختم ہوگئی ہو یا اس صورت میں جائز ہے جب کہ کسی مجبوری یا مصلحت کی بناء پر مدت کے دوران ہی معاہدہ توڑنا ضروری ہو گیا ہو اور فریق مخالف کو پہلے سے آگاہ کر دیا گیا ہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا ہم اس کو توڑتے ہیں، اب ہم اور تم دونوں برابر ہیں کہ جس کی (جو مرضی ہو کرے) حدیث کے راوی حضرت سلیم ابن عامر کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ (حضرت ابن عبسہ کی یہ بات اور آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث سن کر" اپنے لوگوں کے ساتھ (رومیوں کے شہر سے اپنے کیمپ میں) واپس چلے آئے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: "اور نہ باندھے" کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کسی بھی فعل سے معاہدہ کے مقصد ومنشاء میں کوئی تغیر وتبدیلی نہ کرے (گویا اس جملہ کی مراد ایفاء عہد میں کسی طرح کا تغیر نہ کرنا ہے، ورنہ عقد جس کے معنی اپنے عہد کو باندھنا اور مستحکم کرنا ہے، شریعت کی نظر میں مستحسن ومطلوب ہے۔

ایفاء عہد اور احترام قاصد کی اہمیت

⑤ وَعَنْ اَبِىْ رَافِعٍ قَالَ بَعَثَنِىْ قُرَيْشٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُلْقِىَ فِىْ قَلْبِىَ الْاِسْلَامُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ وَاللّٰهِ لَا اَرْجِعُ اِلَيْهِمْ اَبَدًا قَالَ اِنِّىْ لَا اَخِيْسُ بِالْعَهْدِ وَلَا اَحْبِسُ الْبُرُدَ وَلٰكِنِ ارْجِعْ فَاِنْ كَانَ فِىْ نَفْسِكَ الَّذِىْ فِىْ نَفْسِكَ الْاٰنَ فَارْجِعْ قَالَ فَذَهَبْتُ ثُمَّ اَتَيْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمْتُ۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت ابو رافع کہتے ہیں کہ (صلح حدیبیہ کے موقع پر) کفار قریش نے مجھے (اپنا قاصد بنا کر) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا جب میری نظر رسول کریم ﷺ پر پڑی، تو (بے اختیار) میرے دل میں اسلام (کی صداقت وحقانیت) نے گھر کر لیا، میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ

خدا کی قسم، میں اب کبھی بھی ان (کفار قریش) کے پاس واپس نہیں جاؤں گا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا "میں نہ تو عہد کو توڑا کرتا ہوں اور نہ قاصدوں کو روکا کرتا ہوں، البتہ تم (اب تو) واپس چلے جاؤ، اگر تمہارے دل میں وہ چیز (یعنی اسلام) قائم رہے جو اس وقت موجود ہے تو پھر (میرے پاس) چلے آنا۔" حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق، میں (مکہ) واپس ہو گیا اور پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ گیا اور اسلام قبول کر لیا (یعنی اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: چونکہ ابورافعؓ کفار مکہ کی طرف سے کوئی پیغام لے کر آئے تھے اس لئے آنحضرت نے ان کو اپنے پاس نہیں روکا، تاکہ وہ مکہ واپس جا کر کفار قریش کو ان کے پیغام کا جواب دے دیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو جو حکم دیا اس کا مطلب یہی تھا کہ اسلام نے تمہارے دل میں گھر لیا ہے، اور اب مسلمان ہونے سے تمہیں کوئی چیز نہیں روک سکتی، لیکن احتیاط اور ایفاء عہد کا تقاضا یہ ہے کہ تم ابھی اپنے اسلام کا اظہار و اعلان نہ کرو بلکہ پہلے تم مکہ واپس جاؤ اور کفار قریش نے جو ذمہ داری تمہارے سپرد کی تھی اس کو پورا کر آؤ، یعنی انہوں نے تمہیں جس بات کا جواب لانے کے لئے یہاں بھیجا تھا ان کو وہ جواب پہنچاؤ اور پھر اس کے بعد وہاں سے ہمارے پاس آکر اپنے اسلام کا اظہار و اعلان کرنا۔

(۶) وَعَنْ نُعَيْمِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلَيْنِ جَاءَ مِنْ عِنْدِ مُسَيْلَمَةَ اَمَا وَاللّٰهِ لَوْ لَا اَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ اَعْنَاقَكُمَا۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

"اور حضرت نعیم ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان دونوں آدمیوں سے فرمایا جو مسیلمہ کے پاس سے آئے تھے کہ "یاد رکھو! خدا کی قسم اگر قاصد کو مارنا شرعی طور پر ممنوع نہ ہوتا تو میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: مسیلمہ ایک شخص کا نام ہے جس نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اسی لئے اس کو مسیلمہ کذاب کہا جاتا ہے۔ وہ دو شخص جو مسیلمہ کذاب کے پاس سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے تھے ان میں سے ایک کا نام عبداللہ ابن نواحہ تھا اور دوسرے کا نام ابن اثال تھا ان دونوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ کہا تھا کہ نشهد ان مسيلمة رسول الله ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے خفا ہو کر مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

زمانہ جاہلیت کے ان معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم جو اسلام کے منافی نہ ہوں

(۷) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ خُطْبَتِهٖ اَوْفُوْا بِحِلْفِ الْجَاهِلِيَّةِ فَاِنَّهٗ لَا يَزِيْدُهٗ يَعْنِى الْاِسْلَامَ اِلَّا شِدَّةً وَلَا تُحْدِثُوْا حِلْفًا فِى الْاِسْلَامِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مِنْ طَرِيْقِ حُسَيْنِ بْنِ ذَكْوَانَ عَنْ عَمْرٍو وَقَالَ حَسَنٌ۔

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن) اپنے خطبہ کے دوران یہ فرمایا کہ "زمانہ جاہلیت کی قسم کو پورا کرو، کیونکہ وہ یعنی اسلام اس قسم کو زیادہ ہی (مضبوط) کرتا ہے (مطلب یہ ہے کہ اپنے قسم اور اپنے عہد کو پورا کرنا اسلام میں کہیں زیادہ ضروری ہے اس اعتبار سے اسلامی احکام اور ایفاء عہد و حلف میں کوئی تضاد نہیں ہے) اور اسلام میں حلف یعنی قسما قسمی کو رواج نہ دو۔" امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسین ابن ذکوان کی سند سے بروایت حضرت عمروؓ نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔"

تشریح: "قسم کو پورا کرو" کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے قبل اپنے زمانہ جاہلیت میں اپنے مابین ایک دوسرے کی مدد کرنے کا عہد و پیمان باندھا ہو یا قسما قسمی کی ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (اپنے معاہدوں کو پورا کرو) کے بموجب اس عہد و پیمان اور قسما قسمی کو پورا کرو، لیکن انہی عہد و پیمان اور قسموں کو پورا کرو جو اسلام کی تعلیمات و عقائد کے منفی اور دین میں

نقصان کا سبب نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے کہ:

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ۔ (المائدہ ۵:۲)

"اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو۔"

حاصل یہ کہ اسلام لانے کے بعد زمانۂ جاہلیت کے اس عہد و پیمان اور قسم کو پورا کرنا ممنوع ہے جس کا تعلق فتنہ و فساد اور خون ریزی وغیرہ سے ہو جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لَا حَلْفَ فِي الْاِسْلَامِ اور زمانۂ جاہلیت کے جس عہد و پیمان اور قسم کا تعلق مظلوم و بے کس لوگوں کی امداد و اعانت، قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک اور اسی طرح کے دوسرے نیک امور سے ہو، اسلام ان کا موید اور مضبوط کرنے والا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ایما حلف کان فی الجاھیة لم یزدہ الاسلام الا شدة

"اسلام میں حلف یعنی قسما قسمی کو رواج نہ دو" کیونکہ مسلمانوں پر ایک دوسرے کی مدد و اعانت اور باہمی حسن سلوک واجب ہونے کے لئے ان کے مذہب اسلام کی تعلیم و تلقین کافی ہے۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ "اسلام میں حلف کو رواج نہ دو" میں جو ممانعت بیان کی گئی ہے اس کے بارے میں دونوں احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ یہ ممانعت، جنس کے لئے ہو، لیکن ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک دوسرا ہی احتمال زیادہ قوی اور صائب ہے، چنانچہ مظہر کا یہ قول بھی اس بات کی تائید کرتا ہے جو مذکورہ بالا حدیث کی وضاحت کے طور پر ہے کہ اس ارشاد گرامی کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اگر تم نے اپنے زمانۂ جاہلیت میں (یعنی مسلمان ہونے سے پہلے) یہ قسم کھائی ہو کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے تو (اب مسلمان ہو جانے کے بعد بھی) اس قسم کو پورا کرو یعنی اپنے باہمی معاہدہ و حلف کے مطابق ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو بشرطیکہ جس کی مدد کی جائے وہ حق پر ہو لیکن اسلام میں اس طرح کی قسم کو رواج نہ دو جس کا تعلق تمہیں ایک دوسرے کا وارث قرار دینے سے ہو (جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا کہ کوئی بھی دو شخص آپس میں ایک دوسرے سے قسم کے ساتھ یہ عہد کیا کرتے تھے کہ اگر میں پہلے مر گیا تو تم میرے وارث ہوگے اور اگر تم پہلے مر گئے تو میں تمہارا وارث ہوں گا)

وَذُكِرَ حَدِيْثُ عَلِيٍّ الْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ فِيْ كِتَابِ الْقِصَاصِ۔ اور حضرت علیؓ کی یہ روایت کہ، المسلمون تتکافأ دمائھم کتاب القصاص میں نقل کی جا چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

قاصد اور ایلچیوں کو قتل نہیں کیا جا سکتا

⑧ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ ابْنُ النَّوَاحَةِ وَ ابْنُ اُثَالٍ رَسُوْلَا مُسَيْلَمَةَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمَا اَتَشْهَدَانِ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَا نَشْهَدُ اَنَّ مُسَيْلَمَةَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لَوْ كُنْتُ قَاتِلًا رَسُوْلًا لَقَتَلْتُكُمَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَمَضَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الرَّسُوْلَ لَا يُقْتَلُ۔ (رواہ احمد)

"حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ مسیلمہ (مدعی نبوت) کے دو قاصد ابن نواحہ اور ابن اثال نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "کیا تم اس حقیقت کی گواہی" دیتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں؟" ان دونوں نے کہا کہ "نہیں! بلکہ) ہم اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ، خدا کا رسول ہے۔" نبی کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ (میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا!) اگر میں قاصدوں اور ایلچیوں کو قتل کرنے والا ہوتا تو یقیناً میں تم دونوں کو بھی قتل کر دیتا۔" حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے پیش نظر) پھر یہ سنت جاری ہوگئی (یعنی یہ ضابطہ قرار پایا) کہ کسی قاصد و ایلچی کو قتل نہ کیا جائے

(خواہ وہ کتنی ہی غیر مناسب بات کیوں نہ کرے اور قتل ہی کا سزاوار کیوں نہ ہو۔" (احمدؒ)

تشریح: ان ایلچیوں نے جو جواب دیا اس کے ذریعہ انہوں نے گویا آنحضرت ﷺ کی رسالت کا انکار اور مسیلمہ کذاب کے خود ساختہ رسالت کا اقرار کیا اور پھر آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ "میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا" تو اس کے ذریعہ گویا آپ ﷺ نے اپنے جذبۂ طلب حق، صفت حلم و بردباری، اور ان کے عذاب خداوندی میں جلد ہی مبتلا ہونے کا اظہار کیا نیز ان الفاظ کے ذریعہ آپ ﷺ نے اس لعین (مسیلمہ کذاب) کی نبوت کے انکار اور اس کے دعوے کے جھوٹا ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔

بَابُ قِسْمَةِ الْغَنَائِمِ وَالْغُلُوْلِ فِيْهَا

مال غنیمت کی تقسیم اور اس میں خیانت کرنے کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

غنیمت کا مال مسلمانوں کے لئے حلال کیا گیا ہے

① عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِاَ حَدٍ مِنْ قَبْلِنَا ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ رَاٰى ضَعْفَنَا وَعِجْزَنَا فَطَيَّبَهَا لَنَا۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ، رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "پس غنیمت کا مال ہم سے پہلے کسی (امت کے لئے) حلال نہیں تھا، جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں (مالی طور پر) کمزور و عاجز دیکھا تو اس (مال غنیمت) کو ہمارے لئے حلال قرار دیا۔"

تشریح: طیبیؒ کہتے ہیں کہ "فلم تحل" میں حرف فا (پس) عاطفہ ہے جس کے ذریعہ ارشاد گرامی کے ان جملوں پر عطف کیا گیا ہے جو اس سے پہلے فرمائے گئے تھے، حاصل یہ کہ یہاں جو حدیث نقل کی گئی ہے وہ دراصل اس ارشاد گرامی کا تتمہ ہے جو یہاں نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس باب کی تیسری فصل میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں منقول ہے۔

مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کا ہے

② وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَامَ حُنَيْنٍ فَلَمَّا الْتَقَيْنَا كَانَتْ لِلْمُسْلِمِيْنَ جَوْلَةٌ فَرَأَيْتُ رَجُلاً مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَدْ عَلَا رَجُلاً مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَضَرَبْتُهُ مِنْ وَّرَائِهٖ عَلٰى حَبْلِ عَاتِقِهٖ بِالسَّيْفِ فَقَطَعْتُ الدِّرْعَ وَاَقْبَلَ عَلَیَّ فَضَمَّنِیْ ضَمَّةً وَجَدْتُ مِنْهَا رِيْحَ الْمَوْتِ ثُمَّ اَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَاَرْسَلَنِیْ فَلَحِقْتُ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ فَقُلْتُ مَا بَالُ النَّاسِ قَالَ اَمْرُ اللّٰهِ ثُمَّ رَجَعُوْا وَجَلَسَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ قَتِيْلاً لَهٗ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهٗ سَلَبُهٗ فَقُلْتُ مَنْ يَّشْهَدُ لِیْ ثُمَّ جَلَسْتُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ فَقُمْتُ مَنْ يَّشْهَدُ لِیْ ثُمَّ جَلَسْتُ ثُمَّ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ فَقُلْتُ فَقَالَ مَالَكَ يَا اَبَا قَتَادَةَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ رَجُلٌ صَدَقَ وَسَلَبُهٗ عِنْدِیْ فَاَرْضِهٖ مِنِّیْ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ لَاهَا اللّٰهِ اِذًا لَا يَعْمِدُ اِلٰى اَسَدٍ مِنْ اُسْدِ اللّٰهِ يُقَاتِلُ عَنِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَيُعْطِيْكَ سَلَبَهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ فَاَعْطِهٖ فَاَعْطَانِيْهِ فَابْتَعْتُ بِهٖ مَخْرَفًا فِیْ بَنِیْ سَلِمَةَ فَاِنَّهٗ لَاَوَّلُ مَالٍ تَاَثَّلْتُهٗ فِی الْاِسْلَامِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ (فتح مکہ کے بعد) غزوۂ حنین کے سال ہم (جہاد کے لئے) نبی کریم ﷺ کے ہمراہ روانہ ہوئے، جب کافروں

سے ہمارا مقابلہ ہوا تو (کچھ دیر کے لئے) مسلمانوں کو شکست کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا، میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر غالب آگیا ہے، میں نے اس کے پیچھے سے اس کی گردن کی رگ پر تلوار کا (بھرپور) وار کر کے اس کی زرہ کاٹ ڈالی، وہ مشرک مجھ پر جھپٹ پڑا اور اس نے اتنے زور سے مجھے دبوچا کہ اس کی وجہ سے موت کا مزہ آگیا (یعنی میں مرنے کے قریب ہو گیا، پھر (میرے ایک اور وار سے) موت نے اسے دبالیا اور میں اس سے چھوٹ گیا، اس کے بعد میں حضرت عمر ابن خطاب ؓ سے ملا اور کہا کہ "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے (کہ دشمن کے مقابلہ سے بھاگ رہے!؟") انہوں نے کہا کہ "اللہ کا حکم یہی ہے یعنی یہ جو کچھ ہو رہا ہے قضاوقدر الٰہی کے مطابق ہو رہا ہے۔" پھر لوگ (اس عارضی پسپائی کے بعد دوبارہ لڑنے کے لئے میدان جنگ میں) واپس آگئے اور نبی کریم ﷺ (ایک جگہ) بیٹھ گئے اور فرمایا کہ "جو شخص دشمن کے) کسی آدمی کو قتل کر دے اور اس کے قتل کرنے کا کوئی گواہ ہو (اور خواہ ایک ہی گواہ ہو) تو مقتول کا چھینا ہوا مال اسی (قتل کرنے والے) شخص کا ہوگا۔" (یہ سن کر میں کھڑا ہوا اور ارادہ کیا کہ اس مشرک کو قتل کرنے کا واقعہ بیان کروں، لیکن (دل میں) میں نے کہا کہ "میری گواہی کون شخص دے گا (کہ میں نے اس مشرک کو قتل کیا ہے۔") آخر میں بیٹھ گیا، نبی کریم ﷺ نے اسی طرح پھر فرمایا (کہ جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کرنے کا کوئی گواہ ہو تو مقتول کا چھینا ہوا مال اسی کا ہوگا) میں نے پھر (کھڑے ہو کر اپنے واقعہ بیان کرنا چاہا لیکن میں نے دل میں) کہا کہ "میری گواہی کون شخص دے گا!؟ اور میں پھر بیٹھ گیا، نبی کریم ﷺ نے پھر اسی طرح (تیسری مرتبہ) فرمایا، میں (جب اس مرتبہ بھی) کھڑا ہوا (لیکن زبان سے کچھ نہ کہہ سکا) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ابوقتادہ! کیا بات ہے (تم کسی غرض مند اور طالب حاجت کی طرح بار بار کھڑے ہوتے ہو اور بیٹھ جاتے ہو مگر زبان سے کچھ نہیں کہتے؟)" تب میں نے آنحضرت ﷺ کو بتایا (کہ میں نے فلاں مشرک کو قتل کیا ہے)" ایک شخص نے (میری بات سن کر) کہا کہ "ابوقتادہ ؓ سچ کہتے ہیں اور اس مشرک کا مال میرے پاس موجود ہے، آپ ﷺ ان کو میری طرف سے راضی کر دیجئے (کہ یہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں اور ان کو اس مشرک کے مال کے عوض کوئی اور چیز دے دی جائے یا ان کو اس بات پر رضامند کر دیجئے کہ یہ میرے ساتھ کسی اور طرح مصالحت کر لیں)۔" حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے (یہ سن کر اس شخص سے) کہا کہ "نہیں، خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا، رسول کریم ﷺ اس معاملہ میں ان (ابوقتادہ ؓ) کی مرضی کے خلاف کوئی ارادہ نہیں کریں گے ابوقتادہ ؓ اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے لئے (دشمن سے) لڑتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جس مال پر ان (ابوقتادہ ؓ) کا حق ہے وہ تمہیں دے دیں!؟ نبی کریم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ "ابوبکر ؓ ٹھیک کہتے ہیں، تم ابوقتادہ کو اس مشرک (مقتول) کا مال دے دو۔ چنانچہ اس شخص نے اس کا مال مجھ کو دے دیا اور میں نے (بعد میں) اس مال کے ذریعہ ایک باغ خریدا جو قبیلہ بنو سلمہ میں واقع تھا اور یہ سب سے پہلا مال تھا جو مجھے اسلام لانے کے بعد حاصل ہوا۔" (بخاری ؒ و مسلم ؒ)

تشریح : اس غزوہ (جنگ) میں مسلمانوں کو کچھ دیر کے لئے شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا کیونکہ اسلامی لشکر کے کچھ لوگوں نے ایک موقع پر پسپائی اختیار کی جس سے دشمن کے لشکر کو بظاہر حاوی ہونے کا موقع مل گیا لیکن آنحضرت ﷺ میدان جنگ میں اپنی جگہ پر قائم رہے، آپ ﷺ ایک خچر پر سوار تھے جس کی باگ حضرت عباس ؓ ابن عبدالمطلب اور حضرت ابوسفیان ؓ بن الحارث نے تھام رکھی تھی۔ اس عارضی پسپائی کے موقع پر جب کہ اسلامی لشکر میں تقریبا افراتفری کا عالم تھا آپ ﷺ نہ صرف بڑی بہادری کے ساتھ دشمن کے مقابلے پر ڈٹے رہے بلکہ آگے بڑھ بڑھ کر دشمن کے لشکر پر تن تنہا حملہ کرنے کا ارادہ کرتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے۔

انا النبی لا کذب، انا ابن عبدالمطلب۔

"یعنی میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، اور جھوٹ نہیں کہتا سچا نبی ہوں۔"

لیکن یہ دونوں حضرات جنہوں نے آپ ﷺ کے خچر کی باگ تھام رکھی تھی آپ ﷺ کو روک دیتے تھے، آخر کار حق تعالیٰ نے اسلامی لشکر کو ثابت قدمی بخشی اور اس نے دوبارہ دشمن پر حملہ کر کے اس کے لشکر کو تہس نہس کر دیا اور آخری فتح حاصل کی۔

مال غنیمت کی تقسیم

③ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْهَمَ لِلرَّجُلِ وَلِفَرَسِهٖ ثَلَاثَةَ اَسْهُمٍ سَهْمًا لَهٗ وَسَهْمَيْنِ لِفَرَسِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (مال غنیمت میں سے) ایک شخص اور اس کے گھوڑے کے لئے تین حصے دیئے یعنی ایک حصہ تو خود اس کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اکثر علماء کا مسلک اسی حدیث کے مطابق ہے، جب کہ بعض علماء کے نزدیک مال غنیمت میں سوار مجاہد کے دو حصے ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک بھی یہی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے سوار مجاہد کو دو حصے دیئے جیسا کہ اسی باب کی دوسری فصل میں منقول روایت سے واضح ہوگا، نیز حضرت علیؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے بھی یہی منقول ہے بلکہ ہدایہ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہی نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب اس بارے میں خود حضرت ابن عمرؓ کی دو روایتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس روایت کو ترجیح دی جائے گی جو ان کے علاوہ دوسرے نے نقل کی ہے

مال غنیمت میں غلام اور عورتوں کا کوئی حصہ مقرر نہیں

④ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ هُرْمُزَ قَالَ كَتَبَ نَجْدَةُ الْحَرُوْرِيُّ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْاَلُهٗ عَنِ الْعَبْدِ وَ الْمَرْاَةِ يَحْضُرَانِ الْمَغْنَمَ هَلْ يُقْسَمُ لَهُمَا فَقَالَ لِيَزِيْدَ اُكْتُبْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَيْسَ لَهُمَا سَهْمٌ اِلَّا اَنْ يُحْذَيَا۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ كَتَبَ اِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ اَنَّكَ كَتَبْتَ تَسْاَلُنِيْ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُوْا بِالنِّسَاءِ وَهَلْ كَانَ يَضْرِبُ لَهُنَّ بِسَهْمٍ فَقَدْ كَانَ يَغْزُوْا بِهِنَّ يُدَاوِيْنَ الْمَرْضٰى وَيُحْذَيْنَ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَاَمَّا السَّهْمُ فَلَمْ يَضْرِبْ لَهُنَّ بِسَهْمٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت یزید ابن ہرمز کہتے ہیں کہ نجدہ حروری نے حضرت ابن عباسؓ کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے غلام اور عورت کے بارے میں یہ دریافت کیا تھا کہ جب وہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت موجود ہوں تو ان کو بھی اس مال غنیمت سے حصہ دیا جائے یا نہیں؟ حضرت ابن عباسؓ نے یزید سے (یعنی مجھ سے) فرمایا کہ تم (میری طرف سے) نجدہ کو یہ جواب لکھ دو کہ ان دونوں کا حصہ مقرر نہیں ہے البتہ (تقسیم کے وقت) ان کو یوں ہی کچھ دے دیا جائے۔" اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس (نجدہ) کو یہ جواب لکھا کہ "تم نے خط لکھ کر مجھ سے یہ دریافت کیا تھا کہ کیا رسول کریم ﷺ جہاد میں عورتوں کو ساتھ لے جایا کرتے تھے اور کیا آپ ﷺ ان (عورتوں) کو مال غنیمت میں سے حصہ دیتے تھے؟ تو (اس کا جواب یہ ہے کہ) آنحضرت جہاد میں عورتوں کو ساتھ لے جاتے تھے جو بیماروں کی دوا دارو کرتی تھیں (اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں) اور ان کو مال غنیمت میں سے یوں ہی کچھ دے دیا جاتا تھا لیکن ان کے لئے حصہ مقرر نہیں کیا گیا تھا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "نجدہ" اس شخص کا نام ہے جو خوارج یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کے مخالفین کا سردار تھا، اور حروری دراصل حروراء کی طرف منسوب ہے جو کوفہ کے نواح میں ایک آبادی کا نام تھا، کہا جاتا ہے کہ خوارج کا سب سے پہلا اجتماع اسی آبادی میں ہوا تھا

اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ غلام بچوں اور عورتوں کو مال غنیمت میں سے یوں ہی کچھ دے دیا جائے۔ یعنی حصہ سے کم دیا جائے پورا حصہ نہ دیا جائے، حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ غلام کو مال غنیمت میں سے کچھ اس صورت میں دیا جائے جب کہ وہ جنگ میں شریک رہ کر دشمن سے لڑا ہو، اسی طرح عورت کو بھی اس صورت میں دیا جائے جب کہ وہ بیمار اور زخمی مجاہدین کی تیمارداری اور ان کی دوا دارو کرے۔

مخصوص طور پر بعض مجاہدوں کو ان کے حصے سے زائد دیا جاسکتا ہے

(۵) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِظَهْرِهِ مَعَ رَبَاحٍ غُلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مَعَهُ فَلَمَّا اَصْبَحْنَا اِذَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ الْفَزَارِيُّ قَدْ اَغَارَ عَلٰى ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُمْتُ عَلٰى اَكَمَةٍ فَاسْتَقْبَلْتُ الْمَدِيْنَةَ فَنَادَيْتُ ثَلَاثًا يَا صَبَاحَاهُ ثُمَّ خَرَجْتُ فِيْ اٰثَارِ الْقَوْمِ اَرْمِيْهِمْ بِالنَّبْلِ وَاَرْتَجِزُ اَقُوْلُ اَنَا ابْنُ الْاَكْوَعِ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ۔ فَمَازِلْتُ اَرْمِيْهِمْ وَاَعْقِرُ بِهِمْ حَتّٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ بَعِيْرٍ مِنْ ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا خَلَّفْتُهُ وَرَاءَ ظَهْرِيْ ثُمَّ اتَّبَعْتُهُمْ اَرْمِيْهِمْ حَتّٰى اَلْقَوْا اَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثِيْنَ بُرْدَةً وَثَلَاثِيْنَ رُمْحًا يَسْتَخِفُّوْنَ وَلَا يَطْرَحُوْنَ شَيْئًا اِلَّا جَعَلْتُ عَلَيْهِ اٰرَامًا مِنَ الْحِجَارَةِ يَعْرِفُهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهُ حَتّٰى رَاَيْتُ فَوَارِسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَحِقَ اَبُوْقَتَادَةَ فَارِسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَقَتَلَهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ اَبُوْقَتَادَةَ وَخَيْرُ رُجَالَتِنَا سَلَمَةُ قَالَ ثُمَّ اَعْطَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهْمَيْنِ سَهْمَ الْفَارِسِ وَسَهْمَ الرَّاجِلِ فَجَمَعَهُمَا لِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ اَرْدَفَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاءَهُ عَلَى الْعَضْبَاءِ رَاجِعِيْنَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ (مسلمانوں اور کفار قریش کے درمیان معاہدہ ہو جانے کا بعد حدیبیہ سے واپسی کے دوران راستہ میں) رسول کریم ﷺ نے اپنی، سواری کے اونٹ رباح کے ساتھ، جو رسول کریم ﷺ کے غلام تھے، آگے روانہ کر دیئے میں بھی رباح کے ساتھ ہولیا، (ہم دونوں نے رات میں ایک جگہ قیام کیا اور) جب صبح ہوئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن فزاری نے (جو مسلمانوں کا ایک مشہور دشمن اور کافر تھا) رسول کریم ﷺ کے اونٹوں پر چھاپہ مارا اور ان کو ہنکا کر لے گیا، میں ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور مدین کی طرف منہ کر کے تین مرتبہ یا صباحاہ (یعنی خبردار! دشمن آپہنچا) کا نعرہ بلند کیا اور تیر پر تیر پھینکتا ہوا اس قوم یعنی عبدالرحمٰن اور اس کے ساتھیوں کے نشانات قدم پر (یعنی ان کے پیچھے) چل پڑا اس وقت میری زبان پر (بلند آواز میں) رجز یعنی رزمیہ شعر تھے، میں نے کہا تھا انا ابن الاکوع والیوم یوم الرضع یعنی (اے دین کے دشمنو! کان کھول کر سن لو) میں اکوع کا بیٹا ہوں، آج کا دن برے لوگوں (یعنی تم دشمنان دین) کے ہلاک ہونے کا دن ہے! میں اسی طرح برابر تیر مارتا اور ان کی سواریوں کی کونچیں کاٹتا (آگے بڑھتا) رہا یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ کے اونٹوں میں سے اللہ کا پیدا کیا ہوا ایسا کوئی اونٹ باقی نہیں بچا جس کو میں نے اپنے پیچھے نہ چھوڑ دیا ہو، میں تیر برساتا ہوا ان کا تعاقب جاری رکھے ہوئے تھا یہاں تک کہ انہوں نے ہلکا ہو جانے کے خیال سے اپنی تیس سے زیادہ چادریں اور تیس کپڑے پھینک دیئے (یعنی وہ بھاگتے ہوئے اپنی چادریں اور اپنے کپڑے بھی پھینکتے جا رہے تھے تاکہ جسم ہلکا ہو جانے کی وجہ سے بھاگنے میں آسانی ہو) اور وہ جس چیز کو بھی پھینکتے تھے میں اس پر نشان کے طور پر پتھر رکھ دیتا تھا تاکہ رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء (اگر پیچھے سے آئیں تو) اس کو پہچان لیں یہاں تک میں نے رسول کریم ﷺ کے سواروں کو (آتے) دیکھا اور پھر (یہ دیکھا کہ) حضرت ابوقتادہؓ نے جنہیں رسول کریم ﷺ کا سوار کہا جاتا تھا، عبدالرحمٰن کو جالیا (جس نے آنحضرت ﷺ کے اونٹوں کو ہنکا لے جانا چاہا تھا) اور اس کو قتل کر دیا۔ پھر (اس ہنگامہ کے ختم ہونے کے بعد) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "آج ہمارے سواروں میں سب سے بہتر سوار ابوقتادہؓ ہیں اور پیادوں میں سب سے بہتر پیادہ سلمہ ابن اکوع ہیں۔" اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے (جب ان کافروں سے ہاتھ لگے ہوئے مال کو ہمارے درمیان تقسیم فرمایا تو) مجھ کو دو حصے دیئے (ایک حصہ سوار کا (کہ وہ بحسب اختلاف مسلک دو حصے ہیں یا تین حصے) اور ایک حصہ پیادہ کا، دونوں حصے اکٹھا کر کے مجھے عطا فرمائے اور پھر رسول کریم ﷺ نے اپنی اونٹنی عضباء پر مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔" (مسلم)

تشریح: "رضع" دراصل راضع کی جمع ہے جیسے ارکع کی جمع رکع ہے! راضع پاجی اور کمینہ شخص کو کہتے ہیں آرام (پہلے الف کے مد کے ساتھ) ارم کی جمع ہے جیسے عنب کی جمع اعناب ہے! ارم اس پتھر کو کہتے ہیں جو جنگل و میدان میں راستہ یا کسی دفینہ کے نشان و علامت کے طور پر نصب کیا گیا ہو۔ اہل عرب کی یہ عادت تھی جب وہ راستہ میں کوئی چیز پاتے اور اس کو اپنے ساتھ نہ لے جاسکتے تو اس پر بطور نشان کو یا پتھر رکھ دینے یا پتھروں کا ڈھیر کر کے اس کے نیچے اس کو چھپا دیتے اور پھر آکر اسی نشان سے وہ چیز نکال کر لے جاتے۔

حضرت سلمہؓ اگرچہ پیادہ تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو پیادہ کا حصہ دینے کے ساتھ سوار کا حصہ بھی دیا کیونکہ یہ سارا معرکہ ایک طرح سے انہی کی جدوجہد سے سر ہوا گویا وہ اس غزوے کے ایک بڑے منتظم بھی تھے، اس سے معلوم ہوا کہ امام وقت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مال غنیمت میں سے کسی ایسے مجاہد کو اس کے حصے سے زیادہ دیدے۔ جس نے جہاد میں بہت زیادہ محنت وجدوجہد کی ہو تا کہ لوگ جہاد میں زیادہ سے زیادہ محنت وجدوجہد کرنے کی طرف راغب ہوں

(۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُنَفِّلُ بَعْضَ مَنْ يَبْعَثُ مِنَ السَّرَايَا لِاَنْفُسِهِمْ خَاصَّةً سِوٰى قِسْمَةِ عَامَّةِ الْجَيْشِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جن لوگوں کو جہاد کے لئے بھیجتے تھے ان میں سے بعض لوگوں کے لئے عام لشکر والوں کی بہ نسبت مخصوص طور پر کچھ زیادہ حصہ لگا دیا کرتے تھے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت بعض مجاہدوں کو ان کے مقررہ حصوں سے کچھ زیادہ دے دیا کرتے تھے تاکہ انہیں دشمنوں کے مقابلہ پر لڑنے کی ترغیب ہو۔

(۷) وَعَنْهُ قَالَ نَفَّلَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَلًا سِوٰى نَصِيْبِنَا مِنَ الْخُمُسِ فَاَصَابَنِيْ شَارِفٌ وَالشَّارِفُ الْمُسِنُّ الْكَبِيْرُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے ہم لوگوں کو خمس مال میں سے ہمارے مقررہ حصوں کے علاوہ بھی کچھ زیادہ مرحمت فرمایا، چنانچہ میرے حصے میں ایک شارف آئی اور شارف اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو بوڑھی اور بڑی ہو۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

مسلمانوں کے ان جانوروں اور غلاموں کا حکم جو دشمنوں کے ہاتھ لگ جائیں اور پھر مال غنیمت میں واپس آئیں

(۸) وَعَنْهُ قَالَ ذَهَبَتْ فَرَسٌ لَهُ فَاَخَذَهُ الْعَدُوُّ فَظَهَرَ عَلَيْهِمُ الْمُسْلِمُوْنَ فَرُدَّ عَلَيْهِ فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَبَقَ عَبْدٌ لَهُ فَلَحِقَ بِالرُّوْمِ فَظَهَرَ عَلَيْهِمُ الْمُسْلِمُوْنَ فَرَدَّ عَلَيْهِ خَالِدُ ابْنُ الْوَلِيْدِ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ (ایک مرتبہ) ان کا گھوڑا بھاگ گیا جس کو دشمنوں (یعنی کافروں) نے پکڑ لیا، پھر جب مسلمانوں کو ان دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی (اور ان کے مال غنیمت میں وہ گھوڑا بھی آیا) تو ابن عمرؓ کو ان کا گھوڑا واپس کر دیا گیا (اور اس کو مال غنیمت میں شمار نہیں کیا گیا) یہ واقعہ رسول کریم ﷺ کے زمانے کا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ "ابن عمرؓ کا غلام بھاگ کر روم پہنچ گیا، پھر جب مسلمانوں کو رومیوں پر فتح حاصل ہوئی تو خالد بن ولیدؓ نے ابن عمرؓ کو (ان کا غلام) واپس کر دیا۔ یہ نبی کریم ﷺ کے زمانے کے بعد کا واقعہ ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا اگر کافر مسلمانوں کے بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ لیں تو وہ اس کے مالک نہیں

ہوتے، چنانچہ ان کافروں پر مسلمانوں کے غلبہ حاصل کر لینے کی صورت میں اگر وہ غلام مال غنیمت کے ساتھ مسلمانوں کے قبضے میں آجائے تو یہ واجب ہے کہ وہ غلام اس کے مالک کو واپس کر دیا جائے خواہ یہ واپسی مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے عمل میں آجائے یا تقسیم کے بعد واپس کرنا پڑے۔ اور ابن ہمامؒ کہتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان یا ذمی کا مسلمان غلام بھاگ کر دار الحرب پہنچ جائے اور وہاں کے کافر اس کو پکڑ لیں تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ کافر اس کے مالک نہیں قرار پائیں گے جب کہ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک وہ کافر اس کے مالک ہو جائیں گے، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے لیکن اگر وہ غلام مرتد ہو کر بھاگا ہو اور کافروں نے اس کو پکڑ لیا ہو تو اس صورت میں تمام آئمہؒ کے نزدیک وہ اس کے مالک قرار پائیں گے۔ اسی طرح اگر کسی مسلمان یا ذمی کا کوئی اونٹ بھاگ کر چلا گیا اور کافروں نے اس کو پکڑ لیا تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔

خیبر کے مال خمس میں سے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کی محرومی

⑨ وَعَنْ جُبَيْرِ ابْنِ مُطْعِمٍ قَالَ مَشَيْتُ اَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا اَعْطَيْتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ وَتَرَكْتَنَا وَنَحْنُ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْكَ فَقَالَ اِنَّمَا بَنُوْهَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَاحِدٌ قَالَ جُبَيْرٌ وَلَمْ يَقْسِمِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَنِيْ عَبْدِشَمْسٍ وَبَنِيْ نَوْفَلٍ شَيْئًا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت جبیر ابن مطعمؓ کہتے ہیں کہ میں اور حضرت عثمان ابن عفانؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ﷺ نے خیبر کے خمس میں سے بنو مطلب کو حصہ دیا اور ہم کو نہیں دیا حالانکہ آپ ﷺ کے اعتبار سے ہم سب ایک ہی مرتبہ کے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں (جانتا) کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہیں۔" حضرت جبیرؓ کہتے ہیں کہ "اور نبی کریم ﷺ نے بنو عبد شمس (یعنی حضرت عثمانؓ وغیرہ) اور بنو نوفل (یعنی حضرت جبیرؓ وغیرہ) کو کوئی حصہ نہیں دیا۔" (بخاریؒ)

تشریح: "ہم سب ایک ہی مرتبہ کے ہیں" کا مطلب یہ تھا کہ میں، حضرت عثمان، بنو ہاشم اور بنو مطلب، آپ ﷺ کے اعتبار سے ایک ہی درجہ کے ہیں بایں طور کہ ہم سب ایک ہی جد اعلیٰ یعنی عبد مناف کی اولاد ہونے کی وجہ سے ایک ہی سلسلہ کی کڑی ہیں، اور وہ یوں کہ ہاشم، مطلب، نوفل اور عبد شمس، یہ چاروں عبد مناف کے بیٹے تھے جو ہمارے اور آپ ﷺ کے چوتھے جد ہیں، چنانچہ میں، جبیر ابن مطعم ابن عدی ابن نوفل ابن عبد مناف ہوں، حضرت عثمان ابن عفان ابن ابوالعاص ابن امیر ابن عبد شمس ابن عبد مناف ہیں اور آپ ﷺ محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف ہیں۔ اس طرح ہم سب ایک ہی سلسلہ نسب کی کڑی ہیں تو پھر ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آپ ﷺ نے خیبر سے آئے ہوئے مال کے خمس میں سے اس سلسلہ نسب کی ایک شاخ بنو مطلب کو تو حصہ دیا لیکن ہمیں یعنی عبد شمس اور بنو نوفل کو کیوں محروم رکھا؟ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ جو یہ فرمایا کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہیں" تو اس کا حاصل یہ تھا کہ اگرچہ یہ چاروں ایک ہی سلسلہ نسب کی کڑی اور ایک ہی جد علی عبد مناف کی اولاد ہونے کی وجہ سے ایک ہی خاندان کے فرد ہیں لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ تعلقات و معاملات کے اعتبار سے اصل میں صرف بنو ہاشم اور بنو مطلب ہی ایک مرتبہ کے اور شئی واحد کے مانند ہیں کیونکہ وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے مدد و معاون رفیق و غمگسار اور ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں۔ ان دونوں کے درمیان نہ زمانہ جاہلیت میں مخالفت و منافرت تھی اور نہ اب زمانہ اسلام میں کوئی اختلاف و انتشار ہے جب کہ تم دونوں یعنی بنو عبد شمس اور بنو نوفل زمانہ جاہلیت میں بنو ہاشم اور بنو مطلب کے حریف و مخالف رہے ہو چنانچہ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مرتبہ نبوت پر فائز ہونے کے بعد مکہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کی اور کفار قریش کو اللہ کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی طرف بلایا تو بنو عبد شمس اور بنو نوفل (کے لوگوں) نے آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کی سخت مخالفت ہی نہیں کی بلکہ آپ ﷺ کے درپے آزار بھی ہوئے، یہاں تک کہ ان دونوں یعنی بنو عبد شمس اور بنو نوفل نے اسی مخالفت

وعداوت کی بناء پر آپس میں ایک دوسرے سے عہد کی کہ جب تک بنوہاشم کے لوگ، محمد (ﷺ) کو ہم میں سے کسی ایک کے حوالے نہ کردیں اس وقت تک ہم بنوہاشم کے ساتھ بیاہ شادی، لین دین اور خرید و فروخت کا کوئی معاملہ نہیں کریں گے۔ اس وقت بنو مطلب نے بنوہاشم کے ساتھ پورا تعاون کیا اور ان کے ساتھ متفق و متحد رہے الہٰذا آنحضرت ﷺ نے بنو عبد شمس (یعنی حضرت عثمان وغیرہ) بنو نوفل (یعنی حضرت جبیر وغیرہ) کو خیبر کے خمس میں سے کوئی حصہ نہیں دیا باوجودیکہ وہ آنحضرت ﷺ کے ذوی القربی میں سے تھے کیونکہ ان کے اور بنوہاشم کے درمیان کوئی اتفاق و اتحاد نہیں تھا جب کہ بظاہر دونوں کے درمیان مخالفت و منافرت تھی۔

مال فئی کا حکم

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا قَرْیَةٍ اَتَیْتُمُوْھَا وَاَقَمْتُمْ فِیْھَا فَسَھْمُکُمْ فِیْھَا وَاَیُّمَا قَرْیَةٍ عَصَتِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ خُمُسَھَا لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ ثُمَّ ھِیَ لَکُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس بستی میں تم جاؤ اور اس میں قیام کرو تو اس (کے مال) میں تمہارا حصہ ہے اور جو بستی خدا اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تو اس (کے مال) میں پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے، اور بقیہ تمہارا ہے۔" (مسلم)

تشریح: "اور اس میں قیام کرو" کا مطلب یہ ہے کہ تم جہاد کے لئے کسی بستی میں گئے اور بستی والے لڑے بھڑے بغیر اس بستی کو چھوڑ کر بھاگ گئے یا انہوں نے تمہارے ساتھ مصالحت کرکے اس بستی اور اپنے آپ کو تمہارے حوالے کردیا اور تم اس میں قیام پذیر ہوگئے۔

"تو اس میں تمہارا حصہ ہے" کے ذریعہ یہ واضح کیا گیا ہے کہ مذکورہ بستی سے جو مال و اسباب تمہارے ہاتھ لگے گا وہ صرف تمہارا حق نہیں ہوگا بلکہ تمہارے اور ان مجاہدین کے درمیان مشترک رہے گا جو تمہارے ساتھ جہاد کے لئے نہیں جاسکے ہیں بلکہ اپنے گھروں میں رہ گئے ہیں کیونکہ اس طرح کا مال (جو مسلمانوں کو کفار سے جنگ و جدل کے بغیر حاصل ہو) "فئی" کہلاتا ہے اور مال فئی کا حکم یہ ہے کہ وہ صرف انہی مجاہدین کے لئے مخصوص نہیں ہوتا جو جنگ میں شریک ہونے کے لئے اپنے گھروں سے نکلے ہوں۔

"جو بستی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے الخ" کا مطلب یہ ہے کہ جس بستی کے لوگوں نے نہ تو دعوت اسلام قبول کی اور نہ مصالحت کے ذریعہ اپنے آپ کو تمہارے حوالے کیا بلکہ تمرد و سرکشی کی راہ اختیار کرکے تمہارے ساتھ جنگ کی اور تم نے لڑائی اور طاقت کے ذریعہ ان پر غلبہ حاصل کرلیا تو اس صورت میں اس بستی سے جو مال و اسباب ہاتھ لگے گا وہ "مال غنیمت" کہلائے گا، اس مال میں سے پہلے خمس یعنی پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے علیحدہ کردیا جائے گا اور پھر جو باقی بچے گا وہ اس جنگ میں شریک ہونے والے مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خمس صرف مال غنیمت میں سے نکالا جائے گا، مال فئی میں سے بھی نکالا جائے اس اعتبار سے یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے خلاف مسلک کی دلیل ہے۔

بعض حنفی علماء نے اس حدیث کی تشریح یوں کی ہے پہلے جزو سے مراد وہ صورت ہے جس میں مسلمانوں نے کسی آبادی و بستی کو اس حال میں فتح کیا ہو کہ ان کے ساتھ رسول کریم ﷺ نہ رہے ہوں اور دوسرے جزو سے مراد وہ صورت ہے جس میں مسلمانوں نے کسی آبادی و بستی کو اس حال میں فتح کیا ہو کہ آنحضرت ﷺ بذات خود اس جہاد میں شریک رہے ہوں، لہٰذا اس دوسری صورت میں آنحضرت ﷺ خمس وصول فرماتے تھے اور باقی لشکر والوں کے درمیان تقسیم ہوتا تھا۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والوں کے بارے میں وعید

(۱۱) وَعَنْ خَوْلَةَ الْاَنْصَارِیَّةِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ رِجَالًا یَتَخَوَّضُوْنَ فِیْ مَالِ اللّٰہِ بِغَیْرِ حَقٍّ فَلَھُمُ النَّارُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت خولہؓ انصاریہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بعض لوگ اللہ کا مال یعنی غنیمت فئی اور زکوٰۃ کے مال میں ناحق یعنی بغیر کسی استحقاق کے تصرف کرتے ہیں، لہٰذا ایسے لوگ قیامت کے دن آگ کے سزاوار ہوں گے۔" (بخاریؒ)

تشریح: یعنی اگر انہوں نے حلال جان کر ناحق تصرف کیا ہوگا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ کی آگ میں جلیں گے اور اگر انہوں نے اس گناہ کا ارتکاب اس کو حلال جان کر نہیں کیا ہوگا پھر حق تعالیٰ جتنی مدت کے لئے چاہے گا ان کو دوزخ کے عذاب میں مبتلا رکھے گا۔

⑫ وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَذَکَرَ الْغُلُوْلَ فَعَظَّمَهٗ وَعَظَّمَ اَمْرَهٗ ثُمَّ قَالَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ بَعِیْرٌ لَهٗ رُغَاءٌ یَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَهٗ حَمْحَمَةٌ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ یَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ نَفْسٌ لَهَا صِیَاحٌ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ رِقَاعٌ تَخْفِقُ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ صَامِتٌ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ وَهُوَ اَتَمُّ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک دن ہمارے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا اور (اس خطبہ کے دوران) مال غنیمت میں خیانت کا ذکر فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو بہت بڑا گناہ بتایا، اور بڑی اہمیت کے ساتھ اس کو بیان کیا اور پھر فرمایا کہ "خبردار!" میں تم سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر بلبلاتے ہوئے اونٹ کو لادے ہوئے (میدان حشر میں) آئے (یعنی جو شخص مال غنیمت میں سے مثلاً اونٹ کی خیانت کرے گا تو وہ شخص میدان حشر میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کی گردن پر وہی اونٹ سوار ہوگا اور بلبلا رہا ہوگا) اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری فریاد رسی (شفاعت) کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں (یعنی میں تمہیں اللہ کے عذاب سے چھٹکارا نہیں دلا سکتا) کیونکہ میں نے تمہیں (دنیا میں) شریعت کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ (اور خبردار!) میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر ہنہناتے ہوئے گھوڑے کو لادے ہوئے (میدان حشر میں آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری فریاد رسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچا دیئے تھے (یعنی تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا کہ مال غنیمت میں خیانت یا کسی چیز میں ناحق تصرف بہت بڑا گناہ ہے)۔ (اور خبردار) میں تم سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر ممیاتی ہوئی بکری لادے ہوئے (میدان حشر میں) آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری فریاد رسی کی جائے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ (او رخبردار!) میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر کسی چلاتے ہوتے آدمی کو (یعنی اس غلام یا باندی کو جو اس نے غنیمت کے قیدیوں میں سے خیانت کر کے لئے ہو) لادے ہوئے (میدان حشر میں) آئیے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری فریاد رسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ (اور خبردار!) میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر لہراتے ہوئے کپڑے رکھے ہوئے (میدان حشر میں) آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری فریاد رسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہے دوں کہ میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ (خبردار!) میں تم میں کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر سونا چاندی لادے ہوئے (میدان حشر میں) آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ

یارسول اللہ! میری فریاد رسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچا دیئے۔" اس روایت کو (معنی و مضمون کے اعتبار سے) بخاریؒ و مسلمؒ دونوں نے نقل کیا ہے، الفاظ مسلمؒ کے ہیں جو بخاریؒ کے الفاظ کی بہ نسبت) پورے و مکمل ہیں۔"

جس مال سے مسلمانوں کے حقوق متعلق ہوں اس میں ناحق تصرف کرنے والے کے بارے میں وعید

(۱۳) وَعَنْهُ قَالَ اَهْدٰى رَجُلٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا يُقَالُ لَهٗ مِدْعَمٌ فَبَيْنَمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَهٗ سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهٗ فَقَالَ النَّاسُ هَنِيْئًا لَهُ الْجَنَّةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِيْ اَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ اَوْشِرَاكَيْنِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شِرَاكٌ مِنْ نَارٍ اَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک غلام ہدیہ کے طور پر پیش کیا جس کا نام مدعم تھا (ایک دن غالباً کسی میدان جنگ میں) وہ رسول کریم ﷺ کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ اچانک کسی نامعلوم شخص کا تیر آکر اس کو لگا جس سے جان بحق ہو گیا، لوگوں نے کہا "مدعم کو جنت مبارک ہو یعنی مدعم خوش قسمت رہا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتے ہوئے شہید ہوا اور جنت میں پہنچ گیا" (یہ سن کر) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "نہیں! ایسا نہیں ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں جان ہے، وہ چادر جس کو مدعم نے خیبر کے دن مال غنیمت میں سے اس کی تقسیم سے قبل لے لیا تھا، آگ بن کر مدعم پر شعلے برسا رہی ہے۔" جب (ان) لوگوں نے (اس شدید وعید و تنبیہ کو) سنا (جنہوں نے مال غنیمت میں خیانت کرنے کو سہل سمجھ لیا تھا اور یہ گمان کر لیا تھا کہ چھوٹی موٹی اور حقیر چیزوں کو لے لینے پر کوئی مواخذہ نہیں ہو گا تو وہ کانپ گئے اور انہوں نے مال غنیمت میں سے جو چھوٹی موٹی چیزیں لے لی تھیں ان کو لالا کر واپس کرنے لگے یہاں تک کہ) ایک شخص ایک تسمہ یا دو تسمے (واپس کرنے کے لئے) نبی کریم ﷺ کی خدمت" میں لایا۔ آپ ﷺ نے (اس کو دیکھ کر) فرمایا کہ "یہ آگ کا ایک تسمہ ہے یا آگ کے دو تسمے ہیں یعنی خیانت کی چیز ہر حالت میں دوزخ کی آگ کا سزاوار کرے گی خواہ وہ کتنی ہی معمولی اور حقیر کیوں نہ ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث میں اس شخص کے لئے سخت تنبیہ اور شدید وعید ہے جو کسی ایسے مال میں سے کھائے جس کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق متعلق ہوں۔ جیسے اوقاف اور بیت المال وغیرہ کیونکہ کسی ایک شخص کا حق تو واپس کیا جا سکتا ہے لیکن بہت سوں کے حقوق کی واپسی اور ان کی حق تلفیوں کی تلافی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔

(۱۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ عَلٰى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ كِرْكِرَةُ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ فِي النَّارِ فَذَهَبُوْا يَنْظُرُوْنَ فَوَجَدُوْا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص جس کا نام کرکرہ تھا (کسی غزوے میں) رسول کریم ﷺ (کی طرف سے سامان واسباب) کا نگران مقرر ہوا، جب اس کا انتقال ہوا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "وہ (کرکرہ) دوزخ میں ڈالا گیا ہے۔" چنانچہ لوگوں نے (اس کے سامان کو) دیکھنا شروع کیا تو اس میں ایک کملی پائی گئی جس کو اس نے مال غنیمت میں سے خیانت کر کے لیا تھا۔" (بخاریؒ)

تشریح: یحییٰؒ کہتے ہیں کہ لفظ فذهبوا میں حرف فاعاطفه ہے، گویا اس لفظ سے پہلے یہ مفہوم محذوف ہے کہ "صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو انہیں معلوم ہوا کہ کرکرہ کے حق میں یہ وعید اس سبب سے ہے کہ اس نے مال غنیمت میں خیانت کی تھی چنانچہ انہوں نے اس کے سامان کو دیکھنا شروع کیا الخ"

مجاہدین کو مال غنیمت میں سے خورد و نوش کی چیزوں کو تقسیم سے پہلے استعمال کرنے کی اجازت

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نُصِيبُ فِيْ مَغَازِيْنَا الْعَسَلَ وَالْعِنَبَ فَنَأْكُلُهُ وَلَا نَرْفَعُهُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہمیں غزوات میں شہد اور انگور ملتے تو ہم ان کو کھاتے تھے اٹھا کر لے نہیں جاتے تھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: یعنی ہم اس شہد اور انگور کو تقسیم کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کے پاس اٹھا کر نہیں لے جاتے تھے! گویا اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمارے اس فعل کو جائز رکھتے تھے، چنانچہ اس مسئلہ پر علماء کا اتفاق ہے، کہ مجاہدین اسلام جب تک دار الحرب یعنی دشمن کے محاذ جنگ پر رہیں اس وقت ان کو مال غنیمت میں سے خورد و نوش کی چیزوں کو ان کی تقسیم سے پہلے بقدر ضرورت و حاجت کھانے پینے کے مصرف میں لانا جائز ہے

(۱۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ اَصَبْتُ جِرَابًا مِنْ شَحْمٍ يَوْمَ خَيْبَرَ فَالْتَزَمْتُهُ فَقُلْتُ لَا أُعْطِي الْيَوْمَ اَحَدًا مِنْ هٰذَا شَيْئًا فَالْتَفَتُّ فَإِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَسَّمُ اِلَيَّ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبد اللہ ابن مغفل کہتے ہیں کہ خیبر کے دن مجھ کو چربی سے بھری ہوئی ایک تھیلی ملی میں نے اس کو اٹھا کر اپنے (سینے سے) لگالیا اور (دل میں زبان سے) کہا کہ آج میں اس چربی میں سے کسی کو کچھ نہیں دوں گا پھر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول کریم ﷺ (کھڑے ہوئے) مجھ پر (یعنی میرے اس فعل پر) مسکرا رہے تھے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: جیسا کہ اوپر کی حدیث کے ضمن میں بیان کیا گیا، اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ مجاہدوں کو مال غنیمت میں سے بقدر ضرورت کھانے پینے کی چیز لے لینا جائز ہے۔

وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مَا اُعْطِيْكُمْ فِيْ بَابِ رِزْقِ الْوُلَاةِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ما اعطیکم الخ "رزق ولاۃ" کے باب میں ذکر کی جا چکی ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

مال غنیمت کے جواز کے ذریعہ اُمت محمدی ﷺ کو دوسری امتوں پر فضیلت

(۱۷) وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَنِيْ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ اَوْقَالَ فَضَّلَ اُمَّتِيْ عَلَى الْاُمَمِ وَاَحَلَّ لَنَا الْغَنَائِمَ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت ابو امامہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو انبیاء پر فضیلت و بزرگی عطا فرمائی ہے۔ یا یہ فرمایا کہ میری اُمت کو دوسری امتوں پر فضیلت و بزرگی عطا کی ہے اور مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال قرار دیا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: حدیث کا آخری جملہ مذکورہ فضیلت و بزرگی کی وضاحت کے طور پر ہے یعنی حق تعالیٰ نے ہمارے لئے مال غنیمت کو مخصوص طور پر حلال قرار دے کر ہمیں دوسری امتوں پر فضیلت و بزرگی عطا کی ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں دوسری امتوں پر جہاں اور بہت سی فضیلتیں عطا کی ہیں وہیں ایک فضیلت یہ بھی عطا کی ہے کہ ہمارے لئے مال غنیمت کو حلال کیا ہے۔

مقتول کا مال قاتل کو ملے گا

(۱۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ يَعْنِيْ يَوْمَ حُنَيْنٍ مَنْ قَتَلَ كَافِرًا فَلَهُ سَلَبُهُ فَقَتَلَ

اَبُوْطَلْحَۃَ یَوْمَئِذٍ عِشْرِیْنَ رَجُلًا وَاَخَذَ اَسْلَابَھُمْ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس روز یعنی غزوہ حنین کے دن فرمایا جو شخص کسی کافر (دشمن) کو قتل کرے گا اس (مقتول) کا مال واسباب اسی (قاتل) کو ملے گا۔" چنانچہ ابوطلحہؓ نے اس دن (دشمن کے) بیس آدمیوں کو قتل کیا اور ان کا سب مال اور اسباب حاصل کیا!" (دارمیؒ)

(۱۹) وَعَنْ عَوْفِ ابْنِ مَالِكِ الْاَشْجَعِیِّ وَخَالِدِ بْنِ الْوَلِیْدِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَضٰی فِی السَّلَبِ لِلْقَاتِلِ وَلَمْ یُخَمِّسِ السَّلَبَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عوفؓ ابن مالک اشجعی اور حضرت خالدؓ ابن الولید سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مقتول کے مال و اسباب کے بارے میں حکم فرمایا کہ وہ قتل کرنے والے کا حق ہے، نیز اس مال واسباب میں سے آپ ﷺ نے خمس نہیں نکالا (جیسا کہ مال غنیمت میں سے نکالتے تھے)۔" (ابوداؤدؒ)

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ نَفَّلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ بَدْرٍ سَیْفَ اَبِیْ جَھْلٍ وَکَانَ قَتَلَہٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہؓ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ بدر کے دن مجھ کو ابوجہل کی تلوار (میری حصہ سے) زائد دی۔ واضح ہو کہ ابوجہل کو عبداللہ بن مسعود ہی نے قتل کیا تھا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: جنگ بدر میں ابوجہل کو اصل میں تو انصار مدینہ کے دو نوعمروں نے قتل کیا تھا لیکن حضرت ابن مسعودؓ اس کے قتل کرنے میں ان کے شریک تھے بایں طور کہ اس کا سرتن سے انہوں نے ہی جدا کیا تھا، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس کے سامان کی ایک چیز یعنی تلوار حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو عطا فرمائی۔

غلام کو مال غنیمت میں سے تھوڑا بہت دیا جاسکتا ہے

(۲۱) وَعَنْ عُمَیْرٍ مَوْلٰی اَبِی اللَّحْمِ قَالَ شَھِدْتُ خَیْبَرَ مَعَ سَادَتِیْ فَکَلَّمُوْا فِیَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَلَّمُوْہُ اَنِّیْ مَمْلُوْكٌ فَاَمَرَنِیْ فَقُلِّدْتُ سَیْفًا فَاِذَا اَنَا اَجُرُّہٗ فَاَمَرَلِیْ بِشَیْءٍ مِنْ خُرْثِیِّ الْمَتَاعِ وَعَرَضْتُ عَلَیْہِ رُقْیَۃً کُنْتُ اَرْقِیْ بِھَا الْمَجَانِیْنَ فَاَمَرَنِیْ بِطَرْحِ بَعْضِھَا وَحَبْسِ بَعْضِھَا۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ اِلَّا اَنَّ رِوَایَتَہٗ اِنْتَھَتْ عِنْدَ قَوْلِہٖ الْمَتَاعِ۔

"اور حضرت عمیرؓ ابی اللحمؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، کہتے ہیں کہ میں اپنے مالکوں کے ساتھ غزوہ خیبر میں شریک ہوا ہوں (اس غزوہ کے لئے روانگی کے وقت) میرے مالکوں نے میرے بارے میں رسول کریم ﷺ سے گفتگو کی (یعنی انہوں نے میری تعریف و توصیف کی اور عرض کیا کہ میدان جنگ میں لڑنے کے لئے یا خدمت کی غرض سے عمیرؓ کو بھی ساتھ لے چلئے) نیز انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ بھی بتایا کہ میں ایک مملوک (غلام) ہوں، آپ ﷺ نے (میرے مالکوں کی درخواست منظور فرمائی اور) مجھ کو حکم دیا کہ میں مسلح ہو جاؤں اور مجاہدین کے ساتھ شامل رہوں، چنانچہ مجھے تلوار سے مسلح کیا گیا (یعنی ایک تلوار میری گردن میں ڈال دی گئی) میں (جب چلتا تو صغرسنی کی وجہ سے یا اپنے کوتاہ قد ہونے کے سبب) اس تلوار کو زمین پر گھسیٹتا ہوا چلتا، پھر (دشمنوں پر غلبہ حاصل کر لینے کے بعد مال غنیمت کی تقسیم شروع ہوئی تو) آنحضرت ﷺ نے اس مال غنیمت میں سے تھوڑا بہت مجھے بھی دیئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ نیز (ایک موقع پر) میں نے آنحضرت ﷺ کو اپنا وہ منتر پڑھ کر سنایا جو میں دیوانگی کے مریضوں پر پڑھا کرتا تھا (اور آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے مجھے اس کے بعض حصوں کو موقوف کر دینے اور بعض حصوں کو باقی رکھنے کا حکم دیا۔ اس روایت کو ترمذیؒ اور ابوداؤدؒ نے نقل کیا ہے لیکن ابوداؤدؒ کی روایت لفظ "المتاع" پر پوری ہو گئی ہے۔"

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمیر جو منتر جانتے تھے اس سے بعض کلمات اسلامی عقائد کے منافی ہوں گے، لہٰذا آپ ﷺ نے ان کلمات کو ترک کر دینے کا حکم دیا البتہ جو کلمات اسلامی عقائد و تعلیمات کے منافی نہیں تھے ان کو باقی رکھنے کی اجازت دے دی۔

خیبر کے مال غنیمت کی تقسیم

(۲۲) وَعَنْ مُجَمِّعِ بْنِ جَارِيَةَ قَالَ قُسِمَتْ خَيْبَرُ عَلٰى اَهْلِ الْحُدَيْبِيَةِ فَقَسَمَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَهْمًا وَكَانَ الْجَيْشُ اَلْفًا وَّ خَمْسَمِائَةٍ فِيْهِمْ ثَلَاثُمِائَةِ فَارِسٍ فَاَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ وَالرَّاجِلَ سَهْمًا۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ حَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ اَصَحُّ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ وَاَتَى الْوَهْمُ فِيْ حَدِيْثِ مُجَمِّعٍ اَنَّهُ قَالَ ثَلَاثُمِائَةِ فَارِسٍ وَاِنَّمَا كَانُوْا مِائَتَيْ فَارِسٍ۔

"اور حضرت مجمعؓ بن جاریہ کہتے ہیں کہ خیبر (میں حاصل شدہ مال غنیمت اور زمین) کو ان لوگوں کے درمیان تقسیم کیا گیا جو حدیبیہ (صلح حدیبیہ) میں شریک تھے، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس (خیبر کے مال غنیمت اور زمین) کو اٹھارہ حصوں پر تقسیم کیا، اور (صلح حدیبیہ میں شریک) لشکر کی تعداد پندرہ سو آدمیوں پر مشتمل تھی جن میں تین سو سوار تھے، اس طرح سوار کو آپ ﷺ نے دو حصے دیئے اور پیادہ کو ایک حصہ۔ ابوداؤدؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس بارہ میں ابن عمرؓ کی روایت زیادہ صحیح ہے اور اسی پر اکثر ائمہ نے عمل کیا ہے نیز مجمعؓ کی (اس) روایت میں واہمہ واقع ہوا ہے کہ انہوں (مجمعؓ) نے کہا ہے کہ تین سو سوار تھے حالانکہ سواروں کی تعداد دو سو تھی۔"

تشریح: جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں اسلامی لشکر کے سوار مجاہد کے دو حصے ہیں جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے، وہ اس حدیث مجمعؓ کو اپنے مسلک کی دلیل قرار دیتے ہیں، کیونکہ جب اٹھارہ حصوں میں سے تین سو سواروں میں ہر سو سو سوار کو دو دو حصے دیئے گئے تو چھ حصے ہو گئے اور بارہ حصے باقی بچے۔ چنانچہ ان بارہ حصوں کو بارہ سو پیادوں کے درمیان اس طرح تقسیم کیا گیا کہ ہر سو پیادوں کو ایک حصہ ملا۔ جب کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں سوار مجاہد کے تین حصے ہیں، ان کے اعتبار سے یہ حساب درست نہیں۔ بیٹھتا، کیونکہ اس صورت میں سواروں پر نو حصوں کی تقسیم لازم آتی ہے اور بارہ حصے پیادوں کے ہوئے، اس حساب سے ان حصوں کی مجموعی تعداد اکیس ہوتی ہے حالانکہ حدیث میں مجموعی تعداد اٹھارہ بیان کی گئی ہے، دوسرے یہ کہ حضرت ابن عباسؓ اور خود حضرت ابن عمرؓ سے بھی حضرت مجمعؓ جیسی روایت منقول ہے، ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سواروں کو دو دو ہی حصے دیئے گئے تاہم جن حضرات کے نزدیک سواروں کے تین حصے ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت ابن عمرؓ ہی کی روایت (جو اسی باب کی پہلی فصل میں نقل کی جا چکی ہے) زیادہ صحیح و ثابت اور فیصلہ کن ہے۔ جہاں تک حنفیہ کا تعلق ہے، وہ حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت پر جس وجہ سے عمل نہیں کرتے وہ اس روایت کی تشریح میں بیان کی جا چکی ہے۔

روایت کے آخر میں جس "واہمہ" کا ذکر کیا گیا ہے اس کی بنیاد اختلاف روایت پر ہے، چنانچہ اس بارہ میں مختلف روایتیں منقول ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر اسلامی لشکر کی تعداد کتنی تھی، ایک روایت تو یہی ہے جو حضرت مجمعؓ نے نقل کی ہے کہ پندرہ سو کی تعداد تھی جس میں تین سو سوار تھے لیکن ایک روایت میں یہ تعداد چودہ سو بیان کی گئی ہے جو بارہ سو پیادوں اور دو سو سواروں پر مشتمل تھی۔

جہاد میں زیادہ سعی و محنت کرنے والوں کے لئے مال غنیمت میں سے خصوصی حصہ

(۲۳) وَعَنْ حَبِيْبِ بْنِ مَسْلَمَةَ الْفِهْرِيِّ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَّلَ الرُّبُعَ فِي الْبَدْأَةِ وَالثُّلُثَ فِي الرَّجْعَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت حبیب ابن مسلمہؓ فہری کہتے ہیں کہ (کسی غزوے کے موقع پر) میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے جنگ کی

ابتداء میں (لڑنے والوں کو) مال غنیمت میں سے چوتھائی حصہ زائد عطا کیا اور واپسی کے وقت (لڑنے والوں کو) تہائی حصہ زائد عطا کیا۔"

(ابوداؤدؒ)

تشریح: اس حدیث میں مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں ایک مخصوص نوعیت کے معاملہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر میدان جنگ میں جہاد کے شروع ہونے کے وقت اسلامی لشکر کا کوئی دستہ اپنے لشکر سے آگے نکل کر دشمن کے مقابلہ پر پہنچ جاتا اور اپنے پورے لشکر کے پہنچنے سے پہلے دشمن کے ساتھ جنگ میں مشغول ہو جاتا تو آنحضرت ﷺ اس دستہ کو مخصوص طور پر مال غنیمت کا چوتھائی حصہ عطا فرماتے اور پھر جب باقی تین چوتھائی حصے تقسیم ہوتے تو اس میں بھی پورے لشکر کے ساتھ اس دستہ کو شریک کرتے، اسی طرح میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ سے اسلامی لشکر کے واپس آنے کے بعد اگر مجاہدین کا کوئی دستہ بدستور جنگ میں مشغول رہتا تو آنحضرت ﷺ اس دستہ کو مخصوص طور پر مال غنیمت کا تہائی حصہ عطا فرماتے اور پھر جب باقی دو تہائی حصے تقسیم ہوتے تو اس میں بھی پورے لشکر کے ساتھ اس دستہ کو شریک کرتے۔ اور اس دستہ کو تہائی حصہ اس لئے عطا فرماتے کہ پورے لشکر کی واپسی کے بعد صرف چند مجاہدین کا دشمن کے مقابلہ پر جمے رہنا اور لڑائی جاری رکھنا ایک انتہائی سخت مرحلہ اور نہایت خطرناک اقدام اور غیر معمولی حوصلے کا کام ہوتا تھا جب کہ ابتداء میں اتنا سخت مرحلہ نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس وقت تو پورا لشکر آجاتا تھا اور ان مجاہدین کی مدد کرتا تھا، اس کے برخلاف لشکر کی واپسی کی صورت میں جب کہ سارے مجاہدین واپس آجاتے تھے تو اس وقت جنگ کرنا اور دشمن کا مقابلہ کرنا سخت مشکل اور انتہائی سخت ہوتا تھا

بہرحال ان مجاہدین کو مال غنیمت میں سے ان کے حصے سے زیادہ عطا کرنا جنگ میں ان کی بہادری، غیر معمولی حوصلہ اور سخت ترین جدوجہد کے امتیازی کارنامے کی بناء پر تھا

(۲۴) وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُنَفِّلُ الرُّبُعَ بَعْدَ الْخُمُسِ وَالثُّلُثَ بَعْدَ الْخُمُسِ اِذَا قَفَلَ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت حبیب ابن مسلمہ فہریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ (جنگ کی ابتداء میں اسلامی لشکر کے پہنچنے سے پہلے لڑنے والے مجاہدین کو مال غنیمت میں سے خمس نکالنے کے بعد چوتھائی حصہ زیادہ دیتے تھے اور (لشکر کے) واپس آجانے کی صورت میں (لڑنے والے مجاہدین کو) خمس نکلنے کے بعد تہائی حصہ زیادہ دیتے تھے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اوپر کی حدیث میں یہ تو بیان کیا گیا تھا کہ ابتدائے جنگ میں لڑنے والے مجاہدین کو چوتھائی حصہ اور لشکر کے واپس آجانے کے بعد لڑنے والے مجاہدین کو تہائی حصہ دیا جاتا تھا لیکن یہ وضاحت نہیں کی گئی تھی کہ یہ چوتھائی یا تہائی حصہ خمس نکالنے کے بعد دیا جاتا تھا یا اس سے پہلے؟ چنانچہ اس حدیث میں اسی کو واضح کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ پورے مال غنیمت میں سے پہلے خمس نکالتے، اس کے بعد چوتھائی یا تہائی حصہ دیتے اور پھر اس کو پورے لشکر کے درمیان تقسیم فرماتے۔

مال فئی میں کوئی خصوصی حصہ نہیں

(۲۵) وَعَنْ اَبِي الْجُوَيْرِيَةِ الْجَرْمِيِّ قَالَ اَصَبْتُ بِاَرْضِ الرُّوْمِ جَرَّةً حَمْرَاءَ فِيْهَا دَنَانِيْرُ فِيْ اِمْرَةِ مُعَاوِيَةَ وَعَلَيْنَا رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ يُقَالُ لَهُ مَعْنُ بْنُ يَزِيْدَ فَاَتَيْتُهُ بِهَا فَقَسَمَهَا بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَعْطَانِيْ مِنْهَا مِثْلَ مَا اَعْطٰى رَجُلًا مِنْهُمْ ثُمَّ قَالَ لَوْلَا اَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا نَفَلَ اِلَّا بَعْدَ الْخُمُسِ لَاَعْطَيْتُكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوجویریہؓ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ میں (ایک دن) میں نے روم کی زمین میں ایک سرخ رنگ کی

تھلیا پائی جس میں دینار (بھرے ہوئے) تھے، اس وقت ہمارے علاقے کے حاکم، رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے ایک شخص تھے جن کا نام معن ابن یزید تھا، میں وہ تھلیا لے کر ان کے پاس آیا، انہوں نے ان دیناروں کو مسلمانوں (یعنی مجاہدین اسلام) کے درمیان تقسیم کر دیا اور ان میں سے مجھ کو بھی اتنا ہی دیا، جتنا کسی ایک شخص کے حصے میں آیا تھا (یعنی مجھے بھی سب کے برابر دیا کوئی زیادہ حصہ نہیں دیا) اور پھر انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ "خمس نکالنے کے بعد ہی حصے سے زیادہ دیا جا سکتا ہے۔" تو یقیناً میں بھی تمہیں دوسروں سے زیادہ دیتا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: حضرت معن ابن یزیدؓ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق کسی مجاہد کو مخصوص طور پر کوئی زیادہ حصہ اس مال میں سے دیا جا سکتا ہے جس میں سے خمس نکالنا ضروری ہو اور وہ خمس نکالا جا چکا ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ خمس اس مال میں سے نکالا جاتا ہے جو کفار سے جنگ وجدال کے بعد ہاتھ لگا ہو جس کو مال غنیمت کہتے ہیں جب کہ یہ مال جو تمہارے ہاتھ لگا ہے "مال فئی" ہے، اور "مال فئی" میں کوئی زائد حصہ نہیں لگتا اس لئے تمہیں بھی اس مال میں سے دوسرے سے زیادہ نہیں ملے گا۔

شریک معرکہ نہ ہونے والوں کو مال غنیمت میں سے خصوصی عطیہ

(۲۶) وَعَنْ اَبِىْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَدِمْنَا فَوَافَقْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ افْتَتَحَ خَيْبَرَ فَاَسْهَمَ لَنَا اَوْ قَالَ فَاَعْطَانَا مِنْهَا وَمَاقَسَمَ لِاَحَدٍ غَابَ عَنْ فَتْحِ خَيْبَرَ مِنْهَا شَيْئًا اِلَّا لِمَنْ شَهِدَ مَعَهُ اِلَّا اَصْحَابَ سَفِيْنَتِنَا جَعْفَرًا وَاَصْحَابَهُ اَسْهَمَ لَهُمْ مَعَهُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ (جب) ہم (حبشہ سے) آئے اور رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ اس وقت خیبر کو فتح کر چکے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے (خیبر کے مال غنیمت میں سے) ہمیں بھی حصہ عطا فرمایا۔ یا ابوموسیٰ اشعریؓ نے یہ کہا کہ۔ چنانچہ آپ ﷺ نے خیبر کے مال غنیمت میں سے ہمیں بھی عطا فرمایا اور آپ ﷺ نے اس (مال غنیمت) میں سے کسی بھی ایسے شخص کو کوئی حصہ نہیں دیا جو فتح خیبر کے موقع پر موجود نہ رہا ہو علاوہ اس شخص کے جو (غزوۂ خیبر کے وقت) آپ ﷺ کے ساتھ تھا اور علاوہ ہم کشتی والوں یعنی حضرت جعفرؓ اور ان کے رفقاء کے کہ آپ ﷺ نے (ہم) کشتی والوں کو بھی ان (غزوۂ خیبر میں شریک ہونے والے مجاہدوں) کے ساتھ حصہ دیا (باوجودیکہ ہم اس غزوہ میں شریک نہیں تھے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ دعوت اسلام کے بالکل ابتدائی زمانہ میں یمن سے مکہ آئے اور اسلام قبول کیا اور پھر ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے جہاں حضرت جعفر ابن ابوطالبؓ اور دوسرے صحابہؓ بھی مکہ سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے، جب ان سب لوگوں نے حبشہ میں یہ خبر سنی کہ آنحضرت ﷺ بھی مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ چلے گئے ہیں تو یہ لوگ بھی حبشہ سے کشتیوں کے ذریعہ مدینہ کے لئے روانہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت پہنچے۔ جب کہ آپ ﷺ خیبر کو فتح کر چکے تھے

بعض حضرات یہ کہتے ہی کہ حبشہ سے آنے والے ان لوگوں کو خیبر کے مال غنیمت میں سے اس لئے حصہ دیا گیا کہ اگرچہ ان کا آنا جنگ کے بعد ہوا تھا لیکن وہ مال غنیمت کے جمع کرنے اور اس کی تقسیم سے پہلے پہنچ گئے تھے، یہ تاویل ان علماء کی طرف سے کی جاتی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی مجاہد جنگ میں شریک نہ ہو سکے مگر مال غنیمت کے جمع ہونے اور اس کی تقسیم کے وقت موجود ہو تو اس مال غنیمت میں سے اس کو بھی لشکر والوں کے ساتھ حصہ ملے گا جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا ایک قول ہے لیکن جو علماء اس بات کے قائل نہیں ہیں وہ یہ کہتے کہ ان لوگوں کو خیبر کے مال غنیمت میں سے حصہ دینا آنحضرت ﷺ کی طرف سے ایک خصوصی نوعیت کا عطیہ تھا جو غزوۂ خیبر میں شریک ہونے والے مجاہدین کی رضامندی سے دیا گیا تھا اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنے سے آنحضرت ﷺ کا انکار

(۲۷) وَعَنْ يَزِيْدَبْنِ خَالِدٍاَنَّ رَجُلًامِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ يَوْمَ خَيْبَرَ فَذَكَرُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وُجُوْهُ النَّاسِ لِذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ صَاحِبَكُمْ غَلَّ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَفَتَّشْنَا مَتَاعَهٗ فَوَجَدْنَا خَرَزًا مِنْ خَرَزِ يَهُوْدَ لَا يُسَاوِيْ دِرْهَمَيْنِ (رواہ مالک و ابوداؤد والنسائی)۔

"اور حضرت یزید ابن خالدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے ایک شخص کا خیبر کے دن انتقال ہوگیا، صحابہؓ نے رسول کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا (یعنی آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ فلاں شخص کا انتقال ہوگیا ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "تم لوگ اس کے جنازہ کی نماز پڑھ لو (میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا) لوگوں (کا یہ سننا تھا کہ ان) کے چہروں کا رنگ اس (خوف کی) وجہ سے بدل گیا (کہ نہ معلوم کیوں آنحضرت ﷺ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا (میں اس کی نماز جنازہ اس وجہ سے نہیں پڑھوں گا کہ) تمہارے (اس) ساتھی نے اللہ کی راہ میں (یعنی مال غنیمت میں) خیانت کا ارتکاب کیا تھا۔" چنانچہ جب ہم نے اس اسباب کی تلاشی لی تو اس میں ہمیں یہودیوں (یعنی یہودی عورتوں) کے پہننے کے (گلے کے) ہار ملے جو دو درہموں کے برابر بھی نہیں تھے (یعنی ان کی قیمت دو درہم سے کم تھی۔" (مالکؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

مال غنیمت جمع کرنے میں تاخیر کرنے والے کے بارے میں وعید

(۲۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَ غَنِيْمَةً اَمَرَ بِلَالًا فَنَادٰى فِي النَّاسِ فَيَجِيْئُوْنَ بِغَنَائِمِهِمْ فَيُخَمِّسُهٗ وَيُقَسِّمُهٗ فَجَاءَ رَجُلٌ يَوْمًا بَعْدَ ذٰلِكَ بِزِمَامٍ مِنْ شَعَرٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا فِيْمَا كُنَّا اَصَبْنَاهُ مِنَ الْغَنِيْمَةِ قَالَ اَسَمِعْتَ بِلَالًا نَادٰى ثَلَاثًا قَالَ نَعَمْ فَمَا مَنَعَكَ اَنْ تَجِيْئَ بِهٖ فَاعْتَذَرَ قَالَ كُنْ اَنْتَ تَجِيْئُ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلَنْ اَقْبَلَهٗ عَنْكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب مال غنیمت کو جمع کرا کر تقسیم کرنے کا اروہ فرماتے تو حضرت بلالؓ کو (اعلان کرنے کا) حکم دیتے چنانچہ وہ لوگوں کے درمیان اعلان کردیتے اور (اس اعلان کو سنتے ہی) لوگ اپنی اپنی غنیمت لے آتے (یعنی جس کے (پاس مال غنیمت کی جو بھی چیز ہوتی وہ اس کو لا کر دربار رسالت میں جمع کر دیتا) پھر آنحضرت ﷺ (پہلے) خمس یعنی پانچواں حصہ نکالتے اور اس کے بعد (اس مال غنیمت کو) لوگوں (یعنی مجاہدین) کے درمیان تقسیم فرمادیتے۔ (ایک دفعہ ایسا ہوا کہ) ایک شخص (مال غنیمت میں سے خمس نکالنے اور اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کرنے کے) ایک دن بعد بالوں کی بنی ہوئی ایک مہار لے کر آیا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ ﷺ! جو مال غنیمت ہمارے ہاتھ لگا تھا اس میں یہ مہار بھی تھی۔" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "بلالؓ نے تین بار جو اعلان کیا تھا اس کو تم نے سنا تھا؟" اس نے کہا کہ "ہاں! میں نے سنا تھا۔" آپ ﷺ نے فرمایا "پھر اس کو (اسی وقت) لانے سے تمہیں کس چیز نے روکا تھا؟" اس نے (اس تاخیر کے لئے) کوئی عذر بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا "بس (اب) یوں ہی رہو (یعنی اس کو اپنے پاس ہی رکھو، اب تو) کل قیامت کے دن ہی" اس کو لے کر آنا (اور تب خدا کو اس تاخیر کا جواب دینا) میں (اب) اس کو تم سے ہرگز نہ لوں گا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس مہار کو اس لئے قبول نہیں کیا کہ اس میں سارے مجاہدوں کا حق تھا، اور اس وقت چونکہ سارے مجاہد منتشر ہوگئے تھے اس لئے اس میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ پہنچانا مشکل تھا۔

مال غنیمت میں خیانت کی سزا

(۲۹) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ حَرَّقُوْا مَتَاعَ الْغَالِّ

وَضَرَبُوْهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیبؒ) سے اور وہ (شعیبؒ) اپنے دادا (حضرت عبداللہ ابن عمرو) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کا سامان و اسباب جلاڈالا اور اس کی پٹائی (بھی) کی۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس خیانت کی سزا یہ دی کہ اس کا سامان و اسباب نذر آتش کر دیا اور از راہ تعزیر اس کی پٹائی بھی کی۔ بعض علماء جیسے حضرت امام احمدؒ ابن حنبل وغیرہ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے اور کہا ہے کہ جو شخص مال غنیمت میں خیانت کرے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے گھر کا سارا سامان و اسباب جلا دیا جائے، علاوہ جانوروں اور مصحف مجید (قرآن کریم) کے، نیز اس چیز کو بھی نہ جلایا جائے جس کو اس نے مال غنیمت میں سے خیانت کر کے لیا ہے کیونکہ وہ (اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہے بلکہ) مجاہدین کا حق ہے۔ جب کہ تینوں ائمہ یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ یہ کہتے ہیں کہ اس کا سامان و اسباب نہ جلایا جائے بلکہ اس کو کوئی اور تعزیر جو حاکم و قاضی مناسب جانے دے۔ ان حضرات نے اس حدیث کو سخت تنبیہ و وعید پر محمول کیا ہے۔

خائن کی اطلاع نہ دینے والا بھی خائن کے حکم میں ہے

(۳۰) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَكْتُمْ غَالًّا فَاِنَّهٗ مِثْلُهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی خیانت کو چھپایا (یعنی وہ امیر و حاکم کے علم میں یہ بات نہیں لایا کہ فلاں شخص نے خیانت کی ہے)۔ تو (گنہ گار ہونے کے اعتبار سے) وہ (بھی) خیانت کرنے والے کی طرح ہے۔" (ابوداؤدؒ)

غنیمت کا مال تقسیم ہونے سے پہلے اس کی خرید و فروخت کی ممانعت

(۳۱) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شِرَى الْمَغَانِمِ حَتّٰى تُقْسَمَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے غنیمت کا مال تقسیم ہونے سے پہلے اس کو خریدنے سے منع فرمایا ہے (کیونکہ تقسیم سے پہلے اس کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔" (ترمذیؒ)

(۳۲) وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ نَهٰى اَنْ تُبَاعَ السِّهَامُ حَتّٰى تُقْسَمَ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت ابوامامہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس ممانعت کا اعلان فرمایا کہ (مال غنیمت کے) حصے جب تک تقسیم نہ ہو جائیں ان کو فروخت نہ کیا جائے۔" (دارمیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مال غنیمت کے اپنے حصہ کو تقسیم سے پہلے بیچنے لگے تو یہ جائز نہیں ہوگا ایک تو اس وجہ سے کہ جس حصہ کو وہ بیچنا چاہتا ہے ابھی وہ اس کی ملکیت میں نہیں آیا ہے (جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے کہ تقسیم سے پہلے کسی بھی حصہ کی ملکیت موقوف رہتی ہے) دوسرے اس وجہ سے کہ (حصہ دار کو تقسیم سے پہلے مالک مان بھی لیا جائے تو) خود اس (مالک) کو تقسیم سے پہلے تک یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے حصے میں کیا چیز آئے گی اور وہ چیز کیسی ہوگی، اس صورت میں اس حصے کو بیچنا گویا ایک ایسی چیز کو بیچنا لازم آئے گا جو غیر معلوم و غیر متعین ہے اور یہ ناجائز ہے۔

مال غنیمت میں ناحق تصرف کرنے والے دوزخ کی آگ کے سزاوار ہوں گے

(۳۳) وَعَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ

اَصَابَہٗ بِحَقِّہٖ بُوْرِكَ لَہٗ فِيْهِ وَرُبَّ مُتَخَوِّضٍ فِيْمَا شَاءَتْ بِهٖ نَفْسُہٗ مِنْ مَالِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لَيْسَ لَہٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا النَّارُ۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت خولہ بنت قیسؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "بلاشبہ یہ مال ایک سبز و شیریں چیز ہے (یعنی مال ایک ایسی چیز ہے جو انسان کی نظر کو بھاتا ہے اور دل کو لبھاتا ہے) لہٰذا جو شخص اس (مال کو حق یعنی حلال ذریعہ سے حاصل کرتا ہے اس کے لئے) اس میں برکت عطا کی جاتی ہے۔ اور یاد رکھو) بہت سے لوگ ایسے ہیں جو خدا اور اس کے رسول ﷺ کے مال یعنی مال غنیمت میں سے جس چیز کو ان کا دل چاہتا ہے اپنے تصرف میں لے آتے ہیں، قیامت کے دن ان کے لئے صرف دوزخ کی آگ ہوگی۔" (ترمذیؒ)

ذوالفقار تلوار کا ذکر

(۳۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَفَّلَ سَيْفَهٗ ذَا الْفَقَارِ يَوْمَ بَدْرٍ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَهُوَ الَّذِيْ رَاٰى فِيْهِ الرُّؤْيَا يَوْمَ اُحُدٍ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا، جنگ بدر کے دن حصے سے زیادہ لی تھی۔ (ابن ماجہؒ) اور ترمذی نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "اور یہ وہی تلوار ہے جس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے جنگ احد کے دن خواب دیکھا تھا۔"

تشریح: "حصے سے زیادہ لی تھی" کا مطلب یہ ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر جو مال غنیمت ہاتھ لگا تھا اس میں یہ تلوار بھی تھی، جس کو آنحضرت ﷺ نے پسند کر کے اپنے حصے سے زائد لے لیا تھا۔ یہ بات صرف آنحضرت ﷺ کے لئے جائز تھی اور کسی کے لئے جائز نہیں۔ جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا، اس تلوار کا نام "ذوالفقار" تھا، جو ایک کافر منبہ ابن حجاج کی ملکیت تھی، وہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا، آنحضرت ﷺ کو یہ تلوار پسند آگئی، چنانچہ آپ ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت اس کو اپنے حصے سے زائد اپنے پاس رکھ لیا۔ چنانچہ کتنی ہی جنگوں میں اور تلواروں کے ساتھ یہ تلوار بھی آنحضرت ﷺ کے پاس رہی۔ اور قاموس میں یہ لکھا ہے کہ یہ تلوار منبہ کے بیٹے عاص کی ملکیت تھی جو جنگ بدر میں (حضرت علیؓ کے ہاتھوں) مارا گیا، پھر آنحضرت ﷺ نے وہ تلوار حضرت علیؓ ہی کو عطا فرما دی۔

اس تلوار کا نام "ذوالفقار" اس مناسبت سے تھا کہ اصل میں "فقار" پشت کی ہڈی کو کہتے ہیں، چونکہ اس تلوار کی پشت پر چھوٹے چھوٹے خوبصورت گڑھے تھے یا پشت کی ہڈیوں کی طرح جوڑ تھے، اس لئے اس کو "ذوالفقار" کہا جانے لگا۔

غزوۂ احد کے موقع پر ذوالفقار سے متعلق خواب دیکھنے کا قصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک خواب میں یہ دیکھا کہ آپ ﷺ نے اس تلوار (ذوالفقار) کو ہلایا تو وہ درمیان سے ٹوٹ گئی، پھر دوبارہ اس کو ہلایا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ اچھی ہو گئی چنانچہ غزوۂ احد کے دن اس خواب کی یہ تعبیر سامنے آئی کہ پہلے کو شکست کا سامنا کرنا پڑا لیکن آخر میں فتح و کامرانی حاصل ہوئی۔

تقسیم سے پہلے مال غنیمت کی کسی چیز کو استعمال کرنے کی ممانعت

(۳۵) وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَرْكَبْ دَابَّةً مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى اِذَا اَعْجَفَهَا رَدَّهَا فِيْهِ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَلْبَسْ ثَوْبًا مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى اِذَا اَخْلَقَهٗ رَدَّهٗ فِيْهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت رویفع ابن ثابتؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے قطعاً روا نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے (مشترک) مال غنیمت کے کسی جانور پر (بلا ضرورت شرعی) سوار ہو اور پھر جب وہ (جانور) دبلا

ہوجائے تو اس کو مال غنیمت میں واپس کردے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے یہ قطعا روا نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے (مشترک) مال غنیمت کے کسی کپڑے کو (بلاضرورت شرع" پہنے اور پھر جب وہ (کپڑا) پرانا ہوجائے تو اس کو مال غنیمت میں واپس کردے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر اپنی سواری کے مصرف میں لانے کی وجہ سے وہ جانور دبلا نہ ہو تو اس صورت میں اس پر سوار ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن حقیقت میں نہ یہ مفہوم مراد ہے اور نہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے بلکہ یہ بات محض محاورۃً فرمائی گئی ہے کہ عام طور پر جانور سواری کے کام آنے سے دبلے ہوجاتے۔

مال غنیمت میں کھانے کی جو چیزیں ہاتھ آئیں ان کا حکم

(۳۶) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِي الْمُجَالِدِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰی قَالَ قُلْتُ هَلْ كُنْتُمْ تُخَمِّسُوْنَ الطَّعَامَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَصَبْنَا طَعَامًا يَوْمَ خَيْبَرَ فَكَانَ الرَّجُلُ يَجِيْئُ فَيَأْخُذُ مِنْهُ مِقْدَارَ مَا يَكْفِيْهِ ثُمَّ يَنْصَرِفُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت محمد ابن ابوالمجالد، حضرت عبداللہ بن اوفیٰؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے (حضرت عبداللہؓ) سے پوچھا کہ "کیا آپ لوگ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں کھانے کی چیزوں میں سے بھی خمس یعنی پانچواں حصہ نکالتے تھے؟" انہوں نے فرمایا کہ "غزوۂ خیبر کے دن کھانے کی چیزیں بھی ہمارے ہاتھ لگی تھیں، چنانچہ ہر کوئی شخص آتا اور ان میں سے بقدر کفایت لے کر واپس چلا جاتا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: سوال کا مطلب یہ تھا کہ آیا ان چیزوں میں سے بھی خمس نکالا جاتا تھا یا جو چیزیں کھانے کی قسم سے ہوتیں، ان کو تقسیم سے مستثنیٰ رکھا جاتا تھا کہ جو شخص چاہتا ان کو اپنے مصرف میں لے آتا؟ جواب کا حاصل یہ تھا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سے خمس نہیں نکالنا چاہئے لیکن اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ ایسی چیزوں میں سے جو کچھ بھی لیا جائے وہ بس اتنی ہی مقدار میں ہو کہ ضرورت و حاجت پوری ہوجائے

(۳۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ جَيْشًا غَنِمُوْا فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا وَعَسَلًا فَلَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُمُ الْخُمُسَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ کے زمانے میں (مسلمانوں کا) لشکر (جب جہاد سے واپس آیا تو) مال غنیمت میں کھانے کی چیزیں اور شہد لے کر آیا۔ چنانچہ (ان لشکر والوں نے ان چیزوں میں سے جو کچھ کھا پی لیا تھا یا وہ جو کچھ بچا کر لے لئے تھے اس میں سے) ان سے خمس یعنی پانچواں حصہ نہیں لیا گیا۔" (ابوداؤدؒ)

(۳۸) وَعَنِ الْقَاسِمِ مَوْلٰى عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّا نَأْكُلُ الْجَزُوْرَ فِي الْغَزْوِ وَلَا نَقْسِمُهُ حَتّٰى اِذَا كُنَّا نَرْجِعُ اِلٰى رِحَالِنَا وَاَخْرِجَتُنَا مِنْهُ مَمْلُوْءَةٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت قاسمؒ (تابعی) جو عبدالرحمٰن کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے بعض صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی ان بعض صحابہؓ نے) بیان کیا کہ "ہم غزوں میں اونٹ (کا گوشت) کھاتے اور اس کو تقسیم نہ کرتے (یعنی ہم محاذ جنگ پر ضرورت کے وقت مال غنیمت کے اونٹوں کو ذبح کرتے اور اس کا گوشت تقسیم کئے بغیر اپنی اپنی حاجت کے بقدر لے لیتے) یہاں تک کہ جب ہم (سفر کے دوران) اپنے ڈیروں، خیموں میں واپس آتے تو ہمارے تھیلے گوشت سے بھرے ہوئے ہوتے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان (جہاد کے بعد) دارالاسلام واپس آتے ہوئے دارالحرب کی سرحدوں سے پار ہوجائیں

اس کے بعد ان کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنے جانوروں کو مال غنیمت میں سے گھاس دانہ کھلائیں یا مال غنیمت کی کھانے پینے کی چیزوں میں سے خود کچھ کھائیں کیونکہ اس صورت میں وہ ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے جس کی بناء پر دارالحرب میں مال غنیمت کی کھانے پینے کی چیزوں کا اپنے مصرف میں لانا مجاہدین کے لئے مباح تھا۔ نیز جس شخص کے پاس دارالحرب میں غیر تقسیم شدہ مال غنیمت کا گھاس دانہ یا کھانے پینے کی چیزیں اس کی ضرورت وحاجب سے زائد ہوں وہ ان کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔

خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن بے عزت ہونا پڑے گا

(۳۹) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَدُّوا الْخِيَاطَ وَ الْمِخْيَطَ وَ اِيَّاكُمْ وَالْغُلُوْلَ فَاِنَّهُ عَارٌ عَلٰى اَهْلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ۔

"اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ "تاگے اور سوئی کی (بھی) ادائیگی کرو (یعنی مال غنیمت میں سے اس قدر معمولی چیزیں بھی چھپا کر نہ رکھو) اور تم (مال غنیمت میں یا مطلق) خیانت کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خیانت کرنا خیانت کے مرتکب لوگوں کے لئے قیامت کے دن بے عزتی لانے والا ہوگا۔" "دارمیؒ" اور نسائیؒ نے اس روایت کو عمرو ابن شعیب سے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے۔"

مال غنیمت میں حقیر ترین چیز کی خیانت مستوجب مواخذہ ہے

(۴۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ دَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَعِيْرٍ فَاَخَذَ وَبَرَةً مِنْ سَنَامِهِ ثُمَّ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهُ لَيْسَ لِيْ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ شَيْءٌ وَلَا هٰذَا وَرَفَعَ اِصْبَعَهُ اِلَّا الْخُمُسَ وَالْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ عَلَيْكُمْ فَاَدُّوا الْخِيَاطَ وَ الْمِخْيَطَ فَقَامَ رَجُلٌ فِيْ يَدِهِ كُبَّةٌ مِنْ شَعَرٍ فَقَالَ اَخَذْتُ هٰذِهِ لِاُصْلِحَ بِهَا بَرْدَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا مَا كَانَ لِيْ وَلِبَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكَ فَقَالَ اَمَّا اِذَا بَلَغَتْ مَا اَرٰى فَلَا اَرَبَ لِيْ فِيْهَا وَ نَبَذَهَا (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (ایک دن) نبی کریم ﷺ (مال فئی میں آئے ہوئے) ایک اونٹ کے پاس تشریف لائے اور اس کے کوہان کے (دو ایک) بال اکھاڑ کر فرمایا "لوگو! حقیقت یہ ہے کہ اس مال فئی میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے اور۔ (آپ ﷺ کی جس انگلی پر وہ بال تھے، لوگوں کو دکھانے کے لئے) اس انگلی کو اٹھا کر فرمایا کہ یہ (مال بھی اتنا معمولی حصہ بھی) میرے لئے نہیں ہے البتہ خمس یعنی پانچویں حصے کا میں حقدار ہوں لیکن خمس بھی (میری ذات پر خرچ نہیں ہوتا بلکہ، تمہارے ہی اوپر خرچ کیا جاتا ہے (یعنی خمس کا مال تمہاری ہی بھلائی میں خرچ ہوتا ہے بایں طور کہ اس سے تمہارے لئے ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ حاصل کئے جاتے ہیں) لہٰذا (اگر تمہارے پاس مال غنیمت میں کا) سوئی تاگہ بھی ہو تو اس کو) لاکر جمع کرادو۔" (ایک شخص جس کے ہاتھ میں بالوں کی رسی کا ایک ٹکڑا تھا، کھڑا ہوا اور کہا کہ "میں نے رسی کے اس ٹکڑے کو اپنے پاس رکھ لیا تھا تاکہ اس کے ذریعہ پالان کے نیچے کی کملی کو (گانٹھ کر) ٹھیک کرلوں (اب) اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟" نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جہاں تک اس چیز کا سوال ہے جو میرے اور بنو عبدالمطلب کے حصے کی ہے تو وہ تمہاری ہے (یعنی اس ٹکڑے میں سے جو کچھ میرے خاندان بنو ہاشم اور ان کے حلیف و ساتھی بنو عبدالمطلب کے لوگوں کے حصے کا ہے وہ تو ہم نے تمہیں بخش دیا لیکن اس میں سے جو کچھ ہمارے علاوہ دوسرے مجاہدین کا حصہ ہے اس کے بارے میں تم جانو، کہ اگر تم ان سے بھی ان کے حصے معاف کرالو گے تو کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، اور اگر ان کے حصے معاف نہیں کرائے تو قیامت کے دن پکڑے جاؤ گے ہے۔" اس شخص نے (یہ سن کر کہا) کہ جب یہ رسی (گناہ کی) اس حد تک پہنچ گئی ہے جو میرے سامنے ہے تو پھر مجھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے اور (یہ کہہ کر) اس نے اس رسی کو پھینک دیا۔" (ابوداؤدؒ)

آنحضرت ﷺ خمس کا مال بھی مسلمانوں ہی کے اجتماعی مفاد میں خرچ کرتے تھے

(۴۱) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَعِيْرٍ مِنَ الْمَغْنَمِ فَلَمَّا سَلَّمَ اَخَذَ وَبَرَةً مِنْ جَنْبِ الْبَعِيْرِ ثُمَّ قَالَ وَلَا يَحِلُّ لِيْ مِنْ غَنَائِمِكُمْ مِثْلُ هٰذَا اِلَّا الْخُمُسَ وَالْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ فِيْكُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمرو ابن عبسہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک موقع پر) مال غنیمت کے ایک اونٹ کو سترہ قرار دے کر ہمیں نماز پڑھائی، جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا (اور نماز سے فارغ ہوگئے) تو اس اونٹ کے پہلو سے (دو ایک) بال اکھاڑے اور پھر فرمایا کہ "تمہارے مال غنیمت میں میرے لئے اتنا (یعنی ان بالوں کے بقدر) بھی حصہ نہیں ہے علاوہ خمس کے اور وہ خمس بھی تمہاری ہی ضرورتوں میں خرچ کیا جاتا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اگر "پہلو" سے یہ مراد ہو کہ آپ ﷺ نے اس اونٹ کے کوہان کی کسی جانب سے بال اکھاڑے تو اس صورت میں یہ وہی واقعہ ہوگا جس کا ذکر اوپر کی حدیث میں تھا اور اگر ظاہری مفہوم یعنی "اونٹ کا پہلو" مراد لیا جائے تو اس صورت میں یہ کوئی دوسرا واقعہ ہوگا۔

ذوی القربٰی میں مال خمس کی تقسیم کے موقع پر حضرت عثمانؓ وغیرہ کی محرومی

(۴۲) وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ لَمَّا قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهْمَ ذَوِي الْقُرْبٰى بَيْنَ بَنِيْ هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ اَتَيْتُهُ اَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰؤُلَاءِ اِخْوَانُنَا مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ لَا نُنْكِرُ فَضْلَهُمْ لِمَكَانِكَ الَّذِيْ وَضَعَكَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اَرَاَيْتَ اِخْوَانَنَا مِنْ بَنِي الْمُطَّلِبِ اَعْطَيْتَهُمْ وَتَرَكْتَنَا وَاِنَّمَا قَرَابَتُنَا وَقَرَابَتُهُمْ وَاحِدَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا بَنُوْ هَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَاحِدٌ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ نَحْوَهٗ وَفِيْهِ اَنَا وَبَنُو الْمُطَّلِبِ لَا نَفْتَرِقُ فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَلَا اِسْلَامٍ وَاِنَّمَا نَحْنُ وَهُمْ شَيْءٌ وَاحِدٌ وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ۔

"اور حضرت جبیر ابن مطعم کہتے ہیں کہ جب سول کریم ﷺ نے (مال غنیمت میں سے اپنے قرابت داروں کا حصہ (یعنی خمس کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے) بنو ہاشم اور بنو مطلب کے درمیان تقسیم کیا تو میں یعنی جبیرؓ (بنو نوفل کی طرف سے) اور عثمان ابن عفانؓ (بنو عبد شمس کی طرف سے) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! ہمارے یہ بھائی جن کا تعلق بنو ہاشم سے ہے، ہم ان کی فضیلت و بزرگی کا تو انکار نہیں کرتے کیونکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان میں پیدا کیا ہے لہٰذا اس اعتبار سے ہماری بہ نسبت وہ آپ کے زیادہ (قریب ہیں کیونکہ ان کے اور آپ ﷺ کے جد ایک ہی ہیں یعنی ہاشم، اگرچہ ہمارے اور ان کے جد اعلیٰ بھی ایک ہی ہیں یعنی عبد مناف) لیکن ہمیں یہ بتائیے کہ اس کا کیا سبب ہے کہ آپ ﷺ نے (خمس کے مال میں سے جو ذوی القربٰی کا حصہ ہے) ہمارے ان بھائیوں کو تو حصہ دیا جن کا تعلق بنو مطلب سے ہے اور ہمیں محروم رکھا جب کہ ہماری یعنی بنو نوفل اور بنی عبد شمس کی اور ان کی یعنی بنی مطلب کی قرابت ایک ہی ہے (بایں طور کہ جس طرح ان کے دادا ہاشم کے بھائی تھے اسی طرح ہمارے دادا بھی ہاشم کے بھائی تھے گویا ان دونوں حضرات کی غرض کا حاصل یہ تھا کہ مال غنیمت میں سے جو خمس نکالا جاتا ہے وہ قرآن کریم کے حکم کے مطابق آپ ﷺ کے قرابت داروں کا حصہ ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے قرابت داروں کی ایک شاخ بنو مطلب کو مال خمس میں سے دیا لیکن دوسری دو شاخوں یعنی بنو نوفل اور بنو عبد شمس کو کچھ نہیں دیا، جب کہ یہ سارے شاخیں ایک ہی جد اعلیٰ یعنی عبد مناف کی اولاد ہیں، تو اس امتیازی سلوک کی کیا وجہ ہے؟) آنحضرت ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان داخل کر کے (اور اس کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا کہ "(میں) اس کے علاوہ اور کچھ نہیں (جانتا) کہ (جس طرح دونوں ہاتھوں کی یہ انگلیاں باہم مل کر ایک چیز ہو گئی ہیں اسی طرح) بنو ہاشم

اور بنو مطلب بھی ایک چیز ہیں۔" (شافعیؒ) ابوداؤدؒ اور نسائیؒ کی روایت بھی اسی طرح ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "ہم اور مطلب کی اولاد، نہ زمانہ جاہلیت میں کبھی ایک دوسرے کے مخالف ہوئے اور نہ زمانہ اسلام میں، لہٰذا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہم اور وہ، دونوں ایک چیز ہیں" یہ کہہ کر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کیں۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

ابوجہل کے قتل کا واقعہ

(۴۳) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ اِنِّیْ لَوَاقِفٌ فِی الصَّفِّ یَوْمَ بَدْرٍ فَنَظَرْتُ عَنْ یَمِیْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ فَاِذَا اَنَا بِغُلَامَیْنِ مِنَ الْاَنْصَارِ حَدِیْثَةٍ اَسْنَانُهُمَا فَتَمَنَّیْتُ اَنْ اَکُوْنَ بَیْنَ اَضْلَعَ مِنْهُمَا فَغَمَزَنِیْ اَحَدُهُمَا فَقَالَ اَیْ عَمِّ هَلْ تَعْرِفُ اَبَا جَهْلٍ قُلْتُ نَعَمْ فَمَا حَاجَتُكَ اِلَيْهِ يَا ابْنَ اَخِیْ قَالَ اُخْبِرْتُ اَنَّهٗ یَسُبُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَئِنْ رَاَیْتُهٗ لَا یُفَارِقُ سَوَادِیْ سَوَادَهٗ حَتّٰی یَمُوْتَ الْاَعْجَلُ مِنَّا قَالَ فَتَعَجَّبْتُ لِذٰلِكَ قَالَ وَغَمَزَنِی الْاٰخَرُ فَقَالَ لِیْ مِثْلَهَا فَلَمْ اَنْشَبْ اَنْ نَظَرْتُ اِلٰی اَبِیْ جَهْلٍ یَجُوْلُ فِی النَّاسِ فَقُلْتُ اَلَا تَرَیَانِ هٰذَا صَاحِبُكُمَا الَّذِیْ تَسْاَلَانِیْ عَنْهُ قَالَ فَابْتَدَرَاهُ بِسَیْفَیْهِمَا فَضَرَبَاهُ حَتّٰی قَتَلَاهُ ثُمَّ انْصَرَفَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَاهُ فَقَالَ اَیُّکُمَا قَتَلَهٗ فَقَالَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا اَنَا قَتَلْتُهٗ فَقَالَ هَلْ مَسَحْتُمَا سَیْفَیْکُمَا فَقَالَا لَا فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَی السَّیْفَیْنِ فَقَالَ کِلَاکُمَا قَتَلَهٗ وَقَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَلَبِهٖ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ وَالرَّجُلَانِ مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ وَمُعَاذُ بْنُ عَفْرَاءَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن میں (دشمن کی مقابل) صف میں کھڑا تھا، جب میں نے دائیں بائیں نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں دو انصار لڑکوں کے درمیان کھڑا ہوں، جو بالکل نوعمر تھے، مجھے یہ تمنا ہوئی کہ کاش (اس وقت) میں ان دونوں سے زیادہ طاقتور اور تجربہ کار دو آدمیوں کے درمیان کھڑا ہوتا (یعنی) میں نے دونوں نوعمروں کو حوصلہ و شجاعت کے اعتبار سے بے وقعت جانا اور یہ خیال کیا کہ چونکہ یہ نوعمر اور ناآزمودہ کار ہیں، اس لئے ہوسکتا ہے کہ دشمن کے حملہ کی تاب نہ لائیں اور معرکہ کے وقت بھاگ کھڑے ہوں جس سے میری ذات کو بھی بٹہ لگے، میں انہیں خیالات میں غلطاں و پیچاں تھا کہ) اچانک ان دونوں میں سے ایک نے مجھ کو ٹھوکا دیا اور کہا کہ "چچا جان! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں، وہ کونسا ہے اور کہاں ہے؟" میں نے کہا کہ "ہاں! میں جانتا ہوں، لیکن میرے بھتیجے! تمہیں ابوجہل سے کیا غرض ہے؟ اس نے کہا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ (لعین ابوجہل) رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتا ہے، اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر میں اس کو دیکھ لوں تو میرا جسم اس کے جسم سے اس وقت تک جدا نہ ہوگا جب تک کہ ہم میں سے کوئی ایک موت کی طرف بڑھنے میں جلدی نہ کرے (یعنی ابوجہل کے خلاف میرے دل میں اتنی نفرت ہے کہ میں اس کو دیکھتے ہی اس پر جھپٹ پڑوں گا اور اس وقت تک اس سے لڑوں گا جب تک کہ ہم دونوں میں سے جس کی موت پہلے آنے والی ہوگی وہ نہ مر جائے خواہ میں شہید ہو جاؤں، خواہ میں اس کو جہنم رسید کر دوں)۔" حضرت عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ میں اس نوعمر کی اس بات کو سن کر حیران رہ گیا (کہ خدایا، ان نوعمروں کے دل میں آنحضرت ﷺ کی کتنی محبت ہے اور ان کے جذبات میں ہمت و حوصلہ اور شجاعت و بہادری کا کیسا محشر بپا ہے) عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ (پھر دوسرے لڑکے نے مجھ کو ٹھوکا دیا اور اس نے بھی وہی الفاظ کہے جو پہلے نے کہے تھے، اس کے بعد میں نے کوئی توقف نہیں کیا، اور ابوجہل کو دیکھا جو (دشمن کے) لوگوں میں پھر رہا تھا، میں نے (اس کی طرف اشارہ کر کے) ان لڑکوں سے کہا کیا تم اس شخص کو نہیں دیکھ رہے جو (دشمن کے گروہ میں) پھر رہا ہے؟ یہی تمہارا وہ مطلوب ہے جس کے بارے میں تم مجھ سے پوچھ رہے تھے (یعنی اس شخص کو پہچان لو یہی ابوجہل ہے)۔" عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ (یہ سنتے ہی) وہ دونوں لڑکے اپنی تلوار سنبھال کر فوراً

ابو جہل کی طرف لپکے اور اس پر حملہ کر دیا، یہاں تک کہ اس کو قتل کر ڈالا، پھر دونوں رسول کریم ﷺ کے پاس لوٹ کر آئے اور آپ کو (اس واقعہ سے) آگاہ کیا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ "تم دونوں میں سے کس نے اس کو قتل کیا ہے؟" ان میں سے ہر ایک نے عرض کیا کہ اس کو میں نے قتل کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم دونوں نے اپنی تلواریں پونچھ ڈالی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں چنانچہ آپؐ نے ان دونوں کی تلواروں کو دیکھا اور فرمایا کہ "تم دونوں ہی نے اس کو قتل کیا ہے۔" نیز رسول کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ابو جہل کا سامان معاذ ابن عمرو ابن جموح کو دیا جائے۔ اور وہ دونوں لڑکے (جنہوں نے ابو جہل کو موت کے گھاٹ اتارا) معاذ ابن عمروؓ ابن جموح اور معاذؓ ابن عفراء تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح صحیح بخاری کی روایت میں معاذ ابن عفراء کی بجائے معوذ ابن عفراء ہے۔ نیز آگے جو روایت آ رہی ہے اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابو جہل کو عفراء کے دونوں بیٹوں نے قتل کیا، جب کہ اوپر جو روایت نقل کی گئی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان دونوں قتل کرنے والوں میں صرف ایک ہی عفراء کا بیٹا تھا، اس طرح دونوں روایتوں میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے چنانچہ علماء محققین نے اس تضاد کو اس توجیہہ کے ذریعہ دور کیا ہے کہ وہ دونوں ایک ماں کے بیٹے تھے لیکن ان کے باپ الگ الگ تھے، اس اعتبار سے وہ دونوں ماں کی طرف سے تو حقیقی بھائی تھے اور باپ کی طرف سے سوتیلے بھائی تھے، ان کی ماں کا نام عفراء تھا۔ ان میں سے ایک کے باپ کا نام عمرو ابن جموح تھا اور دوسرے کے باپ کا نام قسطلانی کے قول کے مطابق حارث تھا، چنانچہ ان میں سے ایک کو اس کے باپ کی طرف منسوب کر کے معاذ ابن عمروؓ ابن جموح کہا گیا اور دوسرے کو اس کی ماں کی طرف منسوب کر کے معاذ ابن عفراء یا معوذ ابن عفراء کہا گیا۔

اس موقع پر دو سوال اور بھی پیدا ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابو جہل کو تم دونوں ہی نے قتل کیا ہے تو پھر آپ ﷺ نے ابو جہل کا سامان ان دونوں کو دینے کی بجائے ان میں سے ایک ہی کو دیئے جانے کا حکم کیوں دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابو جہل کو قتل کرنے میں شریک تو شاید دونوں ہی رہے ہوں گے لیکن اصل میں جس نے پہلے ابو جہل پر حملہ کر کے اس کو بھاگنے اور چلنے پھرنے وغیرہ سے مجبور اور بے دم بنا دیا ہو گا وہ ایک ہی رہا ہو گا پھر بعد میں دوسرے نے بھی آ کر اس پر مزید وار کر کے اس کو اور زیادہ زخمی کر دیا ہو گا، اس اعتبار سے اس کے سامان کا مستحق اسی کو قرار دیا گیا جس نے پہلے حملہ کر کے اس کو بھاگنے یا مدافعتی حملہ کرنے سے ناکارہ کر دیا تھا لیکن آپ ﷺ نے دوسرے کو بھی خوش کرنے کے لئے یہ فرمایا کہ اس کو تم دونوں نے قتل کیا ہے۔

دوسرا سوال وہی ہے جو دوسری فصل میں حضرت ابن مسعودؓ کی اس روایت کے ضمن میں بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابو جہل کی تلوار میرے حصے سے زائد مجھ کو عطا کی، اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ ابو جہل کو حضرت ابن مسعودؓ نے قتل کیا، اس اعتبار سے گویا ان دونوں روایتوں میں تضاد واقع ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں نو عمروں نے ابو جہل کو زخمی کر کے زمین پر ڈال دیا، جب ابن مسعودؓ نے دیکھا کہ اس میں زندگی کی رمق موجود ہے تو انہوں نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا، اس طرح، حضرت ابن مسعود کے اس عمل کو ابو جہل کے قتل سے تعبیر کیا گیا، نیز آنحضرت ﷺ نے اس بناء پر کہ اس کے قتل میں، بہر حال ابن مسعودؓ کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ تھا اس لئے ان کو بھی اس کے سامان کی ایک چیز یعنی تلوار عطا فرمائی۔ ایک بات یہ بھی ملحوظ رہنی چاہئے، کہ حضرت امام مالکؒ کے بعض متبعین کا یہ قول ہے کہ اس بارے میں امام سردار کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جو چاہے فیصلہ کرے اور مقتول کا سامان جس کو چاہے دے دے، اس صورت میں مذکورہ بالا دونوں سوالوں کے پیدا ہونے کا بھی موقع باقی نہیں رہ جاتا۔

(۴۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ بَدْرٍ مَنْ یَنْظُرُ لَنَا مَاصَنَعَ اَبُوْ جَھْلٍ فَانْطَلَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَوَجَدَہٗ قَدْ ضَرَبَہُ ابْنَا عَفْرَاءَ حَتّٰی بَرَدَ قَالَ فَاَخَذَ بِلِحْیَتِہٖ فَقَالَ اَنْتَ اَبُوْ جَھْلٍ فَقَالَ وَھَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوْہُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ فَلَوْ غَیْرُ اَکَّارٍ قَتَلَنِیْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ بدر کے دن (میدان جنگ میں) فرمایا کہ کون شخص ہے جو دیکھ کر ہمیں بتائے کہ

ابوجہل نے کیا کیا (یعنی اس کا کیا حشر ہوا، آیا وہ مارا گیا، یا زندہ ہے؟) چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ گئے اور انہوں نے ابوجہل کو اس حالت میں پایا کہ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اس کو مار مار کر ٹھنڈا یعنی قریب المرگ کر دیا تھا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے (یہ دیکھ کر) ابوجہل کی ڈاڑھی پکڑلی اور اس سے کہا کہ "تو ابوجہل ہی ہے نا!؟۔ ابوجہل نے (ابن مسعودؓ کے اس سوال کے پیچھے چھپے ہوئے طنز اور حقارت کو محسوس کر لیا اور) کہا کہ "(بے شک میں ابوجہل ہی ہوں لیکن) کیا تو اس شخص سے زیادہ بڑے مرتبہ کے ہو جس کو تم نے قتل کیا ہے؟ یعنی جس شخص کو تم نے قتل کیا ہے (اس سے زیادہ بڑے مرتبے کا کوئی شخص نہیں ہے (ان الفاظ کے ذریعہ گویا ابوجہل نے یہ دعویٰ کیا کہ قریش میں مجھ سے زیادہ بڑے مرتبہ کا کوئی شخص نہیں ہے)۔" اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ابوجہل نے (اس موقع پر) کہا کہ اگر غیر زراعت پیشہ لوگ مجھے قتل کرتے تو بہت بہتر ہوتا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "اگر غیر زراعت پیشہ لوگ مجھے قتل کرتے الخ" سے ابوجہل کر مطلب یہ تھا کہ مجھے اس میں کوئی عار محسوس نہیں ہوا ہے کہ تم لوگوں نے مجھے قتل کر دیا ہے لیکن اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ مجھے ان آدمیوں نے مارا ہے جو کھیتی باڑی کرنے والے ہیں اگر کاش! مجھے ان کے علاوہ دوسرے لوگ مارتے تو میرے نزدیک یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ گویا ابوجہل نے عفراء کے دونوں بیٹوں کی طرف اشارہ کیا جنہوں نے اس کو قتل کیا تھا چنانچہ وہ دونوں انصار سے تعلق رکھتے تھے اور انصار کھیتی باڑی کرتے تھے۔ بایں طور کہ ان کے پاس کھیت بھی تھے اور کھجور کے باغات بھی۔

کسی کو مال دینے سے اس کی دینی فضیلت لازم نہیں آتی

(۴۵) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ اَعْطٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا وَاَنَا جَالِسٌ فَتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ رَجُلًا هُوَ اَعْجَبُهُمْ اِلَیَّ فَقُمْتُ فَقُلْتُ مَالَكَ عَنْ فُلَانٍ وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ مُسْلِمًا ذَكَرَ ذٰلِكَ سَعْدٌ ثَلَاثًا وَاَجَابَهُ بِمِثْلِ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ اِنِّیْ لَاُعْطِی الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْهُ خَشْيَةَ اَنْ يُكَبَّ فِی النَّارِ عَلٰی وَجْهِهٖ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِیْ رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ الزُّهْرِیُّ فَنَرٰی اَنَّ الْاِسْلَامَ الْكَلِمَةُ وَالْاِيْمَانَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ۔

"حضرت ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) جب کہ میں مجلس نبویؐ میں) بیٹھا ہوا تھا، رسول کریم ﷺ نے ایک جماعت کو کچھ مال) عطا فرمایا اور (اس جماعت میں سے) ایک شخص کو رسول کریم ﷺ نے چھوڑ دیا (یعنی اس کو کچھ نہیں دیا) حالانکہ وہ شخص میرے نزدیک (دین کے اعتبار سے ان میں سب سے بہتر تھا، (یہ دیکھ کر) میں کھڑا ہوا اور (آنحضرت ﷺ) سے عرض کیا کہ "فلاں شخص کے لئے کیا ہے یعنی آپ ﷺ نے اس کو اپنے عطیہ سے کیوں محروم رکھا؟ خدا کی قسم! میں (تو) اس کو مؤمن صادق سمجھتا ہوں۔" رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "یوں نہ کہو کہ میں اس کو مؤمن صادق سمجھتا ہوں" بلکہ یہ کہو کہ میں اس کو مسلمان سمجھتا ہوں۔" سعدؓ نے (آپ ﷺ کے سامنے) تین بار یہ بات کہی اور آنحضرت ﷺ نے بھی (ہر بار) اسی طرح جواب دیا اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "میں ایک شخص کو (مال) دیتا ہوں درآنحالیکہ اس کی نسبت دوسرا شخص میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ شخص منہ کے بل دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "بلکہ یہ کہو الخ اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے یہ واضح کیا کہ ایمان حقیقی کہ جس کا تعلق قلب کی گہرائیوں اور صدق باطن سے ہوتا ہے، بہت اعلیٰ مرتبہ ہے اور چونکہ یہ کوئی ظاہری چیز نہیں ہوتی اس لئے اس پر مطلع ہونا ممکن نہیں ہے (یعنی کسی شخص کے ظاہری احوال کو دیکھ کر فیصلہ کرنا ناممکن ہے کہ اس کے باطنی اعمال کیسے ہیں اور اس کا ایمان کس درجہ کا ہے، کیونکہ ایمان حقیقی کوئی نظر آنے والی چیز نہیں ہے)۔ اس کے برخلاف اسلام، ایک نظر آنے والی چیز ہے کیونکہ اسلام نام ہے ظاہری اطاعت و فرمانبرداری کا، اس لئے اگر تمہاری نظروں میں اس شخص کے ظاہری اعمال بہت اچھے ہیں تو تم اس کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ تو کہہ سکتے ہو کہ میں اس کو

اچھا مسلمان سمجھتا ہوں لیکن یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں اس کو مؤمن صادق سمجھتا ہوں۔ گویا اس طرح آنحضرت ﷺ کا مقصد سعدؓ کو اس غیر مناسب بات پر متنبہ کرنا تھا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اس شخص کے مستحق مال ہونے کو اپنی دلیل کے ساتھ بیان کیا اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس شخص کو مال نہ دیئے جانے کو بعید از حقیقت جانا نیز انہوں نے اس شخص کے ایمان حقیقی کا دعویٰ کیا۔

"اس کی وجہ یہ اندیشہ ہوتا ہے الخ" اس سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ کسی شخص کو مال دینے سے اس کو پسندیدہ سمجھنا یا اس کو افضل جاننا لازم نہیں آتا اور نہ یہ ضروری ہے کہ مال کا دیا جانا دینی فضیلت و امتیاز کے اعتبار سے ہو بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس شخص کا ایمان کمزور ہوتا ہے اس کو تالیف قلب کے پیش نظر مال عطا کیا جاتا ہے تاکہ وہ محض مال نہ پانے کی وجہ سے کسی مایوسی اور غصہ کا شکار ہو کر کفر کے اندھیروں میں نہ چلا جائے اور پھر دوزخ میں ڈالا جائے۔ لہٰذا اے سعد! اس شخص کو مال دیئے جانے کا مطالبہ اتنے بڑے دعوے کے ساتھ نہ کرو کہ وہ کامل الایمان مؤمن ہے جب کہ اس کے حقیقی و کامل ایمان کا یقین کرنا بھی تمہارے لئے ممکن نہیں ہے۔

"اسلام کلمہ کا نام ہے الخ۔" واضح رہے کہ اصل میں تو زہریؒ کو یوں کہنا چاہئے تھا کہ اسلام، عمل صالح اور احکام شریعت کی اطاعت و فرمانبرداری سے عبارت ہے اور ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے، لیکن انہوں نے اس مشہور تعریف کی بجائے اسلام کو کلمہ سے اور ایمان کو عمل صالح سے تعبیر کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اقرار اسلام کا تعلق کلمہ شہادت کو زبان سے ادا کرنے سے ہے، جس شخص نے کلمۂ شہادت پڑھا اس نے گویا اپنے اسلام کا اقرار کیا اور یہ اقرار اس بات کے لئے کافی ہے کہ اس کو ظاہری طور پر مسلمان مانا جائے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سعدؓ سے یہی فرمایا تھا کہ تم اس شخص کے مسلمان ہونے کا تو یقین کر سکتے ہو کیونکہ اس نے اپنی زبان سے کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے اسلام کا اقرار کیا ہے اور اس کا یہ اقرار اس کو بظاہر مسلمان ثابت کرنے کے لئے کافی ہے، اسی بات کو زہریؒ نے اس سے تعبیر کیا کہ اسلام کلمہ کا نام ہے کہ جس شخص نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا، اب رہی ایمان کو عمل صلح سے تعبیر کرنے کی بات، تو اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ عمل صالح صادر ہونے کی بنیاد کیا ہوتی ہے؟ بالکل ظاہر بات ہے کہ اس کی بنیاد تصدیق قلبی یعنی دل سے ایمان لانا ہے، جو شخص اخلاص کے ساتھ عمل صالح کرتا ہے وہ گویا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کے قلب میں ایمان جاگزیں ہے اور اس سے عمل صالح کا صادر ہونا تصدیق قلبی اور کمال ایمان کی بناء پر ہے، اس اعتبار سے زہریؒ نے "ایمان" کی وضاحت عمل صالح سے کی۔

جنگ میں شریک نہ ہونے کے باوجود مال غنیمت میں سے حضرت عثمانؓ کا حصہ

(۳۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ يَعْنِىْ يَوْمَ بَدْرٍ فَقَالَ اِنَّ عُثْمَانَ انْطَلَقَ فِىْ حَاجَةِ اللّٰهِ وَحَاجَةِ رَسُوْلِهٖ وَاِنِّىْ اُبَايِعُ لَهٗ فَضَرَبَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِسَهْمٍ وَلَمْ يَضْرِبْ لِاَحَدٍ غَابَ غَيْرَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ جنگ بدر کے دن (خطبہ دینے کے لئے) کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ بلاشبہ "عثمانؓ، اللہ اور اس کے رسول کے کام سے گئے ہیں اس لئے میں (خود) ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں۔" پھر رسول کریم ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے لئے (جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے" حصہ مقرر کیا اور آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے علاوہ اور کسی ایسے شخص کے لئے حصہ مقرر نہیں کیا جو جنگ میں شریک نہیں تھا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ جب اپنے صحابہؓ کے ہمراہ بدر پہنچے تو اس وقت آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ جو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھیں سخت بیمار تھیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عثمانؓ کو مدینہ بھیج دیا تاکہ وہ وہاں جاکر حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کریں۔ اور پھر جب مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس جنگ کے تئیں عثمانؓ پر جو ذمہ داری عائد ہوئی تھی اس کو انہوں

نے پورا کیا اور وہ جنگ میں شریک ہونے کے لئے یہاں آئے، لیکن خدا اور اس کے رسول ﷺ کا یہ حکم ہوا کہ وہ مدینہ واپس چلے جائیں اور رقیہؓ کی دیکھ بھال کریں، اس اعتبار سے وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ ہی کے کام سے گئے ہیں، لہٰذا میں خود ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ پر مارا اور فرمایا کہ یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے، اور پھر آپ ﷺ نے مال غنیمت میں حضرت عثمانؓ کا بھی حصہ لگایا۔

ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر ہے

(۴۷) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْعَلُ فِيْ قَسْمِ الْمَغَانِمِ عَشْرًا مِنَ الشَّاءِ بِبَعِيْرٍ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت رافع ابن خدیجؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیتے۔" (نسائی)

پہلی امتوں میں مال غنیمت کو آسمانی آگ جلاڈالتی تھی

(۴۸) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ فَقَالَ لِقَوْمِهٖ لَا يَتَّبِعْنِيْ رَجُلٌ مَلَكَ بُضْعَ امْرَأَةٍ وَهُوَ يُرِيْدُ اَنْ يَّبْنِيَ بِهَا وَلَمَّا يَبْنِ بِهَا وَلَا اَحَدٌ بَنٰى بُيُوْتًا وَلَمْ يَرْفَعْ سُقُوْفَهَا وَلَا رَجُلٌ اشْتَرٰى غَنَمًا اَوْ خَلِفَاتٍ وَهُوَ يَنْتَظِرُ اَوْلَادَهَا فَغَزَا فَدَنَا مِنَ الْقَرْيَةِ صَلَاةَ الْعَصْرِ اَوْ قَرِيْبًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ لِلشَّمْسِ اِنَّكِ مَأْمُوْرَةٌ وَاَنَا مَأْمُوْرٌ اَللّٰهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيْنَا فَحُبِسَتْ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ فَجَاءَتْ يَعْنِي النَّارَ لِتَأْكُلَهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا فَقَالَ اِنَّ فِيْكُمْ غُلُوْلًا فَلْيُبَايِعْنِيْ مِنْ كُلِّ قَبِيْلَةٍ رَجُلٌ فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهٖ فَقَالَ فِيْكُمُ الْغُلُوْلُ فَجَاءُوْا بِرَأْسٍ مِثْلِ رَأْسِ بَقَرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ فَوَضَعَهَا فَجَاءَتِ النَّارُ فَاَكَلَتْهَا وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِاَحَدٍ قَبْلَنَا ثُمَّ اَحَلَّ اللّٰهُ لَنَا الْغَنَائِمَ رَأٰى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا فَاَحَلَّهَا لَنَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "انبیاء میں سے ایک نبی (یعنی حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ انہوں) نے جہاد کا ارادہ کیا اور جب وہ جہاد کے لئے روانہ ہونے لگے تو) انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ میرے ساتھ وہ شخص نہ چلے جس نے کسی عورت سے نکاح کیا ہو اور اس عورت کو اپنے گھر لا کر اس سے مجامعت کا ارادہ رکھتا ہو اور ابھی تک اس سے مجامعت نہ کی ہو اور میرے ساتھ نہ وہ شخص چلے جس نے گھر بنایا ہو لیکن (ابھی تک) اس کی چھت نہ ڈال سکا ہو نیز وہ شخص (بھی) میرے ساتھ نہ چلے جس نے گابھن بکریاں یا گابھن اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچے جننے کا منتظر ہو۔ اس کے بعد وہ نبی ﷺ (اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ) جہاد کے لئے روانہ ہوئے اور جب اس بستی کے قریب پہنچے کہ جہاں وہ جہاد کرنے کا ارادہ رکھتے تھے تو نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا (یعنی وہ ایسے وقت اس بستی کے قریب پہنچے جب کہ عصر کی نماز کا وقت ختم ہوتا ہے یا ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے) اس نبی علیہ السلام نے آفتاب کو مخاطب کر کے کہا کہ تو بھی (چلنے پر) مامور ہے اور میں بھی (اس بستی کو فتح کرنے پر) مامور ہوں۔ اے اللہ! تو اس آفتاب کو ٹھہرا دے۔" چنانچہ آفتاب ٹھہرا دیا گیا (یعنی قدیم ماہرین فلکیات کے نظریہ کے مطابق آفتاب کی رفتار کو یا جدید نظریہ کے مطابق زمین کی گردش کو حکم الٰہی سے روک دیا گیا تاکہ رات کی تاریکی سے پہلے پہلے وہ نبی جہاد کرلیں) تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی علیہ السلام کو فتح عطا فرما دی۔ پھر (جب مال غنیمت جمع کیا گیا اور اس کو جلا ڈالنے کے لئے آگ آئی تو اس آگ نے مال غنیمت کو نہیں جلایا، (یہ دیکھ کر) اس نبی علیہ السلام نے (اپنے ساتھیوں سے) فرمایا کہ (یقیناً تمہارے اندر مال غنیمت میں خیانت واقع ہوئی ہے یعنی تم میں سے کسی نے مال غنیمت کے اندر خیانت کی ہے (جس کی وجہ سے یہ آگ اپنا کام نہیں کر رہی ہے) لہٰذا تم میں سے ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص کو چاہئے کہ وہ بیعت کرے، چنانچہ (جب بیعت شروع ہوئی اور ہر

قبیلہ کا ایک ایک آدمی اپنا ہاتھ اس نبی علیہ السلام کے ہاتھ میں دینے لگا تو) ایک شخص کا ہاتھ اس نبی کے ہاتھ کو چپک کر رہ گیا، نبی علیہ السلام نے (اس شخص سے) فرمایا کہ "(اس ذریعہ سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ) خیانت، تمہارے قبیلہ کی طرف سے ہوئی ہے۔" پھر اس قبیلہ کے لوگ سونے کا ایک سر لائے جو بیل کے سر کی مانند تھا اور اس کو رکھ دیا، اس کے بعد آگ آئی اور اس نے اس کو جلا دیا۔ اور ایک روایت میں راوی سے یہ عبارت بھی نقل کی ہے کہ "(آنحضرت نے یہ فرمایا کہ) چنانچہ ہم سے پہلے کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال قرار دیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں (مالی طور پر) ضعیف و کمزور دیکھا تو مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال کر دیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت یوشع علیہ السلام نے جہاد کے لئے روانگی کے وقت ان چند لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے سے اس لئے روک دیا تھا کہ جب دل کسی اور چیز میں اٹکا ہوا ہوتا ہے تو اس چیز کے علاوہ کسی اور کام میں طبیعت نہیں لگتی لہٰذا اگر مذکورہ لوگوں کو جانے والے لشکر میں شریک کیا جاتا تو وہ پورے جوش و جذبہ اور چستی و تندہی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا جس کے لئے ان کو لے جایا جاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنگی مہمات وغیرہ کے موقع پر اپنے تمام ضروری امور و معاملات سے فراغت و یکسوئی حاصل کر لینی چاہئے تاکہ جس مہم میں نکلا جائے اس کو بخوبی سرانجام دیا جا سکے۔

"آفتاب ٹھہرا دیا گیا الخ۔" مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ (نظام شمسی کی پوری مدت عمر) میں حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام کے علاوہ اور کسی کے لئے سورج کو کبھی نہیں ٹھہرایا گیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سورج کا ٹھہر جانا صرف حضرت یوشع علیہ السلام کے خصائص میں سے ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی سورج کا ٹھہرایا جانا ثابت ہے! اس طرح ان دونوں باتوں میں جو ظاہری تضاد ہے اس کو اس توجیہ کے ذریعہ دور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ہے (کہ یوشع کے علاوہ اور کسی کے لئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا)۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ پیغمبروں میں حضرت یوشع کے سوا اور کوئی ایسا پیغمبر نہیں ہے جس کے لئے سورج ٹھہرایا گیا ہو علاوہ میرے۔ نیز یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورج ٹھہرایا گیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے یہ ارشاد فرمایا ہو۔

موہب لدنیہ کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورج ٹھہرنے کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہے۔ ایک بار تو شب معراج کے دوسرے دن اور دوسری بار غزوۂ خندق کے دن جب کہ کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ میں الجھائے رکھ کر عصر کی نماز پڑھنے سے روک دیا تھا یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورج کو واپس کیا (یعنی عصر کا وقت لوٹایا) تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی۔ اسی طرح ایک مرتبہ آنحضرت کے حکم سے حضرت علیؓ کے لئے بھی سورج واپس ہوا ہے وہ یوں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زانوں پر سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہوگیا، اس صورت میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک اپنے زانوں پر سے نہ اٹھا سکے یہاں تک کہ عصر کا وقت ختم ہوگیا اور وہ نماز نہیں پڑھ پائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو واپس کیا، تب انہوں نے عصر کی نماز وقت پر ادا کی، مواہب لدنیہ نے اس واقعہ کو بھی تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے لیکن علماء نے اس واقعہ میں کلام بھی کیا ہے۔

"اس کو جلا ڈالنے کے لئے آگ آئی الخ" جیسا کہ پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے، یہ صرف اس اُمت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ اس کے لئے مال غنیمت کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ پچھلی امتوں کو غنیمت کا مال اپنے مصرف میں لانے کی اجازت نہیں تھی۔ بلکہ حکم الٰہی کے مطابق یہ دستور تھا کہ جنگ کے بعد غنیمت کا سارا مال جمع کر کے جنگل میں رکھ دیا جاتا تھا، اس کے بعد آسمان سے آگ آتی اور اس کو جلا دیتی، جو قبولیت کی علامت ہوتی۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والا دوزخ میں ڈالا جائے گا

(۴۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ عُمَرُ قَالَ لَمَّا کَانَ یَوْمُ خَیْبَرَ اَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِیْدٌ وَ فُلَانٌ شَهِیْدٌ حَتّٰی مَرُّوْا عَلٰی رَجُلٍ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِیْدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَلَّا اِنِّیْ رَاَیْتُهٗ فِی النَّارِ فِیْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا اَوْ عَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اِذْهَبْ فَنَادِ فِی النَّاسِ اَنَّهٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَیْتُ اَلَا اِنَّهٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے ہم سے یہ بیان کیا کہ جب خیبر کا دن آیا (یعنی جب غزوۂ خیبر ختم ہو گیا) تو نبی کریم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے چند لوگ آئے اور (آپس میں) کہنے لگے کہ فلاں شخص شہید ہو گئے تھے ان کے نام لے لے کر ان کی شہادت کا ذکر کرتے تھے) یہاں تک کہ وہ لوگ ایک شخص (کی لاش) پر سے گذرے اور کہا کہ (یہ) فلاں شخص شہید ہے، رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "ہرگز نہیں، (تم لوگ جس معنی میں اس کو شہید کہتے ہو وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ) میں نے اس شخص کو مال غنیمت میں سے ایک چادر یا فرمایا کہ ایک دھاری دار کملی چرانے کے سبب دوزخ میں (جلتے) دیکھا ہے۔" پھر رسول کریم ﷺ نے (مجھ کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ "ابن خطاب! جاؤ اور لوگوں کے درمیان تین مرتبہ یہ منادی کر دو کہ "جنت میں (ابتداء) صرف مؤمن (یعنی کامل مؤمن) ہی داخل ہوں گے۔" حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ چنانچہ میں نکلا اور تین مرتبہ یہ منادی کی کہ "خبردار! جنت میں صرف مؤمن ہی داخل ہوں گے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "جنت میں صرف مؤمن ہی داخل ہوں گے۔" ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ شرعی اصطلاح اور عرف عام میں "مؤمن" اس شخص کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ پر اور آپ ﷺ کی شریعت پر ایمان لائے۔ اس اعتبار سے جس شخص نے خیانت کا ارتکاب کیا اس نے گویا آنحضرت ﷺ کی رسالت و شریعت کی تصدیق سے انکار کیا بایں طور کہ اس تصدیق کے نتیجہ میں اس پر جو احکام نافذ ہوتے ہیں اس نے ان پر عمل نہیں کیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بہرحال نہیں ہو سکتا کہ جس شخص نے خیانت کا ارتکاب کر کے آنحضرت ﷺ کی تصدیق کے منافی عمل کیا وہ سرے سے مؤمن نہیں رہا، لہٰذا اس اعلان کے ذریعہ کہ "جنت میں صرف مؤمن ہی داخل ہوں گے۔" آنحضرت ﷺ کا اس شخص کو بظاہر زمرۂ مؤمنین سے خارج کرنا اصل میں سخت زجر و تنبیہ اور وعید کے طور پر تھا یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس ارشاد میں "مؤمن" سے مراد "متقی و پرہیزگار مؤمن" ہے اور "داخل ہونے" سے مراد بلا عذاب داخل ہونا ہے، اس طرح اس ارشاد کا مطلب یہ ہو گا کہ جو مؤمن، تقویٰ و پرہیزگاری کی راہ پر گامزن ہوں گے وہ جنت میں بغیر عذاب کے داخل کئے جائیں گے، لیکن جو مؤمن متقی و پرہیزگار نہیں ہوں گے اور گناہ کا ارتکاب کریں گے انہیں پہلے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا تاکہ وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت لیں اور پھر بعد میں انہیں بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا

چونکہ یہ ارشاد "میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے" بظاہر ان نصوص کے خلاف ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کسی کا حقیقۃً دوزخ میں ڈالا جانا، حشر کے بعد ہی واقع ہو گا۔ لہٰذا اس ارشاد گرامی کو "تمثیل" پر محمول کیا جائے، یعنی آنحضرت ﷺ نے اس اسلوب بیان کے ذریعہ درحقیقت اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ شخص دوزخ میں ڈالا جائے گا جیسا کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کے انتقال سے پہلے ہی ان کے جنت میں داخل ہونے کو تمثیل کے طور پر بیان فرمایا تھا، میرے نزدیک یہ احتمال بھی ہے کہ یہ ارشاد مجازی اسلوب بیان کا مظہر ہو، یعنی آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ میں اس شخص کو ایک ایسے گناہ کا مرتکب جانتا ہوں جو دوزخ کے عذاب کو واجب کرنے والا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ ان الابرار لفی نعیم (نیک لوگ جنت میں ہیں) ظاہر ہے کہ اس آیت کا

مطلب یہ نہیں ہے کہ نیک لوگ ابھی سے جنت میں پہنچ گئے ہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ نیک لوگ ان اوصاف حمیدہ کے حامل ہوتے ہیں جو ان کو جنت میں لے جائیں گے۔

بَابُ الْجِزْيَةِ

جزیہ کا بیان

جزیہ کس کو کہتے ہیں؟: "جزیہ" اسلامی قانون کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کا اطلاق اس خاص محصول (ٹیکس) پر ہوتا ہے جو اسلامی مملکت میں بسنے والے غیر مسلم افراد (ذمیوں) سے ان کی طے شدہ مرضی کے مطابق لیا جاتا ہے۔

"جزیہ" اصل میں "جزاء" سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی "بدلہ کے ہیں! اس خاص محصول (ٹیکس) کو جزیہ اسی لئے کہا جاتا ہے وہ گویا اسلامی ریاست میں ترک اسلام اور کفر پر قائم رہنے کا ایک بدلہ اور عوض ہے جو ان کے مال، جائداد، عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

مجوسیوں سے جزیہ لیا جاسکتا ہے

① عَنْ بَجَالَةَ قَالَ كُنْتُ كَاتِبًا لِجَزْءِ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَمِّ الْاَحْنَفِ فَاَتَانَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَبْلَ مَوْتِهِ بِسَنَةٍ فَرِّقُوْا بَيْنَ كُلِّ ذِيْ مَحْرَمٍ مِنَ الْمَجُوْسِ وَلَمْ يَكُنْ عُمَرُ اَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنَ الْمَجُوْسِ حَتّٰى شَهِدَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَهَا مِنْ مَجُوْسِ هَجَرَ۔ (رواه البخاری)

"حضرت بجالہؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں حضرت جزء ابن معاویہؒ (تابعی) کے ہاں جو حضرت احنفؓ (صحابی) کے چچا تھے، منشی تھا۔ ایک مرتبہ ہمارے پاس حضرت (امیرالمؤمنین) عمر بن خطابؓ کا ان کی وفات سے ایک سال پہلے ایک مکتوب آیا جس میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ "مجوسیوں یعنی آتش پرستوں میں ان کے محارم کے درمیان تفریق کرا دو۔" نیز (راوی کہتے ہیں کہ) عمرؓ (پہلے) مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیا کرتے تھے یہاں تک کہ جب حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے گواہی دی (یعنی انہوں نے یہ بیان کیا) کہ رسول کریم ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا (تب حضرت عمرؓ نے مجوسیوں سے جزیہ لینا شروع کیا۔" (بخاری)

تشریح: "محرم" اس قریبی رشتہ دار کو کہتے ہیں جس سے نکاح جائز ہو جیسے ماں، بیٹی اور بہن وغیرہ۔ مجوسیوں میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے محرم سے شادی کر لیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ حکم بھیجا کہ جن مجوسیوں نے اپنے محارم سے شادی کر رکھی ہو ان میاں بیوی کے درمیان تفریق کرا دو یعنی ان کی شادی فسخ قرار دے دو۔ اگرچہ اسلامی قانون کا یہ ضابطہ ہے کہ جو غیر مسلم اسلامی ریاست کے ذمہ و حفاظت میں ہوں ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے بلکہ ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی دی جائے اور یہ بات (یعنی اپنے محرم سے شادی) چونکہ ان کے مذہب میں جائز تھی اس لئے حضرت عمرؓ کا یہ حکم دینا بظاہر ایک سوالیہ نشان ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اسلامی ریاست کی طرف سے ذمیوں کو اپنے مذہبی معاملات میں پوری آزادی حاصل ہوتی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امام وقت کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اسلامی قلمرو میں جہاں صرف خدا کا اتارا ہوا قانون نافذ و جاری ہوتا ہے کسی بھی ایسے عمل کو روک دے جو براہ راست اسلامی شعار کے منافی اور دین کے بنیادی اصولوں اور قانون حکومت کے مخالف ہو۔ چنانچہ مجوسیوں کا اپنے محرم سے شادی کرنا بھی چونکہ نہ صرف اسلامی شعار کے صریح مخالف ہی تھا بلکہ اخلاقی اور سماجی طور پر بھی نہایت مذموم اور شنیع فعل تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے اس طرح کی شادیوں کو ختم کر دینے کا حکم صادر فرمایا۔

مجوسیوں کے بارہ میں جمہور علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ان سے جزیہ لیا جائے بلکہ حنفیہ کے نزدیک عجمی بت پرستوں سے بھی جزیہ لیا جائے لیکن اس میں حضرت امام شافعیؒ کا اختلافی قول ہے۔

"ہجر" ایک جگہ کا نام ہے جو بعض حضرات کے نزدیک یمن میں بحرین کے قریب ایک شہر تھا، مگر موجودہ محققین کے مطابق جزیرہ نمائے عرب کا مشرقی ساحل جو "احساء" کہلاتا ہے پہلے "ہجر" کے نام سے موسوم تھا اور اسی کو "بحرین" بھی کہتے تھے۔

وَذُكِرَ حَدِيْثُ بُرَيْدَةَ اِذَا اَمَّرَ اَمِيْرًا عَلٰى جَيْشٍ فِيْ بَابِ الْكِتَابِ اِلَى الْكُفَّارِ اور حضرت بریدہ ﷺ کی روایت اِذَا اَمَّرَ اَمِيْرًا الخ باب الكتاب الى الكفار میں نقل کی جا چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

جزیہ کی مقدار

(۲) عَنْ مُعَاذٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّهَهٗ اِلَى الْيَمَنِ اَمَرَهٗ اَنْ يَاْخُذَ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ يَعْنِيْ مُحْتَلِمٍ دِيْنَارًا اَوْ عَدْلَهٗ مِنَ الْمُعَافِرِيِّ ثِيَابٌ تَكُوْنُ بِالْيَمَنِ۔ (ابوداؤد)

"حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ جب رسول کریم ﷺ نے ان (معاذؓ) کو (قاضی و حاکم بنا کر) یمن روانہ کیا تو ان کو یہ ہدایت کی کہ وہ (وہاں کے) ہر حالم یعنی ہر بالغ سے ایک دینار یا ایک دینار کی قیمت کا معافی کپڑا جو یمن میں تیار ہوتا ہے (جزیہ کے طور پر) لیں" (ابوداؤدؒ)

تشریح: ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ جزیہ نہ تو عورت پر عائد ہوتا ہے اور نہ بچے پر۔ (اسی طرح مجنون، اندھے، اور فالج زدہ پر بھی) جزیہ واجب نہیں ہوتا۔ نیز وہ بڈھا جو لڑنے اور کام کرنے پر قادر نہ ہو اور وہ محتاج جو کوئی کام کرنے پر قادر نہ ہو جزیہ سے مستثنیٰ ہے

یہ حدیث بظاہر حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی دلیل ہے جن کے نزدیک جزیہ کی واجب مقدار کے بارے میں غنی اور فقیر (یعنی امیر و غریب) برابر ہیں کیونکہ اس حدیث میں کوئی تخصیص ذکر نہیں ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک غنی (امیر) پر ہر سال اڑتالیس درہم واجب ہوتے ہیں جو ہر مہینے چار درہم کے حساب سے ادا کرنے ہوتے ہیں، درمیانی درجہ والے پر ہر سال چوبیس درہم ہوتے ہیں جنہیں وہ ہر ماہ دو دو درہم کر کے ادا کرے گا اور فقیر یعنی نچلے طبقہ والے پر جو کمانے والا ہو ہر سال بارہ درہم واجب ہوتے ہیں جنہیں وہ ہر ماہ ایک ایک درہم کر کے ادا کرے گا۔

اسی حنفی مسلک کے بارہ میں ہدایہ میں لکھا ہے کہ یہ مسلک حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ سے منقول ہے نیز انصار و مہاجرین میں سے کسی سے بھی اس کے خلاف منقول نہیں ہے اور جہاں تک اس حدیث کا سوال ہے جس میں ہر بالغ سے ایک ایک دینار لینا روایت کیا گیا ہے تو یہ صلح کی صورت پر محمول ہے کہ یمن چونکہ جنگ و جدال کے ذریعہ فتح نہیں ہوا تھا بلکہ باہمی صلح کے ذریعہ یمن والوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے تسلط و اقتدار میں دے دیا تھا لہٰذا جزیہ کے بارے میں بھی ان کے ساتھ مذکورہ مقدار پر مصالحت ہوئی۔ یا یہ اس پر محمول ہے کہ اہل یمن چونکہ مالی طور پر بہت پس ماندہ اور خستہ حال تھے اس لئے ان پر جزیہ کی وہی مقدار واجب کی گئی جو فقراء (غریبوں) پر واجب کی جانی چاہئے تھی۔

مسلمانوں پر جزیہ واجب نہیں

(۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْلُحُ قِبْلَتَانِ فِيْ اَرْضٍ وَاحِدَةٍ وَلَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ جِزْيَةٌ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ایک زمین میں دو قبلے نہیں ہونے چاہئیں اور مسلمان پر جزیہ عائد

نہیں ہو سکتا۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: "ایک زمین میں دو قبلے" کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک علاقے میں دو مذہب برادری کی بنیاد پر نہیں ہونے چاہئیں۔ گویا اس کے ذریعہ مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ وہ کافروں یعنی اپنے دین کے دشمنوں کے درمیان دارالحرب میں سکونت اختیار نہ کریں اور نہ اس کے ذریعہ اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کریں۔ اسی طرح اسلامی ریاست کو چاہئے کہ وہ اپنی حدود میں کافروں یعنی دشمنان دین کو بغیر جزیہ کے سکونت اختیار نہ کرنے دے اور ان کے جزیہ دینے کی صورت میں ان کو اس طرح سر اٹھانے کا موقع نہ دے کہ وہ علی الاعلان اسلامی ریاست کے بنیادی اصول و قوانین اور دینی عقائد و نظریات کے خلاف امور انجام دیں اور یہ آگاہی اس حقیقت کے پیش نظر ہے کہ ان دونوں ہی صورتوں میں دین اسلام اور کفر دونوں کا مساوی ہو جانا لازم آتا ہے جب کہ اسلام کی نظر میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اسلام اس امر کا متقاضی ہوتا ہے کہ مسلمان جہاں بھی رہیں، قوت و شوکت اور عزت و رفعت کے مقام پر ہوں اور اسلام دشمن عناصر ضعیف و کمزور اور بے وقعت رہیں۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۃ العرب سے جلاوطن کر دینے کی طرف اشارہ ہے جو اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اہل قبلہ بھی ہیں اور ان دونوں کا الگ الگ قبلہ ہے جو اہل اسلام کے قبلہ کے خلاف ہے، تاکہ اس علاقے میں دو قبلوں کو ماننے والوں کا وجود نہ رہے بلکہ صرف ایک قبلۂ حقیقی کو ماننے والے یعنی مسلمان ہی رہیں۔

"مسلمان پر جزیہ عائد نہیں ہو سکتا۔" میں اس صورت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مثلاً کوئی غیر مسلم، ذمی ہونے کی حیثیت میں اسلامی ریاست کا شہری بنا لیکن پھر وہ جزیہ ادا کرنے سے پہلے مسلمان، ہو گیا تو اب اس سے جزیہ کا مطالبہ نہ کیا جائے کیونکہ وہ مسلمان ہے اور مسلمان پر جزیہ عائد نہیں ہوتا۔

جزیہ پر صلح

④ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَبْنَ الْوَلِيْدِ اِلٰى اُكَيْدِرِ دُوْمَةَ فَاَخَذُوْهُ فَاَتَوْابِهٖ فَحَقَنَ لَهٗ دَمَهٗ وَصَالَحَهٗ عَلَى الْجِزْيَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو اکیدر دومہ کے مقابلہ پر بھیجا، چنانچہ حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھیوں نے اس کو پکڑ لیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے، آنحضرت ﷺ نے اس کا خون معاف کر دیا اور جزیہ پر اس سے صلح کر لی۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اکیدر الف کے پیش، کاف کے زیر یا کے جزم اور دال کے زیر کے ساتھ۔ دومہ کا بادشاہ تھا اور دومہ ایک شہر کا نام تھا۔ جو شام میں تبوک کے پاس واقع تھا۔ اکیدر ایک نصرانی (عیسائی) تھا اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دیا تھا کہ اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ زندہ پکڑ کر میرے پاس لایا جائے۔ چنانچہ جب اس کو دربار رسالت میں لایا گیا آپ ﷺ نے اس پر جزیہ مقرر کیا۔ پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت بخشی اور وہ کامل مسلمان ہو گیا۔

یہود و نصاریٰ سے مال تجارت پر محصول لینے کا مسئلہ

⑤ وَعَنْ حَرْبِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ جَدِّهٖ اَبِىْ اُمِّهٖ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا الْعُشُوْرُ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَلَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ عُشُوْرٌ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

"اور حضرت حرب ابن عبید اللہ اپنے جد (نانا) سے اور وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔" یہود و نصاریٰ پر عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے مسلمانوں پر (چالیسواں حصہ واجب ہے، ان پر عشر واجب نہیں ہے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: یہاں عشر یعنی دسویں حصے کا تعلق مال تجارت سے ہے صدقات واجبہ (یعنی زمینی پیداوار) کا عشر مراد نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں پر زمینی پیداوار کا عشر واجب ہوتا ہے۔

خطابیؒ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ پر عشر کی قسم سے جو چیز واجب ہوتی ہے وہ بس وہی ہے جس پر ان کو ذمی بناتے وقت صلح ہوئی ہو اور جس کا ان کے ساتھ معاہدہ ہوا ہو۔ اور اگر ان کو ذمی بناتے وقت ان سے کسی چیز پر صلح نہیں ہوتی ہے تو اس صورت میں ان پر جزیہ کے علاوہ اور کچھ واجب نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے۔

اس سلسلے میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر یہود و نصاریٰ اپنے شہروں میں مسلمانوں کے داخل ہونے کے وقت ان کے مال تجارت پر محصول (ٹیکس) وغیرہ لیتے ہوں تو مسلمانوں کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کہ جب ان کے شہروں میں یہود و نصاریٰ آئیں تو ان کے تجارت پر مسلمان بھی ان سے محصول لیں اور اگر وہ مسلمانوں سے کسی طرح کا کوئی محصول نہ لیتے ہوں تو پھر مسلمان بھی ان سے کوئی محصول نہیں لیں گے۔

ذمیوں سے معاہدہ کی شرائط زبردستی کرائی جاسکتی ہیں

(۶) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَمُرُّ بِقَوْمٍ فَلَا هُمْ یُضَیِّفُوْنَا وَلَا هُمْ یُؤَدُّوْنَ مَالَنَا عَلَیْهِمْ مِنَ الْحَقِّ وَلَا نَحْنُ نَاْخُذُ مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْ اَبَوْا اِلَّا اَنْ تَاْخُذُوْا کُرْهًا فَخُذُوْا۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! ہم جب (جہاد کو جاتے) ہوئے ایک (فلاں) قوم (کی آبادی) میں سے گذرتے ہیں تو وہ لوگ نہ ہماری میزبانی کرتے ہیں اور نہ ہمیں وہ چیز دیتے ہیں جس کا ہم (از روئے اسلام) ان پر حق رکھتے ہیں (یعنی اسلام کی رو سے ان پر ہمارا جو یہ حق ہے کہ وہ قرض وغیرہ دے کر ہماری ضرورتیں پوری کریں اور ہماری دیکھ بھال کریں وہ اس کو پورا نہیں کرتے) اور (چونکہ) ہم ان سے کوئی چیز (زبردستی) حاصل نہیں کرتے (اس لئے ہم سخت پریشان ہوتے ہیں اور ان کے اس رویہ کی وجہ سے ہمیں بڑی اضطراری حالت اور بڑے نقصان میں مبتلا ہونا پڑتا ہے) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اگر وہ لوگ (تمہاری میزبانی کرنے یا تمہارے ہاتھ نقد و ادھار کوئی چیز فروخت کرنے سے انکار کریں اور (اس صورت میں) انسے کوئی چیز زبردستی لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو تو (زبردستی) لے لو۔" (ترمذیؒ)

تشریح: جن لوگوں کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے وہ دراصل ذمی تھے (جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا بلکہ جزیہ ادا کر کے اسلامی قلمرو میں آباد تھے) اور ان کو ذمی بناتے وقت ان کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اس میں ان پر یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ جو مسلمان جہاد کے لئے جاتا ہو اور ان کے ہاں سے گذرے وہ اس کی میزبانی کریں، لیکن انہوں نے اس شرط سے روگردانی کی چنانچہ جو مسلمان جہاد کو جاتے ہوئے ان کے ہاں ٹھہرتے وہ نہ صرف یہ کہ ان کی میزبانی نہ کرتے بلکہ ان کے ہاتھ غلہ وغیرہ بھی فروخت نہیں کرتے تھے، جب مسلمانوں نے اس صورت حال سے تنگ آکر آنحضرت ﷺ سے اس کے بارے میں عرض کیا تو آپ ﷺ نے مذکورہ حکم ارشاد فرمایا۔

لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ ان ذمیوں پر پہلے سے اس طرح کی کوئی شرط عائد نہ کی گئی ہو تو اس صورت میں ان کے ہاں ٹھہرنے والے مسلمان کے لئے جو غیر مضطر ہو، یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ ان کے مال و اسباب ان کی رضا و خوشی کے بغیر لے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

ذمیوں پر جزیہ کی مقررہ مقدار کے علاوہ مسلمانوں کی ضیافت بھی واجب کی جاسکتی ہے

(۷) وَعَنْ اَسْلَمَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ضَرَبَ الْجِزْیَةَ عَلٰی اَهْلِ الذَّهَبِ اَرْبَعَةَ دَنَانِیْرَ وَعَلٰی اَهْلِ الْوَرِقِ اَرْبَعِیْنَ دِرْهَمًا مَعَ ذٰلِكَ اَرْزَاقُ الْمُسْلِمِیْنَ وَضِیَافَةُ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ۔ (رواہ مالک)

"حضرت اسلمؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے (اپنے دور خلافت میں) ان (ذمیوں) پر، جو (بہت زیادہ) سونا رکھتے تھے، چار دینار جزیہ مقرر کیا اور جو (ذمی) چاندی رکھتے تھے ان پر چالیس درہم جزیہ مقرر کیا اور اس کے علاوہ ان پر مسلمانوں کا خورد ونوش اور تین دن کی میزبانی بھی مقرر کی تھی۔" (مالکؒ)

تشریح: "اور تین دن کی میزبانی الخ" یہ اصل میں "خورد ونوش" کی وضاحت ہے، یعنی ان غیر مسلموں کو ذمی بناتے وقت ان پر جزیہ کی جو مذکورہ مقدار مقرر کی گئی تھی اس کے ساتھ ہی ان کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی مسلمان پہنچے تو وہ کم سے کم تین دن تک اس کی میزبانی کے فرائض انجام دیں۔

چنانچہ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ ذمیوں سے ایک دینار سے زائد کی مقدار پر مصالحت کرنا نیز ان پر یہ شرط عائد کرنا کہ اگر ان کے ہاں سے مسلمان گذریں تو ان کی میزبانی کے فرائض انجام دیں، یہ جائز ہے اور اس میزبانی کے اخراجات اصلی جزیہ سے وضع نہیں ہوں گے بلکہ وہ جزیہ کی مقررہ مقدار سے ایک زائد چیز ہوگی۔ اس مسئلہ کی باقی تفصیل مرقات وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

بَابُ الصُّلْحِ

صلح کا بیان

"صلح" اصل میں صلاح اور صلوح کا اسم ہے جو فساد بمعنی تباہی کے مقابلہ پر استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی مملکت کے سربراہ کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ نظریۂ توحید کر مطابق عالمگیر امن کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے، تبلیغ اسلام کے مطمح نظر کی خاطر انسانی سلامتی و آزادی کی حفاظت اور سیاسی و جنگی مصلحت کے پیش نظر دشمن اقوام سے معاہدۂ صلح و امن کرلے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ۶ھ میں اپنے سب سے بڑے دشمن کفار مکہ سے صلح کی جو "صلح حدیبیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدۂ صلح کی مدت دس سال مقرر کی گئی تھی اور حدیث و تاریخ کے اس متفقہ فیصلہ کے مطابق کہ حدیبیہ کا یہی وہ معاہدۂ صلح ہے جس نے نہ صرف اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی راہ میں بڑی آسانیاں پیدا کیں بلکہ دنیا کو معلوم ہوگیا کہ اسلام، انسانیت اور امن کے قیام کا حقیقی علمبردار ہے اور مسلمان اس راہ میں اس حد تک صادق ہیں کہ جنگ جو عرب اور بالخصوص کفار مکہ کے وحشیانہ تشدد اور عیارانہ سازشوں کے باوجود اس معاہدہ کی پوری پوری پابندی کرتے رہے لیکن اس معاہدۂ صلح کی مدت پر تین سال ہی گزرے تھے کہ کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ کے حلیف بنو خزاعہ کے مقابلہ پر جنگ کرنے والے بنو بکر کی مدد کر کے اس معاہدہ کو توڑ ڈالا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

صلح حدیبیہ

(۱) عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِيْ بِضْعَ عَشْرَةَ مِائَةً مِنْ اَصْحَابِهٖ فَلَمَّا اَتٰى ذَا الْحُلَيْفَةِ قَلَّدَ الْهَدْيَ وَ اَشْعَرَ وَ اَحْرَمَ مِنْهَا بِعُمْرَةٍ وَ سَارَ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِالثَّنِيَّةِ الَّتِيْ يُهْبَطُ عَلَيْهِمْ مِنْهَا بَرَكَتْ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ فَقَالَ النَّاسُ حَلْ حَلْ خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ وَلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْلِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يَسْأَلُوْنِيْ خُطَّةً يُعَظِّمُوْنَ فِيْهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ اِلَّا اَعْطَيْتُهُمْ اِيَّاهَا ثُمَّ زَجَرَهَا فَوَثَبَتْ فَعَدَلَ عَنْهُمْ حَتّٰى نَزَلَ بِاَقْصَى الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى ثَمَدٍ قَلِيْلِ الْمَاءِ يَتَبَرَّضُهُ النَّاسُ تَبَرُّضًا فَلَمْ يُلَبِّثْهُ النَّاسُ حَتّٰى نَزَحُوْهُ وَ شُكِيَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

الْعَطَشَ فَانْتَزَعَ سَهْمًا مِنْ كِنَانَتِهِ ثُمَّ اَمَرَهُمْ اَنْ يَجْعَلُوْهُ فِيْهِ فَوَاللّٰهِ مَازَالَ يَجِيْشُ لَهُمْ بِالرِّيِّ حَتّٰى صَدَرُوْا عَنْهُ فَبَيْنَاهُمْ كَذٰلِكَ اِذْجَاءَ بُدَيْلُ بْنُ وَرْقَاءَ الْخُزَاعِيُّ فِيْ نَفَرٍ مِنْ خُزَاعَةَ ثُمَّ اَتَاهُ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ اِلٰى اَنْ قَالَ اِذْجَاءَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اكْتُبْ هٰذَا مَاقَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ سُهَيْلٌ وَاللّٰهِ لَوْكُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَاصَدَدْنَاكَ عَنِ الْبَيْتِ وَلَا قَاتَلْنَاكَ وَلٰكِنِ اكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِنْ كَذَّبْتُمُوْنِيْ اكْتُبْ مُحَمَّدَ ابْنَ عَبْدِاللّٰهِ فَقَالَ سُهَيْلٌ وَعَلٰى اَنْ لَا يَاتِيَكَ مِنَّا رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ عَلٰى دِيْنِكَ اِلَّا رَدَدْتَهُ عَلَيْنَا فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قَضِيَّةِ الْكِتَابِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهِ قُوْمُوْا فَانْحَرُوْا ثُمَّ احْلِقُوْا ثُمَّ جَاءَ نِسْوَةٌ مُؤْمِنَاتٌ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٌ الاٰيَةَ فَنَهَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ يَرُدُّوْهُنَّ وَاَمَرَهُمْ اَنْ يَرُدُّوا الصِّدَاقَ ثُمَّ رَجَعَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَجَاءَهُ اَبُوْبَصِيْرٍ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ وَهُوَ مُسْلِمٌ فَاَرْسَلُوْا فِيْ طَلَبِهِ رَجُلَيْنِ فَدَفَعَهُ اِلَى الرَّجُلَيْنِ فَخَرَجَابِهِ حَتّٰى اِذَا بَلَغَا ذَا الْحُلَيْفَةِ نَزَلُوْا يَاكُلُوْنَ مِنْ تَمْرٍ لَهُمْ فَقَالَ اَبُوْبَصِيْرٍ لِاَحَدِ الرَّجُلَيْنِ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرٰى سَيْفَكَ هٰذَا يَافُلَانُ جَيِّدًا اَرِنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْهِ فَاَمْكَنَهُ مِنْهُ فَضَرَبَهُ حَتّٰى بَرَدَ وَفَرَّ الْاٰخَرُ مِنْهُ حَتّٰى اَتَى الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ يَعْدُوْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاٰى هٰذَا ذُعْرًا فَقَالَ قُتِلَ وَاللّٰهِ صَاحِبِيْ وَاِنِّيْ لَمَقْتُوْلٌ فَجَاءَ اَبُوْبَصِيْرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلُ اُمِّهٖ مِسْعَرُ حَرْبٍ لَوْكَانَ لَهُ اَحَدٌ فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ عَرَفَ اَنَّهُ سَيَرُدُّهُ اِلَيْهِمْ فَخَرَجَ حَتّٰى اَتٰى سِيْفَ الْبَحْرِ قَالَ وَانْفَلَتَ اَبُوْجَنْدَلِ بْنُ سُهَيْلٍ فَلَحِقَ بِاَبِيْ بَصِيْرٍ فَجَعَلَ لَا يَخْرُجُ مِنْ قُرَيْشٍ رَجُلٌ قَدْ اَسْلَمَ اِلَّا لَحِقَ بِاَبِيْ بَصِيْرٍ حَتّٰى اجْتَمَعَتْ مِنْهُمْ عِصَابَةٌ فَوَاللّٰهِ مَايَسْمَعُوْنَ بِعِيْرٍ خَرَجَتْ لِقُرَيْشٍ اِلَى الشَّامِ اِلَّا اعْتَرَضُوْا لَهَا فَقَتَلُوْهُمْ وَاَخَذُوْا اَمْوَالَهُمْ فَاَرْسَلَتْ قُرَيْشٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُنَاشِدُهُ اللّٰهَ وَالرَّحِمَ لَمَّا اَرْسَلَ اِلَيْهِمْ فَمَنْ اَتَاهُ فَهُوَ اٰمِنٌ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت مسور ابن مخرمہ اور حضرت مروان ابن حکمؓ سے روایت ہے۔ یہ دونوں کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ حدیبیہ کے سال اپنے ایک ہزار کچھ سو صحابہؓ کو لے کر (مدینہ سے) روانہ ہوئے، جب آپ ﷺ ذوالحلیفہ پہنچے (جو مدینہ منورہ سے جنوب میں تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے اور جس کو ابیار علی بھی کہتے ہیں) تو ہدی (یعنی اپنی قربانی کے جانور) کی گردن میں قلادہ باندھا اور اشعار کیا اور پھر ذوالحلیفہ (ہی) سے عمرہ کے لئے احرام باندھ کر آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ جب ثنیہ (یعنی اس گھاٹی پر) پہنچے جس طرف سے اہل مکہ پر اترا جاتا ہے تو آنحضرت ﷺ کی اونٹنی (جس کا نام قصواء تھا) آپ ﷺ کو لے کر بیٹھ گئی، (جب) لوگوں نے (یہ دیکھا تو) کہنا شروع کیا کہ "حل حل (یہ لفظ اونٹ کو اٹھانے کے لئے کہا جاتا تھا) قصواء اڑ گئی قصواء اڑ گئی۔" نبی کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "نہیں! قصواء نے اڑ نہیں کی ہے اور نہ اس کو اڑنے کی عادت ہے، بلکہ اس کو اس ذات (اللہ تعالیٰ) نے روک دیا ہے جس نے ہاتھی کو روکا تھا۔" اور پھر فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے قریش مجھ سے ایسی جو بات بھی چاہیں گے جس میں اللہ تعالیٰ (کے حرم) کی عظمت ہو تو میں ان کی اس بات کو پورا کروں گا یعنی آج مکہ کے لوگ صلح کے وقت ایسی جس بات کا بھی مطالبہ کریں گے جس میں حرم مکہ کی عظمت کا لحاظ ہو تو میں اس کو پورا کروں گا۔" پھر آپ ﷺ نے اونٹنی کو اٹھایا جو فورًا اٹھ گئی اور آپ ﷺ اہل مکہ کا راستہ چھوڑ کر دوسری سمت کو چلنے لگے تا آنکہ حدیبیہ کے آخری کنارہ پر پہنچ کر جہاں (ایک گڑھا میں) تھوڑا سا پانی تھا اتر گئے (اور وہاں پڑاؤ ڈال دیا) لوگوں نے اس گڑھے میں سے تھوڑا تھوڑا سا پانی لے کر استعمال کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ذرا سی دیر میں سارے پانی کو کھینچ ڈالا (یعنی اس گڑھے میں پانی چونکہ بہت تھوڑا تھا اس لئے لوگوں کے کم سے کم مقدار لینے کا باوجود وہ پانی بہت جلد ختم ہو گیا) لوگوں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور صحابہؓ کو حکم دیا کہ تیر کو کو پانی کے (اس گڑھے) میں

ڈال دیا جائے۔ اور پھر (راوی کہتے ہیں کہ) خدا کی قسم! (اس تیر کی برکت سے) ان لوگوں کو سیراب کرنے کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا پانی (گویا) موجیں مارتا رہا تاآنکہ سب اس پانی پر سے ہٹ گئے (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس گڑھے میں اتنا زیادہ پانی پیدا فرمایا کہ سب لوگوں کی ضرورتیں نہایت اطمینان سے پوری ہوتی رہیں بلکہ جب وہاں سے واپسی ہوئی تو اس وقت بھی پانی باقی رہا) بہرحال صحابہؓ اسی حالت میں تھے، کہ اچانک بدیل ابن ورقاء خزاعی، خزاعہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ (کفار مکہ کی طرف سے مصالحت کے لئے) آیا، پھر عروہ ابن مسعود بھی آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ اس کے بعد بخاری نے (وہ طویل گفت وشنید نقل کی، جو آنحضرت ﷺ اور بدیل وعروہ کے درمیان ہوئی، جس کو صاحب مصابیح نے اختصار کے پیش نظر یہاں نقل نہیں کیا اور پھر یہ) بیان کیا کہ آخر کار جب سہیل ابن عمرو (اہل مکہ کا آخری سفیر اور نمائندہ بن کر) آیا تو نبی کریم ﷺ نے (حضرت علیؓ) سے فرمایا کہ، لکھو۔ "یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ (ﷺ) نے صلح کی ہے۔" سہیل نے (یہ الفاظ دیکھ کر) کہا کہ "بخدا! اگر ہم یہ مانتے کہ تم اللہ کے رسول ہو تو نہ ہم تمہیں خانہ کعبہ (میں جانے) سے روکتے اور نہ جنگ کرتے۔ لہٰذا یوں لکھو کہ (یہ وہ معاہدہ ہے جس پر) محمد ابن عبداللہ (نے صلح کی ہے)۔" نبی کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "خدا کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم مجھ کو جھوٹا سمجھتے ہو (خیر میں مصالحت کی خاطر الفاظ میں تمہاری اس ترمیم کو تسلیم کئے لیتا ہوں) علیؓ! تم محمد ابن عبداللہ ہی لکھ دو۔" پھر سہیل نے یہ کہا کہ "اور اس معاہدۂ صلح میں اس بات کو بھی تسلیم کرو کہ (تم میں سے جو شخص ہمارے ہاں آجائے گا ہم تو اس کو واپس نہ جانے دیں گے لیکن) ہم میں سے جو شخص تمہارے ہاں چلا جائے گا اگرچہ وہ تمہارے دین کو قبول کر چکا ہو اس کو تم ہمارے ہاں واپس کر دو گے۔" (چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کو بھی قبول کر لیا، اس موقعہ پر بھی واقعہ میں اختصار سے کام لیا گیا ہے یعنی صاحب مصابیح نے اسی معاہدہ سے متعلق بخاری کی بیان کردہ ساری تفصیل کو نقل نہیں کیا ہے یا یہ بخاری کی کوئی اور روایت ہے جس میں صرف اسی قدر بیان کیا گیا ہے) بہرحال جب آنحضرت ﷺ (یا حضرت علیؓ) صلح نامہ لکھے جانے سے فارغ ہوئے تو رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ "اٹھو جاؤ، اب (ہدی کے جانوروں کو) ذبح کر ڈالو اور پھر سر منڈواؤ۔" اس کے بعد (مکہ سے) کئی عورتیں مسلمان ہو کر آئیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ الخ۔ (الممتحنۃ ۶۰:۱۰)

"اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں الخ۔"

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے (اس آیت کے ذریعہ) مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا کہ وہ ان عورتوں کو (کفار مکہ کے ہاں) واپس کر دیں اور انہیں اس بات کا حکم دیا کہ ان کا مہر واپس کر دیں، اس کے بعد آنحضرت ﷺ مدینہ واپس تشریف لے آئے (کچھ دنوں بعد) قریش کے ایک شخص ابوبصیر جو مسلمان ہو گئے تھے (مکہ سے نکل کر) آنحضرت کے پاس آئے، قریش مکہ نے دو آدمیوں کو ان کی تلاش میں (مدینہ) بھیجا، آنحضرت ﷺ نے (معاہدۂ صلح کے مطابق) ابوبصیرؓ کو ان دونوں آدمیوں کے حوالہ کر دیا، وہ دونوں آدمی ابوبصیرؓ کو لے کر (مکہ) روانہ ہوئے اور جب (پہلی منزل) ذوالحلیفہ میں قیام کیا اور ان کے پاس جو کھجوریں تھیں ان کو کھانے لگے تو ابوبصیرؓ نے ان میں سے ایک شخص کو مخاطب کر کے کہا کہ "خدا کی قسم، اے فلاں شخص! میرا خیال ہے کہ تمہاری یہ تلوار (بہت اچھی ہے) اور ذرا مجھے تو دکھلاؤ میں بھی اس کو دیکھوں، اس شخص نے ابوبصیرؓ کو وہ تلوار دیکھنے کا موقع دے دیا یعنی (اس نے اپنی تلوار ابوبصیرؓ کے ہاتھ دے دی، بس اتنا موقع کافی تھا) ابوبصیرؓ نے اس پر (اس تلوار سے اتنا بھرپور) وار کیا کہ وہ فوراً ٹھنڈا ہو گیا (یعنی مر گیا) اور دوسرا شخص (یہ دیکھتے ہی وہاں سے) بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ مدینہ میں (واپس آگیا اور اپنے قتل کے خوف سے) دوڑتا ہوا مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا رسول کریم ﷺ نے (اس کی حالت دیکھ کر) فرمایا کہ "یہ شخص خوفزدہ معلوم ہوتا ہے۔" اس شخص نے کہا کہ (جی ہاں) خدا کی قسم میرا ساتھی تو مارا گیا اور میرے بھی مارے جانے میں کوئی شبہ نہیں ہے (یعنی مجھ پر خوف سوار ہے کہ میں بھی مارا جاؤں گا یا میں بس بچ ہی گیا ورنہ میں بھی مارا جا رہا تھا) پھر ابوبصیرؓ بھی آگئے، نبی کریم ﷺ نے (ان کو دیکھ کر) فرمایا کہ، افسوس ہے اس کی ماں پر! (یعنی تعجب وحیرت کا مقام ہے) یہ ابوبصیر تو لڑائی

کی آگ بھڑکانے والا ہے اگر اس کا کوئی مدد گار ہوتا، تو وہ اس کی مدد کرتا)۔" جب ابوبصیرؓ نے آنحضرت ﷺ کی یہ بات سنی تو وہ سمجھ گئے کہ آنحضرت ﷺ مجھے (پھر) کافروں کے پاس واپس بھیج دیں گے چنانچہ ابوبصیرؓ (دوبارہ کافروں کے حوالے کئے جانے کے خوف سے روپوش ہونے کے لئے) مدینہ سے نکل گئے یہاں تک کہ وہ سمندر کے ساحل پر ایک علاقہ میں پہنچ گئے۔

راوی کہتے ہیں کہ ابوجندلؓ ابن سہیل بھی کفار کے قبضے سے نکل بھاگے اور ابوبصیرؓ سے آکر مل گئے اور پھر تو یہ حال ہوا کہ (مکہ میں) جو بھی شخص اسلام قبول کر کے قریش کے قبضہ سے نکل بھاگتا وہ ابوبصیرؓ سے جاملتا یہاں تک کہ (چند ہی روز میں ابوبصیرؓ کے پاس) قریش سے چھوٹ کر آنے والوں کا ایک بڑا گروہ جمع ہوگیا، اور خدا کی قسم! جب بھی یہ لوگ سنتے کہ قریش کا کوئی قافلہ (تجارت وغیرہ کے لئے) شام کی طرف روانہ ہوا ہے، وہ اس کا پیچھا کرتے اور اس کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کا سارا مال و اسباب لے لیتے آخر کار (جب ان لوگوں کی وجہ سے) قریش (کا ناطقہ بند ہوگیا اور وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہوگئے تو انکو احساس ہوا کہ ہم نے مسلمانوں سے ایک انتہائی غیر معقول شرط منوا کر کتنی بڑی نادانی کی ہے اور اس کی خمیازہ کس طرح بھگتنا پڑ رہا ہے لہٰذا انہوں) نے کسی شخص کو (اپنا سفیر و نمائندہ بنا کر) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور اس کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو اللہ کی قسم دلائی، اور (اس) قرابت کے حق کا واسطہ دیا (جو ان میں اور آنحضرت ﷺ میں تھی اور یہ التجا کی کہ آپ کسی نہ کسی طرح صرف اتنا کرم ضرور کر دیں کہ اپنے کسی آدمی کو ابوبصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کے پاس بھیج کر یہ حکم دیں کہ وہ مدینہ میں آجائیں اور ہمارے کسی قافلہ کے ساتھ تعرض نہ کریں) اور جب آپ ان کو یہ حکم بھیج دیں (اور وہ لوگ آپ کے پاس چلے آئیں) تو پھر (ہم اہل مکہ میں سے) جو بھی شخص (مسلمان ہو کر) آپ کے پاس آئے گا وہ امن میں رہے گا (یعنی نہ صرف یہ کہ اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی بلکہ اس کو ہمارے پاس) واپس بھیجنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ نیز انہوں نے کہا کہ آپ ابوبصیرؓ کو ان کے طریقہ کار سے روک دیں ہم معاہدۂ صلح کی اس شرط سے باز آئے) چنانچہ نبی کریم ﷺ نے کسی شخص کو ابوبصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کے پاس بھیجا (جس کے ذریعہ ان کو یہ حکم دیا کہ وہ قریش کے قافلوں سے کوئی تعرض نہ کریں اور میرے پاس چلے آئیں)۔ (بخاریؒ)

تشریح: "حدیبیہ" مکہ مکرمہ سے مغربی جانب تقریباً پندرہ سولہ میل کے فاصلے پر واقع ایک جگہ کا نام ہے یہیں جبل الشمیسی نامی ایک پہاڑ ہے جس کی وجہ سے اب اس کو شمیسیہ بھی کہتے ہیں، حدود حرم یہاں سے بھی گزرتے ہیں بلکہ اس جگہ کا اکثر حرم ہی میں داخل ہے۔

"ایک ہزار کچھ سو صحابہ الخ" میں "بضع" کا اطلاق تین سے نو تک کی تعداد پر ہوتا ہے۔ یہاں تعداد کو متعین کی بجائے مبہم اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اس موقع پر صحابہ کی جو تعداد آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھی اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض روایتوں میں چودہ سو کی تعداد بیان کی گئی ہے بعض میں پندرہ سو اور بعض روایتوں میں "ایک ہزار چار سو یا اس سے زیادہ" کے الفاظ بھی ہیں۔ علماء نے ان روایتوں میں یوں مطابقت پیدا کی ہے کہ ابتداء میں تو آنحضرت ﷺ چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے لیکن بعد میں مختلف مراحل پر اس تعداد میں اضافہ ہوتا رہا چنانچہ جس راوی نے سو سے پہلے شمار کیا اس نے چودہ سو کی تعداد پائی اور پھر بعد میں جن لوگوں کا اضافہ ہوا اس نے ان کو نہیں دیکھا لہٰذا اس نے اپنی روایت میں چودہ سو کی تعداد بیان کی لیکن جس راوی نے بعد میں آنے والے لوگوں کو بھی دیکھا اس نے پندرہ سو کی تعداد کا ذکر کیا اور جس راوی نے تعداد کی تعیین و تحقیق نہیں کی اس نے اپنی روایت میں ایک ہزار چار سو یا اس سے زیادہ" کو بیان کیا۔

"ذبح کر ڈالو اور پھر منڈاؤ" احصار یعنی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد اس حج یا عمرہ کی ادائیگی سے روک دیئے جانے کی صورت میں یہی حکم ہے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس کو حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد اس حج یا عمرہ سے روک دیا گیا ہو جس کو "محصر" کہتے ہیں۔ تو وہ اپنے ہدی کو اسی جگہ ذبح کر ڈالے جہاں وہ روک دیا ہے اگرچہ وہ جگہ حدود حرم میں واقع نہ ہو وہ اپنے

قول کی دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر حدیبیہ میں ہدی کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا جب کہ حدیبیہ حدود حرم میں نہیں ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہدی کا چونکہ حدود حرم میں ذبح ہونا شرط ہے اس لئے ان کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ حدیبیہ کا سارا علاقہ حدود حرم سے باہر نہیں ہے بلکہ اس کا بعض حصہ بلکہ اکثر حدود حرم ہی میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ اس موقع پر ہدی اسی حصے میں ذبح کی گئی تھی جو حدود حرم میں ہے۔

"ان کا مہر واپس کر دیں" اس حکم کا مطلب یہ تھا کہ اگر ان مسلمان عورتوں کے کافر خاوند ان کو لینے کے لئے آئیں اور وہ انکے مہر ادا کر چکے ہوں تو وہ مہر ان کو واپس کر دیا جائے۔ تفسیر مدارک وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کو واپس کر دینے کا یہ حکم اسی موقع کے لئے مخصوص تھا پھر بعد میں اس کو منسوخ قرار دے دیا گیا۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ معاہدہ صلح کی یہ شرط کہ "مکہ سے جو شخص آپ کے پاس آئے گا اگرچہ وہ مسلمان ہو کر آئے تو اس کو کفار مکہ کے حوالے کرنا ضروری ہوگا" صرف مردوں سے متعلق تھی اسی لئے جب مکہ کی یہ عورتیں مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا کہ صلح نامہ میں صرف مردوں کو واپس کرنا طے پایا تھا نہ کہ عورتوں کو بھی، اس لئے ان عورتوں کو جو اپنے آپ کو بڑی آزمائش اور سخت ابتلاء میں ڈال کر آئی ہیں واپس نہ کیا جائے

"اگر اس کا کوئی مددگار ہوتا الخ" کا ایک مطلب تو وہی ہے جو ترجمہ سے واضح ہوا، اور ایک مطلب یہ کہ "کاش! اس وقت کوئی خیر خواہ ابوبصیرؓ کے پاس ہوتا جو اس کو یہ بتا دیتا کہ وہ اب میرے پاس نہ آئے تاکہ میں اس کو دوبارہ واپس نہ کر دوں۔" حدیث کے سیاق کے مطابق یہی مطلب زیادہ مناسب ہے۔

"جب ابوبصیرؓ نے آنحضرت ﷺ کی یہ بات سنی الخ" یعنی جب آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ "یہ ابوبصیر تو لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہے۔" تو وہ سمجھ گئے کہ یہاں مدینہ میں مجھے پناہ نہیں ملے گی بلکہ مجھے دوبارہ کفار کے حوالے کر دیا جائے گا کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد صریحا اس طرف اشارہ کر رہا تھا کہ آپ ﷺ ہر حالت میں صلح کی پابندی کریں گے اور نہ تو ابوبصیرؓ کو اپنے پاس رکھیں گے اور نہ ان کی کوئی مدد کریں گے۔

حضرت ابوجندلؓ اسی سہیل کے بیٹے تھے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش مکہ کا سفیر اور نمائندہ بن کر آیا اور جس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ معاہدہ صلح کیا تھا) حضرت ابوجندلؓ مکہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے جس کے نتیجہ میں ان کے باپ سہیل نے ان کو قید کر دیا تھا چنانچہ پہلے تو وہ کسی نہ کسی طرح مکہ سے بھاگ کر حدیبیہ گئے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے معاہدہ صلح کی مذکورہ شرط کے مطابق انہیں تسلی، دلاسہ کے ذریعہ سمجھا بجھا کر اور بڑی بحث و تکرار کے بعد مکہ واپس کر دیا تھا مگر پھر دوبارہ وہ مکہ سے بھاگ نکلے، اور ابوبصیر سے آکر مل گئے۔

صلح حدیبیہ کی تین خاص شرطیں

(۲) وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ صَالَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُشْرِكِيْنَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى ثَلَاثَةِ اَشْيَاءَ عَلٰى اَنَّ مَنْ اَتَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ رَدَّهُ اِلَيْهِمْ وَمَنْ اَتَاهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ لَمْ يَرُدُّوْهُ وَعَلٰى اَنْ يَدْخُلَهَا مِنْ قَابِلٍ وَيُقِيْمَ بِهَا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَلَا يَدْخُلَهَا اِلَّا بِجُلُبَّانِ السِّلَاحِ وَالسَّيْفِ وَالْقَوْسِ وَنَحْوِهٖ فَجَاءَ اَبُوْ جُنْدَلٍ يَحْجُلُ فِيْ قُيُوْدِهٖ فَرَدَّهُ اِلَيْهِمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت براء ابن عازبؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے دن تین باتوں پر صلح کی تھی۔ اول تو یہ کہ (مکہ کے) مشرکین میں سے جو شخص (مسلمان ہو کر) آنحضرت ﷺ کے پاس آئے گا آنحضرت ﷺ اس کو مشرکین کے پاس واپس کر دیں گے اور مسلمانوں میں سے جو

شخص مشرکین کے پاس آئے گا اس کو مشرکین واپس نہیں کریں گے، دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ (حج و عمرہ کے لئے اس سال مکہ میں داخل نہ ہوں بلکہ) آئندہ سال مکہ آئیں اور صرف تین دن مکہ میں ٹھہریں اور سوم یہ کہ (آئندہ سال) مکہ میں جب داخل ہوں تو اپنے تمام ہتھیار، تلوار، کمان اور اسی طرح کی دوسری چیزیں غلاف میں رکھ کر لائیں۔ اس موقع پر ابوجندل آنحضرت ﷺ کے پاس اس حال میں پہنچے کہ ان کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں جن کی وجہ سے وہ کود (کود کر چل رہے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو مشرکین کے پاس واپس بھیج دیا۔" (بخاری ؒ و مسلم ؒ)

تشریح: جلبان چمڑے کا ایک تھیلا ہوتا تھا جس کا مصرف یہ تھا کہ جب لوگ سفر کرتے تو نیام سمیت تلواریں اور دوسرے ہتھیار وغیرہ اس میں رکھ کر گھوڑے کی زین کے پچھلے حصہ میں لٹکا دیتے تھے۔ یہاں جلبان یعنی غلاف میں ہتھیاروں کو رکھ کر لانے کی شرط سے مشرکین کی مراد یہ تھی کہ جب آئندہ سال مسلمان مکہ آئیں تو اپنے ہتھیار ننگے کھلے لے کر شہر میں داخل نہ ہوں بلکہ ان کو نیام وغیرہ میں رکھیں تاکہ اس طرح مسلمانوں کے غلبہ، ان کی طاقت کی فوقیت و برتری اور ان کے جنگی ارادوں کا اظہار نہ ہو۔

حضرت ابوجندل ؓ ابن سہیل جن کے بارے میں پچھلی حدیث کے ضمن میں بھی بیان کیا جا چکا ہے، مکہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے اور جن دنوں صلح حدیبیہ ہوئی ہے وہ مشرکین مکہ کی قید میں تھے، چنانچہ وہ کسی طرح مکہ سے بھاگ کر آنحضرت ﷺ کے پاس حدیبیہ پہنچے لیکن آنحضرت ﷺ نے معاہدۂ صلح کے پیش نظر ان کو مشرکین کے حوالے کر دیا اور انہیں صبر و استقامت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ ابوجندل! صبر و استقامت کی راہ اختیار کرو اور آخرت کے اجر و ثواب کی امید رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بھی اور دوسرے ضعیف و بے بس لوگوں کے لئے بھی (جلد ہی) خلاصی و نجات اور شادمانی کے سامان پیدا کر دے گا۔

علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا اہل مکہ کی ان شرائط کو قبول کرنا جو بظاہر مسلمانوں کے لئے سوہان روح اور ان کی ملی جمعیت و وقار کے منافی تھیں، اس وجہ سے تھا کہ ایک تو اس وقت مسلمان بہرحال کمزور و خستہ حال تھے اور ان میں اتنی مادی طاقت اور ان کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے جن کے ذریعہ وہ اہل مکہ کا مقابلہ کر پاتے، دوسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ بھی مدینہ سے کسی جنگ کے ارادے سے نہیں چلے تھے بلکہ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے تھے اور اس کے لئے احرام بھی باندھ چکے تھے، ادھر حدود حرم کی عظمت اور ان کے شرعی تقاضوں کا لحاظ بھی ضروری تھا، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ کرنے کا حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مصلحتیں تھیں جو آپ ﷺ کے پیش نظر تھیں۔ چنانچہ انجام کار اس معاہدہ صلح کے بہت زیادہ فائدے ظاہر ہوئے کہ اسلام کی) اشاعت و تبلیغ کے ایسے مواقع میسر آئے جنہوں نے دور دراز تک کی فضا کو مسلمانوں کے حق میں بدل دیا اور اسلام کی آواز حق چار دانگ عالم میں پھیل گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے مکہ کی فتح عظیم عطا فرمائی، وہاں کے لوگوں کو اسلام کے دامن میں پہنچا دیا، اور اس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے اہل مکہ کی پیش کردہ شرائط پر معاہدۂ صلح کر کے اپنے جذبہ امن پسندی و انسانیت نوازی ہی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اپنی بے مثال سیاسی بصیرت و بالغ نظری اور دور اندیشی کا نمونہ بھی پیش کیا اور سب سے بڑھ کر حقیقت میں منشاء خداوندی اور حکم الٰہی کی فرمانبرداری کی اور کمال عبودیت کا اظہار کیا۔

(۳) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ قُرَيْشًا صَالَحُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَرَطُوْا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ مَنْ جَاءَ نَا مِنْكُمْ لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكُمْ وَمَنْ جَاءَ كُمْ مِنَّا رَدَدْتُمُوْهُ عَلَيْنَا فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَكْتُبُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ اِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا اِلَيْهِمْ فَاَبْعَدَهُ اللّٰهُ وَمَنْ جَاءَ نَا مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ لَهُ فَرَجًا وَمَخْرَجًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ (مکہ کے) قریش نے نبی کریم ﷺ سے مصالحت کی۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ شرط منوائی کہ آپ میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے ہم اس کو واپس نہیں کریں گے اور ہم میں سے جو شخص آپ کے پاس آئے آپ (ﷺ) اس کو ہمارے پاس واپس کر دیں گے۔ صحابہ ؓ نے (اس شرط کو اپنی ملی حمیت و وقار کے منافی اور اصول مصالحت کے تقاضوں سے بعید جان کر)

عرض کیا کہ "یارسول اللہ (ﷺ)! کیا ہم ان شرائط کو لکھ دیں یعنی کیا یہ شرائط آپ تسلیم کرتے ہیں؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں! بات یہ ہے کہ ہم میں سے جو شخص ان کے پاس جائے گا، تو (ظاہر ہے کہ وہ مرتد ہو کر بھاگے گا اس اعتبار سے) وہ (ایک ایسا) شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہوگا، اور ان میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا (اس کو اگرچہ اس وقت ہم واپس کر دینے پر مجبور ہوں گے لیکن آخر کار) اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کے لئے شادمانی و کشادگی اور خلاصی و نجات کے سامان پیدا کر دے گا۔" (مسلم)

عورتوں کی بیعت

④ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فِيْ بَيْعَةِ النِّسَاءِ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْتَحِنُهُنَّ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ فَمَنْ اَقَرَّتْ بِهٰذَا الشَّرْطِ مِنْهُنَّ قَالَ لَهَا قَدْ بَايَعْتُكِ كَلَامًا يُكَلِّمُهَا بِهٖ وَاللّٰهِ مَامَسَّتْ يَدُهٗ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ عورتوں کی بیعت کے بارے میں فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ ان عورتوں کو (جو مکہ سے آتیں اور قبولیت اسلام کا اظہار کرتیں) اس آیت کریمہ کی روشنی میں پرکھتے تھے یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ اے نبی! جب مؤمن عورتیں آپ (ﷺ) کے پاس بیعت کے لئے حاضر ہوں الخ۔ چنانچہ ان میں سے جو عورت اس آیت میں مذکورہ شرائط کو ماننے کا اقرار کرتی آپ اس سے فرماتے کہ "میں نے تم کو بیعت کیا۔" درآنحالیکہ آپ گفتگو کرتے اور عورت سے یہ بات فرماتے مگر خدا کی قسم! کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی عورت کو بیعت کیا ہو اور اس کے ہاتھ کو آپ ﷺ کے ہاتھ نے چھوا ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "اس آیت کریمہ کی روشنی میں پرکھتے تھے۔" یعنی اس آیت میں عورتوں کے لئے جن احکام کی پابندی کو بیعت کی شرط قرار دیا گیا ہے آپ ﷺ ان عورتوں سے ان احکام پر عمل کرنے کا عہد کرتے جن وہ عہد و اقرار کرتیں تو آپ ﷺ ان کو بیعت کرتے چنانچہ اس پوری آیت کا مفہوم و مضمون یہ ہے کہ مسلمان عورتیں ان شرائط پر (یعنی ان احکام پر عمل کرنے کی) بیعت کریں کہ وہ (عورتیں) کسی ذات اور کسی چیز کو خدا کا شریک نہیں مانیں گی (یعنی ہر طرح کے شرک سے کلیۃ اجتناب کریں گی) چوری نہیں کریں گی، زنا کی مرتکب نہیں ہوں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی (جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ بیٹیوں کو مار ڈالا جاتا تھا) کسی پر تہمت نہیں لگائیں گی اور عصیان نہیں کریں گی (یعنی خدا اور اس کے رسول کے احکام سے روگردانی نہیں کریں گی، اس اعتبار سے یہ آیت اس آیت کریمہ کی تفسیر و وضاحت ہے جو پہلی حدیث میں گزر چکی ہے یعنی یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ الخ۔

حدیث کے آخری جزء کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ بیعت، ہاتھ میں ہاتھ لے کر یا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر لی جاتی ہے لیکن آنحضرت ﷺ عورتوں سے زبانی بیعت لیتے تھے یعنی ان سے یہ فرماتے تھے کہ "میں نے تمہاری بیعت قبول کی۔" اس سے معلوم ہوا کہ بعض مشائخ عورتوں سے بیعت لینے کا جو یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ مرید کرتے وقت کسی برتن میں رکھے ہوئے پانی میں اپنے ہاتھ ڈالتے ہیں اور وہ عورت بھی اس پانی میں اپنا ہاتھ ڈالتی ہے، یا بعض حضرات یہ کرتے ہیں کہ کسی کپڑے کا ایک آنچل اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہیں اور دوسرا آنچل عورت پکڑ لیتی ہے، تو اس طرح کے تکلفات کی ضرورت نہیں بلکہ جو طریقہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے اسی پر اکتفا کرنا افضل و احسن ہے۔

مؤلف کتاب نے بیعت سے متعلق اس حدیث کو یہاں "باب الصلح" میں اس لئے نقل کیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کا صحابہؓ سے بیعت لینے کا مرحلہ بھی آیا تھا جو "بیعت الرضوان" کے نام سے مشہور ہے اور جس کو قرآن کریم نے بھی اس آیت لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ میں بیان کیا ہے اسی مناسبت سے عورتوں کی بیعت سے متعلق اس حدیث کو یہاں نقل کیا گیا ہے اگرچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر عورتوں سے بیعت نہیں لی گئی تھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

معاہدۂ حدیبیہ کی کچھ اور دفعات

⑤ عَنِ الْمِسْوَرِ وَ مَرْوَانَ اَنَّهُمْ اصْطَلَحُوْا عَلٰى وَضْعِ الْحَرْبِ عَشْرَ سِنِيْنَ يَاْمَنُ فِيْهِنَّ النَّاسُ وَعَلٰى اَنَّ بَيْنَنَا عَيْبَةً مَكْفُوْفَةً وَاَنَّهُ لَا اِسْلَالَ وَلَا اِغْلَالَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت مسورؓ اور حضرت مروانؓ سے روایت ہے، کہ قریش مکہ نے (حدیبیہ میں) جن باتوں پر مصالحت کی تھی ان میں سے ایک بات (یہ بھی) تھی کہ دس سال تک (فریقین کے درمیان) کوئی جنگ نہیں ہوگی تاکہ ان دنوں میں لوگ امن وامان کے ساتھ رہیں۔ یہ بات بھی معاہدۂ صلح میں شامل تھی کہ ہمارے درمیان بندھی ہوئی گٹھری رہے اور یہ کہ ہم آپس میں نہ تو چھپی ہوئی چوری کریں اور نہ خیانت۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "بندھی ہوئی گٹھری" سے مراد یہ تھی کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے لئے اپنے سینوں کو مکر وفریب، کینہ وعداوت اور شر وفساد سے پاک رکھیں اور صلح ووفا کا ہر وقت خیال رکھیں۔

"نہ چھپی ہوئی چوری کریں اور نہ خیانت" کا مطلب یہ تھا کہ ہر فریق اس بات کو ملحوظ رکھے کہ اس کا کوئی فرد دوسرے فریق کے کسی فرد کا کوئی مال اور اس کی کوئی چیز نہ تو چوری چھپے ہتھیائے اور نہ کھلم کھلا غصب کرے۔

غیر مسلموں سے کئے ہوئے معاہدوں کی پابندی نہ کرنے والوں کے خلاف آنحضرت ﷺ کا انتباہ

⑥ وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عِدَّةٍ مِنْ اَبْنَاءِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اٰبَائِهِمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا اَوِ انْتَقَصَهُ اَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ اَوْ اَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ فَاَنَا حَجِيْجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت صفوان ابن سلیم رسول کریم ﷺ کے کچھ صحابہؓ کے صاحبزادوں سے، وہ (صاحبزادے) اپنے (صحابی) باپوں سے اور وہ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "یاد رکھو!" جس شخص نے اس (غیر مسلم) شخص پر ظلم کیا جس سے معاہدہ ہو چکا ہے (جیسے ذمی اور مستامن) یا اس کے حقوق کو نقصان پہنچایا، یا اس پر اس کی طاقت واستطاعت سے زیادہ بار ڈالا (جیسے کسی ذمی سے اس کی حیثیت واستطاعت سے زیادہ جزیہ لیا یا اس حربی مستامن سے جو دار الاسلام میں تجارت کی غرض سے آیا ہو اس کے مال تجارت میں سے عشر یعنی دسویں حصے سے زیادہ لیا) اور یا اس کی مرضی وخوشنودی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لی تو میں قیامت کے دن اس شخص کے خلاف احتجاج کروں گا۔" (ابوداؤدؒ)

عورتوں کی اجتماعی بیعت کا مسنون طریقہ

⑦ وَعَنْ اُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ قَالَتْ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نِسْوَةٍ فَقَالَ لَنَا فِيْمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَاَطَقْتُنَّ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَرْحَمُ بِنَامِنَّا بِاَنْفُسِنَا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَايِعْنَا تَعْنِيْ صَافِحْنَا قَالَ اِنَّمَا قَوْلِيْ لِمِائَةِ امْرَاَةٍ كَقَوْلِيْ لِامْرَاَةٍ وَاحِدَةٍ رَوَاهُ۔

"اور حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کچھ عورتوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے بیعت کی (یعنی ہم چند عورتوں نے اجتماعی طور پر آپ سے بیعت کی) چنانچہ (اس وقت) آپ نے ہم سے فرمایا کہ (اے خواتین! میں نے تمہیں اسی چیز پر بیعت کیا ہے) جس (پر عمل کرنے) کی تم طاقت واستطاعت رکھتی ہو (یعنی آنحضرت ﷺ نے از راہ شفقت ان عورتوں کی بیعت کو انکی عملی استطاعت وہمت

تک محدود رکھا)۔" میں نے کہا کہ (بیشک) اپنی ذات پر ہم خود مہربان اور رحم دل ہو سکتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ہمارے حق میں اللہ اور اس کا رسول رحم کرنے والے ہیں اور پھر میں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! ہمیں بیعت کر لیجئے۔" اس بات سے ان کی مراد یہ تھی کہ ہم سے مصافحہ کیجئے یعنی بیعت کرتے وقت ہمارا ہاتھ اپنے دست مبارک میں پکڑیئے۔" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "میرا سو عورتوں سے کچھ کہنا ایک عورت سے کہہ دینے کی طرح ہے، یعنی اول تو عورتوں کو بیعت کرتے وقت صرف زبان سے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے تمہیں بیعت کیا ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اگر کچھ عورتیں اجتماعی طور پر بیعت ہو رہی ہوں تو زبان سے یہ کہنے کے لئے بھی الگ الگ ہر عورت سے مخاطب ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف ایک عورت سے کہہ دینا سب عورتوں کے لئے کافی ہے۔"

تشریح: مشکوٰۃ کے اصل نسخے میں لفظ رواہ کے بعد جگہ خالی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤلف مشکوٰۃ کو اس حدیث کے مآخذ کی تحقیق نہیں ہو سکی ہے، لیکن حاشیہ میں بعض شارحین نے یہ عبارت لکھ دی ہے کہ رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ ومالک فی الموطا کلھم من حدیث محمد بن المنکدر اِنّہٗ سمع من ائمۃ الحدیث وَقَالَ الترمذی حدیث حسن صحیح لا یعرف الا من حدیث ابن المنکدر۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

معاہدۂ حدیبیہ کی کتابت آنحضرت ﷺ کے قلم سے

⑧ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی ذِی الْقَعْدَۃِ فَاَبٰی اَھْلُ مَکَّۃَ اَنْ یَدَعُوْہُ یَدْخُلُ مَکَّۃَ حَتّٰی قَاضَاھُمْ عَلٰی اَنْ یَدْخُلَ یَعْنِی مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ یُقِیْمُ بِھَا ثَلَاثَۃَ اَیَّامٍ فَلَمَّا کَتَبُوا الْکِتَابَ کَتَبُوْا ھٰذَا مَاقَاضٰی عَلَیْہِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَقَالُوْا لَانُقِرُّبِھَا فَلَوْ نَعْلَمُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ مَامَنَعْنَاکَ وَلٰکِنْ اَنْتَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ فَقَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ وَ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ ثُمَّ قَالَ لِعَلِیِّ بْنِ اَبِی طَالِبٍ امْحُ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ لَا وَاللّٰہِ لَا اَمْحُوْکَ اَبَدًا فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَیْسَ یُحْسِنُ یَکْتُبُ فَکَتَبَ ھٰذَا مَا قَاضٰی عَلَیْہِ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِاللّٰہِ لَا یَدْخُلُ مَکَّۃَ بِالسِّلَاحِ اِلَّا السَّیْفُ فِی الْقِرَابِ وَاَنْ لَا یَخْرُجَ مِنْ اَھْلِھَا بِاَحَدٍ اِنْ اَرَادَ اَنْ یَتْبَعَہٗ وَاَنْ لَا یَمْنَعَ مِنْ اَصْحَابِہٖ اَحَدًا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُقِیْمَ بِھَا فَلَمَّا دَخَلَھَا وَمَضَی الْاَجَلُ اَتَوْا عَلِیًّا فَقَالُوْا قُلْ لِصَاحِبِکَ اخْرُجْ عَنَّا فَقَدْ مَضَی الْاَجَلُ فَخَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت براء ابن عازب ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ماہ ذی قعدہ (سن ۶ ہجری) میں عمرہ کے لئے (مدینہ سے) تشریف لے گئے مگر اہل مکہ نے اس سے انکار کر دیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے کا موقع دے دیں (یعنی انہوں نے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ ؓ کو مکہ میں آنے سے روک دیا) تاآنکہ آنحضرت ﷺ نے اہل مکہ سے اس بات پر مصالحت کر لی کہ آپ ﷺ (آئندہ سال) مکہ میں آئیں اور اس وقت بھی (صرف) تین دن مکہ میں قیام کریں، چنانچہ جب صلح نامہ لکھا گیا تو (آنحضرت ﷺ کی طرف سے) صحابہ ؓ نے (آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی اس طرح لکھا کہ "یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے مصالحت کی ہے اہل مکہ نے (یہ الفاظ دیکھ کر آنحضرت ﷺ سے کہا "ہم تمہاری رسالت کو تسلیم نہیں کرتے اگر ہمارا علم یہ ہوتا (یعنی ہمیں اس پر اعتقاد ہوتا) کہ تم اللہ کے رسول ہو تو ہم تمہیں (مکہ میں داخل ہونے سے) روکتے ہی کیوں، البتہ (ہم تو صرف اتنا مانتے ہیں کہ) تم محمد ہو جو عبداللہ کے بیٹے ہیں، لہٰذا اس صلح نامہ میں محمد رسول اللہ کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھو۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں (یہ محض تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی ہے ورنہ تم خوب جانتے ہو میری یہ دونوں صفتیں یعنی اللہ کا رسول ہونا اور محمد ابن عبداللہ ہونا آپس میں اس طرح لازم ملزوم ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو ہی نہیں سکتیں، لہٰذا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ [illegible] نوں کو ذکر کیا جائے یا ایک

ہی کو ذکر کر دیا جائے۔" پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے فرمایا (جو صلح نامہ لکھ رہے تھے) کہ "رسول اللہ لفظ کو ہٹا دو۔" حضرت علیؓ نے کہا کہ "خدا کی قسم! میں تو آپ کا نام کبھی بھی نہیں مٹا سکتا۔" (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے (حضرت علیؓ کے ہاتھ سے وہ صلح نامہ) لے لیا اور باوجودیکہ آپ ﷺ لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن آپ ﷺ نے (رسول اللہ کا لفظ مٹا کر) یہ لکھا کہ "یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد ابن عبداللہ نے مصالحت کی ہے (اور اس معاہدہ میں یہ شرطیں تھیں) کہ وہ (آنحضرت ﷺ اور صحابہ) مکہ میں ہتھیاروں کے ساتھ داخل نہیں ہوں گے الا یہ کہ ان کی تلواریں نیاموں میں ہوں، اور یہ کہ اگر اہل مکہ میں سے کوئی شخص آپ کے ساتھ جانے کا ارادہ کرے تو اس کو مکہ سے جانے نہیں دیا جائے گا (یعنی جب آپ ﷺ مکہ میں آئیں اور پھر واپس جانے لگیں تو اہل مکہ میں سے کسی شخص کو اپنے ساتھ لے کر نہ جائیں) اور یہ کہ اگر آپ ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی شخص مکہ میں ٹھہر جانے کا ارادہ کرے تو آپ ﷺ اس کو (مکہ میں ٹھہرنے سے) منع نہیں کریں گے۔" چنانچہ جب (اگلے سال) آنحضرت ﷺ مکہ میں تشریف لائے اور (مکہ میں ٹھہرنے کی تین دن کی) وہ مدت (جو معاہدۂ صلح میں طے پائی تھی) گذر گئی (یعنی تین دن پورے ہونے کو ہوئے) تو اہل مکہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ "تم اپنے سردار (یعنی آنحضرت ﷺ) سے کہو کہ (طے شدہ) مدت پوری ہو گئی ہے اب ہمارے شہر سے چلے جاؤ۔" چنانچہ نبی کریم ﷺ مکہ سے روانہ ہو گئے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت علیؓ نے رسول اللہ کے لفظ کو مٹانے سے جو انکار کیا گویا وہ یہ سمجھے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم بطریق وجوب نہیں ہے ورنہ وہ ہرگز انکار نہ کرتے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ انکار نہیں تھا بلکہ عین اتباع کے درجہ کی چیز تھی کیونکہ اس انکار کی بنیاد آنحضرت ﷺ کے تئیں وہ غایت محبت اور انتہائی عقیدت تھی جو حضرت علیؓ کا واحد سرمایہ روح و جان بھی تھی اور ان کی کائنات تسلیم و رضا بھی، آخر وہ کس دل سے یہ گوارا کر سکتے تھے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اس سب سے بڑی حقیقت کو مٹا دیں جس کو صفحہ قرطاس پر انہی کے قلم نے الفاظ کی صورت میں مرتسم کیا تھا اور جس کی ابدی سچائی کو دنیا بھر کے قلب و ذہن میں راسخ کرنا ہی ان کا حاصل ایمان بھی تھا اور مقصد حیات بھی۔

یہ بات علماء کے درمیان اختلافی نوعیت کی ہے کہ اس صلح نامہ کو آنحضرت ﷺ نے خود لکھا تھا جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ یہ صلح نامہ آنحضرت ﷺ نے خود قطعاً نہیں لکھا تھا اور نہ آپ ﷺ لکھ ہی سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو "امی" فرمایا ہے اور امی وہی شخص ہوتا ہے جو نہ لکھ سکے اور نہ پڑھ سکے۔ جب کہ دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا اس صلح نامہ کو لکھنا ایک حقیقت ہے کیونکہ اگرچہ آپ کو نبی امی فرمایا گیا ہے لیکن جب آپ کی نبوت و رسالت کے بارے میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات ختم ہو گئے اور آپ ﷺ کے رسول اللہ ہونے کے دلائل روز روشن کی طرح عیاں ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنے پر قادر کر دیا، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت آپ ﷺ کا لکھنا بطریق معجزہ کے تھا۔ اس حدیث کا ظاہری مفہوم ان حضرات کی دلیل ہے۔

لیکن اول الذکر حضرات کی طرف سے اس حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ "آپ نے لکھا" سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو لکھنے کا حکم دیا اور یہ جملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ کہا جائے کہ بادشاہ نے فلاں شہر کو تعمیر کیا۔ ظاہر ہے اس جملہ کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ باشاہ نے اپنے ہاتھ سے شہر کو تعمیر کیا بلکہ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ بادشاہ نے اس شہر کو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

بَابُ اِخْرَاجِ الْيَهُوْدِ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ

یہودیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دینے کا بیان

"جزیرہ" اصل میں زمین و خشکی کے اس قطعہ کو کہتے ہیں جس کو چاروں طرف سے پانی نے گھیر رکھا ہو اور "جزیرۃ العرب" اس

علاقے کو کہتے ہیں جس کو بحر ہند، بحر شام اور دجلہ و فرات نے گھیر رکھا ہے، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ "جزیرۃ العرب" کا اطلاق عرب دنیا کے اس خطہ ارض پر ہوتا ہے جو لمبائی میں عدن سے شام کی سرحد تک اور چوڑائی میں جدہ سے ریف عراق تک پر مشتمل ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

جزیرۃ العرب سے یہودیوں کا اخراج

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ فِی الْمَسْجِدِ خَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ فَقَالَ انْطَلِقُوْا اِلٰی یَهُوْدَ فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتّٰی جِئْنَا بَیْتَ الْمِدْرَاسِ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ یَهُوْدَ اَسْلِمُوْا تَسْلَمُوْا اعْلَمُوْا اَنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَاِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُجْلِیَکُمْ مِنْ هٰذِهِ الْاَرْضِ فَمَنْ وَجَدَ مِنْکُمْ بِمَالِهٖ شَیْئًا فَلْیَبِعْهُ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) جب کہ ہم لوگ مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھے ہوئے تھے نبی کریم ﷺ (اپنے حجرۂ مبارکہ سے) برآمد ہوئے اور فرمایا کہ "یہودیوں کے پاس چلو۔" چنانچہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ یہودیوں کے مدرسہ میں پہنچے، نبی کریم ﷺ کھڑے ہوگئے اور فرمایا "اے جماعت یہود! تم لوگ مسلمان ہو جاؤ تاکہ (دنیا کی پریشانیوں اور آخرت کے عذاب سے) سلامتی پاؤ! تمہیں جان لینا چاہئے کہ زمین خدا اور اس کے رسول کی ہے (یعنی اس زمین کا خالق و مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول اس کا نائب وخلیفہ ہونے کی حیثیت سے اس زمین پر متصرف و حکمران ہے) لہٰذا (اگر تم مسلمان ہونے سے انکار کرتے ہو تو پھر) سن لو کہ (میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ تم کو اس زمین (یعنی جزیرۃ العرب) سے جلاوطن کردوں، پس تم میں سے کوئی شخص اپنے مال واسباب میں سے (کوئی ایسی) چیز رکھتا ہو (جس کو اپنے ساتھ لے جانا ممکن نہ ہو جیسے جائیداد غیر منقولہ وغیرہ) تو اس کو چاہئے کہ وہ اسے فروخت کر دے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

② وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَامَ عُمَرُ خَطِیْبًا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ عَامَلَ یَهُوْدَ خَیْبَرَ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَقَالَ نُقِرُّکُمْ مَا اَقَرَّکُمُ اللّٰهُ وَقَدْ رَاَیْتُ اِجْلَاءَهُمْ فَلَمَّا اَجْمَعَ عُمَرُ عَلٰی ذٰلِکَ اَتَاهُ اَحَدُ بَنِیْ اَبِی الْحُقَیْقِ فَقَالَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَتُخْرِجُنَا وَقَدْ اَقَرَّنَا مُحَمَّدٌ وَعَامَلَنَا عَلَی الْاَمْوَالِ فَقَالَ عُمَرُ اَظَنَنْتَ اَنِّیْ نَسِیْتُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَیْفَ بِکَ اِذَا اُخْرِجْتَ مِنْ خَیْبَرَ تَعْدُوْ بِکَ قَلُوْصُکَ لَیْلَةً بَعْدَ لَیْلَةٍ فَقَالَ هٰذِهٖ کَانَتْ هُزَیْلَةً مِنْ اَبِی الْقَاسِمِ فَقَالَ کَذَبْتَ یَا عَدُوَّ اللّٰهِ فَاَجْلَاهُمْ عُمَرُ وَاَعْطَاهُمْ قِیْمَةَ مَا کَانَ لَهُمْ مِنَ الثَّمَرِ مَالًا وَاِبِلًا وَعُرُوْضًا مِنْ اَقْتَابٍ وَحِبَالٍ وَغَیْرِ ذٰلِکَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور (اس خطبہ میں) فرمایا کہ "(تم سب جانتے ہوگے کہ) رسول کریم ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے انکے مال وجائیداد سے متعلق ایک معاملہ طے فرمایا تھا (اور وہ یہ کہ ان یہودیوں کو خیبر ہی میں رہنے دیا جائے گا نیز ان کے کھجوروں کے باغات اور کھیت کھلیان کو بھی انہی کی تحویل و ملکیت میں باقی رکھا جائے گا البتہ ان کی پیداوار اور آمدنی میں سے آدھا حصہ لیا جایا کرے گا اور آنحضرت ﷺ نے ان پر اسی طرح جزیہ بھی مقرر کیا تھا) اور آپ نے (اسی وقت) ان یہودیوں سے فرمادیا تھا کہ ہم تمہیں (خیبر میں) اس وقت تک رہنے دیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں رہنے دے گا (یعنی تم لوگ اس وقت تک خیبر میں مقیم رہنے کے حقدار ہوگے جب تک کہ ہمیں اللہ تعالیٰ تم کو جلاوطن کردینے کا حکم نہ دے دے) لہٰذا (حضرت عمرؓ نے کہا کہ) اب میں ان کو جلاوطن کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔"

پھر جب حضرت عمرؓ نے اس بات کا فیصلہ کرلیا (کہ ان کو جلاوطن کردیا جائے) تو (ان یہودیوں کے) قبیلہ بنی ابی الحقیق کا ایک شخص (جو اپنی قوم کا بڑا بوڑھا سردار تھا) حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ امیر المؤمنین! کیا آپ ہمیں جلاوطن کررہے ہیں حالانکہ محمد (ﷺ) نے ہمیں

(خیبر میں) رہنے دیا تھا، اور ہمارے مال و اسباب سے متعلق ہم سے ایک معاملہ بھی طے کیا تھا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ میں رسول کریم ﷺ کی (یہ) بات بھول گیا ہوں (جو آپ ﷺ نے تم کو مخاطب کر کے کہی تھی) کہ اس وقت تیرا کیا حال ہو گا اور تو کیا کرے گا جب تجھ کو خیبر سے جلاوطن کر دیا جائے گا اور رات کے بعد رات میں تیری اونٹنی تیرے پیچھے دوڑ رہی ہوگی (گویا آنحضرت ﷺ نے تجھ کو اس آنے والے وقت سے ڈرایا تھا جب تجھ کو راتوں رات خیبر سے نکل جانا پڑے گا)" اس شخص نے (یہ سن کر) کہا کہ "یہ بات تو ابوالقاسم نے بطور مذاق کہی تھی۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "اے خدا کے دشمن، تم جھوٹ بکتے ہو (آنحضرت ﷺ نے یہ بات مذاق کے طور پر نہیں کہی تھی بلکہ ازراہ معجزہ تمہیں ایک غیبی بات کی خبر دی تھی) اور پھر حضرت عمرؓ نے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا اور ان کے پاس از قسم میوہ جو کچھ تھا جیسے کھجوریں وغیرہ ان کی قیمت میں ان کو مال، اونٹ اور اسباب جیسے رسیاں اور پالان وغیرہ دے دیئے۔ (بخاری)

مشرکین کو جزیرۃ العرب سے جلاوطن کردینے کیلئے آنحضرت ﷺ کی وصیت

(۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصٰى بِثَلَاثَةٍ قَالَ اَخْرِجُو الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَاَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَاكُنْتُ اُجِيْزُهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ اَوْقَالَ فَاُنْسِيْتُهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (وفات کے وقت) تین باتوں کی وصیت کی چنانچہ آپ نے فرمایا کہ "مشرکوں کو جزیرۂ عرب (یعنی مکہ اور مدینہ) سے باہر نکال دینا اور قاصدوں اور ایلچیوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو میں کیا کرتا تھا (یعنی وہ جب تک تمہارے پاس رہیں ان کی دیکھ بھال کرنا اور انہیں ان کی ضروریات زندگی مہیا کرنا"۔ راوی کہتے ہیں یا حضرت ابن عباسؓ نے تیسری بات سے خاموشی اختیار کی، یا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تیسری بات کو میں بھول گیا ہوں۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ احتمال ہے کہ وہ تیسری بات آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہو کہ لاتتخذو اقبری وثنایعبد یعنی میری قبر کو بت (کی طرح) نہ قرار دینا جس کی پوجا کی جائے۔" اس ارشاد کو امام مالکؒ نے اپنی کتاب موطا میں نقل کیا ہے۔

جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کی جلاوطنی

(۴) وَعَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنِي عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاُخْرِجَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ حَتّٰى لَا اَدَعَ فِيْهَا اِلَّا مُسْلِمًا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَئِنْ عِشْتُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَاُخْرِجَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ۔

"اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ "میں یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے ضرور باہر نکال دوں گا یہاں تک کہ مسلمانوں کے سوا (جزیرۂ عرب میں) کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔" (مسلمؒ)

اور روایت میں ہے کہ آپ نے یوں فرمایا کہ "اگر میری زندگی رہی تو میں انشاء اللہ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے ضرور باہر نکال دوں گا۔"

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

لَيْسَ فِيْهِ اِلَّا حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا يَكُوْنُ قِبْلَتَانِ وَقَدْ مَرَّ فِيْ بَابِ الْجِزْيَةِ۔

(مصابیح کی) دوسری فصل میں ابن عباسؓ کی صرف یہ ایک حدیث لا یکون قبلتان الخ تھی اور وہ جزیہ کے بیان میں نقل کی جاچکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حجاز سے یہود و نصاریٰ کی جلاوطنی کا کام حضرت عمرؓ کے ہاتھوں انجام پایا

⑤ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ اَجْلَى الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ اَرْضِ الْحِجَازِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا ظَهَرَ عَلٰى اَهْلِ خَيْبَرَ اَرَادَ اَنْ يُخْرِجَ الْيَهُوْدَ مِنْهَا وَكَانَتِ الْاَرْضُ لَمَّا ظُهِرَ عَلَيْهَا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ فَسَأَلَ الْيَهُوْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَتْرُكَهُمْ عَلٰى اَنْ يَكْفُوا الْعَمَلَ وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُقِرُّكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ مَاشِئْنَا فَاُقِرُّوْا حَتّٰى اَجْلَاهُمْ عُمَرُ فِىْ اِمَارَتِهٖ اِلٰى تَيْمَاءَ وَاَرِيْحَاءَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ سرزمین حجاز یعنی جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کی جلاوطنی کا کام حضرت عمر ابن خطابؓ کے ہاتھوں انجام پایا۔ (اس سے پہلے) جب رسول کریم ﷺ کو اہل خیبر پر غلبہ حاصل ہوا تھا تو آپ نے یہودیوں کو خیبر سے نکال دینے کا ارادہ کیا تھا کیونکہ (جس بھی) زمین پر (دین حق کو) غلبہ حاصل ہوتا ہے وہ زمین اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہو جاتی ہے (کہ وہاں صرف اللہ ہی کا دین غالب اور مسلمانوں ہی کو حق تصرف و حکمرانی حاصل ہوتا ہے) لیکن یہودیوں نے رسول کریم ﷺ سے یہ درخواست کی کہ آپ ﷺ ان (یہودیوں کو) اس شرط پر (خیبر کی زمینوں پر قابض و متصرف) رہنے دیں کہ وہ محنت کریں (یعنی باغات کی دیکھ بھال اور ان کی سیرابی وغیرہ کا سارا کام کریں گے) اور (ان سے پیدا ہونے والے) پھلوں کا آدھا حصہ آپ ﷺ کا ہوگا۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے (ان کی یہ درخواست منظور کر لی لیکن یہ) فرمایا کہ "ہم تمہیں اس شرط پر (خیبر میں) اسی وقت رہنے دیں گے جب تک کہ ہم چاہیں گے" اس کے بعد ان کو خیبر میں رہنے دیا گیا یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان سب کو تیماء اور اریحا کی طرف جلاوطن کر دیا۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

بَابُ الْفَيْءِ
فئی کا بیان

فئی کس کو کہتے ہیں؟: "فئی" اس مال کو کہا جاتا ہے جو مسلمانوں کو کفار سے جنگ کے بغیر حاصل ہوا ہو، اس مال کا حکم یہ ہے کہ وہ سب کا سب مسلمانوں کا حق ہے، اس میں سے نہ تو خمس نکالا جاتا ہے اور نہ اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جب کوئی لشکر کسی جگہ سے مال فئی لے کر آتا تو اس پر آنحضرت ﷺ کو پورا اختیار حاصل ہوتا تھا کہ اس میں سے جس کو چاہتے دیتے اور جس کو چاہتے نہ دیتے، اسی طرح جس کو چاہتے زیادہ دیتے اور جس کو چاہتے کم دیتے۔

اور جو مال جنگ کے ذریعہ کفار پر غالب آنے کے بعد مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے اس کو "مال غنیمت" کہتے ہیں۔ اس مال کا یہ حکم ہے کہ پہلے اس میں سے خمس نکالا جائے اور پھر بقیہ کو مجاہدین کے درمیان اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ پیادے کو ایک اور سوار کو دو حصے ملیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

مال فئی کا مصرف

① عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ خَصَّ رَسُوْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ

هٰذَا الْفَيْءِ بِشَيْءٍ لَمْ يُعْطِهِ اَحَدً اغَيْرَهُ ثُمَّ قَرَأَ مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ اِلٰى قَوْلِهٖ قَدِيْرٌ فَكَانَتْ هٰذِهٖ خَالِصَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلٰى اَهْلِهٖ نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ مِنْ هٰذَا الْمَالِ ثُمَّ يَاْخُذُ مَابَقِيَ فَيَجْعَلُهٗ مَجْعَلَ مَالِ اللّٰهِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت مالک ابن اوس بن حدثان کہتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اس مال فئی کے سلسلے میں اپنے رسول ﷺ کو ایک خاص خصوصیت عطا کی تھی کہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو وہ خصوصیت عطا نہیں کی۔" پھر حضرت عمرؓ نے یہ آیت ما افاء اللّٰه علی رسوله منهم...... تا قدیرٌ پڑھی اور فرمایا کہ چنانچہ یہ مال صرف رسول کریم ﷺ کے لئے مخصوص ہو گیا تھا، جس میں سے آنحضرت ﷺ اپنے گھر والوں کے سال بھر کا خرچ دیا کرتے تھے اس کے بعد اس میں سے جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو ان جگہوں میں خرچ کرتے جو اللہ کا مال خرچ کئے جانے کی جگہیں ہیں (یعنی اس باقی مال کو مسلمانوں کے مفاد و مصالح جیسے ہتھیاروں اور گھوڑوں وغیرہ کی خریداری پر خرچ کر دیا کرتے تھے، نیز محتاج و مساکین میں سے جس کو چاہتے اس کی مدد کرتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: مذکورہ آیت کریمہ سورۂ حشر کی ہے جو پوری اس طرح ہے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

"اور جو کچھ (مال) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان سے دلوایا ہے وہ رسول کے لئے مخصوص ہو گیا ہے) کیونکہ تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ (یعنی تم نے اس کے حصول کے لئے کسی جنگ وجدال کی مشقت برداشت نہیں کی ہے نہ سفر کی پریشانیاں جھیلی ہیں، بلکہ پیدل ہی چلے گئے تھے) لیکن اللہ تعالیٰ (کی عادت ہے کہ) اپنے رسولوں کو جس پر چاہے (خاص طور پر) مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے۔"

اس آیت کریمہ کے ذریعہ گویا مسلمانوں پر یہ واضح کیا گیا تھا کہ اللہ نے آنحضرت ﷺ کو یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کے مال و جائیداد کا جو مالک و متصرف بنایا ہے تو وہ مال اس طرح کا ہے جس کو تم نے جنگ وجدال کے ذریعہ ان (بنو نضیر) پر غلبہ پا کر اور دور دراز کے سفر کی مشقت برداشت کر کے حاصل نہیں کیا ہے بلکہ بلا کسی جدوجہد کے ہاتھ لگا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب بنو نضیر کو مدینہ سے جلاوطن کر دینے کا حکم دیا گیا اور بنو نضیر نے اس حکم کی تعمیل کرنے میں چون وچرا کی تو آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ کو لے کر اس جگہ کے لئے روانہ ہوئے جہاں بنو نضیر کے محلات، قلعے اور جائیدادیں تھیں۔ وہ جگہ چونکہ مدینہ سے صرف دو میل کے فاصلے پر تھی اس لئے آنحضرت ﷺ کے علاوہ اور سب ہی لوگ پیدل تھے، وہاں پہنچنے پر جنگ وجدال کی نوبت نہیں آئی، کچھ عرصہ کے محاصرہ کے بعد بنو نضیر نے ہتھیار ڈال دیئے اور وہ جو کچھ سامان اپنے ساتھ لے جاسکتے تھے اونٹوں پر لاد کر خیبر کو روانہ ہو گئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ان پر غلبہ و تسلط فرمایا جیسا کہ حق تعالیٰ کی عادت یہی ہے کہ وہ اپنے رسولوں اور دین کے علمبرداروں کو دشمنان دین پر غلبہ و تسلط عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ ان کی جائیداد و زمین وغیرہ بحق آنحضرت ﷺ ضبط کر لی گئیں اور وہاں کا سارا مال (فئی) کے حکم میں ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے تصرف و اختیار میں آگیا۔ اسی لئے جب مسلمانوں نے اس مال کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی اور اس مال کا یہ حکم بتایا گیا کہ اس طرح کا مال "مال غنیمت" کی طرح تقسیم نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے تصرف و خرچ کا سارا اختیار صرف آنحضرت ﷺ کو ہے کہ آپ ﷺ جس طرح چاہیں خرچ کریں اور جس کو چاہیں اس میں سے دیں۔ چنانچہ احادیث میں اس مال کے مصرف بھی بیان کئے گئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس مال میں سے اپنی بیویوں کو ان کا سال بھر کا خرچ دے دیا کرتے تھے اور پھر جو باقی بچتا اس کو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح میں خرچ کرتے اور جن فقراء و مساکین وغیرہ کو چاہتے ان کو دیتے۔

مال فئی کے مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے جو اوپر بیان ہوا لیکن طیبیؒ نے حضرت امام شافعیؒ کا مسلک اس طرح بیان کیا ہے کہ مال فئی میں چار خمس اور ایک خمس کے پانچویں حصے پر آنحضرت ﷺ کا حق ہوتا تھا، یعنی وہ مال پچیس حصوں میں تقسیم ہو کر اکیس حصے تو آنحضرت ﷺ کے ذاتی تصرف و اختیار میں آتا اور باقی چار حصے آپ اپنے ذوی القربی یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرتے تھے۔

تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد مال فئی کے مصرف کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ چنانچہ ایک جماعت کا قول تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد مال فئی اسلامی مملکت وخلافت کے سربراہ کا حق ہے۔ امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ مجاہدین ومقاتلین کا حق ہے کہ اس کو ان کے درمیان تقسیم کیا جائے۔ اور دوسرا قول ہے کہ اس مال کو عام مسلمانوں کے اجتماعی مفاد ومصالح میں خرچ کیا جائے۔

"سال بھر کا خرچ دیا کرتے تھے۔" اس موقع پر ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ احادیث میں تو یہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کل تک کے لئے بھی کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے تو پھر سال بھر کا خرچ کس طرح جمع کر کے رکھتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کل تک کے لئے بھی کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے تو اس کا تعلق آپ ﷺ کی ذات سے ہے کہ آپ ﷺ اپنی ذات کے لئے کسی چیز کو بچا کر یا جمع کر کے رکھنا گوارا نہیں کرتے تھے اور یہاں جس بات کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق آپ ﷺ کے اہل وعیال سے ہے۔

لیکن واضح رہے کہ آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو سال بھر خرچ کبھی کبھی دیتے تھے مستقل طور پر یہ معمول نہیں تھا، تاہم امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ سال بھر کی ضروریات زندگی کی چیزیں مہیا کر کے رکھ لینا جائز ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔

(۲) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ اَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِمَّا لَمْ يُوْجِفِ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ فَكَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً يُنْفِقُ عَلٰى اَهْلِهٖ نَفَقَةَ سَنَةٍ ثُمَّ يَجْعَلُ مَابَقِيَ فِي السِّلَاحِ وَالْكُرَاعِ عُدَّةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ "(یہود کے قبیلہ) بنو نضیر کا مال اس قسم کے مال میں سے تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو (کسی جدوجہد کے بغیر) عطا فرمایا تھا اس کے لئے نہ تو مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ، اس لئے وہ مال آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہو گیا تھا کہ جس میں سے آپ اپنے گھر والوں کی سال بھر کی ضروریات میں خرچ کرتے تھے اور پھر اس میں سے جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو ہتھیاروں اور گھوڑوں کی خریداری پر خرچ کر دیا کرتے تھے تاکہ وہ اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں کام آئیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

آنحضرت ﷺ کی طرف سے مال فئی کی تقسیم

(۳) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَتَاهُ الْفَيْءُ قَسَمَهٗ فِيْ يَوْمِهٖ فَاَعْطَى الْاٰهِلَ حَظَّيْنِ وَاَعْطَى الْاَعْزَبَ حَظًّا فَدُعِيْتُ فَاَعْطَانِيْ حَظَّيْنِ وَكَانَ لِيْ اَهْلٌ ثُمَّ دُعِيَ بَعْدِيْ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ فَاُعْطِيَ حَظًّا وَاحِدًا۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت عوف ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کے پاس مال فئی آتا تو آپ ﷺ اس کو اسی دن (ضرورت مندوں کے درمیان) تقسیم فرما دیتے تھے، جو بیوی والا ہوتا اس کو تو دو حصے دیتے اور مجرد کو ایک حصہ عطا فرماتے، چنانچہ (ایک مرتبہ) مجھ کو بھی بلایا اور آپ ﷺ نے مجھے دو حصے عطا فرمائے کیونکہ میری بیوی تھی اور پھر میرے بعد عمار ابن یاسرؓ کو بلایا گیا (جن کی بیوی نہیں تھی) ان کو

آپ ﷺ نے ایک حصہ دیا۔" (ابوداؤد)

④ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَاجَاءَهُ شَيْءٌ بَدَأَ بِالْمُحَرَّرِيْنَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ مال فئی کے آنے کے بعد اس میں سے سب سے پہلے ان لوگوں کو مرحمت فرماتے جن کو (حال ہی میں غلامی سے آزاد کیا گیا ہوتا۔" (ابوداؤد)

تشریح: مال فئی میں سے سب سے پہلے حال ہی میں غلامی سے نجات پائے ہوئے لوگوں کو اس لئے عطا کیا جاتا کہ وہ بے ٹھکانہ اور بے سہارا ہوتے تھے، اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ "آزاد کئے گئے لوگوں" سے مراد "مکاتب" ہیں۔ نیز بعض حضرات کے نزدیک "منفردین لطاعۃ اللہ" مراد ہیں۔

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِظَبْيَةٍ فِيْهَا خَرَزٌ فَقَسَمَهَا لِلْحُرَّةِ وَالْاَمَةِ قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ اَبِيْ يَقْسِمُ لِلْحُرِّ وَالْعَبْدِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے پاس ایک تھیلا آیا جس میں نگینے بھرے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ان نگینوں کو بیبیوں (یعنی آزاد عورتوں) اور باندیوں کو بانٹ دیا۔" حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ "میرے والد یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ (کے پاس نگینے آتے تو وہ ان نگینوں کو) آزاد اور غلام مردوں کو (بھی) بانٹتے۔" (ابوداؤد)

تشریح: اگرچہ آنحضرت ﷺ نگینوں کی تقسیم کو صرف عورتوں تک محدود رکھتے تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ کے عمل سے معلوم ہوا کہ نگینوں کی تقسیم صرف عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی تھی بلکہ مردوں کو بھی بانٹا کرتے تھے۔

مال فئی کی تقسیم میں فرق مراتب کا لحاظ

⑥ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَوْمًا الْفَيْءَ فَقَالَ مَا اَنَا بِاَحَقَّ بِهٰذَا الْفَيْءِ مِنْكُمْ وَمَا اَحَدٌ مِنَّا بِاَحَقَّ بِهِ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا اَنَّا عَلٰى مَنَازِلِنَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَقَسْمِ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَالرَّجُلُ وَقِدَمُهُ وَالرَّجُلُ وَبَلَاؤُهُ وَالرَّجُلُ وَعِيَالُهُ وَالرَّجُلُ وَحَاجَتُهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت مالک ابن اوس ابن حدثان کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر فاروقؓ نے مال فئی کا ذکر کیا اور فرمایا کہ "اس مال" فئی کا میں تم سے زیادہ مستحق نہیں ہوں اور نہ ہم میں سے کوئی شخص اس مال فئی کا کسی دوسرے شخص سے زیادہ مستحق ہے البتہ ہم اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی تقسیم کے مطابق اپنے اپنے مرتبہ پر ہیں چنانچہ ایک وہ شخص ہے جو (قبولیت اسلام) قدامت رکھتا ہے، ایک وہ شخص ہے جو (دین کی راہ میں) شجاعت و بہادری کے (کارہائے نمایاں) اور سعی و مشقت (کے اوصاف) رکھتا ہے، ایک وہ شخص ہے جو اہل و عیال رکھتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جو ضرورت و حاجت رکھتا ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: "میں تم سے زیادہ مستحق نہیں ہوں۔" حضرت عمرؓ نے یہ بات اس وہم و گمان کو دور کرنے کے لئے فرمائی کہ وہ چونکہ خلیفہ رسول ہیں اس لئے جس طرح آنحضرت ﷺ اس مال کا سب سے زیادہ استحقاق رکھتے تھے ہو سکتا ہے کہ آپ کے بعد اب وہ (حضرت عمرؓ) اس کے سب سے زیادہ مستحق ہوں! حضرت عمرؓ نے اسی کی نفی کی کہ کسی دوسرے مسلمان کی طرح میں بھی اس مال کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں، پھر انہوں نے اس مال کا سب سے زیادہ استحقاق رکھنے کی نفی عمومیت کے طور پر فرمائی کہ ہم میں سے کوئی بھی شخص دوسرے شخص سے زیادہ حق دار نہیں ہے بلکہ اس مال کے استحقاق کی اصل بنیاد وہی فرق مراتب ہے جو کتاب اللہ کے اس ارشاد لِلْفُقَرَاءِ وَالْمُهَاجِرِيْنَ تین آیتوں تک اور وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ آخر آیت تک، یا ان آیتوں سے ظاہر ہے جو اس

بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسلمانوں کے مراتب میں تفاوت ہے کہ ہر شخص کو اس کے مرتبے کے مطابق کم یا زیادہ دیا جائے گا۔
"اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی تقسیم" میں "رسول اللہ کی تقسیم" کا عطف "کتاب اللہ" پر کیا گیا ہے، یعنی جس طرح کتاب اللہ کی مذکورہ آیتوں سے مسلمانوں کے فرق مراتب کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ کے طریقہ تقسیم سے بھی مراتب میں تفاوت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ اس مال کی تقسیم کے وقت دوسرے مسلمانوں کے بہ نسبت جنگ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کو زیادہ حصہ دیا کرتے تھے، اسی طرح جو صحابہ (صلح حدیبیہ کے موقع پر) بیعۃ الرضوان میں شریک تھے، ان کا لحاظ عام مسلمانوں سے زیادہ رکھتے تھے، یا جو شخص اہل و عیال والا ہوتا تھا اس کو مجرد شخص سے زیادہ دیتے تھے۔
"ایک وہ شخص ہے الخ" حضرت عمرؓ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ اوپر کی بات کو اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ مال فئی کی تقسیم کے وقت ہر شخص کے مرتبہ اور اس کی حیثیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اگر کوئی شخص قدیم الاسلام ہے تو اس کی اس خصوصیت کو دیکھنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص خدا کی راہ میں شجاعت و بہادری کے کارنامے انجام دینے والا اور دین کو پھیلانے میں سخت جدوجہد کرنے اور مشقت برداشت کرنے والا ہے تو اس کے اس وصف کو سامنے رکھنا چاہئے، اسی طرح اگر کوئی اہل و عیال والا زیادہ حاجت مند ہے تو اس کی اس حیثیت و حالت کا خیال کیا جانا چاہے غرضیکہ جس شخص کو جس طرح کی احتیاج و ضرورت ہو، اس کو اسی کے مطابق دینا چاہئے۔

(۷) وَعَنْهُ قَالَ قَرَأَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ حَتّٰى بَلَغَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ فَقَالَ هٰذِهٖ لِهٰؤُلَاءِ ثُمَّ قَرَأَ وَاعْلَمُوْآ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ حَتّٰى بَلَغَ وَابْنِ السَّبِيْلِ ثُمَّ قَالَ هٰذَا لِهٰؤُلَاءِ ثُمَّ قَرَأَ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى حَتّٰى بَلَغَ لِلْفُقَرَآءِ ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ اسْتَوْعَبَتِ الْمُسْلِمِيْنَ عَامَّةً فَلَئِنْ عِشْتُ فَلَيَاْتِيَنَّ الرَّاعِيَ وَهُوَ بِسَرْوِ حِمْيَرَ نَصِيْبُهٗ مِنْهَا لَمْ يَعْرَقْ فِيْهَا جَبِيْنُهٗ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت مالکؓ ابن اوس کہتے ہیں کہ (ایک موقع پر) حضرت عمر فاروقؓ نے یہ آیت پڑھی (جس میں زکوٰۃ کے مصارف کا بیان ہے) اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ اور اس آیت کو انہوں نے عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ تک پڑھا اور فرمایا کہ اس (زکوٰۃ کے مال) کو پانے کے مستحق یہی لوگ ہیں (جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے یعنی فقراء مساکین وغیرہ) پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی وَاعْلَمُوْآ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ اور اس آیت کو وَابْنِ السَّبِيْلِ تک پڑھا اور فرمایا کہ یہ (خمس کا مال) انہی لوگوں کا حق ہے (جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے یعنی ذوی القربٰی وغیرہ) اس کے بعد انہوں نے یہ آیت پڑھی (جس میں مال فئی کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ وہ کس کس کو دیا جائے) مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى اس آیت کو لِلْفُقَرَآءِ.... وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ تک پڑھا (ایک نسخہ میں یہ عبارت ہے کہ حَتّٰى بَلَغَ لِلْفُقَرَآءِ ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا اس کے مطابق مفہوم یہ ہوگا کہ انہوں نے اس آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ کو پڑھنا شروع کیا اور لِلْفُقَرَآءِ تک کی دو آیتوں کو پڑھا اور پھر یہ آیت وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ پڑھی) اور فرمایا کہ اس آیت نے سارے مسلمانوں کا احاطہ کرلیا ہے۔ لہٰذا اگر میری زندگی رہی تو (میری حدود خلافت میں کوئی ایسا مسلمان نہیں بچے گا جس کو اس کے حصہ کا مال نہ پہنچے یہاں تک کہ) اس چرواہے کو بھی مال فئی میں سے اس کا حصہ پہنچے گا جو مقام بسرو اور حمیر میں ہوگا درانحالیکہ اس (مال کے حاصل کرنے) میں اس کی پیشانی بھی عرق آلود نہیں ہوئی ہوگی۔"

(شرح السنۃ)

تشریح: "اس آیت نے سارے مسلمانوں کا احاطہ کرلیا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جن لوگوں کو دینے کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سارے ہی مسلمان آجاتے ہیں بخلاف پہلی دونوں آیتوں کے کہ ایک میں تو صرف مستحقین زکوٰۃ کا ذکر ہے اور دوسری میں مستحقین خمس کا۔
حضرت عمرؓ مال فئی میں سے خمس نکالنے کے قائل نہیں تھے جیسا کہ مال غنیمت میں سے خمس نکالا جاتا ہے، ان کے نزدیک پورا مال فئی مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح اور ان کی فلاح و عانت میں خرچ کیا جانا چاہئے جو قرآن و حدیث میں مذکور فرق مراتب کے ساتھ

ان کا حق ہے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے سوا اکثر ائمہ فقہ کا مسلک بھی یہی ہے، نیز حضرت عمرؓ اس کے بھی قائل تھے کہ مال فئی کی تقسیم کے سلسلے میں مسلمانوں کے درجات و مراتب کے تفاوت کا لحاظ ضروری ہے جب کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہر مسلمان کا برابر، برابر حصہ لگاتے تھے وہ قدامت اسلام اور نسب کی برتری وغیرہ کا لحاظ ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ اس چیز کا تعلق آخرت سے ہے اگر کوئی شخص پہلے مسلمان ہوا ہے اور کسی شخص نے دین کی راہ میں زیادہ شجاعت و بہادری اور زیادہ سعی و مشقت اختیار کی ہے تو ان کا یہ عمل اللہ کے لئے ہے اور ان کا اجر بھی اللہ ہی پر موقوف ہے ان چیزوں کو زیادہ مال کے استحقاق کی بنیاد نہیں بنانا چاہئے لیکن حضرت عمرؓ چونکہ فرق مراتب اور تفاوت درجات کو ملحوظ رکھتے تھے اس لئے وہ جب مال تقسیم کرتے تو حضرت عائشہؓ کو زیادہ دیتے اور حضرت حفصہؓ کو کم، اور ان (حضرت حفصہؓ) سے فرماتے کہ "بیٹی! تمہاری بہ نسبت عائشہؓ کو اس خصوصیت کی بناء پر زیادہ دیتا ہوں کہ) آنحضرت ﷺ کے نزدیک وہ (عائشہؓ) تم سے زیادہ چہیتی تھیں اور آنحضرت ﷺ کو تمہارے باپ کی (یعنی میری) بہ نسبت عائشہؓ کے باپ (یعنی حضرت ابوبکرؓ) سے زیادہ تعلق خاطر تھا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ (اپنے بیٹے) حضرت ابن عمرؓ کی بہ نسبت حضرت اسامہ ابن زیدؓ کا حصہ زیادہ لگایا کرتے تھے اور ان (ابن عمرؓ) سے بھی یہی فرماتے تھے کہ اسامہؓ کو تمہارے اوپر یہ فضیلت حاصل ہے کہ) آنحضرت ﷺ کو تمہاری بہ نسبت اسامہؓ سے زیادہ تعلق خاطر تھا اور تمہارے باپ سے زیادہ ان کا باپ آپ ﷺ کی نظر میں پسندیدہ تھا۔

"حمیر" یمن کے ایک علاقہ کا نام ہے جہاں یمن کے مشہور قبیلہ حمیر کے لوگ آباد تھے۔ اسی طرح "سرو" ایک جگہ کا نام تھا، جو "حمیر" کے علاقہ میں تھا۔

روایت کے آخر میں حضرت عمرؓ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے زندہ رکھا اور میری خلافت کے زمانے میں اسلام کو زیادہ سے زیادہ شہروں اور ملکوں پر تسلط و غلبہ حاصل ہوا اور اس کے نتیجہ میں مال فئی بھی بہت ہاتھ لگا تو ان میں سے تمام مسلمانوں کو ان کا حصہ پہنچے گا خواہ وہ کتنے ہی دور دراز کے شہروں اور دیہاتوں میں کیوں نہ رہتے ہوں اور اس کے باوجود کہ اس مال کو حاصل کرنے میں انہیں ذرا سی بھی محنت مشقت برداشت نہیں کرنا پڑی ہوگی۔

قضیہ فدک میں حضرت عمرؓ کا استدلال

⑧ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ فِيمَا احْتَجَّ بِهِ عُمَرُ اَنْ قَالَ كَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثُ صَفَايَا بَنُو النَّضِيْرِ وَخَيْبَرُ وَفَدَكُ فَاَمَّا بَنُو النَّضِيْرِ فَكَانَتْ حُبُسًا لِنَوَائِبِهِ وَاَمَّا فَدَكُ فَكَانَتْ حُبُسًا لِاَبْنَاءِ السَّبِيْلِ وَاَمَّا خَيْبَرُ فَجَزَّأَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ اَجْزَاءٍ جُزْئَيْنِ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَجُزْءً نَفَقَةً لِاَهْلِهِ فَمَا فَضَلَ عَنْ نَفَقَةِ اَهْلِهِ جَعَلَهُ بَيْنَ فُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت مالکؓ ابن اوس کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے جس بات سے استدلال کیا وہ یہ تھی کہ انہوں نے فرمایا کہ "رسول کریم ﷺ کے پاس تین صفایا تھیں۔ ① بنو نضیر۔ ② خیبر۔ ③ فدک۔ چنانچہ بنو نضیر (کے جلاوطن ہو جانے کے بعد ان کی جو زمین جائیداد قبضے میں آئی تھی اسے حاصل ہونے والا مال) آنحضرت ﷺ کے اخراجات (جیسے مہمانوں کی ضیافت و تواضع اور مجاہدین کے لئے ہتھیاروں اور گھوڑوں کی خریداری وغیرہ) کے لئے مخصوص تھا، فدک کے محاصل (ان) مسافروں (کی امداد و اعانت کرنے کے لئے) مخصوص تھے (جو اگرچہ اپنے وطن میں تو مال رکھتے ہوں مگر سفر کے دوران ان کے پاس مال و اسباب ختم ہو گیا ہو)۔ اور خیبر (کے محاصل) کے رسول کریم ﷺ نے تین حصے کر رکھے تھے، ان میں سے دو حصے تو آپ مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور ایک حصہ اپنے اہل و عیال کے اخراجات کے لئے رکھتے تھے اور اس میں سے بھی اہل اعیال کے خرچ سے جو کچھ بچ جاتا اس کو آپ ﷺ نادار مہاجرین پر خرچ کر دیتے تھے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "جس بات سے استدلال کیا الخ یعنی جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ فدک کے مال کے بارے میں اپنا مطالبہ لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کے مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور جن جائیداد و زمینوں پر آنحضرت ﷺ کا ذاتی حق تھا (جیسے بنو نضیر، خیبر اور فدک کی زمین، جائیدادیں) ان کے بارے میں مذکورہ بالا تفصیل بیان کی اور چونکہ اس تفصیل کے بیان کے وقت دوسرے صحابہؓ بھی موجود تھے جن میں سے کسی نے بھی حضرت عمرؓ کی بیان کردہ تفصیل کی تردید نہیں کی اس لئے گویا یہ بات ان کے فیصلے کی دلیل قرار پائی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اتنا ضرور کیا کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کو فدک کے محاصل کا متولی بنا دیا کہ وہ دونوں اس محاصل کو اسی طرح صرف کریں جس طرح آنحضرت ﷺ صرف کیا کرتے تھے۔

"صفایا" صفیہ کی جمع ہے اور "صفیہ" اس کو کہتے ہیں کہ امام وقت (اسلامی مملکت کا سربراہ) مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کوئی چیز چھانٹ کر اپنے لئے مخصوص کرے۔ یہ بات صرف آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص تھی کہ آپ ﷺ مال غنیمت میں سے خمس کے علاوہ اور بھی جو چیز جیسے لونڈی، غلام، تلوار اور گھوڑا وغیرہ چاہتے اس کو لے لینے کا حق رکھتے تھے. لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد کسی دوسرے امام وقت کے لئے یہ بات جائز نہیں۔

"فدک" ایک بستی کا نام تھا جو خیبر کے مواضعات میں سے تھی اور مدینہ سے دو روز کے فاصلہ پر واقع تھی یہ ایک شاداب اور سرسبز جگہ تھی جہاں زیادہ تر کھجور کے اور تھوڑے، بہت دوسرے پھلوں کے باغات تھے۔ رسول کریم ﷺ کو فدک پر صلح کے ذریعہ تسلط حاصل ہوا تھا اور صلح کی بنیاد یہ معاہدہ تھا کہ وہاں کی آدھی زمین تو فدک والوں کی رہے گی آدھی زمین پر آنحضرت ﷺ کا حق ہوگا، چنانچہ فدک کی وہ آدھی زمین آنحضرت ﷺ کی ذاتی ملکیت میں رہی جس کی آمدنی اور پیداوار سے آپ ﷺ حدیث کے مطابق محتاج مسافرین کی امداد واعانت فرماتے تھے۔

خیبر کے محاصل کو آپ ﷺ تین حصوں میں اس لئے تقسیم کرتے تھے کہ خیبر کا علاقہ اصل میں بہت سارے مواضعات اور بستیوں پر مشتمل تھا ان میں سے بعض گاؤں تو بزور طاقت فتح کئے گئے تھے اور بعض گاؤں بغیر جنگ و جدال کے صلح کے ذریعہ قبضہ و اختیار میں آئے تھے، چنانچہ جو گاؤں بزور طاقت فتح کئے گئے تھے ان سے حاصل ہونے والا مال چونکہ "مال غنیمت" تھا اس لئے اس میں سے آپ ﷺ خمس لیتے تھے اور جو گاؤں بذریعہ صلح قبضہ و اختیار میں آئے تھے ان سے حاصل ہونے والا مال چونکہ "مال فئی" تھا اس لئے وہ تمام تر آپ ﷺ کی ذاتی ملکیت تھا جس کو آپ ﷺ اپنی ضروریات، اپنے اہل و عیال کے اخراجات اور عام مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح میں جہاں مناسب سمجھتے صرف کرتے تھے۔ لہذا اس بنا پر تقسیم و مساوات کا تقاضہ یہی تھا کہ آپ ﷺ خیبر کے سارے مال کو اپنے اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کے لئے تین حصوں میں کر کے دو حصے مسلمانوں کو دیں اور ایک حصہ اپنے پاس رکھیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

قضیہ فدک وغیرہ کی تفصیل

(۹) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ اِنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ جَمَعَ بَنِي مَرْوَانَ حِيْنَ اسْتُخْلِفَ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ فَدَكُ فَكَانَ يُنْفِقُ مِنْهَا وَيَعُوْدُ مِنْهَا عَلٰى صَغِيْرِ بَنِي هَاشِمٍ وَيُزَوِّجُ مِنْهَا اَيِّمَهُمْ وَاَنَّ فَاطِمَةَ سَاَلَتْهُ اَنْ يَجْعَلَهَا لَهَا فَاَبٰى فَكَانَتْ كَذٰلِكَ فِيْ حَيَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ فَلَمَّا اَنْ وُلِّيَ اَبُوْبَكْرٍ عَمِلَ فِيْهَا بِمَا عَمِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اَنْ وُلِّيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَمِلَ فِيْهَا بِمِثْلِ مَا عَمِلَ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ ثُمَّ اَقْتَطَعَهَا مَرْوَانُ ثُمَّ صَارَتْ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فَرَاَيْتُ اَمْرًا مَنَعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ وَاِنِّيْ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ رَدَدْتُهَا عَلٰى مَا كَانَتْ يَعْنِيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ وَاَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز ابن مروان ابن حکم رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے مروان کے بیٹوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ "رسول کریم ﷺ فدک (کی زمین وجائیداد) پر اپنا ذاتی حق رکھتے تھے جس کے محاصل (آمدنی۔ وپیداوار) کو آپ ﷺ (اپنے اہل وعیال اور فقراء و مساکین پر) خرچ کرتے تھے، اسی میں سے بنوہاشم کے چھوٹے بچوں (کی امداد و اعانت پر خرچ کر کے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے اور بے شوہر عورتوں اور بغیر زن مردوں کی شادی کرتے تھے! (ایک مرتبہ) حضرت فاطمہ نے آنحضرت ﷺ سے یہ درخواست کی تھی کہ فدک (کی زمین وجائیداد) دیجئے لیکن آپ ﷺ نے ان کی درخواست کو رد کر دیا، رسول کریم ﷺ کی زندگی میں اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو ان کا معمول بھی وہی رہا جو رسول کریم ﷺ کا اپنی حیات مبارکہ میں رہا تھا یعنی آنحضرت کے مذکورہ معمول کی طرح حضرت ابوبکرؓ بھی فدک کے محاصل کو آنحضرت ﷺ کے اہل وعیال اور بنوہاشم کے بچوں پر اور نادار مرد وعورتوں کی شادی میں خرچ کرتے تھے) یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ اللہ کو پیارے ہو گئے اور (ان کے بعد) جب حضرت عمر ابن خطابؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو اس سلسلہ میں ان کا بھی عمل وہی رہا جو ان دونوں (یعنی آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ) کا رہا تھا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے اور پھر مروان نے (حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں یا اپنی حکمرانی کے دور میں) اس (فدک) کو اپنی (اور اپنے وارثین کی) جاگیر قرار دیا چنانچہ (اب) وہ جاگیر عمر ابن عبدالعزیز ابن مروان کی ہو گئی ہے، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ جس چیز کو رسول کریم ﷺ نے (اپنی بیٹی) فاطمہؓ کو نہیں دیا اس کا مستحق میں بھی نہیں ہو سکتا، لہٰذا میں تمہیں (اپنے اس فیصلہ کا) گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اس کی اسی حیثیت پر واپس کر دیا ہے۔ جس پر وہ تھا یعنی رسول کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں (جس طریقہ پر اس کے محاصل کو خرچ کیا جاتا تھا اب پھر اسی طریقہ پر خرچ کیا جائے گا اور فدک کسی شخص کی ذاتی جاگیر نہیں بنے گا۔" (ابوداؤد)

تشریح: جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے بنو نضیر، فدک اور خیبر کی زمین جائیدادیں آنحضرت ﷺ کی ذاتی ملکیت تھیں چونکہ وہ زمین ، جائیدادیں آنحضرت ﷺ کے بعد بھی باقی رہی تھیں اس لئے آپ کے اہل بیت اور خاندان کے کچھ افراد نے ان پر اپنی میراث کا دعوی کیا اور خلیفۂ وقت سے اس کا مطالبہ کیا، پھر ان میں آپس میں بھی کچھ اختلافات پیدا ہوئے اس طرح ان زمین جائیدادوں کا قصہ بڑا عجیب وغریب ہو گیا اگرچہ وہ ایک وقتی قضیہ تھا جس کی بنیاد کسی غلط جذبہ پر نہیں تھی لیکن پھر بھی بعد کے زمانوں میں کم فہم اور کج رو لوگوں نے اس سے غلط نتائج اخذ کرنے شروع کر دیئے اور ایسے ایسے افسانے تراشے جن سے دوسرے لوگوں کے ذہن بھی فاسد ہوئے اس سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتب صحاح سے منتخب کر کے اس قضیہ کی کچھ تفصیل اور اس کے بارے میں کچھ باتیں نقل کر دی جائیں۔

صحیح بخاری میں حضرت مالکؓ ابن عوس ابن حدثان سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن امیرالمؤمنین حضرت عمر ابن خطابؓ نے مجھ کو اپنے پاس بلا بھیجا، میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کا غلام یرفاء آیا اور کہا کہ "امیرالمؤمنین" حضرت عثمان ابن عفانؓ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ حضرت زبیر بن عوامؓ اور حضرت سعد ابن ابو وقاصؓ دروازہ پر بیٹھے ہوئے ہیں اور حاضری کی اجازت چاہتے ہیں" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "آ جانے دو!" وہ سب حضرات آ گئے، تھوڑی دیر بعد یرفاء پھر آیا اور کہا کہ (حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ (حاضری کی) اجازت چاہتے ہیں، اگر حکم ہو تو آنے دیا جائے" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "آنے دو!" جب وہ بھی آ گئے تو حضرت عباسؓ نے کہا کہ "امیرالمؤمنین! ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کیجئے (یعنی میرے اور علیؓ کے قضیہ کو نمٹائیے) یہ بنو نضیر کے اس مال و جائیداد کے بارے میں جھگڑے کی صورت اختیار کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے حق میں فئی قرار دیا تھا۔" پھر حضرت عباسؓ اور علیؓ آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے، وہاں موجود دوسرے لوگوں (یعنی حضرت عثمانؓ وغیرہ) نے بھی کہا کہ "ہاں امیرالمؤمنین! ان دونوں کے معاملہ کا تصفیہ کر دیجئے اور ان کو ایک دوسرے (کے جھگڑے) سے نجات دلائیے" (یہ سن کر) حضرت عمرؓ

نے فرمایا کہ "ذرا صبر و سکون سے کام لو، میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ ہم یعنی انبیاء میراث نہیں چھوڑتے (یعنی ہمارا چھوڑا ہوا مال کسی کا ورثہ نہیں ہوتا) ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔" حاضرین نے کہا کہ ہاں! (ہم کو یاد ہے) بیشک آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔" پھر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔" میں تم دونوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم کو نہیں معلوم کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا؟" حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ "ہاں! (ہم کو بھی یاد ہے) آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔" حضرتؓ نے فرمایا کہ "تو میں تم کو اس بات سے (بھی) آگاہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مال فئی کے بارے میں اپنے رسول کو وہ خاص خصوصیت عطا کی تھی جو آپ ﷺ کے علاوہ اور کسی کو عطا نہیں کی پھر حضرت عمرؓ نے یہ آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ آخر تک پڑھی اور فرمایا کہ۔ پس یہ سارا مال آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص تھا، لیکن خدا کی قسم! آپ ﷺ نے اس مال کو تمہارے پاس جمع نہیں کیا اور نہ اس کے ذریعہ تم پر کوئی ایثار کیا، (بلکہ) آپ ﷺ وہ مال تمہیں (ہی) دیا کرتے تھے اور تمہارے درمیان تقسیم کرتے تھے، پھر جو کچھ بچتا آپ ﷺ اس میں سے اپنے اہل و عیال کا خرچ چلاتے اس کے بعد بھی جو بچ جاتا اس کو آپ ﷺ نیک کاموں (جیسے فقراء و مساکین کی امداد و اعانت) اور عام مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح (جیسے ہتھیاروں اور گھوڑوں وغیرہ کی خریداری) میں صرف کرتے۔ رسول کریم ﷺ کا اپنی زندگی کے آخر تک یہی معمول رہا، پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر کہ "میں رسول خدا کا خلیفہ ہوں۔" اس مال کو اپنے قبضے میں لے لیا اور اس کے خرچ و تصرف کا وہی نظام باقی رکھا جو آنحضرت ﷺ نے جاری کیا۔"

(اس موقعہ پر) حضرت علی و حضرت عباسؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ "تم اس وقت حضرت ابوبکرؓ کا ذکر برائی کے ساتھ کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اس بارے میں ابوبکرؓ صحیح راستے پر نہیں ہیں، حالانکہ تم جو کچھ کہتے تھے ویسا نہیں تھا اور خدا خوب جانتا ہے کہ ابوبکرؓ اپنے اس عمل میں صادق، نیکوکار، ہدایت یافتہ اور حق کے تابع تھے، پھر جب حضرت ابوبکرؓ اللہ کو پیارے ہو گئے (اور میں خلیفہ بنا) تو میں نے کہا کہ میں رسول خدا کا خلیفہ اور حضرت ابوبکرؓ کا ولی (جانشین) ہوں، اس لئے میں نے اس مال و جائیداد کو دو سال تک اپنے اختیار و قبضے میں رکھا اور اس کے خرچ و تصرف کا وہی نظم و طریقہ اختیار کیا جو آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کا تھا اور خدا خوب جانتا ہے کہ میں اپنی اس بات اور اپنے اس عمل میں صادق، نیکوکار، ہدایت یافتہ اور حق کے تابع ہوں، ڈیڑھ دو سال کے بعد تم دونوں (علیؓ و عباسؓ) میرے پاس آئے اور تم دونوں نے ایک ہی بات کہی (کہ آنحضرت ﷺ کا مال ہم کو دے دو) میں نے (تمہارے مطالبہ کے جواب میں) تم سے کہا تھا کہ رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "ہم (انبیاء) میراث نہیں چھوڑتے بلکہ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ (ہوتا) ہے۔" لیکن جب میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ مجھے اس مال و جائیداد کو تمہارے سپرد کر دینا چاہئے تو میں نے تم سے کہا کہ "اگر تم چاہتے ہو تو میں یہ مال و جائیداد اس شرط پر تمہارے سپرد کر سکتا ہوں کہ تم (اس بات کا عہد کرو کہ) اس مال کو خرچ کرنے کا وہی نظم و طریقہ باقی رکھو گے جو آنحضرت ﷺ نے جاری کیا تھا اور جس پر حضرت ابوبکرؓ نے اور خلیفہ ہونے کے بعد میں نے عمل کیا تھا اور اگر تم لوگوں کو یہ شرط منظور نہ ہو تو پھر آئندہ اس بارے میں مجھ سے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" تم نے (اس شرط کو منظور کر لیا اور) کہا کہ "آپ اس مال و جائیداد کو اس شرط پر ہمارے حوالے کر دیجئے۔" چنانچہ میں نے تمہارے سپرد کر دیا۔ (تم لوگوں کو یہ ساری بات اچھی طرح یاد ہوگی) تو کیا تم لوگ اب مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ (اس سلسلے میں جو بات میرے اور تمہارے درمیان طے ہو چکی ہے) میں اس کے خلاف فیصلہ کروں؟ نہیں! اس خدا کی قسم جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں، میں قیامت تک بھی اس کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتا، ہاں اگر تم اس مال و جائیداد کے انتظام سے عاجز آ گئے ہو تو اس کو دوبارہ میرے حوالے کر دو میں تمہیں اس کے انتظامی جھمیلوں سے بے پرواہ کر دوں گا اور خود مشقت اٹھا کر (بھی) اس کا انتظام کروں گا۔"

اس روایت کے راوی حضرت امام زہریؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے بارے میں حضرت عروہ ابن زبیرؓ سے بیان کیا تو

انہوں نے کہا کہ مالکؒ ابن اوس نے بالکل صحیح بیان کیا ہے، میں نے حضرت عائشہؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد (کچھ) ازواج مطہرات نے حضرت عثمانؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس بھیج کر اس مال وجائیداد کی اپنی میراث کا مطالبہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مال فئی کے طور پر عطا کیا تھا (جب مجھے یہ معلوم ہوا تو) میں نے ان کی مخالفت کی اور ان سے کہا کہ تمہیں خدا کا خوف محسوس نہیں ہوتا؟ کیا رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد تمہارے علم میں نہیں ہے کہ "ہم میراث نہیں چھوڑتے بلکہ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ (ہوتا) ہے اور آل محمد اس میں سے کھائے گی۔" تب ازواج مطہرات آنحضرت ﷺ کی میراث کے مطالبہ سے باز آئیں اور میرے بیان کی ہوئی حدیث کی بناء پر انہوں نے رجوع کر لیا۔

حضرت عروہ کہتے تھے (حضرت عمرؓ نے جب آنحضرت کا وہ صدقہ یعنی بنونضیر کا وہ مال جو مدینہ میں تھا اور جس کے بارے میں مذکورہ بالا قضیہ تھا حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ کی تولیت میں دے دیا تھا تو کچھ دنوں کے بعد) حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ پر غلبہ حاصل کر کے اس کو تنہا اپنے قبضۂ تولیت میں لے لیا تھا، ان کے بعد حضرت حسن ابن علیؓ کے قبضے میں آیا، حضرت حسنؓ کے بعد حضرت حسینؓ کے قبضے میں آیا۔ ان کے بعد علی ابن حسین اور حسن ابن حسین کے قبضے میں رہا کہ یہ دونوں باری باری اس کو اپنے قبضے میں رکھتے تھے، ان کے بعد زید ابن حسن کے پاس آگیا۔ اور ایمانداری و سچائی کے ساتھ یہ (مال وجائیداد) رسول کریم ﷺ کا صدقہ ہے کسی شخص کی میراث وملکیت نہیں ہے۔"

یہ بخاری کی حدیث کا اختصار ہے جس کو انہوں نے کتاب المغازی میں بنونضیر کے واقعہ کے تحت نقل کیا ہے۔ کتاب الخمس میں بھی بعض الفاظ کے فرق کے ساتھ اسی طرح کی حدیث بیان کی ہے۔

• یہ روایت بھی بخاری کی ہے کہ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور عباسؓ، حضرت ابوبکرؓ کے پاس فدک کی زمین وجائیداد و خیبر کے حصے کی میراث کا مطالبہ لے کر آئے، حضرت ابوبکرؓ نے ان سے فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑیں صدقہ ہے۔ اس مال میں سے آل محمد ﷺ کھائے گی۔" خدا کی قسم میرے نزدیک رسول خدا کی قرابت والوں کے حقوق کی حفاظت کرنا) اور ان کے ساتھ حسن سلوک و بھلائی کا معاملہ کرنا اپنے قرابت والوں کے ساتھ حسن سلوک سے زیادہ محبوب اور عزیز تر ہے۔

پیچھے جو طویل حدیث نقل کی گئی ہے اور جس میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے اپنا قضیہ لے کر آنے کا ذکر ہے اس کو صاحب جامع الاصول نے بھی اپنی کتاب میں بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ (اس حدیث کے سلسلے میں) ابوداؤد نے یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے حضرت عمر فاروقؓ سے جو مطالبہ کیا تھا اس کا مقصد صرف یہ درخواست کرنا تھا کہ آپ نے جس مال وجائیداد کو مشترکہ طور پر ہم دونوں کی تولیت میں دیا تھا اب اس کو آدھوں آدھ بانٹ کر ہم دونوں کی تولیت اور سپردگی میں الگ الگ حصہ دے دیجئے، نہ کہ وہ دونوں حضرات آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد "ہم (انبیاء) میراث نہیں چھوڑتے۔" سے غافل ولاعلم تھے اور واقعۃً ان کا مقصد اس مال وجائیداد کو اپنی میراث قرار دینا تھا۔ چنانچہ ان دونوں کی نیت بھی صادق تھی اور ان کا مطالبہ بھی ایک درست عمل (یعنی اس مال وجائیداد کے انتظام میں زیادہ بہتری پیدا کرنے کے تقاضے کے پیش نظر تھا تاہم اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے ان کے مطالبہ کو پورا نہیں کیا بلکہ انہوں نے یہ واضح کر دیا کہ میں اس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ کسی بھی صورت میں اس مال وجائیداد پر تقسیم کا نام آئے بلکہ اس کو جوں کا توں رکھنا ہی میرے نزدیک زیادہ ضروری ہے۔

بخاریؒ نے کتاب الخمس میں حضرت عروہؒ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ان (عروہؒ) سے حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مطالبہ کیا کہ ان کو وہ میراث دی جائے جو رسول کریم ﷺ اس مال وجائیداد میں سے چھوڑ گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مال فئی کے طور پر عطا فرمایا تھا۔" حضرت ابوبکر

صدیقؓ نے ان کو جواب دیا کہ "(تمہارا یہ مطالبہ قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ) رسول کریم ﷺ گرامی کا یہ ارشاد ہے کہ:

لَا نُوْرَثُ مَاتَرَكْنَاهُ صَدَقَةً۔

"یعنی ہم انبیاء میراث نہیں چھوڑتے ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔"

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ مال میرے قبضہ و اختیار میں ہے اور جب میں مرجاؤں گا تو اس شخص کے قبضہ و اختیار میں ہوگا جو میرے بعد خلافت و امارت کی ذمہ داریاں سنبھالے گا۔ حضرت فاطمہؓ کو اس بات سے سخت ناگواری ہوئی یہاں تک کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے ہجران (یعنی ترک سلام و کلام) کرلیا اور اپنی وفات تک اسی ترک سلام و کلام پر قائم رہیں۔ واضح رہے کہ حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد صرف چھ مہینے تک بقید حیات رہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

حضرت فاطمہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس مال و جائداد میں سے اپنے مال و حصے کا مطالبہ کیا کرتی تھیں جو آنحضرت ﷺ نے خیبر و فدک کی زمین و باغات اور مدینہ میں اپنے صدقہ (یعنی بنو نضیر کے مال و جائیداد) کی صورت میں چھوڑا تھا، لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا کرتے تھے کہ میں کسی ایسی چیز کو ترک نہیں کروں گا جس پر آنحضرت ﷺ کا معمول رہا ہو، اس مال و جائیداد کے بارے میں میرا وہی عمل رہے گا جو آنحضرت ﷺ کا رہا ہے، مجھے خوف محسوس ہوتا ہے کہ اگر میں کسی ایسی چیز پر عمل کرنے سے باز رہوں جو آنحضرت ﷺ کے حکم و منشا کے مطابق ہے تو یقیناً میرا یہ فعل راہ حق سے اعراض و گریز کے مرادف ہوگا"

چنانچہ (حضرت ابوبکرؓ آخر تک اپنے اسی فیصلے پر قائم رہے اور پھر ان کی وفات کے بعد) حضرت عمر فاروقؓ نے یہ صورت اختیار کی کہ آنحضرت نے مدینہ میں جو صدقہ چھوڑا تھا (یعنی بنو نضیر کی زمین جائداد) اس کو تو حضرت عباسؓ اور علیؓ کے سپرد کردیا (کہ وہ دونوں حضرات مشترکہ طور پر اس کی تولیت کے فرائض انجام دیں) اور خیبر و فدک کی زمین، جائیداد کو اپنی تولیت میں رکھا اور فرمایا کہ "یہ رسول خدا ﷺ کا (چھوڑا ہوا) صدقہ ہے، جس سے آپ ﷺ کے حقوق متعلق تھے۔" نیز انہوں نے (کسی فرمان یا وصیت کے ذریعہ) ان زمین، جائیدادوں کا متولی و نگران اسی شخص کو قرار دیا جو خلافت و امارت کی ذمہ داریاں سنبھالے۔ چنانچہ وہ اب تک اسی صورت حال کے مطابق ہیں۔

بہرحال، اس بارے میں اوپر جو احادیث نقل کی گئیں یا وہ احادیث جو اسی مفہوم و مضمون سے متعلق صحاح ستہ میں متعدد طرق و اسانید سے منقول ہیں ان سب سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ارشاد گرامی لا نورث ماترکناہ صدقۃ کا صحیح تر ثابت اور معمول بہ ہونا، آنحضرت ﷺ نے مال و جائیداد کی قسم سے جو کچھ چھوڑا اس کا عام مسلمانوں کے درمیان مشترک ہونا اور ان کے اجتماعی مفاد و مصالح میں خرچ کیا جانا اور اس کا اس شخص کے قبضہ و اختیار میں ہونا جو خلافت و امارت کا منصب سنبھالے ہوئے ہو تمام صحابہ حتی کہ حضرت عباسؓ کے نزدیک بھی ایک متفق علیہ مسئلہ تھا۔

لیکن یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس مال و جائیداد کو حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی تولیت میں دیا جانا ایک درست عمل اور بہتر طریقہ تھا تو حضرت عمرؓ نے شروع ہی میں یہ صورت اختیار کیوں نہ کرلی اور اگر وہ کوئی درست عمل اور بہتر طریقہ نہیں تھا، تو پھر انہوں نے بعد میں اس مال و جائیداد کو ان لوگوں کی تولیت میں کیوں دیا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شروع میں ان دونوں کا مطالبہ چونکہ یہ تھا کہ اس مال و جائیداد کو ان کی ملکیت میں دے دیا جائے اس لئے حضرت عمرؓ نے ان کے مطالبہ کو منظور نہیں کیا اور پھر بعد میں جو ان لوگوں کو دیا تو اس کی بنیاد یہ تھی کہ ان لوگوں کو اس مال و جائیداد کا مالک نہیں بنایا گیا بلکہ صرف متولی و منتظم بنایا گیا تھا اور یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ اس کو انہی مصارف میں خرچ کیا جائے گا جن میں

آنحضرت ﷺ خرچ کرتے تھے۔ مگر بات یہیں صاف نہیں ہو جاتی بلکہ جیسا کہ خطابیؒ نے کہا ہے، مسئلہ میں ایک دوسری طرف الجھاؤ پیدا ہوتا ہے اور وہ اس سوال کی صورت میں کہ جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے اس مال و جائیداد کو مذکورہ شرط پر قبضے میں لیا تھا اور ان لوگوں نے یہ اعتراف بھی کیا تھا کہ یہ مال و جائیداد آنحضرت ﷺ کا ورثہ نہیں ہے اور جلیل القدر مہاجر صحابہؓ نے اس کی تصدیق بھی کی تھی تو پھر آخر ان لوگوں کے درمیان یہ اختلاف و خصومت کی شکل کیوں پیدا ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس تولیت میں شرکت دونوں ہی پر شاق گزر رہی تھی لہٰذا انہوں نے یہ درخواست کی کہ اس مال و جائیداد کو تقسیم کر کے ہر ایک کو ایک ایک حصے کا منتظم و متولی بنا دیا جائے تاکہ دونوں ایک دوسرے سے کوئی واسطہ رکھے بغیر اپنے اپنے حصے کی دیکھ بھال اور اس کے خرچ و تصرف کا انتظام آزادی و یکسوئی کے ساتھ کرتے رہیں، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست کو اس لئے قبول نہیں کیا کہ مبادا یہ تقسیم ملکیت کی صورت کے مشابہ ہو جائے کیونکہ تقسیم املاک میں ہوا کرتی ہے، دوسرے یہ کہ فی الوقت نہ سہی لیکن طویل زمانہ گذر جانے پر اس میں خود بخود ملکیت کا شائبہ ہونے لگتا ہے۔

حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ سے زیادہ الجھا ہوا مسئلہ حضرت فاطمہؓ کا ہے کیونکہ اگر ان کے مطالبہ کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی اس حدیث اور آپ ﷺ کے اس عمل سے قطعا لاعلم تھیں تو یہ بات بعید از حقیقت ہوگی اور اگر یہ کہا جائے کہ بہر حال ممکن ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ سے یہ ارشاد سننے کا اتفاق نہ پڑا ہو تو پھر یہ سوال کھڑا ہوتا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے ان کے سامنے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بیان فرمایا اور دوسرے صحابہؓ نے بھی اس کی تصدیق کی تو پھر انہوں نے اس بات کو قبول کرنے سے کیوں انکار کیا اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اس قدر ناراضگی کی صورت کیوں اختیار کی یا اگر ناراضگی کی صورت اس حدیث کو سننے سے پہلے پیدا ہو چکی تھی تو سننے کے بعد انہوں نے اس کو ختم کیوں نہیں کیا جس نے اتنا طول کھینچا کہ وہ زندگی کے آخری لمحہ تک حضرت ابوبکرؓ سے ترک سلام و کلام پر قائم رہیں؟۔

کرمانیؒ نے بخاری کی شرح میں اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی ناراضگی اصل میں ایک ایسی صورت تھی جو ان میں بتقاضائے بشریت پیدا ہو گئی تھی اور "ہجران" سے ہجران محرم یعنی ترک سلام و کلام اور انقطاع تعلق مراد نہیں ہے بلکہ ملنے جلنے سے طبیعت میں انقباض و کوفت کا پیدا ہو جانا مراد ہے۔

علاوہ ازیں بعض روایات میں منقول ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان مذکورہ صورت حال پیدا ہو گئی (کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے حضرت فاطمہؓ کا مطالبہ تسلیم نہ کئے جانے کی وجہ سے وہ ان سے ناراض ہو گئیں) تو (ایک دن) حضرت ابوبکرؓ حضرت فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور آفتاب کی سخت گرمی اور دھوپ کی شدید تمازت کے باوجود ان کے دروازے پر کھڑے رہے اور ان سے عذر خواہی کرتے رہے اور یہ فرمایا کہ "خدا کی قسم! رسول خدا ﷺ کی قرابت (کے حقوق کی رعایت و حفاظت) مجھے اپنی قرابت سے زیادہ محبوب اور عزیز تر ہے لیکن میں کیا کروں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے اس حدیث کو سنا ہے اور دوسرے صحابہؓ اس پر گواہ ہیں۔" تب حضرت فاطمہؓ (کا دل صاف ہو گیا اور ان) کی ناراضگی ختم ہو گئی۔

تمت بالخیر